جلد اوّل

گجرات پیڈیا

(جغرافیائی، تاریخی، سماجی، سیاسی، تہذیبی، معاشی اور ادبی جائزہ)

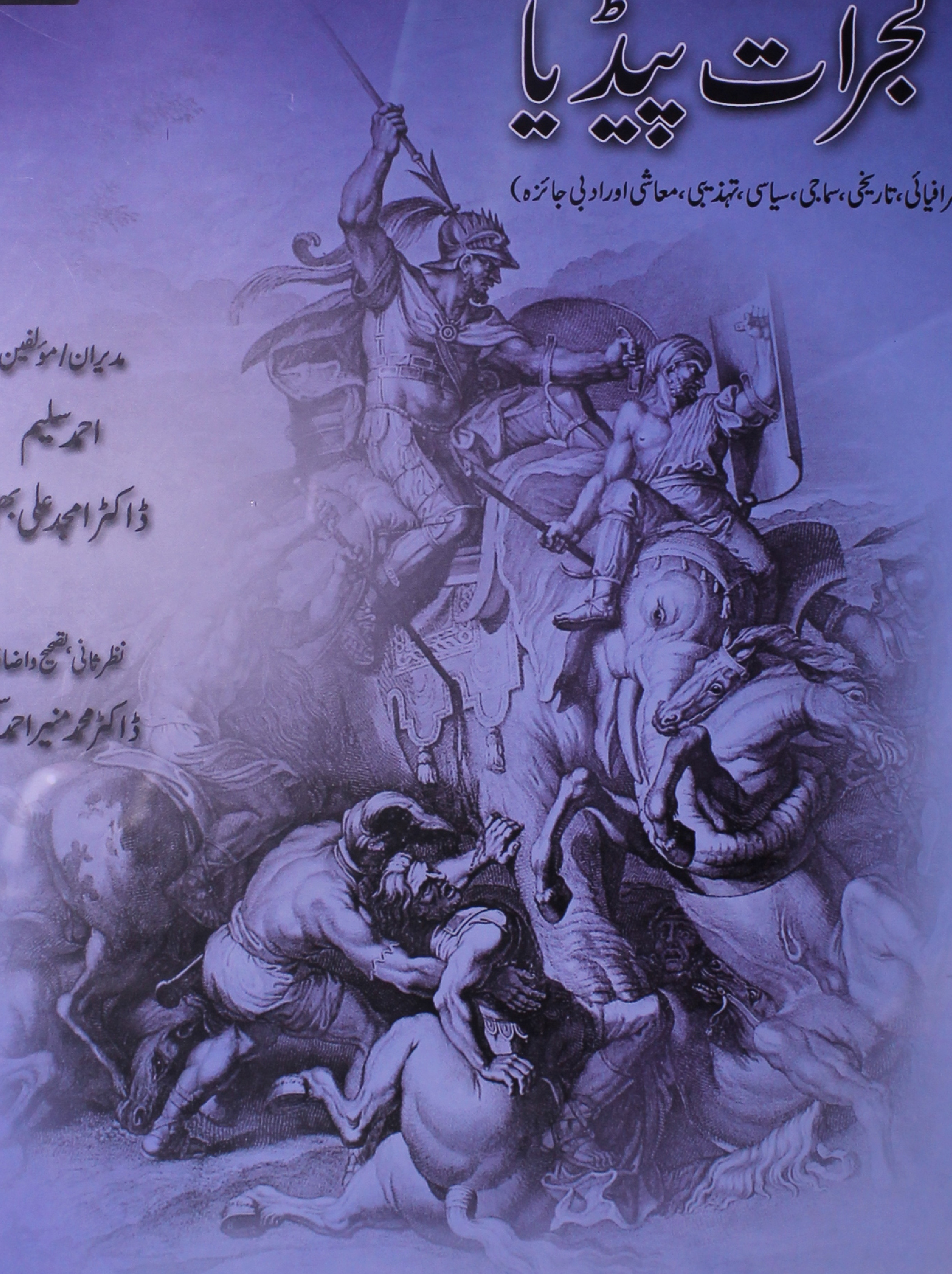

مدیران / مولفین

احمد سلیم

ڈاکٹر امجد علی بھٹی

نظرثانی، تصحیح و اضافہ

ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ

یونیورسٹی آف گجرات

یونیورسٹی آف گجرات پریس (UOGP)

جامعہ گجرات وطن عزیز میں اعلیٰ تعلیم کے منظر نامے پر تیزی سے اُبھرتی ہوئی ایسی دانش گاہ ہے جو علمِ نافع کی ترویج و ترقی کے لئے ہمہ وقت کوشاں ہے۔ علم و تحقیق کے ذوق اور اشاعت کو عام کرنے کے لئے اس جامعہ نے 'شعبہ تصنیف و تالیف و اشاعت قائم کیا ہے جس نے دنیا بھر کی ممتاز جامعات کے اشاعتی شعبوں University Presses کی نہج پر ایسا اشاعتی منصوبہ تشکیل دیا ہے جس کے زیرِ انتظام وہ علمی و تحقیقی اور فکری و ادبی تحقیقات و تالیفات جنہیں نجی اشاعتی ادارے تجارتی حوالے سے منفعت بخش نہ سمجھتے ہوئے شائع کرنے سے گریزاں ہوں انہیں 'نفع و نقصان' کے بغیر شائع کیا جا سکے۔

اس اشاعتی منصوبے کو ثمر آور بنانے کی ذمہ داری جامعہ گجرات کے شعبہ تصنیف و تالیف و اشاعت کو سونپی گئی ہے اور اس کارِ خیر کے لیے جدید ترین مشینری اور ٹیکنالوجی کی فراہمی کو ممکن بنایا گیا ہے۔ نیز ہمہ پہلو مہارتوں کے حامل مدیران کی جائزہ کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے۔

جامعہ گجرات پاکستان میں 'علمی ثقافت' کے فروغ میں فعال کردار کے ذریعے بھرپور حصہ ڈالنے کی آرزومند ہے۔ اس ضمن میں ملک کے تمام اہلِ علم و دانش، محققین و مصنفین اور ادیبوں و قلمکاروں کو دعوتِ عام ہے کہ وہ اپنی تخلیقات، مقالوں اور تحقیقی کاوشوں کا خلاصہ (abstract) جامعہ گجرات کو uogp@uog.edu.pk پر بھجوا دیں تاکہ اشاعتی مرحلے سے قبل جائزہ کمیٹی کو پیش کیا جا سکے۔

امید واثق ہے کہ ہماری نیک نیتی، عزم اور مذکورہ بالا حروف کی آبرو کا اثر بتدریج ملک و قوم کی بہتری اور علمی ثقافت کے فروغ کا باعث ہوگی...... (انشاءاللہ)

گجرات پیڈیا

(جغرافیائی، تاریخی، سماجی، سیاسی، تہذیبی، معاشی اور ادبی جائزہ)

مدیران / مؤلفین

احمد سلیم

ڈاکٹر امجد علی بھٹی

جلد اوّل

نظرِ ثانی و اضافے

ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ

شعبہ تصنیف و تالیف:

یونیورسٹی آف گجرات

حافظ حیات کیمپس، جلالپور جٹاں روڈ گجرات

فون: 3643331 053، فیکس: 3643167-3643163 053

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

بحق یونیورسٹی آف گجرات

عالمی معیاری نمبر: ISBN: 978-969-9339-09-7

نام کتاب	:	گجرات پیڈیا
مدیران/مؤلفین	:	احمد سلیم/ڈاکٹر امجد علی بھٹی
نظر ثانی و اضافے	:	ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ
ترغیب و تدبیر	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین
جلد	:	اوّل
ترتیب و تشکیل	:	شیخ عبدالرشید
تزئین و تبیین	:	میاں ندیم/زبیر امانت
سرِ ورق	:	میاں محمد ندیم
نگران طباعت	:	شیخ عبدالرشید
ناشر	:	شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ گجرات
طباعت	:	یو او جی پریس، گجرات
سال اشاعت	:	نومبر 2012ء
قیمت:	:	2000 روپے

شعبہ تصنیف و تالیف

یونیورسٹی آف گجرات

حافظ حیات کیمپس، جلالپور جٹاں روڈ گجرات

فون: 053 3643331 فیکس: 053 3643163-3643167 053

Marfat.com

مدیران و ریویو کمیٹی برائے گجرات پیڈیا

سرپرست/ترغیب وتدبیر

پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین

شیخ الجامعہ، یونیورسٹی آف گجرات

احمد سلیم

نامور محقق، سنئیر ریسرچ ایڈوائزر

SDPI۔اسلام آباد

ڈاکٹر امجد علی بھٹی

اسسٹنٹ پروفیسر (صوفی سٹڈیز)

دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد

سید شبیر حسین شاہ

چیئرمین ریویو کمیٹی

مشیر وائس چانسلر، یونیورسٹی آف گجرات

شیخ عبدالرشید

سیکرٹری ریویو کمیٹی

ڈائریکٹر میڈیا اینڈ پبلیکیشنز، یونیورسٹی آف گجرات

ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ

ماہر نفسیات، محقق و قلمکار

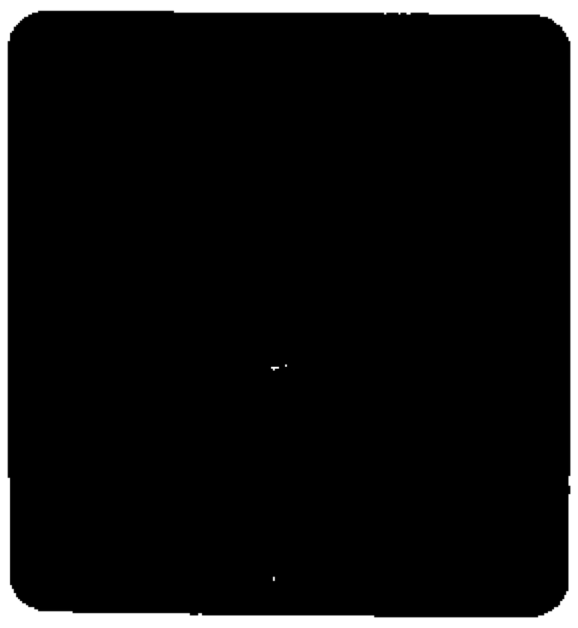

ڈاکٹر اظہر محمود چودھری

ماہر امراض جلد، محقق و قلمکار

عارف علی میر ایڈووکیٹ

وکیل، محقق و لکھاری

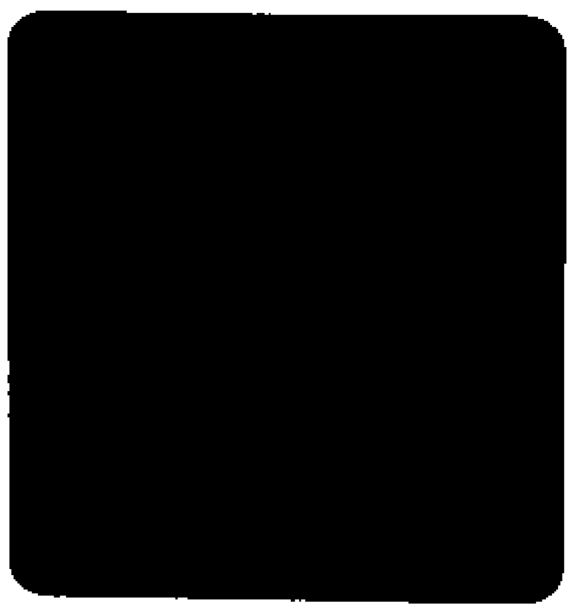

ڈاکٹر ممتاز احمد

سابق صدر شعبہ انگریزی، یونیورسٹی آگ گجرات

Marfat.com

انتساب

گجرات کے اُن عالی دماغ دانشوروں، سخنوروں،
قلمکاروں اور علم دوستوں کے نام جنہوں نے
اسے ''خطۂ یونان'' کی شناخت دی

ارض گجرات تیری خاک کا فیضان ہے یہ
تو نے ہر دور میں عظمت کو جلا بخشی ہے
تیری مٹی نے دیا ایسے چراغوں کو جنم
جن چراغوں نے زمانے کو جلا بخشی ہے

سیف الرحمان سیفی

Marfat.com

حُسنِ ترتیب

صفحہ نمبر		موضوع	نمبر شمار
9	پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین	حرفِ اوّل	1
11	سید شبیر حسین شاہ	پیش لفظ	2
13	شیخ عبدالرشید	''وکھرے شان گجرات دے نیں''	3
17	ڈاکٹر امجد علی بھٹی، احمد سلیم	مقدمہ	4
21		**پہلا باب** منتخب تاریخی مآخذ	5
53		**دوسرا باب** حصہ اول مطبوعہ و غیر مطبوعہ مطالعے حصہ دوم لوک ورثہ	6
93		**تیسرا باب** ارضیاتی، طبعی اور آبادیاتی ماحول	7
101		**چوتھا باب** دیہات، قصبے اور شہر	8
155		**پانچواں باب** تاریخ کے جھروکے سے	9
209		**چھٹا باب** تحریکِ آزادی اور گجرات	10
225		**ساتواں باب** قیامِ پاکستان کے بعد کی سیاسی تاریخ	11

Marfat.com

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
12	آٹھواں باب گجرات کی مختصر انتخابی تاریخ	251
13	نواں باب شہیدانِ گجرات	269
14	دسواں باب ثقافتی وروحانی ورثہ حصہ اول: عرس، میلے اور تہوار حصہ دوم: تمدنی ومعاشرتی جائزہ حصہ سوم: قومیں، قبیلے اور ذاتیں	279
15	گیارہواں باب فنون اور کھیل	381
16	بارہواں باب تعلیم: پس منظر وپیش منظر (ادارے۔شخصیات)	403
17	تیرہواں باب صحت کے ادارے اور ان سے متعلق شخصیات	451
18	چودہواں باب صنت وحرفت اور تجارت	465
19	پندرہواں باب سماجی فلاحی/رفاعی ادارے	483
20	سولہواں باب وفتگان گجرات	495

Marfat.com

حرفِ اوّل

''وہ تہذیبیں ناکام ہو جاتی ہیں جو تبدیلی یا تبدیلی کے عمل کو جذب کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہیں'' (ابن خلدون)

گجرات یونیورسٹی کا انتظام سنبھالتے ہی مجھے ادراک ہو گیا تھا کہ کام مشکل ہے اور منزل دور۔ ایک تو یونیورسٹی بالکل نئی دوسرے چھوٹا شہر۔ اس پر مستزاد یہ کہ گجرات ایک بھرپور معاشرتی وجود رکھتا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں متحرک لوگ تاریخی تسلسل کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔ سالہا سال غیر ممالک میں گذارنے کے بعد میں تندہی سے اور بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ وطنِ عزیز کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بہت جلد اطمینان ہو گیا کہ یہاں ہم خیال ساتھیوں کی کمی نہیں اور مددگاروں کا دائرہ بھی وسیع ہے۔

مجھے یونیورسٹی کی ترقی کے لیے بڑی حد تک conceptual clarity کا اثبات تھا۔ اس ضمن میں میرے سامنے کئی ایک رول ماڈل بھی تھے۔ پاکستانی معاشرت اور ثقافت کے اثبات اور نفی دونوں پر بطور عمرانیات کے طالب علم میری نظر بھی تھی۔ میرا عقیدہ تھا کہ عالمی مقابلہ کے پیش نظر پاکستان کو جس طرح کی ادارہ سازی کی ضرورت ہے، یونیورسٹی آف گجرات کی تشکیل انہی خطوط پر ہو۔ میرا نظریہ ہے کہ علمی اور تحقیقی سرگرمیاں ایسی درسگاہوں میں ممکن نہیں جو اپنی چار دیواری میں بند جزیروں کی مانند ہوں، جہاں معاشرے کی دوسری سرگرمیوں کا ذکر نہ ہو، جہاں طالب علم اور اُستاد کا رشتہ محض میکانکی نوعیت کا ہو۔ اُستاد کا مقصد محض تنخواہ لینا اور طالب علم کی معراج صرف ڈگری لینا ہو۔ جہاں روایت پسندی (Orthodoxy) کا آسیب چمٹا ہو اور محض کتابیت کی اجارہ داری ہو۔ جہاں علم کا درجہ ترتیب و کردار سازی کی بجائے، صرف معلومات کا حصول ہو۔ جہاں زندگی کا حسن باہر سے داخل نہ ہو سکے۔ جہاں طرزِ کہن پر اڑے رہنے کی ضد غالب اور افکارِ تازہ کا خوف طاری ہو۔ چنانچہ میں نے جامعہ گجرات کو روایتی تدریسی ڈھانچے میں ڈھالنے کی بجائے اس جامعہ کو ''دانشگاہ'' کی شناخت دینے کا عزم کیا اور اسی جانب سفر شروع کر دیا۔

میرا خیال ہے compartmentalization کام کو facilitate کرنے کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ انسانوں کی صلاحیتوں کو تقسیم کرنے کے لیے۔ مجھے ہم خیال ذہنوں کو تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ بہت جلد سول سوسائٹی کی مختلف پرتوں تک مجھے رسائی حاصل ہو گئی۔ سیاستدان، شاعر، ادیب، دانشور، بیوروکریٹ غرض یہ کہ ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ ہم آہنگی نے مجھے حقیقتاً وہ طاقت اور اعتماد بخشا جو چھ سال کے مختصر عرصہ میں یونیورسٹی آف گجرات کو ایسا ادارہ بنانے میں کام آیا جسے بہت جلد پاکستان کے علمی و ثقافتی حلقوں میں خوش کن پذیرائی ملی۔ یونیورسٹی کے شب و روز زندگی کی حرارت بخش لہر سے ہمکنار ہونے لگے۔ ''ہر اک مکاں کو ہے مکیں سے شرف'' کے مصداق میرے لیے اس سے زیادہ اعزاز اور خوشی کی کوئی بات نہیں تھی کہ میں اس یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہوں۔

بحیثیت وائس چانسلر جب پروفیسر سید شبیر حسین شاہ اور شیخ عبدالرشید بمع جناب احمد سلیم اور ڈاکٹر امجد بھٹی proposal لے کر آئے کہ ہم گجرات پیڈیا (تاریخ گجرات) ترتیب دے کر یونیورسٹی کی طرف سے چھاپنا چاہتے ہیں تو میں نے اس تجویز کو منظور کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی حالانکہ میں ہر کام کی بہت اچھی طرح جانچ پڑتال کرتا ہوں۔ ایسا اس لئے بھی ہوا کہ ایک تو مجھے ان لوگوں پر بڑا اعتماد تھا، دوسرا میں بہت پہلے سے اس خیال کا حامی تھا کہ یونیورسٹی آف گجرات پر گجرات کی دھرتی اور اہل گجرات کا خصوصی حق ہے اور پھر گجرات پیڈیا جیسا کام تحقیق کے زمرہ میں آتا ہے اور مزید تحقیق کی بنیاد بھی بنتا ہے۔ مجھے آگاہی تھی کہ یہ بہت ہی مشکل اور پیچیدہ قسم کا کام ہے اور یہ کام جتنا اچھا ہو گا اتنی ہی تنقید بھی ہو گی۔

ایک سرکاری ادارے کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ سر دردی لے، مگر اس کام کو ٹھکرانا بھی آسان نہ تھا۔ ایسے کام ہی جامعات کا فخر ہوتے ہیں۔ ورنہ ایک یونیورسٹی اور ایک

Marfat.com

بڑے کالج میں کیا فرق رہ جائے گا؟ میں نے ''گجرات پیڈیا'' کی اشاعت کو اپنے اُوپر ایک قرض بنالیا اور اس کام کے لیے ایک ریویو کمیٹی تشکیل دی جو سارے کام کی ہر طرح سے نگرانی کرے۔ یہ کمیٹی پروفیسر سید شبیر حسین شاہ کی قیادت میں شیخ عبدالرشید (سیکرٹری)، ڈاکٹر اظہر محمود، ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، عارف میر ایڈووکیٹ اور ڈاکٹر ممتاز حسین پر مشتمل تھی۔ کچھ عرصہ بعد ہی مدیران کی محنت اور ریویو کمیٹی کی دلچسپی رنگ لے آئی اور پھر جب احمد سلیم اور ڈاکٹر امجد بھٹی نے ایک ضخیم مسودہ کمیٹی کے حوالے کیا تو اس کا جائزہ لینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، جو گجرات کی تاریخ اور دوسرے تحقیقی اُمور پر گہری نظر رکھتے ہیں، کے ذمہ اس مسودہ کی نظر ثانی، اضافے اور ترمیم کا کام لگایا گیا۔ اُنہوں نے کمال دلچسپی اور جانفشانی سے یہ فریضہ بخوبی انجام دیا۔ پھر ریویو کمیٹی نے اس کو دیکھا۔ اس اجتماعی کاوش سے ہمارے سامنے ایک قابل اشاعت مسودہ آ گیا، اسے ہم نے پھر دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصہ میں گجرات کی تاریخ، اس کے شب وروز اور متعلقہ اُمور کو رکھا گیا ہے۔ دوسرا حصہ شخصیات، گجرات مثلاً شاعر، ادیب، دانشور، وکلاء، تاجر، صحافی، سیاستدان وغیرہ کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ آپ کے سامنے ہے، دوسرا جلد شائع ہوگا۔

مجھے احساس ہے کہ ''گجرات پیڈیا'' کے کام، معیار اور تحقیقی وترتیب پر اعتراضات اُٹھیں گے یہ اعتراضات درست بھی ہونگے اور ہماری راہنمائی بھی کریں گے اور اگلے ایڈیشن کے مشمولات کو درست کرنے میں ان سے مدد بھی ملے گی۔ ہم چاہیں گے کہ قارئین کرام گجرات پیڈیا کا تنقیدی جائزہ ومطالعہ علمی انہماک سے کریں اور اپنی قیمتی آراء سے ریویو کمیٹی کے سیکرٹری کو مطلع کریں۔ مجھے اور میری ٹیم کو اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے۔ مگر یہ ایک ایسا آغاز ہے جسے ہم اہل علم کی مدد سے آگے لے کر چلیں گے اور یقیناً ہمیں کامیابی حاصل ہوگی۔

مرے چارہ گر کو نوید ہو ، صف دشمناں کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا

میں نے بصد کوشش یونیورسٹی میں ڈائریکٹوریٹ آف میڈیا اینڈ پبلیکشنز کا قیام اور اشاعت کا ایک نظام ممکن بنایا ہے۔ ہمارے پاس نہ صرف ایک جدید پرنٹنگ پریس موجود ہے بلکہ کسی بھی اشاعت گھر کی تمام سہولیات موجود ہیں۔ جامعہ گجرات کے قابل فخر شعبۂ تصنیف وتالیف کے زیر اہتمام ہم اب تک کئی کتابیں اور رپورٹس شائع کر چکے ہیں۔ جن کے معیار کو ہر سطح پر پذیرائی ملی اور کام کو تسلیم کیا گیا۔ اس پر شعبۂ تصنیف وتالیف کی ٹیم داد وتحسین کی مستحق ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ''گجرات پیڈیا'' شعبۂ تصنیف وتالیف کی شائع کردہ کتب میں ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوگا۔ کیونکہ اپنے آج کو سمجھنے کے لیے تاریخ کے بحر میں غوطہ زن ہونا ضروری ہے۔ ''گجرات پیڈیا'' ایسی ہی کوشش ہے جس کے ذریعے ہم اس علاقے کی جغرافیائی وتاریخی، سیاسی وسماجی اور علمی وادبی اہمیت کا درست ادراک کر سکتے ہیں۔ یہ خطہ گجرات کی تاریخ، معاشرے اور ادب کے ارتقائی سفر کی کہانی ہے۔ اس کے مطالعے سے ہی ہم کل اور آج کے گجرات میں تبدیلی کو محسوس کر سکتے ہیں، یہ احساس اور فہم ہی اس علاقے کے مستقبل کا تعین کرنے میں ہمارا معاون ومددگار ہو سکتا ہے۔

میں اپنی بات کو Pearle Buck کے ان الفاظ پر ختم کروں گا کہ

"If you want to understand today, you have to search yesterday."

پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین
وائس چانسلر
یونیورسٹی آف گجرات

Marfat.com

پیش لفظ

یونیورسٹی آف گجرات کی تشکیل ابھی کاغذات میں ہی تھی کہ مجھے بھی اس یونیورسٹی کا تشکیلی خاکہ تیار کرنے والی ٹیم میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ میرا خیال تھا اور ہے کہ گجرات اپنے لوگوں کی صلاحیتوں اور اُنکے علمی اور ثقافتی رُجحانات کے اعتبار سے پنجاب کی تہذیب کا ہمیشہ ہراوّل رہا ہے۔ یہ ایک ایسا سنگم ہے جہاں ایک طرف پوٹھوہاری ثقافت ہے دوسری طرف اس کی سرحدیں سرائیکی ریت رواج سے ملتی ہیں۔ یہ وسطی پنجاب سے ملحق ہے یہاں بارانی کھیتی باڑی بھی ہے۔ نہری زرخیزی بھی ہے اور چاہی زراعت بھی ہے۔ یہاں سرکاری ملازمتوں کے دھارے بھی ہیں اور صنعتی بنیادیں بھی موجود ہیں۔ اس کے دو بازوں کی طرح دریائے جہلم اور دریائے چناب پہاڑوں سے میدانوں میں اترتے ہیں۔ یہ شاعروں اور ادیبوں کی سرزمین بھی ہے۔ ولیوں اور درویشوں کی دھرتی بھی ہے۔ یہاں زندگی بھرپور کروٹیں لیتی ہے۔ علم اور دانائی اس کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ راولپنڈی اور لاہور کے وسط میں یہ علمی مرکز ہے جہاں پچھلی پون صدی تک زمیندار کالج سے سرگودھا، میانوالی، اٹک اور کشمیر تک سے طلباء علم سے سرفراز ہوئے۔ یہاں اور گردو پیش میں یونیورسٹی کے درجے کے علم کی پیاس کسی بھی اور جگہ سے زیادہ ہے۔ جب یہاں یونیورسٹی بنے گی تو یہ محض ڈگری دینے والا ادارہ نہیں ہوگا۔ صرف ڈاکٹر اور انجینئر اور ٹیکنیشین نہیں بنائے گی۔ عالم اور فلسفی بھی پیدا کرے گی۔ یہ یونیورسٹی گجرات کی تہذیب وتمدن کی بھی امین ہوگی۔ یہ یہاں کی سول سوسائٹی کے تمام دھاروں سے منسلک ہوکر علم کا روشن باب رقم کرے گی۔ یہ یونیورسٹی گجرات کے معاشرتی وجود کی بھی ورق گردانی کرے گی نئی جہتوں کا سراغ لگائے گی۔ یہاں کی نوجوان نسل میں علمی وجدان کا لہو بھرے گی۔ یونیورسٹی جب بن جائے گی تو یہ زندگی اور سماج میں موجود اعلیٰ صلاحیتوں کو اپنی سرگرمیوں میں مرتکز کرے گی اس طرح center of excellence بنے گی۔

آج یہ یونیورسٹی اپنی بھرپور نوخیزیوں کے ساتھ یہاں موجود ہے اور یقیناً یہ محض سرٹیفکیٹ اور ڈگری دینے والا ادارہ نہیں ہے۔ اس کی سوچ بھی روایتی اور مکینیکل نہیں ہے یہاں علم و آگاہی کی سمت سفر کرنے کی باہمت خواہش بھی موجود ہے۔ آج یہ پاکستان کے طول وعرض میں جانی پہچانی ایک متحرک یونیورسٹی ہے۔ اس کا گہرا رابطہ پاکستان کے دانشوروں، ادیبوں، سائنسدانوں، سیاسی زعما اور سول سوسائٹی کے دوسرے سرکردہ لوگوں کے ساتھ ہے۔

ہم زندگی کے مختلف پہلوؤں پر سیمینارز اور کانفرنسز کروا چکے ہیں اور کروا رہے ہیں۔ ہم نے کئی ایک کتب شائع کی ہیں جن کے معیار کو ملکی سطح پر سراہا گیا ہے۔ دو سال پہلے یونیورسٹی نے پروگرام بنایا کہ گجرات کے شب و روز کو ایک ایسی بنیادی دستاویز میں سمویا جائے جس کی بنیاد پر دانشور اور خود یونیورسٹی تحقیقی کام کریں، گجرات پیڈیا ایک ایسا پراجیکٹ تھا جس کا مقصد علمی پیاس کو بجھانے سے زیادہ گجرات کو یکجا کرنا تھا۔ انگریزوں کی ایک عادت اور پالیسی تھی کہ وہ جن علاقوں پر حکومت کرتے تھے، وہاں کی تہذیب و تمدن کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کے سماجی اور سیاسی رویوں کو سمجھنے کے لئے تحقیقی کام کرتے اور کرواتے۔ اُن کا مقصد اس سارے مواد سے ایسی پالیسی ترتیب دینا ہوتا تھا جو اُن کو آسانی سے حکومت کرنے کا موقع اور جواز پیدا کریں۔ انہوں نے بہت سارے اضلاع پر ابتدائی اور بنیادی نوعیت کی معلومات اکٹھی کیں۔ یونیورسٹی آف گجرات کا بنیادی مقصد حکمرانوں کی سہولت کی خاطر مواد جمع کرنا نہیں ہے بلکہ یہ لوگوں اور لوگوں کی سرزمین پر ایک ایسی تحقیقی بنیاد فراہم کرنا چاہتی ہے جو لوگوں کے زندہ مستقبل کی منصوبہ بندی کر سکے۔ جو سماج کو اپنا لائحہ عمل بنانے میں مدد دے جو ملک کے پالیسی سازوں کو عوام سے قریب کرتے ہوئے اُن کیلئے بہتر حکمت عملی ترتیب دینے میں مدد دے۔ یہ بڑی دیانت داری کی بات ہوگی کہ ہم ان تمام خرابیوں اور آلودگیوں کا بھی ادراک کریں۔ جنہوں نے ہمیں آج تک پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ رکھا ہوا ہے۔ دراصل ایک ایسی

Marfat.com

تصویر بنانا بڑا ضروری ہے۔ جس میں ایسی وارفتگی اور سچائی ہو کہ وہ دیکھنے والے پر اپنا سب کچھ اُنڈیل دے مگر اس کے لیے دیکھنے والے میں بھی ایک دیدہ بینا درکار ہے۔ میرا خیال ہے ہم ''گجرات پیڈیا'' سے یہی کام لینا چاہتے ہیں۔ ہم قاری کے سامنے زندگی کا مکمل ادراک تو نہیں رکھ سکتے یہ محض ہمارا کام بھی نہیں ہے۔ مگر قاری کے ساتھ ایک آہنگ ضرور بنا سکتے ہیں۔ جو دونوں کی دیدہ وری سے زندگی کی گہرائیوں میں اُترے اور اُن سمتوں کا تعین کرے جو ہمارے سماج ہماری قوم اور ہمارے ملک کو سربلندیوں کی طرف لے کر جائے۔

میرے یونیورسٹی کے رول پر بھی اپنے خیالات ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یونیورسٹی کو کسی بیوروکریٹک ضابطے میں قید ماتحت ادارہ نہیں ہونا چاہیے اس طرح وہ خود system کی ٹوٹ پھوٹ کے اندر ہی ادھر اُدھر سرکتی رہے گی اور کبھی بھی ایک ہراوّل رول ادا نہیں کرے گی۔ علم اور اہل علم کے ساتھ اس سے زیادہ زیادتی اور کہیں نہیں ہوتی جتنی stereotype تعلیمی درسگاہوں میں ہوتی ہے۔ یونیورسٹی ایک سوچنے والا، بولنے والا تحقیقی ادارہ ہونا چاہیے۔ اُسے سماج میں اگوا کار کا رول ادا کرنا چاہیے، ایسا تب ہوگا جب وہ اپنی چار دیواری کے باہر پھیلی لق ودق سماجیات کی رگوں میں اُترے گی۔ لہٰذا جواز بنتا ہے کہ یونیورسٹی ایسا کام کرے جیسا ہم کر رہے ہیں۔ ''گجرات پیڈیا'' محض ایک حوالہ ہے ہم انشاء اللہ اور آگے جانا چاہتے ہیں۔ زندہ اور متحرک دماغوں کو ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔

مجھے اس ریویو کمیٹی کا چیئرمین ہونے پر بھی فخر ہے جس کے ذمے اس گجرات پیڈیا کی ترتیب، تیاری اور اشاعت کا کام لگایا گیا۔ میں اپنی ٹیم کے تمام ارکان کا فرداً فرداً شکر گزار ہوں۔ جن میں ڈاکٹر منیر سلیچ، ڈاکٹر اظہر محمود، ایڈووکیٹ عارف میر اور ریویو کمیٹی کے سیکرٹری شیخ عبدالرشید شامل ہیں۔ میں سب سے زیادہ شکر گزار جناب احمد سلیم اور ڈاکٹر امجد بھٹی کا ہوں جنہوں نے ہماری درخواست پر اس پیڈیا پر کام کیا۔ ڈاکٹر منیر سلیچ نے نظر ثانی و اضافے کیے۔ مجھے، شیخ عبدالرشید، ڈاکٹر اظہر محمود اور عارف میر کو بھی کچھ نظر ثانی و اضافے اور ترامیم کرنی پڑیں۔ تاہم بنیادی کام احمد سلیم اور ڈاکٹر امجد بھٹی کا ہی رہا ہے۔ سب سے زیادہ شکریہ جناب ڈاکٹر نظام الدین وائس چانسلر یونیورسٹی آف گجرات کا ہے۔ جن کی علم دوستی اور راہنمائی ایسے کام کرنے کی اجازت دیتی ہے بلکہ بھرپور مدد دیتی ہے۔ ناکامیوں کو کامیابیوں میں اور مشکلات کو آسانیوں میں بدلتی ہے۔ اگر یہ وائس چانسلر نہ ہوتے تو ''گجرات پیڈیا'' نہیں ہوتا۔

آخر میں میری قارئین سے خصوصی گذارش ہے کہ وہ ''گجرات پیڈیا'' کی خامیوں، کوتاہیوں پر ہماری راہنمائی کریں تاکہ آئندہ جلدوں میں ان غلطیوں کا ازالہ کیا جا سکے۔ حصہ اوّل آج ہمارے پاس ہے، حصہ دوم جامعہ گجرات، بہت جلد پیش کرے گی۔ ترتیب یہ ہے کہ گجرات، گجرات سے متعلقہ اُمور پہلے حصے میں رکھے ہیں جبکہ گجرات کے لوگوں کو دوسرے حصے میں شامل کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید شبیر حسین شاہ

چیئرمین

ریویو کمیٹی گجرات پیڈیا

Marfat.com

''وکھرے شان گجرات دے نیں''

تاریخ کسی بھی قوم یا سماج کی اجتماعی یادداشت کا نام ہے۔ اگر سماج کے حافظے سے یادداشتوں کو نکال دیا جائے تو اس صورت میں قوم کی شناخت بھی مسخ ہو جائے گی۔ تاریخ واقعات کی عمدہ ذہنی تصویریں پیش کرتی اور وقت مقام اور سبب و نتیجہ کے سلسلوں میں واقعات کو ربط دے کر ایسا مرقع بنا دیتی ہے جو ذہنی بصیرت کو جلاء بخشتی ہے۔ جس طرح جغرافیہ زمین کا غیر متحرک تصور ہے اسی طرح تاریخ نسل انسانی کی متحرک تصویر ہے۔ مرکب اور پیچیدہ واقعات کی تحلیل، سادہ اور منتشر واقعات کی ترکیب و ترتیب، مختلف واقعات کا تقابل، متنازعہ معلومات و مسائل کا فیصلہ، استدلال و استنباطِ نتائج، واقعات کے باہمی تعلقات، اسباب و علل کی تلاش اور تنقید و نکتہ چینی یہ سب ایسے کام ہیں جو بہترین ذہنی تربیت کا موجب بنتے ہیں۔

تاریخ شائستگی کا بہترین سرچشمہ ہے اور رواداری کا مادہ پیدا کرتی ہے، روشن خیالی سکھاتی، تعصب، تنگدلی اور توہمات باطلہ کو مٹاتی ہے۔ مختصر یہ کہ تاریخ تجربات کا خزانہ اور ماضی کا آئینہ ہے۔ عرب مصنف القرشی رقمطراز ہے کہ ''تاریخ دین و دنیا کی بھلائی بتاتی ہے۔'' تاریخ کی اسی اہمیت کے پیش نظر دنیا بھر میں تاریخ نویسی جاری ہے۔ شروع میں تاریخ محض بادشاہوں اور حکمرانوں کی کہانی سمجھی جاتی تھی مگر آج تو تاریخ نویسی میں بڑی تبدیلی آ چکی ہے۔ تاریخ نویسی کا نیا اندازِ فکر سبالٹرن سٹڈیز (Subaltern Studies) یعنی محکوموں کی تاریخ لکھنے کا تصور خاصا مقبول ہے اور مقامی تاریخ کے مطالعے اور تحقیق کو چند عشروں سے خاصا فروغ ملا ہے۔ مگر اسے بدقسمتی کے سوا کیا کہیے کہ ہمارے ملک میں علاقائی تاریخ لکھنے اور پڑھنے کا رواج عام نہ ہو سکا۔ یہاں حکومتیں، قومی تحقیقی ادارے، مورخین و محققین علاقائی اور مقامی تاریخ نویسی کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ایسے میں وہ ادارے اور قلمکار قابل ستائش اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں جو اپنے اپنے علاقوں، اضلاع اور شہروں کی تاریخ کو جیسے تیسے محفوظ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ قومی اہمیت کا کام ہے اور قومی اداروں کو اس جانب خاص توجہ دینی چاہیے۔ علاقائی و مقامی تاریخ سے غفلت قومی جرم سے کم نہیں ہے کیونکہ کوئی فرد ہو یا سماج، قوم ہو یا ملک، اپنے ہونے کا احساس تاریخ ہی سے حاصل کرتا ہے۔ تاریخ عرفان، تعمیر اور رہنے کے احساس سے اس حد تک مملو ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں تاریخ و تحقیق کے محرکات و محاسن تلاش کرنے کے لیے بہت کم وجود آشنائی ہوئی ہے۔ لیکن اسے خوش قسمتی کے سوا کیا کہیے کہ یونیورسٹی آف گجرات کا بابرکت ''نظام'' ہو یا اس نومولود ''دانشگاہ'' کے شیخ الجامعہ کا وژن دونوں ''روح عصر'' سے آشنا اور اس کے چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کا عزم، حوصلہ اور ہمت رکھتے ہیں۔ آندرے مالرو نے کہا تھا کہ ''آج آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ انقلابی جو بھرپور جدوجہد میں براہ راست حصہ تو نہیں لیتے، البتہ دل سے انقلابی ہوتے ہیں وہ درحقیقت مفکر اور مصنف ہوتے ہیں۔'' ایک روز میں پروفیسر سید شبیر حسین شاہ کے ہمراہ ایسے ہی ایک انقلابی پروفیسر ڈاکٹر نظام الدین سے محوِ گفتگو تھا اور علاقائی و مقامی تاریخ نویسی کی اہمیت زیر بحث تھی کہ اچانک رئیس الجامعہ نے کہا کہ کیا بحث مباحثے سے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے ہمارا فرض نہیں کہ ہم اس علاقے کی تاریخ کا قرض ادا کرنے کی تحقیقی سعی کریں؟ ہم نے یک زبان ہو کر ''ہاں'' کہا اور راہنمائی چاہی کہ یہ مشکل کام ہے، کیسے ممکن ہو گا؟ علم دوست ڈاکٹر نظام الدین نے فوراً کہا کہ ایذرا پاؤنڈ نے کہیں لکھا ہے کہ ''انسان اور تاریخ کے درمیان وہی رشتہ ہے جو آزادی اور غلامی کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر ہم بھی تاریخ کے مابعد ہیں تو ہم اس کا ضمیر اور ہم ہی اسکے شکار ہیں۔ اس کا جہنم ہماری قیمت لے کر ہی بھر سکتا ہے۔'' وژنری قائد کا اشارہ سمجھتے ہوئے ہم نے پاکستان کے ممتاز قلمکار و محقق جناب احمد سلیم اور ادب و لسانیات کی دنیا میں جانے پہچانے ڈاکٹر امجد علی بھٹی سے رابطہ کیا اور ایک ہمہ جہت تاریخ گجرات مرتب کرنے کی تجویز پر غور و فکر شروع کیا۔ اس سلسلے میں مقامی دانشوروں، ادیبوں اور قلمکاروں سے بھی صلاح مشورہ کیا۔ مشاورت کے نتیجے میں

Marfat.com

’’گجرات پیڈیا‘‘ کے نام سے ایک جامع تاریخ گجرات ترتیب دینے کی قابل عمل تجویز رئیس الجامعہ کو پیش کردی۔ اُنہوں نے مقامی اصحابِ فکرودانش کی معاونت ومشاورت کو یقینی بنانے کے لیے ایک ریویو کمیٹی بھی تشکیل دی۔ پروفیسر سید شبیر حسین شاہ کو چیئرمین اور راقم الحروف (شیخ عبدالرشید) کو ریویو کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کیا گیا جبکہ تاریخ گجرات کے حوالے سے قابل فخر کام کرنے والے ڈاکٹر منیر سلیچ، ڈاکٹر اظہر چوہدری، عارف علی میر ایڈووکیٹ بعدازاں ڈاکٹر ممتاز حسین کو کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا اور ریویو کمیٹی کی تجویز پر ’’گجرات پیڈیا‘‘ مرتب کرنے کے لیے مدیران کے طور پر محترم احمد سلیم اور ڈاکٹر امجد علی بھٹی کو ’’گجرات پیڈیا‘‘ مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ ایک مشکل، ذمہ داری اور کٹھن چیلنج تھا جسے مدیران نے خوب نبھایا۔

دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیان واقع دوآبہ چج کے تقریباً وسط میں آباد شہر گجرات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ علاقہ قدیم تہذیب کا گہوارہ، میٹھے پانیوں اور اساطیری حوالوں کا شہر ہے جسے سرسید احمد خاں نے ’’خطۂ یونان‘‘ اختر شیرانی نے ’’وادیٔ رومان‘‘ اور فوجی ماہرین نے ’’گیٹ وے ٹو کشمیر‘‘ کہا ہے۔ یعنی تاریخی وسیاسی، علمی و ادبی، ثقافتی و جمالیاتی اور جغرافیائی وعسکری حوالے سے گجرات قابل ذکر و قابل فخر علاقہ رہا ہے۔ پیر فضل گجراتی نے کیا خوب کہا ہے کہ

شاناں والیاں ہوروی بستیاں نیں، پر وکھرے شان گجرات دے نیں
ناموری دے اک اک ورق اُتے، ثبت جلی عنوان گجرات دے نیں

خطۂ گجرات کی قدیم تاریخ سینہ بہ سینہ روایات کی بھول بھلیوں میں گم ہے اور اس کی کھوج میں نکلنے والوں کی راہ میں قصے کہانیوں کا ایک سیلاب اُمڈ آتا ہے۔ ’’آئینہ گجرات‘‘ کے مصنف شیخ کرامت اللہ کے مطابق ’’ابتداء میں ضلع کے آباد ہونے کا وقت اور سن وثوق سے متعین کرنا مشکل ہے، کیونکہ اوّل تو مسلمانوں کی آمد سے پہلے کے حالات خاص گجرات پر ہی کیا موقوف ہے پورے ہندوستان کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ چھایا ہوا ہے۔‘‘ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حقیقی مقامی تاریخ کی تحقیق وتحریر کتنا مشکل کام ہے۔ اس علاقے کی تاریخ کئی تذکروں، یادداشتوں، سفرناموں اور سرکاری افسران کی مرتب یا تحریر کردہ رپورٹوں میں بھی مخفی ہے۔ کئی اہل قلم نے انہی کی بنیاد پر گجرات کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش اور دعویٰ کیا ہے۔ تاریخ کی ایسی کتب پر طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی افسانہ یا حقیقت کا سوال نمایاں طور پر اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔ ایسے میں یونیورسٹی آف گجرات نے تاریخ گجرات پر تحقیقی کام کا منصوبہ بنایا تو فیصلہ ہوا کہ پہلے مرحلے پر تمام دستیاب ماخذوں کی بنیاد پر ایسی دستاویز مرتب کی جائے جو علاقہ کی تاریخ نویسی کے حوالے سے نئے مؤرخین ومحققین کو دعوتِ فکر وتحقیق دے۔ گجرات پیڈیا جیسی دستاویز کی ضرورت اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ تاریخ گجرات کے حوالے سے لکھی جانے والی کتب اب نایاب ہوچکی ہیں اور گجرات کے بارے میں جاننے کے آرزومندوں کو ایسے ماخذ آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔

گذشتہ چند عشروں میں وطن عزیز میں ادب وسیاست کے شعبوں میں فرزندان گجرات نے اپنے کارہائے نمایاں سے علاقے کو نئی شناخت بخشی ہے۔ جس سے ملک بھر میں گجرات کی تاریخ وسیاست سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ انہی وجوہات کی بناء پر مقامی سول سوسائٹی نے اصرار کیا کہ جامعہ گجرات کو گجرات شناسی کے حوالے سے علمی وتحقیقی کردار ادا کرنا چاہیے۔۔ تاہم نئی بات، نئے چیلنج اور نئے تجربے کو محسوس کرنا اور سمجھنا بہت کم لوگوں کا مقدر ہوتا ہے کیونکہ نئی بات کو پیش کرنے کے لیے گذشتہ اور مروجہ لغات بسا اوقات کم مایہ ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن ’’دانشگاہ گجرات‘‘ کی مدبر انتظامیہ نے کمال دلچسپی اور علم دوستی کا ثبوت دیا اور ’’گجرات پیڈیا‘‘ جیسے نئے تجربہ کا فیصلہ کیا۔ اب یہ نیا تجربہ جناب احمد سلیم اور ڈاکٹر امجد علی بھٹی کی تحریر وترتیب، ڈاکٹر منیر احمد سلیچ کی نظر ثانی واضافوں اور مقررہ ریویو کمیٹی کی لگن، محنت ونگرانی اور سب سے بڑھ کر شیخ الجامعہ ڈاکٹر نظام الدین کے وژن وراہنمائی کے بعد اہل گجرات اور قارئین کی نذر ہے۔ یہ ’’گجرات پیڈیا‘‘ اس لئے بھی اہم ہے کہ گجرات ہی ہمارے ہونے کی دلیل ہے یہ محض تاریخی نرگسیت نہیں بلکہ کھلی حقیقت ہے کہ کوئی بھی فرد یا شہری تاریخ سے ہی اپنے ہونے کا احساس کشید کرتا ہے۔ بلاشبہ گجرات علمی، ادبی اور تہذیبی حوالے سے منفرد تشخص اور لازوال یادوں کا حوالہ ہے۔ عامر مفتی کے الفاظ میں کہیں اس کی جڑیں کمہار کے اس چاک میں ہیں جس میں سینکڑوں شکلیں چھپی ہوئی ہیں اور جو مٹی کا معجزہ پیدا کرتا ہے۔ کہیں اس کی جڑیں شاہ دولہ کے ملنگوں کے اس پیالے میں ہیں جو پاکستان کے تمام صوفیاء کی کافیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کہیں اس کی جڑیں اس کچے گھڑے میں ہیں جو کسی بھی لمحے ڈوب سکتا ہے۔ کہیں اس کی جڑیں شریف کنجاہی کے ’’جگراتے‘‘ میں ہیں جو محبت کرنے والی عورت کے دکھ کی آواز ہے۔ کہیں اس کی جڑیں پیر فضل گجراتی کے ’’قطبی تارا‘‘ میں ہیں۔ جو آسمان ادب پر چمک رہا ہے۔ کہیں اس کی جڑیں ملکہ موسیقی روشن آراء بیگم کے راگوں میں ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہ ساری جڑیں مل کر اہلیان گجرات کی جذباتی اور حسیاتی

Marfat.com

کائنات تشکیل دیتی ہیں۔ ہمارے لیے ''گجرات پیڈیا'' اس لیے بھی قابل فخر پیش کش ہے کہ کسی کتاب کو اس کے کردار، واقعات اور تحقیق و ترتیب ہی عظیم نہیں بناتے بلکہ کتاب کا موضوع اور مقام بھی اہم بناتا ہے۔ مثلاً ''ہکل بیری فن'' (Huckleberry Finn) یا ''گریپس آف ریتھ'' (Grapes of Wrath) جیسی کتب کلاسیک کا درجہ رکھتی ہیں اور یہ جگہ کی روح کو ناول میں منتقل کرتی ہیں۔ ان کو کسی اور مقام پر منطبق نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تنوین فطرت میں جگہ کے تعینات کے ساتھ موجود ہیں۔ گجرات پیڈیا کے ذریعے ہم نے ماضی کے بحر سے وہ لمحات واپس لانے کی سعی کی ہے جو دستبرد زمانہ اور تغیر حیات سے محفوظ رہے ہیں۔ ایسے ہی لمحوں کے حوالے سے ہم فخر کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں اور ہاں اگر یہ سراب آسا بھی ہوں تب بھی ہم انہیں جذباتی کیفیات کے ساتھ خوش آمدید کہیں گے۔

Thomas J. Noel نے کہا تھا کہ

> History is not just something that happerred long ago and for away. History happens to all of us all the time. Local history brings history home, it touches your life, the life of your family, your neighborhood, your community.

اس قابل تحسین کاوش کی پہلی جلد اہل گجرات، قارئین اور ناقدین کی نذر کی جا رہی ہے۔ یہ ایک سلسلے کا آغاز ہے اس میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی ہوں گی کیونکہ یہ الہامی کتاب نہیں، بلکہ انسانی کاوش ہے۔ یہ پہلی جلد ہے ابھی اس سلسلے کی اور جلدیں تیاری کے آخری مراحل میں ہیں۔ اس لیے قارئین و ناقدین اسے پڑھنے کے بعد تجاویز دے سکتے ہیں تاکہ آنے والی جلدوں میں ان پر عمل کیا جا سکے۔ پابلو نرودا نے اپنی یادداشتیں مرتب کرتے ہوئے دیباچے میں لکھا تھا کہ ''اس مجموعہ یادداشت میں ادھر اُدھر وقفے آتے ہیں۔ بہت سی چیزیں کہ جنہیں میں اُفق یاد پر لاتا ہوں تو وہ دھندلی دھندلی نظر آتی ہیں، کچھ اب تک اندر ہی اندر راکھ ہو چکی ہیں اور کچھ شکستہ شیشے کی طرح اپنے مقام پر واپس آنے سے قاصر۔''

''گجرات پیڈیا'' ایسی ہی کتاب ہے جس کے مرتبین کے تصورات، افکار، تحریروں، ترتیب اور انتخاب سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی کے خیال میں اس کتاب میں بہت سا مواد غیر ضروری ہو اور بہت سا ضروری مواد شامل ہی نہ ہو، تحقیق و ترتیب اور تحریر و اشاعت سے اختلاف کی گنجائش موجود ہوگی۔ ایسے افراد کی علمی، غیر متعصبانہ اور محققانہ آراء کا ہمیں انتظار رہے گا۔ تاہم ایسے افراد کے لیے میں W.H. Auden کی یہ بات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ''عظیم ترین مصنف بھی پختہ دیوار کے پار نہیں دیکھ سکتا ہے مگر ہم سب کی طرح وہ پختہ دیوار کہ جس کے پار دیکھا نہ جا سکے کھڑی نہیں کرتا۔'' اتنا ضرور کہوں گا کہ ''گجرات پیڈیا'' ایک ایسی کاوش ہے جو علاقائی اور مقامی تاریخ نویسی کے ضمن میں تحقیق و تصنیف اور ترتیب و تحریر کی روایات کو نئی جہت سے آشنا کرائے گی۔

جامعہ گجرات کے شعبہ تصنیف و تالیف کے سربراہ کی حیثیت سے یہ میرا خوشگوار فریضہ ہے کہ میں ''دانشگاہ گجرات'' کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد نظام الدین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں جنہوں نے اشاعت کے ہر مرحلے میں ہمیشہ مشفقانہ راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ مدیران احمد سلیم اور ڈاکٹر امجد بھٹی کا شکریہ کہ اُنہوں نے تاریخ گجرات کو نئی روشنی بخشی۔ ڈاکٹر منیر سلیچ نے مصروفیات میں سے وقت نکال کر تدوین و اضافے کیے۔ ریویو کمیٹی کے چیئرمین پروفیسر سید شبیر حسین شاہ، ڈاکٹر اظہر محمود، عارف میر ایڈووکیٹ اور ڈاکٹر ممتاز حسین کا بھی شکر گذار ہوں۔ اس کتاب کی اشاعت میں زبیر میر، سید عاصم زیدی نے کمپوزنگ اور میاں ندیم نے تزئین و آرائش کے مراحل میں شب و روز کام کیا۔ مینجر پریس آغا حسین جعفری اور ان کی ڈیزائننگ، طباعت و جلد بندی کیلئے شعبہ پرنٹنگ سے وابستہ ٹیم نے بھی ہر ممکن تعاون کیا۔ پروفیسر ہمایوں خاں غوری اور رانا منصور امین نے بھی اس اشاعت کو جلد از جلد ممکن بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ ان کا بھی شکریہ۔

''گجرات پیڈیا'' 2010 میں دیکھا جانے والا ایسا خواب تھا جس کی تعبیر میں دو سال لگ گئے۔ اس کی اشاعت کے فیصلے میں تاخیر ہوتی رہی کہ کیسے یقین کیا جائے کہ یہ ایک مکمل دستاویز ہے؟ میرے خیال میں اکملیت کی بات لوگوں کی نظر میں ملعون ٹھہرے بغیر نہیں کی جا سکتی اور یہ بات اس علاقے میں جہاں لکھنے، پڑھنے اور چھپنے کی روایت خاصی مضبوط ہو بہت کٹھن کام ہے۔ لیکن کیا اس بناء پر اسے شائع ہی نہ کیا جائے؟ --- اس مشکل مرحلے میں ایذرا پاؤنڈ کی ایک بات نے ہمیں حوصلہ دیا کہ اس مسودے کو جلد از

Marfat.com

جلد شائع کر دیا جائے۔ ایلیٹ کے مرتب کردہ ایذرا پاؤنڈ کے مضامین میں ایک جگہ درج ہے کہ ''جس ملک میں شوقیہ لوگوں سے عشق کی روایت ہو، جہاں نالائقوں کو بہترین سلوک میسر ہو اور شخصیات اتنی مسحور کن اور لاغر ہوں کہ ان کو دیکھ کر ہی آپ ان پر صحیح قسم کی تنقید محض ان کے جذبات مجروح ہو جانے کے خوف سے نہ کرتے ہوں، وہاں یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص تکمیلیت کا کوئی تصور رکھتا ہو تو وہ مرتے مرجائے مگر نامراد جائے گا کہ اس کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔''

شیخ عبدالرشید
سیکرٹری ریویو کمیٹی
ڈائریکٹر میڈیا اینڈ پبلیکیشنز
sheikhrashid.uog@gmail.com
Cell: 0302-6271711

Marfat.com

مقدمہ

''گجرات پیڈیا'' اپنے نام کے اعتبار سے بھی اور اپنے موضوع کے اعتبار سے بھی پاکستان ہی نہیں بلکہ برصغیر میں بھی اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔ نوآبادتی دور میں بلاشبہ پنجاب کی ضلعی تواریخ کے حوالے سے کام ہوا۔ مقامی اور انگریز سکالروں نے یقیناً چند بڑے کام کیئے۔ مثلاً تاریخ گجرات' تاریخ جہلم' تاریخ سیالکوٹ' تاریخ ڈیرہ غازی خان وغیرہ۔ یہ ضخیم کتابیں محکمہ مال سے وابستہ انیسویں صدی کے اہلکاروں نے فارسی اور اُردو زبان میں لکھیں جو سوڈیڑھ سو سال گزر جانے کے بعد آج بھی بنیادی ماخذ کا کام دیتی ہیں۔ اسی طرح نوآبادیاتی افسروں نے ضلعی سطح پر گزیٹیرز' سیٹلمنٹ رپورٹس' ایڈمنسٹریشن رپورٹس' کسٹمری لاز وغیرہ کے حوالے سے انگریزی زبان میں رپورٹیں مرتب کر کے ہمارے تاریخی سیاسی اور تمدنی ورثے کو محفوظ کیا اگرچہ وہ یہ کام ایک مخصوص نوآبادیاتی نقطہء نظر سے کر رہے تھے۔

بدقسمتی سے انیسویں صدی اور اوائل بیسویں صدی کے ان اُردو' فارسی اور انگریزی ماخذوں کی ترتیب و تدوین کے بعد اس سمت میں کام آگے نہ بڑھا اور وہ تسلسل ٹوٹ گیا' جو آج کے قاری کو یہ پرانی کتابیں پڑھتے ہوئے الجھن میں مبتلا کرتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد چند اہم نام ضرور ابھرے لیکن انہوں نے اس کام کو وہاں سے شروع نہیں کیا جہاں اسے ہمارے اُس دور کے سکالر چھوڑ گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درمیانی عرصہ میں جو خلا پیدا ہوئے وہ پر نہ کیے جاسکے۔ یہی کمی گجرات پیڈیا کے وجود میں آنے کا باعث بنی ہے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے یہ کام اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔ یہ بات ہم کسی تفاخر کے طور پر نہیں کہہ رہے' نہ اس سے کسی قسم کی معذرت خواہی درکار ہے۔ عرض اور غرض صرف اتنی ہے کہ گجرات کی تاریخ' معاشرت اور ادب وفن سے جڑی ہوئی بڑی بڑی شخصیات کے ہوتے ہوئے بھی ہم جیسے اس موضوع کے مبتدیوں کا اس پر قلم اٹھانے کی جسارت کرنا خود ہمارے نزدیک کوئی احسن اور پسندیدہ بات نہیں تھی۔

قیام پاکستان سے قبل کی بات تو چھوڑیئے' قیام پاکستان کے بعد سے اب تک علم و ادب کی کہکشاں جگمگا رہی ہے۔ کس کس کا نام لیں۔ پرانے بزرگوں میں گنیش داس بڈیہرا کے تاریخی ورثے کے حامل شیخ کرامت اللہ مرحوم' شریف کنجاہی مرحوم' قریشی احمد حسین قلعداری اور پروفیسر سید حامد حسن مرحوم محض چند مثالیں ہیں۔ 1980-90 کی دہائیوں میں چند بڑے اور اہم نام گزرے' جن میں نمایاں ترین ڈاکٹر محمد منیر سلیچ ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ناموں کی ایک پوری کہکشاں ہے۔ ڈاکٹر سلیچ اور دوسری تمام اہم علمی اور ادبی شخصیتوں کے ہوتے ہوئے جن کی فہرست خاصی طویل ہے' ہمارا اس موضوع سے دلچسپی لینا گجرات سے ہماری محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ تو ان شخصیات کی بڑائی اور ظرف ہے کہ انہوں نے ہمارے اس کام پر اپنی خوشی کا اظہار کیا بلکہ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں بھی نہایت فراخدلی سے اپنی قیمتی لائبریریوں پر ہماری رسائی کو ممکن بنا دیا۔ اس سلسلے میں عارف علی میر اور ڈاکٹر منیر سلیچ کی جتنی توصیف کی جائے کم ہے۔ گجرات کے ایک اور فرزند پروفیسر خالد ہمایوں نے بھی اس ضمن میں ہماری خاصی مدد کی۔ مدد اور تعاون کے سلسلے میں ہم افضل راز مدیر روزنامہ روزن کے بھی انتہائی شکرگزار ہیں۔

اس تعاون اور حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ ہم نے اس اہم کام کو انجام دینے کا فیصلہ کیا اور یونیورسٹی آف گجرات کے وائس چانسلر ڈاکٹر نظام الدین' وائس چانسلر کے مشیر اور ریویو کمیٹی کے چیئرمین پروفیسر سید شبیر حسین شاہ اور ڈائریکٹر میڈیا اینڈ پبلیکیشنز شیخ عبدالرشید کی امداد اور تعاون سے ہم اس کام کو آگے بڑھانے کے قابل ہو سکے۔

Marfat.com

۱۔ طریقِ تحقیق

ابتدا میں اس کام کو ایک انسائیکلوپیڈیا کے طور پر انجام دینے کا ارادہ تھا۔ یونیورسٹی سے اس کی غیر رسمی منظوری کے بعد ہم نے اس سمت میں کام کا آغاز بھی کر دیا تھا لیکن پھر جناب وائس چانسلر، سید شبیر حسین شاہ اور شیخ عبدالرشید کے ساتھ ایک دو میٹنگز میں یہ سوال زیرِ بحث آیا کہ الف سے یے تک اندراجات زیادہ موثر ہوں گے یا موضوعاتی اعتبار سے اسے ابواب میں تقسیم کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ ان ملاقاتوں میں اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا کہ بیک وقت دونوں ہی طریقے اختیار کیے جائیں۔ انسائیکلوپیڈیا کا ایک حصہ الف سے یے تک بلحاظ حروف تہجی ترتیب دیا جائے اور ایک حصہ بیانیہ ہو جسے موضوعات کے اعتبار سے مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا جائے۔ چونکہ یورپ کے علاوہ برصغیر پاک و ہند میں بھی حالیہ برسوں میں موضوعاتی ترتیب کے اعتبار سے اس طرح کے انسائیکلوپیڈیا چھپ چکے ہیں اس لیے طے پایا کہ ہم بھی وہی راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ مارچ 2010 میں باضابطہ طور پر ایک ریویو کمیٹی تشکیل دی گئی تا کہ اس کام میں ہمیں مدد اور رہنمائی فراہم کی جائے۔ کمیٹی کے پہلے ہی اجلاس میں یہ موضوع پھر زیرِ بحث آ گیا کہ یہ کام موضوعاتی اعتبار سے کیا جائے، حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے کیا جائے یا دونوں طریقے ایک ساتھ اپنائے جائیں۔ اس پر کافی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ ڈاکٹر اظہر چوہدری، عارف علی میر اور بعض دوسرے ارکان پہلے سے متفقہ فارمولے کے حامی تھے لیکن ڈاکٹر سلیچ نے یہ بنیادی سوال اٹھا دیا کہ اس صورت میں ہم اسے انسائیکلوپیڈیا کہہ بھی سکیں گے یا نہیں کیونکہ انسائیکلوپیڈیا حروف تہجی کی ترتیب کا ہی دوسرا نام ہے اور یہی متفقہ معیار ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر برصغیر پاک و ہند میں ایسی کچھ کاوشیں ہوئی بھی ہیں تو انھیں معیار یا سند تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر انسائیکلوپیڈیا کے مروجہ مغربی معیار سے پہلو تہی کرنی ہے تو پھر گجرات کے بارے میں اس کام کو کوئی بھی نام دیا جائے لیکن اسے انسائیکلوپیڈیا نہ کہا جائے۔ اگرچہ کیمبرج اور بعض امریکی یونیورسٹیاں بھی حروف تہجی کی بجائے موضوعاتی ترتیب کے اعتبار سے جنوبی ایشیا کے انسائیکلوپیڈیا شائع کر چکی ہیں اور ہم نے ان کا حوالہ بھی دیا تاہم اس بحث سے کچھ اس طرح کا فارمولا ابھر کر سامنے آیا کہ دو حصوں میں بانٹنے کی بجائے اسے موضوعاتی ترتیب کے مطابق ابواب میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر باب کے اختتام پر اس سے متعلق اندراجات کو حروف تہجی کی صورت میں شامل کیا جائے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں اپنا بیشتر کام جو پہلے سے طے شدہ طریقے کے مطابق انجام دیا جا رہا تھا، قلم زد کرنا اور نئے طریق کار کے مطابق کام کو از سر نو شروع کرنا پڑا۔ اس میں بھی کافی الجھنیں تھیں۔ مثلاً ہر باب میں جن واقعات، مقامات یا شخصیات کا ذکر آتا ہے ان کے قدرے تفصیلی اندراجات باب کے آخر میں شامل کرنا ہوتے ہیں جس سے تکرار کی صورت پیدا ہوتی ہے تاہم جسے ٹالنا بہرحال ہمارے بس میں نہیں تھا۔

چنانچہ گجرات پیڈیا (ہمارے قلمی معاون جناب معظم رضا تبسم نے یہ نام تجویز کیا جسے اتفاق رائے سے سب نے منظور کر لیا) میں طریقِ تحقیق مختلف مباحث کے نتیجے میں وضع ہوا ہے۔ اس میں ابواب ہمارے اپنے تصنیف یا تالیف کردہ ہیں لیکن اندراجات لکھنے میں بعض احباب نے بھی اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔ اس کام میں بھی کوئی ایک طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ضرورت کے مطابق تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں۔ اکثر اندراجات ہمارے اپنے تحریر کردہ ہیں اور جس مواد کی بنیاد پر وہ تحریر کیے گئے ہیں، ان کے حوالے اندراج کے آخر میں دے دیئے گئے ہیں۔ بعض اندراجات ایسے بھی تھے جنہیں ماخذ کے طور پر استعمال کر کے اور مصنف کا حوالہ دے کر ہم آسانی سے ان پر اپنا حق جتا سکتے تھے لیکن وہ اتنے بھرپور اور مکمل تھے کہ انھیں بغیر کسی تبدیلی کے 'من و عن' شامل کر لیا گیا اور اصل مصنف یا مصنفین کے نام ان کے نیچے درج کر دیئے گئے۔ مثلاً پرکاش ٹنڈن کی ''پنجابی سنچری'' سے بعض اقتباسات۔ اسی طرح ہمارے بعض دوستوں نے اپنی پرانی تحریروں میں نئے اضافے کر کے انھیں اندراجات کی صورت دی مثلاً جناب عقیل عباس جعفری کے نوابزادہ اور چوہدری خاندانوں کے حوالے سے اندراجات جو مصنف کے اپنے نام کے ساتھ شامل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ادبیات کے حصے میں عربی، فارسی، پنجابی، اُردو اور دیگر ادبی موضوعات سے متعلق اہم تحریروں کو بھی دوبارہ لکھ کر ان پر اپنا نام چسپاں کرنے کی بجائے مصنفین کے اپنے ناموں کے ساتھ انھیں جوں کا توں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے 'گجرات پیڈیا' کے اکثر حصے ہماری تصنیف ہیں، بعض حصے ہماری تالیف ہیں اور کچھ اندراجات ہماری ترتیب ہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس کام کو اسی تناظر میں دیکھیں۔

ریویو کمیٹی کے پہلے اجلاس میں ایک اور موضوع پر بھی زور و شور سے بحث ہوئی۔ یعنی گجرات اور منڈی بہاؤالدین اب الگ الگ ضلعے ہیں۔ اس لیے ضلع گجرات کے ساتھ منڈی بہاؤالدین کو نتھی کرنا تکنیکی طور پر غلط ہوگا۔ اس استدلال کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ سیاسی مصلحتوں کے تحت 1993 میں انتظامی طور پر ضلع گجرات کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں اضلاع کی صدیوں پرانی تاریخ، روایات اور ثقافت کو بھی تقسیم کر دیا جائے۔ ممبران کمیٹی نے ہماری تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح تو پورس سے لیکر چیلیانوالہ تک کئی اہم معرکے منڈی بہاؤالدین کے علاقوں میں ہوئے ہیں۔ اگر وہ سب نکال دیے جائیں

Marfat.com

تو خود گجرات کی تاریخ میں کیا بچے گا چنانچہ تکنیکی استدلال کو درست تسلیم کرتے ہوئے بھی کثرت رائے سے طے پایا کہ ضلع گجرات میں منڈی بہاؤالدین کے علاقوں کو بھی شامل رکھا جائے۔

۲۔ تحقیقی مواد کا جائزہ

خوش قسمتی سے ضلع گجرات اور اس کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ خصوصاً اٹھارہویں' انیسویں صدی سے فارسی' اُردو اور انگریزی میں ان گنت کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بہت سی ابھی تک قلمی حالت میں ہیں جبکہ بہت سی شائع بھی ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر سلیچ نے جب یہ انکشاف کیا کہ وہ گجرات کے حوالے سے ادبیات و تواریخ کی پانچ ہزار کے لگ بھگ کتب کی فہرست تیار کر چکے ہیں تو ہمارے لیے یہ ایک بہت بڑا انکشاف تھا لیکن جب ہم نے المیر ٹرسٹ کو کھنگالا تو ایسی سیکڑوں کتابیں نکل آئیں۔ جب جناب عارف علی میر نے از راہ کرم ہمیں واقعتاً بوریاں بھر کر ایسی تمام کتابیں عاریتاً مرحمت فرمائیں تو تب کہیں ان کا استعمال ممکن ہو سکا۔

محترم افضل راز نے بھی اپنی لائبریری تک رسائی کو ممکن بنایا اور سینکڑوں ایسی کتابیں فراہم کیں جن کا حصول کہیں اور سے ممکن نہ تھا۔

المیر ٹرسٹ کے علاوہ ہم جناب قریشی احمد حسین قلعداری کے علمی خزانوں سے بھی استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک بار ہم ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے لیکن ان کی صحت کے حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم ان پر مزید بوجھ ڈالتے۔ اس خزانے سے استفادہ نہ کر پانے کا ہمیں ہمیشہ افسوس رہے گا۔ البتہ ان کی شائع شدہ کتب اور کتابچوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

جن دیگر لائبریریوں سے ہمیں استفادہ کرنے کا موقع ملا ان میں معروف عالم گڑھ لائبریری' اورینٹل کالج لائبریری لاہور اور زمیندار کالج گجرات کی تاریخی لائبریری شامل ہیں۔ زمیندار کالج کی لائبریری سے مجلہ شاہین کے پرانے شمارے خاص طور پر کار آمد ثابت ہوئے۔ جن دیگر احباب سے ہمیں اہم ماخذ دستیاب ہوئے ان میں ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد' جناب خالد ہمایوں' ڈاکٹر اظہر محمود چودھری' محترمہ راحیلہ عنبرین' ڈاکٹر وسیم گردیزی اور ڈاکٹر محمد منیر سلیچ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہم مرحوم سید حامد حسن کے اہل خانہ کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے گجرات کے موضوع پر گجرات کے علمی اور تاریخی خزانوں تک ہمیں آسان رسائی کا موقع دیا۔

یہاں گجرات کے موضوع پر سیکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں کی فہرست دہرانا ممکن نہیں ہے لیکن ہم نے ان تمام کتب و رسائل کا جائزہ گجرات پیڈیا کے تینوں حصوں میں لیا ہے۔ پہلے حصے میں جغرافیہ' تاریخ اور سماجی پہلوؤں سے تمام مواد کا تجزیہ کیا ہے جو کتاب کے پہلے حصے کا پہلا باب ہے۔ ادب و ثقافت کے موضوع پر کتابوں کا مختصر جائزہ کتاب کے دوسرے حصے کے پہلے باب میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح کتاب کے تیسرے حصے کا پہلا باب معاشی اور ترقیاتی موضوعات سے متعلق تحقیقی مواد پر روشنی ڈالتا ہے۔

۳۔ مشکلات اور نئی تحقیقی جہتیں

'گجرات پیڈیا' انگریزی محاورے کے مطابق "عشق کی مزدوری" ہے۔ پنجابی محاورے کے مطابق مزدوری کا معاوضہ چوری کی صورت میں ملتا ہے۔ لیکن یہ کام ایک بھاری پتھر تھا جسے شاید ہم بھی چوم کر چھوڑ دیتے لیکن ہم دونوں ناتوانوں نے ایک دوسرے کو حوصلہ اور سہارا دیا اور اسے اٹھا لیا۔ بہت سے لوگ جو اس بھاری پتھر کو نظر انداز کر کے گزر جایا کرتے تھے، چونک پڑے۔ ان میں سے اکثر نے خوشی کا اظہار کیا۔ چند ایک کو پچھتاوا ہوا کہ انہوں نے اب تک اس طرح توجہ کیوں نہیں کی تھی یہ ہمارے لیے پہلا چیلنج تھا۔ ہم اس راستے پر پہلا قدم رکھ رہے تھے۔ ہم گھبرائے ہوئے بھی تھے اور بوکھلائے ہوئے بھی لیکن دوستوں نے حوصلہ دیا۔ پنڈی سے ڈاکٹر سلیچ نے' گجرات سے سید شبیر حسین شاہ' شیخ عبدالرشید' ڈاکٹر اظہر محمود چوہدری' عارف علی میر نے اسلام آباد سے حمیرہ اشفاق' ڈاکٹر انعام الحق جاوید' محترم حسین عارف نقی اور ڈاکٹر شائستہ نزہت نے' لاہور سے فخر زمان نے' دہلی سے گجرات کی عظیم بیٹی کرشنا سوبتی نے' دہلی سے ہی آبلہ (منڈی بہاؤالدین) کے فرزند اور ہمارے عہد کے عظیم مورخ' ہربنس مکھیا نے اور ان گنت دوستوں نے اس چیلنج میں ساتھ دیئے' مدد کرنے کی یقین دہانی کروائی اور اپنے وعدے وفا بھی کیے۔

کمپوزنگ کے شعبے میں جناب خالد رضوان' جمیل اختر' عتیق خان اور محمد ظفر خان کا شکریہ ادا کرنا نہایت ضروری ہے کہ ان چاروں دوستوں نے اپنی خوشی اور غمی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ڈیڈ لائن کو مکمل کرنے میں ہماری مدد کی۔ غلطیوں سے پاک مسودات اور بار بار کی تصحیح کروانے پر بھی خندہ پیشانی سے پیش آنا واقعی ان اصحاب کا ہی حوصلہ ہے۔ خصوصاً جناب خالد رضوان کے احسانات کا شمار نہ ممکن ہے کہ جنھوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کی وفات پر بھی ہمارے کام کو اہمیت دی۔

Marfat.com

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے' تحقیقی مواد کی نشاندہی اور اس کا حصول سب سے بڑا چیلنج ہو سکتا تھا لیکن اس میدان میں بھی دوستوں اور بہی خواہوں نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں ہزاروں صفحات فوٹو کاپی کروانے پڑے۔ ہمارے اپنے سرسری اندازے کے مطابق ہم نے گزشتہ دس برسوں میں اتنی کتابیں فوٹو کاپی نہیں کروائی ہوں گی جتنی ان چھ ماہ میں کروانا پڑیں۔

سب سے بڑا چیلنج' سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اس سارے مواد کو پڑھنا تھا۔ اس عمل سے گزرتے ہوئے تحقیق کی اتنی نئی جہتیں سامنے آئیں اور تاریخی ورثے سے ایک ایسے گجرات کے خدوخال ابھرے جس سے ہم بالکل واقف نہ تھے۔ مثلاً یہ تصور کرنا بھی محال ہوتا کہ گجرات میں لکھی اور چھپنے والی پنجابی کتابوں کی تعداد ہزاروں میں ہوگی۔ الگ الگ موضوعات پر جائیں تو چھوٹے پنجابی قصوں کی سادہ فہرست بنانا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ درجنوں پنجابی قصے اور فارسی قصوں کے پنجابی تراجم تاریخی حوالوں سے بھرے پڑے تھے۔

پنجابی کے بعد اُردو شعر و ادب کی یہی صورت نظر آئی۔ اُردو ادب کی ہر صنف میں درجنوں کتابیں گجرات کی تخلیقی دولت کی مظہر تھیں۔ فارسی زبان میں تواریخ' ادب' نثری فن پاروں' طب' تاریخی واقعات اور جنگی معرکوں پر مبنی ان گنت کتابوں کا ذخیرہ نظر سے گزرا۔

قیام پاکستان کے بعد تاریخ' ادب' سماجی علوم' سیاست' فن و ثقافت اور انسانیاتی تحقیق جیسے موضوعات پر اُردو' انگریزی اور پنجابی میں اہم سنجیدہ کتب دیکھنے کو ملیں۔

یہ سارا ادب یہ تمام کتابیں' ہمارے مطالعے کی عادت اور زیادہ پڑھنے کی ہماری استطاعت سے کہیں زیادہ تھیں۔ سب سے بڑا چیلنج یہ تھا کہ مارچ 2010ء سے شروع کر کے دسمبر 2010ء کی بجائے اگست 2010ء کے اختتام تک 'گجرات پیڈیا' کو قابلِ اشاعت مسودے کی شکل دینا تھی جبکہ اس کے تینوں حصے تین ہزار سے زائد صفحات میں پھیل رہے تھے جسے ہم نے پچیس سو صفحات تک محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ساری مشق کے دوران ہمیں اندازہ ہوا کہ اس کام سے پہلے ہم گجرات کے بارے میں بیس فیصد بھی نہیں جانتے تھے اور بعض دوستوں کا یہ اعتراض بجا تھا کہ جس محدود مواد کے ساتھ ہم اپنے کام کا آغاز کر رہے ہیں' اس کی بنیاد پر ایک انسائیکلوپیڈیا تو کیا' گجرات کے بارے میں ایک اچھی کتاب بھی نہیں لکھی جا سکتی۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ اپنی اس خامی کو ہم نے شروع میں ہی پلے باندھ لیا اور پھر سینکڑوں کتابوں سے گزرتے چلے گئے۔

ہم پورے عجز اور مکمل حلیمی کے ساتھ ''گجرات پیڈیا'' آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ کتابوں کی نشاندہی' حصول' مطالعے اور تحقیق اور اسے موجودہ شکل دینے کے لیے ہمارے پاس کل چھ ماہ تھے۔ اس مختصر مدت میں اتنے بڑے کام کی ذمہ داری قبول کرنا بظاہر نا قابلِ یقین لگتا ہے لیکن جیسے تیسے ہم اسے کر گزرے ہیں۔ پھر اس موضوع پر یہ پہلا کام ہے۔ اس میں بیشمار خامیاں ہوں گی۔ بہت سی کوتاہیاں ہوں گی۔ ہمارا کوئی دعویٰ نہیں۔ اس لیے آپ کی تنقید سر آنکھوں پر۔ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کیجئے۔ تاکہ ہم اُن کی اصلاح کر سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس موضوع پر مزید کام سامنے آئیں گے۔ زیادہ بھرپور اور غلطیوں سے مُبرا۔

ہم نے پہل کر دی ہے۔ پنجاب کے دیگر اضلاع یقیناً اس کام کی طرف دیکھیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو کیا اسے ہم اپنی کامیابی سمجھنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے؟

ڈاکٹر امجد علی بھٹی
اسسٹنٹ پروفیسر (صوفی سٹڈیز)
دعوۃ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی'
اسلام آباد

احمد سلیم
سینئر ریسرچ ایڈوائزر
پالیسی انسٹی ٹیوٹ برائے پائیدار ترقی
(ایس ڈی پی آئی)' اسلام آباد

Marfat.com

پہلا باب

منتخب تاریخی ماخذ

Marfat.com

گجرات: منتخب تاریخی مآخذ

گجرات کے بارے میں فوری طور پر کسی ایسی کتاب کا نام لینا مشکل ہے جسے اس قدیم شہر کی باضابطہ تاریخ کہا جا سکے لیکن یہ بات تو لاہور پر بھی صادق آتی ہے جس کے بارے میں درجنوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ گجرات کے بارے میں بھی ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں، جن میں بھرپور تاریخی مواد موجود ہے پھر بھی ان میں سے کسی ایک کتاب کو بھی تاریخِ گجرات کہنا مشکل ہے، خواہ اس کتاب کا نام 'تاریخِ گجرات' ہی کیوں نہ ہو۔ میری رائے میں یہ صورت حال مایوس کن سے زیادہ امید افزا ہے کیونکہ کسی علاقے کی تاریخ نویسی کے لیے درجنوں کتابوں کی دستیابی ہی سب سے اہم بنیاد ہے۔

گجرات کے بارے میں تاریخی تذکروں کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ قیامِ پاکستان سے قبل

قیامِ پاکستان سے قبل کا تاریخی مواد بنیادی طور پر فارسی، اُردو اور انگریزی زبان میں ہے۔ انگریزی میں لکھی گئی کتابوں اور رپورٹوں کا بڑا حصہ نوآبادیاتی تحریروں پر مشتمل ہے جس میں گزیٹیرز، سیٹلمنٹ اور ایڈمنسٹریشن رپورٹیں، ضلعی رواجِ عام (کسٹمری لاز)، ضلعی انتظامی ریکارڈ اور ضلعی جنگی رپورٹیں شامل ہیں جن کا اگلے صفحات میں مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔

۲۔ قیامِ پاکستان کے بعد

قیامِ پاکستان کے بعد اُردو، انگریزی اور پنجابی میں متعدد تواریخ اور تذکرے لکھے گئے ہیں جن میں قریشی احمد حسین قلعداری، منیر احمد سلیچ، عارف میر، ایم زمان کھوکھر، شریف کنجاہی، عارف نوشاہی، افتخار وڑائچ کالروی اور عبدالرحمان سمیت متعدد سکالرز شامل ہیں۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد کا دور مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی کے معیار سے بھی کوسوں دور ہے اور تاریخ نویسی میں ترقی اور تحقیق کی سہولتوں میں اضافے کے باوجود کوئی معروضی کام نظر نہیں آتا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں، ایک بڑی وجہ 1947 کے بعد گجرات سے ہندوؤں اور سکھوں کا اخراج ہے۔ ہندو سکھ گجرات سے کیا گئے، ہم نے انھیں تاریخ کی کتابوں سے بھی خارج کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علاقائی اور ضلعی تاریخ نویسی کو نہ صرف قومی تاریخ نویسی کا حصہ نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے کم تر حیثیت کا حامل بھی قرار دیا گیا۔ تاریخ کی قومی کانفرنسوں میں علاقائی و ضلعی تاریخ نویسی کے موضوع کو سرے سے خارج کر دیا گیا جو قیامِ پاکستان سے قبل آل انڈیا ہسٹری کانگریس کی تقریبات کا لازمی جزو شمار ہوتا تھا۔ ایک اور اہم وجہ عربی، اور فارسی سے عدم واقفیت اور سنسکرت و ہندی سے مکمل دوری ہے۔ جس کے باعث تاریخ گجرات کے بعض اہم بنیادی ماخذ قابل رسائی نہ رہے۔ 1947 کے بعد لاہور سمیت، پنجاب کی متعدد لائبریریوں سے ہندی اور گورمکھی کی کتابیں نکال کر جلا دی گئیں یا ردی میں بیچ دی گئیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے مورخین نے نوآبادیاتی انگریزی ریکارڈ کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا جس کی وجہ سے بہت سا کارآمد تاریخی مواد، تاریخ کی نئی کتابوں کا حصہ نہ بن سکا۔ ایک وجہ یہ بھی رہی کہ قومی تاریخ کی کتابوں میں زمانی ترتیب کو ہم نے من و عن اپنی ضلعی تاریخ نویسی کا حصہ بنانے کی کوشش کی اور قابل قدر مقامی مواد، لوک ادب، میراثیوں کی بیان کردہ حکایات، پٹواریوں کے گوشواروں اور دفتر مال کے کاغذات میں سے تاریخی حقائق اور تفصیلات کو کھوجنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ بدقسمتی سے ایک اور اہم اور قیمتی ماخذ بھی ہماری توجہ حاصل نہ کر سکا یعنی بزرگوں سے سنی ہوئی زبانی روایات جو ان کے براہ راست تجربے اور مشاہدے کا حصہ ہوتی ہیں۔ اگر اس طرف توجہ کی گئی ہوتی تو ان کی بنیاد پر اواخر انیسویں اور پوری بیسویں صدی کے گجرات کی سیاسی، تمدنی اور اقتصادی تاریخ کے بہت سے حقائق ہمارے سامنے ہوتے۔ اسی طرح اکا دکا خودنوشت سوانح عمریوں کو چھوڑ کر درجنوں سیاسی، صحافتی اور علمی شخصیتوں نے ہمیں اس اہم تاریخی ماخذ سے بھی محروم رکھا۔ گجرات کی مقامی صحافت اگرچہ درخورِ اعتنا نہیں رہی لیکن جو اکا دکا اخبارات و جرائد یہاں سے نکلتے رہے، وہ بھی آج محفوظ نہیں ہیں جن کی مدد سے کئی ٹوٹے ہوئے تاریخی سلسلے جوڑے جا سکتے تھے۔ ایک اور چھوٹی سی وجہ یہ تھی کہ دستیاب مواد کی چھان پھٹک سے کام نہ لیا گیا اور جو واقعہ جہاں سے ملا اسے بغیر کسی معروضی کھوج پرکھ کے تاریخ قرار دے کر کتاب میں شامل کر لیا گیا۔ ان تمام وجوہات کا سرسری جائزہ لینے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ نویسی کے معاملے میں ہم چند در چند

Marfat.com

مسائل کا شکار رہے ہیں جنہیں دور کیے بغیر آگے بڑھنا مشکل ہوگا۔

مندرجہ بالا معروضات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل غلط ہوگا کہ تاریخ گجرات کے سلسلے میں کوئی کام ہوا ہی نہیں یا جو کام ہوا ہے' اس کی اہمیت اور وقعت نہیں ہے۔ اس کے برعکس' جیسا کہ میں نے ابتدا میں کہا کہ صورت حال مایوس کن سے زیادہ امید افزا ہے اور ہم بکھرے ہوئے ملبے سے تاریخ گجرات کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ گجرات یونیورسٹی کی مدد سے ہمارے موجودہ کام کو اس سمت میں ایک ابتدائی اور چھوٹا سا قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔

2.1 اولین فارسی مآخذ

اس مواد میں خاصے ماخذ فارسی زبان میں ہیں' جنہیں یا تو سرے سے نظر انداز کیا گیا ہے یا مورخین کی ان تک رسائی نہیں ہو سکی۔ ان میں سے کئی ایک کے اُردو' انگریزی یا پنجابی تراجم ہو چکے ہیں۔ چند قابلِ ذکر ماخذ درج ذیل ہیں۔

2.2 آئینِ اکبری

ابوالفضل علامی (1602-1551) کی معرکتہ الآرا تصنیف 'آئینِ اکبری' گجرات سمیت پنجاب اور ہند کے متعدد علاقوں کا مستند ترین حوالہ ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کے بارہ صوبوں کے تاریخی احوال پر مشتمل ہے۔ گجرات کے بارے میں تفصیلات 'صوبہ لاہور' کے باب میں ملتی ہیں' جن میں علاقے کی حدود' آمدنی' افواج' انتظامیہ اور مشہور شہروں اور قصبوں کی تفصیل درج ہے۔ [1] گجرات کے حوالے سے اس کتاب کو اولین مستند فارسی ماخذ قرار دیا جا سکتا ہے۔

2.3 شاہ نامہ احمدی

کیپٹن ایلیٹ کی کتاب 'دی کرانیکلز آف گجرات' کے اُردو ترجمے کے پیش لفظ میں 'احوال و آثارِ گجرات' کے عنوان سے پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قلعداری نے مُلا فیض اللہ سامع کی ایک فارسی تصنیف 'شاہ نامہ احمدی' کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے کتاب کی تاریخِ تصنیف یا تاریخِ اشاعت نہیں دی تاہم وہ تاریخِ گجرات کے سلسلے میں اسے ایک اہم ماخذ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ فارسی نظم احمد شاہ ابدالی کے پنجاب پر حملوں کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ گجرات چونکہ راستے میں پڑتا تھا اس لیے گجرات کے متعدد مقامات کا ذکر اس کتاب میں ملتا ہے۔ کتاب کے ایک شعر کے مطابق

؎ چو شاہ کرد بحرِ جیلم عبور
ہند آمد از راہِ بہلول پور

(جب شاہ نے دریائے جیلم (جہلم) کو عبور کیا تو وہ براستہ بہلول پور یعنی گجرات' ہند میں داخل ہوا) پروفیسر موصوف اسے تاریخ گجرات کے حوالے سے ایک وقیع ماخذ قرار دیتے ہیں جبکہ عارف علی میر اپنی کتاب 'تاریخِ جلالپور جٹاں' میں یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ:

> ''یہ کتاب گجرات کی تاریخ نہیں۔ گجرات پر احمد شاہ ابدالی کی فوج کشی پر چند اشعار کو ہم گجرات کی تاریخ نہیں کہہ سکتے''

عارف علی میر کی رائے میں اس طرح تو شاعری کی بعض دیگر کتابوں میں گجرات کے بارے میں اس سے بھی زیادہ مواد ہے۔ یہ نکتہ توجہ طلب لیکن قابلِ بحث ہے۔

2.4 واقعاتِ درّانی

فارسی زبان کی ایک اور تصنیف 'تاریخِ احمد' یا 'تاریخِ احمد شاہی'، احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر پانچ حملوں کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کی بھی حامل ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر کی تحقیق کے مطابق منشی عبدالکریم نے اپنی یہ تصنیف 1263ھ (47-1846) یا 1264ھ (48-1847) میں مکمل کی تھی جسے محمد عبدالرحمان خان ولد حاجی محمد روشن خان نے 1266ھ (50-1849) میں شائع کیا تھا۔ اسی ناشر نے میر وارث علی سیفی سے اس متن کا اُردو ترجمہ کروایا اور اسے 1292ھ (76-1875) میں 'واقعاتِ درّانی' کے نام سے شائع کیا۔ یہ نایاب اُردو ترجمہ بعد ازاں پنجابی ادبی اکادمی نے 1963 میں دوبارہ شائع کیا۔

منشی عبدالکریم کی مذکورہ کتاب میں گو گجرات کے حوالے سے زیادہ تفصیل نہیں ملتی لیکن دو حوالے قابل ذکر ہیں۔ ایک حوالہ احمد شاہ کے پوتے زمان شاہ کے لاہور سے خراسان جانے کے بارے میں ہے:

Marfat.com

"اس عرصے میں عرضیاں زمان خان پسر حاجی کریم داد خان اور دوسرے دولت خواہوں کی متواتر پہنچیں کہ سلطان محمود پھر ارادہ فاسد رکھتا ہے۔ چنانچہ بمجرد سننے اس خبر کے غرہ شعبان 1211ھ (30 جنوری 1797) کو دریائے راوی کا کشتیوں کے پل واقع لاہور سے اور دریائے چناب کو گزر سودرہ (سوہدرہ) سے کہ دو کوس وزیرآباد سے ہے' پایاب عبور کیا اور منزل گجرات میں چار آدمیوں کو قوم دڑانی سے کہ سادات کا گاؤں انہوں نے لوٹ لیا تھا' ان کا پیٹ چاک کرا کے قتل کیا۔

دوسرا اہم حوالہ پنجاب کے دوآبوں کے ضمن میں ہے۔ منشی عبدالکریم' پنجاب کے دوآبوں کا حال بیان کرتا ہے۔ دوسرے دوآبے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"یہ دوآبہ درمیان دریائے جہلم اور دریائے چناب کے ہے۔ عرض اس کا شاہراہ میں اکتیس کوس ہے۔ اس کے مقام آبادی سے قصبہ ونکیاں ہے کہ راجہ اس کا خداداد خان ہے اور گاؤں شادی وال' کہ تین گاؤں اس نام کے ہیں۔ یہاں راجپوت مسلمان رہتے ہیں اور شہر گجرات میاں دولہ اور قصبات اور شہر بہت سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دریائے چناب پنجاب کے سب دریاؤں سے بڑا ہے اور صورت میں گنگ دریائے ہندوستان سے مشابہ ہے۔ شیرینی میں گنگا کے پانی سے بہتر اور خوشگوار اور ہاضم اور صحت بخش ہے۔"

اسی مصنف کی ایک اور فارسی تصنیف 'تاریخ پنجاب تحفۂ احباب' ہے جس میں رنجیت سنگھ کے احوالِ سلطنت' سکھوں کی انگریزوں سے لڑائیوں اور پنجاب کے مختلف اضلاع سے سکھوں کے خراج کی وصولی کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ اس کتاب میں گجرات کی جنگ کا تفصیلی نقشہ' صفوف بندی اور وضع توپ خانہ و رسالہ کی تفصیل بھی ملتی ہے۔

2.5 تاریخ پنجاب

بوٹے شاہ کی 'تاریخِ پنجاب' جس کے مقدمے کا پنجابی ترجمہ 1850 میں لدھیانہ مشن پریس سے شائع ہوا' فارسی میں 1848 میں مکمل ہوئی تھی۔ پنجابی ترجمہ منشی بہلول نے کیا تھا۔ بوٹے شاہ اور منشی بہلول دونوں کا تعلق لدھیانہ سے تھا۔ غلام محی الدین عرف بوٹے شاہ نے یہ کتاب گورنر جنرل کے ایجنٹ رسل کلارک کی فرمائش پر لکھی تھی۔ کلارک لدھیانہ میں برٹش ایجنسی کا کرتا دھرتا تھا۔ پنجاب پر انگریزی قبضے سے قبل بوٹے شاہ 1837 میں لاہور دربار میں حاضری دے چکا تھا۔ 'تاریخِ پنجاب' میں مقدمہ' پانچ دفتر یا حصے اور ایک خاتمہ شامل ہیں۔ پانچوں حصے ابتدائی ہندو عہد' مسلم عہد' سکھ تاریخ اور مہاراج رنجیت سنگھ کے اقتدار اور عروج کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ کتاب کا مقدمہ پنجاب کے جغرافیائی حالات' دوآبوں' شہروں' قصبوں اور آبادی کے کوائف پر مبنی ہے جن میں گجرات کنجاہ' جلالپور جٹاں اور چھہت دوآبے کے بعض دیگر شہروں اور قصبوں کا بھی ذکر ہے۔ اختصار کے باوجود' تاریخِ گجرات کے حوالے سے اس مقدمے کی بے حد اہمیت ہے مثلاً کنجاہ کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ شہر اب پہلے سے زیادہ آباد ہے کیونکہ دیوان محکم چند کے بیٹے موتی رام نے اپنے رہنے کے لیے وہاں خوبصورت حویلیاں بنوائی ہیں۔ شہر کے مشرقی جانب ایک باغ اور جنوب کی طرف سیڑھیوں والا کنواں ہے۔"

اسی طرح گجرات کا ذکر ان لفظوں میں ملتا ہے:

"شہر کے اندر ایک قدیم اور پختہ قلعہ ہے۔ قلعے کے اندر سکھوں نے نئے گھر بنا لیے ہیں۔ سکھوں نے اس شہر کو بے حد لوٹا ہے۔ اس وقت تین ہزار گھر اور دو سو دکانیں ہیں۔

بوٹے شاہ کے بیان سے آج کے کنجاہ اور گجرات کی تصویر کا موازنہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اسی طرح موجودہ جلالپور جٹاں کا تقابل مورخ کی درج ذیل عبارت سے کرنا بھی قابل توجہ ہے:

"اس شہر (گجرات) سے پانچ کوس کے فاصلے پر قصبہ جلالپور وڑائچ گوت کے جاٹوں کا آباد کیا ہوا ہے (مرزا اعظم بیگ کے مطابق اسے جلال نامی گوجر نے اکبر بادشاہ کے عہد میں آباد کیا تھا لیکن ہندال

Marfat.com

وڑائچ نے اس پر بزور قبضہ کرلیا تھا) اس کی عمارتیں کچی ہیں لیکن آبادی کے باعث بہت رونق ہے۔اس وقت دو ہزار گھر اور سو دکانیں آباد ہیں۔شہر کے اندر' حاکم شہر کی رہائش کے لیے ایک خوبصورت پختہ حویلی بنی ہوئی ہے۔چودھریوں کے گھر بھی پختہ بنے ہوئے ہیں۔جلالپور سے آدھے کوس کی مسافت پر اسلام گڑھ کا قلعہ چودھری رحمت خان وڑائچ نے بنایا تھا۔ یہ قلعہ تھا تو کچا ہی لیکن بہت سڈول اور اچھا بنا ہوا تھا اور دور سے بہت خوبصورت نظر آتا تھا کیونکہ اس کے گردکنگروں کی دیوار تھی جواب جگہ جگہ سے گر گئی ہے۔ اس قلعے اور جلالپور کی بائیں سمت ایک خشک نہر ہے' جو برسات کے دنوں میں چلتی ہے۔

یہ مثالیں صرف کتاب کے مقدمے سے لی گئی ہیں۔پانچ دفتروں پر مشتمل یہ ضخیم کتاب تاریخِ گجرات کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے خصوصاً رنجیت سنگھ کے عہد کے حوالے سے لیکن یہاں ان کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔

2.6 چار باغ پنجاب

گنیش داس بڈیہرا کی فارسی تصنیف 'چار باغ پنجاب' چار پرگنوں راولپنڈی' گجرات' سیالکوٹ اور لاہور کی سیاسی' جغرافیائی' سماجی اور ثقافتی تاریخ کا احوال بیان کرتی ہے۔کتاب کا بڑا حصہ گجرات کے بارے میں ہے جہاں کا گنیش داس رہنے والا تھا۔مصنف کے مطابق پہلے اس نے اپنی کتاب کا نام 'رسالہ صاحب نامہ' رکھا تھا' بعدازاں دوستوں کے مشورے پر چار پرگنوں کی تاریخ کی نسبت سے اس کا نام 'چار باغِ پنجاب' کر دیا۔کتاب کی تکمیل دیوالی کے روز 9 نومبر 1847 کو ہوئی تھی' اس نسبت سے اسے 'چراغِ پنجاب' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔گنیش داس نے اپنی یہ تصنیف انگریزی قبضے کے بعد 1849 میں ناظم پنجاب ہنری لارنس کو پیش کی۔

بڈیہرا ذات کا کھتری گنیش داس خود اپنا تعارف پرگنہ گجرات کے ایک قانون گو اور چج دوآب کے ایک زمیندار کے طور پر کرواتا ہے۔اس کے بیشتر پُرکھوں نے اپنے اپنے وقت کی سرکار کے لیے خدمات سرانجام دیں۔خاندان کا بانی کا کامل پٹن سے نقل مکانی کر کے گجرات آیا تھا' جہاں پہلے جموں کے بیرم دیو اور بعدازاں سکندر لودھی کے تحت اس نے سول انتظامیہ میں خدمات انجام دیں۔اسلام شاہ نے اس کے بیٹوں کو سیالکوٹ کی قانون گوئی اور سررشتہ داری عطا کی۔کا کامل کی پانچویں پشت میں مرار داس راجہ مان سنگھ کی سیالکوٹ جاگیر کا دیوان مقرر ہوا۔اس کے چھوٹے بھائی شنکر داس کی جہانگیر نے سرپرستی کی اور سب سے چھوٹا بھائی سوندر داس بھی منصب دار مقرر ہوا۔کا کامل کی پشت میں سے ایم ملک جیٹھا اکبر کے دورِ حکومت میں گجرات کا قانون گو بنا۔ملک جیٹھا کی اولادوں کا گجرات کی قانون گوئی پر تصرف ہو گیا اور یہ عہدہ ملک جیٹھا کی نویں پشت میں گنیش داس تک پہنچا۔

گنیش داس اپنے پُرکھوں کی خدمات کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ کرتا ہے جن میں سے بعض مسلمان ہو گئے تھے اور جنہوں نے خطاطی' ریاضی' موسیقی' شاعری اور تاریخ میں کمال حاصل کیا۔گنیش داس اپنے پُرکھوں میں گجرات کے رئیس بھوانی داس کا ذکر بھی کرتا ہے' جو اس کا دادا تھا۔اس کا باپ شودیال پرگنہ گجرات کے قصبے فتح گڑھ کا عامل اور ناظم تھا۔خود گنیش داس مہاراجہ رنجیت کے لاہور دربار کے تحت گجرات کا قانون گو اور زمیندار تھا۔

لیکن گجرات کی تاریخ نویسی کے حوالے سے 'چار باغ پنجاب' کی اہمیت پر کچھ روشنی ڈالنے سے قبل گنیش داس کے ابتدائی کاموں پر ایک سرسری نظر ڈالنا مفید ہوگا۔'چار باغ پنجاب' سے کچھ ہی قبل اس نے سکھوں کی ایک تاریخ قلم بند کی تھی پھر جموں کے راجہ گلاب سنگھ کی فرمائش پر اس نے راج درشنی' تصنیف کی جو جموں کی تاریخ کے سلسلے میں اہم تاریخی ماخذ شمار ہوتی ہے۔ ایک اور اہم تصنیف 'مراۃ القوانین' قلمی نسخے کی صورت احمد حسین احمد قریشی قلعداری کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔یہ تصنیف قدیم راجاؤں کے حالات پر روشنی ڈالتی ہے۔

'چار باغ پنجاب' کا بڑا حصہ گجرات کے بارے میں ہے اگرچہ اس نے تین دوسرے پرگنوں اور دوآبوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔سو سے زائد صفحات میں اس نے رچنا دوآب اور چج دوآب میں شامل علاقوں کا ذکر کیا ہے' شاید اس لیے کہ یہ علاقے اچھی طرح سے اس کے دیکھے بھالے تھے اور گجرات کا تو وہ خود رہنے والا تھا۔ تیسرے نمبر پر باری دوآب کا ذکر ملتا ہے' جس کے دو بڑے شہروں لاہور اور امرتسر سے وہ اچھی شناسائی رکھتا تھا۔سندھ ساگر دوآب کو اس نے گیارہ صفحات میں اور بست جالندھر کو صرف چار صفحات میں سمیٹا ہے۔پوری کتاب کا ایک تہائی حصہ گجرات' سیالکوٹ' وزیر آباد' ایمن آباد' لاہور اور امرتسر کے بارے میں ہے۔اس عدم توازن کے حوالے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ جن علاقوں کے بارے میں وہ اچھی طرح بات کر سکتا تھا ان کے بارے میں اس نے اِدھر اُدھر کی کہانیاں سنانے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے احتیاط کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سیاسی تاریخ کے بجائے اس نے

Marfat.com

جغرافیائی' سماجی اور ثقافتی پہلوؤں پر زیادہ زور دیا۔

گنیش داس نے اپنی یہ تصنیف 1854 میں رچرڈ ٹمپل (لی جنڈز آف دی پنجاب' کے مصنف آر سی ٹمپل کے والد) جو اس وقت گجرات کے سیٹلمنٹ افسر اور ڈپٹی کمشنر تھے' کی خدمت میں پیش کی یا پھر انھیں کسی اور ذریعے سے ملی۔ تاہم انہوں نے 1855 میں اس کی ایک جلد تیار کروا کے پیرس کی نمائش میں ارسال کی۔

انتہائی اہم تاریخی ماخذ ہونے کے باوجود' اس کتاب کو اب تک بوجوہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ پاکستان میں حکومتی اداروں نے متعدد فارسی کتب کی ترتیب و اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ ان میں بعض کم تر درجے کے ماخذ بھی ہیں۔ پنجابی اکیڈمی کے تحت ڈاکٹر باقر نے 1960 کی دہائی میں کئی فارسی کتب' جن میں اہم ترین علی الدین کی 'عبرت نامہ' بھی شامل ہے' ترتیب و تعارف کے ساتھ شائع کیں لیکن 'چار باغ پنجاب' پنجابی اکیڈمی کی توجہ نہ حاصل کر سکی۔ قومی اور صوبائی اداروں کی عدم توجہی کے بعد خیال تھا کہ خود گجرات کے اہل قلم حضرات فرزندِ گجرات کی اس اہم تصنیف کو سامنے لانے کی سعی کریں گے لیکن گجرات سے اس کتاب کو دُشنام طرازی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اس سلسلے میں' میں صرف ایک اقتباس پیش کرنا چاہوں گا۔ ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری رقم فرماتے ہیں:

> ''منشی گنیش داس وڈیرہ (وڈیہرا) کا شمار نہایت متعصب مورخین میں کیا جاتا ہے۔ 'چہار باغِ پنجاب' لکھتے ہوئے اس نے ہندو علما' عرفا اور ادبا و شعرا کا تذکرہ تو بڑے اہتمام سے کیا ہے مگر مسلمان اہلِ علم و فضل شخصیات کے احوال و آثار ایسے لکھے ہیں جیسے کوئی کام بامر مجبوری کیا جا رہا ہو۔ پھر بعض مسلمہ اسلامی اقدار پر رکیک و نازیبا حملے بھی کیے ہیں جنہیں' کوئی باغیرت مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ اصل میں یہ کتاب ہندو دانشوروں کی کتاب کہی جا سکتی ہے۔

جذبات سے پُر پروفیسر قریشی قلعداری کے اس بیان پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہم صرف ایک امر کی نشاندہی کرنا چاہیں گے جس سے ان کی علمی شناوری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے 'چراغ پنجاب' اور 'رسالہ صاحب نامہ' کو منشی گنیش داس کی دیگر تصانیف میں شمار کیا ہے جبکہ یہ دونوں نام 'چار باغ پنجاب' ہی کے دوسرے نام ہیں جن کی تشریح اوپر کہیں کی جا چکی ہے۔ سی۔ اے۔ سٹوری کی کتاب 'پرشیئن لٹریچر۔ اے بائیو۔ ببلیوگرافیکل سروے' میں جس کا حوالہ قریشی صاحب نے دیا ہے' اگر انھیں گنیش داس کی دیگر کتابیں قرار دیا گیا ہے تو کیا اسے درست تسلیم کر لیا جائے جبکہ خود گنیش انھیں اپنی کتاب کے دیگر نام قرار دیتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ امر یہ ہے کہ اپنے اسی مقالے میں وہ خود اپنی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''منشی گنیش داس وڈیرہ گجرات کی قانوں گو برادری کا ایک عالم و فاضل فرد تھا۔ سردار صاحب سنگھ کے زمانے 1765 تا 1810 کے درمیانی عرصے میں اس نے 'صاحب نامہ' کے نام سے پنجاب کی تاریخ لکھی جو 'چار باغ پنجاب' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

جہاں تک پروفیسر موصوف کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ گنیش داس انتہائی متعصب ہندو مورّخ تھا جس نے بعض مسلمہ اسلامی اقدار پر رکیک حملے کیے' جس نے مسلمانوں کے علمی اور ادبی کارناموں کو نظر انداز کیا اور ہندو علما و ادبا کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا تو انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ وہ سند کے طور پر چند مثالیں بھی پیش فرماتے جو بدقسمتی سے انہوں نے پیش نہیں کیں۔

جہاں تک گنیش داس کی تاریخ نویسی کے مستند ہونے کا تعلق ہے' اس کے بارے میں تنقید کی کافی گنجائش موجود ہے' جو ہم اگلے صفحات میں زیر بحث لائیں گے لیکن پروفیسر موصوف کے الزامات بغیر کسی ثبوت کے ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس مذہبی تعصب کی بات قریشی صاحب کر رہے ہیں' اس کی بدترین مثال ان کی اپنی مذکورہ بالا عبارت ہے۔

چونکہ ہمارا موضوع گجرات کی تاریخ نویسی ہے اس لیے گنیش داس نے مسلمانوں کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اسے ہم ضلع گجرات تک ہی محدود رکھیں گے البتہ گنیش داس کے اقتباسات سے پروفیسر قریشی کے الزامات کی حقیقت سامنے آ جائے گی:

> ا۔ سب سے پہلے گنیش داس خود اپنے پُرکھوں پر فخر کا اظہار کرتا ہے۔ وہ بلا جھجک بیان کرتا ہے کہ اس کے بعض بزرگ مسلمان ہو گئے تھے جنہوں نے علم و ہنر کے حوالے سے کئی کارنامے انجام دیئے۔
>
> ''وڈیہرا کے طور پر مشہور ہونے والی قوم کے لوگوں میں ہر ایک اپنے پیشے میں بے عیب ہوا ہے۔ جیسے نو مسلم اقبال اور عبداللہ باری خوبصورت خطاطی کے لیے مشہور ہیں۔ نصرت مند شاعری اور علم

Marfat.com

موسیقی میں ہوشیار تھا۔

۲۔گجرات کے بڑے لوگوں میں سے وہ ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا بھی ذکر کرتا ہے:

''شہر اور بڑے لوگوں میں سے نندگھن ہانڈا' جتو دھیری' گلاب رائے وڈیہرا' دیال مرداہا' سید فیض اللہ' سید معصوم' فتح خان پنچ' خداداد خان افغان' قاضی غلام علی' قاضی رضی الدین' میراں محمد' فاضل' تیگ سنگھ داسن' حکومت رائے بانیا اور کئی دوسرے مغل عہد میں' اپنی خوبیوں کے باعث بے مثال تھے۔

۳۔اجڑنے کے بعد جب سردار گجر سنگھ نے گجرات کو دوبارہ آباد کیا۔

''اس وقت حکومت کے امراء وزراء میں دل باغ سنگھ سیال بڑا بھاگوان شخص تھا۔ لالہ رام گُر کا کڑا' مہتہ بھوانی داس وڈیہرا' میاں محمد صالح' مہتہ چیت رام مہتہ دیوی سہائے اور عصمت اللہ قانوں گو بڑی نمایاں شخصیات ہیں۔۔۔آج کل مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں' ملک کے چودھریوں میں خدایار وڑائچ' خلاص خان' محمد یار گجر' فتح علی اور قانوں گوؤں میں لالہ کشن روپ' خادم گنیش داس (مصنف) میاں خدایار اور رحیم بخش اونچی شان والے' مہاراجہ کے واقف کار اور سیوادار ہوئے ہیں۔

۴۔حضرت شاہ دولہ اور ان کی اولاد کے بارے میں یہ اقتباس دیکھیے:

''اسی طرح گجرات میں' گزرے زمانوں کی یادگار ایک پُل کنواں اور مسجد رب کے ولی حضرت شاہ دولہ کی نشانیاں ہیں۔ان کے وصال کا سال 'باخدا پیوست' (خدا میں مل گیا) سے 1086ھ نکلتا ہے۔ان کا سگا اور خدا شناس بیٹا بہاول شاہ کافی عرصے تک' ان کی گدی کو زینت بخشتا رہا۔ وہ 1108ھ میں جنت مکانی بن گیا۔حضرت بہاول شاہ کی دو بیویوں میں سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے۔ یہ پانچوں بیٹے' پانچ پیروں کی طرح چھوٹے بڑے لوگوں پر مہر کرنے والے تھے' سو باری باری خدا پرستی کا ڈنکا بجاتے ہوئے اس فانی دنیا سے چل بسے۔ان کی اولاد میں میاں منور شاہ اور مودی شاہ لائق اشخاص تھے۔اس وقت میاں حسن شاہ' فضل شاہ اور جیون شاہ حضرت شاہ دولہ کی اولاد میں سے موجود ہیں۔

۵۔دوسرے مسلمان فقراء کے بارے میں لکھا ہے:

''اسی طرح مست درویش شاہ جہانگیر ہوئے ہیں جو حضرت شاہ دولہ کے ہم عصر تھے۔شاہ جہان کے عہد میں بمطابق 1050ھ گجرات میں میاں لال اپنی کرامات کے سلسلے میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ پیر محمد سچیار اولیاء کی خانقاہ نوشہرہ کی دھرتی میں تیرتھ استھان ہے' انہوں نے حضرت نوشہ' حاجی گنج بخش اولیاء سے فقر کی سوغات حاصل کی تھی۔

۶۔چند مسلمان علما کی تعریف کرتے ہوئے گنیش داس لکھتا ہے:

''نیک نام سردار صاحب سنگھ کے عہد حکومت میں بڑے بڑے علما میں سے ایک عالم محمد صالح ہیں۔ بہت سے مسلمانوں نے ان سے علم حاصل کیا ہے۔۔۔شعر اور نثر کے علم میں میاں محمد طفیل اور ان کا بیٹا محمد اشرف ممتاز ہیں۔آج کل میاں محمد علی اور ان کا بیٹا محمد سلیم بڑائی کے لائق ہیں۔محمد علی سید' جن کا تخلص مرگ تھا' کسی حد تک فارسی شاعری کے ماہر تھے' حکیم محمد قاسم حکمت اور بیماریوں کی پہچان میں بے مثال تھے۔آنکھوں سے نابینا اور نظر نہ ہونے کے باوجود' وہ حکمت میں ہزاروں آنکھوں والے دانشمندوں سے بڑھ کر تھے۔

۷۔چند اور فقیروں کا ذکر ان لفظوں میں ملتا ہے:

''سائیں لوک پانڈی نے اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کر کے بڑائی حاصل کی۔ان کا مقبرہ گجرات میں سمت 1864 بکرمی (بمطابق 1807ھ) تعمیر کیا گیا۔

۸۔ایک مسلمان دستکار کا ذکر دیکھیں۔

''لوہار تیز دھار والی تلواریں تیار کرتے تھے اس کام

Marfat.com

میں دوست محمد لوہار سب سے آگے تھا۔

۹۔ایک اور درویش کا ذکر دیکھیں:

''چودھوال کے قریب حضرت حافظ حیات کی خانقاہ ہے' جو احمد شاہ کے عہد میں ایک پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔اس کے درویش چیلے آج تک اپنے ہاتھوں سے کھیتی باڑی کر کے صبح سویرے مسافروں کے لیے لنگر چلاتے ہیں۔

۱۰۔اس عہد کے مسلمان مقدم بھی گنیش داس سے داد وصول کرتے ہیں:

''ایک اور نگر ڈِنگہ ہے۔۔۔وہاں کے مقدم چودھری ولی داد نے ہر طرف سے کھتریوں اور کاریگروں کو جمع کر کے وہاں آباد کیا۔

چھوٹے نگر جیسا ایک گاؤں لکھنوال ہے۔ وہاں کا مقدم چودھری فتح محمد ایک بھلا مانس شخص ہوا ہے۔

جلال پور نگر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔۔۔جب چودھری رحمت خان وڑائچ وہاں کا سردار بنا۔۔۔اس نے لوگوں کی دلجوئی کر کے انھیں جلالپور میں بسایا۔خصوصاً جب سکھوں نے گجرات شہر کو برباد کیا تو اس وقت بہت سے لوگ مذکورہ چودھری کی چھتر چھاؤں میں جا کر آباد ہوئے۔ لائق تعریف چودھری نے۔۔۔ اپنے باپ کے نام پر اسلام گڑھ کا قلعہ تعمیر کیا اور مسجد اور کنواں بنوایا۔

مکھووال ایک بڑا گاؤں ہے' وہیں ایک نیک شخص چودھری مبارک گزرا ہے۔

۱۱۔گنیش داس بڈیہرا نے فارسی زبان کے نامور مسلمان شاعر غنیمت کنجاہی کو ان لفظوں میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''کنجاہ میں غنیمت نامی شاعر رہتا تھا۔مثنوی ''نیرنگِ عشق'' جو عزیز اور شاہد کے قصے کا بیان ہے' اس (شاعر) کے کومل خیالات کا اظہار ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں لکھی گئی۔

۱۲۔کنجاہی کے حوالے سے ایک ہندو کے ساتھ ساتھ ایک اور مسلمان کا ذکر ہے:

''شہر کے بڑے لوگوں میں قاضی رضی الدین اور مکھن چند گزرے ہیں۔

تعریف کے بعد اب ہم تنقیص کے پہلو کی طرف آتے ہیں۔ ضلع گجرات کی مسلمان شخصیات کے ضمن میں گنیش داس نے صرف ایک مسلمان کو ہدف تنقید بنایا ہے' جو گنیش داس کے بیان کے مطابق لوگوں کو زبردستی مسلمان بناتا تھا۔اگر گنیش داس نے ایک مسلمان پر تنقید کی ہے تو غلط کار ہندوؤں کو بھی نہیں بخشا۔میری رائے میں گنیش داس نے کسی مسلمان یا ہندو پر تنقید نہیں کی' اس نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو اس کے خیال میں کسی کے ساتھ زیادتی یا معاشرتی برائی کے مرتکب ہوئے تھے۔ دونوں فرقوں پر اس کی تنقید کے حوالے سے ہم ایک ایک مثال دیکھتے ہیں:

''سید میراں فاضل جو کٹر مسلمان تھا' ہر فرقے کے درویشوں سے بیر رکھتا اور بحث مباحثہ کرتا۔ حضرت محمد ﷺ کا کلمہ نہ پڑھنے اور مسلمان نہ بننے کے سبب (اس نے) بلبدھر کی زبان کاٹ دی۔اس نے قانون گوؤں اور کاریگروں کے فرقوں میں سے بہت سوں کو متاثر کر کے اور دکھ پہنچا کر مسلمان کیا۔

اگر پروفیسر قریشی کا گنیش داس کی طرف سے اسلامی اقدار پر رکیک حملے کا اشارہ مذکورہ بالا اقتباس کی طرف ہے تو ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے' کیونکہ خود پروفیسر قریشی اشاعت اسلام میں صوفیوں اور درویشوں کے اعلیٰ انسانی کردار سے اچھی طرح آگاہ ہوں گے۔دلچسپ بات ہے کہ اسی صفحے پر گنیش داس دو ہندوؤں کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھتا ہے:

''سن 1055 (بمطابق 1645) میں موہیا نند اور سدانند ہوئے ہیں جو دونوں اگی کریا (جنتر منتر) کا علم جانتے تھے' پھر بھی ان کے دھرم کا بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔کیونکہ ان کے مت کے مطابق شراب پینا' گوشت کھانا اور جنسی عمل کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے ایک اور نکتہ بھی نکل کر آتا ہے' وہ یہ کہ گنیش کی 'چار باغِ پنجاب' محض کسی دربار کی وقائع نویسی نہیں ہے بلکہ یہ کتاب پنجاب کے مختلف اضلاع' خصوصاً گجرات کے حوالے سے ایک اہم سماجی منظر نامہ بھی ہے' جس میں ہم یہاں کی تینوں اقوام (مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں) کی ذات برادری' رہن سہن' باہمی لین دین' ان کی خوبیوں اور خامیوں' علم' ادب' صنعت' دستکاری' دیہی اور

Marfat.com

شہری پیشوں' معاشی اتار چڑھاؤ' شہروں اور قصبوں کی بربادی' ان کی دوبارہ آبادکاری' زمینوں کا بندوبست' حتیٰ کہ لوک ریت اور داستان گوئی کی تصویریں بھی دیکھتے ہیں۔

گنیش داس' گجرات اور پنجاب کا وہ پہلا مورخ ہے جس نے تاریخی' جغرافیائی' سماجی اور ثقافتی واقعات کو دریاؤں' دوآبوں' دیہاتوں' قصبوں' شہروں' مقدس مقامات اور لوک روایات کو انسانی زندگی کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا۔

'چار باغ پنجاب' سے پتہ چلتا ہے کہ کنجاہ میں عمدہ پگڑیاں تیار ہوتی تھیں' چج دوآب کے گاؤں حاصلاں والا میں تیلی اعلیٰ قسم کا صابن بناتے تھے۔ شادیوال کے نزدیک گاؤں کوٹلہ میں بلوریں شکر تیار ہوتی تھی۔ وہاں بالوں کا رنگ (وسمہ) بنانے کے کارخانے بھی تھے۔ ساہیوال (چج دوآب) میں اعلیٰ درجے کے سالو بنانے کی صنعت عروج پر تھی۔ کوٹلی آہن گراں تالے بنانے کا مرکز تھا۔ گجرات اور جلالپور اعلیٰ تلواروں کے لیے مشہور تھے۔

گنیش داس نے چج دوآب کے حصے میں گجرات کے حاکموں کی ایک فہرست بھی مرتب کی ہے' جو عہد اکبری سے مہاراجہ دلیپ سنگھ کے دور تک یہاں مختلف حکومتوں کی نمائندگی کرتے رہے۔ اکبر کے عہد میں سترہ برسوں میں تین حاکم قاسم خان امیر کلاں پانچ سال تک' کبیر داس کھتری دس سال تک اور ابوالقاسم خواجہ سرا دو سال تک حکمران رہے۔ جہانگیر کے عہد میں ابوالقاسم خواجہ سرا کی حکومت مزید تین سال تک چلتی رہی۔ اس کے بعد ہرنس رائے کھتری چھ سال تک' امانت رائے کھتری پانچ سال تک' تخت مل کھتری چار سال تک اور دلاور بیگ مغل تین سال تک تعینات رہے۔ اسی طرح شاہ جہاں کے دور میں چونتیس سال تک چھ اہلکاروں نے حکومت کی' جن میں نواب علی مردان خان کا گماشتہ چار سال تین ماہ تک' مرلی رام دیوان چار سال تک' میر خان تین سال تک' رائے ہرترین قانون گو دس سال تک' بدیع زمان چھ سال تک اور چندرسین کھتری سات سال تک گجرات کے حاکم رہے۔ اورنگزیب کے اکیاون سالہ اقتدار میں گجرات کے چودہ حاکم ہوئے جن میں صرف ایک ہندو اور ایک سکھ کے علاوہ باقی تمام مسلمان تھے۔ باقی مغل عہد اور احمد شاہ درانی کے دور میں زیادہ تر حاکم مسلمان ہی رہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ سے قبل سردار گجر سنگھ اور اس کا بیٹا سردار صاحب سنگھ گجرات کے حوالے سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ دونوں باپ بیٹا بالترتیب چوبیس اور بائیس سال تک حکمران رہے۔ اس نصف صدی میں انہوں نے گجرات میں صرف چھ حاکم تعینات کیے جن میں ایک بھی مسلمان یا ہندو نہیں تھا۔ یہ وہی صاحب سنگھ ہے جس کے نام کی نسبت سے گنیش داس نے اپنی کتاب کا پہلا نام 'رسالہ صاحب سنگھ' رکھا تھا۔

اگلی نصف صدی میں جو مہاراجہ رنجیت سے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی حکومت تک چلی' گجرات کے کل سولہ حاکم مقررہ ہوئے جن میں دو مسلمان' دو فرنگی اور باقی تمام ہندو یا سکھ تھے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو اکبر سے شاہ جہان تک مغل بادشاہوں کا عہد مذہبی تقاضوں کی بجائے سیاسی ضرورتوں کے تابع نظر آتا ہے۔ ان کے برعکس اورنگزیب کے عہد میں ہندوؤں اور سکھوں کے عہد میں مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا۔

اگر گنیش داس نے گجرات کے حاکموں کی محض فہرست دینے کے بجائے اس پر تبصرہ بھی کیا ہوتا تو یہ ہماری دلچسپی کا حامل ہوتا۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ انگریزی دور کا حاکم گجرات ایک مسلمان میاں محمد بخش تھا جس کی شان بلکہ قصیدہ خوانی میں گنیش داس خاصا رطب اللساں نظر آتا ہے۔ میاں محمد بخش کی انگنت خوبیوں کو بیان کرنے کے بعد گنیش داس لکھتا ہے:

> "اس کی شاعرانہ سوجھ بوجھ ستارے کو مات کرتی ہے۔
> اس کے نورانی دل کے مقابل سورج حسد سے جلتا ہے۔ پہلی رات کا چاند اس کی کھلی ہوئی پیشانی کے مقابل قیامت تک نہیں آسکتا۔ جس نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا' اس نے کیا دیکھا۔ جس نے اس کی بات نہیں سنی۔ اس نے کیا سنا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ بلند اقبال اور ہندوانگلستان کے مالک انگریز اس کی سرپرستی کو دن رات اپنا دلی نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ وہ اسے چند دنوں میں ہی اونچے عہدے اور بڑے رتبے پر پہنچا دیں گے کیونکہ وہ اہل اور ہوشیار آدمی ہے اور انگریزوں کا مزاج شناس ہے۔

یہاں گنیش داس مورخ کے منصب سے اتر کر ایک درباری اور قصیدہ خوان کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے اس کے تمام پرکھوں نے بھی وقت کے حاکموں کی اطاعت کو ہی اپنا دین دھرم بنائے رکھا لیکن گنیش داس نے جس طرح وفاداری تبدیل کرتے ہوئے انگریزی حکمرانوں کی خوشہ چینی کی' وہ اس کے کمزور کردار پر دال ہے۔ گنیش داس گجر سنگھ اور صاحب سنگھ کا نام لیوا رہا' وہ رنجیت کے عہد میں اس کا ریونیو افسر مقرر ہوا لیکن پہلی اینگلو سکھ جنگ کے دوران اس نے انگریزوں' جنہیں وہ 'صاحبانِ والا شان' کہتا ہے' کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور وقت آنے پر اس نے اپنے آپ کو نئے حالات کے مطابق ڈھال لیا۔ 'چار باغ پنجاب' کا تین چوتھائی حصہ اگرچہ سکھوں کے بارے میں ہے لیکن سکھ جنگوں کے

Marfat.com

حوالے سے وہ سکھ فوج پر انگریزوں کے خلاف شورش کا الزام لگاتا ہے۔ اپنے پُرکھوں کی طرح اس کے اندر بھی نئے حالات میں ڈھل جانے کی بے پناہ صلاحیت تھی۔ اس کی وفاداری صرف طاقت اور اقتدار کے ساتھ تھی' چاہے اس اقتدار اور اختیار کی کیسی ہی نوعیت کیوں نہ ہو۔

اعلیٰ درجے کا سماجی مورخ ہونے کے باوجود گنیش داس کی تاریخ نویسی میں دو تین خامیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پہلی' جن اطلاعات کی بنیاد پر وہ تاریخ نویسی کی عمارت تعمیر کررہا ہے' ان اطلاعات کے قابل اعتبار ماخذ فراہم کرنے میں وہ ناکام رہا ہے۔ نہ وہ دستاویزات اور اسناد کا حوالہ دیتا ہے نہ جدید مورخین کی طرح ایک ہی واقعہ کے مختلف بیانات سے بحث کرتا ہے۔ وہ واقعات کو اس طرح بیان کرتا ہے جیسے اس نے انھیں سمجھا۔

لیکن ایک ماہر مالیات کے طور پر اس نے ایک نئی طرز کی تاریخ نویسی کی داغ بیل ڈالی۔ انگریزی عہد میں پنجاب کے ابتدائی سیٹلمنٹ افسروں نے مقامی تواریخ کی تفصیلات' روایات' حکایات اور کسی مقام کے بارے میں ضروری کوائف کی جمع بندی کے جس کام کا آغاز کیا تھا اسے بعد میں 'رواج عام اور ضلعی گزیٹیرز لکھنے والوں نے اپنایا۔ گنیش داس کو بجا طور پر اس طرز کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً وہ گجرات یا کسی دوسرے علاقے کا ذکر چلتے چلتے نہیں کرتا بلکہ وہ اس کی قدیم ترین تاریخ اور اس سے جڑے ہوئے اہم تاریخی واقعات' لوک داستانوں (جیسے سوہنی مہینوال) مقدس مقامات اور عبادت گاہوں اور اس مقام سے متعلق پرانی اور ہم عصر نمایاں شخصیات کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔

کتاب کا اہم ترین حصہ پنجاب کا جغرافیائی' ثقافتی جائزہ ہے' جس میں وہ دریاؤں' دوآبوں' دیہاتوں اور شہروں' عبادت گاہوں' مذہبی مظاہر' مختلف مقامات سے جڑی ہوئی لوک کہانیوں' عشقیہ داستانوں اور کسی خاص مقام سے وابستہ شاعروں اور ادیبوں کا ذکر کرتا ہے۔ 'چار باغ پنجاب' میں گجرات کا جتنا بھی ذکر ہے' وہ نئی طرز کی تاریخ نویسی کے اسی تناظر میں ہے۔ گجرات سے صدیوں پرانی وابستگی کے باعث' گنیش داس کی یہ کتاب گجرات کی تاریخ نویسی کے حوالے سے ایک سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔

2.7 عمدۃ التواریخ

انیسویں صدی کی یہ فارسی تصنیف اگرچہ بنیادی طور پر سکھ تواریخ کا احاطہ کرتی ہے لیکن سکھ عہد کے حوالے سے گجرات سمیت' پنجاب کے بارے میں یہ اہم تاریخی مواد فراہم کرتی ہے۔ پانچ دفتروں (جلدوں) اور سترہ سو صفحات پر مشتمل یہ ریکارڈ سکھ عہد کی سیاسی تاریخ کے اتار چڑھاؤ' مسلمانوں اور ہندوؤں کی صورت حال اور سیاسی تبدیلیوں کی باریک بین تفصیلات سے بھرا ہوا ہے جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک روزنامچہ نویس سوہن لال سوری نے اپنی پوری زندگی لگا کر لکھا اور لاہور دربار کے خاتمے (1849) کے بعد بھی اسے اپنی موت (1852) تک جاری رکھا۔

سوہن لال سوری' گنپت رائے سوری کا بیٹا تھا' جو پہلے سردار چڑھت سنگھ اور پھر اس کے بیٹے سردار مہان سنگھ کے دربار میں وکیل کے عہدے پر فائز رہا۔ اس کا یہ عہدہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور تک جاری رہا۔ اس اعتبار سے گنپت رائے نے چالیس سال سے زائد کے عرصے کا احاطہ کیا اور سردار چڑھت سنگھ' اس کے بیٹے سردار مہان سنگھ اور اس کے بیٹے مہاراجہ رنجیت سنگھ (1812) تک کے دور اقتدار تک کے واقعات کو اپنے روزنامچے کا حصہ بنایا۔ سردار گنپت رائے کی خدمات کو تینوں سرداروں نے بے حد سراہا اور جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے سب سے بڑے بیٹے سوہن لال سوری کو اس عہدے پر تعینات کردیا گیا۔ سوہن لال سوری نے کم و بیش اتنے ہی برس یعنی 1812 سے 1852 تک ہر روز کے واقعات کو قلم بند کرنے کا فریضہ انجام دیا جس کے نتیجے میں ایک ہزار سات سو صفحات پر مشتمل 'عمدۃ التواریخ' فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی اور پنجابی تراجم کی صورت میں ہماری دسترس میں ہے۔

'عمدۃ التواریخ' پنجاب کی نہیں بلکہ سکھ سرداریوں اور بعد ازاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تحت لاہور دربار کے عروج و زوال کی تاریخ ہے' جس میں گجرات کی بھنگی مثل اور اس علاقے پر رنجیت سنگھ کے کنٹرول کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ بھنگی مثل کے حوالے سے گجر سنگھ' اس کے بیٹے صاحب سنگھ اور صاحب سنگھ کے بیٹے گلاب سنگھ کی باہمی شورشوں کا مرکز گجرات اور اس کے اردگرد کے علاقے جلال پور' اسلام گڑھ اور بجوات وغیرہ تھے۔ پہلے گجر سنگھ اور اس کے بیٹے صاحب سنگھ کے درمیان تصادم چلتے رہے۔ بعد ازاں رنجیت سنگھ کے اقتدار میں آنے کے بعد صاحب سنگھ اور اس کا بیٹا گلاب سنگھ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے۔ گلاب سنگھ مدد کے لیے سرکار (رنجیت سنگھ) کے پاس پہنچ گیا۔ رنجیت سنگھ باپ کے خلاف بیٹے کی مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ اسے خلعت سے نوازا اور رخصت ہوتے وقت اسے اس کی 'جاگیریں' دلانے کا یقین دلایا۔ یہ باپ اور بیٹے کے درمیان اختلافات بڑھانے کے مترادف تھا۔ رنجیت سنگھ کی شہ پر گلاب سنگھ نے جلال پور اور اس کے اردگرد اشتعال انگیزیوں اور قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع کردیا۔ تصادم سے بچنے کے لیے صاحب سنگھ نے اپنے

Marfat.com

بیٹے گلاب سنگھ کو جلال پور' لکھو وال اور بھاگو وال حوالے کر دیے لیکن گلاب سنگھ نے اسلام گڑھ کی حوالگی کا بھی مطالبہ کر دیا۔

سترہ سو صفحات میں پھیلی ہوئی اس کتاب میں موجودہ ضلع گجرات کے تمام چھوٹے بڑے شہروں' قصبوں اور دیہات کے بارے میں اہم تاریخی تفصیلات ملتی ہیں۔ لاہور دربار یا رنجیت سنگھ کے اقتدار کے دور میں یہ علاقہ مختلف سیاسی سرگرمیوں کا مرکز نظر آتا ہے۔ مہاراجہ نے اس علاقے کے چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں میں متعدد دورے کیے جن سے اس علاقے سے رنجیت سنگھ کی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔

'عمدۃ التواریخ' کا پہلا دفتر گورونانک کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور تمام گورو صاحبان سے ہوتا ہوا احمد شاہ درّانی کے حملوں پر تمام ہوتا ہے۔ یہ حصہ سوہن لال کے والد نے لکھا تھا اور یہ روزنامچے کی صورت میں نہیں تھا۔ دوسرا دفتر مہاراجہ رنجیت کے دادا سردار چڑھت سنگھ' باپ سردار مہان سنگھ اور خود مہاراجہ کے دور 1830 تک آتا ہے جس میں گورو صاحبان اور اہم سکھ مثلوں بھنگی' رام گڑھیا' آہلووالیا اور شکیر چاکیہ وغیرہ کی تفصیل موجود ہے۔ بھنگی مثل کے حوالے سے گجرات کی سیاسی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ تیسرے دفتر کے پانچ حصے ہیں جو 1831 سے 1839 تک رنجیت سنگھ کے آخری دورِ اقتدار کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس حصے میں بھی گجرات' جلال پور' کنجاہ' رام نگر اور کئی دیگر قصبوں کے حوالے سے اہم سیاسی واقعات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ تیسرا دفتر پانچ ذیلی حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ چوتھا دفتر جو تین ذیلی حصوں پر مشتمل ہے 1839 سے 1845 تک کے حالات کا احاطہ کرتا ہے۔ اسی طرح پانچواں دفتر 1849 پر تمام ہوتا ہے یعنی جب پنجاب پر انگریزی قبضہ مکمل ہو گیا۔ چوتھے اور پانچویں دفتر کے بڑے حصے اینگلو سکھ جنگوں کی تفصیلات سے عبارت ہیں۔ اس اعتبار سے یہ گجرات کی شورش کی تاریخ بھی ہیں۔ چیلیانوالہ میں' جہاں برطانوی فوجیوں کی قبروں کی یادگار موجود ہے' تاریخ گجرات کا وہ باب ہے جس پر پنجاب کی شکست اور غلامی کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔ یوں اپنی تاریخ کے اعتبار سے گجرات ہماری غلامی کا نقطۂ آغاز بنتا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ تعریف ہے کہ گجرات کے انتظامی معاملات اور سرحدوں کے تعین کے ضمن میں مشہور فقیر خاندان کے فقیر الدین کا ذکر بھی آتا ہے۔ 'عمدۃ التواریخ' کے مطابق وہ گجرات کی صوبہ داری پر تعینات کیے گئے تھے۔

'عمدۃ التواریخ' جہاں سیاسی واقعات کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہے وہیں سماجی اور ثقافتی نقطۂ نظر سے اس کی چنداں اہمیت نہیں ہے۔ سیاسی طور پر بھی اس کی وقعت اس وقت کم ہو جاتی ہے جب ہم اینگلو سکھ جنگوں سے قبل اور بعد کے روزنامچوں کا تقابل کرتے ہیں تو یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جنگ کے بعد روزنامچے مختصر ہوتے چلے گئے ہیں اور لاہور دربار میں مہاراجہ کی جگہ انگریز ریذیڈنٹ کا ذکر بڑھ گیا ہے۔ حضور والا (مہاراجہ) کی جگہ 'صاحب خان بہادر' کی اصطلاح استعمال ہونے لگی ہے اور 'سرداروں' کی جگہ 'اہلیان کونسل' نے لے لی ہے۔

2.8 عبرت نامہ

مفتی علی الدین کی فارسی تصنیف 'عبرت نامہ' پنجاب کے جغرافیائی حالات' تاریخ' سماجی واقعات اور ہنر و فن کے حوالے سے بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی تاریخ تصنیف 13 ستمبر 1854 ہے اور اس کا واحد قلمی نسخہ لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی باضابطہ اشاعت پاکستان میں پنجابی ادبی اکیڈمی کے ڈاکٹر باقر نے 1961 میں کی۔ 'عمدۃ التواریخ' کی طرح اس کی ایک نقل بھی پیرس کی آرٹ اور انڈسٹری کی نمائش میں بھیجی گئی تھی۔

مصنف مفتی علی الدین کے والد مفتی خیر الدین لاہور کے رہنے والے تھے لیکن 1823 میں سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر لدھیانہ منتقل ہو گئے۔ مفتی علی الدین کے مطابق:

> ''میں 1823 میں والد مرحوم کے ساتھ اپنے آبائی شہر لاہور سے سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر لودیانہ (لدھیانہ) پہنچا۔ پھر فیروز پور' لودھیانہ' بہاولپور' سندھ' مارواڑ' ملتان' ڈیرہ جات پنجاب' ہزارہ' کشمیر' پشاور' درہ خیبر' کابل تا حدود غزنی و بامایان (انگریزوں کی) خدمات انجام دیتا رہا اور اسناد خدمت گزاری حاصل کیں۔۔۔ گزشتہ لوگوں نے سکھوں کی تواریخ لکھی ہیں مثلاً لالہ سوہن لال سکنہ لاہور نے اس ضمن میں کتاب لکھی ہے جو بہت مفصل ہے اور (مصنف) اکثر مقامات پر حقیقت سے دور رہا ہے۔ نیز لودھیانہ کے بوٹے شاہ نے کتاب تحریر کی جو رنگینی فقرات کے باوجود تطویل کلام کے باعث مطالب مہمل ہیں پس 'عبرت نامہ' سے بڑھ کر کوئی عمدہ کتاب نہیں ہو سکتی جو پنجاب کے حدود دار بعہ اور ستلج' بیاس' راوی' چناب' جہلم'

Marfat.com

دریائے لنڈی اور اباسین' نیز نہروں کے ذکر پر مشتمل ہے' مزروعات کی اقسام' معدنیات' نباتات' وحوش وطیور' رسوم اہل اسلام' ہنود اور سکھ تینوں گروہوں کے فقرا' بنائے قصبہ جات' آغاز حکومت سکھ کا حال بیان ہوا ہے جس کی فرمائش کرنل سی۔ ایم۔ ویڈ ایجنٹ لودھیانہ نے کی تھی۔

ہمارے موضوع یعنی گجرات کی تاریخ نویسی کے حوالے سے بھی اس کتاب میں بیش قیمت مواد موجود ہے۔ دوآبہ رچنا' دوآبہ چھت (چج)' دریائے چناب' ان دوآبوں اور دریاؤں سے وابستہ نہروں' قلعوں' شہروں' پیداوار' آبادی اور رسوم ورواج کی تفصیلات اس ضمن میں نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ سیاسی حوالوں سے سکھوں کی شورش اور سکھوں اور انگریزوں کے درمیان جنگوں خصوصاً جنگ رام نگر کی کیفیت ایک اہم عصر شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوآبہ رچنا اور دوآبہ چھت (چج) کے بعض شہروں اور آبادیوں کے حوالے سے چند اقتباسات پیش کیے جائیں:

''شہر رسول نگر جسے رنجیت سنگھ رام نگر کہا کرتا تھا' معروف ہے۔ سید نگر اور احمد نگر دریائے چناب کے کنارے آباد ہیں۔ چوہدری پیر محمد زمیندار جٹ اور علی محمد' سید محمد اور احمد خان نے سلاطین دہلی کے زمانے میں (یہ قصبے) اپنے نام پر آباد کیے اور (انھیں) سکھوں کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ احمد شاہ کے زمانے میں یہ پرگنہ لاہور کے مالیہ گزار تھے' چونکہ یہ قصبات مہاراجہ کے دادا سردار چڑھت سنگھ کے دارالحکومت کے نزدیک تھے' اس لیے سردار مذکور ان جگہوں میں لوٹ کھسوٹ کرتا رہتا تھا۔ یہاں کے جٹ' حسب مقدور ان سے خوب لڑتے رہے' چنانچہ پورے پنجاب میں ان (جٹوں) کی طرح کوئی قوم شجاعت و دلیری میں سکھوں کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ بعد میں نظام الدین خان اور قطب الدین خان نے مہاراجہ سے دو تین جنگیں لڑیں۔ مختصر قصہ یہ کہ سردار چڑھت سنگھ دن رات کی لڑائیوں کے باوجود اپنے مقبوضہ ملک پر حاکم نہ رہ سکا۔ اس کے بعد سردار مہان سنگھ نے رسول نگر کو رام نگر کے نام سے موسوم کیا اور گوجرانوالہ کی طرح اپنا دارالحکومت بنالیا۔ اس وجہ سے ان مقامات کی آبادی زیادہ ہوگئی۔ آج یہ دونوں مقامات اپنے بانیوں کی نسبت زیادہ آباد ہیں۔

جلال پور اور گجرات کے حوالے سے لکھا ہے:

''گجرات آباد شہر ہے۔ اسے اکبر نے آباد کیا تھا۔ ارد گرد اور نیچے قلعہ بنوالیا جس میں حاکم شہر سکونت رکھتا تھا' یہاں سے پانچ کوس کے فاصلے پر جلال پور کا قدیم شہر ہے۔ پہلے خوب آباد تھا' درمیان میں ویران ہوگیا جس دن سے اس کے ایک باشندے دیوان محکم چند نے اپنے دور اقتدار میں باغ' تالاب اور بلند عمارات بنوائیں' اس کی آبادی بہت بڑھنا شروع ہوگئی۔

مفتی علی الدین بھی اپنے پیش روؤں بوٹے شاہ' گنیش داس اور لالہ سوہن لال سوری کی طرح انگریز حکمرانوں کے خوشہ چیں تھے' تاہم 'عبرت نامہ' سکھوں کے حوالے سے تلخ نوائی کے باوجود کافی حد تک مذہبی تعصب سے پاک ہے۔ افسوس کہ اس بیش قیمت تاریخی ماخذ کا ابھی تک انگریزی یا اُردو ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ پنجابی ادبی اکیڈمی نے محض فارسی متن کی اشاعت کو ہی کافی تصور کیا۔ اسی سبب سے یہ اہم ماخذ' ہماری تاریخ نویسی کے باب میں بری طرح نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

2.9 تاریخ گجرات کا ایک اہم فارسی مآخذ: شاہنامہ فردوسی

راجہ پورس اور سکندر کی لڑائی کے حوالے سے پنجابی میں انیسویں اور اوائل بیسویں صدی میں لکھے گئے منظوم تاریخی قصے تاریخ نویسی کے مواد کے طور پر درخورِ اعتنا نہیں سمجھے گئے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دارا' سکندر اور پورس یعنی ایران' یونان اور پنجاب کی باہمی چپقلش کے حوالے سے شاہنامہ فردوسی کو ایک اہم بنیادی ماخذ کے طور پر کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ اس ضمن میں پہلا بڑا کام کوروکشتر یونیورسٹی کے ڈاکٹر بدھ پرکاش نے کیا اور گجرات سمیت قدیم پنجاب کے سیاسی اور سماجی ارتقا کی جڑیں تلاش کیں۔ ڈاکٹر بدھ پرکاش نے انگریزی زبان میں سکندر کے حملے اور پنجابیوں کی مزاحمت کے حوالے سے راجہ پورس پر الگ سے ایک چھوٹی سی کتاب بھی تصنیف کی جو بجائے خود ایک مستند تاریخی حوالہ بن گئی اور جس کے اُردو اور پنجابی ترجمے عام دستیاب ہیں۔

Marfat.com

جہلم اور گجرات کی اس ابتدائی مزاحمت کے بارے میں یونانی ماخذ استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ شامی، حبشی، ہندی اور ایرانی حوالے پہلی بار بدھ پرکاش نے استعمال کیے۔ خصوصاً جب سکندر نے دارا کی سلطنت کو تاراج کیا تو شکست کے بعد دارا نے سکندر کے قدموں میں سر رکھنے کی بجائے مقابلہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور پورس کو مدد کے لیے خط لکھا جس کا پورس نے مثبت جواب دیا شاہنامہ کا ایک بڑا حصہ سکندر کے خلاف دارا کی مدد کے لیے پنجابی فوج کے ایران پہنچنے لیکن اس سے ہی قبل دارا کے فرار ہو جانے کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ فردوسی کا شاہنامہ شاعری ہے، مستند تاریخ نہیں۔ وہ خود اس معرکے کے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ اس نے کسی تاریخی مواد پر انحصار کرنے کی بجائے ایرانی دہقانوں کی روایات کو اپنے شاہنامہ کی بنیاد بنایا۔ اس کے باوجود ان روایات کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فردوسی پورس اور سکندر کی لڑائی کا بھی حال بیان کرتا ہے اور پورس کی بہادری کا پرجوش مداح ہے۔

3 تاریخ گجرات: اہم اُردو مآخذ

گجرات کی تاریخ نویسی کے حوالے سے انیسویں صدی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے فارسی زبان کی کتابوں اور مخطوطوں کا ذکر کیا ہے، قدیم اور وسطیٰ دور کو چھوڑ کر باقی تمام کتابوں کا تعلق انیسویں صدی سے ہی ہے۔ جو صدی کے پہلے نصف میں یا تو لکھی جا چکی تھیں یا اس کے فوراً بعد لکھی گئیں اور ان میں ہونے والی سیاسی، سماجی اور معاشی تبدیلیوں کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ قدیم اور وسطیٰ عہد کا احوال بھی ملتا ہے۔ یہی صورت حال اُردو میں شائع ہونے والی کتابوں کی ہے جو کم و بیش اسی دور میں لکھی گئیں اور صدی کے اواخر تک شائع ہوتی ہیں۔ ان میں نمایاں ترین کتاب مرزا اعظم بیگ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست ضلع گجرات کی مولف کردہ ''تواریخ گجرات'' ہے جو حکومت پنجاب کے حکم سے 1870 میں وکٹوریہ پریس لاہور سے طبع ہوئی۔ اس کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہم آگے چل کر کریں گے۔ پہلے ہم انیسویں صدی کی دیگر تین کتابوں کا ذکر کریں گے جو تاریخ پنجاب کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں لیکن جن میں ضلع گجرات کے بارے میں بھی اہم معلومات درج ہیں۔

3.1 گلشن پنجاب یعنی تاریخ پنجاب

ایک غیر پنجابی کی یہ تاریخ پنجاب سب سے پہلے 1850 میں بریلی سے شائع ہوئی تھی۔ کتاب کا مصنف پنڈت دیبی پرساد اُردو فارسی اور انگریزی زبانوں پر یکساں مہارت رکھتا تھا۔ مصنف کے حالات زندگی کی تفصیل نہیں ملتی البتہ کتاب کے دیباچے سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ تاریخ گلشنِ پنجاب کی تالیف کے وقت وہ بریلی کالج بریلی کا ایک طالب علم تھا۔ کتاب 1850 میں مکمل ہوئی اور اسی سال بریلی سے شائع ہوگئی۔ کتاب جلد ہی فروخت ہوگئی۔ دوستوں کے تقاضے پر مصنف نے اسے 1872 میں نول کشور پریس لکھنو سے شائع کروایا۔ اس وقت مصنف انگریز افسر شاہی کا ایک کل پرزہ تھا اور ڈپٹی کلکٹر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں اس نے 1850 سے 1870 تک کے واقعات کا اضافہ کر کے اس کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا۔

کتاب کا تیسرا ایڈیشن، پنجابی ترجمے کی صورت میں ایک سو اکتیس سال بعد 2003 میں پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ سے شائع ہوا ہے چونکہ ہم اصل اُردو ایڈیشنوں تک رسائی حاصل نہیں کر پائے، اس لیے حوالوں کے لیے ہم پنجابی ایڈیشن پر ہی انحصار کریں گے۔ ڈاکٹر فوجا سنگھ اس کے مرتب اور ہرمندر سنگھ کوہلی اس کے مترجم ہیں۔ دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ 1850 تک منی ہے جبکہ دوسرا حصہ 70-1850 کے انگریزی دور کا احاطہ کرتا ہے۔ خود مصنف کے الفاظ میں:

> ''میں نے ارادہ کیا کہ نانک شاہ کے جنم سے اب تک کے دلچسپ واقعات کے حوالے سے کتاب لکھ کر دوستوں کو پیش کروں۔ (پنجابی سے دوبارہ اُردو ترجمہ)

تاریخ پنجاب کے حوالے سے کتاب بہت سے نئے پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے۔ خصوصاً سکھ سلطنت کے عروج و زوال اور انگریزی دور کے ابتدائی استحکام پر یہ خاصی تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے مثلاً نادر شاہ کے حملے، رنجیت سنگھ کے حالات، لاہور کا گھیراؤ، کشمیر اور جموں کے واقعات، پنجاب کی پہلی جنگیں (1846) پنجاب کی نئی لڑائیاں (49-1848) پنجاب پر انگریزی قبضہ، انگریزی عہد کا نظم و نسق، افغان پالیسی، کوکا بغاوت کی بیخ کنی، پنجاب کی پہلی مردم شماری، 70-1850 کے دوران پنجاب کی آمدنی اور اخراجات وغیرہ۔ ان میں سے بعض موضوعات پر پہلی بار روشنی ڈالی گئی ہے۔

تاریخ گجرات کے حوالے سے بھی اس کتاب میں ہماری دلچسپی کے کئی پہلو موجود ہیں۔ 49-1848 کے دوران ہونے والی جنگوں کی تفصیل فارسی اور

Marfat.com

انگریزی ماخذوں کی مدد سے دی گئی ہے۔ گجرات اور اس کے بعض دوسرے شہر چونکہ ان لڑائیوں سے براہ راست تعلق رکھتے تھے اس لیے ساٹھ ستر صفحات کا یہ حصہ ہمارے لیے خصوصی دلچسپی کا حامل ہے' اسی طرح کتاب کے پہلے اور دوسرے حصے کے اختتام پر مصنف نے جو ضمیمہ جات درج کیے ہیں۔ ان سے ضلع وار آبادی' آمدن پیداوار اور محاصل وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً 70-1869 میں گجرات راولپنڈی کمشنری کا حصہ تھا۔ اس کی تین تحصیلیں گجرات' کھاریاں اور پھالیہ تھیں۔ اس کا رقبہ 1944 مربع میل تھا اور اس کی کل آبادی 616381 تھی۔

اسی طرح زرعی اور قابل کاشت رقبے' چراگاہوں کے معاملے' آباد گھروں کا شمار' مردوں' عورتوں جوان مردوں جوان عورتوں' بارہ سال سے کم عمر کے بچوں کی تعداد' سکھ' ہندو اور مسلمان آبادی کی الگ الگ گنتی' انگریزوں' مسیحیوں اور ہندوستانیوں کی تعداد' کاشتکار اور غیر کاشتکار پیشوں کی تفصیل' ضلع کے مشہور شہروں کی آبادی' دیہات کی تعداد' دیوانی اور فوجداری مجسٹریٹوں کی تعداد' کسی گاؤں کا عدالت سے کم از کم فاصلہ' اوسط فاصلہ' پولیس اہلکاروں کی تعداد اور اس طرح کی متعدد تفصیلات وغیرہ۔ یہ تفصیلات کتاب کے متعلقہ ابواب میں شامل کی جائیں گی۔ کتاب میں شامل متعدد انگریزی دستاویزات کو بھی نقل کیا گیا ہے' جس سے ہم بنیادی ماخذوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

3.2 سیرِ پنجاب

سیرِ پنجاب بھی دو غیر پنجابی بھائیوں رائے کالی رائے اور تلسی رام کی تالیف کردہ کتاب ہے جس میں بہت سے دوسرے قلمکاروں کے ابواب بھی شامل ہیں۔ 1849 میں پنجاب پر انگریزی قبضے کے بعد یوپی اور بنگال سے متعدد منشی اور بابو اس نئے مفتوحہ علاقے کا انتظام چلانے کے لیے انگریزوں کے مددگار بن کر آئے۔ کالی رائے اور اس کے بھائی کا تعلق ضلع سہارنپور کے گاؤں سلطان پور چلکانہ سے تھا۔ کالی رائے ضلع انبالہ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا جبکہ تلسی رام بندوبست کے محکمے میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر تعینات تھا۔ دوسرے قلم کار بھی مختلف انتظامی اور مالی عہدوں پر کام کر رہے تھے۔ جن کے مضامین 1844 سے 1866 تک مختلف ادوار میں لکھے گئے مثلاً منشی تلسی رام نے 1844 میں ڈیرہ اسماعیل خان کے کوائف قلم بند کیے۔ اسی طرح ضلع شاہ پور (موجودہ سرگودھا) کے بارے میں ایک باب لالہ دیبی سہائے سرشتہ دار نے 1866 میں تحریر کیا۔ باقی تمام ابواب 1850 سے 1859 کی درمیانی مدت میں تحریر کیے گئے۔

جغرافیائی اعتبار سے ''سیرِ پنجاب'' مشرق میں دریائے جمنا سے شروع ہو کر مغرب میں کوہ سلیمان تک' اور شمال میں کوہ ہمالیہ سے شروع ہو کر جنوب میں سندھ اور راجستھان تک کا احاطہ کرتی ہے۔ یوں اس کا دائرہ اس پنجاب کے دائرے سے بھی بڑا ہو جاتا ہے جو 1849 اور 1857 کے دوران ایک صوبے کے طور پر وجود میں آیا۔ تاریخی اعتبار سے سیرِ پنجاب انیسویں صدی کے نصف اور اس کے آس پاس کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ انیسویں صدی سے پہلے کے سکھ دور کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔

''سیرِ پنجاب'' دراصل گجرات سمیت پنجاب کی ضلعی تاریخ بھی ہے اور ان اضلاع کا معاشی' سماجی اور ثقافتی جائزہ بھی۔ کتاب کی پہلی جلد جس کا بیشتر حصہ کالی رائے کے قلم سے نکلا موجودہ مشرقی اور مغربی پنجاب کے اضلاع کی آبادی' اہم شہروں' وہاں آباد مختلف قوموں' پیداوار' تجارت' تیوہاروں اور رسم و رواج کا احاطہ کرتی ہے۔ پنجاب کو جالندھر' لاہور' ملتان اور جہلم' لیہ اور پشاور چھ کمشنریوں یا ڈویژنوں میں تقسیم کیا گیا۔ جہلم ڈویژن میں گجرات کے علاوہ جہلم' راولپنڈی اور شاہ پور کے اضلاع شامل تھے۔ گجرات کا احوال تحصیلدار تلسی رام نے تحریر کیا۔ مصنف گجرات کی تاریخ کا آغاز مغل شہنشاہ اکبر سے کرتا ہے' جس نے کابل جاتے ہوئے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی تحقیق کے مطابق چونکہ یہاں گجر بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔ اس لیے اس کا نام گجرات پڑ گیا۔ اس کمزور تاریخی آغاز کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہادی حسین کا حوالہ ملتا ہے جس کی رائے میں ضلع گجرات دریائے چناب اور دریائے جہلم کے درمیان واقع ہے۔ دونوں دریاؤں کے درمیان کہیں اٹھارہ کوس اور کہیں بیس کوس کا فاصلہ ہے۔ ضلع گجرات میں نالا بھمبر برسات کے دنوں میں خوب چڑھ کر بہتا ہے۔ اس سے چند دیہات کو نقصان لیکن زیادہ تر دیہات کو فائدہ پہنچتا ہے۔

مصنف کا کہنا ہے کہ ہوا اور پانی کے اعتبار سے یہ ایک معتدل علاقہ ہے لیکن گرمیوں کے موسم میں غضب کی گرمی پڑتی ہے۔ جیٹھ اور ہاڑ کے مہینوں میں اکثر جھکڑ اور آندھیاں چلتی ہیں۔ پورا ضلع خوب آباد' خوشحال اور پر رونق ہے۔ مصنف ضلع کے تین اہم شہروں گجرات' جلالپور اور کنجاہ کا ذکر کرتا ہے۔ کھاریاں کے حوالے سے وہ میٹھے اور کھارے پانی کی دو باؤلیوں کا ذکر بھی کرتا ہے جو گرمی کے موسم میں خشک ہو جاتی ہیں۔ مصنف اکبر کے عہد کے گرم حمام کا بھی ذکر کرتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ

Marfat.com

کے عہد میں گجرات کے انگریز کاردار جان ہومز نے اس کی مرمت کروائی تھی۔ ڈیڑھ سے دوسو برس قبل گجرات اور اس کے دیگر شہروں کی نشانیاں آج ایک دلچسپ تقابل کا موضوع بن سکتی ہیں۔

گجرات شہر کے تین مزارات یا خانقاہوں کو خاصی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ شاہ دولہ کا مزار شہر کے دروازے سے متصل ہے۔ شاہ دولہ کے حوالے سے جو غلط العام کہانیاں بیان کی گئی ہیں وہ آج ایک گہرے انسانیاتی مطالعے کی دعوت دیتی ہیں۔ مزار کی سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں ہمیشہ ایک شیر رہتا ہے۔ ان دنوں بھی شیر کا ایک بچہ رسی سے بندھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد بچھیرے وغیرہ بندھے ہوتے ہیں لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ مجاور اکثر شیر کی رسی کھول کر باہر گھمانے کے لیے لے جاتے ہیں۔ جب وہ شیر مرجاتا ہے تو آس پاس کے راجے اور سردار شیر کا ایک دوسرا بچہ پکڑ کر بھیج دیتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ ایک شیر ضرور موجود رہتا ہے۔ دوسری خانقاہ جہانگیر بادشاہ کی بتائی گئی ہے اور تیسری حافظ حیات کی جو شہر کے مشرقی جانب چار کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک چوتھا مزار پانڈے شاہ فقیر کا بھی ہے۔ ان مزاروں کے علاوہ جہانگیر بادشاہ کے مزار کے قریب انگریز افسروں کی پانچ چھ قبریں نئی نئی بنی تھیں۔ حافظ حیات کے مزار کے بالکل ساتھ گجرات یونیورسٹی کا مرکزی کیمپس قدیم اور جدید کا دلچسپ تقابلی نقشہ پیش کر رہا ہے۔

مصنف اہل گجرات کے اخلاق اور کردار کی دل کھول کر تعریف کرتا ہے:

> ''اس ضلع کے رہنے والے نرم دل' شریف ملنسار اور زندہ دل لوگ ہیں۔ عورتیں مرد اچھے قد کاٹھ والے اور مضبوط ہیں۔ یہاں کی زبان ملی جلی ہے جس میں زیادہ لفظ پنجابی کے ہیں' کچھ پوٹھوہاری کے اور کچھ پہاڑی۔۔۔۔ یہاں عام طور پر فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے۔'' (پنجابی سے اُردو میں دوبارہ ترجمہ)

3.3 تاریخ مخزنِ پنجاب

انیسویں صدی کی ایک اور اُردو کتاب مفتی غلام سرور قریشی لاہوری کی تاریخ مخزنِ پنجاب ہے جو علاقائی اور ضلعی تاریخ نویسی کے حوالے سے ایک اہم ماخذ ہے۔ ضلع گجرات اور اس کے بعض دوسرے شہروں اور قصبوں بمعہ ان کی آبادی کی تفصیل بہت مختصراً بیان کی گئی ہے۔۔۔ یہ کتاب پہلی بار 1877 میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1996 میں دوست ایسوسی ایٹس لاہور نے شائع کیا ہے۔ انیسویں صدی کے پنجاب کے حوالے سے یہ کتاب بے حد تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ ضلع گجرات کا ذکر اگرچہ بہت اختصار سے کیا گیا ہے پھر بھی اس دور کی جدید ترین معلومات مثلاً 1868 کی مردم شماری کی تفصیلات سے خاصا استفادہ کیا گیا ہے جس سے گجرات کے بارے میں بعض اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں جو دوسری ہم عصر کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔

گجرات کے علاوہ ضلع کے جن دوسرے شہروں اور قصبوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں کھاریاں' قلعہ دار' شادیوال' لکھن وال' ڈِنگہ' کوہار' کلیانہ' ٹانگٹ' قادر آباد' ہیلاں' جوکالیاں اور ہریا وغیرہ شامل ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اس میں تحصیل پھالیہ اور ایک اہم قصبے جلالپور جٹاں کے بارے میں معلومات موجود نہیں ہیں۔

گجرات میں مغل اور سکھ دور کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے انگریزی قبضے کی بات کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''اب اس شہر میں ضلع مقرر ہے جو قسمت جہلم سے علاقہ کہتا ہے اور صاحب ضلع کے متعلق تین تحصیلیں خاص گجرات و کھاریاں و پھالیہ ہیں۔ ضلع کے مقرر ہونے کے بعد آبادی اس شہر کی بڑھ گئی۔ نیا بازار تعمیر ہوا۔ سرکاری مکانات اور کوٹھیاں تیار ہوئیں۔ خاص شہر کی آبادی ایسی بارونق ہے کہ اس علاقہ میں اور کوئی ایسا آباد شہر نہیں ہے۔ آٹھ سو چالیس دوکانیں' پانچ ہزار آٹھ سو چھیاسی گھر' عمارت شہر کی پختہ' بارہ ہزار آٹھ سو بیانویں کی مردم شماری' احاطہ آبادی کا چار میل مربع دو لاکھ چالیس ہزار ایک سو بیس روپیہ کا سالانہ بیوپار ہے' پرانی عمارات میں سے قلعہ و باؤلی و حمام وغیرہ تعمیرا اکبر شاہی اب تک موجود ہے۔ ہنرمند عزت طلب سفید پوش اہل حرفہ سا ہوکار بیوپاری سکونت پذیر ہیں۔ سلائی کا کام یہاں اچھا ہوتا ہے۔ تلوار و کارو وغیرہ آہنی کام کا بنا ہوا تحفہ مشہور ہے۔''

ضلع گجرات کے ماحول' آبادی' پیداوار' حدود اربعہ وغیرہ کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

> ''اس ضلع کی آب و ہوا معتدل ہے۔ پیداوار ربیع کی خریف سے اچھی ہوتی ہے۔ کل ضلع کی مردم شماری

Marfat.com

پانچ لاکھ باون ہزار آٹھ سو سرسٹھ ہے۔طول تمام علاقہ ضلع کا ستر میل اور عرض چھتیس میل ہے۔حد مشرقی کا گوشہ شمالی سرحد ملک مہاراجہ جموں کے ساتھ ملحق ہے اور گوشہ جنوبی ضلع سیالکوٹ سے۔حد غربی ضلع شاہپور سے، حد شمالی ضلع جہلم سے اور حد جنوبی کا گوشہ شرقی ضلع سیالکوٹ سے اور گوشہ غربی ضلع گوجرانوالہ سے شامل ہے۔ ہیئت اس کی مستطیل۔تحصیل گجرات اس کے متعلق میں پانچ سو تریپن گاؤں، پانچ سو ستاون میل مکسر رقبہ، دو لاکھ چوالیس ہزار سات سو اکیاون مردم شماری ہے اور تحصیل کھاریاں میں پانچ سو پینتالیس گاؤں، پانچ سو اٹھاون میل مکسر، ایک لاکھ ستاون ہزار تین سو ستائیس روپیہ جمع اور ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار آٹھ سو چھہتر مردم شماری ہے اور تحصیل کے متعلق تین سو چوبیس گاؤں، سات سو تیس میل مکسر، اڑسٹھ ہزار پانچ سو پچپن روپے جمع، ایک لاکھ اکتالیس ہزار دو سو چالیس مردم شماری ہے۔"

"تاریخ مخزنِ پنجاب" کے مطابق (1870 کے لگ بھگ) قلعدار کی آبادی دو ہزار تین سو اکتیس، شادیوال کی آبادی سات ہزار دو سو باون، ڈنگہ کی آبادی چار ہزار نو سو چون، کوہار کی آبادی تین ہزار تیئس، کلیانہ کی آبادی ایک ہزار پانچ سو، مانگٹ کی آبادی دو ہزار دو سو، قادر آباد کی آبادی دو ہزار آٹھ سو تہتر، ہیلاں کی آبادی ایک ہزار سات سو تیس، اور چوکالیاں کی آبادی دو ہزار دو سو اڑسٹھ نفوس پر مشتمل ہے۔
ہیلاں اور چوکالیاں کی قدامت کا ذکر کیا گیا ہے۔مصنف کے مطابق "زمانہ قدیم میں اسی نام کی آبادی یہاں ہو چکی تھی۔پھر اکبر بادشاہ کے وقت مسمی جسونت سنگھ قوم برہمن نے بادشاہی حکم سے اس ویرانہ کو آباد کیا اور قدیم نام سے موسوم رکھا۔ اسی طرح چوکالیاں کے بارے میں لکھا ہے "پہلے یہ ایک قدیمی ویرانہ پڑا ہوا تھا پھر مسمی بھٹی قوم جاٹ تارڑ نے اس کو آباد کیا اور قدیمی نام سے موسوم رکھا۔"

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مصنف نے ان ویرانوں کی تاریخی قدامت کی تفصیلات پر روشنی نہیں ڈالی، خصوصاً ہیلاں کے بارے میں جس کا سکندر کے حملے سے تعلق اب ایک مسلم حقیقت ہے۔ان چھوٹی موٹی کوتاہیوں کے باوجود تاریخ مخزنِ پنجاب، گجرات کے حوالے سے بھی ایک اہم تاریخی ماخذ ہے۔

3.4 تواریخ گجرات مولفہ مرزا اعظم بیگ

یہ واحد جامع اور طویل تاریخ گجرات جو گجرات اسسٹنٹ ایکسٹرا کمشنر بندوبست ضلع گجرات نے 1867-68 کے قواعدِ بندوبست کی بنیاد پر تحریر کی۔مرزا اعظم بیگ اسی طرح کی انیسویں صدی کی ایک اور اہم کتاب تاریخ جہلم کے مصنف بھی ہیں۔اس کتاب سے اب تک درجنوں مورخینِ گجرات نے اعلانیہ اور غیر اعلانیہ استفادہ کیا ہے۔کتاب کے مندرجات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس کی موضوعاتی وسعت اور ہمہ گیری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔کتاب کا پہلا حصہ ضلع کی وجہ تسمیہ، طبعی اور ارضیاتی صورت حال سے شروع ہوتا ہے اور ذرائع آبپاشی، پیداوار، تجارت کے تفصیلی اعداد و شمار پر ختم ہو جاتا ہے۔دوسرا حصہ گزشتہ ایک سو سال کے سیاسی اور انتظامی حالات سے شروع ہو کر، جرنیلی سڑک کے کوائف ذیلداروں، پٹواریوں اور تھانوں کی فہرست، ضلع میں آباد مختلف اقوام کی تاریخ رواجِ عام، شادی بیاہ اور موت کی رسمیں، زنانہ اور مردانہ لباس، زیورات، خوراک، مذاہب، میلے ٹھیلے، تعلیم اور 1868 کی مردم شماری کی تفصیلات پر تمام ہوتا ہے۔جہازی سائز کے چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب 1870 میں شائع ہوئی اور آج 140 سال گزر جانے پر بھی اس کی افادیت و اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس کام کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں کوئی سنجیدہ کام سامنے نہیں آیا۔حتیٰ کہ اس کی دوبارہ طباعت کے سلسلے میں بھی کبھی کسی نے کوئی کاوش نہیں کی۔

کتاب کے ساتھ ایک بنیادی خامی یہ ہے کہ مرزا اعظم بیگ دفتر مال کے ایک اہم سرکاری افسر تھے۔ضلع کے بندوبست کے حوالے سے تمام ریکارڈ اور پٹواریوں کے کچے پکے اندراجات ان کی براہ راست دسترس میں تھے۔آدھی سے زیادہ کتاب ان دستاویزات سے بھری پڑی ہے جن کو سمجھنے کے لیے ایک پٹواری کی فہم و فراست درکار ہوتی ہے۔کتاب کے بڑے حصے سے استفادہ کرنا اس لیے بھی مشکل ہے کہ انیسویں صدی کی تکنیکی زبان، اصطلاحات اور ہندسے اب بالکل متروک ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف عام قاری بلکہ تاریخ کا اچھا خاصا طالب علم بھی اس کے مفہوم تک نہیں پہنچ پاتا۔

کتاب کی یہی خامی اس کی خوبی بھی ہے۔یہ واحد کتاب ہے جس کی بنیاد پر انیسویں صدی کے گجرات کی سماجی، مذہبی، نسلی زرعی اور معاشی تاریخ لکھی جاسکتی ہے خصوصاً زراعت کے حوالے سے یہ مواد بے حد قیمتی ہے اور عرفان حبیب جیسے زرعی تاریخ کے ماہرین ہی اس کی قدر و قیمت کو سمجھ سکتے ہیں۔

انگریزوں کے حسب فرمائش یا حسب حکم لکھی جانے والی اس نوع کی

Marfat.com

کتابوں کی ایک افادیت یہ بھی تھی کہ ان کی بنیاد پر سیٹلمنٹ رپورٹیں اور ضلعی گزیٹیرز مرتب اور شائع کیے گئے۔ پنجاب کے بیشتر اضلاع کے گزیٹیر جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں چھپنا شروع ہوئے ان کا ماخذ یہی ضلعی تاریخیں تھیں۔ گجرات کا پہلا ڈسٹرکٹ گزیٹر کتاب کی اشاعت (1870) کے صرف تیرہ سال بعد 1883 میں شائع ہوا۔

3.5 گجرات اور تقسیم سے قبل کی درسی کتابیں

ضلع گجرات کے تیسری جماعت کے بچوں کو جو معاشرتی علوم پڑھائی جاتی ہے وہ چند غیر متعلقہ مضامین کو چھوڑ کر گجرات کا ایک مختصر تعارف ہے۔ اسی طرح ضلع منڈی بہاؤالدین کے تیسری جماعت کے بچے اپنی معاشرتی علوم کی کتاب میں ضلع منڈی بہاؤالدین کی تاریخ، جغرافیہ، انتظامی تقسیم، ذرائع مواصلات، تجارت اور ضلع کی کسی اہم شخصیت کے بارے میں واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ چوتھی جماعت کی معاشرتی علوم کسی ایک ضلع کی بجائے پورے پنجاب کے بارے میں چند مختصر اور ابتدائی معلومات فراہم کرتی ہے۔ یہ سلسلہ گزشتہ ایک صدی سے چلا آ رہا ہے۔ بدقسمتی سے تقسیم سے قبل ہمیں تیسری جماعت کے جغرافیے کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہو سکی لیکن ہمیں چوتھی جماعت کے جغرافیے کی تین کتابوں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے جو گجرات کے حوالے سے متحدہ پنجاب کے دور کی چند معلومات فراہم کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی کتاب ''سیرِ پنجاب یعنی جغرافیہ پنجاب دہلی و سرحدی صوبہ'' پروفیسر تیج رام کی لکھی ہوئی ہے جو الہ آباد سے 1926 میں شائع ہوئی۔ کتاب ''اپر پرائمری کی چوتھی جماعت کے واسطے'' ہے۔ کتاب صوبے کی قدرتی تقسیم، رقبے، آبادی، دریاؤں، دوآبوں، نہروں، بارش، آب و ہوا، فصلوں، جنگلات، جانور، معدنیات، کارخانوں، دستکاریوں، تجارت، سڑکوں، ریلوں، اضلاع اور ان کی تحصیلوں اور دیسی ریاستوں کے وسیع موضوعات سے بحث کرتی ہے۔ آخری حصہ دہلی، شمال مغربی سرحدی صوبہ (موجودہ خیبر پختونخواہ) اور کشمیر کے حالات پر مختصر اروشنی ڈالتا ہے۔

دریائے چناب کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر تیج رام لکھتے ہیں کہ اس کا نام چندر بھاگا بھی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لاہول کے کوہستانی علاقے میں دو ندیاں چندر اور بھاگا نکلتی ہیں۔ ان دونوں کے ملنے سے یہ دریا بنتا ہے۔ نقشے پر دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ دریا سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے ضلعوں کو گجرات اور شاہ پور (موجودہ سرگودھا) کے ضلعوں سے جدا کرتا ہے۔ دوآبہ چج یا چجبہ کا تجارتی شہر گجرات ہے۔ یہاں پشمینے کی چادریں اور لکڑی کی میز کرسیاں بنتی اور برآمد ہوتی ہیں۔

ضلع گجرات میں مونگ رسول کے قریب دریائے جہلم سے نہر لوئر جہلم نکالی گئی۔ اسی طرح نہر اپر جہلم گجرات کے شمال میں تھوڑے سے فاصلے پر منگلا کے مقام پر دریائے جہلم سے نکالی گئی جو گجرات اور شاہ پور کے اضلاع کو سیراب کرتی ہے۔ گجرات اہم ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ یہ شہر پشمینے کی چادروں اور کوفت کے اچھے کام کے لیے مشہور ہے۔ ضلع گجرات کمشنری راولپنڈی کا ایک اہم ضلع ہے جس کی تین تحصیلیں گجرات، کھاریاں اور پھالیہ ہیں۔ ضلع کی بڑی پیداوار گیہوں اور باجرہ ہے۔ گجرات تجارتی شہر ہے۔ یہاں شاہ دولہ کی خانقاہ بہت مشہور ہے۔ اس مقام پر سال میں دو بار میلہ لگتا ہے۔ جلالپور جٹاں کا قصبہ شالبافی کے لیے مشہور ہے۔

رائے صاحب لالہ سوہن لال بی اے بی ٹی، فیلو رائل جیوگرافیکل سوسائٹی کا تصنیف کردہ ''جدید جغرافیہء پنجاب دہلی و شمال مغربی سرحدی صوبہ'' لاہور سے 1931 میں شائع ہوا۔ مصنف لالہ سوہن لال سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں جغرافیہ کے لیکچرر تھے۔ گجرات کے حوالے سے کتاب میں درج معلومات کم و بیش وہی ہیں جو ہمیں پروفیسر تیج رام کی کتاب میں ملتی ہیں۔ مثلاً دریائے چناب۔ البتہ دوآبہ چج یا چجبہ پر قدرے تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ دوآبہ دریائے جہلم اور چناب کے درمیان واقع ہے۔ اس میں گجرات اور شاہ پور کا بہت سا حصہ آ جاتا ہے۔ گجرات دریائے چناب سے پانچ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ ضلع کا صدر مقام ہے۔ کشمیر کے علاقے سے جو اس کے شمال میں ہے، نفیس اون یہاں آ جاتی ہے جس سے پشمینے کی بہت عمدہ چادریں بنتی ہیں۔ لکڑی اور زردوزی کا کام بھی مشہور ہے سوتی کپڑے بھی اچھے بنتے ہیں۔ گجرات کے شمال مشرق میں جلالپور ایک اور قصبہ ہے اسی طرح نہروں کے حوالے سے اندراجات بھی کم و بیش وہی ہیں۔

لاہور سے پشاور کے ریلوے کے سفر میں گجرات ایک اہم مقام ہے۔ لالہ سوہن لال بتاتے ہیں کہ یہ شہر تواریخ میں بہت مشہور ہے کیونکہ ''اس مقام پر سکھوں کی دوسری لڑائی ہوئی تھی جس میں انگریزی فوج نے سکھوں کو شکست دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب سکھوں کے ہاتھوں سے نکل کر انگریزوں کے قبضے میں آ گیا اور صوبے میں امن و امان قائم ہو گیا۔''

عملی جغرافیہ پنجاب (لاہور 1932) کے ٹائٹل پر مصنف یا مصنفین کا نام درج نہیں ہے البتہ مندرجات کم و بیش پہلی دو کتابوں جیسے ہی ہیں مثلاً دریا، دوآب اور انتظامی تقسیم وغیرہ۔ نئی بات صرف اتنی بیان کی گئی ہے کہ ضلع گجرات کا کچھ حصہ چج

Marfat.com

کی پہاڑیوں کے دامن میں ہے۔ ان پہاڑیوں سے کئی ندی نالے نکلتے ہیں اور اس ضلع میں بہتے ہیں۔ گوجر لوگ یہاں زیادہ آباد ہیں۔ لوگ کنوؤں سے آبپاشی کرتے ہیں۔ سرکار انگریزی نے نہر اپر جہلم منگلا کے مقام سے نکال کر پنڈی بہاؤالدین (اب منڈی بہاؤالدین) کی بار کو آباد کیا ہے۔ اس علاقے میں گھی کی تجارت بہت ہوتی ہے۔ گجرات کے حوالے سے اُردو میں لکھی کتابوں کے اس مختصر تعارف سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ تمام مواد دستیاب ہو تو اضلاع گجرات و منڈی بہاؤالدین کے بارے میں ایک بڑا اور معیاری تحقیقی کام سامنے لایا جاسکتا ہے۔

4 ضلع گجرات: نوآبادیاتی مآخذ

ضلع گجرات کے حوالے سے نوآبادیاتی دور کا بہت سا تاریخی مواد دستیاب ہے۔ یہ مواد دو طرح کا ہے۔ پہلی قسم کا مواد سرکاری دستاویزات مثلاً ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز' سیٹلمنٹ اور ایڈمنسٹریشن رپورٹیں' رواجِ عام یا کسٹمری لاز' پہلی عالمی جنگ کے حوالے سے جنگی رپورٹیں' مردم شماری کی رپورٹیں' اینگلو۔ سکھ جنگوں کے حوالے سے انگریزی ریکارڈ' ضلعی انتظامی دستاویزات' قصبوں اور تحصیلوں کے سرکاری کاغذات (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) اور آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی مطبوعات۔ دوسری طرح کا مواد ان کتابوں پر مشتمل ہے جو سرکاری افسران نے اپنی نجی حیثیت یا اپنے شوق سے لکھیں جن میں ایلیٹ کی کرانیکلز آف گجرات (1902) نے سب سے زیادہ شہرت پائی لیکن چند ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں ضلع گجرات اور اس کے شہروں کا مناسب حد تک ذکر ملتا ہے مثلاً راس کی ''دی لینڈ آف فائیو رورز اینڈ سندھ''۔ گجرات کی تاریخ نویسی میں ان کتابوں کی اہمیت مسلّم ہے۔

4.1 امپیریل گزیٹیئر آف پنجاب

امپیریل گزیٹیئر پنجاب کی مجموعی صورت حال اور اس کے تمام اضلاع اور ریاستوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کی جلد دوم میں جو پہلی بار 1908 میں شائع ہوئی' لاہور' راولپنڈی اور ملتان ڈویژنوں کے اضلاع سمیت' ریاست بہاولپور اور مشرقی پنجاب کی تمام ریاستیں بھی شامل تھیں۔ ضلع گجرات کو صرف چودہ صفحات میں سمویا گیا لیکن اس کے تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے مثلاً ارضی صورت حال' تاریخ' آثار قدیمہ' لوگ' ذاتیں اور پیشے' زرعی پیداوار' مال مویشی' آبپاشی' جنگلات' معدنیات' مقامی مصنوعات' کاروبار اور تجارت' قحط' ضلعی انتظامیہ' تعلیم اور صحت کے ساتھ گجرات' کھاریاں' پھالیہ' چیلیانوالہ' ڈنگہ' جلالپور جٹاں' کنجاہ' لالہ' سعد اللہ پور اور شادیوال جیسے اہم مقامات کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے۔

گجرات پر بیرونی حملوں اور اہلِ گجرات کی مزاحمت کی تاریخ اڑھائی ہزار سال سے زائد پرانی ہے۔ اس کا سلسلہ ایران کے دارا اور سکندر مقدونی کی یلغاروں سے ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ موریہ عہد خصوصاً اشوک کے زمانے سے ہوتا ہوا مونگ کے راجہ موگا تک آتا ہے۔ پانچویں چھٹی صدی میں سفید ہُنوں کے بلّے ہیں۔ اورل سٹائن کے مطابق گجرات گرجرہ کی سلطنت کا حصہ ہونے کے باعث شاہ الخان یا علی خان نے 883 سے 902 کے درمیان کشمیر کے شنکر ورما کو شکست دی۔ تاہم مسلمہ تاریخی حقیقت کے طور پر گجرات میں مسلمانوں کا عمل دخل لودھی دور سے شروع ہوتا ہے جب گجرات کے شمال مشرق سے تیئس میل کے فاصلے پر واقع خواص پور' جسے بہلول لودھی (1451-89) کے دور میں' شیر شاہ سوری کے تحت رہتاس کے گورنر خواص خان نے آباد کیا تھا۔

یہاں سے ہم گجرات کی جدید تاریخ میں داخل ہوتے ہیں جب اکبر کے دور میں اس کی آبادکاری مکمل ہوئی۔ 1605 میں اکبر نے سید عبدالقاسم کو گجرات ایک جاگیر کے طور پر بخش دیا۔ مغلوں کے بعد نادر شاہ نے اسے تاراج کیا۔ 1741 میں گکھڑوں نے خود کو گجرات میں مستحکم کرلیا۔ پھر احمد شاہ ابدالی نے اسے تہ و تاراج کیا۔ 1765 میں یہاں بھنگی مثل کے جاگیر سنگھ نے دریائے چناب عبور کر کے گکھڑوں کے سردار مقرب خان کو گجرات سے مار بھگایا۔ 1788 میں اس کا بیٹا صاحب سنگھ رنجیت سنگھ کے والد مہان سنگھ سے الجھ پڑا۔ 1798 میں نوجوان رنجیت سنگھ نے گجرات پر قبضہ کرلیا۔ چیلیانوالہ اور گجرات کی جنگوں میں انگریزوں نے سکھ راج کا خاتمہ کردیا۔ 1849 میں انگریزی قبضے کو ختم کرنے کے لیے 98 سال لگے۔ 1947 میں یہ نئی مملکت پاکستان کا حصہ بن گیا' یہ تاریخی خاکہ امپیریل گزٹیئر میں بیان کردہ واقعات کا خلاصہ ہے۔

1901 کی مردم شماری کے اعتبار سے یہ ایک مسلم اکثریتی ضلع تھا جس میں 87.4% مسلمان 9.2% ہندو اور 3.3% سکھ آباد تھے۔ یوں امپیریل گزٹیئر کی دوسری جلد کے چند صفحات میں پورے ضلع گجرات کی مجموعی کیفیت بیان کردی گئی ہے۔

4.2 سیٹلمنٹ رپورٹیں

سیٹلمنٹ رپورٹیں بھی اہم تاریخی مآخذ ثابت ہوئی ہیں۔ بظاہر یہ

Marfat.com

رپورٹیں بندوبست اراضی کا احوال بیان کرتی ہیں لیکن ایک سے ڈیڑھ صدی گزر جانے کے بعد اب ان کی تاریخی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ نوآبادیاتی ادب صرف تاریخی معلومات ہی فراہم نہیں کرتا وہ غیرملکی حکمرانوں کے تاریخی کردار پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ اس لیے اسے بہت احتیاط سے پڑھنے اور استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ گجرات عہد بہ عہد (ایلیٹ ترجمہ ریاض مفتی) میں قریشی احمد حسین نے نوآبادیاتی مطبوعات کے چند حوالے دیئے ہیں جن میں سیٹلمنٹ رپورٹیں بھی شامل ہیں۔ پہلی رپورٹ جو کیپٹن میکنزی نے مرتب کی۔ 1861 میں شائع ہوئی جس میں مغلیہ دور سے لے کر پنجاب پر انگریزی قبضے کے بعد سر رچرڈ ٹمپل کی زیرنگرانی نیا بندوبست عمل میں آیا۔ دوسری رپورٹ 10 سال بعد 1871 ہی میں شائع ہوئی جسے کیپٹن جی ڈبلیو واٹر فیلڈ نے مرتب کیا۔ اس کے مندرجات میں جغرافیائی اور اراضی کوائف' تاریخی احوال' آبادی' مقامی قوانین اور سماجی رسوم' پیدائش' شادی اور موت کی رسمیں' دریائی قوانین کے ساتھ ساتھ' زمینوں کی صورت حال' زرعی معاملات اور بندوبست اراضی کے حوالے سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اپنے مندرجات کے پیش نظر یہ ایک اور اہم تاریخی ماخذ ہے۔ تاہم اسے ایک ماخذ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس کے نوآبادیاتی کردار کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر احمد حسین قلعداری نے اس رپورٹ کا ذکر نہیں کیا بلکہ تیسری رپورٹ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ میکنزی کی پہلی رپورٹ کا تسلسل ہے جو کیپٹن ایچ ڈیوس نے مکمل کی حقیقت میں یہ تیسری اور حتمی رپورٹ تھی۔ اپنے نوآبادیاتی کردار کے باعث اسے بھی احتیاط اور تنقیدی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

4.3 ڈسٹرکٹ گزٹیئر گجرات

گجرات ڈسٹرکٹ گزٹیئر پہلی بار 1884 میں شائع ہوا جو اِبٹسن ضلعی گزٹیئرز کی سیریز کا حصہ تھا۔ نظرثانی شدہ سیریز کے تحت اس کی دوبارہ اشاعت 1893 میں ہوئی جس کے مصنف جوڈی ایس پی ڈیوس تھے۔ پنجاب بی سیریز' جو اعداد وشمار اور گوشواروں پر مشتمل ضلعی گزٹیئرز کی جلد دوم کے طور پر جاری کی گئی تھی' 1905-09 کے درمیان شائع ہوئی۔ گجرات گزٹیئر کا حصہ پہلے 1905 اور پھر 1912 میں شائع ہوا۔

حصہ اول یا بیانیہ گزٹیئر کا تیسرا ایڈیشن 1921 میں شائع ہوا جس کے مصنف ڈپٹی کمشنر ایچ ایس ولیم سن تھے۔ ولیم سن نے دراصل 1893 کے گزٹیئر کو ہی ازسرنو ترتیب دیا اور اس میں متعدد اضافے کیے۔ گجرات کی تاریخ نویسی میں اس کا حوالوں کے ساتھ اور کہیں کہیں بغیر حوالوں کے بھی خاصا استعمال ہوا ہے۔ ہمارے گجرات کے مورخوں نے غالباً بی سیریز کے 1905 اور 1912 کے ایڈیشن نہیں دیکھے کیونکہ ان کا کسی کتاب میں حوالہ نہیں ملتا۔ گوشواروں اور اعداد وشمار کے باعث ان کی بے حد اہمیت ہے۔

1921 کا گزٹیئر' گجرات کی ارضی صورت حال' تاریخ' انتظامیہ' آبادی' زراعت' صنعت وتجارت اور اہم مقامات کے حوالے سے ابتدا سے 1920 تک کی ایک اہم اور قابل حوالہ دستاویز ہے۔ اسے شائع ہوئے نوے سال گزر چکے ہیں اور اس تمام عرصہ میں اس کا کوئی اضافہ شدہ ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔ تاہم ایک تاریخی دستاویز کے طور پر اس کی افادیت اب مسلّم ہے۔ خصوصاً اس کے 20 صفحات پر مشتمل ضمیمہ جات تاریخی ریکارڈ کی درستی کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً صوبائی اور ڈویژنل درباریوں' خطاب یافتگان' ریٹائرڈ فوجی افسروں' صوبیداروں' رسالداروں' جمعداروں' دربار میں نشست پانے والے سول افسروں' میونسپل کمیٹیوں کے نامزد اور منتخب ارکان' ڈسٹرکٹ بورڈ کے ارکان' ضلع گجرات کے کرسی نشینوں' ذیلداروں اور سفید پوشوں (انگریزوں کی طرف سے معززین کے لیے ایک خطاب نما عہدہ) وغیرہ کی 1920 کے دوران یا اس سے پہلے کی فہرستیں دی گئی ہیں۔

4.4 رواجِ عام یا کسٹمری لاضلع گجرات

پنجاب میں صدیوں سے قبیلوں' برادریوں اور سماجی حلقوں کے خاندانی حوالے سے رسم ورواج چلے آرہے ہیں' ان قبائل اور برادریوں کے لیے یہ قانون کا درجہ رکھتے ہیں۔ انگریزوں نے پنجاب پر قبضے کے بعد انگریزی قانون نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ' رواجِ عام کو یکسر ختم کرنے کی بجائے انھیں صوبائی اور ضلعی بنیادوں پر ترتیب دے کر شائع کیا۔ رواجِ عام کی یہ دستاویزات خاندانی سماجی تعلقات کے صدیوں پرانے سلسلے کو سمجھنے کے حوالے سے بے حد مفید ہیں۔ ضلع گجرات کی رواجِ عام سے متعلق کتاب گجرات ڈسٹرکٹ گزٹیئر (1921) کے مصنف ولیم سن نے 1922 میں لاہور سے شائع کی۔ اس سلسلہء کتب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج بھی خاندانی موشگافیوں مثلاً شادی وطلاق' وراثت' بیٹیاں اوران کے مسائل' گود لینا' تحائف کی حیثیت وغیرہ کے عدالتی وقانونی فیصلوں میں رواجِ عام کے اصولوں کو حوالہ دیا جاتا ہے۔ ضلع گجرات کی تینوں تحصیلوں اور تینوں مذاہب کے پیروکاروں میں رائج رسوم کی تفصیل ضلع گجرات کے کسٹمری لاء میں موجود ہے۔

Marfat.com

اس پہلو سے یہ گجرات کی سماجی تاریخ کا ایک اہم ماخذ بنتا ہے جس کی طرف گجرات کے کسی مورخ یا سماجی سائنسدان نے کبھی توجہ مبذول نہیں کی۔ گجرات کے تمام قبیلوں اور برادریوں میں گھر دامادی (گھر جنوائی) کو رواجِ عام کے تحت قابلِ قبول سمجھا جاسکتا ہے اگرچہ یہ داماد کے لیے جگ ہنسائی کا ایک ذریعہ بھی ہے اور کئی بار اپنے سسرال میں رہنے والے داماد کو اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے مذاق کا نشانہ بھی بنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں پنجابی کی درجنوں ضرب الامثال بھی اس رویے کی تائید کرتی ہیں۔

4.5 پنجاب سے متعلق سرکاری کتب میں گجرات کے حوالے

پنجاب کی متعدد مطبوعہ کتابوں اور رپورٹوں میں دیگر اضلاع کے ساتھ ساتھ گجرات کے حوالے بھی موجود ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا ہم یہاں تذکرہ کریں گے:

* ***Chas.J. Rodger M.R.A.S*** "Revised List of objects of Archaeological Interest in the Punjab."

اس کتاب کا اپنے احوال وآثار میں پروفیسر قریشی احمد حسین نے بھی ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ بھی پنجاب میں تاریخی مقامات وعمارات کی ایک فہرست ہے جس میں گجرات کا حصہ بھی شامل ہے۔ 1912 کے پس وپیش میں تیار ہوئی۔ افسوس یہ فہرست پٹواریوں اور پولیس والوں کے ذریعے تیار کروائی گئی۔ یہ لوگ علم وفضل کی چاشنی سے معرا تھے لہٰذا فہرست اور تاریخی احوال وآثار سے انصاف ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ بہرحال سرکاری دستاویزات ہونے کے ناتے اہمیت رکھتی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ پروفیسر موصوف نے یا تو یہ کتاب نہیں دیکھی یا اسے چلتے چلتے دیکھا اور اندازے سے رائے قائم کرلی۔ یہ کتاب پنجاب کے تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں، پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کی پرانی لسٹوں اور آرکیالوجیکل سروے کی رپورٹوں پر مبنی مواد سے مرتب کی گئی تھی۔ اسے چاس جے راجرز نے مرتب کیا جو خود پنجاب سرکل کے آرکیالوجیکل سرویئر تھے۔ ہم نہیں جانتے پروفیسر موصوف نے 1912 کی تاریخ اشاعت کہاں سے اخذ کی۔ کیونکہ کتاب پر کوئی سنِ اشاعت درج ہی نہیں ہے لیکن چونکہ اس میں اضلاع ہزارہ، پشاور، کوہاٹ، بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے بارے میں ابواب بھی شامل ہیں۔ اس لیے یقیناً یہ کتاب 1900 یا اس سے پہلے کی ہونی چاہیے کیونکہ 1900 تک یہ اضلاع متحدہ پنجاب کا حصہ تھے اور 1901 میں انھیں پنجاب سے کاٹ کر شمال مغربی سرحدی صوبہ (موجودہ خیبر پختونخواہ) تشکیل دیا گیا تھا۔

اب رہا خود گجرات کے احوال وآثار کا ذکر تو یقیناً اس موضوع پر کل تین صفحات کو ان آثار کی مبسوط تاریخ نہیں کہا جاسکتا لیکن میری رائے میں جتنا کچھ ہے، قابلِ قدر ہے جس میں گجرات شہر، قلعے، اس کے اندر ایک باؤلی، شاہ دولہ کے مزار، خواص پور، کھاریاں، عالم گڑھ یا چوکنڈی، لالہ موسیٰ سے ایک میل کی مسافت پر شیر غازی فقیر کا مقبرہ، تھانہ نورنگ آباد میں چار میل کی مسافت پر بھاگ نگر میں ایک مقامی درویش میاں گل کا مقبرہ، کھاریاں سے پانچ میل کے فاصلے پر باغبانوالہ میں اسی طرح کا ایک اور مقبرہ، ہیلاں، پٹی کوٹھی، اسلام گڑھ، رسول اور مونگ جیسے مقامات کی قدامت اور اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں سے ملنے والے سکوں اور تعمیر میں استعمال کی گئی اینٹوں سے ان مقامات کی قدامت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ حالیہ برسوں میں شائع ہونے والی کتابوں خصوصاً زمان کھوکھر کی بعض کتابوں میں ان سکوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

Miles Irving, "I.C.S, A list of Inscriptions on Christian Tombs or Monuments in the Punjab, North West Frontier Province, Kashmir and Afghanistan."

مذکورہ بالا کتاب کی طرح، اس میں بھی گجرات کے ان مقامات کا تذکرہ موجود ہے جہاں انگریزی فوج کے افسران اور سپاہی دفن ہیں۔ ان مقامات میں سعد اللہ پور، چیلیانوالہ، شاہجہاں گیر، گجرات اور لالہ موسیٰ کے گورے قبرستانوں اور اجتماعی قبروں کا ذکر ہے۔ ان میں سے اکثریت ان فوجیوں کی ہے جو سعد اللہ اور چیلیانوالہ کی لڑائیوں میں مارے گئے۔ صرف چیلیانوالہ میں سیکڑوں فوجی دفن ہیں۔ کتاب کے سرورق پر ایک شعر درج ہے جس کی آخری سطر میں کہا گیا ہے کہ انگریزی جھنڈا (ان) انگریزوں کی ہڈیوں کے باعث لہرا رہا ہے۔ ان یادگاری قبرستانوں اور ان میں موجود انگریزی، پنجابی، فارسی اور اُردو زبانوں میں نصب کتبوں سے 1848-49 کی

Marfat.com

جنگ گجرات پر روشنی پڑتی ہے۔اُردو کتبے کے لفظ ہیں :

''جنوری کی تیرھویں تاریخ سن 1849 میں اس معرکہ میں انگریزی فوج سے' جن کا سردار لارڈ گاف صاحب تھا اور سکھوں کی فوج سے جن کا سردار راجہ شیر سنگھ تھا' بڑی بھاری لڑائی پڑی۔ دونوں لشکر آپس میں خوب ڈٹ کر بے دھڑک لڑے اور ایسی جم کر لڑائی لڑے کہ انگنت مارے گئے۔۔۔۔ اللہ ان کی قبروں کو نورانی کرے اور جنگ میں ان کا نام روشن رکھے۔اس میں جو کہ انگریزی فوج کے کھیت رہے اور اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ان کی یادگار کے لیے یہ عمارت ان لوگوں نے تیار کروائی ہے جو کہ اس معرکہ میں اجل کے پنجہ سے بچ رہے تھے۔اگرچہ ان کے نہ مرنے سے بے چین ہیں مگر ان کی نام آوری کو اپنی آبرو جانتے ہیں۔''

Lt Col H.L.O Garrett "G.L Chopra(Eds) Events at the Court of Ranjit Singh"

پنجاب گورنمنٹ کے ریکارڈ کے کیپر ایچ' ایل' او گیرٹ اور ڈپٹی کیپر جی آل چوپڑا کی مرتب کردہ مذکورہ بالا ڈائری' جو لاہور دربار میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی روزمرہ کی سرگرمیوں اور مہاراجہ کے بیرونِ لاہور دوروں پر روشنی ڈالتی ہے۔اس میں مہاراجہ رنجیت کے بیرون لاہور آمدورفت اور ان مقامات پر قیام کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔کتاب اگرچہ گورنمنٹ پرنٹنگ لاہور سے 1935 میں شائع ہوئی لیکن یہ اس سے ایک صدی پہلے کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔جن میں مہاراجہ کے گجرات اور دریائے چناب کے کنارے وزیرآباد کے سفر ہماری خصوصی دلچسپی کا باعث ہیں۔مثلاً 22 اکتوبر 1813 کا سفر گجرات' اسی طرح یکم جون 1814 کو قلعہ گجرات میں قیام 19 جون 1815' 30 اکتوبر 1815' 13 جولائی 1815' 16 جولائی 1815' 18 جولائی 1815 کو دریائے چناب کے کنارے خیموں میں قیام کی تفصیلات گجرات کی تاریخ نویسی کے حوالے سے اہم ماخذ ہیں۔

4.6 غیر سرکاری نوآبادیاتی کتب میں گجرات کا تذکرہ

ایسی ان گنت کتابیں ہو سکتی ہیں جو نوآبادیاتی دور کے 98 برسوں (1947-1849) کے دوران لکھی گئی ہوں اور ان میں گجرات کے حوالے بھی موجود ہوں اور یہ کتابیں ان افسران نے اپنی نجی حیثیت میں لکھی ہوں۔اس فہرست میں سر رچرڈ ٹمپل' میلکم لائل ڈارلنگ' ڈیوڈ راس سر جیمز ڈوئی اور اہم ترین نام کیپٹن اے' سی' ایلیٹ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

* ***Sir Richard Temple Bart*** "Men and Events of My Time in India"

سر رچرڈ ٹمپل' جن کے بیٹے آر سی ٹمپل نے ''لیجنڈز آف دی پنجاب'' لکھ کر شہرت سمیٹی اور پنجابی لوک ادب کے اولین ماہرین میں سب سے قد آور شخصیت بن گئے' 55-1854 کے دوران ضلع گجرات کے ڈپٹی کمشنر رہے اور 1855 میں سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب کے سیکرٹری مقرر ہونے تک گجرات میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔لیکن حیرت کی بات ہے کہ 524 صفحات میں پھیلی ہوئی ان کی مذکورہ بالا خود نوشت سوانح عمری میں گجرات اور چیلیانوالہ کا ذکر بمشکل دو صفحات میں آیا ہے البتہ اکیلے جنرل گاف کا ذکر چار صفحات میں بکھرا ہوا ہے اگر ہم ان تمام صفحات کو جوڑ کر دیکھیں تو بات چھ صفحات تک چلی جاتی ہے۔ بہرحال 12 اکتوبر 1954 سے 25 جولائی 1955 تک 9 ماہ کے اس عرصہ میں ان کی نگرانی میں ضلع گجرات کے بندوبست کا کام شروع ہوا اور کیپٹن میکنزی نے اسے 1858 میں پایہء تکمیل تک پہنچا دیا۔رچرڈ ٹمپل اپنے ڈپٹی کمشنر ہونے کا ذکر صرف ایک دو سطروں میں کرتے ہیں۔اس کے باوجود ایک اہم حوالے کے طور پر اس کتاب کا تذکرہ ضروری ہے۔

* ***David Ross C.I.E*** "The Land of the Five Rivers and Sindh, 1883"

1883 میں شائع ہونے والی یہ کتاب گجرات اور چیلیانوالہ کے تاریخی ماخذ کے طور پر ہمارے لیے اہمیت کی حامل ہے۔کتاب پورے پنجاب اور سندھ کا احاطہ کرتی ہے لیکن گجرات کے حوالے سے اس کے چند صفحات اہم تاریخی معلومات فراہم کرتے ہیں یہ معلومات اگرچہ نئی نہیں ہیں لیکن انھیں مختصراً مگر ایک تاریخی تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔

گجرات کی قدامت اور اس کی سیاسی تاریخ کے علاوہ ضلع کی اہم دستکاریوں خصوصاً چمڑے کا کام' راس نے اسے یورپی معیار کے برابر قرار دیا ہے۔وہ گجرات کے کوفت گری کے کام کی بے حد تعریف کرتا ہے جس کی درجن بھر مصنوعات

Marfat.com

نہایت اعلیٰ درجے کی ہیں۔ بیڈن پاول نے کوفت گری کی کاریگری کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اسے گجرات کا خصوصی ہنر قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق پورے شمالی مغربی ہندوستان میں یورپیائی خریداروں کے لیے گجرات کی کوفت گری کی مصنوعات سے بہتر مصنوعات اور کہیں نہیں ہیں۔82 راس شاہدولہ کے چوہوں اور ایک خوبصورت مندر کا بھی ذکر کرتا ہے۔ مندر کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ زائرین اسے سیکڑوں میلوں کے فاصلے سے دیکھنے آتے ہیں۔ گجرات کا سٹیشن شہر سے شمال کی جانب واقع ہے۔ گجرات کی آبادی (1881 کی مردم شماری کے مطابق) 19 ہزار ہے جس میں 13 ہزار مسلمان اور 6 ہزار ہندو سکھ ہیں۔ مصنف نے چیلیانوالہ کی جنگ میں انگریزوں کی بربادی کا کھل کر اعتراف کیا ہے۔ انگریزی سپاہ کے 2400 افسر اور جوان کام آئے۔ جب اس طرح کی ہولناک خبریں برطانیہ پہنچیں تو اتنا خوف و ہراس پھیلا کہ لارڈ گاف کی جگہ لینے کے لیے سر چارلس نیپئر کو فوراً گجرات روانہ کیا گیا۔ یاد رہے کہ سر چارلس نیپئر اس سے قبل 1843 میں سندھ فتح کر چکا تھا۔ پورے ہندوستان میں اب صرف پنجاب ہی وہ آخری علاقہ تھا جو مزاحمت کے لیے رہ گیا تھا۔ راس اس عجیب اتفاق کا ذکر کیے بغیر نہ رہ سکا کہ سکندر اور راجہ پورس کے درمیان عظیم معرکہ اسی چیلیانوالہ کے قریبی میدان میں ہوا تھا۔ یہیں سکندر نے ایک شہر بھی آباد کیا تھا جس کا موجودہ نام مونگ ہے۔

* The Chronicles of Gujrat

ڈپٹی کمشنر گجرات کیپٹن اے سی ایلیٹ (نومبر 1899۔ نومبر 1901) کی مذکورہ بالا تصنیف اب کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ 1902 میں شائع ہوئی تھی۔ ایلیٹ کو یہ کتاب کیوں لکھنا پڑی، اس کا ایک دلچسپ پس منظر ہے۔ اس کا خیال تھا کہ گجرات گزٹیئر میں تاریخی واقعات، جنگی میدانوں اور آثار قدیمہ کی طرف اتنی کم توجہ دی گئی کہ اسے ان موضوعات کے حوالے سے ایک چھوٹی سی کتاب الگ سے لکھنا پڑی تاکہ قدیم تاریخی واقعات و روایات سکندر یونانی سے انگریزوں تک کے بیرونی حملوں، پنجاب پر انگریزی قبضے، شاہدولہ دریائی، سوہنی مہینوال کی رومانی داستان، ہکلہ قبیلے کی اصل حقیقت اور اس کے پھیلاؤ وغیرہ کی مکمل تصویر سامنے لائی جا سکے۔

گجرات کے ایک قابل ذکر فرزند ریاض مفتی نے نہ صرف اس کا اُردو ترجمہ کیا بلکہ ایلیٹ کے تحقیقی کام کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اس میں گرانقدر اضافے بھی کیے۔ دوسرے لفظوں میں 1902 کے بعد کم و بیش 95 برس بعد (1997) اسے دوسری بار دن کی روشنی نصیب ہوئی لیکن اس بار اُردو میں اس توصیف کے بعد ہم اتنا ضرور کہنا چاہیں گے کہ کئی مقامات پر ترجمہ نہ صرف اصل سے ہٹ گیا ہے بلکہ کہیں کہیں انگریزی متن کو ترجمہ کیے بغیر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کوتاہی نے انگریزی کے حسن کو اُردو تک آتے آتے قبح میں بدل دیا ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے اس ترجمے پر ڈاکٹر منیر سلیچ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ: مطبوعہ گجرات: ۱۹۹۸ء)

درجن بھر ایسی مزید کتابوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو براہ راست گجرات کے موضوع سے عبارت نہیں لیکن ان کے مندرجات میں ضلع گجرات اور اس کے دیگر شہروں اور قصبوں کا ذکر ملتا ہے جس کی اس ضلع کی تاریخ نویسی کے لیے اہمیت ہے۔ مثلاً سر جیمز ڈوئی کی کتاب دوسری اینگلو سکھ جنگ اور گجرات و چیلیانوالہ کے حوالے، ایم ایل ڈارلنگ کی کتاب At Freeedom's Door میں تقسیم سے چند ماہ قبل کے پنجاب کی صورت حال، جس میں موجودہ ضلع منڈی بہاؤالدین کے دیہات اور قصبوں، مونہ ریماونٹ ڈپو، میانہ گوندل اور ہیڈ فقیریاں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ دسمبر 1946 میں ڈارلنگ گھوڑے پر سوار پنجاب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں سے سوال کرتا ہے کہ وہ اپنے سیاسی مستقبل کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ بعض دیہات میں لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ کانگریس، مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی وغیرہ کا ان کی زندگی سے کیا تعلق ہے۔ کئی دیہات تقسیم کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لیکن میانہ گوندل سے ایک مسلم رائے یہ بھی آتی ہے کہ بہتر ہے ہمارا علاقہ ہمیں اور ہندوؤں کا علاقہ ہندوؤں کو دے دیا جائے جب کہ اکثر کا جواب تھا کہ انھیں لیگ اور کانگریس کے جھگڑوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ گجرات کی تاریخ نویسی کے حوالے سے کتابوں کی کمی نہیں ہے لیکن 1849 سے 1947 تک متعدد کتابیں ناپید ہو چکی ہیں جنہیں یکجا کرنا آسان نہیں ہے۔ بہت سے تاریخ نویس اور دوسرے سکالر اس بات میں بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں کہ وہ ایسی کتابوں کو تلاش کریں جن میں ایک آدھ پیرا یا ایک آدھ صفحہ گجرات کے بارے میں بھی ہو۔

اب ہم قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان اور عالمی سطح پر گجرات کے موضوع پر مطبوعہ کتابوں اور دوسرے تحقیقی کاموں کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

4.7 قیامِ پاکستان کے بعد مطالعہ گجرات کے مآخذ

قیامِ پاکستان کے وقت گجرات ایک غریب اور پسماندہ ضلع تھا۔ لکھنے

Marfat.com

پڑھنے کے وسائل محدود تھے۔ تعلیم گجرات اور چند دوسرے قصبوں تک محدود تھی۔ اسی سبب سے خود گجرات کے حوالے سے تحقیقی کام اور تاریخ نویسی کا عمل فوری طور پر آگے نہ بڑھ سکا۔ گجرات کے پاس تحریری شکل میں خاصہ وسیع علمی اور تاریخی ورثہ موجود تھا۔ مطبوعہ شکل میں بھی اور غیر مطبوعہ شکل میں بھی۔ اس صورت حال کی روشنی میں نئے علمی کاموں کی کافی گنجائش تھی۔ تخلیقی ادب خصوصاً پنجابی اور اُردو ادب کی ترویج و ترقی کا کام جاری رہا۔ پیر فضل گجراتی اور شریف کنجاہی اور سجاد حیدر سے شروع کریں تو پنجابی شاعری، پنجابی نثر (ڈرامہ، افسانہ، تنقید، تحقیق) اور دیگر ادبی شعبوں میں آج ضلع گجرات کی صورت حال اطمینان بخش ہے۔

جہاں تک تاریخ نویسی، عمرانی علوم اور انسانیاتی مطالعوں کا تعلق ہے، دو تین دہائیوں تک وہاں سے اس کا آغاز تک نہیں ہو سکا۔ البتہ پاکستان سے باہر چند قابل رشک کام دیکھنے کو ملے۔ یہاں ہم صرف سرسری حوالوں تک اکتفا کریں گے کیونکہ تفصیلات بیان کرنے کا یہاں نہ موقع ہے اور نہ ضرورت۔

1950 کی دہائی کے آخری برسوں میں ایک ترک خاتون سکالر ذکیہ ایگلر کی کتاب A Punjabi village in Pakistan کولمبیا یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوئی۔ یہ گجرات کے ایک گاؤں 'موہلہ' (1949-1955) کا سماجی مطالعہ ہے۔ 240 صفحات پر مشتمل اس تحقیقی مقالے کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں موہلہ گاؤں کے خدوخال پر بحث کی گئی ہے مثلاً آنگن، ذات، برادری، زمین اور اس سے جڑی ہوئی عزت، کاشتکار کے شب و روز، گاؤں میں موسم سرما، مذہبی کیلنڈر، خاندان اور والدین اور بچے۔ دوسرے حصے کا عنوان ہے 'بھانجی ورتن'، جس میں ورتن بھانجی کے معنے، بیٹی کا رول، قوانین، رشتہ داریوں کی تشکیل، عورتوں اور مردوں کا رول، ایک شادی میں شرکت اور موہلہ بدلتی ہوئی دنیا میں (55-1949) وغیرہ شامل ہیں۔ اس حصے کا آخری عنوان مقالہ کا اختتامیہ ہے۔ کتاب میں چند ضمیمہ جات بھی شامل کیے گئے ہیں جیسے سیپی، کاشتکار کی سرگرمیوں کا چکر، ایک خاندان کے رجسٹر سے ایک صفحہ اور شادی کی اہم تقریبات۔ ذکیہ ایگلر، جو 1949 سے 1955 تک اس گاؤں سے براہ راست رابطے میں رہیں وہ پانچ سال سے زیادہ گاؤں کے لوگوں کے درمیان رہیں ان کی زبان اور بولیاں سیکھیں۔ ان کی روزمرہ سرگرمیوں اور رسم و رواج میں شریک ہوتی رہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد گجرات کے حوالے سے یہ پہلا بڑا اور سنجیدہ کام تھا جس کی پاکستان کے علمی حلقوں میں بے حد پذیرائی ہوئی لیکن خود گجرات میں نہ تو اس کام کو مناسب انداز میں سراہا گیا نہ اس سطح کا کوئی دوسرا کام سامنے آیا۔

☆ ایک پاکستانی ڈپٹی کمشنر کی گجرات شناسی۔

1960 کی دہائی میں جب پہلا مارشل لاء اعلیٰ تعلیمی اداروں کے علمی اور فکری وقار کی دھجیاں بکھیر رہا تھا، اس وقت مقامی شناخت کی آواز زمیندار کالج سے بلند ہونے کی بجائے اسٹیبلشمنٹ کی اپنی صفوں یعنی ڈی سی ہاؤس سے بلند ہوئی۔ اس زمانے میں ضلعی انتظامیہ بیسک ڈیموکریسیز ونگ کا حصہ ہوتی تھی جس میں سب سے زیادہ زور مضبوط مرکز اور کمزور صوبائی یا ضلعی شناخت پر دیا جاتا ہے۔ اس فضا میں ڈپٹی کمشنر کریم نواز نے گجرات کی تہذیبی اور ثقافتی شناخت کی بات کی، جس کا سب سے بڑا مظہر سکندر اور پورس کی جنگ تھی۔ اس زمانے میں تمام پڑھے لکھے لوگ یونانی حملہ آور کو سکندر اعظم کہتے تھے اور وطن کا دفاع کرنے والے راجہ پورس کو اس کے ہاتھیوں کے طعنے دیا کرتے تھے۔ غالباً اپنی شناخت اور ہیرو کی تلاش کا یہ عمل ایوب خان کی آمریت کے لیے کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہ ایک ڈپٹی کمشنر کا محض علمی شوق تھا جسے باغبانی کے شوق کی طرح زیادہ اہمیت نہ دی گئی۔

کریم نواز 27 جولائی 1962 کو ضلع گجرات کے ڈپٹی کمشنر بن کر آئے اور 27 جنوری 1965 تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ اپنے قیام گجرات کے دوران ان کی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع ہوئیں۔ کتاب تو ایک ہی تھی لیکن یہ دوبار چھپی اور دو مختلف ناموں سے۔ پہلی کتاب Gujrat perspective کے نام سے ان کی ملازمت کے دوران شائع ہوئی جس کے پہلے تیس صفحات قدیم وادیٔ سندھ سے لے کر سکندر مقدونی کے گجرات پر حملے تک کا احاطہ کرتے تھے۔ کتاب کے بقیہ صفحات ان ترقیاتی رپورٹوں سے بھرے ہوئے تھے جو بطور ڈپٹی کمشنر ان کے دور میں ہوئی تھی۔ یہ کتاب دراصل سرکاری ملازمت کی مجبوری اور محبت کی مزدوری (Labour of love) کا ملا جلا اظہار تھی۔ ان کی دوسری کتاب Alexander's Invasion of Gujrat جو دراصل پہلی کتاب کا توسیع شدہ ایڈیشن تھا اور جس میں سے سرکاری رپورٹوں کا اضافی بوجھ نکل گیا تھا، 1965 کے نصف آخر میں شائع ہوئی۔ جنوری 1965 میں وہ گجرات کے ڈپٹی کمشنر کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو کر وہاں سے جا چکے تھے۔ اب سرکاری مجبوری ختم ہو گئی تھی لیکن محبت کی مزدوری ابھی چل رہی تھی۔ اس مزدوری کا پھل یہ چھوٹی سی کتاب ہے، جو اپنے موضوع اور اپنے نقطۂ نظر کے اعتبار سے کہیں بڑی ثابت ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ خود اہلِ گجرات نے چھوٹے سے اس بڑے کام کی پذیرائی نہ کی۔ اگرچہ اس کا ذکر کہیں کہیں سننے میں آتا رہا۔ اس کی اِکا دُکا جلد بھی کبھی کبھار کہیں سے مل جاتی تھی۔

Marfat.com

1980 کی دہائی میں اور اس کے بعد گجرات کے مورخین کو نہ یہ کتاب یاد رہی اور نہ اس کا مصنف۔ مجھے شبہ ہے کہ شاید اس کو کبھی پڑھا ہی نہیں گیا۔ جن علم دوستوں نے اس کتاب کا سرسری تذکرہ کیا ہے' وہ بھی نہ کرنے جیسا ہے۔ پروفیسر قریشی احمد حسین قلعداری نے ان کی صرف پہلی کتاب 'گجرات پر سپیکٹو' کا ذکر کیا ہے جو مصنف کا تعارف کرانے کی بجائے اس کے بارے میں مغالطے پیدا کر دیتا ہے۔

''سردار کریم نواز گجرات کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے حسب دستور و روایت گجرات کا گزیٹیر 1963 کے پس و پیش میں تیار کیا جو 'گجرات پرسپیکٹو' کے نام سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ اس میں زیادہ تر تفاصیل اسکندر اعظم کے گجرات پر حملہ پر مبنی ہیں۔ باقی سارا مواد گجرات کے چودہ محکمہ جات' جو ڈپٹی کمشنر گجرات کے ماتحت کام کر رہے تھے' ان کی تفصیلی رپورٹوں پر مبنی ہے۔''

اس کتابچے کو گزیٹیر کہنا تو خیر ایک مذاق ہی تھا۔ پروفیسر موصوف کو غالباً اس بات کا بھی افسوس ہے کہ اس میں زیادہ تر تفاصیل سکندر اعظم کے گجرات پر حملہ کے بارے میں ہیں۔ یہ میرا موضوع نہیں کہ کریم نواز کیسے ڈپٹی کمشنر تھے۔ میرے لیے یہ سوال زیادہ اہم ہے کہ انہوں نے گجرات کی تاریخ کے ساتھ کتنا انصاف کیا۔ شاید اپنے علمی مشاغل کے باعث پروفیسر احمد حسین سمیت ان کے شہر کی علمی شخصیات سے رابطے رہے ہوں۔ ان دنوں زمیندار کالج کے پرنسپل جی سرور تھے۔ جو 1952 سے 1969 تک سترہ سال تک کالج کے پرنسپل رہے۔

ڈپٹی کمشنر موصوف بھی اس علمی ادبی ماحول سے متعارف ہوئے۔ جون 1965 میں شاف سٹڈی سرکل میں انہوں نے ''انگریزی پر عربی زبان کے اثرات'' کے موضوع پر ایک مقالہ بھی پڑھا تھا لیکن چونکہ گجرات میں ان کا ذکر بھولے بسرے لوگوں میں ہوتا ہے جس میں ان کی کتاب یا کتابوں کا سرسری حوالہ بھی آ جاتا ہے اس لیے شاید انھیں یاد رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ نوآبادیاتی ڈپٹی کمشنر (ایلیٹ) کو تو ریاض مفتی مل گئے۔ ہمارے اس دیسی ڈپٹی کمشنر کو ایک مترجم بھی میسر نہیں آ سکا۔ میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن گمان ہے کہ اگر کریم نواز گجرات میں ایک آدھ سال اور گزار جاتے تو وہ گجرات کے دوسرے بڑے معرکے یعنی لارڈ گاف اور شیر سنگھ کی لڑائی پر بھی ایک چھوٹی سی دستاویز مرتب کر جاتے۔ ان کے اپنے لفظوں میں

''40 میل x 70 میل کی یہ چھوٹی سی پٹی تاریخ سے بھری پڑی ہے۔ 326 قبل مسیح میں سکندر کے ہاتھوں پورس کی شکست سے لے کر انیسویں صدی میں لارڈ گاف کے ہاتھوں شیر سنگھ کی شکست تک اس دھرتی کا ایک ایک انچ تاریخی حاصلات کا مخزن ہے۔''

☆ مطالعہ گجرات اور قریشی احمد حسین قلعداری

قریشی احمد حسین کو گجرات سے الگ کر کے دیکھنا مشکل ہے۔ لگ بھگ پچھلے پچاس برسوں میں گجرات کے حوالے سے انہوں نے اکیلے اتنا کام کیا ہے کہ اس سے گجرات کا ایک نہیں دو تین انسائیکلو پیڈیا تیار ہو سکتے ہیں۔ بقول پروفیسر حامد حسن سیّد ''اندازہ ہے کہ ایک اونٹ کا بوجھ کتب و رسائل لکھ چکے ہیں۔'' ان کی درجنوں تصانیف کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' کے عنوان سے انہوں نے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک پورا انسائیکلو پیڈیا لکھ رکھا ہے جسے فوری طور پر محفوظ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ تاریخی اور نظریاتی اعتبار سے ان کی تحریروں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کرنا چاہیے کہ ضلع گجرات پر جتنا کام اس اکیلے شخص نے کیا ہے بعض اوقات اتنا کام ادارے بھی نہیں کر سکتے۔

☆ شیخ کرامت اللہ اور آئینہ گجرات

'چار باغ پنجاب' کے مصنف اور گجرات کے عظیم مورخ گنیش داس بڈیہرا کے خاندان سے ابھرنے والی ہمارے دور کی شخصیت شیخ کرامت اللہ کی کتاب 'آئینہ گجرات'' 1977 میں شائع ہوئی۔ یہ اس بڑے کام کی پہلی جلد تھی جس کی چار جلدیں بعد میں شائع ہونی تھیں لیکن اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی باقی جلدوں کا سراغ غائب ہو گیا۔ جہاں تک 'آئینہ گجرات' کی پہلی جلد کا تعلق ہے' اب یہ بھی ناپید ہے۔ 'آئینہ گجرات' دراصل ضلع گجرات کا ضلعی گزیٹیر تھا جسے اس دور کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن سی اے سعید پی سی ایس نے بورڈ آف ریونیو کے لیے لکھوایا تھا جسے بے حد سراہا گیا۔ یہ ایک انتہائی اہم تاریخی ماخذ ہے۔ افسوس کہ اس کی بقیہ جلدیں چھپنے سے پہلے ہی غائب ہو گئیں۔

'آئینہ گجرات' اس علاقے کی قدامت کے حوالے سے مختلف روایات

Marfat.com

اورنظریات کا حامل ہے۔آریوں کی آمد اور خطہء گجرات پر آریہ تہذیب کے اثرات' ذات پات' جنگِ مہابھارت' پنجاب پر بیرونی حملے' گجرات پر ایرانی اثرات' سکندر مقدونی اور اس سے متعلق مقامی روایات' راجہ پورس کی مزاحمت' موریہ خاندان' ٹیکسلا کے حوالے سے تاریخی واقعات' مسلمانوں کی آمد اور بعد کے مختصر حالات پر ایک مختصر حالات پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ہم جدید عہد تک آتے ہیں۔یہ کتاب جوز میندار ایجوکیشنل گجرات سے جولائی 1977 میں شائع ہوئی' اب بھی ایک اہم تاریخی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

☆ مطالعہ گجرات کے دیگر ماخذ

گزشتہ بیس پچیس برسوں میں گجرات سے متعلق درجنوں اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں' کہیں کہیں اختلاف کے باوجود تاریخی اور علمی ماخذ کے طور پر ان کی بے حد اہمیت ہے اور اس علمی ذخیرے میں نت نیا اضافہ ہو رہا ہے۔

جناب شریف کنجاہی کنجاہ سے تعلق کے باعث ایک طرف غنیمت کنجاہی کی روایات کے زیر اثر شعر و ادب کی ایک بڑی شخصیت رہے ہیں تو دوسری طرف گزشتہ دو تین دہائیوں میں ان کے درجن بھر علمی کاموں کی خاصی پذیرائی ہوئی ہے۔ اچھوتے اور چونکا دینے والے موضوعات کے ساتھ انہوں نے پنجابی' اُردو اور انگریزی زبانوں میں ہمارے لیے ایک مفید اور کارآمد تاریخی ورثہ چھوڑا ہے جس کی بنیاد پر مطالعہ گجرات کے کام کو آگے بڑھانے میں مدد مل سکتی ہے خصوصاً ''تاریخ گجرات اور لفظوں کی عینک'' اور ''ساہواں داویزہ'' ان کے آخری بڑے کام ہیں۔

اسی طرح پروفیسر حامد حسن سید نے چند سال قبل زمیندار کالج کے پچاس سالہ سفر کو اپنے تخلیقی ذہن کے ساتھ ایک دستاویز کے طور پر محفوظ کیا تھا اسی طرح ان کے دیگر علمی کام بھی کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔المیر ٹرسٹ گجرات نے ان کی نصف درجن کتابیں جن میں سفرِ سادات' تاریخ ساداتِ گجرات' شریف کنجاہی کی پرورشِ لوح و قلم' نقوشِ فضل (گجراتی) اور حدیث کربلا شامل ہیں' شائع کر کے انھیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا ہے تاکہ گجرات کے حوالے سے علم کے پیاسوں کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔

تاریخ گجرات کے حوالے سے بالعموم اور اس خطے کے روحانی ارتقا کے پہلو سے بالخصوص جناب ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی سترہ کتابیں ایک نیا اور اہم اضافہ ہیں جنہوں نے کئی مباحث کو جنم دیا ہے' خصوصاً نوگزی قبروں کے حوالے سے ان کی درجن بھر کتابیں' ایک طرف ان کے تحقیقی شوق اور وجدان کا اظہار ہیں کہ کس طرح انہوں نے پاکستان' خصوصاً گجرات کے چپہ چپہ پر خود جا کر اس روحانی ورثے کی حقیقت جاننے کی کوشش کی ہے تو دوسری طرف ان کے نقادوں خصوصاً پروفیسر حامد حسن سید کے تنقیدی کام کو بھی توجہ اور علمی پیرائے میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔تباہ شدہ بستیوں اور گجرات کے دیہات کی تاریخی قدامت کے حوالے سے انہوں نے تن تنہا اتنا کام کر دیا ہے کہ اس پر برسوں بحثیں جاری رہ سکتی ہیں۔ ہمارے تمام تر اختلاف کے باوجود ان ضخیم جلدوں کی اہمیت کو کم نہیں کیا جا سکتا اور گجرات کی تاریخ نویسی یا دوسرے لفظوں میں گجرات شناسی کے کام میں حاجی محمد زمان کھوکھر اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ نے گزشتہ پندرہ سولہ برسوں میں چونکا دینے والے بڑے کام کیے ہیں۔نئی نسل میں گجرات شناسی کے حوالے سے اگر انھیں تاریخ کا سب سے سنجیدہ طالب علم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی معروف ترین کتابوں میں ''خفتگانِ خاکِ گجرات'' اور ''اقبال اور گجرات'' اس سنجیدگی کا عملی اظہار ہیں اور اپنے کام کو وہ جہاں تک لے آئے ہیں' اس سے کہیں آگے کے کام ابھی منتظرِ اشاعت ہیں۔ان کی مطبوعہ کتب میں ''احوال و کلام مولوی نور الدین انور''۔ ''گجرات کے پنجابی نعت گو شعراء''، ''پیر فضل گجراتی: حیاتی تے باقی کلام'' گجرات کی ادبی تاریخ کے حوالے سے بہت اہم ہیں اور ان کی کتابوں سے استفادہ کیے بغیر گجرات کی ادبی تاریخ کا کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ان کے غیر مطبوعہ کاموں میں'' گجرات دے پنجابی لکھاری''۔ ''تیرا ذکر کس نے چھیڑا'' (منتخب کلام عاصی رضوی)۔'' محمد بوٹا گجراتی: حیاتی' کتاباں تے پنج گنج'' اور ''وفیاتِ مشاہیر گجرات'' شامل ہیں جو اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ان کی بعض دوسری غیر مطبوعہ کتابوں میں ''اہلِ گجرات کی مطبوعہ کتب'' اور ''مشاہیر گجرات'' شامل ہیں جو انسائیکلو پیڈیائی اہمیت کی حامل ہیں۔

ریاض مفتی گجرات کی وہ علمی اور ادبی شخصیت ہیں جنہیں ایلیٹ کی کتاب کو اُردو کا جامہ پہنا کر اُردو داں طبقے کو ایک اہم انگریزی ماخذ تک رسائی دی۔یہی نہیں گجرات کی اہم شخصیات پر ان کے اپنے تین درجن سے زائد علمی اور ادبی مضامین ان کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ گجرات بار تاریخ و تذکرہ بھی ان کی یادگار ہے۔

نوجوان انقلابی محقق افتخار وڑائچ کالروی نے لوگوں کو حیران بھی کیا ہے اور پریشان بھی۔2009 میں آنے والی ان کی آخری کتاب ''عاشق تے دریام'' اور نصف درجن کے لگ بھگ ان کی دوسری تحقیقی کتابیں جو حب وطن اور مزاحمت کے

Marfat.com

موضوع پر مقامی روایات کا انتہائی قیمتی مجموعہ ہیں' ہمارے لیے تحقیق و جستجو کے نئے دروازے کھولتی ہیں۔ کھلرے اکھر' دیس میراجی داراں دا' عجب آزاد مرد' گورپیا کوئی ہور' سرگزشت رفتگاں اور دھرتی لہو منگدی جیسی کتابیں قاری کے لیے خوشگوار حیرت کا اظہار ہیں۔ بعض معاملات پر ان سے اختلاف کے باوجود یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ عوامی روایات پر مبنی مواد کو سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے افتخار وڑائچ کالروی نے ہی محفوظ کیا اور ہم تک پہنچایا ہے۔

گجرات کے علمی و ادبی ورثے خصوصاً فارسی ادب کو محفوظ کرنے کے حوالے سے جناب عارف نوشاہی کے نام کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے متعدد دوسرے کاموں کے علاوہ ان کے تازہ ترین دو کام گلزار محبت (مثنوی غنیمت کنجاہی) اور رسائل غنیمت (نثری تحریریں) اسی سلسلے کی اہم کڑی ہیں جنھیں مرکز تحقیق و تالیف المیر ٹرسٹ لائبریری' گجرات نے پنجاب میں فارسی ادب کے سلسلہء کتب کے طور پر شائع کیا ہے اور جو گجرات شناسی کے حوالے سے ان کے دیگر علمی کاموں کی طرح بے حد اہم ماخذ ہیں۔

المیر ٹرسٹ کا ذکر آیا ہے تو ٹرسٹ کے روحِ رواں عارف علی میر ایڈووکیٹ کا ذکر کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا جہاں ٹرسٹ کی لائبریری گجرات اور اہلِ گجرات کے حوالے سے علم و ادب کا بہت بڑا مخزن ہے' اسی طرح ٹرسٹ کے مرکز تحقیق و تالیف کی شائع کردہ کتابیں بھی (جن کا ہدیہ صرف دعائے خیر ہوتی ہے) مدفون خزانوں اور ہم عصر حقیقتوں کا یکساں اظہار ہیں۔ عارف علی میر خود بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور المیر ٹرسٹ میں آنے والوں کی خدمت کے ساتھ ساتھ' خود اپنی تحقیق و تالیف میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ ان کی تازہ ترین تصنیف ''گجرات بار سے سپریم کورٹ بار تک'' آج کی زندہ سیاسی حقیقتوں کی ترجمان اور جراتِ اظہار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کی دیگر کتب میں تاریخ جلالپور جٹاں' اپنی جگہ ایک بہت بڑا کام ہے اور گجرات کے اس تاریخی قصبے کے حوالے سے جتنا تحقیقی مواد دستیاب ہوسکتا تھا' اسے عارف علی میر نے اپنی کتاب کا حصہ بنا دیا ہے۔ 700 صفحات پر مشتمل یہ کتاب صرف جلالپور جٹاں کا احاطہ ہی نہیں کرتی بلکہ گجرات بلکہ پنجاب کی تاریخ کے بہت سے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ المیر ٹرسٹ کے مرکز تحقیق و تالیف کا کام جاری ہے۔

قیام پاکستان کے بعد تاریخ گجرات کے حوالے سے اہم کام 1993 میں سامنے آیا۔ یہ عبدالرحمان اور جیمز ویسکاٹ جونیر کی مشترکہ کتاب Pivot of the Punjab- The Historical Geography of Medieval Gujrat کے نام سے آئی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد جناب عبدالرحمان کی دوسری انگریزی کتاب Historic Towns of the Punjab 1997 میں شائع ہوئی جس میں ان کا ایک باب Gujrat:The Town that Akbar Built بھی شامل ہے۔ جناب عبدالرحمان کے اس کام کی نہ صرف بین الاقوامی سطح پر پذیرائی ہوئی ہے بلکہ اسے قومی سطح پر بھی بے حد سراہا گیا ہے۔ گجرات کے آثار قدیمہ کی جدید سائنسی توجیہہ کے اعتبار سے جناب عبدالرحمان کے کام کو سب پر سبقت حاصل ہے اور اسے مطالعہ گجرات کے حوالے سے اہم ماخذ کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

جنگ گجرات کے حوالے سے ایک فوجی افسر میجر معین کی کتاب Chillianwala:Some Aspects of Leadership ایک اہم مطالعہ ہے جس میں رام نگر' سعد اللہ پور' اور چیلیانوالہ میں ہونے والے معرکوں کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔ مصنف کی رائے میں لارڈ گاف کے سامنے برطانوی مملکت کے بچاؤ' استحکام اور توسیع کا نصب العین تھا۔ سکھ فوج کا اپنا کاز تھا۔ وہ اپنی آزادی اور خود مختاری کے لیے لڑ رہے تھے۔ وہ اپنے مذہب کے لیے لڑ رہے تھے۔ میجر معین سوال کرتے ہیں کہ وہ ہندوستانی سپاہی جو انگریزوں کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔ ان کا کاز' ان کا نصب العین کیا تھا؟ یہ سپاہی بعد میں برطانوی فوج کی ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے اور انہوں نے برطانوی امپائر کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد آنکھیں کھولنے والی نسلوں نے ان کے بہادرانہ کارناموں کو احترام کی نظر سے نہیں دیکھا۔ محض کرائے کے قاتل! احترام کے حقدار صرف وہ بہادر تھے جن کا کوئی نصب العین کوئی اعلیٰ آدرش تھا۔

گجرات پر غیر ملکی کاموں کے اعتبار سے ڈاکٹر بدھ پرکاش' پرکاش ٹنڈن اور کمول ابی کی کتابیں قابل توجہ ہیں۔ ڈاکٹر بدھ پرکاش نے قدیم پنجاب اور راجہ پورس کے حوالے سے تین کتابیں 1970 کی دہائی میں سامنے آئیں۔ ان کی کتاب راجہ پورس پنجابی اور اُردو میں بھی ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ ان کتابوں میں پہلی بار صرف یونانی ماخذوں پر اکتفا کرنے کی بجائے فارسی اور ہندی ماخذوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے خصوصاً شاہنامہء فردوسی کو دارا و سکندر اور سکندر و پورس کے معرکوں کے حوالے سے ایک تاریخی ماخذ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اسی طرح گجرات کے ٹنڈن خاندان کے چشم و چراغ پرکاش ٹنڈن کی انگریزی تصنیف ''پنجابی سنچری'' تقسیم پنجاب سے پہلے کے گجرات کے سماجی اور تہذیبی پہلوؤں کو

Marfat.com

اُجاگر کرتی ہے۔ کم وبیش سو صفحات میں پھیلا ہوا گجرات کا ذکر ''گجرات ہی میرا گھر ہے'' جیسے جذباتی فقرے سے شروع ہوتا ہے اور اس فقرے پر ختم ہوتا ہے ''کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے جا رہے ہیں۔''

تقسیم پنجاب سے قبل کے گجرات کو ایک غیر جانبدارانہ اور معروضی انداز میں دیکھنا ہو تو پرکاش ٹنڈن کی کتاب اس حوالے سے موزوں ترین کتاب جبکہ کنول ابی کی کتاب 'Discourse of Zindaginama:a semi-anthropological critique

تقسیم پنجاب سے قبل کے گجرات پر ایک اور اہم سماجی تجزیہ ہے۔ ادبی تنقید کی یہ کتاب دراصل گجرات سے تعلق رکھنے والی ہندی کی معروف ادیبہ کرشنا سوبتی کے خود نوشت سوانحی ناول ''زندگی نامہ'' کا محاکمہ ہے۔ ناول (جس کا اُردو اور پنجابی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے) کا ماحول 'تقسیم سے قبل کا گجرات' جلالپور صوبتیاں اور گجرات کے بعض دوسرے علاقوں کے گرد گھومتا ہے۔ 'زندگی نامہ' کا کینوس ''آگ کا دریا'' اور ''اداس نسلیں'' کی طرح وسیع بھی ہے اور گہرائی و گیرائی کا حامل بھی۔ 'زندگی نامہ' ایک کثیر المذاہب معاشرے کے سماجی تجزیے کے طور پر ایک اہم دستاویز ہے جس میں کہیں کہیں مصنفہ کی گجرات کے لیے تڑپ کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ میں اسے ناسٹلجیا نہیں کہوں گا بلکہ اسے وہ گہری وابستگی کہوں گا جو بظاہر اپنا وجود نہیں رکھتی لیکن اندر سے ٹوٹ کر بھی نہیں ٹوٹتی۔ اسی طرح ان کی ایک اور خود نوشت سوانحی تحریر 'سکہ بدل گیا' ایک افسانے کے طور پر سامنے آئی۔ اس میں بھی 'زندگی نامہ' کا وہی مرکزی کردار مصنفہ کی نانی 'شاہنی' ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ تقسیم کے بعد یہ بزرگ عورت یہاں سے نہیں جانا چاہتی لیکن جب خطرہ بڑھتا ہے تو وہ یہاں سے جانے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ بہت سی لٹیری نگاہیں اس کی دولت اور جائیداد پر ہیں اس لیے اس کی زندگی کو بھی خطرہ ہے۔ ایسے میں ایک مسلمان تھانیدار اس بزرگ ہندو خاتون کی حفاظت کے لیے اس کے گھر پہنچتا ہے لیکن شاہنی اس گھر سے ایک تنکا بھی اٹھائے بغیر چپ چاپ نکل جاتی ہے۔

کنول ابی نے 'زندگی نامہ' کو ایک جذباتی منظر نامہ کی بجائے ایک ٹھوس معروضی حقیقت کے طور پر دیکھا ہے۔ گجرات کو اس نظر سے دیکھنا ایک اچھوتا اور دلچسپ تجربہ ہے۔ مصنف کے لیے بھی اور اس کے قاری کے لیے بھی۔ تجزیہ کا اختتام بلھے شاہ کے سوال 'میں کون؟' پر ہوتا ہے۔۔ گجرات کے اس دور کے سماجی ڈھانچے اور مذہب' عورت کی دنیا (رضا و مزاحمت) اقتصادی ڈسکورس' تاریخی اور سیاسی ڈسکورس اور آخر میں 'میں کون؟' کے اہم مباحث تین سو سے زائد صفحات میں پھیلا کر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور میری رائے میں خاصی کامیاب کوشش ہے۔

4.8 گجرات اور متفرق تاریخی/ادبی کتابیں

قاضی فضل حق (1887-1939) کا نام پنجابی اُردو اور فارسی ادب کی تحقیق کے حوالے سے بیسویں صدی کی ابتدائی چار دہائیوں کا سب سے بڑا نام ہے۔ انہوں نے پیر محمد کی ''چٹھیاں دی وار'' مرتب کر کے 1925 میں شائع کی۔ یہ وار بعد میں کئی بار شائع ہوئی لیکن قاضی فضل حق کا دوسرا کام 'پنجابی دربار' سمیت مختلف رسائل میں چھپا تھا' کبھی بھی کتابی صورت میں مرتب اور مدون ہو کر سامنے نہ آ سکا۔ حالیہ برسوں میں ان کے صاحبزادے اور معروف محقق بذلِ حق محمود نے ان کے بکھرے ہوئے کام کو دو جلدوں ''پنجابی علم وادب میں مسلمانوں کا حصہ' (1000 تا 1300) اور مقالات پروفیسر خان صاحب قاضی فضل حق (فارسی' اُردو اور پنجابی ادب سے متعلق تنقیدی اور تحقیقی مقالات) مرتب کر کے اور انہوں نے ''چٹھیاں دی وار'' کا پہلا ایڈیشن پرانی کتابت میں بھی شائع کروایا ہے۔ ''چٹھیاں دی وار'' شائع کروایا ہے تو ہر طرح سے گجرات کے پنجابی ادب کا حصہ ہے کیونکہ وار کا شاعر پیر محمد بھی ضلع گجرات کا رہنے والا ہے اور خود قاضی صاحب کا تعلق بھی ضلع گجرات سے ہے۔

باقی دونوں کتابوں میں بھی شامل بیشتر مواد ضلع گجرات سے متعلق ہے مثلاً ضلع گجرات اور فارسی شاعری' چٹھیاں دی وار' اک لڑائی دا نظارہ' حافظ شمس الدین اور گجرات کے شعرا میں حبیب' خوشی محمد نور' غلام علی' عاقل' فرد فقیر' میاں واصل' غلام نبی' محمود سجن' نور جمال' میاں محمد' میاں محمد عالم' احمد یار' میاں غلام قادر' احمد اور پیر محمد کا تذکرہ و تعارف۔ گجرات کے پنجابی اُردو اور فارسی ادب کی تحقیق کے لیے قاضی فضل حق کی مذکورہ تینوں تصانیف اہم ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔

گجرات کی تاریخ کے حوالے سے اسحاق آشفتہ اور لیاقت علی شفقت کی مرتبہ کتاب ''گجرات کی بات'' میں ریاض مفتی کے تین مقالے' پروفیسر احمد حسین قلعداری کا مقالہ بابائے اُردو اور سرسید کے اہالیان گجرات سے مراسم' خود محمد اسحاق آشفتہ کے تین مقالے ''حرف بہ حرف گجرات''، ''نگر نگر گجرات'' اور ''اہلِ گجرات'' بابو غلام رسول ایڈووکیٹ کا مقالہ ''تاریخ ضلع گجرات'' ڈاکٹر مظفر حسن ملک کا مقالہ ''اقبال اور گجرات' اصغر علی گھرال کا مقالہ ''اہلِ گجرات کا مزاحمتی رویہ'' لیاقت علی شفقت کا مقالہ ''ضلع گجرات اعداد وشمار کے آئینے میں'' محمد شفیع جمیل کا مقالہ ''چھالیہ تاریخ کے آئینے میں'' اور حامد حسن سید کا مقالہ ''تین نارک'' گجرات کے سلسلے میں

Marfat.com

متنوع اور مفید مطالعے ہیں۔ یہ کتاب 1991 میں شائع ہوئی تھی۔ حال ہی میں چھپنے والی ایک اہم کتاب عکسِ گجرات (ارشد محمود رضا) ہے جس ارشد محمود رضا کے اپنے مقالات کے علاوہ ایم زمان کھوکھر' کمانڈر طیب' عارف علی میر' ملک نعیم' ڈاکٹر اظہر محمود چوہدری (تین مقالے) پروفیسر سید امتیاز حیدر شاہ' بشیر احمد بٹ' شیخ ابرار سعید اور ڈاکٹر رزاق احمد غفاری کی گرانقدر تحریریں شامل ہیں۔ آدھی کتاب تو خود ارشد محمود رضا کے مقالوں پر مشتمل ہے لیکن مذکورہ اہلِ قلم نے اپنا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ موضوعات میں تاریخ گجرات اور مورخین' مہاراجہ پورس' عسکری ہیروز' صوفیائے کرام کے مزارات' سوہنی مہینوال' اربابِ سیاست' گجرات کی صحافتی تاریخ' روپ وہار (شو بزنس) گجرات کے قلم کار' طبی سہولتوں کا ارتقا' تعلیمی اداروں کا ارتقا' گجرات پریس کلب' گجرات بار' گجرات چیمبر' فرنیچر سازی کا فروغ' گجرات کی صنعتیں' ظروف سازی (پاٹری) رفاعی ادارے' ممتاز تارکینِ وطن' ہوٹل اور ہال اور پراپرٹی ڈیلرز شامل ہیں۔ عکسِ گجرات اس ضلع کے بارے کسی بھی طرح کے تحقیقی کام کو آگے بڑھانے میں بے حد مفید اور مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔

تین مشترکہ مصنفین ملک افتخار احمد ایڈووکیٹ' محمد حنیف شیخ ایڈووکیٹ اور غفور اسلم کی تصنیف ''گجرات بار کی تاریخ'' 2000 میں شائع ہوئی تھی لیکن اس موضوع پر کام کرنے کے لیے اس کی اہمیت اب تک مسلم ہے۔ خصوصاً وکلاء کے قلمی خاکے محققین کے لیے مفید اور کارآمد ہیں۔ کنجاہ کے محمد افضال رانجھا کی کتاب ''پہچان'' کنجاہ میں مزارات اولیا' مذاہب' برادریاں' محلے گلیاں' چوک' پرائیویٹ ادارے' سرکاری ادارے' پٹوار خانہ' بلدیہ کنجاہ اور یونین کونسل کنجاہ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ کنجاہ کی دوسو کے لگ بھگ شخصیات کے خاکوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ غنیمت کنجاہی اور شریف کنجاہی کے علاوہ اس مردم خیز قصبے سے بہت سی دوسری شخصیات نے بھی اپنی پہچان کرائی ہے۔

غنیمت کنجاہی کے حوالے سے بہت سا قابلِ قدر مرتب ہوکر شائع ہو چکا ہے۔ اس میں جناب شرافت نوشاہی' جنہوں نے حضرت نوشہ گنج بخش کے بعد غنیمت کنجاہی پر بڑا قابلِ قدر کام کیا ہے۔ سب کے سامنے ہے۔ مرکزِ تحقیق و تالیف' المیر ٹرسٹ لائبریری' گجرات کی جانب سے ڈاکٹر انجم الرشید اور ڈاکٹر محمد صابر کی مشترکہ طور پر مرتب کی گئی کتاب ''غنیمت کنجاہی'' شاعر کے احوال' اشعار اور تصانیف پر منتخب تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے۔ مقالہ نگاروں میں صادق علی دلاوری' پروفیسر غلام ربانی عزیز' شیخ اکرام الحق' ڈاکٹر گوہر نوشاہی' سید شرافت نوشاہی اور ڈاکٹر ظہور الدین احمد کے نام نامی شامل ہیں۔ ایک فارسی مقالہ} محمد ظفر خان کا بھی شامل ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں غنیمت کنجاہی کی مطبوعہ تصانیف میں چھپنے والے تعارف اور تبصرے ہیں جو محمد عبداللہ چغتائی' پروفیسر شریف کنجاہی' ۔۔۔ ظفر خان' سید نور محمد قادری' پروفیسر انور مسعود اور عارف نوشاہی کے تصنیف کردہ ہیں۔ کتاب کا تیسرا حصہ غنیمت کنجاہی کی غزلیات اور مثنویوں سے منتخب کلام ہے جبکہ کتابیات کے حصے میں شبانہ شریف ملک کی مرتبہ کتابشناسی غنیمت کنجاہی قابلِ ذکر ہے۔

4.9 لوک ورثہ سے متعلق تحقیق اور تنقیدی کام: ایک تعارف

ہم نے گزشتہ صفحات میں جن کتابوں کا ذکر کیا' گجرات کے بارے میں اس سے کہیں زیادہ لکھا اور شائع کیا جاچکا ہے۔ ضلع اور تحصیل ہی نہیں بلکہ دیہی سطح پر بھی لوگ کام کر رہے ہیں اور اس کی اشاعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔ مثلاً میانہ گوندل (موجودہ تحصیل ملکوال' ضلع منڈی بہاوالدین) میں خواتین کے اختیار اور ان کی اقتصادی صورت حال کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ایک طالبہ امت الحفیظ' جس کا تعلق میانہ گوندل کے پڑوسی موضع وڑیائیت سے ہے۔ ایس ڈی پی آئی سے ایک ورکنگ پیپر شائع کرواچکی ہیں۔ خود ان دیہات میں کئی نوجوان ثقافتی ورثے اور لوک دانش کے حوالے سے مفید کام کر رہے ہیں چھوٹے چھوٹے کتابچے (Chapbooks) تو سیکڑوں کی تعداد میں چھپتے اور بکتے رہے ہیں۔ اس لیے جن کتابوں کا ہم نے ذکر کیا ہے' انھیں نمونے کی فہرست کے طور پر دیکھنا چاہیے اور جن اہلِ قلم خواتین و حضرات کی کاوشیں اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں' وہ یقین کر لیں کہ ان کتابوں تک دسترس اور رسائی نہ ہونے کے باعث وہ مذکور نہیں ہوسکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے کوشش کی ہے کہ گجرات کے مختلف پہلوؤں پر یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقالوں اور لوک ورثہ کے موضوع پر غیر مطبوعہ تحریروں تک بھی رسائی حاصل کریں۔ ان میں سے نمونے کے چند مطالعے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ احمد سلیم — ضلع گجرات کا ایک گاؤں نوشہرہ شریف

۲۔ احمد سلیم — انگریزی قبضے کے وقت دریائے چناب کے کنارے آباد چند شہر

۳۔ تنویر بخاری — راس' نقلاں (گجرات والا حصہ)

۴۔ عبدالغفور درشن — چناب کے ملاح اور ان کے گیت

Marfat.com

۵۔ خالد ہمایوں — تحصیل گجرات دا لوک ادب

۶۔ احمد سلیم — میلہ چھپار پیر

۷۔ اکرام خان — گجرات کا ایک لوک شاعر

۸۔ شارب — پنجاب کی باریں (گوندل بار والا حصہ)

9- Farhat Iftikhar Gil, Shah Dola Gujrati

10- Safia Yusuf, Cultural Survey of the villages Baarmusa & Busal

11- Huma Qaisrani, The role of the River Chenabin Folk Romances of the Punjab

۱۲۔ محمد اکرم — ماہیا۔ جھلے خیال

حوالہ جات

* Abdul Rehman, James L. Wescoat Jr. Pivot of the Punjab. The Historical Geography of the Medieval Gujrat, Dost A ssociates, Lahore, 1993

* کیپٹن اے۔سی۔ایلیٹ (ترجمہ واضافہ ریاض مفتی) گجرات عہد بہ عہد گجرات 1997

*عارف علی میر تاریخ جلال پور جٹاں گجرات المیر ٹرسٹ 2002

* میر وارث علی سیفی واقعاتِ درّانی پنجابی ادبی اکادمی لاہور 1993 پیش لفظ ڈاکٹر محمد باقر

* بوٹے شاہ (ترجمہ منشی بہلول) پنجاب دی جغرافیائی تواریخ لاہور 2000 (اولین اشاعت لدھیانہ مشن پریس 1850)

* Kirpal Singh, Charbagh-e-Punjab, by Ganesh Das, Proceedings of Punjab History Conference, Punjabi University Patiala.

* Ganesh Das (translated and edited by J.S Grewal & Indu Banga) Early Nineteenth Century Punjab, G.N.D University, Amritsar, 1975

* احمد حسین قریشی قلعداری احوال و آثار گجرات مشمولہ گجرات عہد بہ عہد (ترجمہ واضافہ ریاض مفتی) گجرات جولائی 1997

* گنیش داس (مدیران جے۔ ایس گریوال اندو بنگا مترجمین امرونت سنگھ موہن جیت سنگھ) انیسویں صدی دا پنجاب۔ چار باغ پنجاب وچوں لاہور 2005

* Sohan Lal Suri (tr.V.S.Suri) Umdat-ut-Tawarikh, Dafter II G.N.D University, Amritsar, 2002.

* مفتی علی الدین عبرت نامہ (ترتیب وتدوین ڈاکٹر محمد باقر) لاہور 1961 انگریزی تعارف

* بدھ پرکاش راجہ پورس پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ 1990

* جی محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں سلسلہ وار آٹھویں اشاعت گجرات 2002

* افتخار وڑائچ کالروی سرگزشت رفتگاں گجرات 2006

* ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ خفتگانِ خاکِ گجرات 1996

* امیر خسرو مفتاح الفتوح علی گڑھ 1954 صفحہ 22

* ابوالخیر رشید الدین فضل اللہ جامعۃ التواریخ قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور

* Madanjit Kaur, Some Sidelights on the personality Traits and the Internal Government of Mahraja Ranjit Singh through pandit Debi Prasad's Tarikh-i-Gulshan-i-Punjab, A Near contemporary Urdu source in proceedings of Punjab history conference, 15th session, March 13-15, 1981 Punjabi University Patiala.

* ڈاکٹر فوجا سنگھ (سنپادک) گلشن پنجاب ارتھات تاریخ پنجاب انوواد ہرمندر سنگھ کوہلی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ 2003

* فوجا سنگھ (سنپادک) رائے کالی رائے تلسی رام سیر پنجاب پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ

* مفتی غلام سرور صاحب قریشی لاہوری تاریخ مخزن پنجاب لاہور 1996

* پروفیسر تیج رام ایم اے سیر پنجاب یعنی جغرافیہ پنجاب دہلی و سرحدی صوبہ الہ آباد 1926 صفحات 42-43

Marfat.com

* رائے صاحب لالہ سوہن لال' جدید جغرافیہ پنجاب' دہلی وشمال مغربی سرحدی صوبہ' لاہور 1931
* عملی جغرافیہ پنجاب لاہور 1932 صفحہ 170

* Imperial Gazetteer of India, Punjab, vol. II, Lahore 1976 (calcutta 1908)

* پروفیسر احمد حسین قریشی' احوال وآثارِ گجرات' گجرات عہد بہ عہد'

* H.S Williamson, Punjab District Gazetteers, vol XXV- A, Gujrat District with Maps, Government printing Punjab Lahore, 1921.

* Miles Irving, I.CS, A list of Inscriptions on christian Tombs and Monuments in the Punjab, North West Frontier province, Kashmir and Afghanistan, Lahore, 1910.

* David Ross, The Land of the Fiver Rivers and Sindh, First Edition 1883, reprinted by Language Department Patiala, 1970.

* Malcolm Layall Darling, At Freedom's Door, Oxford University press, Geoffrey Cumberledge, 1949.

* Zekiye Eglar,A Punjabi village in Pakistn, columbia University press, New York, 1960, 2nd print

* Karim Nawaz, Gujrat perspective, District Administration (Basic Democracies Wing) Gujrat, 1963

* پروفیسر حامد حسن سید' آئینہ۔تاریخ وتذکرہ: زمیندار ڈگری کالج کے پچاس برس' گجرات 1989

* شیخ کرامت اللہ' آئینہ گجرات' جلد اول' گجرات 1977

* پرکاش ٹنڈن (ترجمہ رشید ملک) پنجاب کے سو سال' لاہور 1996 صفحہ 95

* ایم زمان کھوکر' گجرات تاریخ کے آئینے میں' گجرات' تیسرا ایڈیشن 2000

* افتخار وڑائچ کالروی' گورپیا کوئی ہور' کالرہ دیوان سنگھ' گجرات 2003

* عجب آزاد مرد' کالرہ دیوان سنگھ گجرات 2002

* L.M Joshi (Ed) Fauja Singh (Gen Ed) History of the Punjab volue First Punjabi University Patiala, 1977

* افتخار وڑائچ کالروی' عاشق تے دریام' کالرہ دیوان سنگھ' گجرات 2009

* عارف علی میر ایڈووکیٹ' گجرات بار سے سپریم کورٹ بار تک' المیر ٹرسٹ لائبریری' گجرات 2010

* Major Moin, Chillianwala, Lahore, n.d

* عقیل عباس جعفری' پاکستان کے سیاسی وڈیرے' لاہور 2007

* شریف کنجاہی' ساہواں داویزہ' المیر ٹرسٹ لائبریری' گجرات 2005

* ارشد محمود رضا' عکس گجرات' گجرات 2005

* Budha Prakash, Evolution of Heroic Tradition in Ancient Punjab, Patiala, 1971

* ڈاکٹر بدھ پرکاش' راجہ پورس' پورس دا اتہاس' پٹیالہ 1990

* عقیل عباس جعفری' پاکستان کی انتخابی سیاست' اسلام آباد 1996

* احمد سلیم' پاکستان کے سیاسی قتل' اسلام آباد 1998

* ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ' پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار اور خطہء یونانِ گجرات' گجرات 1998

* الحاج ایم زمان کھوکھر' گجرات کے دیہات

* Capt. A.C, Elliott, The chronicles of Gujrat Languages department Punja, Chandigarh, 1970
* ڈاکٹر محمد رشید' ڈاکٹر محمد صابر (ترتیب) غنیمت کنجاہی' المیر ٹرسٹ لائبریری' گجرات 2009

* عقیل عباس جعفری' پاکستان کرونیکل' کراچی 2010

Marfat.com

دوسرا باب

تاریخ، لوک ادب اور سماج

حصہ اول: مطبوعہ و غیر مطبوعہ مطالعے

حصہ دوم: لوک ورثہ

Marfat.com

گجرات: تاریخ' لوک ادب اور سماج کے حوالے سے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مطالعے

1- اقبال اور گجرات

کسی مشکل موضوع پر کام کرنے کی بات ہو تو ڈاکٹر منیر سلیچ کا نام سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے۔ جن دنوں راقم الحروف نے 'فیض اور گجرات' کے حوالے سے ایک چھوٹی سی تحقیق کے بارے میں سوچا تو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کے لیے دس سال کی مشقت' مستقل مزاج احباب کا عدم تعاون' لائبریریوں کے دھکے اور فیض کے ساتھ ساتھ گجرات کے بارے میں گہری پہچان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جلد ہی ابتدائی کام کو ایک طرف رکھ دینا پڑا لیکن ڈاکٹر سلیچ نے اقبال کے حوالے سے اس مشکل کام کو جس طرح سرانجام دیا وہ انھی کا حصہ ہے۔ درجن بھر اعزازات اور کم و بیش اتنی ہی کتابوں کے مصنف نے اقبال اور گجرات کے ساتھ اپنا نام بھی امر کر لیا ہے۔

جہاں تک اس کام کی راہ میں آنے والی مشکلات کا تعلق ہے' ڈاکٹر سلیچ نے ان کی چنداں پروا نہیں کی۔ وہ دس سال تک اپنی دھن میں لگے رہے۔ ان کے اپنے لفظوں میں "قطرے سے گہر ہونے تک جو مراحل طے کرنے پڑے' اُن کی تفصیل زیادہ اہم نہیں بس اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ کتاب کسی بڑی لائبریری کے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر نہیں لکھی گئی بلکہ قلم کے ساتھ ساتھ قدم کی حرکت سے بھی کام لیا گیا۔" رفیع الدین ہاشمی نے اس کتاب کے دائرہ تحقیق کو محدود کہا ہے۔ اس کی انہوں نے جو تشریح اور وضاحت کی ہے' اسے کم از کم اس کتاب کی حد تک منصفانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ 'محدود' کا ایک مفہوم غیر اہم بھی ہے' جو اس کتاب کے پھیلاؤ اور گہرائی و گیرائی سے قطعاً میل نہیں کھاتا۔ ایسا "محدود" کام تو شاید کوئی "اقبال اور سیالکوٹ" یا "اقبال اور لاہور" کے حوالے سے بھی نہ کر پائے۔

زیر نظر مطالعہ اقبال کے گجرات سے تعلق تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کی ہمہ جہت ذاتی' ادبی اور سیاسی زندگی کے متعدد پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے۔ اقبال سے محبت کے باوجود پوری کتاب میں "اقبال پرستی" کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ اس ضمن میں انہوں نے "تقلید کی بجائے تحقیق کا راستہ بہتر" سمجھا ہے۔ چھ ابواب اور چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب اقبال کے حوالے سے نئے دریچے کھولتی اور بیان کو وسعت بخشتی ہے۔

پہلے باب میں اقبال کے بزرگوں اور گجرات سے ان کے تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں 'اقبال کا مرشد خانہ' کے عنوان سے نئے حقائق سامنے لانے کی کوشش کی گئی اور مستند حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اقبال نے حضرت قاضی سلطان محمود کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ تیسرا باب' خود مصنف کے بقول انتہائی اہم ہے اور میری دانست میں پوری کتاب کی جان ہے۔ اقبال کی پہلی شادی گجرات میں ہوئی تھی۔ اس موضوع پر وہ اور بھی تفصیل سے بات کر سکتے تھے مگر "شخصیت پرستی" آڑے آ گئی۔ جہاں تحقیق بھی تقلید کی بنیاد پر کی جاتی ہو وہاں ڈاکٹر سلیچ اور کتنی کھل کر بات کر سکتے تھے۔ فیض نے دعا کی تھی۔

جن کا دیں پیرویٔ کذب و ریا ہے ان کو
ہمتِ کفر ملے' جراتِ تحقیق ملے
جن کے سر منتظرِ تیغِ جفا ہیں' ان کو
دستِ قاتل کو جھٹک دینے کی توفیق ملے

تیسرا باب پڑھتے ہوئے قدم قدم پر فیض کے یہ شعر یاد آتے ہیں۔ یہ بھی ڈاکٹر سلیچ کا اعزاز ہے کہ وہ فیض کے تصورِ تحقیق کے معیار پر پورے اترے ہیں۔

چوتھا باب اقبال کے قریبی احباب' وسیع تر حلقۂ احباب' واقف کاروں اور ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کی اقبال سے ملاقاتیں رہیں۔ چار حصوں میں یہ باب خود اپنی جگہ ایک الگ کتاب کا موضوع ہے اور مصنف سچ مچ دریا کو کوزے میں بند کرنے پر مجبور نظر آتا ہے کس کس کا نام لیں: چوہدری خوشی محمد ناظر' سید عطاء اللہ شاہ بخاری' پروفیسر قاضی فضل حق' پیر تاج الدین' میاں محمد بوٹا گجراتی' فیروز الدین نگین' سر فضل علی' پیر نیک عالم' ڈاکٹر شیخ محمد عالم اور دائم اقبال دائم تو احبابِ اقبال کی طویل فہرست میں سے محض چند نام ہیں۔ اسی باب کے آخری حصے میں مصنف نے ماسٹر طالع محمد اور چوہدری محمد احسن کا بھی ذکر کیا ہے' جن کی اقبال کے ساتھ خط و کتابت رہی۔

'اقبال شناسی میں گجرات کا کردار' اس کتاب کا پانچواں باب ہے اور اپنی جگہ پر ایک الگ کتاب کا متقاضی۔ یہ باب بھی چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے

Marfat.com

میں ان شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے اقبال کو اُردو، فارسی، انگریزی اور پنجابی زبان میں ترجمہ کیا اور جن میں نمایاں ترین نام پروفیسر شریف کنجاہی، ڈاکٹر آفتاب اصغر، ڈاکٹر احمد حسین قریشی، محمد رمضان تبسم قریشی، مفتی حمید اللہ اور ملک اشرف کے ہیں۔

اس باب کا دوسرا حصہ اقبال پر تحقیقی کام کرنے والے گجراتیوں سے عبارت ہے۔ اس میں شیخ عطاء اللہ، پروفیسر ملک محمد اختر، مولوی محمد اختر، حکیم آفتاب احمد قریشی، صفدر میر، شیر محمد اختر، پروفیسر محمد سرور جامعی، پروفیسر احسان اکبر اور سید اسعد گیلانی سمیت دو درجن شخصیات کے تحقیقی کاموں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس باب کا تیسرا حصہ 'مقلدین اقبال' کے ضمن میں ڈاکٹر محمد شجاع ناموس، پروفیسر محمد اکبر منیر، سید انور کرمانی اور محمد حسین شوق جیسے بزرگوں کے کلام کا تعارف ہے جس نے اقبال کا شعری اثر قبول کیا اور بعض تو اقبال کے رنگ میں پوری طرح رنگ گئے۔

اس باب کا چوتھا حصہ ان جرائد و رسائل اور بزم ہائے اقبال سے بحث کرتا ہے، جن کا تعلق ضلع گجرات سے رہا۔ ان میں سب سے اہم جریدہ پنڈی بہاؤالدین سے نکلنے والا ماہنامہ ''صوفی'' تھا جس میں اقبال کی شاعری باقاعدگی سے شائع ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ 1912 سے شروع ہو کر 1931 تک جاری رہا۔ 1931 میں اقبال کا خطبہء الٰہ آباد اپریل 1931 کے شمارے میں، جریدہ کے مدیر و مالک ملک محمد الدین کی خواہش پر اُردو ترجمے کی صورت میں شائع ہوا۔ جامعہ ملیہ دہلی کے استاد سید نذیر نیازی نے اقبال کی خوبصورت انگریزی کو اقبال جیسی ہی خوبصورت اُردو میں منتقل کیا۔ اسی طرح زمیندار کالج گجرات کے مجلّہ ''شاہین'' (1939 تا 1978) میں اقبال کی زندگی اور فکر وفن کے موضوع پر اُردو اور انگریزی میں درجنوں مقالے شائع ہوئے۔ ڈگری کالج برائے خواتین کے مجلّہ 'رخشاں' کے بعض شماروں اور 1977 کے 'اقبال نمبر' میں اساتذہ اور طالبات کے لکھے مقالات اور مضامین ابتدائی سطح کی تحریریں ہونے کے باوجود خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔

انٹر کالج گجرات کی بزم اقبال (قیام 1935) کے پہلے صدر ایک طالب علم میاں اعجاز نبی تھے۔ 1937 میں یہ کالج بند ہو گیا۔ 1938 میں زمیندار کالج قائم ہوا تو اس کے پہلے مستقل پرنسپل ڈاکٹر جہانگیر خان نے 1939 میں بزم اقبال کی بنیاد رکھی۔ اس سے قبل اقبال کی وفات کے چند ماہ بعد زمیندار سکول میں بزم اقبال قائم ہو چکی تھی۔ 'بزم' کے تحت ہر سال ہفتہ اقبال منایا جاتا جس میں مضمون نویسی، مشاعرہ، بیت بازی اور تقاریر بھی کچھ ہوتا۔ زیر نظر باب اپنے طور پر ایک مکمل کتاب میں پھیلایا جا سکتا ہے لیکن مصنف غالباً یہاں بھی اسے ایک باب میں سمونے پر مجبور نظر آتا ہے۔

کتاب کا چھٹا اور آخری باب گجرات کے ان شعرائے کرام کے کلام کے نمونوں پر مبنی ہے جن میں اقبال کی وفات کے موقع پر یا اس کے بعد اظہارِ عقیدت کیا گیا ہے۔ ان میں خوشی محمد ناظر، محمد رمضان تبسم قریشی، عبدالطیف عارف، شیخ ممتاز فاروقی اور ساقی گجراتی جیسے شعراء کے نام شامل ہیں۔ یہ منظومات اُردو فارسی اور پنجابی زبانوں میں لکھی گئیں۔

(احمد سلیم)

2- انگریزی قبضے کے وقت دریائے چناب کے کنارے آباد چند شہر

یہ مختصر تحقیقی مقالہ لوک ورثہ اسلام آباد کی جانب سے 1972 میں لکھا گیا تھا جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ یہ تحقیق بوٹے شاہ کی فارسی تصنیف جس کا پنجابی ترجمہ بہلول نے کیا تھا اور جسے لدھیانہ مشن پریس نے 1849 میں شائع کیا تھا، پر مبنی ہے جسے اس دور میں لوک ورثہ سے وابستہ پنجابی ادیب وشاعر احمد سلیم نے مرتب کیا تھا۔ اس موضوع پر کام کرنے کا محرک ان کا خود گجرات سے تعلق تھا۔ یہ مختصر سا کتابچہ پورے دریائے چناب کے کنارے آباد شہروں اور قصبوں کا احاطہ نہیں کرتا اور جنوبی پنجاب میں دریائے چناب کے کنارے موجود بستیوں کا ذکر کیے بغیر بنیادی طور پر ضلع گجرات اور اس کے قرب و جوار کی آبادیوں کا، جو دریائے چناب کے کنارے واقع ہیں کے ذکر تک محدود رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دوآبہ چج، جو چناب اور جہلم سے مل کر بنتا ہے کے اکیس پرگنوں کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ بوٹے شاہ نے تاریخ پنجاب لگ بھگ 1842 میں فارسی زبان میں تصنیف کی تھی۔ بوٹے شاہ لدھیانہ کے ریذیڈنٹ کا منشی تھا اور اسی کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ اس کے مقدمہ کا پنجابی ترجمہ بہلول نے کیا تھا۔ بہلول کا تعلق بھی ریذیڈنٹ لدھیانہ سے تھا۔ اب تک اس کتاب کا مقدمہ اور وہ بھی پنجابی ترجمے کی صورت میں شائع ہو سکا ہے۔ مقدمہ پنجاب کے جغرافیائی اور طبعی ماحول کا احاطہ کرتا ہے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دوآبے کی بستیوں کا احوال انیسویں صدی کے پہلے پچاس برسوں سے عبارت ہے۔ احمد سلیم نے 21 پرگنوں میں سے صرف 10 بستیوں کا انتخاب کیا ہے جس کے بعض اقتباسات پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں ضلع گجرات اور اس کے بعض دوسرے شہروں کا ناک نقشہ کیا تھا۔ آبادی کتنی تھی گھر کتنے تھے اور دکانیں کتنی۔ ہم یہاں صرف گجرات، کنجاہ اور جلالپور جٹاں کے کوائف کا ذکر کریں گے۔

Marfat.com

گجرات

مصنف کے مطابق گجرات اکبر بادشاہ کا آباد کردہ شہر ہے۔اس شہر کا اپنا الگ ہی پرگنہ ہے۔شہر کے اندر ایک قدیم اور پختہ قلعہ ہے۔ قلعے کے اندر سکھوں نے اپنے لیے گھر بنا لیے ہیں۔سکھوں نے اس شہر کو بے حد لوٹا ہے۔اس وقت (لگ بھگ 1840-42) اس شہر کے تین ہزار گھر اور دوسو دکانیں ہیں۔شہر سے باہر مشرق کی جانب شاہدولہ کی خانقاہ ہے۔اس کے گرد مزارعین کے گھر ہیں۔شہر سے وزیر آباد کا گھاٹ پانچ کوس اور دریائے جہلم کا گھاٹ پچیس کوس ہے۔

کنجاہ

کنجاہ دریائے چناب سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہے جس میں تین ہزار گھر اور دوسو کے قریب دکانیں ہیں۔فارسی کے مشہور شاعر غنیمت کنجاہی یہیں کے رہنے والے تھے۔ یہ شہر اب پہلے سے زیادہ آباد ہے کیونکہ دیوان محکم چند کے بیٹے موتی رام نے اپنے رہنے کے لیے وہاں خوبصورت حویلیاں بنوائی ہیں۔شہر کے مشرق جانب ایک باغ اور جنوب کی طرف سیڑھیوں والا کنواں ہے۔

جلالپور جٹاں

گجرات سے پانچ کوس کے فاصلے پر قصبہ جلالپور، وڑائچ گوت کے جاٹوں کا آباد کردہ ہے۔اس کی عمارتیں کچی ہیں لیکن آبادی کے باعث رونق بہت ہے۔اس وقت دو ہزار گھر اور سو دکانیں آباد ہیں۔شہر کے اندر، حاکم شہر کے رہنے کے لیے ایک خوبصورت پختہ حویلی بنی ہوئی ہے۔چوہدریوں کے گھر بھی پختہ بنے ہوئے ہیں۔حال ہی میں چونے کی ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے۔(1840-42)

جلالپور سے آدھ کوس کے فاصلے پر اسلام گڑھ کا قلعہ چوہدری رحمت خان وڑائچ کا بنایا ہوا ہے۔اس قلعے کے اندر تھوڑی سی آبادی اور ایک بڑی کشادہ مسجد تھی، جواب ویران پڑی ہے۔ (ڈاکٹر شائستہ نزہت)

3- اے پنجابی ویلیج ان پاکستان (پاکستان کا ایک پنجابی گاؤں)

قیام پاکستان کے بعد گجرات سٹڈیز کے ضمن میں جو سب سے پہلے اور سب سے اہم کتاب لکھی گئی، وہ ترک سکالر ذکیہ ایگلر کی مذکورہ بالا کتاب تھی جس نے گجرات شناسی کے نئے در وا کیے اور علمی تحقیق کا ایک ایسا معیار قائم کیا جسے پاکستان تو کیا، خود اہل گجرات میں سے ابھی تک کوئی نہیں چھو سکا۔

مغرب میں کسی ایک گاؤں کو لے کر، تحقیق کی اتنی بڑی عمارت کھڑی کرنے کی یہ ایک بھرپور مثال تھی۔ یہ کہانی گجرات کے ایک چھوٹے سے گاؤں موہلہ کے گرد گھومتی ہے جو ہمارے عہد کے ایک بڑے پنجابی قلم کار سجاد حیدر کا گاؤں بھی ہے۔ یہ ایک منفرد مطالعہ تھا جو ایک خاتون ماہر انسانیات نے ہزاروں میل دور سے آ کر اور کئی سال موہلہ کے لوگوں کے درمیان رہ کر کیا۔ ذکیہ ایگلر کے لیے یہ اس لیے ممکن ہو سکا کہ وہ خود ایک مسلمان خاتون تھیں اور مسلمان دیہاتی خواتین کے درمیان رہنے میں ان کے لیے مذہبی اعتبار سے کوئی مشکل نہیں تھی۔

یہ مطالعہ 1949-55 کے درمیانی برسوں میں کیا گیا جب ضلع گجرات پنجاب کا انتہائی پسماندہ ضلع ہونے کے باعث ہر قسم کی جدت اور ترقی سے کوسوں دور تھا۔ضلع گجرات ہی کیا، خود پاکستان ابھی بننے کے عمل میں تھا۔زمیندار کالج محض ایک قصباتی تعلیمی ادارہ تھا۔اس اعتبار سے 'موہلہ' دیہی آبادی کی ایک کلاسیکی مثال تھا۔ گاؤں کے روایتی خدوخال واضح کرتے ہوئے مصنفہ قدیم سے جدید میں اس کے عبور کو بدلتی ہوئی دنیا کے تناظر میں دیکھتی ہیں۔ مارکس کے کلاسیکی ہندوستانی خودکفیل گاؤں پر بیرونی اثرات کا عمل دخل شروع ہو گیا تھا اور موہلہ بھی اس کی ایک مثال تھا گاؤں اپنے اندر ایک چھوٹی سی جمہوریہ ہونے کے باوجود آئین سے محروم ایک نو آزاد پاکستان پر پڑنے والے جمہوری اثرات کی زد میں تھا۔

ذکیہ ایگلر اپنے مطالعے کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ پہلے کے پہلے باب میں وہ گاؤں کے محل وقوع، سفری راستوں، پڑوس میں آباد دوسرے دیہات اور ان دیہات کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالتی ہیں۔موہلہ گجرات اور وزیر آباد کے درمیان واقع ہے۔گاؤں کے مشرق میں ریل کی پٹڑی اور جی ٹی روڈ آمنے سامنے گزرتی ہیں۔گاؤں کے جنوب مغرب میں دریائے چناب بہتا ہے جو موہلہ سمیت اردگرد کے دیہات میں سیلاب کے ریلے لاتا ہے۔اگر ہم لاہور سے گاڑی میں بیٹھیں (یہ 1950 کی دہائی کا ذکر ہے) تو وزیر آباد کے بعد ہم کٹھالہ سٹیشن پر اتر جائیں گے۔ یہاں بسوں کا اڈہ بھی ہے۔سڑک کے پار کٹھالہ گاؤں آباد ہے۔مغرب کی جانب اجاڑ زمینوں سے گزر کر درختوں اور کچے گھروں میں گھرا موہلہ دکھائی دیتا ہے۔ سٹیشن سے پیدل چلیں تو کچی سڑک کے راستے ہم بیس منٹ میں موہلہ پہنچ جائیں گے۔1951 کی مردم شماری کے مطابق اس وقت گاؤں کی آبادی 350 تھی اور اگر اردگرد کے دیہات سے آنے جانے والوں اور ان کے ڈیروں کو بھی شمار کیا جائے تو یہ تعداد 1500 سے اوپر چلی جاتی ہے۔

Marfat.com

موہلہ کے اردگرد تین چار گاؤں اکٹھے واقع ہیں۔اور ہمارے تجربے میں گُرالی،سماں لہندا،دھیر کے اور نکا دھیر کے اور لہندا موہلہ جیسی آبادیاں آتی ہیں۔دھیر کے اور موہلہ کے درمیان شادی بیاہ سمیت قریبی لین دین اور روابط ہیں۔مثلاً بھینس خریدنے کے لیے وہ دور کی منڈیوں میں جانے کی بجائے آپس میں اس طرح کی خرید وفروخت کر لیتے ہیں۔اس کے انھیں کئی فائدے ہوتے ہیں۔ایک تو سودا ادھار میں مل جاتا ہے۔دوسرے اس میں کسی دھوکے کا خطرہ نہیں ہوتا۔اگر ایسا ہو بھی جائے تو دونوں گاؤں کے بڑے تصفیہ کرادیتے ہیں۔

ذکیہ اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں۔دھیر کے کے ایک شخص نے موہلہ کے ترکھان سے ایک بھینس خریدی۔قیمت کی ادائیگی کچھ عرصہ بعد ہونا تھی۔جب بھینس دھیر کے لے جائی گئی تو کچھ ہی عرصہ میں وہ بیمار پڑ گئی اور جلد ہی مر گئی۔بھینس کے خریدار نے دعویٰ کیا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔ترکھان کو بھینس بیچتے وقت معلوم تھا کہ وہ بیمار ہے پھر بھی اس نے کچھ بتائے بغیر اسے بیچ دیا۔اب وہ اس کی رقم ادا نہیں کرے گا۔وہ شخص سماں سے ایک زمیندار کو ساتھ لایا جس نے موہلہ کی ایک لڑکی سے شادی کی ہوئی تھی۔بنیادی سوال یہ تھا کہ کیا ترکھان کو بھینس بیچتے وقت اس کی بیماری کا علم تھا۔کافی بحث کے بعد اس نے اس کا اعتراف کر لیا۔فیصلہ ہوا کہ بھینس کی آدھی قیمت ادا کی جائے کیونکہ اسے خریدتے وقت دھیر کے کے شخص کو خود بھی اچھی طرح چھان پھٹک کر لینی چاہیے تھی۔

موہلہ کے لوگ ضرورت پڑنے پر دھیر کے سے گھی،انڈے اور مرغیاں وغیرہ خریدتے ہیں۔وہ مختلف موقعوں پر ایک دوسرے کی مدد کو بھی پہنچتے ہیں۔دھیر کے میں ایک حکیم ہے جس کے باعث موہلہ کے لوگ بھی علاج کے لیے آتے ہیں۔شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ ایک دوسرے کو چارپائیاں،بستر اور ضرورت کا دیگر سامان عاریتاً فراہم کر دیتے ہیں جب کوئی فوت ہو جائے یا کسی کی بھینس مر جائے تو دوسرے گاؤں کے لوگ اکٹھے ہو کر تعزیت یا ہمدردی کے لیے آتے ہیں۔سماں میں ایک پیر رہتا ہے۔موہلہ کے لوگ بھی دم دارو کے لیے اس کے پاس جاتے ہیں۔وہیں ایک مقدس تالاب بھی ہے۔ضلع بھر کی اولاد سے محروم عورتیں اس میں آ کر نہاتی ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ اس سے وہ صاحب اولاد ہو جائیں گی۔محرم کے مہینے میں گجرات سے ایک پیر موہلہ آتا ہے۔اردگرد کے دیہات سے تمام مرد،عورتیں،بچے،بوڑھے اس کا وعظ سننے کے لیے موہلہ میں جمع ہوتے ہیں۔

1953 میں موہلہ میں پہلا سکول ایک پرائمری سکول کھلا،جہاں موہلہ سمیت پڑوس کے پانچ دیہات کے سو کے لگ بھگ بچے زیر تعلیم تھے۔سکول کا ہیڈ ماسٹر جو ذات کا جولاہا ہے،آٹھ میل کی مسافت پر سماں میں رہتا ہے۔اس کا باپ کٹھالہ کی مسجد کا پیش امام ہے۔

سماں اور دوسرے قریبی گاؤں غازی چک سے عورتیں روزانہ تازہ سبزیاں لے کر موہلہ اور دیگر دیہات میں آتی ہیں۔موہلہ کا ایک شخص ان دیہات سے دودھ اکٹھا کر کے شہر جا کر بیچ آتا ہے۔اگر حکومت تک گاؤں کا کوئی معاملہ پہنچانا ہو،مچھلی پکڑنے کا لائسنس درکار ہو،پیدائش کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہو تو ایسے میں ایک پرھیا (مجلس) بلائی جاتی ہے جس میں اردگرد کے دیہات سے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کا شہر میں اثر ورسوخ اور تعلقات ہوں۔اس طرح مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ان دیہات میں باہمی آمدورفت عام ہے۔چاندنی راتوں میں لوگ ایک دوسرے کے گاؤں میں گپ شپ کے لیے جمع ہوتے اور رات گئے تک اکٹھے رہتے ہیں۔

موہلہ اور دھیر کے میں باہمی رشتے بھی ہوتے ہیں۔ان دنوں دھیر کے کی پانچ لڑکیاں موہلہ میں بیاہی ہوئی تھیں۔اسی طرح موہلہ کی تین لڑکیوں کی دھیر کے میں شادی ہوئی تھی۔یہ شادیاں ان دیہات کے باہمی تعلقات کو بہت خوشگوار رکھتی ہیں۔دونوں طرف کثرت سے آنا جانا رہتا ہے۔کبھی کبھار اُدھالے بھی ہو جاتے ہیں۔اس سلسلے میں ذکیہ ایگلر نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔دھیر کے کے ایک ترکھان کی بیٹی لہندا موہلہ کے ایک لوہار کے ساتھ نکل گئی۔ترکھان اور اس کے رشتہ داروں نے بار بار لڑکی کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن لوہار نے ان کی ایک نہ سنی۔خود موہلہ کے لوگوں نے بھی اسے مجبور نہ کیا کہ وہ لڑکی کو واپس بھیج دے۔بالآخر دھیر کے والوں نے دھمکی دی کہ وہ موہلہ پر حملہ کرنے آرہے ہیں اور وہ بدلے میں لوہار کی بہن یا اس کے بھائی کی بیوی کو اٹھا کر لے جائیں گے۔دھیر کے موہلہ سے بڑا گاؤں تھا اس لیے لہندا موہلہ کے لوگ ڈر گئے۔وہ موہلہ خاص کے ایک بہت بڑے اور بااثر زمیندار کے پاس پہنچے۔ادھر دھیر کے سے سو مسلح افراد کا لشکر موہلہ پہنچ گیا۔موہلہ کے اس چوہدری کی ماں دھیر کے کی رہنے والی تھی۔چوہدری کے بھی اس گاؤں سے اچھے مراسم تھے۔اس نے ہجوم سے کہا کہ وہ اپنے نمائندے بھیجیں جن کے ساتھ وہ اور لہندا موہلہ کے دوسرے زمیندار بیٹھ کر بات کر سکیں۔پرھیا میں لوہار کے بھائی کو بھی بلالیا گیا۔اسے کہا گیا کہ اتنے دنوں میں لڑکی واپس چلی جانی چاہیے۔ضمانت کے طور پر اس نے اپنی بیوی کے زیورات،جن کی مالیت اس وقت چار سو روپے تھی،گاؤں کے ایک ذمہ دار زمیندار کے پاس جمع کروا دیے۔ترکھان کی بیٹی لوٹا دی گئی اور چند ماہ بعد اس لڑکی اور لوہار کی باقاعدہ شادی کر دی گئی۔اگرچہ مختلف ذاتوں کے درمیان باہمی شادیاں نہیں ہوتیں لیکن ترکھان اور لوہار کے پیشوں (اور طبقے) کی قربت کے باعث یہ شادی منظور کر لی گئی۔

Marfat.com

موہلہ سے گجرات اور وزیر آباد کا فاصلہ پانچ میل ہے۔گاؤں کے لوگ اکثر خریداری کے لیے ان شہروں خصوصاً گجرات جاتے ہیں۔گاؤں کے باہر چند ایک چھپڑ (گندے تالاب) موجود ہیں جہاں بھینسیں اور دوسرے جانور نہاتے اور پانی پیتے ہیں۔کبھی کبھار بچے بھی ان تالابوں میں نہاتے ہیں۔گاؤں کے باہر چاروں طرف' خصوصاً جنوب مغرب میں دریائے چناب کی طرف کھیت ہی کھیت ہیں۔انھیں اکثر دریا ہڑپ کر جاتا ہے لیکن لوگوں کی یہ امید کبھی نہیں مرتی کہ یہ دریا ایک دن ان کے کھیت زیادہ زرخیز مٹی کے ساتھ لوٹا دے گا جیسا کہ ماضی میں بھی ہوتا رہا ہے۔

گاؤں کے اس ڈھانچے پر ذکیہ ایگلر نے اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے اور اسے اڑھائی سو صفحات تک پھیلا دیا ہے۔سب سے پہلے وہ گھروں کی ساخت اور ہیئت کا تجزیہ کرتی ہیں۔ایک گھر کا احاطہ کئی خاندانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔''وہیڑے'' یا احاطے میں ہر خاندان کا اپنا چلھا (چولہا) ہوتا ہے اور یہ چولہا یا باورچی خانہ بھی کھلے آنگن میں ہی ہوتا ہے۔جتنے چولہے' اتنے گھر۔1950 کی دہائی کا یہ منظر نامہ اب کہیں خال خال ہی نظر آتا ہے۔بھینسوں یا دوسرے جانوروں کا واڑہ بھی آنگن میں ہی ہوتا ہے۔احاطے میں ہی ان کے لیے ایک کمرہ سا ہوتا ہے۔سردیوں میں مال ڈنگر اس کمرے میں باندھا جاتا ہے۔گرمیوں میں یہ کمرہ چارے کو ذخیرہ کرنے کے کام آتا ہے۔ایک احاطے میں رہنے والے ٹبر (خاندان) قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔بعض احاطوں میں مشترکہ خاندانی نظام رائج ہوتا ہے۔بوڑھے ماں باپ' ان کے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ بیٹے' ان کی غیر شادی شدہ بیٹیاں اور بعض حالات میں ان کی بیوہ بیٹیاں اور ان کے بچے اس نظام کا حصہ ہوتے ہیں' بیٹوں کی شادی کے بعد ماں باپ اپنے سب سے بڑے بیٹے کو ایک کمرہ دے کر الگ کر دیتے ہیں کہ وہ خود ہی کمائے اور کھائے۔اب اس کی رتن بھانجی ماں باپ سے الگ ہو جاتی ہے۔

ذکیہ ایگلر نے گاؤں کی ذاتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔طبقاتی طور پر گاؤں زمینداروں اور کمیوں میں بٹا ہوتا ہے۔کمی آگے مزید ذاتوں میں بٹے ہوتے ہیں جن کی بنیاد پیشوں پر ہوتی ہے مثلاً نائی' ماچھی' کمہار' ترکھان وغیرہ۔زمیندار گاؤں کا چوہدری کہلاتا ہے۔چوہدری کوئی ذات نہیں بلکہ اس کی حکمرانی اور طاقت کی علامت ہے۔تمام کمی اس کے سیپی ہوتے ہیں۔اس تعلق کے ساتھ ساتھ مصنفہ نے برادری' زمین اور زمین سے وابستہ عزت' کسانوں کے حالات' خاندان زندگی' بھانجی ورتن اور اس سے جُڑے ہوئے دیگر موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔کتاب کے آخر میں انہوں نے اس امر پر بحث کی ہے کہ بدلتی ہوئی دنیا میں موہلہ کن تبدیلیوں کی زد پر ہے۔

اس موضوع پر تحقیق کرنے اور یہ کتاب لکھنے کے لیے 55-1949 کے دوران وہ موہلہ میں پانچ سال سے زیادہ رہیں۔پنجابی زبان سیکھی۔موہلہ کی خواتین اور مردوں سے متعدد ملاقاتیں کیں۔اپنے مشاہدات قلم بند کیے۔مقامی لوگوں کی رسومات میں شرکت کی۔خود مسلمان ہونے کے ناطے انھیں اپنے میز بانوں کے ساتھ کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔یہ کتاب مکمل ہو کر 1959 میں کولمبیا یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوئی۔اس بات کو پچاس سال گزر چکے ہیں۔اگر ذکیہ حیات ہوں اور وہ موہلہ دیکھنے آئیں تو شاید وہ اسے پہچان بھی نہ پائیں۔

اس وقت موہلہ کی آبادی 350 تھی اور وہاں صرف ایک پرائمری سکول تھا۔ساٹھ برسوں میں آبادی چھ گنا بڑھ کر 2160 ہو گئی ہے جو 1452 ایکڑ کے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔1135 مردوں اور 1025 عورتوں کے اس گاؤں میں خواندگی کی شرح 64.3 فیصد ہے۔پرائمری اور میٹرک کے درمیان خواندہ افراد میں 329 مرد اور 244 عورتیں ہیں۔میٹرک یا میٹرک سے زیادہ تعلیم حاصل کرنے والے مردوں کی تعداد 117 اور عورتوں کی 50 ہے۔187 گھروں میں بجلی ہے۔26 گھر کچے اور 276 پختہ ہیں جبکہ 55-1950 کے درمیان دو چار گھروں کو چھوڑ کر باقی تمام گھر کچے تھے۔

موہلہ کے قریبی گاؤں دھیر کے کی آبادی 3694 ہے اور شرح خواندگی 61.8 جبکہ اس کا رقبہ 1738 ایکڑ ہے۔اس طرح چک غازی کی آبادی 2,225' کٹھالہ کی آبادی 3,824 اور سماں کی آبادی 1198 ہے۔سماں جہاں پہلے کوئی سکول نہیں تھا وہاں کی شرح خواندگی 65.8 فیصد ہے۔تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں موہلہ اور دیگر مذکورہ گاؤں اب تیز ترین تبدیلیوں کی زد میں ہیں۔اگرچہ آج بھی گجرات کی دیہی آبادی اپنی پسماندگی میں پنجاب کے دیگر دیہی علاقوں کے مقابلے میں کہیں آگے ہے۔

(احمد سلیم)

4- بوسال

بارموسیٹے کے بعد مصنفہ نے قریبی گاؤں بوسال کا دورہ کیا۔یہاں بھی وہ تین دن تک ایک مقامی خاندان کے ساتھ ٹھہری رہیں۔

مقامی روایات کے مطابق سات سو سال پہلے اس جگہ جو پہلا شخص وارد ہوا' اس کا نام بوسال تھا جس نے اسے آباد کر کے خود اپنا نام دیا۔1975 میں بوسال کی اندازے سے بیان کی گئی آبادی اٹھارہ ہزار تھی۔جو اس سے یقیناً کافی کم ہوگی

Marfat.com

کیونکہ 1981 کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی پندرہ ہزار چھ سو ایک اور 1998 کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق بوسال (شمالی وجنوبی) کی کل آبادی اٹھارہ ہزار آٹھ تھی۔ یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ تین دہائیوں تک آبادی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہوگا۔

بوسال بنیادی طور پر سات چھوٹے گاؤں کا مجموعہ ہے جن کے الگ الگ ناموں کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔	بوسال سُکا	۲۔	بوسال مُنور
۳۔	بوسال جنڈ	۴۔	بوسال نِکے والا
۵۔	بوسال رتو والا	۶۔	چنی ہاشم دی
۷۔	بوسال نُورانہ		

بوسال کے شمال میں رُکن، جنوب میں چک علیم اور شائرے والا، مغرب میں بار موی اور مشرق میں نائر واقع ہیں۔ یہ گاؤں گجرات۔ سرگودھا روڈ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ اس گاؤں کی پانچ نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔ یہ نہریں 13-1912 میں کھودی گئیں اور 1914 میں ان نہروں میں پانی چھوڑ دیا گیا۔ انھی نہروں کی وجہ سے پورا گاؤں زرخیز ہے۔

گوندل بار موی کی طرح بوسال کا بھی مرکزی قبیلہ ہے۔ اس کے تحت مختلف پیشوں سے جُڑے ہوئے کمی اپنی وفاداری سے صدیوں پرانے طبقاتی نظام کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ دستکاری سے وابستہ لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ تھوڑی بہت دستکاری مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ تیس سالہ ولی محمد ان دنوں تالے اور دیگر اوزار بنانے کا کام کرتا تھا جبکہ 34 سالہ آ ہمن ولد صالحوں پلنگ اور ان کے خوبصورت ڈیزائن والے رنگین پائے بناتا تھا۔

صوفی بزرگ سید معصوم شاہ کا عرس ہر سال 27 پوہ (پوس) کو منایا جاتا ہے عرس کے موقع پر محفل سماع منعقد ہوتی ہے جس میں مقامی اور دور دراز کے قوال شامل ہوتے ہیں۔ قرب و جوار کے دیہات سے سیکڑوں لوگ آ کر عرس کی تقریبات ایک میلے کے طور پر مناتے ہیں۔ کھیل تماشے والے اور بھانڈ اپنی رونق لگاتے ہیں۔ ان دنوں گاؤں کے لوگوں کے لیے یہ واحد تفریح تھی۔

عورتیں پیری مریدی میں بے حد اعتقاد رکھتی ہیں۔ عام طور پر وہ گھرداری کے معاملات میں بے حد وفادار اور قابلِ اعتماد ہیں لیکن جس روز پیر کی گاؤں میں آمد ہوتی ہے۔ گاؤں کی عورتیں بے پناہ غربت کے باوجود اپنی سال بھر کی جمع پونجی پیر کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہیں۔ اس وقت انھیں گھر بار، بال بچے کچھ یاد نہیں رہتا۔

(احمد سلیم)

5- تحصیل گجرات دا لوک ادب

پنجابی زبان وادب کے معروف محقق اور استاد خالد ہمایوں کا یہ تحقیقی مقالہ ایم اے پنجابی کی تکمیل کے لیے 1974 میں پروفیسر شریف کنجاہی مرحوم کی زیر نگرانی لکھا گیا۔ کم وبیش اسی دور میں "تحصیل پھالیے دا لوک ادب" کے عنوان سے محمد اکرم کا تحقیقی مقالہ برائے ایم اے پنجابی بھی سامنے آیا۔ ان دنوں راقم الحروف لوک ورثہ کے قومی ادارے سے وابستہ کم وبیش اسی نوعیت کے کاموں میں مصروف تھا اور مجھے یاد ہے خالو ہمایوں نے اسلام آباد آ کر اس ادارے کے تحقیقی کام کی بھی چھان پھٹک کی تھی۔

"تحصیل گجرات دا لوک ادب" محض ایم اے پنجابی کے لیے لکھا جانے والا کوئی عام مقالہ نہیں ہے۔ یہ بنیاد ہے ان کاموں کی جو آگے چل کر پنجابی کے لوک ورثے کو اکٹھا کرنے اور انھیں محفوظ رکھنے کی تحریک کا حصہ بنے۔ اس مقالے کے تحقیقی عمل کے نگران شریف کنجاہی تھے، جس سے اس مقالے کی وقعت میں اضافہ ہوا اور خالد ہمایوں کو موقع ملا کہ وہ جناب شریف کنجاہی کے زیر نگرانی اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکیں۔ ایم اے سیاسیات سے ایم اے پنجاب کی طرف آنے والے طالب علم کے لیے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس مقالے نے لوک ادب کے حوالے سے سنجیدہ کام کرنے کی بنیاد رکھی۔

خالد ہمایوں نے اپنے مقالے کو بارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے جو پونے دو سو صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پہلا باب لوک ادب کی تعریف، تاریخ اور اس کی تقسیم سے بحث کرتا ہے۔ دوسرے باب میں وہ گجرات کے سماج اور اس کی ثقافت کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں، جس میں گجرات کی قدیم ترین تاریخ سے لے کر اس کے مختلف ادوار کو زیر بحث لاتے ہوئے انہوں نے ضلع گجرات کے مختلف قصبوں اور دیہات جیسے کنجاہ، ٹانڈا، حاجی والا، شادیوال، رانیوال، کلاچور، قلعدار اور جلالپور جٹاں کا تعارف کروایا ہے۔

تیسرے باب میں وہ حضرت شاہدولہ دریائی اور کانواں والی سرکار کے روحانی فیوض وکمالات کا ذکر کرتے ہیں۔ اگلے ابواب میں انہوں نے لوک ادب کی مختلف اصناف مثلاً لوک لوریوں، سکول میں تعلیم سے متعلق نئے لوک گیتوں، ٹوٹکوں، لمبے گیتوں، لوک کہانیوں، بچیوں کے کھیل تھال کے بولوں، شادی بیاہ کے گیتوں، ماہیوں، ڈھولوں اور موت پر ڈالے جانے والے بین کے بولوں کا نہ صرف تفصیلی جائزہ لیا بلکہ انھیں مختلف بوڑھی اور جوان خواتین سے سن کر انھیں محفوظ بھی کر لیا ہے۔

اپنے مقالے کو بھرپور اور جاندار بنانے کے لیے انہوں نے پہلے سے کیے

Marfat.com

جانے والے کام کو جن میں ایم اے پنجابی کا ایک اور تحقیقی مقالہ 'تحصیل پھالیہ دا لوک ادب' بھی شامل ہے' کو بھی اپنی تحقیق کا حصہ بنایا ہے۔ ناصرہ پروین غیر مطبوعہ مقالے ''پنجاب دے وین'' کے ساتھ ساتھ انہوں نے مطبوعہ کتابوں میں پنجاب کے لوک کھیل (تنویر بخاری) بن پھلواری (افضل پرویز) پنجاب دے لوک گیت (نازش کاشمیری' راجہ رسالو) پنجاب دے لوگ گیت (مقصود ناصر چوہدری) پنجابی عورت (ارشاد احمد پنجابی) سرائیکی لوک گیت (مہر عبدالحق) حکایات پنجاب۔ تین جلدیں (آر سی ٹمپل) اور سی حرفی بالوتے ماہیا (ملک محمد اشرف) کو بھی اپنے موضوع کی مناسبت سے دیکھا ہے۔

مقالے میں اگر دو تین موضوعات مثلاً گجرات کے بھرم وہم' لوک طب' لوک دانش اور لوک ناچوں وغیرہ کو بھی شامل کر لیا جاتا تو زیر نظر مطالعہ مزید جامع اور بھرپور ہو سکتا تھا۔

(احمد سلیم)

6- تقسیم' تشدد اور نقلِ مکانی: میانہ گوندل کا خصوصی مطالعہ

یہ مطالعہ بھی تحصیل ملکوال کے ایک گاؤں سے عبارت ہے جس میں تقسیم پنجاب سے قبل اور بعد کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے محقق نے تشدد اور اس کے نتیجے میں ہونے والی دوطرفہ نقلِ مکانی کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ محقق کا اپنا تعلق بھی اسی گاؤں سے ہے۔

محقق نے مغربی پنجاب میں مہاجرین اور آبادکاری کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ اس مطالعے کے لیے اس گاؤں کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا۔ ان کے مطابق 1947 کی تقسیم سے پہلے یہ گاؤں مسلمانوں اور ہندوؤں کا وطن تھا جن میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ آس پاس کے دیہات میں ہندو اور سکھ اکثریت میں تھے جن کو اس مطالعاتی جائزے میں شامل کرنا اس لیے ضروری ہو گیا تاکہ مقامی صورت حال کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔ اس علاقے میں تقسیم کے فسادات ہوئے' مہاجرین آئے اور ملک چھوڑ کر جانے والے گئے۔ ان سب باتوں نے اس گاؤں کی سماجی و معاشی زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے۔ آج یہ گاؤں پرامن ہے مگر شہر میں تبدیل ہونے کی روز بدلتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بارے میں پریشان ہے۔ 8173 ایکڑ کے علاقے پر پھیلے ہوئے اس گاؤں کی آبادی سترہ ہزار آٹھ سو بہتر (نو ہزار دو سو تینتالیس مرد اور آٹھ ہزار چھ صد انتیس عورتیں) ہے جس میں ایک سو چھ غیر مسلم ہیں جبکہ قریبی دیہات چک نمبر چھبیس اور وڑائیچ کی آبادی بالترتیب تین ہزار نو سو چوہتر اور تین ہزار دو سو پانچ ہے اور ان کی غیر مسلم آبادی بالترتیب ایک سو ترپن اور بارہ ہے۔ محقق کا کہنا ہے:

''میانہ گوندل میری جائے پیدائش ہے اور میں اسے بہتر انداز میں سمجھ سکتا تھا مگر میں 1947 میں صرف اڑھائی سال کا تھا اور جب میں نے ہوش سنبھالا تو مہاجرین کے آ جانے کی وجہ سے گاؤں کی صورت بدل چکی تھی۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بات چیت کی جائے جنہوں نے تقسیم کے فسادات دیکھے اور جو یہ بتا سکتے تھے کہ مہاجرین کی آمد کے بغیر میانہ گوندل کیسا تھا۔''

محقق کی رائے ہے کہ 1947 کی تقسیم پر دنیا بھر میں جو مطالعاتی جائزے لیے گئے ان میں صرف پاکستان کے نمایاں علاقوں مثلاً لاہور اور لائلپور (فیصل آباد) وغیرہ پر توجہ دی گئی۔ کسی نے بھی دور دراز کے دیہات پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ نہیں لیا۔ دوسرے' ان میں زیادہ تر مطالعات میں قتل عام کو مرکزی مسئلے کے طور پر دیکھا گیا اور جانیں بچانے کے واقعات کے حوالے خال خال ہی ملتے ہیں۔ ایک اور مقبول موضوع مذہبی گروہوں کے درمیان تناؤ ہے جو کہ تقسیم کے دوران علاقائی بدامنی کی بنیادی وجہ بنا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے بہت سے واقعات پر تحقیق نہیں جا سکی۔

تاہم اس مطالعاتی جائزے میں اندرون پنجاب کے ایک گاؤں کو توجہ کا مرکز بنا کر سماجی طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور مالی درجہ بندی میں معیشت کے کردار کو نظر میں رکھتے ہوئے دوسرے مذاہب کے لوگوں کی جانیں بچانے کے واقعات کو اجاگر کیا گیا اور دوسرے محققین کی جانب سے اختیار کیے گئے طریقے کی خامیوں اور کمزوریوں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مطالعے کا اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں ایک بالکل نئے موضوع کا احاطہ کیا گیا ہے جس پر اس سے پہلے کبھی نہیں لکھا گیا۔ میانہ گوندل کی اہمیت تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد غیر متنازعہ رہی ہے اور اس مطالعاتی جائزے کو تقسیم کے بارے میں پہلے سے موجود بہت سے مطالعات سے ممتاز کرتی ہے۔

Marfat.com

پاکستان کی 70 فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے اس لیے ملک کے نقشے اور واقعات کی تاریخ میں دیہات کو اہمیت حاصل ہے۔ پنجاب میں مہاجرین کی اکثریت کو دیہات میں آباد کیا گیا جبکہ مہاجرین کی کل تعداد پچاس لاکھ تھی۔ اس لیے یہ انتہائی اہم ہو جاتا ہے کہ تقسیم سے پہلے کی زندگی، تقسیم کے ان علاقوں پر اثرات اور اس کے بعد کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔ اس طرح یہ جائزہ میانہ گوندل کے بارے میں زمینی حقائق کو اجاگر کر سکتا ہے جو کہ ایک پنجابی گاؤں ہے اور بہت سے ایسے دوسرے دیہات کی نمائندگی کرتا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں میانہ گوندل اندرون پنجاب کے دوسرے دیہات سے بہت مشابہہ ہے وہاں اس کی کچھ خصوصیات مختلف بھی ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں تقسیم کے دوران تباہی بھی ہوئی اور انسانیت کے مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے۔ ایک طرف تو مکانات جلائے جا رہے تھے اور ہندوؤں اور سکھوں کو قتل کیا جا رہا تھا اور بھگایا جا رہا تھا جبکہ دوسری طرف لوگ اُن کی زندگیاں بچانے میں بھی مصروف تھے یہاں تک کہ بعض نے خود اپنی جانیں خطرے میں ڈال دیں تا کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کو علاقے سے بحفاظت نکلنے میں مدد دے سکیں۔

محقق کے مطابق اس علاقے پر تقسیم کے اثرات کو سمجھنے کے لیے ایسے بہت سے لوگوں سے رابطہ کیا گیا جنہوں نے تقسیم کے فسادات دیکھے تھے۔ ان میں میانہ گوندل، وڑیائیت اور چک چھبیس کے پرانے باشندے بھی شامل ہیں اور وہ لوگ بھی جو ہجرت کر کے یہاں آئے۔ ان لوگوں کے انٹرویوز کی روشنی میں اس مطالعے کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

الف۔ تقسیم سے قبل کی صورت حال

ب۔ مہاجرین

ج۔ آبادکاری کے مسائل

تقسیم سے قبل کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے محقق نے بتایا ہے گاؤں میں ہندو، مسلمان اور سکھ آباد تھے جن میں مسلمان اکثریت میں تھے جبکہ قریبی دیہات چک چھبیس (جسے پہلے گوبند پورہ کہا جاتا تھا) اور چک اٹھائیس میں غیر مسلموں کی تعداد زیادہ تھی۔

چک اٹھائیس کی ساری آبادی سکھوں پر مشتمل تھی جو بڑے زمیندار تھے۔ ان میں زیادہ تر برطانوی فوج کے ریٹائرڈ افسر تھے اور حکومت نے ان کی خدمات کے صلے میں انھیں وسیع اراضی الاٹ کی تھی جبکہ چک چھبیس میں مسلمان اقلیت غیر مسلم چوہدریوں کے لیے چھوٹی موٹی مزدوری کرتی تھی۔ بہرحال ان دیہات کے لوگوں کے مسلمانوں سے اچھے تعلقات تھے۔

میانہ گوندل میں غیر مسلم جو زیادہ تر ہندو تھے تجارت پیشہ تھے۔ وہ امن پسند لوگ تھے اور کسی بھی قسم کے فسادات سے بچنا چاہتے تھے۔ کاروباری ہونے کے ناطے غالباً بحث اور اختلافات پر وقت اور پیسہ ضائع کرنے کو بے کار سمجھتے تھے۔ جب بھی ان کی آپس میں لڑائی ہوتی تو کبھی تشدد اور مار کٹائی کی نوبت نہیں آتی تھی بلکہ محض دھمکیاں دی جاتیں اور ایک دوسرے کو چوہڑے مصلی وغیرہ کے القابات دیے جاتے۔ ان کے اپنے کھوجی بھی ہوا کرتے تھے۔ اگر کسی گاؤں والے کو لوٹ لیا جاتا تو وہ چوروں کے قدموں کے نشانوں کا پتہ لگاتے اور بعض اوقات چوری شدہ مال واپس بھی لے آتے۔

محقق نے غیر مسلموں کی جانیں بچانے کے واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ میانہ گوندل کے مسلمانوں نے ہندو خاندانوں کو علاقے سے بحفاظت نکلنے میں مدد دی۔ سردار اچھڑا ان مسلمانوں میں سے ایک تھا جنہوں نے ہندوؤں کو پھلروان کیمپ تک بحفاظت پہنچایا۔

تقسیم سے پہلے کے ہندوستان کے حالات سے متعلق انٹرویو میں زیادہ تر لوگوں نے بتایا کہ وہ امن و آشتی سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رہ رہے تھے۔ ان میں سے بعض مشرقی پنجاب میں زراعت پیشہ تھے اور ان کے ہندوؤں اور سکھوں سے اچھے تعلقات تھے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے مگر ان میں سے بعض شادیوں اور دوسرے خوشی کے موقعوں پر ایک دوسرے کے گھر جاتے اور اکثر تہواروں میں اکٹھے شریک ہوتے۔ مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی تھی اور تمام مذہبی گروہ ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرتے تھے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ انٹرویو دینے والوں میں سے بعض کا خیال ہے کہ مشرقی پنجاب میں امن اس وقت تک تھا جب تک برطانوی حکومت موجود تھی۔ کیونکہ تمام مذہبی گروہ انگریزوں کے غلام تھے وہ ایک دوسرے کے خلاف زیادہ شرارت نہیں کر سکتے تھے۔

جہاں تک تجارت اور کاروبار کا تعلق ہے ہندو اور سکھ مسلمانوں سے کہیں آگے تھے۔ ہندوؤں کی مقامی منڈیوں میں اجارہ داری قائم تھی۔ غریب اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے، مسلمانوں کی اکثریت ان سے قرضے لیتی تھی۔ ہندو اس رقم پر سود وصول کرتے اور اس طرح قرضداروں کو اپنا محتاج بنا لیتے تھے۔

تقسیم کے اعلان پر تینوں مذہبی گروہوں کا رویہ ایک دوسرے کی جانب تبدیل ہو گیا اور دوست بھی دشمن بن گئے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے جتھوں نے مشرقی پنجاب میں دیہاتوں پر حملہ کر دیا تا کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکالا جا سکے۔ انہوں نے قتل عام کیا گھروں کو آگ لگا دی اور مسلمان لڑکیوں کو اغوا کر لیا۔ (ڈاکٹر شائستہ نزہت)

Marfat.com

7- چھلا گجرات دا

گجرات کے لوک ادب پر کوئی باضابطہ کتاب موجود نہیں ہے۔ بعض کتابوں میں اس کا سرسری ذکر ضرور مل جاتا ہے۔ یا پھر ملک اشرف اور چند لوک شاعروں کا گجراتی ماہیا چھوٹے قصوں کی صورت میں دستیاب ہے۔ کچھ لوک اعتقادات کا سراغ گجرات کے روحانی ورثے کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں سے ملتا ہے۔ لیکن گجرات کے لوک ادب کا نہ تو ڈھنگ کا کوئی مجموعہ ترتیب دیا جاسکا ہے اور نہ اس کا سائنسی تجزیہ ہوا ہے۔

1972 میں فیض احمد فیض کی سربراہی میں جب نیشنل کونسل آف دی آرٹس کا قیام عمل میں آیا اور اس کے ایک ذیلی شعبہ فوک لور ریسرچ سنٹر میں راقم الحروف کو پنجاب اور دوسرے پاکستانی صوبوں کے لوک ادب پر کام کرنے کا موقع ملا تو میں نے اس کمی کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور اس موضوع پر کئی تحقیقی مقالے اور لوک مجموعے مرتب کروائے۔ چار برسوں کی قلیل مدت میں سو سے زائد غیر مطبوعہ کتابیں جمع ہوگئیں۔ البتہ انھیں مرتب کر کے شائع کرنے کے کام کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ صرف گجرات پر وہ کام مرتب ہوکر تین چار جلدوں میں شائع ہوسکتا تھا۔

میانہ گوندل (تحصیل ملکوال) کے محمد اکرم نے قریبی دیہات کی عورتوں سے مختلف چھلے سن کر قلمبند کیے اور انھیں ''چھلا گجرات دا'' کی صورت میں مرتب کیا۔ خود محمد اکرم نے اپنے تعارفی نوٹ میں چھلے کو پنجابی زبان کا سچا لعل کہا ہے۔ چھلے کے گیت یوں تو سارے پنجاب میں مشہور ہیں لیکن گجرات کے چھلے کی اپنی ہی بات ہے۔ اپنا ہی ایک منفرد انداز ہے جسے اگر اب بھی گاؤں گاؤں گھوم کر جمع کیا جائے تو نادر خیالات' نئی تشبیہات اور بامعنی استعاروں کا ایک بڑا خزانہ محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

(احمد سلیم)

خطوطِ فاروقیہ

اختر سعید فاروقی' زمیندار کالج گجرات اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے برسوں سے وابستہ ہیں۔ یہ کتاب ''خطوطِ فاروقیہ'' ۲۰۰۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کا بڑا حصہ ارکانِ ایسوسی ایشن کے نام مکتوبات کی صورت میں ہے' یہ فاروقی صاحب کی خودنوشت سوانح بھی ہے' زمیندار کالج کی مختصر تاریخ بھی اور زمیندار کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی کہانی بھی۔ کتاب کے اولین چار ابواب مصنف کے حالات زندگی' زمیندار کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے قیام اور ارتقا' نواب سر فضل علی کے سوانح اور گجرات کالج کی زینہ بہ زینہ ترقی کا حال بیان کرتے ہیں۔ ان دوسو سے زائد صفحات میں ان کے وہ خطوط ہیں جن میں ایسوسی ایشن کی سرگرمیاں بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کے آخری صفحات بعض ممتاز اور نمایاں ارکانِ ایسوسی ایشن مثلاً حاجی چوہدری محمد صدیق مرحوم' عنایت حسین بھٹی مرحوم' چوہدری فضل حق' مرزا رفیق عنایت مرحوم' جسٹس محمد الیاس چوہدری' چوہدری حسن نواز' چوہدری احمد نسیم اور چوہدری محمد ریاض کے تعارفی خاکے دیئے گئے ہیں۔ کتاب کے عنوان سے بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ گجرات شناسی کے سلسلہ کی ایک اہم تخلیق ہے اور زمیندار کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے ساتھ ساتھ اس سے وابستہ چند اہم شخصیات کی قلمی تصویروں کا مرقع بھی ہے۔

(احمد سلیم)

8- سفرِ سادات و ساداتِ ضلع گجرات

پروفیسر حامد حسن سید' پروفیسر زبان وادبیاتِ انگریزی کی تحقیق وتالیف پر مبنی یہ کتاب' دراصل سفرِ سادات کی دوسری جلد ہے جس میں کتاب کے ابتدائی دوسو صفحات ساداتِ زیدیہ' ساداتِ ترمذیہ' ساداتِ جعفریہ' ساداتِ کاظمیہ' ساداتِ رضویہ' ساداتِ نقوی البخاریہ اور ساداتِ شمسی کے ساتھ ساتھ تعلیقات کے حصے میں سادات گجرات کے شجرے بیان کیے گئے ہیں۔ سو سے زائد صفحات پر مبنی کتاب کا یہ حصہ ساداتِ گجرات کے شجروں پر مشتمل ہے۔ جو گجرات کی تاریخ نویسی کے حوالے سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ سادات کا سلسلہ تمام ضلع گجرات میں پھیلا ہوا ہے۔ قابلِ ذکر مقامات میں فتح پور' معین الدین پور' جمال پور' مدینہ' منگووال' مدینہ سیداں' کیرانو' لکھن وال' کیلیانوالہ' مکیوال' چک سادہ' کوٹلہ ارباب علی خان' جوڑا کرنانہ' گجرات' چک دینہ' جلالپور جٹاں' علی چک اور بعض دوسرے دیہات شامل ہیں۔ کتاب المیر ٹرسٹ لائبریری' مرکزِ تحقیق وتالیف' گجرات کی کاوش سے جنوری ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

9- ضلع گجرات کا ایک گاؤں۔۔۔۔نوشہرہ شریف

نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے ذیلی ادارے فوک لور ریسرچ سنٹر نے اپنے قیام کے فوراً بعد دیہی اور شہری علاقوں کے ثقافتی سروے کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ادارے کے سربراہ فیض احمد فیض مرحوم کی منظوری سے احمد سلیم نے اس پراجیکٹ کی شروعات کی اور ایک دو برسوں میں درجنوں ثقافتی سروے کرواڈالے۔ اس کام میں وہ خود بھی پیش پیش رہے اور چند تاریخی دیہات کی سماجی اور ثقافتی تفصیل کو

Marfat.com

قلم بند کیا۔ زیرِ نظر فیلڈ رپورٹ جو نوشہرہ شریف کے بارے میں ہے۔ انھی کی تحریر کردہ ہے جس کا خلاصہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

1973 میں گاؤں کی آبادی تقریباً 500 افراد پر مشتمل تھی۔ اس کے مشرق کی جانب ملحقہ گاؤں عدالت گڑھ' جنوب کی سمت دریائے چناب' مغرب کی طرف مزروعہ زمین اور شمال میں حضرت پیر محمد سچیار کا مزار ہے۔ گرمیوں اور سردیوں میں موسم شدید ہوتا ہے۔ دریائے چناب اور اس میں آنے والے سیلابوں کے باعث زمین بے حد زرخیز ہے' جہاں ہر طرح کی فصل ہوتی ہے۔ مقامی روایات کے مطابق پہلے پہل گاؤں کا نام نوشہرہ مغلاں تھا یہ نام مغل بادشاہ جہانگیر کے زمانے میں پڑا۔ اسی کے عہد میں پیر محمد سچیار اپنے مرشد نوشوہ گنج بخش کی ہدایت پر یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ اسی دور میں یہ گاؤں پہلی بار دریا بُرد ہوا۔ پھر جب کچھ عرصہ بعد یہ دوبارہ آباد ہوا تو اس کا نام نوشہرہ رہ گیا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں یہ گاؤں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ دریائے چناب کے کنارے موجودہ گاؤں نوشہرہ شریف کہلایا جبکہ شمال کی جانب ایک میل کے فاصلے پر نوشہرہ خواجگاں آباد ہوا۔

جہاں تک مقامی روایات کا تعلق ہے' اس گاؤں کی تاریخ مغلوں سے بھی صدیوں پیچھے جاتی ہے۔ مغل فتوحات کے ابتدائی زمانے میں اس کے آباد ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گاؤں دراصل مغل بادشاہ ہمایوں کے عہد میں آباد ہوا۔ البتہ اس سے بہت پہلے' اس مقام پر مقامی راجوں اور رؤسا کے دربار لگا کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' پیر محمد سچیار' نوشہ گنج بخش کے حکم پر نوشہرہ شریف تشریف لائے تھے۔ ان کی آمد کے وقت یہاں مغل اور کھوجے (خواجگان) آباد تھے۔ مغل آبادی اقلیت میں تھی لیکن حکمران ہونے کے ناتے کھوجوں پر ان کا غلبہ تھا۔ قیاس اغلب ہے کہ یہ پرانا کھتری گاؤں ہوگا۔ مغلوں کی آمد کے بعد انھیں جبراً مسلمان ہونا پڑا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان کی آمد سے قبل ہی مسلمان ہو چکے ہوں اور مغلوں نے اسے نوشہرہ مغلاں کا نام دے دیا ہو۔ مقامی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلی بار دریا بُرد ہونے سے پہلے یہ ایک اچھا خاصہ قصبہ تھا۔

جہانگیر کے دور میں جب یہ پانی سے دوبارہ ابھرا اور آباد ہوا تو اس کا نام نوشہرہ میانہ ہو گیا۔ لفظ میانہ پیر محمد سچیار کی نسبت سے رکھا گیا کیونکہ پیر سچیار کے خانوادے کے لوگ میانے کہلاتے ہیں۔ سولہویں سے انیسویں صدی کے درمیان اس کے دریا برد ہونے اور دوبارہ آباد ہونے کے بارے میں مقامی روایات بھی خاموش ہیں۔ البتہ بتایا جاتا ہے کہ 1900 کے ابتدائی برسوں میں دریائے چناب کے کٹاؤ کے باعث یہ گاؤں پھر ڈوب گیا اور یہاں صدیوں سے آباد کھوجے بالکل تباہ ہو گئے کیونکہ دوسری بار وہ موجودہ جگہ پر آباد ہونے کی بجائے شمال کی جانب ایک میل کے فاصلے پر آباد ہوئے۔ اور اس مقام کو ''نوشہرہ خواجگان'' کا نام دیا جبکہ پیر سچیار کی اولاد تیسری مرتبہ پھر وہیں آباد ہوئی۔ 1959 میں دریا کے کٹاؤ کے باعث گاؤں پھر ڈوب گیا۔ دوبارہ آباد ہونے کے بعد اس کی رونق خاصی ماند پڑ گئی۔ اس رپورٹ کے کئی سال بعد 1981 کی مردم شماری کے مطابق نوشہرہ میانہ کی آبادی صرف 294 افراد پر مشتمل تھی جس میں 155 مرد اور 139 عورتیں تھیں جبکہ گاؤں کا کل رقبہ 274 ایکڑ تھا۔ اس رپورٹ کے مصنف اگر 1998 کی مردم شماری کی روشنی میں اسے دوبارہ لکھیں تو وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ نوشہرہ میانہ کا بس اب صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ 274 ایکڑ پر مشتمل اس گاؤں کی آبادی صرف آٹھ افراد پر مشتمل تھی جس میں تین مرد اور پانچ خواتین شامل تھیں۔ اس گاؤں کی آبادی کا بڑا حصہ دوسرے علاقوں میں منتقل ہو چکا ہے۔

رپورٹ کے مطابق پیر سچیار کی اولاد کے علاوہ چند گھر مُصلیوں کے تھے جو پھوہڑیاں (چٹائیاں) بناتے تھے۔ گاؤں کی پیداوار میں گندم' باجرا' مکئی' جوار' چاول' چنا اور گنے کی اجناس شامل تھیں۔ گھریلو دستکاریوں میں غیر کاشتکار افراد دریا میں اگنے والی گھاس 'ڈب' سے چٹائیاں بناتے۔ یہاں بارود سے آتشبازی کا سامان بھی تیار ہوتا جو پورے ضلعے میں بھیجا جاتا۔ 74-1973 کے زمانے میں یہ کام فضل حسین اور محمد عنایت کرتے تھے۔ اجناس ماپنے کے لیے ٹوپے' پڑوپے اور پڑوپیاں استعمال ہوتی تھیں جو آس پاس کے دیہات میں اب بھی استعمال ہوتی ہیں۔

گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے جو مسجد دربار صاحب کہلاتی ہے۔ پیر سچیار اور پانچویں پشت تک ان کی اولاد کی خانقاہیں ایک ہی چار دیواری میں ہیں جبکہ چار مقامی خانقاہیں ان کے علاوہ ہیں' پیر محمد سچیار کا تعلق گکھڑ قبیلے سے تھا اور وہ تحصیل گوجر خان سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ گجرات سے جلالپور جٹاں پہنچ کر نوشہرہ آنے کے تین مختلف راستے استعمال میں رہے ہیں۔

۱۔ جلالپور سے بھاگووال کلاں' بھاگووال سے نوشہر شریف فاصلہ تین میل

۲۔ جلالپور براستہ چورانوالی' ڈھلو شرقی' نوشہرہ شریف فاصلہ چھ میل

۳۔ جلالپور سے شہباز پور' نوشہرہ شریف' فاصلہ چھ میل

سیالکوٹ سے آنے کے لیے ایک الگ راستہ ہے۔ وزیر آباد' سمڑیال' سمڑیال سے دریائے چناب عبور کر کے نوشہرہ شریف۔ فاصلہ نو میل اس زمانے میں پہلے تین راستوں پر جیپ کے علاوہ پیدل اور ریڑھوں پر آیا جا سکتا تھا جبکہ سمڑیال سے آنے کے لیے کشتی کی ضرورت پڑتی تھی۔

زیرِ نظر رپورٹ (1973) کے مطابق پیر محمد سچیار کا عرس 3 ربیع الاول کو شروع ہوتا ہے۔ 5 ربیع الاول کی شام چراغاں ہوتا ہے۔ 6 ربیع الاول کو مقامی طور پر

Marfat.com

عرس کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اسی روز دو پہر دو بجے دو پالکیاں موضع لکھن وال امیر شاہ سلطان عرف بگا شیر کے مزار پر پہنچتی ہیں۔ رات بھر قوالیوں کی محفل جمتی ہے اور وہیں قیام ہوتا ہے۔ 7 ربیع الاول کو وہ پالکیاں جلالپور جٹاں پہنچتی ہیں جہاں دو پہر کا کھانا کھایا جاتا ہے۔ شام کو پالکیوں کے سوار موضع شیخ پور بابا مہیسوں شاہ کے مزار پر پہنچتے ہیں جہاں رات بھر محفل سماع ہوتی ہے۔ 8 ربیع الاول کی صبح وہ موضع کھریانوالی پہنچتے ہیں۔ رات وہیں قیام کرتے ہیں۔ وہاں بھی رات بھر سماع کی محفل ہوتی ہے۔ 9 ربیع الاول کو پالکیاں کھریاں والی سے چل کر نوشہرہ واپس پہنچتی ہیں اور عرس کا اختتام ہو جاتا ہے۔

فیلڈ رپورٹ کے مطابق (1973) میں مصنف کی جن لوک فنکاروں سے ملاقات ہوئی' ان میں لوک گائیک صاحبزادہ فیاض البیلا (پچیس سال) مردنگ نواز جنگو (پینتیس) سال گھڑا نواز عاشق علی' ڈھولک نواز برکت علی اور چمٹا نواز محمد رمضان شامل تھے۔ دربار شریف کے قوالوں میں محمد افضل قوال (چالیس سال) اور پارٹی' اللہ دتہ (چالیس سال) امید علی (پینتیس سال) اور نذیر خان (تیس سال) کا گروپ شامل تھے۔ شادی بیاہ کے موقع پر لوک ناچ سمی ناچا جاتا تھا۔ باقی ناچوں کا رواج نہیں تھا۔

مصنف نے گاؤں میں لوک ادب کی جو سات اصناف ریکارڈ کیں' ان میں اکھان (ضرب الامثال) بجھارتیں' راتوں کو سنائی جانے والی لوک کہانیاں' ماہیئے' عشقیہ قصے (سوہنی مہینوال' ہیر رانجھا وغیرہ) دوہڑا اور کافیاں شامل تھیں۔

گاؤں میں لڑکوں' لڑکیوں اور بڑوں کے کھیل الگ الگ تھے۔ لڑکوں کے کھیلوں میں لکن میٹی (آنکھ مچولی) پیراکی' گلی ڈنڈا اور بنٹے رگولیاں شامل تھیں۔ لڑکیوں کے کھیلوں میں لکن میٹی' پنج گیٹی (کنکریوں کو زمین سے ترتیب وار اٹھانا) اڈی ٹپہ اور لکیریں کھینچنے کا کھیل (لڑکیاں زمین پر لکیریں کھینچتی ہیں' انھیں خانوں میں بانٹ کران پر پھلانگتی ہوئی اپنی گیٹی پگاتی ہیں) شامل ہیں۔ بڑی عمر کے لوگوں کے کھیلوں میں کبڈی (کشتی) پیراکی' بارہ گاٹ (بارہ ٹہنی) اور پاشا (لوڈو سے ملتا جلتا کھیل' جس میں سات کوڈیوں کا استعمال ہوتا ہے) قابل ذکر ہیں۔

گاؤں کے رسم ورواج عام طور پر وہی تھے جو گجرات یا پنجاب میں مروج ہیں۔ صرف موت کی رسمیں قدرے مختلف ہیں۔ پیر محمد سچیار کی اولاد میں یہ رسم ہے کہ جب کوئی بزرگ فوت ہوتا ہے تو پورے چالیس دن اس کا سوگ منایا جاتا ہے اور جس گھر میں موت ہوئی ہو وہی گھر تمام اخراجات برداشت کرتا ہے۔

(ڈاکٹر شائستہ نزہت)

حوالہ جات

انٹرویو اور زبانی روایات

۱۔ غلام لوہار (مرحوم)

۲۔ خواجہ محمد شریف (مقیم لاہور)

۳۔ خواجہ محمد یوسف ولد خواجہ فضل احمد

تحریری ماخذ

1. Kiran Datar, The Traders As Adminsistrators: The Khatris of Punjab, in Punjab Hisgtory Conference proceedings, Punjabi University, Patiala, Indian.
2. Devendra K. Choudhry, Initiative, Enterpreneurship and Occupational Mobility in an Indian Caste: A Study of the Khatris of the Punjab, in Proceeding of Punjab History Conference.
3. Bayly, C.A , Rulers, Towns, men and Bazars, North Indian Society in the Age of British Expansion, Cambridge, 1983
4. Qaisar, A.J, Role of Brokers in Medieval India, Indian History Review, Vol. 1, No. 2, 1974
5. Census 1981, Gujrat District.

۶۔ عنایت اللہ خان' چھوت چھات کا سماجی پس منظر' دوماہی ''جفاکش' ستمبر اکتوبر 1982 کراچی

۷۔ پاکستان میں مسلم شیخ (مصلی) کے ساتھ سماجی و معاشرتی ناانصافیاں۔ ایضاً

۸۔ احمد سلیم' اندرون پنجاب کے مسلم شیخ۔ سماجی پہلو' ایضاً

۹۔ احمد سلیم' میانہ گوندل' مصلیوں کی خرید وفروخت کا المیہ' ایضاً

(ڈاکٹر شائستہ نزہت)

Marfat.com

11- ''عاشق تے وریام'' اور دوسری کتابیں

افتخار وڑائچ کالروی

''پنجاب کی تاریخ کتابوں میں
نہیں بلکہ پنجابی عوام کے سینوں
میں (محفوظ) ہے۔''

اپنی تازہ ترین کتاب ''عاشق تے وریام'' میں افتخار وڑائچ کالروی کے یہ الفاظ پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ تاریخ اور روایات ایک دوسرے سے متصادم نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرتی ہیں۔ افتخار کالروی نے ''عاشق تے وریام'' میں جس طرح ان دونوں کا خوبصورت امتزاج پیدا کیا ہے' وہ ان کی پہلی چھ کتابوں کھلرے اکھر (1998) دلیس میرا جی داراں دا 2000' عجب آزاد مرد 2002 گور پیا کوئی ہور 2003 سرگزشت رفتگان 2006 اور دھرتی لہو منگدی 2007 سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

2000 میں جب بیسویں صدی دم توڑ رہی تھی اور اکیسویں صدی جنم لے رہی تھی' نوجوان افتخار کالروی نے اپنی دوسری کتاب ''دلیس میرا جی داراں دا'' لکھی اور شائع کی۔ اس کتاب نے ہمیں گجرات اور پنجاب کے ہیرو جسر تھ کھوکھر سے حقیقی معنوں میں روشناس کرایا۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ دو سال بعد اپنی تیسری کتاب ''عجب آزاد مرد'' نے پڑھنے والوں کو سچ مچ چونکا دیا۔ یہ کتاب محض تاریخ اور روایات کا امتزاج ہی نہیں تھی بلکہ افتخار کالروی کی عوام اور دھرتی سے گہری کمٹمنٹ کا اظہار بھی تھی۔ ان کی مسلسل تیسری کتاب پنجابی میں آئی تھی جو اس کمٹمنٹ کے رنگ کو مزید گہرا کرتی تھی۔ ان کی اگلی تین کتابیں ''گور پیا کوئی ہور''، ''سرگزشتِ رفتگاں'' اور ''دھرتی لہو منگدی'' اور بھی زیادہ تیکھے لب و لہجے کے ساتھ سامنے آئیں اور 2009 کے ختم ہوتے ہوتے انہوں نے ''عاشق تے وریام'' شائع کی ہے جو ایک طرح سے ان کی پچھلی تمام کتابوں کا ماحصل ہے۔

عاشق' انقلابی' شاعر' عالم' صوفی' بھگت' حکیم اور سیاستدان گجرات سمیت پنجاب کی دھرتی سے ان کا تعلق اس کتاب کا بنیادی حوالہ ہے۔ وہ اپنے کارناموں کے باعث زندہ جاوید ہو گئے اور ان کی قبروں کے کتبے ہمارے لیے وہ نشانیاں بن گئیں جن سے ہم اپنی منزل کا سراغ پا سکتے ہیں۔ پنجابی کی ایک معروف لوک بولی ہے۔

قبراں اُڈیکدیاں جیویں پتراں نوں ماواں

یہ سب دھرتی کے بیٹے ہی تو تھے جو اپنی ماں کی آغوش میں چلے گئے لیکن وہ تاریخ کے صفحات میں بھی دھڑک رہے ہیں۔ افتخار وڑائچ کالروی نے روایت اور تاریخ کو یکجا کر کے ان کتبوں کو نئے معنی دے دیئے ہیں۔ قبروں اور کتبوں پر تحصیل پھالیہ کے ڈاکٹر مالک رام' لاہور کے ڈاکٹر محمد اسلم اور گجرات ہی کے ایک اور فرزند محمد منیر سلیچ نے بڑا قابل قدر کام کیا ہے۔ ان کے کام کو دیکھ کر اسی طرح کے مزید کام کرنے کی تحریک ملتی ہے۔ راقم الحروف خود ڈاکٹر سلیچ کے تتبع اور رہنمائی میں خفتگانِ خاکِ گجرات کی طرح ضلع منڈی بہاؤالدین کے حوالے سے بھی کام کرنے کا خواہش مند ہے۔ لیکن اس نوجوان مورخ کا کام ان سب سے جداگانہ ہے۔ اس نے قبروں اور کتبوں کے معنی ہی بدل دیئے ہیں اور یہ کتاب عاشقوں' انقلابیوں' باغیوں اور شاعروں کا رزم نامہ بن گئی ہے۔ پورس اور جسر تھ کھوکھر سے لے کر بھگت سنگھ تک' وارث شاہ اور پیر محمد سے لے کر شہابل خان منشی لطیف گجراتی اور حبیب جالب تک' راجہ غضنفر علی خان سے لے کر سید منظور حسین شاہ تک' روشن خیال چوہدری اکبر علی سے نوگزی قبروں کے متلاشی زمان کھوکھر تک کس کس کا نام لیں۔ ستر کے لگ بھگ شخصیات کے اس گلدستے کو گجرات نامہ کہوں یا پنجاب نامہ' یہ قابل قدر کام مجھ سمیت بہت سے دوسرے لوگوں کو کچھ اور کر دکھانے کے لیے تحریک دیتا رہے گا۔

اس کتاب کا بڑا حصہ گجرات کی شخصیات اور مقامات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں شامل اہم لوگوں میں پورس' جسر تھ' حضرت نوشہ گنج بخش' سید عطاء اللہ شاہ بخاری' ملک محمد الدین صوفی' حضرت شاہدولہ دریائی' پیر محمد نانوالی' اقبال چیلیانوالہ' چوہدری غلام رسول تارڑ' چوہدری اکبر علی' سید منظور حسین شاہ' چوہدری محمد فاروق' میاں وحید الدین' چوہدری فضل حسین' سر فضل علی' چوہدری ظہور الٰہی' میجر شبیر شہید شریف' میاں نیک عالم' عنایت حسین بھٹی' خاقان خاور' میر محمد دین میر' پروفیسر محمد بہاوالحق' چوہدری بہاول بخش' میاں محمد دین دلاوری' چوہدری محمد انور سماں' چوہدری شاہد حمید' ساقی گجراتی' چوہدری محمد سرور جوڑا' منشی لطیف گجراتی' آفتاب مفتی' قاضی خوشی محمد کنجاہی' چوہدری نور محمد' جسٹس بدیع الزمان کیکاوس اور سائیں حسن محمد ورک کے نام شامل ہیں۔

اسی طرح گجرات کے اہم مقامات اور ان کے قبرستانوں پر بھی اس کتاب میں خاصی روشنی ڈالی گئی ہے جن میں کولیاں شاہ حسین' جلالپور جٹاں' لالہ موسیٰ' قبرستان گوڑھا محلہ منڈی بہاؤالدین' قبرستان چاہ تریہنگ اور پاہڑیانوالی سمیت کئی اور دیہات اور ان کے قبرستان شامل ہیں۔ صرف گجرات کے حوالے سے ''عاشق تے وریام'' کو حوالے کی بنیادی کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

آخر میں ایک کوتاہی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ یہ کتاب اور افتخار وڑائچ کالروی کی دوسری کتابیں گجرات اور پنجاب کے بیٹوں کے بارے میں ہیں اور ان میں کسی عظیم بیٹی کو براہ راست ہیرو کے رُوپ میں نہیں پیش کیا گیا۔ افتخار وڑائچ

Marfat.com

ابھی' جوان ہیں۔ ان کی نصف درجن کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں۔ اگر وہ اس پہلو کی طرف بھی توجہ دیں تو بہت بڑی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ گجرات کی بیٹیوں کا ان پر زیادہ حق ہے جو اب اسمبلیوں میں پہنچ کر عوام کی نمائندگی بھی کر رہی ہیں۔ گجرات میں ایک مغل شہزادی بھی دفن ہے۔ شہید بھگت سنگھ کی ساتھی سوشیلا دیوی کا تعلق بھی گجرات سے تھا۔ رام پیاری کا ذکر تو عام ہے۔ اگر وہ گجرات کی مسلمان ہندو اور سکھ خواتین کے کارناموں کے حوالے سے جستجو کریں تو ایسے سیکڑوں نام سامنے آ جائیں گے جو اب تک گمنامی کے پردے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کمی کے باوجود 'عاشق تے دریام' ہماری تاریخ کا ایک ایسا بنیادی حوالہ ہے جس کی مدد کے بغیر تاریخ کے بہت سارے اوراق کورے رہ جائیں گے۔ (احمد سلیم)

12- عکسِ گجرات۔ اے پروفائل آف ڈسٹرکٹ گجرات

سلطنت عہد بلکہ اس سے بھی قبل کی صدیوں سے لے کر اکیسویں صدی کی پہلی دہائی تک گجرات کو درجنوں مورخین نصیب ہوئے ہیں جن کی تاریخ نویسی کے سبب گجرات کے موضوع پر دستیاب تاریخی مواد کی کبھی نہیں رہی۔ ارشد محمود رضا کی کتاب عکسِ گجرات جو 2005 میں شائع ہوئی' ایسی ہی کتابوں میں سے ایک ہے۔ یہ کتاب بیک وقت تالیف بھی ہے اور ترتیب بھی۔ تالیف یوں کہ مصنف نے گجرات کے حوالے سے درجن بھر سے زائد مقالے خود لکھے ہیں جبکہ بہت سے ابواب بے نام ہیں۔ انھیں بھی ارشد محمود رضا کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا ہے۔ جن دیگر مصنفین کی تحریریں انہوں نے اس کتاب میں شامل کی ہیں' ان میں عارف علی میر اور ڈاکٹر اظہر محمود چوہدری نمایاں ہیں۔ عارف میر نے تاریخ گجرات اور مورخین پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ' سوہنی مہینوال کے قصے کو بھی داستانی اور ادبی پہلو سے دیکھا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر اظہر محمود چوہدری نے ''سنگیت روپ وبھار اور گجرات'' کے موضوع پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ گجرات کے 'اہلِ قلم' اور ''طبی سہولتوں کا ارتقا'' جیسے موضوعات کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ دیگر اہلِ قلم میں کمانڈر طیب' پرنسپل بحریہ کالج کارساز' ضلع منڈی بہاوالدین کے معرکہ چیلیانوالہ کے ساتھ موجود ہیں۔ اپنی تحقیق کو انہوں نے ''آخری چٹان'' کا موزوں اور بلیغ نام دیا ہے۔ اسی طرح ملک نعیم گجرات کی ضلعی حکومت کی کارکردگی کا جائزہ پیش کرتے ہیں جبکہ بشیر احمد تُرُڑ گجرات بار اور شیخ ابرار سعید گجرات چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کا حال مختصراً بیان کرتے ہیں۔ یوں جناب اصغر علی گھرال کے لفظوں میں 'عکسِ گجرات'' اس خطہء بے مثال کی تازہ شبیہہ ہے جس میں گجرات کی بھرپور سیاسی' سماجی اور صنعتی جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاریخی پس منظر کے ساتھ قومی وصوبائی نمائندوں' ضلعی حکومت اور اراکین ضلع کونسل کی کارکردگی بہ عکس و تحریر کتابی صورت میں محفوظ کرنے کا اہتمام کر کے ارشد محمود رضا نے اپنا نام گجرات کے محسنین میں شامل کرا لیا ہے۔ انھیں Perfection کا دعویٰ نہیں ہے تاہم ان کے کام کی اہمیت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمہ ہوتی جائے گی۔''

جناب عارف علی میر ایڈووکیٹ کا یہ کہنا بجا ہے کہ مصنف نے کتاب کے مکمل کرنے میں افراط وتفریط سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنا کر جامع انداز میں اور انتہائی لگن سے کام کیا ہے۔

(حوالہ: ارشد محمود رضا' عکسِ گجرات' گجرات رپورٹر' گجرات 2005)

13- کلچرل سروے آف دی ولیجز بارموسے' اینڈ بوسال

صفیہ یوسف

گوندل بار کے دو دیہات بارموسٰی اور بوسال کے ثقافتی جائزے پر مبنی یہ رپورٹ اکتوبر 1975 میں لکھی گئی جب لوک ورثہ کی ریسرچر اور اس رپورٹ کی مصنفہ نے ان گاؤں کا دورہ کیا اور عورتوں سے یہاں کے لوک ورثے کی معلومات جمع کیں۔ صفیہ یوسف پہلی بار ستمبر 1975 میں بارموسے' اور بوسال گئیں۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا اس لیے ان سے بات کرنے کے لیے ایک بھی عورت تیار نہ ہوئی اور انھیں اگلے مہینے دوبارہ آنے کے لیے کہا۔ وہ 18 اکتوبر کو دوبارہ گئیں۔ بارموسے' میں وہ ایڈووکیٹ ہمایوں کے گھر تین دن تک رہیں۔ یہاں سے 21 اکتوبر کو وہ بوسال گئیں اور وہاں بھی تین دن تک مقیم رہیں۔ دونوں مقامات سے انہوں نے مقامی عورتوں سے لوک گیت جمع کیے۔ گیت جمع کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں بوسال کی ایک بزرگ خاتون سے طویل انٹرویو کرنے کا موقع بھی ملا۔ انٹرویو میں گاؤں میں پیدائش اور شادی بیاہ کی رسموں' زیورات' لوک ملبوسات' دستکار خواتین کی سرگرمیوں اور زندگی کے دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ بزرگ خاتون کا نام رحمت بی بی تھا۔ اپنے مختصر قیام کے دوران مصنفہ بارموسے' اور بوسال کے بارے میں جس قدر معلومات اکٹھی کر سکتی تھیں' انہوں نے کیں۔ ان دیہات میں انھیں ویسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' جیسی مشکلات کا سامنا انہوں نے پنجاب کے دیگر دیہات میں کیا تھا۔ گاؤں کی عورتیں اس دورے کے مقصد کو شک شبے کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ انھیں ڈر تھا کہ شہر سے آنے والی اس خاتون کا تعلق کہیں ٹی وی ریڈیو سے نہ ہو اور ان کے

Marfat.com

گائے ہوئے گیت وہاں سے نشر نہ ہو جائیں۔ ان کے تن تنہا گاؤں آ جانے پر بھی وہ ششدر تھیں۔ اور تو اور خود ان کے رابطہ کار مرزا محمد خان ایڈووکیٹ بھی انھیں اکیلا دیکھ کر حیران ہوئے۔ عورتوں نے ان سے کئی طرح کے ذاتی سوالات پوچھے۔ انہوں نے اپنی تصویریں بنوانے سے سختی سے منع کر دیا اور جب مصنفہ ایک دس سالہ بچی کی تصویر بنانے لگی تو اس کی ماں بھاگ کر آئی' کیمرہ چھین لیا اور اسے توڑنے کی کوشش کی۔

بارموسے

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ موسیٰ گوندل قبیلے کا جدِ امجد تھا۔ یہ گاؤں پھالیہ اور بھلوال (ضلع سرگودھا) کے درمیان واقع ہے۔ مقامی روایات کے مطابق بارموسیٰ چھ سے سات سو سال تک پرانا ہے اور تھانہ میانہ گوندل کی حدود میں شامل ہے۔ اکتوبر 1975 میں گاؤں کی آبادی تقریباً دس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ گاؤں کے شمال میں موضع ذفر' مشرق میں بوسال' مغرب میں چکوک 302 اور 26 اور جنوب میں موضع مدانہ واقع ہے۔ گاؤں کی اہم فصلیں گندم' کپاس' جو اور مکئی ہیں۔ ہر طرح کی سبزیاں اور دالیں بھی کاشت کی جاتی ہیں۔ مالٹا اور کینوں بھی یہاں کثرت سے ہوتے ہیں۔ گوندل یہاں کا ممتاز قبیلہ ہے۔ بعض مقامی روایات کے مطابق وہ راجپوت ہیں اور ان کا سلسلہ راجہ پرتھوی راج رائے تک جاتا ہے۔ کمی ذاتوں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

۱۔ موچی۔ گاؤں کا روایتی جوتا کھُسہ سینے والے۔

۲۔ ماچھی۔ تنور پر روٹیاں پکانے والے۔ زیادہ تر یہ کام مچھیانیاں کرتی ہیں۔

۳۔ ارائیں۔ بعض دیہات میں وہ زمیندار بھی ہوتے ہیں لیکن بارموسے میں وہ دوسروں کی زمین کاشت کرتے ہیں۔

۴۔ تیلی۔ مختلف بیجوں سے تیل نکالنے والے۔

۵۔ بڑھئی۔ کھاٹ اور گھروں کے دروازے بنانے والے۔

۶۔ لوہار۔ زرعی اور دیگر اوزار بنانے والے۔

۷۔ مسلم شیخ یا مُصلی۔ زمانہ قدیم سے چلے آنے والے اچھوت باشندے۔ گاؤں کا بول و براز اٹھانے اور اسی درجہ کی خدمات انجام دینے والے۔ قبول اسلام کے بعد مسلم۔ شیخ کہلائے۔ عرف عام میں انھیں مُصلی کہا جاتا ہے۔ وہ اینٹوں کے بھٹوں اور زمینداروں کی خدمت گزاری کا کام بھی کرتے ہیں۔

۸۔ میراثی۔ زمیندار گھرانوں کے انتہائی وفادار اور قابل اعتماد ملازم۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر ان کا رول بے حد اہم ہوتا ہے۔ شادی کے بعد دلہن جب پہلی بار اپنے سسرال جاتی ہے تو ایک میراثن کو چند دنوں کے لیے اس کے ساتھ بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ دلہن کے قیمتی ملبوسات اور زیورات کا خیال رکھ سکے۔ 1975 میں مرتب ہونے والی اس رپورٹ کے مطابق گاؤں کی تمام زمین مندرجہ ذیل تین گھرانوں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دی گئی تھی۔

۱۔ خوشی محمد

۲۔ رشمت خان

۳۔ میاں خان

علاقے میں نہری نظام شروع ہونے سے پہلے یہاں کی زمین زیادہ زرخیز نہیں تھی۔ 1950 کی دہائی میں یہاں کاشتکاری نہ ہونے کے برابر تھی لیکن پھر گندم کی فصل بافراط ہونے لگی۔ بھچر مائنر بارموسے مائنر اور رکن مائنر چھوٹی نہریں ہیں جن پر کاشتکاری کا دارومدار ہے۔

1975 میں یہ گاؤں تعلیمی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا۔ یہاں ایک پرائمری سکول لڑکوں کے لیے اور ایک لڑکیوں کے لیے تھا۔ پرائمری کے بعد بچوں خصوصاً لڑکوں کو تعلیم کے لیے لاہور یا دوسرے بڑے شہروں میں بھیجنے کا رجحان تھا۔ تاہم تعلیم میں دلچسپی بڑھنے کے سبب اس وقت گاؤں کے بیس لڑکے لاہور کے مختلف کالجوں اور پنجاب یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ اس گاؤں کے تین لڑکے وکیل' ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس' ایک فوج میں کپتان اور دس گریجویٹ تھے۔ بارموسے اس وقت کی تحصیل پھالیہ کا ایک اہم گاؤں تھا۔ اس رپورٹ کے ربع صدی بعد 1998 کی مردم شماری کے مطابق بارموسے پی سی کی آبادی 12196 اور بارموسیٰ گاؤں کی آبادی 7959 تھی جس میں 4110 مرد اور 3849 عورتیں تھیں۔ خواندگی کا تناسب 39 فیصد اور غیر مسلم افراد کی تعداد 67 تھی۔ 7242 ایکڑ رقبے کے اس گاؤں میں 834 گھر بجلی سے روشن تھے۔ 2010 میں صورت حال اور بھی بہتر ہے۔

رپورٹ میں پیدائش اور شادی بیاہ کی رسموں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ رسمیں زیادہ تر وہی ہیں جو پنجاب کے دیگر اضلاع میں رائج ہیں۔ اس لیے یہاں ان کا ذکر نظرانداز کیا جاتا ہے۔ بارموسے میں دستکاریوں کا کام مقامی اور چھوٹے پیمانے پر ہوتا ہے۔ 1975 کے دوران 36 سالہ جلال کمہار مٹی کے برتن اور گنالیاں بنانے کا کام کرتا تھا۔ جبکہ چالیس سالہ سکینہ بی بی اور سولہ سالہ صالحہ بی بی (ماں بیٹی) بھی مٹی

Marfat.com

کے برتن بناتی تھیں۔ مصنفہ کے لیے یہ بات کافی حیران کن تھی کہ دونوں ماں بیٹی بغیر کسی مرد کی مدد کے تن تنہا برتن بنا رہی تھیں۔ دراصل چند سال پہلے سکینہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی مدد سے شوہر کا کام جاری رکھا اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے بغیر عزت سے روٹی کمانے لگی۔ بعض دوسری عورتیں گھروں میں چھاپے بنانے کا کام کرتی ہیں۔ گندم کے خوشوں کو رنگ کر ٹوکریاں اور چنگیریں بناتی ہیں۔ یہ اشیا دوسرے مقامات پر فروخت کے لیے نہیں بھیجی جاتیں بلکہ گھریلو استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ مصنفہ نے یہ بھی دیکھا کہ جولاہوں کی بیویاں' کھڈی کے کام میں اپنے شوہروں کی مدد کرتی ہیں۔ جولاہوں کو مقامی زبان میں پاؤلی کہا جاتا ہے۔

14- کیسٹ کتاب: گجراتی ماہیا

مرتب: عبدالغفور درشن

گجراتی ماہیا قصوں کی چھوٹی کتابوں (chapbooks) میں محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے گلوکاروں اور گلوکاراؤں کی آواز میں بھی محفوظ ہو چکا ہے جسے عبدالغفور درشن نے کیسٹ کتاب کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اس طرح کی ایک نہیں درجنوں کیسٹس (آج کل سی ڈیز) بازار میں عام دستیاب ہیں۔ بعض اوقات غیر معیاری ہونے کے باوجود گجرات کی دیہی آبادی کے لیے ''روح کی غذا'' کا کام دیتی ہیں۔ لیکن زیر مطالعہ کیسٹ کتاب اچھے بولوں اور معیاری گائیکی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

کیسٹ کی پہلی سائیڈ میں چار اور دوسری سائیڈ میں پانچ آئٹم ہیں جن کی ترتیب اور تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

پہلی طرف

رنگ نمبر ۱	میں ایتھے تے ڈھول ساڈا اپھالیئے	شوکت علی
رنگ نمبر ۲	میں ایتھے تے ڈھول گجرات اے	بالی جٹی
رنگ نمبر ۳	میں ایتھے تے ڈھول ساہیوال اے	نذر دیوانہ
رنگ نمبر ۴	اسی ایتھے تے ڈھول گجرات اے	شاہین اختر

دوسری طرف

رنگ نمبر ۱	میں ایتھے تے ڈھول میرا ہریئے	سائیں مشتاق
رنگ نمبر ۲	او لگو ادھی دیا'	الیاس بیگم' الماس بیگم
رنگ نمبر ۳	میں ایتھے تے ڈھول ڈبی اے	منظور حسین گل
رنگ نمبر ۴	اسیں ایتھے تے ڈھولا ہریئے۔	شاہین اختر
رنگ نمبر ۵	میں بنی تے ماہی میرا چاگل	حسین بخش کوثر

گجراتی ماہیا' عام پنجابی ماہیئے سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر اس طرح شروع ہوتا ہے

میں ایتھے تے ڈھول گجرات اے

ضلع منڈی بہاؤالدین کی دو تحصیلیں پھالیہ اور ملکوال اس قسم کے ماہیئے کا مرکز ہیں۔ ہجر و فراق کا بیان ان ماہیوں کی بنیادی خصوصیت ہیں یعنی میں یہاں اور میرا محبوب وہاں۔ ہجر و فراق کی اس کیفیت کا اظہار محبوب کے دور دراز شہروں یا دیہات میں ہونے سے ہوتا ہے گجراتی ماہیا روایتی طور پر بالو اور ماہی کے رومان اور اس سے پیدا ہونے والے ان چھوٹے گیتوں سے عبارت ہے۔ ماہی یا ماہیا کا حقیقی نام شفیع تھا۔ روایات کے مطابق بالو' پاکستان کی معروف فلمسٹار صبیحہ خانم کی ماں بتائی جاتی ہے۔

عبدالغفور درشن کے مرتبہ ماہیوں کو چند معروف گائیکوں نے گایا ہے۔ چند مثالیں دیکھتے ہیں۔ شوکت علی کے گائے ہوئے چند ماہیئے

اسیں ایتھے تے ڈھول ساڈا اپھالیئے
سجناں پچھے مصیتاں جالیئے
پنڈی دیاں کاراں' بساں لہوروں آئیاں نی
اگے دل زخمی' ڈھولے دوہراں لائیاں نی
اسیں ایتھے تے ڈھول گجرات اے
ماہی پچھدا نہ ساڈی وات اے
میریا وے ماہیا! منجی دیاں باہیاں نی
اج تائیں نہیں سنیا' وے کسے توڑ نبھائیاں نی

اسیں ایتھے تے ڈھول کنجاہ اے
نی میرے ڈھول دا را کھا خدا اے
میریا وے ماہیا! کوئی گھڑیاں دا چین' ہووے
ٹر پردیس گیوں وے تیری مدت حسین ہوو ے

Marfat.com

اسیں ایتھے تے ڈھول ملکواں اے
بُت لہور تے روح اوہدے نال اے
میریاوے ماہیا! آلے وچ ڈبیاں نی
مار کے چھمکاں، پچھنا ایں کتھے کتھے لگیاں نی

اسی طرح بالی جٹی کے گائے ماہیوں میں سے ایک دو مثالیں گجراتی ماہیے کی اسی روایت کو آگے بڑھاتی نظر آتی ہیں۔

میں ایتھے تے ڈھول گجرات اے
سودا لیندیاں پے گئی رات اے
بھیڑا عشق نہ پچھدا ذات اے
میریاوے ماہیا! کنڈ ھے بھُر گئے پائیاں دے
ڈر پیا لگدا اے، لے لڑ گجراتیاں دے

میں ایتھے تے ڈھول پسرور اے
دل ویکھن توں مجبور اے
میریاوے ماہیا! ٹک پانی دا پیتا ای
چھڈ کے ٹر گیا ایں، ڈاہڈا ظلم توں کیتا ای

شاہین اختر کے گائے ماہیوں میں زیادہ ذکر گجرات اور پھالیے کا ملتا ہے۔۔۔ایک ماہیے کے بول دیکھیں:

اسیں ایتھے تے ڈھولا پھالیئے
سجناں پچھے مصیبتاں جالیئے
میریاوے ماہیا! سوئی نوں بند کا لے
آکھیں میرے ماہیے نوں، لگیاں دی لج پالے

اور سائیں مشتاق ہر یئے کو کن لفظوں میں یاد کرتا ہے

میں ایتھے تے ڈھول میرا ہریئے
یاری لا کے دغا نہ کریئے
چلدی گڈی تے پیر نہ دھریئے
کلمہ سوہنے نبی ﷺ دا پڑھیئے
ڈیگر ویلا، ٹانگہ جتا ای تلا کولوں
زندگی سجناں دی، پئی منگاں خدا کولوں

منظور حسین رگل کا گایا ایک ماہیا پھالیے کو ایک اور انداز سے دیکھنے کی کوشش ہے

میں ایتھے تے ڈھول میرا پھالیئے
ٹٹے دلاں نوں گل نال لائیے
کجھ سرے تے خیر ذرا پا دیئے
میریئے نی جانے! ہتھ جوڑ العلاں دا
دکھیاں دے دکھ سنن کم ہے لجپالاں دا

گجراتی ماہیا صرف گجرات اور منڈی بہاؤالدین کے شہروں، قصبوں اور دیہات کے حوالوں سے ہی بھرا ہوا نہیں ہے۔ اس میں پنجاب، پاکستان اور خلیجی ملکوں تک کے حوالے ملتے ہیں کیونکہ تلاشِ روزگار نے ڈھولے یا ماہی کو دور دراز کے علاقوں میں لا پھینکا ہے۔ ان ماہیوں میں روہی، سرگودھے، قصور، لیہ، سوہدرہ، ساہیوال، سمندری، گوجرہ، بحرین، سندھ، ملتان، سالم، تھل، دبئی، لائلپور، فتح گڑھ، مزنگ (لاہور)، سیالکوٹ، جھنگ، کوہاٹ، جلوموڑ، کالس اور تربیلہ کے حوالے بار بار ملتے ہیں۔ کیسٹ کتاب کے یہ ماہیے گجرات کی سماجی، ثقافتی اور معاشی زندگی کے بدلتے ادوار کی کہانی سناتے ہیں۔

15- گجرات بار سے سپریم کورٹ بار تک۔ جلد اول

پاکستان میں عدلیہ کی بحالی کے لیے وکلا کی حالیہ تحریک اور اس میں گجرات کے کردار کا تفصیلی تجزیہ کرنا ابھی قبل از وقت ہے لیکن تاریخی حقائق پر مبنی ایک جامع دستاویز مرتب کر کے عارف علی میر ایڈووکیٹ نے اس موضوع پر موجود قلیل مواد میں ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے جس کی مدد سے اس تحریک خصوصاً اس میں گجرات کے حصے کا تجزیہ کرنے کی راہ کھل گئی ہے۔ عارف علی میر ایڈووکیٹ ابن ایڈووکیٹ ہیں۔ ان کے والد مرحوم غضنفر حسین میر ایڈووکیٹ گجرات بار کا قیمتی اثاثہ رہے ہیں۔ حالیہ تحریک میں عارف علی میر نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس لیے یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ ''گجرات بار سے سپریم کورٹ بار تک'' عارف علی میر ایڈووکیٹ کے اپنے تجربات اور مشاہدات کا نچوڑ ہے۔

کتاب کا پہلا حصہ ''سانحہ گجرات بار'' ڈی پی او راجہ منور حسین کے خلاف گجرات بار کی ہڑتال اور جدوجہد کی مفصل روداد ہے۔ یہ ہڑتال 2003 میں شروع

Marfat.com

ہوئی جس کی بازگزشت برسوں تک سنائی دی جاتی رہی۔اس کے بعد بار کے انتخابات کا تذکرہ ہوتا ہے۔تحریک عدلیہ کے حوالے سے شروع کرتے ہوئے عارف علی میر گجرات بار کے برآمدے کے مکینوں، شیخ احسان الٰہی، شیخ قدرت اللہ، حکیم چراغ علی قریشی، شیخ رفیق احمد، چوہدری فتح محمد عزیز، شیخ محمد اسلم، غلام فرید شیخ، محمد ریاض عالمگیر چشتی ہوشیار پوری، رائے زاہد حسین جرال، ایم زمان کھوکھر، بشیر احمد بٹر، چوہدری فضل الٰہی، محمد عیسیٰ خان ساہی، چوہدری محمد ارشد مہلو، چوہدری گلریز اختر، چوہدری ظفر اللہ وڑائچ، چوہدری محمد اصغر شاہین ایڈووکیٹ، مفتی ظفر اللہ خان طارق، سید عجم علی گیلانی، شیخ خالد داود، شیخ کمال، شوکت کمال، محمد لطیف قریشی، چوہدری اختر حسین جوڑا، چوہدری گلریز، مرزا مقصود احمد، شیخ محمد احسان اللہ ہمدانی، بلال حسین گورسی، شفقت اللہ بٹ، بدر السلام وڑائچ، میجر (ر) محمد ارشد بوز، مرزا نذیر احمد، فتح محمد المعروف پھتا اور ندیم اللہ سے اپنی باتوں ملاقاتوں کی روداد بیان کرتے ہیں۔کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے اپنے تحریر کردہ مضامین بھی جمع کر دیئے ہیں جو گجرات بار کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ان میں چوہدری اعتزاز احسن کا خاکہ گجرات کے حوالے سے قابل ذکر ہے۔

کتاب کے آخر میں ضمیمہ جات درج کر کے عارف علی میر نے کتاب کی دستاویزی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ان ضمیموں میں غازی علم الدین شہید، سرکار بنام جی پلیڈر گجرات اور بعض دوسرے فیصلے شامل ہیں۔یہ کتاب گجرات میں عدلیہ اور بار کے تاریخی ماخذ کے طور پر گجرات شناسی میں ایک مفید اضافہ ہے۔

(حوالہ: عارف علی میر (تحقیق وتالیف' گجرات بار سے سپریم کورٹ بار تک' المیر ٹرسٹ لائبریری و مرکز تحقیق وتالیف' گجرات 2010)

(احمد سلیم)

16- گجرات بار کی تاریخ

گجرات بار کا قیام 1864 میں عمل میں آیا اور ''گجرات بار کی تاریخ'' کی اشاعت تک اس کے قیام کو ایک سو چھتیس برس گزر چکے تھے۔اس کتاب کی تالیف اور ترتیب میں ملک افتخار احمد ایڈووکیٹ' محمد حنیف شیخ ایڈووکیٹ اور غفور اسلم شامل تھے۔کتاب اگرچہ اپنی طویل تاریخ پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالتی اور قیام پاکستان کے بعد بار کی سرگرمیوں کا احاطہ کرتی ہے پھر بھی ہمیں قیام پاکستان سے قبل کی بعض شخصیتوں کا ذکر مل جاتا ہے جن میں مسلمان اور ہندو وکلاء دونوں شامل ہیں۔مسلمان وکلاء میں اگر چوہدری غلام فرید' فضل الٰہی چوہدری (بعد ازاں صدر پاکستان) حکیم چراغ علی قریشی' چوہدری غلام علی' سید غلام شاہ' چوہدری فتح محمد عزیز' چوہدری محمد حسن چیمہ' ملک عبدالرفیع' مفتی محمد دین' چوہدری محمد دین گل' میاں فضل کریم' چوہدری احمد دین' مولوی ظہور دین' چوہدری دلدار خان اور شیخ محمد اسلم کے نام نمایاں ہیں تو ہندو وکلا میں منشی منگل سین' سنت حکومت رائے رائے زادہ بودھ راج اور پرتاپ چند فوجداری وکلا کے طور پر اور لالہ نانک چند' سنت پرکاش چند' لالہ کرپا رام' لالہ نرنجن داس اور لالہ ایشر داس دیوانی وکلا کے طور پر قابل ذکر ہیں۔ان میں لالہ ایشر داس اور لالہ کرپا رام بار کے صدر بھی رہے۔تمام ہندو وکلا اور ہندو جج صاحبان کا رویہ غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تھا۔فیصلے حالات' واقعات اور حقائق کی روشنی میں میرٹ پر کیے جاتے تھے۔البتہ شیخ محمد حنیف کے بقول 1947 کے دوران ایک Subjugate لالہ ٹیک اپنے تعصب کی وجہ سے مشہور تھے اور ہندو وکلا کو مسلمان وکلا پر اور کانگریسی وکلا کو مہا سبھائی وکلا پر ترجیح دیتے تھے۔

جب گجرات بار ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا تو وکلا کی تعداد بہت قلیل تھی۔محمد حنیف شیخ کے لفظوں میں ان دنوں ضلع گجرات میں صرف دو سول عدالتیں ہوا کرتی تھیں اور ایک سیشن جج کی عدالت تھی۔سیشن جج صاحب کی تقرری مستقل نہ تھی بلکہ وہ پہلے جہلم اور بعد ازاں گوجرانوالہ سے کیسوں کی سماعت کے لیے آیا کرتے اور مقدمات نمٹا کر واپس چلے جایا کرتے تھے۔ان دنوں معمول یہ تھا کہ سیشن جج مقدمات کی نوعیت کے مطابق دن مقرر کر لیتے اور مقررہ دنوں میں ہی بحث مکمل کر کے فیصلے سنا دیا کرتے۔

ان دنوں adj Qurnment کا رواج نہیں تھا۔نہ وکلاء حضرات adj Qurnment کی درخواست کرتے اور نہ جج صاحبان غیر ضروری طور پر اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔پولیس والے بھی سیشن جج صاحب کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنی تفتیش جلد مکمل کر کے چالان عدالت میں پیش کر دیتے اور جج صاحب کی آمد پر پولیس' وکلا' گواہان' غرضیکہ تمام متعلقہ افراد عدالت کے احکامات کی پابندی کرتے اور فیصلے جلدی اور حقائق و واقعات کی روشنی میں انصاف کے مطابق کیے جاتے تھے۔یہ سلسلہ قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد تک جاری رہا لیکن آج حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ کئی کئی سالوں تک مقدمات کے فیصلے نہیں ہوتے۔

کتاب سے بار کے دفتر اور وکلا کے چیمبر کے ارتقا کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ کیسے ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل ضلعی بار کا دفتر آج ایک شاندار عمارت میں تبدیل ہو چکا ہے۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کیسے بار کے ایک رکن فضل الٰہی چوہدری بعد ازاں صدر پاکستان کے عہدے پر فائز ہوئے۔گجرات بار کی ایک اور شاندار روایت جس کے راوی شیخ محمد اسلم ہیں' کے مطابق ''قیام پاکستان سے قبل 1940 میں ایک مجسٹریٹ بخشی رستم علی کا رویہ وکلا کے ساتھ درست نہ تھا' جس کی وجہ

Marfat.com

سے اس وقت کے وکیل سنت حکومت رائے نے مجسٹریٹ کے خلاف کیس کیا اور دوسرے وکلا کے تعاون سے مجسٹریٹ کے خلاف متعلقہ حکام تک رسائی حاصل کی جس کے نتیجہ میں اسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔'' چنانچہ اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے گجرات بار کے عہدیداران نے غلط رویہ کے حامل جج صاحبان کو ہمیشہ چلتا کیا ہے۔ اسی طرح 2000 میں دو جج صاحبان کو یہاں سے رخصت ہونا پڑا۔ کتاب میں بار کے صدر (31)' سیکرٹری صاحبان (38) اور 2000 تک گزر جانے والے وکلا صاحبان (68) کی فہرستوں کے ساتھ ساتھ میدانِ سیاست کے درخشاں ستارے (سیاستدان) عدل وانصاف کے بطلِ جلیل اور معتبر وکلا کے قلمی خاکے بھی شامل کیے ہیں۔ گجرات سے تعلق رکھنے والے ان وکلا صاحبان کے سوانح بھی دیئے گئے ہیں جو پاکستان بار کونسل اور پنجاب بار کونسل کے ممبران بنے۔ اسی طرح ادب سے تعلق رکھنے والے وکلا یا وکالت سے تعلق رکھنے والے ادیبوں کا تذکرہ بھی کتاب میں شامل ہے۔ دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل اراکینِ بار کا مختصر تعارف کتاب کا اصل حصہ ہے۔

(حوالہ: تالیف وترتیب: ملک افتخار احمد ایڈووکیٹ' محمد حنیف شیخ ایڈووکیٹ' غفور اسلم' گجرات بار کی تاریخ' گجرات دسمبر 2000) **(احمد سلیم)**

17- گجرات کے دیہات اور ان کی تاریخ

الحاج ایم زمان کھوکھر

محقق اور مصنف حاجی محمد زمان کھوکھر پورس اور جسرتھ کھوکھر کے نشان ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود بھی ایک نشان بن گئے۔ ان کی سترہ کتابیں آثارِ قدیمہ' تاریخ' ثقافت' روحانیات' دیہی آبادیوں سمیت کتنے ہی موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ زیرنظر کتاب جسے انہوں نے 2008 میں شائع کیا ان کی زندگی میں چھپنے والی آخری کتاب تھی۔ ان کتابوں میں سات کتابیں براہ راست گجرات سے متعلق ہیں۔ باقی کتابوں کے مختلف حصوں میں بھی موجودہ اضلاع گجرات ومنڈی بہاؤ الدین کے بارے میں کافی معلومات جمع کر دی گئی ہیں البتہ تصویروں کی ناقص چھپائی کے باعث ان مقامات تصویری اظہار کمزور رہ گیا ہے۔

زیرنظر کتاب اور ان کی دیگر کتابوں کے بارے میں تفصیلی ذکر سے پہلے ان کے سب سے متنازعہ موضوع یعنی نوگزی قبروں کے بارے میں مختصر اظہار خیال ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سید حامد حسن اس پر تفصیلی اظہار خیال کر چکے ہیں۔ خود میری دانست میں تاریخ کے کسی بھی دور میں کئی گز کے طویل القامت افراد کا وجود قابل قبول تو کیا' قابل غور بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ کسی انسان کا ذاتی اعتقاد تو ہوسکتا ہے لیکن اس کی سائنسی اور عقلی توجیہہ نہیں کی جاسکتی۔ اب رہا نوگزی قبروں کے وجود کا سوال تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوسکتا کہ اگر قبر نوگزی ہے تو اس میں مدفون شخص بھی کم وبیش اتنے ہی گز کا ہوگا۔ تاریخ کے ہر دور میں خصوصاً جنگوں اور قتل وغارت گری کی صورت میں اجتماعی قبروں کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح کی اور قیاس آرائیاں بھی ہوسکتی ہیں جن کے بارے میں یہاں بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ محمد زمان کھوکھر مرحوم نے تسلسل اور تواتر سے اور اپنے محدود وسائل کے ساتھ سترہ ضخیم کتابیں لکھیں اور خود شائع بھی کیں۔ پروفیسر شریف کنجاہی کا ان کے بارے میں ایک زبانی تبصرہ یہ تھا کہ انہوں نے آثار قدیمہ' روحانی یادگاروں اور نوگزی قبروں کے بارے میں جو بھی دعوے کئے' ان کا کم ازکم تصویری ثبوت ضرور فراہم کیا وہ ہر جگہ گئے۔ اس مقام پر خود اپنی تصویر بنوائی اور غیر معیاری چھپائی کے باوجود اسے محفوظ کر گئے۔ شاید ہی کسی دوسرے محقق یا مصنف نے اتنی تندہی سے پورے پاکستان میں بلکہ بیرون پاکستان بھی اتنے سفر کیئے ہوں۔ اس کا ثبوت ان کی مندرجہ ذیل کتابیں ہیں:

۱۔ حجازِ مقدس کا روحانی سفر
۲۔ گجرات تصاویر کے آئینے میں
۳۔ گجرات تاریخ کے آئینے میں
۴۔ سیالکوٹ سے خیبر تک
۵۔ گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں
۶۔ پاکستان میں محبوبانِ خدا کے نوگز لمبے مزار
۷۔ جنوبی پنجاب' سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام
۸۔ اولیائے ہند اور مسلمانوں کی عظمت کے نشان
۹۔ گوجرخان کہوٹہ' روحانیت وتاریخ کے آئینے میں
۱۰۔ حضرت قبیط علیہ السلام المعروف سچا پیر
۱۱۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی' غریب نواز اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے حضور
۱۲۔ قدیم تہذیبوں' صوفیائے کرام کی سرزمین پاکستان آزاد کشمیر
۱۳۔ پشاور سے کوئٹہ تک
۱۴۔ پیران کلیر شریف کے حضور آٹھ روز
۱۵۔ ریاض الجنت
۱۶۔ گجرات میں انبیائے کرام کے مزارات
۱۷۔ گجرات کے دیہات اور ان کی تاریخ

Marfat.com

اپنی آخری کتاب شائع کرنے کے چند ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا ورنہ اس حوالے سے اور نہ جانے کتنی ضخیم جلدیں معرضِ وجود میں آتیں۔

زیرِ نظر کتاب ''گجرات کے دیہات اور ان کی تاریخ'' جب شائع ہوئی تو خدا جانے ان کے سامنے مستقبل کے کتنے منصوبے ہوں گے۔ کتنے پورے ادھورے کام ان کی چشمِ تصور میں چھپ کر سامنے آنے والے ہوں گے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ گجرات کے موضوع پر شاید ہی کسی ایک شخص نے سات ضخیم جلدیں اور دس جزوی جلدیں اتنے کم عرصے میں تحقیق و ترتیب و تحریر کے مرحلے سے گزار کر شائع کی ہوں۔ ضلع گجرات بشمول منڈی بہاؤالدین کے 1550 دیہات کی تلاش و جستجو کوئی آسان بات نہ تھی۔ منڈی کی علیحدگی کے بعد ضلع گجرات کے دیہات کی تعداد 1050 رہ گئی۔ ان تمام دیہات کی تاریخ وغیرہ خود انگریزوں نے مرتب کی تھی جو اب بھی محکمہ مال کے صدر قانون گو کے دفتر میں محفوظ ہے۔

''اظہارِ خیال'' کے تحت اپنے ابتدائیہ میں زمان کھوکھر مرحوم قحط و باؤں او بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھوں گجرات کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر گاؤں کی اپنی تاریخ ہے جس کی تہہ میں کئی تہذیبیں دفن ہیں۔ جب بھی کھدائی ہوتی ہے' کسی نہ کسی تہذیب کے آثار دریافت ہو جاتے ہیں۔ دریاؤں کے کنارے بعض بستیاں دریا کے کٹاؤ کے باعث صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ قحط اور وباؤں کے علاوہ گجرات چپ قوم کی لوٹ مار سے بھی محفوظ نہ رہا۔ رہی سہی کسر بیرونی حملہ آوروں نے پوری کر دی۔ گزرگاہوں کے قریب جو بستیاں آئیں ان پر بیرونی حملہ آوروں کا قہر نازل ہوتا۔ دیہات کی وجہ تسمیہ کا ریکارڈ انگریزوں نے بڑی محنت سے تیار کرایا جو اب بھی محفوظ ہے۔ ان کے اپنے لفظوں میں:

> ''اگر صدر قانون گو دفتر اور محافظ خانہ جوڈیشل ریکارڈ روم پر توجہ نہ دی گئی تو انگریزوں کی برسوں کی محنت ضائع ہو جائے گی۔ قیمتی دستاویزات کا نام نشان مٹ جائے گا۔ انگریزوں نے بڑی محنت و مہارت سے ضلع گجرات کا ریکارڈ مرتب کیا۔ ان کی محنت کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ انہوں نے ریکارڈ کی حفاظت کے لیے بلیاں پال رکھی تھیں۔ بلیوں کے لیے الگ بجٹ رکھا جاتا تا کہ چوہے ریکارڈ کو تلف نہ کریں۔''

دیہات کی تاریخ اور وجہ تسمیہ کے لیے مرحوم محمد زمان کھوکھر کی اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مذکورہ بالا تمام ریکارڈ کو محفوظ کرنے کے لیے گجرات میں آرکائیوز کا ایک ضلعی دفتر قائم کیا جائے تاکہ محققین کو مرحوم زمان کھوکھر کی طرح نہ رُلنا پڑے اور اس ضلع کا مستند ریکارڈ سکالرز کی تحقیق کے لیے دستیاب ہو۔ ''گجرات کے دیہات اور ان کی تاریخ'' اپنی نوعیت کی واحد اور پہلی کتاب ہے جس کی روشنی میں اس کام کو مزید آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ **(احمد سلیم)**

18- گوندل بار

ظہیر الدین ڈار

ظہیر الدین ڈار کا یہ غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ گوندل بار کی تاریخ' وہاں کی زندگی' ثقافتی سرگرمیوں اور تہذیبی زوال سے بحث کرتا ہے۔ یہ مقالہ (termpaper) انہوں نے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان سٹڈیز قائداعظم یونیورسٹی' اسلام آباد کے ایک سمسٹر کے لیے لکھا تھا۔ مقالے میں بطور نسلی و ثقافتی مورخین' میراثیوں کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔ میراثی' ہماری تاریخ کا اہم ماخذ ہیں اور مصنف نے اس موضوع کی طرف توجہ مبذول کر کے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔۔ میراثیوں کے اس رول کے تاریخی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے محقق نے بتایا ہے کہ البیرونی نے بھی اپنی معروف کتاب الہند میں مختلف راجوں اور بادشاہوں کے درباری میراثیوں کی سینہ بہ سینہ چلی آ رہی تاریخ سے فائدہ اٹھایا تھا۔ کئی بار یہ لوگ تاریخ گا کر سناتے تھے۔ البیرونی نے زبانی تاریخ بیان کرنے کی روایت کا پہلی بار مشاہدہ کیا اور اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ گوندل بار کا یہ مقالہ بھی انھی میراثیوں کی زبانی روایات کا مرہون منت ہے۔ محقق نے ان مورخوں کے لیے (ethno historian) کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ لوگ گوندل بار اور دوسرے دیہی علاقوں میں اب بھی موجود ہیں اگرچہ ان کی پہلے جیسی حالت نہیں رہی۔ اپنی ان روایات کے ساتھ وہ خاندانوں کے شجرے زبانی یاد رکھتے ہیں۔ وہ پیدائش' شادی بیاہ' وفات اور دیگر سماجی رسوم و رواج کا حصہ ہیں۔ 'میراثی' لفظ میراث سے بنا ہے جو وراثت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے میراثی وراثت کے معاملات کا ریکارڈ کیپر ہوتا ہے۔ مصنف نے گوندل بار کی تاریخ اور وہاں کے لوگوں کی سماجی اور ثقافتی زندگی کو انھی میراثیوں کی زبانی روایت کی مدد سے دستاویزی بنیاد فراہم کی ہے۔ اس علاقے میں میراثیوں کے دو خاندان ہیں۔ ایک مقامی خاندان جو نسلوں سے یہاں آباد ہے اور دوسرا پنجاب کی تقسیم کے بعد کرنال سے ہجرت کر کے آنے والا خاندان۔

میراثی گوندل بار کی دیہی معاشرت کی پوری ثقافتی زندگی کا اہم عنصر ہوتا ہے۔ کسی بھی زمیندار گھرانے میں بچے کی پیدائش سے لے کر کسی کی موت تک اس کا

Marfat.com

رول انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔شادی بیاہ کا موقع ہو یا کوئی میلہ ٹھیلہ وہ موسیقی کے ساتھ خاندان کی تاریخ گا کر سناتا ہے۔ میلے میں وہ لوک واریں اور رومانی داستانیں گاتا ہے۔لوک واریں اور عشقیہ داستانیں بھی علاقے کی تاریخ سے عبارت ہوتی ہیں۔مثلاً کھرلاں دی وار' ڈلے دی وار یا پھر سوہنی مہینوال کی عشقیہ کہانی۔اس طریقے سے متعلقہ علاقے میں لڑی جانے والی جنگوں اور رومانی داستانوں کی تاریخ محفوظ ہو جاتی ہے اور زبانی روایات کی مدد سے آگے بڑھتی رہتی ہے۔

اسی طرح جب کسی زمیندار یا اعلیٰ خاندان میں بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو میراثی وہاں مبارک باد دینے کے لیے پہنچ جاتے ہیں یا انھیں اطلاع دے کر بلا لیا جاتا ہے۔اس موقع پر وہ خاندان کی تاریخ گا کر سناتے ہیں۔خاندان میں ہونے والے اہم واقعات اور اس کی اہم شخصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس کے لیے انھیں اس خاندان سے پیسے ملتے ہیں۔یہ بات ہمیشہ سے رائج ہے کہ ان کی آمد پر انھیں روپے اور گڑ دیا جاتا ہے۔ جب بچہ پانچ یا چھ سال کا ہو جاتا ہے تو وہ لوری گانے کے لیے آتے ہیں۔اس موقع پر دوبارہ خاندان کی تاریخ گائی جاتی ہے۔اس خوشی کے موقع پر میراثی کو روپے اور کپڑے دیئے جاتے ہیں۔

زمیندار خاندان میں جب کوئی شادی ہونے لگتی ہے تو میراثی اپنا رول ادا کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔نکاح کی رسم کے بعد وہ سہرا گاتے ہیں یا کوئی رومانی داستان گا کر سناتے ہیں۔اس موقع پر انھیں 'لاگ' کی رقم دی جاتی ہے اور تقریب کے شرکا بھی رقم کی صورت میں انھیں 'ویل' دیتے ہیں۔زمیندار خاندان میں اگر کوئی فوت ہو جائے تو تیسرے دن 'قل' پڑھے جانے کے بعد وہ سوگوار خاندان کے درمیان موجود ہوتے ہیں۔مرنے والے کی صفات بیان کرتے اور دکھی اہل خانہ سے تعزیت کرتے ہیں۔اس موقع پر انھیں پیسے نہیں دیئے جاتے۔ایک اور اہم تقریب 'میلہ' ہوتی ہے۔جس میں میراثی شریک ہو کر لوک واریں اور عشقیہ داستانیں گاتے ہیں۔اس موقع پر انھیں پیسے دیئے جاتے ہیں۔

ان تمام تقریبات کی نمایاں خصوصیت ان کا ثقافتی ابلاغ ہے۔خاندانوں کی غیر تحریر شدہ تاریخ' اہم واقعات اور شخصیات کے بارے میں روایات اور آبادکاری کے مختلف مرحلوں کی کہانی میراثی نسل در نسل محفوظ رکھتے ہیں۔تمام سماجی اجتماعات سے قبل میراثی ان روایات کو دہراتے ہیں۔یوں روایت سے بندھا ہوا گوندل بار کا معاشرہ' اپنی تاریخی روایات کی مدد سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔تاہم یہ روایات تیز تر تبدیلیوں کی زد میں ہیں۔1980 کی دہائی میں' محقق کا خیال تھا کہ منڈی بہاؤالدین' ملکوال اور بھلوال کے شہری مراکز میں تبدیل ہونے' تجارت پیشہ درمیانے طبقے کے پھیلاؤ' تعلیم میں اضافے اور حکومت کی جانب سماجی اور اقتصادی اصلاحات کے عمل نے میراثیوں کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا تھا اور آج مزید بیس سال گزر جانے کے بعد 'نسلی مورخین' کے طور پر ان کا کردار ناپید ہو گیا ہے۔

19- ماہیئے MAHIYAS

(Poemes villageois du pendjab)

یکم دسمبر 2000 کو پاکستان میں فرانس کے ینک گیرارڈ (yannick Gerard) نے یورپی یونین کے پندرہ ممالک کی جانب سے پنجابی ماہیوں کی ایک چھوٹی سی لیکن انتہائی دلکش کتاب شائع کی جس میں ماہیئے کے متن کے ساتھ ساتھ پانچ یورپی زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی شامل تھا۔کتاب کے آغاز میں انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں دیباچہ اور ماہیئے کے بارے میں مختصر مقدمہ بھی شامل تھا۔

اس کتاب میں پندرہ ماہیوں کا انتخاب کیا گیا ہے جو سب کے سب ماہیئے نہیں ہیں۔ان ماہیوں کا انتخاب کرنے والے نے ان میں دو تین لوک گیت بھی خلط ملط کر دیئے ہیں' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرتب یا مرتبین کو ماہیئے کی ہیئت کا اچھی طرح سے اندازہ نہیں ہے۔اس میں گجراتی ماہیئے بھی چار پانچ ہی ہیں پھر بھی اس کتاب کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔

اپنے دیباچے میں فرانسیسی سفیر نے روسو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ثقافتی تعاون ایک بڑا سیاسی عمل ہے۔انہوں نے صرف پندرہ ماہیئے منتخب کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا کہ 2000 میں یورپی یونین کے ممبر ملکوں کی تعداد بھی پندرہ ہے۔گویا علامتی طور پر یہ پندرہ ماہیئے' پندرہ پیغام ہیں جو پاکستان کے عوام نے دیئے ہیں۔ایک ماہیا یا پیغام ایک ملک کے لیے۔سفیر موصوف کے مطابق یہ اسلامی ملک خود بھی ثقافتی ورثہ سے مالا مال ہے۔اس کے عظیم دریا کے گرد بہت سی زبانیں اور ثقافتیں ہیں۔

ماہیئے کے تعارفی مقدمہ میں فرانسیسی مرکز ثقافت کے جیور جز یفیر وے نے ماہیئے کے لغوی معنی ''میں تم سے محبت کرتا/کرتی ہوں'' (I love you) بیان کیے ہیں جو ماہیے کی روح کے مطابق درست ہیں۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ماہیا لفظ 'ماہی وار' (مہینوال) سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں بھینسیں چرانے والا یا محبوب۔ مہینوال کا نام گجرات کی سوہنی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔اس اعتبار سے ماہیا کی گجرات سے نسبت قابل فہم ہے۔یہ پندرہ ماہیئے انگریزی' فرانسیسی جرمن' اطالوی اور ہسپانوی زبانوں میں ہیں۔ترجمہ کو اصل پنجابی سے ممکن حد تک قریب رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔انگریزی ترجمہ سادہ اور پرکشش ہے۔ باقی چاروں زبانوں کے تراجم پر ان زبانوں سے نابلد ہونے کی وجہ سے ہم کوئی رائے نہیں دے سکتے۔

Marfat.com

نفیس گیلری ہری پور ہزارہ کے الٰہی بخش مطبع کی خوبصورت اور تخلیقی کتابت نے ان ماہیوں کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور ثابت کر دیا ہے کہ انسانی ہاتھوں کی تخلیقی صلاحیت کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے اب بھی کہیں آگے ہے۔

اس پورے کام کا بنیادی تصور آرٹسٹ مصورہ جمیلہ مسعود کا ہے۔ وہ اس تصور کو عملی جامہ پہنانے میں ہر تخلیقی مرحلے سے کامیاب و کامران گزریں۔ انہوں نے نہ صرف ان ماہیوں کے بہت اچھے انگریزی تراجم کیے بلکہ یورپی یونین کے پندرہ ملکوں کی نسبت سے پندرہ پینٹنگز کی ایک سیریز بھی تخلیق کی جس کی نمائش الائنس فرانسس اسلام آباد کی گیلری میں منعقد ہوئی۔ انہوں نے اس کتاب کا جاذب نظر سرورق بھی بنایا۔

تعارفی مقدمہ میں ماہیوں کا جاپانی ہائیکو سے دلچسپ موازنہ کیا گیا ہے۔ جس میں بقول شوجی ناکامورا ''آسمان ہے' زمین ہے' پھول ہیں اور پانی ہے اور پھر انسان کا دل ہے اور بارش بھی۔ یہ ایک منی ایچر دنیا ہے یہ فوری طور پر سچائی کا اظہار کرتی ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کی روشنی چلی جائے'' ہائیکو کے لیے کیئے گئے یہ الفاظ پنجابی ماہیے کے لیے کتنے موزوں ہیں اور کتنے بھرپور۔ جمیلہ مسعود اور الائنس فرانسس کی یہ مشترکہ کاوش مشرق اور مغرب کو ہم آواز بنانے کا ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔

(احمد سلیم)

20- معاشی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت حالات اور عوامل کا جائزہ

اضلاع گجرات ومنڈی بہاوالدین کے حوالے سے تحقیقی کام

پی ایچ ڈی سکالر امتہ الحفیظ کا تعلق تحصیل ملکوال کے ایک چھوٹے سے گاؤں وڑایئیت سے ہے ان کے درج ذیل تحقیقی مقالے کا موضوع ضلع منڈی بہاؤ الدین کی خواتین کی معاشی سرگرمیوں سے عبارت ہے۔ وہ خود بتاتی ہیں کہ اس تحقیقی مضمون میں ان حالات اور عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے جو پڑھی لکھی شادی شدہ خواتین کے معاشی سرگرمیوں میں شرکت سے متعلق فیصلے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان خواتین کے اس فیصلے کا ان کی عمر' تعلیم وتربیت' ملازمت کے تجربے' بچوں کی تعداد' خاندان کے افراد کی تعداد' فیملی سسٹم' گھریلو فی کس آمدنی اور خاوند کی تعلیم اور ماہانہ آمدنی کے ساتھ گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ تحقیق و تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً 86 فیصد شادی شدہ ملازمت کرنے والی خواتین کی تعلیم ایم اے ہے اس کے برعکس صرف 13 فیصد ایم اے پاس خواتین اتنی تعلیم کے باوجود کسی پیداواری سرگرمی میں حصہ نہیں لیتیں۔ خواتین میں ملازمت کرنے کا رجحان تعلیم کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بتدریج بڑھتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین کے لیے کسی بھی آمدنی والے اور پیداواری کام میں حصہ لینے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت ان پڑھ اور کم تعلیم یافتہ خواتین کے۔

اپنے موضوع کا تعارف کرانے کے بعد وہ بتاتی ہیں کہ یہ مطالعہ ضلع منڈی بہاؤالدین کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ منڈی بہاؤالدین اندرون پنجاب کا ایک ضلع ہے جو شہری اور دیہی ملی جلی آبادی پر مشتمل ہے۔ یہاں پر نچلے طبقے سے لے کر اونچے طبقے تک کے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد رہائش پذیر ہیں۔ 1998 کی مردم شماری کے مطابق اس ضلع کی آبادی گیارہ لاکھ ساٹھ ہزار پانچ صد باون ہے۔ جن میں پانچ لاکھ چورانوے ہزار ایک سو ستائس مرد اور پانچ لاکھ چھیاسٹھ ہزار چار سو پچیس عورتیں شامل ہیں۔ یہاں کے لوگ سرکاری اور غیر سرکاری شعبوں مثلاً بنک' تعلیم اور صحت کے علاوہ کاروبار' دوکانداری اور زراعت کے ساتھ منسلک ہیں۔ زراعت اس ضلع کی معیشت کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

اس مطالعہ کے لیے اعداد و شمار ضلع کی تین میں سے دو تحصیلوں (ملکوال اور منڈی بہاؤالدین) سے لیے گئے ہیں جبکہ دیہی علاقوں میں سب تحصیل گوجرہ کے علاوہ یونین کونسلوں (میانہ گوندل اور وڑایئیت) کو case study کے لیے منتخب کیا گیا۔

اس تحقیق کی بنیادی اکائی شادی شدہ خواتین ہیں جن کی تعلیم کم از کم دسویں درجے تک ہے۔ تقریباً 210 خواتین کے اعداد و شمار کو نمونے کے طور پر لیا گیا جن میں 50 فیصد ملازمت پیشہ خواتین ہیں جو زیادہ تر تعلیم اور صحت کے پیشے سے منسلک ہیں جبکہ بقایا 50 فیصد گھریلو خدمت میں مشغول ہیں۔ شادی شدہ پڑھی لکھی خواتین کو منتخب کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر شادی شدہ پڑھی لکھی خواتین کو فیصلہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی غیر شادی شدہ خواتین کی نسبت کسی حد تک زیادہ ہوتی ہے۔ سوال نامے میں ان خواتین کی اپنی تعلیم' تجربے کے علاوہ خاوند کی تعلیم اور ماہانہ آمدنی' گھریلو فی کس آمدنی اور اثاثوں' خاندان کے افراد کی تعداد اور خاندان کے نظام سے متعلق تفصیلی معلومات اکٹھی کی گئی ہیں۔

خواتین کے عمومی کردار کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ معاشی اور اقتصادی سرگرمیوں میں حصہ لینے والی خواتین کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ وہ خواتین ہیں جو زر نقد آمدنی کے حصول کے لیے گھر کے اندر یا باہر کسی نہ کسی پیداواری کام سے منسلک ہیں جبکہ کسی بھی پیداواری کام میں حصہ نہ لینے والی خواتین سے مراد وہ خواتین ہیں جو کسی بھی پیداواری کام میں حصہ نہیں لے رہیں اور وہ صرف روزمرہ کے گھریلو کام

Marfat.com

کاج میں مشغول ہیں اور اگر انہوں نے ماضی میں کبھی کام کیا بھی تو اس کو بعد میں کسی نہ کسی وجہ سے چھوڑ دیا۔

تجزیاتی سروے سے پتہ چلا ہے کہ شہری علاقے (مثلاً منڈی بہاؤالدین اور ملکوال) میں پڑھی لکھی خواتین پیداواری کاموں میں زیادہ حصہ لیتی ہیں جبکہ دیہی علاقے (سب تحصیل گوجرہ) میں معاشی اور اقتصادی ترقی کی سرگرمیوں میں شرکت کرنے والی پڑھی لکھی خواتین کی شرح بہت کم ہے۔ اس کے برعکس دیہی علاقے (یونین کونسلیں' میانہ گوندل اور وڑیائیت) میں کل میٹرک پاس شادی شدہ خواتین میں سے تقریباً 57 فیصد خواتین زرِنقد آمدنی کے حصول کے لیے کام کر رہی ہیں جبکہ 42 فیصد خواتین روزمرہ کے گھریلو کام کاج میں مشغول ہیں۔ دیہی علاقوں میں خواتین کی معاشی سرگرمیوں میں کم شرکت کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔

اول: گاؤں کے اندر مناسب تعلیمی سہولتیں میسر نہیں ہوتیں اور وہاں کے لوگوں میں شعور اور وسائل کی بھی کمی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر سکیں۔

دوم: اگرچہ یہ خواتین پڑھ لکھ بھی جاتی ہیں لیکن ان کے لیے نوکری کا حصول نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے کیونکہ دیہات میں پڑھی لکھی خواتین کے لیے ملازمت کے مواقع تقریباً ناپید ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں قسم کے مسائل زیادہ تر نچلی ذاتوں کے لوگوں (مثلاً نائی' موچی' مصلی وغیرہ) اور چھوٹے زمیندار کے ساتھ درپیش ہوتے ہیں۔ سماجی اور معاشی پابندیاں ان نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اپنے پنجوں میں جکڑے رکھتی ہیں۔ دوسری طرف دیہی علاقوں کی پڑھی لکھی خواتین جو کسی نہ کسی پیشے سے منسلک ہیں وہ عموماً وہاں کے بڑی ذاتوں اور جانے پہچانے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں جو نہ صرف اپنی بیٹیوں کو پڑھانے کی استطاعت رکھتے ہیں بلکہ ان کو سیاسی یا میرٹ کی بنیادوں پر ملازمت بھی دلوا سکتے ہیں۔

اعداد و شمار کے تجزیے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ زیادہ عمر والی خواتین میں ملازمت کرنے کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر 36 سال سے لے کر 40 سال تک کی عمر کی تقریباً 80 فیصد خواتین ملازمت کر رہی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی بڑھتا ہے اور پرائیویٹ امتحان پاس کرنے کی بدولت تعلیم میں بھی اضافہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں آمدنی میں اضافہ کے مواقع بھی زیادہ ہوتے ہیں جبکہ کم عمر خواتین میں ملازمت نہ کرنے کا رجحان اس لیے پایا جاتا ہے کہ کم عمری میں ان کی تعلیم و تجربہ بھی کم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خاندان چھوٹا ہونے کی بناء پر ان خواتین پر مالی دباؤ تو بالکل نہیں ہوتا یا پھر کافی کم ہوتا ہے۔

تعلیم و تربیت اور تجربے کی روشنی میں خواتین کی معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لیے ہوئے مصنفہ اپنے تجزیے میں کہتی ہیں کہ زیادہ افراد پر مشتمل خاندانوں او رمشترکہ خاندانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین میں کام کرنے کا زیادہ رجحان پایا جاتا ہے کیونکہ زیادہ افراد پر مشتمل خاندان میں خاندانی وسائل پر زیادہ بوجھ پڑتا ہے جو خواتین کو کام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جبکہ چھوٹے خاندان اور چھوٹے خاندانوں میں افراد کی تعداد کم ہونے کی بناء پر مالی وسائل پر اتنا بوجھ نہیں ہوتا جس کی بدولت خواتین میں ملازمت کرنے کا کم رجحان پایا جاتا ہے۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ تعلیم اور تجربہ میں اضافے کے ساتھ ساتھ خواتین کی معاشی سرگرمیوں میں شرکت بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ تجربہ کار پڑھی لکھی خواتین کے پاس ملازمت کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی حساب سے ان کی آمدنی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان کو ملازمت کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ دس درجے پاس عورتوں میں 66 فیصد کے مقابلے میں صرف 34 فیصد خواتین ملازمت کر رہی ہیں جبکہ بارہ اور چودہ درجے پاس خواتین میں کام کرنے کی شرح بتدریج زیادہ ہے اور 16 درجے پاس خواتین میں تقریباً 87 فیصد ملازمت پیشہ ہیں۔ لہٰذا تعلیم یافتہ خواتین کے ملازمت کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے میں کافی حد تک مددگار ثابت ہوتی ہے۔ خواتین کی کم آمدنی اور ان کے معاشی استحصال کا تجزیہ کرتے ہوئے امتہ الحفیظ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہیں کہ بدقسمتی سے تعلیم و تجربہ ہونے کے باوجود ان خواتین کی ماہانہ آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔ تقریباً 70 فیصد خواتین کی ماہانہ آمدنی 5000 روپے سے کم ہے جبکہ صرف 9 فیصد خواتین 10,000 روپے سے زیادہ کما رہی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر پرائیویٹ شعبوں (مثلاً پرائیویٹ ڈاکٹرز' ہومیو پیتھک اور ایلو پیتھک وغیرہ) سے منسلک ہیں' سخت محنت کرنے کے باوجود حاصل ہونے والی کم آمدنی ان کے حوصلے پست کرتی ہے۔ حالانکہ ان میں سے تقریباً 81 فیصد خواتین ایک ہفتے کے دوران 30 سے لے کر 40 گھنٹے تک کام کرتی ہیں اور صرف دو فیصد خواتین ایک ہفتہ میں تیس گھنٹوں سے کم کام کرتی ہیں۔

تحقیق و تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن خواتین کے شوہر کسی نہ کسی روزگار سے منسلک ہیں ان میں کام کرنے کی شرح قدرے کم ہے جبکہ بے روزگار مردوں کی بیویاں آمدنی کے حصول کے لیے کام کر رہی ہیں دوسری طرف جن مردوں کی ماہانہ آمدنی زیادہ ہے ان کی بیویاں کم تعداد میں ملازمت پیشہ ہیں' جبکہ ملازمت پیشہ کم آمدنی والے مردوں کی بیویوں میں معاشی اور اقتصادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا زیادہ رجحان پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر 10000 سے کم آمدنی والے مردوں کی بیویوں میں کام کرنے کی شرح 97 فیصد ہے۔ اس کے برعکس جن مردوں کی آمدنی

Marfat.com

10000 سے زیادہ ہے ان کی بیویوں میں کام کرنے کی شرح صرف 34 فیصد ہے لہٰذا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خواتین کی معاشی کاموں میں شرکت کی شرح خاوند کی آمدنی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بتدریج کم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ زیادہ پڑھے لکھے مردوں کی بیویاں زیادہ کام کر رہی ہیں۔ جبکہ کم پڑھے لکھے مردوں کی بیویوں میں کام کرنے کی شرح کم پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے تعلیم انسان کو ذہن اور رویے کی آزادی عطا کرتی ہے اور اس سے انسان میں شعور آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھے لکھے خاوند اپنی بیویوں پر بے جا پابندی عائد نہیں کرتے اور ان کو معاشی حالات کی بحالی اور ترقی کے لیے کام کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اس کے برعکس کم پڑھے لکھے مردوں میں ذہنی تنگ نظری زیادہ پائی جاتی ہے اور شعور کی کمی کے پیش نظر وہ بیوی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے۔

اسی طرح مصنفہ شادی اور بچوں کے خواتین کی ملازمت پر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئی بتاتی ہیں کہ زیادہ بچوں والی عورتیں بھی معاشی کاموں میں حصہ لینے پر مجبور ہوتی ہیں کیونکہ زیادہ بچے بھی گھریلو مالی وسائل پر بوجھ بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جن خواتین کے سکول جانے والے بچوں کی تعداد زیادہ تھی' ان میں بھی ملازمت کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے اس کی وجہ بھی وہی ہے جو زیادہ بچوں والی خواتین کے ملازمت کرنے کے متعلق بیان کی گئی ہے۔ اگر گھر کے زیادہ بچے سکول میں پڑھتے ہوں تو ماؤں کو ان کے روزمرہ تعلیمی اخراجات کو پورے کرنے کے لیے ملازمت کرنا پڑتی ہے تا کہ ان کے بچوں کی زندگیاں سنور سکیں۔ کام نہ کرنے والی خواتین سے ملاقات کے بعد اور کام نہ کرنے کی وجوہات معلوم کرنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ تقریباً 31 فیصد عورتیں اس لیے کام نہیں کر رہیں کہ ان کو کئی بار کوشش کے باوجود ملازمت نہیں ملی۔ جبکہ 35 فیصد عورتیں سماجی پابندیوں اور شادی ہو جانے کی وجہ سے کام نہیں کر رہیں اور 16 فیصد خواتین کی ملازمت نہ کرنے کی وجہ مطلوبہ تعلیم و تربیت کی کمی ہے۔ گروپ ڈسکشن کے دوران بعض خواتین نے بتایا کہ وہ ماضی میں کام کرتی تھیں لیکن پھر شادی اور بعض دوسری وجوہات کی بناء پر کام کرنا چھوڑ دیا۔ ان میں سے کچھ نے بتایا کہ شادی کے بعد ان کے خاوند اور سسرال والوں کو ان کا ملازمت کرنا پسند نہیں تھا۔

فی کس آمدنی اور گھریلو اثاثوں کی تعداد بھی خواتین کے معاشی ترقی کے کاموں میں حصہ لینے یا نہ لینے کے فیصلے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ جن خاندانوں کی فی کس آمدنی اور اثاثوں کی مالیات زیادہ تھی ان کی خواتین میں کام کرنے کا رجحان کم پایا گیا۔ اس کے برعکس جن گھروں کی فی کس آمدنی کم ہوتی ہے ان کی خواتین میں ملازمت کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ فی کس آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ خواتین کی کام کرنے کی شرح بتدریج کم ہو جاتی ہے۔ تحقیق کے دوران ایک دلچسپ بات بھی سامنے آئی ہے کہ زیادہ آمدنی اور اثاثوں والے کچھ بڑے خاندانوں کی پڑھی لکھی لڑکیوں میں معاشی کاموں میں حصہ لینے کی شرح زیادہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زیر مطالعہ علاقے میں خواتین زیادہ تر تعلیم اور میڈیکل کے شعبے سے منسلک ہیں۔ چونکہ اثر و رسوخ والے خاندانوں کی ملازمت پیشہ خواتین پر فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں اوپر والے عملے کا دباؤ بھی نسبتاً کم ہوتا ہے اس لیے یہ خواتین ملازمت حاصل کرنے کے بعد یا تو چھٹیاں بہت کرتی ہیں یا پھر کام پر بہت کم جاتی ہیں۔ اس لیے ان کی ملازمت ان کے لیے کسی قسم کی تکلیف کا باعث نہیں بنتی۔

اپنے مطالعے سے حاصل ہونے والے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے مصنفہ بتاتی ہیں کہ کن وجوہات کی بناء پر کچھ شادی شدہ خواتین آمدنی پیدا کرنے والے ذرائع سے منسلک ہیں جبکہ دوسری ان سرگرمیوں سے علیحدہ ہیں۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کون سے منظم اور اہم عوامل ہیں جو شادی شدہ پڑھی لکھی خواتین کی لیبر مارکیٹ میں شمولیت کا تعین کرتے ہیں۔ ان عوامل میں تعلیم ان خواتین کی لیبر مارکیٹ میں شمولیت پر اثر انداز ہونے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اعداد و شمار کے تجزیے اور تحقیق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعلیم اور معاشرتی روابط کی آزادی کے ساتھ ساتھ عورت کے معاشی عمل میں شرکت کے فیصلے کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تحقیق و تجزیہ سے ہمیں ان معاشی اور آبادیاتی اعداد و شمار پر مبنی عوامل کی تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو خواتین کی معاشی اور اقتصادی عمل میں شرکت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس فیصلے کے پیچھے عورت کی تعلیم و تربیت اور تجربہ جیسے اہم محرک کارفرما ہوتے ہیں' اعلیٰ تعلیم و تربیت خواتین کی معاشی ترقی میں شرکت کی شرح کو بڑھاتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اہم عوامل میں خواتین کی عمر' رہائش کا علاقہ' بچوں کی تعداد' خاندان کی ساخت اور حجم' شوہر کی تعلیم اور آمدنی' گھریلو فی کس آمدنی اور اثاثے بہت اہم محرک ہیں جو اس کو ملازمت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں یا اس سے روکتے ہیں۔ اس مطالعہ میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ آمدنی بڑھنے کے ساتھ خواتین کا معاشی کاموں میں عمل دخل کم ہو جاتا ہے۔ گھر میں دوسرے کمانے والے افراد کی موجودگی سے خواتین میں ملازمت کا رجحان کم ہو جاتا ہے۔ جبکہ بچوں کی تعداد میں اضافہ اور گھر میں دوسرے منحصرین کی موجودگی کی وجہ سے گھریلو مالی وسائل پر بوجھ پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے خواتین کام کرنے پر مجبور ہوتی ہیں لہٰذا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعلیم و تجربہ میں اضافہ کے علاوہ مالی وسائل کی کمی ایک اہم محرک ہے۔ جس کے باعث خواتین ملازمت پر آمادہ ہوتی ہیں۔

Marfat.com

21- واڑہ اینڈ رُکن

صفیہ یوسف

1970 کی دہائی پاکستان میں ثقافتی اداروں کے قیام اوران کی ترقی کی دہائی کہی جاسکتی ہے اسی دوران لوک ورثہ کا ادارہ بھی پروان چڑھا جس نے پاکستان کے لوک ورثے اور ثقافتی خزانوں کے تحفظ اور ترویج کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1970 کی دہائی میں کئی ثقافتی جائزے مرتب کیے گئے اور چھوٹے چھوٹے دیہات کی تہذیبی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔

لوک ورثہ کے قومی ادارے سے وابستہ صفیہ یوسف نے قائداعظم یونیورسٹی سے علم الانسانیات کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ضلع گجرات سمیت کئی شہروں، قصبوں اور دیہات کے دورے کر کے ثقافتی جائزے اور رپورٹیں مرتب کرنا شروع کیں جون 1975 میں انہوں نے تحصیل پھالیہ کے دو گاؤں واڑہ اور رُکن کے بارے میں ایک مختصر رپورٹ مرتب کی۔ میں خود جو کئی برسوں سے اس علاقے کے لوک ادب اور سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے کام کر رہا تھا اور 1972 میں اس ادارے میں آنے کے بعد اس طرح کی سرگرمیوں کا آغاز کر چکا تھا بے حد خوش ہوا کہ کسی نے تو اس علاقے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ گوندل بار کے ان دیہات میں آ کر کام کرنے والی وہ پہلی خاتون ریسرچر تھیں۔ اس حوالے سے انھیں کافی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

رپورٹ کے مطابق گوندل بار کا علاقہ اگرچہ لوک ورثے کے حوالے سے کافی اہمیت کا حامل ہے لیکن اس وقت تک اس کام کی طرف توجہ نہیں دی گئی تھی۔ چنانچہ صفیہ یوسف نے دو گاؤں 'واڑا' اور 'رُکن' منتخب کیے اور 22 جون 1975 کو اپنے سفر پر روانہ ہوگئیں۔ ان کا پہلا پڑاؤ منڈی بہاؤالدین تھا جہاں وہ چوہدری ایم مرزا خان ایڈووکیٹ سے ملیں جن سے وہ پہلے رابطہ کر چکی تھیں۔ میزبان انھیں منڈی بہاؤالدین سے پندرہ میل دور جیپ پر واڑہ لے گئے۔ یہاں وہ دو دن رہیں اور انھیں کئی عورتوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ گاؤں میں غربت کا دور دورہ تھا۔ ایک ستر سالہ بزرگ خاتون نے بتایا کہ بیس برس قبل 1955 یہاں گندم نہیں ہوتی تھی۔ لوگ ڈیہلے اور پیلوں (جنگلی پھل) کھا کر گزارہ کرتے۔ اگر گھر میں کبھی ایک آدھ روٹی پکتی تو وہ چھ سات افراد میں تقسیم ہوتی۔ 1975 تک صورت حال خاصی تبدیل ہوگئی تھی اور اب گاؤں والوں کو جنگلی پھلوں پر گزارہ نہیں کرنا پڑتا تھا۔

رات کو ان عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے مصنفہ کو محسوس ہوا کہ وہ ایک صدی پیچھے آ گئی ہیں۔ عورتوں نے اپنے بہت سے تجربات سنائے۔ کئی واقعات پر سے پردہ اٹھایا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ناخواندہ ہونے کے باوجود انہوں نے زندگی کے تجربوں سے بہت کچھ سیکھا تھا۔

اگلے دن بعض خواتین نے مقامی لوک گیت ریکارڈ کروائے۔ ان عورتوں کی نظر میں ان گیتوں کا ان کی زندگی میں کوئی مثبت رول نہیں تھا۔ اس کی وجہ مذہب کا شدید غلبہ تھا۔ ایک بوڑھی خاتون نے چند لوک گیت سنائے اور بتایا کہ یہ گیت انہوں نے اپنے بچپن میں سُنے اور گائے تھے اور اب اتنے بڑھاپے میں انھیں دوبارہ گاکر وہ جھجک محسوس کر رہی تھیں۔ گاؤں میں مُصلی عورتیں بھی تھیں جو شادی بیاہ کے موقعوں پر گاتی ہیں لیکن اتنے مختصر وقت میں وہ مصنفہ پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں تاہم وہ مُصلی مردوں سے کچھ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب رہیں جو ڈھولک اور چمٹے پر ڈھولے گاتے اور بھنگڑہ ناچتے ہیں۔

اس کے بعد دو مراثنیں بلائی گئیں جو شادی بیاہ اور خوشی کے دیگر موقعوں پر گاتی تھیں۔ ان میں ایک اڑتیس سالہ صابر اور دوسری چالیس سالہ پھاپاں تھی۔ وہ اپنے ساتھ گھڑا اور تھال (بطور ساز) لے کر آئی تھیں اب انہوں نے اپنے دیسی سازوں پر گیت سنانے شروع کیے۔ ابھی وہ گا ہی رہی تھیں کہ ایک اور عورت شمیم ان میں شامل ہوگئی۔ وہ گا بھی رہی تھی اور گانے میں ان کی رہنمائی بھی کر رہی تھی۔ جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

ان تینوں عورتوں نے اس علاقے کے بہت سے گیت سنائے جو ان دیہات، یہاں کی ثقافت، اعتقادات، طرز زندگی، خواہشات اور ان کے مردوں کی بے وفائی کے سچے ترجمان تھے۔ ان کے انداز میں کوئی جھجک نہیں تھی اور وہ آزادانہ اور مردوں سے خوفزدہ ہوئے بغیر گا رہی تھیں۔ ان کے گیتوں میں بے ساختگی اور من مرضی تھی۔ گاتے ہوئے انھیں کوئی کوشش نہیں کرنا پڑ رہی تھی۔ یہ بے ساختگی ان کے تخلیقی جوہر کا اظہار تھی۔ ان لوک گیتوں میں مہنگائی کی شکایت سمیت کئی دوسرے سماجی سوالات کو بھی سامنے لایا گیا تھا۔

زیر نظر رپورٹ میں کئی خامیاں بھی موجود ہیں۔ مثلاً گاؤں کا حدود اربعہ، آبادی، تعلیمی حالت، پیداوار، پیشوں اور ذاتوں کے حوالے سے کوئی معلومات نہیں دی گئیں جس سے رپورٹ کی افادیت بُری طرح مجروح ہوئی ہے۔

(احمد سلیم)

Marfat.com

لوک کہانیاں

سوہنی مہینوال

"ہیر رانجھا" کے بعد غالباً سب سے زیادہ مقبولِ عام کہانی "سوہنی مہینوال" ہے۔ عشقیہ داستان ہونے کے علاوہ اس کی بنیادی ساخت میں سادہ فطری عناصر بہت نمایاں ہیں۔ اور یہی سادگی اور فطری پن اسے ہمیشہ رکھتا ہے اور اس کی کشش ہمیشہ کے لیے دلوں کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں شاعر اپنے شعر سے داستانوں کو چمکاتا ہے۔ وہاں کبھی کبھی داستان بھی شاعر کے نام کو چمکاتی ہے۔ "ہیر رانجھا" کے قصے کو وارث شاہ جیسا رمز آشنا شاعر ملا اور "سسی پنوں" کی داستان ہاشم شاہ ایسے اہلِ دل کی زبان سے بیان ہوئی۔ وارث شاہ ایک سحر طراز تھا' اُسے زبان پہ بے پناہ قدرت تھی۔ انسانی دلوں کے پوشیدہ گوشوں کو ٹٹولنے کا ڈھب آتا تھا۔ اُس کے قلم نے ہیر رانجھا کی کہانی کو ایک زندہ حقیقت بنا دیا۔ ہاشم شاہ ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ اُن کے دل میں گداز اور زبان میں رس بھرا تھا۔ سسی پنوں کی داستان سے جذبات کا رس نچوڑ کر نغموں میں بھر دیا۔ سوہنی مہینوال کی کہانی فضل شاہ کے حصے میں آئی۔ یہ کہانی جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا دوسری دو کہانیوں سے کہیں زیادہ سادی' فطری اور دلکش تھی۔ فضل شاہ قادر الکلام تھے لیکن ان کی قادر الکلامی ان کی دوسری شاعری میں کام نہ آسکی۔ ان کے دوسرے رومان فنی صنعت کاریوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔ سوہنی مہینوال کی داستان میں شعریت' ڈرامائی عناصر' جذبات کی فراوانی' سبھی کچھ موجود تھا۔ نظم میں آ کر یہ تمام استعدادیں خود بخود اُبھر آئیں اور اُبھرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مصنف کو بھی اُبھارا۔

داستان کی اندرونی استعدادیں کیا تھیں؟ آیئے انہیں پرکھنے سے پہلے ذرا اس داستان کو دہرا لیں۔

چناب کے کنارے گجرات کے شہر میں ایک کمہار رہتا تھا۔ کوزہ گری کے فن میں طاق۔ اس کے فنی کمالات کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی اور اس شہرت نے اس کے گرد دولت کے انبار لگا دیئے تھے۔ دولت کے ساتھ ساتھ خدا نے اسے ایک اور نعمت بھی عطا کی تھی۔ وہ اس کی نوجوان حسین بیٹی تھی' جس کے حسن و جمال کو سوہنی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

اسی زمانے میں بخارا میں ایک دولت مند سوداگر مرزا نامی رہتا تھا۔ بڑھاپے میں اولاد کو ترستا تھا۔ آخر ایک بزرگ کی دعا سے اس کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام عزت بیگ رکھا گیا۔ لڑکا ناز و نعمت میں پلا' جوان ہوا۔ ہنر مند تھا۔ تیراندازی میں ماہر اور موسیقی میں یکتا۔ شاہجہاں کا زمانہ تھا۔ دِلّی اپنے عروج پر تھی۔ مرزا عزت بیگ دِلّی دیکھنے گئے۔ واپسی پر ہر بڑے شہر کی سیر کی' ہوتے ہوتے گجرات آئے اور یہاں پہنچ کر تلّے کمہار کی صنعت گری کا شہرہ سنا۔ دکان پر گئے۔ اس کی دستکاری کے نمونوں میں قدرت کا شاہکار بھی دیکھا۔ سوہنی پر نظر پڑی' فریفتہ ہو گئے۔

دریائے چناب کا کنارا۔ گجرات کی عشق خیز سرزمین' محبت کا بیج ایک ہی ساعت میں لگا' اُگا اور پھیلا پھولا۔

محبوب کے دیکھنے کو بہانہ چاہیے تھا۔ اور ہر روز کی خرید فروخت شبہہ کی بات تھی۔ گجرات ہی میں برتنوں کی ایک الگ دکان کھول لی' مہنگے ترین خرید کر سستے داموں بیچنے شروع کیے۔ دولت کی فراوانی تھی' لیکن آخر ختم ہو گئی۔ وفادار دوست' نوکر چاکر ساتھ تھے' لیکن کب تک ساتھ دیتے۔ انہوں نے بہتیرا سمجھایا۔ لاکھ تدبیریں کیں لیکن کارگر نہ ہوئی۔ آخر ایک رات رہا سہا اثاثہ اٹھا کر چپکے سے چل دیئے اور اسے تنہا چھوڑ گئے۔

عزت بیگ کو اس بیوپار نے زیر بار کر دیا اور اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ تلّے کے گھر میں نوکری کرے اور قرض کو ادا کرے۔ پہلے گھر کی صفائی اور پھر بھینسوں کی چروائی سپرد ہوئی اور عزت بیگ سے مہینوال نام پایا۔

سوہنی اب تک مہینوال کے دل سے بے خبر تھی۔ جب اسے پتہ چلا' اس کی تباہ حالی اور خستگی کو دیکھ کر تڑپ گئی۔ اب دونوں بے تاب رہنے لگے' لیکن محبت نے ابھی وحشت کا رنگ نہ پکڑا تھا کہ سوہنی کے ماں باپ کو راز معلوم ہو گیا۔ مہینوال کو نوکری سے جواب ملا اور وہ چناب کے دوسرے کنارے فقیر بن کے بیٹھ گیا۔ سوہنی کی شادی فی الفور برادری کے ایک نوجوان سے کر دی گئی۔

مہینوال شادی کا حال سن کر مایوس ہوا لیکن سوہنی نے ایک سہیلی کے ذریعے پیغام بھیجا اور اپنی محبت اور وفاداری کا یقین دلایا۔ مہینوال کے دل میں عشق کی چنگاری پھر بھڑک اُٹھی۔ وہ رات کو تیر کر اس سے ملنے کے لیے دریا کے اس پار آتا اور تازہ مچھلی بھون کر لاتا۔

ایک رات مہینوال آیا' اس میں قدرے نقاہت تھی اور ٹانگوں سے خون بہہ رہا تھا۔ جستجو پر معلوم ہوا مچھلی نہ ملنے کے باعث اس نے اپنی ران سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کباب بنائے تھے۔

Marfat.com

سوہنی محبت کے یہ انداز دیکھ کر سہم گئی۔

اب سوہنی مہینوال سے خود راتوں کو چھپ چھپ کے دریا کے پار ملنے کے لیے جاتی۔ بظاہر ایک گھڑے کے وسیلے تیرتی تھی لیکن شوق بہت بڑا سہارا ہے' منزل کتنی کٹھن کیوں نہ ہو۔ ایک جست میں طے ہو جاتی ہے۔ مگر آسمان کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔ سوہنی کی نندیا کو شبہ ہوا۔ وہ اس کے تعاقب میں گئی اور سب راز پا لیا۔ کچھ غیرت' کچھ حسد' کچھ تریا چلتر۔ سب نے مل کر انتقام کی صورت نکالی۔

ایک رات' آسمان پر مہیب بادل گھرے ہوئے تھے' تاریک فضاؤں میں ہولناک آندھیوں کا شور قیامت بپا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو لرز کر رہ جاتا۔ سوہنی محبت کا سہارا لے کر اٹھی اور دریا کی طرف چل دی۔

کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے' بجلی نے کڑک کر' چمک کر بہت کچھ ڈرایا' سمجھایا' بجھایا' لیکن سوہنی نے سمجھا تو صرف اتنا کہ اس کے ہاتھوں میں پکا گھڑا نہیں کچا گھڑا ہے۔ اس کی نندیا اپنی چال چل گئی تھی۔

دریا میں بلا کا طوفان تھا' لہروں کے تلاطم میں موت منہ کھولے کھڑی تھی' سوہنی کا جی دھک سے ہو گیا۔

یہ اس کے امتحان کا وقت تھا' وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔ اور مہینوال کا نام لے کر دریا میں کود پڑی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ اسے اب کون کہے اور کون سنے۔

انتظار کے صدمے کب تک سہے جا سکتے ہیں' مہینوال کچھ دیر تک سوہنی کی راہ دیکھتا رہا۔ آخر کار جس آواز کو اس کے کان نہ سن سکے تھے۔ اس کے دل نے اسے سن لیا۔ وہ بھی بے دھڑک دریا میں کود پڑا اور پھر دنیا اس کی صورت نہ دیکھ سکی۔

یہ ہے سوہنی مہینوال کی سادہ مختصر سی کہانی' اور یوں محبت کی کہانی ہوتی بھی کیا ہے

''از نگاہِ شوق حرفے بیش نیست''

سوہنی مہینوال کا قصہ اگرچہ دوسرے قصوں سے قدرے مختلف اور قدرے حقائق کے قریب تر ہے لیکن اس میں بھی ہیرو اور ہیروئن یا عاشق' معشوق دونوں کی پیدائش اور موت غیر معمولی واقع ہوئی ہے۔ پنجاب کی دیہاتی معاشرت اور اس کی اقدار کے مطابق مہینوال ایک خوبصورت' ہنر مند نوجوان ہے جو اپنی محبوبہ کے لیے دھن دولت' عزت' آبرو' جان سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔ سوہنی ایک حسین دوشیزہ ہے جو ازل سے اپنے عاشق کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ اب وہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ غیر سے شادی ہونے پر بھی غیر اسے نہیں چھو سکتا۔ سوہنی کی دعا شوہر کو اس سے بیگانہ بنا دیتی ہے تاکہ اس کی عصمت مہینوال کے لیے محفوظ رہے۔

ان پاکیزہ تصوراتِ عشق کے باوجود قبیلے' جماعت اور برادری کا امتیاز بھی قائم ہے۔ سوہنی کے ماں باپ سوہنی مہینوال کے ملاپ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ نندیا کی غیرت اسے گوارا نہیں کرتی۔ اس عصبیت کے ساتھ ساتھ مذہبی عقائد کا تقدس اور رسم و رواج کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ غیر مرد اور غیر عورت کا خود بخود یوں گھل مل جانا ٹھیک نہیں۔

اُدھر عشق و محبت کا تقدس بھی قائم ہے' مگر اس کے ڈانڈے روحانی عشق سے جا ملتے ہیں۔ سوہنی مہینوال کا وصال ضروری ہے۔ مگر اس دنیا میں نہیں' آخرت میں۔ اور پھر اس دنیا میں ان کی جدائی بھی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ جدائی دردناک چیز ہے' اس لیے کوئی خدا رسیدہ انسان ان مظلوموں کی آہ و فریاد بھی سنتا ہے۔ اور آڑے وقت میں کام آتا ہے۔ وہ ان کی جان کا رکھوالا ہے۔ مگر ان کی زندگی موت کے سوا پروان نہیں چڑھ سکتی۔

(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم مرحوم)

چکوا اور چکوی

گجرات کے دیہاتوں میں چکوے اور چکوی کی کہانی بھی بڑی بوڑھیوں کو یاد ہے جو انہوں نے اپنے بچپن میں سنی تھی' مجھے بھی یہ کہانی میری ماں نے سنائی تھی۔ اس کہانی میں بھی وہ جدائی موجود ہے جو یہاں کے گیتوں کی خاصیت ہے۔

کہتے ہیں دریائے چناب کے کنارے پر دو پرندے رہتے ہیں۔ ایک چکوا اور چکوری۔۔۔ ایک کنارے پر چکوا اور دوسرے کنارے پر چکوی۔۔۔ یہ پرندے سارا دن تو اکٹھے رہتے ہیں لیکن شام پڑتے ہی الگ الگ کناروں پر جا بیٹھتے ہیں۔ ایک کنارے پر بیٹھا ہوا چکوا' دوسرے کنارے پر بیٹھی ہوئی چکوی سے پوچھتا ہے ''چکوئیے آواں؟''۔۔۔ وہ کہتی ہے ''آ جاؤ'' لیکن جب چکوا اُڑ کر اس کنارے پر جاتا ہے تو چکوی اُڑ کر دوسرے کنارے پر چلی جاتی ہے اور پوچھتی ہے ''چکویا! آواں؟''۔۔۔ وہ کہتا ہے ''آ جاؤ'' لیکن جب وہ اُڑ کر وہاں پہنچتی ہے تو چکوا اُڑ کر دوسرے کنارے پر چلا جاتا ہے۔ کہتے ہیں یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ وہ اس کے پاس آتا ہے تو وہ اُڑ کر دوسری طرف چلی جاتی ہے اور اگر وہ اس کے پاس آتی ہے تو وہ اُڑ کر دوسری طرف چلا جاتا۔ اور جب رات خاصی بیت جاتی ہے اور وہ دونوں تھک کر نڈھال ہو جاتے ہیں تو چکوی کہتی ہے۔

Marfat.com

''چل وے چکویا چلئے گھر لوہار دے
تے اوتھوں سنگل لیئے بنوا
تے جدوں آوے کالی راتڑی
اوہنوں پیریں لیئے پا''

گجرات سے نکلے تو دن میلا ہو رہا تھا۔ میرے ساتھیوں میں سے ملک صاحب کے چہرے پر تھکاوٹ کی لکیریں پھیل رہی تھیں۔ خالد جاوید لوک فنون کے بارے میں جمع کی گئی معلومات میں سے کچھ خاص خاص باتیں کاپی پر نوٹ کر رہا تھا۔ عکسی مفتی وہ پراجیکٹ گنوا رہے تھے جو گجرات میں قیام کے دوران سامنے آئے۔ ان میں سے ریسرچ کا خاص پراجیکٹ یہ تھا کہ گجرات میں ڈھولیوں پر ریسرچ ہو سکتی ہے۔ جیپ تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ گجرات اور وزیر آباد کے درمیان چناب کا پُل آتا ہے جب ہم پُل پر سے گزرے تو چناب کا پانی کسی مست ملنگ کی طرح اپنے آپ میں مگن تھا۔

(حوالہ: مظہر الاسلام/لوک پنجاب)

لوک ناچ

بھنگڑا

پار جھناؤں پیا وِسدا ای
بیلا
دب کے ڈغا مار او شیخا
دنیا جھٹ دا میلہ

ہاں ہاں! دنیا ایک عارضی چیز ہے۔ آج کا دن پھر نہ آئے گا۔ اور پھر خوشی کی گھڑی۔ یہ تو آنکھ جھپکتے ہی بیت جاتی ہے۔ گاؤں کے باہر کھلے میدان میں ''شیخ'' نے ڈھول پر چوٹ لگائی۔ کتنی میٹھی آواز ہے۔ یہ خوشیوں کا بلاوا ہے۔ پُرانی روایات کی امٹ یاد ہے۔ اس آواز کو سنتے ہی دل ناچ اٹھتا ہے اور جسم کا انگ انگ ایک والہانہ حرکت کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ وہ دیکھئے! نگر کے نوخیز ناچتے کودتے آ رہے ہیں۔ ان کے جلو میں پختہ عمر کے لوگ بھی ہیں۔ اور بڑے میاں بھی خراماں خراماں اِدھر کا رُخ کر رہے ہیں۔ ان سب کے لبوں پر مسکراہٹیں کھیل رہی ہیں اور کیوں نہ کھیلیں۔ آج خوشی کا دن ہے۔ آج مدت کی محنت ٹھکانے لگی ہے۔ آج کے دن ناچنا تو صدیوں پرانی ریت ہے۔

لو! سب نے شیخ کے گرد حلقہ باندھ لیا۔ ایک نوجوان آگے بڑھا اس نے ایک ہاتھ ڈھول پر رکھا۔ اور دوسرا کان پر۔ سنو وہ کیا کہتا ہے۔

پار جھناؤں پیا وِسدا ای بیلا

شیخ نے ڈھول پر تین چوٹیں لگائیں۔ ڈگ۔ ڈگ۔ ڈگ۔ نوجوان نے اونچی اور تحمل بھری آواز میں دوسرا بول گایا

دب کے ڈغا مار او شیخا

شیخ نے ڈھول پر تین اور زور دار چوٹیں کیں۔ ڈگ۔ ڈگ۔ ڈگ نوجوان پکار اٹھا۔

دُنیا جھٹ دا میلہ

اب شیخ کی حرکت تیز ہوئی۔ ڈھول پورے زور سے اور ایک تال میں بجنا شروع ہوا۔

ڈگ ڈگا ڈگ ڈگ ڈگ ڈگا ڈگ ڈگ

اور ناچ شروع ہو گیا۔ اس ناچ میں فن کی باریکیاں نظر نہ آئیں گی۔ کیونکہ یہ لوگ کسی ناچ گھر سے تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ یہ تو جذبات کا بے ساختہ اظہار جانتے ہیں۔ اور جسم کے انگ انگ کو آزادی دیتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہے جذبات کی تصویر کھینچے۔

یہ بھنگڑے کا ناچ ہے۔ اس میں ڈھولے کہے جاتے ہیں۔ ڈھولے کس کی تصنیف ہیں۔ اس کا پتہ آج تک نہیں چلا۔ یہ خود بخود جنم لیتے ہیں اور نگر نگر میں پھیل جاتے ہیں۔ ڈھولے گانے کا انداز بالکل انوکھا اور عام گانوں سے نرالا ہوتا ہے۔ خوشی کی ترنگ میں آ کر بعض اوقات تہذیب کا دامن چھوٹ جاتا ہے لیکن یہ موقع موقع کی بات ہے۔ دیہات میں کچھ اچھے ڈھولے بھی مل جاتے ہیں اور یہی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہی دیہات کے جوانوں اور بوڑھوں کے دلوں کو گرماتے اور تڑپاتے رہیں گے۔

ایک بار ناچ شروع ہوتا ہے تو کچھ وقت صرف ناچ ہی ہوتا رہتا ہے۔ پھر

Marfat.com

ایک دم سب خاموش ہوجاتے ہیں۔کسی گاؤں میں بیٹھنے کا رواج ہے اور کسی میں کھڑے رہنے کا۔لیکن خاموشی ضرور ہوتی ہے۔۔۔بہت جلد خاموشی کا یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔کوئی نوجوان اٹھتا ہے اسی طرح ایک ہاتھ ڈھول پر رکھتا ہے اور دوسرا کان پر۔اور پھر بول گائے جاتے ہیں۔ڈھولوں کے چند اچھے بول ملاحظہ ہوں۔

وَگدی اے راوی وچ رُڑدے نیں دیکچے
کملے نیں ماپے جیہڑے دھیاں نوں ویچدے

کناں نوں بُندے اکھیں سُرمے دیاں لپاں
ناری وییون دیا گندلاں
ماردیاں ڈنگ وانگ ایانیاں سپاں

کناں نُوں بُندے تے سرچھتے نیں کالے
دِہیں دے دھوتے میرے مکھن دے پالے
رَل مٹی وچ گئے نیں سجن قول نہیں پالے
تیرے باجوں وے ڈھولیا سانوں کون سنبھالے

چڑھیا اے چَن نالے چڑھیاں نیں تاریاں
کُجھ ڈُب گئیاں تے کُجھ ڈبن ہاریاں
میرا پیٹھا سُرمہ لُٹ لیا کواریاں
اوہناں کیہ وسنا سوہرے شیخا
جناب پکے لالئیاں یاریاں

آج ہمارے مدت کے ساتھ ہم سے بچھڑ گئے ہیں۔بھنگڑے کی محفل سُونی پڑی ہے۔لیکن بچھڑے ہوئے ساتھی پھر جمع ہونگے۔ڈھول پر پھر چوٹ لگے گی۔بھنگڑا پھر ناچا جائے گا۔

یہ ناچ اُن بھلے دنوں کی یادگار ہے جب مشینوں کا رواج نہ تھا۔جب بنیئے نے جنم نہ لیا تھا۔جب ساہوکار پیدا نہ ہوا تھا۔اور وہ نظام بھی نہ آیا تھا۔جس نے اناج کا تاج وتخت چھینا اور اسے تانبے کے سر رکھ دیا۔ان دنوں گندم ہی رانی تھی اور زندگی کی ساری خوشیاں اسی سے وابستہ تھیں۔جب بھی فصل پکنے کا وقت آتا کسان پھولے نہ سماتے۔ان کی نظروں میں ہر طرف جنت بس جاتی۔دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کی آزاد فضا اور گندم کی لہلہاتی ہوئی اور پکی ہوئی پیلی ڈالیاں انہیں مجبور کرتیں کہ ناچو اور خوب ناچو۔دھرتی سونا اُگل رہی ہے۔یہ خوشی کے دن ہیں جانے کب بیت جائیں۔ دنیا تو ہے ہی ''جھٹ دا میلہ''۔

زندگی میں خوشی کی گھڑی اس وقت آتی ہے جب ہماری کوئی بنیادی ضرورت پوری ہوجائے۔اَن دیکھے وقتوں سے سنسار کی ریت یہی چلی آئی ہے کہ سب سے پہلے پیٹ کی پکار پر کان دھرے جائیں اور یہی پکار آج بھی سب سے زیادہ بلوان ہے جب اس اَمٹ پکار کا جواب دینے کا سہارا موجود ہو تو کون ہے جس کا من خوشی سے لہرا نہ اُٹھے! یہی وجہ ہے کہ صدیوں پرانے مظالم کے بوجھ تلے دبی ہوئی پنجابی جنتا میں آج بھی بھنگڑے کے ناچ کو بہت محبوب اور مبارک ناچ سمجھا جاتا ہے۔

پہلی بیساکھ کو بھنگڑے کا ناچ بڑی آن بان سے ناچا جاتا ہے۔وزیرآباد اور گجرات میں اس دن بڑی شان کے دیہاتی میلے ہوتے ہیں۔جن میں بچے' بوڑھے اور جوان قطار اندر قطار اور گروہ در گروہ آتے ہیں اور نئے نئے کپڑوں میں ملبوس بھنگڑا ناچتے ہیں۔بڑے بڑے پیر اور مذہبی پیشوا بھی اس ناچ میں حصہ لیتے ہیں۔گجرات کے ایک مذہبی پیشوا اپنے ہزاروں مریدوں سمیت اس قسم کے میلوں میں شریک ہوتے ہیں اور پورے ذوق وشوق سے ایک والہانہ انداز میں کچھ اس طرح ناچتے ہیں کہ ماوتو کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ہندو' مسلمان' سکھ سبھی قوموں کے لوگ مل کر گاتے اور ناچتے ہیں۔بھنگڑا انہیں احساس دلاتا ہے کہ کبھی ہم سب ایک تھے۔

ناچ پنجاب کے تین ضلعوں گوجرانوالہ' گجرات اور سرگودہا میں خاص جوش وخروش سے ہوتا ہے۔بیساکھ کے مہینے میں ان علاقوں کے دیہات میں بڑی گہما گہمی ہوتی ہے۔ہر شام سورج ڈوبتے ہوئے بھنگڑے کی محفلیں جم جاتی ہیں۔جہاں گھریلو پریشانیوں' معاشی رکاوٹوں اور سماجی اُلجھنوں سے آزاد ہوکر کسان چند گھڑیاں خوشی سے گزار لیتا ہے۔بھنگڑے کا حلقہ اس کے لیے ایک ایسا سنسار ہے جہاں سکھ ہی سکھ ہے۔دکھ کا نشان تک نہیں ملتا۔یہی ہمارے غریب کسان کے لیے فرار کی ایک رنگین جگہ ہے۔

ہم نے اس ناچ کی پہلی' اُچھوتی اور معصوم شکل پیش کی ہے لیکن اب اس میں تبدیلیاں آرہی ہیں۔ان تبدیلیوں کا پس منظر ہے ہماری شہری زندگی اور اس کی رنگارنگ تفریحات۔دیہات کی بے رنگ اور پھیکی زندگی سے طبیعت اُچاٹ ہوتی ہے تو دیہاتی شہر کا رُخ کرتے ہیں۔زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے انہیں روٹی مہیا کرنے پر قادر نہیں رہتے۔تو دیہاتی انہیں الوداع کہہ کر شہر کو بھاگتے ہیں تاکہ وہاں محنت مزدوری کرکے روپیہ حاصل کریں۔شہروں میں سب سے سستی لیکن سب سے زیادہ رنگین تفریح سینما ہیں۔فلموں میں طرح طرح کے ناچ دکھائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

ان کا اثر دیہات پر بھی پڑا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اب دیہاتی بھنگڑے میں سادگی اور بے ساختہ پن باقی نہیں رہا۔شہریوں کی دیکھا دیکھی دیہاتیوں نے بھی اپنے ناچ میں کئی باریکیاں پیدا کر لی ہیں اور بھنگڑے میں نگر کے نوخیز پیشہ ور رنگیوں کی طرح اپنے اعضاء کو بڑے بانکپن سے تھرکاتے اور لچکاتے ہیں۔

بھنگڑے کے ناچ کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں سماج کی اُونچ نیچ یا ذات پات کا لمبا چوڑا خیال نہیں رکھا جاتا۔سماج کے ہر طبقے اور ہر ذات کے لوگ زیادہ تر اکٹھے مل کر ناچتے ہیں۔یہ ناچ ان میں برابری کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔اس لیے بھنگڑا سماج سدھار کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

بھنگڑے کی ایک اور شکل بھی ہے۔اسے سرگودھے میں ''ہسیٹری'' کہا جاتا ہے۔اس ناچ کو مُصلی لڑکے رچاتے ہیں۔وہ ڈھول بجاتے ناچتے گاتے گاؤں میں سے گزرتے ہیں۔دولڑکے مہتر اور مہترانی بنتے ہیں۔ان کا کام یہ ہے کہ ہر گھر سے کچھ نہ کچھ آٹا وصول کریں۔یہ لوگ انکار کرنے والوں سے بھی آٹا لیے بغیر نہیں ٹلتے۔ اس لیے انہیں سب گھروں سے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔شام کے وقت یہی آٹا پکایا جاتا ہے اور اسے سب مل کر کھاتے ہیں۔اس طرح زمینداروں کی طرح کمیں بھی زندگی کی کبھی ختم نہ ہونے والی تلخیوں سے چند گھڑیاں الگ تھلگ رہ کر اپنا دل پرچا لیتے ہیں۔

اور اب شہریوں کی سنیئے۔شہریوں کا مزدور طبقہ بھی بھنگڑا ناچتا ہے۔لیکن دوسرے طبقوں کے لوگ اس سے دور رہتے ہیں کیونکہ شہروں میں طبقاتی امتیاز بہت نمایاں ہے اور سماج کے بندھن ایسے مضبوط ہیں کہ دوسرے طبقوں کے لوگ مزدور کی خوشیوں میں شریک نہیں ہو سکتے۔

شہری مزدور کی خوشی کے دن ہیں عید، دیوالی کوئی میلہ یا مہینے کی پہلی تاریخ جب وہ مہینے بھر کی محنت کو نقرئی روپ میں دیکھتا ہے۔دیہات میں لوگ کھلے میدانوں میں ناچتے گاتے ہیں۔لیکن شہروں میں یہی ناچ بازاروں میں ہوتا ہے۔ ڈھول بجانے والے آگے ہوتے اور ناچنے والوں کا گروہ پیچھے۔یہ لوگ بہت ہی فحش بول بولتے ہیں۔اتنے فحش کہ ہم ان میں سے ایک بول بھی نمونے کے طور پر پیش نہیں کر سکتے۔

شہری مزدور بیساکھی کے تیوہار پر دریا کے کنارے جا کر ناچتا ہے لیکن اس ناچ کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ رسم کہن کو تازہ کیا جائے ورنہ شہری مزدور کو بیساکھی سے کیا واسطہ؟

بھنگڑا قوم کی بہتری کے لیے بھی کام آ سکتا ہے۔ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے پڑوسی ملک روس نے اپنے لوک ناچ اور لوک گیت کے ذریعے اس کام میں بڑی مدد لی ہے۔اگر پنجابی شاعر اس طرف توجہ دیں۔اچھے اچھے اور پاکیزہ ڈھولے لکھیں۔اور ہمارے سیاسی اور سماجی کارکن اور ادارے انہیں ڈھیرے ڈھیرے دیہات میں رواج دیں تو یہی ناچ ہماری قومی تعمیر نو کے کٹھن کام میں ایک بڑی مدد ثابت ہو سکتا ہے۔

(عبدالسلام خورشید مرحوم)

رسم ورواج

شادی بیاہ کے گیت

چھلّیاں

اٹھ مائے مل لے نی
دھیاں دیس بگانے چلّیاں
دھیئے نی میں کیہ ملناں
دھیاں پانی وچھوڑے چلّیاں

پاوے

ڈوروی نہ دئیں بابلا
جتھے کانگ اُڈیا وی نہ جاوے

پکھیاں

ڈوردی نہ دئیں بابلا
میری روندی دیاں تھک جان اکھیاں

جنی

نیڑے وی نہ دئیں بابلا
میری جھال کسے نہ جھلنی

Marfat.com

مداہنیاں

ہائے وے میریا ڈاہڈیا ربا
کناں جمنیاں تے کناں لے جانیاں

کانواں

میریا ڈاہڈیا ربا
گلاں دُکھاں دیاں کنوں مَیں سُناواں

پاوے

میریا سردار سوہریا
میری جنج موٹراں تے آوے

آ کھ رہیاں سمجھا رہیاں!
پیالے کے نہ جائیں بزار چھتری
عاشق معشوقے دی نازک جندڑی
ٹکی نہ جائے دلدار چھتری
تر ہی تری خاطرنی میں محل بوایا
وچ وتے میری نار پتلی!
آ کھ رہیاں سمجھا رہیاں!
پیالے کے نہ جائیں بازار چھتری
عاشق معشوقے دنازک جندڑی
ٹکی نہ جائے دِلدار چھتری!

تیری تیری خاطرنی میں کھوہ آلوایا
پانی بھرے میری نار پتلی
آ کھ رہیاں سمجھا رہیاں!
پیالے کے نہ جائیں بازار چھتری
عاشق معشوقے دنازک جندڑی
ٹکی نہ جائے دِلدار چھتری!

تیل کی رسم کے گیت

چار دیوے مست کھیوے
دیویاں وچ تیل وے
ادھی تے راتیں لال آیا
پنجاں پیراں دا میل وے

چار دیوے مست کھیوے
دیویاں وچ بتیاں!!
ادھی تے راتیں لال آیا
اجے تے راتاں وڈیاں

چار گلیاں رنگے ڈلیاں
رنگ سُوہے رتیاں!
ادھی تے راتیں لال آیا
اجے تے راتاں وڈھیاں

کھارے چڑھنے کی رسم کے گیت

تینوں کھارے چڑھاون آئیاں
لالہ تینوں کھارے چڑھاون آئیاں
تیرے کھارے نُوں لگڑے نی ہیرے
تیرا کاج سوارن ویرے!
وے لالہ تیرا کاج سوارن ویرے
تیرا کاج سوارن بھنیاں!!
تیرا کاج سوارن بھنیاں
تیرے کھارے نُوں لگڑے نی لاچے لالہ
تیرا کاج سوارن لاچے وے ویرا
تیرے کھارے نوں لگڑے نی جالے لالہ

Marfat.com

تیرا کاج سوارن مامے وے لالہ
ایس میرے پُتر نوں کھارے دا چاء
چڑھیاں ای کھارے تے لتھا سو چاء
ایس میرے ویرے نُوں گانے دا چاء
بدّھا سو گانا تے متھا سو چاء
ایس میرے ویرے نُوں گھوڑی وا چاء
چڑھیا ای گھوڑی تے لتھا سو چاء
ایس میرے ویرے نُوں ڈولے دا چاء
لیاندا سو ڈولا تے لتھا سو چاء

گھوڑیاں

شادی کے وقت دولہا گھوڑے پہ سوار ہوتا ہے۔ اس کی بہنیں اور محلے کی دوسری لڑکیاں اکٹھی ہو کر گھوڑے کی بھاگ پکڑ کے گیت گاتی ہیں۔ ان گیتوں کو ''گھوڑیاں'' کہا جاتا ہے۔ اس میں تعریفی الفاظ ہوتے ہیں۔ گیت گاتے ہوئے بہنیں' بھائی سے ''واگ پھڑائی'' بھی لیتی ہیں۔ یہ گیت نہایت محبت بھرے اور مٹھاس سے لبریز ہوتے ہیں اور بہن کے جذبات کی سچی عکاسی ہوتے ہیں۔ گجرات کے علاقے میں اب یہ رسم کم ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے کچھ گیت پیش کیے جا رہے ہیں۔

گھوڑی آن بدّھی تیرے نائی وے جیویں
جس پُن کیتی کڑمائی وے جیویں!

گھوڑی آن بدّھی تیرے پیوٗ وے جیویں
جنج منگ دی اے کھنڈ تے گھیو وے جیویں
گھوڑی آن بدّھی تیرے ویرے وے جیوں
جنج پہن کھلوتی اے' چیرے دے جیویں

بھرنی آں موتیاں دے تھال
دینی آں لاگیاں دے لاگ
لاڑے من کیسری دا چاء
وے جیویں ماؤ ویکھنے دا چاء
سہرا بنّے پنج لڑیاں
ہیرے موتی لعلاں جڑیاں
آنی کسے مالن پرویا!
بنّے دا سوہنا سہرا

سہرا بنّے یاراں لڑیاں
ہیرے موتی لعلاں جڑیاں
آنی کسے مالن پرویا
بنّے دا سہرا !!

سٹھنیاں

دیہات میں بارات والوں کو حملہ آور سمجھ کر ان کی مزاحمت کی جاتی ہے۔ جوان عورتیں دروازے پہ اکٹھی ہو کر بیٹھ جاتی ہیں اور باراتیوں کو اندر داخل ہونے سے روکتی ہیں اور ساتھ دولہے کے قریبی رشتے داروں کو گالیاں بھی دی جاتی ہیں۔ بعض اوقات باراتیوں پر ڈھیلے بھی پھینکے جاتے ہیں۔ گجرات میں اب یہ رسم بھی مٹتی جا رہی ہے۔ بڑی بوڑھیوں کو کچھ سٹھنیاں یاد ہیں۔ چند ایک نیچے درج کی جا رہی ہیں:

آ ڈھک وے' آ ڈھک وے
اللہ بیلیا مہاراجہ توں آ ڈھک وے
ماں جم کے نہ چٹیوای
پواندی چا سٹیوای

ہنیرے دی اے سٹے

کو یلے دی اے مارے
توں آ ڈھک دے

ساڈھے جے ویہڑے مُنڈھ مکّی دا

Marfat.com

داتے تے منکد ااُڈھل گئی دا!
بھھٹی ے تپدی نئیں
وے نلجیو لج تہانوں نئیں

سو ہزار وچ بڈھیا
تے دادے داڑھی تیرے ہکیا
وے سُور دیا پُترا

سٹھیاں دین والیاں کڑیاں اگوں آکھدیاں نیں
وے حرامدی گُڑی
بے ایمان دی گُڑی

لوالے نی لوالے نی
سوکن ٹاکی
گُرم تیرا دھاگے وٹے
تے سوہرا لائی ٹاکی
لوالے نی لوالے نی
سوکن ٹاکی
(حوالہ: خالد ہمایوں۔ تحصیل گجرات دا لوک ادب)

رُخصتی کے گیت

تیرے محلاں وچوں وے بابلا
ڈولا نئیں اولنگھدا!!

بابل جواب دیندا اے۔

اِک اِٹ پُٹا چھڑاں گا!!
جاییے گھر جا اپنے !!

دھی

تیرے ملہڑے پسارے وچ وے بابلا
ترنجن کون کتے دا!!

بابل

میریاں کتن پوتریاں
جاییے گھر جا اپنے

دھی

تیری چٹی رڑی اُتے وے بابلا
کھینہوں کون کھیڈے دا؟

بابلا

میریاں کھیڈن پوتریاں
جاییے گھر جا اپنے

میرا ڈولا بھائی چکدے نئیں
میرا ڈولا اڑیاں کردا اے
بھائی روندے تے گُرلاندے نے
نالے پھیردے نے پیا
بھینے گھر جا اپنے

ماں

جاندی جاندی دس جائیں دھیئے !!
کتھے دھریا ای لُون تے کتھے دھری آ وسار

دھی

آلے دھریا ای لُون
تے چھکے دھری آ وسار

دھی

دس دس نی مائے
چور میرا
جس میرا ہار چھپا لیا
نولکھا موتی سیر گُلیاں
لیندا اتے نظر نئیں آیا

ماں

نی جاییے چورا تیرا؟
میں ای تے ہار چُرا لیا
نولکھ موتی سیر گُلیاں
لیندا اتے نظر نہ آیا

Marfat.com

(حوالہ: خالد ہمایوں۔ تحصیل گجرات دا لوک ادب)

موت کے گیت (بین)

اُٹھ پہن گلابی کپڑے
میریا سوہنیا پُترا
تے چڑیاں دی کدوں آئی سی رُت

میں بُوہے نوں بہنی آں سامنی!
تیرے آون دی رکھ کے اڈیک!
میں کوئے دیاں رِندی گڈیاں!
تے مینوں کجھ نئیں دِستیا تیرے آون دا

میں اجڑ دی ہو جاں بکری
تے میرا اسیخیں لگے ماس
میریا ہیریا پُترا

پیتے پانی دی نئیں کدے پی ٹھنڈ
تے کھادے دا آیا نئیں سواد
میں بے نصیب دیا بچیا
تیری راہ جوانی رانگلی
جیہڑی مانی اے کلّر نے
میرا جیون جو گیا پُترا

میریاں سُتی دیاں اگڑ گئیاں اکھیاں
تے لگ گئیاں نی تاریاں دے نال
مینوں بیٹھیاں چڑھ دِیاں کھِتیاں
مینوں بیٹھیاں لگ دی لو
مینوں کدی نہ وِسریوں پُترا

ماپے ہٹ پساراں دے
تے بھائی ونج بیوپاراں دے
تے میرے ٹٹ گئے نی زور
تیرے مرن نال میریئے مائے

مانواں دھیاں دیاں سندیاں نیں
دُکھاں دیاں گلڑیاں
تے ہُن کون میریاں سُنے
دھیئے دھیاں جمیے تے آپوں پالیے
کسے دے دس نہ پائیے
میریے بھولیے مائے
(حوالہ: خالد ہمایوں۔ تحصیل گجرات دا لوک ادب)

متفرق لوک گیت

گجراتی ماہیا

یہ لمبے ماہیے ہوتے ہیں جن کا آغاز میں اتھے تے۔۔۔۔ سے ہوتا ہے یعنی میں یہاں اور ڈھول۔۔۔۔ یہاں دونوں میں جدائی کا عنصر ان ماہیوں کی بنیاد ہے۔ گجرات کے دیہاتوں میں خاص کر پھالیہ میں ان ماہیوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان ماہیوں میں دور دیہات اور شہروں کا ذکر ہوتا ہے اور اس طرح پنجاب کے اکثر مقامات کا احاطہ ہو گیا ہے۔۔۔۔ ایسے ماہیوں کی ایک مثال

میں اتھے تے ڈھول ہزارے
ڈاہڈے بول شریکاں مارے

میں اتھے تے ڈھول گجرات اے
سودالیندیاں پے گئی رات اے

میریا وے ماہیا
کنڈے بُھر گئے چاٹیاں دے
ڈر پیا لگدا اے لمبے لڑ گجراتیاں دے
(ماہیے۔ اسلم جدون)

Marfat.com

گجراتی طرز کا ماہیا

دیوا بلدا چبارے تے
میں قُربان جاواں تیرے ہکی دے اشارے تے

کوئی بنگلہ تھل پایا
کفن وچوں بانہہ کڈھیاں نمیں ڈھولے گل لایا

سپ پانی چیر آیا
اودوں ماہی آن ملیا جدوں وقت آخیر آیا

ہٹیاں تے گڑ آیا
دِتا ہویا چھلا چناں اَج واپس مُڑ آیا

مُندری پائی رکھساں
آپ ذلیل ہوساں تیری عزت بچائی رکھساں

گجراتوں جا پیتی
اُجڑی آباد ہوئی آں جد وملا نگاہ کیتی

پانی پی گئی گھوڑی
ہِنت نئے ظلماں دی ماہیے رسم بنا چھوڑی

باگے وچہ شینہ مویا
جدوں یاری ٹٹ جاندی لوکی پچھدے نے کی ہویا
(ملک اشرف شاعر)

پنجابی ٹپے

میں ایتھے تے ڈھول میرا گجرات
سودالیندیاں پے گئی رات

ماہیا! میریا وے ماہیا دوگھے چھوڑے نی
دو گھر سجناں دے اوہ وی رنج کر چھوڑے نی

میں ایتھے تے ڈھول میرا کنجاہ
میرے ڈھول دا راکھا آپ خُدا

میں ایتھے تے ڈھول میرا آلے
جُتی پائی تے پے گئے چھالے

ماہیا! میریا وے ماہیا تانگہ ڈھکی نال اُلار ہویا
جھوٹی چناں تاں پی آں کل تخت بخار ہویا

ماہیا! میریا وے ماہیا گڑے دی روڑی آ
کُھلا ڈھلا گا کڑیئے ماں کناں تو ڈوری آ

میں ایتھے تے ڈھول میرا اہی
دَسدا جی تے ماردا کھبی

میں ایتھے تے ڈھول میرا کھاریاں
جھلیئے توں جادسیاں گھار گلاں ساریاں

بالو ماہیا

اسی طرح مشہور ہے کہ شفیع نام کا ایک شخص پنجاب میں ہو گزرا ہے۔۔۔ بالو اس کی محبوبہ تھی اور اسے ماہیا کے نام سے پکارتی تھی۔ بالو اور ماہیا کی داستان حال ہی کا واقعہ ہے۔۔۔۔

معلوم ہوتا ہے کہ ماہیے کو زیادہ شہرت ان یہ دو کرداروں نے دی۔ ماہیا کا اصلی نام شفیع تھا۔ صرف عورت ہی نہیں ماہیے میں مرد بھی عورت سے مخاطب ہوتا ہے اور ماہی کے نام سے پکارتا ہے۔ اکثر ماہیوں میں یوں تو ماہیا دوسرے مصرعے میں ہی آتا ہے لیکن بعض اوقات پہلے مصرے میں بھی آ جاتا ہے۔ بعض نہایت ہی خوبصورت ماہیے وہ ہیں جن میں کسی کردار کا ذکر نہیں ہوتا۔ اس طرح تذکیر و تانیث کی پابندی نہیں

Marfat.com

رہتی اور ایسے ماہیے زیادہ مشہور ہو جاتے ہیں۔

ماہیے تے بالو دی پہلی ملاقات

بالو

تانگے والیا مُنڈیا وے
ساڈے دل کیوں تکدا
ٹانگہ روک کے گُنڈیا وے

ماہیا

اساں گُنڈا اکھوالینا
بالوئی تُوں چنگی لگدی
تینوں سینے نال لالینا

بالو

بیبا ہوش دی گل کر وے
کُڑی تُوں کواری تے
کاہنوں بیٹھا ایں اکھ دھر وے

ماہیا

اسیں عشقے دے مارے آں
فکر نہ کر بالو
ہالی اسیں وی کنوارے آں

سوال بالو

وے تُوں بڑا ایں چالاک بیبا
کرنا ایں مسکریاں
تینوں رہی آں ٹھاک بیبا

جواب ماہیا

آ جا ٹانگے تے بہہ بالو
توں وی تے ہے پنڈ جانا
جاواں تینوں وے لے بالو

سوال بالو

تیرے ٹانگے تے نئیں بہنا
تیرا اعتبار نئیوں
خورے رستے چہ کیہہ کہنا

جواب ماہیا

اساں ہور کی کہنا ایں
اِکو تینوں گل کہنی
سدا ساڈے نال رہنا ایں

کجھ دن بعد بالو تے ماہیے دی باہر روہی وچہ ملاقات

ماہیا

نہیوں لگدا دِل بالو
جھلی نہ جُدائی جاندی
سانوں روز تُوں مِل بالو

بالو

دِل ملنے نوں کردا ای
میریا وے چن ماہیا
دِل دُنیا توں ڈردا ای

ماہیا

جدوں عشقے دا لڑ پھڑیئے
بھو لیئے نی بالو
پھر دُنیا توں نہ ڈریئے

بالو

لگی توڑ نبھاواں گی
تیرے اُتوں وے ماہیا
جند گھول گھماواں گی

ماہیا

مراں تیرے اشارے تے
دُنیا میں وار دیاں
تیرے حُسن نظارے تے

Marfat.com

بالو

لَے لَے قول دیوانی تُوں
جِند قُربان کراں
تیر کھا اکھ مستانی توں

بالو تے ماہیا

ہُن خط کیوں نہیں پانداں توں
روندی تڑفدی بالو تے بھورا ترس نہ کھاندا توں

گلا تینوں اے بھلیاں نی
تیرے وچھڑن تے میری خوشیاں بالو مٹی وچہ رلیاں نی

گورے ہتھیاں تے چوڑیاں نے
لوکی ماہیا جاندے نہیں رمزاں عشق دی گوڑیاں نے

(ملک اشرف)

اِک دن ماہیے تے بالو دوہاں اکٹھیاں نُوں کسے دیکھ لینا تے رولا پانا!

بیت

دونویں یار جوانی
دے باغ اندر
حسین وعشق دی
پینگ چڑھا رہے
سن
دنیا بھل گئی تے
چڑھیاں مستیاں
سی عاشق دی عیش
اُڑا رہے سن

کسے ویکھ لیتا دوہاں
اکٹھیاں نوں
جدوں اپنی موج
منا رہے سن
پئیاں رولیاں پنڈ
تمام اندر لوکیں کئی
کئی گلاں بنا رہے
سن

دوہاں عاشقاں دا
ملنا بند ہویا ڈاہڈے
ہجر دے وچہ کُرلا
رہے سن
شغل شغل مناونا
نہیں سوکھا دُونا دُکھ
تے غم اٹھا رہے سن

ماہیے تے بالو دا وچھوڑا!

میں تے غماں وچہ سڑ گئی آں
سڑ جان اکھاں بھیڑیاں
ماہیے نال جو لڑ گیاں

تیرے ہجر نے مار دِتا
تیرے پچھے نی بالو
سارے جگ نُوں وسار دِتا
تتی ترلے میں پاندی ساں
اکھیاں نہ لا ماہیا
ڈر دُنیا دا کھاندی ساں
تیری یاد ہے مار رہی
اگ نی جُدائیاں دی
میرا تن من ساڑ رہی

(چمن لعل شغل۔ محمود حمید بھٹی)

Marfat.com

بیلے وِچہ کانے وے
تیڑی نُوں مِل ماہیا
کوئی کر کے بہانے وے

کِکراں دِیاں پھلیاں نے
ویری میری جان دیاں
بالو دِیاں گلیاں نے

لوریاں

اللہ پاوے!
رب خیر لیاوے
اللہ کا کاتُوں! ۔
تیرے بودے پے گئی جُوں
کڈھن تیریاں ماسیاں
کڈھانے کا کاتُوں

الڑ بلڑ باوے دا
باوا کنک لیاوے دا
باوی بہہ کے چھٹے گی
باوا ٹوپی پا کے نچے گا!

لوری دینی آں تاں
میں چڑھ کے چھجے!
شہباز دا ابا!!
وِچ کچہریاں دے گجے

اللہ اللہ کرنی آں
اللہ دا دم بھرنی آں
اللہ میرے کول اے
محمد ﷺ دی مینوں لوڑ اے

بعض ویلے کڑیاں اپنے نِکے جئے ویرنوں ڈھاکے لا کے ایہہ بول بولدیاں نیں۔

کوٹھے اُتے کاں
میں مرجاں!
مد میریاں سہیلڑیاں
سداؤ میری ماں
کھپن پانا سُو کے ناں
نئیں تے میں مرجاں

آ وَنی بھیناں چک چلیئے
چکے دا میوہ کھا چلیئے!
گُڈی بھڑ ولے پا چلیئے
جا تک موہڈے لا چلیئے!
(ماخوذ: خالد ہمایوں تحصیل گجرات)

تھال

میراں میراں لائیوای
کیہ پھل پائیوای
کُتے دیاں لینڈیاں
تل تل کھایوای
بڑا مزہ آیوای

ایلا رنگ وڑیاں وڑیاں
نُونہہ سس لڑیاں لڑیاں
سوہرے مارے جندرے جندرے
نونہہ تے سس اندرے اندرے
ڈے ڈردی آڑی
چکو گیٹی!
مارو سیٹی
کون مارے
ویر مارے!

Marfat.com

گھار ماردا ای آوے

ڈے ڈوڈ کی
آ ویرنکیا
تیریاں اڈیکاں
گڈی مارے چھیکاں
چلونی فریقہ فریقہ
کچ دی اِنڈی!
ماں پیو پنڈی!
بھین بھرا کوئے
اوتھوں لیاندے ٹوٹے
گز بھر توں وی چھوٹے چھوٹے

میراں میراں اوپے
گریاں دے کھوپے
مِشری ڈلیاں!!
چارے بھیناں رلیاں
دُکھاں سُکھاں وچ پلیاں

ایلا ایلا سبز کریلا
ہوگئی بادی بادی
وڈے ویر دی!
شادی شادی!
جنج لیاؤ شتابی شتابی!
(حوالہ: خالد ہمایوں۔ تحصیل گجرات دا لوک ادب)

سکول کے گیت

کالے زناہے!!
کالے کپڑے پانی ایں
بوکاں نُوں ڈرانی ایں
میری تختی سکانی ایں
پُوہیا چوہیا میں تیری کُھڈ کُڈھناواں
توں میری تختی سُکا
توں جنگل جا
اوتھے تیرا ماں پیو
اوتھوں لیاٹلیاں
اِک ٹلی ٹُٹ گئی
میری تختی سُک گئی
(حوالہ: تحصیل گجرات دا لوک ادب)

Marfat.com

تیسرا باب

ارضیاتی، طبعی اور آبادیاتی ماحول

Marfat.com

ارضیاتی، طبعی اور آبادیاتی ماحول

ارضی اعتبار سے ضلع گجرات (بشمول ضلع منڈی بہاؤالدین) کو قدیم ترین ارضی خطوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جب برف کے ادوار گزرے اور برف کے پگھلنے سے پانی سمندروں کی صورت میں پھیل گیا تو اس کے ساتھ زمین کے بڑے بڑے خشک ٹکڑے بھی نمودار ہوئے جن کی پہچان ایشیا سمیت مختلف براعظموں کی صورت میں کی گئی۔ موجودہ گجرات اور منڈی بہاؤالدین کا علاقہ چونکہ کوہ ہمالیہ سے متصل ہے اس لئے زمین کے یہ ٹکڑے سب سے پہلے نمودار ہوئے۔

حدود اربعہ

1993 سے قبل جب ضلع گجرات دو اضلاع میں تقسیم نہیں ہوا تھا' اس کی شکل مخروطی تھی۔ یہ مشرق کی جانب سے کھلا اور مغرب کی جانب قدرے تنگ تھا۔ ضلع کا کل رقبہ 5865 مربع کلومیٹر تھا۔ اس کے شمال میں جموں اور کشمیر مشرق اور جنوب مشرق میں دریائے چناب' جس کے پار سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے اضلاع' جنوب اور جنوب۔ مغرب میں سرگودھا اور مغرب میں دریائے جہلم اور اس کے پار ضلع جہلم واقع تھا۔

1993 میں منڈی بہاؤالدین کا الگ ضلع بن جانے کے بعد موجودہ ضلع گجرات کے شمال مشرق میں آزاد جموں و کشمیر کے اضلاع میرپور اور بھمبر' شمال مشرق میں دریائے جہلم جو اسے ضلع جہلم سے جدا کرتا ہے' جنوب مشرق میں دریائے چناب' جو اسے گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے اضلاع سے الگ کرتا' مشرق میں دریائے توی' جو اسے ضلع سیالکوٹ سے الگ کرتا اور جنوب میں نیا ضلع منڈی بہاؤالدین ہے۔

ضلع منڈی بہاؤالدین متوازی اضلاع ہے۔ اس کے شمال میں دریائے جہلم' جو اسے ضلع جہلم سے جدا کرتا' مغرب میں ضلع سرگودھا' دریا کے جنوب میں دریائے چناب' جو اسے گوجرانوالہ اور حافظ آباد کے اضلاع سے الگ کرتا اور مشرق میں ضلع گجرات ہے۔

رقبہ اور آبادی

سروے کے مطابق موجودہ ضلع گجرات کا رقبہ 3,192 مربع کلومیٹر اور ضلع منڈی بہاؤالدین کا رقبہ 2673 مربع کلومیٹر ہے۔ 1998 کی مردم شماری کے مطابق ضلع گجرات کی کل آبادی 20,48,008 ہے جس میں 10,26,256 مرد اور 10,21,752 عورتیں ہیں۔ ضلع کی دیہی آبادی 14,79,836 اور شہری آبادی 5,68,172 نفوس پر مشتمل ہے۔ ضلع کی تین تحصیلوں میں تحصیل گجرات کی آبادی 10,93,088 تحصیل کھاریاں کی آبادی 7,79,632 اور تحصیل سرائے عالمگیر کی آبادی 1,75,288 ہے۔ موجودہ ضلع گجرات میں گھروں کی تعداد 3,05,097 ہے جن میں 2,25,870 گھر دیہی اور 97227 گھر شہری علاقوں میں ہیں۔ تحصیل گجرات میں 1,60,245' تحصیل کھاریاں میں 1,17,196 اور تحصیل سرائے عالمگیر میں گھروں کی تعداد 27,656 ہے۔

موجودہ ضلع گجرات میں 62.18 فیصد خواندہ ہیں جن میں مردوں کا تناسب 72.98 فیصد اور خواتین کا تناسب 51.55 فیصد ہے۔ تحصیل گجرات کی شرح خواندگی 62.80 فیصد ہے جس میں 71.95 فیصد مرد اور 53.83 فیصد عورتیں ہیں۔ تحصیل کھاریاں میں خواندگی کی شرح 61.49 فیصد جس میں مردوں کی شرح خواندگی 74 فیصد اور خواتین کی شرح خواندگی 48.77 فیصد ہے۔ تحصیل سرائے عالمگیر میں کل آبادی کی شرح خواندگی 61.40 فیصد ہے ان میں 74.76 فیصد مرد اور 49.68 عورتیں ہیں۔ ضلع میں آبادی کی شرح اضافہ 2.22 فیصد ہے۔ جس میں 2.03 فیصد مرد اور 2.77 فیصد عورتیں شامل ہیں۔

1998 کی مردم شماری کے مطابق موجودہ ضلع منڈی بہاؤالدین کی آبادی 11,60,592 ہے جن میں 5,94,127 مرد اور 5,66,425 خواتین ہیں۔ ضلع کی دیہی آبادی 9,84,131 اور شہری آبادی 1,76,421 نفوس پر مشتمل ہے۔ ضلع کی کل تین تحصیلیں ہیں' ملکوال' منڈی بہاؤالدین اور پھالیہ۔ تحصیل ملکوال کی آبادی 2,99,111' تحصیل منڈی بہاؤالدین کی آبادی 4,61,545 اور تحصیل پھالیہ کی آبادی 3,99,896 افراد کا مجموعہ ہے۔ ضلع میں گھروں کی کل تعداد 1,73,408 ہے جن میں تحصیل ملکوال میں 45,457 تحصیل منڈی بہاؤالدین میں 68,126 اور تحصیل پھالیہ میں 59,825 گھر ہیں۔ شرح خواندگی کے اعتبار سے ضلع منڈی بہاؤالدین' ضلع گجرات کے مقابلے میں پسماندہ ہے۔ اس کی کل شرح خواندگی 47.44 فیصد ہے۔ خواندہ افراد میں 58.77 مرد اور 35.64 فیصد خواتین شامل ہیں۔ تحصیل وار شرح خواندگی کے مطابق تحصیل ملکوال میں 42.75 فیصد' منڈی بہاؤالدین میں 53.17 فیصد اور تحصیل پھالیہ میں 44.35 خواندہ افراد موجود ہیں۔ تحصیل ملکوال میں خواندہ مردوں کی تعداد 55.15 فیصد اور خواندہ خواتین کی تعداد 30.01 فیصد ہے۔ تحصیل منڈی بہاؤالدین میں مردوں کی شرح خواندگی

Marfat.com

64.16 جبکہ عورتوں کی شرح خواندگی 41.85 فیصد ہے۔ تحصیل پھالیہ میں مردوں کی شرح خواندگی 55.33 فیصد جبکہ عورتوں کی 32.65 ہے۔ ضلع میں آبادی کی شرح اضافہ 2.87 فیصد ہے جو ضلع گجرات کے مقابلے میں کم ہے۔

آبادی کا تاریخی ارتقا

پنجاب میں پہلی باضابطہ مردم شماری 55-1854 میں ہوئی۔ اکتوبر 1854 میں پنجاب کے چیف کمشنر نے پنجاب میں پہلی باضابطہ مردم شماری کا فیصلہ کیا۔ طے کیا گیا کہ 31 دسمبر 1854 اور یکم جنوری 1855 کی درمیانی رات کو ان تمام افراد کی گنتی کی جائے جو کسی بھی شہر' قصبے' گاؤں' جھوک وغیرہ کے کسی بھی گھر میں موجود ہوں۔ دو سال قبل اس طرح کا ایک کامیاب تجربہ شمال مغربی صوبجات میں کیا جا چکا تھا چنانچہ یہ عمل پنجاب میں بھی دہرایا گیا اور ایک ہی رات میں پورے پنجاب کی مردم شماری مکمل کی گئی۔ ضلع گجرات اس وقت جہلم ڈویژن کا حصہ تھا جس میں دیہات' قصبوں اور شہروں کی کل تعداد 1,347 تھی۔ جو 12,26,026 ایکڑوں پر مشتمل تھی۔ تین تحصیلوں گجرات' کھاریاں اور پھالیہ پر مشتمل ضلع کی کل آبادی 5,17,626 تھی جن میں 2,79,537 مرد اور 2,38,089 خواتین تھیں۔ 1000 سے کم آبادی والے دیہات کی تعداد 1,237' 1000 سے 5000 آبادی والے دیہات یا قصبوں کی تعداد 76 تھی۔ 5 ہزار سے زائد اور 10 ہزار سے کم آبادی والے شہروں کی تعداد صرف دو تھی۔ اسی طرح 10 ہزار سے زائد اور 50 ہزار سے کم آبادی والے شہروں کی تعداد بھی صرف 2 تھی۔ غیر آباد گاؤں یا شہر 30 تھے۔ اس مردم شماری کے مطابق گجرات شہر کی آبادی 14,724 تھی۔

شیڈول کے مطابق پنجاب کی دوسری مردم شماری 1864 میں ہونا تھی' اس کی تیاریاں بھی ہو رہی تھیں جب اچانک گورنر جنرل کے حکم سے یہ سلسلہ روک دیا گیا۔ 1867 میں حکومت پنجاب نے مرکزی حکومت سے سفارش کی کہ مردم شماری اوائل 1868 میں ہو جانی چاہیے جسے منظور کر لیا گیا۔ یہ مردم شماری 10 جنوری 1868 کو ہوئی۔ پہلی مردم شماری کی طرح اس مردم شماری میں بھی صنف' خواندگی' زبان' پیشے اور ذات پات کے ساتھ مذہبی تقسیم کو بھی خاصی اہمیت دی گئی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر 1854 میں پنجاب میں 73 ہندوؤں کے مقابلے میں سو مسلمان تھے تو 1868 میں مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو آبادی کا تناسب کم ہو کر 66 فیصد رہ گیا۔

ضلع گجرات کی کل آبادی 1,43,108 تھی۔ اگر مذہب کے ساتھ ساتھ طبقاتی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو گجرات میں سکھ مالکان اراضی 2,022' ہندو مالکان اراضی 3,788 مسلمان مالکان اراضی 1,37,298 جبکہ ان کے علاوہ دیگر مذاہب میں کوئی مالک اراضی نہیں تھا۔ سکھ مزارعین کی تعداد 927 ہندو مزارعین کی تعداد 2,080 مسلمان مزارعین کی تعداد 43,849 اور دیگر مذاہب کے مزارعین کی تعداد 160 تھی۔ ان اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ مالکان اراضی بڑے زمیندار نہیں تھے اور ان کی اکثریت خود کاشتکاری کرتی تھی۔

اب تک مردم شماری کا سلسلہ صوبائی سطح پر ہو رہا تھا اور نئی مردم شماری کے لیے کوئی معیار مقرر نہیں کیا جاتا تھا لیکن 1881 میں مرکزی سطح پر ایک ہی سال کے اندر اندر تمام صوبوں کی مردم شماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ طے کیا گیا کہ ہر نئی دہائی کے پہلے سال مردم شماری کروائی جائے۔ 1941-1881 کے دوران سات بار مردم شماری ہوئی جن میں ہر صوبے کے اضلاع اور ہر ضلع کی تحصیلوں اور دیہات کے سروے ہوئے جن کی مطبوعہ رپورٹیں' سماجی' مذہبی' تعلیمی' کاروباری اور کسی حد تک سیاسی صورت حال کا احاطہ کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آبادی میں اضافے کی شرح کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً گجرات میں 1881 سے 1921 تک چالیس برسوں میں آبادی میں 13.3 فیصد اضافہ ہوا۔ مذہبی حوالے سے دیکھیں تو ہر 10 ہزار کی آبادی میں 1881 میں مسلمانوں کی تعداد 8816' 1891 میں 8797' 1901 میں 8738' 1911 میں 8729 اور 1921 میں 8612 تھی۔ اس کے برعکس ہر 10 ہزار کی آبادی میں ہندو آبادی 1881 میں 1051' 1891 میں 951' 1901 میں 924' 1911 میں 663 اور 1921 میں 759 رہ گئی۔ اسی طرح 10 ہزار میں مسیحی آبادی 1881 میں 255' 1891 میں 114' 1901 میں 460' 1911 میں 570 جبکہ 1921 میں چار گنا اضافے کے ساتھ 2,373 ہو گئی۔ پنجاب کی تیسری اہم قوم سکھ تھی جس کی آبادی میں بتدریج اضافہ ہوا۔ ہر 10 ہزار افراد میں سکھ آبادی 1881 میں 129' 1891 میں 250' 1901 میں 332 جبکہ 1911 میں بڑھ کر 599 ہو گئی۔

تعلیمی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہر 10 ہزار افراد میں خواندہ افراد کی تعداد 1881 میں 32' 1891 میں 48' 1901 میں 61 اور 1911 کم ہو کر 54 رہ گئی۔

گجرات سمیت ضلع کے دیگر قصبوں کی آبادی کا جائزہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ گجرات شہر کی آبادی 1881 میں 18,396' 1891 میں 18050' 1901 میں 19410' 1911 میں 19090 اور 1921 میں 21974 تھی جبکہ 1941 میں یہ آبادی بڑھ کر 30899 تک پہنچ گئی جن میں 16918 مرد

Marfat.com

13981 عورتیں 37' اچھوت اور 4974 افراد دیگر میں شمار کیے گئے۔

اسی طرح کنجاہ کی آبادی 1881 میں 5,790' 1891 میں 5474' 1901 میں 6431' 1911 میں 7,090' 1921 میں 7240 اور 1941 میں 8873 ہوگئی جس میں 111 اچھوت اور 1498 عورتیں اور مرد دیگر' میں شمار ہوئے۔

اسی طرح ڈنگہ کی آبادی 1881 میں 5015' 1891 میں 5424' 1901 میں 5412' 1911 میں 5351' 1921 میں 6014 اور 1941 میں یہ آبادی 8,545 ہوگئی۔ 1941 ہی میں جلالپور جٹاں کی آبادی 16843 لالہ موسیٰ کی آبادی 12163' ملکوال کی آبادی 6,445 اور منڈی بہاؤالدین کی آبادی 12752 تھی۔

اس آبادی کا قیام پاکستان کے بعد ضلع گجرات کی آبادی سے تقابل کرتے ہوئے یہ نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قیام پاکستان سے قبل کی آبادی میں' ہندو' سکھ' مسیحی' اچھوت اور دیگر مذاہب کے افراد بھی شامل تھے۔

ضلع گجرات (بشمول ضلع منڈی بہاؤالدین) کا آبادیاتی جائزہ ہم پچھلے صفحات میں 1998 کی مردم شماری کی روشنی میں پیش کر چکے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ضلع گجرات (ضلع منڈی بہاؤ الدین) کی آبادی 1951 میں 742892 (11,77,345)' 1961 میں 835045 (4,90,967)' 1972 میں (بنگلہ دیش میں فوجی ایکشن کے باعث 1971 کی مردم شماری ملتوی ہوگئی تھی) (+721833) اور 1981 میں 14,08585 (+8,46,114) تھی۔ یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ جنوری 1855 میں تمام قوموں کو شامل کر کے ضلع گجرات کی آبادی 5,17,626 تھی جو 1941 میں کم وبیش ایک صدی میں بڑھ کر 11,04,952 (تقریباً دگنی) ہوگئی جبکہ ہندوؤں اور سکھوں کی نقل مکانی کے بعد صرف پچاس برسوں میں گجرات (بشمول منڈی بہاؤالدین) 32,08,600 ہوگئی۔ خدا جانے 1998 کے بعد کی مردم شماری کب ہو اور اس میں آبادی کی شرح کہاں تک پہنچ جائے۔

انتظامی تقسیم

زمانہ قدیم سے ہی گجرات ایک اہم تجارتی و سیاسی مرکز رہا ہے۔ اکبر کے دور میں اس کی باقاعدہ انتظامی تقسیم ملتی ہے۔ اکبر نے شہر کو دو پرگنوں میں تقسیم کیا۔ پھر ایک پرگنے میں تپے اور تپوں میں توپیں (تھانے) تھیں۔ پہلے خالصہ دور میں پرگنہ گجرات کو چکلا گجرات کا نام دیا گیا اور دونوں (پرگنوں) چکلوں میں سے ہر حصے کا نام تعلقہ رکھا گیا۔ رنجیت سنگھ نے ان دو تعلقوں کے علاوہ قادر آباد، پھالیہ' ڈنگہ' کنجاہ' وزیر آباد' کوٹھالہ اور کھڑی کھریالی میں بھی تعلقے بنائے۔

انگریزوں نے ضلع کو تین تحصیلوں پھالیہ' کھاریاں اور گجرات میں تقسیم کر دیا۔ 90 کی دھائی کے آغاز میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر منڈی بہاؤالدین کو نیا قصبہ بنا کر پھالیہ ملکوال اور منڈی بہاؤالدین تین تحصیلیں بنادی گئیں۔ اس وقت ضلع گجرات + منڈی بہاؤالدین میں 1453 گاؤں رپنڈ ہیں۔

موسم اور آب وہوا

بہار۔ فروری، مارچ، اپریل (پھاگن سے چیت' بیساکھ) موسم معتدل ہوتا ہے۔ درجہ حرارت بھی 20 سے 30 ڈگری کے درمیان رہتا ہے۔

گرمی۔ مئی جون (جیٹھ ہاڑ) شدید گرمی ہوتی ہے۔ لو چلتی ہے۔ درجہ حرارت 45 ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔

برسات۔ جولائی اگست (ساون بھادوں) مون سون کی ہوائیں بارش لاتی ہیں اور اکثر سیلاب بھی آ جاتا ہے۔

خزاں۔ (اسوج کاتک) ستمبر اکتوبر۔ اس میں بھی درجہ حرارت معتدل رہتا ہے اور درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔

سرما۔ (ماگھ پوس) نومبر دسمبر جنوری۔ شدید سردی ہوتی ہے۔ اکثر درجہ حرارت صفر ڈگری تک ہو جاتا ہے۔ اکثر دھند چھائی رہتی ہے۔

حدود اربعہ

ضلع گجرات میں سے دو بڑے دریا گزرتے ہیں جو پانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ کنویں' ٹیوب ویل اور PETER پیٹر بھی پانی حاصل کرنے کے ماخذ ہیں۔ ضلع گجرات کا پانی میٹھا ہے۔ دریاؤں کے درمیانی علاقہ کو چج دوآبہ کہتے ہیں۔ دریائے جہلم پر رسول کے مقام پر بجلی گھر ہے۔ اور ہیڈ رسول واقع ہے۔ دریائے چناب کو پانیوں کا باپ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وادی کشمیر کی دو ندیوں چندرا اور بھاگا کے ملاپ سے وجود میں آتا ہے۔ کشمیر سے ہوتا یہ جموں میں سے گزرتا ہوا اکھنور' بجوات' موضع کری' بہلول پور' مہوتہ' نوشہرہ سے ہوتا ہوا گجرات ضلع میں داخل ہو جاتا ہے۔ دریائے چناب پر مرالہ کے مقام پر ہیڈ واقع ہے۔

پہاڑ

اسی طرح ضلع گجرات میں صرف پبی کا برائے نام پہاڑی سلسلہ ہے۔ جو 600 سے 1200 میٹر بلند ہے۔ ضلع گجرات کے شمال میں اسے کوہ ہمالیہ اور کوہ پیر

Marfat.com

پنجال کی دم کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس کے بعد پورے پنجاب کے میدان اور سندھ ہموار ہیں۔ پبی کا یہ سلسلہ گوڑ مالہ۔ ٹھوٹھہ رائے بہادر سے لے کر رسول کے مقام تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں پر خودرو گھاس پھوس اور کم بلندی کے جنگلات ہیں۔

پودے اور درخت

ضلع گجرات ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ یہاں پر بڑی تعداد میں نباتات و جمادات ہیں جن میں سے فراش' پھلائی' شیشم (ٹاہلی) بیری' برنا دھریک' شہتوت' برگد' پیپل' سفیدا' سرو' بانس' مہندی' ربڑ پلانٹ' مروا' کیکر' شریفہ گل نشتر' سنبل' شرینہ' نیم' بھردانہ' لسوڑا' جنڈ' کرین' کھجور وغیرہ شامل ہیں۔ چچن (ڈھانچہ) املی' جنتر' پھلوں میں آم' کیلا' مالٹا' امرود' انگور' تربوز' خربوزہ' شہتوت' جامن' انار' پپیتا' پھلوا' انجیر' مٹھا' کھٹا' گلگل' لیموں' سنگترہ۔

جڑی بوٹیوں میں آکاس بیل' برھمڈنڈی (رودھک' بھون پھلی' سکھپرا' اک' کنوار گندل' بھنگ' تمبا' دھتورا' بھکھڑا' اٹھ' وراج ہنس' بھوکاٹ' تاندلا' سونچل' سوئے' میتھی' کاگنج' سنگھی' ککڑ سنگھی' نیلوفر' ہرنولہ' ہرل' تلسی' کاھو' کنیر' پودینہ' باغی' کٹھنن' لسی' برگ حنا' برگ نم' املتاس' گھیکوار' ارنڈ' سکھ چین۔

معدنی وسائل

ضلع گجرات میں بھمبر کے پاس سے لوہا نکالا گیا تھا لیکن وہ زیادہ اچھی کوالٹی کا نہ تھا۔ اس کے علاوہ کنکر' شورہ' چونا وغیرہ بھی نکالا گیا۔ لیکن وہ بھی عمدہ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ خیال ہے کہ پبی کے سلسلہ میں معدنیات ہو سکتی ہیں لیکن وہاں بھی کھدائی کا سامان نہیں کیا گیا۔

زراعت

ضلع گجرات ایک زرخیز اور زرعی علاقہ ہے۔ یہاں بارش اور نہروں ٹیوب ویلوں کی بدولت خوب کاشتکاری ہوتی ہے۔ گنا' چنا' کپاس' تمباکو' گندم اور چاول (دھان) کافی عام فصلیں ہیں۔ یہاں زراعت کے لیے جدید طریقہ کاشت ٹریکٹر' ٹیوب ویل' کمبائن' ہارویسٹر اور تھریشر کے ساتھ ساتھ پرانی طرز کے آلات کاشکاری مثلاً ہل' کنواں وغیرہ بھی زیر استعمال ہیں۔ تحصیل پھالیہ سمندری کے بعد پاکستان کا سب سے زیادہ زرعی پیداوار دینے والا علاقہ رہا ہے۔

آبادیاں قصبے اور شہر

ضلع گجرات ایک گنجان اور تفریط آبادی کا شکار علاقہ ہے۔ یہاں زمانہ قدیم سے ہی اس کی زرخیزی اندرونی و بیرونی حملہ آوروں اور مہاجرین کو اپنے اندر سموتی رہی ہے۔ اس وقت بھی ضلع میں بڑے شہر تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ جن میں خود گجرات' پھالیہ منڈی بہاؤالدین' ملکوال' قادر آباد' کھاریاں' ڈنگہ' لالہ موسیٰ' کنجاہ اور جلالپور جٹاں وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ منگووال' پاہڑیانوالی' اعوان شریف' شادی وال' مانگٹ' کھٹالہ شیخاں' سرائے عالمگیر' ککرالی قلعہ ار وغیرہ شامل ہیں۔

پہاڑ' ٹیلے' دریا' نہریں' جھیلیں

ضلع گجرات میں دو بڑے دریا جہلم اور چناب بہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے توی جموں سے نکلتا ہے اور چناب سے آملتا ہے یہی ضلع کی مشرقی حد بندی کا کام دیتا ہے۔

جہلم دریا سے تین نہریں نکلتی ہیں۔ دریائے جہلم سے نہر اپر جہلم منگلا سے نکلتی ہے۔ تحصیل گجرات کے علاوہ ضلع کے وسطی جنوبی مشرقی علاقہ کو سیراب کرتی ہے۔ نہر لوئر جہلم' رسول کے مقام سے بار کے علاقہ کے لیے نکلتی ہے اور ضلع سرگودھا کے بھی کچھ حصوں کو سیراب کرتی ہے۔

رسول قادر آباد لنک' ہیڈ رسول سے نکلتی ہے۔ اور قادر آباد کے مقام پر چناب سے جا ملتی ہے۔ یہ جہلم کا پانی چناب تک پہنچاتی ہے۔

ان نہروں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی ندیاں نالے اور نہریں بھی ہیں۔ منڈی بہاؤالدین کے نزدیک تین نہریں اکٹھی گزرتی ہیں۔ برساتی نالوں میں بھمبر مشہور ہیں۔ دوواڑا شمال سے جنوب کو بہتا ہوا دریائے چناب میں ملتا ہے۔ بھنڈرا اور بھمبر شمال کی پہاڑیوں سے نکلتے ہیں اور گجرات کے شمال میں باہم مل جاتے ہیں۔ پھر وہ ہیڈ شادی وال کے مقام پر قادر آباد رسول لنک سے مل کر دریائے چناب میں مل جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر ضلع گجرات میں ندی نالوں اور سیم نالوں کا جال بچھا ہوا ہے۔

پانی کے انھی وسائل کی بدولت زمین تین طرح سے منقسم ہے۔

چاہی۔ جہاں کنوؤں سے کھیتی باڑی ہو۔

نہری۔ جہاں نہروں کا پانی کاشتکاری کے لیے استعمال ہو۔

بارانی۔ جہاں کاشتکاری کا انحصار بارش پر ہو۔

لیکن آج کل نہروں سیم نالوں' ٹیوب ویلوں اور پیٹر PETER کی بدولت کاشتکاری آسان ہوگئی ہے۔ مذکورہ بالا نہریں انگریزوں نے اپنے دور میں

Marfat.com

کھدوائی تھیں۔ جہاں تک پہاڑی ٹیلوں کا تعلق ہے تو شمال میں سوائے •ی کے سلسلے کے کوئی پہاڑی سلسلہ نہیں ہے۔ جس کی اونچائی سطح سمندر سے 600 سے 1200 میٹر ہے۔

ٹیلوں اور ٹبوں کا اس ضلع سے خاص تعلق ہے۔ پرانے زمانے کی آبادیاں عموماً پانی کی گزرگاہوں کے ساتھ بلند سطح پر ہوتی تھیں۔ آج بھی ضلع کے طول و عرض میں کئی بٹے اور ٹیلے آج بھی موجود ہیں۔ جن میں گجرات تحصیل میں دریائے چناب و توی کے ساتھ مناور، متیانوالہ، چک شکری کوٹلی، بھوان، کوٹلی ہرمانند ڈب ڈالیہ، انگڑ برملا، سمبلی، سرخ پور، کوری شریف، بہلول پور، ہول، شیخ جوگانی ماڑی کھوکھراں اور قصبہ موٹا وغیرہ شامل ہیں۔ ان بٹوں ٹیلوں پر 9 گزے مزارات بھی ہیں۔ بڑیلہ شریف، پنج، چک بزرگ، شاہ جہانیاں، قاضی چک، رمتھل، کڑیانوالہ، ہزارہ مغلاں، بنگرانوالہ، ملکی، اجنالہ، کلاچور، عالم گڑھ، کوٹلی نافریاں، کوہالہ، مالوواں، جلالپور صوبتیاں، فتح پور، دولت نگر، صبور، حافظ حیات، سوک کلاں، روکھوھا، ریحان، کھاریاں خورد، ویدڑ، کیہاں، رانیوال، برنالی، چیلیانوالہ، کیراں والا، شاہ سرمست بیل، جوڑ، کرنانہ، سیکروالی، مونگ، دلانوالہ، کنجاہ، ناگریانوالی، باگڑیانوالہ پٹیالہ، منگوال کے قریب بھی قدیمی دور کے ٹبے ہیں۔ کھاریاں کے علاقہ میں کلیانہ طاہر، کوٹلہ ککرالی، ہیر غازی کے ٹبے ہیں۔ بھمبر کے شمال میں ہنڈی تیلیاں، ہنڈی اواناں، دلاور پور، سوہال، آچھ گوچھ ہرسالہ بھی بیشتر بٹوں پر ہیں۔

تحصیل پھالیہ میں پھالیہ کے اندر ایک ٹبہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہیلاں، بوسال، بھکھی شریف کا ٹبہ موجود ہے۔ مساویں پر سوال میں بھی ٹبے ہیں۔ بعض گاؤں کے آخر میں ''گڑتھ'' جیسے عالم گڑھ ہے کا لفظ آتا ہے۔ بعض دیہات ''پور'' کے سابقے کے ساتھ موجود ہیں۔ بہلول پور وغیرہ۔ اسی طرح کچھ دیہات کے آخر میں ''والا'' جیسے چیلیانوالہ کا سابقہ آتا ہے۔ بعض کے ساتھ ''چک'' آتا ہے۔ ان ٹبوں ٹیلوں پر قدیم دور کے آثا آج بھی ملتے ہیں جو یہاں آبادیوں کے ہونے کا ثبوت ہیں۔ یہاں قدیم درخت پیپل اور بوہڑ (برگد) بھی ہیں جو کئی سال پرانے ہیں۔

جھیلیں۔ کسی خاص جھیل کا تو اس علاقے میں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ کہیں کہیں جہاں زمین سیم و تھور کا شکار ہے وہاں پر پانی کی موجودگی بعید نہیں۔ البتہ کوئی خطہ بھی جھیل کی تعریف پر پورا نہیں اترتا۔

حوالہ جات

District Gazetter, Gujrat, 1921, Government Printing Press, Lahore, 1922

Report on the census on the population of the Punjab Territories, Ist Jan 1855, selection from the Records of the Government of India, (Foreign Department) Calcutta, 1856

Census of the Punjab, 1868, Extract published in the Punjab past and present, Punjabi University Patiala, October 1974

Census of India, Punjab, 1881, Calcutta

Census of India, Punjab, 1891, Calcutta, 1891

Census of India, Punjab, 1911, Delhi, 1911

Census of India, Punjab, 1921, Delhi, 1921

Census of India, Punjab Tables by Khan Bahadur Sheikh Fazl-i-Ilahi, Delhi, 1941, Lahore

Census Reports of Pakistan, Punjab, 1951, 1961, 1972, 1981 and 1998

Census Reports of Gujrat Districts, 1961, 1972, 1981, 1998, (Karachi, Islamabad)

Census Report of Mandi Bahuddin District, 1998 (Islamabad)

Gujrat: Socio-political profile, Pattan Development Organisation, Islamabad, 2006

Marfat.com

چوتھا باب

دیہات، قصبے اور شہر

Marfat.com

دیہات، قصبے اور شہر

اس باب میں دیہات اور قصبات کا اندراج کرتے ہوئے اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ان موضوعات پر لکھی گئی کتابوں سے براہِ راست حوالے دیے جائیں۔ ان مطبوعات اور مصنفین کرام کا تفصیلی تعارف دیگر ابواب اور مقدمے میں کر دیا گیا ہے۔ گجرات اور منڈی بہاؤالدین کے دیہات اور بستیوں کی تعداد پندرہ سو سے زائد ہے، ان تمام بستیوں سے متعلقہ مواد کو اس کی تمام تفاصیل کے ساتھ ایک باب میں سمونا ممکن نہ تھا اس لیے تاریخی اعتبار سے زیادہ اہمیت کے حامل مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شعوری طور پر یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ساری تحصیلوں کی یکساں نمائندگی ہو سکے۔ مختلف مقامات سے متعلقہ معلومات کو تمام تر جزئیات کے ساتھ مگر مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

آدم ٹوپہ

کھاریاں کا یہ گاؤں بھی عہد قدیم سے آباد ہے۔ روایت ہے کہ شہنشاہ بابر کے عہد میں آدم نام کا مورث اس علاقہ میں آیا تھا جس نے اپنے نام کی مناسبت سے یہ گاؤں بسایا بعد میں یہ گاؤں آدم ٹوپہ کے نام سے مشہور ہوا۔

اجنالہ

گجرات کا ایک اور اہم تاریخی گاؤں اجنالہ 1567ء میں گوجر قوم کی گوت کال کے ایک ''اعظم'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع ٹبی کالس تحصیل کھاریاں سے آ کر آباد کیا۔ یہ گاؤں اعوان شریف روڈ پر آبی گذرگاہ کے قریب آباد ہے۔ آبادکاری سے قبل یہ قطعہ اراضی ویران بلند ٹبہ تھا۔ اس گاؤں کو بھی علاقے کی باقی آبادیوں کی طرح ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ کا سامنا رہا بالآخر گاؤں کے لوگ تنگ آ کر علاقہ چھوڑ کر چلے گئے اس طرح یہ گاؤں ویران ہو گیا۔ کئی سال بعد خدا بخش، حاجی سلطان، اعظم اور سلطان محمود کی الودا نے مشرق شمال کی جانب نئے سرے سے بستی بسائی اور اس بستی کو گاؤں کے پرانے سے منسوب کرتے ہوئے اجنالہ کا نام دیا۔

اخلاص گڑھ

گجرات کے قدیمی گاؤں اخلاص گڑھ کی بنیاد ''چوغطہ عہد'' میں حیات گڑھ سے آنے والے جٹ قوم کے ''حسن'' نامی مورث اعلیٰ نے رکھی۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان رقبہ تھا۔ یہ گاؤں مدت تک آباد رہا بعد ازاں کوئی سو سال قبل یہ گاؤں قحط سالی اور افلاس کا شکار ہو کر ویران ہو گیا۔ جبکہ اس کے مالکان اور آبادکار گردونواح کے دیہات میں جا بسے۔ چند سال بعد اس گاؤں کو سابقہ جگہ سے تین سو کرم کے فاصلے پر ''رحمت خان'' نامی مورث اعلیٰ نے ازسرنو آباد کیا اور اس گاؤں کا نام ''اخلاص گڑھ'' رکھا یہ گاؤں اسی نام سے آباد اور معروف ہے۔

اڑہ

اس گاؤں کو سلطان محمود غزنوی کے دور میں آباد کیا گیا۔ اس گاؤں کا مورث اعلیٰ کبدی رامی نامی شخص تھا جو سلطان محمود غزنوی کا شاہی ملازم تھا۔ بعد ازاں افغانوں کی آمد کے بعد گاؤں کے مالکان انار سنگھ وغیرہ جلاوطن ہو گئے اور طویل مدت تک یہ یہ ویرانپڑا رہا برسوں بعد دوبارہ انار سنگھ نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام نجومی کے مشہور براڑہ رکھا گیا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

اعوان شریف

گجرات کی آزاد کشمیر سے ملحقہ تحصیل برنالہ کے قریب ضلعی سرحد پر آباد اعوان شریف قصبہ کی بنیاد بادشاہ اکبر کے عہد میں سید قوم کی گوت اعوان سے تعلق رکھنے والے ''محمد حسین'' نے رکھی۔ اس قوم کی نسبت سے ہی گاؤں کا نام سرکاری ریکارڈ میں ''اعوان'' ملتا ہے تاہم یہ قوم اعوان کے حوالے سے اعوان شریف معروف ہے۔ روایت ہے کہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں اسی گاؤں پر بھارت کی طرف سے پہلا گولہ داغا گیا تھا.

اوانہ

گجرات کا یہ قدیم گاؤں ''سلطان محمود غزنوی'' کے عہد حکمرانی میں آباد ہوا۔ اس گاؤں کو دیپک شہر ہندوستان سے آنے والے ایک بزرگ ''عبدالرحمان'' نے ضلع گجرات آ کر موضع فتح پور میں آباد کیا۔ پہلے پہل یہ گاؤں ''اعوانہ'' کے نام سے مشہور تھا مگر وقت

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ نام اعوانہ مشتق ہوتا ہوا ''اوانہ'' رائج ہو گیا اور یہ گاؤں اسی نام اوانہ سے مشہور ہو گیا۔

بارو

گجرات کے اس گاؤں کو راوی کے ملحقہ علاقے چوہڑ کانہ میں آباد گوجر قوم کی ''گوت بارو'' سے تعلق رکھنے والی برادری نے آباد کیا۔ باروقوم سے تعلق رکھنے والے یہ افراد جانور پالتے تھے اور ان کے پاس جانوروں کی بڑی تعداد موجود تھی مگر چوہڑ کانہ سے علاقے کے قدیم باشندوں کی جانور چوری کی وارداتوں سے تنگ آ کر گجرات چلے آئے اور اس برادری کے مورث اعلیٰ بارو کے نام سے گاؤں آباد کیا۔

بازگڑھ

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو ساڑھے تین سو سال قبل ہزاری اور موہرہ قوم نے بازگڑھ ضلع لاہور سے آ کر آباد کیا۔ مورث اعلیٰ قوم نے اس نئے گاؤں کا نام اپنے پرانے آبائی علاقے کی مناسبت سے ہی بازگڑھ رکھا تقریباً دو سو سال قبل اس علاقے میں دریائی طغیانی کے باعث یہ گاؤں بھی دریا برد ہو گیا۔ جبکہ اس گاؤں کے مالکان قریبی دیہات میں جا کر آباد ہو گئے یوں کافی عرصہ تک پانی میں گھرا یہ گاؤں غیر آباد رہا مگر دریا کا پانی واپس ہونے کے بعد اس رقبہ کو سابقہ مالکان نے کاشت کرنا شروع کر دیا۔ اس موضع کا زیادہ تر رقبہ غیر مسلموں کی ملکیت تھا تاہم قبل از تقسیم ہندوستان غیر مسلم مالکان نے اپنی کچھ زمینیں مسلمانوں کے نام تحفتاً ہبہ کر دیں، جس کے بعد اس موضع کی ملکیت مسلمانوں کے نام منتقل ہو گئی۔

باشنا

یہ موضع گوجر قوم کی ملکیت تھا مگر 1768 میں محمد یار اور خدا بخش نامی دو بھائیوں نے تحصیل گجرات سے یہاں منتقل ہو کر اسے آباد کیا اور اس کا سابقہ نام برقرار رکھا۔ مگر اس موضع کے نام باشنا کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے کوئی تاریخی شواہد دستیاب نہیں ہیں۔

بانیاں

گجرات میں گوجر قوم کی ''گوت بانیاں'' نے دو موضعات آباد کیے۔ بانیاں ''راجہ سورج بنسی'' کی اولاد سے تعلق رکھنے والے گوجروں کی گوت ہے۔ شاہان گوجر میں روایت ہے کہ بانیاں کا کوئی مورث اعلیٰ ضلع گجرات آ کر آباد ہوا اور اس نے پہلے سپہ گری کا پیشہ چھوڑ کر تجارت اختیار کی اور پھر زمینداری شروع کر دی۔ بعد ازاں اس کی اولاد نے گجرات میں دو موضعات آباد کیے جو گوجر قوم کی اس گوت بانیاں سے منسوب ہیں۔

باہروال

اس گاؤں کو گوجروں کی گوت باہروال سے تعلق رکھنے والے کسی نامعلوم مورث نے عہد سلطان غزنوی میں آباد کیا۔ باہروال گوجر گوت کے بارے میں روایت ہے کہ یہ چوہان بنسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس نسل کے ایک سرخیل میرتھ چوہان کے چار بیٹے نانو، بریوالہ اور کانو تھے۔ کانو نے بعد ازاں اسلام قبول کیا تو میرتھ نے اس بیٹے کا کھنا پینا اور گاؤں میں اس کا داخلہ بند کر دیا جس کی وجہ سے کانو کی نسل باہروال مشہور ہوئی۔ اسی نسل کا کوئی مورث عہد سلطان غزنوی میں گجرات آیا جس نے اس گاؤں کی بنیاد رکھی اس کا نام اسی گوجر گوت کی نسبت سے باہروال رکھا گیا۔ اسی نام سے معروف ہوا۔

باہووال

گجرات کے اس گاؤں کو چھچی قوم سے تعلق رکھنے والے باہو نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کو نذرانہ دے کر آباد کرنے کی اجازت حاصل کی تھی۔ چھچی قوم سے تعلق رکھنے والا مورث اعلیٰ ''باہو'' کورونالہ سے گاؤں آباد کرنے کے لیے اس رقبہ پر منتقل ہوا، اور اس گاؤں کا نام اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے ''باہووال'' رکھا۔ مگر یہ گاؤں مورث اعلیٰ کی قوم کے نام کی مناسبت سے ''چھچیاں باہووال'' مشہور ہوا۔ یہ گاؤں اعوان شریف روڈ پر واقع ہے۔

بجاڑ والا

بجاڑ قوم راجہ جگدیو کی اولاد ہے۔ اس قوم کا کوئی شخص پنجاب آیا اور یہاں ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام اپنی قوم کی نسبت سے بجاڑ والا رکھا۔ اس مورث اعلیٰ کی اولاد میں سے بالیا نامی ایک شخص نے حضرت میر فاضل گجراتی کے ہاتھ پر قبول

Marfat.com

اسلام کیا اور شہید ہوا۔ بجاڑ قوم کی مختلف دیہات میں ملکیت ہے اور یہ دیہات مختلف اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔ گجرات میں بھی بجاڑ کے نام سے کئی دیہات آباد ہیں۔

بجران

اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کے مورث نے موضع سرالی سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ گاؤں کی آبادکاری کی اجازت کے لیے حاکم وقت کو نذرانہ دیا گیا۔ بعد ازاں یہ گاؤں بھی 1840 بکرمی کے قحط میں اجڑ گیا اور کچھ عرصہ بعد دوبارہ آباد کیا گیا اور گاؤں والوں نے اپنی گوت کی نسبت سے اس کا نام بجران رکھا۔ یہ گاؤں آج تک اسی نام سے آباد و مشہور ہے۔

بدھوکالس

یہ گاؤں لالہ موسیٰ کے قریب واقع ہے۔ اسے گوجر قوم کی گوت کالس سے تعلق رکھنے والے دھاماں اور بدھو نامی بھائیوں نے آباد کیا جو ساگر نامی شخص کے بیٹے تھے۔ گاؤں کا نام مورث بدھو اور اس کی گوت کالس کی نسبت سے بدھو کالس رکھا گیا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

بڈھن

گجرات کے اس گاؤں کو چار سو سال قبل ''شہنشاہ اکبر'' کے دور حکومت میں ''بوڑھا'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا جس کا تعلق گوجر قوم کی گوت ٹھیکر سے بتایا جاتا ہے۔ مورث اعلیٰ بوڑھا اس گاؤں کو آباد کرنے کیلئے پنڈوری کے ویرانے سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آیا اور حاکم وقت کی اجازت سے گاؤں آباد کیا۔ یہ گاؤں مورث اعلیٰ کے نام کی مناسبت سے بڈھن مشہور ہوا، دو سو سال تک آباد رہا بعد ازاں جب قوم چپ نے علاقے کے دیہاتوں کو لوٹ مار کا نشانہ بنایا تو یہ گاؤں بھی چپ قوم کے مظالم سے ویران ہو گیا۔ آبادی نواحی محفوظ علاقوں میں جا بسی۔ اٹھارہ برس بعد اس گاؤں کو سابقہ جگہ سے کچھ دوری کے فاصلے پر دوبارہ آباد کیا گیا اور اس کا سابقہ نام ''بڈھن'' برقرار رکھا گیا۔ قیام پاکستان سے قبل اس گاؤں میں سکھوں کی اکثریتی آبادی تھی جو تقسیم ہندوستان کے بعد یہاں سے ہجرت کر گئی اور اس گاؤں میں مسلمان آباد ہو گئے۔

بڑونگا

گجرات کے اس گاؤں کو گوجر قوم کی ''گوت کھٹانہ'' سے تعلق رکھنے والے بہانا نامی مورث اعلیٰ نے موضع سانخل سے اپنا رقبہ الگ کر کے آباد کیا۔ اس گاؤں کی آبادکاری حاکم وقت کی اجازت سے ہوئی یہ گاؤں اپنے قیام کے بعد سے کبھی بھی ویران نہیں ہوا اور یہ گاؤں پہو یا بڑونگا کے نام سے معروف ہوا۔

بڑیلہ شریف

گجرات سے 25 میل کی دوری پر دوٹانڈہ کے قریب ''بڑیلہ شریف''، ضلع کا آخری سرحدی گاؤں ہے۔ اس گاؤں کو گجر قوم کی گوت پسوال سے تعلق رکھنے والے سردار بڑیلہ نے 1477ء میں ضلع جہلم سے آ کر آباد کیا، مگر سردار صاحب سنگھ کے دور میں ہونے والی لوٹ مار کا شکار ہو کر پھر ویران ہو گیا۔ آئندہ بیس سال تک ویران پڑا رہا بعد ازاں اس قطعہ اراضی کو آباد کرنے والوں سے ایک شخص میاں ہاشم نے اس گاؤں کا رقبہ خریدا اور بڑیلہ کی بستی کو پھر سے آباد کیا اور اس بستی کا قدیم نام برقرار رکھا۔ بعض روایات کے مطابق بڑیلہ شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قنبیط علیہ السلام کی آخری آرام گاہ موجود ہے جو ستر گز لمبا مزار ہے۔

برنالی

تحصیل کھاریاں کے اس گاؤں کا مورث جو عہد قدیم کے ہکلہ نسل کے راجہ گودام کی اولاد تھا' قرار دیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ راجہ گودام کی نسل ہکلہ چوہدری راجہ ہیں۔ راجہ گودام کے بیٹے راجہ بھون اور اس کے پوتے سنگانہ متھرا کا نگر کوٹ پر تصرف رہا۔ اس کی اولاد میں سے راجہ برن تھا جس نے اس گاؤں کی بنیاد رکھی اور اسے اپنے نام سے منسوب کیا جو بعد میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو کر برنالی مشہور ہوا۔ اس گاؤں کے وسط میں ایک پرانا ٹبہ ہے جس پر کسی پرانی بستی کے آثار پائے جاتے ہیں

بلوہ

گجرات کا ایک اور قدیمی گاؤں جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے

Marfat.com

والے ''ڈالی'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ قبل ازیں یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان پر مشتمل رقبہ تھا'' ڈالی ولد میر'' نے موضع کلاچور سے آ کر اس رقبہ کی حاکم وقت سے آباد کاری کے لیے اجازت حاصل کی تھی۔ اس نئے آباد موضع کو مورث اعلیٰ ڈالی نے اپنے والد کے نام پر بلو مشہور کیا۔ اس موضع میں نوگزلمبی قدیم قبر اس کی تاریخی اہمیت کو بھی نمایاں کرتی ہے۔

بلوبانیاں

یہ گاؤں گوجر قوم کی گوت بانیاں نے آباد کیا۔ اس کا مورث اعلیٰ بلو نامی شخص تھا اور اسی کے نام سے یہ گاؤں بلوبانیاں مشہور ہوا۔ یہ گاؤں کچھ عرصہ بعد نامعلوم وجوہات کی بنا پر ویران ہو گیا تاہم بعدازاں جٹ قوم کی گوت ادل سے تعلق رکھنے والے مرزا اور بلو نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ نئی آبادکاری کے بعد اس گاؤں کا نام بلوبانیاں رکھا گیا اور اسی نام سے یہ گاؤں مشہور ہے۔

بلھڑ

گجرات کے بلھڑ اور دھول گاؤں کو گوندل قوم کی ایک شاخ بلھڑ سے تعلق رکھنے والوں نے آباد کیا۔ گوندل قوم کے ایک شخص بلھڑ کو اس گوت کا مورث اعلیٰ قرار دیا جاتا ہے جو لکھی جنگل سے ہجرت کر کے گجرات کے اس علاقے میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کی اولاد نے دو گاؤں آباد کیے جن میں سے ایک بلھڑ اور دوسرا دھول کے نام سے معروف ہوا ہے۔

بنی

اس گاؤں کا اصل نام بن کالس ہے گوجر قوم کی گوت کالس کے کسی مورث نے اس گاؤں کو جنگل میں آباد کیا۔ بن لفظ کے معنی جنگل کے ہیں اس لیے گاؤں کا نام جنگل میں اس کی آبادکاری اور مورث کی گوت کالس کی مناسبت سے بن کالس رکھا گیا۔ یہ گاؤں لالہ موسیٰ سے جوڑا جانے والی سڑک پر واقع ہے۔

بوڑا

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کی گوت چیچی سے تعلق رکھنے والے سمن نامی مورث اعلیٰ نے باہوال سے جدی حصہ حاصل کر کے یہ گاؤں آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے اپنے نام سمن سے منسوب کیا مگر یہ گاؤں بعدازاں بوڑا کے نام سے مشہور ہوا اس گاؤں کے قریب ایک تباہ شدہ بستی کے آثار بھی ہیں اور گاؤں سے ملحقہ ٹبہ پر شہید بابا کا مزار ہے جو صاحب کرامت بزرگ مشہور ہوئے۔

بوسال

یہ گاؤں عہد چوغطہ میں آباد ہوا۔ روایت ہے کہ قوم راجپوت کھوکھر سے تعلق رکھنے والا ایک بوسال نامی مورث جو کہ جوغطہ عہد سلطنت میں شاہی ملازم تھا' نے حاکم وقت کی اجازت سے اس گاؤں کو آباد کیا اور اپنے نام سے منسوب کیا۔ یہ گاؤں مورث کے نام بوسال سے ہی مشہور ہوا' بعدازاں قحط سے یہ گاؤں ویران ہوا اور دوبارہ آباد کیا گیا مگر اس کا پرانا نام برقرار رکھا گیا۔

بوکن

گجرات کا بوکن گاؤں دکن کے گوجروں کی گوت بوکن سے تعلق رکھنے والوں کی اولاد نے یہاں آ کر آباد کیا۔ بوکن رجاہ جگدیو کی اولاد میں سے ہیں اس گوت کی شاخ راجہ یوگدیو کی اولاد میں ایک شخص بوکن سے چلی۔ جس کی اولاد نے دکن سے نکل کر اس علاقہ میں سکونت اختیار کی اور کئی دیہاتوں میں اپنے قدم جمائے۔ بوکن کے نام سے گجرات اور جہلم کے اضلاع میں موضعاجات آباد ہیں جو اس گوت مورث اعلیٰ کے نام سے منسوب ہیں۔

بولا

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ایک سارنگ نامی مورث اعلیٰ نے جیونجل سے آ کر آباد کیا۔ بعدازاں یہ گاؤں ناگہانی آفات کے باعث ویران ہو گیا اور ڈیڑھ سو برس تک غیر آباد رہا۔ اس گاؤں کے مالکان معین الدین، اور لال واڑی میں جا کر آباد ہو گئے تاہم ڈیڑھ سو سال بعد اس گاؤں کے مالکان نے دوبارہ بستی بسائی تو اس کا مورث اعلیٰ کان سے بہرہ تھا اور'' بولا'' (پنجابی میں سننے کی صلاحیت سے محروم کو بولا کہتے ہیں) مشہور تھا۔ اور اسی نسبت سے گاؤں کا نام بھی ''بولا'' مشہور ہو گیا۔

Marfat.com

بھاگو

اس قدم گاؤں کی بنیاد آئین اکبری کے خالق کی نسل کو قرار دیا جاتا ہے۔اس گوت کے بھاگو نامی مورث نے عہد سلطان مسعود میں اسلام قبول کیا اور اسی مورث نے ضلع گجرات میں اس گاؤں کو آباد کیا اور اپنے نام سے منسوب کیا۔ یہ گاؤں کے نام بھاگو سے ہی مشہور اور آباد ہوا۔

بھدر

یہ قدیم گاؤں گلیانہ سے کچھ فاصلے پر آباد ہے اس گاؤں کے آباد کار اپنے جد امجد مغل برلاس بتاتے ہیں ان کے مورث کا نام بھدر تھا جس نے عہد اکبری میں جالندھر کے علاقے شام چوراسی سے آکر اس علاقے میں سکونت اختیار کی اور اسی مورث کے نام سے یہ گاؤں بھدر آباد ہوا.

بھڈانہ

گجرات کا گاؤں بڈھانہ عہد اکبری میں بڈھانہ گوت کے ایک ساہو نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ بڈھانہ گوت کے لوگ راجہ جگدیو کی اولاد ہیں اور سپہ گری کے پیشہ سے منسلک رہے بھڈانہ خاندان کے بہت سے لوگ اکبر بادشاہ کے دور حکمرانی میں فوج میں شامل رہے اور اس خاندان نے موضع بھگواڑی، عالقہ شیر گڑھ ضلع گرود اسپور میں زمینداری شروع کی اور کئی علاقوں پھیل گئے غالب امکان یہی ہے کہ اس خاندان کو عہد اکبری میں سپہ گری کے پیشہ سے منسلک ہونے کے باعث کامیاب مہموں کے نتیجہ میں جاگیریں عطا ہوئیں ۔ گجرات میں اس گوت بھڈانہ سے تعلق رکھنے والے ساہوں نے آکر اپنی گوت کی مناسبت سے نئے آباد کیے گئے گاؤں کا نام بھڈانہ رکھا۔

بھکوے والی

گجرات کا یہ قدیم گاؤں چوغطہ عہد میں لبانہ قوم سے تعلق رکھنے والے رانا چنا برادران بچھازادنے دہلی سے آکر حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ قبل ازیں یہ رقبہ جنگل و بیابان پر مشتمل قطعہ اراضی تھا یہ گاؤں اپنی آبادی کاری سے بعد کبھی ویران نہیں ہوا۔ اس گاؤں کا نام رانا برادران کی عزیزہ بھکری کے نام سے منسوب ہوا اور بھکڑے والی مشہور ہوا۔

بھویاں

گجرات کا یہ موضع بھویاں کودکن سے آکر جٹ قوم کی گوت بھوے سے تعلق رکھنے والے نامدار نامی ایک مورث اعلیٰ نے آکر آباد کیا۔ اس مگر یہ گاؤں چب قوم کی لوٹ مار کے باعث اجڑ گیا اور آبادی یہاں سے تنگ آکر منتقل ہوگئی۔ بعد ازاں نامدار کی تیسری پشت میں گل محمد نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا مگر چب قوم کی قتل و غارت گری سے یہ گاؤں ایکبار پھر ویران ہوگیا۔ رضا قلی داجمیر نے تیسری بار اس گاؤں کو آباد کیا جس کے بعد یہ گاؤں کبھی ویران نہیں ہوا اور اپنے مورث اعلیٰ کی گوت بھویاں کے نام سے ہی مشہور ہوا۔

بھلوٹ

یہ قدم گاؤں عہد تغلق میں آباد ہوا۔ اس کے مورث اعلیٰ کا تعلق گجرات سے تھا۔ بھلوٹ قوم کا سلسلہ نسب پنوار خاندان سے ملتا ہے اور ان کا مورث بھلوٹ تھا۔ اس کی اولاد تغلق دور میں گجرات آئی اور کئی گاؤں آباد کیئے۔ ضلع گجرات میں بھلوٹ نام سے کئی گاؤں آباد ہیں۔

بھلول پور

گجرات کا دریائے چناب کے کنارے آباد قدیم گاؤں بھلول پور عہد بابری میں قائم ہوا یہ گاؤں ہیڈ مرالہ کے قریب اسی جگہ پر آباد کیا گیا جہاں سے بابری لشکر نے دریائے چناب کو عبور کیا اور اس سے قبل پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس گاؤں کی بنیاد بھلول لودھی نے رکھی اکبر دور حکمرانی میں بھی بھلول پور کو تحصیل کا درجہ حاصل رہا اور اس کا رقبہ اس دور میں بھی ساب سے زیادہ تھا۔

بھلیر

گجرات کا یہ قدیم گاؤں نالہ بھنڈ و آبی گذرگاہ کے کنارے واقع ہے۔ اس گاؤں کو بھلوے امی مورث اعلیٰ نے شہنشاہ اکبر کے دور میں حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا اور گاؤں کا نام اپنی گوت بھلیر سے منسوب کیا یہ گاؤں اسی نام سے مشہور ہوا

Marfat.com

بھنگرانوالہ

گجرات کا معروف گاؤں بھنگرانوالہ کو گوجر قوم کی گوت چوہان کے مورث اعلیٰ بیگی نے ہندوستان سے آکر آباد کیا۔ گاؤں آباد ہونے سے قبل یہ علاقہ ویران تھا اور اس گاؤں نامعلوم ملکیت پر آباد کیا گیا اور آج تک آباد ہے یہ گاؤں کڑیانوالہ کے نزدیک آباد ہے۔

بھوج پور۔۔۔جھنڈے والی

گجرات کے اس قدیم گاؤں بھوج پور کو گوجروں کی ایک گوت بھوج سے تعلق رکھنے والی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ گجرات میں گوجروں کی اس گوت بھوج کی ایک قلیل تعداد آباد ہے جو نہ صرف بھوج پور بلکہ کئی دوسرے دیہات میں منقسم ہے گوجر قوم کی گوت کھٹانوں کی ایک شاخ جھنڈے والہ ہے اس حوالے سے روایت ہے کہ اس شاخ کے مورث اعلیٰ شیخ جھنڈا گجرات میں قاضی مقرر ہوئے تھے اور جھنڈے والی گاؤں انہوں نے ہی آباد کیا۔

بیکنانوالہ

یہ تحصیل کھاریاں کا قدیم گاؤں ہے جہاں عہد قدیم میں بکی بیکانیر نام سے پر ایک بستی آباد تھی اور کسی وجہ سے ویران ہوگئی۔ اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا گیا اور اس کا نام سابقہ بستی سے منسوب کرتے ہوئے بیکنانوالہ رکھا گیا۔ یہ گاؤں آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

پاہڑیانوالی

پاہڑیانوالی ضلع گجرات کا معروف قصبہ ہے جسے 1496 میں نہلا قوم جٹ وڑائچ نے آباد کیا۔ اس نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے افتخار وڑائچ کالروی بتاتے ہیں کہ پاڑھا نام کی ہرنوں کی ایک قسم کثرت سے پائی جاتی تھی اسی نسبت سے اس قصبہ کا نام پاہڑیانوالی پڑ گیا۔ یہاں کی سیاسی شخصیات میں چوہدری محمد رفیع اور چوہدری محمد اشرف معروف ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے والد چوہدری غلام محمد مجسٹریٹ تھے۔

1998 کی مردم شماری کے مطابق قصبہ کی آبادی 5667 (مرد 2885 عورتیں 2782 ہے)۔ خواندگی کا تناسب 43.9 فیصد ہے۔ چھ غیر مسلموں کو چھوڑ کر باقی تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ پاہڑیانوالی کا کل رقبہ 2753 ایکڑ ہے۔ 731 گھروں میں بجلی ہے۔ قصبہ کے 834 گھروں میں 761 پختہ 23 نیم پختہ اور 50 کچے گھر ہیں۔

پکھوال

گجرات کے اس گاؤں کی بنیاد بھی ایک بابا پکھو نے رکھی جو بعد ازاں بستی بن گئی اور اسی بابا پکھو کے نام سے منسوب ہو کر پکھوال مشہور ہوئی

پنڈگراں

یہ گاؤں 1668 میں آباد ہوا۔ اسے قوم چب سے تعلق رکھنے والے پنڈو نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ پنڈو نامی مورث اعلیٰ کا آبائی علاقہ کانگڑہ تھا جس نے حاکم وقت سے اس رقبہ پر گاؤں کی آبادکاری کے لیے اجازت حاصل کی تھی۔ آبادکاری سے قبل یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان پر مشتمل تھا۔ مورث اعلیٰ نے اس کا نام اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے پنڈگراں رکھا اور یہ اسی نام سے مشہور ہوا۔

پنڈوری

گجرات کا گاؤں پنڈوری دہلی سے تلاش معاش میں آنے والے گوجر قوم کی گوت لوہسر کے بھولا نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ اس قطعہ اراضی پر پہلے جنگل ویرانہ تھا۔ بھولا نے حاکم وقت کو نذرانہ دیکر اس قطعہ اراضی پر گاؤں بسانے کی اجازت حاصل کی۔ یہ گاؤں اپنے آباد ہونے کے بعد سات پڑوپی کال (قحط سالی) سے اجڑ گیا جس کے بعد یہ گاؤں اپنے پرانے نام پنڈوری کے نام سے معروف رہا۔

پنڈی تاتار

گجرات کا گاؤں پنڈی تاتار کب وجود میں آیا اور اس کی کس نے آبادکاری کی تاریخ اس حوالے سے کوئی اشارہ نہیں دیتی البتہ اس کی آبادی زیادہ تر جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والوں پر مشتمل ہے تاریخی روایت ہے کہ پہلے اس گاؤں کا نام بند تہار تھا تھا دریائے چناب کے کٹاؤ کے باعث یہ گاؤں دریا برد ہو گیا تو اس کی آبادی گردونواح کے دیہات میں جا بسی بعد ازاں اس گاؤں کے مورث اعلیٰ کی

Marfat.com

اولاد نے دوبارہ آباد کیا جس کے بعد یہ پنڈی تاتار کے نام سے معروف ہوا۔ اس گاؤں کے ایک طرف معروف قدیم گاؤں جوگی والا اور دوسری طرف سکھر والی واقع ہیں۔

پنجن کسانہ

یہ قدیم گاؤں کھاریاں سے لالہ موسیٰ کی طرف چند میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ اس گاؤں کو موضع مناور جموں سے آنے والے مورث جاتریا نے آباد کیا اور اس گاؤں کا نام خود سے منسوب کرتے ہوئے موضع جاتریا رکھا بعد ازاں یہ گاؤں ناگہانی آفت کی وجہ سے اجڑ گیا۔ جب اس گاؤں کا جاتریا کے بیٹے نے دوبارہ آباد کیا تو موضع میں رقبہ کے مالکان اسماعیل، خلیل، اور جلیل نے اپنے اپنے حصہ کے رقبوں کے الگ نام رکھ لئے۔ جس کے بعد یہ موضع ایکبار پھر اجڑ گیا۔ تیسری بار اس گاؤں کو گوجر قوم کی گوت کسانہ کے مورث پنجو نے آباد کیا اور گاؤں کا نام اسی مورث کے نام کی نسبت سے پنجن کسانہ مشہور ہوا۔ یہ گاؤں تب سے آباد چلا آ رہا ہے اور یہ یونین کونسل کی حیثیت رکھتا ہے۔

پوربا

گجرات کا قدیم گاؤں پوربا کس نے آباد کیا اور اس کا بانی کون تھا اس حوالے سے کوئی تاریخی شواہد موجود نہیں تاہم عہد اکبری میں اس رقبہ پر ایک بے آباد گاؤں کی صورت شناخت رکھے ہوئے تھا۔ شہنشاہ اکبر نے گوجر قوم کی گوت چیچی سے تعلق رکھنے والے دہلی کے سلطان خان کو یہ گاؤں جاگیر میں عطاء کیا جس نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا۔ اور اس کا پرانا نام برقرار رکھا۔ یہ گاؤں آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

پورچھ

یہ قدیم گاؤں عہد اکبری میں آباد ہوا۔ اس کا مورث اعلیٰ سیالکوٹ سے گجرات منتقل ہوا تھا۔ جس کے نام پر اس گاؤں کا نام پورچھ رکھا گیا۔ یہ گاؤں لادیاں کے قریب واقع ہے

پھالیہ

گجرات۔ منڈی بہاؤالدین روڈ پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر کے گھوڑے ''بیسوفیلس'' (Becefhalus) کے مرنے کے بعد سکندر نے اس کی یاد میں یہ شہر آباد کیا۔ اور اسی سے اس کا نام پھالیہ بنا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی نام کا ایک قصبہ جرمنی میں بھی موجود ہے۔ شہر کے وسط میں آج بھی ایک ٹیلہ ہے جو ماضی کی داستان سناتا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ تارڑ خاندان کا مورث اعلیٰ پھالیہ تھا۔ پھالیہ سے سات سڑکیں مختلف قصبوں کو جاتی ہیں۔

یہاں پر لڑکوں کا ڈگری کالج، لڑکیوں کا انٹر کالج اور بے شمار پرائیویٹ تعلیمی ادارے ہیں۔ انگریزوں کے دور سے ہی یہ گجرات کا تحصیل ہیڈ کوارٹر تھا۔ آج کل یہ ضلع منڈی بہاؤالدین کی ایک اہم تحصیل ہے۔ یہاں بینکوں کی شاخوں کے علاوہ ہسپتال، تھانہ اور بڑی تجارتی منڈی ہے۔ صنعتی لحاظ سے یہ شہر خاصا پسماندہ ہے۔ چند ایک آئس فیکٹریاں ہیں۔ البتہ پھالیہ شوگر ملز کے نام سے ایک کارخانہ مشرق میں دس کلومیٹر کے فاصلے پر مانو چک کے مقام پر واقع ہے۔ 1998 کی مردم شماری کے مطابق پھالیہ ٹاؤن کی کل آبادی 21678 ہے جس میں 10960 مرد اور 10718 عورتیں ہیں۔ شرح خواندگی 68.9 فیصد ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان 3023 مرد اور 2439 عورتیں خواندہ ہیں۔ میٹرک اور اس سے اوپر 2267 مرد اور 1501 عورتیں خواندہ ہیں۔ شہر میں 21384 مسلمان اور 294 غیر مسلم آباد ہیں۔ گھروں کی کل تعداد 3062 ہے جن میں 2907 پختہ، 131 نیم پختہ اور 24 کچے گھر ہیں۔ 2942 گھروں کو بجلی کی سہولت حاصل ہے۔

پھامبڑہ

گجرات میں پھامبڑہ گاؤں کا نام بھی گوجروں کی گوت سے منسوب ہے۔

گوجروں کی گوت پھامبڑہ کا مورث اعلیٰ ''پکھمان'' ہے جس کی اولاد پھامبرہ اور پھامبر کے نام سے مشہور ہے۔ اس گوت سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص گجرات دکن سے آ کر مغلیہ فوج میں ملازم ہوا اور بعد ازاں ملازمت چھوڑ کا ضلع گجرات میں سکونت پذیر ہو گیا اور یہاں زمینداری شروع کر دی۔ پھامبڑہ گاؤں کا نام اسی کے نام سے معروف ہوا۔

Marfat.com

پھر کھٹانہ

گجرات میں گوجر قوم کا آباد کیا یہ گاؤں ایک بار آباد ہونے کے بعد پھر ویران ہو گیا تھا، اس گاؤں کا رقبہ سردار جا سنگھ کو جاگیر میں ملا تھا۔ مگر یہ گاؤں آباد نہ رہ سکا بعد ازاں گاؤں کے سابق سربراہ نے دوبارہ اس گاؤں کو آباد کیا جس کے بعد اس گاؤں کا نام ''پھر کھٹانہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

پھلروان

گجرات کے نواح میں آبی گذرگاہ نالہ بھمبر کے کنارے آباد یہ گاؤں راجپوت قوم کی گوت پھلروان سے تعلق رکھنے والے ''راہی جور'' سیالکوٹ کے مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ اس جنگل میں سکونت اختیار کر کے آباد کیا اس گاؤں کو اپنی گوت کی مناسبت سے پھلروان کے نام سے موسوم کیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ راجپوت قوم کی اسی گوت کا آباد کردہ ایک اہم قصبہ اور منڈی پھلروان ضلع سرگودھا میں موجود ہے

پیارا

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو موضع کالا ضلع جہلم سے گوجر قوم کی گوت پسوال سے تعلق رکھنے والے ایک ''پیارا'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ گاؤں کی آباد کاری سے قبل یہ جگہ ایک ویرانہ تھی جسے حاکم وقت کی اجازت سے بلا نذرانہ پیارا نے آباد کیا۔ یہ گاؤں اسی کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد ازاں بڑے سخت قحط کے باعث یہ گاؤں ویران ہو گیا اور اس کی آبادی نواحی علاقہ دولت نگر میں جا کر آباد ہو گئی۔ ایک عرصہ تک یہ گاؤں بے چراغ اور بے آباد رہا بعد ازاں سردار صاحب سنگھ کے دور حکمرانی میں گاؤں کے سابق مالکان نے اس کو دوبارہ آباد کیا اور اس گاؤں کے بانی مورث اعلیٰ پیارا کے نام کو برقرار رکھا۔

پیروشاہ

گجرات کا یہ گاؤں گوجر قوم کی گوت کھٹانہ کے پیرو نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا جو موضع عمروال سے اپنے پسر منورشاہ کے ہمراہ یہاں منتقل ہوا اور اپنے نام کی مناسبت سے گاؤں کو نام دیا۔ جو پیروشاہ کے نام سے معروف ہوا۔ اس گاؤں کے ٹبہ پر تباہ شدہ کسی پرانی بستی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ گاؤں اعوان شریف روڈ پر، پرانی سڑک کے قریب واقع ہے۔

ترکھا

گجرات کا ترکھا گاؤں سکھ عہد سے قبل آبی گذرگاہ پر آباد ہونے کے شواہد ملتے ہیں اس گاؤں کو کس نے آباد کیا اس حوالے سے کوئی تاریخی شواہد نہیں ملتے تاہم اس گاؤں کے نام ترکھا کے حوالے سے روایت ہے کہ سکھ عہد میں کچھ سکھ سرداروں کا اس گاؤں کے پاس سے گذر ہوا اس وقت آبی گذرگاہ میں پانی طغیانی پر تھا جس کے باعث اہل گاؤں نے سکھ سرداروں کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ آبی گذرگاہ میں پانی بہت ''ترکھا'' (تیز آبی بہاؤ) ہے۔ اس لئے گھوڑوں کو آبی گذرگاہ میں داخل نہ کریں ،روایت ہے کہ اس روز سے گاؤں کا نام ترکھا مشہور ہو گیا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

ٹانڈہ

گجرات کے اس گاؤں کی بنیاد چودھویں صدری عیسوی میں قوم لبانہ سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ ''رائے سیدا'' نے رکھی جو موضع مہوٹا کے رقبہ سے اراضی لے کر آباد ہوا۔ اس گاؤں کے نام ڈنڈا کی وجہ تسمیہ مقامی روایت کے مطابق یوں بیان کی جاتی ہے کہ اس گاؤں کی آبادی کم اور گھر فاصلے پر بنے ہوئے تھے مقامی زمیندار اسے کھیت کو جہاں بھرپور فصل نہ ہو اور پودے فاصلے پر کم اگے ہوں انھیں کھیت میں کہیں کہیں ''ٹانڈا'' کہتے ہیں۔ اس گاؤں اور قرب وجوار کے موضعات میں آبادی کم تھی اور اسی مناسبت سے اس گاؤں کا نام ٹانڈا معروف ہوا۔ ایک اور روایت یہ بھی ملتی ہے کہ اس گاؤں میں نمک کے تاجر قیام پذیر رہے اور ان تاجروں نے اپنے کسی سابقہ علاقے کی مناسبت سے موضع کا نام ٹانڈا رکھا۔ یہ گاؤں گجرات سے بیس میل کے فاصلے پر آباد ہے قیام پاکستان سے قبل اس گاؤں کی اکثریتی آبادی سکھوں پر مشتمل تھی اور اس گاؤں میں خالصہ ہائی سکول اور گردوارہ بھی قائم کیا گیا تھا۔

ٹاہلی صاحب

گجرات کا یہ قدیمی گاؤں سکھ مذہب کے لیے انتہائی مقدس حیثیت رکھتا ہے۔ روایت ہے کہ اس گاؤں سے سکھ مذہب کے بانی ''بابا گرونانک'' کا گذر ہوا تھا اور بابا گورونانک نے اس جگہ پر شیشم (ٹاہلی کا درخت) کی شاخ سے بنی مسواک پھینکی

Marfat.com

تھی جس سے شیشم (ٹاہلی) کا درخت بن گیا۔ اس وجہ تسمیہ سے ہی گاؤں کا نام ٹاہلی صاحب یا ٹاہلی پور مشہور ہو گیا۔ قیام پاکستان سے قبل اس گاؤں میں سکھوں کی اکثریتی آبادی تھی اور گاؤں میں سکھوں کا گوردوارہ بھی تھا جس کے نشانات اب مٹ چکے ہیں

ٹبی چاند

تحصیل کھاریاں کے اس قدیم گاؤں کا نام بستی بان تھا۔ یہ بستی کب آباد ہوئی اس کے حوالے سے کوئی تاریخی شہادت نہیں ملی۔ اس بستی کی آبادی بعد ازاں نواحی علاقوں میں منتقل ہو گئی اور یہ گاؤں بے آباد ہو گیا تاہم بعد ازاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا گیا اور یہ بستی ٹبی چاند کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس گاؤں کے نام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی کوئی مستند تاریخی شہادت نہیں ملتی۔

ٹبی زندہ

یہ قدیم گاؤں تحصیل کھاریاں میں واقع ہے۔ عہد قدیم میں یہ کب آباد اور پھر ویران ہوا اس حوالے سے تو کوئی تاریخی شواہد نہیں ملتے تاہم محکمہال کی دستاویزات کے مطابق گوجر قوم کی گوت پسوال سے تعلق رکھنے والے کھون نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے اسے دوبارہ آباد کیا اور یہ گاؤں مورث اعلیٰ کے نام پر ٹبی زندہ مشہور چلا آ رہا ہے۔

ٹبی شاہدوال

گجرات کا یہ قدیمی گاؤں بھی گوجر قوم نے آباد کیا۔ گوجروں کی گوت چوہان کے ایک ''علم'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع گھدیہ سے آ کر اس گاؤں کی بنیاد رکھی۔ ڈوڈہ گاؤں کے مورث اعلیٰ کی طرح علم نے بھی نئے آباد گاؤں کو اپنے بیٹے سے منسوب کرتے ہوئے شاہدیوال کا نام دیا۔ یہ گاؤں کئی سال تک آباد رہا کچھ عرصے کے بعد جب قوم کی لوٹ مار سے تنگ آ کر گاؤں کی آبادی عالم گڑھ منتقل ہو گئی۔

ٹبی غوث

گجرات کا یہ گاؤں گوندل جٹ اور گوجر قوم کے درمیان لوئی کے تنازعہ کے بعد آباد ہوا۔ روایت ہے کہ تقریباً ایک سو پینسٹھ سال قبل گوجر قوم سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ''میاں علم دین'' موضع گوندل کوٹ میں آباد تھا اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام میاں حسین رکھا گیا۔ موضع گوندل کوٹ میں جٹ قوم کی گوت گوندل آباد تھی اور ان کا رواج تھا کہ جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا تو وہ لوئی مانگتے تھے جس پر میاں علم دین کا جٹ آبادی سے تنازعہ ہو گیا۔ اس واقعے کی وجہ سے ذیلدار ہریہ والا نے میاں علم دین کو اپنے رقبہ میں آباد کیا اور اس رقبہ پر آباد گاؤں کو ''ٹبی غوث'' کا نام دیا جو آج تک اسی نام سے مشہور و آباد ہے۔

ٹبی غوریاں

گجرات کا گاؤں ٹبی غوریاں ایک چھوٹا سا موضع ہے جو سلطان محمود غزنوی، اور محمد غوری کے لاہور پر حملوں کے وقت دریائے چناب پار کرنے سے قبل پڑاؤ کے لیے استعمال ہونے والی یادگار ہے۔ بعد میں اس مقام کو ''ٹبی غوریاں'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔

ٹھٹھہ موسیٰ

گجرات کا یہ گاؤں زمانہ قدیم میں تباہ ہونے والی بستی ٹھٹھہ کے نام سے معروف تھا تاہم کوئی نہیں جانتا کہ اس تباہ شدہ بستی میں کون قوم آباد تھی اور ٹھٹھہ کے نام سے معروف یہ بستی کس ناگہانی آفت کے نتیجہ میں نیست و نابود ہوئی۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق اس تباہ شدہ ٹھٹھہ بستی کے مقام پر جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ایک مورث اعلیٰ ''موسیٰ'' نے چوپالہ سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے اس جگہ کو آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام نئی آباد کاری کرنے والے موسیٰ اور پرانی بستی کی مناسبت سے ''ٹھٹھہ موسیٰ'' مشہور ہوا۔ ٹھٹھہ موسیٰ گاؤں اس کے بعد کبھی ویران نہیں ہوا اور نہ ہی کسی ناگہانی قدرتی آفت سے تباہ ہوا۔ اس گاؤں کو اب یونین کونسل کی حیثیت حاصل ہے

ٹھوٹھہ رائے بہادر

گجرات کا یہ قدیم گاؤں 1677ء میں چِب قوم سے تعلق رکھنے والے ''رائے محمد بہادر'' نامی مورث نے آباد کیا۔ یہ گاؤں موضع تحصیل کھاریاں گلیانہ سے منگلیہ جانے والی سڑک پر آباد ہے۔ بہادر نامی مورث کا تعلق چِب کی گوت ملکاں سے تھا

Marfat.com

اوراسی کے نام کی مناسبت سے یہ گاؤں مشہور ہوا۔

ٹھیکریاں

یہ قدیم گاؤں گوجر قوم کی گوت ٹھیکر یہ ٹھاکر سے منسوب ہے۔ روایت ہے کہ اس گاؤں کے مورث اعلیٰ نے لاہور سے آ کر اس گاؤں کو آباد کیا۔ گجرات کی تحصیل کھاریاں میں چک سکندر اور موضع پنڈوری بھی اسی گوجر گوت ٹھیکریہ کے آباد کردہ گاؤں ہیں۔ جی ٹی روڈ پر آباد موضع ٹھیکریاں بھی اس گوت کا آباد کردہ ہے۔

جاتریا خورد

اس علاقہ میں گجر قوم نے جاتریا کلاں کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا تھا۔ بعد ازاں چک دینہ سے کچھ لوگوں نے منتقل ہو کر موضع چھتہ کے قریب ایک گاؤں آباد کیا چونکہ اس گاؤں کے سامنے جاتریا نام سے ایک گاؤں آباد تھا۔ اس لیے اس کا بھی یہی نام ہو گیا۔ اپنی آبادکاری سے لیکر اب تک آباد ہے اور کبھی بے آباد نہیں رہا۔

جامع مسجد، منڈی بہاؤالدین

جامع مسجد منڈی بہاؤالدین کی تعمیر کا سہرہ صوفی دین محمدؒ جو مجلّہ ''صوفی'' کے ایڈیٹر تھے' کے سر ہے۔ آپ منڈی بہاؤالدین کی علمی ادبی اور سیاسی شخصیت تھے۔ آپ مساجد کی تعمیر میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ اس مسجد کی تعمیر سے پہلے آپ نے محلّہ ''صوفی پورہ'' جو آپ کے ہی نام پر آباد ہوا تھا' میں چار کنال زمین عطیہ کر کے مسجد بنوائی تھی۔ مسجد کے ساتھ ایک سکول بنوایا اور سکول کے ساتھ جو زمین بچتی تھی اُس پر مکان بنوا کر کرائے پر دے دیا۔ جس کا کرایہ مسجد کے فنڈ میں جاتا تھا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح محلّہ ''گوڑھا'' میں آپ کا ڈھائی تین ایکڑ کا باغیچہ تھا جس میں سے آپ نے مسجد کی تعمیر کے لیے زمین عطیہ کی۔ پھر اس کے بعد آپ نے جامع مسجد منڈی بہاؤالدین کی تعمیر کے لیے تحریک چلائی اور مجلّہ ''صوفی'' کے ذریعے ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے چندہ حاصل کیا۔ جس کے لیے انگریزوں نے بھی مسلم سپاہیوں سے ایک آنہ چندہ اکٹھا کر کے مسجد کی تعمیر کے لیے دیا۔ مسجد کی تعمیر میں طلبہ بھی پیچھے نہ رہے بلکہ خواتین نے بھی اپنے زیورات مسجد کی تعمیر کے لیے عطا کیے۔ آپ نے دعوتی کارڈ پر مسجد کی تصویر چھپوائی اور اس کے نیچے ایک شعر درج کر کے لوگوں کو چندہ دینے پر آمادہ کیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

اے مسلمانوں بارش کرو ایثار کی
تا کہ ہو تکمیل جلدی دوسرے مینار کی

لیکن افسوس کہ صوفی مرحوم کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

جامع مسجد کی تعمیر کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں نے ایک پلاٹ حاصل کیا جس کی ہندوؤں اور سکھوں نے مخالفت کی۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ مسجد ہماری رہائش گاہوں کے قریب تعمیر نہ کی جائے۔ اس طرح دو جگہیں تبدیل کرنا پڑیں بالآخر موجودہ جگہ پر تین کنال کا پلاٹ خرید کر مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا گیا۔ جس کی تعمیر کے لیے چودہ رکنی کمیٹی بنائی گی جس میں سید فضل شاہ' صوفی ملک محمد دین' چودھری فتح محمد' شیخ عمر دین' سید جلال شاہ' چودھری سردار خان زیلدار' حاجی غلام حبیب پراچہ' چودھری سردار خان چیلیانوالہ' مولوی غلام محمد مانگٹ اور حافظ جان محمد مدھرے شامل ہیں۔ اس مسجد کا ایک مینار ۱۵۰ فٹ بلند بنا لیکن دوسرا مینار مکمل نہ ہو سکا جس کی کچھ وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ یہ مسجد اپنی نظیر آپ ہے۔ جس کے مقابلے میں دور دور تک کوئی مسجد نہیں ہے۔ اور یہ طرزِ تعمیر کے لحاظ سے بڑی اعلیٰ پائے کی مسجد ہے۔ مسجد کا سنگِ بنیاد صوفی غلام محمد فاضل دیوبند نے رکھا۔ خطیبوں میں مولانا اشرف المعروف استاد صاحب' مولانا سلطان احمد کٹھیالہ شیخاں' مولانا حکیم قاضی خلیل الرحمٰن' اور مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی شامل ہیں۔ یہ مسجد اب بھی ایک مینار پر مشتمل ہے یعنی صوفی دین محمد نے اسے جہاں تک پہنچایا تھا اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد وہیں ہے۔ ابھی تک دوسرا مینار تو تعمیر کیا ہوتا بلکہ مسجد کی مکمل حالت ہی نہایت خستہ ہے۔ کوئی رنگ وروغن اور حفاظت کا انتظام نہیں ہے۔ مسجد جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

جٹو وکل

گجرات شہر میں شامل جٹو وکل محلہ ماضی میں گجرات کا مضافاتی گاؤں تھا اس گاؤں کی بنیاد 1597ء میں آرائیں قوم کے ایک جتول المعروف ''جتوا'' نامی مورث اعلیٰ نے رکھی جو موضع مکیانہ سے آ کر گجرات کے نواح میں آباد ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نواحی گاؤں کو شہر کی بڑھتی ہوئی آبادی نے اپنے اندر سمو لیا اور آج بھی یہ گاؤں ایک محلہ کی صورت میں گجرات کا حصہ ہے۔

Marfat.com

جالب وال

گجرات کے قدیمی گاؤں جالب وال کو جموں سے ہجرت کر کے آنے والے گوجر قوم کی گوت دیڈڑ سے تعلق رکھنے والوں نے آباد کیا۔ قبل ازیں یہ قطع اراضی جالب وال جنگل کے نام سے معروف تھا۔ اس کو گاؤں حاکم وقت کی اجازت سے گوجر قوم کی گوت دیڈڑ سے تعلق رکھنے والے ایک ''علی'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔

جگو

یہ گاؤں دلاور پور کے قریب واقع ہے۔ گاؤں کو موضع جگو سے تعلق رکھنے والے جگت خان نامی مورث نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ بعد ازاں پشت کالی خان کی لوٹ مار سے یہ گاؤں ویران ہو گیا اور مقامی خوفزدہ آبادی دلاور پور جا کر آباد ہو گئی۔ تقریباً دو پشت تک یہ گاؤں بے آباد و ویران پڑا رہا۔ بعد ازاں سلطان خان نے موضع دلاور پور سے واپس آ کر اسے دوبارہ آباد کیا اور اس کا پرانا نام برقرار رکھا۔ پھر یہ گاؤں کبھی بے آباد نہیں ہو۔

جلالپور صوبتیاں

گجرات کا یہ گاؤں ۴۳۰ سال قدیم ہے، جلال الدین اکبر کی سیر کشمیر کے دوران ''قوم صوبتی'' سے تعلق رکھنے والے اس کے ملازم ''لکھو'' نے اجازت لے کر آباد کیا۔ تاریخی روایت ہے کہ جب بادشاہ جلال الدین اکبر باعزم سیر کشمیر اس علاقے میں قیام پذیر ہوا تو لکھو نامی ملازم اس کے ہمراہ تھا اور اس نے اس جنگل کو آباد کرنے کیلئے بادشاہ سے درخواست کی جس پر اسے یہ رقبہ دے دیا گیا۔ قبل ازیں اس علاقے میں صرف ایک بزرگ جلال فقیری کی جھونپڑی تھی۔ اس قصبہ میں قدیمی تالاب اور نوگزے لمبے قدیم مقبرے ہیں۔ اس قصبہ کے اطراف میں قدیمی گذر گاہیں ہیں۔

جلالپور جٹاں

گجرات سے مشرق کی جانب آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ شہر 326 ق م سے موجود ہے۔ البتہ سکھوں کے عہد میں اس کو خاصا عروج ملا اور جلالپور جٹاں کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی دور میں یہاں پارچہ بافی کو عروج ملا جو آج تک قائم ہے۔ 1948، 1965 اور 1971 کی جنگوں میں یہاں کے عوام نے بہت دلیری سے حصہ لیا۔

یہاں کی شالوں اور دھسوں کے علاوہ ٹیکسٹائل فیکٹریاں، فین فیکٹریز، سائزنگ پلانٹس، سوپ فیکٹریاں، اور پیکر picker انڈسٹریز قائم ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے بھی یہاں بہت سی درسگاہیں ہیں۔ پرائمری سے ہائی سکولوں اور کالجوں کے علاوہ پرائیویٹ ادارے بھی ہیں۔

ادب کے میدان میں محمد شریف شعلہ، جان مصطفیٰ، ڈاکٹر نادر حسین، محمد شبیر، لیڈی ڈاکٹر مسز نادر کے نام قابل ذکر ہیں۔

جلال پور جٹاں کا ایک سپوت فرحت اللہ ایم ایس سی اپنے ایک آلے کی ایجاد کے باعث عالمی شہرت یافتہ ہے۔ آج کل امریکہ میں مقیم ہے۔ ان کے آلے کی بدولت چینی کی پیداوار ستر سے اسی فیصد تک بڑھ گئی۔

انتظامی لحاظ سے جلالپور جٹاں میونسپل کمیٹی ہے جس کی آبادی 69395 ہے۔ اس میں 34905 مرد اور 34470 عورتیں ہیں۔ خواندگی کی شرح 68.4 فیصد ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان 9778 مرد اور 8462 عورتیں خواندہ ہیں۔ میٹرک سے اوپر خواندہ مردوں کی تعداد 5618 اور خواندہ خواتین کی تعداد 4633 ہے۔ یہاں 68113 مسلمان اور 1282 غیر مسلم آباد ہیں۔ 9485 گھر پختہ 269 نیم پختہ اور 491 گھر کچے ہیں۔ ان میں 9855 گھروں کو بجلی کی سہولت میسر ہے۔ یہ اعداد و شمار 1998 کی مردم شماری کے ہیں اس لیے اس سے زائد آبادی کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

جلیانی

گجرات کا یہ گاؤں عہد قدیم سے جلیانی کے نام سے ویران پڑا ہوا تھا اس گاؤں کا وجود کب اور کس نے بنیاد رکھی اس حوالے سے تو کوئی معلومات دستیاب نہیں تاہم اتنی معلومات میسر ہیں یہ گاؤں چیچی قوم کی ملکیت رہا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے ''نور احمد'' اور ''گل احمد رنگا'' نے دیونہ سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے گاؤں کو از سر نو آباد کیا۔ یہ گاؤں اپنے سابقہ نام جیلانی سے ہی مشہور رہا

Marfat.com

جمال پور سیداں

یہ گاؤں ابتداء میں مدینہ سیداں کی ہی ایک آبادی تھی مگر اس نے ایک علیحدہ گاؤں کی حیثیت اختیار کر لی ہے اس کی بنیاد سید جمال شاہ نے 1770ء میں رکھی گئی۔ نالہ ھیلسی کے کنارے اس گاؤں کے لوگ بھی ملازمت پیشہ ہیں زیادہ رُجحان پولیس کی طرف رہا ہے مگر دوسرے شعبوں میں بھی ملازمت کا رُجحان ہے۔ زمینداری یہاں بھی اتنی متحرک نہیں ہے مگر کچھ لوگ اس سے بھی وابسطہ ہیں۔ یہ مدینہ یونین کونسل کا ہی ایک حصہ ہے۔ سیاسی خواندگی میں اسے نمایاں حیثیت حاصل ہے یہاں بھی مدینہ سیداں کی طرح شیعہ اور سُنی مسلک کے افراد موجود ہیں مگر سُنی مسلک کو اکثریت حاصل ہے مدینہ کے مقابلے یہاں دوسری برادریوں کے افراد بہت کم ہیں تعلیم کا رُجحان تیزی سے پھیل رہا ہے۔

جمنا

گجرات کے اس گاؤں ''جمنا'' کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''جمیل'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ قبل ازیں یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان تھا۔ مورث اعلیٰ جمیل بنیادی طور پر کس علاقے سے تعلق رکھتا تھا اس بارے ریکارڈ میں معلومات دستیاب نہیں تاہم حاکم وقت سے آباد ہونے والا یہ گاؤں بعدازاں تین سال ویران رہا۔ رحمان نامی مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا اور یہ گاؤں جمنا کے نام سے مشہور ہوا۔

جم نزد چوپالہ

گجرات میں دریائے چناب کے کنارے آباد جم گاؤں کو جٹ قوم کی گوت جم سے تعلق رکھنے والے ''دائم'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع عالی سے آ کر آباد کیا۔ آبادکاری سے قبل یہ قطع اراضی جنگل پر محیط تھا دائم نے حاکم وقت کی اجازت سے رقبہ کو آباد کرنے کے بعد اس کا نام اپنی گوت جم سے منسوب کیا اور جم کے نام سے یہ گاؤں معروف ہوا۔ یہ گاؤں دریا کے کنارے ہونے کے باوجود آب برد ہونے سے بچا رہا اور آج بھی قائم ودائم ہے

جنڈیالہ

اس قدیم گاؤں کو جٹ قوم سے تعلق رکھنے والے موج دین نامی مورث اعلی نے آباد کیا۔ موج دین کا آبائی علاقہ موضع کالا ضلع شاہ پور تھا۔ جس نے حاکم وقت کی اجازت سے یہ گاؤں آباد کرنے کے لیے اس علاقے کو اپنا مسکن بنایا۔ اس گاؤں کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں جنڈ کے درخت بڑی تعداد میں موجود تھے اور اسی نسبت سے یہ گاؤں جنڈانوالہ مشہور ہوا اور بعدازاں یہ نام وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا جنڈیالہ مشہور ہو گیا۔

جوڑا

یہ تحصیل کھاریاں کا بہت بڑا گاؤں ہے۔ اس کی زمین پر قبل ازیں دو موضع جات جوڑا اور ٹبی کھڑک آباد تھے جو کسی وجہ سے بے آباد اور ویران ہو گئے۔ 1537 میں ڈوکہ، باہروال، مہے گورسی، کھٹانہ، پسوال، بجاڑ، کجگا یہ چوہان گوتوں سے تعلق رکھنے والوں کو حاکم وقت نے مختلف موضع جات سے لا کر اس ٹبے کو آباد کیا تو وارثان نے اس بستی کے پہلے نام جوڑا کو برقرار رکھا۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دونوں گاؤں کے بالکل اکٹھا ہونے کی مناسبت سے نئی آبادی کا نام جوڑا رکھا گیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ جٹ ڈھاری والی کے مورث کا نام سدھا تھا اور اس کی نسل کے لوگ کانگڑہ سے نکل کر گجرات آئے اور انہوں نے یہاں جو گاؤں آباد کیا اس کا نام اپنے مورث سدھا سے منسوب کرتے ہوئے سدہ رکھا اس گاؤں کے قریب ایک تباہ شدہ بستی کے آثار بھی ملتے ہیں۔

جوڑا جلالپور

گجرات کا یہ تاریخی گاؤں مغلوں کے عہد جہانگیری ۱۶۱۸ء میں آباد ہوا۔ اس گاؤں کو ''سائل'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا اور بستی کو اپنے نام سے منسوب کیا۔ یہ گاؤں ویران جنگل میں آباد کیا گیا اور سائل کی چار پشتیں اس میں آباد رہیں۔ بعدازاں حاکمانِ وقت کے مظالم سے اس گاؤں کی آبادی ملحقہ دیہات میں جا بسی۔ کئی سالوں بعد اسے ''جلال خان'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا اور اس گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے جلال پور کا نام دیا، اس کے بعد سے یہ گاؤں آباد ہے۔

Marfat.com

جوکالیاں

گجرات میں دریائے چناب کے کنارے واقع یہ ایک قدیم قصبہ ہے۔ اس کا بیلہ (دریائی جنگل) ضلع گجرات کا سب سے بڑا بیلہ ہے۔ 1538 میں تارڑ لوگوں نے اسے آباد کیا۔ شریف کنجاہی کے مطابق جوک یا جوکی فن لینڈ کی بولی میں دریا کو کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اسے آریاؤں نے آباد کیا ہو جو فن لینڈ سے ادھر ترک وطن کر کے آئے ہوں۔ 1769 میں احمد شاہ درانی نے آخری مہم پنجاب کے دوران یہاں قیام کیا۔ قصبہ میں نئی نسل کو تعلیم سے بہرہ مند کرنے کے لیے کئی تعلیمی ادارے ہیں۔ 1998 کی مردم شماری کے مطابق موضع جوکالیاں کی آبادی 6394 افراد پر مشتمل ہے جس میں 3317 مرد اور 3077 عورتیں ہیں۔ موضع کی شرح خواندگی 58.2 فیصد ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان 866 مرد اور 579 عورتیں خواندہ ہیں۔ اسی طرح میٹرک اور اس سے اوپر 534 مرد اور 242 عورتیں خواندہ ہیں۔ موضع میں 52 افراد مذہبی اقلیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا رقبہ 5572 ایکڑ ہے۔ گھروں کی تعداد 912 ہے جن میں 883 گھر پختہ 14 گھر نیم پختہ اور 15 گھر کچے ہیں۔ ان میں 869 گھروں کو بجلی دستیاب ہے۔

جھمٹ آباد

گجرات کے اس تاریخی گاؤں جھمٹ آباد کو جٹ قوم کی گوت جھمٹ کے مورث اعلیٰ ''کالو جھمٹ'' نے آباد کیا۔ جٹ قوم کی گوت جھمٹ کے مورث اعلیٰ کالو نے حاکم وقت سے اپنی نوکری کے عوض اس ویران جگہ کی ملکیت حاصل کی اور اپنی گوت کے نام سے موسوم کرتے ہوئے گاؤں کی بنیاد رکھی۔ کالو جھمٹ کی نسل اس گاؤں میں چار پشتوں تک آباد رہی اور بعد ازاں قوم چب کی لوٹ مار کے باعث یہ گاؤں ویران ہو گیا۔ اس گاؤں سے کچھ مالکان ڈنگہ اور کچھ کوٹلی کوہالہ میں آباد ہو گئے گاؤں تیسری مرتبہ پرانے گاؤں سے مشرق کی طرف آباد ہوا دو دفعہ نالہ دواڑہ نے جھمٹ کو غیر آباد کیا اس گاؤں سے متصل جھمٹ نو آباد کی بستی بھی ہے۔

جھیورانوالی

گجرات کا یہ قدیم گاؤں کنجاہ قصبہ کے قریب واقع ہے۔ اس علاقے میں کسی زمانے میں ''جھیور قوم'' آباد تھی اسی وجہ سے اس گاؤں کا نام جھیورانوالی مشہور ہوا۔ یہ گاؤں اب یونین کونسل کی حیثیت رکھتا ہے مگر جس قوم کی نسبت سے اس گاؤں کا نام مشہور ہے جھیورا قوم اب اس گاؤں میں آباد نہیں ہے۔

جے پور

یہ قدیم گاؤں نالہ بھمبر کے کنارے واقع ہے۔ اسے جٹ قوم کی گوت لنگڑیال سے تعلق رکھنے والے موضع لنگڑیاں کے جے کرن اور قوم چب کی گوت گہیال سے تعلق رکھنے والے موضع وڑالہ کے جے چند نے باہمی اتفاق سے آباد کیا۔ گاؤں کا نام مورث جسے کرن سے منسوب کرتے ہوئے جے پور رکھا گیا۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل یہ رقبہ جنگل بیابان پر مشتمل تھا۔ اس گاؤں کے قریب بہت بڑا ٹبہ ہے جو کسی پرانی تباہ شدہ آبادکے آثار ہیں۔ اس ٹبہ سے مٹی کے برتنوں اور بڑی سائز کی اینٹوں کے ٹکڑ نکلتے رہتے ہیں۔ اس ٹبہ پر کسی بزرگ کی خانقاہ بھی موجود ہے تاہم گاؤں کی آبادی نے ٹبہ کے زیادہ تر حصہ کو زرعی اراضی میں شامل کر لیا ہے۔

جید پور

اس قدیمی گاؤں کو جانت چتواڑہ گڑھ سے بسلسلہ تلاشِ معاش آنے والے گوجر قوم کی گوت بجاڑ سے تعلق رکھنے والے ''جیدا'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ آبی گذرگاہ کے قریب حاکم وقت کی اجازت سے اس جنگل ویرانے کا رقبہ حاصل کر کے جیدا نے گاؤں کی بنیاد رکھی اور اپنے نام کی مناسبت سے گاؤں کا نام جیدا پور رکھا جو اسی نام سے معروف ہوا۔ گاؤں کی مشرقی سمت میں آبی گذرگاہ کے قریب حضرت ساسانوش علیہ السلام کے مزار کی روایت موجود ہے مگر اب اس نوگز لمبے مزار کا کوئی وجود نہیں رہا گاؤں کے تین اطراف میں بجاڑ، کھنانہ اور پسوال کے گاؤں ہیں۔

جینڈر خورد

گجرات کے اس گاؤں کو جموں سے آنے والے گوجر قوم کی گوت جینڈر سے تعلق رکھنے والے ''جادہ'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ اس سے قبل یہ رقبہ جنگل بیابان تھا جس کی آبادکاری کیلئے حاکم وقت سے اجازت حاصل کی گئی۔ گاؤں کی آبادکاری کے بعد چب قوم کے لٹیروں نے اسے اپنے نشانے پر رکھ لیا اور یوں یہ گاؤں چب قوم کی لوٹ مار کے باعث ویران اور بے آباد ہو گیا۔ بعد ازاں مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا یہ گاؤں گوجر قوم کی گوت جینڈر سے منسوب ہوا اور اسی نام

Marfat.com

سے معروف ہوا۔

چڑیاولہ

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کی گوت چیچی سے تعلق رکھنے والے جتو نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا اس گاؤں کا نام چک جتو رکھا گیا جو بعد ازاں کسی وجہ سے ویران ہو گیا۔ کچھ مدت بعد اعوان قوم کے مورث جڑیالوالہ نے اسے پھر آباد کیا اور اسی مورث کے نام کی مناسبت سے یہ گاؤں جڑیاولہ مشہور ہوا بعد ازاں وقت کے ساتھ ساتھ گاؤں کا نام جڑیاولہ سے مشتق ہوتا ہوا چڑیاولہ مشہور ہو گیا یہ گاؤں کوٹلہ ارب علی خان کے قریب آباد ہے۔

چک بزرگ

گجرات کے اس گاؤں کو مغل قوم کی گوت برلاس کے ایک مورث اعلیٰ بزرگ نے موضع سگر سے الگ ہو کر آباد کیا اور اس گاؤں کا نام اپنے نام پر ''بزرگ'' رکھا جو بعد ازاں چک بزرگ کے نام سے معروف ہوا۔ چک بزرگ کے قریب تباہ شدہ پرانی بستیوں کے آثار ٹبہ کی صورت موجود ہیں جبکہ آبی گذرگاہ بھی اس گاؤں کے قریب واقع ہے۔

چک بگا

اس گاؤں کو موضع سکھر سے آنے والے مغل قوم کی شاخ برلاس سے تعلق رکھنے والے ''بگا دوانا برادران'' نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ یہ گاؤں کچھ عرصہ بعد چیب قوم کی لوٹ مار کا شکار رہا اور یہاں سے آبادی گرد ونواح کے محفوظ علاقوں میں منتقل ہو گئی۔ جس کے باعث یہ گاؤں ویران ہو کر رہ گیا بعد ازاں اس گاؤں کو ایک عرصہ بعد دوبارہ آباد کیا گیا۔ یہ گاؤں بگا برادران کے نام کی مناسبت سے چک بگا مشہور ہوا اس گاؤں کے گرد نواح میں چک بزرگ، چک قاضی، مغل آباد اور سکھر گاؤں واقع ہیں۔ بگا برادران کے بزرگ کا نام ''تیغ بیگ'' بتایا جاتا ہے جس کا مزار ہنج کے ٹبہ پر قدیمی گذگاہ کے قریب موجود ہے۔

چک پنیار

گجرات کے اس گاؤں کو موضع جاملی سے الگ کر کے جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے ''ویرو'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ یہ گاؤں آباد ہونے کے دو برس بعد تک برقرار رہا مگر قحط سالی کے باعث یہ ویران ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد گاؤں کے سابقہ مالکان سے معاملات طے کر کے ''جوریا'' نامی مورث اعلیٰ نے دوبارہ گاؤں کو آباد کیا۔ دریائے چناب کے کنارے نشیبی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے گاؤں کے قطعہ اراضی پر بہت زیادہ پانی جمع تھا اسی مناسبت سے گاؤں کا نام چک پنیار مشہور ہوا ۔اس گاؤں کو دریائے چناب کے کنارے نشیبی جگہ پر ہونے کے باعث کٹاؤ کا بھی سامنا رہا اور گاؤں کا کچھ حصہ دریا برد ہو کر رہ گیا۔

چک جانو کلاں

گجرات ۔سرگودھا روڈ پر نہر رسول قادر آباد لنک کے مشرقی کنارے پر اس چک کو 1628 کو مسمی جانو قوم جاٹ گوت وڑائچ نے منگووال سے آ کر اسے بسایا اور اپنے نام پر اس کا نام رکھا۔

چک حکیم

گجرات کے اس گاؤں کو ''محمود'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع باگڑیانوالہ سے آ کر آباد کیا۔ اس چک کا نام مورث اعلیٰ نے اپنے والد کے نام سے منسوب کرتے ہوئے ''چک حکیم'' رکھا یہ گاؤں اپنی آبادکاری کے بعد دوبارہ ویران ہو کر پھر آباد ہوا۔ چالیہ قحط کے باعث بھی ایک بار یہ گاؤں ویران ہوا، اور اس کے مکین موضع باگڑیانوالہ جا کر آباد ہو گئے ۔ بعد ازاں اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا گیا مگر اس کا سابقہ نام برقرار رکھا گیا۔

چک دینہ

اس گاؤں کے حوالے سے یہ روایت موجود ہے کہ بادشاہ نے راجہ کھٹانہ کو ایک وسیع جاگیر عطا کی جس پر ایک موضع شاہ پور آباد کیا جو ضلع گجرات میں تھا جس کا اب کوئی نام ونشان باقی نہیں رہا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس جگہ پر اب دینہ چک آباد

Marfat.com

ہے جہاں شاہ پور تھا اور جہاں راجہ کھٹانہ کی اولاد کئی پشتوں تک آباد رہی۔ اس جگہ پر تباہ شدہ بستی کے آثار موجود ہیں۔ گوجر قوم کی گوت کھٹانہ کے جانے نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے ڈوگہ سے آ کر اس رقبہ پر گاؤں آباد کیا جو بعدازاں بارہ سال تک ویران پڑا رہا گیا۔ اس گاؤں کو دوبارہ آباد کر کے اس کا نام چک دینہ رکھا گیا۔

چک ڈھلو

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت ڈھلو سے تعلق رکھنے والے ''فتح دین'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا اور اس گاؤں کا نام اپنی گوت سے منسوب کرتے ہوئے ''ڈھلو'' رکھا بعدازاں یہ گاؤں چک ڈھلو کے نام سے مشہور ہوا۔ آباد کاری کے بعد کچھ عرصہ یہ چک آباد رہا پھر قحط سالی کے باعث گاؤں کے باسی گرد و نواح کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ بعدازاں ''حیات خان گوہر قلی'' نامی مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا مگر اس گاؤں کا نام چک ڈھلو ہی مشہور رہا ہے۔

چک رہانہ

گجرات کا چک رہانہ گوجر قوم کے ایک گاؤں مراڑ پور کے بانی کے پسر ''رہانہ'' نے اپنے گاؤں سے الگ ہو کر اس رقبہ پر نئے گاؤں کی بنیاد رکھی اور اپنے نام سے ہی اس کو منسوب کیا۔ رہانہ کی دو پشتیں اس گاؤں میں مقیم رہیں بعدازاں یہ گاؤں حکام وقت کی سخت گیری کے باعث ویران ہو گیا اور رہانہ کی تین پشتوں تک یہ گاؤں بے چراغ رہا بعدازاں یہ گاؤں چوتھی پشت میں دوبارہ آباد ہوا۔ مگر سکھ عہد حکمرانی کے مظالم سے ایک بار پھر بے آباد ہوا اور پھر تیسری بار آباد کاری ہوئی تو اس کا نام مورث اعلیٰ نام سے منسوب کر کے چک رہانہ رکھا گیا۔ یہ گاؤں مراڑ پور کے نزدیک موجود ہے مگر اس کا رقبہ ہی زیر کاشت ہے چک میں کوئی آبادی نہیں۔

چک سادہ

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''سادہ'' نامی مورث اعلیٰ نے اپنا جدی حصہ حاصل کر کے اس گاؤں کو آباد کیا اور اپنے ہی نام سے منسوب کیا یوں یہ گاؤں چک سادہ کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ اس گاؤں میں اولیائے کرام کے مزارات ہیں

چک سروانی

یہ قدیم گاؤں لالہ موسیٰ کے قریب آباد ہے۔ عہد قدیم میں یہ سروانی کے نام سے آباد ہوا مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر اجڑ گیا۔ گاؤں کے نام سروانی کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سارایانی تجارتی قافلے اس گاؤں میں قیام کرتے تھے اور اسی نسبت سے اس گاؤں کا نام سروانی مشہور ہوا۔ یہ گاؤں ایک مدت تک ویران پڑا رہا۔ بعدازاں 1748 میں جموں سے تعلق رکھنے والے غازی بھٹیاں نامی مورث نے اس گاؤں کو راجہ سلطان خان کے دور میں سولہ روپے نذرانہ دی کر دوبارہ آباد کرنے کی اجازت حاصل کی۔ اور دوبارہ آباد کرتے وقت اس کا سابقہ نام ہی برقرار رکھا جو سروانی کے نام سے مشہور اور آباد ہوا۔

چک سروانی

لالہ موسیٰ کے قریب ہے۔ سروانی کے نام سے موسوم ہوا۔ بعد میں نامعلوم وجوہات کی بناء پر بے نام ہو گیا۔ 1748 میں غازی خاں نے راجہ سلطان خاں کو 1600 روپے نذرانہ دیکر اسے دوبارہ آباد کیا۔ اور اس کا نام سروانی رہنے دیا۔

چک سکندر

تحصیل کھاریاں کا یہ گاؤں گجرات سے تعلق رکھنے والے دو بھائیوں سردانی اور دہست نے آباد کیا۔ مورثان نے اس گاؤں کا نام اپنے والد سے منسوب کرتے ہوئے چک سکندر رکھا۔ آباد کاری سے قبل یہ گاؤں جنگل بیابان پر مشتمل قطعہ اراضی تھا۔ یہ تب سے اب تک اسی نام سے معروف و آباد ہے۔

چک شیرو

گجرات کا معروف اور قدیم گاؤں چک شیرو یونین کونسل بڑیلہ شریف میں آباد ہے اس گاؤں کو گجر قوم کی گوت گورسی کے مورث اعلیٰ شیرو نے موضع چک مرزا سے آ کر آباد کیا اور اسی کے نام کی مناسبت سے چک شیرو کے نام سے معروف ہوا۔ مگر یہ گاؤں شیرو کی دو پشتوں تک آباد رہا بعدازاں قحط سالی سے ویران ہو گیا۔ تاریخی روایت

Marfat.com

کے مطابق اس گاؤں کو شیرو کی پانچویں پشت نے دوبارہ آ کر آباد کیا جس کے بعد یہ گاؤں کبھی ویران نہیں ہوا۔

چک غازی

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو ۱۸۶۸ء سے قبل جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ایک ''غازی'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا جو موضع کٹھالہ سے اس گاؤں کی آبادکاری کیلئے آیا تھا۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ کے نام پر ''چک غازی'' رکھا گیا اور اسی نام سے معروف ہوا یہ گاؤں اب تک آباد ہے۔

چک کالا

گجرات کے اس گاؤں کے رقبہ کا نام پہلے سوک کلاں تھا جس پر جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''کالو'' نامی مورث اعلیٰ نے رقبہ تقسیم کر کے اپنے نام سے الگ گاؤں آباد کیا جو مورث اعلیٰ کے نام کی نسبت سے ''چک کالا'' مشہور ہوا۔ یہ گاؤں سات پڑوپی والے قحط میں ویران ہو گیا مگر چالیس سال بعد اس گاؤں کو دوبارہ حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا گیا مگر اس کا نام مورث اعلیٰ کی نسبت سے چک کالا ہی برقرار رکھا گیا یہ گاؤں آج بھی اسی نام سے مشہور و آباد ہے۔

چک لالہ چک جانی

اس قدیم گاؤں کو جٹ قوم کی گوت گوندل سے تعلق رکھنے والے جانی نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا جو موضع پوڑ تحصیل پھالیہ سے اس علاقہ میں آ کر مقیم ہوا۔ گاؤں کا نام مورث اعلیٰ سے منسوب ہوا اور چک جانی مشہور ہوا۔ مورث اعلیٰ کی اولاد نرینہ نہیں تھی جس کے باعث مورث اعلیٰ نے گاؤں کا رقبہ اپنی بیٹی کو جہیز میں دیدیا۔ جو چند پشتوں تک آباد رہا۔ عہد مغلیہ میں لوٹ مار کے باعث یہ گاؤں اجڑ گیا اور اس کے مکین دوسرے علاقوں میں جا کر بس گئے۔ سکھوں کے عہد میں جب علاقے میں کچھ امن ہوا تو یہ گاؤں دوبارہ کیا گیا جو چک لالہ کے نام مشہور ہوا۔ بعد ازاں یہ گاؤں دوبارہ اپنے مورث اعلیٰ کے نام کی نسبت سے چک جانی معروف ہوا۔

چک مبارک

گجرات کے اس مبارک نامی گاؤں کو گوجر قوم کی کٹھانہ شاخ سے تعلق رکھنے والے ''مبارک'' نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ گاؤں کے قیام سے قبل یہ رقبہ جنگل بیابان پر مشتمل قطعہ اراضی تھا۔ گاؤں آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد قحط سالی کے باعث آبادی کو گاؤں چھوڑنا پڑا اور یہ گاؤں ویران ہو کر رہ گیا۔ جس کے بعد مالکنا نے پیرو شاہ سے دوبارہ واپس آ کر گاؤں کو بسایا اور مورث اعلیٰ کا گاؤں کو دیا ہوا نام مبارک برقرار رکھا۔

چک میانہ

لالہ موسیٰ سے کچھ فاصلے پر گلیانہ روڈ پر تحصیل کھاریاں کا معروف گاؤں چک میانہ آباد ہے۔ اس گاؤں کو ۱۶۵۸ء میں ''صدرالدین'' اور ''نعمت اللہ'' نامی مورثان نے موضع شاہ پور تحصیل گجرات سے آ کر آباد کیا۔ بعد ازاں صدرالدین کی اولاد موضع ہیل اور دہر میں جا بسی۔ تھوڑی مدت کے بعد صدرالدین کی اولاد سے پیر محمد، کاظم اور نعمت اللہ کی اولاد سے حیات نامی مورثان نے دوبارہ اس گاؤں کو آباد کیا اس گاؤں کے نام کی وجہ تسمیہ سرکاری ریکارڈ میں کچھ یوں روایت ہے کہ صدرالدین عالم فاضل شخصیت تھے اور اس علاقہ میں علما کیلئے میانہ کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا اسی نسبت سے اس گاؤں کا نام چک میانہ معروف ہوا اور اب تک مشہور چلا آ رہا ہے۔

چک وِن

چک وِن کو تحصیل کھاریاں سے تعلق رکھنے والے وِن نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ وِن جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھتا تھا۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل اس رقبہ پر جنگل تھا۔ وِن نے اسے آباد کرنے کے بعد اسے اپنے نام سے منسوب کیا اور یہ گاؤں اسی کے نام وِن چک سے مشہور ہوا۔

چکوڑا

اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ دریا نے آباد کیا۔ مورث اعلیٰ دریا کا آبائی علاقہ موضع کنجاہ تھا۔ یہ گاؤں پہلے پہل 1597 میں آباد ہوا۔ بعد ازاں اسے جیوا اور حیات نامی مورثان نے از سر نو آباد کیا۔ اس گاؤں کے نام چکوڑا کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے قریب ہی موضع چکوڑی

Marfat.com

آباد ہے جس کی نسبت سے اس کا نام چکوڑا مشہور ہوا۔

چکوڑی شیر غازی

یہ قدیم گاؤں لالہ موسیٰ کے قریب آباد اور یونین کونسل خواس پور کا حصہ ہے۔ اس گاؤں کو ملیر کوٹلہ سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ حضرت شیر غازی نے 1627 میں آباد کیا۔ موضع پانو والی کے گوجروں کی بڑی تعداد اس بزرگ کی مرید ہوئی اور نذرانہ اس گاؤں کا رقبہ حضرت شیر غازی کے نام کر دیا۔ اس گاؤں کا نام بھی حضرت شیر غازی کے نام سے منسوب ہوا۔ حضرت شیر غازی کے انتقال کے بعد اسی گاؤں میں ان کا مزار قائم کیا گیا۔

چندیوالی

تحصیل کھاریاں کے اس گاؤں کو گوجر قوم سے تعلق رکھنے والے ایک ''چندا'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع کملا سے آ کر آباد کیا اور اس گاؤں کا نام خود سے منسوب کرتے ہوئے ''چندایوالی'' رکھا۔ یہ گاؤں چار پشتوں تک آباد رہا بعد ازاں چوروں کی لوٹ مار سے یہ گاؤں ویران ہو گیا اور آبادی محفوظ علاقوں میں منتقل ہو گئی۔ میر احمد غوث نے موضع باہر وال سے آ کر دوبارہ اس گاؤں کو پہلی جگہ پر آباد کیا مگر اس کا سابقہ نام چندیوالی برقرار رکھا۔

چواہل'' یا ''چوہاہل''

گجرات کا یہ گاؤں ۱۵۶۷ء میں جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے دو بھائیوں چواہڑ اور مل نے موضع شادیوال سے آ کر آباد کیا۔ دونوں بھائیوں کے نام کی مناسبت سے گاؤں کا نام ''چوہڑمل'' رکھا گیا جو بعد ازاں مشتق ہوتا ہوا چواہل کے نام سے معروف ہوا۔ یہ گاؤں یونین کونسل کو لیکی میں واقع ہے۔ اس گاؤں نے تمباکو کے حوالے سے پنجاب بھر میں شہرت حاصل کی۔

چور چکوری

یہ گاؤں بھی عہد قدیم میں گوجر قوم کی گوت کھٹانہ نے آباد کیا۔ بعد میں گاؤں کا نام چکوڑی رکھا گیا یہ گاؤں دو پشتوں تک آباد رہا۔ بعد ازاں قحط سالی کے باعث ویران ہو گیا اور آبادی موضع پسوال میں جا کر آباد ہو گئی۔ کئی سال تک یہ گاؤں بے آباد اور ویران پڑا رہا۔ پھر سکھوں کے عہد میں یہ گاؤں دوبارہ آباد کیا گیا جس کا نام چور چکوری رکھا گیا۔ گاؤں کا موجودہ نام چکوڑی خورد ہے۔

چورانوالی محمود آباد

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''امین شاہ'' نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ قبل ازیں یہ جنگل بیابان پر مشتمل قطعہ اراضی تھا مورث اعلیٰ امین شاہ اس گاؤں کو آباد کرنے کیلئے موضع چوپالہ سے آ کر اس رقبہ پر مقیم ہوا۔ یہ گاؤں اپنی آبادکاری کے بعد کبھی ویران یا تباہ نہیں ہوا۔ اس گاؤں کے نام چورانولی کی وجہ تسمیہ یہ روایت ہے کہ اس گاؤں میں ایک روز کسی نے فقیر سے روٹی چھین لی جس پر فقیر نے لاچار ہو کر یہ کہا کہ یہ چوروں کا گاؤں ہے اس روایت کے حوالے سے یہ گاؤں ''چورانوالی'' کے نام سے مشہور ہو گیا بعد ازاں اس گاؤں کا نام تبدیل کر کے ''محمود آباد'' رکھا گیا ہے۔

چندو

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو بھی گوجر قوم کی گوت گاسو سے تعلق رکھنے والے ایک چندو نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ چندو نے تحصیل کھاریاں سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے اسے آباد کیا۔ اس گاؤں کی آبادکاری کی اجازت حاصل کرنے کے لیے حاکم وقت کو نذرانہ بھی ادا کیا گیا۔ مورث اعلیٰ نے گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کیا جو چندو کے نام سے ہی مشہور اور آباد ہے۔ یہ گاؤں آبادکاری کے بعد کبھی ویران نہیں ہوا۔ بعد ازاں گوجر قوم سے تعلق رکھنے والے شاہ مراد بھی موضع حاصلانوالہ اور نور محمد موضع تازیانوالہ سے اس گاؤں میں آ کر آباد ہو گئے۔ روایت ہے کہ شاہ مراد بسلسلہ پیری مریدی جبکہ نور محمد اپنی آبائی تحصیل پیالہ کے موضع تازیانوالہ میں قحط سالی کے باعث ہجرت کر کے گاؤں میں آباد ہوا۔ یہ گاؤں میں موضع نونانوالی کے قریب آباد ہے۔

چوہدووال

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کی بنیاد گوجر قوم کی گوت چوہان سے تعلق

Marfat.com

رکھنے والے ''چوہدو'' نامی مورث اعلیٰ نے رکھی۔ چوہدو نے حاکم وقت دہلی کی اجازت سے اس جنگل بیابان رقبہ پر گاؤں آباد کیا۔ یہ گاؤں اپنے آباد ہونے کے بعد تین سال تک ویران رہا بعدازاں چوہدو نے اس کی دوبارہ سابقہ جگہ پر ہی آبادکاری کی اور اپنے نام سے منسوب کردیا۔ یہ گاؤں ''چوہدووال'' کے نام سے معروف ہے۔

چوہڑ چک

گجرات کا یہ قدیم گاؤں گوجر قوم کی ملکیت تھا جو مغلیہ دور حکمرانی میں کسی وجہ سے برباد ہوکر اجڑ گیا بعدازاں سکھوں کے عہد حکمرانی میں موضع چک مبارک سے یہاں آنے والے ایک مورث اعلیٰ نے اس کو دوبارہ آباد کیا مگر اس کا پرانا نام چوہڑ چک برقرار رکھا۔

چوہڑ پور

اس گاؤں کو چوہڑ نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سلطان خان بھمبر والا شکار کے لیے اس علاقہ میں آیا تو چوہڑ نے اس کی خوب خاطر مدارت کی جس پر سلطان نے خدمت کے عوض اسے یہ رقبہ عطا کردیا۔ مورث اعلیٰ نے اس کا نام اپنے سے منسوب کیا چنانچہ یہ گاؤں چوہڑ پور کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ گاؤں کھاریاں میں ہے۔

چھالہ یا چھالی

گجرات کا گاؤں چھالہ یا چھالی گوجر قوم کے ''راجہ چھالا'' کی اولاد نے آباد کیا۔ شاہان گوجر کے مطابق ان کا ایک مورث کسی زمانے میں پنجاب آیا اور پہلے دریائے راوی کے کنارے راجہ چھالا کی یہ پشت مویشی چراتی رہی مگر جب اس علاقے کی دوسری قوموں نے انھیں تنگ کیا تو یہ جموں کے علاقے میں چلے گئے۔ وہاں سے بعدازاں گجرات منتقل ہوئے اور یہاں جو گاؤں آباد کیا اس کا نام اپنی گوت کے مورث اعلیٰ کے نام سے منسوب کرتے ہوئے ''چھالا'' رکھا جو بعدازاں وقت کے ساتھ مشتق ہوتا ہوا چھالہ یا چھالی سے معروف ہوا۔

چھتہ

یہ قدیم گاؤں ہے جس کے آبادکار اور کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تاریخی شواہد دستیاب نہیں۔ یہ گاؤں مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں دوبارہ آباد ہوا۔ جب محکم دین، کریم بخش علی محمد نامی مورثان نے موضع شاہ سرمت سے آکر اسے آباد کیا۔ اس گاؤں کی نئے سرے سے آبادکاری کے لیے حاکم وقت سے بعوض نذرانہ حاصل کی گئی تھی تاہم مورثان نے از سر نو آبادکاری کے بعد اس کا پرانا نام برقرار رکھا۔

چھوکر

اس گاؤں کو تنور خاندان چھوکر نامی بزرگ کی اولاد نے آباد کیا جو گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ گجرات میں آکر آباد ہوا تھا۔ گجرات میں چھوکر نام سے کئی گاؤں موجود ہیں۔

چچیاں

گجرات ضلع میں چچیاں کے نام سے ایک سے زائد موضعات آباد ہیں چچی گوجروں کی ایک معروف گوت ہے جو راجہ چچی راجہ جگدیو کی اولاد میں سے تھا اور اسی راجہ کی نسل گوجر چچی کہلائی۔ روایت ہے کہ گوجروں کی اس گوت کا ایک شخص سلطان محمود کی فوج میں شامل ہوکر مسلمان ہوا جس کی اولاد پنجاب میں پھیلی اور اسی کے اولاد نے گجرات میں اپنی گوت کے بانی ''راجہ چچی'' کے نام کی مناسبت سے گجرات میں کئی موضعات آباد کیے جو چچیاں کے نام سے ہیں۔ چچیاں گجرات سے دس میل دور اعوان شریف روڈ پر آباد گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں نوگز لمبا مقبرہ موجود ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ حضرت مرعان علیہ السلام کی آخری آرام گاہ ہے۔

چیلیانوالہ

لالہ موسیٰ۔ سرگودھا ریلوے سٹیشن اور کھاریاں۔ منڈی بہاؤالدین روڈ پر یہ قصبہ اپنی تاریخی اہمیت کے حوالے سے مشہور ہے۔ 1849 میں اس مقام پر انگریزوں اور سکھوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ مرنے والے فوجیوں کا قبرستان قتل گڑھ کے نام سے موسوم ہے۔ آج بھی جن کی یادگاریں موجود ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا اُردو کے

Marfat.com

مطابق اسی مقام پر سکندر اور راجہ پورس کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔

حاجی والا

گجرات کے گاؤں حاجی والا کو گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے موضع بولا تحصیل کھاریاں کے مورث اعلیٰ بلاول، پانو، اودو اور مالک نے آکر آباد کیا۔ ''بلاول'' مورث اعلیٰ نے اپنے حج کرنے والے بیٹے کے نام مناسبت سے اس گاؤں کا نام ''حاجی والا'' رکھا یہ گاؤں کڑیانوالہ کو جانے والی قدیمی سڑک پر آباد ہے اور یونین کونسل کے دفاتر اسی گاؤں میں قائم ہیں۔

حاجی والا کا ایک علمی خانوادہ:

علم و ادب، درس و تدریس اور فن خطاطی میں مہارت کے حوالے سے یہ خاندان علاقے میں اپنی نمایاں پہچان رکھتا ہے۔ سترھویں صدی کے جان محمد سے لے کر موجودہ دور کے دانش محمود تک اس خانوادے کے خواتین و حضرات متعدد کتابوں کے مولف اور معلم رہے ہیں۔ جناب قاضی فضل حق مرحوم گورنمنٹ کالج، لاہور سے بطور صدر شعبہ فارسی وابستہ رہے۔ علامہ اقبال کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی، گورمکھی، پنجابی زبانوں کے علاوہ فرانسیسی اور جرمن زبان سے آگاہ تھے۔ ان کی کئی کتب کے جدید ایڈیشن سنگ میل پبلیکیشنز سے شائع ہوئے ہیں۔ ان کا بے شمار کام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں ان کے پوتوں کے پاس موجود ہے، جو رفتہ رفتہ منظر عام پر آ رہا ہے۔ انھوں نے ۱۹۳۸ء میں وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق یہیں مدفون کیے گئے۔ قاضی فضل حق کے بیٹے جناب بذل حق محمود مرحوم بھی اردو انگریزی فارسی اور پنجابی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ علمی و ادبی جرائد میں بلند پایہ تحقیقی مقالات اور فارسی افسانوں کے تراجم کے ذریعے اردو اور فارسی اور پنجابی زبان کے بہترین تخلیق کار، مترجم، محقق اور نقاد کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ علمی، ادبی اور تحقیقی موضوعات پر مبنی کئی مستند کتب کے مصنف ہیں۔

چوہدری محمد یعقوب مرحوم ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر تھے اور اپنے وقت میں ضلع گجرات کے گنے چنے گریجوایٹس میں سے تھے۔ اردو، فارسی، انگریزی اور پنجابی زبان و ادب پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ ان کے غیر مطبوعہ اثاثوں میں ان کی شاعری کے علاوہ تاریخ انگلستان اور اردو لغت دستیاب ہے۔ لغت کی ترتیب فرد واحد کے لیے ایک ناممکن کام ہے مگر محمد یعقوب نے اس کام کو جس سلیقہ سے کیا ہے اس کا اندازہ مسودہ دیکھ کر ہی ہو جاتا ہے۔ انہوں نے ۱۹۶۷ء میں وفات پائی۔

اسی خانوادے سے ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ کا بھی تعلق ہے۔ کئی کتابوں اور 150 کے لگ بھگ تحقیقی اور تنقیدی مضامین کی مصنفہ ہیں، جن کی پذیرائی قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہو چکی ہے۔ ان کی حج کی یادداشتوں پر مبنی کتاب ''دسترس میں آسمان'' کو ۲۰۰۲ء کی اسلامی ادب پر بہترین کتاب کا ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ بچوں کے ادب پر بھی کام کیا ہے اس سلسلے میں ''چالیس کے عدد کی کرشمہ سازیاں'' اور ''حضرت سلیمان علیہ السلام'' جو نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے شائع کی گئیں، قابل ذکر ہیں۔ اردو اکیڈمی سندھ نے ۲۰۰۸ء میں ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ حال ہی میں ان کے سفرنامہ عمرہ کے تاثرات پر مشتمل کتاب ''سرحدِ ادراک سے آگے'' شائع ہوئی ہے۔ کئی کتب اشاعت کے مختلف مراحل میں ہیں۔

اسی خانوادے کے ایک اور فرد شاہد محمود کی تیار کردہ کتب ہائر ایجوکیشن کمیشن کی جانب سے شائع کی ہیں جو پاکستان اور بیرون ملک جامعات کے لیے حوالے کی اہم کتب میں شمار کی جاتی ہیں۔ آج کل اپنے آبائی گاؤں حاجیوالہ میں ایک اعلیٰ معیار کے تعلیمی منصوبہ پر کام کر رہے ہیں۔

شاہد محمود اور قرۃ العین طاہرہ کے بڑے بیٹے دانش محمود ادبی حلقوں میں ایک سفرنامہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور بیرون ملک اسفار پر مبنی سفرنامے ادبیات، کتاب، ادب لطیف، رابطہ، شعر و سخن، تجدید نو اور عکاس کے علاوہ اخبارات میں قسط وار شائع ہو کر داد پا چکے ہیں۔

انگریزی زبان میں لکھے گئے مسودے AN OVERVIEW; " NORTHERN PAKISTAN " کو نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے منعقدہ انعامی مقابلے ۲۰۱۰ء میں دوسرے انعام (ستائش سرٹیفکیٹ اور تیس ہزار روپے نقد) سے نوازا گیا۔ اردو اور انگریزی زبان میں ان کی کئی کتب منظرِ اشاعت ہیں۔

حسن پٹھان

یہ گاؤں کوٹلہ ارب علی خان کے قریب واقع ہے۔ اسے 1657 میں حسن اور ولی نامی بھائیوں نے آباد کیا۔ ان دونوں بھائیوں کا آبائی علاقہ لودی تھا اور انہوں نے اس نئے گاؤں کی آبادکاری کے لیے حاکم وقت سے اجازت حاصل کی تھی۔ گاؤں کا نام مورث کے نام اور قوم کی نسبت سے حسن پٹھان رکھا گیا جو اسی نام سے مشہور و آباد ہوا۔

Marfat.com

حسن ڈھینڈہ

گجرات کا یہ قدیمی گاؤں بھی بادشاہ جلال الدین اکبر کے دور میں آباد ہوا۔ یہ گاؤں قدیمی گاؤں کڑیانوالہ کے قریب واقع ہے۔ اس کی آبادکاری کیلئے گوجر قوم کی گوت ڈھینڈہ سے تعلق رکھنے والے ایک ''حسن'' نامی مورث اعلیٰ نے بادشاہ سے اجازت لی اور اس جنگل کے قطعہ کو آبادی میں تبدیل کردیا۔ حسن نے اس گاؤں کا نام خود سے اور اپنی گوت سے منسوب کیا اور ''حسن ڈھینڈہ'' رکھا۔

خانقاہ حافظ حیات

گجرات کے اس رقبہ پر فتح پور کلاڈی نامی گاؤں آباد تھا جس کو گوجر قوم نے آباد کیا تھا تقریباً چھ سو سال قبل وزیرآباد سے سیر کرتے ہوئے اس علاقے میں آئے اور پھر اس گاؤں سے ملحقہ تباہ حال قلعہ کو اپنا مسکن بنا کر مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ انتقال کے بعد اس بزرگ حافظ حیات کو اسی گاؤں میں تدفین کیا گیا اور انھی کے نام کی مناسبت سے یہ گاؤں خانقاہ حافظ حیات مشہور ہوا اس گاؤں کے رقبہ کو 1964 میں محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں لے لیا اسی گاؤں کے رقبہ پر اب گجرات یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے۔ اس گاؤں میں اور بھی کئی درویشوں کے مزرات موجود ہیں۔

خانووال

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ایک ''خان'' نامی مورث اعلیٰ نے شادیوال سے آکر آباد کیا۔ قبل ازیں یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان تھا۔ مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کیا اور موضع خانووال کے نام سے مشہور ہوا۔

خرادیاں

گجرات کا گاؤں خرادیاں گوجر قوم نے آباد کیا عہد مغلیہ میں اس گاؤں کو نیست و نابود کردیا گیا جس کے بعد اس گاؤں کو دوبارہ لوہار قوم کے ''صفیل'' نامی ایک مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے دہلی سے آکر سکھوں کے دور حکمرانی میں دوبارہ آباد کیا۔ یہ گاؤں اس کے بعد سے آباد ہے اور از سر نو آبادکاری کے بعد بھی اس گاؤں کا سابقہ نام خرادیاں بحال رکھا گیا۔

خواص پور

یہ گاؤں لالہ موسیٰ کے مشرق کی سمت واقع ہے۔ یہ گاؤں شیر شاہ سوری کے سپہ سالار سخی خواص خان سے منسوب ہے۔ سخی خواص خان نے اس گاؤں میں ایک مسجد بھی بنوائی تھی جس کے ارگرد آبادی ہوگئی۔ اس آبادی کو خواص پور کا نام دیا گیا۔ یہ گاؤں قدیم گزرگاہ کے قریب واقع ہے۔

خوجیانوالی

گجرات کے اس گاؤں کو موضع لکھن وال سے آنے والے جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے ''پاگو'' نامی مورث اعلیٰ نے بے آباد قطعہ دیکھ کر آباد کیا تاہم اس گاؤں کی آبادکاری سے قبل حاکم وقت سے اجازت حاصل کی گئی تھی۔ اس گاؤں کی آبادکاری سے قبل قطعہ اراضی پر سابقہ گاؤں آباد تھا جو بعدازاں ویران ہوگیا۔ یہ علاقہ گاؤں ٹبی خوجیانوالہ کے نام سے معروف تھا تاہم مورث اعلیٰ پاگو نے نئے گاؤں کی آبادکاری کے بعد اس کا پرانا نام خوجیانوالی برقرار رکھا۔ یہ گاؤں اسی نام سے مشہور و معروف ہوا۔

خونن

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت ساہی سے تعلق رکھنے والے ''فتو'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع باگڑیانوالہ کے ویران جنگل میں حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ مورث اعلیٰ نے اپنی بیٹی کے نام سے اس گاؤں کو منسوب کرتے ہوئے اس کا نام فتح پور رکھا۔ بعدازاں اس گاؤں میں ایک جھگڑے میں چند آدمی قتل ہوئے تو یہ گاؤں خونن کے نام سے مشہور ہوگیا اور آج تک اسی نام سے مشہور و آباد ہے

خونی چک

گجرات کا یہ قدیم گاؤں بھی گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے رحمت اللہ نامی مورث نے 1718 میں آباد کیا۔ رحمت اللہ کا آبائی علاقہ موضع ڈوگہ تھا اس گاؤں سے قبل بھی اس مقام پر بستی آباد رہی جو بعد میں بے آباد ہوئی اور اس کا رقبہ کئی سالوں تک ویران پڑا رہا۔ یہاں گوجر قوم سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت آباد ہے۔ اس گاؤں میں مرتضی نامی کامل بزرگ کا مزار بھی ہے۔ 1964 میں اس گاؤں کا نام چک مرتضیٰ تجویز کیا گیا۔ بعدازاں اس گاؤں میں قتل ہوئے جس کے باعث یہ

Marfat.com

نام دھپ سڑی پڑ گیا جو تا حال معروف ہے۔

دہاڑی وال

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت دہاڑی وال کے پورب نامی مورث اعلیٰ نے کانگڑہ سے آ کر آباد کیا یہ رقبہ پہلے بھاگووال کا حصہ تھا مگر کانگڑہ سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ پورب نے رشتہ داری کی وجہ سے اس رقبہ پر منتقل ہو کر نیا گاؤں آباد کیا۔ اس نئے گاؤں کو اپنی اپنی گوت دھاڑ وال کی مناسبت سے دھاڑی والا کا نام دیا اور یہ اسی نام سے معروف ہوا۔ دھاڑی وال پتن چناب کو جانے والی قدیمی شاہراہ پر واقعہ ہے اس گاؤں میں قدیمی خانقاہ بھی موجود ہے۔

دھدرا غربی

گجرات کا یہ قدیم گاؤں اپنے مورث اعلیٰ دھدرا کے نام سے مشہور ہوا۔ اس گاؤں کی بنیاد کب رکھی گئی اس حوالے سے کوئی تاریخی شواہد میسر نہیں۔

دھڈر

گجرات کا یہ قدیم گاؤں گوجر قوم کی گوت دھڈر کے نام سے منسوب ہے۔ یہ سڑ دیہ خاندان کی مورث راجہ دھدڑ کی اولا دنے آباد کیا جو گجرات میں آ بسی تھی۔ سڑ دیہ خاندان کے تین بیٹے دھدڑ، کھاری اور مہیسی تھے۔ یہ خاندان گجرات دکن سے یہاں منتقل ہوا اور اپنی گوت کے نام پر ہی گاؤں آباد کیا۔

دھر

یہ گاؤں راجہ داہر کی اولاد میں سے کسی مرث نے آباد کیا۔ گوجر قوم کی گوت کھٹانہ کی ایک شاخ بھی دھڑ مشہور ہے۔ یہ گاؤں گوت یا مورث اعلیٰ کی نسبت سے دہر مشہور ہوا اور آج بھی آباد ہے۔

دھمتھل

گجرات کا یہ تاریخی گاؤں عہد اکبری میں آباد ہوا۔ اس گاؤں کے قیام کے لیے وہم اور ملک حسرت نامی مورثین اعلیٰ نے جن کا تعلق قوم اعوان گوت ملک سے تھا حاکم وقت سے اجازت لی۔ یہ گاؤں کوئی اسی سال تک آباد رہا بعدازاں چیب قوم کی لوٹ مار اور قحط سالی نے اس گاؤں کی آبادی کو گردنواح میں منتقل ہونے پر مجبور کر دیا۔ یوں یہ گاؤں ویران ہو کر رہ گیا بعدازاں اسی جگہ پر دوبارہ گاؤں آباد ہوا اور سو سال تک آباد رہا۔ مگر ۱۸۴۰ء بکرمی میں دوبارہ چیب قوم نے اس گاؤں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس یلغار سے گاؤں ایک بار پھر اجڑ گیا اور آبادی ملحقہ محفوظ علاقوں میں منتقل ہوگئی۔ اور بیس برس تک یہ گاؤں ویران پڑا رہا۔ اس گاؤں کو بعدازاں تیسری بار مورث اعلیٰ ''دھمتھل'' نے آباد کیا اور اسی کے نام کی مناسبت سے دھمتھل کے نام سے معروف ہوا۔ اس گاؤں کے قریب قدیم تباہ شدہ بستی کے آثار پائے جاتے ہیں جبکہ قریبی آبی گذرگاہ کے ٹبہ پر قدیمی بوہڑ کے درخت موجود ہیں۔

دھوریہ

یہ تحصیل کھاریاں کا معروف قدیم گاؤں ہے جسے شیخ دھوری نامی مورث اعلیٰ نے 1530 میں آباد کیا۔ شیخ دھوری کا آبائی علاقہ موضع کوٹھ تھا۔ مورث اعلیٰ نے گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے دھوری کا نام دیا جو بعدازاں دھوریہ مشہور ہوا۔ یہ گاؤں کھاریاں ڈنگہ روڈ پر واقع ہے۔

دھوڑ کے

گجرات کا یہ قدیم گاؤں مغلیہ عہد حکمرانی میں جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے دھوڑ نامی مورث اعلیٰ نے موضع منگووال غربی سے آ کر آباد کیا۔ اس قطعہ اراضی پر آبادکاری سے قبل جنگل ویرانہ تھا دھوڑ نے حاکم وقت سے اس ویرانہ کو آباد کرنے کی اجازت حاصل کی اور نئے آباد گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کیا اور یہ گاؤں بعدازاں دھوڑ کے نام سے ہی معروف ہوا۔

دھول خورد

گجرات کے گاؤں دھول خورد کو جٹ قوم کی گوت مہے سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ ''قطب الدین'' نے موضع مولوہی سے آ کر آباد کیا۔ قبل ازیں اس قطع اراضی پر جنگل تھا قطب الدین نے حاکم وقت سے اس جنگل کو صاف کر کے

Marfat.com

گاؤں آباد کرنے کی اجازت حاصل کی تھی اس علاقے میں قوم دھول آباد رہی ،بعدازاں یہ گاؤں بے آباد ہوگیا اور بیس سال تک ویران پڑا رہا۔ بعدازاں جب یہ گاؤں دوبارہ آباد ہوا تو دھول قوم کی آبادی کے باعث یہ گاؤں بھی دھول کے نام سے مشہور و موسوم ہو گیا۔

دھول سرائے

گجرات کی یہ بستی ایک فقیر بابا دھول کے نام سے معروف ہے۔ اس گاؤں کے نمبردار شہزاد کے مطابق اس گاؤں کے بانی بابا دھول نے یہاں قیام کیا اور ایک سرائے تعمیر کرائی جو رفتہ رفتہ بستی دھول کے نام سے مشہور و آباد ہوئی آج تک یہ آبادی دھول سرائے کے نام سے آباد و معروف ہے۔

دھونجک

گجرات میں ایک اور گاؤں دھونجک اکبر بادشاہ سے قبل آباد تھا۔ اس گاؤں کو گوجر قوم کے دونجک گوت سے تعلق رکھنے والے رنیاں نے موضع بھنگڑانوالہ سے آکر آباد کیا۔ گوت کی مناسبت سے یہ گاؤں ان کی گوت دھونجک کے نام سے معروف ہوا۔ قبل ازیں یہ علاقہ ویران اور جنگل پر مشتمل تھا' رنیاں نے حاکم وقت سے اجازت طلب کر کے اس گاؤں کو آباد کیا۔ آبادکاری کے بعد دیوہ وتالہ کی چب قوم کے مظالم اور لوٹ مار کا سامنا رہا جب قوم کے جتھے گاؤں پر حملہ آور ہوتے اور لوٹ مار کر کے گاؤں تباہ کر دیا اور مال مویشی ہانک کر لے گئے جس سے دھونجک دوبارہ ویران ہوا۔ تاہم تیسری بار آبادی نے اپنی قوت یکجا کر کے گاؤں کو آباد ہوا اور آج تک آباد ہے اس گاؤں میں تباہ شدہ آبادیوں کے آثار بھی ملتے ہیں۔ یہاں سچیار صاحب کے خلیفہ شاہ بلاک کا مزار ہے۔

دیونہ

یہ قصبہ لالہ موسیٰ گجرات کے درمیان جی ٹی روڈ پر واقع ہے۔ گجرات کے اس قدیمی گاؤں کی بنیاد ۱۵۹۷ء میں گوجر قوم کی گوت کٹھانہ سے تعلق رکھنے والے ایک دیونہ نامی مورث اعلیٰ نے رکھی اور اسی کے نام سے یہ گاؤں معروف ہوا مورث اعلیٰ دیونہ نے موضع سیدھڑی سے آکر اس گاؤں کا آباد کیا۔ تاریخی دستاویزات کے مطابق یہ گاؤں ناگہانی وجوہات کے باعث اپنے آبادکاری کے بعد ویران ہوگیا تھا اور اس کے آبادکار گاؤں کو ویران چھوڑ کر موضع ڈھنڈالی آباد ہو گئے۔ تاہم کچھ مہینوں بعد مورث اعلیٰ دیونہ نے دوبارہ گاؤں کو آکر آباد کر دیا اور اس کے بعد گاؤں کبھی ویران نہیں ہوا۔ یہ گاؤں گجرات اور لالہ موسی کے درمیان جی ٹی روڈ پر آج بھی آباد ہے اور اسی گاؤں میں یونین کونسل کے بھی دفاتر قائم ہیں۔ اردو اور پنجابی کے ممتاز شاعر ساقی گجراتی اسی قصبہ سے تعلق رکھتے تھے اور یہیں مدفون ہیں۔ یہ قصبہ باسکو شوز انڈسٹریز کی وجہ سے مشہور تھا جو اب ختم ہو چکی ہے۔ اس فیکٹری نے 1961 میں کام شروع کیا۔

ڈوڈہ

گجرات کے قدیمی گاؤں ڈوڈہ کو گوجر قوم کی گوت چوہان کے ایک قطبا نامی مورث اعلیٰ نے کوٹلہ لقمان سے آکر آباد کیا۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل اس قطع اراضی پر بیابان جنگل تھا جس کو حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا گیا۔ اس گاؤں کا نام گو کہ قطبا نے اپنے بیٹے سے منسوب کرتے ہوئے ''امین پور'' رکھا مگر یہ گاؤں ڈوڈہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ گاؤں کئی دہائیوں تک آباد رہا مگر بعدازاں افتاد یا کسی ناگہانی آفت جو کہ اس خطہ گجرات کے کئی دیہاتوں کو ویران کرنے کی وجہ ٹھہری اس گاؤں کو بھی ویران کر گئی۔ ڈوڈہ کی آبادی بعدازاں عالم گڑھ میں شامل ہوگئی تاہم اس گاؤں کو بعدازاں پھر سابقہ جگہ سے تین کرم کے فاصلے پر دوبارہ آباد کیا گیا اور سابقہ نام ڈوڈہ سے ہی منسوب رہا۔

ڈوگہ

گجرات کا ایک اور معروف گاؤں جلال الدین اکبر کے دور میں آباد ہوا۔ گوجروں کی ایک گوت جونتور بنسی سے تعلق رکھنے والے سردار ڈوگہ نے آباد کیا تھا جو جلال الدین اکبر کے دور میں پنجاب آیا اور رفتہ رفتہ اس قوم نے ضلع گجرات میں ایک موضع آباد کیا۔ اس موضع کا نام جونتور بنسی گوجروں کے مورث اعلیٰ ڈوگہ سے موسوم ہوا۔ معروف شاعر و ادیب و روحانی شخصیت جناب برق نوشاہی مرحوم کا تعلق اسی گاؤں سے تھا۔

Marfat.com

ڈنگہ

یہ قصبہ کھاریاں منڈی بہاؤالدین روڈ اور لالہ موسیٰ ملکوال ریلوے سیکشن پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دین گاہ تھا انگریزوں کے تلفظ کی وجہ سے ڈنگہ ہوگیا۔ اس کی ایک اور وجہ تسمیہ اس کی ٹیڑھی میڑھی اور تنگ گلیاں ہیں۔ یہاں پر لڑکوں کے لیے ایک انٹر کالج اور لڑکیوں کے لیے کالج ہائی و مڈل سکول' ریلوے اسٹیشن' غلہ منڈی' سبزی منڈی اور بازار ہیں۔ ڈنگہ کی میٹھی سونف طول وعرض میں مشہور ہے۔ ڈنگہ سے آٹھ سڑکیں دوسرے شہروں اور قصبوں کو جاتی ہیں۔ علمی لحاظ سے مورخ ڈاکٹر صفدر محمود کا نام قابل ذکر ہے۔ دوسرے شہروں کی طرح یہاں بھی بے شمار پرائیویٹ تعلیمی ادارے ہیں۔

1998 کی مردم شماری کے مطابق ڈنگہ ٹاؤن کمیٹی کی آبادی 34180 ہے جس میں 17250 مرد اور 16930 عورتیں ہیں۔ شرح خواندگی 63.8 فیصد ہے جن میں میٹرک سے کم خواندہ مردوں کی تعداد 4749 اور میٹرک سے زیادہ 2077 ہے۔ ان کے مقابل میٹرک سے کم خواندہ عورتیں 3640 اور میٹرک سے زیادہ 1374 ہیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگوں کی تعداد 184 ہے۔ 4703 گھروں کو بجلی کی سہولت میسر ہے۔ 4791 گھر پختہ' 36 نیم پختہ اور 85 گھر کچے ہیں۔

ڈھلیاں

یہ موضع ڈنگہ کے قریب واقعہ ہے۔ محکمہ مال کے ریکارڈ کے مطابق ڈھولا نامی مورث نے حاکم وقت سے مویشی چرانے کے لیے اس رقبہ کو استعمال کرنے کی اجازت لی اور بعدازاں اپنے پیر کے نام ڈھولاں پر گاؤں آباد کرلیا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ڈھلیاں کے نام سے مشہور ہوگیا۔

ڈھنڈالہ

تحصیل کھاریاں کے اس معروف گاؤں کی جگہ پر پہلے دو گاؤں آباد تھے۔ بعدازاں 1658 میں گوجر قوم کی گوت تاسی سے تعلق رکھنے والے ایک مورث مست نے اسے تحصیل پھالیہ سے آکر آباد کیا۔

ڈھو

یہ قدیم گاؤں گوجر قوم کی گوت ڈھو اور پسوال سے تعلق رکھنے والے دو مورثان محمد رشید اور نہال نے ہندوستان سے آکر حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ یہ گاؤں تین پشتوں تک آباد رہا۔ بعدازاں یہ گاؤں قحط سالی کے باعث بے آباد ہوگیا اور اس گاؤں کا رقبہ بھی اجڑ گیا۔ اس گاؤں کے مالکان گردونواح کے موضع جات میں جاکر آباد ہوگئے۔ یہ گاؤں چار پشتوں تک ویران پڑا رہا۔ بعد میں مورث محمد رشید کی اولاد نے اس کو آباد کیا اور اس کا نام مورث کی گوت پر برقرار رکھا یہ گاؤں ڈھو کے نام سے ہی مشہور و آباد ہوا۔

ڈھولہ

گجرات کی تحصیل کھاریاں کا معروف گاؤں ڈھولہ زمانہ قدیم میں آباد ہوا۔ اس گاؤں کو پہلی بار ماجھی نامی مورث اعلی نے آباد کیا جو گوجر قوم کی گوت کالس سے تعلق رکھتا تھا۔ گوجر گوت میسی' کھٹالہ' اور مکڑا سے تعلق رکھنے والے مورثان اس کے مالکان میں شامل تھے۔ اس گاؤں میں ایک شہید ڈھولہ کی قبر موجود ہے اور اسی شہید ڈھولہ کی نسبت سے گاؤں کا نام ڈھولہ مشہور ہے۔

ڈھوک امرہ

اس قدیم گاؤں کو جٹ قوم کی گوت اجرال سے تعلق رکھنے والے ملا نامی مورث اعلیٰ نے ہندوستان کے کسی علاقہ سے آکر آباد کیا۔ یہ ویران قطع اراضی جنگل بیابان پر مشتمل تھا جس پر گاؤں کی آبادی کاری کے لیے حاکم وقت سے اجازت حاصل کرکے مورث ملا نے آبادکاری کی۔ گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے اپنی گوت کی نسبت سے ڈھوک امر رکھا۔ گاؤں اپنی آبادکاری کے بعد سے کبھی بے آباد نہیں ہوا اور اسی نام سے اب تک مشہور و آباد ہے۔

ڈومنیانوالی

گجرات کا یہ قدیمی گاؤں کنجاہ کے قریب آباد ہے اس گاؤں کے نام سے منسوب روایت انتہائی دلچسپ ہے یہ گجرات کا واحد قدیمی گاؤں ہے جس کا نام اس کی بنیاد رکھنے کی خوشی میں ہونے والی تقریب میں فن کا مظاہرہ کرنے والی ایک خاتون

Marfat.com

فنکارہ کے نام سے منسوب کیا گیا۔اس گاؤں میں جٹ کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والی قوم آباد ہے۔تاریخی روایت کے مطابق اس گاؤں کو منگووال سے ہجرت کر کے آنے والی ''بابا منگو چوہدری'' کی اولاد میں سے ایک مورث اعلیٰ ''محمد'' نے آباد کیا۔ گاؤں کی آبادکاری کے موقع پر خوشی کی تقریب ہوئی جس میں ایک فنکارہ نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور داد پانے کے بعد مورث اعلیٰ ''محمد علی'' سے انعام طلب کرتے ہوئے کہا کہ اسے ایسا انعام دیا جائے کہ رہتی دنیا تک اس کا نام قائم رہے۔جس پر اس گاؤں کو اسی فنکارہ کے نام سے موسوم کر دیا گیا اور اسی کے نام ڈومنیانوالی کے نام سے مشہور ہوا۔

ڈھوڈا شریف

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو جٹ قوم کی گوت ڈھودا کے ''لکمیر'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا یہ گاؤں آبی گذرگاہ کے قریب آباد ہے اور اولیاء کرام کی وجہ سے مشہور ہے اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ کی گوت ڈھوڈا سے منسوب و مشہور ہے

ڈھینڈا

گجرات میں ڈھینڈا نام سے کئی گاؤں اور موضعاجات آباد ہیں۔ان موضعاجات کے نام کے حوالے سے روایت ہے کہ ''ڈھینڈا منہاس'' قوم کا ایک شخص تھا جس کے نام سے یہ قوم منسوب ہے۔اس نسل کا کوئی مورث ہندوستان سے پنجاب کی اس طرف آیا اور پہلے جموں میں مقیم ہوا پھر اس کی برادری کے کچھ لوگ ضلع ہزارہ اور کچھ گجرات چلے آئے۔ضلع ہزارہ میں بھی اسی قوم کے لوگوں نے ڈھینڈہ کے نام سے گاؤں آباد کیا جبکہ گجرات میں ڈھینڈا کے نام سے کئی دیہات آباد کیے جو اس قوم کے مورث اعلیٰ ڈھینڈا کے نام سے منسوب و مشہور ہیں۔

راجو

یہ قدیم گاؤں 1537 میں دکن سے آنے والے ایک راجو نامی مورث نے آباد کیا اور اسی کے نام سے یہ معروف ہوا۔یہ گاؤں چار پشتوں تک آباد رہا۔بعد ازاں آبی کمیابی کے باعث یہ گاؤں ویران ہو گیا اور اس کی آبادی دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئی۔ایک مدت تک یہ گاؤں بے آباد پڑا رہا بعد ازاں حاجی نامی مورث ثانی نے اسے آباد کیا۔یہ گاؤں مورث اول راجو کے نام سے ہی مشہور رہا۔

راج پور

اس گاؤں کو راجہ جموں کے ایک بکا نامی ملازم نے رقبہ حاصل کر کے آباد کیا اور راجہ کے نام کی مناسبت سے اس کا نام راج پور رکھا۔یہ گاؤں اپنی آبادکاری کے بعد سے کبھی ویران نہیں ہوا اور آج تک اپنے مورث اعلیٰ کے دیئے نام سے مشہور و آباد ہے۔

راجیکی

گجرات کے اس گاؤں کی بنیاد جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے ایک ''راجہ وڑائچ'' نامی مورث اعلیٰ نے رکھی۔اور اپنے نام کی مناسبت سے گاؤں کو ''راجیکی'' کا نام دیا جو اسی نام سے مشہور ہوا یہ گاؤں منگووال کے قریب آباد ہے۔

راول کی

گجرات کا یہ قدیم گاؤں جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''راول'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔حاکم وقت کی اجازت سے گاؤں آباد کرنے کے لیے گکھولہ سے اس علاقے میں آن بسا۔عہد سلطنت مغلیہ میں ہونے والی لوٹ مار سے یہ گاؤں ویران ہو گیا اور اس گاؤں کے مکین موضع کوٹلی کندو میں جا بسے۔ بعد ازاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں جب پنجاب میں امن ہوا تو مالکان نے سابقہ جگہ سے چالیس کرم کے فاصلے پر دوبارہ گاؤں آباد کیا اور اس کا نام مورث اعلیٰ کی مناسبت سے ''راول'' برقرار رکھا۔جو راول کی کے نام سے مشہور ہوا۔

رتی

گجرات کے اس قطعہ اراضی پر جہاں رتی گاؤں آباد ہے یہ کھٹالہ کا ویران اور جنگل بیابان پر مشتمل قطعہ اراضی تھا جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے ''نو نامی'' مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے اس علاقے میں گاؤں آباد کیا اس گاؤں کا نام کالو کا موضع رتی مشہور ہوا اور رتی کے نام سے معروف چلا آ رہا ہے۔گجرات کے نامور طبیب حکیم محمد عبدالرحیم جمیل کا تعلق اسی گاؤں سے تھا۔

رسول

یہ سلسلہ کے آخر میں دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔

Marfat.com

راجہ رام نے رامپور نامی بستی بسائی جو بعد میں رسول کے نام سے مشہور ہوئی۔ 1849 کی سکھ انگریز جنگ میں یہ سردار شیر سنگھ کا ہیڈ کوارٹر تھی۔ یہاں 1591 کی ایک پرانی مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ اکبر کابل جاتے ہوئے بار ہا یہاں سے گزرا۔ آج کل رسول اپنے ٹیکنیکل کالج اور ہیڈ کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ کالج 1912 میں قائم ہوا نیا ہیڈ بننے کے بعد یہ ہیڈ رسول کے نام سے مشہور ہے۔

رندھیر

یہ تحصیل کھاریاں کا پرانا گاؤں ہے جو موضع ہنگو والا سے آکر رندھیر نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا' یہ گاؤں کبھی ویران نہیں ہوا۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ کے نام پر رندھیر رکھا گیا۔ جو اسی نام سے مشہور ہوا۔

رندھیر کھوکھراں

گجرات کا یہ قدیمی گاؤں ۱۸۱۷ء میں آباد ہوا۔ اس گاؤں کو سیالکوٹ کے موضع رندھیر سے آنے والے مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا اور اپنے آبائی علاقے کی مناسبت سے گاؤں کا نام بھی رندھیر رکھا جو دریائے چناب کے کنارے آباد ہے۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل موضع شیخ جوگانی کے قریب واقع یہ علاقہ جنگل بیابان تھا۔ اس گاؤں میں کھوکھروں کی تباہ شدہ بستی کے بھی آثار ملتے ہیں جبکہ اس گاؤں کے نواح میں نوگز لمبے مزارات بھی اس کی تاریخی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔

رنمل شریف

گجرات کا یہ قدیم گاؤں جٹ قوم کی گوت تارڑ سے تعلق رکھنے والے ''رنمل'' نامی مورث اعلیٰ نے ۱۴۷۸ء میں ضلع گوجرانوالہ سے آکر آباد کیا۔ یہ گاؤں تین بار دریا برد ہوا بعد ازاں یہ ۱۸۴۱ء میں دوبارہ آباد کیا گیا رنمل کے دو بیٹوں نے جو بعد ازاں مسلمان ہوئے، ان کے نام عثمان اور علی تھے انہوں نے ہی اس گاؤں کو آباد کیا مگر یہ گاؤں سو سال آباد رہنے کے بعد پھر اجڑ گیا۔ اس گاؤں کی وجہ شہرت حضرت نوشہ گنج بخش کا مزار ہے جو سیاحی کرتے اس علاقے میں آئے اور پھر گاؤں میں چند مکانات اور مسجد بنوائی جو دریا برد ہوئی تو بعد ازاں ان کی اولاد میں اس کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ حضرت نوشہ گنج کا مزار بھی اسی گاؤں میں ہے اس گاؤں کی وجہ شہرت بھی ہے۔

سانتل

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے ''سانتل'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ سانتل کا تعلق موضع بیراج سے تھا اس گاؤں کا نام اسی مورث اعلیٰ کی نسبت سے ''سانتل'' معروف و مشہور ہوا۔

سانبھال

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم سے تعلق رکھنے والے ''سانیال'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا یہ رقبہ پہلے موضع نوشہرہ کے قریب تھا مگر یہ گاؤں اپنی آبادکاری کے بعد دریا برد ہو گیا جس کو دوبارہ سانیال نے آباد کیا تو ایک مرتبہ پھر دریا برد ہوا۔ تیسری بار اس گاؤں کو مالکان نے آباد کیا اور اس کا نام مورث اعلیٰ سے منسوب رکھا، جو بعد ازاں ''سانبھال'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ساہدوکی

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو کائیکی سے تعلق رکھنے والے ''ساہدو'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ ساہدو مورث اعلیٰ کا آباد کیا یہ گاؤں دو پشتوں تک قائم رہا پھر دریائے چناب کی طغیانی سے تباہ ہوا۔ جس کے بعد اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا گیا مگر پھر دریا نے اسے برباد کر دیا جس کے بعد یہ گاؤں پہلی جگہ سے کچھ فاصلے پر دوبارہ آباد کیا گیا اور اس کا نام مورث اعلیٰ کے نام ''ساہدو'' کی نسبت سے ساہدوکی ہی مشہور ہوا۔

سرائے عالمگیر

ضلع گجرات کی تحصیل ہے۔ دریائے جہلم اور نہر اپر جہلم کے درمیان یہ شہر 1628 میں آباد ہوا۔ بعد میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ایک سرائے تعمیر ہوئی اور اس آبادی کا نام سرائے عالمگیر مشہور ہوا۔ سرائے عالمگیر ملٹری کالج کی وجہ سے خاصا معروف ہے۔ یہاں پر بھی بے شمار سکول اور کالج ہیں پرائیویٹ تعلیمی ادارے بھی لاتعداد ہیں۔ یہاں کی صنعت کوئی خاص نہیں ہے البتہ ایک روزن Rosin فیکٹری' ایک فلور مل' اور چند ایک صابن کی فیکٹریاں ہیں۔ یہاں بھی تجارتی بینکوں کی شاخیں ہیں۔ 1998 کی مردم شماری کے مطابق سرائے عالمگیر میونسپل کمیٹی کی آبادی 37166 ہے جس میں 18362 مرد اور 18804 عورتیں ہیں۔ قصبہ کی شرح

Marfat.com

خواندگی 72.5 فیصد ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان خواندہ مرد 5867 اور خواندہ عورتیں 5326 ہیں۔ میٹرک اور اس سے اوپر خواندہ مردوں کی تعداد 3117 اور خواندہ عورتوں کی تعداد 2388 ہے۔ قصبے میں غیر مسلموں کی تعداد 797 ہے۔

سرخ پور

گجرات کا یہ گاؤں ۱۶۲۸ء میں آباد ہوا اس کو راجپوت قوم کی گوت منہاس سے تعلق کرنے والے ''سرخ'' نامی مورث اعلیٰ نے دریائے توی کے کنارے آباد کیا۔ جو موضع گگول شریف ضلع سیالکوٹ سے ہجرت کر کے یہاں منتقل ہوا۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل یہاں جنگل تھا۔ مورث اعلیٰ ''سرخ'' نے اس گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کیا۔ یہ گاؤں اب یونین کونسل کی حیثیت کا حامل ہے اس یونین کونسل میں نواحی دس دیہات شامل ہیں۔

سرکیاں

گجرات کے اس گاؤں کو گوجر قوم کو گوت کھٹانہ نے موضع ساتنل سے الگ ہو کر آباد کیا یہ گاؤں مدت تک آباد رہا پھر قحط سالی نے اس گاؤں کو اجاڑ دیا بعد ازاں اس گاؤں کو سابقہ جگہ سے سو کرم شمال کی طرف دوبارہ آباد کیا گیا تب سے یہ گاؤں آباد چلا آرہا ہے اور'' ساتنل سرکیاں'' کے نام سے معروف ہوا ہے۔

سدووال کلاں

یہ پرانا گاؤں ہے اور ایک بار آباد ہو کر ویران ہوا۔ پھر 1628 میں صوبہ سنگھ حاکم گجرات کے عہد میں جموں سے تعلق رکھنے والے سدو کی اولاد نے حاکم وقت سے چالیس ہزار روپے نذرانہ کے عوض اس گاؤں کے رقبہ کو خرید لیا اور اس علاقہ میں آ کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے اپنے والد کے نام پر گاؤں کا نام سدووال رکھا۔ جو بعد ازاں سدووال کلاں کے نام سے معروف ہوا۔

سعادت پور

اس قدیم گاؤں کو بھی گوجر قوم کی گوت کٹھانہ نے آباد کیا۔ گاؤں کا مورث اعلیٰ سعادت نامی شخص تھا جو موضع کلانوالہ سے یہاں منتقل ہوا اور حاکم وقت کی اجازت سے یہ گاؤں آباد کیا۔ قبل ازیں یہ قطعہ اراضی جنگل و بیابان پر مشتمل تھا۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے اپنے نام پر سعادت پور رکھا اور اسی نام سے یہ گاؤں مشہور و آباد ہوا۔

سکھ چین

یہ گاؤں عہد قدیم میں آباد ہوا۔ اس کی بربادی اور تباہی کی وجوہات کے بارے میں کوئی مستند تاریخی شواہد دستیاب نہیں۔ بعد ازاں اسے گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے قطب خان نامی مورث نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ قطب خان کا آبائی علاقہ شاہ پور تھا۔ مورث نے گاؤں کی آبادکاری کے وقت پرانا نام سکھ چین برقرار رکھا۔ تین پشت تک یہ گاؤں آباد رہا مگر 1840 بکرمی کے قحط کے باعث ایک بار پھر اجڑ گیا۔ تین پشت بعد شیر خان نامی مورث نے موضع کنجاہ سے آ کر اسے ایک بار پھر آباد کیا اور اس کا سابقہ نام سکھ چین برقرار رکھا۔

سکھر

گجرات کے گاؤں سکھر کے حوالے سے روایت ہے کہ اسے جٹ قوم کی وڑائچ گوت سے تعلق رکھنے والوں نے آباد کیا جن کا مورث اعلیٰ کا نام ''سکھر'' تھا اور اسی کے نام کی مناسبت سے یہ گاؤں معروف ہوا۔ جٹ قوم کی ایک گوت سکھر بھی گجرات میں آباد ہے سکھر گاؤں کے قریب ایک قدیمی تباہ شدہ بستی کے بھی آثار پائے جاتے ہیں۔

سلہ

اس قدیم گاؤں کو سلہ نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ سلہ کا آبائی علاقہ ککرالی تھا جس نے حاکم وقت کی اجازت سے اس گاؤں کی بنیاد رکھی۔ آبادکاری کی اجازت حاصل کرنے کے لیے سلہ نے حاکم وقت کو نذرانہ دیا تھا۔ مورث نے گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام بھی سلہ ہی رکھا جو بعد ازاں اسی نام سے مشہور و آباد رہا اور کبھی ویران نہیں ہوا۔ عرف عام میں اس گاؤں کو سلہ سوہال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سماں

گجرات شہر کا ۱۸۵۸ء سے قبل کا ایک اور قدیمی گاؤں جنوب میں آباد

Marfat.com

ہے جسے جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے ایک سماں نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا تھا۔اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے اپنے نام سے منسوب کر کے'' سماں'' رکھا اور یہ گاؤں اسی نام سے معروف ہوا۔ پنجاب کے معروف سیاستدان چودھری انور سماں کا تعلق اسی قصبہ سے تھا۔

سمرالہ

اس گاؤں میں سنبل کے درخت بہتات سے موجود تھے۔اسی نسبت سے اس گاؤں کا نام سنبلا والا رکھا گیا جو بعد میں بگڑ کر سمرالہ ہو گیا۔

سندر پور

گجرات کے اس گاؤں کو جموں سے آنے والے گوجر قوم کی گوت دیڈر سے تعلق رکھنے والے'' بہلو'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔اپنی آبادکاری کے بعد یہ گاؤں قحط سالی کے باعث ویران ہو گیا اور گاؤں کی آبادی یہاں سے منتقل ہو گئی جس کے تینتیس سال بعد دوبارہ اس گاؤں کو سابقہ جگہ سے سوا سو کرم کے فاصلے پر دوبارہ آباد کیا گیا اور آج تک آباد ہے۔اس گاؤں کا نام مورثان نے موضع سندر پور رکھا جو بعد ازاں مورثاں قوم گوجر کی گوت کے حوالے سے دیڈر مشہور ہوا۔اس گاؤں کے قریب ایک پرانی تباہ شدہ بستی کے بھی ٹبہ کی صورت آثار موجود ہیں۔

سندوعہ

یہ قدیم گاؤں جٹ قوم کی گوت وڑائچ نے آباد کیا۔اس کا مورث اعلیٰ سندو نامی جٹ تھا جس نے حاکم وقت کی اجازت سے اس جنگل بیابان کو آباد کیا۔ سندو کا آبائی علاقہ موضع شادی وال تھا۔گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے خود اپنے نام پر سندو رکھا جو بعد میں سندوعہ کے نام سے مشہور ہوا۔یہ گاؤں ایک مدت تک آباد رہا بعد ازاں سیلاب سے ویران ہو گیا اور کئی سالوں تک بے آباد پڑا رہا۔بعد ازاں راجوال سے تعلق رکھنے والے یعقوب نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا جس کے بعد یہ گاؤں کبھی ویران نہیں ہوا۔

سنگرانہ

ضلع گجرات میں سنگرانہ گاؤں بھی قدیمی حیثیت کا حامل ہے۔جٹ قوم کی گوت سنگرانہ کا'' نانو'' نامی مورث اعلیٰ موضع لدھا والا ضلع شاہ پور سے گجرات آیا اور حاکم وقت کی اجازت سے جنگل کے ویران علاقے میں نئی بستی بسائی۔اپنی گوت کی مناسبت سے اس گاؤں کا نام'' سنگرانہ'' رکھا۔اس گاؤں میں آبادکاروں کی چھ پشتیں مقیم رہیں پھر چب قوم کی مار دھاڑ سے سنگرانہ کے باسی بستی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور کوٹلی کو ہالہ میں جا کر آباد ہو گئے آبی گذرگاہ کی وجہ سے گاؤں تباہ ہو گیا جبکہ اس گاؤں سے ملحقہ'' حضرت بر بر علیہ السلام'' سے منسوب کیا گیا مزار آج بھی آبی گذرگاہ میں موجود ہے۔گجرات میں گوجروں کی ایک گوت سنگرانہ بھی آباد ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ راجہ سنگرانہ کی اولاد تھی جو کسی زمانے میں ضلع گجرات آئی اور اپنی گوت سے منسوب موضع آباد کیا۔

سوک احمد خان

گجرات کا سوک نامی گاؤں عہد قدیم میں آباد ہوا جو بعض نامعلوم وجوہات سے ویران ہو گیا۔سوک لفظ عربی زبان میں'' منڈی'' کیلئے استعمال ہوتا ہے بعد ازاں اس گاؤں کو کسی مورث نے دوبارہ آباد کیا اور اس کا پرانا نام ہی معروف رہا۔

سوہل

گجرات میں جٹ قوم کی گوت سوہل کے مورث اعلیٰ'' سادھو'' نے اس گاؤں کی بنیاد رکھی۔اس گاؤں کا نام جٹ قوم کی گوت'' سوہل'' پر رکھا گیا اور اسی نام سے معروف ہوا۔گجرات میں جلال پور کے نزدیک بھی دو دیہات'' سوہل خورد'' اور'' سوہل کلاں'' کے نام سے آباد ہیں ان دونوں گاؤں میں بھی قدیم مزار ہیں۔

سھنا

گجرات کے نواح میں قدیم گاؤں'' سھنا'' کب آباد ہوا اور کب ویران ہوا اس بارے میں تاریخی شواہد دستیاب نہیں۔اس ویران گاؤں سھنا کو ۱۷۵۷ء میں چک بکا سیالکوٹ سے آ کر مورث'' یارو'' نامی شخص نے دوبارہ آباد کیا۔اور اس کا پرانا نام برقرار رکھا یہ گاؤں کھاریاں جالپور روڈ پر واقع ہے۔

سیال

گجرات کا یہ گاؤں جٹ قوم کی گوت سیال سے تعلق رکھنے والے سردار''

Marfat.com

جہاں خان'' نے آباد کیا جو باگڑیا نوالہ سے منتقل ہو کر گجرات آیا تھا۔ جہاں خان نے اپنی گوت کے نام سے اس گاؤں کو موسوم کرتے ہوئے ''سیال'' کا نام دیا۔ اس گاؤں میں سردار جہاں خان کی دو پشتیں آباد رہیں اور گاؤں ۱۸۴۰ء تک آباد رہا بعدازاں اس گاؤں کی آبادی موضع سمرالہ میں آباد ہوگئی اور یہ سیال گاؤں بے آباد ہو گیا۔

سیدا

گجرات کا یہ گاؤں عہد چوغطہ میں آباد ہوا۔ اس گاؤں کو گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے سیدا نامی مورث اعلیٰ نے موضع عمر وال سے آ کر آباد کیا مگر یہ گاؤں جب قوم کی لوٹ مار کے باعث ویران ہو گیا۔ اس گاؤں کی دوبارہ آبادکاری ہوئی تو ۱۹۴۰ء کی قحط سالی نے گاؤں کو ایک بار پھر اجاڑ دیا اور آبادی نواحی علاقوں میں منتقل ہوگئی۔ بعدازاں رنجیت سنگھ کے عہد حکمرانی میں جب اس علاقہ میں امن ہوا تو یہ گاؤں اپنے مورث اعلیٰ ''سیدا'' کے نام سے دوبارہ آباد کیا گیا

سیدولنگا

اس گاؤں کو اعوان قوم سے تعلق رکھنے والے ایک سیدو نامی مورث نے آباد کیا۔ سیدو کا تعلق سون سکیسر سے تھا جس نے حاکم وقت کی اجازت سے اس گاؤں کی بنیاد رکھی اور اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام سیدولنگاہ رکھا جو اسی نام سے مشہور

سینتھل

اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ نہلا نے آباد کیا۔ اس گاؤں کے نام سینتھل کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس بارے میں کوئی تاریخی شواہد دستیاب نہیں۔ یہ گاؤں اپنی آبادکاری کے بعد سے کبھی ویران نہیں ہوا۔ شروع سے گاؤں کا یہی نام چلا آ رہا ہے۔

سیومندووال

یہ قدیمی گاؤں اب گجرات شہر میں ضم ہو چکا ہے اس گاؤں کو اڑھائی سو سال سے زائد عرصہ قبل گوجر قوم کی شاخ کھٹانہ کے مندو اور جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''سیو'' نامی مورثان نے باہمی اتفاق سے آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام بھی دونوں کے ناموں سے منسوب ہو کر ''سیومندووال'' مشہور ہوا۔ گجرات شہر کی آبادی کا پھیلاؤ وقت کے ساتھ ساتھ اس گاؤں کو اپنے اندر سمو چکا ہے۔

شادی وال

گجرات کے جنوب میں چار پانچ میل کے فاصلہ پر بھمبر نالے کے دائیں کنارے پر ہے۔ ہمایوں کے عہد میں سید ولد شادی قوم جٹ وڑائچ نے آباد کیا۔ اور اپنے باپ کے نام پر اس کا نام شادیوال رکھا۔ بعد میں سید کے بیٹوں نے اسے تقسیم کر کے اس کے حصوں چوہڑ کے' اچھر کے' خان کے اور محمود کے ناموں پر رکھ دیا۔ 1955 سے 1960 کے دوران یہاں ہائیڈرل پاور اسٹیشن تعمیر ہوا۔ یہاں پر اپر جہلم نہر اور بھمبر نالے کا ملاپ ہوتا ہے۔

یہاں کا مفتی خاندان صدیوں سے مشہور معروف ہے۔ یہ ضلع گجرات کا ایک قدیم قصبہ ہے۔ ٹاؤن کمیٹی کی آبادی 17678 افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں 8927 مرد اور 8751 عورتیں ہیں۔ شرح خواندگی 61 فیصد ہے۔

شام پور کھوکھر

گجرات کا ایک اور قدیم گاؤں دریائے چناب کے کنارے شام پور کھوکھر آباد ہے۔ اس گاؤں کو راجپوت قوم کی گوت کھوکھر کے ایک مورث اعلیٰ شام نے آباد کیا جو موضع کوٹ تارو سیالکوٹ سے آیا تھا اور آ کر اس ویران ٹبہ پر بستی بسائی۔ اس ٹبہ پر بہت سی قدیم قبریں موجود ہیں۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے اپنے نام اور گوت سے موسوم کرتے ہوئے ''شام پور کھوکھر'' رکھا اور اسی نام سے یہ گاؤں معروف ہوا۔ دریائے چناب کے کنارے پر واقع ہونے کے باعث دریا نے گاؤں کا ایک حصہ اپنے اندر سمیٹ لیا تاہم اس گاؤں میں قدیم مزارات اب بھی محفوظ موجود ہیں۔

شاہ جہانیاں

گجرات کے اس قدیم گاؤں کی بنیاد شاہجہاں کے عہد حکمرانی میں رکھی گئی جب ہندال برادری کے مورث اعلیٰ ''شاہ'' جو کہ گوجر قوم کی ''گوت دیدڑ'' سے تعلق رکھتا تھا اس نے شاہی ملازمت اختیار کی۔ شاہ نے اپنی شاہی ملازمت کے دوران حسن کارکردگی پر شاہ جہاں سے اس گاؤں کا رقبہ حاصل کیا جس پر گاؤں کی بنیاد رکھی گئی اس

Marfat.com

گاؤں کا نام ''بادشاہ شاہجہان پور'' رکھا گیا مگر بعد میں ''شاہ جہانی'' اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ ''شاہ جہانیاں'' کے نام سے معروف ہوا۔

شاہ سرمست

اس قدیمی گاؤں کو مکیانہ تحصیل گجرات سے تعلق رکھنے والے دریا خان نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ اس گاؤں کی آبادکاری کے لئے حاکم وقت سے بلا کسی نذرانہ ادائیگی اجازت نامہ حاصل کیا گیا۔ اس گاؤں کا نام دریا رسول پور رکھا گیا دوسری پشت میں مورث اعلیٰ کے پوتے نے علیحدہ ہو کر گاؤں رسول پور آباد کیا جبکہ دریا خان کی پشت سے رحمت خان کی اولاد بدستور اس پہلی آبادی میں مقیم رہی۔ اس گاؤں میں ایک درویش شاہ سرمست اقامت پذیر ہوئے اور اس گاؤں میں اپنا تکیہ بنایا، جس پر دونوں گاؤں کی آبادیوں کے کچھ لوگ اس جگہ کو متبرک سمجھ کر یہاں تکیہ کے آس پاس آباد ہو گئے اور اس طرح اس آبادی کا نام ''شاہ سرمست'' مشہور ہو گیا۔ چالیہ قحط سالی سے اس جگہ قائم تینوں آبادیاں دریا خان، رسول پور اور شاہ سرمست ویران ہو گئیں۔ اور مالکان دیہات مختلف نواحی علاقوں میں منتقل ہو گئے اور یہ گاؤں بے چراغ ہو گیا۔ کئی برسوں تک زمینیں بھی بے آباد پڑی رہیں، کچھ مدت کے بعد عزت خان، نوازش خان، اور نور محمد نے مختلف دیہات سے آ کر شاہ سرمست کی جگہ پر سکونت اختیار کی تب سے یہ گاؤں دوبارہ آباد ہوا اور شاہ سرمست کے نام سے ہی معروف ہوا۔ اس گاؤں کے نواح میں تباہ شدہ سابق آبادیوں کے آثار موجود ہیں۔

شہیداں والی

منڈی بہاؤالدین سے قریبی فاصلے پر شہیدانوالی کے نام سے ایک چھوٹی سے پرانی بستی آباد ہے۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل یہاں معروف سماجی سائنسدان' تحفظ خوراک کی اقوام متحدہ کی اہل کار اور سب سے بڑھ کر تقسیم پنجاب کو صنفی تناظر میں دیکھنے والی سکالر کملا بھسین پیدا ہوئی تھیں۔ 1981 کی مردم شماری کے مطابق اس گاؤں کی آبادی چار ہزار تین سو انہتر (مرد دو ہزار تین سو پندرہ' عورتیں دو ہزار چوون) تھی جو تمام کی تمام مسلمان ہے۔ قیام پاکستان سے قبل یہاں ہندو اور سکھ بھی آباد تھے۔ 1998 کی مردم شماری میں شہیدانوالی کی آبادی بڑھ کر چھ ہزار پانچ سو بتیس (مرد تین ہزار تین سو ترپن' عورتیں تین ہزار ایک سو اناسی) ہو گئی۔ اس میں چھ ہزار پانچ سو دو مسلمان اور تیس غیر مسلم افراد شامل ہیں۔ شہیدانوالی میں سات سو اکیس گھروں میں بجلی کی سہولت موجود ہے۔ نو سو چوالیس گھر پختہ' چار نیم پختہ اور اکتیس کچے گھر ہیں۔ تعلیمی اعتبار سے پرائمری سے میٹرک تک خواندہ افراد کی تعداد بارہ سو گیارہ (مرد سات سو چہتر اور عورتیں چار سو پینتیس) ہے۔ اسی طرح میٹرک سے اوپر خواندہ افراد کی تعداد تین سو چار (مرد دو سو سینتیس' عورتیں سڑسٹھ) ہے۔ شہیدانوالی کا رقبہ چار ہزار ایک سو چھیاسٹھ ایکڑوں میں پھیلا ہوا ہے۔

کملا بھسین کو اب بھی اپنا گاؤں اچھی طرح یاد ہے اور اگر اس طرف کا کوئی آدمی مل جائے تو منڈی بہاؤالدین اور شہیدانوالی کا ذکر ضرور کرتی ہیں اور وہ بھی پنجابی میں۔ کملا بھسین کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی غیر معمولی شہرت حاصل کرنے والی کتاب ''بارڈرز اینڈ باونڈریز۔ ویمن ان انڈیاز پارٹیشن'' ہے جو انہوں نے ریتومینن کے ساتھ مل کر شریک مصنفہ کے طور پر لکھی۔ یہ کتاب تقسیم پنجاب کے موضوع پر صنفی تناظر میں لکھی جانے والی کتابوں میں سے ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1998 میں شائع ہوئی۔ پونے تین سو صفحات پر مبنی یہ کتاب تقسیم کے دوران دونوں طرف عورتوں پر ہونے والے تشدد' ان کی گمشدگی اور جبری تبدیلی مذہب جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ کملا بھسین اقوام متحدہ کے تحفظ خوراک کے پروگرام سے وابستہ ہیں۔

شیر گڑھ

گجرات کے قدیمی قصبہ شیر گڑھ کی بنیاد 1598 میں گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے ''سدو'' نامی مورث اعلیٰ نے رکھی۔ سدو کا آبائی علاقہ ''سرائے ڈھنگ'' تھا جہاں سے یہ ہجرت کر کے گجرات کے اس قطعہ اراضی پر آباد ہوئے۔ سدو نے اپنے مرشد پیر ''شیر شاہ غازی'' کے نام سے اس گاؤں کو منسوب کرتے ہوئے اسے ''شیر گڑھ'' کا نام دیا جو اسی نام سے آج تک معروف و آباد ہے۔

شیر وجیدا

گجرات کے اس گاؤں ''شیر وجیدا'' کو گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے سیدا نامی مورث اعلیٰ کے پسران شیر وجیدا نے موضع پیراج سے آ کر آباد کیا۔ حالات کی ستم ظریفی اور ناگہانی افتاد کے باعث یہ گاؤں اپنی آبادکاری کے بعد اجڑ گیا جس کے بعد گاؤں کی آبادی ناگریانوالہ میں آباد ہو گئی بعد ازاں شیر وجیدا کی اولاد نے ناگریانوالہ سے آ کر دوبارہ گاؤں کو آباد کیا اور اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر گاؤں کو ''شیر وجیدا'' سے منسوب کیا اور اسی نام سے گاؤں مشہور ہوا۔

Marfat.com

شیخ پور

یہ تحصیل کھاریاں کا معروف قدیم گاؤں ہے جسے جٹ قوم کی گوت کنجیال سے تعلق رکھنے والے ایک مورث شیخ محمد نے آباد کیا۔ شیخ محمد نے دہلی سے آ کر اس گاؤں کو حاکم وقت کی اجازت سے 1357 میں آباد کیا اور اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام شیخ پور رکھا جو اسی نام سے مشہور ہوا۔

شیخ چوگانی

گجرات کے اس تاریخی گاؤں کی بنیاد 1527ء میں موضع رسول تحصیل پھالیہ سے تعلق رکھنے والے سید میراں شاہ قوم سید گوت مشہدی اور مرزا امداد بیگ قوم مغل برلاس نے رکھی۔ قبل ازیں دریائے چناب کے کنارے ہیڈ مرالہ روڈ پر واقعہ قطعہ اراضی بیابان جنگل تھا اس گاؤں کا نام "شیخ چوگانی" رکھا گیا۔ اس گاؤں میں پرانے مزارات کے بارے میں روایت ہے کہ یہ حضرت طانوح اور حضرت امنوں علیہ السلام کی آخری آرام گاہیں ہیں۔ یہ گاؤں برلب چناب ہونے کے باوجود آج بھی آباد ہے۔

شیخ سکھا

گجرات کا ایک اور قدیم گاؤں کنجاہ روڈ پر شیخ سکھا کے نام سے واقع ہے۔ اس گاؤں کے حوالے سے روایت کی جاتی ہے کہ گاؤں کو شیخ سکھا نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا جس کی قوم یا گوت کے حوالے سے کوئی تاریخی شواہد نہیں ملتے تاہم یہ گاؤں اسی شخص کے نام سے شیخ سکھا مشہور ہوا۔

شیخ قریشیاں

گجرات کے اس گاؤں کو ملتان سے آنے والے "شیخ قریشی" قوم سے تعلق رکھنے والے "شجن" نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا اور اس گاؤں کا نام اپنی گوت شیخ سے منسوب کیا جو بعد ازاں "شیخ قریشیاں" کے نام سے مشہور ہوا۔

عالم گڑھ

گجرات کے اس گاؤں کو شہنشاہ اکبر کی پہلی بار کشمیر آمد کے دوران میزبانی کا شرف حاصل ہے شہنشاہ اکبر نے اس گاؤں میں اپنے قیام کیلئے ایک عالیشان عمارت بھی تعمیر کروائی تھی جس کے آثار آج بھی چوکھندی کے نام پر موجود ہیں۔ عالم گڑھ قدیم آبادی ہے یہ ٹبہ آ کیا میں واقع ہے اور اس میں سوبستی قوم کے لوگ آباد تھے۔ عالم گڑھ کے ٹبہ سے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے، چکیوں کے پاٹ اور ملا کے موتی ملے ہیں جو اس علاقے کی تاریخی بود و باش اور قدیم آبادیوں سے آشکار کرتے ہیں۔

علی پور

گجرات کا یہ گاؤں بھی جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے علی نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ علی نامی مورث اعلیٰ اس گاؤں کو آباد کرنے کے لیے موضع بگولہ سے یہاں منتقل ہوا۔ اس گاؤں کا نام بھی اس نے اپنے نام کی مناسبت سے علی پور رکھا یہ گاؤں اسی نام سے آباد اور مشہور ہے۔

فتح پور

گجرات کا ترقی پذیر گاؤں فتح پور 1508ء سے قبل موضع کتالہ نامی گاؤں کے رقبہ پر دوبارہ نئے نام سے آباد ہوا۔ ماضی کا گاؤں کتالہ گوجر کھٹانوں کی ملکیت تھا جو کسی وجہ سے غیر آباد ہو گیا تھا۔ کھٹانہ قوم کے حسن محمد" نامی مورث نے 1508ء میں اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا اور اس کا نام اپنے بڑے بیٹے فتح محمد سے منسوب کیا اور یہ فتح پور کے نام سے معروف ہوا۔ یہ گاؤں اعوان شریف روڈ پر واقع قدیمی شاہراہ کے قریب آباد ہے یہ گاؤں اب یونین کونسل کی حیثیت کا حامل ہے اور نواحی دس دیہات اس کونسل میں شامل ہیں۔

فقیریاں/ہیڈ فقیریاں

یہ رسول سے 30 کلومیٹر پر ہے۔ یہاں لوئر جہلم نہر پر ہیڈ ورکس ہے۔ اور اس کے کنارے ایک قدیم انگریزی دور کا ریسٹ ہاؤس ہے۔ یہاں ہائی سکول اور سبھی تجارتی بینکوں کی شاخیں ہیں۔ اس کے قریب ضلع منڈی بہاؤالدین کا سرحدی گاؤں میانہ گوندل واقع ہے۔ فقیریاں کی آبادی 5655 افراد پر مشتمل ہے (اعداد و

Marfat.com

شمار 1998) جس میں 2869 مرد اور 2786 خواتین ہیں۔ شرح خواندگی 49.4 فیصد ہے۔

قادر آباد

دریائے چناب کے کنارے اکبر کے عہد میں سلطان مرزا قادر بیگ کا بسایا ہوا قصبہ ہے۔ یہاں ہیڈ بھی واقع ہے۔ مغلوں کے عہد میں یہاں ایک کشتی گھاٹ تھا اور روساء کے لیے شکارگاہ موجود تھی۔ قادر بیگ کا مزار آج بھی قصبہ میں موجود ہے۔ قادر آباد کا ''راحت باغ'' اپنے انواع واقسام کے پھلوں خصوصاً آم کی ایک قسم ''غالب پسند آم'' کی وجہ سے مشہور ہے۔ اور اس باغ کے دو دروازے ہیں: باب رئیس جو رئیس امروہوی اور باب راز جو راز گجراتی (باغ کے مالک چوہدری غلام حسین) کے نام سے موسوم ہیں۔

یہاں پرائمری سے ہائی سکول تک تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ تعلیمی ادارے بھی ہیں۔ قصبہ میں کوئی خاص یا قابل ذکر صنعتی ادارہ موجود نہیں۔ 1998 کی مردم شماری کے مطابق قادر آباد کی آبادی 9983 ہے جس میں 5116 مرد اور 4867 عورتیں ہیں۔ خواندگی کی شرح 56.4 فیصد ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان 1350 مرد اور 933 عورتیں خواندہ ہیں۔ میٹرک سے اوپر 933 مرد اور 760 عورتیں خواندہ ہیں۔ گھروں کی تعداد 1358 ہے جن میں 1039 گھر پختہ' 74 گھر نیم پختہ اور 245 گھر کچے ہیں۔ ان میں 1157 گھروں کو بجلی کی سہولت میسر ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اس کی آبادی 2873 تھی۔ یہاں 2469 گھر اور 124 دکانیں تھیں۔

قاضی کرم شاہ

یہ قدیم گاؤں ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ بزرگان مالکان کا تھا اور کسی تفرقہ کے باعث بے آباد ہو گیا اور عرصہ دراز تک بے آباد و بے چراغ رہا۔ بعد ازاں اس گاؤں کو مورثان کرم شاہ' فضل شاہ اور چراغ شاہ نے قصبہ جلال پور جٹاں سے آ کر دوبارہ آباد کیا۔ اور اسے مورث کرم شاہ سے منسوب کیا گیا۔

قلعدار

گجرات کا یہ تاریخی اہمیت کا حامل گاؤں مغلیہ دور حکمران میں آباد کیا گیا۔ قلعدار کے مغل وزیر آباد کے بانی نواب وزیر کی اولاد میں سے ہیں۔ جس نے وزیر آباد کی بنیاد رکھی تھی، اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے قلعدار خان نے اپنے نام سے گجرات میں گاؤں قلعدار کی بنیاد رکھی۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل یہ قطعہ اراضی وڑائچ قوم کی ملکیت تھا مغل بادشاہ نے اپنے سپہ سالار قلعدار خان کو ایک مہم سر کرنے پر وڑائچ قوم سے یہ اراضی خرید کر انعام کی اور اس کو جاگیر میں شامل کر دیا گیا۔ اس گاؤں کا نام مغل دور کے سپہ سالار بانی کے نام پر قلعدار مشہور ہوا۔ قلعدار خان نے اس علاقے میں مغلیہ دور کی روایت کے مطابق بنگلہ، مسجد، باغ اور مقبرہ تعمیر کرایا۔ اس گاؤں میں قدیم آتش کدہ کی عمارت بھی موجود ہے۔ قلعہ دار کے دو محلے آج بھی بنگلہ اور محل کے نام سے معروف ہیں جو قلعدار خان کے بنائے ہوئے محل اور بنگلہ کی مناسبت سے مشہور ہوئے۔ 1923ء میں محل میلہ میں ایک دیوار گراتے ہوئے ایک بڑا مٹکے میں دفینہ ملا، مٹکے میں سے شاجہانی دور کے سکے دستیاب ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ نواب صاحب نے دو لاکھ روپیہ سکہ چہرہ شاہی مختلف جگہوں پر دفن کرایا تھا بعض گاؤں والوں نے اس کی تلاش بھی کی مگر ان خزانوں کے حوالے سے کسی کو کامیابی نہیں ملی۔

قلعہ سورہ سنگھ

گجرات کے تاریخی گاؤں قلعہ سورہ سنگھ کی بنیاد سکھ سردار سورہ سنگھ نے رکھی اور اسی کے نام سے یہ گاؤں مشہور ہوا۔ اس گاؤں کی سو فیصد آبادی سکھ تھی جو قیام پاکستان تک یہاں مقیم رہی۔ اس گاؤں میں سردار سورہ سنگھ نے دو عالی شان گردوارے اور پانی کے تالاب بنائے تھے، قیام پاکستان کے بعد اس گاؤں سے سکھ برادری کے لوگ ہجرت کر گئے تو جموں و کشمیر سے آنے والے مسلم مہاجرین نے اس گاؤں کو اپنا مسکن بنایا۔

کالرہ

گجرات کے گاؤں کالرہ کے نام کی وجہ تسمیہ گاؤں کی کلر زدہ زمین قرار دی جاتی ہے۔ اس گاؤں کو جٹ قوم کے ایک ''کرم داد'' نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا جو کلر زدہ زمین کے باعث کالرہ نام سے مشہور ہوا۔ بعد ازاں اس گاؤں کا نام ''کلر ہوئی'' اور'' کالرہ پنوا'' بھی مشہور رہا

Marfat.com

کالرہ دیوان سنگھ

گجرات کے قریب ایک گاؤں کی اراضی ایک سکھ دیوان سنگھ کی ملکیت تھی یہ گاؤں اسی کے نام سے منسوب ہوکر'' کالرہ دیوان سنگھ'' کے نام سے معروف ہوا یہ گاؤں گجرات شہر کے قریب واقع ہے۔

کالوساہی

اس گاؤں کو کالو نامی مورث نے موضع باگڑیانوالہ سے آ کر آباد کیا۔ گاؤں کی آبادکاری کے لیے حاکم وقت سے باقاعدہ اجازت لی گئی۔ مورث اعلیٰ نے گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام کالوساہی رکھا۔ یہ گاؤں تین پشت تک آباد رہا۔ بعد میں گاؤں والے ٹپیالہ منتقل ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ گاؤں دوبارہ آباد ہوا تو اس کا پرانا نام برقرار رکھا گیا۔

کالیکی

گجرات کے اس گاؤں کو دریائے چناب کے کنارے جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے'' کالا'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ اور اپنے نام کی مناسبت سے گاؤں کو'' کالیکی'' کا نام دیا، جو اسی نام سے معروف و آباد رہا ہے۔ دریائے چناب نے کئی بار اپنی طغیانی سے اس گاؤں کو برباد کیا جس کے باعث یہ گاؤں شمال کی جانب نئی جگہ پر منتقل کر دیا گیا اور اب اسی نئی جگہ پر آباد و معروف ہے۔

کائرہ

کھاریاں کے اس گاؤں کو گوجر قوم کے کائرہ نامی مورث اعلیٰ نے پاک پتن سے آ کر آباد کیا۔ آبادکاری سے قبل یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان پر مشتمل تھا۔ گاؤں کی آبادکاری کے لیے حاکم وقت سے اجازت حاصل کی گئی۔ گاؤں بھی 1840 بکرمی کے قحط کے باعث بے آباد ہوگیا۔ بعد میں اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا گیا اور مورث اعلیٰ کی نسبت سے اس کا نام کائرہ رکھا گیا۔ اس کے بعد یہ گاؤں کبھی بے آباد نہیں ہوا اور اسی نام کائرہ سے مشہور ہے۔

کراڑیوالہ

اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کی گوت ٹھیکرایہ سے تعلق رکھنے والے باجا نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ باجا کا تعلق تحصیل کھاریاں کے موضع اتووالہ تھا۔ گاؤں کی آبادکاری کے لیے حاکم وقت سے اجازت لی گئی۔ قبل ازیں یہ رقبہ جنگل بیابان پر مشتمل تھا۔ مورث باجا نے اس بستی کو اپنے نام اقبال پور باجا کے نام سے مشہور کیا' بعد ازاں اس گاؤں کی ایک بیوہ نے کراڑی نامی شخص سے عقد کیا جس کے بعد یہ گاؤں اس شخص کے نام کی مناسبت سے کراڑی والا مشہور ہوا۔

کری

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو 1437ء میں راجپوت کھوکھر قوم کے ایک حاکم وقت جسرت نے آباد کیا۔ قبل ازیں یہ برلب چناب ویران قطعہ اراضی تھا اس گاؤں کا نام آبادکار'' راجپوت کھوکھر قوم'' کے نام سے منسوب کر کے'' کھوکھر'' رکھا گیا مگر بعد ازاں یہ نام'' کری'' کے نام سے مشہور ہوا جس کی وجہ تسمیہ تاریخی طور پر پر نہیں ملتی۔ تاہم روایت ہے کہ اس گاؤں سے ملحقہ تاریخی کوری قبرستان میں موجود معین الدین پور، مدینہ جمال پور کے سادات کے آباؤاجداد کی اور نظام الدین کے مزار موجود ہیں اور اسی'' کوری قبرستان'' کی مناسبت سے گاؤں کا نام وقت کے ساتھ کوری سے مشتق ہوتا ہوا'' کری'' پڑ گیا۔ گاؤں کے بانی'' جسرت کھوکھر'' کی قبر بھی اسی کوری قبرستان کے ٹبہ پر ہے۔

کریم داد

گجرات کا یہ پرانا گاؤں اکبر بادشاہ کے دور میں آباد کیا گیا، اس گاؤں کو موضع ٹھمکہ سے آ کر گوجر قوم کی گوت چیچی کے ایک مورث اعلیٰ'' کریم داد'' نے آباد کیا۔ آبادکاری سے قبل یہ قطع اراضی ویران جنگل تھا۔ یہ گاؤں اپنے مورث اعلیٰ بانی کے نام سے کریم داد مشہور ہوا۔ کریم داد نے کچھ عرصہ بعد سید کریم شاہ کو موضع سوہدرہ سے لا کر اپنا پیر بنایا اور اس گاؤں کو آباد کیا جس سے اس گاؤں کو سادات کی وراثت بھی حاصل ہوئی۔ بعد ازاں یہ گاؤں قحط سالی کے باعث ویران ہوگیا اور گاؤں کی آبادی ہجرت کر کے'' ہرداس پور'' منتقل ہوگئی۔ تاہم سکھوں کے عہد حکمرانی میں اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا گیا اور اس کا نام مورث اعلیٰ بانی کے مطابق'' کریم داد'' برقرار رکھا گیا

Marfat.com

۔بعدازاں یہ گاؤں ویران نہیں ہوا۔

کڑیانوالہ

ضلع گجرات کا گاؤں کڑیانوالہ کو ایک شاہی ملازم ''سرستواں'' نے حاکم وقت کی اجازت سے 1207ء میں آباد کیا۔قبل ازیں یہ ویران جنگل پر مشتمل علاقہ تھا شاہی حکم سے آباد ہونیوالا یہ گاؤں شاہی فرمان پر ہی بے آباد ہوا اور شاہی فرمان پر یہاں کے باسی یہ جگہ چھوڑ کر ''سرسہ'' کے علاقے میں آباد ہو گئے۔اس وقت تک اس گاؤں کے نام کے بارے کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔اس گاؤں کے بانی سرستواں کی نسل سے تعلق رکھنے والے شاہی ملازم ''ہیو'' نے 1593ء میں شہنشاہ اکبر سے گاؤں کی ملکیت،اس کے بزرگوں کی ہونے کی بنیاد پر سابق استحقاق جتلا کر دوبارہ گاؤں کی آبادکاری کیلئے اجازت حاصل کی اور دوبارہ آبادکاری کے وقت اس گاؤں کا نام شہنشاہ اکبر کے نام کی مناسبت سے ''اکبر آباد'' رکھا گیا۔1867ء کی بندوبست رپورٹ کے مطابق اکبر آباد کو پھر کسی وجہ سے خالی کر کے دوسری بستی بسائی گئی جو ''قوم سارمان کڑی'' سے تعلق رکھنے والوں نے بسائی تھی۔اسی مناسب سے اس بستی کا نام اکبر آباد سے ''کڑیانوالہ'' معروف ہو گیا۔

ککرالی

گجرات کے اس قدیم گاؤں کا بانی ودھن نامی مورث تھا۔جس نے راجہ سمر گپت کے عہد میں اس گاؤں کو آباد کیا بعدازاں نامعلوم وجوہات کے باعث یہ گاؤں بے آباد ہو گیا۔کئی صدیوں تک ویران پڑا رہا۔بعدازاں یہ گاؤں دو حصوں میں آباد ہوا۔ایک حصہ کی آبادی ٹبی خورد کہلائی جبکہ دوسری آباد ٹبی کلاں کے نام سے مشہور ہوئی۔بعدازاں نالہ بھمبر کی طغیانی کے باعث یہ آباد تباہ ہو گئی اور صرف مٹی کے تودے باقی بچے رہ گئے۔آج بھی ان تباہ بستیوں کے مقام سے پرانے برتنوں کے ٹکڑے،انسانی ہڈیاں،چکیوں کے پاٹ اور مسالہ پیسنے والی سلوں کے علاوہ دیگر اشیاء برآمد ہوتی رہتی ہیں۔اس علاقے میں کیکر بکثرت پائے جاتے تھے جس کی مناسبت سے اس موضع کا نام کیکراں والی مشہور ہوا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس کا نام کیکرالی رہ گیا۔

ککیانوالہ

گجرات کا قدیم گاؤں ککیانوالہ قدیم کابل کوہستان نمک سے ہند جانے والی سڑک پر آباد ہے جو دریائے چناب کے مشہور پتن بہلول پور کی طرف جاتی ہے۔اس گاؤں کو گوت ٹھکر سے تعلق رکھنے والے ''ککہ'' نامی شخص نے بھاگوال سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ککہ کے نام کی مناسبت سے گاؤں کا نام بھی ''ککیانوالہ'' مشہور ہوا۔یہ گاؤں آج تک آباد ہے اور کبھی بھی بے آباد نہیں ہوا۔

کلاچور

گجرات کا قدیمی گاؤں 326 قبل مسیح میں آباد ہوا جب سکندر اعظم نے اس علاقے کو مفتوح بنایا۔یہاں سکندر کے جانشینوں کی ٹکسال تھی اب بھی اس گاؤں میں کھدائی کے دوران پرانے عہد کے سکے ملتے ہیں جن کو ''کلاچور سکے'' کہا جاتا ہے ۔سکھ راجہ نجی سنگھ کی تیسری پشت سے ''راجہ چندر گوپت'' المعروف ''کلاچند'' نے شہر اودھے نگری کو بار بار برباد ہوتے دیکھا تو اس جگہ کو منحوس قرار دے دیا اور شہر سے دور مشرق کی جانب ایک شہر ''کلاچور آباد'' کیا یہ بستی چور جلالپور جٹاں سے متصل ہے۔

کلیوال سیداں

گجرات کے اس قدیم گاؤں کی بنیاد تو گوجر قوم کی گوت کالس سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ نے رکھی مگر بعدازاں یہ ''سیدوں'' کے گاؤں کی نسبت سے معروف ہوا۔اس گاؤں کو گوجر قوم کی گوت کالس سے تعلق رکھنے والے کلا نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا اور اسی کے نام کی مناسبت سے کلیوال مشہور ہوا۔1840ء بکرمی میں قحط سے یہ گاؤں بے آباد ہو گیا۔بعدازاں 1777ء میں ''پیر حاجی شاہ'' نے موضع ساہدڑیاں سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے دوبارہ اس گاؤں کو آباد کیا اور گاؤں کا سابقہ نام کلیو برقرار رہنے دیا مگر گاؤں میں سادات برادری کی اکثریت سے یہ گاؤں کلیوال سیداں معروف ہوا۔

کوٹ موج دین

گجرات کا یہ گاؤں جٹ قوم کے مورثان نے آباد کیا یہ جٹ مورثان شاہ محمد اکرم بخش،پیر محمد مصطفیٰ،فیض لعی،محمد ولی داد،عبدالواحد موضع ''دہاروالا'' سے اس علاقے میں منتقل ہوئے اور حاکم وقت کی اجازت سے گاؤں آباد کیا۔اس گاؤں کی وجہ

Marfat.com

تسمیہ معجدین پیر شاہ محمد بانی'' کی گوت ''موجدین'' بنی اور اسی موج دین نام سے یہ گاؤں معروف ومشہور ہوا۔

کوٹ میانہ

گجرات کا قدیم گاؤں ''کوٹ میانہ'' ساڑھے چار سو سال سے زائد عرصہ قبل جٹ قوم کی گوت وینس عرف میانہ سے تعلق رکھنے والے ''خدا بخش'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ اس گاؤں کی آبادکاری کے لیے موضع چکریال سے رقبہ حاصل کیا گیا اور نئے گاؤں کا نام گوت کے نام سے منسوب کرتے ہوئے ''کوٹ میانہ'' رکھا گیا جو بعدازاں کوٹ میانہ اور چک میانہ دونوں ناموں سے معروف ہوا۔ یہ گاؤں اپنے قیام کے بعد سے آباد ہے اور کبھی کسی ناگہانی آفت کا شکار ہوکر گجرات کے کئی قدیمی گاؤں کی طرح ویران یا تباہ نہیں ہوا۔

کوٹلہ ارب علی خان

یہ قدیم قصبہ گجرات سے پچیس میل شمال میں ہے۔ 1587ء میں گوجر قوم سے تعلق رکھنے والے ''رحان'' نامی مورث اعلیٰ نے تحصیل کھاریاں سے آکر اس گاؤں کو آباد کیا۔ کچھ عرصہ بعد چوروں کے ہاتھوں لٹ کر یہ گاؤں برباد ہو گیا جبکہ گاؤں کے مکینوں نے حاکم وقت ''ارب علی خان'' کے پاس پناہ لی۔ جس نے بعد میں یہاں ایک قلعہ بنوایا تاکہ آبادی کو محفوظ بنایا جاسکے اور گوجر قوم کی گوت ڈھینڈا سے تعلق رکھنے والے ایک مورث ''بلوز'' کو اس کی ملکیت دے دی۔ اس بستی کا پہلا نام ''سلیمان پور'' تھا بعدازاں یہ بستی ''کوٹ ارب علی خان'' کے نام سے مشہور ہوگئی اور پھر یہ ''کوٹلہ ارب علی خان'' معروف ہوئی۔ کوٹلہ ہندی زبان میں چھوٹے قلعہ کو کہتے ہیں۔ اس گاؤں کے نواح میں اب کسی بھی پرانے قلعہ کے کوئی آثار نہیں البتہ پرانے شہر کی آبادی ایک ٹیلے پہ آباد ہے جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس جگہ کوئی قلعہ موجود ہو۔ یہ علاقہ کبھی آزاد کشمیر کا حصہ تصور کیا جاتا تھا انگریز کے دورِ حکمرانی میں اسے ریاست کشمیر سے الگ کرکے ضلع گجرات میں شامل کر دیا گیا۔

کوٹلی پر مانند

گجرات کا ایک گاؤں کوٹلی پر مانند دریائے مناور توی کے قریب آباد ہے اس گاؤں کو راجپوت قوم کے ایک ''بوٹا'' نامی مورث اعلیٰ نے جموں سے آکر آباد کیا۔ قبل ازیں یہ جنگل بیابان قطعہ اراضی تھا۔ اس گاؤں کو گجرات کے علاقہ پر دہلی سلطنت کی حکمرانی قائم ہونے کے بعد آباد کیے جانے کی اجازت حاصل ہوئی۔ غالباً یہ سکھ عہد حکمرانی رہا ہے مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کا نام کوٹلی رکھا جو بعدازاں ''کوٹلی پر مانند'' کے نام سے معروف ہوا، ''کوٹلی پر مانند'' کے نام سے معروف ہونے کی وجہ تسمیہ کا تاریخی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے

کوٹلی کندو یا چک کندو

''دریائے توی'' کے کنارے اس گاؤں کو جموں کے موضع ''سدھڑ کوٹلی پر مانند کو'' کے باشندوں نے آکر آباد کیا مگر اس گاؤں کی آبادی دریائے توی کی طغیانی کا شکار ہوکر ختم ہوگئی۔ اس گاؤں کا رقبہ ''کندو گوجر'' نامی ساکن نصیر پور نے حاصل کیا اور اپنے نام پر اس گاؤں کو آباد کیا مگر عرصہ دراز ہوا اب یہ گاؤں دریائے توی کی طغیانی کی وجہ سے دریا برد ہو گیا ہے۔ چک کندو کی اراضی موجود ہے مگر اس گاؤں کی آبادی اب کوٹلی پر مانند اور دیگر علاقوں میں منتقل ہو چکی ہے

کنجاہ

گجرات کا یہ تاریخی قصبہ جنوب کی سمت سرگودھا روڈ پر واقعہ ہے۔ مرزا اعظم بیگ کی تاریخِ گجرات کے مطابق 754 میں کنجال نے اس کی بنیاد رکھی اور یہی کھتری اس کے مالک تھے۔ راجہ کنجپال راجپوت قوم سے تعلق رکھتا تھا اور علاقے کا حکمران تھا۔ تاریخی روایت ہے کہ مقام کنجاہ پر آبادی پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے وسط میں بھی ثابت ہوئی ہے اور اس دور میں یہاں ''ابراہیم بن مسعود نامی غزنی سلطان'' کی بھی علاقہ پر حکمرانی رہی۔ اس دور میں یہاں مسلمانوں کی آبادکاری ہوئی ہندوستان پر حملوں کے حوالے سے ''کنجاہ'' کا مقام جنگی حوالے سے اہم رہا ہے۔ اس علاقہ کو بعدازاں ''امیر تیمور'' نے فتح کیا اسی دور میں ''جیتو'' نام کے جٹ وڑائچ گوت سے تعلق رکھنے والے ایک سالار نے اس علاقے پر دکن سے آکر قبضہ کیا اور اس کی از سرِنو آبادکاری کی۔ ''امیر تیمور'' کے دور میں تعمیر ہونے والے شہر کے قدیم آثار ملتے ہیں۔ اس علاقہ میں دیوان کرپا رام کا دور بہت عمدہ قرار دیا جاتا ہے جو رنجیت سنگھ کے دور میں کشمیر کا گورنر تھا اس کنجاہ بستی میں بہت سے مکانات ''دیوان کرپان'' کی ملکیت تھے مگر راجہ جموں ''گلاب سنگھ'' کی سازشوں سے ''دیوان کرپا رام'' کو بہت نقصان ہوا اور اس کے انتقال کے بعد کنجاہ کی آبادی زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی۔ اس دور کے باغات اور عمارتیں آج بھی تباہ شدہ حالت میں ملتی ہیں

Marfat.com

کنجاہ میں دیوان سنگھ کی یاد میں بنایا گیا ایک تالاب اور بارہ دری بہتر حالت میں موجود ہے۔ کنجاہ چغتائی حکمرانوں کے دور میں علم و فضل کا مرکز تھا بعدازاں سکھ عہد میں ''سردار صاحب سنگھ'' کے دوران حکمرانی میں بھی ''کنجاہ'' ترقی پذیر حالت میں رہا۔

یہاں بہت سی قدیم یادگاریں ہیں۔ موجودہ دور میں یہاں سبزی منڈی' تعلیمی ادارے اور پاکستان ٹوبیکو کمپنی اور پریمیئر ٹوبیکو کمپنی۔ تمباکو کے اہم مراکز ہیں۔ کنجاہ کی برفی مشہور ہے۔ یہاں سبھی تجارتی بینکوں کی شاخیں ہیں۔ ادب کے میدان میں غنیمت کنجاہی' صداقت کنجاہی' اسماعیل بخاری کنجاہی' خوشی محمد کنجاہی' خوشتہ کنجاہی' منشی لچھمن نرائن دبیر کنجاہی' مولوی ابراہیم کنجاہی' قاضی رضی الدین کنجاہی اور عہد حاضر میں شریف کنجاہی' روحی کنجاہی' زمان کنجاہی' زہیر کنجاہی اور شاکر کنجاہی کے نام قابل ذکر ہیں۔ نامور ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد اسلامیہ ہائی سکول کنجاہ میں مدرس رہے۔ میجر شریف شبیر شہید کا تعلق اور اللہ دتہ شہید کا تعلق بھی کنجاہ سے تھا۔ کنجاہ انتظامی لحاظ سے ایک ٹاؤن کمیٹی ہے' جس کی آبادی 24338 ہے۔ ان میں 12339 مرد اور 11999 عورتیں ہیں۔ خواندگی کی شرح 67.8 ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان خواندہ مرد 3352 اور عورتیں 2983 ہیں۔ میٹرک سے اوپر خواندہ مردوں کی تعداد 1953 اور خواندہ عورتوں کی تعداد 1412 ہے۔ غیر مسلم افراد 440 ہیں۔

کنگ بڈھا

گجرات کا ایک اور قدیم گاؤں اپنے قیام کی اچھوتی کہانی ہے قوم جٹ کی ''گوت کنگ'' کے مورث اعلیٰ ''بڈھا'' کی شادی موضع راکے میں ہوئی جس کے سسر رام نے اپنی زمین بیٹی کو ہبہ کر دی۔ اس اراضی پر بڈھا مورث اعلیٰ قوم جٹ گوت کنگ نے گاؤں آباد کیا۔ یہ گاؤں کبھی بھی ویران یا بے آباد نہیں ہوا۔ اس گاؤں کا نام بھی ''جٹ گوت کنگ'' اور مورث اعلیٰ دونوں سے موسوم ہوا اور ''بڈھا کنگ'' کے نام سے مشہور ہے۔

کوٹ اللہ بخش

گجرات کا یہ قدیم گاؤں کوئی ڈیڑھ سو سال قبل وجود میں آیا۔ جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''قطب دین'' نے اس گاؤں کو منگووال سے آکر حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا جس کا نام ''کوٹ قطب'' ہی رکھا گیا۔ بعدازاں جملہ مالکان نے گاؤں کے رقبہ پر قبضہ کر کے پرانے گاؤں کی جگہ سے فاصلے پر نیا گاؤں آباد کر کے اس کا نام کوٹ اللہ بخش رکھ دیا جس کے بعد پرانا گاؤں کوٹ قطب ویران ہو گیا۔

کوٹ رانجھا

گجرات کا ایک اور تاریخی اہمیت کا حامل گاؤں کوٹ رانجھا کو اس کے بانیوں نے مالکان موضع دھدرا سے اراضی خرید کا آباد کیا اور اپنی گوت سے موسوم کرتے ہوئے کوٹ رانجھا کا نام دیا۔ یہ گاؤں آج بھی اسی نام سے مشہور ہے کوٹ رانجھا کے قریب ایک بڑی تباہ شدہ بستی کے ٹبہ کی صورت میں آثار موجود ہیں جہاں سے قدیم عہد کے چکیوں کے پاٹ، مٹی کے برتن اور سکے بھی ملے ہیں۔

کوٹ مہرو

گجرات کا قدیم گاؤں کوٹ مہرو یونین کونسل بھاگوال کلاں میں ہے۔ اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''مہرو'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع بھیلوال سے آکر آباد کیا۔ جس کے لیے حاکم وقت سے جنگل کی اراضی حاصل کی گئی تھی مگر اس گاؤں میں اس کی صرف چار پشتیں آباد رہ سکیں۔ یہ گاؤں قحط سالی کی زد میں آ گیا اور تقریباً ایک پشت تک ویران رہا جس کے بعد مہرو کی چھٹی پشت نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا اور ''مہرو'' کے نام سے اس گاؤں کا نام ''کوٹ مہرو'' معروف ہوا۔

کوٹ کھگہ

گجرات کا یہ گاؤں منگووال کے قریب واقع ہے اس گاؤں کی بنیاد ''راجیکی'' کے مورث راجہ وڑائچ کے بیٹے ''کھگہ'' نے علیحدہ ہو کر رکھی۔ اس گاؤں میں راجہ وڑائچ کا بیٹا کھگہ اپنی عدالت لگایا کرتا تھا اور گاؤں کو اپنے نام سے ہی منسوب کیا اور یہ ''کوٹ کھگہ'' کے نام سے مشہور اور آباد ہے۔

کوٹلی منہاس

گجرات کا یہ قدیم گاؤں کوٹلی منہاس اپنے قیام کے وقت کوٹلی بھگوان کے نام سے موسوم رہا۔ اس گاؤں کو راجپوت قوم سے تعلق رکھنے والے ایک مورث اعلیٰ جو ہدمنہاس نے جموں سے آکر آباد کیا۔ اس کا اولین نام مورث اعلیٰ سے موسوم

Marfat.com

رہا اور ''کوٹلی جوہد'' کے نام سے معروف ہوا بعد ازاں اس کا نام کوٹلی بھگوان کر دیا گیا جبکہ اب ریکارڈ کے مطابق گاؤں کا نام تبدیل ہو کر ''کوٹلی منہاس'' مشہور ہے توی کے قریب سرخ پور یونین کونسل کی حدود میں واقع ہے۔

کسانہ

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کی گوت کسانہ سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ کسانہ گوت سے تعلق رکھنے والا مورث اعلیٰ پہلے مغلیہ عہد میں ضلع جموں کے علاقہ ''مناور'' میں آباد ہوا اور بعد ازاں گجرات میں اپنی گوت کے نام پر ''کسانہ'' نامی گاؤں آباد کیا۔

کسوکی اور موجوکی

گجرات کے یہ دونوں دیہات بھاگووال کلاں کے قریب آباد ہیں ان دونوں دیہات کو دو بھائیوں کسو اور موجو نے آباد کیا اور انہیں کے ناموں سے یہ کسوکی اور موجوکی کے نام سے معروف ہوئے۔ یہ دونوں گاؤں ایک دوسرے کے قریب قریب آبی گذرگاہ دوارہ بھاگووال کے نواح میں آباد ہیں۔

ککہ

گجرات کا یہ گاؤں جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''ککہ'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع ایشراء سے آ کر آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے اپنی مناسبت سے ککہ رکھا اور یہ اسی نام سے معروف و آباد ہوا۔ اس گاؤں میں ''حضرت شاہ بھیکو'' کا مزار بھی موجود ہے۔

کلک

اس قدیم گاؤں کے نام کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے کوئی تاریخی شواہد دستیاب نہیں۔ اسے سون سکیسر سے اعوان قوم کی گوت فعل وارسوم سے تعلق رکھنے والے گل محمد نامی مورث نے آباد کیا۔ آباد کاری سے قبل یہ قطعہ اراضی بیابان جنگل تھا۔ یہ گاؤں تین پشت تک آباد رہا بعد ازاں قحط سالی ہوئی تو گاؤں کی آبادی نواحی علاقوں میں منتقل ہوگئی اور یہ گاؤں اجڑ گیا۔ اس گاؤں کو تین سال بعد پہلی جگہ سے تین سو کرم کے فاصلے پر دوبارہ آباد کیا گیا۔ یہ اپنے مورث کے دیئے نام کلک سے ہی مشہور رہا۔

کلیوال سیداں

یہ قدیم گاؤں لالہ موسیٰ سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس گاؤں کو گوجر قوم کی گوت کالس سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ گلا نے آباد کیا۔ اسی کے نام پر اس گاؤں کا نام گلیوال مشہور ہوا۔ جو آہستہ آہستہ گلیوال معروف ہوا۔ 1840 بکرمی کے قحط میں یہ گاؤں بے آباد ہو گیا اور آبادی نواحی علاقوں میں جا کر آباد ہو گئی۔ 1777 میں پیر حاجی شاہ قوم بخاری نے جو موضع شاہدڑا اس کے پیر آفات حسین شاہ کے فرزند تھے' نے حاکم وقت صاحب سنگھ کی اجازت سے اس موضع کو آباد کیا اس وقت سے گاؤں آباد چلا آرہا ہے اور سید مورث اعلیٰ کے ہاتھوں دوبارہ آباد کاری کی وجہ سے کلیوال سیداں کے نام سے مشہور ہے۔

کوآنکھ

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کے حوالے روایت ہے کہ یہ عہد مغلیہ میں آباد تھا بعد ازاں ویران ہو گیا۔ جس کو مغل قوم کے ایک ''ابراہیم بیگ'' نامی مورث اعلیٰ نے دہلی سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ اس گاؤں کا سابقہ نام ''کوآنکھ'' ہی مشہور رہا اور مغل مورث اعلیٰ نے اس نام کو تبدیل نہیں کیا۔ یہ گاؤں دوسری بار آباد ہونے کے بعد کبھی ویران نہیں ہوا اور اس گاؤں میں زیادہ آبادی مغل قوم کے نفوس پر مشتمل ہے۔

کولووالہ

گجرات کا یہ قدیم گاؤں دریائے چناب نے تین بار تباہ و برباد کیا۔ اس گاؤں کی بنیاد جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے ''چوہڑ'' نامی مورث اعلیٰ نے رکھی۔ چوہڑ نے موضع جدی سے ہجرت کر کے اس رقبہ پر حاکم وقت کی اجازت سے بستی آباد کی اس گاؤں کا اولین نام ''موضع اجارہ'' مشہور ہوا، مگر دریائے چناب نے اس گاؤں کو تباہ کر دیا جس کے بعد سابقہ رقبہ سے پانچ سو کرم کے فاصلے پر دوبارہ گاؤں آباد کیا گیا مگر ایک بار پھر گاؤں دریا برد ہو گیا جس کے بعد تیسری بار اس گاؤں کو آباد کیا گیا اس گاؤں کی نئی آباد کاری پر اس کا نام ''کوہلو وال'' مشہور ہوا۔

Marfat.com

کولیاں بہارشاہ

اس گاؤں کو گوجر قوم سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ رندھیر نے آباد کیا۔ یہ گاؤں تین بار قحط سالی اور چب قوم کی لوٹ مار کے باعث بے آباد ہوا اور پھر آباد ہوتا رہا۔ اس گاؤں کو آخری بار بہار شاہ نامی مورث نے آباد کیا اور اسی کے نام سے یہ گاؤں کولیاں بہارشاہ کہلایا۔

کولیاں ہاشم شاہ

گجرات کا یہ قدیم گاؤں کسی زمانے میں گوجر قوم کی گوت کولیاں کی ملکیت تھا اور کولیاں گوت کے نام سے ہی مشہور و آباد رہا۔ بعدازاں چب قوم کی لوٹ مار سے یہ گاؤں اجڑ گیا اور بے آباد ہو گیا، آبادی ملحقہ محفوظ علاقوں میں منتقل ہو گئی اور گاؤں بے چراغ ہو کر رہ گیا۔ ''مہاراجہ رنجیت سنگھ'' کے دور میں جب اس علاقے میں امن ہوا تو گاؤں کے سید قوم سے تعلق رکھنے والے ''ہاشم شاہ'' نامی مالکان نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا اور مورث اعلیٰ قوم کولیاں سے اس گاؤں کو منسوب رکھا۔ یہ گاؤں ''کولیاں ہاشم شاہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

کھاریاں

لاہور۔ پنڈی جی ٹی روڈ پر واقع ضلع گجرات کی تحصیل اور فوجی چھاؤنی ہے۔ مفتی غلام سرور کی کتاب تاریخ مخزنِ پنجاب (1877) کے مطابق کھاریاں دریائے جہلم کے بائیں کنارے پندرہ میل اور لاہور سے شمال مغرب کی جانب اٹھاسی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ کھاریاں نام کی وجہ تسمیہ اس کا کھاری پانی تھا یا پھر 1568 میں مسمی کھاری قوم گجر نے دہلی سے آ کر اس ویرانہ کو آباد کیا۔ یہاں پر اکبر کے دور کی دو باؤلیاں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ایک باؤلی کا پانی میٹھا اور ایک کا کھارہ ہے۔ اس وجہ سے بھی اس کا نام کھاریاں مشہور ہوا۔ چھاؤنی کی حیثیت ملنے کے بعد یہاں خوب ترقی ہوئی یہاں 15 کے لگ بھگ سرکاری سکول و کالج ہیں۔ پرائیویٹ سکول اس کے علاوہ ہیں۔ کھاریاں شہر کا انتظام میونسپل کمیٹی اور کھاریاں کنٹونمنٹ کا انتظام کنٹونمنٹ بورڈ کرتا ہے۔ سی ایم ایچ کھاریاں پورے ضلع میں مشہور ہے۔ یہاں پر کنفورس لمیٹڈ' کرسٹل آئس فیکٹری' ڈیلکس سٹیل ورکس اور مجاہد سوپ فیکٹری قابل ذکر صنعتیں ہیں۔ یہاں پر سب ہی مشہور بینکوں کی شاخیں موجود ہیں۔ تفریح کی غرض سے چند سینما گھر بھی ہیں۔

1998 کی مردم شماری کے مطابق کھاریاں کینٹ کی آبادی 49914 اور کھاریاں شہر کی آبادی 23713 ہے۔ کھاریاں کینٹ میں خواندگی کی شرح 86.8 اور شہر کی شرح خواندگی 74.4 ہے۔ کینٹ میں غیر مسلموں کی تعداد 3425 اور شہر میں 1208 ہے۔

کھرانہ

یہ قدیم گاؤں قوم آوان گوت کھرانہ کے مورث اعلیٰ نے نامعلوم مقام سے آ کر اور حاکم وقت کو نذرانہ دیکر آباد کیا اور اس کا نام کھرانہ رکھا۔ یہ گاؤں اسی نام سے مشہور ہوا۔

کھوڑی

گجرات کے اس موضع کی بنیاد مغلیہ دور حکمرانی میں رکھی گئی۔ جب شاہی ملازمت کے سلسلے میں سون سکیسر کے اعوان قوم سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ ''بہادر'' نے حاکم وقت کی اجازت سے اس رقبہ کی آبادکاری کی۔ قبل ازیں یہ قطعہ اراضی بیابان جنگل تھا۔ سکھوں کے عہد حکمرانی میں اس علاقہ کو سکھوں کی جاگیر میں شامل تھا اور ملا کھوڑی، رسولپور کھوڑی اور کھوڑی تبانہ کے نام سے معروف رہا۔

کھوکھر

گجرات کا ایک اور قدیمی گاؤں جو تاریخی مزارات کا حامل ہے راجپوت قوم کی گوت کھوکھر کے ''سندھو'' نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کو نذرانہ کے عوض اجازت حاصل کر کے آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام اپنی گوت کھوکھر کے نام سے منسوب کیا۔ یہ گاؤں دوازہ کی تباہی سے مہندم ہو گیا اور پھر دوبارہ چھ سو کرم کے فاصلے پر شمال کی جانب اس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس گاؤں کے مغرب میں پرانے ٹبہ پر تباہ شدہ بڑی بستی کے آثار موجود ہیں جہاں سے مٹی کے برتن اور سکے ملے ہیں اس تباہ شدہ بستی کے ٹبہ کے قریب ہی ایک نوگز لمبا مزار ہے جسے ''حضرت سلمان'' کا مزار قرار دیا جاتا ہے جو حضرت موسیٰ کی اولاد میں سے بیان کیے جاتے ہیں۔ اس گاؤں میں زیادہ آبادی ملک کھوکھراں کی ہے

Marfat.com

کھیپڑانوالہ

کھیپڑانوالہ گاؤں گجرات کے نواح میں بھمبر نالہ کے قریب واقع ہے اس گاؤں کو راجپوت قوم کی گوت کھوکھر کے''کھیپڑ'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع کھوکھر سے آکر حاکم وقت کو نذرانہ کے عوض حاصل کر کے اجازت سے آباد کیا۔اس گاؤں کا نام اپنے بانی مورث اعلیٰ''کھیپڑ'' کے نام کی مناسبت سے''کھیپڑ انوالہ ''مشہور ہوا۔

کھیوا

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو 1368ء میں ضلع شاہ پور کے ایک موضع سے ہجرت کر کے جاٹ کھوکھروں نے آکر آباد کیا۔گاؤں کی آبادکاری سے قبل یہ قطع اراضی جنگل بیابان تھا۔ہجرت کرنے والی جاٹ برادری کے مورث اعلیٰ کو کھیوا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔اس گاؤں کو مورث اعلیٰ کے نام سے ہی منسوب کیا گیا اور کھیوا کے نام سے ہی یہ گاؤں آج تک مشہور ہے۔

کیراں والا

گجرات کا تاریخی گاؤں کیراں والا کو'' خوارزمی سید قوم'' کے بزرگ ''سید نور'' نے معین الدین سے آکر آباد کیا جو بسلسلہ تبلیغ اس جگہ آکر آباد ہوئے تھے۔ اس گاؤں کا نام'' کیراں والا سیداں'' بھی مشہور ہوا۔قدیمی گذرگاہ ڈنگہ منگوال روڈ سے ملحقہ کیراں والا سرسبز وشاداب علاقہ ہے۔یہ گاؤں کبھی بھی ویران نہیں ہوا اس گاؤں کے قریب ایک ٹبہ تباہ شدہ آبادی کے آثار ملتے ہیں جن میں بڑے سائز کی اینٹیں اور مٹی کے برتن شامل ہیں۔

گجرات: تاریخی ورثہ

جہاں تک قابل ذکر عمارتوں کا تعلق' تو بہت سے پرانے مکانات اور عمارات کو گرا کر جدید طرز کی عمارتوں میں بدلا جا رہا ہے۔گجرات شہر میں ڈسٹرکٹ جیل کی عمارت ڈیڑھ سو سال پرانی ہے۔ جہاں تحریک آزادی کے پروانوں کے ساتھ ساتھ تحریک ختم نبوت' اور آمریت کے باغیوں مسلم لیگی اور کانگریسی رہنماؤں' انقلابیوں اور مخالف دھڑے کے سیاستدانوں کو رکھا جاتا رہا ہے۔

گجرات کی تاریخی یادگاریں

منڈی بہاؤ الدین۔ڈنگہ روڈ پر چیلیانوالہ کے مقام پر 1849 میں انگریزوں اور سکھوں کے معرکے کے دوران مرنے والے انگریزوں اور جوانوں کی یاد میں ایک یادگار تعمیر کی گئی تھی جو قتل گڑھ کے نام سے موسوم ہے۔ مینار کے چاروں طرف اُردو' انگریزی' فارسی اور پنجابی میں مرنے والوں کے کتبے درج ہیں۔

ضلع گجرات کے قصبہ ٹانڈہ میں ایک سکول خالصہ دور کی یادگار ہے' جس کی تعمیر کے لیے سکھ عورتوں نے زیور بیچے اور ماش کی دال پیس کر پلستر کے لیے دی۔ یہاں کی لائبریری میں نادر کتب ہیں۔لڑکوں کا ہاسٹل بھی ہے۔

منگووال سے ایک سڑک دریائے چناب کے کنارے سعداللہ پور تک جاتی ہے۔1849 میں یہاں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان معرکے کی داستان ایک سنگ مرمر کے مینار پر لکھی ملتی ہے۔فوجی افسر 288 کی تعداد میں مرے جبکہ 278 زخمی ہوئے۔آج کل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

گجرات شہر کے اندر قلعے کا ایک دروازہ کابلی گیٹ سے موسوم ہے۔گیٹ تو ٹوٹ پھوٹ چکا ہے لیکن اس کا نام ابھی تک قائم ہے ضلع گجرات کے مغرب میں واقع کنجاہ کے قصبہ میں''بارہ دری'' کے نام سے موسوم ایک عمارت ہے جو دومنزلہ ہے۔یہاں ایک باغ بھی تھا جو 1947 سے قبل بہت پررونق جگہ تھی۔اس کے اندر ایک تالاب اور سرنگ بھی تھی۔

زمیندار کالج اس صدی کی کئی نامی گرامی شخصیات کی مادرِ علمی ہے۔جس کی تعمیر سر فضل علی کی کوششوں سے ممکن ہوئی۔

1864 میں ڈسٹرکٹ بار ایسوی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔اس کی عمارت ضلع کچہری میں واقع ہے۔ہزاروں کی تعداد میں قانون کی کتابیں یہاں موجود ہیں۔

ماڑی کھوکھراں میں ایک ریسٹ ہاؤس ہے جو سو سال قبل تعمیر ہوا تھا۔ یہاں سے دریائے چناب کا نظارہ بھی ہو سکتا ہے۔اس مقام پر بے شمار قبریں بھی ہیں۔

بلدیہ گجرات کے دفتر کے سامنے جناح ٹاؤن ہال نامی ایک عمارت ہے۔ قائداعظم نے 1946 میں کشمیر جاتے ہوئے یہاں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں سے خطاب کیا۔

کچہری چوک کے قریب ہارس شو گراؤنڈ کے قریب خالصہ دور کی ایک بارہ دری موجود ہے۔

رام تلائی روڈ پر ایک نہایت شاندار عمارت جو زمیندارہ بنک کے نام سے جانی جاتی ہے' یہ ایک صدی سے پرانی ہے۔اور اس کا ہال تقریبات کے لیے استعمال

Marfat.com

ہوتا ہے۔

1868 میں کڑیانوالہ کے مقام پر ایک تھانہ تعمیر ہوا۔ اس کی چھت سے کئی میل دور دیکھا جاسکتا ہے۔ گجرات کے دلیر سپوتوں کا تذکرہ ہر دور میں ہوا۔ بہادری اور سرفروشی کے یہ جانباز آج بھی زندہ و جاوید ہیں۔ سکندر سے لے کے انگریزوں تک بہادری کے سلسلے میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ آٹھ میں سے تین نشان حیدر ضلع گجرات کو ملے ہیں۔ اسی سلسلے میں کچہری چوک میں ایک یادگار ''نشان حیدر چوک'' کے نام سے تعمیر ہے۔ اس پر شہداء کے نام اور نشان حیدر کے نشان نصب ہیں۔

سیشن کورٹ پرانی عمارت اس کی اہمیت کی گواہ ہے۔ قلعہ گجرات کی حدود سے باہر ایسٹ سرکلر روڈ پر سٹی پوسٹ آفس کے مقابل ایک بہت قدیم حویلی ہے۔

جی۔ ٹی روڈ کے قریب مغرب میں گجرات کی مسجد عیدگاہ ہے۔ مغلیہ طرز کی اس مسجد میں درمیان میں بڑا گنبد اور اطراف میں دو چھوٹے گنبد شاہی مسجد کی طرح ہیں خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہیں۔

شادی وال کے جنوب میں قلعہ دار نامی قصبہ ہے۔ یہاں کی شاہی مسجد کا سنگ بنیاد شاہ دولہ نے رکھا۔ 1920 میں جب مسجد خستہ حال ہوئی تو اس کی از سر نو اس کی تعمیر ہوئی۔

گجرات کے نواحی قصبہ کنجاہ میں ایک خستہ حال قلعے کے بچے کچھے آثار باقی ہیں۔ یہ سہ منزلہ عمارت ہزار سال پرانی ہے۔

گجرات شہر کے محلہ بکر قصاباں میں ایک قدیم مسجد ' مسجد سرداراں' کے نام سے موسوم ہے۔ قریب ہی ہندوؤں کا ایک مندر ہے' جس کے نشانات مٹتے جارہے ہیں۔

ضلع گجرات کی تحصیل پھالیہ۔ شہر پھالیہ میں پرانی آبادی میں ایک مندر ہنوز موجود ہے' جہاں ایک مہاجر خاندان رہائش پذیر ہے۔ جبکہ لڑکیوں کا مڈل سکول بھی ایک پرانے مندر میں بنایا گیا ہے' جس میں حسب ضرورت تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ اسمارت کے ہال سے کئی داستانیں وابستہ ہیں۔

گجرات کے ایک قصبہ معین الدین پور میں ایک قدیم مندر اور باؤلی کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

گجرات شہر میں فوارہ چوک میں کیدار ناتھ محل ہے جو اب گرلز ڈگری کالج ہے اور اس عمارت کے ساتھ رام پیاری محل ہے جو لڑکیوں کا ہاسٹل ہے۔

منڈی بہاؤالدین روڈ پر مانگٹ کا قصبہ ہے۔ یہاں پر سکھوں کا گردوارہ ہے۔ ایک تالاب بھی ہے اور عمارت میں کئی کمرے اور برآمدے ہیں۔

گجرات شہر کے گلی محلے

پنجاب گزٹ 2006 کے مطابق گجرات کے مشہور گلی محلے کوچوں کے نام عثمان پورہ' رحمان پورہ' چاہ کھولے' مسجد ضیاء اللہ' قاسم پورہ' نور پور پڑھے' جھنگی' عمر آباد' کرشنا گلی' عزیز آباد' گلی بانساں والی' اسلام پورہ' گلی ملک کریم' پکی گلی' ٹانڈہ بلڈنگ' بنگلہ منڈی' فرنیچر مارکیٹ' گرین ٹاؤن' افضل کالونی' مہتاب کالونی' اختر شاہ کالونی' نثار کالونی' کالرہ کلاں' محلہ شاہ حسین' کالرہ خاصہ' چھٹہ کالونی' یونس کالونی' سلطان آباد' محلہ لوکڑی' محلہ ٹاہلی والا' شبنم کالونی' وحید کالونی' کالرہ پنواں' بلدیہ حدود نیو گورالہ' بلدیہ حدود گورالہ' بلدیہ حدود گورالی' بلدیہ حدود درتی' بلدیہ حدود کوٹلی کنڈ' بلدیہ حدود بانٹھ' کالو پورہ' حسین کالونی' رحمت آباد' قدرت آباد' فتو پورہ' چاہ ترنگ' گڑھی احمد آباد' بیگم پورہ' مقبول آباد' محلہ مستریاں' گڑھی شاہدولہ' گڑھی مسلم شیخ' چاہ بیری والا' چاہ کلکتی والا' اچادارا' محلہ علی مسجد' نور پور شرقی' مسجد روٹی والی' مسلم گنج' باغ باوا' غازی کھوکھر' رحمت آباد' بولے النبی کالونی' کشمیر پورہ' شہزاد کالونی' سیال کالونی' کوچہ ڈاکٹر امام دین' بارہ دری' مسلم آباد (اقبال چوک)' مسلم آباد (حمیدہ بیگم ٹرسٹ)' غریب پورہ' محمد پورہ' کریم پورہ' کامل پورہ' حسین پورہ' نظام پورہ آرائیاں' مشن احاطہ' سادات کالونی' سیال کالونی' دربار سائیں کرم الٰہی' چک مہمندا' مرغزار کالونی' نیو مرغزار کالونی' انجم کالونی' محلہ نہر' محلہ چٹی خانگاہ' شفیق کالونی' نثار کالونی' خورشید کالونی' مدینہ' سلطان پورہ (ڈگری کالج)' لالہ زار کالونی' اسلام نگر' سائیں بشیر ٹاؤن' محلہ ضیاء اسلام' ندیم کالونی' کمیٹی لیٹ سیٹلائٹ ٹاؤن' مغل کالونی' بسم اللہ چوک' گلشن کالونی' بلال سٹریٹ' روزی ہسپتال' مولا داد کالونی' چاہ مغلاں' کوٹ عمر بخش' ہمایوں سٹریٹ' چاہ بڈھے والا' فیصل ٹاؤن' محلہ اکرم علی خاں' جناح کالونی' چاہ بوڑا' شالیمار ٹاؤن' محلہ علی' محلہ گرجہ گھر' جناح روڈ' زیب کالونی' ڈنڈے مار' محلہ کیمبرج سکول' شادمان کالونی' عامر کالونی' ڈھول کلاں' بغداد کالونی' محلہ ناظم آباد' پھلر وان' ادھوان کلاں' محلہ سائیں راجہ رحمانیاں' گلبرگ کالونی' عامر کالونی' سلیم کالونی' جلال چیمہ کالونی' اللہ لوک کالونی' چاہ جٹاں' شفیع آباد' طارق آباد' شاہ حسین' رنگ پورہ ٹبہ' رنگ پورہ سرگودھا روڈ' فیض آباد' چاہ مہر ثالث' فیصل پور' عیدگاہ' سلطان پور' عیدگاہ' چاہ گھنٹیا والا' کالونی سروس فیکٹری' جٹو کل' عادووال' ٹبی گوریاں' ٹبی مرلاں' فیروز آباد' کمیٹی مراڑیاں' دسوندھی پورہ' قطب آباد' ظفر کالونی' امین آباد' مسلم پورہ' میانہ پورہ' گوندل پورہ' حیات پورہ' ٹاہلی پورہ' سردار پورہ' خالد آباد' نعمت پورہ' کمیٹی محلہ جمنا' غازی آباد' گلی سرسید کالج' گلی مندر والی' بخشو پورہ' حیات النبی' اعوان کالونی' چاہ پیپل والا' ڈپٹی یار محمد' کوچہ بندی' کرم علیشاہ' چوک مانا' دربار شاہ پھول ولی' اندرون شاہ فیصل گیٹ' بیرون شاہ فیصل

Marfat.com

گیٹ' گلی قریشیاں' گلی کاکے والی' مسجد کھجور والی' محلہ جاوید شہید' چھٹی بادشاہی' محلہ جنڈی' اندرون کابلی گیٹ' بیرون کابلی گیٹ' دارابلو چاں' محلہ قانوں گواں' گلی لاہوریاں' چاہ بھینڈر' محلہ داروگراں' گلی سیالاں' کوچہ ڈاکٹر قمر دین' محلہ سبزی منڈی' کھاری کھوہی' محلہ چابک سوراں' محلہ قصاباں' مقبرہ پانڈی شاہ' اندرون کانیاں والی' بیرون کانیاں والی' قلعہ شمالی' مشن ہائی سکول' قلعہ جنوبی' محلہ گوجراں' محلہ گاڑی باناں' محلہ خواجگان' غازی پورہ' کٹیہڑہ شالبافاں' کٹڑہ حکیماں' جناح سٹریٹ' احمد سٹریٹ' سردار سٹریٹ' حسین ٹاون' مسلم ٹاون (النبی کالونی) شہزاد ٹاون' سرگودھا روڈ' ریلوے روڈ' پرانا روڈ' نیا اڈا جی ٹی ایس چوک' محلہ عیدگاہ وغیرہ۔

گجرات قلعہ

(تحریر: محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ)

گجرات کے قلعہ کے ساتھ کئی داستانیں وابستہ ہیں۔ مغل حکمران کابل اور کشمیر جاتے ہوئے گجرات کے قلعہ پر قیام کرتے تھے۔ گجرات کا قلعہ اکبر بادشاہ کے عہد میں تعمیر ہو کر قلعہ کے اندر پانی کی سپلائی کے لیے باولی (کنواں) بھی تعمیر ہوا۔ اس باولی کا پانی اتنا ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا مغل بادشاہ اور امراء دوران سفر گجرات کا پانی ہمراہ لے جاتے قلعہ اور باولی کے ساتھ اکبر بادشاہ کے دور میں اکبری حمام میں تعمیر اکبر بادشاہ کے معالج حکیم فیض طالب کے مشورہ پر تعمیر کردہ اکبر حمام دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اندرون بیرون سیاح اس حمام کو دیکھنے آتے ہیں۔ گجرات کا پرانا شہر قلعہ بند شہر تھا شہر میں داخل ہونے کے لیے چار دروازے شیشیانوالہ دروازہ' شاہدولی دروازہ' کالری دروازہ اور کابلی دروازہ تھے اور شاہدولہ گیٹ حضرت شاہدولہ سرکار کے مزار کی طرف کابلی گیٹ کابل کی سمت جبکہ کالری دروازہ کالرہ کی سمت میں ہے۔ سوائے شاہدولہ گیٹ کے باقی تینوں دروازوں کے نشان مٹ چکے ہیں شادولہ گیٹ حضرت شاہدولہ سرکار کے مزار کے بالکل قریب ہے۔ ان دروازوں کے قریب عوام کی حفاظت کے لیے پولیس کی چوکیاں قائم ہیں ان کے نام چوکی پولیس کابلی گیٹ' چوکی پولیس خواجگان کو اب تھانہ بی ڈویژن کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ قلعہ کے بارہ برج ہیں جن میں چند برج درست حالت میں ہیں ان برجوں کے ساتھ اللہ کے نیک بندوں کے مزار ہیں۔ اکبری حمام کے ساتھ بلند و بالا برج کی بنیادوں کا گھیر تقریباً پانچ سو فٹ ہے۔ برج سرخ مٹی چونا گچ سے پلستر کیا گیا ہے اس وقت جو برج صحیح حالت میں ہے وہاں مالکان رہائش پذیر ہیں۔ سرگرمیوں میں کمرے ٹھنڈے ہوتے ہیں قلعہ کی گلیاں تنگ بنائی گئی ہیں تاکہ ان گلیوں سے حملہ آوروں کے ہاتھ' گھوڑے نہ گزر سکیں۔ قلعہ کے عین وسط میں باولی کنواں تھا جس کی سینکڑوں سیڑھیاں اور پلیٹ فارم تھے ان سیڑھیوں کے ذریعے پانی باہر لایا جاتا تھا قیام پاکستان کے بعد چرخیوں کے ذریعے پانی حاصل کیا جاتا تا اب باولی کے آثار ختم ہو چکے ہیں باولی کے قریب ہندوؤں کا مندر بھی تھا قلعہ کے اندر سکھ دور کی مشہور عمارت جو چھٹی بادشاہی کے نام سے مشہور ہے اس عمارت کے اندر کنواں اور سکھوں کی عبادت گاہ تھی تمام تعمیرات چھوٹی اینٹوں سے کی گئی۔ چھٹی بادشاہی میں زیر زمین سرنگ بیان کی جاتی ہے۔ چھٹی بادشاہی کے گیٹ کے سامنے حضرت پیر معصوم شاہ کا مزار ہے۔ جہاں کہیں بھی غیر مسلموں کی عبادت گاہیں ہیں وہاں اللہ کے نیک بندوں نے رشد و ہدایت کے لیے ڈیرے جما لیے۔ قلعہ کے اندر کھجور والی مسجد' باری والی مسجد' مسجد لوہاراں کے علاوہ کئی مساجد قدیمی ہیں۔ کوچہ تیرگراں' داروں گران کڑی کتاں فیل بافاں' محلہ لوہاراں چابکسواراں محلوں کے پرانے نام ہیں۔ کابلی گیٹ جس کو ہاتھی گیٹ بھی کہتے ہیں بادشاہوں کی سواری اس گیٹ سے گزرتی تھی افواج اور حفاظتی عملہ کا پڑاؤ دارا بلوچوں میں ہوتا تھا کابلی گیٹ کے اندر داخل ہوں تو چڑھائی شروع ہونے سے پہلے دائیں ہاتھ پر ایک بورڈ آویزاں ہے اب حمام گرم ہے۔ بورڈ پر مالک حمام سرکار حسین بخش سائیں رحیم بخش خادم بوعلی شاہ ملک فضل حسین' ملک کرم حسین نائب تحصیلدار' ملک احمد حسین کے نام درج ہیں۔ حمام کے اندر جن بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے ان امراض کا نام گھنٹیا' جھولا' لقوہ' سوتک کی ہوا' فالج' تشنج' تمد' عرق النساء یعنی ایک ٹانگ کا درد' رنج' ریشہ ادھرنگ بھی بورڈ پر درج ہے اس وقت حمام کا نظام ملک احسن چلا رہے ہیں۔ ان کی عمر اس وقت ۷۰ سال کے لگ بھگ ہے۔ اکبر بادشاہ کے دور سے ہی شاہی طبیب کی اولاد سے ہیں جو نسل در نسل مخلوق خدا کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں ان کے پاس انتہائی شفا بخش نسخہ جات ہیں جس سے مریضوں کو اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا ہے۔ ملک احمد حسین جو معالج بھی ہیں اکبر حمام کا پس منظر بیان کیا کہ مغل شہنشاہ اکبر اعظم نے گجرات کے قلعے پر قیام کیا۔ اکبر بادشاہ کی بیوی یا بیٹی جڑ گئی یعنی چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی۔ حکیم فیض طالب کا اس زمانہ میں بڑا چرچہ تھا۔ دور دور سے لوگ ان سے علاج معالجہ کے لیے آتے تھے اکبر بادشاہ نے اپنے شاہی حکیموں طبیبوں سے علاج کروایا۔ لیکن بیگم صحت یاب نہ ہو سکیں اکبر بادشاہ کو معلوم ہوا حکیم فیض طالب کا گجرات میں بڑا چرچا اور وہ نامی گرامی حکیم ہیں۔ گرد و نواح اور دور دراز کے مریض ان سے شفا پا رہے ہیں حکیم فیض طالب کو اکبر بادشاہ نے بیگم کی مرض کی کیفیت بیان کی۔ حکیم فیض طالب نے بیگم کو حمام کروانے قیمتی نسخہ جاتے سے مالش کروانے کا مشورہ دیا۔ حکیم فیض طالب کا نسخہ کارگر ثابت ہوا اور بیگم صحت یاب ہو گئی مریض کو حمام کروانے سے بھاپ کے ذریعے جسم کے متاثرہ حصہ کو بہت پسینہ آیا پسینہ کے ذریعے فاسد مادے خارج

Marfat.com

ہو گئے اور دوران خون بحال ہونے سے مریض صحت یاب ہو گیا ملک احمد حسین نے بتایا کہ حمام دسمبر جنوری کے مہینوں میں گرم رہتا ہے ان دنوں جو مریض حمام میں داخل ہوتے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اکبری حمام کے جنوب کی طرف کنواں تھا جس کا پانی حمام میں استعمال ہوتا تھا اب یہ کنواں بند ہو گیا ہے اب انجیکٹر کے ذریعے پانی حاصل ہوتا ہے جو ہودی میں ڈال کر دیگ تک پہنچایا جاتا ہے تازہ ہوا کے لیے ہودی کے پاس ایک کھڑکی ہے جس کی بارہ سلاخیں ہیں دھواں کے نکاس کے لیے چمنیاں ہیں جو لوہے کی موٹی چادر سے بنائی گئی ہیں حمام کو گرم کرنے اور پسینہ دینے والے کمرے نیچے دس بارہ فٹ لمبا چولہا ہے کمرے کو گرم رکھنے کے لیے زیر زمین دائیں بائیں نالیاں ہیں جن کے ذریعے کمرہ کا فرش اتنا گرم ہو جاتا ہے پاؤں کے نیچے لکڑی رکھنی پڑتی۔ دیگ کے نیچے آگ جلانے کے لیے چھوٹا سا کمرہ ہے جس کے ذریعے دیگ کے نیچے لکڑیاں جلائی جاتی ہیں۔ دیگ ایک چھوٹی سی سرنگ میں نصب ہے۔ دیگ کا منہ پسینہ لینے والے کمرہ میں کھلتا ہے آخری کمرہ میں دیگ کے منہ کے اوپر ایک دہانہ ہے جب کمرہ گرم ہو جاتا ہے دیگ سے بھاپ نکلنی شروع ہو جاتی ہے۔ تو مریض کو دہانہ کے قریب بٹھا کر اس کی ٹانگیں اور جسم کا متاثرہ حصہ دیگر کے اوپر کر دیا جاتا ہے۔ دیگ کے منہ کے اوپر لکڑی کے جنگلے پر پاؤں رکھ دیئے جاتے ہیں دہانہ کے منہ پر چادر ڈال کر مریض کے ہر حصہ سے پسینہ کے فوارے چھوٹے پڑتے ہیں۔ پسینہ کے ساتھ ہی جسم کے متاثرہ حصہ سے فاسد مادے خارج ہو جاتے اور بھاپ پسینے کے بعد اگلا مرحلہ مالش کا ہوتا ہے محمد جمیل جو ایک ماہر مالشی ہے مختلف تین جن میں دوائیوں کی آمیزش ہوتی ہے جسم پر تیل کی مالش کرتا ہے مالش کے بعد حمام کے اندر گرم پانی سے غسل کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے بھاپ مالش غسل کے بعد انسان اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرتا ہے جیسے وہ بالکل صحت منداور تندرست ہو چکا ہے عورتوں کے علاج معالجہ مالش کے لیے محمد جمیل کی بیوی یہ فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ عورتوں کے علاج کے دوران حمام میں مردوں کا داخلہ بند ہوتا ہے حمام کے چار کمرے میں پہلے کمرہ کم گرم دوسرا قدرے زیادہ تیسرا کمرہ دوسرے سے زیادہ گرم چوتھا اور آخری کمرہ بہت ہی گرم جہاں بھاپ بادلوں کی طرح گھومتی ہے حمام کے چاروں کمرے چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے ہیں مغلیہ طرز تعمیر چہروں طرف ڈاٹیں ہیں آخری دو کمروں کی چھتیں گنبد نما میں اُن کے اوپر روشنی کے لیے شیشے نصب حمام کا پانی صدیوں سے زیر زمین غرق ہو جاتا ہے اس بات کا آج تک پتہ نہیں چل سکا یہ گندہ پانی کہاں جاتا ہے دیگ مختلف دھاتوں کی آمیزش سے تیار کی گئی ہے جس کا وزن تین من کے قریب ہے اس دیگ میں ۴۹ ٹنڈ پانی سما سکتا ہے ٹنڈ باور چیوں کا ایک پیمانہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ دیگ میں پانی ڈالتے ہیں ایک ٹنڈ میں تین چار لیٹر پانی آ سکتا ہے جمیل حسین نے حمام کی خوبیاں

بیان کرتے ہوئے بتایا وہ عرصہ چار سال سے یہاں خدمات انجام دے رہے ہیں نے بتایا حمام گرم کرنے کے لیے ایک من لکڑی درکار ہوتی ہے دیگ تقریباً دواڑھائی فٹ گہری ہے اکبری حمام اتنا ساؤنڈ پروف ہے کہ باہر کی کسی قسم کی آواز حمام کے اندر سنائی نہیں دیتی۔ ملک احمد حسین جو شاہی حکیم فیض طالب کی پشت سے ہیں اور پشت در پشت مریضوں کو علاج معالجہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ اتنی شفا رکھی ہے آج تک سینکڑوں ہزاروں مریض صحت یاب ہو چکے ہیں برائے نام فیس رکھی ہے ان کی نیک حق حلال کمائی سے اللہ تعالیٰ نے انھیں حاجی اختر حسین جیسا نیک صالح نمازی پرہیزگار رحم دل بیٹا عطا کیا ہے جو پانچ وقت کے نمازی اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر چکے۔ ان کا کاروباران کے بیٹے شریف النفس شجاع حسین مون جو باشرح سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل پیروی کر رہے ہیں وہ بھی نمازی پرہیزگار اچھے اخلاق بہترین کردار کے مالک ہیں ملک احمد حسین نے نسل در نسل منتقل ہونے والے نسخہ جات آپ حاجی اختر حسین کے سپرد کر دیئے ہیں۔ حاجی اختر حسین اکبری حمام کے امور کی دیکھ بھال نگرانی کرتے ہیں۔ اکبر حمام قلعہ گجرات کے دروازہ کابلی گیٹ کے اندر ہے اکبری حمام کے بارے ایک بات مشہور ہے کہ یہ حمام ایک دیا سے گرم رہتا تھا۔ انگریزوں کے دور میں جب انگریزوں نے دیا دیکھنے کے لیے توڑ پھوڑ کی دوران تحقیق کی تو دیا بجھ گیا جو دوبارہ روشن نہ ہو سکا۔

گرداں والا

اس گاؤں کو قوم چیچی سے تعلق رکھنے والے گورن نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا جس کا آبائی علاقہ پاک پتن تھا۔ آبادکاری سے قبل یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان پر مشتمل تھا جس کو حاکم وقت سے نذرانہ کے عرض اور اس کی اجازت سے آباد کیا گیا۔ بعد ازاں یہ گاؤں کسی ناگہانی آفت کی وجہ سے اجڑ گیا۔ اس گاؤں کی کھدائی سے غزنوی دور کے سکے ملے ہیں۔ ڈنگہ کے قریب واقع یہ گاؤں اپنے مورث کے نام کی مناسبت سے گردناں والا مشہور ہوا۔

گل

گجرات کے اس گاؤں کو رائے پورب سورج بنسی نسل نے آباد کیا۔ اس نسل کا گل نامی مورث لکھی جنگل سے امرتسر آیا۔ اور وہاں سے اس کی اولاد ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئی۔ وہاں سے یہ ضلع گجرات آئے اور یہاں اپنے مورث اعلیٰ

Marfat.com

کے نام گل سے یہ گاؤں آباد کیا۔

گندرہ

گجرات کا گاؤں گندرہ بھی گوجر قوم کی گوت کٹھانہ نے آباد کیا سرکاری ریکارڈ کے مطابق 1598ء میں موضع مکیانہ سے تعلق رکھنے والے ''گندرہ'' نامی کھٹانہ مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے یہ گاؤں آباد کیا۔قبل ازیں یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان پر مشتمل رقبہ تھا۔اس گاؤں کو مورث اعلیٰ بانی نے اپنے نام سے منسوب کیا اور یہ گاؤں گندرہ کے نام سے ہی معروف ہوا۔اس گاؤں کو آباد رکھنے کے لیے گندرہ نے کئی دوسری قوموں کے لوگ بھی آباد کیے۔

گوبند پورہ

گجرات کا یہ تاریخی گاؤں راجپوت قوم کی گوت چوہان سے تعلق رکھنے والے ایک سکھ ''جوت'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا اور حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیے گئے اس گاؤں کا نام سکھوں کے دسویں گرو سے منسوب کرتے ہوئے گوبند پورہ رکھا۔سکھوں کے دسویں گرو کا نام گرو گوبند ہے یہ گاؤں اسی نام سے مشہور ہوا۔آباد کاری کے بعد ایک بار گاؤں دریا برد ہوا اور مکین گرد و نواح کے علاقوں میں منتقل ہو گئے بعد ازاں اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا گیا اور اس کا پرانا نام گوبند پورہ ہی برقرار رکھا گیا۔

گوجر پور

گجرات کے اس قدیم قصبہ کی بنیاد جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''گوجر'' نامی مورث اعلیٰ نے رکھی جو موضع سوک سے یہاں منتقل ہوا اور حاکم وقت کی اجازت سے اس گاؤں کو آباد کیا۔اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ نے خود سے منسوب کرتے ہوئے ''گوجر پور'' رکھا یہ گاؤں ایک مدت تک آباد رہا بعد ازاں قحط سالی کے باعث اس گاؤں کو بھی گجرات کے کئی دوسرے پرانے دیہات کے طرح ویرانی سے دوچار ہونا پڑا۔اس گاؤں کی آبادی گوجرنوالہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں جا بسی تین چار سال تک یہ گاؤں بے آباد اور ویران رہا پھر'' سردار بھاگ سنگھ'' نے پہلی جگہ پر ہی گاؤں کو دوبارہ آباد کیا۔اور اس کے پرانے مورث اعلیٰ کے دیے گئے نام ''گوجر پور'' کو برقرار رکھا۔

گوچھ

یہ گاؤں مہاراجہ سمرال کے ایک گوجھ نامی ملازم نے آباد کیا جو ملغور سے گجرات میں آ کر آباد ہوا تھا۔آباد کاری کے بعد اسی کے نام سے مشہور ہوا۔

گورالی

گجرات کا گاؤں ''گورالی'' دریائے چناب کے کنارے آباد ہے اور زمانہ قدیم سے ہی یہ چناب کی طغیانی لہروں کی زد میں رہا جس کے باعث اس گاؤں کا قدیم قبرستان بھی دریا کی طغیانی سے اپنا نشان کھو بیٹھا۔اس گاؤں میں مغل شہزادوں کی پانچ قدیم قبریں ہیں جو زیر زمین ہیں اور بر زمین بھی ان قبروں کے نشان بنائے گئے ہیں جو عرف عام میں ''بھورا پیر'' کے نام سے مشہور ہیں۔اس گاؤں کے نام گورالی کی مختلف وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہیں ایک وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہاں کسی زمانے میں بہت بڑا قبرستان ہوا کرتا تھا جس کے آثار سیلاب اور دریائے چناب کی طغیانی کی وجہ سے مٹ گئے۔ چونکہ ''گور'' قبر کو کہتے ہیں اس لیے اتنے بڑے قبرستان کی مناسبت سے گاؤں کا نام ''گورالی'' مشہور ہوا۔ایک اور روایت کے مطابق اس گاؤں کے قریب ایک اور گاؤں ''گورالہ'' کے نام سے آباد ہے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ گاؤں اس کے مورث گورالہ اور اسکی بہن گورالی کے نے نام پر آباد کیے گئے ہوں تاہم یہ گاؤں ''گورالی'' جی ٹی روڈ پر گاؤں کھٹالہ کے قریب ہی قائم ہے۔

گورائیہ

گجرات کے اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت گورائیہ کے مورث اعلیٰ نے موضع لوڑ سیالکوٹ سے آ کر آباد کیا قبل ازیں یہ قطعہ جنگل پر مشتمل ویران علاقہ تھا۔روایت ہے کہ گورائیہ مورث اعلیٰ ''باس'' نامی سردار نے اپنی گوت کے نام پر اس گاؤں کو موسوم کیا۔

گھرال

گجرات کا یہ قدیم گاؤں اعوان شریف روڈ پر واقع ہے جس کو گوجر قوم کی گوت بانیاں کے ''گھرال'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔اس گاؤں کا قدیم نام ''باغانوالہ'' تھا گھرال گاؤں کے قریب تباہ شدہ بستی کے آثار بھی موجود ہیں جہاں سے عہد رفتہ کے سکوں کے علاوہ مٹی کے برتن اور اینٹیں بھی ملی ہیں۔اس گاؤں

Marfat.com

میں گھرال کی بائیسویں پشت اب آباد ہے اور علاقہ میں سیاسی حوالے سے مضبوط حیثیت کی حامل ہے۔

گھریہ

گجرات کا یہ گاؤں موضع چھدووال کے مورث اعلیٰ ''دولت خان'' نے آباد کیا قبل ازیں یہ رقبہ ایک ویرانہ تھا یہ گاؤں اپنی پہلی آبادکاری کے بعد لٹیروں کا نشانہ بنا اور ویران ہو گیا، گاؤں کے مکین دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ 1906ء میں یہ گاؤں دوبارہ آباد ہوا اور مورث اعلیٰ دولت خان نے گاؤں کا نام اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے دوادوہ رکھا مگر بعدازاں یہ گاؤں ''گھریہ'' کے نام سے معروف ہوا۔

گھمن

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو جٹ قوم کی گوت گھمن سے تعلق رکھنے والے ایک ''میاں'' نامی مورث اعلیٰ نے موضع ہنجرا سے آ کر آباد کیا۔ میاں نامی مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کا نام اپنی گوت سے منسوب کرتے ہوئے ''گھمن'' رکھا۔ یہ گاؤں ایک مدت تک آباد رہا مگر سکھوں کے عہد حکمرانی میں سردار صاحب سنگھ کے دور میں سکھا شاہی مظالم کے نتیجہ میں یہ گاؤں ویران ہو گیا اور گاؤں کی آبادی نواحی علاقوں میں منتقل ہو گئی۔ بعدازاں یہ گاؤں سکھ حاکموں نے ایک سکھ کو بطور جاگیر عطا کر دیا۔

گیگیاں

گجرات میں آباد موضع گیگیاں کو گوجروں کی گوت کھٹانہ کی شاخ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ گجرات میں گیگیاں نام سے دو گاؤں آباد ہیں ایک گاؤں بڑیلہ شریف کے قریب اور دوسرا گاؤں جمال پور سیداں کے قریب آباد ہے۔ شاہان گوجر کے مطابق گیگی کھٹانوں کی ایک گوت ہے۔

لادیاں

تحصیل کھاریاں کا یہ گاؤں میجر راجہ عزیز بھٹی کی وجہ سے مشہور ہے۔ 1857 کے بندوبست کے مطابق 1557 میں محمد قوم گوجر گوٹ لادی نے لدھیانہ سے آ کر آبادی کی۔ تو لادی سے لادیاں وجود میں آیا۔ 1998 کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی 1510 افراد پر مشتمل ہے۔ جس میں 735 مرد اور 775 خواتین ہیں۔ شرح خواندگی 70.9 فیصد ہے۔ 389 ایکڑ کا یہ گاؤں 236 گھروں پر مشتمل ہے جن میں 233 گھروں کو بجلی دستیاب ہے۔

لال واڑی

گجرات کا قدیم لال واڑی گاؤں معین الدین کے قریب واقع ہے۔ اس گاؤں کو جٹ قوم کی گوت سیال کے ایک لال علیخان نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل یہ قطع اراضی بیابان جنگل ہی تھا۔ اس گاؤں کا نام اپنے بانی مورث اعلیٰ ''لال خان'' کی مناسبت سے لال واڑی رکھا گیا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

لدھا

گجرات کا گاؤں لدھا کی تاریخ میں آباد اور ویران ہوتا رہا تاہم ''رنجیت سنگھ'' کے دور میں از سر نو آباد ہونے کے بعد سے اب تک قائم ہے۔ جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے مورث ''لدھا'' نے ''سدا'' سے رقبہ الگ کر کے اس گاؤں کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ گاؤں بے آباد ہو گیا دوبارہ آباد ہوا مگر اس بار قحط سالی نے اجاڑ دیا اور اس کی آبادی ملحقہ گاؤں سدا میں جا بسی مگر اپنی اراضی کاشت کرتی رہی۔ رنجیت سنگھ کے دور میں ایک بار پھر اس گاؤں کی آبادکاری ہوئی اور گاؤں کا سابقہ نام ''لدھا'' برقرار رکھا گیا تاہم عرف عام میں یہ گاؤں ''لداسدا'' کے نام سے بھی معروف ہے۔

لکھنوال

گجرات کا اہم قدیم موضع لکھنوال جلالپور جٹاں سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے ہر شمال کی سمت واقع ہے۔ اصل لکھنوال گاؤں کے کھنڈرات موضع کی مشرق میں تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر موجود ہیں جو ایک چالیس فٹ بلند اور ایک سو بیس ایکڑ اراضی پر پھیلے ٹبہ کی صورت میں ہیں۔ اس ٹبہ کی کھدائی کے دوران پرانے برتن اور سکے برآمد ہوتے رہتے ہیں یہی ٹبہ اصل لکھنوال تھا۔ ٹہ کا پہلا نام کا تاریخی دستاویزات میں ذکر نہیں ملتا البتہ شیر شاہ سوری کے زمانے میں اس گاؤں تباہی آئی جس کے بعد گاؤں کے باسی اردگرد کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے موجود نیا گاؤں لکھنوال بھی ایک نسبتاً اونچے ٹبہ پر واقع ہے جہاں کھدائی پر راکھ برآمد ہوتی ہے اور غالب امکان ہے کہ اس جگہ پر موجود پرانی بستی کو نذر آتش کیا گیا تھا۔ جٹ قوم کے

Marfat.com

مورث اعلیٰ لکھن یا لکھو جٹ کے بڑے بیٹے نے اپنے باپ کے بسائے ہوئے لکھنوال سے چار فرلانگ کے فاصلے پر نئی بستی بسائی۔ جس کا نام اس نے پانے بات اور بڑا بیٹا ہونے کی رعایت سے ''لکھنوال کلاں'' رکھا۔

لکھنوالہ خاص

گجرات کا ایک بار اجڑ کا دوبارہ آباد ہونے والا گاؤں ''لکھنوالہ خاص'' جٹ قوم کی گوت وڑائچ کے ایک لکھن نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ لکھن کا تعلق کنجاہ سے تھا اور اس نے حاکم وقت کو نذرانہ دے کر اس گاؤں کے لیے قطعہ اراضی اور آباد کاری کی اجازت حاصل کی تھی۔ آباد کاری سے قبل یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان تھا۔ گاؤں آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد قحط سالی کے باعث یہ گاؤں ویران ہو گیا اور آبادی نواحی علاقوں میں منتقل ہو گئی۔ بعد ازاں اس گاؤں کو موضع کوٹلی منہاس سے تعلق رکھنے والے ''رابن آرائیں'' نے بطور مالک اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا۔ یہ گاؤں اپنے بانی مورث اعلیٰ کے نام کی مناسبت سے ''لکھنوالہ خاص'' کے نام سے معروف ہوا۔

لکھنوال خاص پنڈ دری

لکھنوال کے نواح میں آبی گذرگاہ کے قریب پنڈ دری نام کی بستی کے نشان موجود ہیں۔ اس بستی کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ''لکھن'' نامی مورث اعلیٰ نے کنجاہ سے آکر جنگل کے ویرانے میں اپنے نام سے گاؤں آباد کیا جس کا نام ''لکھن وال کلا'' رکھا۔ گجرات کے اس علاقے میں لکھن وال کلاں کے علاوہ ''لکھن وال خورد'' کے نام سے دو دیہات موجود ہیں۔

لالوکی (لعلوکی)

گجرات کا یہ قدیم گاؤں جٹ قوم سے تعلق رکھنے والے ''لعلو'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ لعلو دکن کا رہنے والا تھا جس نے حاکم وقت کی اجازت سے اس جنگل بیابان قطعہ اراضی کو آباد کیا۔ لعلو کی چار پشتیں اس گاؤں میں آباد رہیں بعد ازاں یہ گاؤں دریا برد ہو گیا اس کو دوبارہ آباد کیا گیا اور مورث اعلیٰ کے نام پر یہ گاؤں ''لعلوکی'' مشہور ہوا۔ یہ گاؤں دوبارہ دریا کی طغیانی کے باعث برباد ہو چکا ہے۔

لالہ موسیٰ

ضلع گجرات کا معروف ریلوے جنکشن اور نو آبادیاتی دور کی ایک چھوٹی سی منڈی کے طور پر ابھرنے والا قصبہ لالہ موسیٰ بقول ریاض مفتی بوجوہ تاریخی حیثیت اختیار نہ کر سکا۔ سیالکوٹ سے آنے والے دو ارائیں بھائیوں لالہ اور موسیٰ کی آباد کردہ یہ بستی بیسویں صدی کے اوائل میں نمایاں ہونی شروع ہوئی۔ اس سے قبل گنیش داس بڈیہرا' بوٹے شاہ' پنڈت دیبی پرساد اور مفتی غلام سرور قریشی لاہور جیسے مورخینِ گجرات و پنجاب نے گرینڈ ٹرنک روڈ پر واقع اس اہم آبادی کو نظر انداز کیا۔ عہد حاضر کے ایک اہم گجرات شناس اسحاق آشفتہ نے 1914 کی تحصیل کھاریاں کی سیٹلمنٹ رپورٹ کے مصنف ولیم سن کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''تحصیل کھاریاں میں مارکیٹیں بہت کم ہیں۔ ایک چھوٹی سی مارکیٹ لالہ موسیٰ اور دوسری چھوٹی مارکیٹ ڈنگہ ہے' جسے حال ہی میں قصباتی حیثیت ملی ہے۔'' اسی رپورٹ میں 13-1911 کے دوران لالہ موسیٰ سے برآمد کی جانے والی اجناس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مارکیٹ چھوٹی سی ہرگز نہیں تھی۔

اسحاق آشفتہ نے 1857 کے بندوبستی شجرہ کا حوالہ بھی نقل کیا ہے۔ جس کے مطابق ''عرصہ دس پشت کا گزرا مسمیان لالہ اور موسیٰ برادران حقیقی (قوم ارائیں گوت جنالہ) نے طرف سیالکوٹ سے بتقریب نامعلوم آکر اس جنگل ویرانہ کو باجازت حاکم وقت بلا ادائی نذرانہ آباد کر کے سکونت اختیار کی۔ تین پشت تک گاؤں آباد رہا۔ 1840 بکری کے قحط میں گاؤں ویران ہوا۔ دو پشت تک ویران رہا۔ پھر ساتویں پشت میں اصالت اور دلیل اولاد مورث نے چکوڑی شیر غازی' موضع شادیوال سے اٹھ کر بامداد صوبا سنگھ کاردار مہاراجہ رنجیت سنگھ آباد کیا۔ دو تین برس آباد رہا۔ پھر حاکم کے ظلم کی وجہ سے برباد ہو کر اصالت چکوڑی شیر غازی دو لیل شادیوال میں جابسا' سولہ برس پیشتر کرم بخش جواہر' امام بخش وغیرہ نے چکوڑی شیر غازی سے اٹھ کر آباد کیا۔ اب تک آباد چلا آتا ہے۔''

بیسویں صدی میں لالہ موسیٰ نے ترقی تو کی لیکن اس کی رفتار بے حد سست تھی سیاست صحافت' صنعت و حرفت ادب و فن غرضیکہ ہر میدان میں اہم واقعات اور ناموں کا اضافہ ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد نارتھ ویسٹرن ریلوے کے اس اہم جنکشن نے اپنی پہچان بنانا شروع کی۔ سیاست میں ایک چھوٹے سے گاؤں کائرہ کے ایک خاندان نے اپنا مقام پیدا کیا تو کاوش بٹ ادب و شعر کے حوالے سے لالہ موسیٰ کی پہچان بن گئے۔ گرینڈ ٹرنک روڈ پر واقع یہ قصبہ آج سیاسی' سماجی' معاشی' تہذیبی اور تعلیمی اعتبار سے قابل توجہ مرکز ہے۔ 1998 کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق

Marfat.com

لالہ موسیٰ کی آبادی (بشمول دیہی و شہری) 137324 ہے جس میں خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ مرد آبادی 67922 اور خواتین کی آبادی 69402 ہے۔ لالہ موسیٰ کی شرح خواندگی 57.6 ہے۔ پرائمری پاس اور میٹرک سے نیچے خواندہ افراد میں مرد 19579 اور خواتین 14052 ہیں۔ اسی طرح میٹرک سے اوپر خواندہ مرد 6110 اور خواندہ خواتین 3365 ہیں۔

آبادی میں غیر مسلموں کی تعداد صرف 1605 ہے۔ لالہ موسیٰ قانون گو حلقہ میں کل مکان 20938 شمار کیے گئے ہیں جن میں 19435 پختہ 419 نیم پختہ اور 1084 کچے مکانات ہیں۔ 19483 گھروں کو بجلی کی سہولت حاصل ہے۔

لکھن والا

گجرات کا یہ قدیمی گاؤں خاص شمال کی سمت واقع ہے اس گاؤں کو مورث اعلیٰ ''آدم'' نے اپنے دادا لکھن وال خاص سے علیحدہ ہو کر آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام اپنے دادا سے منسوب کرتے ہوئے لکھن وال رکھا یہ گاؤں لکھن وال کے نام سے ہی مشہور و آباد ہوا۔ اس گاؤں میں ''حضرت برہان الدین'' کا مزار ہے جو ''بہاؤ الدین زکریا ملتانی'' کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔

لنگڑیال

یہ گاؤں تحصیل کھاریاں میں کوٹلہ ارب علی خان کے قریب واقع ہے۔ یہ قدیم گاؤں بابر بادشاہ کے دور میں آباد ہوا۔ اس کا مورث اعلیٰ رتن بھولا نامی شخص بتایا جاتا ہے جس نے شہنشاہ بابر کے عہد میں اسے آباد کیا۔ یہ گاؤں لنگڑیال کے نام سے مشہور ہوا۔

لوہاراں

گجرات میں جٹ اور گوجروں کے علاوہ لوہار قوم کی گوت لوہاراں نے بھی گاؤں بسایا۔ لوہاراں گوت کے ''سمن'' نامی مورث اعلیٰ نے تحصیل شاہ پور سے ہجرت کی اور حاکم وقت کی اجازت سے جنگل ویرانے میں گاؤں آباد کیا۔ یہ گاؤں وقت کے ساتھ ساتھ پھلتا پھولتا رہا ''سمن لوہار'' کے گاؤں بسانے کے دو پشتوں بعد موضع حافظ حیات کا مورث اعلیٰ ''عمر'' بھی یہاں اسی گاؤں میں آ کر آباد ہو گیا جس کے بعد اس گاؤں کی آبادی میں دو چند اضافہ ہو گیا۔ یہ گاؤں کبھی بھی ویران نہیں ہوا نہ کسی ناگہانی اُفتاد کے باعث آبادی کو یہاں سے منتقل ہونا پڑا۔ لوہاراں گوت کی مناسبت سے یہ گاؤں لوہاراں کے نام سے مشہور ہوا۔

لوھسر

تحصیل کھاریاں کے اس گاؤں کو گوجر قوم کی گوت لوہسر سے تعلق رکھنے والے ساہو نامی مورث اعلیٰ نے دہلی سے آ کر آباد کیا۔ گاؤں کی آبادی کاری سے قبل یہ قطع اراضی جنگل بیابان پر مشتمل تھا۔ اس گاؤں کے نام مورث اعلیٰ نے اپنی گوت کی نسبت سے لوھسر رکھا۔ یہ گاؤں چھ پشتوں تک آباد رہا بعد ازاں قحط سالی اور یوسف زئی قبیلہ کی لوٹ مار سے اس گاؤں کی آبادی گردونواح کے دیہات میں جا کر آباد ہو گئی اور یہ ویران ہو گیا۔ ایک سال تک یہ گاؤں بے آباد رہا تاہم علاقے میں امن ہونے کے بعد ایک سال بعد یہ دوبارہ آباد ہوا اور پھر کبھی ویران نہیں ہوا اور آج تک لوھسر کے نام سے مشہور و آباد چلا آ رہا ہے۔

لہڑی

اس قدیم گاؤں کو لہڑی قوم نے آباد کیا۔ بعد ازاں یہ گاؤں کسی ناگہانی آفت کے باعث ویران ہو گیا اور ایک مدت تک بے آباد رہا۔ 1657 میں چب قوم سے تعلق رکھنے والے سمت خان نامی مورث اعلیٰ نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ سمت خان کا آبائی علاقہ جموں تھا اور اس نے حاکم وقت کی اجازت سے اسے از سر نو آباد کرتے ہوئے اس کا سابقہ نام لہڑی برقرار رکھا۔

ماجرہ (نزد رانیوال)

گجرات کا یہ گاؤں کا زمانہ قدیم میں ''قوم کھوکھر'' کی ملکیت تھا جو کسی ناگہانی آفت کے باعث تباہ ہو کر ویران ہو گیا اور ''تبہ ماجرہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد ازاں حاکم وقت کی اجازت سے موضع ٹھمکہ کے چیچی قوم سے تعلق رکھنے والے ''فتح محمد'' قوم چاڑ سے تعلق رکھنے والے موضع دلانوالہ کے ''پیر محمد'' اور ضلع انبالہ سے تعلق رکھنے والے سید قوم کے ''رستم'' نامی مورثان جو بسلسلہ ملازمت علاقہ میں آئے اس گاؤں کو آباد کیا اور پرانے گاؤں کا مشہور نام ماجرہ ہی برقرار رکھا۔ دو پشت تک یہ گاؤں آباد رہا بعد ازاں یہ گاؤں علاقے کے کئی دوسرے دیہات کی طرح چب قوم کی

Marfat.com

لوٹ مار کا نشانہ ٹھہرا جس کے باعث گاؤں کی قوم چیچی سے تعلق رکھنے والی آبادی ٹھمکہ اور جاڑ قوم سیدرا ینوال میں جابسی بعد ازاں اس گاؤں کو تیسری بار سابقہ جگہ سے سوکرم کے فاصلے پر دوبارہ آباد کیا گیا اور سابقہ نام ماجرہ برقرار رہا۔ اس گاؤں کے قریب سابقہ تباہ شدہ بستی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔

ماڑی کھوکھر

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو قوم راجپوت کی گوت کھوکھر سے تعلق رکھنے والے علی گوہر نامی مورث اعلیٰ نے سیالکوٹ سے آکر دریائے چناب کے کنارے نسبتاً بلند مقام پر آباد کیا ''گوہر علی'' کا تعلق سیالکوٹ کے گاؤں ''کالوتارڑ'' سے تھا جو دریا برد ہو گیا تھا جس کے بعد ''گوہر علی'' نے گجرات کے اس جنگل بیابان میں حاکم وقت کی اجازت سے گاؤں آباد کیا۔ مقامی زبان میں بلند جگہ کو ماڑی کہتے ہیں یہ گاؤں بلندی کے مقام پر ہونے کی نسبت سے ''ماڑی'' کے نام سے مشہور ہوا گو کہ دریائے چناب کے کٹاؤ کے باعث اس گاؤں کا کچھ حصہ بھی برد آب ہوا مگر اس کی آبادی آج بھی موجود ہے اور زیادہ تر ملک کھوکھروں کی قومیں آباد ہیں۔

مدینہ سیداں

1571ء مغل شہنشاہ اکبر کے عہد میں سید احمد ولد سید نظام الدین تلبنی کی اولاد نے اس گاؤں کی بنیاد رکھی اس سے پہلے یہاں گگی گوجر آباد تھے۔ بادشاہ اکبر کے صوبیدار نے اردگرد کی زمینیں الاٹ کیں اور سید احمد کے بیٹے سید داؤد کو منصب داری کا عہدہ دیا۔ سادات مدینہ ابتداء سے ہی ملازمت پیشہ خصوصاً سپاہ گری کے پیشے سے وابستہ تھے بقول ڈینزل ایبٹ سن اچھے کسان نہ تھے اور نہ ہی درگاہی نظام ان میں رائج رہا۔ ان کے آباؤ اجداد مدینہ منورہ سے براستہ بغداد، مصر، خوارزم، ملتان اور تلبنہ (خانیوال) سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ امام جعفر صادق کے بیٹے علی عریضی کی اولاد ہونے کے باوجود انہوں نے خوارزم پہنچنے پر سُنی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ مگر شیعہ رسوم ان میں جاری رہیں مثلاً مٹی کا گھوڑا بنا کر ماتم کرنا وغیرہ آج اس گاؤں میں شیعہ اور سُنی مسلک دونوں موجود ہیں یہ پڑھے لکھے لوگوں کا گاؤں ہے۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق یہ گجرات میں لیٹریسی ریٹ کے لحاظ سے سب سے آگے ہے شہر گجرات سے بھی۔ زندگی کے ہر شعبے سے اس گاؤں کے لوگ وابستہ ہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز لوگوں کا یہ گاؤں قتل و غارت کے لحاظ سے بھی بہت مشہور ہے۔ سانحہ مدینہ بہت مشہور واقعہ ہے آج اس گاؤں کے لوگ فوج پولیس سول انتظامیہ اور محکمہ تعلیم میں بڑے عہدوں پر فائز ہیں اس کی آبادی بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ یہاں سادات کے علاوہ کشمیری، آرائیں، کمہار اور مسلم شیخ برادریوں کے لوگ بھی آباد ہیں مگر اکثریت سادات کی ہے۔

مجھوڑا

اس گاؤں کو عیسیٰ نامی مورث نے آباد کیا جس کے آبائی علاقہ کے بارے میں کوئی تاریخی شہادت دستیاب نہیں۔ یہ گاؤں حاکم وقت کی اجازت سے آباد ہوا مگر 1840 بکرمی کے قحط میں ویران ہو گیا۔ گاؤں کی آبادی وزیرآباد میں جابسی۔ بعد ازاں موضع سرسال سے تعلق رکھنے والی چب قوم اس گاؤں کی مالک بن گئی۔ پھر غلام حیدر نامی مورث نے راجہ سلطان کو گھوڑے کا نذرانہ دیکر گاؤں سے چب قوم کو بے دخل کرایا اور پہلی آباد پر یہ دوبارہ آباد ہوا۔ دوبارہ آبادکاری پر اس گاؤں کا نام مجھوڑا رکھا گیا۔

محسم

گجرات کی مشرق وسطی، کابل کو جانے والی قدیمی گذرگاہ پر ''محسم'' نام سے آباد گاؤں اپنے بانی مورث اعلیٰ کے نام کی مناسبت سے مشہور ہے۔ اس گاؤں کو گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے ''محسم'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ اس گاؤں کو قدیم گذرگاہ سے سوکرم کے فاصلے پر آباد کیا گیا تھا۔ یہ گاؤں اپنے قیام کے بعد سے کبھی بھی ویران نہیں ہوا

مچھیانہ

گجرات کا قدیمی گاؤں مچھیانہ کب آباد ہوا اور پھر کیوں ویران ہوا اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تاہم موضع ناگریانوالہ کے گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے اللہ دین نامی مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کو حاکم وقت کی اجازت سے دوبارہ آباد کیا۔ اس گاؤں کا نام نئی آبادکاری کے بعد بھی مچھیانہ ہی برقرار رکھا گیا اور آج تک اسی نام سے آباد و معروف ہے۔

Marfat.com

مرالی

اس گاؤں کو گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے مرالی نامی مورث نے چک کمالہ سے الگ ہو کر آباد کیا۔ اس کا نام مورث اعلیٰ نے اپنے نام پر مرالی رکھا یہ گاؤں اسی کے نام سے مشہور ہوا۔

مرزا طاہر

گجرات کا یہ گاؤں پہلے پہل 1628ء میں گوجر قوم کی گوت بھملہ سے تعلق رکھنے والے گھنیاں نامی مورث نے آباد کیا اور اسی کی نام کی نسبت سے موضع گھنیاں مشہور ہوا۔ بعدازاں سکھ دور میں راجہ گلاب سنگھ،، راجہ بہادر کاردار کی طرف سے اس کا نام گاؤں کے نمبردار کی نسبت سے مرزا طاہر رکھ دیا گیا یہ گاؤں اسی نام سے مشہور چلا آرہا ہے۔ یہاں ایک 25 گز طویل مقبرہ موجود ہے جس کے حوالے سے روایت ہے کہ حضر سلو نام علیہ السلام کی آخری آرام گاہ ہے۔

مڑیاں

گجرات میں گوجر قوم کی ''گوت کھٹانہ'' کی ایک شاخ مراڑی نے بھی اپنے شاخ سے منسوب گاؤں آباد کر رکھا ہے جو گوت مراڑی سے وقت کے ساتھ ساتھ مشتق ہوتا ہوا ''مراڑیاں'' کے نام سے معروف اور آباد ہے۔

معین الدین پور

یہ گاؤں گجرات سے جلال پور جٹاں کی شاہراہ پر اڑھائی کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ گاؤں بھی مدینہ سیداں کے ساتھ ہی 1571ء میں آباد ہوا جو سید سلیمان جو سید احمد بانی مدینہ سیداں کے بھائی اور سید نظام الدین تلبنی کے بیٹے تھے کی اولاد نے کیا یہ گاؤں جاٹ قبیلے کے دیہات کے قریب ہونے اور اُس قبیلے سے سادات کی مخالفت کی وجہ سے مسائل کا شکار رہا جو زمینیں سادات معین الدین پور کو جلال الدین اکبر کے عہد میں الاٹ ہوئی تھیں وہ پہلے جاٹوں کے کنٹرول میں تھیں لہٰذا بہت عرصے تک اُن کے مابین محاذ آرائی رہی جو انگریزوں کے دور میں ختم ہوئی۔ اس دوران دو دفعہ یہ گاؤں تباہ کیا گیا۔ معین الدین پور کے لوگ بہت ذہین ہیں مگر اُن میں تعلیم کا رُجحان مدینہ سیداں سے بہت کم ہے یہاں سے بہت سے لوگوں نے نقل مکانی بھی کی ہے یہ سادات بھی کوئی اچھے کسان نہیں ہیں یہاں مدینہ سیداں کے مقابلے میں مزار پرستی کچھ زیادہ ہے تاہم لوگ پڑھے لکھے بھی ہیں سیاسی طور پر یہ گاؤں بہت آگے ہے یہاں سے سید امیر حسین شاہ اور سید علی ہارون شاہ سیاست میں نمایاں رہے ہیں یہاں بھی سادات کے علاوہ دوسری اقوام موجود ہیں جن میں مسلم شیخ نمایاں ہیں۔ شیعہ اور سُنی مسلک کے افراد یہاں موجود ہیں یہ گاؤں دشمنیوں اور قتل و غارت کے لحاظ سے بھی بڑا نمایاں ہے مگر معاملہ فہم اور زیرک لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔

منگلیہ

یہ قدیم گاؤں تحصیل کھاریاں کے چند بڑے موضع جات میں سے ایک ہے۔ اس گاؤں کو تقریباً دو سو سال پہلے جٹ قوم سے تعلق رکھنے والے منگلیہ نام کے مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ منگلیہ کا آبائی علاقہ کانگڑہ تھا۔ گاؤں کی آبادکاری سے قبل یہ ویران جنگل تھا۔ مورث اعلیٰ نے اس گاؤں کو اپنے نام سے منسوب کیا جو اپنی آبادکاری کے بعد کبھی ویران نہیں ہوا اور منگلیہ کے نام سے ہی مشہور ہوا۔

ملکوال

نئے ضلع منڈی بہاؤالدین کی تحصیل ملکوال۔ سرگودھا۔ لالہ موسیٰ ریلوے سیکشن پر واقع ہے۔ یہ دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ بنیادی طور پر ایک زرعی علاقہ ہے۔ مقامی لوگوں کے خیال میں 1273 میں اس کی بنیاد ملک کھکھڑ نے رکھی۔ شیر شاہ سوری بھیرہ جاتے ہوئے یہاں سے گزرا۔ لالہ موسیٰ کی طرح یہ بھی ایک اہم ریلوے جنکشن ہے نئے ضلع منڈی بہاؤالدین کی تحصیل ہے جس کی آبادی 31258 ہے۔ اس میں 15588 مرد اور 15670 عورتیں ہیں۔ شرح خواندگی 67.6 فیصد ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان خواندہ مرد 4495 اور خواتین 3480 ہیں۔ میٹرک اور اس سے اوپر مرد 2937 اور عورتیں 1986 ہیں۔ گھروں کی تعداد 4632 ہے جن میں 4289 پختہ 251 نیم پختہ اور 92 کچے گھر ہیں۔

منڈی بہاؤالدین

1993 میں قائم ہونے والے نئے ضلع منڈی بہاؤالدین کا صدر مقام ہے۔ ضلع گجرات کا اہم قصبہ رہا ہے۔ کھاریاں سرگودھا روڈ پر لالہ موسیٰ۔ ملکوال ریلوے سیکشن پر ایک اہم ریلوے اسٹیشن ہے۔ 1506 میں مسمیٰ بہاؤالدین' قوم جاٹ گوت گوندل نے آباد کیا۔ اسے پنڈی بہاؤالدین کا نام دیا گیا۔ بعد میں بڑی

Marfat.com

تجارتی منڈی ہونے کی وجہ سے یہ منڈی بہاؤالدین بن گیا۔ ضلع گجرات میں شاید یہ واحد باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بسایا گیا شہر ہے۔ گلیاں اور سڑکیں کشادگی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ یہاں نواح میں شاہ تاج شوگر ملز ہے جو 1967 سے قائم ہے۔ اس کے علاوہ فرنیچر سازی، فلور ملیں اور تجارتی لحاظ سے ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں ریلوے اسٹیشن کے پاس ایک مسجد اپنے بہت اونچے مینار کی وجہ سے مشہور ہے جو دریائے جہلم کے پار سے نظر آتی ہے۔ منڈی بہاؤالدین میں لڑکے لڑکیوں کے لیے ڈگری کالجز کے علاوہ بے شمار سرکاری و پرائیویٹ تعلیمی وفنی ادارے ہیں۔

ادبی میدان میں حکیم محمد عثمان، ربط عثمانی، حکیم افتخار فخر، جمیل ناز اور حسن اختر کمال کے نام گراں قدر ہیں۔ سیاسی میدان میں بھی میاں وحید الدین اور ممتاز احمد تارڑ اہم ہیں۔ انتظامی لحاظ سے یہ میونسپل کمیٹی کے زیر تحت ہے جس کی آبادی 1998 کی مردم شماری کے مطابق 99496 افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں 50733 مرد اور 48763 عورتیں ہیں۔ خواندگی کی شرح 70.2 فیصد ہے۔ پرائمری اور میٹرک کے درمیان خواندہ مرد 15096 اور خواتین 12037 ہیں۔ میٹرک اور اس سے اوپر 8785 مرد اور 6197 عورتیں ہیں۔ قصبے میں 2460 غیر مسلم ہیں۔ گھروں کی تعداد 13757 ہے جن میں 13332 گھر پختہ 212 نیم پختہ اور 213 گھر کچے ہیں۔ 13406 گھروں کو بجلی کی سہولت میسر ہے۔

بچوں کا سینما گھر

منڈی بہاؤالدین میں بچوں کا سینما گھر موجود ہے۔ اس سینما گھر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ چلتا پھرتا رہتا ہے۔ جہاں دو بچے دیکھے وہیں اپنی دیواریں کھڑی کردیں اور موی چلادی۔ بچوں سے ایک ایک دو دو روپے لیے اور بچوں کو دنیا جہاں کی سیر کروادی۔ بچے چھوٹی سی مشین کے سامنے والی سائیڈ پر لگے شیشوں میں سے اندر جھانک کر دیکھتے ہیں تو انھوں نے اندر دنیا جہاں کے رنگ نظر آتے ہیں اور وہ یہ سب کچھ دیکھ کر بڑے نعرے لگاتے ہیں، اچھلتے ہیں کودتے ہیں اور مستیاں کرتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی ڈبہ نما مشین ہوتی ہے۔ ایک طرف ہینڈل لگا ہوتا ہے۔ اس مشین کے اندر تصویر فٹ کی ہوتی ہیں جو باہر لگے شیشوں سے نظر آتی ہیں۔ یہ تصویریں اپنی مرضی سے تبدیل کر سکتے ہیں یعنی ایک اُتار کر دوسری لگا سکتے ہیں۔ جب سینما چلانے والا شخص ہینڈل گھماتا ہے تو تصویریں بھی دائرے میں گھومتی ہیں جو بچوں کو اپنے دماغ کے اندر ایک موی سینما کی طرح چلتی نظر آتی ہیں۔ اس میں ایک وقت میں تین بچے ایک فلم دیکھ سکتے ہیں۔ وہ شیشوں کے خانوں کے اندر جھانکتے ہیں۔ اگر کسی کو باہر سے دن کی روشنی میں صاف نظر نہ آئے تو وہ ان شیشوں کے اوپر اپنے ہاتھوں سے اندھیرا کرتا ہے۔ یہ بچوں کے لیے بہت دلچسپ تفریح ہے اور ہماری ثقافت کا ایک بہترین سرمایہ ہے جو ہمیں اپنے بچپن کی یاد دلاتا ہے۔ اب یہ روایت بھی ہمارے ضلع منڈی بہاؤالدین میں تقریباً ختم ہوگئی ہے، البتہ کبھی کبھی دیکھنے میں مل جاتی ہے۔

منڈیر

یہ قدیم گاؤں عہد اکبری میں آباد ہوا جسے میر خان نامی مورث نے عہد اکبری میں بسلسلہ ملازمت ضلع گجرات میں آمد کے بعد آباد کیا اور اپنی گوت کی نسبت سے اس کا نام منڈیر رکھا۔

منگووال

گجرات کا قدیمی قصبہ منگووال کنجاہ کے قریب آباد ہے اس قصبہ کو 1506ء میں جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے چندہ پسر مگو نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ چندو کا تعلق جلالپور موضع سے تھا اور حاکم وقت کی اجازت سے وہ نیا گاؤں آباد کرنے اس علاقے میں آیا۔ گاؤں کی آباد کاری سے قبل یہ جنگل بیابان پر مشتمل قطع اراضی تھا یہ گاؤں قریباً 240 سال تک آباد رہا مگر بعد ازاں حاکمان وقت کے مظالم سے 1727 میں برباد ہوا۔ اور اس گاؤں کے مالکان کسی قلعہ میں منتقل ہو گئے جبکہ کچھ مالکان دیگر دیہات میں جا آباد ہوئے بعد ازاں 1879 میں ایک مورث اعلیٰ جوائے نے اس گاؤں کو دوبارہ آباد کیا اور اس گاؤں کو اپنے نام کی مناسبت سے چک جوایا کا نام دیا۔ اور بعد ازاں اسی نام سے تین جگہوں پر گاؤں آباد کیے۔ ایک کا نام چک جوایا دوسرے کا نام منگووال کہنہ، اور تیسرے کا نام منگووال نو رکھا گیا۔ منگووال کے نام کی وجہ تسمیہ چندو کے باپ کا نام مگو بتائی جاتی ہے۔ گجرات میں منگووال کے نام سے اور بھی دو گاؤں موجود ہیں جن میں سے ایک جالپور جٹاں کے قریب منگووال شرقی اور کنجاہ سے آگے کی سمت سرگودھا روڈ پر منگووال غربی کے نام سے آباد ہیں اس گاؤں کے نواح میں بامتہ کے قدیم مندر ہیں جبکہ دریائے چناب کے پتن کو جانے والی قدیمی گذرگاہ بھی اسی گاؤں کے قریب سے ہوکر گزرتی ہے۔

موٹا یا مھوٹا

گجرات کا یہ گاؤں بلوچستان سے تعلق رکھنے والی بلوچ قوم مہوٹا کے

Marfat.com

مورث مہوٹا کی نسل نے آباد کیا مہوٹا قوم بلوچستان سے نکل کر سندھ اور پھر سیالکوٹ میں آباد ہوئی بعد ازاں اس قوم کے لوگ گجرات میں آئے اور موضع مہوٹا آباد کیا جو وقت کے ساتھ ساتھ مشتق ہوتا مہوٹا سے موٹا کا نام اختیار کر گیا اور اسی نام سے موضع موٹا مشہور ہوا۔ تاہم اس موضع کے باسی خود کو راجپوت بھٹی سلسلہ نسب سے منسلک بتلاتے ہیں

چک جانی

گجرات کی تحصیل کھاریاں میں واقع اس گاؤں کو میانہ قوم نے آباد کیا۔ تاریخی شواہد کے مطابق اس گاؤں کا مورث اعلیٰ جانے عرف جان محمد تھا' جس نے اس جنگل بیابان میں یہ گاؤں آباد کیا اور اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام بھی جانی رکھا۔ یہ گاؤں بعد ازاں نامعلوم وجوہات کی بنا پر ویران ہوا۔ لیکن پھر حسن نامی شخص نے جس کا آبائی علاقہ موضع انوالہ تھا اور یہ مورث بسلسلہ پیری مریدی اس علاقہ میں آیا اور حاکم وقت کی اجازت سے یہ گاؤں آباد کیا۔ اس گاؤں میں ایک نوگز لمبی قبر ہے جسے حضرت بخشان کا مزار قرار دیا جاتا ہے۔

محمود چمنا

اس گاؤں کو ایک درویش محمود نے موضع حاصلانوالہ سے آ کر آباد کیا۔ اور اسے اپنے نام سے منسوب کیا جس کے باعث یہ محمود چمنا کے نام سے مشہور ہوا۔ اس درویش بابا محمود کا مزار بھی اسی گاؤں میں موجود ہے۔

نتھووال

گجرات کا یہ موضع گوجر قوم کے ایک نتھو نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ نتھو گوجر اس گاؤں کو آباد کرنے کیلئے کھاریاں سے یہاں منتقل ہوا۔ گاؤں آباد ہونے سے قبل یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان پر مشتمل تھا۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ کی نسبت سے موضع نتھووال مشہور ہوا۔

مونگ

رسول کے نزدیک نہر اپر جہلم کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔ اس کے عقب میں دریائے جہلم بہتا ہے۔ یہ زمانہ قدیم کی ایک آباد ہے۔ اور سکندر اعظم اور پورس کی جنگ یہیں ہوئی اس کے راجہ کا نام موگا تھا۔ بعد میں یہ آبادی زمانے کی دست برد کا شکار ہوگئی۔ یہاں ایک پرانے قلعہ کے آثار اب بھی ملتے ہیں۔ 1998 کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق مونگ کی آبادی 11152 ہے۔ خواندگی کی شرح 48.5 فیصد ہے جبکہ گھروں کی تعداد 1815 ہے جن میں 1537 گھروں کو بجلی کی سہولت حاصل ہے۔

موہری شریف

تحصیل کھاریاں کے اس قدیم گاؤں کو عہد اکبری میں چب قوم سے تعلق رکھنے والے کرم خان نامی مورث نے آباد کیا۔ موہری لفظ پنجابی میں پہل کرنے والے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے چونکہ مورث اعلیٰ نے گاؤں اپنے ساتھ آنے والوں سے پہلے آباد کیا اس لیے اسی نسبت سے اس کا نام موہری رکھا۔ بعد ازاں یہ گاؤں ویران ہوگیا اور شاہ جہاں دور میں چب قوم سے تعلق رکھنے والے بہرام خان نے موضع خان پور کھمبی سے آ کر اور حاکم وقت کو نذرانہ دیکر اسے آباد کیا اور نو آباد کاری کے بعد بھی اس گاؤں کا پرانا نام موہری برقرار رکھا۔ حضرت نواب دین صوفی اور حضرت خواجہ معصوم کی وجہ سے یہ گاؤں موہری شریف کے نام سے مشہور ہوا۔

میانہ چک

گجرات میں فتح پور کے قریب واقع چک میانہ کو حضرت خواجہ محمد اسحاق نے دہلی سے آ کر آباد کیا مگر قحط سالی کے باعث یہ گاؤں اجڑ گیا تاہم دوبارہ آباد ہوا اور چک میانہ کے نام سے مشہور ہوا حضرت خواجہ محمد اسحاق کا مزار بھی چک میانہ میں ہی ہے۔

میکن

گجرات میں میکن نام سے کئی گاؤں آباد ہیں کیونکہ میکن جاٹوں کی ایک معروف گوت مینک کے مورثان نے جو بھی موضعات آباد کیے انھیں اپنی گوت میکن سے منسوب کیا میکن تحصیل پھالیہ میں آباد گاؤں ہے جسے مسمی رحمان پسر میرو گوت میکن نے چودہ سوتنتر میں موضع ویرواشاہ پور سے آ کر آباد کیا۔ اور اپنی گوت پر اس گاؤں کا نام میکن رکھا سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث یہ گاؤں ویران ہوا مگر اس گاؤں کو دوبارہ معظم، بھاگو، دمدو، جسو، جدو اور ہنکس وغیرہ نے نئے سرے سے آباد کیا اور اسکا پرانا نام برقرار رکھا۔ گجرات میں ایک اور میکن نامی قدیم گاؤں کو بے آباد ہونے کے بعد دوسری بار آباد کیا گیا، گاؤں کی

Marfat.com

ماضی میں بربادی کن وجوہات پر ہوئی اور اس گاؤں کی باسی قوم کونسی تھی اس بارے میں کوئی تاریخی شواہد دستیاب نہیں تاہم اس ویران گاؤں کو موضع ٹھیکریاں کے معززین نے حاکم وقت کی اجازت سے دوبارہ آباد کیا۔اس گاؤں کی نئی آبادکاری کے بعد اس کا پرانا نام میکن ہی برقرار رکھا گیا سکھوں کے عہد حکمرانی میں اس گاؤں میں خالصہ سکھ کی اکثریتی آبادی موجود تھی۔

مہسیاں

گجرات کا یہ گاؤں گوجر قوم کی گوت مہسیاں سے تعلق رکھنے والے ''مہربان'' نامی مورث اعلیٰ نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔گاؤں سے ملحقہ برساتی نالہ میں آنے والی طغیانی سے آبادی کو رقبہ چھوڑنا پڑا اور گاؤں تباہ ہو گیا بعد ازاں ''مہاراجہ رنجیت سنگھ'' کے دور حکمرانی میں غلام محمد،نور دین اور دیگر مالکان نے پرانے گاؤں سے چار کوس دو فاصلے پر دوبارہ آباد کیا اس گاؤں کا پرانا نام مہسیاں برقرار رکھا گیا۔

نارپور

گجرات کا قدیم موضع یونین کونسل بڑیلہ شریف میں ''قلعہ سورہ سنگھ'' کے شمال کی طرف واقع ہے اس گاؤں کے قریب پرانی بستی کے کھنڈرات بھی ملتے ہیں ۔قیام پاکستان سے قبل اس موضع میں ہندو اکثریتی آبادی مقیم تھی۔یہ ایک گمنام حیثیت کا حامل موضع رہا،تاہم قیام پاکستان کے بعد یہ موضع مہاجر مسلمانوں کا مسکن بن گیا۔

نافریاں

گجرات کے اس قدیم گاؤں کو دکن سے آکر ٹھمکہ میں آباد ہونے والی گوجر قوم کی گوت چیچی سے تعلق رکھنے والے ایک ''نافہ'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ تاریخی روایت ہے کہ چیچی قوم کے مورث اعلیٰ نافہ کی قیادت میں دکن سے ہجرت کے بعد ٹھمکہ آباد ہونے والوں نے ''پیر زمان شاہ'' کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے قبول اسلام کیا۔بعد ازاں حاکم وقت سے نذرانہ کے عوض گاؤں آباد کرنے کی اجازت حاصل کی۔یہ گاؤں نافہ کے بیٹے سے منسوب کرتے ہوئے ''نافریاں'' کے نام سے مشہور ہوا ۔اس گاؤں میں نافہ کی بارہ پشتیں آباد رہیں بعد ازاں ''سکھا شاہی عہد'' میں قحط سالی سے یہ گاؤں ویران ہو گیا اور گاؤں کی آبادی اپنی بقاء کیلئے ٹھمکہ جاکر آباد ہوئی اور پھر سولہ برس تک یہ گاؤں ویران پڑا رہا۔''مہاراجہ گلاب سنگھ'' کے دور میں نافہ کی اولاد اور مالکان گاؤں نے دوبارہ اس گاؤں کو آباد کیا اور اس کا سابقہ نام ''نافریاں'' برقرار رکھا۔یہ گاؤں آج تک اسی نام سے آباد ہے اور پھر کبھی ویران نہیں ہوا۔

ناگریانوالہ

گجرات کا قدیمی گاؤں ناگریانوالہ کھوکھروں کی ملکیت میں آباد ہوا مگر پھر ویران ہو گیا جسے بعد ازاں گوجر قوم کی گوت کھٹانہ کے ''ماتی'' نامی مورث اعلیٰ نے دہلی سے آکر پھر آباد کیا۔نئی بستی سو سال کے قریب آباد رہی مگر بعد ازاں قحط سالی اور چب قوم کی لوٹ مار کے باعث ایک بار پھر اجڑ گئی اور اس کی آبادی کنجاہ چکواڑی میں جا آباد ہوئی۔یہ ویران گاؤں تیسری مرتبہ پھر آباد ہوا اور اپنے پرانے نام ''ناگریانوالہ'' کے نام سے ہی معروف ہوا۔اس گاؤں میں نوگز لمبے مقبرے موجود ہیں،تا حال گاؤں کے ٹبہ کی کھدائی کے دوران پرانی تباہ شدہ بستی کے آثار برآمد ہوتے رہتے ہیں

نانڈوہانڈا

گجرات کے اس گاؤں کو ترکھان قوم کے ''نانو'' نامی مورث اعلیٰ نے ''عہد اکبری'' میں دہلی سے آکر آباد کیا محکمہ مال کے ریکارڈ کے مطابق گوجر قوم کی گوت کھٹانہ سے تعلق رکھنے والے مورث ہانڈو نے اس گاؤں کو حاکم وقت کی اجازت سے بسایا اس کی خانقاہ دریکٹری میں ہے ہانڈو کی پانچ پشتیں اس گاؤں میں آباد رہیں

ناںواں شاہ پور

گجرات کے جی پی او سے سروس موڑ تک محیط علاقہ ''ناںواں شاہ پور آبادی'' کے نام سے مشہور ہوا یہ گجرات شہر کی ابتدائی آبادی تھی جو گجرات کے اس جنگل میں بسائی گئی۔اس علاقے کو سیالکوٹ سے تعلق رکھنے والے قانونگوئی قوم سے تعلق رکھنے والے ''بھگت رام'' نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا اس آبادی میں جٹ قوم کی گوت وڑائچ جیو نجل بھی آباد رہی،بعد ازاں یہ آبادی قلعہ گجرات کے اندر منتقل ہو گئی تاہم یہ علاقہ آج بھی موجود ہے اور آباد بھی ہے۔

نجان

گجرات کا یہ سرحدی گاؤں پاک بھارت سرحد پر واقع آخری گاؤں ہے جس کی سرحد سیالکوٹ مناور سے بھی ملتی ہے۔اس گاؤں کو قوم نجان سے تعلق رکھنے والے ''جلال'' نامی مورث نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔قبل ازیں یہ قطعہ

Marfat.com

اراضی بیابان جنگل پر مشتمل تھا نجان گاؤں اپنے بانی کی تین پشتوں تک آباد رہا بعد ازاں چپ قوم کی لوٹ مار سے یہ گاؤں ویران ہو گیا پھر اس گاؤں کو سابقہ جگہ سے دو سو قدم کے فاصلے پر دوبارہ آباد کیا گیا۔ اس گاؤں کا نام مورث اعلیٰ کی قوم کے نام سے منسوب کیا گیا اور اسی نام سے معروف ہوا۔

نورا

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو جٹ قوم کی گوت وڑائچ سے تعلق رکھنے والے ایک ''نور'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ نور کا تعلق موضع شادیوال سے تھا اور اس نے حاکم وقت سے اجازت لے کر اس قطعہ اراضی پر بستی بسائی۔ اس بستی کو اس نے اپنے نام سے منسوب کیا اور یہ نور سے مشتق ہو کر وقت کے ساتھ ساتھ ''گاؤں نورا'' کے نام سے مشہور ہوا۔

نور پور جمال

اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کی چیچی گوت سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ نور جمال نے حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا۔ اسی عہد میں قوم ڈوگہ سے تعلق رکھنے والا فتح محمد موضع کہلانوالہ سے یہاں آ کر آباد ہوا اور اس گاؤں کا مالک قرار پایا مگر گاؤں کا نام نور جمال ہی برقرار رہا اور اسی نام سے مشہور اور آباد ہوا۔ یہ گاؤں کبھی ویران ہیں ہوا۔

نونانوالی

اس قدیم گاؤں کو گوجر قوم کی ''گوت ٹھیکریہ'' سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ ''نونا نے'' آباد کیا۔ نونا گاؤں کی آبادکاری کیلئے 1507 موضع کراڑیوالا سے یہاں منتقل ہوا تھا۔ اس گاؤں کو مورث اعلیٰ نے اپنے نام سے منسوب کیا اور گاؤں کا نام ''نونانوالی'' رکھا گیا۔ یہ گاؤں تحصیل کھاریاں میں آباد ہے اور یونین کونسل کی حیثیت رکھتا ہے اس یونین کونسل میں مزید بارہ دیہات شامل ہیں۔

ھاڈکہ

گجرات کی یونین کونسل بڑیلہ شریف میں تاریخی گاؤں ''ھاڈکہ'' آباد ہے۔ اس گاؤں کے بارے میں روایت ہے کہ اس گاؤں کو سکھ قوم لبانہ کے مورث اعلیٰ ''رائی گوبا'' نے ہندوستان سے آ کر آباد کیا۔ یہ علاقہ قبل ازیں ویران جنگل تھا قیام پاکستان سے قبل اس علاقے میں سکھوں کی اکثریتی آبادی تھی تاہم اس گاؤں میں ایک ٹبہ پر موجود نوگز لمبا مزار اس کی تاریخی اہمیت کا ثبوت ہے۔ اس ٹبہ سے تباہ شدہ بستی کے آثار بھی ملے ہیں جن میں مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے بھی شامل ہیں۔ لبانہ سکھ قوم کا آباد کیا گیا گاؤں کبھی ویران نہیں ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد اس علاقے سے سکھ آبادی ہندوستان چلی گئی تو ہندوستان سے آنے والے مہاجرین نے اس گاؤں کو آباد کر دیا آج بھی اس گاؤں کی آبادی کا بڑا حصہ مہاجرین پر مشتمل ہے۔

ھرڑ

یہ ضلع گجرات کا قدیم گاؤں ہے اس گاؤں کے بانی کے حوالے سے کوئی تاریخی شواہد دستیاب نہیں۔ اس بے آباد گاؤں کو دوسری بار جموں سے آنے والے مورثان اللہ بخش، قادر بخش، اور امام بخش نے آباد کیا اور اس کا پرانا نام ''ھرڑ'' برقرار رکھا۔ اس گاؤں کے قریب ایک پرانی تباہ شدہ بستی کا ٹبہ موجود ہے جس سے مٹی کے برتنوں کے بڑے ٹکڑے، اینٹیں اور سکے برآمد ہوئے ہیں۔

ہزارہ

گجرات کا یہ قدیمی گاؤں مغلوں کا آباد کردہ ہے مغل قوم کی گوت برلاس سے تعلق رکھنے والے ''بروی بیگ'' نامی مورث اعلیٰ نے ہندوستان سے آ کر حاکم وقت کی اجازت سے اس گاؤں کو آباد کیا۔ قبل ازیں یہ قطع اراضی جنگل پر مشتمل تھا، آبادی کاری کے کچھ عرصہ بعد یہ گاؤں قحط سالی کے باعث غیر آباد ہو گیا۔ اس گاؤں جب دوبارہ آباد کیا گیا تو اس کا نام ''ہزارہ'' رکھا گیا۔ اس نام کے ارے میں روایت ہے کہ کسی لڑائی میں حاکم وقت نے بہادری پر گاؤں کے مورث اعلیٰ ''بروی بیگ'' کو ایک ہزار روپے خلعت عنایت کی تھی جس پر اس گاؤں کا نام ہزارہ مشہور ہو گیا۔

ھستا کھگہ

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو بھی دکن سے آ کر ایک ''ہستا'' نامی مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ قبل ازیں یہ قطعہ اراضی جنگل بیابان تھا جسے حاکم وقت کی اجازت سے گاؤں کی صورت آباد کیا گیا۔ اس گاؤں کا نام بانی مورث اعلیٰ ہستا کے نام سے موسوم کیا گیا اور گاؤں ''ہستا کھگہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ گاؤں بھی علاقے

Marfat.com

کے باقی گاؤں کی طرح ہستا کی تین پشتوں تک آباد رہا اور بعدازاں قحط سالی کے باعث اجڑ گیا اور کئی سال تک یہ گاؤں ایک اجڑی بستی کی صورت اختیار کیے رہا۔ ہستا کی پانچویں پشت میں گاؤں کے مالکان میں سے ''بختاور'' نامی شخص نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ یہ گاؤں بستی کیراں والا شمالی اور دولت نگر کے قریب آباد ہے۔

کے دور میں تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکبر ایک بار یہاں مقیم تھا گھوڑے سے گر گیا۔ اور غسل صحت نہیں کیا اور فیضی نے اس موقع پر ایک قطعہ پڑھا۔ یہاں پہلی بار غسل صحت کی ترکیب استعمال ہوئی۔ یہاں سے آٹھویں صدی ہجری کے سکے ملے ہیں۔ سکھوں کے دور میں یہاں کافی تعمیرات بھی ہوئیں۔

ہکالہ

یہ گاؤں دور سلاطین چوغطہ میں آباد ہوا اس کا مورث گوجروں کی گوت ہکلہ سے تعلق رکھتا تھا بلکہ گوت کے گوجر راجہ جگد یو کی اولاد سے سورج بنسی مشہور ہیں۔ ان کا مورث ہکل تھا۔ اس قوم کا راجہ اپنے بھائیوں سے لڑ کر گجرات دکن سے متھرا میں اقامت پذیر ہوا اور بعدازاں سلاطین چغتائی کے دور میں گجرات آبسا اور ایک موضع آباد کیا جو اس کی گوت ہکلہ کے نام سے منسوب ہوا اور اسی نام سے گاؤں آج بھی موجود ہے۔

یوگناہ

تحصیل کھاریاں کے اس گاؤں کو گوجر قوم کی گوت بجاٹ سے تعلق رکھنے والے مورث اعلیٰ نے آباد کیا۔ یہ گاؤں چار پشتوں تک آباد رہا گاؤں والے قحط سالی کے باعث دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ ایک مدت بعد یہ دوبارہ آباد ہوا اور اس کا نام یوگناہ رکھا گیا۔

ہنج نزد بڑیلہ شریف

گجرات کے اس قدیمی گاؤں کو حافظ آباد کے موضع مدہرہ سے تعلق رکھنے والے جٹ قوم کی گوت ہنجرا کے ''موجو'' نامی مورث اعلیٰ نے دیگر مالکان کے ساتھ مل کر آباد کیا۔ حاکم وقت سے اجازت لے کر آباد کیے گئے اس گاؤں کا نام ''ہنجرا گوت'' پر رکھا گیا جو بعدازاں عرف عام میں مخفف ہو کر ''ہنج'' مشہور ہوا۔ موجو ہنجرا کی آباد کاری کے بعد اس کی سات پشتیں گاؤں میں آباد رہیں بعدازاں قحط سالی پڑ گئی جس کے باعث یہ گاؤں بھی ویران ہوا۔ مکینوں نے پھر آباد کیا تو قحط سالی سے بڑی افتاد چبب قوم کی لوٹ مار اور حملوں سے ویران ہو گیا جس کے بعد دوسری پشت میں کریم بخش جہان خان صاحب خان مالکان نے باہم اتفاق سے دوسری جگہ پر گاؤں آباد کیا۔ تب سے یہ گاؤں آباد ہے اور پھر کبھی قحط سالی یا لوٹ مار سے ویران نہیں ہوا۔ اسی گوت کے ایک مورث اعلیٰ ''دولت خان'' نے تحصیل کھاریاں میں بھی موضع ہنج آباد کیا۔ یہ گاؤں ''ہنج دھولچک'' کے نام سے مشہور ہوا ہے۔

ہیلاں

پھالیہ شہر کے مشرق میں واقع ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سکندر اعظم نے اپنی محبوبہ بیوی ھیلن کے نام سے اس کو بسایا۔ یہاں پر مرزا شیخ علی بیگ کا مزار ہے جو کہ اکبر

حوالہ جات

۱۔ محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ۔ گجرات کے دیہات' گجرات

۲۔ اسحاق آشفتہ' لیاقت علی شفت' گجرات کی بات' گجرات 1993

۳۔ گنیش داس وڈیرہ' چار باغ' پنجاب' امرتسر 1963

۴۔ عارف علی میر' تاریخ جلالپور جٹاں

Marfat.com

پانچواں باب

تاریخ کے جھروکے سے

Marfat.com

گجرات: تاریخ کے جھروکے سے

1- اولین تاریخی شواہد اور روایات

خطہء گجرات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بنی نوع انسان کی تاریخ جتنا پرانا ہے۔ پانی کی سطح پر سب سے پہلے کشمیر کا خطہ ابھرا اور گجرات کشمیر کے دامن میں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلا انسان سطح مرتفع تبت پر اترا۔ اس لحاظ سے اسے قدیم ترین آبادی کہا جاسکتا ہے کہ یہ تبت کے دامن ہے۔ بہر حال یہ سب قیاس آرائیاں ہیں جن پر تاریخ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑیلہ شریف میں حضرت آدمؑ کے بیٹے کی قبر ہے۔ ایسی بہت سی 9 گزی لمبی قبریں ہیں جو انبیاء کرام کے نام سے موسوم ہیں حضرت نوحؑ کی اولاد کے حوالے سے ایک قدیم گرنتھ میں طوفان نوح کا ذکر ہے۔ سر سید احمد خاں نے بھی اس کا حوالہ ''آثار الصادید'' میں بیان دیا ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ بھمبر کے پہاڑی سلسلے میں انسانی آبادی سے قبل بھی آبادی تھی۔ یہاں سے بڑی بڑی ہڈیاں اور پنجر کھدائی کے دوران برآمد ہوئے ہیں۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جنوں کی آبادی تھی۔ ان پنجروں اور ڈھانچوں کے کئی چشم دید گواہ بھی تھے۔ یہاں آباد کاری حضرت نوحؑ کے بعد ان کی اولاد نے کی۔ یہ تہذیب سے عاری رہائش اور رہن سہن تھا۔ پتھر کے اوزار بھی یہاں سے نکلے۔

اس کے بعد جن باشندوں کی باقاعدہ تاریخ ملتی ہے وہ کول تھے۔ جن کی سب ضرورتیں لکڑی سے پوری ہوتی تھیں۔ ان کی شکل وصورت نیم حبشی تھی۔ آج کل جو پنجابی زبان اس خطہ میں بولی جاتی ہے اس کے کئی الفاظ دراوڑی زبان کے ہیں۔ مثلاً ماں، جانوروں کی بوٹ وغیرہ۔

یہاں کے باشندے دراوڑ تھے۔ کوٹلہ ارب علی خاں، دولت نگر اور کھوپار میں ایسے کنویں دریافت ہوئے ہیں جن پر عجیب وغریب رسم الخط درج ہے۔ خیال ہے کہ کول اور دراوڑ قوم کے وقت کے ہیں۔ 1500 ق م میں آریہ اس خطہ پر حملہ آور ہوئے۔ ان کا پہلا پڑاؤ پنجاب میں گجرات تھا۔ انہوں نے یہاں کی دراوڑ قوم کو غلام بنالیا۔ آریہ حضرت نوح کے بیٹے حام کی اولاد میں سے بتائے جاتے ہیں۔ حام کا ایک بیٹا جات تھا۔ جاٹ اسی کی نسل سے ہیں۔ جاٹ کو عربی میں ''زط'' کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ جاٹ (زط) کسی وقت ہجرت کر کے ملک عرب چلے گئے ہوں۔ آریہ کی کتاب ''رگ وید'' میں دوآبہ چج کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ بعض روایات کے مطابق رگ وید کنجاہ میں لکھی گئی تاہم تاریخی طور پر اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ آریہ ذات پات کے قائل تھے۔ انہوں نے معاشر کے برھمن، کھتری، ویش اور شودر، جو دراصل دراوڑ تھے، میں تقسیم کیا۔ سب سے نیچے شودر تھے، جو گھٹیا ترین ذات قرار دی گئی۔ آج کے ''مصلی'' اسی دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شاعر نے اس بارے میں کہا ہے کہ

میں ویلے دا کھنگر، میں ہرا وکر جھلی
میرے پیوداناں دراوڑ میرا نام مصلی

منو دھرم شاستر 2500 ق م کی کتاب کے مطابق برھما کے دو بیٹے وچھ اور اوتر تھے۔ ان کی اولاد سورج اور چاند کہلائی تھے۔ انھی سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان نے بعد کے دور میں خطہء گجرات پر حکمرانی کی۔ ہندوؤں کے دیوتا رام چندر جی آریہ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ 1000 ق م میں کشمیر سے آئے اور گجرات سے گزرے۔ رام چندر اور ان کے شریک بھائیوں کی لڑائی رامائن میں درج ہے۔ رام چندر جی چندر بنسی خاندان کے جد امجد تھے۔ ضلع گجرات میں آریہ نسل قوم کی رسومات بڑی حد تک ہندوؤں اور ہندوؤں سے مسلمان ہونے والے لوگوں میں اب تک موجود ہیں۔ 900 ق م میں شنتو نامی حاکم دوآبہ چج تھا۔ 3500 ق م میں پنجاب کا نام مدرویش تھا اور چندر بنسی راجہ جے دھرتھ حکمران تھا۔ والئی قندھار راجہ مثل یا سل نے پنجاب پر حملہ کیا اور قبضہ کرنے کے بعد راوی چناب کے درمیان رچنا اور آب میں شال کوٹ یا سیالکوٹ بسایا۔ گجرات کی تاریخ کے آثار اس وقت سے ملتے ہیں اس وقت گجرات سرسبز و شاداب خطہ تھا۔

راجاؤں نے اس خطہ پہ حکومت کی لیکن تاریخ ان کے حالات وواقعات بتانے سے قاصر ہے۔ بہت کم باتیں زبانی روایتوں اور مذہبی کتابوں میں رہ گئی ہیں۔ 700 ق م میں چینی ترکستان سے سیتھن نامی قوم نے اس خطہ پر حملہ کیا اور خوب تباہی مچائی۔ اس کے بعد ایک عظیم سیلاب نے یہاں جنگل اور ویرانی کا سماں پیدا کر دیا۔ ستلج سے چناب تک سارا خطہ زیر آب رہا۔ پانچ چھ سو سال بعد تنوج کی طرف سے راجہ کو رپال اس علاقہ میں آیا۔ اس نے یہاں بستی بسائی اور اس کو گوت پال، گوپال یا کورپال کا نام دیا۔ اس نے پاٹی کوٹی کا شہر آباد کیا جو پنجاب کا دار الخلافہ تھا۔ یہ شہر بعد میں سکندر نے تباہ کیا۔ اس کے آثار آج بھی بھمبر کی پہاڑیوں سے ملتے ہیں۔

اس جگہ کو بعد میں گوت پال کے بیٹے لجن پال نے بسایا اور اس کا نام اودھے نگری (سرسبز وشاداب) رکھا۔ مورخوں کے مطابق اودھے نگری آج کل دولت نگر ہے۔ آج بھی یہاں کے کھنڈرات سے اینٹیں ملتی ہیں۔ ایک باغ ہے جو راجہ

Marfat.com

گجرات: تاریخ کے جھروکے سے

1- اولین تاریخی شواہد اور روایات

خطۂ گجرات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بنی نوع انسان کی تاریخ جتنا پرانا ہے۔ پانی کی سطح پر سب سے پہلے کشمیر کا خطہ ابھرا اور گجرات کشمیر کے دامن میں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلا انسان سطح مرتفع تبت پر اترا۔ اس لحاظ سے اسے قدیم ترین آبادی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تبت کے دامن ہے۔ بہرحال یہ سب قیاس آرائیاں ہیں جن پر تاریخ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑیلہ شریف میں حضرت آدمؑ کے بیٹے کی قبر ہے۔ ایسی بہت سی 9 گزی لمبی قبریں ہیں جو انبیاء کرام کے نام سے موسوم ہیں حضرت نوحؑ کی اولاد کے حوالے سے ایک قدیم گرنتھ میں طوفان نوح کا ذکر ہے۔ سرسید احمد خاں نے بھی اس کا حوالہ ''آثار الضادید'' میں بیان دیا ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ بھی کے پہاڑی سلسلے میں انسانی آبادی سے قبل بھی آبادی تھی۔ یہاں سے بڑی بڑی ہڈیاں اور پنجر کھدائی کے دوران برآمد ہوئے ہیں۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جنوں کی آبادی تھی۔ ان پنجروں اور ڈھانچوں کے کئی چشم دید گواہ بھی تھے۔ یہاں آبادکاری حضرت نوحؑ کے بعد ان کی اولاد نے کی۔ یہ تہذیب سے عاری رہائش اور رہن سہن تھا۔ پتھر کے اوزار بھی یہاں سے نکلے۔

اس کے بعد جن باشندوں کی باقاعدہ تاریخ ملتی ہے وہ کول تھے۔ جن کی سب ضرورتیں لکڑی سے پوری ہوتی تھیں۔ ان کی شکل و صورت نیم حبشی تھی۔ آج کل جو پنجابی زبان اس خطہ میں بولی جاتی ہے اس کے کئی الفاظ دراوڑی زبان کے ہیں۔ مثلاً ماں، جانوروں کی پوٹ وغیرہ۔

یہاں کے باشندے دراوڑ تھے۔ کوٹلہ ارب علی خاں، دولت نگر اور کھوپار میں ایسے کنویں دریافت ہوئے ہیں جن پر عجیب و غریب رسم الخط درج ہے۔ خیال ہے کہ کول اور دراوڑ قوم کے وقت کے ہیں۔ 1500ق م میں آریہ اس خطہ پر حملہ آور ہوئے۔ ان کا پہلا پڑاؤ پنجاب میں گجرات تھا۔ انہوں نے یہاں کی دراوڑ قوم کو غلام بنا لیا۔ آریہ حضرت نوح کے بیٹے حام کی اولاد میں سے بتائے جاتے ہیں۔ حام کا ایک بیٹا جات تھا۔ جاٹ اسی کی نسل سے ہیں۔ جاٹ کو عربی میں 'زط' کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ جاٹ (زط) کسی وقت ہجرت کر کے ملک عرب چلے گئے ہوں۔ آریہ کی کتاب ''رگ وید'' میں دوآبہ چج کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ بعض روایات کے مطابق رگ وید کنجاہ میں لکھی گئی تاہم تاریخی طور پر اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ آریہ ذات پات کے قائل تھے۔ انہوں نے معاشر کے برہمن، کھتری، ویش اور شودر جو دراصل دراوڑ تھے، میں تقسیم کیا۔ سب سے نیچے شودر تھے، جو گھٹیا ترین ذات قرار دی گئی۔ آج کے ''مصلی'' اسی دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شاعر نے اس بارے میں کہا ہے کہ

میں ویلے دا کھنگر، میں ہرا وکڑ جھلی
میرے پیو داناں دراوڑ میرا نام مصلی

منو دھرم شاستر 2500ق م کی کتاب کے مطابق برھما کے دو بیٹے وچھ اور اوتر تھے۔ ان کی اولاد سورج اور چاند کہلائی تھے۔ انھی سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان نے بعد کے دور میں خطۂ گجرات پر حکمرانی کی۔ ہندوؤں کے دیوتا رام چندر جی آریہ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ 1000ق م میں کشمیر سے آئے اور گجرات سے گزرے۔ رام چندر اور ان کے شریک بھائیوں کی لڑائی رامائن میں درج ہے۔ رام چندر جی چندر بنسی خاندان کے جد امجد تھے۔ ضلع گجرات میں آریہ نسل رقوم کی رسومات بڑی حد تک ہندوؤں اور ہندوؤں سے مسلمان ہونے والے لوگوں میں اب تک موجود ہیں۔ 900ق م میں شنتو نامی حاکم دوآبہ چج تھا۔ 3500ق م میں پنجاب کا نام مدرویش تھا اور چندر بنسی راجہ جے دھرتھ حکمران تھا۔ والئی قندھار راجہ مثل یاسل نے پنجاب پر حملہ کیا اور قبضہ کرنے کے بعد راوی چناب کے درمیان رچنا اور آب میں شال کوٹ یا سیالکوٹ بسایا۔ گجرات کی تاریخ کے آثار اس وقت سے ملتے ہیں اس وقت گجرات سرسبز و شاداب خطہ تھا۔

راجاؤں نے اس خطہ پہ حکومت کی لیکن تاریخ ان کے حالات و واقعات بتانے سے قاصر ہے۔ بہت کم باتیں زبانی روایتوں اور مذہبی کتابوں میں رہ گئی ہیں۔ 700ق م میں چینی ترکستان سے سیتھن نامی قوم نے اس خطہ پر حملہ کیا اور خوب تباہی مچائی۔ اس کے بعد ایک عظیم سیلاب نے یہاں جنگل اور ویرانی کا سماں پیدا کر دیا۔ ستلج سے چناب تک سارا خطہ زیر آب رہا۔ پانچ چھ سو سال بعد تنوج کی طرف سے راجہ کورپال اس علاقہ میں آیا۔ اس نے یہاں بستی بسائی اور اس کو گوت پال، گوپال یا کورپال کا نام دیا۔ اس نے پاٹی کوٹی کا شہر آباد کیا جو پنجاب کا دارالخلافہ تھا۔ یہ شہر بعد میں سکندر نے تباہ کیا۔ اس کے آثار آج بھی بھی کی پہاڑیوں سے ملتے ہیں۔

اس جگہ کو بعد میں گوت پال کے بیٹے لجن پال نے بسایا اور اس کا نام اودھے نگری (سرسبز و شاداب) رکھا۔ مورخوں کے مطابق اودھے نگری آج کل دولت نگر ہے۔ آج بھی یہاں کے کھنڈرات سے اینٹیں ملتی ہیں۔ ایک باغ ہے جو راجہ

Marfat.com

گوپی چند کا باغ کہلاتا تھا۔

بعد میں اودھے نگری کے تباہ شدہ کھنڈرات پر سیالکوٹ کے راجہ سالباہن کے بیٹے راجہ رسالو کی بیوی نے ایک بستی آباد کی اور اس کا نام اپنے نام پر کوراں نگری رکھا۔ یہ شہر 118 میں آباد ہوا۔

جب آریہ تہذیب کے حکمران زوال پذیر ہوئے تو گوتم سدھاتھ المعروف مہاتمابدھ کا مذہب بدھ مت سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ کرانیکل آف گجرات میں کیپٹن ایلیٹ کا کہنا ہے کہ گجرات میں بھائی بھاگ سنگھ کے تالاب سے 60 فٹ کی گہرائی سے مہاتمابدھ کے دو بت برآمد ہوئے ہیں۔ جو اس خطہ میں بدھ مت کی گواہی دیتے ہیں۔ مہاراجہ اشوک نے اسے سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔

جین مت کے بارے میں اس خطہ کی تاریخ یکسر خاموش ہے۔ صدیوں پہلے خطہ گجرات پنجاب سمیت ایرانی بادشاہوں کے زیر بھی رہا۔ جمشید کے بیٹے فریدوں کو پہلا ایرانی حملہ آور کہا جاتا ہے اور یونانی مورخ ہیروڈوٹس 484-431 ق م کے مطابق ہندوستان اس وقت 391 ٹالسٹ جزیہ ادا کرتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ سکندر کو پوری دنیا فتح کرنے کا شوق تھا لیکن برصغیر پاک و ہند خاص طور پر اس کا نشانہ تھا۔ بات یوں تھی کہ جب ایرانیوں نے یونانیوں پر یلغار کی تو ایران کی فوج میں برصغیر کے جوان بھی تھے جن سے ایران کو فتح نصیب ہوئی چنانچہ اس بات کا بدلہ لینے کے لیے سکندر نے برصغیر پر حملہ کیا۔ اور 326 ق م کے موسم بہار میں ہندوکش عبور کر کے ٹیکسلا کے امبھی راجہ کو مطیع کر لیا جبکہ پنجاب میں پورس نے۔ سکندر نے رسول' مونگ اور جلالپور جٹاں میں اپنی سپاہ کو متعین کیا۔ پورس کے پاس 200 جنگی ہاتھی' تین سو جنگی رتھ' 4000 سوار اور 3000 پیادہ فوج تھی جس کے پاس دو دھاری تلوار تھی۔ اس وقت برسات کا موسم تھا دریائے جہلم پانی سے بھرا ہوا تھا۔ دریا کے دوسری جانب کھیوہ نزد منڈی بہاؤالدین میں پورس نے اپنی فوج کو چوکس رکھا۔ ایک رات سکندر نے شبخون مارا اور بے خبری میں پورس کو جالیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ پورس کے دو بیٹے ہلاک ہو گئے۔ ہاتھی بپھر گئے اور انہوں نے دہشت زدہ ہو کر اپنوں بیگانوں کو کچلنا شروع کر دیا۔ بارشوں کے سبب زمین دلدلی ہو گئی تھی اور نقل و حرکت ممکن نہ تھی۔ یونانی مورخین کے مطابق سکندر کو فتح نصیب ہو گئی۔ یہاں سکندر اور پورس کے درمیان زبان زد عام مکالمہ بھی ہوا۔ سکندر نے سارا علاقہ پورس کو واپس کر دیا۔ میدان کارزار کے حوالے سے مختلف قیاس آرائیاں بیان کی جاتی ہیں۔ دراصل بے شمار فوج کی وجہ سے پڑاؤ کسی ایک جگہ ممکن نہ تھا۔ بہرحال اصل لڑائی مونگ کے لگ بھگ ہی ہوئی یہ کہا جاتا ہے کہ سکندر کا گھوڑا ابوکفالیہ جہاں مرا وہیں دفن ہوا وہ جگہ آج کل پھالیہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ جہاں ایک ٹبہ بھی ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہیلاں رہیلن سکندر کی بیوی یا محبوبہ تھی۔ اس نے جہاں وفات پائی اور دفن ہوئی وہ جگہ پھیلاں نزد پھالیہ ہے۔ سکندر کی نسل سے ایک قوم ہکلا آج بھی تحصیل پھالیہ میں موجود ہے۔

جنرل کننگھم کے مطابق مونگ وہی جگہ تھی جہاں سکندر نے فتح کا جشن منایا۔ یہ جگہ آج بھی مونگ کے پاس ''گوریاں قبراں'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ یونانی سپاہیوں کی قبریں تھیں۔ 1899 میں نہر اپر جہلم کی کھدائی کے دوران یہاں سے سکوں سے بھرا ہوا ایک برتن ملا ہے۔ روایت کے مطابق یہ سکے راجہ موگا' جو مونگ کا رکا راجہ تھا' کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دریائے جہلم سے پار سکندر نے پاٹی کوٹی کے عظیم الشان شہر کے آثار دیکھے تو اس نے ان پر حملہ کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ بعض دیگر روایات کے مطابق پاٹی کوٹی سکندر نے اپنی فتح کے جشن میں بنوایا۔ اس سلسلے میں پہلی روایت درست تسلیم کی جاتی ہے۔

تاہم سکندر اور پورس کے معرکہ کے بارے میں تفصیل سے بات کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس موضوع پر بہت سے نئے حقائق سامنے آ چکے ہیں۔

2- مہاراجہ پورس و سکندر کا معرکہ اور گجرات

پورس اور سکندر کے معرکے پر درجنوں بلکہ سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں جن کی اکثریت یونانی مورخین کے بیان کردہ سچے یا جھوٹے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ ہم نے کبھی خود ہندوستانی ماخذ کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم نے ایک اور بہت بڑے ایرانی ماخذ شاہنامہ فردوس اور بعض حبشی حوالوں کو نظرانداز کیا اور سکندر کی پورس پر فتح کو واحد سچائی سمجھ کر پڑھتے اور لکھتے رہے۔ اس واحد نقطہ نظر کے خلاف حالیہ برسوں میں چند کاوشیں نظر آتی ہیں جن میں اہم ترین ڈاکٹر بدھ پرکاش کی انگریزی تصنیف ''پورس'' ہے۔ ڈاکٹر بدھ پرکاش نے پہلی بار پورس کے خاندانی حالات سے لے کر اس کی موت تک یونانی مورخین کے تضادات واضح کرتے ہوئے نہ صرف مہابھارت اور بعض دیگر ہندوستانی ماخذ سے مدد لی ہے بلکہ اس نے حبشی (ایتھوپیائی) عہد نامے سیوڈوکانستھز سے بھی اہم حقائق اخذ کیے۔ ایران کے عظیم شعری شاہکار ''شاہنامہ فردوسی'' کو اس نے ایک اہم تاریخی ماخذ کے طور پر استعمال کر کے تاریخ کو ایک نیا رُخ بہم پہنچایا ہے۔ جوزف بن گوریان کی تصنیف ''تاریخ یہود'' اور انیسویں/بیسویں صدی کے بعض انگریزی اور مقامی ماخذ بھی اس لڑائی کے واقعات کو ایک نئی جہت عطا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر بدھ پرکاش کی تصنیف بجائے خود ایک اہم ماخذ بن کر اُبھری ہے جسے اگر اس کی دوسری دو کتابوں

Marfat.com

Evolution of Heroic Tradition in Ancient Punjab

اور

Social and Political Movements of Ancient Punjab

کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو اس کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ پاکستان خصوصاً گجرات میں اس نقطہ نظر کو خاصی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ 'آئینہ گجرات' کے مصنف شیخ کرامت اللہ' ڈاکٹر منیر سلیچ' قریشی احمد حسین قلعداری' حاجی محمد زمان کھوکھر' افتخار وڑائچ کالروی' ارشد محمود رضا اور کئی دوسرے نئے و پرانے مصنفین نے ڈاکٹر بدھ پرکاش کی تقلید میں اس جھوٹ کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی ہے کہ فرزند گجرات پورس کو سکندر مقدونی کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی۔

بدھ پرکاش نے شاہنامہ کے حوالے سے ہی اس تاریخی حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ جب سکندر دارائے ایران پر حملہ آور ہوا تو اس نے پڑوسی مہاراجہ پورس سے مدد کی درخواست کی۔ پورس ایک لشکر کے ساتھ خود اس کی مدد کو پہنچا لیکن اس وقت تک شکست خوردہ دارا' میدان جنگ سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی لمحے سکندر نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ پنجاب کی آزاد مملکت اور اس کے فرمانروا پورس پر حملہ کر کے اسے اس جسارت کی سزا دے گا لیکن بقول بدھ پرکاش ایران' وسط ایشیا اور افغان سرزمین کو پیروں تلے روندنے والے سکندر مقدونی کی فتوحات کے سیلاب کے آگے جس واحد وطن پرست نے بند باندھا' وہ پورس تھا جسے اپنے پڑوسی حکمرانوں کی مدد تو کیا حاصل ہوتی' اُلٹا اسے کھلی جارحیت کا سامنا تھا لیکن ہمت ہارنے کی بجائے پورس نے مقابلے کی ٹھانی اور برابری کی بنیاد پر لڑائی کے خاتمے پر رضامند ہوا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تاریخ گجرات کے اس اولین اور روشن باب کو اس کے نئے اور پرانے مورخین کی نظر سے دیکھا جائے تا کہ جھوٹ کا وہ غبار چھٹ سکے جو صدیوں سے اس تاریخی داستان کے گرد پھیلا ہوا ہے' ظاہر ہے اس ضمن میں سب سے بڑا حوالہ بدھ پرکاش کا ہے جس نے پورس کے خاندان کو اس کے عروج کے وقت کے پنجاب کی کیفیت' پورس اور دارا کے تعلق' پورس کے حوالے سے مہابھارت کے شواہد' پورس اور سکندر کی لڑائی' جنگ کے اختتام اور پورس کی موت تک کے واقعات کو معروضی اور غیر جانبدارانہ انداز میں پیش کیا ہے' اس کتاب کے دو تین ابواب ''پورس اور دارا''، ''پورس اور سکندر'' اور ''جنگ کا اختتام'' اس سلسلے میں خصوصی توجہ کے حامل ہیں۔ ہم ان ابواب سے چند اقتباسات جو ایم وسیم کے ترجمے ''مہاراجہ پورس'' سے لیے گئے ہیں' پیش کریں گے۔

ایران کے آچمینی حکمرانوں کے دور زوال میں دارا سوم کے نام سے جس شخص نے تخت سنبھالا اسے یونانی حملہ آور کے مقابلے پر صف آرا ہونا پڑا۔ بقول بدھ پرکاش:

''بلاشبہ نیا حکمران بہادر اور قابل تھا لیکن ایران کے روایتی حریف ملک یونان میں بھی ایک مہم جو اور جانباز سوچ کا بادشاہ سامنے آ رہا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ آئیونی قصبوں' مصر' میسوپوٹیمیا اور مغربی ایشیا کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا یوں دونوں طاقتوں کی زور آزمائی کی راہ ہموار ہو گئی اور تین جنگیں لڑی گئیں۔ پہلی لڑائی 334 قبل مسیح میں دریائے گرانیکوس' دوسری 333 میں آئی سوس اور آخری 331 ق م میں اربیلہ میں لڑی گئی۔ اگرچہ تمام جنگوں میں دارا کی فوجیں تعداد میں زیادہ تھیں تاہم وہ مقدونوی جنگجوؤں کی تلواروں کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس طرح دارا ملول اور غیر یقینی صورت حال کا شکار ہوتا چلا گیا۔

اربیلہ میں زک اٹھانے کے بعد دارا نے پھر ایک بار فوجیں اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ سکندر بابل' سوسا اور پرسی پولیس پر قبضے کے بعد ماردیان کے خلاف پیش قدم کر رہا تھا کہ اس کو دارا کی ہمدان میں از سر نو فوجی تیاریوں کی اطلاعات ملیں۔

مورخ ہمیں بتاتے ہیں کہ مقدونوی فوج کے ہاتھوں تین بار ہزیمت اٹھانے کے بعد دارا کے متعدد جرنیل اور افسر مارے گئے یا بکھر کر رہ گئے۔ ان کے حوصلے بالکل پست ہو چکے تھے۔

اس موقع پر یہ بات بعید از قیاس ہوگی کہ وہ اپنے حریف فاتح سکندر سے تین بار شکست کھانے کے بعد پھر فتح کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کی اپنی فوج بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی لازمی طور پر اس کے پاس کسی دوسری طاقت کی مدد کا وسیلہ موجود تھا' جس نے اس کے دل میں کامیابی کی نئی امید پیدا کر دی۔ ایرانی' شامی اور حبشی روایتوں میں دارا کی مدد کے لیے ہندوستانی بادشاہ ''فور'' کے ہاتھی دستے کا پتہ چلتا

Marfat.com

ہے۔کوئی غلطی کیے بغیر اس بادشاہ کو پورس نام کی بگڑی شکل قرار دیا جاسکتا ہے۔

تاریخ کی یونانی کتاب ''سیوڈو۔ کالستھنز'' اور اس کے شامی نسخے میں ذکر ہے ''شاہ دارا نے پورس کو فوج کی معیت میں درہ کسپیئن کے پاس ملاقات کی دعوت دی۔ اس نے پورس کو دشمن فوج سے چھینے گئے مال غنیمت کا نصف اور سکندر کا پسندیدہ گھوڑا ''بوکی فالس'' دینے کا وعدہ کیا۔

لیکن فردوسی اپنے شاہنامہ میں ہمیں بتاتا ہے کہ

''اربیلہ میں شکست کے بعد دارا نے سکندر کو خط لکھا اور امن کے لیے کچھ شرطیں پیش کیں۔ سکندر کا جوابی خط مثبت تھا لیکن اس دوران دارا کے اندر کسی غیر ملکی حملہ آور کے قدموں میں ہتھیار ڈال کر ایرانی قوم کو شرمندہ نہ کرنے کی سوچ پیدا ہوگئی' وہ سر اٹھا کر جینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ایک مرتبہ پھر تلوار پکڑنے کا فیصلہ کیا۔ دارا نے ہمسایہ ہندوستان کے طاقتور بادشاہ پورس سے کامیابی کے لیے مدد کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ فتح کی صورت میں ہر تعاون کا بدلہ زبردست انعام کی صورت میں دیا جائے گا۔ وارنر نے فردوسی کے اس شاعرانہ پیرائے کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

جب دور و نزدیک کوئی مونس و مددگار نہیں تھا۔ اس نے فر (پورس) کو عاجزانہ خط لکھا۔ گہری مایوسی کی حالت میں پہلے اس نے خدا کی حمد بیان کی اور کہا

اے سرزمین ہند کے حکمران۔

تم دانا' تم بے مثل اور محسوس کرنے والی روح کے مالک۔

میری بدقسمتی کی داستان سنو۔

سکندر روم سے فوجوں کے ساتھ ہماری سرزمین میں گھس آیا۔

کوئی فوج' کوئی آبادی' رشتہ دار اور بچے یا تاج یا تخت یا شاہی دبدبہ یا خزانہ یا مال ہمارے لیے باقی نہیں چھوڑا۔

اب اگر تم میری مدد کرو گے اور پرے رکھو گے مجھ سے تباہی' تو میں ضرور روانہ کروں گا۔

اتنے قیمتی جواہرات اپنے خزانے سے کہ تمہیں مزید ضرورت نہیں پڑے گی۔

اس کے علاوہ تاریخ میں تمہارا نام باقی رہے گا اور ایک دنیا تمہاری عزت کرے گی

سیوڈو کالستھنز کے حبشی ترجمے میں دارا کی پورس کو دعوت کا بیان ارنسٹ اے واس بجے نے اس طرح کیا ہے۔

''شہنشاہ دارا کی طرف سے شاہ ہند پورس کے لیے نیک خواہشات کا اظہار' اس سے پہلے میں اپنی سلطنت میں قوت اور عالیشان انداز میں حکومت کرتا تھا لیکن اب میں تم سے مدد اور تعاون کا خواست گزار ہوں کیونکہ ایک طاقتور جنگجو شخص (سکندر) نے ہم پر جنگ مسلط کردی ہے۔ اسے کوئی خوف و خطر نہیں' اس کا حوصلہ زبردست اور جسم تنومند ہے اور میں نے اس جیسا شخص پہلے کے کسی بادشاہوں یا انسانوں میں نہیں دیکھا۔ سن لو اس نے ہماری تشفی کا باعث بننے والی عورتیں بھی چھین لی ہیں۔ یہ بھی سنو کہ میں متعدد بار یونانیوں کے مقابلے میں اترا لیکن میں انھیں شکست دینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ مجھ پر غالب آ گیا اور ذلت آمیز گہرائیوں میں پھینک دیا کیونکہ ایرانیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس سے (سکندر سے) جنگ کرسکتا اس طرح اس نے میری سلطنت چھین لی۔ میری ماں' میری ملکہ اور بیٹی کو بندی بنالیا۔ میرے پاس موت کے سوا کچھ نہیں بچا۔ شاید میرے لیے اس کا غلام بننے سے مرنا ہی بہتر ہے۔ اے پورس میری مدد کرو اور اس محبت کا اظہار کرو جو ہمیشہ ہمارے درمیان موجود رہی۔ مجھے تمہاری ہندوستانی فوج کی

Marfat.com

ضرورت ہے جو اس طاقتور انسان (سکندر) اور اس کی
فوج سے آہنی ہاتھوں سے نمٹ سکے۔ یہ فوج میری
کمان میں دو تا کہ میری امید اور اعتماد کو نئی روح مل
سکے۔ میں تمہارے پیغام تک اپنے ملک کی سرحدوں
پر منتظر رہوں گا' جس کے بعد میں دشمن فوج پر ٹوٹ
پڑوں گا اور انھیں اپنا علاقہ چھوڑنے پر مجبور کردوں گا۔
اگر میں سکندر پر فتیاب رہا تو میں نصف مال غنیمت
تمہارے حوالے کردوں گا۔ سکندر کو جب اس بات کا
علم ہوا تو اس نے اپنی فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ جس
کے بعد یونانی دستے شہنشاہ دارا کی طرف کوچ
کر گئے۔''

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ دارا پورس کو ہندوستان کا بادشاہ' نہایت عقل مند' طاقتور اور اپنی مدد کے قابل سمجھتا تھا۔ یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ دارا نے اپنی فتح کی صورت میں پورس کو صلہ دینے کا بھی وعدہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریکی اور مایوسی کے اس دور میں اس کا ہندوستانی اتحادی ہی امید کی آخری کرن تھا۔

پورس نے دارا کی درخواست کا فوری جواب دیتے ہوئے اس کی مدد کے لیے ہاتھیوں کا دستہ بھیجا۔

جیسے ہی پورس کے ہاتھیوں نے دارا کی مدد کے لیے پیش قدمی کی سکندر نے ان انتظامات کو محسوس کرلیا اور عظیم قوت کے ساتھ تیزی سے دشمن کی جانب لپکا۔ فردوسی لکھتا ہے

''سکندر نے جب یہ سنا کہ دارا
ابن دراب
نے طبل جنگ بجادیا ہے۔
اور ابھر آئی ہے۔ ڈھولوں '
ہندوستانی گھنٹیوں کی ناگوار تیز
آواز
سکندر الستحر سے ان طاقتوں کی
طرف روانہ ہوا۔
امن شاید کسی جنت میں کھوگیا
تھا۔

دارا نے اپنی ٹوٹی پھوٹی فوج کو تیزی سے جمع کرنا شروع کردیا اور سکندر کے حملے کے سامنے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ایرانی فوج مقدونوی حملہ آوروں کی طوفانی چڑھائی کا دلجمعی سے مقابلہ نہ کرسکی۔ دارا کے کئی سردار اس کا ساتھ چھوڑ کر حریف فوج سے جاملے۔ فردوسی نے اس منظر کو اپنی شاعری میں اس طرح بیان کیا ہے۔

''جب دارا نے اپنی فوج کے
ساتھ پیش قدمی کی' ایرانیوں کے
حوصلہ پست تھے۔
نیم دلی اور جنگ کے خوف سے
دارا کی فوج بکھری بکھری تھی
مدمقابل رومن ہاتھوں میں ہاتھ
ڈالے ڈٹے رہے
ایرانی لومڑ اور رومن شیر تھے
اور تمام سرداروں نے سر اٹھانے
کے بجائے سر جھکانے کا مشورہ
دیا۔''

صرف 300 گھڑسوار اپنے بادشاہ کے ساتھ میدان میں اترے لیکن دارا خود پژمردگی کا شکار تھا۔ ایرانی سرداروں نے اس کو قتل کر کے سکندر کی اطاعت قبول کرلی۔

اسی اثناء میں پورس کے ہاتھیوں کا دستہ وہاں آپہنچا لیکن بہت دیر ہوچکی تھی اور مدد کی درخواست کرنے والا بادشاہ خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس موقع پر فردوسی شاہنامہ میں پورس کے ردعمل کو یوں بیان کرتا ہے۔

''جب دارا نے مدد مانگی
میں نے اس کی دلجوئی کی اور اس
کی مایوسی کو محسوس کیا
اسے حوصلہ افزائی کا پیغام بھیجا
جب اس کو غلاموں نے قتل کردیا'
ایرانیوں کی بدقسمتی پر مہر ثبت
ہوگئی۔
اور جب دارا کا سر تن سے جدا
کردیا گیا۔
مسلسل لعن طعن زہریلا مادہ بن

Marfat.com

گئی''

یہ بالکل واضح ہے کہ فردوسی اس زہریلے مادے (Anecdotes) کا ایجاد کنندہ نہیں تھا۔ جس کا ذکر اس نے شاہنامے میں کیا ہے۔

اس کی معلومات کا زیادہ انحصار ایرانی دہقانوں کی روایتوں پر ہے جو متوسط طبقے کے نمائندے اور ایران کی قومی تہذیب کے محافظ بن کر ابھرے آرمینی مصنف موسس نے آغاز 5ویں صدی عیسوی میں ان روایتوں کا ذکر کیا ہے۔ نوشیروان عادل کے دور میں ان کو اکٹھا کرنے کی مہم شروع کی گئی۔

یزدگر کی حکومت کے دوران دہقان دانشور اور اس کے ساتھیوں نے ان پر نظر ثانی کی۔ ان کی عرق ریزی کے نتیجے میں پہلوی کا ''خدائے نامہ'' تخلیق ہوسکا جس کا بعد از ال المقفی نے عربی میں ترجمہ کیا دقیقی نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ تاہم آخر میں فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر اس کو امر کر دیا۔

یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فردوسی کی معلومات ثقہ نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے پہلوی کی روایتوں کی تفصیل ہے۔ جن سے معلومات کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ فردوسی ہمیں جو تفصیلات بتاتا ہے وہ دیگر ذرائع سے ملنے والی معلومات سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔

فردوسی نے بالکل ٹھیک بتایا ہے کہ دارا اور سکندر کے درمیان معرکہ آرائی دریائے فرات کے مغربی کنارے پر ہوئی۔ اس نے یہ بھی درست کہا ہے کہ جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھ کر دارا میدان جنگ سے فرار ہوگیا۔ بادشاہ کے بھاگنے سے ایرانی فوج کے حوصلے اس طرح پست ہوئے کہ اس نے خود سکندر کے سامنے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیے۔ سکندر نے مفتوح علاقے کے ساتھ شائستہ اور اچھا سلوک کیا۔ فردوسی اس شامی روایت کو مسترد کرتا ہے کہ سکندر اور دارا کے درمیان صرف ایک جنگ ہوئی۔

اس نے عربی مورخ ہشام بن محمد کا یہ دعویٰ بھی قبول نہیں کیا کہ دونوں میں لڑائی ایک سال تک جاری رہی۔ اس نے عرب تاریخ دانوں کا یہ جھوٹ مسترد کیا ہے کہ دارا کو سکندر کی سازش کے تحت قتل کیا گیا بلکہ اس نے لکھا ہے کہ اس کے ایک وزیر نے اسے ہلاک کر دیا۔ یہ تمام چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ دارا کے آخری ایام سے متعلق فردوسی کی روایتیں زیادہ معتبر اور شامی اور عربی تفصیل سے بہتر ہیں اس نے دارا کی پورس کو فوجی مدد کے لیے درخواست کا جو بیان کیا ہے اسے یکسر مشکوک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ بیان شامی روایتوں کے ساتھ مماثل ہے۔

یہ بات بھی نامناسب ہوگی کہ ہم پہلوی کے نکتہ ہائے نظر کو محض اس لیے مسترد کر دیں کہ یونانی مورخ اس بارے میں خاموش ہیں اگرچہ تاریخ کے اس مبہم حصے کے بارے میں دلائل کو منطقی لحاظ سے کمزور قرار دیا جاسکتا ہے سامنے آئے لیکن دیگر ذرائع سے جو تفاصیل اور پس منظر ہیں ان سے صورت حال بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ پورس کی فوج کا ایرانی فوج کی جانب سے یونانیوں کے خلاف لڑنا' سکندر کو مشتعل کرنے کا باعث بنا۔ سیوڈو کالستھنز کے حبشی ترجمے میں مورخ ''بج'' لکھتا ہے۔

''اور سکندر نے سنا کہ شاہ ہندوستان پورس ایرانی شہنشاہ دارا کی مدد کے لیے آپہنچا ہے۔ دوسری طرف پورس ایرانی فرمانروا کی طرف سے لڑنے کے لیے پہنچا تو معلوم ہوا کہ دارا کو قتل کیا جاچکا ہے۔ وہ فوج سمیت واپس لوٹ گیا۔ سکندر نے دیوتاؤں سے پورس کے خلاف لڑائی کا عہد کیا اور فوجوں کو ہندوستان کی طرف پیش قدمی کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔

یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ سکندر کو شدید صدمہ پہنچا کہ آخمینیوں کی طرح کا ایک طاقتور بادشاہ پورس کی شکل میں اب بھی موجود ہے جو ایران کے معاملات میں مداخلت کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے افغانستان کے رستے پنجاب کی طرف چڑھائی کا مصمم ارادہ کرلیا۔''

ان طویل اقتباسات کے لیے معذرت لیکن ان کے بغیر بدھ پرکاش یا تاریخ گجرات کے نئے مورخین کے نقطہ نظر کو واضح نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اب ہم خود اپنے میدان جنگ کی طرف بڑھتے ہیں۔ جب سکندر وادی کنڑ کے قبائل کا صفایا کرتا ہوا پنجاب کی سرزمین پر وارد ہوا۔ ٹیکسلا کے راجہ امبھی نے اس کی اطاعت اختیار کی اور اس کا میزبان ہی نہیں بلکہ پورس کے خلاف اس کا اتحادی بھی بن گیا۔

سکندر جب ایک ماہ تک ٹیکسلا میں میزبانی کے مزے لوٹ چکا تو اس نے پورس سے چھیڑ چھاڑ کی ٹھانی۔ بدھ پرکاش کے لفظوں میں:

''ٹیکسلا میں قیام کے دوران سکندر نے پورس کو اطاعت کا اظہار کرنے اور اس کے پاس حاضری دینے کے لیے ایلچی بھیجا۔ اس موقع کو یونانی مورخ کیورٹیس یوں بیان کرتا ہے'' سکندر نے یہ سوچ کر کہ دیگر بادشاہوں کی طرح پورس بھی اس کا نام سن کر رعب میں آجائے گا۔ اس کے پاس اپنا سفیر کلیوکیرس

Marfat.com

بھیجا اور پیغام دیا کہ ''پورس اطاعت قبول کر کے اپنی
سلطنت کی سرحدوں پر آ کر مجھ سے ملاقات کرو''
پورس نے جواب دیا ''ہاں میں ضرور ملاقات کروں گا
لیکن یہ ملاقات میدان جنگ میں ہتھیاروں کے
سائے میں ہوگی اور تم میری سرحدوں میں ہتھیار بند
ہو کر آنا''

فردوسی نے تفصیل سے دونوں بادشاہوں میں خط و کتابت کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے مختصر یہ کہ دونوں لشکروں نے فوجی طاقت کے مظاہرے کے لیے دریائے جہلم کے کناروں کا انتخاب کیا۔

سکندری فوج کی جہلم کی جانب روانگی کے عین موقع پر آرکوشی قبیلے کو بغاوت پر اکسانے والا باغی سردار بارزینس (برہنت) پابجولاں اس کے پاس لایا گیا اس واقعے میں ایک اور ہندوستانی ریاست کے بادشاہ ساکسس کو گرفتار کیا گیا اس دوران تیس ہاتھی بھی یونانی پڑاؤ میں شامل کر لیے گئے۔ قبل ازیں راجا امبھی نے سکندر کو ٹیکسلا سے چھپن ہاتھی کو تحفے کے طور پر پیش کیے تھے اس طرح اب چھیاسی خونخوار جنگی ہاتھی بھی لڑائی کے لیے تیار تھے۔

سکندر کی فوج میں اس کے دوست ٹیکسلا کے بادشاہ امبھی کے پانچ ہزار مسلح جنگجو بھی شامل تھے۔ پوری فوج بھرپور طور پر منظم اور تربیت یافتہ تھی۔ ان کی اپنے سپہ سالار سے وفاداری کسی شک و شبہ سے بالاتر تھی۔

دوسری جانب پورس کی فوج میں زیادہ تعداد مغربی پنجاب کے باشندوں کی تھی۔ یونانی دانشور لکھتے ہیں کہ

''اس خطے کے افراد ایشیا کے طویل القامت لوگوں میں سے تھے۔ ان کا قد پانچ ہاتھ (تقریباً چھ فٹ) تھا ان کی رنگت حبشیوں کو چھوڑ کر سیاہ ترین تھی ان کی داڑھیاں بارعب اور وجاہت آمیز تھیں یہ لوگ نفیس کپڑا پہنتے جو پاؤں تک لمبا ہوتا تھا۔ سر پر سُوت یا لٹھے کی پگڑی پہننا ان کا امتیازی وصف تھا۔ بالوں کو اچھی طرح کنگھی کر کے رکھتے تاہم کٹوانے کی زحمت کم ہی کی جاتی تھی۔ بڑی بڑی مونچھیں اور داڑھی رکھتے تھے۔ چہرے کا باقی حصہ صفاچٹ ہوتا۔ کانوں میں قیمتی پتھروں والا زیور پہنتے تھے۔ امراء طلائی کنگن اور ہار بھی پہنتے تھے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ عیش پسند لوگ نہیں تھے لیکن اپنے منفرد طرز زندگی نے انھیں ایشیا کے باقی لوگوں سے ممتاز بنا رکھا تھا''

جنرل چیسنکی کا خیال ہے کہ

''سکندر نے جہلم پہنچنے کے لیے سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ انتہائی جنوبی پٹی سے ہوتے ہوئے کوہ نمک کے قریب دریائی پاٹ کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھی۔ اس کے بائیں طرف ٹلہ اور روہتاس کے علاقے تھے وہ بھنڈرندی کی گزرگاہ والی تنگ گھاٹی سے گزرتے ہوئے موجودہ جلالپور شریف کے پاس دریائے جہلم کے کنارے نمودار ہوا''

کننگھم بھی جنرل چیسنکی کی تحقیق سے متفق ہوتے ہوئے رقم طراز ہے کہ

''سکندر نے راولپنڈی، مانکیالا اور روہتاس کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ جنوب میں ڈھڈیال سے ہوتے ہوئے پہلے اسانوت، ونگ اور پھر جلالپور پہنچا۔ سکندر کا فوجی پڑاؤ جہلم کے کنارے شاہ کبیر سے لے کر چھ میل پر پھیلا ہوا تھا اس کے خیمے جلالپور کے شمال مشرق میں دو میل اور سید پور تک چار میل تک بکھرے ہوتے تھے۔

تاریخ دان اے برنس، جنرل کورٹ اور جنرل ایبٹ اس خیال سے متفق نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سکندر نے جہلم کے لیے بالکل سیدھا اور روایتی راستہ اختیار کیا۔ اس نظریے کے حق میں وی اے سمتھ اور ای آر بیوان کی تحقیق ہے کہ سکندر روہتاس کے پاس شاہ ڈھیری اور درہ بگڑالہ پار کرتے ہوئے دریائے جہلم پہنچا کیوں کہ یہاں دریا کا پاٹ جلالپور شریف کے قریب پاٹ کی بہ نسبت ایک تہائی کم تھا۔ اسی راستے کو قدیم مورخ سٹرابو نے بھی سکندر کی گزرگاہ قرار دیا ہے کیونکہ سکندر نے فوجی نقل و حمل کے لیے ہمیشہ پہاڑوں کے دامن کو ترجیح دی کیونکہ یہاں کھلے میدان کی بہ نسبت دریاؤں کو پار کرنا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ سکندر دریائے جہلم کے ایک کنارے اور اس کا حریف راجا پورس اپنی فوج کے ساتھ دوسری طرف خیمہ زن ہو گیا۔

کیورٹیس اس منظر کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''دریا چاروں سمتوں میں 809 گز کے وسیع علاقے پر پھیلا نظر آ رہا تھا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زیادہ پھیلاؤ سے اس کی تیزی میں کوئی فرق آ گیا تھا۔ جہلم

Marfat.com

ایسا تند خو' جوشیلا دریا محسوس ہو رہا تھا جسے دونوں طرف سے تنگ کناروں میں قید کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی مقامات پر ڈوبی چٹانوں کی وجہ سے پانی کے اندر ڈھلوانیں سی بن گئی تھیں کناروں پر ایک اور دنیا آباد تھی۔ جہاں تک نگاہ جاتی وہاں توپخانے' شہسواروں کے دستے دکھائی دے رہے تھے اور ان کے درمیان تباہی پھیلانے والی بھاری بھرکم بلائیں' ہاتھی' نمایاں نظر آ رہی تھیں۔ مہاوتوں کی طرف سے انھیں قابو رکھنے کی کوشش میں ان کے کان تکلیف میں رہتے جس سے ہاتھی دہشت ناک چنگھاڑیں مار رہے تھے۔''

میدان جنگ میں فوجیوں کا شور' گھوڑوں کی ہنہناہٹ' ہاتھیوں کی چنگھاڑ' بگھیوں کی دریا جیسی غراہٹ آمیز کنکھناہٹ' افق پر تاحد نظر پھیلے لوگ' گاڑیوں کی چمک' ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آواز' دیوہیکل ہاتھیوں کی ہیبت ناک' قطار اندر قطار خیمے اور قناطیں ادھر ادھر گھومتے فوجی دستوں سے ہم اس وقت کی چمک دمک اور رومان آمیزی کا بخوبی تصور کر سکتے ہیں۔ مسلسل نگرانی' تجسس' اعصاب شکن ہوشیار کیفیت اور گہری توقعات سے ہر فوجی اعصابی تناؤ کا شکار نظر آ رہا تھا۔

دونوں کنارے فریقین کے لیے ایک چیلنج بن گئے تھے۔ دریائے جہلم پر دونوں فوجیں حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں اور اپنے حصے کے لیے کچھ کرنے کا موقع تلاش کر رہی تھیں۔ دریا کی چوڑائی جہلم کے قریب 809 گز جبکہ جلالپور میں اس سے دگنی تھی جس سے حملہ کرنے کی کوشش بیکار نظر آ رہی تھی۔ دونوں فوجیں مئی سے جون کے اختتام یا اوائل جولائی تک ایک دوسرے کے خلاف مکمل تیاری اور بے چینی کی حالت میں رہیں۔ جہلم بدستور ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پورس کی فوج اگرچہ سکندر کے مقابل تھی تاہم اس نے دریا کے ان تمام علاقوں پر نگران دستے بھیج رکھے تھے جہاں سے ممکنہ طور پر جہلم کو پار کیا جا سکتا تھا۔ سکندر نے بھی اپنی فوج کو مسلسل حرکت میں رکھا۔ وہ کبھی ایک جگہ پڑاؤ کرتا کبھی دوسری جگہ اس طرح اس نے اپنے حریف کو مستقل الجھاؤ میں ڈال دیا اور پورس اس کے عزائم جاننے میں مشکل کا شکار تھا۔ اس مقصد کے لیے سکندر نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جبکہ اپنی کمان میں اس نے چند دستے رکھے۔ یہ فوجی ٹکڑیاں مختلف سمتوں میں پیش قدمی کرتی تھیں۔ وہ علاقے کی صورت حال جانچنے کے علاوہ دریا پار کرنے کی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا اس نے بیک وقت کئی جرنیلوں کو مختلف ڈویژنوں کے ساتھ مختلف سمتوں پر تعینات کر رکھا تھا۔ وہ اس حکمت عملی سے مد مقابل پورس کو مرعوب کرنے کا خواہاں تھا اور چاہتا تھا کہ اس طرح برسات کا موسم ختم ہو جائے کیونکہ اکتوبر میں سرما کے آغاز پر پانی کی سطح گر جاتی تھی۔

اگرچہ اس نے فوجیوں میں اکتوبر تک انتظار کا ارادہ مشہور کر رکھا تھا تاہم وہ مسلسل ایسے مقام کی تلاش میں رہا جہاں سے دریا کو چپکے سے پار کیا جا سکے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ پورس کی فوج کے عین سامنے سے جہلم کو پار کرنا ناممکن تھا جو ہم وقت دریا پار کر کے پہنچنے والی مقدونوی فوج پر جھپٹنے کے لیے تیار رہتی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کے گھوڑے' ہاتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے بلکہ ان کی ہیبت سے ممکن ہے کشتیوں سے دریا میں کود کر بہاؤ کی نذر ہو جائیں اس لیے وہ ایسے خفیہ راستے تلاش کر رہا تھا جن سے گزرتے ہوئے پورس کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ وہ رات کو فوج کے پڑاؤ سے نکلتا اور دریا کے کنارے مختلف سمتوں میں مارا مارا پھرتا۔ اس نے باقی فوج کو ہدایت کی کہ وہ ایسی آوازیں اور شور پیدا کرے جس سے یہ تاثر پیدا ہو کہ شاید سکندر کی فوج دریا کو پار کرنے کے لیے تیار ہے اس حکم پر یونانی فوجی جنگ کے دیوتا ''رینیالس'' کے نام کے نعرے لگاتے۔

سکندر کو بالآخر اپنے پڑاؤ سے 17 میل دور ایک مناسب مقام دریا پار کرنے کے لیے مل گیا۔ اس جگہ پر دریا نے کافی حد تک ایک موڑ لیا ہوا تھا' اس جگہ کنارے پر درختوں سے ڈھکا ایک ابھار تھا جس نے توپخانے اور شہسواروں کو ''کیموفلاج'' کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس ابھرے ہوئے مقام کے سامنے دریا میں ایک جزیرہ تھا جو گھنے جنگل سے بھرا ہوا تھا۔

کننگھم کا خیال ہے کہ یہ مقام کاندرنالہ (جلالپور کے قریب) کے قریب تھا لیکن تارن کی تحقیق ہے اس جگہ پر دریا کا موڑ اتنا نہیں جتنا آرین نے بتایا ہے۔ ایبٹ اور سمتھ کا کہنا ہے کہ جلالپور کے ساتھ منڈیالہ اور کوٹھرا کے درمیان دریا میں کوئی موڑ نہیں ہے یہ جگہ دراصل موجودہ جہلم شہر سے 14 میل کے فاصلے پر تھی۔ جیسا کہ یونانی ادیبوں نے لکھا ہے کہ سکندر نے اپنے پڑاؤ سے 17 میل دور دریا کو پار کیا اس طرح موجودہ اور ماضی کے فاصلے میں زیادہ فرق نہیں رہ جاتا۔ ان دونوں مورخوں کا کہنا ہے کہ یہ جگہ منگلا کے جنوب مشرق میں بھنہ تھی۔ سکندر کو اس مقام پر ایک اور فائدہ تھا کہ اس طرف دریا اندر کو دھنسا ہوا تھا جبکہ مخالف فوج کو باہر والی طویل کمان پر پھیلنا پڑتا تھا۔ اس کا راستہ مختصر تھا لیکن مخالف فوج کو لمبا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔

جہلم (ہائیڈاسپس) کے اس طرف قدم رکھنے والا پہلا شخص سکندر خود تھا۔

اس نے پیچھے آنے والے شہسواروں کی کشتیوں سے اترتے ہی صف بندی شروع کر دی۔ تاہم علاقے سے اپنی لاعلمی کی وجہ سے وہ اصل ہدف کے بجائے ایک بڑے جزیرے پر جا اترا یہ ٹکڑا اتنا بڑا تھا کہ پہلی نظر میں اس کے اصل کنارے نہ

Marfat.com

ہونے کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ دریا کی ایک شاخ نے اسے کنارے سے الگ کر رکھا تھا۔ یہاں عام حالات میں پانی اتنا گہرا نہیں ہوتا تھا لیکن رات بھر جاری رہنے والی بارش سے طغیانی آ چکی تھی۔ ہر گھڑسوار اپنے گھوڑے کی گردن کے سوا پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور اسے کنارے پر پہنچنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ توپخانے کے فوجی بھی چھاتی تک پانی کے اندر ڈوبے ہوئے تھے ریلہ اتنا تیز تھا کہ دریا کے پیندے میں قدم جما کر چلنا نہایت مشکل ہو گیا اس صورت حال میں کئی یونانی حوصلہ ہار بیٹھے۔ خود سکندر نے بے چین ہو کر کہا ''اے اہل ایتھنز کیا تم یقین کرو گے کہ تمہاری وفاداری اور خوشی کے لیے مجھے کتنے خطرات سے گزرنا پڑا'' آخر کار کئی جانی اور مالی نقصانات کے بعد یونانی فوج دریا پار کر گئی اور اس دریا کو ''سکندر کا دریا'' کہا جانے لگا۔

سکندر نے جس علاقے پر قدم رکھا وہ کری کا میدان تھا۔ اس کے شمال اور مشرق میں چھوٹی پہاڑیاں تھیں اور وہ پانچ میل تک پھیلا ہوا تھا یوں کسی جنگ کا میدان لگانے کے لیے یہ علاقے کو وسیع نہیں مگر کافی تھا۔ اس مقام پر آج کل سروال، بکڑال اور سکھ چین پورہ کے دیہات آباد ہیں۔ سکھ چین پورہ کے قریب ہی ''نکایا'' کا گاؤں ہے جسے سکندر نے اپنی فتح کی یاد میں آباد کیا تھا۔

دریا پار کرنے کے بعد سکندر نے صفیں درست کیں اور توپخانے کے ساتھ اڑھائی میل آگے روانہ ہوا۔ ابھی سکندر کی فوجیں سنبھلنے نہ پائی تھیں کہ پورس کے بیٹے کی کمان میں پنجابی سپاہیوں کے ایک دستے نے ان پر دھاوا بول دیا۔ یونانی تاریخ دان ارسطوبولس کہتا ہے کہ اس ٹکڑی میں 60 بگھیاں شامل تھیں لیکن ٹولمی اس سے متفق نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ دستہ 120 بگھیوں اور دو ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔

آرین قدیم راویتوں کے حوالے سے کہتا ہے کہ ''لڑائی انتہائی اہمیت کی حامل تھی ابھی یونانی فوج خشکی پر پوری طرح اتری نہیں تھی کہ پورس کے بیٹے کی قیادت میں ہندوستانی فوجیوں نے اسے تلواروں اور نیزوں پر لے لیا۔ سکندر جو شہسواروں کی کمان کر رہا تھا خود شہزادے کے ہاتھوں زخمی ہوا جبکہ اس کا چہیتا گھوڑا بکفالس مارا گیا۔''

آر سی مجمدار کی تحقیق ہے کہ آرین اس جھڑپ کو تسلیم نہیں کرتا لیکن ہم آرین کے بیان کی تفصیل پڑھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے ٹولمی کی تحقیق کا یہ بتانے کے لیے حوالہ دیا ہے کہ پورس کے بیٹے کی قیادت میں فوج ساٹھ بگھیوں کی جگہ ایک سو بیس بگھیوں اور دو ہزار پیادوں پر مشتمل تھی۔ سکندر کی فیصلہ کن پیش قدمی کے عین موقع پر پورس کا بیٹا ہندوستانی فوج کے ساتھ نمودار ہوا۔ سکندر نے پہلے اس کے مقابلے کے لیے گھڑسوار تیر انداز بھیجے اور پھر خود باقی فوج کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ ٹولمی لڑائی میں سکندر کے زخمی ہونے اور اس کے گھوڑے بوکفالس کی ہلاکت کی تردید نہیں کرتا اس طرح آرین بھی ان حقائق کو مسترد نہیں کرتا تاہم ایک اور مورخ جسٹن اس وقعہ کو ذرا افسانوی رنگ دیتے ہوئے لکھتا ہے ''سکندر نے میدان جنگ میں کود پڑنے میں کوئی وقت ضائع نہ کیا لیکن اس کا گھوڑا پہلے ہلے میں زخمی ہو گیا اور وہ منہ کے بل زمین پر آ گرا اس موقع پر سکندر کے معاونین اور خدمت گزار اس کی طرف لپکے اور اسے بچایا۔''

پورس کے بیٹے کا حملہ بظاہر ناکام ہو گیا کیونکہ اس کی بگھی کیچڑ میں دھنس گئی۔ عام زمین اور دریا میں زیادہ بارش کی وجہ سے امتیاز مشکل تھا جس کی وجہ سے وہ نئی مصیبت میں پھنس گیا۔ یہی اس کی ناکامی کی وجہ بن گئی۔

کیورٹیس لکھتا ہے کہ جب آسمان کچھ صاف ہوا اور دشمن فوج کی صف بندی کا ذرا اندازہ ہوا، پورس نے اپنے بھائی ہگاس کی کمان میں چار ہزار گھڑسوار اور ایک سو بگھیاں بھیجیں اور انھیں ہراول پیش قدمی کا حکم دیا اسی طرح سکندر نے اپنے جرنیل سکتھز اور ڈہائے کو حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ وہ خود اپنے گھوڑے پر سوار دائیں طرف سے کارروائی کے لیے چل پڑا۔ میدان جنگ کے عین درمیان میں جب بگھی سواروں نے پوری شدت سے حملہ کیا تو لڑائی میں نہایت تیزی آ گئی۔

صرف دیوہیکل ہاتھی نہیں یونانی فوج بھی پورس کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ فوجی صفوں کے درمیان کھڑے ہاتھی دور سے دیکھنے پر بھاری ستونوں کی طرح دکھائی پڑتے تھے۔ پورس نے جس ہاتھی کو سواری کے لیے پسند کیا وہ سب سے طویل قامت اور عظیم الجثہ تھا جس کی وجہ سے اسے دور ہی سے میدان جنگ کی صورت حال کا علم ہو جاتا تھا خود پورس بھی لمبے قد کا آدمی تھا لیکن عظیم الشان ہاتھی کی سواری نے اس کی شخصیت میں عجیب سی ہیبت پیدا کر دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سکندر حریف بادشاہ اور اس کی فوج کا بغور جائزہ لے رہا تھا اس موقع پر اس نے تاریخی فقرہ کہا ''آخر کار میرے روبرو ایسا خطرہ ہے جو میری ہمت و حوصلے کے شایان شان ہے۔ مجھے وحشی ہاتھیوں اور غیر معمولی دلیری کے حامل فوجیوں سے بیک وقت مقابلہ کرنا ہو گا۔'' سکندر نے لڑائی کے لیے سادہ حکمت عملی اختیار کی۔ اس نے اس ضمن میں آئسوس اور گاؤ گمیلا کے جنگی خطوط پر لڑائی کا ارادہ کر لیا تھا۔

جسٹن لکھتا ہے کہ راجا پورس نے لڑائی سے پہلے سکندر کی حوالگی کا مطالبہ کیا کیونکہ وہی اس کا ذاتی دشمن تھا۔ اس مطالبے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سکندر نے اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دیا۔ ایک ہزار تیر اندازوں نے پورس کی فوج کے بائیں حصے پر مہلک حملہ کیا۔ یہ حصہ دریا کے انتہائی قریب تھا سکندر خود بھی خواص شہسواروں (ایجیما) کے ساتھ پورس کے اس طرف حملہ آور ہوا۔ حملہ اس وقت کیا گیا جب پورس کے سپاہی

Marfat.com

صفوں میں تھے اور ابھی ایک قطار میں تعینات نہیں ہو سکے تھے۔ کوئنوس اسی موقع کے انتظار میں تھا۔ اس نے بھی بائیں حصے پر شدید چڑھائی کر دی شہسواروں کے ان تابڑ توڑ حملوں سے قبل بگھیوں کو پیچھے ہٹا دیا گیا کیونکہ بھاری بھرکم بگھیاں کیچڑ میں تیزی سے حملہ کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوتی تھیں البتہ شہسوار دستے دائیں، بائیں آگے پیچھے چاروں سمت سے دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ٹھیک اس وقت منصوبہ بندی کے عین مطابق کوئنوس دائیں طرف سے آگے بڑھا اور پورس کے شہسوار دستے پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اس طرح ہندوستانی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ ایک حصے پر سامنے کی طرف سے دھاوا بولا گیا تھا۔ دوسرے کو عقب سے شدید حملے کا نشانہ بنایا گیا بوکھلائے ہوئے شہسوار جب اپنی قطاریں اور سمتیں تبدیل کر رہے تھے تو سکندر نے پوری قوت کے ساتھ ان کی سامنے والی سمت سے حملہ کر دیا۔

یونانی شہسواروں کو غضبناک حالت میں حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر پورس نے اپنی فوج کے اہم ہتھیار ہاتھیوں کی پیش قدمی کا حکم دیا۔ دیوہیکل ہاتھی چیختے چنگھاڑتے آگے بڑھے اور حملہ آور گھوڑوں کو دہشت زدہ کر دیا اس طرح یونانی گھڑ سواروں کے تابڑ توڑ حملوں میں کچھ کمی آ گئی وحشی جانوروں کی پیش قدمی کے ساتھ ہی پورس کا توپخانہ دشمن پر حملے کے لیے آگے بڑھا اس دوران گھڑ سواروں کو پھر سے حریف کے خلاف کارروائی کا موقع مل گیا۔ گھوڑوں کی طرف سے لڑائی میں ہچکچاہٹ کے بعد یونانی دستے فالینکس نے بڑے پیمانے پر جنگ میں کود پڑنے کا عزم کر لیا۔ مقدونوی شہسواروں نے پھر ایک بار پورس کے گھڑ سواروں کو ہاتھیوں کے پیچھے پناہ لینے پر مجبور کر دیا تاہم ہاتھی ایسی بلائیں تھیں جن کا توڑ شاید یونانیوں کے پاس نہیں تھا وحشی جنگجو بری طرح مخالف فوجوں میں گھستے چلے جاتے۔ انھیں ہلاک کرنے کے علاوہ سارا نظم تہس نہس کر دیتے۔ یونانی فوج اس صورت حال میں زبردست خوف و دہشت کا شکار نظر آ رہی تھی۔ توپخانہ اس بے ترتیبی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن فوج پر آتشیں گولے اور تیر پھینک رہا تھا۔ آرین اس موقع پر لکھتا ہے ''یونانیوں کے لیے اس نوعیت کی جنگی حکمت عملی نئی تھی کیوں کہ دیوہیکل ہاتھیوں نے یونانی پیخانے کو ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ جس طرف مڑتے فوج کو زیر کر کے رکھ دیتے۔ کیورٹس نے اس منظر کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''ان جانوروں نے یونانی فوج میں بے پناہ دہشت پھیلا دی۔ ان کی دل دہلا دینے والی چنگھاڑوں سے نہ صرف گھوڑے بدک کر بھاگ اٹھتے بلکہ فوجی خود خوفزدہ ہو کر صفوں کا ضبط توڑنے پر مجبور ہو جاتے۔ وہ فوجی جو چند لمحات قبل فتح مندی کے نعرے لگانے کے لیے پر تول رہے تھے، کو اب چھپنے کی جگہ تلاش کرنا پڑ رہی تھی سکندر نے بات بگڑتے دیکھ کر ہلکے ہتھیاروں سے لیس اگریانی اور تھارشین دستوں کو ہاتھیوں کے مقابلے میں اترنے کا حکم دیا۔

یہ فوج اچانک دست بدست لڑائی میں نہایت مہارت رکھتی تھی۔ انہوں نے ہاتھیوں اور مہاوتوں پر آتشیں میزائلوں کی بارش کر دی۔ فالینکس نے نتائج بدلتے دیکھ کر دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی۔ کچھ حملہ آوروں نے جرات مندی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی اور ہاتھیوں کو زخمی کر دیا۔ زخم خوردہ ہاتھیوں نے حملہ آور یونانی فوجیوں کو غضبناک ہو کر پاؤں تلے روند ڈالا۔ کئی سپاہیوں کا کچومر نکلنے کے بعد جرنیلوں نے انتہائی احتیاط سے کام لینے کا حکم دیا۔ زیادہ مضحکہ خیز صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب بعض مشتعل ہاتھیوں نے یونانی فوجیوں کو سونڈ میں لے کر اپنے اوپر بیٹھے مہاوت کے پاس پھینک دیا اس طرح جنگ کا نقشہ مشکوک حیثیت اختیار کر گیا۔ یونانی بعض دفعہ حملہ کرتے اگلے لمحے بھاگ کھڑے ہوتے۔ اس کشمکش میں دن کا بڑا حصہ گزر گیا۔''

ڈایوڈورس حملے کے بارے میں یوں لکھتا ہے ''ہاتھیوں نے اپنی قوی جثے کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی حملہ آور سپاہیوں کو پیروں تلے مسل دیا۔ کچھ فوجیوں کو سونڈ میں لپیٹ کر پہلے پوری طرح اوپر اٹھایا پھر زور سے زمین پر پٹخ دیا گیا تھا۔ ہاتھیوں نے مقدونوی سپاہیوں کے ہتھیاروں کو بھی توڑ مروڑ ڈالا' یوں ہاتھیوں نے حریف فوج کو خوفناک صورت حال میں مبتلا کر دیا۔ اس ضمن میں سامنے والے نوکیلے دانتوں کا بھی دہشت انگیز استعمال کیا گیا۔

یہی وہ حالات تھے جن کی بناء پر بعد کے مورخوں نے سکندر سے دیومالائی ''فولادی گھوڑے'' کی ایجاد منسوب کی جو اس نے ہاتھیوں کا توڑ کرنے کے لیے استعمال کیے۔

''انہوں نے گھوڑوں پر آتشگیر
مادے کو آگ لگائی' سکندر کے
سپاہی مایوس تھے' آتش گیر مادہ

Marfat.com

جل اٹھا۔سکندر کے جانبازوں کی
پیش قدمی جاری رہی کیونکہ اس
کے پاس فولادی گھوڑے تھے۔''

قتل عام کے بعد یونانیوں نے وحشی ہاتھیوں سے نمٹنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے۔انہوں نے بھاری کلہاڑوں سے ہاتھیوں کے پیر کاٹ ڈالے۔ سونڈوں پرخمدار تلوار کے وار کیے گئے۔

ڈائیوڈورس بیان کرتا ہے''یونانیوں نے ہلکے نیزوں سے جانوروں کو ایسے کاری زخم لگائے کہ وہ بلبلا اٹھے حتیٰ کہ مہاوتوں کے لیے انھیں کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔اس طرح حملہ کرنے کی رفتار متاثر ہوئی۔زخم خوردہ وحشی ہاتھی پلٹے اور اپنے سپاہیوں کو ہی کچل کر رکھ دیا۔''

ہاتھیوں پرحملوں کے علاوہ یونانیوں نے اپنے باریک لمبے نیزوں سے کئی ہندوستانی فوجی ہلاک کردیئے۔اس تمام صورت حال سے پورس کے جرنیلوں میں بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔حالات بگڑتے دیکھ کر بھی پورس نے جنگ کا پلہ اور توازن خراب نہ ہونے دیا۔مثالی حاضر دماغی اور تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے چالیس ہاتھیوں کا دستہ اپنی کمان میں لیا اور نئے حوصلے سے دشمن پر زبردست لشکر کشی شروع کردی۔ڈائیوڈورس یوں تفصیل لکھتا ہے۔

''صورت حال نہایت گھمبیر تھی لیکن پورس جو اپنی فوج
کے عظیم الشان ہاتھی پر سوار تھا' نے چالیس دیگر
ہاتھیوں کی کمان سنبھالی اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔اس نے
خود اپنے ہاتھ سے کئی یونانی فوجیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔
اس کی طاقت اپنے تمام فوجیوں سے بڑھ کر تھی اس کا
قد لمبا اور زرہ بند چھاتی عام ہندوستانی فوجیوں سے
تقریباً دوگنی تھی۔ڈیل ڈول غیر معمولی تھا۔وہ جو نیزہ
پھینکتا وہ نہایت شدت سے یونانیوں کو چیرتا چلا جاتا۔
دہشت زدہ مقدونوی سپاہی اپنے حریف بادشاہ کو حیران
کن انداز میں دیکھ رہے تھے۔''

پورس کا ذاتی ہاتھی دیومالائی کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔پلوٹارک بیان کرتا ہے۔

''ہاتھی کو اپنے مالک (پورس) سے انتہائی انس تھا۔وہ
اس کی طرف بڑھنے والے حملہ آوروں کو روکتا اور پسپا
ہونے پر مجبور کردیتا۔پے درپے زخموں سے چور ہاتھی
جب اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہا تو اس
نے بڑے سکون سے پورس کو نیچے اتارا اور پھر سونڈ کی
مدد سے اپنے جسم میں پیوست تیر نکالے۔''

پورس بدستور بری طرح لڑائی میں مصروف تھا اور اپنے تیروں سے دشمن فوج میں تباہی پھیلا رہا تھا۔حریف فوج نے پوری توجہ اس پر مرکوز کردی اور اسے گھیرنے کے منصوبے کا آغاز کیا۔تیراندازوں اور ہلکے ہتھیاروں سے لیس سپاہیوں نے اسے تیروں پر رکھ لیا۔تاہم وہ نہایت دلیری سے لڑائی میں مصروف رہا۔اس دوران اس کے جسم پر کئی زخم لگے جس کی تصدیق کیورٹس کرتا ہے جبکہ آرین کا کہنا ہے کہ اس کے دائیں کندھے پر گہرا گھاؤ آیا کیونکہ یہ اس کے جسم پر واحد جگہ تھی جہاں پر زرہ نہیں تھی جب وہ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہوگیا تو اس کے مہاوت نے اسے آرام سے ہاتھی کی پشت سے نیچے اتار دیا۔سکندر نے بھی ایسا ہی کیا۔اس کا گھوڑا زخم کھا کر نیچے گر گیا جس کے بعد دونوں بادشاہ زمین پر لڑائی میں مصروف ہوگئے۔حریف فوجوں میں مسلسل اتار چڑھاؤ نظر آ رہا تھا۔علی الصبح شروع ہونے والی لڑائی آٹھ گھنٹے بعد بھی جاری تھی۔

آرین لکھتا ہے''پورس عظیم ایرانی شہنشاہ دارا کی طرح میدان جنگ سے بھاگا نہیں بلکہ وہ اس وقت تک جنگ میں مصروف رہا جب تک ہندوستانی سپاہی متحد ہو کر لڑتے رہے لیکن کاری ضربوں نے اسے نڈھال کردیا تھا۔''

سکندر نے جنگ کے خاتمے کے لیے پورس کی طرف کئی ایلچی روانہ کیے۔ جنہیں پورس نے سننا تک گوارہ نہیں کیا۔بالآخر اس نے خود پورس کے دوست میروس کو آزمایا۔

جس وقت پورس نے سکندر کا ارسال کردہ پیغام اپنے دوست کی زبانی سنا 'وہ پیاس سے بے حال تھا۔اس نے اپنا ہاتھی روکا اور نیچے اتر آیا پانی کے چند گھونٹ بھرنے کے بعد اس کی جان میں جان آئی۔اس نے میروس سے کہا کہ وہ اسے کسی تاخیر کے بغیر سکندر سے ملانے کا بندوبست کرے جس کے بعد پورس کی یونانی جرنیل سے ملاقات کرائی گئی۔سکندر کو ہندوستانی فرمانروا کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اپنی فوج کے گھیرے سے نکلتا ہوا سامنے والی صف میں آ گیا اس کے ساتھ اس کے قریبی کماندار بھی تھے۔تب اس نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچتے ہوئے پورس کی مردانہ وجاہت اور پرکشش جسم کی تعریف کی جو چھ فٹ کے لگ بھگ تھا۔سکندر کو یہ دیکھ کر حیرانگی ہوئی کہ پورس ان حالات میں بھی پژمردہ اور نڈھال نظر آنے کے بجائے اس طرح آگے بڑھا جیسے ایک بہادر انسان دوسرے بہادر سے ملاقات کرتا ہے بلاشبہ اس نے اپنے ملک کے دفاع کے لیے مثالی جدوجہد اور مزاحمت کی تھی۔سکندر نے

Marfat.com

گفتگو میں پہل کرتے ہوئے پورس سے درخواست کی کہ وہ بتائے اس سے کیا سلوک کیا جائے‘ اس موقع پر پورس کا جواب تاریخی حیثیت اختیار کر گیا اس نے کہا ’’اے سکندر جیسے ایک بادشاہ کے شایان شان ہو‘‘ سکندر اس زبردست جواب سے بہت خوش ہوا اور جواب دیا ’’اے پورس میں تم سے وہی سلوک کرنا چاہتا ہوں جو تمہاری اپنی خواہش ہو اور تمہیں اطمینان فراہم کر سکے‘‘ پورس نے کہا اس نے پہلے جو کچھ کہہ دیا ہے وہ اپنے اندر مکمل معنی رکھتا ہے لہٰذا زیادہ وضاحت ضروری نہیں۔

اس واقعے سے یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ سکندر اپنے حریف پورس سے رابطے کا شدید خواہش مند تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے پہلے ٹیکسلیس پھر دیگر ایلچی اور آخر میں یہ سوچ کر میروس کو پورس کے پاس بھیجا کہ شاید دوستی کا خیال کرتے ہوئے پورس اس سے ملاقات پر رضامند ہو جائے۔

۲۔ پورس خود کسی طرح بھی سکندر سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔

۳۔ بعد ازاں پرانی دوستی کا واسطہ دیتے ہوئے میروس پورس کو بمشکل راضی کر سکا تاہم اس سلسلے میں سکندر کے خوف یا دھمکی سے متاثر ہونے کا شائبہ تک نہ تھا۔

۴۔ میروس کی کامیاب سفارت اور دلائل سے متفق ہو کر جب پورس اس کے ساتھ سکندر کے پاس پہنچا تو بھی وہ اندر سے ٹوٹا ہوا تھا نہ پژمردہ نظر آ رہا تھا۔

۵۔ ہندوستانی بادشاہ حملہ آور یونانی شہزادے کو برابری کی سطح پر ملا جیسے ایک بہادر شخص اپنی سرزمین کا دفاع کرتے ہوئے پوری غیرت مندی کے ساتھ دوسرے بہادر سے ملاقات کرتا ہے۔

۶۔ سکندر نے پورس کے ساتھ اچھے تعلقات کی کوششوں کا آغاز کیا اور فراخدلانہ پیشکش کی کہ پورس خود بتائے اس سے کیا سلوک کیا جائے؟ پورس نے سکندر کو سلام ’’سلیوٹ‘‘ کیا‘ خصوصی اعزاز دیا اور نہ ہی اطاعت کی کوئی یقین دہانی کرائی۔

۷۔ ملاقات کے دوران سکندر کے مخاطب ہونے پر پورس نے کوئی عاجزی نہیں دکھائی وہ جنگی قیدی کی طرح کہنیوں کے بل حقیر انداز میں رینگتے ہوئے سکندر کی خدمت میں حاضر ہوا نہ مٹی میں ذلت آمیز انداز میں مفتوحہ فوجی کی طرح لیٹا بلکہ ایک خود دار انسان کی طرح اس نے بادشاہی سلوک کا مطالبہ کیا۔ اسے اپنی خود مختاری اور شاہی وقار ہر لحاظ سے عزیز تھا۔

یہی بات آرین کی تحریروں سے ثابت ہوتی ہے کہ پورس سے ملاقات میں پہل سکندر نے کی۔ اس کی بے چینی کا اظہار کیے بعد دیگرے مختلف ایلچی بھیجنے سے ہوتا ہے۔ دوسری طرف پورس ایسے کسی رابطے سے گریزاں‘ یہ سفارتیں مسترد کرتا چلا گیا۔ آخر کار سکندر نے اس کے پرانے دوست کو بات چیت میں معاونت کے لیے استعمال کیا جس کی وجہ سے پورس کو اس کی بات ماننا پڑی لیکن اس نے اپنی عزت نفس اور وقار پر ملاقات کے دوران حرف نہ آنے دیا۔ یہی وہ بات تھی جس نے نہ صرف اس کی سلطنت کو برقرار رکھا بلکہ اس میں توسیع بھی ہو گئی۔

کیورٹیس جنگ کے اختتام کا منظر یوں بیان کرتا ہے۔

’’سکندر پورس کے تعاقب میں خود جانا چاہتا تھا لیکن زخموں سے چور گھوڑا اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکا تاہم اس نے منہ کے بل گرنے کی بجائے اپنے سوار کو نہایت آرام سے زمین پر اُتارا۔ اس طرح گھوڑا تبدیل کرنے کا عمل تعاقب میں رکاوٹ ثابت ہوا۔ اس دوران سکندر کا بھیجا گیا نامہ بر ٹیکسلیس کا بھائی پورس کے قریب پہنچا۔ اور اسے سمجھایا کہ وہ لڑائی کے معاملے میں انتہائی سطح تک نہ جائے بلکہ سکندر کی اطاعت قبول کر لے۔ لہولہان اور نڈھال پورس نے اپنی قوت مجتمع کرتے ہوئے فیصلہ کن آواز میں کہا ’’میں ٹیکسلیس کے بھائی کو بخوبی جانتا ہوں جس نے اپنی سلطنت اور تاج بیچ دیا‘‘ پھر اس نے ایک زہریلا تیر پوری طاقت سے ٹیکسلیس کی طرف پھینکا جو اس کی پشت سے گزرتا ہوا چھاتی سے نکل گیا۔ اس سخت فیصلے کے بعد پورس مزید تیزی سے ہاتھی دوڑاتا چلا گیا لیکن ہاتھی خود اپنے مالک کی طرح زخمی اور تھکا ہوا تھا۔ اس صورت حال میں پورس نے بچی کھچی فوج کی کمان کر کے تعاقب کرنے والے مقدونوی دستوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ سکندر کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ پورس کو رام کرنا آسان نہیں اس نے مزاحمت ترک کرنے والے ہندوستانی فوجیوں کے لیے معافی اور دیگر مراعات کا اعلان کر دیا۔ اس دوران مقدونوی سپاہیوں نے پورس اور اس کے توپخانے کو نیزوں کی انیوں کے ساتھ چاروں سمت

Marfat.com

سے گھیر لیا۔ جب پورس کو معلوم ہو گیا کہ وہ زیادہ دیر مزاحمت نہیں کر سکے گا تو اس نے اپنے شاہی ہاتھی سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ مہاوت نے دیکھا کہ بادشاہ ہاتھی سے نیچے اتر رہا ہے تو اس نے معمول کے مطابق اسے زمین پر گھٹنوں کے بل بٹھا دیا یہ دیکھ کر باقی ہاتھی بھی نیچے بیٹھ گئے کیونکہ انھیں تربیت دی گئی تھی کہ جیسے ہی شاہی ہاتھی زمین پر بیٹھے باقی ہاتھی احتراماً ایسا ہی کریں۔ ان حالات میں پورس اور اس کے فوجی مکمل طور پر یونانی سپاہیوں کے رحم و کرم پر آ گئے۔

سکندر کو گمان گزرا کہ پورس لڑائی میں مر گیا ہے اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ہندوستانی فرمانروا کی لاش کو پورے احترام سے دفنایا جائے۔ ایک آدمی پورس کی جانب بڑھا تاکہ اس کے جسم سے زرہ اور دیگر آہنی ہتھیار اتار لے۔ پورس کے ہاتھی نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے نہایت وفاداری کا ثبوت دیا۔ اس نے نڈھال پورس کو سونڈ میں اٹھا کر دوبارہ اپنی پشت پر سوار کرا لیا۔ اس عمل پر ہاتھی پر چاروں طرف سے نیزوں اور تیروں کی بارش کی گئی جس سے اس کی موت ہو گئی اس کے بعد پورس کو ایک اور گاڑی میں بٹھایا گیا۔

سکندر اس کے قریب آ گیا اور نرمی سے آنکھیں کھولنے کو کہا۔ وہ تمام دشمنی بھول کر رحمدلی کے گہرے جذبے کے ساتھ بولا ''کس بلا نے کس مصیبت نے کس پاگل پن نے تمہیں میرے مقابلے پر اترنے پر مجبور کیا؟ کس نے تمہیں میرے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش کی حالانکہ ٹیکسلیس نے بتا دیا تھا کہ میں اطاعت کرنے والوں سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔''

اس سوال جواب میں ایک مرحلے پر سکندر نے پوچھا
''تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید
رکھتے ہو؟''

پورس کا جواب تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

عظیم مزاحمتی سورما' جنگ کی ہولنا کی کا ادراک کر چکا تھا۔ اس نے کہا:

''اس دن نے مجھے ایک سبق دیا ہے۔ اس دن (لڑائی) میں تم نے دیکھا کہ خوشحالی کو کیسے ہولنا کی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔''

یونانی مورخین کے علاوہ ایشیائی اور افریقی روایتیں بھی جنگ جہلم کے آخری حصے پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں۔ حبشی (ایتھوپیائی) عہد نامے ''سیوڈو کالستھنز'' میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح سکندر کے گھوڑوں کو تہ تیغ کرنے سے یونانی فوج میں مایوسی اور لاچاری پھیل گئی یہاں تک وہ رونے اور کتوں کی طرح آوازیں نکالنے لگے۔ ان کی بے بسی اس نکتے تک پہنچ گئی کہ وہ سکندر کو خیر باد کہہ کر دشمن راجا پورس کی فوج میں شمولیت کا سوچنے لگے۔

''سکندر نے جب پانسہ پلٹتے دیکھا تو اپنے سپاہیوں کے وسط میں آن کھڑا ہوا۔ وہ خود بھی ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اور چاہتا تھا کہ لڑائی کسی صورت میں ختم ہو جائے حتی کہ اس نے فوجیوں کو جنگ روکنے کا حکم جاری کر دیا اور تیز آواز میں چلاتے ہوئے کہا ''اے پورس! شہنشاہ ہند' سنو مجھے تمہاری بے پناہ قوت اور طاقت کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہے علاوہ ازیں تمہاری حکمت عملی نے مجھے سخت متاثر کیا ہے میرا دل شکست خوردہ ہے۔ مجھے اپنی تھکن کا احساس ہے۔ معلوم نہیں ہم کہاں آ کر خوار ہو رہے ہیں۔ اب اگرچہ میں خود اپنی زندگی ختم کرنے کی کیفیت سے دوچار ہوں تاہم میں اپنے سپاہیوں کو اس پر مجبور نہیں کرنا چاہتا کیونکہ یونانی جوانوں کو ایسے حالات کا شکار کرنے کا ذمہ دار میں ہوں اور ایک بادشاہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ وفادار فوج کی جان کی قیمت پر اپنی زندگی بچائے۔ آؤ ہم دونوں فوجوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دے کر خود مقابلہ کر لیں۔''

جوزف بن گوریاں نے اپنی تصنیف ''تاریخ یہود'' میں ہمیں یہ معلومات فراہم کی ہیں۔ اور جب سکندر کو اپنی فوج کی بددلی کا علم ہوا تو اس نے شاہ ہند کو ایک پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا ''سنو پورس ہم دونوں کے درمیان لڑائی طول اختیار کر گئی

Marfat.com

ہے اور ہمارے اکثر سپاہی مایوسی کا شکار ہو چکے ہیں آ ؤ فوجوں کو پیچھے ہٹا کر اپنی تلوار سے دونوں جنگ کا فیصلہ کر لیں''

فردوسی نے ''شاہ نامہ'' میں لکھا ہے کہ جب لڑائی کی شدت انتہائی نکتے تک پہنچ گئی تو سکندر نے پورس کو یوں مخاطب کیا۔

اے عظیم انسان!
ہم دونوں کی فوجیں لڑائی سے
تھک ہار گئی ہیں
جنگلی درندے (ہاتھی) انسانی
کھوپڑیاں پیس رہے ہیں
گھوڑوں کے پاؤں سپاہیوں کی
ہڈیاں توڑ رہے ہیں
ہم دونوں ہیرو، دلیر اور جوان
دونوں ذہین، ہم پلہ اور زبردست
تو پھر سپاہیوں کا قتل عام کیوں؟
یا
پھر لڑائی کے بعد ان کی زخمی
زندگی کس کام کی۔''

حیرت کی بات ہے کہ ہم نے اتنی بڑی تاریخی شہادت ''شاہنامہ فردوسی'' کی طرف کبھی رجوع نہیں کیا۔

حوالہ جات

Buddha Prakash, Evolution of Heroic Tradition in Ancient Punjab, Patiala,1971

Buddha Prakash, social and political movements of ancient punjab, Aziz publishers, Lahre

Buddha Prakash, History of Porus, Gautam publishers, Lahore,

بدھ پرکاش (مترجم ایم وسیم) مہاراجہ پورس جمہوری پبلیکیشنز لاہور 2004

بدھ پرکاش (انوواد ک: گیانی لال سنگھ گوجرانوالہ)

راجہ پورس پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ 1990

Pierre Briant, Alexander The Great: The Heroic Ideal, Thames and Hudson, New York, 1996

3- پورس وسکندر: گجرات کے جدید مورخین کی نظر میں

گجرات کے درجن بھر مورخین نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اس تاریخی مغالطے کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جس کے مطابق ''سکندر اعظم'' نے راجہ پورس کو نہ صرف شکست دی بلکہ فاتح پنجاب بھی قرار پایا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ سوشلسٹ نظریے کے بانی کارل مارکس نے اس معرکہ کو بیان کرتے ہوئے ''سکندر مقدونی'' اور ''عظیم راجہ پورس'' کی تراکیب استعمال کی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سردار کریم نواز، شیخ کرامت اللہ، قریشی احمد حسین قلعداری، حاجی محمد زمان کھوکھر، افتخار وڑائچ کالروی، عبدالرحمان اور کئی دوسرے مورخین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایک کا نقطہ نظر خود ان کے اپنے الفاظ میں بطور سند پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

شیخ کرامت کے نقطہ نظر کے مطابق راجا امبھی کی مدد سے یونانی لشکر نے کشتیوں کا پل تیار کر کے فروری یا مارچ 326 ق م میں ہند کے مقام سے دریائے سندھ کو عبور کیا اور فرنگی فاتح راجا امبھی کا مہمان بن کر ٹیکسلا میں وارد ہوا جہاں ایک عالی شان دربار منعقد کیا گیا اور راجا امبھی نے سکندر کی اطاعت قبول کرنے کی رسم ادا کی۔ چھوٹے چھوٹے اور راجے بھی سکندر کی اطاعت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال کر اپنی سلطنتیں بچانے میں راجا امبھی کے شریک ہوئے۔ ابھیسار نے اس وقت دوہری حکمت عملی سے کام لیا۔ ایک طرف اس نے اپنے بھائی کو تحائف دے کر سکندر کی اطاعت کے لیے ٹیکسلا کے دربار میں بھیجا اور دوسری طرف[1] اپنی فوج کے ساتھ راجا پورس کی مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ لیکن خطہ گجرات کے بہادر فرزند پورس نے اس دربار میں شرکت کرنا اپنی توہین خیال کیا۔ آخر سکندر نے اسے بھی[2] امبھی کی طرح اطاعت قبول کرنے کا پیغام بھیجا، مگر یونانی فاتح کی اس پیش کش کو بھی پورس نے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور سکندر کے قاصدوں کو وہ یادگار زمانہ جواب[3] دیا جو رہتی دنیا تک مغربی پاکستان کے اس مایہ ناز فرزند کی بہادری اور جرات کی داستان لوگوں کو سناتا رہے گا۔

پورس کا جواب یہ تھا: [4]

''اجنبی بادشاہوں سے ملنے کے لیے صرف[5] ایک ریت
سے پورس واقف ہے۔ اور یہ ریت لڑائی کے میدان
میں تلوار سے پوری ہوگی۔''

Marfat.com

سکندر اعظم اور راجا پورس کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ سکندر اعظم کے ساتھ مورو ملخ کی مانند لاتعداد لشکر تھا جس میں یونان، مصر، شام بلخ، بخارا، ہندوکش کے قبائلی اور ٹیکسلا کے ہندی سپاہی شامل تھے۔ اس کے مقابلہ میں پورس کا دارومدار صرف ''چج دوآبہ'' کے لوگوں پر تھا۔ اس کے علاوہ اپنے اور بیگانے سب مخالفت پر آمادہ تھے۔ خود اس کے اپنے قبیلے کے لوگ اس کے خلاف تھے جن میں اس کا قریبی عزیز اور ہمنام راوی اور پنجاب کے درمیان دوآبہ کا حکمران (پورس بھی) شامل تھا۔ اس صورت حال سے پورس کی پوزیشن کافی نازک ہوگئی تھی پھر بھی خطہء گجرات کا یہ نڈر اور بے باک راجا غنیم کی کثرت اور اپنوں کی مخالفت کو خاطر میں نہ لایا۔ اس نے اپنے مددگار راجوں کو اپنے گرد جمع کیا۔

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے مصنف نے راجہ پورس کو ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے:

''راجہء چج دوآبہ'' کا فیصلہ راجا ٹیکسلا والا نہیں تھا۔ اس چھوٹے علاقے کے چھوٹے راجا سے سکندر اعظم کی فوجی طاقت اور وسعت سلطنت سیکڑوں گنا زیادہ تھی۔ لیکن ان فوجوں، پہاڑوں اور وسیع سلطنت سے زیادہ دنیا میں ایک چیز بلند تھی۔ اور وہ کشتری راجا پورس کی جرات تھی۔۔۔۔ خاک وطن کی اس نے پکار سنی، سہانی ہوا نے گیت گایا، سورج کی کرنیں دریا کی لہروں سے کھیلتی نظر آئیں، پیپل کے پتوں نے تالیاں بجائیں۔
اس سرزمین (گجرات) کا ایک کام پورس کے ذمہ قدرت نے لگایا اور وہ تلوار سے لڑنا تھا۔ چنانچہ نتائج سے بے پروا اور اپنی فطرت سے مجبور ہو کر پورس نے اعلان کیا کہ سکندر سے تعلقات کا فیصلہ لڑائی کا میدان ہی کرے گا۔''

''سکندر ایک مہیب کالی رات میں چیلیانوالہ کے قریب (پندرہ میل دور) دریائے جہلم کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ جگہ جہلم شہر سے تقریباً تیس میل نیچے تھی۔''

اس سلسلہ میں 'گجرات پراسپکٹو'' کے فاضل مصنف سردار کریم نواز نے صفحات 14 تا 17 پر بحث کرتے ہوئے مسٹر السٹ کی اس رائے کو تسلیم کیا کہ سکندر کا فوجی مرکز موجودہ شہر جہلم کے قریب کسی جگہ تھا اور یہ کہ اس نے بھنونا یا بھنا نالہ کے قریب کہیں دریائے جہلم کو عبور کیا اور اصل لڑائی کا میدان چج کی پہاڑیوں اور دریائے جہلم کے مشرقی کنارے کے درمیان کا وہ حصہ ہے جو تعلقہ کھڑی کریالی کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن جنرل کننگھم کے دیے ہوئے دلائل کے سامنے یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ جلالپور اور دلاور کے درمیان موضوع کوہڑی یا کٹھرا جس کے قریب ایرین کے بیان کے مطابق اکرا کی چٹان یا کرٹیس کی پیٹرا چٹان ہے۔ اس کے علاوہ وہ جزیرہ جس پر یونانی فوجیں جھاڑیوں اور درختوں میں چھپ سکیں اور جس کا ذکر تقریباً تمام یونانی مصنفوں نے کیا ہے وہ بھی موضع کوہڑی کے بالمقابل 1849 تک موجود تھا اور جو اپنے اڑھائی میل قطر کے ساتھ وہ تمام خصوصیات رکھتا تھا جو کہ یونانی مصنفوں نے تحریر کی ہیں۔ بقول گاندھی جی

''یہی وہ صوبہ ہے جہاں سکندر اعظم کو ایک زبردست فاتح ہونے کے باوجود راجہ پورس کے ماتحت ایک ایسے دشمن سے سابقہ پڑا تھا جس نے اس کی ہوس جہانگیری کو نیچا دکھایا تھا۔''

ضلع گجرات میں سکندر کی آباد کردہ دو بستیاں بھی اس کے نام سے منسوب ہیں۔

سکندر نے فتح کی یادگار میں ایک قصبہ نکایا بسایا تھا، مگر وہ بالکل بے نشان ہوگیا۔ البتہ اپنے عزیز گھوڑے کے نام پر جو یہیں مرا اس نے ایک بستی بوکفالیہ بسائی تھی۔ اس کے کھنڈر شہر جہلم کے قریب دریافت ہوئے ہیں۔ سکندر کا ایک سکہ بھی ہے۔ جس کے ایک طرف مقدونی سوار بھاگتے ہاتھی کا پیچھا کر رہا ہے اور دوسرے رخ سکندر کی برق بدست شبیہ بنائی ہے۔ بعض اہل نظر خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی جنگ پورس کی یادگار میں کندہ کرایا گیا ہوگا۔

کیمبرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا میں درج ہے کہ سکندر اعظم نے فتح کی یادگار میں ایک قصبہ نکایا تو خاص لڑائی کے میدان میں آباد کیا اور دوسری بستی اپنے گھوڑے کے نام پر بوکفالیہ اس مقام پر بسائی جہاں دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر سکندر اعظم کا فوجی مرکز تھا۔ بوکفالیہ ایک اہم بستی شمار ہونے لگی اور موجودہ شہر جہلم کو اس بستی کا قائم مقام سمجھنا چاہیے۔

متذکرہ بالا دو شہادتوں سے جنرل کنگھم کا بیان مشتبہ ہو جاتا ہے جو جلالپور کو سکندر کی آباد کردہ بستی بوکفالیہ بتاتا ہے کیونکہ جلالپور کا قصبہ موجودہ شہر جہلم سے اٹھائیس میل نیچے ہے۔ مگر عام روایات کے مطابق موضع پھالیہ دراصل ''بوکفالیہ'' تھا اور یہیں سکندر کا گھوڑا مرا تھا۔

Marfat.com

اب ہم جنرل کننگھم کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے سکندر اعظم کی آباد کردہ دوسری بستی نکایا کا ذکر کرتے ہیں۔

جنرل کننگھم کے حوالے سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مونگ کا میدان ہی سکندر اعظم اور پورس کے درمیان میدان جنگ بنا اور دریائے جہلم کے دوسرے کنارے پر سکندر اعظم کے فوجی مرکز جلال پور سے صرف دو میل کے فاصے پر ہونے کی وجہ سے یہ میدان اب بھی جلالپور کی بالائی پہاڑیوں سے صاف نظر آتا ہے۔ اسی لیے جنرل موصوف نے موضع مونگ کو نکایا قرار دیا۔ اس کے علاوہ فاضل مصنف کرانیکلز آف گجرات کے زمانے میں ایک رقبہ اراضی غیر مزروعہ تھا اور دیہاتی اس رقبہ کو 'گوریاں قبراں' یعنی یونانیوں کا قبرستان کے نام سے پکارتے تھے۔ اب یہ رقبہ اراضی لہلاتے کھیتوں میں تبدیل ہو چکا ہے لیکن نام ہنوز برقرار ہے۔ ''مسٹرایبٹ سن کا بیان''

پرانا تباہ شدہ بند جس پر کہ مونگ واقع ہے۔ چھ سوفٹ لمبا' چار سوفٹ چوڑا اور پچاس فٹ اونچا اور تمام اطراف سے کئی میلوں تک نظر آتا ہے۔ یہ 975 گھروں پر مشتمل ہے جو کہ پرانی اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں۔ پرانے کنویں بہت زیادہ ہیں۔ میری اطلاع کے مطابق ان کی صحیح تعداد 175 ہے۔ جیسا کہ مجھ کو یقین ہے تب نکایا راجا موگا کا سب سے بڑا سکہ سازی کا شہر ہوگا۔ یہاں ہند یونانی بادشاہ AZAS اور اس کی اولاد کے بے شمار سکے ملے ہیں۔ خاص طور پر تانبے کے چھوٹے سکے۔ یہ سکے 58 ق م کے ہیں۔ اور AZAS ثانی 5 ق م میں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مونگ میں انڈو سیتھین شہزادوں کے سکے بھی بہت پائے جاتے ہیں۔ روایتی طور پر مونگ کا شہر راجا موگا سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جگہ اتنی پرانی ہے جتنا سکندر اعظم۔

جنرل کننگھم کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ موضع مونگ سکندر اعظم نے آباد کیا اور اس کا نام نکایا رکھا۔ مونگ کا لفظ راجہ موگا یا میوگا سے اخذ کیا گیا ہے۔

قریشی احمد حسین قلعداری نے اپنی کتاب ' گجرات بعہد قدیم وجدید' میں نظامی گنجوی کی فارسی تصنیف ' سکندر نامہ' کا ذکر اس معرکہ کے ایک ماخذ کے طور پر کیا ہے جس کے مطابق راجہ پورس کا نام خود پال تھا۔ اس معرکہ کے حوالے سے ڈاکٹر قریشی روایتی کہانی بیان کرتے ہیں لیکن وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے کہ '' گجرات کا جانباز شہنشاہ گھمسان کی لڑائی کے عین مرکز میں صبح سے عصر تک بڑی جانفشانی سے لڑتا رہا۔ اس کے جسم پر متعدد زخم آئے۔ راجہ شدید پیاس کی تاب نہ لا کر نڈھال ہوا اور پانی کی طلب میں ہاتھی سے گر پڑا۔''

حاجی زمان کھوکھر فتح وشکست سے قطع نظر اسے برابر کی لڑائی قرار دیتے ہیں۔ ان کے لفظوں میں:

''تاریخ دان سکندر اور پورس کو برابر کی جنگ قرار دیتے ہیں۔ سکندر کی فوج اس لڑائی کے بعد دل برداشتہ ہوگئی سکندر نے مصالحت کے تحت پورس کو دوست بنالیا۔ مہینوں کی محنت کے بغیر ہزاروں ساتھیوں کی جانیں گنوا کر ہاتھ آئے ہوئے علاقے کون واپس کرتا ہے۔ وہ بددلی جو پورس کے ساتھ اس جنگ نے یونانی فوج میں پھیلا دی تھی جلدی رنگ لے آئی۔''

اصغر علی گھرال اپنے مقالے ''اہل گجرات کا مزاحمتی رویہ'' میں لکھتے ہیں کہ پورس ''وطن عزیز کو غیر کے قدموں سے بچانے کے لیے میدان میں ڈٹ گیا۔۔۔'' عکس گجرات کے مصنف ارشد محمد رضا کا کہنا ہے کہ اس دھرتی کے بہادر سپوت راجہ پورس نے ہتھیار پھینکنے کی بجائے دنیا کی عظیم فوجی قوت سے مقابلے کو ترجیح دی اور تاریخ میں اپنا نام ہمیشہ کے لیے امر کر لیا۔''

حوالہ جات

1- ارشد محمود رضا' عکس گجرات' گجرات 2005
2- ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ' گجرات تاریخ کے آئینے میں ' گجرات' تیسرا ایڈیشن 2000
3- قریشی احمد حسین قلعداری' گجرات بعہد قدیم وجدید' گجرات 1968
4- شیخ کرامت اللہ' آئینہ گجرات' گجرات 1977
5- اصغر علی گھرال' اہل گجرات کا مزاحمتی رویہ' لالہ موسیٰ 1993

4- مسلمانوں کی آمد سے قبل کی تاریخ

سکندر کے بعد چندر گپت موریہ نے اس خطہ پر قبضہ کیا جو پٹنہ پاٹلی پتر سے یہاں آیا تھا۔ اس عرصے میں اس خطہ پر کوئی مستقل حکومت اور حکمرانوں کے سراغ نہیں ملتے۔ 126 ق م سے 544ء تک بے شمار حکمران اور تباہیاں اس خطے کا مقدر بنے۔

Marfat.com

سکندر کے مرنے کے ستر اسی سال بعد اشکانی ایران سے پنجاب پر حملہ آور ہوئے اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ بعد میں کنشک مقامی باشندوں نے بغاوت کی اور حکومت سنبھال لی۔ اس قبیلے سے کسانہ گوجر کسانہ قوم آج بھی ضلع گجرات میں آباد ہے۔

چندر گپت کا بیٹا سمندر گپت اس خطہ کا مالک بنا۔ کوٹلہ ارب علی خاں سے سمندر گپت کے عہد کا ایک کتبہ ملا ہے۔ اس کا بیٹا بکر ماجیت اپنی فراست اور خوشحالی کے دور سے مشہور ہوا۔ 424 میں باختر کے یونانی حاکم دمتری یوش نے گجرات پر قبضہ کیا۔ بعد میں طغاریوں نے اس خطہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر ایران سے بہرام گور نے اس علاقہ پر حملہ کیا اور قبضہ کرلیا۔ باہر کے حملہ آوروں کے ساتھ ساتھ مقامی راجے بھی حکمران رہے۔ کشمیر کی جانب سے بھی کئی راجے حملہ کرتے رہے۔ 380 میں ہومی ڈی نامی ایک قوم نے اس خطہ پر حملہ کیا۔ یہ گکھڑ قوم کے راجہ رسالو کے خلاف حملہ آور ہوئی۔ 427 میں اس خاندان کے آخری بادشاہ سکندر گپت کے مرنے کے بعد ہن قوم نے حکومت سنبھالی اور 600 میں راجہ تھانیسر نے ھن خاندان کا خاتمہ کیا۔ 604 میں راجہ وردھن گجرات کا حاکم تھا۔ جو راجہ تھانیسر کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد راجہ ہرش نے 747 تک حکومت کی۔ اس کے احوال ہیون سانگ نامی چینی سیاح نے بیان کیے ازاں بعد علاقہ بدامنی اور سیاسی افراتفری و انتشار کا شکار رہا۔ ساتویں صدی سے بارہویں صدی عیسوی تک اس خطے میں راجپوت حکمران رہے۔ راجگان خاندان کے اسکنپال راجہ نے یہاں حکومت قائم کی۔ اور خاندان 419 سال تک بیس پشتوں تک اس خطہ کا حاکم رہا۔ 810 سمت بکرمی میں راجہ لجپال نے کنجاہ نامی قصبہ آباد کیا۔ راجگان کے بعد چوہان خاندان نے یہاں یلغار کی' قابض ہوگئے اور 85 سال تک حکمران رہے۔ 1143 میں دہلی شہرنئی جگہ آباد ہوا اسے راجہ پرتھی عرف راجہ پتھورا راجہ بلدیو کے حاکم بیٹے نے آباد کیا۔ 1185 میں غوری نے حملہ کیا اور پرتھوی راج کو شکست فاش دی۔ یوں یہ خطہ اسلامی سلطنت میں شمار ہونے لگا اور اسلامی حکومت رائج ہوئی۔

4۔ جسرتھ کھوکھر

ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ' ایم زمان کھوکھر' عارف میر اور افتخار وڑائچ کالروی نے جسرتھ کھوکھر کو راجہ پورس کے بعد گجرات کی تاریخ کا سب سے بڑا سورما قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق جسرت کا تعلق مقامی کھوکھروں سے تھا۔ اس کے بھائی شیخا کھوکھر نے لاہور پر اپنی عملداری قائم کر کے منگولوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جسرتھ نے چالیس برس تک دہلی کے خلاف مزاحمت جاری رکھی اور 1442 میں وفات پا کر گجرات کے ایک سرحدی گاؤں کری میں دفن ہوا۔

آیئے عہدِ وسطیٰ کی تاریخ نویسی پر ایک سرسری نظر ڈالیں جو کھوکھر بغاوتوں سے بھری ہوئی ہے اور جن کا سلسلہ غزنوی اور غوری حملوں سے شروع ہوگیا تھا۔ حملہ آور آتے' بازاروں اور گھروں کو لوٹتے۔ اس لوٹ مار کی عام سپاہیوں کو بھی اجازت تھی۔ صرف لوٹ مار کا پانچواں حصہ حکومت کے خزانہ میں جمع کرانا پڑتا البتہ ان حملوں اور لوٹ مار میں ہندو' مسلمان کی تفریق روا رکھی جاتی۔ لڑائی کے بعد ہندو جنگی قیدیوں کو ہاتھیوں کے پیروں تلے کچلا جاتا جبکہ مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا جاتا۔

کھوکھروں کی بغاوتوں کا پہلا حوالہ ابوالخیر رشید الدین فضل اللہ کی جامعۃ التواریخ میں ملتا ہے۔ جس کے مطابق شہاب الدین غوری کی ہندوستان سے واپسی پر دربار میں بغاوتوں کی خبریں آنی شروع ہوگئیں۔

از اطراف ولایت ہندوستان شکایت می رسید''

جہلم اور چناب کے کھوکھروں کا ایک سردار جو دیبل کھوکھر کا بیٹا تھا' مسلمان ہونے کے بعد کوہِ جود میں حکومت کرنے لگا۔ اس دوران اس نے دوبارہ اپنا پرانا مذہب اختیار کرلیا۔

''پسرِ دیبل' صاحبِ کوہِ جود کہ سراندیب بر آنجا است و مسلمان شدہ بود' باز کافر شد''

قطب الدین ایبک کو کھوکھروں کی سرکشی روکنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ شمال مغرب کی طرف سے شہاب الدین خود ان پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں طرف سے گھیرے میں آنے کے باعث کھوکھروں کو شکست ہوئی۔ باقی کھوکھر اپنے گھروں کو آگ لگا کر ایک اونچی پہاڑی میں جا چھپے۔ جب حملہ آور پیچھا کرتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ گئے تو انہوں نے اپنے آپ کو حملہ آوروں کے ہاتھ میں دینے کی بجائے آگ کے الاؤ میں کود کر جانیں دے دیں۔ ان کی عورتیں جوہری رسم کے مطابق جل مریں۔ یہ تباہی ان کے دلوں میں کانٹے کی طرح چبھتی رہی اور جب شہاب الدین نے دریائے سندھ کے کنارے ڈومیل کے مقام پر ڈیرے ڈالے تو دو تین کھوکھروں نے جو اطراف میں چھپے ہوئے تھے' باہر نکل کر اس پر چھرے سے وار کیے اور اسے بری طرح زخمی کردیا۔ غوری جانبر نہ ہوسکا اور یہیں سے گوریلا جنگ کا آغاز ہوا جو جسرتھ کھوکھر اور اس کے بعد تک جاری رہی۔

تعلق عہد میں تیمور کے حملے کے دوران شیخا کھوکھر کی شورش عروج پر تھی۔ اس کے مارے جانے پر اس کا بھائی (مقامی مورخین نے اسے بیٹا کہا ہے) جسرتھ قیدی بنا کر سمرقند لے جایا گیا لیکن تیمور کی موت کے بعد وہ وہاں سے بھاگ کر پنجاب

Marfat.com

آنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہاں اس نے ایک بڑا لشکر اکٹھا کیا اور حملہ آوروں کو پنجاب سے نکالنے کے لیے گوریلا کارروائیاں شروع کردیں۔ وہ چالیس سال سے زیادہ لڑتا رہا۔ ہمعصر مورخین نے اپنی کتابوں میں ان واقعات کو بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔ ان میں ضیاء الدین برنی (تاریخ فیروز شاہی) امیر خسرو (مفتاح الفتوح) بدایونی (منتخب التواریخ) یحییٰ (تاریخ مبارک شاہی) مشرف الدین (ظفر نامہ) عطا (تاریخ جہاں کشی) ابن بطوطہ (عجائب الاسفار) عفیف (تاریخ فیروز شاہی) اور طبقات اکبری وغیرہ نمایاں ہیں۔

5- عہد وسطیٰ، مغل دور اور گجرات

برصغیر میں اسلام کی پہلی روشنی 664ھ میں مہلب نامی ایک شخص کے ذریعے پھیلی۔ البتہ 712ھ میں محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے کے بعد مسلمانوں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی۔ 1011ھ میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس وقت گجرات ہندوؤں کا شہر تھا جو کورجان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ غزنوی نے ہر اس چیز کو تباہ کر ڈالا جو ہندومت سے متعلق تھی۔ یوں یہ شہر اُجڑ گیا اور محمود واپسی پر اس علاقہ کے چند لوگ اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ 1185 میں غوری نے حملہ کیا اور گجرات سے گزرا۔ ''بٹ غوریاں'' نامی بستی اس کی یاد دلاتی ہے۔ یہ علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل تھا۔ 1254 میں تیمور لنگ اس علاقہ کو روندتا گزرا۔ 1303 میں علاؤالدین خلجی کے دور میں منگول ہندوستان میں تباہی و بربادی مچاتے رہے۔ یہ علاقہ ویران ہوگیا اور اسے گوجروں اور جاٹوں نے تقسیم کر کے چراگاہ بنالیا۔ بہلول پور ہی کے عہد میں (1450-881) صوبہ سیالکوٹ کا کچھ حصہ علیحدہ کر کے ضلع بہلول پور بنا دیا گیا۔ بہلول پور قصبہ آج بھی ضلع گجرات میں شامل ہے۔ بہلول لودھی نے ضلع کو سات حصوں میں منقسم کیا تھا۔ اگلی صدی کے دوران سیاسی ابتری اور موثر قوت کی عدم موجودگی کی بناء پر یہ خطہ جاٹوں اور گجروں کے درمیان مشترک چراگاہوں کی تقسیم پر جھگڑے کا باعث رہا۔

بابر جو امیر تیمور اور چنگیز خان کی اولاد تھا' کو دولت خاں حاکم لاہور نے ابراہیم لودھی پر حملے کی دعوت دی۔ 21 اپریل 1526 کو پانی پت کی جنگ کے بعد بابر حاکم ہند بنا۔ ان حملوں کے دوران بابر کئی بار گجرات سے گزرتا ہوا بہلول پور کے پتن پر قیام کرتا۔ 1530 میں بابر نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ہمایوں بادشاہ بنا۔ لیکن جلد ہی اس کے بھائی کامران نے کابل اور لاہور پر قبضہ کرلیا۔ اس افراتفری میں ہمایوں کے جرنیل شیر شاہ سوری نے بغاوت کر کے سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ ہمایوں ایران چلا گیا۔ شیر شاہ سوری نے رفاہ عامہ کے کام کیے اس نے گرینڈ ٹرنک روڈ شاہی سڑک کلکتہ سے پشاور تک بنوائی' کنویں کھدوائے' مسافر خانے بنوائے اور درخت لگوائے۔ لالہ موسیٰ کے پاس شیر شاہ سوری کے ایک غلام کا آباد کردہ خواص پور ابھی تک آباد ہے۔ 1545 میں شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد اس کا ناکارہ بیٹا اسلام شاہ حاکم ہوا۔ اس کی نااہلی نے ہمایوں کو برصغیر پر پھر حکمرانی کا رستہ دکھایا۔ ہمایوں دہلی جاتے ہوئے گجرات میں رکا تو ایک ہندو گرو نے اسے مکھن اور انار دیئے اور کہا کہ وہ اس کے گھر میں روشنی دیکھ رہا ہے۔ اسی دوران ہمایوں کو امرکوٹ سے اکبر کی پیدائش کی خبر ملی۔ ہمایوں نے خوش ہوکر اس گرو سے کہا کہ وہ اس کے لیے کیا کرسکتا ہے۔ گرو نے پانی کی قلت کی شکایت کی۔ ہمایوں نے وعدہ کیا کہ اس کے حاکم بننے کے بعد کنویں کھدوا دیئے جائیں گے۔ 24 جولائی کو ہمایوں تخت نشین ہوا لیکن جلد ہی وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا چودہ سالہ بیٹا اکبر بادشاہ بنا۔ اکبر نے بعد میں ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے مذکورہ ہندو گرو کے پاس شاہی فرمان دیکھا تو دو کنویں کھدوا دیئے۔ ہمایوں کے دور میں شادی وال کا قصبہ بسایا گیا۔ 1582 کو کشمیر جاتے ہوئے اکبر گجرات سے گزرا۔ گجرات زمانہ قدیم سے ہی کشمیر جانے کا ایک راستہ تھا۔ اس نے یہاں اکتالیس فٹ بلند جگہ پر قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت یہاں چج دوآب میں گوجر اور جاٹ آباد تھے جو لڑتے رہتے تھے۔ اکبر نے یہاں شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت شہر کی گوجرا اکثریت کے حصے کا نام گجرات تھا اور مشرقی حصہ جہاں جاٹ آباد تھے اس کا نام پرگنہ ہیرات ٹھہرا۔ دونوں پرگنوں میں تپے اور تپوں میں توپیں تھیں۔ آج توپ سے تھانہ مراد ہے۔ یوں گجرات کا نام جاٹ اور گوجر سے مل کر گوجرواٹ اور کثرت استعمال سے گجرات ہوگیا۔ گجرات کا نام اکبرآباد بھی رہا۔ اکبر نے زبردستی قریبی قصبے دولت نگر سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس جگہ آباد کیا آج دولت نگر عام سا قصبہ ہے۔

دی کرانیکلز آف گجرات میں ایک دلچسپ حکایت ہے کہ جب اکبرآباد آباد ہوا تو گجر نے کہا کہ اس کا نام گجروالا اور جاٹوں نے جاٹ والا رکھنے پر اصرار کیا۔ اکبر نے ان سے سوا لاکھ معاوضہ مانگا۔ جاٹ ہار گئے۔ فتح محمد وڑائچ نامی ایک ان پڑھ گجر نے منہ مانگی رقم ٹوپوں میں ناپ کردے دی۔ اور وہ فتح محمد ٹوپہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یوں اس جگہ کا نام گوجروں سے حوالہ سے رکھا گیا۔ ایک اور کہانی بھی ہے کہ اکبر کشمیر جاتے ہوئے گجرات میں ٹھہرا تو اس نے جاٹوں سے کالے ہرنوں کی خواہش کی۔ (جو اس خطہ میں بکثرت تھے) کہ ہرات کے ہرن ہی ہیرا ہرن ہوسکتے ہیں اس وجہ سے اس علاقہ کا نام ہیرات ہوگیا۔ علاوہ ازیں سالانہ مالیہ 9 لاکھ کی بدولت اسے چکلا نولکھا کہا گیا۔

Marfat.com

اکبر کے دور ہی کی ایک شکار گاہ کے آثار سرائے عالمگیر کے پاس ہیں جو چوکنڈی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ کھاریاں میں باؤلیاں تعمیر ہوئیں۔ گلیانہ میں گل محمد نامی شخص نے ایک قلعہ بنوایا خواص پور' کھاریاں' سرائے عالمگیر میں سرائیں تعمیر ہوئیں۔

تزک جہانگیری میں ہے کہ ایک دفعہ وہ موضع ہیلاں میں گھوڑے سے گر پڑا۔ شدید چوٹیں آئیں اس نے وہیں قیام کیا اور غسل صحت فرمایا۔ 'غسل صحت' کی ترکیب فیضی نے ایک قطعے میں اس موقع پر پڑھی۔ اکبر کے عہد میں قاسم خان ضلع کا پہلا حاکم تھا جو 1590 سے 1605ھ تک ضلع کا حاکم رہا۔ پھر کبیر داس اور ابوالقاسم بنے۔ ابوالقاسم نے گجرات کا قلعہ بنوایا۔ جس میں شاہی حمام بھی تھا۔

اکبر کے دور میں ہی جلال نامی گوجر نے جلالپور آباد کیا۔ اس پر چوہدری ہندال وڑائچ نے قبضہ کرلیا۔ اس کی اولاد اب تک یہاں موجود ہے۔ جاٹوں کے قبضہ کی بدولت یہ جلالپور جٹاں بن گیا۔ چندو جٹ نے اپنے باپ منگو کے نام پر منگووال نامی بستی بنائی۔ افغانوں نے یہاں تباہی مچائی لیکن یہ شہر آج بھی قائم ودائم ہے۔

شیخ اللہ داد نامی ایک بزرگ ملتان سے گندھرہ نزد زمیندار کالج گجرات میں آباد ہوئے۔ کشمیر جاتے ہوئے اکبران کے پاس رکا تو انہوں نے ایک درخت کی ٹہنی اکبر کو دی کہ یہ کشمیر کی کنجی ہے۔ اسی وقت اکبر کو کشمیر فتح ہونے کی اطلاع ملی۔ اکبر نے پندرہ سو بیگھا رزمین ان بزرگ کو دے دی۔ یہ فرمان آج بھی شیخ سری کی اولاد کے پاس ہے۔

اکبر کے دور میں ہزارہ مغلاں میں ایک بزرگ مولوی شیر محمد ہزاروی بھی گزرے ہیں جو علوم ونجوم اور شاعری میں نامور تھے۔

1605 میں اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر بادشاہ بنا۔ اس کے عہد میں ابوالقاسم' رائے کھتری' دلاور بیگ مغل اور تخت مل کھتری کے علاوہ دیانت رائے گجرات کے حاکم رہے۔ کشمیر جاتے ہوئے اکثر جہانگیر گجرات سے گزرتا۔ 1612 میں جہانگیر نے شاہدولہ سے ملاقات کی۔ شاہدولہ نے عمارتیں سڑکیں' سرائیں پل بنوائے۔ اس لیے گجرات کو گجرات شاہدولہ بھی کہتے ہیں۔ 1611 میں ایک انگریز سیاح ولیم فنچ نے گجرات کو مکمل ''تجارتی مرکز'' کا نام دیا۔ 1927 میں کشمیر جاتے ہوئے جہانگیر کا گجرات کے مقام پر انتقال ہوگیا۔ اسے لاہور شاہدرہ باغ میں دفنایا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جہانگیر کی بیوی نے سیاسی ابتری اور انتشار کی بدولت جہانگیر کی موت کی خبر عام نہ ہونے دی اور جہانگیر کی انتڑیاں نکال کر گجرات میں دفن کردیں۔ گجرات میں شاہ جہانگیر کا روضہ بھی ہے۔ جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ بعض کے نزدیک جہانگیر کوئی ولی اللہ تھے جو اس روزے میں دفن ہیں۔

اکتوبر 1627 میں شاہ جہان بادشاہ بنا۔ اس کے دور میں لعل چند علی مردان خان' دیوان ولی رام' میر خان نارائن' بدیع الزمان اور جے داس کھتری گجرات کے حاکم تھے۔

شاہجہاں کے دور میں قلعہ دار نامی مشہور قصبہ بسایا گیا۔ یہاں شاہی مسجد اور بانیء قلعہ دار نواب مرزا بزن بیگ کے مزار کے آثار موجود ہیں۔ یہاں 1922 میں کھدائی پر شاہی دفینہ نکلا جو لوٹ لیا گیا۔ تھوڑا بہت سرکاری خزانے میں جمع ہوا۔ اسی دور میں نالہ ڈیک پر پل تعمیر ہوا جو آج بھی موجود ہے۔ یہ پل شاہ جہان کے کہنے پر شاہدولہ نے تعمیر کروایا۔

شاہجہاں کی ایک بیگم (جو کشمیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی) نے وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے شاہدولہ کی قبر کے ساتھ دفنایا جائے۔ چنانچہ 1131ھ میں بیگم کی وفات کے بعد شاہجہاں نے بیگم شاہی مسجد بنوائی اور اسے وہیں دفن کیا۔ یہ مسجد آج بھی موجود ہے اور یہ محلّہ بیگم پورہ محلّہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جلالپور جٹاں کے پاس شاہ جہاں پور نامی قصبہ شاہجہاں نے آباد کیا۔ ڈنگہ بھی شاہجہاں پور کے نام سے جانا جاتا تھا۔ شاہجہاں نے 1634 میں علاقہ کا دورہ کیا تو مسلمانوں نے شکایت کی کہ غیر مسلم ان کی بیویوں اور مسجدوں پر قابض ہیں۔ شاہجہاں نے شیخ محمد گجراتی کو مقرر کیا کہ وہ مسلمان عورتوں اور مسجدوں کو واگزار کرواسکے۔

شاہجہاں کے عہد میں شاہ دولہ سیالکوٹ سے آکر گجرات آباد ہوگئے اور نذر و نیاز کی رقومات سے حوض تالاب' مساجد' کنویں اور پل بنوائے۔ اس وقت گجرات شہر فصیل شہر سے باہر پھیل چکا تھا۔ شاہ دولہ کی خانقاہ کے لگ بھگ آبادی گڑھی شاہ دولہ کے نام سے موسوم تھی۔ درمیانی جگہ پر بہت سے محلے وجود میں آئے۔ محلہ بکر قصاباں' ماشکیاں' قاضیاں' قانوں گویاں محلہ عیسائیاں وغیرہ۔

شاہ جہاں کے دور میں اُردو زبان کی ابتداء قلعہ معلی سے اور اُردو شاعری کی ابتداء دکن سے ہوئی۔ پنجاب سے حضرت نوشہ گنج بخش نے پنجابی شاعری اور نثر کی ابتدا کی۔ میانی پنڈی ضلع گجرات میں حضرت بابا قطب شاہ نامور بزرگ اور عالم تھے۔ گجرات کے موضع سوک احمد خان میں عبدالرحمان جامی گزرے۔ قاضی رضی الدین' قاضی محمد عاقل' شیخ علاؤ الدین' شیخ عبداللہ' فارسی گوشعراء ملا غنیمت کنجاہی' میراں فاضل محمد شاہ صداقت کنجاہی' خوشی محمد کنجاہی اور لطیف اللہ رجب شامل تھے۔

1657 میں اورنگزیب نے بھائیوں کو شکست دی اور والد کو قید کرکے ہندوستان کا حاکم بنا۔ اس وقت ہردیال سنگھ گجرات کا حاکم تھا۔ اپنی سوانح عمری ''صدق نامہ'' میں لکھا ہے کہ

Marfat.com

''جب یہ خبر گجرات پہنچی کہ اورنگ زیب تخت نشین ہوگیا
تو میں نے بھی مشہور کر دیا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں
اور میرا اسلامی نام عبدالباری ہے۔اگر چہ یہ سارا ڈھونگ
میں نے محض سند شاہی حاصل کرنے کے لیے رچایا تھا۔
(گجرات کی بات)

گجرات میں اورنگ زیب کی ایک بیوی راج محل کا مزار بھی ہے۔گجرات میں باقاعدہ حکومت اسی دور میں نظر آتی ہے۔اس دور میں جو کالیاں میں عبدالباقی ولد عبدالجلیل ایک نامور عالم تھے۔اورنگ زیب کشمیر جاتے ہوئے اکثر گجرات سے گزرا۔اس دور میں طبیب آریویدک علاج کی بجائے یونانی طریقہ علاج اپنائے ہوئے تھے۔مسجد میں فارسی، عربی و پنجابی کی تعلیم دی جاتی تھی اور تختی لکھی جاتی تھی مسلم فقہ، اصول فقہ، صرف ونحو اور عربی و فارسی ادب کو فروغ حاصل ہوا۔کرانیکلز آف گجرات میں کیپٹن ایلیٹ لکھتے ہیں کہ ہندو مسلم احساسات بڑھے، مذہبی مباحثے عام ہوئے، کئی ہندو گجرات چھوڑ کر واپس کشمیر چلے گئے۔ان مباحثوں میں حضرت میراں گورنر گجرات نے نمایاں رول ادا کیا۔بادشاہ نے ان سے ملاقات کی۔اور انعام و اکرام سے نوازا۔گجرات میں جمعہ کے روز خطبہ پڑھایا جانے لگا، جس میں بادشاہ کا ذکر ہوتا اور دعا ہوتی تھی۔مغلیہ دور میں گجرات تلوار سازی کے حوالے سے مشہور تھا۔

اورنگ زیب کے بعد ملک طوائف الملو کی کا شکار ہوگیا اور یکے بعد دیگرے شاہ عالم، بہادر شاہ، فرخ سیر، رفیع الدولہ، محمد شاہ غازی، ابراہیم، عالمگیر ثانی، شاہ عالم ثانی، سلطان محمد اکبر شاہ، بہادر شاہ ظفر بادشاہ بنے۔1654 میں سوہنی مہینوال کا قصہ مشہور ہوا۔

افغانستان میں ہونے والی شورش کے دوران 1738 میں ایک ایرانی نادر شاہ نے افغانوں پر حملہ کر دیا۔وہ ان افغانوں کے تعاقب میں ہندوستان آن وارد ہوا۔نادر شاہ کے مظالم کی داستانیں زباں زد عام تھیں۔گجرات کے لوگ خوف میں پہاڑی علاقوں کی جانب بھاگ گئے۔اسی دوران رہتاس قلعہ سے نادر شاہ نے گجرات پر حملہ کیا۔اس کے ظلم و تشدد اور امن و امان کے متعلق مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔بہر حال حاکم لاہور نواب زکریا خاں نے چناب پر اس کا مقابلہ کیا۔نادر شاہ آندھی طوفان کی مانند دہلی جا پہنچا اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا، وہ تخت طاؤس اور نقدی و سونا لوٹ کر محمد شاہ رنگیلا کو حکومت سونپ کر 14 مئی 1738 کو واپس لوٹ گیا۔1747 میں وہ قتل ہوگیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ہی محمد شاہ رنگیلا بھی مرگیا اب اس کا بیٹا جانشین ہوا۔احمد شاہ ابدالی نے برصغیر پر 10 حملے کیے۔اس نے چوتھے حملے کے بعد 1756 میں پنجاب میں ابدالی نے حکومت قائم کی تو گجرات اس کی عملداری میں آ گیا۔احمد شاہ ابدالی نے نادر شاہ سے بڑھ کر تباہی و بربادی کا سامان کیا۔وہ خوف اور دہشت کی علامت بن گیا۔پنجابی کا ایک محاورہ اس کی خوب ترجمانی کرتا ہے۔

کھادا پیتالا ہے دا
رہندا احمد شاہے دا

یعنی جو کھانا پینا ہے کھالو جو بچے گا اسے احمد شاہ لے جائے گا۔اس دور میں کوٹ میر حسین میں حافظ محمد حیات ولی اللہ بزرگ گزرے۔ابدالی واپس لوٹ گیا تو علاقہ تیمور شاہ کی زیر نگرانی آ گیا۔1772 میں ابدالی وفات پا گیا۔تیمور شاہ کی وفات کے بعد شاہ زمان وارث بنا۔اور اس نے اپنا سکہ جاری کیا۔اس وقت تک برصغیر پاک و ہند طوائف الملو کی کا شکار تھا۔جگہ جگہ خود مختار راجے مہاراجے، نواب اور حکمران تھے۔پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑا ہوا تھا۔احمد شاہ ابدالی نے سلطان مقرب خاں گکھڑ کو گجرات کا حاکم بنایا تھا۔جو سکھوں کے ساتھ جھڑپ میں مارا گیا۔احمد شاہ ابدالی نے اس کا بدلہ لینے کے لیے 1760 میں پنجاب پر پھر حملہ کیا اور علاقہ اپنے ماموں سربلند خان کے حوالے کر گیا۔اس وقت گجرات اس کی عملداری میں تھا۔1797 میں شاہ زمان نے حملہ کیا اور سارا علاقہ فتح کر لیا۔احمد خاں شانچی باشی کو حاکم بنا کر کابل واپس لوٹ گیا۔غالباً وہ آخری حملہ آور تھا۔اس کے بعد سارا علاقہ مستقلاً سکھوں کے انتظام میں رہا۔لیکن 1849 میں انگریزوں نے یہ عملداری چھین لی۔

6- سکھ عہد

1738 میں جب اورنگزیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت دن بدن زوال پذیر تھی، ایسے وقت میں افغانستان سے نادر شاہ نے پنجاب پر حملہ کیا اور گجرات سمیت پنجاب میں خوب قتل و غارت مچائی۔1741 میں راولپنڈی سے سلطان مقرب خاں گکھڑوں کی فوج کے ہمراہ اس علاقہ کی جانب آیا اور طوفان کی طرح دو آبے پر چھا گیا۔احمد شاہ ابدالی نے اوپر تلے حملے کیے اور مقرب خان کی ہمدردیوں کی وجہ سے اسے گجرات کا حاکم بنا دیا گیا۔اس نے امن و امان کو بحال کیا اور شہر گجرات میں ایک باغ اور بارہ دری بنوائی۔لیکن ضلع یا گجرات کا علاقہ بہت عرصے تک احمد شاہ ابدالی کے لگائے ہوئے چرکے نہ بھلا سکا۔احمد شاہ ابدالی کے جانے کے بعد گوجرانوالہ سے سکھ آئے۔انہوں نے شہر کو آگ لگا دی اور شہر کے تاریخی نشانات مٹانے کی بھر پور کوشش کی۔بعد میں لوگ قلعہ کے اندر رہائش پذیر ہوگئے۔

Marfat.com

گجرات کے مشرق کی جانب جلالپور جٹاں کا مشہور قصبہ ہے۔ یہاں رحمت خان ایک خود مختار رئیس کی حیثیت سے آس پاس کے گاؤں میں مشہور تھا۔ مقرب خان کی اس سے چپقلش تھی اس نے یہ سوچ کر کہ ایک نہ ایک دن سکھ ضرور افغانوں کو مار بھگا دیں گے' سکھوں سے دوستی کر لی اور حاکم لاہور گجر سنگھ کو گجرات پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ 1765 میں حاکم لاہور گجر سنگھ اور حاکم گوجرانوالہ میاں سنگھ نے حملہ کیا۔ تب چوہدری رحمت اور اس کے ساتھیوں نے دریا پار کرنے میں دونوں سکھوں کی مدد کی۔ مقرب خاں اس گٹھ جوڑ سے قطعاً بے خبر رہا۔ وہ قلعہ میں محصور ہو گیا۔ لڑائی شروع ہوئی اور کئی دن جاری رہی۔ راشن پانی کم ہو گیا۔ مقرب خاں گجرات کے قلعہ سے نکل گیا۔ اس کی موت کے بارے میں سرلیپل گریفن نے لکھا کہ وہ قلعہ سے نکل کر ڈومیلی (جہلم) کو بھاگا جہاں اس کے چھوٹے بھائی ہمت خان نے اسے پکڑ کر مروا دیا۔ ''تاریخ گجرات'' میں مرزا اعظم بیگ اس کو سکھوں کے ہاتھوں سے مرتا ہوا بتاتے ہیں۔ کیپٹن ایلیٹ نے بڑی ہی دلچسپ حکایت بیان کی ہے کہ سلطان مقرب خاں قلعے سے نکلا تو ہاتھی پر سوار ہو کر بھمبر نالے کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا۔ ہاتھی تو دوسرے کنارے باہر نکل آیا لیکن اس پر سلطان مقرب نہ تھا۔ سکھوں نے ظلم کی انتہا کر دی۔ قلعہ کو آگ لگا دی لوگ زندہ جل مرے اور بعض ارگرد کے علاقوں میں روپوش ہو گئے۔ میاں سنگھ اور گجر سنگھ نے گجرات کا علاقہ آدھا آدھا بانٹ لیا۔ گجر سنگھ کے حصہ میں شہر گجرات آیا۔ اس نے قلعہ کی مرمت کروائی اور عوام سے اچھا سلوک روا رکھا۔ وڑائچاں والا' واسو سوہاوہ نزد منڈی بہاؤ الدین پنڈت سنگھ کو کنجاہ کا قصبہ سردار مل سنگھ کو اور کالرہ کھٹالہ سردار ہمت سنگھ کو ملا۔

سکھوں کی اس یلغار اور قبضے پر احمد شاہ ابدالی کو بہت غصہ آیا اس نے پنجاب پر حملہ کیا اور دوآبہ چھت کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ سکھ اس حملہ سے بہت گھبرائے اور ادھر ادھر بھاگ گئے۔ احمد شاہ ابدالی یہ علاقہ اپنے ماموں سربلند خاں کے حوالے کر کے واپس وطن لوٹ گیا۔ رحمت خاں اس صورت حال سے گھبرا گیا۔ کیونکہ اس کی اور سکھوں کی ملی بھگت سے ہی مقرب خاں مارا گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ پٹھانوں سے معافی مانگ لے۔ لیکن سربلند خاں نے اسے معاف نہ کیا اور روایات کے مطابق قلعہ رہتاس میں الٹا لٹکا کے قتل کروا دیا۔ آج بھی رحمت خاں کی قبر قلعہ رہتاس میں موجود ہے۔

پٹھانوں کی نااتفاقی دیکھ کر ایک بار پھر گجر اور چڑھت سنگھ نے گٹھ جوڑ کیا اور سربلند خاں کے خلاف بغاوت میں رہتاس پر حملہ کر دیا۔ سربلند خان پکڑا گیا۔ اس طرح پنجاب پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ گجر سنگھ کے دور میں گجرات دیوان سوبھا سنگھ' دیوان دلباغ رائے' دیوان سردھارم' حاکم رہے۔ گجر سنگھ نے گجرات اپنے پاس رکھا اور دوآبہ چج کا مالیہ خود اکٹھا کرتا۔ گجر سنگھ کے تین بیٹے تھے صاحب' سکھا اور فتح سنگھ' صاحب سنگھ کی شادی چڑھت سنگھ کی بیٹی سے طے تھی۔ صاحب کے سالے نے اسے باپ کے خلاف بھڑکایا۔ تب گجر سنگھ امرتسر میں تھا۔ صاحب نے بغاوت کی تو گجر سنگھ نے اسلام گڑھ میں اسے جالیا لیکن معافی دے کر کچھ علاقہ دے دیا۔ بعد میں صاحب سنگھ نے سکھا سنگھ کو قتل کروا دیا۔ گجر سنگھ نے پھر صاحب سنگھ پر چڑھائی کی۔ لیکن جلد ہی معافی سے معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ گجر سنگھ نے اپنا سارا عملداری کا علاقہ سب سے چھوٹے بیٹے فتح سنگھ کے نام کر دیا تھا۔ 1787 میں پھر صاحب سنگھ اور فتح سنگھ میں ٹھن گئی۔ صاحب سنگھ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی مدد کو کرم سنگھ آ گیا۔ یوں فتح سنگھ اور میاں سنگھ کو شکست ہوئی۔ صاحب سنگھ پھر حاکم گجرات تھا۔ اس دوران گجر سنگھ مر گیا۔

1798 میں شاہ زمان ولد تیمور شاہ درانی نے صاحب سنگھ پر حملہ کیا۔ اس نے ایک نواب بہادر کو گجرات پر حملے کا حکم دیا۔ شاہ زمان کے پیر اکھڑ گئے یہ خبر سن کر زمان شاہ کو شدید غصہ آیا۔ وہ ایک لاکھ پیادہ فوج کے ساتھ اٹک سے آگے بڑھا۔ یہ خبر سن کر سردار تتر بتر ہو گئے اور شاہ زمان بلا روک ٹوک لاہور پہنچ گیا اور سارے پر گنے پر قابض ہوا۔ تھوڑے عرصے بعد وہ واپس لوٹ گیا اور پنڈ دادخان خان کے احمد خان شہنچی کو حاکم بنا کے کابل چلا گیا کہ وہ سکھوں کا مقابلہ کرے۔ گجرات میں شاہ زمان کوئی تعمیر نو نہ کر سکا البتہ ایک شاہی فرمان کے ذریعے قانون گو لوگوں کے حق قانون ن گوئی کو بحال کر گیا۔

1799 میں حیات خاں ولد رحمت خان چوہدری نے شہنچی کو بلایا۔ 12000 پیادوں کے ساتھ شہنچی آ پہنچا۔ علاقے کے سرداروں نے تو تعاون کیا لیکن عوام افغان حملوں سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے ساتھ نہ دیا اور مارے خوف کے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ 500 سوار لے کر صاحب سنگھ نے مقابلہ کیا۔ شہنچی سوق احمد خاں کے پاس ڈیرا ڈالے ہوئے تھا۔ یہاں خوب لڑائی ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ لڑائی گجرات کے قلعے کے کابلی یا ڈھکی گیٹ کے پاس ہوئی۔ یہاں احمد خان شہنچی مارا گیا۔ اسے توپ کا ایک گولہ لگا اور وہ اپنی بندوق کے ساتھ مارا گیا۔ پٹھان گھبرا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ لوگوں نے بھاگتے پٹھانوں پر وار کیے۔ کوئی بھی نہ بچ سکا اور لڑائی میں مرنے والے سکھوں کو دمدمہ صاحب کے دھرم شالہ میں دفن کر دیا۔ سکھوں نے میدان مار لیا۔ اس طرح گجرات سکھوں کے قبضہ میں آ گیا۔ صاحب سنگھ نے 1787 سے 1810 تک حکومت کی۔

سکھوں کے زمانے میں گوجر اور چڑھت سنگھ نے پرگنہ گجرات کو چکلہ گجرات کا نام دے کر آپس میں بانٹ لیا۔ دو حصوں کے صدر مقام کو تعلقہ کا نام دیا۔ آس پاس کے گاؤں اس سے ملا دیئے۔ تعلقوں کا انتظام جاگیرداروں کے سپرد تھا۔

Marfat.com

اسی دوران 1783 میں بروقت بارش نہ ہوئی اور گندم/اناج کی قیمت ساتھ پڑوپی (ناپ تول کا برتن) فی روپیہ پہنچ گئی۔ یہ قحط ساتھ پڑوپیا قحط کے نام سے مشہور ہوا۔لوگ نقل مکانی کر گئے۔

خالصہ عہد میں حکومت نمبردار کے ذریعے اناج کی صورت میں مالیہ وصول کرتی تھی۔نمبردار آدھا کنکوت یا بٹائی حکومت کو اور آدھا گاؤں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتا۔غریبوں سے مالیہ کی شرح 1/3 اور بار میں 1/4 تھی۔ اس دور میں معاشی حالت سادہ اور زندگی نظام قدرت کے تابع تھی۔

چڑھت سنگھ کے پوتے رنجیت سنگھ نے 1799 میں عنان حکومت سنبھالی۔اور پنجاب کے بڑے حصے پر قابض ہوگیا۔اس نے دریائے جہلم میں شاہ زمان کی 12 میں سے 8 ڈوبی ہوئی توپیں نکال کر۔اور شاہ زمان کو بھجوادیں۔اس نے خوش ہو کر لاہور کا علاقہ بھی رنجیت سنگھ کو دے دیا۔رنجیت سنگھ نے 1810 میں گجرات پر حملہ کیا۔صاحب سنگھ فرار ہو گیا بعد میں رنجیت نے اسے بجوات کا علاقہ بخش دیا۔

رنجیت سنگھ نے تعلقہ گجرات اور اس کا مالیہ اپنے پاس رکھا۔اس وقت کُل 581 گاؤں تھے۔گجرات کے علاوہ اُس نے قادر آباد' پھالیہ' ڈنگہ' کنجاہ' کوٹھالہ' اور کھڑی کریالی میں بھی تعلقے بنائے۔یہ ایک مستحکم حکومت تھی۔اپنے دور میں رنجیت سنگھ نے کئی بار چیب قوم سے ٹکر بھی لی۔ستی کی رسم کی اک یادگار بھی اسی وقت تعمیر ہوئی۔ 1813 میں بارش نہ ہونے کے سبب قحط پڑا۔جب اناج ایک پائی (چار ٹوپے) فی روپیہ ہوا یہ قحط پائی والا قحط کے نام سے موسوم ہے۔1821 کا قحط پورے تین سال رہا۔یہ قحط کشمیر میں بھی رہا اور کشمیری گجرات میں آ گئے۔یہ قحط مرکن والا قحط/کال کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔1828 میں اسلام گڑھ کا قلعہ رنجیت سنگھ کی ٹکسال تھا۔ یہاں نانک شاہی روپیہ بنتا تھا۔رنجیت کے دور میں 1823 میں گجرات شہر کا گورنر جان ہارلین یا Honie تھا۔اس نے شاہ دولہ کے مزار کے پاس ایک کنواں کھدوایا جو کلکتہ والا کے نام سے مشہور ہوا۔1835 میں ایک بارہ دری بنوائی۔رنجیت سنگھ نے اس کی بنیاد خود رکھی۔انگریزوں کے دور میں یہاں ڈپٹی کمشنر کی رہائش رہی۔

گجرات شہر میں ہارس شو گراؤنڈ کے پاس ایک پرانی بارہ دری کے آثار ملتے ہیں جو مقرب خان نے بنوائی تھی۔یہ کافی عرصہ ویران رہی پھر رنجیت کے لیے اس کی تزئین و آرائش کی گئی۔1830 میں مہاراجہ نے جہلم جاتے ہوئے دو روز اور واپس آتے ہوئے تین روز یہاں قیام کیا۔ 1838 میں بھی وہ یہاں رُکا۔1839 میں شاہی قلعہ میں رنجیت سنگھ انتقال کر گیا۔اس کی چتا پر چار رانیوں اور چھ لونڈیوں نے ستی ہو کر جان دے دی۔رنجیت سنگھ کے بعد افراتفری کا عالم ہی رہا اور تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد حکومتیں بدلتی رہیں جو یوں ہیں

ا۔	کھڑک سنگھ	1840----1839
۲۔	نونہال سنگھ	1840---1840
۳۔	چندکور	1841---1840
۴	شیر سنگھ	1843----1841
۵۔	دلیپ سنگھ	1849---1843

خالصہ دور میں ناظم صوبے کا سربراہ تھا۔دیوان مالیاتی شعبے کا مگر اور فوجدار ضلع کا اعلیٰ سرکاری افسر تھا۔بخشی محکمہ امور فوج کا سربراہ تھا۔کوتوال صوبائی دارالحکومت میں امن وامان کا ذمہ دار تھا۔آج کل یہ محکمہ پولیس کے نام سے موسوم ہے۔وقائع نویس۔پل پل کی خبر دینے والے تھے۔دیہی حکام' گاؤں میں انتظامی محکموں کے سربراہ تھے۔قانوں گو پرگنہ کا اکاونٹنٹ آفیسر تھا۔امین قانوں کا معاون ہوتا تھا۔ پرگنہ میں ایک خزانچی ہوتا تھا۔مقدم اسے نمبردار کہا جاسکتا ہے۔پٹواری گاؤں میں مالیے کا حساب کتاب رکھتا تھا۔

خالصہ دور کی عمارات میں سے حویلی گورو گوبند ہے' جو گجرات شہر میں کابلی دروازے کے پاس ہے۔آج کل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

مانگٹ منڈی بہاؤ الدین کے پاس بھائی بنو نامی سکھ نے مسافر خانہ بنوایا۔رنجیت سنگھ نے دس ہزار روپیہ لگوا کر اسے پکا کروایا۔یہاں ایک تالاب اور بھائی بنو کی سادھی کے آثار آج بھی موجود ہیں

جلالپور جٹاں میں ایک شوالہ بنوایا گیا قصبہ میروال میں گجر سنگھ نے 1776 میں ایک باؤلی بنوائی۔رانی راج دیو نے 1783 میں شاہ بھولے کے مزار پر گنبد بنوایا اور باؤلی بنوائی۔

1832 میں گجرات شہر کی گلیاں اور بازار پکے ہوئے۔بھائی بھاگ سنگھ نے گجرات کے پربت میں تالاب بنوایا اور موی کمالا میں باؤلی بنوائی۔لالہ امریک نے گجرات کے موضع سوک احمد خاں میں ایک باؤلی' باغ اور مندر بنوایا۔اس کے کچھ آثار آج بھی باقی ہیں۔واسو ساوے میں قلعہ بنایا۔

اس کے علاوہ بے شمار عمارات تھیں جو زمانے کی دست برد کا شکار ہوگئیں۔خالصہ دور میں دیوان محکم چند دیوان صوفی رام اور کرپارام نامور لوگ تھے۔ ولی اللہ اور بزرگ شخصیات میں سے پانڈی شاہ' سائیں کرم شاہ' سید جمعہ شاہ' حکیم بایزید خلف شاہ درگاہی' شاہ بھولا خلف' بابا جنگو شاہ' میاں احمد' سید نور شاہ' کیرانوالہ' غلام غوث شاہ بن غلام مصطفیٰ' حافظ نصر اللہ' شیخ جیون' نور جمال' حافظ شادی' صدر الدین' محمد خان محمد شکر اللہ' خان عالم شاہ' غلام رسول سائیں کانوال والا وغیرہ مشہور ہوئے۔

Marfat.com

سکھ عہد کی چند اہم شخصیات

جند سنگھ موکل

جند سنگھ سپاہی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا درباری تھا اسکے باپ ٹھاکر سنگھ کی معاملات پر گرفت کمزور تھی۔ جند سنگھ نے بطور سپاہی سکھ فوج میں شمولیت اختیار کی اور محکمہ دیوان چند کی قیادت میں جولائی 1918 کو ہونے والی اٹک کے نزدیک لڑائی میں حصہ لیا۔اسی سال اس نے جمرود کی لڑائی میں بھی حصہ لیا جس میں کابل کے وزیر فتح خان کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اس کی جنگی صلاحیتوں اور بہادری پر گجرات میں تیس ہزار سکہ رائج الوقت آمدنی والی جاگیر سے نوازا گیا۔اس نے 1818 میں ملتان اور 1819 میں کشمیر کی فوجی مہموں میں بھی حصہ لیا۔اس کی قسمت تیزی سے بدلی اور وہ مہاراجہ کا سردار اور اہم ساتھی بن گیا۔اس کے دو بیٹوں گورمکھ اور بیلا سنگھ کو بھی اینگلو سکھ جنگ میں بہادری پر جاگیروں سے نوازا گیا۔

لارڈ جیمز اینڈریو برن رمزے ڈلہوزی

جیمز ڈلہوزی برطانوی لارڈ تھا جو بعد ازاں 1848 سے 1856 تک گورنر جنرل رہا۔وہ سکاٹ لینڈ کے انیسویں ارل جارج کا بیٹا تھا۔جیمز اپریل 1812 میں ڈلہوزی کیسل میں پیدا ہوا۔اس نے ہاورڈ، کرائسٹ چرچ اور اکسفورڈ سے تعلیم حاصل کی۔اپنے والد کی وفات کے بعد وہ ہاؤس آف لارڈز کا رکن بنا۔1945 میں وہ برطانوی تجارتی بورڈ کا صدر بنا۔اس نے سر رابرٹ پیل کی کابینہ میں شمولیت سے انکار کیا۔ بعد ازاں اس نے 1847 میں برطانوی ہندوستان کا گورنر جنرل بننے کی پیشکش قبول کر لی۔لارڈ ڈلہوزی کی آمد کے بعد جب ملتان میں گورنر مولراج نے بغاوت کی تو لارڈ ڈلہوزی نے اس مقامی مسئلہ کو نظر انداز کیا اور معاملہ کو سدھارنے کی کوشش نہیں کی۔ڈلہوزی نے پانچ ماہ تک معاملہ کو زیر التواء رکھا جس سے بغاوت پھیل گئی۔نومبر 1948 کو ڈلہوزی پنجاب آیا اور غیر اعلانیہ جنگ شروع کر دی۔ نومبر 1848 میں رام نگر، جنوری 1849 میں چیلیانوالہ اور مارچ میں گجرات کی لڑائی کے بعد پورے پنجاب کو فتح کر کے برطانوی راج میں شامل کر لیا۔

دھانہ سنگھ ملوائی

دھانہ سنگھ رنجیت سنگھ دور میں سپاہی اور جاگیر دار تھا۔اس کا تعلق نابھہ کے گاؤں مور سے تھا۔دھانہ سنگھ کا والد مل سنگھ اپنے خاندان میں سکھ مذہب قبول کرنے والا پہلا شخص تھا۔مل سنگھ نے 1760 میں اپنا گاؤں چھوڑا اور چتر سنگھ سکر چاکیہ کی فوج میں بطور سوار شمولیت اختیار کی بعد ازاں وہ شمال مغرب میں ایک جنگی معرکے میں مارا گیا۔اس کے بیٹے دھانہ سنگھ نے 1793 میں اپنا گاؤں مور چھوڑا اور گجرات کے صاحب سنگھ بیراجی کے لشکر میں شامل ہو گیا۔اٹھارہ سو میں وہ فتح سنگھ کالیری والا کی فوج میں بطور فوجی شامل ہوا۔اور جلد ہی ترقی کر کے کمانڈر بن گیا۔

اس نے پنڈی بھٹیاں اور قصور میں فتح سنگھ کی لڑائی میں حصہ لیا۔1807 میں فتح سنگھ کی موت کے بعد دھانہ سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں چلا گیا۔ اس نے جولائی 1813 میں اٹک کی لڑائی میں حصہ لیا اس لڑائی میں فتح خان بارکزئی کو دیوان محکم چند کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔وہ کشمیر فتح کرنے کی مہم میں رام دیال اور دل سنگھ کے ساتھ شریک رہا۔اسے 1818 میں ملتان محاصرہ کی مہم میں نواب مظفر خان کو گرفتار کرنے پر جواہرات سے آراستہ تلوار اور محافظ نواب کا خطاب ملا۔1823 میں اس نے تری کی لڑائی میں جہانگیرہ کا قلعہ فتح کیا۔اس نے شہزادہ کھڑک سنگھ اور بڈھا سنگھ کی زیر قیادت کچھ عرصہ پشاور میں بھی فرائض انجام دیئے۔1837 میں اس نے جمرود کی لڑائی میں حصہ لیا۔دھانہ سنگھ کو مہاراجہ کے دربار میں خاص مقام حاصل رہا۔وہ مہاراجہ کی طرف سے لارڈ ولیم بنٹنک سے بات چیت کیلئے شملہ بھی گیا۔اس کو مہاراجہ کی طرف سے اس کا آبائی گاؤں مور بھی جاگیر میں عطا کیا گیا۔دھانہ سنگھ مئی 1843 میں مور میں ہی انتقال کر گیا۔اس کے بیٹوں چھتر سنگھ کو لاہور دربار میں نمایاں مقام حاصل رہا۔

کہان سنگھ مجیٹھا

کہان سنگھ مجیٹھا نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں دوسری اینگلو سکھ جنگ میں بطور جنرل سکھ فوج کی قیادت کی تھی۔مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں وہ ایک معمولی سپاہی تھا اس نے 1831 میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ شکار کے دوران حکم شاہی پر تلوار سے شیر کو ہلاک کیا۔وہ 1838 میں گھوڑ چارہ خاص میں افسر مقرر ہوا۔1848 میں وہ پشاور میں فوجی کمانڈر تھا اور وہ چتر سنگھ، شیر سنگھ کی مدد کیلئے پشاور گیا۔ وہ چیلیانوالہ اور گجرات میں انگریز فوج کیخلاف لڑائی میں شامل ہوا۔اسے چالیس ہزار سکہ رائج الوقت کی جاگیر اور چھتیس ہزار پنشن دی گئی۔اس نے اپنے گاؤں کی زمینوں کو سیراب کرنے اور جوتنے کیلئے دو ہاتھی پال رکھے تھے جس سے وہ کنوئیں سے پانی نکال کر زمینیں بھی سیراب کرتا تھا۔کہان سنگھ کا 1853 میں انتقال ہوا۔

Marfat.com

محکم چند دیوان

محکم چند دیوان، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور کا مشہور جرنیل تھا۔ وہ 1750 میں پیدا ہوا۔ وہ گجرات کے ایک چھوٹے دکاندار بیساکھی مل کھتری کا بیٹا تھا جو کنجاہ کا رہائشی تھا۔ اسے حساب کتاب کی تربیت دی گئی اور وہ بہت سے سرداروں کے منشی کے طور پر کام کرتے کرتے دیوان کے عہدے پر پہنچ گیا۔ وہ بھنگی اور اتاروالا کی حکومتوں میں وزیر رہا۔ 1806 میں وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مشیر خزانہ اور جنگی امور مقرر ہوا اور اپنی موت تک مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کا غیر اعلانیہ کمانڈر انچیف رہا۔ اس نے سکھ فوج کو باقاعدہ تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا جو نوجوان مہاراجہ کی جنگی فتوحات میں نمایاں کردار کی حامل رہی۔ 1806 میں اس نے ستلج کے علاقے میں مہم جوئی کر کے ایک سو دو گاؤں کو سکھ حکمرانی میں شامل کیا۔ اسی سال جولائی میں راجکوٹ اور لدھیانہ ریاستوں کو بھی سکھ عملداری میں شامل کر لیا۔ ستمبر 1807 میں نارائن گڑھ اور مورندا، اور مارچ 1808 میں بڈھانی، پاٹو، پھلور کو مہاراجہ کی عملداری میں شامل کیا۔ وہ انگریزوں کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے امرتسر معاہدہ 1809 طے پانے کے وقت مذاکرات کے دوران مہاراجہ کا مشیر تھا۔ اٹھارہ سو دس میں دیوان چند نے ملتان کی لڑائی میں حصہ لیا۔ اسی سال اس نے ہمالیہ کے دامن میں موجود راجوڑی، بھمبر اور انکور کی مہمات کامیابی سے مکمل کیں۔ 1812 میں اس نے منڈی اور کلو کا بھی کافی علاقہ فتح کر لیا۔ کشمیر پر مہم جوئی کر کے وہ اسے افغانستان کے بادشاہ شاہ شجاع سے چھین کر تخت لاہور کے ماتحت لے آیا دیوان چند نے 1813 میں افغان فوج کو اٹک پر قبضہ کے دوران جمرود کی لڑائی میں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ دیوان محکم چند کا انتقال، انتیس اکتوبر 1814 میں ہوا۔ اس کے انتقال پر لاہور دربار میں سوگ منایا گیا۔ محکم چند لاہور دربار میں رنجیت سنگھ کا سب سے قابل اعتماد جرنیل تھا اور اس کو فرید کوٹ، ساہنی وال، انبالا، اور جالندھر دوآبہ میں سات لاکھ سالانہ آمدنی کی جاگیریں عطا کی گئی تھیں۔ محکم چند اپنی ذہانت اور محنت سے ان تمام جاگیروں کو بہترین انداز میں چلاتا رہا۔

ملتانہ سنگھ کنور

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گجرات کی فتح کے بعد رتن کور سے شادی کی جس کے بطن سے 1819 میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ملتانہ سنگھ کنور رکھا گیا۔ ملتانہ سنگھ کو امرتسر میں ایک چھوٹی جاگیر عطا کی گئی تھی۔ ملتانہ سنگھ نے چند کور سے شادی کی جس سے اس کے تین بیٹے کشن سنگھ، کیسرا سنگھ، ورارجن سنگھ پیدا ہوئے۔ ملتانہ سنگھ کا اٹھارہ سو چھیالیس میں انتقال ہوا۔

بھائی مہاراج سنگھ

بھائی مہاراج سنگھ ایک صوفی منش شخص تھا جس نے پہلی اینگلو سکھ جنگ کے بعد انگریز مخالف تحریک کی پنجاب میں قیادت کی۔ بھائی مہاراج سنگھ ضلع لدھیانہ کے گاؤں ربون میں پیدا ہوا۔ وہ مذہبی مزاج کا حامل اور نورنگ آباد کے بھائی بیر سنگھ کے زیر اثر تھا۔ بھائی بیر سنگھ کی اٹھارہ سو چالیس میں وفات کے بعد وہ ڈیرہ نورنگ آباد کا پیشوا بنا۔ بڑے بڑے جاگیردار اور درباری اس کے مرید تھے۔ بھائی مہاراج سنگھ کی انقلابی زندگی کا آغاز پریم سازش کیس سے ہوا جس میں اس پر الزام تھا کہ اس نے برطانوی ہنری لارنس اور برطانوی راج کے حامیوں کو قتل کرنے کی کوشش کی۔

جب انگریزوں نے نورنگ آباد کی تحریک کو کالعدم قرار دیا تو بھائی مہاراج سنگھ زیر زمین چلا گیا۔ برطانوی حکومت نے بھائی مہاراج سنگھ کی امرتسر میں جاگیر کو ضبط کر لیا اور اسکی گرفتاری پر انعام کا اعلان کر دیا۔ بھائی مہاراج سنگھ نے ملتان میں گورنر مولراج سنگھ کی بغاوت کے بعد اپنی سرگرمیوں میں تیزی پیدا کر دی۔ وہ اپنے چار سو ساتھیوں کے ہمراہ ملراج کی مدد کیلئے ملتان چلا گیا مگر جلد ہی مولراج اور بھائی مہاراج میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ جون 1848 میں بھائی مہاراج ملتان چھوڑ کر ہزارہ چلا گیا اور چتر سنگھ اٹاری والا کے ساتھ جاملا جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے مہم جاری رکھے ہوئے تھا۔ نومبر اٹھارہ سو اڑتالیس میں وہ رام گڑھ میں شیر سنگھ کی فوج سے جاملا اور میدان جنگ میں وہ اپنی سیاہ گھوڑی پر نمودار ہوا۔ اس نے سکھ سپاہیوں میں ملک کیلئے مر مٹنے کا جذبہ بیدار کیا۔ بعدازاں اس نے چیلیانوالہ کی لڑائی میں بھی حصہ لیا مگر جب مہاراجہ شیر سنگھ نے راولپنڈی میں چودہ مارچ 1849 کو انگریز کے سامنے ہتھیار ڈالے تو اس نے تنہا ہی جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ فرار ہو کر جموں چلا گیا اور دیو بٹالہ کو اپنا خفیہ ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ دسمبر 1949 میں وہ ہوشیار پور گیا اور سکھ رجمنٹ سے حامیوں کو ملا۔ مگر اسے اٹھائیس دسمبر 1849 میں ادھم پور سے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی گرفتاری پر دس ہزار روپے کا انعام مقرر تھا۔ اسے جالندھر کے ڈپٹی کمشنر ڈاکٹر ونسٹارٹ نے گرفتار کیا اور لکھا کہ "گرو کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ اس کے لئے اپنی دھرتی اور قوم ایسے تھی جیسے مسیحوں کیلئے حضرت مسیح علیہ السلام۔ اس کے معجزے ہزاروں لوگوں نے دیکھے اور وہ کسی پیغمبر سے کم نہیں تھے۔" ڈپٹی کمشنر بھائی مہاراج سنگھ سے اسقدر متاثر تھا کہ اس نے مہاراج سنگھ سے خصوصی سلوک کی سفارش کی مگر حکومت برطانیہ کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی اس لئے اسے سنگاپور بھجوا

Marfat.com

دیا گیا۔ جہاں بھائی مہاراج سنگھ پانچ جولائی 1856 کو انتقال کر گیا وہ انتقال سے قبل نابینا ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر جوزے ہارلین (رنجیت سنگھ کا امریکی مشیر و گورنر گجرات)

امریکیوں کا پنجاب میں کردار کوئی نئی بات نہیں۔کوئی پونے دوسوسال پہلے پنجاب کے حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مشیر ایک امریکی ڈاکٹر تھا۔اگر بھاٹی دروازے سے تحصیل بازار میں داخل ہوں اور یونہی بازار حکیماں سے مشرق کی طرف مڑیں تو بائیں ہاتھ تیسرے پلاٹ میں ایک نئی عمارت ہے جس میں میونسپل دفاتر ہیں۔اس جگہ پر ڈاکٹر جوزے ہارلین کا کلینک اور رہائش گاہ تھی۔اگرچہ وہ مہاراجہ کا ڈاکٹر تھا لیکن اتنی بلندی پر پہنچا کہ اسے گجرات کا گورنر لگایا گیا۔ڈاکٹر ہارلین جلد ہی سکھ حکمران کا قابل اعتبار فرد بن گیا۔مہاراجہ نے حکم دیا کہ پُرانی انارکلی کے نزدیک جنرل ایلارڈ کے گھر سے ملحقہ اس کیلئے رہائش گاہ تعمیر کی جائے۔اس طرح ڈاکٹر ہارلین لاہور میں ایک اہم شخصیت بن کر ابھرا۔کہنے کو تو وہ مہاراجہ کا ڈاکٹر تھا مگر اسے مہاراجہ کے کان تک رسائی تھی۔

اس نے کوئی جنگی تربیت حاصل نہیں کی مگر جرنیل کے عہدے تک پہنچا اور اس دور کی جنگوں میں فوجی دستوں کی رہنمائی کی۔ڈاکٹر ہرلین کی تیز طراری اپنی جگہ مگر مہاراجہ بھی بہت ذہین تھا اور اس کو ہرلین کے بارے میں پل پل کی خبر تھی۔گجرات میں بطور گورنر تقرری کے دوران اس نے ان لوگوں کو اکثر دعوتیں دینا شروع کر دی جو مہاراجہ کے مخالف اور صاحب سنگھ کے وفادار تھے۔جاسوسوں نے اس کی اطلاع مہاراجہ کو دی۔جس کے بعد پنجاب کے حکمرانوں کے چند اقدامات کی وجہ سے وہ ناراض ہو کر لاہور کو خیر باد کہہ گیا اور افغانستان چلا گیا جہاں اس نے اپنے سابق آقا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ابدی دشمنوں کو راجہ کے خلاف اُکسایا۔دوست محمد خان کا ایڈی کیمپ اور افغان فوج کا باضابطہ ایڈی کیمپ اور افغان فوج کا باضابطہ جرنیل مقرر ہوا اس نے فوج کو یورپ کی فوجی چالوں پر استوار کیا۔

رام سنگھ چھاپہ والا

رام سنگھ وہ شخص تھا جس نے سکھوں انگریزوں کی دوسری لڑائی اٹھارہ سو اڑتالیس کے دوران رام نگر، چھیلری والا اور گجرات میں معرکہ میں حصہ لیا۔اسکا والد دیال سنگھ غریب کسان کے گھر دادو ماجرا گاؤں سیالکوٹ میں پیدا ہوا۔وہ تارا سنگھ کی کھڈیہ مسی فوج میں بھرتی ہوا اور بھرپور خدمات سرانجام دیں۔رام سنگھ اپنے بھائی کرشن سنگھ کے ہمراہ چھاپہ والا میں رہائش پذیر ہوا یہ گاؤں ضلع امرتسر میں واقع ہے۔بعدازاں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے رام سنگھ اور کرشن سنگھ کو اپنی فوج میں شامل کر لیا اور کھڑک سنگھ کی کمان میں اسے پانچسو سواروں کے دستے کا سربراہ بنایا۔کشن سنگھ اٹھارہ سو ستائیس کی جنگ میں مارا گیا۔کشن سنگھ کو مہاراجہ نے بہادری کے اعتراف میں امرتسر کے پانچ گاؤں کی جاگیر انعام میں دی۔مہاراجہ کھڑک سنگھ نے رام سنگھ کو شیخوپورہ اور امرتسر اضلاع میں اپنی نجی املاک کا انچارج بنایا۔مہاراجہ شیر سنگھ کی حکمرانی میں رام سنگھ مختلف فوجی عہدوں پر فائز ہوا اور اسکی آمدنی پچاس ہزار روپے ماہانہ تک جا پہنچی۔1847 میں شمشیر سنگھ سندھیری والیہ کی قیادت میں رام سنگھ کو لاہور دربار کی سکھ فورس کی مدد کیلئے بھیجا گیا اس نے اٹھارہ سو اڑتالیس میں بنوں کے دلیپ گڑھ قلعہ میں تعینات ہوا اور اس نے انگریز کیخلاف انیس سو اڑتالیس اور انچاس میں گجرات، چیلیانوالہ اور رام نگر کے معرکوں میں شریک ہوا اور انگریز کی آخری کامیابی تک لڑتا رہا

7- آخری چٹان: چیلیانوالہ کا معرکہ

ہندوستان پر انگریزی استعمار کے قبضے کے خلاف فرزندان گجرات کی طرف سے آخری کوشش 13 جنوری کو چیلیانوالہ اور 21 فروری 1849 کو شادیوال کے دو خونی معرکوں پر مشتمل تھی جس نے برطانوی عسکری فوقیت کا طلسم پاش پاش کر دیا۔اس برطانوی ہزیمت اور جانی و مالی نقصان کا اندازہ کھاریاں' منڈی روڈ پر چیلیانوالہ کے فرنگی قبرستان کی وسعت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

20 نومبر 1848 کو دریائے چناب کے دائیں کنارے پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا فرزند شیر سنگھ اپنے تیئس ہزار ساتھیوں کے ساتھ جان کی بازی لگانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ایسے میں شیر سنگھ کا پنجاب کو انگریزی قبضے سے بچانے کا سوچنا ہی بہت بڑی بات تھی کُجا کہ اس آسمان کے نیچے وقت کی سب سے جدید اور طاقتور فوج کے خلاف صف آرائی کرنا۔22 نومبر 1848 کو لارڈ گف برق رفتاری کے ساتھ دریائے چناب کے کنارے واقع رام گڑھ پہنچا۔لارڈ گف کو بریگیڈیئر جنرل کیمبل کے تھرڈ انفنٹری ڈویژن کی اعانت حاصل تھی۔رام گڑھ کی لڑائی کی تفصیلات بڑی دلچسپ ہیں چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ دیسی فوج بدیسی فوج کے خلاف جی توڑ کر لڑی۔

4 لائٹ ڈریگون کے کمانڈر کو واپس چناب کے بائیں کنارے تک پہنچنا نصیب نہ ہوا۔انگریزی سپاہ کی لاشوں میں بریگیڈیئر جنرل کیوریٹن اور لیفٹیننٹ کرنل ہیوے لاک کی لاشیں نمایاں تھیں۔اس برطانوی ہزیمت کے ایک ہفتے بعد دونوں

Marfat.com

فوجیں دریا کے کنارے دوبارہ آمنے سامنے تھیں۔ لارڈ گف ہیوی توپخانے کے پہنچنے کا بے چینی سے منتظر تھا۔ 30 نومبر کو اس نے ایک فوج میجر جنرل تھاک ویل کی سربراہی میں دریا کے اس پار سکھ فوج کے ایک پہلو پر حملہ کے لیے روانہ کی اور دوسرے مضبوط دستے کو بریگیڈیئر گاڈبی کی سرکردگی میں 10 کلومیٹر دور دوسرے پہلو پر پوزیشن کے لیے روانہ کیا۔ شیر سنگھ کی بارہ ہزار فوج اپنی اٹھائیس توپوں سے رام گڑھ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر مورچہ زن تھی۔ تھاک ویل کی فوج دریا کے ساتھ ساتھ تیس کلومیٹر اوپر وزیر آباد کے قریب پہنچ کر دریا کو عبور کر کے 3 دسمبر کو اسد اللہ پور پہنچ گئی اور شیر سنگھ کی فوج سے 6 کلومیٹر کے فاصلے پر پوزیشن سنبھال لی۔

سکھ فوج فوراً اپنے پہلو میں درپیش خطرے کو بھانپ گئی۔ سکھ توپ خانے نے ایک طرف تو تھاک ویل کی فوج پر گولوں کی بارش کر دی اور دوسری طرف گاڈبی کے راستے توپوں کے فائر سے مسدود کر دیئے۔ اس طرح سے سکھ توپ خانے نے دونوں دستوں کو ملنے نہ دیا۔ لیکن شیر سنگھ اپنی ایک اہم فوجی چال سے دیسی فوج کو لارڈ گف کی مرکزی قوت کی زد سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چال یہ تھی کہ صبح منہ اندھیرے سکھ فوج دریا کو عبور کر کے بائیں کنارے کی طرف نکل آئی۔ اس طرح سے دیسی فوج نہ صرف تین اطراف سے حملہ زن فوجوں کے خطرے سے باہر نکل آئی بلکہ چھتر سنگھ کی فوج کو بھی شیر سنگھ کی فوج سے مل جانے کا موقع فراہم ہو گیا۔

لارڈ ڈلہوزی نے گف کی سخت نالائقی اور انگریز سپاہ کے بے انتہا جانی نقصانات کا تلخ اعتراف کیا۔

لارڈ گف کی اس تباہ شدہ ساکھ کے اس تناظر میں 13 جنوری 1849 کو چیلیانوالہ کا خون ریز معرکہ بپا ہوا۔ سکھوں کی بارہ ہزار فوج اور توپوں کا رخ ایک گھنے جنگل کو سامنے رکھتے ہوئے دریائے جہلم کی جانب واقع چیلیانوالہ کی طرف تھا۔ برطانوی سپاہ کو اپنے کیمپ اور صف بندی کی سکھ توپ خانے نے مہلت نہ دی۔ عجلت میں لارڈ گف نے انگریزی سپاہ کو حملے کا حکم دے دیا۔ انگریزی سپاہ کے قلب میں ہیوی آرٹلری' 18 پاؤنڈز اور 8 انچ ہاؤزرز نصب تھے۔ میجر جنرل گلبرٹ کے انفنٹری ڈویژنوں کو دائیں پہلو سے حملہ کرنا تھا جسے بریگیڈیئر پوپ سیکنڈ کے کیولری بریگیڈیئر اور 14 لائٹ ڈریگونز کے ہلکے پو پخانے کی اعانت حاصل تھی۔ بائیں جانب سے بریگیڈیئر جنرل کیمپل کی انفنٹری ڈویژن' کیولری بریگیڈ اور پو پخانہ تھا۔ چیلیانوالہ کی اس تاریخی جنگ کا آغاز برطانوی توپخانہ کی گولہ باری سے ہوا جس کا نشانہ سکھ فوج کا مرکز تھا۔ لیکن گھنے جنگل کی وجہ سے برطانوی سپاہ کی عسکری ترتیب قائم نہیں رہ پا رہی تھی اور ان کے بریگیڈ اور رجمنٹیں ایک دوسرے سے جدا ہو رہے تھے۔ زمین پر کیولری ایکشن ممکن نہ تھا اور جنگل توپ خانے کے موثر استعمال کے مانع تھا۔

سکھ پورے عزم اور جانفشانی سے لڑے اور ان کے سنگین بردار بندوقچی انگریز فوج کو مولی گاجر کی طرح کاٹ رہے تھے اور فنا کر رہے تھے۔ کیمپل کی کیولری سکھوں کو ان کی پوزیشنوں سے اکھیڑنے میں ناکام رہی اور میدان جنگ خالصہ جنگی نعروں سے گونجتا رہا۔ دوسری سمت بریگیڈ پینی کوئک کا تقریباً پورا بریگیڈ ئیر سکھ توپخانے کی زد میں آ گیا۔ سکھ بندوقچیوں کی گولیوں اور توپخانے کے فائر کے سامنے انھیں بھاگنے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اس پس قدمی میں بریگیڈ کی آدھی رجمنٹ مکمل طور پر تباہ کر دی گئی۔ سب سے زیادہ خوفناک تباہی گلبرٹ کے ڈویژن کو درپیش تھی۔ گلبرٹ ڈویژن کو رکنے کا حکم ملا لیکن بہت جلد ان پر آشکار ہوا کہ ان کا پورا سیکنڈ انفنٹری بریگیڈ سکھوں کے گھیرے میں آ چکا ہے۔ گلبرٹ کے بریگیڈ کو نہ آرٹلری کور حاصل تھا اور نہ کیولری کی مدد۔ اس صورت حال میں دست بدست لڑائی میں بریگیڈ کو پیچھے دھکیل دیا گیا جبکہ اکثریت کی لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔ جنگ تین گھنٹے جاری رہی۔ 132 افسروں 2446 سپاہیوں کی لاشیں اور تین توپیں چھوڑ کر لارڈ گف بقایا برطانوی فوج سمیت بھاگ نکلا۔

اس وقت تقدیر نے عجب قلا بازی کھائی۔ ملتان میں دیوان مل راج کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور 22 جنوری 1849 کو میجر جنرل وہش کی فوج بھی گجرات روانہ ہوگئی۔ چیلیانوالہ کے معرکے کے بعد سکھ آرمی دریائے جہلم کے کنارے پھر اکٹھی ہوئی۔ شیر سنگھ کے ساتھ چھتر سنگھ کی فوج اور اکرم خان کی سرکردگی میں 3000 کا افغان دستہ گجرات کے نواح میں تیار ہوا۔ 13 فروری کو میجر جنرل وہش کا فرسٹ (تیرہ ہزار فوجی اور تیس بھاری توپوں کے ساتھ برطانوی فوج سے آن ملا۔) بمبئے کالم (12100 فوجی اور 3000 گھڑسوا پہنچ گئے) لارڈ گف اتنی بڑی سپاہ اور بھاری توپ خانے کے ساتھ مارچ کرتا ہوا گجرات سے 8 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع شادیوال قصبے تک پہنچ کر سکھ فوج کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

معرکہء گجرات برطانوی عسکری تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی سپاہ نے اس سے پہلے کبھی بھی کسی ایک جنگ میں اتنی سپاہ اور اتنی زیادہ تعداد میں بھاری توپ خانہ اکٹھا کر کے صف بندی نہ کی تھی۔

برطانوی فوج کے پاس چھپن ہزار چھ سو چھتیس فوجی' چار انفنٹر ل ڈویژن 11569 اسپ سوار' 96 فیلڈ گنز' 67 محاصراتی توپیں جس میں دس 18 پاؤنڈ اور چھ 8 انچ ہاورزرز (جنہیں ہاتھی کھینچتے تھے) میدان جنگ میں موجود تھے۔ اس غیر معمولی منظر کی وجہ سے Battle of Gujrat کو Battle of Guns سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ آہن وفولاد کی یہ فوقیت' ریگولر آرمی پہ عددی سبقت اور شادیوال کے ہموار میدان جنگ' یہ سب عسکری نقطہ نگاہ سے ایک Foregone

Marfat.com

Conclusion تھی۔ ہندوستان میں برطانوی قبضے کے خلاف اس آخری کاوش کا نتیجہ 5000 سکھوں کی جانوں کے نذرانے اور 53 توپوں کے نقصان کے باوجود لارڈ گف کے حق میں رہا۔ لارڈ ڈلہوزی نے معرکہ گجرات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''سکھ قوم نے جنگ کاری، عزم وحوصلہ اور کارکردگی کی ان داستانوں کو دہرایا جو سکھ نسل کا خاصہ ہیں۔''

11 مارچ 1849 کو فتح گجرات کے بعد حکومت برطانیہ نے حالت جنگ کے خاتمے کا اعلان کر دیا اور لارڈ ڈلہوزی نے 29 مارچ 1849 کو پنجاب حکومت برطانیہ میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔ **(ارشد محمود رضا)**

8- نو آبادیاتی دور

i- گجرات کا سماجی منظر نامہ: پرکاش ٹنڈن

گجرات میرا گھر

میرے لیے گجرات ہی میرا گھر ہے۔ میرے خاندان کا اصل تعلق تو کالا سرائے سے ہے لیکن میرے ذہن میں کالا سرائے کی کوئی یاد نہیں۔ کینال کالونیوں کی یادیں بڑی گریز پا تھیں۔ گجرات میں ہماری اپنی برادری تھی، اپنے رشتے دار تھے، ہم رہتے بھی وہیں تھے۔ یوں گجرات ہی میرا گھر ہے۔ پنجابی زبان کا لفظ گھر یا فارسی زبان میں لفظ وطن ہمارے لیے بڑا عزیز تھا۔ کسی اجنبی سے اس کا نام یا ذات پوچھنے سے پہلے آپ اس کا وطن پوچھتے تھے۔ اگر دونوں کا وطن ایک ہی ہو یا قریب قریب ہو تو فوراً ہی رشتہ قائم ہو جاتا تھا۔ کسی اجنبی شہر میں آپ دونوں ایک برادری بن جاتے تھے اور برادری کے تمام حقوق وفرائض آپ پر عائد ہو جاتے تھے۔ شادیوں، تہواروں اور دوسرے خوشی کے موقعوں پر تحفوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ اگر اس کی بیوی آپ کے شہر کی ہے تو وہ آپ کی بہن تصور ہوتی تھی اور وہ خود بھی وہیں کا ہو تو وہ آپ کا بھائی سمجھا جائے گا۔ اگر دونوں خواتین ایک ہی شہر سے ہوں تو وہ بہنیں بن جاتی تھیں۔ بچے ان کو انھی نئے رشتوں پر مبنی ناموں سے ہی پکارتے۔

سفر کرتے ہوئے ریل کے ڈبے میں اچانک پتہ چل جائے کہ کوئی شخص آپ ہی کے شہر کا ہے تو فوراً نعرہ لگتا تھا ''تو تسی تے ساڈے وطنی ہوئے' ساڈے آپنے گھر دے' ساڈھے بھرا۔ واہ واہ''۔ محبت کا جذبہ آپ میں جوش مارتا تھا خصوصاً اس وقت جب آپ گھر سے دور ہوں۔ ڈبے میں ہر شخص اس بات پر تہنیت پیش کرتا تھا۔ پنجاب کے کسی انجانے حصے میں آپ دونوں اپنے آپ کو جلاوطن تصور کرتے تھے۔ ہوا' پانی' دودھ سبزیوں اور گوبھی کے پھولوں کا ذائقہ اور رنگ یہ سب بتاتے تھے کہ آپ کو ان سب کی عادت نہیں اور آپ اپنے گھر سے دور ہیں۔ ایسے اختلافات کی توقع ہوتی تھی۔ ایسے میں کسی ہم وطن کا مل جانا بڑی خوش نصیبی سمجھی جاتی تھی۔ مقامی لوگ بھی اس کو بخوشی تسلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ قدرتی چیز ہے کہ دور ہو جانے پر چیزیں ویسی نہیں رہتیں جیسے کہ وطن میں ہوتی ہیں۔ ہماری خانہ بدوشی کی زندگی میں گجرات ہی ہمارا گھر تھا۔

تاریخ اور جغرافیہ

گجرات کی بنیادیں بارہویں صدی میں گجروں نے رکھی تھیں۔ گجر چرواہے تھے۔ صوبہ گجرات بھی انہوں نے ہی بسایا تھا۔ اپنے شاندار ماضی کے مقابلے میں 1917 میں اس کی آبادی بیس ہزار نفوس سے بھی کم تھی۔ گجرات شہر گرینڈ ٹرنک روڈ پر واقع ہے۔ یہ سڑک شیر شاہ نے لاہور اور پشاور کے درمیان بنائی تھی۔ شہر دریائے جہلم اور چناب کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال کی جانب تیس میل کے فاصلے سے ہمالیہ کی پہاڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مغرب کی طرف اتنے ہی فاصلے پر ہی کی پہاڑیاں ہیں۔ یہاں سے پوٹھوہار کی سطح مرتفع شروع ہو کر راولپنڈی تک جاتی ہے۔ یوں گجرات شہر ایک مثلث میں واقع ہے جس کے دونوں اضلاع پر پہاڑیاں ہیں اور اس مثلث کے قاعدے پر جنوب میں میدان ہیں جو دور تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔ اس مقام کی فوجی اہمیت کا بخوبی اندارہ ہو جاتا ہے۔ شمال مغربی دروں اور دریائے جہلم کو عبور کرنے کے بعد حملہ آور گجرات پر نازل ہو جاتے تھے جو میلوں چوڑے میدان میں اپنے قلعے اور فصیل کے ساتھ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔ لاہور سے مغرب کی جانب یہ واحد قلعہ بند شہر تھا۔

شہر ایک زاویہ قائمہ والی مثلث نما پہاڑی پر آباد ہے۔ پہاڑی کا ایک ضلع بڑی تیزی سے اوپر اٹھا ہوا ہے۔ شہر پہاڑی کی چوٹی سے شروع ہو کر میدان تک آنے والی ڈھلوان پر واقع ہے۔ اس کے اطراف ایک فصیل تھی جس میں چوٹی پر واقعہ دروازے کے علاوہ پانچ اور دروازے تھے۔ فصیل کی وجہ سے صدیوں تک شہر بڑا گنجان آباد رہا اور صرف پچھلی صدی کے اواخر میں فصیل کے باہر گھر بننے لگے۔ ان میں میرے دادا کا گھر بھی تھا۔ تیس سال کے مسلسل امن نے جو آئندہ بھی متوقع تھا لوگوں کی ہمت بندھائی کہ وہ فصیل سے باہر نکلیں۔ تقریباً آٹھ سو سال تک شہر کا اندرونی حصہ کبھی تبدیل نہ ہوا تھا۔ شاید یہ مدت اس سے کچھ زیادہ ہی ہو کیونکہ گجروں کے اس شہر کو آباد کرنے سے پہلے بھی اس کی فوجی اہمیت کے پیش نظر یہاں کچھ آبادی

Marfat.com

ضرور ہوگی۔ گجروں نے اس مقام کو صرف نام دیا ہوگا اور اسے قلعہ بند بنایا ہوگا۔ اس کی عمر کے سوا اس کی باقی تاریخ کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

شہر کی منصوبہ بندی اس کے دفاع کے پیش نظر کی گئی تھی۔ اس شہر کی تین بڑی گلیاں تھیں جو شہر کے اندر تیر اور کمان کی صورت میں تھیں۔ ایک گلی شمالاً جنوباً کی صورت میں دو دروازوں کو ملاتی تھی۔ دوسری گلی مشرقی دروازے سے پہاڑی کی چوٹی پر واقع قلعے کو جاتی تھی۔ اس کی صورت کمان میں فٹ تیر کی سی تھی۔ تیسری گلی شمالی دروازے کے قریب سے ہو کر ایک قوس کی صورت میں جنوبی دروازے تک جاتی تھی۔ شہر کی بڑی گلیاں خاصی تنگ تھیں۔ ان میں دکانیں تھیں جن کی درجہ بندی ان کی اقسام پر مبنی تھی۔ ایک بازار سناروں کا تھا۔ دوسرا حلوائیوں اور نان بائیوں کا اور تیسرا خشک سامان بیچنے والوں کا۔ رنگ ریزوں، ٹھٹھیاروں، بزازوں اور جنرل مرچنٹس کے بھی اپنے اپنے بازار تھے۔ چھوٹی گلیوں میں کمہاروں، جولاہوں اور دوسرے پیشہ وروں کی جیسے بینڈ باجے والوں کی دکانیں تھیں۔ شہر کے ایک حصے میں طوائفیں اور ناچنے گانے والیاں رہتی تھیں اور ایک حصے میں میراثی آباد تھے۔

گلیاں محلے

یہ گلیاں شہر کو تین حصوں میں بانٹتی تھیں۔ ان حصوں میں محلے آباد تھے جن میں داخل ہونے کے صرف دو راستے ہوا کرتے تھے یعنی کوئی گلی ایک طرف سے شروع ہوتی تھی اور دوسری طرف نکل جاتی تھی۔ ایسے بھی محلے تھے جن میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ گلیاں تنگ تھیں اور ان کے دونوں طرف مکان تھے۔ ایک بھیڑی گلی تھی جو اتنی تنگ تھی کہ اس میں سے ایک وقت میں ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ اگر اندر داخل ہونے سے پہلے کسی کو آپ نے اس گلی میں دیکھ لیا تو آپ کو اس کے گزرنے تک کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ دو جوان آدمی آمنے سامنے ہو کر بھی اس میں نہیں گزر سکتے تھے۔ یہ صرف دو فٹ چوڑی تھی اور اس کے دونوں طرف بغیر کھڑکیوں کے بلند دیواریں تھیں جو کم از کم سو سال پرانی ہوں گی۔ ان میں استعمال ہونے والی پتلی اینٹیں ایک آدمی کے قد کے برابر اونچائی تک گھس گھس کر پالش ہو چکی تھیں اور لگتا تھا کہ ان پر کالے رنگ کی لاکھ کی ایک چمکدار تہہ چڑھا دی گئی ہے۔ دوسری گلیاں اتنی تنگ تو نہیں تھیں مگر صرف اتنی چوڑی تھیں کہ ان میں سے محض دو آدمی بیک وقت گزر سکیں۔ کئی گلیاں دو یا تین محلوں میں سے گزرتی تھیں اور آخر میں اکثر بند ہو جاتی تھیں۔ محلوں میں لوگ صرف رہائش رکھتے تھے اور ان میں دکانیں نہیں ہوتی تھیں۔ ایک محلے میں اکثر ایک ہی ذات کے لوگ رہتے تھے لیکن ہمارے زمانے میں یہ رجحان ختم ہو چکا تھا۔ اگرچہ ہندو اور مسلمان بالعموم علیحدہ علیحدہ محلوں میں رہتے تھے لیکن ایک چھوٹا سا محلہ ایسا بھی تھا جس میں ہندو اور مسلمان اکٹھے رہتے تھے۔ کمیوں کے اپنے محلے تھے۔

جگہ کی تنگی کی وجہ سے گھر دو یا تین منزلہ ہوتے تھے۔ اینٹوں اور لکڑی کے استعمال کی بناء پر مکان کی اس سے زیادہ اونچائی ممکن نہ تھی۔ ہر گھر کے سامنے ایک تھڑا ہوتا تھا جس کے دونوں طرف دو دو یا تین تین سیڑھیاں ہوتی تھیں۔ گھر کا داخلی دروازہ تھڑے کے وسط میں ہوتا تھا۔ تھڑا کئی کام آتا تھا۔ دوپہر کے بعد اس پر بیٹھ کر عورتیں سیتی پروتی تھیں، کشیدہ کاری کرتی تھیں، گپیں لگاتی تھیں یا آپس میں لڑائیاں کرتی تھیں۔ اپنے اپنے تھڑے سے وہ آپس میں با آسانی بات چیت کر لیتی تھیں۔ انھی تھڑوں پر پھیری والے اپنے سامان تجارت کی نمائش کرتے تھے۔ عورتیں اوپر ہی کھڑکیوں سے سامان دیکھ لیتی تھیں۔ وہ صرف اس وقت نیچے آتی تھیں جب انھیں کچھ خریدنا ہو۔

گجرات آپ ٹرین کے ذریعے پہنچتے تھے۔ سٹیشن شہر سے تقریباً ایک میل دور تھا۔ اس کے باہر ٹانگوں کی بھیڑ ہوتی تھی۔ سرخ قمیضوں والے قلی آپ کا سامان ٹانگوں کے اڈے تک لے جاتے تھے۔ وہاں ٹانگے والے آپ کو فوراً گھیر لیتے تھے اور آپ کو ہر طرف سے کھینچنا شروع کر دیتے تھے۔ آپ سالم ٹانگہ بھی لے سکتے تھے یا دوسری سواریوں کے ساتھ بھی بیٹھ سکتے تھے۔ ٹانگے میں سامان رکھنے کے بعد قلیوں سے جھگڑا شروع ہو جاتا تھا۔ پہلے آپ تھوڑے پیسے بتاتے تھے اور پھر بتدریج بڑھاتے چلے جاتے تھے۔ بچوں کو گود میں بٹھانے کے بعد چار سواریاں لے کر ٹانگہ شہر کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ شہر جانے والی سڑک پشاور سے آنے والی سڑک کو نصف فاصلے پر کاٹتی ہوئی آگے بڑھ جاتی تھی۔ وہاں آپ کو چنگی پر رکنا پڑتا تھا اور ہر نئی چیز پر مقررہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ مشرقی دروازے سے گزر کر ٹانگہ بڑی گلی میں داخل ہو جاتا تھا اور ایک چھوٹے سے کنویں پر جسے کھاری کھوئی کہتے تھے، رک جاتا تھا۔ اس کنویں کا پانی کھارا تھا جو اس علاقے میں ایک غیر معمولی چیز تھی۔ یہاں ہم ٹانگے سے اتر جاتے تھے اور کسی سے سامان اٹھوا کر اپنی گلی میں چلے جاتے تھے۔ تھڑوں کے درمیان صرف پانچ فٹ چوڑی گلی بل کھاتی ہوئی محلہ قانو گو پہنچ جاتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا محلہ تھا۔ اس محلے میں دو چوک تھے۔ ان دونوں کو جوڑنے والی گلی صرف تین فٹ لمبی تھی اور اپنے دونوں طرف کے گھروں کے درمیان سے ایک سرنگ کی طرح گزرتی تھی کیونکہ گھروں کے اوپر والے حصے چھتوں سے باہم ملے ہوئے تھے۔ دوسرے چوک میں جا کر یہ گلی ختم ہو جاتی تھی۔

Marfat.com

ہمارا گھر

دوسرے محلوں میں درمیانے طبقے کے مخصوص گھروں کی طرح ہمارا تین منزلہ گھر تھا مگر اپنی اندرونی اور بیرونی تزئین کی بنا پر دوسروں سے مختلف تھا۔ اس کا بڑا دروازہ تھا جس کی لکڑی پر منبت کاری کی طرح کام کیا ہوا تھا۔ لکڑی کے بیل بوٹے لوہے کے کیلوں سے چسپاں کیے گئے تھے۔ رات کو ایک مستطیل شہتیر اسے اندر سے بند کر دیتا تھا۔ شہتیر کے لیے باہم مقابل دیواروں میں سوراخ تھے۔ شہتیر کو پہلے ایک سوراخ میں ڈالا جاتا تھا اور پھر اس کو سیدھا سامنے کھینچ کر دوسرے سوراخ میں ڈال دیا جاتا تھا۔ یہ پرانی حفاظتی ترکیب ارل کہلاتی تھی اور ہمارے گھروں میں عام تھی۔ گھر کی ہر منزل پر دیواروں میں کھڑکیاں اور روشندان تھے جن میں مختلف شکلوں کے رنگ برنگے شیشے لگے ہوئے تھے۔ کھڑکیوں کا رنگ ہلکا نیلا تھا اور گھر کے سامنے والے حصے پر ہلکا گلابی رنگ تھا۔ گھر کا بیرونی حصہ متشاکل، دلکش اور مزین تھا۔ گھر چوکور تھا اور اس کے درمیان ایک کنواں (خالی جگہ) تھا۔ ہر منزل پر کمروں کے سامنے برآمدے تھے جو کنویں کے گرداگرد بنے ہوئے تھے۔ نچلی منزل پر کنواں لکڑی کے ایک چوکور فریم سے جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں، ڈھکا ہوا تھا۔ دوسری منزل پر اس کے چاروں طرف لکڑی کی ریلنگ لگی ہوئی تھی۔ سامنے والے حصے کے سوائے جس میں صدر دروازہ تھا۔ گھر کی ساری دیواریں بغیر کھڑکیوں کے تھیں اس لیے کنویں کا مقصد روشنی اور تازہ ہوا مہیا کرنا اور گرمیوں میں گھر کو ٹھنڈا رکھنا تھا۔ سردیوں میں ٹھنڈی ہوا سے بچنے کے لیے ہمیں کھڑکیاں بند رکھنی پڑتی تھیں۔ بارشوں میں سارا پانی کنویں میں اکٹھا ہو کر نالیوں کے ذریعے باہر نکل جاتا تھا۔ موسم بہار کے شروع میں جب اولے پڑتے تھے تو نچلی منزل کا فرش اولوں سے ڈھک جاتا تھا۔ اس طرح گنجان آبادی میں بھی قدرتی عناصر کے لیے ہمارے گھر کے دروازے کھلے رہتے تھے۔

صدر دروازے سے گزرنے کے فوراً بعد ڈیوڑھی تھی۔ یہ گھر میں آنے والوں اور پھیری والوں کے لیے ایک قسم کا استقبالیہ تھا۔ کوئی شخص بغیر اجازت ڈیوڑھی سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ ڈیوڑھی کے بائیں جانب ایک تنگ سا زینہ تھا۔ جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے مکان بلند تھا۔ اپنی بلندی کے تناسب سے گھر کے زینے کی چڑھائی بہت زیادہ تھی۔ ہر سیڑھی اونچی تھی۔ ان کے ساتھ اوپر سے نیچے تک ایک موٹا رسا لگا ہوا تھا تا کہ اس کو پکڑ کر چڑھنے میں آسانی رہے۔ ڈیوڑھی کے دائیں طرف ایک اور دروازہ نچلی منزل کے کمروں کی طرف کھلتا تھا۔ دونوں دروازے بند کر دینے کے بعد بھی ڈیوڑھی کھلی رہتی تھی۔ پہلی منزل پر کنویں کے چاروں طرف کمروں میں دن کی روشنی بہت کم آتی تھی۔ ان کی پشت پر دیواروں میں کھڑکیاں نہ ہونے سے یہ کمرے بڑے تاریک ہو گئے تھے۔ ہم ان کو گھر کے گوداموں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ پہلی منزل پر ہاتھ سے چلنے والا ایک نلکا تھا۔ اوپر والی منزلوں میں پانی ایک پائپ کے ذریعے چڑھایا جاتا تھا۔

جب کوئی مہمان یا پھیری والے دروازہ کی کنڈی ہلاتے تھے اور اگر گھر کے مرد باہر ہوں تو میری والدہ اوپر کھڑکی میں سے دیکھتی تھیں۔ کوئی رشتے دار ہوتا تو وہ نیچے اتر آتیں۔ سامان بیچنے والوں کو اوپر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سامان کے ساتھ اوپر چڑھنا ویسے ہی مشکل تھا۔ اگر کچھ لینا ہوتا تو میری والدہ نیچے آ کر خرید لیتیں یا رسی کے ذریعے ایک ٹوکری نیچے لٹکا دیتی تھیں اور جب سودا ٹوکری میں رکھ دیا جاتا تھا تو وہ اسے اوپر کھینچ لیتی تھیں۔ مرد گھر میں ہوتے تو ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ رواج یہ تھا کہ آنے والے نچلی منزل سے ہی آواز دیں۔ وہیں ان کو بتا دیا جاتا تھا کہ وہ اوپر آ جائیں یا وہیں انتظار کریں۔ اگر موسم خراب ہوتا تو وہ ڈیوڑھی میں انتظار کرتے۔ عورتیں صرف آواز دے کر ہی اوپر آ جاتی تھیں۔ قریبی رشتہ دار اور قریبی دوست بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

ڈیوڑھی کا ایک غم ناک استعمال بھی تھا۔ کسی کی وفات پر پرسا دینے والے مرد تو باہر گلی میں تھڑے پر بیٹھ جاتے تھے لیکن عورتیں ڈیوڑھی میں چلی آتیں۔ رشتے دار اور قریبی دوست اوپر آ جاتے تھے۔ جب میت نیچے لائی جاتی تو جنازے کی تیاری کے لیے اسے ڈیوڑھی ہی میں رکھا جاتا۔ پرسا دینے والی عورتیں بھی ڈیوڑھی ہی میں اظہار افسوس کرتی تھیں۔

شادی کے دنوں میں ڈیوڑھی کا ایک مخصوص استعمال بھی تھا۔ رخصتی کے وقت دلہن کچھ دیر ڈیوڑھی میں رکتی تھی تا کہ اپنے والدین کو الوداع کہہ سکے۔ جب وہ اپنے نئے گھر پہنچتی تھی تو اس کا استقبال ڈیوڑھی ہی میں ہوتا تھا۔ کچھ دنوں بعد جب اس کا شرمیلا پن بے تکلفی میں بدل جاتا تو نوجوان دلہن بھاگ کر ڈیوڑھی میں پہنچتی تھی تا کہ اپنے شوہر سے جلدی سے گلے مل سکے۔ سمجھ دار ساس خود بہو کو نیچے جانے اور دروازہ کھولنے کے لیے کہتی تھی۔ چوری چھپے کی محبت میں لڑکی ڈیوڑھی کے دروازے کے پیچھے چھپ کر لڑکے کو متوجہ کرنے کے لیے مختلف آوازیں نکالتی تھی تا کہ بھونڈا سا بوس و کنار ہو سکے۔

ڈیوڑھی سے سیڑھیاں چڑھ کر ہم پہلی منزل پر پہنچتے تھے۔ جہاں زینہ ختم ہوتا تھا وہاں ایک پانی ڈالنے کی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں نلکوں کی آمد سے پہلے ماشکی اس میں پانی ڈال دیتا تھا جو ایک نالی کے ذریعے باورچی خانے میں پہنچ جاتا تھا۔ اسی جگہ سے برآمدہ شروع ہوتا تھا اور گھر کے اندرونی طرف چاروں طرف گھوم جاتا تھا۔ دائیں طرف ایک لمبا کمرہ تھا۔ یہ ہماری بیٹھک تھی۔ اس کے سامنے دو کمرے تھے۔

Marfat.com

ان میں ایک تو سونے کے لیے استعمال ہوتا تھا اور دوسرے میں رضائیاں، کمبل اور دوسری اشیاء رکھی جاتی تھیں جن کی ضرورت اکثر پیش آتی رہتی تھی۔ سونے کے کمرے کے پٹ تو سادہ تھے لیکن بیٹھک کے دروازوں میں رنگ دار شیشے لگے ہوئے تھے۔ باورچی خانے کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ یہ ایک کھلا والان تھا۔

دوسری منزل بھی پہلی منزل جیسی ہی تھی سوائے اس کے باورچی خانے کے مقابل سمت میں جگہ بالکل کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ یہ منزل زیادہ روشن تھی اور کھلی جگہ کی وجہ سے زیادہ کشادہ دکھائی دیتی تھی۔ چھت پر کھلے آسمان کے نیچے ایک تندور تھا۔ گرمیوں میں اس میں روٹیاں پکتی تھیں اور کھانا گرم رکھا جاتا تھا۔

تیسری منزل پر مہتابیاں تھیں۔ پردے کے لیے ان میں لکڑی کی اونچی دیواریں تھی۔ زینہ ایک بند جگہ پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ یہاں پانی کے بغیر غسل خانے تھے۔ یہاں سے چند سیڑھیاں کھلی چھت پر چلی جاتی تھیں۔ یہاں سے ہم قلعے کے قریب سے شروع ہونے والی ڈھلوان کی عین کوہان پر کھڑے ہو کر پورے شہر کا نظارہ کر سکتے تھے۔ ڈھلوان ہرے بھرے کھیتوں تک جاتی دکھائی دیتی تھی۔ زمین پر چھائی ہوئی دھند سے اوپر کو نکلتے ہوئے دور برف سے ڈھکی ہوئی ہمالیہ کی چوٹیاں دکھائی دیتی تھیں۔ سردیوں میں بارش کے بعد ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان یہ بڑی شاندار نظر آتی تھیں۔ ان میں صبح کے وقت گلابی اور شام کو کاسنی رنگ جھلکتا تھا۔ سورج غروب ہونے کے بعد جھٹ پٹے میں یہ چوٹیاں ماند سے نیلے رنگ کی ہو جاتی تھیں۔ برف سے ڈھکی چوٹیاں سورج کی روشنی کو اس وقت بھی منعکس کرتی تھیں۔

پہلی اور دوسری منزلوں پر برآمدوں کی دیواروں پر ایرانی اسلوب کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان کا اہم بنیادی عنصر نازک پھول دان تھے جن میں سے خوبصورت پھولوں سے لدی ہوئی نازک ٹہنیاں باہر نکلتی تھیں۔ پھولوں میں گلاب، انار، نرگس اور سوسن تھے۔ پتا نہیں ان دیواروں پر کب پلستر ہوا تھا اور رنگ کب ہوا تھا لیکن رنگ اور پلستر بڑی دیر سے قائم تھے۔ تصویریں تھوڑی سی دھندلا گئی تھیں۔ تصویروں کی لمبی لائنیں برش سے بڑی نزاکت سے کھینچی گئی تھیں۔

ہمارا رہن سہن بڑا غیر رسمی تھا۔ ہمارے ہاں کوئی خلوت نہیں تھی اور ہم کچن میں ہی بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔ اگر کوئی مہمان ہوتا تو ملازم کھانا بیٹھک میں لے آتا۔ رشتے دار ہوں تو دوسری منزل کی بیٹھک میں بیٹھتے تھے اور اگر مہمان تکلف والے یا اجنبی ہوتے تو انھیں اوپر والی بیٹھک میں لے آتے تھے۔ خواتین درمیانی منزل پر رہتیں۔ طرز رہائش موسموں کے مطابق بدلتی رہتی تھی۔ سردیوں کے دن ہم تیسری منزل کی چھت پر دھوپ میں گزارتے تھے اور شامیں اور راتیں دوسری منزل پر جو ان دنوں میں بڑی آرام دہ ہوتی تھی۔ گرمی کے دن ہم نچلی منزل کے تاریک کمروں میں گزارتے تھے اور شامیں دوسری منزل پر اور جیسے ہی گرمی زور پکڑتی شام کو ہم چھت پر چلے جاتے تھے۔

ہمارے گھر خاصے خود مکتفی تھے۔ گھروں میں استعمال ہونے والی اجناس جیسے گندم، گھی، چاول اور دالیں ہم وافر مقدار میں خرید لیتے تھے جو اگلی فصل آنے تک چلتی تھیں، کافی دیر بعد بھی کلی اور گندم میری والدہ چکی میں خود ہی پیس لیتی تھیں۔ کپاس خرید کر خود ہی چھوٹی سی بیلنی پر بیل لیتی تھیں۔ روئی دھنکنے والے جب پھیری لگانے آتے تو وہ اس روئی کو دھنکوا لیتی تھیں۔ دھنکنے والا اپنے پنجن کو چھت سے باندھ لیتا تھا اور روئی کو دھنک دیتا تھا۔ وہ خود ہی لکڑی کے چرخے پر روئی کات لیتی تھیں اور پھر سوت جولاہے کو دے دیتی تھیں تاکہ وہ ان کی حسب منشا بن دے۔ وہ گری کا تیل اور سوڈا خود ہی خرید کر کپڑے دھونے والا صابن بنانے والے کو دے دیتی تھیں۔ وہ اچار، چٹنیاں مربے خود ہی تیار کرتی تھیں۔ اجزاء پنساری سے خرید کر وہ شربت بنانے والے کو دے کر شربت بنوا لیتی تھیں۔ وہ سینا پرونا اور کشیدے کا کام بھی خود ہی کرتیں اور اگر ہماری بہنیں ہوتیں تو وہ آہستہ آہستہ ان کا جہیز بھی تیار کر کے محفوظ کر لیتیں۔ گھر کی گائے اور بھینس کے چارے کی وہ خود ہی نگرانی کرتی تھیں۔ کھل، بنولے، چھان، نمک، گڑ اور بچی ہوئی خشک چپاتیاں ملا کر بھینس کا چارہ تیار کیا جاتا تھا۔ وزن کے حساب سے وہ دھات کے برتن خریدتی تھیں اور پھر خود ہی قلعی کروا لیتی تھیں۔ جب یہ برتن خراب ہو جاتے یا ٹوٹ جاتے وہ وزن کے حساب سے انھیں بیچ بھی دیتی تھیں۔ ہم لکڑی کے لٹھے خرید لیتے تھے اور انھیں ان کشمیریوں سے کٹوا لیتے تھے جو سردیوں میں اپنا وطن چھوڑ کر مزدوری کے لیے پنجاب آیا کرتے تھے۔ ہم نے زمین سے اپنا رشتہ گملوں میں سبزیاں اگا کر قائم رکھا۔

ہمارا محلہ

ہمارا محلہ بڑا محفوظ تھا۔ دونوں چوکوں میں ہندو اور مسلمان آباد تھے۔ برقعے کے سوا جو مسلمان عورتیں گھر سے باہر جاتے وقت پہنتی تھیں، ہمارے لباسوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ہندوؤں میں گھگرے کا رواج عملی طور پر ختم ہو چکا تھا اور میرے زمانے میں چند ہی ہندو عورتیں ہوں گی جو گھگرا پہنتی تھیں۔ عورتیں ہمیشہ شلوار قمیض ہی پہنتی تھیں اور ہمارے محلے میں کوئی سماجی تفریق نہیں تھی۔ ہمارے محلے میں ایک مسلمان وکیل، ایک ہندو حلوائی، میونسپل کمیٹی کا ایک مسلمان کلرک اور ایک برہموں کا خاندان رہتا تھا۔ لڑکیاں لڑکے اکٹھے کھیلتے تھے اور ظہر کے بعد تمام عورتیں اپنی پیڑھیاں اور کشیدہ کاری کا سامان لے کر تھڑوں پر آ بیٹھتی تھیں، آپس میں باتیں کرتیں

Marfat.com

اور گپیں ہانکتی تھیں۔

لوگ صبح سویرے ہی اٹھ بیٹھتے تھے۔ اکثر حوائج ضروریہ کے لیے باہر کھیتوں میں چلے جاتے تھے۔ کچھ سیر کے لیے نکل جاتے تھے۔ راستے میں کسی نیم کے درخت سے ایک ٹہنی توڑ کر اور اس کا سرا دانتوں سے چبا کر مسواک بنا لیتے تھے۔ اس سے دانت صاف کر کے اسے پھینک دیتے تھے اور رہٹ پر جا کر نہا لیتے تھے۔ سردیوں میں کنویں کا پانی گرم ہوتا تھا اور گرمیوں میں ٹھنڈا۔ وہاں دوسرے لوگوں سے ملاقات بھی ہو جاتی تھیں اور آپس میں تبادلہ خیالات بھی ہو جاتا تھا۔ اخباریں ابھی گجرات نہیں پہنچی تھیں۔ واپسی پر گھر آتے ہوئے وہ سبزی منڈی سے گزرتے اور گھر کے لیے تازہ سبزیاں خرید لیتے تھے جو ان کے آنے سے پہلے ہی گجرات کے اطراف کے کھیتوں سے منڈی میں پہنچ جاتی تھیں۔ صبح کا کھانا کھا کر مرد دس بجے تک اپنے اپنے کام پر نکل جاتے تھے۔ جو دفتروں میں کام کرتے تھے وہ پانچ بجے گھر واپس پہنچ جاتے تھے اور پھر جا کر شام تک کام کرتے تھے۔ سردیوں اور گرمیوں کے اوقات کار مختلف ہوتے تھے۔ گرمیوں میں دفتر اور سکول چھ بجے شروع ہو جاتے تھے اور دوپہر کو بند ہو جاتے تھے۔ سردیوں میں کام دس بجے شروع ہو کر شام چار بجے ختم ہو جاتا تھا۔ گرمیوں میں سب لوگ دوپہر کو سو جاتے تھے اور دوپہر کے بعد دوستوں کو ملنے یا سیر کرنے نکل جاتے تھے۔ بعض اوقات شام کے کھانے کے بعد میاں بیوی دوستوں اور رشتے داروں سے ملنے کے لیے اکٹھے چلے جاتے تھے لیکن بلا مقصد ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔ عام طور پر لوگ جلدی سو جاتے تھے۔ زندگی اس طرح ایک ہموار سست رفتاری سے چلتی تھی۔ اس میں تھوڑی بہت تیزی تہواروں اور مہمانوں کی آمد پر آ جاتی تھی۔ ایسے موقعوں کا بڑا انتظار رہتا تھا۔

ہندو تہوار

ہندوؤں کے کئی تہوار تھے لیکن پرجوش طریقے سے منائے جانے والے تہوار لوہڑی' بسنت' ہولی' بیساکھی' رکھڑی' دوسہرا اور دیوالی تھے۔ لوہڑی کا تہوار جنوری میں آتا تھا۔ زمین میں گڑھا کھود کر آگ جلائی جاتی تھی۔ لوگ مخصوص مٹھائیاں جن پر سرسوں کے دانے لگے ہوتے تھے اور بھنے ہوئے چاول کھاتے تھے۔ بچے کی پہلی لوہڑی پر خاص تیاریاں کی جاتی تھیں۔ آتش بازی اور بارود کے گولے بھی چھوڑے جاتے تھے۔ لوہڑی کے آنے سے پہلے ہی بچے لکڑیاں اکٹھا کرنی شروع کر دیتے تھے۔ شام کو عورتیں' مرد' بچے اور بوڑھے آگ کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے جو جنوری کے دنوں میں بڑی اچھی لگتی تھی۔ ہم تھکان اور نیند سے چور رات گئے گھر واپس آ کر سو جاتے تھے اور ہمارے کانوں میں پٹاخوں کی آوازیں گونجتی رہتی تھیں۔

بسنت موسم بہار کا تہوار تھا۔ یہ پکی ہوئی فصلوں کے پیلے رنگ سے منسوب تھا اور شہروں اور دیہاتوں میں ایک ہی طرح منایا جاتا تھا۔ اسی سے پتنگ بازی کا آغاز ہوتا تھا۔ اس کے بعد ہولی آتی تھی۔ یہ بڑی بدتمیزی کا تہوار تھا اور ہر سال بد سے بدتر ہوتا چلا جاتا تھا۔ یہ تمام پابندیوں سے آزاد تہوار تھا' جب ہر کوئی ہر کسی پر رنگ دار پانی یا رنگ پھینک سکتا تھا اور دوسرے لوگوں کے چہروں پر رنگ مل سکتا تھا۔ اس دن ہر شخص پرانے کپڑے پہنتا تھا کیونکہ دن کے ختم ہونے پر وہ کپڑے برباد ہو چکے ہوتے تھے۔ ان کو اتار کر الگ رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اگلے سال پھر کام آ سکیں۔ چہرے اور ہاتھوں سے رنگ صاف کرنے میں انھیں رگڑ رگڑ کر دھونا پڑتا تھا۔ اس معاملے میں تو کئی گلیاں بدنام تھیں کیونکہ ان میں گزرنے والوں پر چھت سے راکھ' گرد وغبار اور گندگی تک پھینکی جاتی تھی۔ خواہ کچھ ہو جائے کوئی شخص اس کا برا نہیں مناتا تھا اور ہر بات کو مذاق میں ٹال دیا جاتا تھا۔ گھر کے اندر بھی چھٹکارا نہیں ملتا تھا۔ گھر آنے والے دوست حباب آپ کو کھینچ کر باہر لے آتے تھے اور ایک دفعہ رنگے جانے پر دوسروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کر کے بدلہ لیا جاتا تھا۔ عورتیں محلوں میں ہولی کھیلتی تھیں اور مرد گلیوں میں دیوانہ وار یہ تہوار مناتے تھے۔ ہولی اور اپریل فولز ڈے ہم مخرج سمجھے جاتے ہیں۔

ہولی کے بعد اپریل میں بیساکھی آ جاتی تھی۔ ہم یہ تہوار شہر سے چھ میل دور دریائے چناب کے کنارے مناتے تھے۔ لیکن یہ مختلف قسم کا تہوار تھا گو اس میں بھی شور اور ہنگامے کا ایک خوشگوار امتزاج ہوتا تھا۔ یہ تہوار کے ساتھ دریا پر پکنک منانے موقع بھی تھا۔

اس کے لمبے عرصے کے بعد اگست میں راکھی یا رکھڑی کا تہوار آتا تھا۔ راکھی یا رکھڑی سے مراد حفاظت کا بندھن ہے۔ اس موقع پر بہنیں اپنے بھائیوں یا منہ بولے بھائیوں کی کلائی پر ایک ریشمی دھاگے کا بندھن باندھتی ہیں۔ اگر کسی لڑکی کا بھائی نہ ہو تو وہ کسی بھی لڑکے کو اپنا بھائی بنا لیتی ہے۔ رفتہ رفتہ رکھڑی کا بندھن بڑا مزین ہو گیا اور اس میں ریشمی پھندنے اور شیشے کے موتی لگنے لگے۔ ہم سب اپنی اپنی کلائیوں پر بندھے ہوئے بندھنوں کی تعریف کیا کرتے تھے۔ شروع میں تو اس کا مطلب تھا کہ بھائی بہن کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ بے معنی ہو گیا۔ رکھڑی کے بدلے میں بھائیوں کو اپنی بہنوں کو کچھ پیسے دینے ہوتے تھے۔ ہم بچوں کو یہ بہت برا لگتا تھا۔ ہمیں اپنی بہنوں کو دینے کے لیے چاندی کے تین روپے دیے جاتے تھے۔ ہماری کوئی بہن تھی ہی نہیں اس لیے ہم احتجاج کرتے تھے کہ ہم تو ان روپوں کو بہتر طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں جبکہ یہ لڑکیاں انھیں اپنے گلوں میں ڈال

Marfat.com

دیں گی۔

رکھڑی کے بعد دسہرا اور دیوالی بہترین تہوار تھے۔ ان دونوں تہواروں کا تعلق رامائین سے ہے۔ دسہرے پر رام اور لکشمن کی راون کے ساتھ لڑائی کا ناٹک پیش کیا جاتا تھا جس میں لنکا کے راکھشش راجا راون کو شکست ہوتی ہے۔ دیوالی پر چودہ برس کے بن باس کے بعد رام کی واپسی کی یاد میں خوشی منائی جاتی تھی۔ دسہرہ آنے سے پہلے پوری رامائین کو ڈرامائی صورت میں پیش کرنے کے لیے سارے شہر سے چندہ اکٹھا کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے شہر میں ایک کمیٹی بنائی جاتی تھی۔ مقامی ڈرامائی جوہر سے ایکٹروں کا انتخاب کیا جاتا تھا اور چوک میں سٹیج تیار کیا جاتا تھا۔ ایک مہینے تک روزانہ رامائین بتدریج پیش کی جاتی تھی۔ یہ بالکل ہی غیر پیشہ ورانہ کوشش ہوتی تھی۔ تمام ایکٹر مرد اور لڑکے ہوتے تھے اور ہر پیشکش مفت ہوتی تھی۔ سٹیج سے متعلق کچھ وقتی تدابیر تو بڑی ذہانت پر مبنی ہوتی تھیں اور ان کی وجہ سے لوگ حیران ہوتے تھے کہ سٹیج کے مختلف مسائل ڈائریکٹر نے کیسے حل کر لیے۔ سب سے مشکل سین وہ تھا جس میں رام، لکشمن اور ہنومان وہ سمندر پار کرتے ہیں جو ہندوستان اور لنکا کے درمیان ہے۔ ہنومان کا ہمالیہ کی طرف اڑ کر جانا یا سروپ نکھا کی طرف پیش قدمی پر لکشمن کا اس کی ناک کاٹ ڈالنا' (جو چنداں مردانگی نہیں تھی) مشکل سین تھے۔ بعض اوقات کئی سین چھوڑ بھی دیئے جاتے تھے اور کبھی کبھی علامتوں کا استعمال بھی کیا جاتا تھا یا پھر ایکشن کی جگہ صرف الفاظ یا ایکشن اور الفاظ دونوں استعمال کیے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ڈائریکٹر نے کھیل سے ایک دن پہلے اعلان کیا کہ وہ رام اور اس کی فوج کو واقعی سمندر میں سے گزرتا ہوا دکھائے گا۔ ہم سب متجسس تھے کہ یہ کیسے ہوگا کیونکہ اس سے پہلے کبھی کسی نے یہ مشکل حل نہیں کی تھی۔ ایک چھوٹی سی ہلتی جلتی سٹیج پر آپ سمندر کیسے دکھائیں گے؟ چنانچہ مقررہ وقت پر جس کا سب کو انتظار تھا دو آدمی سٹیج پر آئے ان کے ہاتھوں میں ایک گیلی سفید دھوتی تھی جسے انہوں نے کناروں سے پکڑا ہوا تھا اور وہ اس کو ایسے ہلا رہے تھے جیسے کہ وہ اسے سکھا رہے ہوں۔ ہوا میں لہراتے وقت وہ ایسے لگتی تھی جیسے سمندر کی لہریں ہوں۔ پھر رام اور اس کے ساتھی آئے اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد دھوتی کو پھلانگ کر دوسری طرف لنکا پہنچ گئے۔ ہر کام بڑی سادگی اور موثر طریقے سے کیا گیا تھا۔ سب دیکھنے والوں نے بڑی تعریف کی۔ ہم سمندر سے ایک ہزار میل دور تھے اور ہمیں خیال نہ آیا کہ اگر دھوتی نیلی ہوتی تو زیادہ بہتر تھا۔

اس امید میں کہ شاید ہمیں بھی کوئی کردار بالخصوص ہنومان کے بندروں کا مل جائے ہم ارد گرد منڈلاتے رہتے تھے۔ ہمارے چہروں پر بندروں جیسے سرخ رنگ کا نقاب ہوتا تھا۔ ہماری قمیصیں اور نکریں سرخ ہوتی تھیں جن میں سے دم باہر نکلی ہوئی ہوتی تھی۔ ہمارے ہاتھوں میں بڑی سجی ہوئی کمان اور تیر ہوتے تھے اور ہم سٹیج پر ناچتے کودتے پھرتے تھے۔ کبھی کبھی ہنومان ہمیں ایک آدھ مُکا بھی رسید کر دیتا تھا جس پر مکا کھانے والا بندر واقعی چیخنا شروع کر دیتا تھا۔ اس پر دوسرے بندر اس کی ہنسی اڑاتے تھے کہ وہ جعلی جنگجو ہے۔ اگر زمین پر بیٹھنا نہ چاہیں تو رات کے کھانے کے بعد ہم اپنی اپنی کرسیاں لے کر رام لیلا کے میدان میں پہنچ جاتے تھے۔ رات گئے تک تماشا جاری رہتا تھا اور دوسرے دن بڑی باریک بینی سے اس پر تبصرہ ہوتا تھا اور گزرے سال کی اداکاری سے اس کا موازنہ ہوتا تھا۔

اداکاری کا معیار روز بروز اور سال بسال بدلتا رہتا تھا لیکن تماشائی بڑے نرم دل تھے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مقامی حسد اور رقابت موجود نہیں تھی۔ میرے خیال میں جن دیوتاؤں کی وہ روزانہ پوجا کرتے تھے جیسے رام' سیتا وغیرہ ان کو رنگ برنگی سٹیج پر ہنستے کھیلتے اور زندہ دیکھنے پر وہ بڑے متاثر ہوتے تھے۔ کیکئی کے کہنے پر اس کے سوتیلے بیٹے رام کو بن باس ملنا تاکہ اس کا اپنا بیٹا بھرت راجا بن جائے' اس پر راجا دسرتھ کا شدید کرب میں مبتلا ہونا' بھرت کی وفاداری اور ضد کہ وہ بھی رام کے ساتھ جائے گا' راون کا سیتا کو اغوا کرنا اور سیتا کا چیخنا چلانا' جنگ میں زخم کھا کر لکشمن کا بے ہوش ہو جانا اور پل پل ہنومان کا انتظار جو سنجیونی بوٹی لانے کے لیے دو ہزار میل دور ہمالیہ گیا ہوا تھا' ایسے دل خراش واقعات تھے جو ناظرین کو رلا دیتے تھے۔ یہ سادہ مرد اور عورتیں اداکاری کی حقیقت نگاری سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ وہ اپنے خیالات اور زندگی کے ہیروؤں کی پوجا کرنا چاہتے تھے۔ اس حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ شعوری اور غیر شعوری مزاح بھی چلتا تھا مثلاً جب لکشمن سروپ نکھا کا کردار ادا کرنے والے لڑکے سے حقیقت میں نفرت کرتا ہوا اور وہ اتنی حقیقت نگاری سے اداکاری کرے کہ وہ واقعی سروپ نکھا کی ناک کاٹتا نظر آئے اور اس پر سروپ نکھا کا کردار ادا کرنے والے لڑکے سے حقیقت میں نفرت کرتا ہوا اور وہ اتنی حقیقت نگاری سے اداکاری کرے کہ وہ واقعی سروپ نکھا کی ناک کاٹتا نظر آئے اور اس پر سروپ نکھا کا کردار ادا کرنے والے لڑکے کی اصلی چیخوں پر سب قہقہے لگاتے تھے۔ رام کی فوج کا کردار ادا کرنے والے لڑکوں کے پن لگے ہوئے تیروں سے راون کے فوجیوں کو کچوکے لگانے کی حقیقت نگاری کو بھی لوگ پسند کرتے تھے۔

رام لیلا کے اس عظیم رزمیہ کو ہر رات رفتہ رفتہ آخری سین تک پیش کیا جاتا تھا حتیٰ کہ آخری سین میں راون کو شکست ہو جاتی تھی۔ یہ سین دسہرے کے دن کھلے میدان میں دکھایا جاتا تھا۔ کاغذوں سے بنا ہوا جس کے اندر پٹاخے بھرے ہوتے تھے' راون کا نفرت انگیز اور قبیح پتلا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی کمبھ کرن اور بیٹے اندر جیت کے کاغذی پتلے میدان میں کھڑے کیے جاتے تھے۔ بھڑکیلے نئے کپڑوں میں

Marfat.com

ملبوس ہم اس میلے میں اکٹھے ہوجاتے تھے اور اپنی چونی یا اٹھنی جو اس موقع پر ہمیں ملا کرتی تھی' بے دریغ خرچ کرتے تھے حتیٰ کہ رام لیلا کے نقطہ عروج کا لمحہ آن پہنچتا تھا۔ شام کے وقت ایک گھوڑا گاڑی میں رام اور لکشمن آتے تھے اور تالیوں کے شور میں ایک بڑے ڈرامائی انداز میں رام ایک تیر راون پر چھوڑتا تھا۔ یہ رام کا آخری معرکہ تھا۔ تیر لگتے ہی راون اور اس کے ساتھی شعلوں کی لپیٹ میں آجاتے تھے۔ پٹاخے اور گولے چھٹتے تھے اور بارودی ہوائیاں آسمان کا رخ کرتی تھیں۔ راون دھڑام سے گر پڑتا تھا اور بارود کے گولوں' پٹاخوں اور شعلوں سے اس کا جسم لرزتا تھا۔ ہم بھرے ہوئے پیٹوں کے ساتھ گھر واپس لوٹتے تھے اور افسردہ ہوتے تھے کہ رام لیلا کا موسم ختم ہو گیا ہے لیکن اس خیال سے خوش بھی ہوتے تھے کہ جلد ہی یعنی اکیس دن بعد دیوالی کا بہترین تہوار آنے والا ہے۔

دیوالی کی صورت جیسے کہ مجھے سکنڈے نیویا میں بعد میں پتہ چلا' کرسمس کی ایک جھلک سی ہے۔ یہ ایک گھریلو تہوار ہے جس پر سارا خاندان اکٹھا ہوجاتا ہے۔ دیوالی کے دن گھر پر رہنا بڑا بابرکت سمجھا جاتا ہے تاکہ لکشمی دیوی کی نوازشات میں آپ بھی شامل ہوں۔ دیوالی کی تیاریاں کئی دن پہلے شروع ہوجاتی تھیں اور ہر شخص کو ان میں ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔ عورتیں مٹھائیاں تیار کرتی تھیں اور دیوار پر بٹیاں بناتی تھیں۔ دیوار کے ایک حصے پر گائے کے گوبر کا پلستر کیا جاتا تھا۔ اس پر سفید رنگ کیا جاتا تھا اور پھر سرخ رنگ سے سواستیکا بنایا جاتا تھا۔ مٹی اور بھوسے کو ملا کر دیئے رکھنے کے لیے دیوار پر چھوٹے چھوٹے طاق بنائے جاتے تھے۔ مٹی کے دیئے جن سے لفظ دیوالی بنا ہے' پانی میں بھگوئے جاتے تھے ان دیئوں کے لیے چھوٹی لڑکیاں روئی کی بتیاں بناتی تھیں۔ ہر دیئے میں سرسوں کا تیل ڈال کر اس میں وہ ایک بتی رکھ دیتی تھیں۔ بعد میں ان کی جگہ رنگ برنگی موم بتیاں آگئیں۔ ہمارے والد کو پورا گھر رنگ کروانا پڑتا تھا۔ وہ چاندی کے نئے روپے اور بازار سے مٹھائیاں خرید کر لاتے تھے۔ اس موقع پر کئی چیزیں تو گھر پر ہی بنائی جاتی تھیں اور کئی بازار سے خریدی جاتی تھیں جیسے سفید' گلابی اور زرد رنگ کی مخصوص مٹھائیاں جنہیں گھوڑوں کی صورت میں سانچوں سے بنایا جاتا تھا' لوگوں اور گھوڑوں کے مٹی کے مجسمے' رام' لکشمن' سیتا' لکشمی' ہنومان اور دوسرے دیوی دیوتا اور اساطیر کے کچھ سینوں کی رنگین تصویریں' بانس اور کاغذ سے بنی ہوئی لالٹینیں' موم بتیاں اور آتش بازی۔

دیوالی کے دن بڑی سرگرمی نظر آتی تھی۔ لالٹینیں لٹکانا' دیئوں کو قطار در قطار رکھنا جو دروازے کی سیڑھیوں سے شروع ہو کر کھڑکیوں اور منڈیر تک اور پھر گھر کے اندر اور ہٹیوں پر۔ شام کو جب ہر چیز تیار ہوجاتی تھی تو ہم ایک دفعہ پھر نہاتے تھے اور نئے کپڑے پہنتے تھے۔ اس کے بعد ہم بڑے بے صبرے ہوجاتے تھے اور والدین کو بار بار کہتے تھے کہ وہ دیوالی شروع کریں اور ہمیں بار بار یہی بتایا جاتا تھا کہ اندھیرا ہونے تک ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔ دن کے وقت تو دیئے نہیں جلا سکتے۔

نومبر میں رات جلدی آجاتی اور ہمارا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ہم دیئے جلانے کے لیے دوڑ پڑتے تھے۔ اگر تھوڑی سی ہوا چل رہی ہو تو یہ کام ذرا مشکل ہوجاتا تھا کیونکہ مٹی کے دیئے کو ہوا بجھا دیتی ہے اور دیئوں کی قطار میں اندھیرے رخنے در آتے ہیں۔ عموماً شام کو ہوا نہیں ہوتی تھی اور قطار قطار دیئوں کے لرزتے ہوئے شعلے ہمارے گھر اور لوگوں کے گھروں کا ایک روشن خاکہ کھینچ دیتے تھے۔ پورا محلہ بقعہ نور بن جاتا تھا۔ ہم دوسرے بچوں کو پکارتے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ کس کا شو بہتر ہے' مقابلے کی دعوت دیتے تھے۔ لیکن ابھی تک مٹھائیوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ پہلے گھر میں پوجا ہوتی تھی۔ پوجا کے لیے ہم سب کو اکٹھا کر کے ہماری والدہ ہمیں بتوں کے سامنے بٹھا دیتی تھیں۔ دیئوں کے سامنے فرش پر ایک تھالی رکھی جاتی تھی جس میں چاندی کے روپے ہوتے تھے۔ روپوں پر زعفران لگا ہوتا تھا اور انہیں چاولوں سے ڈھانک دیا جاتا تھا۔ یہ لکشمی دیوی کی نذر تھی۔ یہی لکشمی پوجا ہے۔ مٹھائیوں کی تھالیاں فرش پر رکھی جاتی تھیں۔ جب پوجا ختم ہوجاتی تھی تو پرشاد بانٹا جاتا تھا۔ پوجا ختم ہونے پر ہم پٹاخے چلانے کے لیے باہر دوڑ پڑتے تھے۔ آتش بازی سے جس میں پھل جھڑیاں' ہوائیاں' رنگین موم بتیاں وغیرہ ہوتی تھیں' ہمارا چھوٹا سا محلہ ایک پری خانہ بن جاتا تھا اور ہمارے سادہ ذوق کی تسکین کرتا تھا۔ آتش بازی کے بھی اپنے نام تھے جیسے مہتابیاں اور انار جس سے چنگاریوں کی صورت میں روشنی کا فوارہ نکلتا تھا۔

ایک مرغوب مرحلہ جس کا ہمیں شدید انتظار رہتا تھا' وہ بازار میں جا کر دیوالی دیکھنا تھا۔ ہمارے بزرگ ہمیں بازار لے جاتے تھے۔ ہم ان کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے کہ بھیڑ میں کہیں گم نہ ہوجائیں۔ یہ نظارہ بڑا دلکش ہوتا تھا۔ گھروں پر قطار در قطار رکھے ہوئے دیئے' موم بتیاں' لالٹینیں' بالکنیوں سے لٹکتی ہوئی رنگ برنگی لالٹینیں اور پھر مٹھائیوں کی دکانیں جو گیس کے لیمپوں کی روشنی میں دمکتی تھیں اور جن میں مخروطی صورت میں مٹھائیوں کے انبار اور چمکدار تھالوں میں اہراموں کی صورت میں اوپر جاتی ہوئی ہر رنگ کی مٹھائیاں جن پر سونے چاندی کے ورق لگے ہوتے تھے اور ان تحریص کی پہاڑیوں کے بیچ میں بیٹھا ہوا حلوائی جو بازار میں کھڑے لوگوں کو تول تول کر مٹھائیاں بیچتا تھا۔ اس دن وہ معمول سے زیادہ کم تولتا تھا۔ جب ہم گھر پہنچتے تھے تو سارا گھر کھلا پڑا ہوتا تھا' ہر کمرے میں روشنی ہوتی تھی اور پوجا کی جگہ کیسر میں رنگے ہوئے روپوں کی تھالی ابھی وہیں رکھی ہوتی تھی۔ دیئوں کی قطاریں ابھی بھی جھلملا رہی ہوتی تھیں اگرچہ کئی دیئے بجھ چکے ہوتے تھے۔ آج خوشحالی کی دیوی نے ہر گھر میں جانا

Marfat.com

ہے اس لیے سب دروازے کھلے رکھنا اور تمام بتیاں جلتی رکھنا بہت ضروری سمجھا جاتا تھا تاکہ دیوی کا شاندار استقبال ہو سکے۔ دیوی کو خوش کرنے کے لیے جوئے کا عجیب و غریب رواج پڑ گیا تھا۔ کئی دن پہلے سے ہی لوگ مختلف کھیلیں اور جوا کھیلنا شروع کر دیتے تھے اور دیوالی کی رات کو تو ہمارے والدین بھی ہمیں جوا کھیلنے کی اجازت دے دیتے تھے۔ ہم کوڑیوں سے جوا کھیلتے تھے جو اس وقت بھی سب سے چھوٹا سکہ رائج الوقت تھا۔

دوسرے دن زبردست افسردگی کا احساس ہوتا تھا دیوالی تو جا چکی ہے اور آنے والے تین مہینوں میں کوئی تہوار نہیں ہوگا۔ اس وقت لوہڑی آئے گی۔ ہم اداس ہو جاتے تھے لیکن اس خیال سے کہ اس دن چھٹی ہے ہماری اداسی ذرا کم ہو جاتی تھی۔ ہم موم بتیوں کا موم اکٹھا کرنے میں لگ جاتے تھے اور پھر اس موم سے بتیاں بنانے کی نیم دلانہ کوشش کرتے تھے۔

وہ تہوار جو ہم جوش و جذبے سے مناتے تھے۔ ہندوں اور مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی تلخیوں سے خراب ہوتے چلے گئے۔ ہندوؤں کی عیدالاضحیٰ پر مسلمانوں کا گائے کی قربانی دینا برا لگتا تھا۔ مسلمان ہندوؤں کے تہواروں پر شور و شغب پر اعتراض کرتے تھے اور کسی بھی تہوار کو خواہ وہ ہولی ہو' دیوالی ہو یا دسہرہ ہو بغیر کسی ہنگامے کے منانے نہیں دیتے تھے۔

بعض اوقات تو یہ تہوار خون خرابے کا باعث بھی بن جاتے تھے۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ خون خرابے سے بچنے کے لیے برسوں تک ہم نے کوئی تہوار منایا ہی نہیں یہاں تک کہ رام لیلا بھی ختم کر دی گئی لیکن اس کے برعکس تہواروں کی لمبی فہرست میں ہم نے نئے تہوار شامل کرنے شروع کر دیئے۔ ہوٹلوں' کلبوں' فوج کی میسوں میں یہاں تک کہ گھروں میں بھی کرسمس برطانوی دور کے مقابلے میں آج زیادہ دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ کلبوں میں بچوں کی کرسمس پارٹیاں اور نئے سال کے رقص ہوتے ہیں۔ یوم آزادی اور ریپبلک ڈے بھی اب تہواروں کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں ہم نے نئے تہوار منانے شروع کر دیئے ہیں پرانے تہوار اپنی اہمیت کھو رہے ہیں۔

گجرات ایک زندہ شہر

میری سکول کی تعلیم ختم ہونے تک ہم تقریباً ایک سال تک گجرات میں ہی رہے۔ سات سال بعد میں واپس آیا اور کالج میں داخل ہو گیا۔ بطور ایک بچے کے اور بطور ایک بالغ کے میں گجرات کی شہری زندگی سے ہم آہنگ ہو گیا تھا۔ گجرات واقعی ایک زندہ شہر تھا۔ یہ شہر تقریباً خود مکتفی تھا اور اس کی یہ خود مکتفیانہ کیفیت ازمنہ وسطیٰ والی تھی جس کے مطابق لوگ اپنے اپنے موروثی ہنروں اور پیشوں سے متعلق تھے اور اپنی اپنی برادریوں میں بڑے دوستانہ اور بھائی چارے کے ماحول میں رہتے تھے۔

ایسے گنجان آباد شہر میں جہاں ہر شخص ہر دوسرے شخص کو جانتا تھا اور دوسروں کے معاملات سے واقف تھا رواداری کی بڑی ضرورت تھی۔ تاہم میرے خیال میں اس رواداری کی سطح کے نیچے کچھ زیریں روئیں ضرور تھیں۔ یہ بڑا پیچیدہ قسم کے ہیجان پیدا کرتی تھیں جو سوسائٹی کی پریشانی کا باعث بنتی تھیں لیکن سطح پر کسی قسم کا غوغا نظر نہیں آتا تھا۔ صدیاں گزر جانے کے بعد شہر کا ایک مزاج بن گیا تھا۔ گجرات کی اپنی شہرت تھی جو قدرے ناخوشگوار بھی تھی' مگر پھر بھی اس شہر کے رہنے والے اس پر فخر کرتے تھے۔ تلواریں' بندوقیں اور ہتھیار بنانے کے لیے یہ شہر مشہور تھا۔ اس صنعت کی طرح اس شہر نے بھی اپنے اندر ایک قوت پیدا کر لی تھی جو پچھلی صدی کے آخر میں بڑے تند و تیز طریقے سے ابل پڑی۔ پنجاب میں شاید ہی کوئی ایسا کامیاب خاندان ہو جس کا تعلق گجرات شہر یا ضلعے سے نہ ہو۔ جب ترقی کی رفتار تیز ہوئی تو بعد میں سرگودھا' شاہ پور' سیالکوٹ اور گوجرانوالہ جیسے شہروں نے بھی اس میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ کچھ ایسی ذاتیں بھی تھیں جن کے بارے میں لوگوں نے کبھی سنا تک نہ تھا جیسے گھڑتال کے پور' بھیرے کے ساہنی اور گروٹ کے بتسرے' وہ بھی سرکاری ملازمتوں اور مختلف پیشوں میں پھیل گئے۔

آنکھ مچولی

گجرات میں نووارد ہونے کے باوجود اپنے دادا چچا کی وساطت سے ہم مقامی برادری میں شریک ہو گئے اور دوسرے خاندانوں سے ہمارے تعلقات بڑی جلدی استوار ہو گئے۔ جب میں ابھی بچہ ہی تھا تو میں اپنی والدہ کے ساتھ دوسرے گھروں میں ملنے ملانے یا بازار سے سودا سلف خریدنے کے لیے چلا جاتا تھا۔ ایسے موقعوں پر ہماری رفتار بڑی سست ہوتی تھی کیونکہ جاننے والوں سے باتیں کرنے کے لیے میری والدہ رک جاتی تھیں۔ ہم اپنی چھت والی گلی سے نکل کر اگلے چھوٹے سے چوک میں پہنچ جاتے تھے۔ اپنی بالکنی سے ایک مسلمان خاتون میری والدہ کو دیکھ کر پوچھتی 'بی بی جی کدھر جا رہی ہو۔ چھوٹا بھی ساتھ ہے۔ ماشاءاللہ وہ بڑا ہو گیا ہے۔ بڑا ہو کر اپنے باپ کی طرح یہ بھی انجینئر بنے گا۔'' میری والدہ جواب میں خدا کی جگہ پر ماتما کا نام لیتیں کیونکہ ہندو خدا کو پرماتما کہتے ہیں۔ ہمسائے کی لڑکی فاطمہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھتی تھی اور پوچھتی تھی کیا تم میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلو گے؟ اس کی

Marfat.com

ماں اسے ہلکا سا تھپڑ رسید کرتی اور اس کو جھڑک کر کہتی ''تم بے حیا ہوتی جا رہی ہو۔'' برسوں بعد جب میں اسی گھر میں رہنے کے لیے آیا تو فاطمہ بڑی خوبصورت لڑکی میں بدل چکی تھی۔ باہر جاتے وقت وہ اب برقعہ پہنتی تھی مگر روایتی شرم کے نیچے وہ پہلے کی طرح ہی بے باک اور نظر باز تھی۔ چوک کی دوسری طرف ایک حلوائی رہتا تھا۔ میری ماں کو دیکھ کر اس کی بیوی ملنے کے لیے نیچے آ جاتی تھی اور پوچھتی تھی ''بہن جی کیا حال ہے''؟ اس کی چھوٹی لڑکی روپا مجھے ایسے دیکھتی جیسے میں بہت اچھا لڑکا ہوں اور لڑکیوں کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ وہ بھی بڑی ہو کر بڑی خوبصورت نکلی۔ اس کی آنکھیں بڑی چمکدار تھیں۔ فاطمہ اور روپا دووں زندہ دل لڑکیاں تھیں۔ یہ افواہ بھی تھی کہ وہ دونوں ایک مسلمان لڑکے کو چاہتی تھیں۔ اس لڑکے کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ جب روپا کے والدین کو پتہ چلا تو انہوں نے بڑی جلدی اس کی منگنی کر دی اور چند مہینوں بعد اس کی شادی بھی کر دی۔ بیچاری کی شادی ایک ایسے رنڈوے سے ہوئی جو اس سے دوگنی عمر کا تھا۔ جب اس کی ڈولی اٹھنے لگی تو وہ دھاڑیں مار مار کر روئی تھی۔ یہ رونا اپنے والدین سے جدائی پر نہیں تھا۔ وہ اس وجہ سے روئی تھی کہ اس کی شادی ایک بے حس بوڑھے سے ہو گئی تھی۔

شہر کی تنگ گلیوں میں والدین اور ہمسائیوں کی نگرانی کے باوجود ایسے آنکھیں لڑ جانا بڑا عجیب لگتا ہے لیکن ایسا ہوتا ضرور ہے اور کسی نہ کسی کو پتا بھی لگ جاتا ہے۔ لڑکی کو ڈیوڑھی میں تیزی سے غائب ہوتے ہوئے یا گلی میں گزرتے ہوئے کسی شخص کو بالکونی سے اشارہ کرتے یا کاغذ کا گولا بنا کر نیچے پھینکتے کوئی نہ کوئی دیکھ لیتا تھا۔ کوئی بڑی نڈر لڑکی منڈیر پھلانگتے نظر آ جاتی تھی۔ گھر سے برقعہ پہن کر نکلنے کے بعد تھوڑی دور جا کر نقاب اس خیال سے الٹ دینا کہ اسے کون پہچانے گا یہ بھی لوگوں کو نظر آ جاتا تھا۔ ایسے معاملات کا جلد یا بدیر پتہ ضرور لگ جاتا تھا لیکن لوگ ایسے معاملات کے بارے میں کھل کر باتیں نہیں کرتے تھے۔ شہریوں کو کسی نہ کسی طرح یہ خیال ضرور رہتا تھا کہ معاملہ اپنے شہر کے اندر ہی رہے اور عملاً پردہ پوشی بھی کی جاتی تھی۔ ایسی بات تو کسی کے خاندان میں بھی ممکن ہو سکتی تھی۔ کبھی کبھی معاملہ حد سے بڑھ بھی جاتا تھا مگر اسے دبا دیا جاتا تھا اور ختم بھی کر دیا جاتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ لڑائی جھگڑے میں اسے اچھالا بھی جاتا تھا اور حریف کے منہ پر مارا جاتا تھا۔

شیخاں دی گلی

میری ماں اگلی گلی میں چلی جاتی تھیں جہاں صرف ہندوؤں کے گھر تھے۔ وہاں وہ تھڑے پر بیٹھی عورتوں سے باتیں کرنے لگتی تھیں۔ پنجابی عورتوں کی طرح یہ عورتیں بھی ہر وقت کچھ نہ کچھ جیسے کالی مرچ اور نمک کے ساتھ سہانجنا' گنا' بھنے ہوئے چنے' بھنے ہوئے مکی کے دانے یا گلی میں جو پھیری والا اس وقت بیچتا ہو' کھاتی رہتی تھیں۔ اکثر باتیں گھر میں بیماری خصوصاً بچوں کی بیماری' شادی' بیاہ' پیدائش یا موت کے متعلق ہوتی تھیں یا پھر اس بات پر تبصرہ ہوتا تھا کہ رات کے کھانے کے لیے کون کیا پکا رہی ہے۔ ادق بحث اس دوائی کے بارے میں ہوتی تھی جس سے کوئی شفایاب ہوا ہو۔ ہم اسی طریقے سے چلتے رہتے تھے۔ اگرچہ میرے لیے ایسی گفتگو بڑی غیر دلچسپ ہوتی تھی تاہم مٹھائی کا ایک ٹکڑا یا کسی پھل کے ملنے کا امکان ہمیشہ رہتا تھا۔ اگلی پوری گلی مسلمانوں کی تھی۔ اس کا نام شیخاں دی گلی تھا۔ کبھی یہ لوگ ہندو تھے مگر بعد میں مسلمان ہو گئے اور انھیں شیخ کا اعزاز ملا۔ یہاں بھی میری ماں بہت سی عورتوں کو جانتی تھیں۔ اس گلی میں ان کے گھروں سے نکلتی ہوئی لہسن کی بو ہمیں کچھ عجیب سی لگتی تھی۔ پھر یہ بھی عجیب لگتا تھا کہ ایشور یا پرماتما کی جگہ وہ اللہ اور خدا کا نام لیتے تھے۔

طوائفوں کی گلی

یہاں چھوٹی گلی بڑی گلی سے جا ملتی تھی۔ جونہی ہم اس گلی میں داخل ہوتے تھے' میری والدہ سر پر دوپٹہ اوڑھ لیتیں اور میرا ہاتھ پکڑ لیتی تھیں۔ اس گلی سے بچنے کے لیے وہ فوراً ایک تنگ گلی میں گھس جاتی تھیں۔ یہ طوائفوں کی گلی تھی اور دوسری گلیوں جیسی ہی تھی لیکن میرے لیے یہ بڑی پراسرار تھی۔ مجھے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ کون عورتیں ہیں' ان کے مرد کہاں ہیں اور ان کے بچے کیوں نہیں۔ وہ دوسری مسلمان عورتوں کی طرح ہی لگتی تھیں کیونکہ اصل میں وہ تھیں ہی مسلمان۔ ایک آدھ ہندو لڑکی جو ان میں شامل ہو جاتی تھی وہ انھی کا رہن سہن اپنا لیتی تھی۔ ان کے چہروں پر تھکن ہوتی تھی اور انداز بیباک بلکہ بے حیا تھے۔ مثلاً وہ ننگے سر ہوتی تھیں' جہاں دوسری عورتیں صبح کے وقت نہا دھو کے صاف ستھری نظر آتی تھیں یہ خستہ حال دکھائی دیتی تھیں' شام کو جب دوسری عورتیں کام کر کے تھک جاتی تھیں تو یہ بنتی سنورتی تھیں۔ ان میں اکثر عورتیں بوڑھی تھیں لیکن کچھ بڑی جوان بھی تھیں اور ان کا حسن بڑا پراسرار تھا۔ وہ اس طریقے سے بجتی اور بنتی سنورتی تھیں کہ ہماری دلہنوں کو بھی ایسا کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ خوبصورت بھی تھیں لیکن ہماری جوان عورتوں کے مقابلے میں ان کا حسن کچھ مختلف تھا۔ ان نوجوان عورتوں کے انداز میں اپنے سے بڑی عمر کی عورتوں کے لیے روایتی عزت بھی نظر نہیں آتی تھی۔ کیا یہ آپس میں رشتے دار تھیں؟ لیکن وہ بیٹیاں یا بھانجیاں بھتیجیاں بھی نہیں لگتی تھیں۔ بالا خانوں سے عجیب قسم کی موسیقی سنائی دیتی تھی۔ ستار' طبلہ' گھنگرو اور لڑکیوں جیسی آواز جو بار بار کسی گیت کا مکھڑا دہرا رہی ہو۔ اس کے کیا معنی تھے؟ اپنی ماں سے یہ پوچھنے کی مجھ میں جرات نہیں تھی۔ مجھے کسی نہ کسی طرح

Marfat.com

سے یہ احساس تھا کہ وہ جواب دینے سے کترائیں گی۔ ایک دفعہ میں نے ایک گھر کی نالی سے سرخ رنگ کا پانی نکلتے دیکھا اور میں یہ سوچ کر کانپ گیا کہ اس گھر میں کوئی قربانی دی جارہی ہے۔

اپنے تھڑے پر بیٹھی ایک بوڑھی طوائف سے باتیں کرنے کے لیے میری ماں رک جاتیں۔ وہ ہمارے خاندان والوں کا حال پوچھتی۔ جواب دینے میں میری والدہ کوئی جھجک محسوس نہ کرتیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میرے جوان چچایا چچی یا کسی اور مرد نے ان عورتوں سے کبھی کوئی بات نہیں کی۔ یہ ہم سب کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور گجرات کی زندگی کا حصہ تھیں۔ دوسری ذاتوں کی طرح ان کا بھی ایک پیشہ تھا۔ پیشے یا خدمت کی بناء پر ان سے نفرت نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ نہ تو قابل احترام تھیں اور نہ ہی قابل قبول لیکن ان کو نفرت سے بھی کبھی نہیں دیکھا گیا۔

سُناروں کا محلہ

طوائفوں کے محلے سے گزر کر ہم سناروں کے محلے میں داخل ہوجاتے تھے۔ یہاں سب سنار رہتے تھے۔ سناروں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ آپ کو کبھی پورا تول نہیں دیتے۔ ایک کہانی ہے کہ ایک سنار نے اپنی ماں کے لیے زیور بنایا اور اس میں سے سونا چوری نہ کیا۔ اپنی ریت سے ہٹنے کی وجہ سے اسے نیند نہ آئی۔ آدھی رات کو اس نے اپنی ماں کو جگایا اور یہ کہہ کر اس سے زیور واپس مانگا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے اور جب تک یہ غلطی کو درست نہ کرلے گا اسے نیند نہیں آئے گی۔ سنار اپنی برادریوں میں شادیاں کرتے ہیں لیکن ان میں شادیوں کے ضابطے اتنے شدید نہیں۔ ہم عموماً ایک سنار کے گھر پر رکتے تھے۔ یہ ہمارے زیورات بناتا تھا۔ میری ماں اس کی بیوی سے باتیں کرتی تھیں۔ ہم اس عورت سے برابری کا سلوک کرتے تھے گو اس کا شوہر میرے والد کے سامنے بڑے احترام سے بات کرتا تھا۔ عورتوں کے مقابلے میں ذات کے فرق کا اظہار مردوں کے عادات واطوار میں زیادہ نمایاں تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کھتری اور سنار کئی نسلوں سے بڑے قریبی محلوں میں رہ رہے تھے مگر ان کے درمیان نہ کبھی شادی ہوتی نہ یہ کھانا اکٹھا کھاتے تھے اور نہ ہی ان کے درمیان کوئی دوسرا سماجی لین دین تھا۔

سناروں کے محلے سے ہم بھیڑی گلی میں آجاتے تھے جو شہر کی تنگ ترین گلی تھی۔ ہم اس کی چکنی دیواروں سے گھسٹ کر گزرنے میں بڑا لطف محسوس کرتے تھے۔ گلی کی دوسری طرف ہم ایک اور کھتری محلے میں داخل ہوجاتے تھے اور عورتوں سے رسمی گفتگو کے بعد ہم آگے نکل جاتے تھے۔

دوشیزگی کا تقدس

دوشیزگی مقدس تھی۔ غیر شادی شدہ لڑکی کو کنواری کہتے تھے۔ شادی سے پہلے کی آشنائی کبھی کبھار کا معاملہ تھا۔ ایک ہی خاندان میں ایسے معاملات کچھ کم نہیں تھے گو وہ ظاہر کم ہی ہوتے تھے۔ بھابھی اور دیور' ایک نوجوان چچی اور اس کے بھتیجے اور کبھی کبھار ایک سوتیلی ماں اور اس کے سوتیلے بیٹے کے درمیان ایسی آشنائیاں ہوجاتی تھیں۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ پہلی وجہ تو مشترکہ خاندان کا نظام تھا جس کے تحت والدین اور بچے بطور ایک معاشرتی اکائی کے علیحدہ نہیں رہتے تھے بلکہ سب قریبی رشتے دار اکٹھے رہتے تھے۔ دوسری وجہ طے شدہ شادیاں تھیں۔ یہ اکثر کامیاب ہوتی تھیں مگر بعض اوقات متضاد مزاج لوگوں کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا جاتا تھا۔ اگر وہ اپنی مرضی کرتے تو شاید کبھی میاں بیوی نہ بنتے مثلاً ایک سرد مزاج شوہر اور ایک جذباتی بیوی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو مرد خاموشی سے طوائفوں کے پاس جاسکتا تھا مگر ایک غیر مطمئن بیوی کے لیے ایسا کوئی چارہ کار نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ خاندان کے اندر یا باہر کوئی آشنائی پیدا کرے۔ میاں بیوی کی عمروں میں عدم تفاوت بھی ایک وجہ تھی اور اس کے لیے بھی والدین ہی ذمہ دار تھے۔ ایک چھوٹی عمر کی لڑکی کی شادی ایسے مرد سے کردی جاتی تھی جو عمر میں لڑکی کے والد کے برابر ہو۔ ایسی صورت میں شوہر کا چھوٹا بھائی' بیٹا یا بھتیجا عورت کی توجہ کا مرکز بن جاتا تھا خصوصاً اس وقت جب عورت کو شوہر سے نفرت ہو۔ سالیوں اور ان کے بہنوئی کے درمیان شادی کے موقع پر دل لگی ہوتی تھی۔ وہ دولہے سے بڑے پریشان کن اور بیہودہ سوال کرتی تھیں۔ اس کے جوتے چھپا دیتی تھیں اور شرارتیں کرتی تھیں۔ بعض اوقات ایسی دل لگی ایک نازک صورت اختیار کرلیتی تھی۔ آخری وجہ یہ تھی کہ ایک نوجوان بیوہ اپنے مرحوم شوہر کے چھوٹے بھائی یا اس کے والد سے تعلقات پیدا کرلے۔ معاشرے میں بیواؤں کی کوئی داد فریاد نہیں تھی اس لیے وہ آسانی سے شکار بن جاتی تھیں۔

جوان بیوائیں

جوان بیوائیں ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ لوگ کسی قیمت پر ان کو دوبارہ شادی کی اجازت نہیں دیتے تھے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان بیواؤں کا کیا کیا جائے۔ خواہ وہ اپنے شوہر کے گھر رہے یا اپنے والدین کے پاس بیوہ کو ایک بوجھ ہی سمجھا جاتا تھا۔ اسے خاندان کی بدنصیبی کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا تھا۔ والدین اور بھائی تو پھر ہمدردی کا اظہار کرتے تھے لیکن دوسرے لوگ تو بالکل لاتعلق رہتے تھے۔ اس کی ساس تو خاص طور پر یہ سمجھتی تھی کہ یہ عورت پورے خاندان کے لیے نحوست ہے اور اس کے

Marfat.com

بیٹے کو کھا گئی ہے۔ اسے پیٹ بھر کھانے اور صاف ستھرے کپڑے پہننے سے بھی منع کیا جاتا تھا۔ وہ خاندان کی خوشیوں اور تہواروں میں بھی شریک نہیں ہو سکتی تھی۔ خاندان میں اس کا مقام بغیر تنخواہ کے ملازم کا ہوتا تھا۔ ملازم تو پھر ملازمت چھوڑ کر جا سکتا تھا مگر بیوہ ایسا بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آریا سماج نے کچھ بہتری کی کوشش کی۔ اس نے بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی یا ان کی تعلیم کا پرچار شروع کیا تاکہ وہ کچھ نہیں تو ٹیچر بن کر ہی زندگی گزار لیں۔ مگر لوگوں کا ردعمل بڑا سست تھا۔ وہ بیوگی کو بھگوان کی مرضی قرار دیتے تھے اور اسی عقیدے پر اڑے رہے۔ میرے والد کے زیر اثر دو بیوہ عورتیں اپنی شادی کرنے میں کامیاب ہوئیں لیکن یہ بہت بعد میں ہوا۔

منڈی

کھتری محلے سے ہم منڈی میں جا نکلتے تھے۔ یہ گجرات کی مارکیٹ تھی جو ایک بہت بڑے چوک کی صورت میں بنی ہوئی تھی۔ اس میں غلے والوں پرچون اور تھوک فروشوں کی دکانیں تھیں۔ اس کے پکے فرش پر غلے والوں چاولوں گڑ اور دوسری اشیائے خوردنی کے ڈھیر لگے ہوتے تھے جس سے گاہک ضرورت کی اشیا خریدتے تھے۔ چوک کے درمیان بڑ کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس کے نیچے سبزی بیچنے والی عورتیں بیٹھتی تھیں۔ یہ سبزیاں شہر کی فصیل کے باہر کھیتوں میں اگائی جاتی تھیں۔ سلیقے سے ٹوکریوں میں سجی ہوئی رنگ برنگی سبزیاں بڑی خوبصورت لگتی تھیں۔ سبزیاں بیچنے والی ہمیشہ عورتیں ہوا کرتی تھیں۔ ان کا تعلق آرائیوں سے تھا جو مسلمان تھے۔ عام کسان کی نسبت ارائیں سبزیاں اگانے میں بڑے ماہر تھے۔ ارائیں مرد اور لڑکے سبزیاں اگاتے تھے اور ان کی عورتیں یہ سبزیاں فروخت کرتی تھیں۔ میری ماں رک کر سبزیوں کو دیکھتیں۔ خریداری ہمیشہ ایک ہی طریقے سے کی جاتی مثلاً ''بہن بینگن کیا بھاؤ ہیں''؟ میری ماں پوچھتیں۔ ''بہن میں آپ سے کیا بھاؤ تاؤ کروں جو دل چاہے دے دینا'' سبزی فروش عورت کا جواب ہوتا تھا۔ زیادہ سودے بازی نہیں کی جاتی تھی کیونکہ مطلوبہ شے کا بھاؤ پہلے ہی بہت کم ہوتا تھا۔ وہ ایک سیر بینگن تول کر دے دیتی اور اوپر سے ایک یا دو بینگن بطور جھونگا ڈال دیتی تھی۔ جھونگا بڑا عجیب رواج تھا جو کچھ بھی آپ نے تعداد یا تول کے مطابق خریدا ہو اس رواج کے مطابق آپ اس سے زیادہ کے حق دار تھے۔ جب ہم بچے تھے تو دکان دار سے زیادہ سے زیادہ جھونگا مانگتے تھے۔ ہماری سودے بازی کا معیار یہ نہیں تھا ہم نے کون سی چیز کس بھاؤ سے خریدی ہے بلکہ یہ تھا کہ ہم نے کتنا جھونگا لیا ہے۔

آگ لگنا میں نے پہلی دفعہ منڈی میں دیکھا۔ آگ بہت بڑی تھی اور جس جگہ آگ لگی تھی اس کے ساتھ ہی مٹی کے تیل کا گودام تھا۔ گجرات میں آگ بجھانے کی کوئی گاڑی نہیں تھی۔ آگ بجھانے کے لیے سارا شہر امڈ پڑا۔ قریبی کنوئیں سے بالٹیوں سے جنہوں نے ایک زنجیر کی صورت اختیار کر لی تھی آگ پر پانی ڈالا جاتا تھا۔ یہ شدید جنگ گھنٹوں تک جاری رہی۔ گجرات جیسے گنجان آباد شہر میں جہاں عمارتیں لکڑی اور اینٹوں سے بنی ہوں آگ بڑی ہولناک ہو سکتی ہے۔ ایک تنگ سی گلی کے ایک طرف آگ لگنے سے یہ پورے محلے کو محبوس کر سکتی ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ایسے واقعات بہت کم تھے۔ مجھے آتش زدگی کا دوسرا کوئی واقعہ یاد نہیں پڑتا۔

سبزیاں خریدنے ریزگاری لینے اور بچوں کا حال احوال پوچھنے کے بعد ہم پھر چل پڑتے تھے اور بڑی گلی میں آ جاتے تھے۔ یہ بڑی ڈھلوان گلی تھی اور بڑی تیزی سے اوپر کو سب سے اونچی جگہ کی طرف جاتی تھی۔ میرے لیے یہ گلی بڑی دلچسپی کا باعث تھی۔ یہاں سوڈا واٹر کی رنگ برنگی بوتلوں سے بھری ہوئی دکانوں کی قطاریں تھیں۔ ان بوتلوں میں مصنوعی رنگ اور ذائقے ڈالے جاتے تھے۔ ایک دکاندار کہتا تھا کہ اس کے پاس پچاس سے زائد ذائقے ہیں۔ ایک مقامی بیرسٹر کے لیے وہ بیئر میں گلابی رنگ ملا کر بوتلیں تیار کرتا تھا۔ ان دکانوں کے بعد پھلوں کی دکانیں تھیں۔ ان کے بعد نان بائیوں کی دکانیں تھیں۔ یہ آلو چھولے تندوری روٹی کلیجی گردے کباب اور آلو کی ٹکیاں بیچتے تھے۔ یہ سب خاصے کے کھانے تھے جو کوئلوں پر بھونے جاتے تھے یا سیخوں پر تیار کیے جاتے تھے۔ ان کی مہک میری ناک میں پہنچ کر مجھے بہت للچاتی تھی۔ ان کے بعد حلوائیوں کی دکانیں تھیں میرے اور مکھیوں کے لیے رنگ برنگی مٹھائیاں بڑی پرکشش تھیں۔ پھر جنرل مرچنٹس کی دکانیں تھیں۔ یہ اکثر بنا بنایا درآمد شدہ مال بیچتے تھے۔ یہ مال عموماً انگریزی یا جرمن ہوتا تھا۔ ان کے تجارتی نام زبان زد عام تھے۔ اس وقت جاپان ابھی مارکیٹ میں نہیں آیا تھا۔ ان دکانوں پر ہر قسم کا سامان جیسے چاقو چھریاں سوتی اور ریشمی دھاگے آئینے صابن بوتلوں میں بند سر میں لگانے کا تیل استرے جرابیں سوتی اور اونی بنے ہوئے کپڑے وغیرہ ملتے تھے۔ مقامی چیزوں کے مقابلے میں یہ درآمد شدہ مال زیادہ شاندار تھا۔ ہاتھ سے بنی ہوئی لکڑی کی کنگھیوں پر ہم باہر کی کنگھیوں کو ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح مقامی لوہاروں کی ٹھوس فولاد کی بنی ہوئی قینچیوں اور چاقوؤں پر ہم شیفیلڈ اور سولجن کی الکیٹر و پلیٹڈ قینچیوں اور چاقوؤں کو ترجیح دیتے تھے۔ گھر میں بنے ہوئے صابن کے مقابلے میں پیئر زسوپ اور ونولیا صابن بہتر سمجھے جاتے تھے۔ اپنے کپڑے کے بنے ہوئے بٹنوں پر چمکدار بٹنوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔

یہ گلی بڑے چوک کی طرف مڑ جاتی تھی جہاں چاروں گلیاں آ کر مل جاتی تھیں۔ چوک کے بائیں طرف سناروں کا بازار تھا اور دائیں طرف پنساریوں کی

Marfat.com

دکانیں تھیں۔ پنساری جڑی بوٹیوں کی دوائیاں مثلاً گل قند جسے جالپ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا' اچار' چٹنیاں' مربے' عرق گلاب' عرق کیوڑا' پستہ' بادام اور کئی دوسرے غیر معمولی سامان بیچتے تھے۔ قریب ہی سونے اور چاندی کے ورق تیار کرنے کی دکانیں تھیں۔ یہ ورق مٹھائیوں پر لگائے جاتے تھے۔ سونے یا چاندی کے بڑے باریک ذروں کو براون رنگ کے آٹھ انچ لمبے اور پانچ انچ چوڑے کاغذوں میں لپیٹنے کے بعد پتھر پر رکھ کر پتھر ہی کے دستے سے کوٹا جاتا تھا اور یہ ذرے باریک ورقوں کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ ان کو مٹھائیوں پر لگانے کے لیے کاغذ کو اوپر اٹھا کر بڑی آہستگی سے الٹا دیتے تھے۔ ورق خود بخود لہراتا ہوا مٹھائی پر آ کر چپک جاتا تھا۔ ورق سجاوٹ کے لیے بھی تھا اور اسے مقوی بھی سمجھا جاتا تھا۔ ورق تیار ہوتے وقت یہاں کا پرسمتھ پرندے کی ٹانک ٹانک کی آوازیں آتی تھیں۔

باؤلی اور حمام

گلی کے چوک سے سڑک اوپر ہی چڑھتی چلی گئی تھی اور اس سے چھوٹی چھوٹی گلیاں نکل کر محلوں یا دوسری جگہوں سے جاملتی تھیں یہاں ہر محلے کے اندر جانے والے راستے پر لکڑی کا ایک گیٹ ہوتا تھا اور اس کے پیچھے بڑے مضبوط ارل لگے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ شہر کا قدیم ترین حصہ تھا اور اس کا تعلق از منہ وسطیٰ سے تھا۔ یہاں ایک باؤلی بھی تھی جس کی سیڑھیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ باؤلی بہت گہری تھی کیونکہ زمین کی سطح سے قلعہ بہت بلندی پر تھا۔ یہاں ایک پرانا حمام بھی تھا جس کا تعلق شاید مغلوں کے زمانے سے تھا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس سے بھی قدیم ہو۔ قلعے والے علاقے میں گھر اور بھی تنگ تھے کیونکہ پرانے زمانے میں اس محفوظ علاقے میں آبادی کا دباؤ اور بھی زیادہ ہوگا۔ یہاں کئی گھروں اور گلیوں میں سورج کی روشنی صرف گھنٹوں کے لیے آتی تھی۔ سردیوں میں یہ گھر اندھیرے اور بڑے ٹھنڈے ہوتے تھے اور گرمیوں میں یہ بڑے ٹھنڈے رہتے تھے۔ ہم کچھ اور گھروں میں بھی ملنے جاتے تھے۔ اس علاقے میں کوئی چوک نہیں تھا۔ صرف تنگ بل کھاتی گلیاں تھیں جن کے دونوں طرف اونچے اونچے مکان تھے۔ ماضی میں حملوں کے دوران یہاں کیا کچھ ہوتا ہوگا۔ یہ سوچ کر ہی انسان خوف سے لرز اٹھتا ہے۔ جب شہر ہاتھ سے نکل جاتا تھا تو لوگ اس علاقے میں آ جاتے تھے۔ راستے بند کر دیتے تھے اور کھولتے تیل اور پانی کے کڑاھے چھتوں پر لے جا کر حملہ آوروں کا انتظار کرتے تھے۔ سپاہیوں پر لوٹ مار اور عورتوں کی بے حرمتی کا بھوت سوار ہوتا تھا اور وہ گلیوں میں ادھر ادھر دیوانہ وار بھاگتے پھرتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں دھلی کی فتح کے بعد نادر شاہ کے قتل عام کا ذکر پڑھتے ہیں تو گجرات والے اس کا کچھ کچھ مطلب سمجھ جاتے ہیں۔

طاعون کی وبا

شاید ایسی ہی تباہی اس وقت بھی آئی ہوگی جب گجرات میں طاعون پھوٹی تھی۔ تنگ اور اندھیری گلیوں میں یہ بیماری آندھی کی طرح پھیل گئی تھی۔ طاعون ہر گلی' ہر محلے اور ہر گھر میں پہنچی اور مرضی سے اپنے شکار کا انتخاب کیا۔ گلی سے گھر کے اندر داخل ہو کر وہ تنگ زینوں سے اوپر چڑھ جاتی تھی۔ گھر والوں کو اپنی خونخوار انگلیوں سے چھو کر منڈیر پر سے ہی دوسرے گھر میں کود جاتی تھی اور وہاں اپنا کام ختم کر کے پھر گلی میں آ جاتی تھی۔ اس کے شکار ایک دو دن درد سے تڑپتے اور کراہتے تھے۔ گھر والے مریض کی مدد کرنے سے گھبراتے تھے لیکن وہ پھر بھی مدد کرتے تھے اگرچہ انھیں پتہ ہوتا تھا کہ سوائے تسلی دینے کے وہ کچھ اور نہیں کر سکتے۔ ہذیان میں مبتلا مریض کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ کوئی اس کی تیمار داری کر رہا ہے۔ اکثر ایک گلی میں اتنی موتیں ہو جاتی تھیں کہ انھیں شمشان گھاٹ لے جانے کے لیے باری کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ایک مردے کو جلانے کے بعد جب لوگ واپس آتے تھے تو دوسرا تیار ہوتا تھا۔ جیسے ہی اس کا جنازہ خاموشی سے گلی میں سے گزرتا تو لوگ پوچھتے تھے اب یہ کون ہے۔ بعض اوقات تو پورا گھر ہی صاف ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ جب طاعون کا ہلکا سا حملہ ہوا تو میرا سر بھی چکرانے لگا اور مجھے گرمی محسوس ہونے لگی۔ میں بستر پر دراز ہو گیا۔ میرے ایک گلٹی بھی نکل آئی۔ ہمارے ڈاکٹر نے کہا کہ یہ طاعون کی یقینی علامت ہے۔ سوائے میرے چچا کے منشی کے ہر شخص نے ڈاکٹر سے اتفاق کیا۔ منشی نے کہا کہ یہ درست ہے کہ شہر کے ایک حصے پر طاعون کا حملہ ہوا ہے اور لڑکے کو گلٹی بھی نکل آئی ہے تاہم اسے یقین نہیں تھا کہ یہ طاعون ہی ہے۔ اس نے میری ٹانگ کا بغور معائنہ کیا۔ اس دوران اس نے میرے ٹخنے کے قریب زخم کا ایک نشان دیکھا جو صحت یاب ہو چکا تھا۔ اس نے کہا کہ گلٹی کی وجہ یہی زخم ہے۔ اس کی تشخیص درست نکلی۔

پیپل والی کھوئی

قلعے سے واپسی پر ہم اس محلے سے گزرتے ہوئے اس چھوٹے راستے پر آتے تھے جس پر پیپل والی چھوٹی کھوئی واقع تھی۔ مجھے یہ راستہ پسند تھا کیونکہ مارکیٹ کے علاوہ سارے شہر میں صرف یہاں ہی ایک درخت تھا۔ درخت بڑا پھیلا ہوا تھا۔ اس کے نیچے ایک کنواں تھا۔ یہ جگہ بہت ٹھنڈی تھی۔ پیپل بڑا خوبصورت درخت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اسے ٹھیک ہی مقدس قرار دیا تھا۔ اس کے پتے بڑے نازک اور

Marfat.com

چمکدار ہوتے ہیں۔ پتوں کی رگیں صاف دکھائی دیتی ہیں۔ وہ اتنے سبک اور نازک ہوتے ہیں کہ ذراسی ہوا چلنے پر وہ لرزنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہر پتہ ایک پنکھے کا کام کرتا ہے۔ پیپل کے نیچے ہوا بڑی ٹھنڈی ہوتی ہے۔ پیپل کے نیچے اکثر ایک کنواں بھی ہوتا ہے۔ کنویں کے اردگرد پھیلا ہوا پانی ٹھنڈک کو بڑھا دیتا ہے۔ بڑ کے درخت کی شان بڑی منضبط ہے لیکن پیپل میں ایک نرم سا دوستانہ پن کا احساس ہوتا ہے۔ جب اس کے نئے پتے نکلتے ہیں تو نرم و نازک' ہلکے سے گلابی اور ناقابل یقین حد تک ایک نوزائیدہ بچے کی ہتھیلی مانند ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ درخت اپنی پوری شان میں ہوتا ہے۔ اس کی ماتا بھری چھاؤں میں لوگ سوتے ہیں' پوجا کرتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں لیکن اندھیرا ہو جانے کے بعد ہم کبھی اس کے قریب نہیں گئے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ان کے نیچے ڈائنیں رہتی ہیں۔ ڈائن کی پہچان بھی ہمیں بتائی گئی تھی کہ وہ بڑی خوبصورت ہوتی ہے مگر ان کے پاؤں پیچھے کی طرف مڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی تنبیہ کی گئی کہ اگر ہم نے احتیاط نہ کی تو وہ ہمیں پکڑ لیں گی اور کھا جائیں گی۔ وہ صرف انسانی گوشت ہی کھاتی ہیں۔

نئی اور جدید آبادیاں

پہلی جنگ عظیم کے بعد شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ عمارتیں بننی شروع ہو گئی تھیں۔ ان میں سے کچھ تو جیل' مشن ہسپتال' سکول تھے اور کچھ دکانیں تھیں۔ چند منچلے دکاندار بھی شہر سے باہر نکل آئے تھے۔ سول سٹیشن عرصے سے قائم تھا۔ دفتروں اور افسروں کی رہائش گاہوں پر مشتمل یہ خود ایک بستی تھا۔ ابتدائی برطانوی دور کے افسروں نے شہر کے باہر وسیع زمین پر اپنے بنگلے تعمیر کیے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ کالونیاں بڑھ کر خود ٹاؤن شپ بن گئی تھیں۔ ان کا ایک مقرر نمونہ تھا جو بڑا خوش آئند تھا۔ سول سٹیشن کے رہائشی علاقے میں وسیع بنگلے تھے۔ ہر بنگلے میں سبزیوں اور پھولوں کے باغیچے ہوتے تھے۔ تمام بنگلوں کے باورچی خانے' ملازموں کی رہائش گاہیں' اصطبل اور دھوبی گھاٹ اپنے ہوتے تھے۔ بیرونی گیٹ سے شروع ہو کر ایک لمبی سڑک بنگلے تک جاتی تھی۔ ایسی سڑکوں کے دونوں طرف درخت تھے۔ ان کے کمروں کی دیواریں سولہ فٹ سے بھی اونچی تھیں گھر کے چاروں طرف ایک وسیع برآمدہ ہوتا تھا جس کے ستون بڑے متناسب تھے۔ باغیچوں میں پھول' سبزیاں اور انگلستان سے برآمد کیے ہوئے درخت بھی لگائے جاتے تھے۔ یوں کئی اقسام کے پھول سبزیاں اور درخت یہاں متعارف ہوئے۔

سول سٹیشن کے غیر رہائشی علاقے میں ڈاک خانہ' گورنمنٹ کے لیے کام کرنے والے امپیریل بنک کی ایک شاخ' ہسپتال' سکول اور کبھی کبھی کالج سرکاری دفاتر' عدالتیں' پولیس کا ہیڈ کوارٹر' پولیس کی بیرکیں اور پریڈ گراؤنڈ اور کمپنی باغ بھی ہوتے تھے۔ باغوں کا سلسلہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے چلایا تھا۔ اگرچہ 1857 کے بعد ان میں سے کئی باغوں کا نام وکٹوریہ گارڈنز رکھا گیا لیکن ان کو کہا کمپنی باغ ہی جاتا تھا۔ بڑے شہروں میں جنرل سٹور جیسی ایک دکان بھی ہوا کرتی تھی۔ یہاں بوتلوں اور ڈبوں میں بند یورپی کھانے' شراب اور عام ضروریات کا تجارتی سامان ملتا تھا۔ ایسی دکانوں کے مالک عموماً پارسی تھے۔ کمپنی باغ کے ایک حصے میں یورپی لوگوں کی ایک کلب بھی ہوا کرتی تھی۔ بعد میں جب سرکاری ملازمتوں اور پیشوں میں ہندوستانیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو انہوں نے بھی اپنی کلبیں بنانی شروع کر دیں۔ طرفہ یہ کہ جو کلبیں شہروں کے نام پر قائم ہوئی تھیں وہ صرف یورپی لوگوں کے لیے مخصوص تھیں شاید اس لیے کہ وہ پہلے قائم ہوئی تھیں۔ ایک سول سٹیشن کو مکمل کرنے کے لیے ایک پروٹسٹنٹ گرجا اور چند مقامی لوگ ہوتے تھے جن کے نام ڈینئل' سیموئیل وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ رومن کیتھولک مذہب نے کوئی خاص ترقی نہیں کی۔ وہ ایک چھوٹی اور افسردہ سی جماعت تھی جو چرچ کے قرب و جوار میں رہتی تھی۔ ہمارے اور انگریزوں کے درمیان یہ ایک ایسی جماعت تھی جو نہ ہم سے کوئی تعلق قائم کر سکی اور نہ انگریز نے انھیں قبول کیا۔

گورنمنٹ ہائی سکول گجرات

میرے سکول کا نام گورنمنٹ ہائی سکول گجرات تھا۔ میرے والد' میرے چچا اور ان سے پہلے میرے دادا اسی سکول میں پڑھ چکے تھے۔ یہ سول سٹیشن میں واقع تھا اور پچھلی صدی سے مخصوص سرکاری سکولوں جیسا تھا۔ اس کی ایک منزلہ عمارت اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ اس کی شکل انگریزی حرف ایچ جیسی تھی۔ اس کے سامنے سڑک کے بالمقابل ایک باغ تھا۔ اس کے پیچھے کھیلوں کی گراونڈز تھیں۔ اس کے ایک طرف ہوسٹل تھا اور اس کے ساتھ ہی رہائش گاہیں تھیں۔ میرے والد کے زمانے کا انگریز ہیڈ ماسٹر جا چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک ہندوستانی متعین تھا۔ سکول میں دس جماعتیں تھیں اور اس کے تین درجے تھے۔ پہلے پانچ سال کی تعلیم کو پرائمری کہتے تھے۔ اگلے تین سال کو مڈل اور آخری دو برسوں کو ہائی سکول کہتے تھے۔ پرائمری اور مڈل تک تعلیم اُردو زبان میں دی جاتی تھی مگر ہائی سکول میں ذریعہ تعلیم انگریزی تھا۔ ہماری تعلیم لکڑی کی تختی پر خوش خطی اور ہندسے لکھنے سے شروع ہوتی تھی۔ ہر روز تختی پر گاچی مٹی ملی جاتی تھی۔ ہم سرکنڈے کے قلم سے لکھتے تھے۔ ان قلموں کو ہر روز تراشا جاتا تھا۔ مٹی کی دواتوں میں دیئے کی کالک سے بنی روشنائی میں کپڑے کی ایک چندی بھگو کر دوات میں ڈال دی جاتی تھی۔ ان سے ہم اپنی تختی پر فارسی رسم الخط میں اُردو

Marfat.com

کے حروف لکھتے تھے۔ بعد میں تختی کو دھو کر اس پر دوبارہ گاچی مٹی مل کر سکھا دی جاتی تھی تا کہ اگلے دن کے لیے یہ پھر تیار ہو جائے۔

ہمارا نصاب شاید اس نصاب سے بہتر تھا جو میں نے تیس سال بعد بمبئی میں دیکھا۔ مثال کے طور پر ہم جغرافیہ تین مراحل میں پڑھتے تھے۔ پرائمری جماعتوں میں ہم صرف اپنے ضلع کا جغرافیہ پڑھتے تھے پھر اپنے صوبے کا۔ مڈل سکول میں ہندوستان اور ایشیا کا اور ہائی سکول میں دنیا کا جغرافیہ۔ اسی طرح ہمارا تاریخ کا نصاب بھی چار حصوں میں پڑھایا جاتا تھا یعنی ہندو، مسلمان اور برطانوی دور اور ہائی سکول میں انگلستان کی تاریخ اختیاری مضمون تھا۔ چنانچہ جب میں نے دیکھا کہ بمبئی کے کانونٹ سکول میں میری بیٹی کا جغرافیے اور تاریخ سے تعارف جزائر برطانیہ کے ذریعے ہوا ہے تو میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ اشوک اور کلکتے سے آشنا ہونے سے پیشتر اسے کنگ الفریڈ اور برطانیہ کی بندرگاہوں کا پتہ تھا۔ انگریزی راج کی برکتوں کی ایک سادہ لوح کوشش کے باوجود انگریز ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشنز نے ہمارے لیے بڑا اچھا نصاب تجویز کیا تھا۔ ابتدائی کلاسوں میں ذریعہ تعلیم اُردو تھا لیکن آخری پانچ برسوں میں انگریزی سیکھنی ہوتی تھی اور سنسکرت، فارسی، عربی میں سے ایک زبان بطور اختیاری مضمون رکھنا پڑتی تھی۔

سکول کے زمانے میں دلچسپ دن کرکٹ کا سالانہ ٹورنامنٹ، انسپکٹر آف سکولز کے معائنے کے دن، پنجاب کے گورنر کی آمد اور گرمیوں میں فائن ڈے کی چھٹی ہوتی تھی۔ فائن ڈے ایک ایسا رواج تھا جو صرف پنجاب کے خشک علاقے میں ہی قائم ہو سکتا تھا۔ گرمیوں کے دنوں کے لیے سلسلے کے بعد جب ان کی یک رنگی کا ازالہ بادل یا بارش ہونے کی صورت میں ہوتا تو تمام جماعتوں میں خبر پھیل جاتی تھی۔ کمروں میں کام کرنا شرم کی بات ہے۔ وہ دن کھیلنے یا بارش میں بھیگنے کا دن ہوتا تھا۔ بارش میں بھیگنے کے عیش کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں جو ہماری خشک آب و ہوا میں رہ چکے ہوں۔

کرکٹ

مغربی پنجاب میں کرکٹ بڑا مقبول کھیل تھا اور گجرات کی ٹیم بڑی اچھی تھی۔ چنانچہ سالانہ کرکٹ ٹورنامنٹ ایک بڑا اہم واقعہ تھا اور اس وجہ سے شہر میں بڑا جوش و خروش ہوتا تھا۔ میچ کے دنوں میں چھٹیاں ہوتی تھیں اور ہم سردیوں کی دھوپ میں آرام کرتے تھے اپنی ٹیم کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اس کی کامیابی کے لیے دعا کرتے تھے۔ ہمیں یہ امید بھی ہوتی تھی کہ میچ پورے چار دن چلے گا۔ صبح اور شام ہم ہوسٹل کے ارد گرد منڈلاتے تھے جہاں مہمان ٹیم ٹھہرا کرتی تھی۔ ہم جیتیں یا ہاریں ان کی روانگی اور ہماری کلاسوں کی واپسی ہمیں افسردہ کر دیتی تھی۔ ہم ہندوستانی کھیل جیسے گلی ڈنڈا، کبڈی اور فٹ بال، والی بال، باسکٹ بال اور ہاکی بھی کھیلتے تھے لیکن کرکٹ سب سے زیادہ دلچسپ کھیل تھا۔

سکول انسپکٹر

سکول انسپکٹر سال میں ایک دفعہ آتا تھا۔ ہم اس کا بڑا انتظار کرتے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہ ہمارا امتحان لینے نہیں آتا بلکہ ہمارے استادوں کی خصوصاً ہیڈ ماسٹر کی کارکردگی کا معائنہ کرنے آتا ہے۔ ہم بڑا اکڑتے تھے کہ ہمارے استادوں کا مستقبل اب ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اگر ہم چاہیں تو انھیں برباد کر سکتے ہیں۔ بڑی معصومیت سے سوالات کے غلط جوابات دے کر ہم انسپکٹر کو یہ سوچنے پر مجبور کر سکتے ہیں کہ ہماری لاعلمی کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ٹھیک طرح سے پڑھایا ہی نہیں گیا اور اگر متعلقہ استاد یہ وضاحت کرے کہ ہم دانستہ حیلہ سازی کر رہے ہیں تو یہ بھی استاد کے خلاف جاتا تھا کہ اس نے ڈسپلن قائم نہیں رکھا۔ اگر ہم چاہتے تو چند لمحوں میں بتا سکتے تھے کہ ہمیں یہ استاد پسند نہیں ہے۔ استادوں کو ان ساری باتوں کا علم ہوتا تھا۔ کئی دنوں تک وہ ہمارے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے مگر بے چین بھی رہتے تھے۔ انسپکٹر کے پچھلے معائنے کے بعد صرف ان دنوں میں ہم پر شفقت اور مہربانی کی جاتی تھی۔ ذہین لڑکوں کو بڑی احتیاط سے تیار کیا جاتا تھا۔ غبی لڑکوں کو خاموش رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ انھیں یہ بھی بتا دیا جاتا تھا کہ اگر غبی لڑکے سے سوال پوچھا جائے تو ذہین لڑکے کو فوراً مداخلت کرنی چاہیے تا کہ غبی لڑکا جواب ہی نہ دے سکے۔ ہم بھی جانتے تھے اور استاد بھی اس طرح کا عندیہ دیتے تھے کہ انسپکٹر کے جانے کے بعد حساب چکایا جائے گا۔

گورنر کا دورہ

گورنر کا دورہ بھی بہت بڑا واقعہ ہوا کرتا تھا۔ اس موقع پر سب اچھی چیزیں چھٹی، مٹھائی، آتش بازی وغیرہ اکٹھی ہو جاتی تھیں۔ ان دنوں تیاری کے لیے کلاسوں میں جانا بڑا پر لطف ہوتا تھا۔ ہم کاغذ کے لمبے لمبے سٹریمر اور آرائشی جھنڈیاں بناتے تھے۔ سرخ رنگ کے کپڑے پر سنہری کاغذ سے بنے ہوئے حروف چسپاں کرتے تھے۔ کیلے کے درختوں کے تنوں، آرم کی شاخوں اور پتوں اور گیندے کے پھولوں سے سجاوٹ کرتے تھے۔ کاغذ اور کپڑے کے یونین جیک بناتے تھے۔ بادشاہ اور ملکہ کی تصویروں کو وفادارانہ کلمات سے سجاتے تھے۔ ہم ''گاڈ سیو دی کنگ'' کا ترانہ انگریزی

Marfat.com

اور اُردو دو مختلف طرزوں میں گانا سیکھتے تھے۔ دورے سے دو دن پہلے شہر کے رنگریز ہماری پگڑیاں رنگنے کے لیے سکول پہنچ جاتے تھے۔ ہر کلاس کی پگڑی کا رنگ علیحدہ ہوتا تھا۔۔گلابی، زرد، نیلا، سبز وغیرہ۔

دوسرے دن مقررہ وقت سے گھنٹوں پہلے ہم سکول کی سامنے والی سڑک کے دونوں طرف قطاروں میں کھڑے ہو جاتے تھے۔لڑکے بھی اور سڑک بھی دونوں صاف ستھرے دکھائی دیتے تھے۔مختلف رنگوں کی پگڑیوں کی دو قطاریں، سبز درختوں، پھولوں اور رنگ دار کاغذوں سے سجا ہوا راستہ سب مل کر دھنک کا سماں پیدا کرتے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے جھنڈے ہوتے تھے۔ ہوا میں پھولوں کی مہک ہوتی تھی لیکن ہماری ناک کو مٹھائیوں کی خوشبو زیادہ بھاتی تھی۔مٹھائی عموماً زرد رنگ کے لڈو ہوتے تھے جو اس وقت سکول میں حلوائی تیار کر رہے ہوتے تھے۔مٹھائی مفت تقسیم کی جاتی تھی لیکن اس کے لیے گورنر کے گزرنے کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

آخر کار جلوس پہنچ جاتا تھا۔ آگے آگے پولیس بینڈ اور اس کے پیچھے پولیس والے مارچ کرتے تھے۔ گجرات میں فوج نہیں تھی۔ ان کے بعد فٹنوں اور وکٹوریہ گاڑیوں کی لمبی قطاریں ہوتی تھیں۔ وکٹوریہ گاڑیاں وفادار روٗسا کی ہوتی تھیں۔ان پر تازہ رنگ کیا جاتا تھا۔اس زمانے میں گجرات میں موٹر گاڑیاں نہیں تھی۔ آگے والی گاڑی میں عجیب وغریب لباس میں گورنر اور ان کی لیڈی صاحبہ بیٹھتے تھے۔ ان کے اے ڈی سی کا لباس ان سے بھی زیادہ عجیب ہوتا تھا۔ وہ سر پر ایسی خود پہنتا تھا جس میں سے سرخ رنگ کا پھندنا باہر نکلا ہوا ہوتا تھا۔ جب گورنر بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ کے پرجوش نعرے لگتے تھے تو گورنر اپنا ٹاپ ہیٹ لہرا کر جواب دیتا تھا اور ان کی بیگم شاید ہمارے خیال میں بڑی ڈھٹائی سے مسکراتی تھی۔ مقامی امراء، رائے بہادر صاحبان، خان بہادر صاحبان، میونسپل کمیٹی کے ممبران اور ضلعے کے سرکردہ زمیندار بھی جلوس میں شریک ہوتے تھے۔ جلوس کے گزرتے ہی ہم اپنی قطاروں سے نکل کر سکول کی طرف دوڑتے تھے تاکہ ہم اپنے لڈوؤں کا لفافہ حاصل کر سکیں۔ شام کو کمپنی باغ میں آتش بازی چھوڑی جاتی تھی۔ ہم ریلوے سٹیشن پر بھی جاتے تھے تاکہ گورنر کی سپیشل ٹرین بھی دیکھ سکیں جس کا رنگ ہاتھی دانت کی طرح کا تھا۔ٹرین پر پہرہ ہوتا تھا۔

1918 کا یوم فتح

اس قسم کے اور بھی کئی مواقع تھے۔ 1918 کا یوم فتح اور بادشاہ کے چچا ڈیوک آف کناٹ کا دورہ۔ یوم فتح پر ہمیں پریڈ گراونڈ لے جاتے تھے۔ وہاں ہمیں کانسی کے تمغے انعام میں ملتے تھے۔ ہم وہاں تقریریں سنتے تھے اور برطانیہ کے ناقابل تسخیر ہونے کے متعلق گیت گاتے تھے۔ ہم بادشاہ سلامت کی شان میں بھی گیت گاتے تھے۔ جرمنی کی دغا بازی اور شک وشبہ سے بالاتر شکست کے بارے میں بھی گیت گائے جاتے تھے۔ ڈیوک آف کناٹ کی آمد پر بھی تمغے تیار کیے گئے تھے۔ پریڈیں ہوئی اور مٹھایاں تقسیم ہوئی تھیں۔ اگرچہ یہ سب موقعے ہماری تفریح طبع اور ضیافت کے لیے تو نہیں تھے لیکن ہم ان سے بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ ان کا اصل مقصد برطانیہ کے لیے وفاداری کا جذبہ اور اس کے ساتھ ایک تعلق پیدا کرنا تھا۔ ہم نے برطانیہ کے اہم افراد کے ساتھ چھٹی رنگ دار پگڑیاں اور مٹھائیاں منسلک کر دی تھی لیکن یہ ظاہری اہمیت اور شان وشوکت غیر انفرادی اور غیر شخصی تھی۔ اپنے عجیب و غریب ہیئت اور فاصلے کی بنا پر ہمارے لیے وہ بے معنی تھے سوائے اس کے کہ یہ بڑے لوگ ہیں جن کا خیر مقدم کرنا سب کے لیے ضروری ہے۔ بڑے لوگوں کے لیے ان کا مفہوم مختلف تھا۔ ان لوگوں کی نظر میں مدعو کیا جانا نمایاں ہونے کی علامت تھی جس سے اہم اور بلند مقام کے متمنی محروم نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ایسی دعوتوں پر مدعو ہونا بڑی عزت افزائی تھی اور کسی کا مدعو نہ کیا جانا اس کے غیر اہم ہونے کا واضح ثبوت تھا۔ گورنر کی پارٹی کے ہاتھی دانت کے رنگ کے کرسیٹڈ کارڈ بڑی حفاظت سے کپڑے میں لپیٹ کر رکھے جاتے تھے اور اپنی وفاداری کے ثبوت میں انگریز افسروں کو پیش کیے جاتے تھے۔ کبھی کبھی میرے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انگریز اسے ایک رسمی چیز سے زیادہ کوئی اہمیت دیتے ہوں گے یا ان کی شان میں گائے ہوئے گیتوں اور ہمارے بزرگوں کے سادہ اظہار وفاداری کو وقتی انبساط کے علاوہ بھی کوئی وقعت دیتے ہوں گے۔ بعد میں جب میں نے برطانیہ میں لوگوں کو بادشاہ اور ملکہ کے حق میں نعرے لگاتے دیکھا تو مجھے فوراً ہی فرق محسوس ہوا۔ کسی شخص کا صرف یہ سادہ سا جملہ ''وہ صحت مند نظر آ رہا ہے'' اس افتخار اور محبت کا اظہار کرتا تھا جو زیادہ گہرے سوتوں سے پھوٹتے ہیں۔ گورنر کا اودی رگوں والا سرخ چہرہ اور اس کی بیگم کا پاوڈر شدہ چہرہ ان کے اصل جذبات کی کوئی صحیح عکاسی نہیں کرتے تھے۔ ہم سے پہلے کی نسلیں ان کو امن و انصاف کی علامتیں سمجھ کر تشکر کی نظروں سے دیکھتی تھیں۔ لیکن ہمارا واسطہ تو انگریزی راج کی برکتوں سے تھا جن کو ہم روزمرہ کی زندگی کے نظام کا فطری جز و سمجھتے تھے لیکن یہ نظام بھی بغیر کسی پیشگی اطلاع کے جلد ہی تباہ ہونے والا تھا۔ اس چھوٹے سے شہر گجرات میں زندگی پھر اسی ڈھب پر نہیں آ سکتی تھی اور 1947 کی رستاخیز نے تو صدیوں کے پیٹرن کو بدل دیا۔ دوسری دفعہ ایک کاٹھیاواڑ سے نیا خیال گجرات پہنچا۔ پہلا خیال سوامی دیانند کا آریا سماج کے آدرش کا تھا اور دوسرا گاندھی جی کا قوم پرستی کا تصور۔

Marfat.com

چیلیانوالہ باغ اور گجرات

یہ گڑگڑاہٹیں گجرات میں بڑی ہلکی تھیں۔ پنجاب کے باہر کے کچھ لوگوں نے اس موضوع پر کچھ تقریریں کیں جن کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل تھا۔ ہم صرف کتھا' مذہبی موضوعات پر گفتگو اور آریا سماج کے وعظ سننے کے عادی تھے۔ سیاسی تقریریں ہمارے لیے نئی تھیں۔ پنجاب میں باہر سے آنے والے لوگ ہندوستان کی آزادی کی بات کرتے تھے تو ہم حیران ہوتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے کل یگ کی بات جانی پہچانی مثالوں اور روزمرہ میں کی تو ہمیں پتا چلا کہ ان لوگوں کا مطلب کیا ہے۔ کیا پیشین گوئی نہیں کی گئی تھی کہ ہندوستان کی تاریخ میں سات یگ ہوں گے۔ سچائی' خوشحالی اور انصاف کا دور یعنی ست یگ گزر گیا۔ اس کے بعد غربت' افلاس' غلامی' اخلاقی' انحطاط اور جھوٹ کا دور شروع ہوا۔ یہ کل یگ ہے۔ جس میں انسان نے اپنے الفاظ کے معنی کھو دیئے ہیں' وہ نئی عدالتوں میں جھوٹی قسمیں کھاتا ہے اور اپنی دروغ گوئی کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس زمانے میں رواج گروہ اور بزرگوں کا احترام کرنا انسان نے چھوڑ دیا ہے۔ وہ اپنی برادری سے انحراف کرتا ہے اور ایسی روش اختیار کرتا ہے جو اگر اس نے کل اختیار کی ہوتی تو اس کی عزت اور ذات دونوں برباد ہو جاتے۔ اَن (یہ لفظ اناج اور کھانے سے زیادہ معنی رکھتا ہے) اور دودھ کی اب قلت ہو گی جبکہ کل تک ان کے دریا ہمالیہ سے نکل کر پورے ہندوستان میں بہتے تھے۔ یہ دولت مند ملک ایک سنہری چڑیا ہے جسے اب پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک ایک کر کے اس کے پر نوچے جا رہے ہیں۔ یہ گھریلو مثالیں تھیں جن میں داستانیں بھی تھیں اور تاریخ بھی۔ یہ آسانی سے سمجھ آ جاتی تھیں لیکن ان سے اخذ کیا جانے والا نتیجہ کہ ان سب کی وجہ انگریزی راج ہے' اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ہمیں پتہ نہیں چلتا تھا کہ کل یگ کے لیے انگریز کیسے ذمہ دار ہے جس کی پیش گوئی بہت عرصہ پہلے کی جا چکی ہے۔

ہمیں کاٹھیاواڑ کے ایک چھوٹے سے سادہ آدمی کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ نئے روزمرہ میں بات کرتا ہے۔ گاندھی نے ہندوستان کو بھارت ماتا کہنا شروع کر دیا۔ یہ نام ماضی کی یادیں جگاتا تھا۔ اس کا تلازمہ گاؤ ماتا تھا۔ یہ ہندو ذہن پر اثر انداز ہوا۔ مسلمانوں نے فوراً ہی اس کا جواب خلافت عثمانیہ کے حق میں تحریک خلافت اور مادر ہند کی صورت میں دیا۔ قومی افتخار کا ذکر گاندھی نے نئے الفاظ میں کیا کہ برطانوی امن دراصل غلامی ہے۔ آہستہ آہستہ ہمارے ذہنوں میں ایک نئی تصویر ابھرنے لگی جس کے مطابق ہندوستان کل یگ سے نکل رام راج میں داخل ہو رہا ہے۔ جب گاندھی کی گرفتاری کی خبر آئی تو گجرات میں بھی تھوڑی سی گڑبڑ ہوئی۔ ہمارے ایک خوبصورت نوجوان چچازاد بھائی نے جو لالہ ٹھاکر داس کا پوتا تھا کچھ نوجوانوں کو ساتھ لے کر تار برقی کی تاریں کاٹ دیں اور شہر میں گشت بھی کیا۔ پولیس نے اسے پکڑ کر جیل میں بند کر دیا۔ ہمیں پتہ چلا کہ لاہور میں مارشل لاء نافذ ہو گیا ہے۔ عین اسی دوران ہماری والدہ ہمارے ایک رشتے دار کو ملنے لاہور گئی ہوئی تھیں۔ وہ ہم سے جدا ہو گئیں۔ خیر وہ پریشان تو نہ ہوئیں لیکن انہوں نے لاہور سے نکلنے کی متعدد بار کوشش کی لیکن ہر بار سپاہی انہیں واپس بھیج دیتے تھے۔ وہ بہت سادہ اور معصوم عورت تھیں اور ان کے بارے میں شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا وہ سیاسی مقاصد کے تحت مارشل لاء کی خلاف ورزی کر رہی ہیں۔

اگرچہ ریل گاڑیاں نہیں چل رہی تھیں پھر بھی انہوں نے فوجیوں سے کہا کہ وہ ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر گاڑی کا انتظار کریں گی۔ میں انہیں جانتا ہوں اور اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ سپاہیوں سے بچ کر نکل جاتیں تو پورے اسی میل پیدل چل کر گجرات پہنچ جاتیں۔

لاہور سے ہر قسم کی افواہیں آ رہی تھیں۔ لوگوں کو پیٹا جا رہا ہے' اجتماعی گرفتاریاں ہو رہی ہیں' لوگوں کو سڑکوں پر پیٹ کے بل رینگنے کا حکم دیا جاتا ہے' دھوپ میں چھ چھ میل پیدل چلا کر طالب علموں کو چھاؤنی میں جھنڈے کو سلام کرنے کے لیے فوجی لے جاتے ہیں۔ اور پھر امرت سر میں جلیاں والا باغ کی خبر آئی۔ ہم نے سنا کہ جنرل ڈائر نے باغ کے دروازے پر مشین گنوں سے مورچہ لگا دیا تھا جو اس پائین باغ میں داخلے کا واحد راستہ تھا اور جس کے چاروں طرف بلند و بالا عمارتیں تھیں۔ وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ وہاں سے ڈائر نے گولیاں برسانا شروع کیں۔ لوگ بھاگے لیکن راستہ نہ پا کر درختوں پر چڑھ گئے۔ ان کو اور وہ جنہوں نے ایک نیچی دیوار کی آڑ میں پناہ لے لی تھی' گولیوں کی بوچھاڑوں سے اکٹھا کر کے ڈھیر کر دیا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ جب اس کی بندوقوں کے لیے سب گولی بارود ختم ہو گیا تو بین کرتی ہوئی بیواؤں اور یتیموں کو مردوں کے ڈھیروں میں اپنے لواحقین کو تلاش کرتے ہوئے چھوڑ کر ڈائر اور اس کے تھکے ہوئے سپاہی اپنے ہتھیار اٹھا کر واپس لوٹ گئے۔ ڈائر نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا کہ سارا باغی شہر اس کے رحم و کرم پر تھا اور وہ اسے جلا دینا چاہتا تھا لیکن پھر اسے رحم آ گیا اور وہ رک گیا۔

گجرات کے لوگ چکرا گئے اور ان کے ذہنوں میں نادر شاہ کی یادیں تازہ ہو گئیں لیکن نادر شاہ تو محض ایک مہم جو تھا' لٹیرا تھا' جس نے دعویٰ کیا کہ اس کے پاس اس قتل عام کا جواز ہے' دہلی کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد اس کے کچھ سپاہیوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور وعدہ خلافی کی سزا قتل عام تھی۔ لیکن یہ سرکار تو مختلف تھی۔ یہ تو مہربان اور رحم دل تھی۔ اس نے ساٹھ سال تک طاقت کے روایتی ہتھکنڈوں کے بغیر حکومت کی تھی۔ اچانک یہ تبدیلی کیوں؟ ساٹھ سال کے بعد تو ہم یہ بھی بھول چکے تھے

Marfat.com

کہ ہمارے اوپر برطانیہ کی حکومت ہے۔ ان چند گوروں کے سوا جو تانگوں سے سگریٹ باہر پھینکتے تھے تاکہ لوگوں کو ان کی عادت پڑے شہر میں کبھی کوئی انگریز نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں تعینات تین یا چار انگریزوں کو دیکھنے کے لیے شہر سے نکل کر سول سٹیشن جانا پڑتا تھا۔ ان میں ڈپٹی کمشنر، سپرنٹنڈنٹ پولیس، کبھی کبھار ایکس ای این اور ممکن ہے سیشن جج یا شاید پادری صاحب تھے۔ ہندوستانی خود اعلیٰ افسر بن رہے تھے۔ قبولیت کے اس پرسکون ماحول میں فولادی مکے سے کام لینا بڑا عجیب لگتا تھا۔ سیاست دانوں کی باتوں پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ یہ بے معنی باتیں تھیں جو ہم اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آئے تھے۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ کبھی ہندوستان میں دودھ اور گھی کی نہریں بہتی تھیں اور اب اس کل یگ کو دیکھو۔ اور اگر کسی نے آزادی اور مساوات کی بات کی تو کیا ہماری انگریزی کی کتابیں یہی کچھ نہیں پڑھاتی تھیں؟

اب پنجابیوں کی تیسری نسل آ رہی تھی جس کی پرورش انگریزی فکر پر ہوئی تھی اور اسی کے مطابق وہ اپنے لیے سوچنے لگے تھے۔ میرے والد کی نسل کے لوگ ٹریبون اخبار میں خبریں اور اداریے پڑھتے تھے۔ وہ بڑے محتاط انداز میں بات کرتے تھے لیکن انہوں نے بھی پہلی دفعہ سیاست کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ ہر شخص سیاست پر بحث کرتا تھا۔ سکول کے طالب علموں نے بھی گاندھی' تلک' لاجپت رائے' علی برادران' بھارت ماتا اور آزادی جیسے نام سیکھ لیے تھے۔ کیا کوئی تبدیلی آنے والی تھی؟ اپنے ناگزیر سلسلوں میں بادشاہیاں اور شاہی خاندان سمندر کی موجوں کی طرح ابھرے اور اسی طرح ساقط بھی ہو گئے۔ عقلمند لوگوں کے سر ہلنا شروع ہو گئے اور انہوں نے پھر حکمت کی پرانی باتیں کرنی شروع کر دیں۔ جب کوئی حاکم موقع کی مناسبت سے زیادہ تند ہو جائے تو یہ اس کے خوف زدہ ہونے اور خود اعتمادی کی کمی کی علامت ہے۔ اگر اس کی تندی سے کوئی فائدہ نہ ہو تو اگلی دفعہ وہ اور تند ہو جاتا ہے اور پھر کچھ حاصل کیے بغیر وہ خود ہی تھک جاتا ہے۔ نئے حاکم ایسے نہیں لگتے کہ وہ تندی زیادہ دیر تک برداشت کر سکیں گے۔ پنجاب کے لیے تبدیلی کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ عرصہ دراز سے پنجاب میں اتنی بار تبدیلیاں آ چکی ہیں کہ پنجابی اپنی گرد آلود خشک زمین پر آنے والی بارش کی طرح ان تبدیلیوں کو سونگھ لیتے ہیں۔ اگرچہ آنے والے چند برسوں میں گجرات میں ہمیں عدم تعاون اور ستیہ گرہ نے تو اتنا متاثر نہ کیا مگر جیسے جیسے یہ تحریک پھیلتی گئی ہم بھی اس قسم کی سادہ اصطلاحوں میں بحث و مباحث کرنے لگے۔ گجرات میں کبھی کبھی سیاسی جلسے اور ہڑتالیں ہو جاتی تھیں اور شراب کی دکانوں یا اسی قسم کے جنرل سٹورز پر پکٹنگ بھی ہو جاتی تھی لیکن شہر نے سیاست میں زیادہ دلچسپی نہ لی اور یہ اپنی قرون وسطیٰ والی رفتار سے ہی چلتا رہا۔

(حوالہ پرکاش ٹنڈن)

iii- نوآبادیاتی دور کی چند اہم شخصیات

سائیں بیر ناتھ

سائیں بیرتھ ناتھ تقسیم ہند کے بعد کھاریاں میں رہ جانے والا واحد ہندو تھا جس نے تقسیم کے وقت اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ نقل مکانی سے انکار کر دیا۔ دونوں کلائیوں پر ہاتھی دانت کے کڑے، کانوں میں پلاسٹک کے بڑے بڑے رنگ اور ایک ہاتھ میں بڑے اولوں کے سائز کے دانوں والی مالا۔ کھچڑی سی ایک مٹھ داڑھی، بھاری مونچھیں، ٹھنڈی مگر تیز دھار آنکھیں، اور ہمیشہ سے سفید کرتے اور تہبند میں ملبوس سائیں بیرناتھ کبھی کبھی گاؤں کی گلیوں سے گزرتا تو بچے ڈر جاتے مگر اس سے محبت بھی کرتے۔ سائیں بیرناتھ کھاریاں میں جانوروں کے ہسپتال کے عقب میں ایک کھنڈر نما گھر میں رہائش پذیر تھا۔ سائیں بیرناتھ ایک ایک قدم ماپ ماپ کر دھیرے دھیرے چلا کرتا تھا۔ عموماً نظریں زمین میں گاڑے رکھتا اور کبھی کبھی جب وہ سر اٹھا کر اپنے لگی دیواروں کے ساتھ سہمے چپکے بچوں اور راہگیروں کی طرف دیکھتا تو جیسے پوری فضا تھم جاتی اور دیکھنے والوں کے جسموں سے اسکی سفید سرد نگاہیں آر پار گزر جاتیں مگر وہ بڑی بے ضرر نگاہیں ہوتیں؛ جن سے لوگوں کو پیار بھی ہو گیا تھا۔ پھر کوئی جرات مند لڑکا آگے بڑھتا اور سائیں کے سامنے راستے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک لکیر کھینچتے ہوئے سرپٹ بھاگ جاتا۔ سائیں لکیر سے ایک دو قدم پیچھے رکتا اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک لگی لکیر کو اور لڑکوں کو دیکھتا اور پھر کچھ کہے بغیر پیچھے لوٹ جاتا۔ کچھ شریر لڑکے اس کی واپسی کے راستے پر بھی ایسی ہی ایک سے دوسرے سرے تک لکیر لگا دیتے تو وہ ان لکیروں میں محصور اس وقت تک پھڑپھڑاتا رہتا جب تک کہ راہ گیروں کے قدموں سے لکیریں ختم نہ ہو جاتیں۔ تقسیم ہند کے بعد کسی نے اس کو بولتے نہیں دیکھا نہ ہی کھاریاں سے ہجرت کرنے والوں کو کسی نے قتل یا لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ بیرناتھ بعد ازاں انتقال کر گیا تاہم یہ معلومات دستیاب نہیں کہ سائیں بیرناتھ کو جلایا گیا یا دفن کیا گیا۔

(حوالہ: میجر ریٹائرڈ آفتاب احمد' سائیں بیرناتھ' ماہنامہ' صدائے جمہور' لاہور)

فتح فیملی

فتح خاندان کا شجرہ نسب کا کا مہتا مل، قانوں گو وڈیہرا سے جا ملتا ہے اس کے چار بیٹوں میں سے تین بیٹوں کی اولاد اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہوئی صرف ایک بیٹے کی اولاد تقسیم ہند تک گجرات اور سیالکوٹ میں ہندو رہی۔ تقسیم کے بعد سیالکوٹ سے وڈیہرا خاندان کے ہندو ہندوستان چلے گئے۔ اسی خاندان میں

Marfat.com

راجیو گاندھی کی بیٹی پریانکا کی شادی ہوئی جواب پریانکا وڈیہرا کہلاتی ہے۔ فتح خاندان کے بانی شیخ فتح محمد اہلحدیث تھے وہ جب بچے تھے تو انہوں نے سکھوں اور انگریزوں کی مشہور و معروف لڑائی کے دوران جو بیٹل آف گنز ''توپوں کی جنگ'' کہلاتی ہے' ان توپوں کی آواز سنی ہوئی تھی۔ ان کو بچپن سے ہی انگریزوں سے نفرت تھی چنانچہ ان کی ساری زندگی انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں گزری۔ شیخ فتح محمد 1920 کی خلافت موومنٹ میں گجرات سیاست کا گڑھ تھا جہاں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور ان کی والدہ بی اماں کے علاوہ مولانا آزاد شامل تھے۔ اس زمانے میں جو بھی جلسہ انگریزوں کیخلاف ہوتا کے رہنما تھے۔ ان کے پانچ بیٹے تھے۔ اپنے انتقال سے قبل انہوں نے اپنی ساری جائیداد جو چھ سوا یکڑ زمین، عمارتوں، آبائی گھر، ڈھکی پر دکانوں پر مشتمل تھی بیچ کر اپنے پانچوں بیٹوں میں تقسیم کر دی، ان کا خیال تھا کہ جائیداد لڑائی جھگڑے کی جڑ ہے۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کی حکومت آئی تو اس نے خلافت موومنٹ ختم دی تو مسلمان کے لیے جو خلافت تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے' عجیب طرح کی صورت حال پیدا ہوگئی کہ اب وہ کیا کریں خلافت موومنٹ ہندوستان میں مہاتما گاندھی کے زیر اثر تھی حالانکہ یہ مسلمانوں کی تنظیم تھی اس لئے مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس میں چلے جاتے۔

اپنی اولاد میں اثاثوں کی تقسیم کے بعد احمد فتح فرانس چلے گئے جہاں انہوں نے کیمکل کا ایک کارخانہ لگایا۔ اس دور میں برما ہندوستان کا حصہ تھا۔ انکے دوسرے بیٹے ابن الفتح رنگون چلے گئے جہاں انہوں نے چمڑے کا کارخانہ لگایا جبکہ تیسرے بیٹے شیخ ابوالفتح بمبئی میں منتقل ہو گئے' جہاں انہوں نے ٹائل بنانے کا کام شروع کیا' جبکہ سب سے چھوٹے صاحبزادے میٹرک کرکے انگلینڈ چلے گئے جہاں وہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جبری طور پر برطانوی فوج میں بھرتی کر لئے گئے، دوسری جنگ عظیم کے بعد انہوں نے بجلی کا سامان بنانے کا کارخانہ قائم کیا پھر ٹریول ایجنٹ بن گئے اڑتالیس سال انگلینڈ میں رہنے کے بعد انیس سو اسی میں پاکستان آئے۔ فرانس میں مقیم احمد فتح خفیہ فارمولہ لیکر ہندوستان آئے۔ وہ یہیں میں فرانس کے اعزازی قونصلر بھی مقرر رہے انکا شمار ہندوستان کے بڑے صنعتکاروں میں ہوتا ہے۔ پنڈت نہرو جب بھی بمبئی جاتے تو وہ شیخ ابوالفتح کے گھر قیام کرتے کیونکہ فتح خاندان کا تعلق انڈین نیشنل کانگریس سے تھا۔ پنڈت نہرو، مسٹر بھولا ڈیسائی، میاں افتخار الدین، اور نواب آف کالا باغ بھی ان کے گھر ٹھہرتے تھے۔ شیخ ابوالفتح کی بیوی فرانسیسی خاتون تھی اور نواب آف کالا باغ نے اپنے ایک بھتیجے کو ان کے گھر کے آداب سیکھنے کیلئے بھیجا ہوا تھا۔ ان کی مختلف جگہوں پر گھوڑوں کی افزائش کے فارم تھے۔ کالا باغ میں نواب آف کالا باغ ان کے شراکت دار اور پونا میں سر آغا خان پارٹنر تھے۔ جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی تو پنڈت نہرو نے شیخ ابوالفتح کو پاکستان نہیں آنے دیا کیونکہ ان کے بغیر وہ فارمولہ نہیں مل سکتا تھا اس کی وجہ سے کمپنی کے دو حصے کرنے پڑے۔ ایک ہندوستان ریلوے اور دوسرا پاکستان ریلوے کے حصے میں آیا۔ پاکستان میں انکی نمائندگی ایک فرانسیسی کرتے تھے۔ بعد میں رنگون والے اور دوسرے بھائی بھی آ گئے اور یوں بمبئی الفتح خاندان کی کاروباری سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ بعد ازاں ان کے ایک بھائی بمبئی سے لاہور اور پھر گجرات منتقل ہو گئے انہوں نے گجرات میں اپنی زمینوں کا قبضہ لینے کیلئے مقدمہ دائر کر دیا جو تین سال چلتا رہا لیکن بالآخر پرانے ریکارڈ نکالے گئے تو انکے والد شیخ فتح محمد کا ہاتھ سے لکھا ہوا فقرہ موجود تھا کہ فلاں زمین بمعہ حصہ شاملات فروخت کر دی گئی ہیں۔ بعد ازاں انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور گجرات میں وارڈ کی سطح پر مسلم لیگ کو منظم کیا مگر تقسیم ہند کے وقت جو لوٹ مچی اس پر دلبرداشتہ ہو کر انہوں نے مسلم لیگ سے استعفیٰ دیدیا اور یوں گجرات میں الفتح خاندان کا وارث سیاست سے قطع تعلق ہو گیا۔ مگر جب بھٹو نے معاہدہ تاشقند کے بعد ایوب خان کیخلاف تحریک چلائی تو بھٹو خاندان سے پرانے تعلقات پھر تازہ ہو گئے۔ عثمان فتح، ڈاکٹر مبشر، کنیز فاطمہ یوسف اور دیگر ساتھیوں نے ایوب خان کے خلاف پہلے سے ہی اتحاد عوام پارٹی بنا رکھی تھی۔ انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو سے فلیٹیز ہوٹل لاہور میں ملاقات کی اور اتحاد عوام کا منشور انہیں پڑھ کر سنایا۔ بھٹو کو وہ منشور اتنا پسند آیا کہ جب پاکستان پیپلز پارٹی بنی تو ذوالفقار علی بھٹو نے اتحاد عوام پارٹی کا منشور پارٹی منشور کا حصہ بنا دیا۔ پیپلز پارٹی قائم ہوئی تو عثمان فتح بھی اس کے بانی اراکین میں سے تھے۔ پیپلز پارٹی بنانے کے بعد ایوب خان کے خلاف تحریک میں گجرات سے پہلا جلوس خواتین کا نکالا گیا جس کی قیادت سمیعہ نظام الدین نے کی۔ پیپلز پارٹی میں سب سے پہلے گجرات میں شعبہ خواتین قائم ہوا۔ اس کامیاب جلوس کو اتنی پذیرائی ملی کہ شاعروں نے گجرات کی بیٹی کے عنوان سے نظمیں بھی لکھ ڈالیں۔ ایوب خان کی تحریک میں عثمان فتح نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کیا گیا تو جیل سے بیگم بھٹو کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ جس طرح گجرات میں خواتین کا جلوس نکالا گیا ہے اسی طرح پنجاب بھر میں بیگم نصرت بھٹو کی قیادت میں جلوس نکالے جائیں۔ چنانچہ بیگم بھٹو گجرات میں جلوس کی قیادت کرنے آئیں تو ہارس شوگراؤنڈ میں ایک جم غفیر جمع ہو چکا تھا لیکن بیگم بھٹو نے کہا کہ وہ پیدل چل کر وہاں پہنچیں گی۔ جلوس نے کوئی دو فرلانگ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ چاروں طرف سے اتنے لوگ آنا شروع ہو گئے کہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ بیگم بھٹو کہیں کچلی نہ جائیں۔ اتفاق سے وہاں ایک دیہاتی کا ٹوٹا ہوا تانگہ کھڑا تھا جس کی چھت بھی نہیں تھی اس پر بیگم بھٹو کے ساتھ سمیعہ، آمنہ حسن، بیگم

Marfat.com

آباد احمد، فتح عثمان، رضا قصوری، اور خورشید حسن میر کو سوار کیا گیا۔ یہ جلوس جب چوہدری ظہور الٰہی کی کوٹھی کے سامنے سے گزرا تو اپنی کوٹھی کے اندر سے جلوس دیکھ کر چوہدری ظہور الٰہی ششدر رہ گئے۔

غلام شاہ وکیل

غلام شاہ وکیل شادی وال، اچھرکی ونڈ گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے وقت کے ذہین ترین طالب علم شمار ہوتے تھے۔ انکے پوتے سید شوکت اقبال بتاتے ہیں کہ انکے دادا نے چار جماعتیں شادیوال سے پاس کیں تو سکول کے ایک استاد نے غلام شاہ وکیل کو پانچویں جماعت میں مڈل سکول کنجاہ میں داخل کروا دیا۔ وہاں سے انہوں نے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ان کی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ جب کمرہ امتحان سے نکلتے تو مسلم اور غیر مسلم طلباء ان کے گرد اکٹھا ہو جاتے اور اپنے سوالات کے جوابات وکیل شاہ سے ملاتے۔ آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد وہ بڑی آسانی سے ڈپٹی کمشنر میں بطور نائب تحصیلدار بھرتی ہو گئے۔ اٹھارہ سو بیاسی میں اس وقت کے ڈپٹی کمشنر گجرات نے ایک دن غلام شاہ کو اپنے پاس طلب کیا اور ایک رقعہ تھما دیا۔ اپنا استعفیٰ مجھے دو اور یہ رقعہ لے لو۔ انہوں نے تعمیل کی اور نوکری چھوڑ کر جالندھر ہائی سکول چلے گئے جہاں سے انہوں نے ریکارڈ نمبر لیکر میٹرک کا امتحان پاس کر لیا غلام شاہ وہاں سے میٹرک پاس کرنے کے بعد ڈی سی کے پاس حاضر ہوا تو ڈپٹی کمشنر نے غلام شاہ وکیل کو ایم او اے کالج میں اردو، فارسی کا لیکچرر لگوا دیا۔ انہوں نے لاہور میں قیام کے دوران آسانی سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ بی اے میں پنجاب یونیورسٹی میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اس زمانے میں کوئی انگریز استاد نہیں تھا۔ لاء کرنے سے پہلے ایک دن ان کے پاس ایک ہندو لڑکا شادی لال آیا اور پوچھا کہ غلام شاہ کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ہوں۔

اس نے کہا حیرت ہے فارسی کے پرچے میں تم نے مجھے مات دیدی۔ میں نے ابھی تک کبھی سیکنڈ پوزیشن نہیں لی تھی۔ یہی لڑکا بعد میں سر شادی لال چیف جسٹس لاہور ہو گیا۔ لاء کرنے کے بعد غلام شاہ وکیل نے انگریزی سیکھنی شروع کر دی اور انگریزی بھی پاس کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے ڈپٹی کمشنر کا شکریہ ادا کیا اور گجرات میں وکالت شروع کر دی۔ بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے کی بات ہے کہ ان کی وکالت کامیاب رہی اور وہ گجرات کے تمام ہندو اور سکھ وکلاء پر سبقت لے گئے۔ پریکٹس اس قدر زیادہ تھی کہ وہ کیس کو دیکھ کر جان جاتے اور غلط کیس کو ہاتھ نہ ڈالتے۔ اپنی ذاتی سواری تانگہ پر کچہری جاتے۔ 10 مئی 1921 کو حرکت قلب بند ہونے سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت انکی عمر انسٹھ برس تھی۔

بابا پھیرومل

پھیرومل، گوروارجند کا والد بھائی گھوبل گجرات کے گاؤں ماڑی گوالے کا رہائشی تھا وہ اسی گاؤں میں پیدا ہوا مگر اس کی پرورش اپنے ننیہال متی دی سرائے میں ہوئی، یہ گاؤں سرائے ناریگا کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے فارسی پر عبور حاصل کیا اور بعد ازاں ایک مقامی جاگیردار چوہدری تخت مال کے پاس منشی بھرتی ہو گئے۔ اسی گاؤں کی ایک خاتون سے انکی شادی ہوئی۔ جس سے انکا بیٹا گوروارجند اکتیس مارچ پندرہ سو انیس میں پیدا ہوا جس کا اصل نام لہنا رکھا گیا تھا۔ پھیرومال نے جاگیردار سے اختلافات پر ملازمت چھوڑ دی اسی دوران بابر نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا اور بابر کی فوجوں نے ہندوستان میں جولوٹ مچائی اس پر پریشان پھیرومال نے گاؤں چھوڑا اور کھادر میں منتقل ہو گیا جواب کھدور صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں اس کے سابق مالک جاگیردار کی بہن مٹ سرائی جو کہ گرونانک کی پیروکار تھی نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور اس کو وہیں مستقل قائم کیلئے مدد دی۔ بابا پھیرومل کھدور صاحب میں پندرہ سو چھبیس میں انتقال کر گیا۔

لالہ کیدار ناتھ (رئیس اعظم گجرات)

تاریخی شہر گجرات میں ایک رئیس اعظم لالہ کیدار ناتھ ہوا کرتے تھے سخاوت کے دوران ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائیوں کیلئے دروازہ کھلا رکھتے جو کوئی حاجت مند دروازے پر آتا خالی لوٹانا معیوب خیال کرتے۔ کسی کو ناامید نہ لوٹاتے۔ لالہ کیدار ناتھ کا عالیشان محل سول ہسپتال گجرات کے سامنے چوک میں تعمیر تھا۔ اس کو پہلے لالہ کیدار ناتھ چوک کہا جاتا تھا مگر اب یہ فوارہ چوک کے نام سے معروف ہے۔ ان کا دوسرا محل موجودہ ڈگری کالج کے سامنے تعمیر ہوا جو انہوں نے اپنی چہیتی بیوی "رام پیاری کا محل" کے نام سے منسوب کیا۔ ہر مذہب کے پیروکار لالہ کیدار ناتھ کو اپنے مذہب سے منسلک سمجھتے تھے۔ کسی گاؤں کے ایک مولوی صاحب لالہ جی کے پاس مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ لینے حاضر ہوئے۔ لالہ جی نے پوچھا "کتنی رقم درکار ہے"؟ جس پر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ "یہی کوئی پچاس روپے کے سکے"۔

لالہ جی ہمیشہ اپنا حکم ایک کاغذ پر لکھ کر اپنے منشی رام پرشاد کے پاس بھجواتے، تاکہ سائل کی غرض پوری ہو سکے تاہم ہوا یوں کہ حسب معمول لالہ جی قلم کی نوک دوات میں ڈبو کر حکم صادر کرنا چاہ ہی رہے تھے کہ حامل رقعہ ھذا کو پچاس روپے

Marfat.com

کے سکے دے دیئے جائیں۔لالہ جی نے پچاس کا ہندسہ لکھا تو قلم رک گیا تحریر کو جاری رکھنے کیلئے قلم کو تھوڑا جھٹکا دیا تو نادانستگی میں پچاس کے ہندسے کے آگے ایک اور نقطہ بن گیا۔مولوی صاحب وہ پرچی لیکر منشی کے پاس گئے تو اس نے پانچ سو روپے کے سکے گنے اور ایک بوری میں باندھ کر مولوی صاحب کے حوالے کردیئے۔مولوی صاحب اپنے گاؤں سے ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے تھے کیونکہ اس زمانہ میں سفر اکثر پیدل یا گدھے یا گھوڑے پر طے کیا جاتا تھا روپوں سے بھری بوری گدھے پر رکھی اور واپس گاؤں آگئے۔حسب معمول جب رات کو منیم جی نے لالہ جی کو حساب کتاب کا کھاتہ دکھایا تو لالہ جی کو یاد آیا کہ انہوں نے تو صرف پچاس روپے مسجد کی تعمیر کیلئے لکھے تھے لیکن پانچ صد روپے کیسے دان کردیئے گئے۔منیم جی یہ جان کر گھبرا گیا اور عجلت میں پرچی نکال کر انھیں پیش کی۔جب لالہ جی نے غور سے دیکھا تو ایک بڑا نقطہ پچاس کے ہندسہ کے آگے نظر آیا تو احساس ہوگیا کہ غیر ارادی طور پر قلم جھٹکنے سے پانچ صد بن گیا ہے۔لالہ جی نے منیم پرشاد سے ذرا ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ تم نے غور سے پرچی پر نہیں دیکھا کہ نقطہ اور چھینٹے میں فرق کو سمجھ لیتے۔یہ نقطہ ارادتاً نہیں ڈالا گیا تھا ویسے بھی اس کا ادراک ہونا چاہئے تھا کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کی مسجد پر پانچ سو جیسی کثیر رقم کیونکر درکار ہوگی۔منیم پرشاد جی سر جھکائے اپنی سوچ میں غلطاں اپنے دفتر روانہ ہوگئے اور رات بھر اس بے چینی سے سو نہیں سکے۔بہر حال صبح منیم جی نے ایک اہلکار کو مولوی صاحب کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ رقم دینے میں غلطی ہوگئی ہے لہذا ساری رقم واپس میرے پاس لے آئیں۔مولوی صاحب نے ابھی تک بوری کھولی بھی نہیں تھی۔بندھی بندھائی رقم لیکر لالہ جی کیدار کی خدمت میں حاضر ہوا۔لالہ جی نے آنے کی وجہ دریافت کی تو مولوی نے جواب دیا کہ آپ کا اہلکار گیا تھا اس لیے آپ کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں۔یہ کہہ کر اس نے رقم کی بوری لالہ جی کے قدموں میں ڈال دی۔لالہ جی حیران ہوگئے کہ میں نے کوئی اہلکار نہیں بھیجا۔انھیں خیال آیا کہ کہیں پرشاد نے ہی نہ بلوایا ہو الہذا پرشاد کو طلب کیا گیا اور حقیقت واضح ہوگئی۔

لالہ کیدار ناتھ بھی باکمال آدمی تھے۔تھوڑی دیر سوچا اور مسکراتے ہوئے مولوی صاحب سے گویا ہوئے ''آپ تمام رقم لے جائیں البتہ تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں'' اور پرشاد کو حکم دیا کہ انھیں پانچ سو روپے مزید دیئے جائیں کیونکہ انھیں آنے جانے کی زحمت اٹھانا پڑی۔مولوی صاحب سے مخاطب ہوئے کہ آپ نے تو صرف پچاس روپے مانگے تھے جبکہ آپ کو پانچ صد روپے دیئے جا رہے ہیں تا کہ گاؤں میں ایک شاندار مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے تعمیر ہو سکے۔

لالہ کیدار ناتھ کے دو ذاتی درزی ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک کا نام محمد تھا اور وہ مقبرہ پانڈی شاہ گجرات کے قریب کا رہائش پذیر تھا یہ دونوں حضرات لالہ جی پر متعین تھے ایک دفعہ لالہ جی نے محمد درزی کو ایک سوٹ استری کرنے کیلئے دیا کیونکہ لالہ جی نے دوسرے دن کہیں جانا تھا۔جب محمد کپڑے استری کرنے لگا تو قمیض کی جیب سے بڑی تعداد میں روپے نکلے جو اس نے استری کے دوران قریب میز پر ہی رکھ دیئے۔دوسرے روز وہ سوٹ استری کرکے لالہ جی کے پاس گیا مگر نوٹوں کو لیجانا بھول گیا جب چند دنوں کے بعد لالہ جی سفر سے واپس لوٹے تو محمد نے نہایت شرمساری سے عرض کی: ''مہاراج میں نے سوٹ استری کرنے کے دوران کوٹ کی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیئے تھے مگر آپ کو بتانا بھول گیا میں اپنے کیے پر بہت شرمسار ہوں اور مجھے ذہنی کوفت ہوئی ہے۔'' لالہ جی نے جواب دیا ''یہ نوٹ تم رکھ لو''۔

اس پر درزی نے کہا کہ ''لالہ جی اتنی بڑی رقم ۔۔۔میں اس قابل کہاں!''۔

لالہ جی بولے: ''پگلے یہ جو تمھیں ذہنی کوفت ہوئی ہے میں اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔

لالہ کیدار ناتھ کے ایک پرانے مسلمان استاد جو کہ ایک سکول میں آپ کو پڑھایا کرتے تھے، انکی بیٹی کی شادی خانہ آبادی تھی۔استاد صاحب کی مالی حالت ناگفتہ بہ اور لڑکی کے ہونے والے سسرال اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ لڑکی والوں کی مالی حالت دگرگوں ہے۔بارات کی آمد سے ایک روز قبل لالہ کیدار ناتھ کو اپنے استاد کی بیٹی کی شادی کا پتہ چل گیا چنانچہ لالہ جی کو اپنے استاد کی بیٹی کی شادی کا احساس ہوا اور وہ اپنے استاد صاحب کے گھر گئے اور کہنے لگے: ''استاد جی آپکی بیٹی، میری ہمشیرہ کی شادی ہے۔مجھے بڑا افسوس ہوا ہے کہ آپ نے مجھے دعوت نہیں دی مجھے خبر تک نہیں ہونے دی''۔

استاد محترم نے جواب دیا ''مہاراج مجھے تنگدستی کے باوجود کسی غیر کے آگے دست سوال دراز کرنا نہیں آیا اور اپنی تمام عمر سفید پوشی میں بسر کی ہے۔اوپر والے نے جس حالت میں بھی رکھا صابر و قانع ہوں آپ تشریف لے آئے ہیں میرے لئے یہی کافی ہے۔میں تو آپ کو اس لئے مدعو نہ کرسکا کہ کہاں آپ اور کہاں میں ناچیز''۔

بس پھر کیا تھا لالہ کیدار ناتھ نے جو سخاوت کیلئے مشہور تھے نہ صرف جہیز میں بہت کچھ دیا بلکہ بارات کی خاطر مدارات کیلئے بھی کثیر رقم خرچ کردی جب بارات آئی تو لڑکی کے سسرال والے انگشت بدنداں رہ گئے۔

لالہ کیدار ناتھ جمعرات کو خیرات کیا کرتے تھے۔خیرات وصول کرنے والوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہوتی۔یہ خیرات لالہ جی کا منشی ہی دیا کرتا جو مانگنے والوں کی

Marfat.com

حیثیت اور ضرورت کے مطابق ایک آنہ سے ایک روپیہ تک دان کرتا۔اس زمانے میں نوٹ نہ ہوا کرتے بلکہ دوّنی' چوّنی، اٹھنی اور ایک روپے کا سکہ چاندی کا ہوا کرتا تھا۔ایک دن لالہ کیدار ناتھ اپنے دفتر کے باہر تشریف لائے اور خیرات کی تقسیم کا جائزہ لینے لگے۔کچھ سوچ کر وہ خیرات لینے کیلئے آنے والے بیس پچیس ہٹے کٹے افراد کو محل کے اندر لے گئے تا کہ ان سے علیحدگی میں بات چیت ہو سکے اور ہجوم کو احساس کمتری بھی نہ ہو۔محل کے اندر لیجا کر لالہ جی مانگنے والوں سے مخاطب ہوئے؛''جس نبی کا تم کلمہ پڑھتے ہو ان کے پاس ایک تندرست نوجوان سوال کرنے کی غرض سے پیش ہوا تھا، نبی پاک ﷺ نے اس نوجوان کی چادر یا لوئی جو اس وقت اس نے اپنے اوپر اوڑھ رکھی تھی۔صحابہ اکرام کے سامنے بولی دیکر نیلام کر دی اور جو رقم حاصل ہوئی فرمایا بازار جا کر ایک کلہاڑی، دستہ اور رسی خرید کر لاؤ۔جب نوجوان سب چیزیں خرید لایا تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کلہاڑی میں دستہ ڈالا اور دستے کی لمبائی جو کسی ترکھان کو بھی معلوم نہیں تھی ایک ہاتھ ایک بالشت اور ایک مٹھی تھی۔پھر فرمایا کہ جاؤ تم جوان ہو محنت کرو۔جنگل سے لکڑیاں کاٹو، بازار میں بیچو اور ایک ہفتہ کے بعد آ کر اپنے حالات سے آگاہ کرو۔''

وہ نوجوان آٹھ دن بعد واپس آیا اور حاضر خدمت ہوا۔ اس نے ایک نئی چادر اوڑھ رکھی تھی، ہاتھ میں کھجوروں کا ایک گچھا بھی موجود تھا۔نہایت احترام سے عرض کیا۔''یا رسول اللہ ﷺ آپ کی شفقت سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہوں۔گویا خود کفیل ہو گیا ہوں اب مجھے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں''

لالہ کیدار ناتھ نے ان سب نوجوانوں کو معقول رقم لفافہ میں بند کر کے دی اور کہا:''جاؤ کوئی کاروبار کرو اور آئندہ مانگنے والوں کی لائن میں نہ لگنا یہ دیکھ کر مجھے شرم آئے گی۔''

لالہ کیدار ناتھ کا محل ہر خاص و عام کیلئے کھلا رہتا تھا۔وہاں حاجتمندوں کا ایک جمگھٹا دیکھنے کو ملتا ایک دن اوپر والی گڑھی سے ایک مسلمان جٹ ناخاصیہ آپ کے محل میں وارد ہوا محل کے باہر لان میں ایک خوبصورت پلی ہوئی گائے بندھی تھی۔

''لالہ جی یہ گائے گابھن ہو چکی ہے؟ ناخاصیہ نے پوچھا۔

''چند روز ہوئے ہیں اسے گابھن ہوئے۔''لالہ جی نے جواب دیا۔

''لالہ جی اتنی خوبصورت گائے اور صحن میں ہر وقت کھونٹے سے بندھی رہے تو میرا کیا فائدہ ہے؟''نوجوان بولا۔

''میں تمہاری بات نہیں سمجھا'' لالہ جی نے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

نوجوان نے جواباً کہا۔''لالہ جی! عرض یہ ہے کہ ہماری کھلی زمین کاشتہ ہے اور کھیت سرسبز و شاداب لہلہاتے ہیں۔ان میں من بھاتا خوراک کا ذخیرہ موجود ہے۔کیوں نہ میں کھلی فضا میں سرسبز چارے میں کھلی چھوڑ دوں تا کہ یہ ایک صحت مند بچھڑا جنم دے۔''

لالہ جی نے اسے گائے لے جانے کی اجازت دے دی۔ایک ہفتہ کے بعد ہی کسی نے لالہ جی کو آگاہ کیا کہ''آپ کی گائے ذبح کر دی گئی اور نالی کے بند پر اس کا گوشت فروخت کیا جا رہا ہے مجھے اس کا دلی رنج ہوا۔''

لالہ جی نے پوچھا''کیسی بات کر رہے ہو تمھارے پاس ثبوت کیا ہے؟''

اس پر شخص نے کہا کہ میرے ساتھ اپنا ملازم بھیج دیں تا کہ آپ کو ثبوت مل جائے۔ چنانچہ لالہ جی نے اس امر کی تصدیق کیلئے اپنا ملازم اس شخص کے ساتھ روانہ کر دیا۔کچھ دیر بعد ملازم واویلا کرتا ہوا جلدی جلدی لالہ جی کے پاس آزردہ حالت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ''ہمارے ساتھ سخت ظلم ہوا ہے میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کا چمڑا اور سر دیکھا ہے۔وہ بلاشبہ ہماری ہی گاؤ ماتا تھی۔''لالہ کیدار ناتھ نے اک پولیس انسپکٹر کو بلا بھیجا کہ فوراً تفتیش کرے۔دوسرے دن پولیس انسپکٹر نے ملزم کو پکڑ کر لالہ جی کے سامنے پیش کر دیا۔لالہ جی نے سخت ناگواری کا اظہار کیا اور اس ناخاصیہ کو بھانپتے ہوئے کہا''تم نے یہ نیچ حرکت چند سکوں کے لیے کی اور میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔بعد میں انسپکٹر کو باضابطہ کارروائی کیلئے کہا چنانچہ ملزم کو تھانے لے جایا گیا۔اسی شام ملزم کے چند بزرگوں کی تھوڑی منت سماجت سے لالہ جی کا دل پسیج گیا اور انہوں نے اسے معاف کر دیا جب تاؤ ذرا کم ہوا تو ایک بزرگ نے کہا کہ لالہ جی قصور تو آپ کا بھی ہے کہ آپ نے بلاسوچے سمجھے گائے اس کے حوالے کر دی۔''لالہ جی بولے''جٹ وی ہووے تے بھکھا وی ہووے اوہدے کول کی چارہ کار رہ جاندا اے۔''

لالہ جی نے ایک ملازم کو بلا بھیجا تا کہ وہ تھانے سے ملزم کو چھڑا لائے کیونکہ ہم نے معاف کر دیا ہے۔اس ملزم کے آنے پر لالہ جی نے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا''برخوردار! اگر تمھیں پیسوں کی ضرورت تھی تو مجھ سے مانگ لئے ہوتے میں نے تو محض ان بزرگوں کی عزت افزائی کرتے ہوئے تمھیں معاف کر دیا۔تمھیں اندازہ نہیں کہ اگر کسی اور ہندو کی گائے ذبح کر دی جاتی تو شہر میں کہرام مچ جاتا اور کس قدر دنگا فساد کا موجب بنتا۔''

لالہ جی نے اسے پانچ روپے دیئے اور فہمائش کی کہ بیٹا کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچانا۔اس پر مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے نہایت پرسوز ترنم میں میاں محمد کھڑی شریف کا یہ شعر پڑھا۔

مسجد ڈھادے مندر ڈھادے ڈھادے جو کجھ ڈھیندا
پر کسے دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہندا

Marfat.com

اس شعر سے محفل پر رقت طاری ہوگئی اور اہل دل کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

لالہ کیدارناتھ گجرات میونسپل کمیٹی کے رکن بھی تھے۔ایک بار انگریز گورنر گجرات میں وارد ہوا جو بھمبر نالہ کے کسی پل کے حوالے سے جائزہ لینے آیا تھا کیونکہ میونسپل کمیٹی نے مذکورہ بھمبر نالہ پر پل تعمیر کرنے کی درخواست دے رکھی تھی۔بھمبر نالے کے قریب ایک گاؤں شیطانیہ (اب اس کا نام رحمانیہ) تھا۔گورنر بھمبر نالہ پر مجوزہ پل کے مقام کا جائزہ لینے کیلئے پہنچے تو انھیں اس گاؤں کے بارے میں بھی بتایا گیا جس پر گورنر نے لالہ کیدارناتھ پر سوال کیا کہ اس گاؤں کا نام شیطانیاں کیوں ہے؟اس گاؤں کے نام کا ترجمہ انگریزی میں بتانے پر اس نے نہایت حقارت سے پوچھا کہ اس کا نام کیوں تبدیل نہیں کیا گیا؟مسلمانوں کی کتاب میں یہ نام نہایت ناپسندیدہ ٹھہرا ہے اسے آج تک کیسے برداشت کیا گیا۔غیر مقامی لوگ جب گاؤں کے مکینوں پوچھتے ہونگے کہ ہاں بھائی کہاں کے رہنے والے ہو تو وہ کیا شرم محسوس نہ کرتے ہونگے کہ ہم شیطانیاں کے رہنے والے ہیں؟

لالہ کیدارناتھ نے گردن جھکائی اور تھوڑی دیر سوچا۔بعدازاں انہوں نے اپنی غفلت اور لاعلمی کا اعتراف کیا اور وہیں کھڑے کھڑے اپنے آپ کو نااہل سمجھتے ہوئے کونسلر شپ سے استعفی دیدیا کیونکہ لالہ جی کی نظر میں یہ اجتماعی توہین تھی۔

لالہ کیدارناتھ نے گجرات میں اپنے نام سے سرائے بھی قائم کر رکھی تھی جس میں بلاتفریق مذہب آنے جانے والے مسافر قیام پذیر رہتے۔قیام پاکستان کے بعد اس سرائے کو گجرات ہی کے کسی شخص نے خرید لیا۔لالہ کیدارناتھ کا ایک بینک بھی تھا جس میں ہر مسلمان،ہندو،عیسائی،اور سکھ کسی تفریق کے بغیر اکاؤنٹ کھول سکتا تھا 1947 کے فسادات میں یہ بینک لوٹ لیا گیا جبکہ لالہ کیدارناتھ کے لواحقین ہندوستان چلے گئے اور وہاں جا کر اپنا کاروبار کیا 1948 کے اواخر میں لالہ کیدارناتھ کے لواحقین نے گجرات میں اپنے بینک کے کھاتہ داروں کو چٹھیاں لکھیں کہ وہ بینک کے کاغذات لیکر کرواہگہ بارڈر آجائیں اور اپنی رقم لے جائیں کیونکہ اُن کی رقم اس بینک میں تھی اور اس کی حفاظت اور لین دین بینک کی ذمہ داری تھی۔بینک کے کھاتہ دار اپنے اپنے کاغذات لے کرواہگہ بارڈر گئے جہاں کیدارناتھ کے بیٹے رائے بہادر شمبر داس نے کھاتہ داروں کو اصل رقم کے علاوہ سود کی رقم شامل کرکے ادائیگیاں کیں اور نہ صرف انھیں کھانا کھلایا بلکہ آنے جانے کا کرایہ بھی ادا کیا۔یہ تھی ایک ہندو کی ایمانداری جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

رائے بہادر کیدار ناتھ سردی کے موسم میں تقریبا شام کے وقت دو گھوڑوں کی بگھی پر کمبل لاد کر گجرات سرکلر روڈ پر پھرا کرتا اور جو کوئی بھی غریب یا حاجت مند دیکھتا اسے بغیر پوچھے دو کمبل پھینک دیتا۔کئی لوگوں نے عادت بنالی تھی کہ روز راستے میں کھڑے ہو جاتے اور مصنوعی طور پر ٹھٹھرتے رہتے وہ تقریبا روز ہی دو کمبل وصول کرتے۔لالہ کیدارناتھ کے کچھ ملازمین کے کہنے کے باوجود لالہ جی نے اپنی سخاوت کو یہ کہتے ہوئے جاری رکھا کہ ''ہماری نیت ہمارے کام ان کی نیت ان کے کام''۔ایک بار لالہ کیدارناتھ مہاراجہ جموں وکشمیر کے پاس گئے مہاراجہ کا ایک بہت اچھا کوچوان تھا جس کا نام سانسی تھا۔کوچوانی کے علاوہ اسے کبوتر بازی کا بھی شوق تھا۔کیدارناتھ کو یہ کوچوان پسند آگیا۔اس نے مہاراجہ سے اس کوچوان کو اپنے گجرات لیجانے کے لیے کہا۔مہاراجہ رضامند ہو گیا لالہ جی نے سانسی کو مذکورہ بگھی کا کوچوان رکھا جس وہ شہر میں خیرات اور کمبل بانٹنے نکلتے تھے۔

لالہ کیدارناتھ بیمار ہوگئے تو گجرات میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ہندو کہتے تھے کہ موصوف ہمارے بڑے سیٹھ ہیں ہم ان کو مرنے کے بعد جلائیں گے اور ان کی سادھی بنائیں گے،جبکہ مسلمان کہتے تھے کہ انہوں نے لالہ کیدارناتھ کو قرآن شریف پڑھتے دیکھا اور سنا ہے اس لئے انھیں جلانے نہیں دینگے۔ادھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے یہ خیالات تھے ادھر قدرت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ڈاکٹروں نے لالہ کیدارناتھ کو آب وہوا کی تبدیلی کیلئے شملہ یا ڈلہوزی جانے کا کہا تو لالہ موصوف نے جواب دیا کہ مجھے کوئٹہ پسند اور اسکی آب وہوا راس ہے۔اسی سلسلے میں تیرہ آدمیوں کا قافلہ کوئٹہ روانہ ہوا۔ان کی کوئٹہ آمد کے تیسرے روز کوئٹہ کے بازار میں ایک فقیر یہ صدا لگاتا سنا گیا ''کوئٹہ والے کوئٹہ سے نکل جاؤ آج کوئٹہ تباہ ہوجائیگا''۔مگر لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا۔قدرت کی کرنی کہ اسی رات کوئٹہ میں زلزلہ آیا اور پورا شہر ملیامیٹ ہوگیا یہ 1935 کا تباہ کن زلزلہ تھا جس میں کیدارناتھ کے بارہ آدمیوں کی نعشیں مل گئیں مگر کیدارناتھ خود اپنی چارپائی سمیت زمین میں سما گیا۔لالہ کیدارناتھ کی ناگہانی وفات پر گجرات کے کئی مقامات پر اسی کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی گئی تھی۔

(حوالہ: نصیرالدولہ نصیر: زندگی یک طرفہ تماشا)

10- گجرات کے اہم مورخین (ڈاکٹر) عبدالغنی جلالپوری

(تحریر ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

ڈاکٹر عبدالغنی ایک نابغہء روزگار شخصیت تھے۔جلالپور جٹاں میں مولوی عبدالصمد کے گھر 1864 میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم جلالپور جٹاں میں اور میٹرک مشن ہائی سکول گجرات سے کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1883 میں

Marfat.com

امتیازی حیثیت سے بی۔اے کیا۔حکومت برطانیہ کی طرف سے وظیفہ ذہانت پر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔سات برس قیام کیا اور وہاں سے ایم۔بی ایل۔آر۔سی۔پی اور ایم۔آر۔سی۔پی کی موقر اسناد حاصل کیں۔وہاں خلافت ترکیہ کی حمایت میں بہت سرگرم رہے اور دارالعوام (House of Commons) میں بحیثیت مبصر انگریزوں کے خلاف فصیحانہ وبلیغانہ تقاریر کرتے رہے جن کا جواب گلیڈ اسٹون سے بھی نہ بن پایا۔اس حق گوئی کی پاداش میں آپ کا وظیفہ بند کر دیا گیا۔انگریزی حکومت نے آپ کو خریدنے کے لیے ایک بڑی جاگیر اور ملازمت کی پیش کش کی جسے آپ نے ٹھکرا دیا۔

1890 میں آپ افغانستان کے امیر عبدالرحمان کے پرائیویٹ انگلش سیکرٹری مقرر ہوئے۔علاوہ ازیں افغانستان میں تعلیم کے فروغ کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی جس کے لیے آپ نے ہندوستان سے اور فضلاء کو بلایا جن میں آپ کے دو بھائی مولوی نجف علی اور مولوی محمد چراغ بھی شامل تھے۔ان لوگوں نے افغانستان کو عمومی تعلیم سے منور کرنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔ڈاکٹر صاحب حبیبیہ کالج کے پرنسپل اور کابل کے چیف میڈیکل افسر بھی تھے۔شہزادہ حبیب اللہ خاں 1900 میں افغانستان کا امیر بنا اور اس نے افغانستان کی پہلی لیجسلیٹو کونسل قائم کی۔ڈاکٹر ایم اے غنی اس کے ممبر تھے۔اس کے بعد بننے والی مجلس شرفا میں بھی آپ شامل تھے۔

ڈاکٹر ایم اے غنی نے تمام ملک میں عمومی تعلیم کا جال پھیلا دیا تھا اور علم سے نفرت کرنے والے افغان اب اس نور سے متعارف ہوتے جا رہے تھے۔اسی دوران 16 اکتوبر 1904 سے 10 ستمبر 1906 تک آپ انجمن حمایت اسلام لاہور کی درخواست پر اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے اور نہایت خلوص سے یہ خدمت انجام دیتے رہے۔(عبدالقدیر نجفی نے اپنی ''تحقیقی کتاب'' ''ڈاکٹر عبدالغنی جلالپوری'' میں یہ عرصہ 1893 سے 1896 بتایا ہے۔جو سراسر غلط ہے۔تفصیل کے لیے صد سالہ تاریخ اسلامیہ کالج ملاحظہ ہو) اس کے بعد آپ دوبارہ افغانستان چلے گئے اور تعلیمی نظام میں مزید وسعت پیدا کی اور افغانستان میں جدید تعلیم کے بانی قرار پائے۔آپ نے امیر کا اعتماد بھی حاصل کر لیا مگر یہ سب دیکھ کر حاسد میدان میں آ گئے اور امیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ڈاکٹر صاحب نے افغانستان میں جمہوری قدروں کے فروغ اور دیگر اصلاحات کے لیے ''مجلس جانثاراں'' قائم کر رکھی تھی۔مخالفین نے امیر سے کہا کہ یہ مجلس حکومت حاصل کرنا چاہتی ہے چنانچہ اس ''سازش'' کے جرم میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے بھائیوں اور ساتھیوں کو قید کر دیا گیا۔جہاں وہ مارچ 1909 سے اپریل 1919 تک ارگ شاہی (کابل) میں جرم بے گناہی کی سزا بھگتتے رہے۔

تا آنکہ امیر امان اللہ خاں نے انھیں رہا کر دیا۔اس کے بعد ڈاکٹر صاحب معاہدہ راولپنڈی میں بھی شریک تھے جس کی رُو سے افغانستان کو برطانیہ سے آزادی ملی۔

ڈاکٹر ایم اے غنی نے قیام افغانستان کے دوران ہندوستان کی آزادی کی خاطر بھی فکری محاذ پر بہت کام کیا۔ان کی لکھی ہوئی کتابیں A review of Political situation in Central Asia اور A Brief Political History of Afghanistan میں برصغیر پاک و ہند کے مستقبل پر نہایت فاضلانہ مباحث موجود ہیں۔آزادی ہند کے لیے آپ نے کابل میں حاجی ترنگ زئی اور شیخ اقبال شیدائی سے مل کر انڈیا انڈیپنڈنس لیگ کی بنیاد رکھی تھی۔آپ نے 8 کتب تاریخ' دینی علوم اور شاعری یادگار چھوڑی ہیں۔

افغانستان سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب تحریک ترک موالات کے تحت قائم ہونے والے آزاد ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے اعزازی ڈائریکٹر کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔پھر جلالپور جٹاں آ گئے اور بقیہ عمر دکھی انسانیت کی خدمت میں گزار دی۔آپ تمام دن مریضوں کا علاج معالجہ کرتے اور شاہانہ کی بجائے اس عوامی زندگی سے لطف اندوز ہوتے۔آپ نے 1943 میں وفات پائی اور قبرستان ٹبہ (جلالپور جٹاں) میں چوٹی پر دفن ہوئے۔قبر کچی ہے کتبہ نصب نہیں اور قبر کی حالت بھی خراب ہے جسے دیکھ کر خیال آتا ہے۔

جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک میں ملا
وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا

مولوی نجف علی عاصی جلالپوری

(تحریر ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

افغانستان کو جدید علوم سے روشناس کرانے میں مولانا نجف علی عاصی اور ڈاکٹر ایم اے غنی نے بنیادی کردار ادا کیا۔عاصی نامور استاد ماہر تعلیم اور فارسی کے پرسوز شاعر تھے۔وہ 1860 میں جلالپور کے ماسٹر عبدالصمد کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم جلالپور جٹاں اور بی۔اے گورنمنٹ کالج سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔اور لاہور ہائی کورٹ میں ہیڈ ٹرانسلیٹر مقرر ہوئے۔1892 میں آپ فرمانِ شاہی کے ذریعے کابل بلائے گئے جہاں آپ کے بھائی ڈاکٹر ایم اے غنی پہلے سے موجود تھے۔مولانا عاصی کو دارالترجمہ کا سربراہ بنایا گیا اور ساتھ تعلیم کی عمومی ترویج کے لیے ذمہ داری سونپی گئی۔عاصی کی حیثیت نگرانِ اعلیٰ مدارس کی تھی۔عاصی سات سال تک شہزادہ امان اللہ کے

Marfat.com

اتالیق بھی رہے اور آپ مجلس قانون مجلس شرفا کے بھی ممبر تھے۔امیر آپ کی رائے کو بڑی اہمیت دیتا تھا۔مگر ان کا یہ مقام دیگر درباریوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا چنانچہ مارچ 1909 میں عاصی برادران سازش کے الزام میں قید کر دیئے گئے۔پھر دادنہ فریاد!

سالہا سال ارگ شاہی کے زندان میں گزر گئے۔آخر 1919 میں امیر حبیب اللہ کے قتل کے بعد شہزادہ امان اللہ کے تخت نشین ہونے پر آپ کو رہائی ملی۔عاصی وطن واپس آ گئے اور بقیہ زندگی جلالپور جٹاں میں سماجی خدمت میں بسر کی۔

مولانا کی کتب میں سیرت النبی ﷺ، الفاروق اور سیرتِ عائشہ کا فارسی ترجمہ، مسدسِ حالی کا منظوم فارسی ترجمہ اور ہدیہ تبریک عید قرباں، تحفہء امانیہ وغیرہ شامل ہیں۔آپ نے 3 رمضان 1369 مطابق 19 جون 1950 کو رحلت فرمائی اور جلالپور جٹاں کے ٹبہ قبرستان کی چوٹی پر آپ کی کچی قبر موجود ہے۔لوحِ مزار نصب نہیں۔

ہربنس مکھیا

عہد حاضر کے عظیم مورخ ہربنس مکھیا ضلع گجرات (موجودہ ضلع منڈی بہاؤالدین) کے ایک گاؤں آہلہ میں (تعلیمی اسناد کے سرکاری دستاویزات کے مطابق) 1939 میں پیدا ہوئے لیکن ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کا سن پیدائش 1937 ہونا چاہئے۔ان کے والد دلیش راج نے جو غالباً مکھیجا خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بعد ازاں مکھیا کہلانا شروع کر دیا تھا ہربنس مکھیا کے مطابق کاش انہوں نے نام میں کوئی بہتر تبدیلی کی ہوتی۔

ہربنس ابھی غالباً چار پانچ سال کے جب ان کے والد 1942 کی ہندوستان چھوڑ دو تحریک میں شرکت کے باعث گرفتار ہو گئے اور ملتان جیل میں قید رہے۔ان کی والدہ 44-1943 کے دوران تپ دق کی بیماری کا شکار ہو کر اور پانچ چھوٹے چھوٹے بچوں (چار بہنیں، ایک بھائی) کو پیچھے چھوڑ کر گزر گئی تھیں۔ہربنس تیسرے نمبر پر تھے۔غالباً انہی دنوں وہ خاندان، گاؤں سے نقل مکانی کر کے دہلی میں دریائے گنج کے فیض بازار کے ایک کٹڑے میں اٹھ آیا تھا۔

آہلہ اب بھی ضلع وتحصیل منڈی بہاؤالدین کا ایک قابل ذکر گاؤں ہے۔مکھیا خاندان 44-1943 میں نقل مکانی کر کے دہلی جا چکا تھا۔دریا گنج کا وہ علاقہ اب سبھاش چندر بوس مارگ کے نام سے معروف ہے۔اس کی مرکزی سڑک پرانی اور نئی دہلی کو ملاتی ہے۔1946 کے اواخر میں ان کے والد نے دوسری شادی کر لی۔خاتون ان کی پہلی کزن تھیں۔ہندو رواج عامہ میں اتنے قریبی رشتے کی شادی کبھی کبھار ہی دیکھنے میں آتی تھی۔بہر حال یہ شادی بھی ایک مختلف لیکن المناک انجام سے دوچار ہوئی۔

ان کے اپنے بقول ہربنس مکھیا خوش قسمت تھے کہ وہ پچاس کے عشرے میں پروان چڑھے جب آزاد ہندوستان میں معاشرے کے نچلے زینوں سے اوپر آنے والوں کے لیے اعلیٰ تعلیم اور ترقی کے دروازے کھل رہے تھے۔اگرچہ ہربنس مکھیا نے معمولی سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کی تھی اس کے باوجود اعلیٰ شہرت کی حامل دہلی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سطح تک پہنچنے کے لیے ان کے راستے کھلے تھے۔1950 کی دہائی کے وسط میں ایک انڈر گریجویٹ کے طور پر یونیورسٹی کے کروڑی مل کالج میں (جو تب ایک چھوٹا اور معمولی کالج تھا) ان کی ملاقات اپنے گرو کنور محمد اشرف سے ہوئی، جو عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے ایک ممتاز مورخ، ایک پرجوش مارکسی اور ہندوستان کی تحریک آزادی کی ایک اہم شخصیت تھے۔ان کی شخصیت نے ہربنس مکھیا پر انمٹ اثرات چھوڑے جو ابھی تک قائم ہیں۔یہ ان کے ہی اثرات تھے کہ ہربنس مکھیا نے عہد وسطیٰ کی تاریخ کو اپنی دلچسپی کا موضوع بنایا جس کے باعث وہ ہندوستانی قوم کو کافی حد تک جان پائے۔حال ہی میں ہندوستان کے چیف الیکشن کمشنر نے انھیں بتایا کہ وہ ان کے شاگرد رہے ہیں۔ان کی سٹڈی میں جو واحد تصویر آویزاں ہے وہ کامریڈ کنور اشرف کی ہے، جس میں وہ ہربنس جی کی رائیٹنگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے ہیں۔وہ خوش قسمت تھے کہ 1960 میں ایم اے کرنے کے بعد وہ اسی کالج میں لیکچرار ہو گئے۔گیارہ سال تک انہوں نے دہلی یونیورسٹی کے تین کالجوں میں پڑھایا۔1971 میں جب جواہر لال نہرو یونیورسٹی قائم ہوئی تو وہ وہاں چلے گئے اور تینتیس سال وہاں تدریس اور تصنیف و تالیف کی سرگرمیوں میں مصروف رہنے کے بعد 2004 میں وہاں سے ریٹائر ہوئے۔

لیکن اس اجمال کی ایک تفصیل بھی ہے ڈاکٹر بلویر اروڑہ کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق، ڈاکٹر ہربنس مکھیا نے 1958 میں بی۔اے کیا اور 1969 میں دہلی یونیورسٹی سے تاریخ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے سنٹر فار ہسٹاریکل سٹڈیز میں وہ عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ کے پروفیسر ہوئے۔انھیں قومی اور بین الاقوامی سطح پر کئی اعزازات سے نوازا گیا جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فیلوشپ آف دی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ سٹڈیز، شملہ 1971

۲۔ ہومی بھابھا فیلوشپ 81-1979

۳۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نیشنل لیکچرر 86-1985

۴۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نیشنل فیلو 93-1991

۵۔ سینئر وزیٹنگ فیلو انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایشین سٹڈیز،

Marfat.com

لائیڈن ہالینڈ 1997

انسان دوستی، رواداری اور امن کے ساتھ تاریخ کے علم کی روشنی پھیلانے والی ان کی متعدد کتابیں جنوبی ایشیا سمیت پوری دنیا میں محبت، شوق اور احترام سے پڑھی جاتی ہیں۔ان کتابوں کے نام ہیں

۱۔ دی مغلز آف انڈیا

۲۔ ریلجن، ریلجسٹی اینڈ کمیونلزم (ان کے علاوہ کتاب کے دوسرے دو مصنفین پرافل بدوائی اور اراچ ونائیک ہیں)

۳۔ فرنچ سٹڈیز ان ہسٹری، دی ان ہیری ٹینس

۴۔ پرسپیکٹوز آن میڈیول ہسٹری (یہ کتاب رشید ملک کے اُردو ترجے کی صورت میں فکشن ہاؤس لاہور سے 2003 میں شائع ہو چکی ہے۔اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام ڈاکٹر ہربنس کھیا کے دوست ڈاکٹر مبارک علی نے کیا تھا)

۵۔ دی فیوڈلزم ڈیبیٹ

۶۔ فرنچ سٹڈیز ان ہسٹری، دی ڈیپارچرز

۷۔ ہسٹوریز اینڈ ہسٹوریوگرافی ڈیورنگ دی رائن آف اکبر

''وہ فیوڈلزم اینڈ نان۔یورپین سوسائٹیز'' کے نام سے ٹی جے بائرز کی کتاب کے ایڈیٹر بھی ہیں۔

ان کے نام سے منسوب ایک کتاب ''ری تھنکنگ اے ملینیئم' ایسیز فار ہربنس کھیا۔پرسپیکٹو آن انڈئین ہسٹری فرام دی اےٹھتھ تو ایٹینتھ سنچری'' جس کے مصنف راجت دتہ ہیں' بھی شائع ہو کر قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہے۔عمر کے اس حصے میں بھی انھیں تحصیل منڈی بہاؤالدین کے اس چھوٹے سے گاؤں کی یادیں عزیز ہیں جس کی مٹی کو دوبارہ چھونے کی ان کی خواہش ابھی تک پوری نہیں ہو سکی۔ 1943-44 میں اپنا گاؤں چھوڑنے کے بعد 1998 میں وہ اپنے دوست اور ممتاز مورخ ڈاکٹر مبارک علی کی دعوت پر صرف پانچ دنوں کے لیے پاکستان آئے۔وہ یہ دیکھنے کے لیے اپنے گاؤں جانے کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ کیا وہ مرغ بادنما والی بڑی سی حویلی ابھی تک موجود ہے؟ لیکن ویزے کی پابندیوں نے ان کی اس معصوم خواہش کو پورا نہ ہونے دیا اور وہ لاہور تک ہی محدود رہے۔ان پانچ دنوں میں ڈاکٹر مبارک علی انھیں لاہور کی ممتاز شخصیتوں' خصوصاً دانشوروں کے گھروں میں لے جا کر ملاتے رہے۔انھیں یہ بات بہت اچھی لگی کہ ماقبل اسلام کے نام مثلاً چاولہ' گریوال اور چوہان وغیرہ مسلمان ناموں کا اب بھی حصہ ہیں۔یہ بات ہندوستان میں اب عنقا ہے لیکن وہ مختلف مذہبی' علاقائی اور لسانی تنوع کو یکجا دیکھنے سے محروم رہے جو ہندوستان میں عام بات ہے۔

ڈاکٹر ہربنس کھیا کے نام کے ساتھ جڑنے کے باعث آبلہ اب ایک عام سا گاؤں نہیں رہا۔اس کی تاریخ نویسی ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ان کی ایک کتاب 'عہد وسطیٰ کا ہندوستان' کے ایک باب کو ان کی تاریخ نویسی کے معیار اور انسان دوست نظریاتی پوزیشن کے ثبوت کے طور پر یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔

(احمد سلیم)

Marfat.com

چھٹا باب

تحریک آزادی اور گجرات

Marfat.com

تحریک آزادی اور گجرات

الف۔ گجرات جیل کے قیدی

پنجاب سوشلسٹ پارٹی اور گجرات جیل

انگریزی راج کے خلاف تحریک آزادی کے سیکڑوں کارکن اور رہنما گجرات کی خصوصی جیل میں قید رہے۔ گجرات جیل میں باقاعدگی سے سٹڈی سرکلز کا انعقاد ہوتا تھا جن میں منشی احمد دین، تلک رج چڈھا، پریم بھوشن اور سوم پرکاش اور دوسرے خطاب کرتے۔ سٹڈی سرکل میں مارکس، لینن، اور اینگلز کے منتخب ورکس کا سرگرمی سے مطالعہ کیا جاتا اور گروپس میں ان پر بحث ہوتی۔ یہ کتب تلک راج چڈھا نے گرفتاری سے قبل خریدیں تھیں اور انہوں نے ہی جیل بھجوائی اور ان کے مطالعہ کی اجازت حاصل کی تھی۔ ان میں سے کچھ کتب کا پریم بشن نے بعدازاں اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ پیپلز وار نعرہ کو قبول کر لینے کے بعد کیمونسٹ ایک کے بعد ایک رہا ہوتے گئے مگر سوشلسٹ مسلسل قید میں رہے۔ گجرات جیل میں ہونے والی مباحث کے نتیجہ میں فیصلہ کیا گیا کہ رہائی کے بعد وہ پارٹی کے لئے کل وقتی کارکن کی حیثیت سے کام کرینگے۔ جیل میں ان سیاسی قیدیوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ رہائی کے بعد سوبھاش چندر بوس کے تشکیل کردہ بنگال رضا کار جتھہ کی طرز پر پنجاب رضا کار جتھہ تشکیل دیا جائیگا۔

کالی چرن کشور، ساجن سنگھ، مارجند پوری، بابا ہرجاپ سنگھ، ماسٹر کابل سنگھ، اوتار سنگھ سدھاجت اور پنڈت جین چند 1945ء کے آخر میں رہا ہو گئے۔ تلک راج چڈھا، پنجاب اسمبلی راولپنڈی کی عام نشست سے کانگریس کے ٹکٹ پر بلا مقابلہ رکن منتخب ہونے کے بعد آٹھ جنوری 1946ء کو رہا ہوئے۔ محمد احمد دین، پریم بھوشن، سوم پرش شیدا، کلتار سنگھ، اور بابا ہری سنگھ سوندھا 23 فروری 1946ء کو رہا ہوئے۔ کبیر سنگھ کو میو ہسپتال سے رہا کیا گیا جس کا وہاں علاج جاری تھا۔ یہ امن عامہ کے قیدیوں کا آخری جتھہ تھا جو پنجاب کی جیل سے رہا ہوا۔ رہائی کے بعد تلک رام پنجاب قانون ساز اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے ملنے والی رہائش گاہ پر منتقل ہوئے 'جو سی ایس پی (کانگرس سوشلسٹ پارٹی) پنجاب کا ہیڈ کوارٹر بن گئی اگرچہ بریڈ لاج ہال لاہور ہمیشہ سے سی ایس پی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ باقی کامریڈوں کی رہائی تک تلک راج پہلے ہی مختلف جگہوں پر کام کرنے والے کامریڈوں سے رابطے کر چکے تھے۔ ساجن سنگھ مارجند پوری بھی کانگریس کے ٹکٹ پر انتخاب لڑ رہے تھے اور گجرات جیل میں سوشلسٹ گروپ میں شمولیت اختیار کر چکے تھے۔ پورے صوبے سے پارٹی کارکنوں کو ان کی انتخابی مہم کیلئے بھجوایا گیا۔ پارٹی نے ساجن سنگھ مارجند پوری کی افرادی قوت اور مالی مدد کی فراہمی کے حوالے سے بھرپور مدد کی اور ساجن سنگھ مارجند پوری مناسب ووٹوں سے انتخاب جیت کر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے ایس تلک جھوں نے ستمبر 1942 میں برما سرحد پار کی تھی اور جو آزاد ہند ریڈیو کے ڈائریکٹر کی حیثیت کے ساتھ ساتھ آزاد ہند حکومت میں سیکرٹری دفاع کے طور پر بھی خدمات انجام دے رہے تھے انہوں نے بھی گجرات جیل سے رہائی کے بعد فروری 1946 میں پنجاب کانگرس سوشلسٹ ورکرز کونسل میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ وہ بھی کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں پارٹی کی تنظیم نو اور کارکنوں کی کارکردگی اور کامیابیوں کا تفصیلی احاطہ اہم ایجنڈا تھا۔ پنجاب رضا کار جتھہ کی بنیاد گجرات جیل میں رکھی گئی اور سوبھاش چندر بوس کی بنائی بنگال رضا کار جتھہ کی طرز پر پنجاب رضا کار جتھہ بنانے کے منصوبے پر پنجاب کانگرس سوشلسٹ ورکرز کونسل کی صورت میں رہائی کے بعد کامریڈوں نے عمل کیا۔

(Unsung torch bearers : punjab congress socialists by K.L. Johar .Dehli 1991)

ب۔شخصیات

ابوسعید العربی عرف محمد یوسف

ابوسعید العربی ضلع گجرات کے گاؤں ڈھلیاں سے تعلق رکھتے تھے جو ڈنگہ پولیس اسٹیشن کی حدود میں واقع تھا۔ انکے والد کا نام مولوی نیک عالم تھا جو امام مسجد تھے۔ ابوسعید نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور بچپن میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا۔ بعدازاں انہوں نے اسلامیہ مدرسہ دہلی میں مذہبی تعلیم حاصل کی۔ وہیں ایک امیر سیٹھ نے انھیں دینی تعلیم کیلئے معلم رکھا۔ آٹھ ماہ تک بطور دینی معلم خدمات سرانجام دینے کے بعد وہ فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے مکہ چلے گئے اور مذہبی زیارتوں کے لئے مدینہ اور بغداد کا سفر کیا۔ بعدازاں انہوں نے اسی سیٹھ سے رنگون میں چاول کی تجارت کیلئے پارٹنرشپ کر لی۔ 3-1902 میں وہ دہلی میں تھے جب انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں سنا اور وہ پکے قادیانی بن گئے۔ 1908ء میں وہ رنگون چلے گئے جہاں وہ اگلے سال 1909ء میں پنجاب ایسوسی ایشن کلب کے سیکرٹری بنے۔ جب رنگون میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی تو وہ بھی

Marfat.com

رنگون میں موجود تھے۔ انہوں نے کانفرنس کے انعقاد میں سرگرم کردار ادا کیا۔ کانفرنس میں شرکت کیلئے دوسرے علاقوں سے آنے والے وفود کے کھانے اور رہائش کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مارچ 1912ء میں ترپیولین جنگ کے آغاز پر وہ مصر کے راستے ترپیولی چلے گئے۔ قاہرہ میں وہ مشہور قوم پرست محمد انیس بیگ کے مہمان رہے پھر وہ درنا گئے اور قبائلی سربراہان سے ملاقاتیں کیں۔ قسطنطیہ میں وہ پان اسلام ازم کے حوالے سے معروف رہنما عبدالعزیز شاوش سے منسلک ہوئے۔ انہوں نے ہندوستان میں برطانوی راج کے مخالف کی حیثیت سے وہاں کے قوم پرست حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ ظفر علی خان کے مداح تھے جنہوں نے 1913 میں ترکی اور مصر کا دورہ کیا۔ اسی سال انہوں نے بجنور کے مدینہ اور زمیندار اخبار میں پان اسلام ازم کی حمایت میں مضامین تحریر کیے۔ مئی 1914ء میں انہوں نے جہانِ اسلام کے نام سے ایک اخبار شروع کیا جو پان اسلام اور برطانوی راج مخالف رجحانات کا حامل تھا۔ اس اخبار پر 1914 میں پابندی عائد کر دی گئی۔ یہ اخبار پہلے قسطنطنیہ سے شائع ہوتا تھا۔ اپنے اخبار کے چودہ مارچ کے شمارہ میں ابوسعید نے تحریر کیا کہ لندن میں بمباری کرنے والے کمانڈر کو انہوں نے میڈل دیا۔ تاہم بغداد پر قبضہ کے بعد ابوسعید فرار ہو کر قسطنطنیہ چلے گئے۔

(Punjab political :who is who.. surperintendent govt of panjab ,1921)

ارجن سنگھ

ارجن سنگھ 1900 میں ضلع گجرات کے علاقے بوسال میں پیدا ہوئے۔ ارجن سنگھ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور اس نے پیشہ ورانہ زندگی کی ابتدا سرکاری ملازمت سے کی اور محکمہ زراعت میں آئی اے کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ بعد ازاں ہندوستان کی تحریک آزادی میں شامل ہو گئے اور ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ انھیں 1920 میں ایک سال سزائے قید ہوئی۔ انہوں نے یہ قید کرن پور میں کاٹی۔

اروڑا

اروڑا گجرات سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن پر بھی گجرات میں امن عامہ خراب کرنے کے الزام میں آئی پی سی کی دفعات 121 اور 147 کے تحت مقدمہ بنایا گیا جس میں انھیں عمر قید اور جائیداد کی ضبطی کی سزا ہوئی۔ مارشل لاء کمیشن نے مقدمہ کی سماعت کے بعد سات مئی 1919 کو مقدمہ کا فیصلہ سنایا بعد ازاں حکومت نے مارشل لاء کمیشن کی سنائی گئی اس سزائے موت میں تین سال کی کمی کر دی۔

احسن علی

احسن علی ضلع گجرات کی تحصیل جلالپور جٹاں کے رہائشی بہادر علی کے بیٹے تھے۔ جلالپور جٹاں فسادات کیس میں احسن علی پر بھی مقدمہ بنا اور مارشل لاء کمیشن نے مقدمہ کی سماعت کے بعد آٹھ مئی 1919 کو 124 اور APC-149 سی کے تحت انھیں تین سال قید کی سزا سنائی۔ کمیشن کی سنائی سزا میں بعد ازاں حکومت نے چھ ماہ کی کمی کر دی۔

احمد خان

احمد خان کا تعلق گجرات کے قصبہ کنجاہ سے تھا۔ وہ انڈین نیشنل آرمی کی سگنل کور کی اٹھائیس بریگیڈ میں لانس نائیک تھا۔ اس نے حوالدار کی حیثیت سے آئی این اے کی تھرڈ انفنٹری رجمنٹ میں شمولیت اختیار کی۔ احمد خان بھی امپالہ کے محاذ پر شہید ہوئے۔

احمد شفیع

احمد شفیع ضلع گجرات کے گاؤں ملکوال سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام غلام محی الدین تھا۔ ان پر ملکوال میں تار کاٹنے کا مقدمہ بنا جس میں مارشل لاء کمیشن نے انھیں چھ ماہ قید کی سزا سنائی۔ انھیں اس مقدمہ میں سترہ جون 1919 کو سزا سنائی گئی اور اس سزا میں حکومت کی طرف سے بعد ازاں کوئی کمی نہیں کی گئی۔

الہ دین

الہ دین کے والد کا نام محکم دین تھا جو گجرات کے گاؤں ملکوال سے تعلق رکھتے تھے۔ الہ دین کے خلاف بھی سترہ مئی 1919 میں مارشل لاء کمیشن نے فیصلہ سناتے ہوئے چھ ماہ کی سزائے قید سنائی۔ الہ دین پر بھی تار کاٹنے کا مقدمہ بنایا گیا تھا، جس کی سماعت کرتے ہوئے مارشل لاء کمیشن نے تعزیرات ہند کی دفعہ 121 کے تحت یہ سزا سنائی۔

Marfat.com

امر سنگھ

امر سنگھ کا تعلق ضلع گجرات کے علاقہ کنجاہ سے تھا۔انہوں نے 1919 کے رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک میں بھر پور حصہ لیا۔انھیں اٹک، ملتان اور راولپنڈی جیلوں میں ایک سال اور آٹھ ماہ تک قید رکھا گیا۔پانچ جولائی انیس سوچھپن میں امر سنگھ کا انتقال ہوا۔

امرناتھ

امرناتھ گجرات کے رہائشی نہال چند کے بیٹے تھے۔گجرات کے فسادات کے مقدمہ میں امرناتھ کو بھی ملزم قرار دیا گیا اور آئی پی سی کی فعہ ایک سو کیس اور ایک سو سنتالیس کے تحت عمر قید اور جائیداد ضبطی کی سزا سنائی گئی۔مارشل لاء کمیشن نے مقدمہ کا فیصلہ سات مئی 1919 کو سنایا بعد میں حکومت نے مارشل لاء کمیشن کی سنائی گئی سزائے موت میں دو سال کی کمی کر دی تھی۔

اندراپرکاش آنند (لالہ موسیٰ)

اندر پرکاش آنند 14 جون 1916 کو لالہ موسیٰ میں پیدا ہوئے۔اندر پرکاش کے والد لالہ میلہ رام آنند ایک روشن خیال شخص تھے جو اپنے بیٹے کو ممکن حد تک بہترین تعلیم سے آراستہ کرنے کے خواہاں تھے۔اندراپرکاش آنند نے ڈی ایس ہائی سکول لالہ موسیٰ سے میٹرک پاس کرنے کے بعد ڈی ایس کالج لاہور سے گریجویشن کیا اور پھر ڈی اے وی کالج لاہور سے ایم اے اکنامکس کی ڈگری حاصل کی۔

اندر پرکاش آنند نے دور طالب علمی سے ہی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔مرکزی اسمبلی میں بم دھاکے، سول نافرمانی کی تحریک اور انقلابی سرگرمیوں کے ابھار کے اثرات سے وہ سرگرم سیاسی کارکن بن گئے۔تیس کی دہائی کے اواخر میں جب وہ لاہور میں معلمی اور تحقیق سے وابستہ تھے انہوں نے مرکزی اور صوبائی سطح پر مشکل حالات میں اہم کردار ادا کیا اور دہلی، واردھا اور پشاور کے درمیان تسلسل کے ساتھ سفر کرتے رہے۔ایک فرم میں ملازمت ملنے کے بعد 1940 وہ کلکتہ منتقل ہو گئے اور برما، ملائشیا اور انڈونیشیا سے آنے والے ہندوستانی مہاجرین کی بحالی کے امدادی کاموں میں مصروف رہے۔زیر زمین کانگرس سوشلسٹ رہنماؤں کو اندراپرکاش آنند کی صورت میں ایک قابل اعتبار کارکن ملا جس کے رابطوں کو وہ کئی خفیہ مشنوں میں استعمال کرتے رہے۔اندراپرکاش کی کلکتہ میں رہائش گاہ زیر زمین کانگرس سوشلسٹ پارٹی کے کارکنوں کی سرائے تھی جو پارٹی کی سرگرمیوں کے لئے فنڈ جمع کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔انھیں ہندوستان چھوڑ دو تحریک کے رہنما جے پرکاش نرائن کی میزبانی کا بھی شرف حاصل ہوا۔ہزاری باغ جیل سے فرار کے بعد نو ماہ تک جے پرکاش نرائن عموماً اپنی دھکوڑیا جنوبی کلکتہ والی رہائش گاہ سے ہی پارٹی سرگرمیوں کی قیادت کرتے رہے جبکہ اندار پرکاش آنند یو پی اور بہار کے زیر زمین رہنماؤں اچیوت پٹواردھان، ڈاکٹر رام منوہر لوہیہ، اور دیگر رہنماؤں کے جے پرکاش نارائن سے رابطوں کی ذمہ داری سرانجام دیتے رہے۔انہوں نے ''کرو یا مرو'' مشنوں سے تعلق رکھنے والے زیر زمین کانگرس سوشلسٹ کارکنوں کو فنڈ ز، فیلڈ رابطوں، تحریری مواد اور طباعت شدہ مواد کے علاوہ میڈیکل و دیگر امداد فراہم کرنے کی بھی ذمہ داری ادا کی۔

ڈاکٹر بی سی رائے کے مکمل آرام کے مشورہ پر جے پرکاش نارائن نے 1943 میں کشمیر جانے کا فیصلہ کیا تو جے پرکاش اور اندراپرکاش آنند دہلی پہنچے جہاں سے انھیں سرینگر جانے کیلئے راولپنڈی کی طرف روانہ ہونا تھا۔راولپنڈی میں اندراپرکاش آنند نے اے آئی کا پر سے رابطہ کیا۔ اندراپرکاش اس وقت راولپنڈی میں موجود تھے جب جے پرکاش نارائن کی گرفتاری ہوئی۔ایک ہفتہ بعد اندراپرکاش آنند کو بھی شملہ میں گرفتار کر لیا گیا انھیں قلعہ لاہور اور امرتسر جیل میں قید رکھا گیا جہاں ان سے تفصیلی پوچھ گچھ کی گئی بعد ازاں انھیں ڈیرہ غازی خان اور ملتان کی جیلوں میں ''سیکیورٹی قیدی'' کے طور پر رکھا گیا اور پھر نومبر 1945 میں ان کی رہائی ہوئی۔اگرچہ اندراپرکاش آنند نے کبھی بھی کانگرس سوشلسٹ پارٹی میں باقاعدہ رکنیت حاصل نہیں کی مگر مشکل دنوں میں اس نے کسی بھی سرگرم پارٹی کارکن سے زیادہ کردار ادا کیا۔تقسیم ہند کے بعد اندراپرکاش آنند نئی دہلی منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے اپنی صنعت لگائی اور خوشحال زندگی گزاری۔

(Unsung torch bearers : punjab congress socialists by K.L. Johar .Dehli 1991)

بسنت سنگھ

بسنت سنگھ گجرات کے گاؤں لنگاں والی سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے بھی بھائی پھیرو مورچہ میں بھر پور حصہ لیا مگر اُن پر کوئی مقدمہ نہیں بنا اور نہ ہی سزا ہو

Marfat.com

سکی۔

بھگوتی چرن وہرہ

بھگوتی چرن وہرہ کا تعلق ضلع گجرات کے ایک برہمن خاندان سے تھا لیکن وہ خود لاہور میں پیدا ہوئے کیونکہ ان کے والد رائے صاحب پنڈت شوچرن ریلوے ملازمت کے سلسلے میں لاہور میں تعینات تھے۔ان کی شادی درگا دیوی سے ہوئی تھی جنہوں نے تحریک آزادی اور پنجابی کی انقلابی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔ بھگوتی چرن نے نیشنل کالج (جو ریٹی گن روڈ لاہور کے مشہور بریڈلا ہال میں قائم تھا اور جس کے پرنسپل انقلابی چھبیل داس تھے) سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔اسی دوران وہ انقلابی سرگرمیوں کی طرف راغب ہوئے۔ بھگت سنگھ اور سکھدیو کے ساتھ مل کر انہوں نے روسی انقلابیوں کی طرز کا ایک سٹڈی سرکل قائم کیا۔

اس انقلابی گروپ نے 1927 میں نوجوان بھارت سبھا کی بنیاد رکھی۔ بھگوتی چرن اس تنظیم کے پروپیگنڈہ سیکرٹری مقرر ہوئے۔بھگوتی چرن اور بھگت سنگھ دونوں نے پنجاب کا ایک تفصیلی دورہ کیا' لیکچر دیئے اور ہندوستانی انقلابیوں کی زندگیوں کے بارے میں سلائیڈز دکھائیں۔گوالمنڈی لاہور میں بھگوتی چرن وہرہ کا گھر انقلابیوں کی ملاقاتوں کا ایک اہم مرکز تھا۔ جب سائمن کمیشن کی لاہور آمد کے خلاف جلوس نکلا تو پولیس نے جلوس پر وحشیانہ لاٹھی چارج کیا جس کے نتیجے میں لالہ لاجپت رائے' جو جلوس کی قیادت کر رہے تھے' زخمی ہو گئے۔نوجوان انقلابیوں نے اس واقعہ کو پورے ہندوستان کی توہین تصور کیا۔کچھ روز بعد جب بزرگ رہنما کا انتقال ہو گیا تو انقلابی پارٹی نے ان کی موت کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔ بھگوتی چرن لاٹھی چارج کے ذمہ دار پولیس افسر کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی میں پیش پیش تھے۔ وہ لیجسلیٹو اسمبلی آف انڈیا دہلی میں بی کے دت اور بھگت سنگھ کے بم پھینکنے کی کارروائی کے منصوبے میں بھی شریک رہے تاکہ ''بہرے کانوں تک ہندوستان کی آزادی کی بات پہنچائی جاسکے۔انہوں نے دہلی کے نزدیک وائسرائے کی ریلوے کوچ کو اڑانے کی بھی ناکام کوشش کی۔ جب بھگت سنگھ اور ان کے دو ساتھیوں کو موت کی سزا سنائی دی گئی تو 1930 میں بھگوتی چرن اور ان کے دوستوں نے بھگت سنگھ' راجگورو اور سکھدیو کو لاہور جیل سے چھڑا کر لے جانے کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔اس کارروائی کے لیے یکم جون 1930 کا دن مقرر کیا گیا۔ان کی یہ کوششیں کامیاب ہو جاتیں لیکن کارروائی سے صرف تین دن پہلے دریائے راوی کے کنارے بم ٹیسٹ کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں میں پھٹ گیا اور وہ شہید ہو گئے۔درگا بھابھی نے چند سال قبل اپنی وفات سے پہلے اس سانحہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ان کے زخمی ہونے کی اطلاع ملنے پر درگا اور بعض دوسرے ساتھی انھیں ہسپتال لے جانے کے لیے پہنچے لیکن بھگوتی چرن نے انھیں بتایا کہ اب ان کا بچنا مشکل ہے اس لیے وہ انھیں اسی حالت میں چھوڑ کر چلے جائیں اور پوری انقلابی پارٹی کو خطرے میں نہ ڈالیں۔درگا بھابھی اور ساتھی انھیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے لیکن بھگوتی چرن کے مجبور کرنے پر انھیں جانا پڑا۔ کافی دیر بعد جب کچھ ساتھی دوبارہ انھیں دیکھنے آئے تو وہ شہید ہو چکے تھے۔

بھگوتی چرن کی موت کے بعد ان کا مشن درگا بھابھی اور دوسرے ساتھیوں کی صورت میں جاری رہا۔کچھ عرصہ بعد درگا نے پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر میلکم ہیلے پر قاتلانہ حملہ کیا جس میں وہ بچ گیا۔ایک برہمن خاندان سے تعلق کے باوجود بھگوتی چرن وہرہ ہر طرح کے مذہبی تعصب سے بلند تھے۔انہوں نے اپنی مختصر زندگی میں ہمیشہ ہندو۔مسلم اتحاد کے لیے کام کیا۔گجرات ان کا آبائی شہر تھا لیکن زندگی میں گجرات آنے جانے یا وہاں انقلابی رابطے قائم کرنے کے حوالے سے معلومات موجود نہیں ہیں۔

(حوالہ: احمد سلیم' بھگت سنگھ۔ زندگی اور خیالات' کراچی' 1986 '

Fauja Singh, Eminant Freedom fighters of Pujnab, Patiala, 1972

گرشرن سنگھ' نوتیج سنگھ' پنجاب یاداں دے جھروکے چوں' درگا بھابھی (انٹرویو) پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ'2006)

بھچا سنگھ

بھچا سنگھ گجرات کے گاؤں ٹانڈا کے رہائشی تھے' جنہوں نے بھائی پھیرو مورچہ میں حصہ لیا تھا اور پندرہ جون 1924 کو گرفتار کر لیا گیا۔انھیں چھ ماہ قید اور پچاس روپے جرمانہ کی سزا سنائی گی۔

چرن سنگھ

چرن سنگھ' گوکل سنگھ اور پچھمن کور کی اولاد تھے' موضع ڈنگا' ضلع گجرات' میں پیدا ہوئے۔ 1921 کے ننکانہ صاحب کے مورچے میں شرکت کی۔ 21 فروری 1921 کو ننکانہ صاحب پر پولیس کی فائرنگ کے نتیجے میں شہید ہو گئے''

(حوالہ: پی این چوپڑا' شہیدان آزادی' جلد دوم' قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان' نئی دہلی' 1998)

Marfat.com

حاتم علی

چدھیریکن کلاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا۔ ملایا میں آزاد ہند فوج میں شمولیت اختیار کی اور برطانوی فوج سے جنگ آزما رہے۔ حکومت نے انھیں گرفتار کرلیا۔ اسی دوران یکم نومبر 1946 کو وہ لکھنو کے ایک ہسپتال میں انتقال کر گئے۔

حوالہ: پی این چوپڑہ' شہیدان آزادی' جلد دوم' نئی دہلی 1998 اویس قرنی' مسلم جاں نثاران وطن' جن کو ہم بھول گئے' لکھنو 1998)

سید حبیب شاہ

حبیب اللہ شاہ کشمیری قوم سے تعلق رکھنے والے جلالپور جٹاں گجرات جیل کے ریٹائرڈ ہیڈ وارڈن سعداللہ شاہ کے فرزند تھے۔ حبیب اللہ شاہ نے مڈل تعلیم جلالپور جٹاں اور میٹرک کا امتحان سچیت مشن سکول وزیر آباد سے پاس کیا۔ 1909ء میں انہوں نے جموں مشن سکول میں بطور استاد ملازمت اختیار کی۔ انہوں نے جموں سنٹرل آفس میں بحیثیت انسپکٹر بھی چند ماہ ملازمت کی۔ 1912ء میں وہ صحافی بننے کے لیے لاہور چلے گئے۔ پہلے پہل لاہور کنٹونمنٹ کے علاقے میں ایک میڈیکل سٹور پر کلرک کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی اس دوران وہ پیسہ اخبار کے ایڈیٹر سید جالب سے صحافتی امور سیکھتے رہے، سید جالب دہلی سے تعلق رکھتے تھے۔ 1913 میں سید حبیب شاہ کشمیر میگزین کے چار پانچ ماہ تک ایڈیٹر رہے۔ پھر انہوں نے تہذیب نسواں اور پھول میگزین میں بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر خدمات سرانجام دیں۔ اسی دوراں وہ سول سروس سیکرٹریٹ میں تین ماہ تک بطور ٹرانسلیٹر بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1914 میں وہ راولپنڈی میں سپاہی کلرک تھری کمپنی ہانگ کانگ سنگاپور بٹالین میں بھرتی ہوگئے اور ہانگ کانگ چلے گئے مگر دو ماہ بعد ہی ملازمت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ہانگ کانگ سے مالے چلے گئے۔ اسی دوران وہ پیانگ میں تھے جب سنگاپور میں انفنٹری پندرہ میں بغاوت پھوٹ پڑی ان کا سنگاپور میں کردار مشکوک رہا اور وہ بغاوت کی وجوہات جاننے کے لئے کوشاں رہے انھیں گرفتار کرلیا گیا اور جولائی 1915ء میں کلکتہ لاکر علی پور جیل میں رکھا گیا پھر انھیں پنجاب منتقل کر دیا گیا اور رہائی کے بعد ان گریس آرڈیننس کے تحت گاؤں تک محدود کر دیے تھے۔ نومبر 1915 میں ان کی نقل وحمل پر پابندی کے احکامات منسوخ ہوئے تو انہوں نے دوبارہ صحافت شروع کردی اور کشمیر میگزین کے دفتر میں کچھ ماہ کام کیا۔ انیس سو سولہ میں انہوں نے غلام حسین کے اخبار میں بطور ٹرانسلیٹر کام شروع کیا۔ جب یہ اخبار بند ہوا تو انہوں نے میسرز جے بی مرزا اینڈ کمپنی کولوتالا کلکتہ میں بطور کلرک ملازمت اختیار کرلی۔ 1917 میں حبیب شاہ نے ڈاکٹر ترمذی سے اس کا اخبار ترمذیز خرید اگر بعد ازاں بنگال حکومت کی طرف سے پروپرائٹر کی ضمانت زرادانہ کرنے میں ناکامی کے باعث اس اخبار کی اشاعت بند کردی۔ تاہم انہوں نے نقاش کی اشاعت شروع کردی گئی۔ جس میں شائع ہونے والے انگریز راج مخالف اور جنگ مخالف مواد نے پنجاب کو مشتعل کردیا جس پر حکومت پنجاب نے نقاش کی صوبہ میں تقسیم پر پابندی عائد کردی۔ اس اخبار کی سرکولیشن شدید متاثر ہوئی۔ پنجاب میں نقاش کا داخلہ بند ہونے کے بعد حبیب شاہ نے ایک اور اخبار شائع کیا اور اخبار شائع کرنے کے ساتھ ساتھ فسادات میں متاثر ہونے والے مسلمانوں کی امداد کیلئے فنڈز اکٹھا کرنے میں سرگرم کردار ادا کیا۔ حبیب شاہ نے جلسے منعقد کیے جن میں وہ برطانوی راج کی مخالفت میں کھل کر اظہار خیال کرتے تھے۔ ان کی چلائی جذباتی مہم کا نتیجہ یہ نکلا کہ ستمبر 1918 میں کلکتہ کے مسلمانوں میں اشتعال پھیل گیا۔ جس پر بنگال حکومت نے انھیں علاقہ بدر کردیا۔ ان کو اپنے گاؤں میں نظر بند کیا گیا مگر یہ نظر بندی جنوری 1919 میں ختم کردی گئی۔ حبیب شاہ نے اس آزادی کا پھر فائدہ اٹھایا اور انتہا پسند سیاسی سرگرمیاں دوبارہ شروع کردیں۔ وہ مارچ 1919 میں پھر لاہور منتقل ہوگئے اور سیاست کے نام سے اخبار کا اجراء کیا۔ اس دوران انہوں نے رولٹ بل کیخلاف تحریک میں سرگرم کردار ادا کیا اور لاہور کے بریڈلا ہال میں ہونے والے جلسہ میں اس کی اشتعال انگیز تقریر پر حکومت نے ان کے عوامی اجتماعات میں خطاب اور کسی قسم کا سیاسی نوعیت کا مواد شائع کرنے پر پابندی عائد کردی۔ حبیب شاہ نے ان احکامات کی خلاف ورزی کی کوشش کی تو انھیں ایک بار پھر آبائی گاؤں میں نظر بند کر دیا گیا۔ پابندیاں ختم ہونے کے بعد انہوں نے دوبارہ اخبار 'سیاست' کو فعال کیا اور خلافت مزاحمت میں سرگرم ہوگئے۔ ستمبر 1920 میں نظام حیدرآباد کی طرف سے خلافت ایجی ٹیشن کو روکنے کیلئے اقدامات پر تنقید لکھنے کے باعث حکومت نے پریس آرڈیننس کے تحت سیاست اخبار کے پرنٹر کی پانچسو روپے زرضمانت ضبط کر لی گئی اور از سرنو دوہزار روپے زرضمانت طلب کرلی۔ اخبار کی دوہزار روپے کی تازہ زرضمانت حکومت کو جمع کرائی گئی اور اب اخبار اپنے پریس سے شائع ہونے لگا۔ حبیب شاہ کو خلافت کمیٹی کا سرگرم رکن اور برطانوی حکومت کی نظر میں انتہائی خطرناک احتجاجی قرار دیا گیا۔ انہوں نے سودیشی اور عدم تعاون کی تحریک میں سرگرمی سے شرکت کی۔ حبیب شاہ آل انڈیا کانگریس کے رہنما موہن داس گاندھی کے بہت بڑے مداح تھے۔

Marfat.com

درشن سنگھ

درشن سنگھ ضلع گجرات کے علاقہ منڈی بہاؤ الدین سے تعلق رکھتے تھے۔
انہوں نے بھائی پھیرو مورچہ میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ انھیں تین جنوری 1924 کو گرفتار کیا گیا اور چار فروری کو بھائی مورچہ کیس میں ایک سال قید اور جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔

دیوی المعروف بدھا

دیوی المعروف بدھا گجرات کے رہائشی بندرا بان کے بیٹے تھے۔ ان پر بھی گجرات میں امن عامہ خراب کرنے اور فسادات میں ملوث ہونے کا مقدمہ بنا۔ انھیں دہلی، حصار اور دیگر جیلوں میں رکھا گیا۔

دھر ما سنگھ

دھر ما سنگھ گجرات کے گاؤں پکھیر رالی میں 1896 میں پیدا ہوئے اور زمینداری سے وابستہ تھے۔ انہوں نے بھائی پھیرو مورچہ میں بھرپور شمولیت کی اور چھ ماہ تک قید رہے۔ انھیں ملتان جیل میں قید رکھا گیا۔

دھنپت رائے

دھنپت رائے گجرات کے ایک سنار کی اولاد تھے۔ اور پولیس ریکارڈ میں ایک برے کردار کے حامل تھے 1905 میں دھنپت رائے نے اپنا گھر اور شہر چھوڑا اور امرتسر میں جا کر ٹرنک بیچنے کا کاروبار شروع کر دیا۔ 1910ء میں وہ بمبئی چلے گئے اور پھر ایک سال بعد یہ بندرابان سے رابطوں کے حوالے سے پولیس کے نوٹس میں آئے۔ انہوں نے خود کو امرتسر پولیس کے سپرنٹنڈنٹ کے حوالے کرتے ہوئے اقرار کیا کہ انھیں یہ پمفلٹ سابق پولیس اہلکار بندر بان نے دیئے تھے بعد ازاں دوران تفتیش یہ انکشاف ہوا کہ دھنپت اور بندر بان گہرے دوست تھے اور آپس کے جھگڑے کے بعد دونوں ایک دوسرے کیخلاف پولیس کو آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد دھنپت رائے غائب ہو گئے! یوں کافی عرصے تک اس کے بارے کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کیا کر رہے ہیں۔ بعد ازاں 1914ء میں پولیس کو ان کا لاہور میں سراغ ملا جہاں وہ بجلی اخبار سے وابستہ تھے۔ پھر وہ لاہور کے ایک کیمسٹ مہنت چرن داس اینڈ سنز کے ٹریولنگ ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور ایک سفر میں باغیانہ اور شرانگیز بات چیت کرتے پائے گئے۔ جس کے بعد انھیں پنجاب حکومت نے حفظ ماتقدم کے طور پر گجرات حدود سے باہر نہ جانے کا پابند کر دیا بعد ازاں جنوری 1919 میں آزادی ملی تو ایک بار لاہور میں کیمسٹ کی سابقہ ملازمت کرنے لگے۔ پابندی نے ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا نھیں کی۔ حکومت پنجاب کی رپورٹس میں ان کے بارے میں درج ہے کہ وہ کم حیثیت کے مالک تھے اور ان کے لاہور اور امرتسر کے خطرناک مزاحمتی عناصر سے تعلقات تھے۔

(Punjab political :who is who.. surperintendent govt of panjab ,1921)

رام صبائی

رام صبائی کا آبائی علاقہ جلالپور جٹاں ضلع گجرات تھا۔ بعد میں وہ حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ رام صبائی کے والد کا نام حاکم چند تھا جو کھتری قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ رام صبائی نے صرف مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ لیکن ان کا اُردو کے حوالے سے مطالعہ اور علم وسیع تھا۔ وہ شاعری بھی کرتے تھے۔ رام صبائی کا تعلق آریہ سماج سے تھا اور وہ حافظ آباد میں آریہ سماج کے اجلاسوں میں سرگرمی سے شریک ہوتے۔ رام صبائی کو حافظ آباد میں حکومت مخالف سرگرمیوں کی بنا پر گرفتار کر کے قید کی سزا دی گئی جو بعد میں کم کر کے ایک سال کر دی گئی۔ (سی آئی ڈی فائلز نمبرز 5955 ایس بی)

سردار سنگھ

ضلع گجرات کے موضوع بھروال میں پیدا ہوئے۔ ہندوستانی فوج کی سگنل کورپس میں سپاہی تھے۔ جاپان کے ہاتھوں برطانوی فوجوں کی شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور جاپانی فوج کی پیشکش پر آزاد ہند فوج میں پہلے سگنل ڈویژن میں لانس نائیک کے طور پر شامل ہو گئے۔ ملایا میں انتقال کیا۔ (حوالہ: پی این چوپڑہ' شہیدان آزادی' جلد دوم' نئی دہلی' 1998)

Marfat.com

سوشیلا دیوی

سوشیلا دیوی، جن کا تعلق گجرات (پنجاب) سے تھا، بھگت سنگھ کی ایک انقلابی ساتھی تھیں۔ ان کے سن پیدائش کے متعلق معلوم نہیں ہوسکا۔ ان کے چھ بہن بھائی لاہور میں زیر تعلیم تھے جب بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں نے 1928 میں انگریز پولیس افسر کو ٹھکانے لگادیا اور بھیس بدل کر لاہور سے لکھنو اور لکھنو سے کلکتہ پہنچے۔ گاڑی میں فرسٹ کلاس کے ڈبے میں ان کے ساتھ بھگوتی چرن وہرہ کی بیوی درگا دیوی اور ان کے بیٹے نے ایک خاندان کے طور پر سفر کیا۔ ان کے دوسرے انقلابی ساتھی راجگو رو ان کے نوکر کے طور پر عام ڈبے میں بیٹھ گئے۔ چندر شیکھر آزاد بھی رام نامی چادر پہن کر اسی گاڑی سے نکلے تھے۔

ان دنوں سوشیلا دیوی کولکتہ (کلکتہ) میں تھیں اور بھگت سنگھ سے ان کا رابطہ تھا۔ لکھنو سے انہوں نے اپنے آنے کا تار بھیج دیا۔ سوشیلا دیوی انقلابیوں کی ہمدرد تھیں۔ کولکتہ میں وہ سیٹھ چھجو رام کی بیٹی کو ٹیوشن پڑھاتی تھیں اور اپنی ٹیوشن کی آمدنی میں سے کچھ پیسے لاہور کے انقلابیوں کو بھی بھیج دیا کرتی تھیں۔ درگاہ بھابھی کے شوہر بھگوتی چرن وہرہ، جو خود بھی گجرات سے تعلق رکھتے تھے ان دنوں سوشیلا دیوی کے مہمان تھے۔ جب سوشیلا دیوی کو بھگت سنگھ کا تار ملا انہوں نے بھگوتی جی کو بھی بھگت سنگھ کی آمد کا بتادیا۔ سٹیشن پر دونوں اپنے انقلابی مہمانوں کو لینے آگئے۔ انھیں اس بات کی خبر نہیں تھی کہ بھگت سنگھ کے علاوہ اور کون کون آرہا ہے۔ وہ اپنے سبھی مہمانوں کو پاکر بے حد خوش ہوئے۔ کولکتہ میں 31-25 دسمبر 1928 کے دوران کانگریس کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ بھگت سنگھ اس اجلاس سے انقلابی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے تاکہ رابطے بڑھائے جاسکیں۔ بھگت سنگھ سوشیلا دیوی کے گھر دن بھر بیمار بنے بستر پر پڑے رہتے اور مکسچر پیتے رہتے۔ پھر شام کو رابطہ مہم پر نکلتے۔ انہوں نے ایک ہفتہ ڈٹ کر کام کیا اور کامیاب لوٹے۔ اس تمام عرصہ میں سوشیلا دیوی ان کی بھرپور مدد کرتی رہیں۔

قیام پاکستان کے بعد وہ ہندوستان چلی گئیں جہاں وہ چند سال بعد انتقال کرگئیں۔

(گرشرن سنگھ، نوتیج سنگھ (سنپادک) پنجاب "یاداں دے جھروکے چوں" میں درگا بھابھی کے عنوان سے ان کے طویل انٹرویو پر مبنی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ 2006) (احمد سلیم)

شام داس

شام داس عرف عام میں شام داس ورما کے نام سے مشہور تھے ان کے والد کا نام متھرا داس تھا جو پاہڑیانوالی پولیس سٹیشن کی حدود میں واقع گاؤں حاصلانوالا کے رہائشی تھے۔ شام داس نے مڈل تعلیم مشن سکول گجرات سے حاصل کی۔ رشتہ داروں نے 1919 میں انھیں گھر سے نکال دیا جس کے بعد انہوں نے لاہور کے ایک اخبار میں ملازمت اختیار کی۔ اسی سال وہ سوراجیا الہ آباد کے پرنٹر پبلشر بن گئے مگر ہر کرشن گوپال آنند کی گرفتاری کے بعد وہ واپس گجرات آگئے۔ کچھ عرصہ انہوں نے ریلوے میں نوکری کی اور پھر بھارت ہندو ہوٹل کی انتظامیہ کا حصہ بن گئے۔ شام داس اس کے بعد کچھ عرصہ غائب ہوگئے۔ بعد میں اطلاعات ملیں کہ وہ وہاں انتشار پسندوں سے رابطے ہوئے ہیں۔ 1912 میں شام داس نے کشن سنگھ، نڈی داس، کیدار ناتھ سہگل کے ہمراہ کشمیر کے دورے کیے جبکہ وہ کشن سنگھ کے لاہور میں واقع ہوٹل میں ملازم بھی تھے۔ اس کے بعد شام داس ایک بار پھر منظر عام سے غائب ہوگئے اور پھر 1915 میں بنارس سازش کیس کے ساتھ منظر عام پر آئے۔ اس مقدمہ میں شواہد ظاہر کرتے تھے کہ ان کے پنجاب میں سرگرم انقلابیوں سے روابط تھے جس کے ٹھوس شواہد یقیناً نہیں تھے اس لیے انھیں سازش کیس میں سزا نہیں سنائی جاسکتی تھی تاہم انھیں حفظ ماتقدم کے طور پر تین سال کیلئے گاؤں میں نظر بند کردیا گیا۔ شام داس پر سے جنگ ختم ہونے کے بعد عائد پابندی ختم کی گئی۔ اس کے بعد انہوں اس نے کشن سنگھ کے ساتھ ہمالین انشورنس کمپنی کلکتہ اور ولکان فائر انشورنس کمپنی بمبے شراکت داری سے قائم کی اور جس کا ریلوے روڈ لاہور پر دفتر قائم رہا۔ (سی آئی ڈی فائلز نمبر 563/1909-1526-5985ز ایس بی)

شِو ناتھ کپور

شِو ناتھ کپور گجرات میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہوسکی۔ جب دوسری عالمی جنگ چھڑی تو وہ ہندوستانی فوج کی آرڈی ننس کورپس کی ورکشاپ کمپنی میں سٹور کیپر کے طور پر کام کررہے تھے۔ ملایا میں برطانوی فوج کی شکست کے نتیجے میں گرفتار ہوگئے لیکن بعد میں آزاد ہند فوج میں شامل ہوکر اپنے وطن کی آزادی کی جنگ لڑی۔ وہ چوتھی چھاپہ مار رجمنٹ میں بحثیت لیفٹیننٹ خدمات انجام دیتے رہے اور اسی دوران برما میں انتقال کرگئے۔

(حوالہ: پی این چوپڑہ، شہیدان آزادی، جلد دوم، نئی دہلی 1998

Marfat.com

عبدالعزیز

آزاد ہند فوج کے مجاہد عبدالعزیز موضع دھنی دھوریہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ہندوستانی فوج میں بھرتی ہونے کے بعد وہ بحیثیت سگنلر خدمات انجام دیتے رہے۔لیکن جب برطانوی فوجوں کو ہتھیار ڈالنا پڑے تو وہ آزاد ہند فوج میں شامل ہوگئے۔ وہ اول گوریلا رجمنٹ میں حوالدار کے عہدے پر تعینات ہوئے اور امپھل کے مورچے پر انگریزی فوج کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

(پی این چوپڑہ' شہیدان آزادی جلداول' نئی دہلی' 1998)

عبدالمجید

عبدالمجید کا تعلق ضلع گجرات کے گاؤں ملکوال سے تھا۔ملکوال کیس میں عبدالمجید کو مارشل لاء کمیشن نے عمر قید اور جائیداد ضبط کرنے کی سزا سنائی۔سترہ جون 1919 کو سنائی جانی والی کمیشن کی سزا میں بعدازاں حکومت نے سات سال کی کمی کردی۔

عبدالرشید

عبدالرشید کے والد کا نام احمد دین تھا۔ وہ ضلع گجرات کی تحصیل جلالپور جٹاں میں اسلامیات کے استاد تھے۔جلالپور جٹاں میں فسادات کے بعد عبدالرشید کو ملازمت سے برطرف کردیا گیا اور انھیں فسادات کے مقدمہ میں ملزم کی حیثیت سے نامزد کر کے مارشل لاء کمیشن میں کیس چلایا گیا۔کمیشن نے تعزیرات ہند کی دفعہ 121 کے تحت آٹھ مئی 1919 کو چودہ سال قید کی سزا سنائی۔کمیشن کی سنائی سزا میں بعد ازاں حکومت نے تین سال کی کمی کردی۔

مولوی عبداللہ

مولوی عبداللہ کا تعلق گجرات کے گاؤں بھوبیہ سے تھا۔وہ کرشن والا پولیس سٹیشن کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔مولوی عبداللہ کشمیری قوم سے تعلق رکھتے تھے ان کے والد کا نام عبدالغنی تھا۔مولوی عبداللہ اسلامیہ ہائی سکول سیالکوٹ میں عربی استاد کی حیثیت سے بھی تعینات رہے۔مولوی عبداللہ اور ان کے والد وہابی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور جہاد کے حامی تھے۔دونوں باپ بیٹا نماز جمعہ کے اجتماعات میں ترک سلطان کی فتحیابی کے لئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کرتے تھے،تحریک خلافت میں ان کا نمایاں کردار تھا اور وہ برطانوی ہند کی حکومت کے انتہائی سخت ناقدین میں شمار کیے جاتے تھے۔

(Punjab political :who is who.. surperintendent govt of panjab ,1921)

عبدالعزیز (جلالپور جٹاں)

عبدالعزیز کا تعلق ضلع گجرات کی تحصیل جلالپور جٹاں سے تھا۔اُن کے والد کا نام کرم الٰہی تھا جلالپور جٹاں فسادات کیس کے مقدمہ میں انھیں بھی ملزم نامزد کیا گیا اور مقدمہ کی سماعت مارشل لاء کمیشن نے کی اور انھیں آئی پی سی کی دفعہ 124-A اے کے تحت آٹھ مئی 1919 کو دس سال کی سزا سنائی گئی۔بعدازاں حکومت نے اس میں تین سال کی کمی کردی۔

مولوی عطاءاللہ شاہ بخاری

ضلع گجرات کے گاؤں ناگریاں سے تعلق رکھنے والے مولوی عطاء اللہ شاہ کی قوم سید بخاری تھی۔ان کے والد کا نام ضیاء اللہ شاہ تھا۔اس خاندان کا آبائی علاقہ کشمیر تھا۔عطاء اللہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی اکیس سال پٹنہ میں اپنے ننانکیسا تھ گزارے۔جہاں انہوں نے دینی تعلیم حاصل کی۔بعدازاں وہ امرتسر چلے گئے اور وہاں مدرسہ نعمانیہ کے مولوی غلام مصطفیٰ سے اپنی مذہبی تعلیم جاری رکھی۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ پرانا جیل خانہ کوچہ میں امام مسجد بن گئے۔عطاء اللہ کا پہلے پہل سیاسی کردار تحریک خلافت کے دوران سامنے آیا۔ان کا جوش خطابت بہت بڑا سیاسی ہتھیار تھا اور وہ خطرناک اور عوامی جذبات بھڑکانے کی صلاحیت رکھنے والے مقرر کی حیثیت سے معروف ہوئے۔اس وقت کی فرنگی حکومت کی نظر میں انکی برطانوی راج مخالف جوشیلی تقریریں ہندوستانی مسلمانوں میں برطانوی راج کیخلاف مزاحمت کا نیا ولولہ ابھارنے کا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں۔انھیں ان تقاریر پر برطانوی ہند حکومت کی طرف سے کئی بار خبردار کیا گیا اور پہلی بار انھیں بندے ماترم ہال امرتسر میں خلافت کے معاملہ پر برطانوی راج مخالف تقریر کرنے پر سخت وارننگ دی گئی۔وہ خلافت کے معاملہ پر عوامی ہڑتالوں میں سرگرم کردار ادا کرتے رہے۔انہوں نے حکومت وقت کی بار بار وارننگ کو نظر انداز کرتے ہوئے نہ صرف امرتسر میں خلافت کی حمایت اور

Marfat.com

برطانوی راج کی مخالفت میں تقاریر کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ دوسرے اہم سیاسی مراکز کا بھی دورہ کر کے خطاب کیا اور حکومت برطانیہ اور حکام کیخلاف کھلم کھلا موقف کا اظہار شروع کر دیا۔ دسمبر 1920 میں وہ گجرات آ گئے اور یہاں مسلم نیشنل ہائی سکول قائم کیا۔ 1921 میں خیر الدین مسجد امرتسر میں برطانوی راج کیخلاف جوشیلی تقریر پر انکے خلاف انڈین پینل کوڈ کی دفعہ 124 کے تحت مقدمہ قائم ہوا اور انھیں تین سال اور تین ماہ قید کی دو الگ الگ سزائیں سنائی گئیں۔

(Punjab political :who is who.. surperintendent govt of panjab ,1921)

علی اکبر

علی اکبر کا تعلق ضلع گجرات کے علاقے سرائے عالمگیر میں گاؤں بھاوتی خورد سے تھا- علی اکبر نے برطانوی راج کے خلاف جنگ میں آزاد ہند فوج کی طرف سے جرمن محاذ پر انیس سو پچاس میں یو ایس او میں شمولیت اختیار کی۔ جرمنی کے محاذ پر جنگ کے دوران علی اکبر امریکیوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔

کالا سنگھ

کالا سنگھ موضع ٹانڈہ، ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ دوسری عالمی جنگ سے قبل فوج میں بھرتی ہو گئے۔ برما میں برطانوی افواج کی شکست کے نتیجے میں کالا سنگھ بھی جنگی قیدی بن گئے لیکن آزاد ہند فوج میں بحیثیت لانس نائیک شامل ہو کر وطن کی آزادی کے لیے انگریزی فوج کے خلاف لڑے اور اپریل 1944 میں برما میں دریائے چندون کے کنارے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(حوالہ: پی این چوپڑہ' شہیدان آزادی' جلد اول' نئی دہلی' 1998)

کرتار سنگھ اروڑہ

کرتار سنگھ اروڑہ' 1879 میں موضع مانگٹ ضلع گجرات میں سردار گندا سنگھ اروڑہ کے یہاں پیدا ہوئے۔ پیشے کے اعتبار سے وہ حلوائی تھے۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران وطن کی آزادی کے لیے سرگرم ہو گئے۔ اپریل 1919 میں جلیانوالہ باغ' امرتسر کے جلسے میں شریک تھے جب برطانوی فوج نے نہتے ہجوم پر مشین گنوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کرتار سنگھ بھی زخمی ہوئے اور بعد ازاں شہید ہو گئے۔

(حوالہ: پی این چوپڑہ' شہیدان آزادی' جلد اول' نئی دہلی' 1998)

قطب الدین مرزا

قطب الدین کی قوم مغل تھی اور یہ مٹوان گاؤں ضلع گجرات کے رہنے والے تھے جو ڈنگہ پولیس سٹیشن کی حدود میں واقع تھے مگر وہ خود راولپنڈی میں پریکٹس کرتے تھے۔ قطب الدین نے خلافت تحریک میں بھرپور کردار کیا۔ ان کا راولپنڈی میں تحریک کے معروف رہنماؤں میں شمار ہوتا تھا۔ قطب الدین راولپنڈی کی مقامی ضلعی کانگریس اور خلافت کمیٹی کے سیکرٹری تھے اور روالپنڈی میں خلافت ہڑتالوں کے منتظم تھے۔ راولپنڈی میں خلافت تحریک کے ہونے والے اکثر جلسوں کی صدارت قطب الدین نے ہی سرانجام دی۔ وہ ہجرت تحریک کے سرگرم حامیوں میں سے ایک تھے۔ 1920 میں قطب الدین نے ریلوے کے ہڑتالیوں کے متعدد اجلاسوں میں شرکت کی اور انھیں کام پر واپس نہ آنے کے لیے زور دیا۔ راولپنڈی میں مارچ انیس سو بیس کو منعقد ہونے والی خلافت کانفرنس کے منتظم اعلیٰ بھی وہی تھے۔ قطب الدین موہن داس گاندھی کے بہت مداح تھے۔

لدھارام

لدھا رام وڑائچاں والا گاؤں کے ایک سنار سائیں دتہ کے فرزند تھے۔ لدھا رام نے ضلع گجرات سے 1905 یا 1906 میں میٹرک پاس کیا۔ وہ مزید تعلیم کے لئے لاہور چلے گئے مگر مزید تعلیم کا منصوبہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ٹیلی گرافی کا تربیتی کورس کیا کچھ عرصہ بعد 1908 میں انھیں شمال مغربی ریلوے میں سگنل مین کی ملازمت مل گئی اور وہ ضلع جہلم کے گاؤں کالا گجراں سے تعلق رکھنے والے جگت سنگھ کے ہمراہ چین چلے گئے۔ انہوں نے سنگاپور اور شنگھائی میں چھ ماہ قیام کیا مگر مناسب ملازمت نہ ملنے پر بالاخر واپس گجرات آ گئے۔ وطن واپسی پر انہوں نے اجیت سنگھ اور لاہور سے تعلق رکھنے والے انقلابیوں کی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔ فروری 1910 میں وہ الہ آباد کے اخبار سوراجیہ کے ایڈیٹر بنے مگر بعد ازاں جلد ہی سوراجیہ پر پابندی لگ گئی اور لدھا رام کو گرفتار کر لیا گیا۔ جنوری 1919 میں رہا ہوئے اور پھر اپنے گاؤں میں پرامن زندگی گذاری۔ سوراجیہ اخبار میں لدھا رام کے بعد ڈنگہ گجرات سے تعلق رکھنے والے ان

Marfat.com

کے سکول دور کے ساتھی شام داس نے ادارت سنبھالی ۔(سی آئی ڈی فائلز نمبر ز42/1910,2688-5995 ایس بی)

مہان سنگھ فلپ

ضلع گجرات کے علاقے خانپور سے تعلق رکھنے والے بشن سنگھ کا بیٹا تھا جو اب سیالکوٹ کا حصہ ہے۔مہان سنگھ کی کھتری قوم سے تعلق رکھتا تھا۔اپنے لڑکپن کے دور میں اس پر قتل کا مقدمہ بنا اور اسے سزائے موت سنائی گئی مگر ایک اپیل کے نتیجہ میں مہان سنگھ رہا ہوگیا۔مہان سنگھ نے ابتدا میں شمال مشرقی ریلوے میں گارڈ کی حثیت سے ملازمت اختیار کی بعدازاں اس نے ڈاکٹر کرشن چند کی میسرز فلپ اینڈ کو آل انڈیا سپورٹس ورکس سیالکوٹ میں شمولیت اختیار کر لی۔اس نے سکھ مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کی اور اپنا نام فلپ رکھا تا کہ کاروبار کو پھیلا سکے۔اپریل انیس سو بیس میں وہ کاروباری سلسلہ میں انگلینڈ گیا جہاں اس کا بالشویک عناصر سے روابط استوار ہوئے۔وطن واپسی پر مہان سنگھ فلپ نے حکومت مخالف تحریکوں میں حصہ لیا اور وہ مقامی سیوا سمتھ سبھا کا بھی سرگرم رکن تھا۔(سی آئی ڈی فائلز نمبر ز5985 ایس بی)

نذیر احمد

نذیر احمد راجپوت کا ٹمیانوالہ گاؤں سے تعلق تھا جو کھاریاں پولیس اسٹیشن کی حدود میں واقع تھا۔نذیر احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور بعد ازاں ایک مشہور وہابی عالم حافظ عبدالمنان کے وزیرآباد میں جا کر شاگرد ہوگئے۔نذیر احمد کا بعدازاں فضل الٰہی سے تعلق بنا جو جہاد کے بہت بڑا حامی تھے۔نذیر احمد وہابی بن گئے اور اس نے پریس کا پی رائٹر کا کام سیکھا پھر انھیں آسام بھیجا گیا جہاں انہوں نے چھ ماہ قیام کے دوران جہاد کے حوالے سے پمفلٹ شائع کیے جس کے نتیجے میں وہ گاؤں میں نظر بند کردیے گئے۔ان پر پابندی کے احکامات 1918 میں منسوخ ہوئے جس کے بعد وہ گاؤں میں ہی مقیم رہے۔(سی آئی ڈی فائلز نمبر ز 2824 ایس بی)

نورالدین

نورالدین ضلع گجرات کے گاؤں جلالپور جٹاں کے رہائشی تھے اس کے والد کا نام امیر بخش اور قوم کشمیری تھی۔نورالدین لائلپور میں داروغہ کے عہدہ پر ملازم تھے بعدازاں انہوں نے نوکری ترک کر دی اور فزیشن کی حیثیت سے پریکٹس شروع کردی۔بلقان ،طرابلس جنگوں اور کانپور مسجد کے واقعات کے دوران ترکوں کی حمایت میں پراپیگنڈہ مہموں کے دوران نورالدین نے بھرپور سرگرمی دکھائی اور حکیم امین الدین کے ہمراہ لائلپور میں کئی جلسوں کا انعقاد کیا۔جن میں ترکوں کی حمایت میں چندہ اکٹھا کیا جاتا تھا۔نورالدین انجمن خدام الاسلام لائلپور کے سیکرٹری ، انجمن کشمیریاں کے صدر اور انجمن تعلیم القرآن کے بھی سیکرٹری رہے۔نورالدین الہلال کے باقاعدہ خریدار اور قاری تھے اور ابوالکلام آزاد کی جماعت حزب اللہ کے سرگرم رکن تھے۔نورالدین نے رولٹ بل کیخلاف احتجاجی تحریک میں سرگرم کردار ادا کیا۔اپریل 1919 میں لائلپور میں سیاسی خلفشار پھیلانے والے رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ان کے خلاف خلاف مقدمہ بھی چلا مگر گواہوں اور شہادتوں کی عدم دستیابی کے باعث بری ہوگئے۔نورالدین لائلپور میں خلافت تحریک کی روح اور جان تھے۔

(سی آئی ڈی فائلز نمبر ز3389.8552,4569,5985 ایس بی)

ہرگوپال ہانڈہ

سرگوپال ہانڈہ کا تعلق گجرات سے تھا۔وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے والد کا نام دھرال تھا۔مہرگوپال نے مقامی ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر انجنیئر نگ کالج روڑکی سے سب سرویئر کا ڈپلومہ حاصل کیا۔حصار میں ملازمت اختیار کی اور کچھ پیسے جمع کر کے لندن چلے گئے۔اور 1911 میں بیرسٹر بنک کر واپس لوٹے۔وطن واپسی کے بعد انہوں نے گجرات میں پریکٹس شروع کردی جو کسی طرح بھی سودمند ثابت نہ ہوئی۔لندن میں قیام کے دوران ہرگوپال نے ایک یورپی خاتون سے شادی کی مگر وطن واپسی پر دونوں کے درمیان کسی معاملہ پر اختلافات پیدا ہوئے جس پر وہ اسے وہیں چھوڑ آئے۔جو کچھ عرصہ بعد ان کو ڈھونڈتی گجرات چلی آئی اور بعض شرائط طے کرنے کے بعد واپس انگلستان چلی گئی۔1918 میں ہرگوپال ہانڈہ نے سیاست میں دلچسپی لینی شروع کردی اور انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کی۔انھیں اپریل 1919 میں گجرات کے سیاسی

Marfat.com

فسادات میں کردار پر گرفتار کیا گیا اور مارشل لاء کمیشن لاہور میں مقدمہ کی سماعت کے لئے بھیجا گیا مگر شواہد نہ ملنے کی بنا پر چھوڑ دیا گیا۔ بعدازاں ہرگوپال ہانڈہ نے باقاعدہ اور کھلے عام برطانوی راج کے خلاف انتہا پسندانہ رویے کا اظہار شروع کر دیا انہوں نے سیاسی سرگرم کارکنوں کو منظم کیا اور گجرات میں برطانوی راج کے خلاف خوب پراپیگنڈہ مہم چلائی۔ (سی آئی ڈی فائلز نمبرز 5985-5024 ایس بی)

جمیعت سنگھ ڈاکٹر

ڈاکٹر جمیعت سنگھ 5 نومبر 1891 کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق گجرات کے معروف راجہ خاندان سے تھا۔ انہوں نے 1908 میں مشن سکول گجرات سے میٹرک کا امتحان پاس کیا وہ پورے راولپنڈی ڈویژن میں اول رہے۔ اس کے بعد وہ لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخل ہو گئے اور 1910 میں ایف ایس سی (میڈیکل) کا امتحان پاس کیا۔ 1915 میں کنگ ایڈورڈ کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کیا۔ اعلیٰ میڈیکل تعلیم کے لیے دوبار برطانیہ گئے۔ 1936 میں رائل کالج آف سرجنز ایڈنبرا کے فیلو (FRCP) بنے۔

ڈاکٹر جمیعت سنگھ میو ہسپتال' لاہور میں ہاؤس سرجن' کنگ ایڈورڈ کالج میں فزیالوجی اور پیتھالوجی کے ڈیمانسٹریٹر' میڈیکل سکول امرتسر میں لیکچرر 1941 سے حکومت پنجاب میں پیتھالوجی کے اسسٹنٹ پروفیسر اور اسسٹنٹ لائیکٹریا لوجسٹ رہے۔ انہوں نے ملیریا' نمونیہ اور دیگر امراض کے حوالے سے کئی مفید مضامین لکھے' جن کی ان بیماریوں کی تشخیص کے سلسلے میں کافی اہمیت تھی۔ انہوں نے پنجابیوں میں بلڈ پریشر کے آثار کے حوالے سے بھی کئی مضامین لکھے۔ انہوں نے ''جدید طریق علاج'' کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی۔ جو ایلو پیتھک علاج کے نوجوان اور پرانے مریضوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ 1937 میں انہوں نے حمل کے دوران انتقال کر جانے والی اپنی بیوی کی یاد میں جانکی دیوی جمیعت سنگھ خیراتی ہسپتال قائم کیا جہاں اب تک لاکھوں عورتوں اور بچوں کا علاج کیا جا چکا ہے۔

(حوالہ: ایل آر خواہش' دی پنجابز ہو از ہو' انڈین مارکیٹنگ کمپنی' لاہور' ت۔ن)

مرزا غلام حسین

مرزا غلام حسین 5 ستمبر 1905 کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گورنمنٹ کنٹریکٹر تھے۔ انہوں نے مشن ہائی سکول گجرات سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں وہ لاہور منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے صابن اور چمڑے کی فیکٹریاں قائم کیں۔ پنجاب میں موٹر یونینز کو منظم کرنے کے لیے ماہانہ موٹر میگزین جاری کیا۔ وہ انشورنس گزٹ کے بھی ایڈیٹر رہے۔ انہوں نے لاہور میں ہی پنجاب ریفارم سوسائٹی بھی قائم کی۔ (دی پنجابز ہو از ہو' لاہور' ت ن)

اے کے خالد

عبدالکریم (اے کے) خالد نے ضلع گجرات کے ایک گاؤں کراڑی والا خورد میں ایک کسان گھرانے میں جنم لیا۔ اپنے گاؤں کے سکول سے پرائمری اور ورنیکلر مڈل سکول جوڑا سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ زمیندار سکول گجرات سے پورے پنجاب میں دوسری پوزیشن کے ساتھ میٹرک میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے زمیندار کالج سے ایف اے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی آنرز کے امتحان میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے تاریخ اور فارسی میں ایم اے کی ڈگریاں لیں۔ ملازمت کے دوران انہوں نے ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ سکول میں دوران تعلیم وہ ادیب فاضل منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پرائیویٹ طور پر پاس کر چکے تھے۔ وہ زمیندار کالج کے میگزین شاہین اور گورنمنٹ کالج لاہور کے میگزین ''راوی'' کے اُردو سیکشن کے ایڈیٹر رہے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ 49-1948 کے دوران انہوں نے صوبائی سول سروس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اور پنجاب کے مختلف اضلاع میں عدالتی اور انتظامی عہدوں پر کام کرتے رہے۔ 64-1960 کے دوران وہ مرکزی حکومت کی وزارت داخلہ اور اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد ان کی خدمات دوبارہ پنجاب کے سپرد کر دی گئیں جہاں وہ مختلف اسامیوں پر کام کرتے ہوئے 1974 میں کمشنر بہاولپور کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ 1976 میں وہ بورڈ آف ریونیو کے ممبر بن گئے اور یہاں بھی اپنے منفرد اور بے لاگ انداز میں کام کرتے رہے۔ 1984 میں وہ اپنی چھتیس سالہ ملازمت کے شاندار ریکارڈ کے ساتھ ریٹائر ہو گئے۔ دوران ملازمت 'خدمت' ان کی زندگی کا شعار رہا تھا اس لیے ریٹائرمنٹ بھی انھیں خدمت جاری رکھنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی اور وہ ہائی کورٹ میں وکالت کرنے لگے۔ یہ سلسلہ بمشکل دس سال تک چلا کیونکہ قانون اور عدلیہ کی دنیا میں انصاف

Marfat.com

سے زیادہ قانونی موشگافیوں کا چلن تھا۔ بہرحال وہ کام کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ ''وسعتِ بیان'' کی تلاش میں انہوں نے دو بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ ایک پاکستان کے نظام اراضی کی ضخیم تاریخ The Agrarian History of Pakistan کے نام سے لکھی جو اپنے موضوع اور تحقیق کے اعتبار سے اس نوع کی پہلی کتاب ہے۔ ان کا دوسرا بڑا کارنامہ ان کی خودنوشت سوانح عمری 'فردِ حیات' ہے جس میں انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات کا نچوڑ ہی نہیں پیش کیا بلکہ اپنی فردِ حیات کے ذریعے انہوں نے حکومتوں اور نوکرشاہی کی فردِ جرم بھی پیش کردی۔ گجرات کے فرزند اے کے خالد اپنی زندگی کی شام میں اب بھی دوسروں کے لیے روشنی بن کر جی رہے ہیں۔

(حوالہ: اے کے خالد 'فردِ حیات' لاہور 2006)

ج۔ تحریکِ پاکستان

قیامِ پاکستان کے وقت پنجاب کی تقسیم کے نتیجہ میں 1946 انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کے دوران ہونے والے ہندو، سکھ اور مسلم فسادات اور لوٹ مار سے گجرات کی تاریخ کے صفحات بھی لہو رنگ ہیں۔ پنجاب میں تقسیم کے مرحلہ پر 1946 سے ہی پنجاب پبلک سیفٹی آرڈیننس نافذ کر دیا گیا تھا گو کہ جنوری 1947 تک پنجاب میں فرقہ وارانہ تناؤ موجود تھا مگر صوبہ سرحد میں بھی صورتحال بہتر ہی تھی مگر فرقہ وارانہ فسادات کے خدشہ کے پیشِ نظر پنجاب میں راشٹریہ سیوک سنگھ اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز کیخلاف کارروائی کے فیصلہ کو مسلم لیگ نے سیاسی جماعت پر حملہ قرار دیا جس کے کیخلاف پنجاب کے دوسرے شہروں کی طرح گجرات میں بھی مسلم لیگ نے احتجاجی جلوس نکالے۔ تقسیم کے مرحلے پر راشٹریہ سیوک سنگھ سبھا کے مقابلے میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ میں مسلمان نوجوانوں کی بھرتی کا رجحان کہیں کم تھا۔

دسمبر 1946 تک راشٹرایہ سیوک سنگھ سبھا کے اراکین کی تعداد ایک ہزار تک تھی جو اگلے دو ماہ میں بڑھ کر سنتالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی یہی نہیں اس کے مقابلے میں مسلم لیگ نیشنل گارڈز میں شمولیت کا رجحان کہیں کم رہا اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز کی تعداد راشٹریہ سیوک سنگھ سبھا کے مقابلے آدھی سے بھی کم تیئس ہزار تھی جبکہ راشٹریہ سیوک سنگھ سبھا نے پنجاب کے بڑے شہروں ملتان، انبالہ اضلاع میں کئی شاخیں بھی کھول چکی تھی جس کے خلاف جب حکومت نے ایکشن کیا تو راولپنڈی میں اس تنظیم کے دفاتر سے پچاس لاٹھیاں، ہوشیار پور سے سنتر برچھیاں، اڑتیس بھالے، کے آئندہ کے لائحہ عمل کی قلعی کھول رہے تھے جب کہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ ز کے خلاف لاہور ہونے والی کارروائی بہت دلچسپ تھی۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے دفاتر سے سٹیل کے دو ہزار ہیلمٹ برآمد ہوئے جو کسی طرح بھی ہتھیار قرار نہیں دیئے جا سکتے تھے۔

مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے خلاف کارروائی پر مسلم لیگ نے پنجاب بھر میں احتجاج کیا اور اس احتجاج کے سلسلے میں چوبیس جنوری کو گجرات میں آل انڈیا مسلم لیگ کے کارکنوں نے پارٹی پالیسی کے مطابق احتجاجی جلوس نکالا جس میں گجرات کے مقامی کالجوں کے طلبہ نے بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔ بعدازاں ان احتجاجوں کے نتیجہ میں حکومت پنجاب مسلم لیگ نیشنل گارڈز کیخلاف کارروائی کے آرڈرز واپس لینے پر مجبور ہوئی تاہم برطانوی ہند کی حکومت پنجاب نے مسلم لیگ نیشنل گارڈز کیساتھ راشٹریہ سیوک سنگھ سبھا کیخلاف کارراوائی کا حکم نامہ بھی واپس لے لیا۔ تاہم فروری 1947 میں عید میلاد النبی کا تہوار روایتی سے زیادہ جوش وخروش سے منایا گیا یہ تہوار ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہند کے حوالے سے پیدا ہونے والے تناؤ کے باعث مسلمانوں کی طاقت کا مظاہرہ بھی تھا، مسلم لیگ کے کارکن خضر وزارت پر عدم اعتماد کا اظہار کر رہے تھے جس پر مسلم لیگ کا احتجاج تو بھرپور ہوا مگر اس سے پنجاب میں کسی قسم کا فرقہ وارانہ تنازعہ پیدا نہیں ہوا تاہم گجرات میں عید میلاد النبی کے جلوس کے شرکاء کی پولیس سے مڈبھیڑ ہوئی۔ شرکاء جلوس نے ڈی آئی جی راولپنڈی رینج کی قیادت میں جلوس کے ہمراہ موجود پولیس کے ایک مختصر ٹولی پر پتھراؤ کیا کئی پولیس اہلکار زخمی ہوئے اور انہوں نے ہوائی فائرنگ کر کے خود کو محفوظ کیا بعدازاں قریبی پولیس اسٹیشن سے پہنچنے والی پولیس کمک نے آکر شرکاء جلوس کو منتشر کیا۔ نو فروری کو لاہور میں احتجاجی جلوس میں شریک ایک شخص کی ہندو کے گھر کی چھت سے گرائی گئی اینٹ اور جھنگ میں ایک احتجاجی جلوس پر لاٹھی چارج سے ایک اور شخص کی ہلاکتوں سے پورے پنجاب کی طرح گجرات میں بھی غائبانہ نماز جنازہ اور احتجاجی جلوس منعقد کیے گئے جس کے دوران پولیس اور مظاہرین میں جھڑپیں ہوئیں اور لاٹھی چارج کر کے جلوس کو منتشر کیا گیا۔ فروری 1947 کے دوسرے ہفتے میں لاہور میں مسلم لیگ کی پنجاب میں پارلیمانی پارٹی کا اجلاس ہوا جس میں پنجاب پبلک سیفٹی آرڈیننس کی واپسی اور گرفتار رہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی تک احتجاج کا سلسلہ جاری رکھنے اور اراکین اسمبلی کی مدد کیلئے پیروں اور علما کو مدد کرنے کی اپیل اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز کو جلسوں اور جلوسوں میں یونیفارم میں شریک کرنے کا فیصلہ ہوا۔ چودہ فروری کو گجرات میں مسلم لیگ کا ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس سے غلام مصطفےٰ شاہ گیلانی نے نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب بھی کیا۔ شرکاء کی تعداد دس ہزار سے زائد تھی۔ غلام مصطفیٰ شاہ گیلانی نے انتہائی پرجوش خطاب کیا۔ پولیس نے اس اجتماع کو منتشر کرنے کیلئے آنسو گیس پھینکی اور لاٹھی چارج کیا اور گجرات میں حالات کشیدہ ہو

Marfat.com

گئے جس پر گجرات میں فوج کی ایک کمپنی کو بھجوادیا گیا تا کہ حالات خراب ہونے پر وہ پولیس کی مدد کر سکے۔ سولہ فروری کو تاراسنگھ نے پنجاب میں سکھوں کو مسلمانوں سے لاحق خطرات کے تناظر میں اکالی فوج کی تشکیل کا باقاعدہ اعلان ہوا جس کے بعد اکالی پراپیگنڈا پارٹی کے سربراہ گیانی کرتار سنگھ نے گجرات کا دورہ کیا۔ اور اس موقع پر ہونے والے جلسہ میں سکھوں کو پاکستان کے قیام کیخلاف ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار رہنے کا پیغام دیا۔ تاہم گجرات سمیت پنجاب بھر میں ہونے والے احتجاج کے نتیجہ میں حکومت پنجاب اور مسلم لیگ کی قیادت کے درمیان مذاکرات ہوئے جس کے نتیجہ میں چھبیس فروری کو ایک معاہدہ کے تحت پنجاب بھر میں جلسوں کی اجازت دیدی گئی جبکہ جلوسوں پر پابندی برقرار رکھی گئی ۔ حکومت پنجاب نے پنجاب پبلک سیفٹی آرڈیننس کو صوبائی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں پیش کرنے کا عندیہ دیا جبکہ مسلم لیگ کے احتجاجی مظاہروں میں گرفتار کیے گئے تمام رہنماؤں اور کارکنوں کو رہا کرنے کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا۔ پنجاب مسلم لیگ کی یہ بہت بڑی سیاسی فتح تھی جس میں گجرات کا کردار بہت اہم رہا۔ پنجاب بھر میں مسلم لیگ نے اس فتح کو منانے کیلئے جلوس نکالے مگر ہندو اور سکھوں کے کردار کے باعث یہ بھرپور مظاہرے ہنگاموں پر منتج ہوئے ۔ گجرات میں تیس ہزار افراد نے جلوس نکالا اور مسلم لیگ کی بھرپور قوت کا مظاہرہ ہوا۔

سردار عبدالرب نشتر نے مارچ میں گجرات کا دورہ کیا اور اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مسلم لیگ نیشنل گارڈز کو پاکستان کے قیام کی صورت میں ہمسائے ہندوؤں اور سکھوں کی لوٹ مار اور فرقہ وارانہ فسادات سے بچنے اور باہمی ہم آہنگی برقرار رکھنے کیلئے اقدامات کی ہدایت دی۔ اٹھارہ مارچ کو بمبئی میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے بعد فیروز خان نون واپس لاہور پہنچے اور مسلم لیگ پنجاب کی قیادت کو سکھوں سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا پیغام دیا جس پر میاں افتخار ممدوٹ نے تاراسنگھ کو تعاون کی باضابطہ پیشکش کی مگر اس کے اثرات الٹ ہوئے۔ مسلم لیگ کی قیادت نے مسلمانوں کو تئیس مارچ کو خاموشی سے پاکستان ڈے منانے کا اعلان کیا اور ہدایت دی گئی اس موقع پر کوئی جلسہ یا جلوس نہیں ہونگے صرف نماز ظہر کے بعد پاکستان کے لئے خصوصی دعائیں مانگی جائیں گی جس پر تاراسنگھ نے بائیس مارچ کو پاکستان مخالف ڈے منانے کا اعلان کردیا اور پنجاب میں سکھوں نے بڑے احتجاجی جلسے اور جلوس منعقد کیے۔ تیرہ مارچ کو اکالی فوج کے ایس اے دل نے پنجاب کی مخلوط حکومت کے خاتمہ پر سکھ جتھوں کو چوبیس گھنٹے تیار رہنے اور فنڈز اکٹھے کرنے کی ہدایت دی جبکہ اکیس مارچ کے اجلاس میں گجرات، سمیت پنجاب کے دوسرے اضلاع میں اقلیتی تعداد میں موجود سکھوں کی حفاظت کیلئے جتھے روانہ کرنے کی ہدایت جاری کی ۔ اٹھائیس مارچ کو اکالی فوج کے لیڈر گیانی کرتار سنگھ نے گجرات اور دوسرے علاقوں کے جتھہ داروں سے ملاقات کی اور علاقے میں سکھوں کو درپیش حالات بارے رپورٹیں حاصل کیں اور اس اجلاس میں تمام سکھ خاندانوں کو کم از کم ایک نوجوان سکھ جتھہ میں بھرتی کرنے کی اپیل کی گئی۔

Marfat.com

ساتواں باب

قیام پاکستان کے بعد کی سیاسی تاریخ

Marfat.com

قیام پاکستان کے بعد کی سیاسی تاریخ

1-خاندانوں کی سیاست

پاکستان بنا تو گجرات کی سیاست پر دو خاندان چھائے ہوئے تھے۔ جاٹ برادری سے تعلق رکھنے والے چوہدری بہاول بخش اور گوجر برادری کے سر فضل علی کا خاندان۔ سر فضل علی قیام پاکستان سے قبل انتقال کر چکے تھے۔ یونینسٹ پارٹی سے ان کی وابستگی ان کے صاحبزادے نوابزادہ اصغر علی خان تک قائم رہی جو 1946 کے انتخابات میں پنجاب اسمبلی کے رکن بن چکے تھے۔ عقیل عباس جعفری ''پاکستان کے سیاسی وڈیرے میں قیام پاکستان کے فوراً بعد گجرات کے سیاسی منظر نامے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تحریک پاکستان میں ضلع گجرات کی قیادت چوہدری بہاول بخش کے ہاتھوں میں رہی ان کے ساتھ سید محمود شاہ گجراتی، چودھری جہاں خاں بوسال، چوہدری غلام رسول تارڑ اور چودھری فضل الٰہی تھے۔ جب کہ نواب زادہ اصغر یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن تھے البتہ ان کے بھائی نواب زادہ مہدی علی خان جو اس زمانہ میں لاہور شہر کے سٹی مجسٹریٹ تھے، مستعفی ہو کر تحریک پاکستان میں کام کرنے کے لیے میدان میں آ گئے۔ جوں جوں قیام پاکستان کا نظریہ زیادہ واضح ہوتا جا رہا تھا اور لوگوں کو نظر آنے لگا کہ اب پاکستان ضرور بن جائے گا تو بے شمار لوگ تحریک کی مخالفت ترک کر کے مسلم لیگ میں شریک ہونے لگے۔ ان ہی دنوں میں نواب زادہ اصغر علی خاں بھی 1946 کے انتخابات کے بعد یونینسٹ پارٹی سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے، پاکستان بننے کے بعد 1951 کے انتخابات میں نواب زادہ گروپ کے دو مقتدر لیڈر نواب زادہ اصغر علی خاں اور نواب زادہ مہدی علی خاں پنجاب اسمبلی کی دو نشستوں پر کامیاب ہو گئے۔ جاٹ گروپ کے لیڈر چوہدری بہاول بخش خاں کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے چوہدری محمد احسن علیگ جو پی سی ایس افسر تھے، نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور وہ بھی پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ چوہدری محمد احسن علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ایک نستعلیق نوجوان تھے، وکالت کی ڈگری بھی ان کے پاس تھی، ان کے لیے یہ بہت مشکل تھا کہ وہ سارا وقت محض گروہی سیاست اور گجرات کے تھانے کچہریوں میں ہی گزار دیں وہ گجرات شہر اور زیادہ تر لاہور میں رہتے۔ اسمبلی میں بڑی اچھی تقریریں کرتے، اپنے علاقے کے لوگوں کے جائز اور قانونی معاملات پر ان کی مناسب رہنمائی کرتے، اخبارات میں مضامین لکھتے اور اسمبلی کے باہر ہونے والے سیاسی مباحثوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے، لیکن گجرات میں ان کی جاٹ برادری کو ایسے لیڈر کی ضرورت تھی جو ہر وقت اور ہر طرح ان کے معمولی سے لے کر بڑے بڑے مسائل تک ان کا ساتھ دے۔ نتیجتاً چوہدری محمد احسن علیگ اپنے ضلع اور خصوصاً اپنی تحصیل گجرات کے جاٹ گھرانوں سے دور ہوتے چلے گئے اور اس طرح منظر سے دور ہو جانے کے باعث جو خلیج ان کے اور جاٹ برادری کے درمیان پیدا ہوئی اسے ابھرتے ہوئے مخیر، مہمان نواز، دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن چوہدری ظہور الٰہی نے پاٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے گجرات میں زبردست سماجی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ گوجر برادری اور جاٹ برادری کے ناراض اور محروم چوہدریوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کیا۔ وہ انھیں اپنے گھر بلاتے، ان کی تواضع کرتے۔ ان کے کام کرانے کے لیے شہر شہر گاؤں گاؤں جاتے۔ اپنی گاڑی اور اپنا پیٹرول استعمال کرتے اور لوگوں کے کام کراتے۔ اس طرح انہوں نے اپنی مضبوط سیاسی حیثیت قائم کر لی۔ اب گجرات میں موجود سیاسی دھڑوں میں ایک مضبوط دھڑا چوہدری ظہور الٰہی کا بھی تھا جس میں جاٹ بھی تھے اور گوجر بھی۔''

Marfat.com

2- اہم سیاسی شخصیات

اعجاز احمد چودھری

اعجاز احمد چودھری کا تعلق گجرات کے چودھری خاندان سے ہے۔ وہ پانچ اپریل 1957 میں پیدا ہوئے اور مسلم لیگ ق کے ٹکٹ پر 2002 کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے پہلی بار رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ چودھری اعجاز حسین اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور انہوں نے ہالینڈ سے ایم بی اے کی ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔ وہ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹیوں تجارت، امور خارجہ اور نجکاری کے بھی رکن رہے۔

چودھری اکرام الحق رانجھا

چودھری اکرام الحق کا تعلق گجرات کے علاقہ شیر کوٹ کے سیاسی گھرانے سے ہے۔ ان کے والد ارشاد اللہ 1951 میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے گھرانے کی سیاسی وراثت کو آگے بڑھاتے ہوئے 1985 کے انتخابات میں حصہ لیا اور اپنے علاقہ کے ایک امیدوار الطاف کو شکست دیکر رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ 1988 اور 1990 کے انتخابات میں بھی وہ رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔

چوہدری بہاول بخش

چودھری بہاول بخش اٹھارہ سو چونسٹھ کو ضلع گجرات کے گاؤں منگوال میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق زمیندار گھرانے سے تھا۔ آپ ذیلدار، رکن ڈسٹرکٹ بورڈ اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔ چودھری بہاول بخش متحدہ ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے بھی رکن رہے۔ قیام پاکستان سے قبل پنجاب اسمبلی کے رکن تھے۔ خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں ضلع گجرات میں مسلم لیگ کی طرف سے انہوں نے سب سے پہلے گرفتاری دی۔ ان کا شمار علاقہ کے ممتاز مسلم لیگی رہنماوں میں ہوتا تھا تحریک پاکستان کے لئے نمایاں مقام رکھتے تھے انہوں نے دسمبر 1951 میں گجرات میں وفات پائی۔

چودھری پرویز الٰہی

چوہدری پرویز الٰہی کو گجرات میں چودھری ظہور الٰہی کا سیاسی وارث قرار دیا جاتا ہے۔ وہ ڈسٹرکٹ کونسل گجرات کے چیئرمین رہے ان کی سیاسی صلاحیتوں کے مخالفین بھی معترف ہیں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر 1985 کے انتخابات میں بلا مقابلہ رکن پنجاب اسمبلی کی نشست حاصل کی اور نواز شریف کی صوبائی حکومت میں وزیر بلدیات بنے۔ وہ 1988، 1990، 1993 اور 1997 میں بھی رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔ وہ پنجاب اسمبلی کے سپیکر بھی رہے، 2002 کے انتخابات میں پانچویں بار منتخب ہونے کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ذوالفقار علی گوندل

ذوالفقار علی گوندل 1964 میں گوجرہ میں پیدا ہوئے اور 2002 کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی ٹکٹ پر پہلی بار رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ وہ پیشہ کے اعتبار سے زمیندار ہیں۔ انہوں نے انیس سو چوراسی میں پاکستان ملٹری اکیڈمی سے گریجویشن کی۔ وہ پاکستان آرمی میں خدمات سرانجام دیتے رہے اور میجر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ انھیں پاک فوج کیطرف سے خدمات کے اعتراف میں ڈی ڈبلیو سٹرپ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ ذوالفقار گوندل قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ کے بھی رکن رہے۔ 2008 کے انتخابات میں انہوں نے صوبائی اسمبلی کی نشست پر الیکشن لڑا جس میں وہ کامیاب ہوئے اور رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔

سینیٹر چودھری رحیم داد

رحیم داد سابق صدر پاکستان چودھری فضل الٰہی کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ 1913 میں ضلع گجرات کے علاقے مرالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنے آبائی زراعت کے پیشہ کو اختیار کیا اور علاقے کی فلاح و بہبود کی سرگرمیوں میں خصوصی دلچسپی لیتے رہے۔ انہوں نے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز مقامی سطح سے کیا اور 1962 میں یونین کونسل کے چیرمین منتخب ہوئے۔ رحیم داد 1979 سے 1983 تک ضلع کونسل گجرات کے رکن بھی رہے۔ وہ انیس سو پچاسی میں سینیٹر منتخب ہوئے اور پھر دوبارہ 1988 میں چھ سال کی مدت کیلئے سینیٹر منتخب ہوئے۔

شفقت محمود

شفقت محمود انیس فروری 1950 میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی

Marfat.com

تعلیم صادق پبلک سکول بہاولپور سے حاصل کرنے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور 1970 میں ایم اے نفسیات کی ڈگری حاصل کی۔ 1971 میں انھیں گورنمنٹ کالج لاہور میں ہی تدریس کے لئے ملازمت مل گئی۔ انہوں نے ہاورڈ یونیورسٹی سے 1981 میں ایم بی اے، اور پبلک پالیسی اینڈ ایڈمنسٹریشن میں ایم اے کی ڈگری یونیورسٹی آف ساؤتھ کیلی فورنیا سے حاصل کی۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات میں بہتر کارکردگی پر سرٹیفکیٹ آف میرٹ حاصل کیا۔ انھیں گورنمنٹ کالج لاہور میں رول آف آنر کے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا، 1980 میں حکومت امریکہ نے انھیں ہبرٹس ایچ ہمفری نارتھ ساؤتھ فیلوشپ اور ایڈورڈ ایس میسن فیلوشپ دی گئی۔ شفقت محمود بچپن سے ہی سیاست سے لگاؤ رکھتے تھے انہوں نے چھوٹی عمر میں سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ایوب خان کیخلاف تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا اور ذوالفقار علی بھٹو کی ایوب خان سے علیحدگی کے بعد ان کے لاہور اسٹیشن پر استقبال کی تیاریوں کی کمیٹی میں شامل رہے۔ انہوں نے 1973 میں سروس آف پاکستان میں شمولیت اختیار کی۔ اور 1975 سے 1978 تک مری میں اسسٹنٹ کمشنر تعینات رہے۔ بعدازاں انہوں نے ڈپٹی سیکرٹری کی حیثیت سے 1980 تک پنجاب سیکرٹریٹ میں فرائض سرانجام دیئے۔ انہوں نے گوجرانوالہ، ڈیرہ غازیخان، میں پانچ سال تک بطور ڈپٹی کمشنر بھی فرائض سر انجام دیئے وہ 1985 تک افغان مہاجرین تنظیم میں ایڈیشنل کمشنر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ 1988 سے 1989 تک پنجاب کے ایڈیشنل سیکرٹری فنانس اور 1989 سے 1990 تک وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں جوائنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ بعدازاں انہوں نے سرکاری ملازمت کو خیر باد کہا اور پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔ انھیں سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو نے اپنا پولیٹکل سیکرٹری مقرر کیا۔ انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کی بین الاقوامی سطح پر نمائندگی کی۔ انھیں پیپلز پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی میں بھی نمایاں حیثیت حاصل رہی۔ مارچ 1994 میں شفقت محمود پیپلز پارٹی کی ٹکٹ پر سینیٹر منتخب ہوئے اور سینٹ کی کابینہ، اسٹیبلشمنٹ اینڈ مینجمنٹ سروسز، دفاع اور دفاعی پیداوار، ایوی ایشن، خارجہ امور، امور کشمیر وشمالی علاقہ جات، اور فنکشنل کمیٹی برائے یقین دہانی کی قائمہ کمیٹیوں کے رکن رہے۔ شفقت محمود کئی فلاحی تنظیموں سے بھی وابستہ ہیں انہوں نے بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے مفادات کا تحفظ کرنے کیلئے نمایاں خدمات سرانجام دیں اور کشمیر کا مقدمہ انتہائی مدلل انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔

پیر عطا محمد قادری

پیر عطا محمد قادری ڈلوال نزد کٹھالیہ سیداں تحصیل پھالیہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کے دادا کا نام میاں بخت' والد کا نام میاں غلام محمد اور والدہ کا نام مائی طالع بی بی تھا' جو انتہائی پرہیز گار متقی اور تہجد گزار خاتون تھیں۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم نواب زادہ ۴۰ چک مڈل ہائی سکول نزد کٹھالیہ شیخاں سے حاصل کی۔ آپ کے خاندان نے ۱۹۶۲ء میں ہجرت کی اور منڈی بہاؤالدین (محلہ کوٹ احمد شاہ) میں رہائش پذیر ہو گئے۔ آپ نے محلہ کوٹ احمد شاہ میں مسجد قادریہ کی بنیاد رکھی اور وہاں فیض القرآن کا مدرسہ برائے طلبہ وطالبات قائم کیا۔

آپ صوفی محمد دین مرحوم کی شخصیت سے متاثر تھے اور بڑے شوق سے اُن کی کتابیں پڑھتے۔ منڈی بہاؤالدین کی جامع مسجد کی افتتاحی تقریب کے جلسہ میں سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کو مدعو کیا گیا تھا آپ اُس وقت اس جلسہ میں شرکت کے لیے اپنے گاؤں ڈلوال سے ۸ میل پیدل سفر کر کے آئے۔ آپ نے ۱۹۷۰ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ کام کیا اور ملک بھر میں ان کے ساتھ جلسوں سے خطاب کیا اور جلوسوں کی قیادت کی۔ جب ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم کی تو آپ نے بھی جنرل ضیاء کے ۱۱ سالہ مارشل لائی دور کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

آپ نے منڈی بہاؤالدین کو ضلع بنوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ایک لاکھ نفوس پر مشتمل ملحقہ آبادیوں کو منڈی بہاؤالدین شہر کی حدود میں شامل کرایا۔ منڈی بہاؤالدین میں سوئی گیس کی فراہمی کے لیے کوششیں کرتے رہے۔ گورنمنٹ سرسید ہائی سکول' گورنمنٹ تعمیر ملت ہائی اور ہیڈ رسول کے لیے اراضی اور عمارات کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ گرلز پرائمری سکول محلہ کوٹ احمد شاہ کا قیام عمل میں لایا اور کوٹ احمد شاہ میں بجلی کے پول' نئی وائرنگ' ٹرانسفارمر نصب کرایا۔

میاں عبدالرشید پگانوالہ

میاں عبدالرشید' مشتاق پگانوالہ کے کزن ہیں جو پاکستان پیپلز پارٹی کے دور میں رکن قومی اسمبلی تھے۔ انہوں نے 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔ انھیں اس الیکشن میں گجرات کے نوابزادہ گروپ کی بھی حمایت حاصل رہی

Marfat.com

نوابزادہ غضنفر گل

نواب زادہ غضنفر گل گیارہ اکتوبر انیس سو اڑتالیس کو گجرات کے معروف سیاسی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج سے گریجوایشن کی کرنے کے بعد مزید تعلیم انگلستان سے حاصل کی۔ وہاں سے بی ایس سی اکنامکس کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آئے۔ خاندانی روایت کے مطابق انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز بلدیاتی سیاست سے کیا۔ 1982 میں اجنالہ یونی کونسل اور مرکزی کونسل کڑیانوالہ کے چیئرمین رہے 1987 کو بھی اسی یونین کونسل کے دوبارہ چیرمین منتخب ہوئے 1988 کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1990 کے قومی انتخابات میں وہ قومی اسمبلی کے حلقہ سے پیپلز پارٹی کے امیدوار بنے مگر کامیاب نہ ہوسکے بعد ازاں 1993 کے عام انتخابات میں رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے 1997 کے عام انتخابات میں وہ قومی اسمبلی کی نشست نہ جیت سکے۔ وہ پارلیمانی روایات کی پاسداری اور حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے سیاستدان ہیں۔ اپنی بہترین خطابت اور شعروشاعری سے پارلیمنٹ کی رونق دوبالا کرتے ہیں

چودھری غلام رسول

چودھری غلام رسول نے سیاست کا آغاز مقامی ضلع کونسل گجرات سے کیا۔ وہ پیشہ کے اعتبار سے وکیل تھے۔ انہوں نے 1985 کے انتخابات میں حصہ لیا اور بھاری اکثریت سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ انہوں نے اس انتخاب میں بلدیہ منڈی بہاؤالدین کے چیئرمین میاں وحیدالدین کو شکست دی۔

چودھری غلام رسول تارڑ

غلام رسول تارڑ کا تعلق گجرات کے متوسط زمیندار گھرانے سے تھا 1927 میں گورنمنٹ ہائی سکول پھالیہ سے پڑھنے کے بعد انہوں نے عوامی نوعیت کے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کی۔ 1936 میں وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے رکن منتخب ہوئے۔ 1940 میں آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور گجرات میں مسلم لیگ کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ 1945 میں یونینسٹ پارٹی کے مقابلہ میں صوبائی اسمبلی کا انتخاب جیت گئے فروری 1946 میں ایجی ٹیشن میں حصہ لینے کی پاداش میں گرفتار کر لئے گئے۔ مارچ 1946 میں وہ دہلی کی آل انڈیا مسلم کانفرنس میں شریک ہوئے اور قائداعظم نے ان کی شاندار خدمات کو بنظر تحسین دیکھا۔ قیام پاکستان کے بعد 1951 میں صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ 1955 میں وحدت مغربی پاکستان کے انضمام پر مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن بنے اسی طرح 1945 سے لیکر 1958 تک صوبائی اسمبلی میں گجرات کی نمائندگی کا اعزاز انھیں حاصل رہا۔ 1965 میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انہوں نے سیاسی اقتدار سے ذاتی منفعت حاصل نہیں کی بلکہ اپنے علاقے کی بہبود کے لئے سرگرمی سے حصہ لیا۔ وہ 1948 سے 1960 تک منڈی بہاؤالدین مارکیٹ کمیٹی کے چیئرمین رہے اور 1936 سے 1956 تک ڈسٹرکٹ بورڈ کے رکن بھی رہے۔ انہوں نے کاشتکاروں کے مسائل حل کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

چودھری فیض احمد پاہڑیانوالی

چودھری فیض محمد نے 1985 میں ہی پہلی بار سیاست میدان میں آنے کا فیصلہ کیا اور اپنے علاقے کی مشہور شخصیات کو 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں شکست دیکر رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔

قمر زمان کائرہ

قمر زمان کائرہ لالہ موسیٰ کے سیاسی گھرانے میں پانچ جنوری 1960 کو پیدا ہوئے۔ وہ 2002 کے انتخابات میں پہلی بار پیپلز پارٹی کی ٹکٹ پر رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ وہ 2002 میں ضلع کونسل گجرات کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ قمر زمان کائرہ نے ایم اے فلاسفی 1985 میں پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ جس کے بعد وہ اپنے کاروبار اور زمینداری سے وابستہ رہے۔ دو ہزار دو میں منتخب ہونے کے بعد وہ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے ہاؤسنگ اینڈ ورکس کے بھی رکن بنے۔ 2008 کے انتخابات میں وہ دوسری بار پیپلز پارٹی کی ٹکٹ پر رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور انھیں وفاقی کابینہ میں وزیر اطلاعات ونشریات، امور کشمیر وشمالی علاقہ جات کے عہدے دیئے گئے وہ گلگت بلتستان کے پہلے گورنر بھی بنائے گئے۔

راجہ کامران افضل

کامران افضل کے والد نے 1970 میں بطور آزاد امیدوار انتخاب میں حصہ لیا اور رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔ وہ پنجاب اسمبلی میں متحرک رکن اپوزیشن تھے۔ انہوں نے قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ وہ تحریک استقلال کے بھی رکن رہے۔ راجہ کامران افضل نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے 1985 کے

Marfat.com

غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور کامیاب ہو کر رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔

چودھری گل نواز خان

گل نواز خان کا تعلق جلال پور جٹاں کے مشہور جاٹ خاندان سے ہے۔ آپ قیوم مسلم لیگ گجرات کے صدر بھی رہے 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔

چودھری مانک خان بوسال

چودھری مانک خان بوسال 1965 کے انتخابات میں گجرات کی نشست دو سے رکن منتخب ہوئے ان کا آبائی علاقہ منڈی بہاؤالدین تھا۔ انکے خاندان کو برطانوی دور میں بھی اہم خطابات سے نوازا گیا۔

چودھری محمد احسن

چودھری محمد احسن پچیس دسمبر 1908 کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ زمیندار کالج گجرات سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے اور علی گڑھ سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ پھر مقابلے کا امتحان پاس کر کے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ جب تحریک پاکستان انتہائی عروج پر تھی تو انہوں نے مری میں ذاتی حیثیت میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کیا۔ ان کی زیر سرکردگی مسلم لیگ کے اجلاس کی خبر جب حکومتی حلقوں میں پہنچی تو کھلبلی مچ گئی۔ حکومتی حکام نے ان سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے کر ڈسپلن کی خلاف ورزی کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے برملا جواب دیا کہ پاکستان کے لئے ملازمت تو کیا اپنا سب کچھ قربان کر سکتا۔ ہوں انہوں نے سرکاری ملازمت ترک کر دی اور کھل کر سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ 1946 میں خضر حیات وزارت کیخلاف عدم تعاون کی تحریک کے دوران اپنے والد چودھری بہاول بخش کے ہمراہ جو کہ تحریک کے اہم رہنما تھے، گرفتار ہوئے۔ 1951 میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے بعدازاں مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن بھی بنے پارلیمانی سیکرٹری کی حیثیت سے بھی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ خالصتاً جمہوری مزاج کے آدمی تھے۔ اظہار رائے میں کسی مصلحت یا خوف کا شکار نہیں ہوتے تھے 1964 میں حاکم وقت فیلڈ مارشل ایوب خان کے مقابل صدارتی امیدوار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا کھل کر ساتھ دیا اور حکومت وقت سے بالکل خوفزدہ نہ ہوئے انہوں نے گجرات میں وفات پائی۔

میاں محمد اختر

میاں محمد اختر 1936 میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار کراچی کے مشہور تاجروں میں ہوتا رہا۔ وہ حکومت کے ٹرانسپورٹ ایڈوائزری بینل، رکن لیبر ایڈوائزری بورڈ کراچی ڈسٹرکٹ کونسل اور بوائے سکاؤٹس ایسوسی ایشن کے رکن رہے۔ وہ سٹی مسلم لیگ تھری کے صدر اور انجمن مسلمانان پنجاب کی مینجنگ کمیٹی کے بھی رکن رہے۔ ان کو حلقہ نیابت کراچی سات سے عوام نے رکن صوبائی اسمبلی منتخب کیا۔

حاجی چودھری محمد اصغر

چودھری محمد اصغر کے بھائی چودھری محمد زمان آف کیرا 1970 میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے تھے۔ اپنے خاندان کی سیاسی وراثت کو نبھاتے ہوئے چودھری محمد اصغر نے 1985 کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔

محمد افضل چن

محمد افضل چن کا تعلق گجرات کے پنڈ مکو کے بااثر زمیندار خاندان سے ہے انہوں نے انیس سو پچاسی کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور بلدیہ ملکوال کے چیئر مین کو شکست دیکر رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔ 1988 اور 1990 کے انتخابات میں بھی وہ رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔

میاں محمد افضل حیات آف کوہلیاں

محمد افضل حیات کے دادا کیپٹن فتح محمد 1937 میں پنجاب اسمبلی کے رکن تھے مگر 1946 میں یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ سے دوبارہ انتخاب نہ جیت سکے۔ بعدازاں فتح محمد 1951 میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر رکن پنجاب اسمبلی بنے۔ ان کے صاحبزادے میاں اسلم حیات نے دوبارہ اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا مگر دونوں بار ناکام رہے۔ میاں افضل حیات نے 1970 کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔ بعدازاں کونسل لیگ کے سربراہ خورشید انور کی سربراہی میں پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے 1977 میں انہوں نے پیپلز پارٹی

Marfat.com

کی ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے وہ پانچ جولائی تک صوبائی وزیر بھی رہے۔1985 کے انتخابات میں رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔

چودھری محمد اقبال

چودھری محمد اقبال چلیانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم زمیندار ہائی سکول گجرات سے حاصل کی۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی آبائی زمینوں کی دیکھ بھال کرنے لگے 1945 میں انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور حصول پاکستان کے مقصد کیلئے مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔آپ اور آپ کے اکثر رشتہ داروں نے اس پاداش میں جیل بھی کاٹی مگر اپنے مقصد پر ڈٹے رہے وہ 1965 کے انتخابات میں گجرات سے اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔وہ رسول انجینئرنگ سکول میں طلباء کی اعانت کیلئے قائم فنڈ کے تاحیات رکن رہے اور بوائز ایسوی ایشن گجرات کی بھی مالی اعانت کرتے رہے۔وہ اسمبلی کے ریلوے بورڈ کیلئے رکن نامزد ہوئے۔عوام کی خدمت ان کا نصب العین رہا۔

چودھری محمد اقبال بوسال

منڈی بہاؤالدین کے معروف قصبہ بوسال سے تعلق رکھنے والے سیاسی خاندان کے چشم و چراغ چودھری محمد اقبال بوسال 1997 کے انتخابات میں پہلی بار رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے وہ 1950 میں بوسال میں پیدا ہوئے۔انہوں نے مسلم ہائی سکول راولپنڈی اور گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی سے اپنی تعلیم حاصل کی ان کے بڑے بھائی چودھری جہان خان بوسال پاکستان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر 1946 میں رکن پنجاب اسمبلی بنے اور 1956 میں دوبارہ رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔1962 میں وہ رکن قومی اسمبلی بنے۔1965 میں ان کی وفات سے یہ سیٹ خالی ہوئی تو چودھری مانک خان بوسال جنہیں برطانوی حکومت نے کنگ آف گوندل بار کا خطاب دیا تھا مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے 1977 کے انتخابات میں محمد اقبال بوسال کے بڑے بھائی نواز بوسال نے انتخابات میں حصہ لیا۔وہ انیس سنتر کے انتخابات میں رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔1990 کے انتخابات میں وہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر رکن قومی اسمبلی بنے چوہدری محمد اقبال بوسال نے 1979 کے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا وہ یونین کونسل بوسال، مرکز کونسل، اور تحصیل و بیگیلنس کمیٹی کے بلامقابلہ چیئرمین منتخب ہوئے 1987 میں وہ ضلع کونسل گجرات کے رکن منتخب ہوئے انہیں 1993 میں قومی اسمبلی کی نشست پر انتخاب کیلئے پاکستان مسلم لیگ کا ٹکٹ ملا۔

انہوں نے 1997 کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔

نوابزادہ مظفر علی

مظفر علی 1979 میں ڈسٹرکٹ کونسل گجرات کے رکن منتخب ہوئے اور اس کے بعد بڑی اکثریت سے چیئرمین بنے۔وہ 1983 تک صوبائی کونسل پنجاب کے رکن بھی رہے تاہم وہ دوبارہ ڈسٹرکٹ کونسل گجرات کے چیئرمین منتخب نہ ہو سکے وہ نواب اصغر علی مرحوم کے صاحبزادے اور رکن قومی اسمبلی نوابزدہ مظہر علی کے بھائی تھے 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔

ممتاز حسین تارڑ

ممتاز حسین تارڑ کا تعلق منڈی بہاؤالدین کے معروف گھرانے سے ہے۔وہ سیاسی رہنما اور انسانی حقوق کے علمبردار، کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ممتاز حسین تارڑ پانچ اپریل 1945 کو پیدا ہوئے انہوں ے میٹرک تک تعلیم منڈی بہاؤالدین ہائی سکول سے حاصل کی۔بعدازاں انہوں نے زمیندار کالج سے ایف اے کیا اور 1965 میں دیال سنگھ کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔انہوں نے انیس سو ستر سٹھ میں قانون کی ڈگری حاصل کی اور شعبہ وکالت سے وابستہ ہوگئے۔ان کا شمار بہترین قانون دانوں میں ہوتا ہے۔وہ تحریک استقلال میں شامل ہوئے اور پارٹی کے صوبائی صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ممتاز حسین تارڑ 1980 میں ضیا الحق کی مجلس شوری کے رکن نامزد کیے گئے ۔وہ 1985 میں رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور اس دوران متحدہ اپوزیشن کی پارلیمانی پارٹی کے سیکرٹری بھی رہے۔1988 میں وہ دوبارہ رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور 1997 کے انتخابات میں حلقہ کے عوام نے انھیں تیسری بار رکن قومی اسمبلی بننے کا اعزاز بخشا۔ممتاز حسین تارڑ قومی اسمبلی کی مجالس قائمہ برائے امور خارجہ، قانون و انصاف، اور انسانی حقوق و پارلیمانی امور کے بھی رکن رہے ،وہ 88-1987 کے دوران پاکستان برطانیہ پارلیمنٹیرینز فرینڈ شپ گروپ کے بھی نائب صدر رہے۔ممتاز حسین تارڑ نے انسانی حقوق کی جدوجہد کیلئے ہیومن رائٹس کونسل آف پاکستان کے نام سے ادارہ بھی قائم کیا جس کے وہ بانی چیئرمین کے عہدہ پر فائز رہے۔حکومت نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے مرکزی خدمت کمیٹی کا چیئرمین بھی مقرر کیا۔ان کا عہدہ وفاقی وزیر کے برابر تھا۔انہوں نے احتساب اور خدمت کیلئے نچلی سطح پر احتساب اور خدمت کمیٹیاں بنانے میں فعال کردار ادا کیا۔ممتاز احمد تارڑ نے امریکہ، روس، برطانیہ، جرمنی ،فرانس،

Marfat.com

فلپائن، بلجیم، سنگاپور، بھارت، سعودی عرب، اور سوئٹزرلینڈ کے متعدد دورے کیے۔

سید منظور حسین شاہ

سید منظور حسین شاہ 1938 میں ضلع گجرات کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا سادات گھرانہ زراعت سے وابستہ تھا۔ ان کے جد امجد نے برصغیر میں اسلام کی ترویج واشاعت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ سید منظور حسین شاہ نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی زمینداری کا کام سنبھالا بعدازاں انہوں نے مقامی سطح سے سیاست کا آغاز کیا اور 1964 میں لالہ موسیٰ میونسپل کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور انھیں مسلسل تین بار لالہ موسیٰ میونسپل کمیٹی کا رکن منتخب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ 1997 کے انتخابات میں انہوں نے پاکستان مسلم لیگ ن کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا اور بھاری اکثریت سے منتخب ہوئے۔ وہ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے ماحولیات، بلدیات و دیہی ترقی کے بھی رکن رہے۔ انہوں نے جاپان اور متحدہ عرب امارات کے دورے کیے۔

جنرل عبدالحمید خان

عبدالحمید خان گجرات میں پیدا ہوئے ان کا شمار جنرل محمد یحییٰ خان کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا جب جنرل یحی کان نے فیلڈ مارشل ایوب خان کی حکومت ختم کر کے پاکستان میں مارشل لاء نافذ کیا تو جنرل یحییٰ خان کو ایوب حکومت ختم کرنے کا مشورہ جنرل عبدالحمید نے ہی دیا تھا۔ پچیس مارچ 1969 کو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد انہوں نے ڈپٹی چیف آف سٹاف کا عہدہ سنبھالا۔ بعدازاں انھیں جنرل کے عہدے پر ترقی دیکر چیف آف سٹاف بنا دیا گیا۔ 1971 کی پاک بھارت جنگ کے دوران ناقص کارکردگی کی وجہ سے نوجوان فوجی افسروں کی تنقید کا نشانہ بنے۔ کیونکہ جنرل یحییٰ کے بعد سب سے طاقت ور منصب ان کے پاس تھا۔ اس وقت کے فوجی افسروں کے مطالبہ پر ہی ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار ملا۔ جنرل عبدالحمید خان نے بائیس جولائی 1983 کو وفات پائی

یڈمرل محمد شریف

محمد شریف یکم جولائی 1920 کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ 1938 میں رائل انڈین نیوی میں کمیشن حاصل کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران خلیج بنگال، بحر اوقیانوس، بحیرہ قلزم، اور بحیرہ روم میں فوجی خدمات سرانجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے نیول کمانڈر رہے کچھ عرصہ سینٹو میں پاکستان کے نیول اتاشی کی حثیت سے فرائض انجام دیئے۔ 1971 کی پاک بھارت جنگ میں ہلال جرات کا اعزاز حاصل کیا۔ تیئس مارچ 1975 میں ایڈمرل کے عہدہ پر ترقی پا کر پاک بحریہ کے نیول چیف آف سٹاف مقرر ہوئے۔ آپ نے ۲۰۱۰ء میں Admiral's Diary کے نام سے اپنی یادداشتیں شائع کی ہیں۔

سیاسی خاندان

3- ضلع گجرات کے نوابزادے

(تحریر عقیل عباس جعفری: پاکستان کے سیاسی وڈیرے)

گجرات کا نوابزادہ خاندان ایک طویل عرصہ تک گجرات کی سیاست پر نمایاں رہا ہے۔ یہ ذات کے گوجر ہیں اور راجہ جے پال کی اولاد میں سے بتائے جاتے ہیں۔ راجہ جے پال ان کھتانوں کا مورث اعلیٰ تھا جنہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا تھا جبکہ سلطان مسعود نے اس علاقے کے جنوبی حصہ پر حملہ کیا تھا۔

سر لیپل ایچ گرفین اور کرنل میسی' تذکرہ رؤسائے پنجاب میں لکھتے ہیں:

> ''پنجاب کے الحاق کے موقع پر اجنالہ کا سب سے بڑا زمیندار چوہدری سلطان علی ذیلدار اس قبیلہ کا سرکردہ یا میر گروہ تھا۔ جولائی 1854 میں جب معافیات کی تحقیقات ہوئی تو چوہدری سلطان علی نے اجنالہ کی نصف معافی کا دعویٰ کیا جس کی مالیت 325 روپیہ تھی اور جسے وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت سے حاصل کر رہا تھا۔ 1857 میں جب دیوا کے چبوں نے موضع دوکوہا پر حملہ کیا تو سلطان علی خاں اپنے قبیلہ کے ایک ہزار جوان لے کر سرکاری امداد پر آمادہ ہو گیا اور ان آدمیوں کی خدمات کا کوئی معاوضہ نہ لیتے ہوئے اس نے ضلع گجرات کے اس حصہ کی حفاظت کی جو کشمیر کی سرحد سے ملتا ہے۔ سلطان علی کے یہ جوان دہلی بھی گئے جہاں یہ محاصرہ میں بہت مفید ثابت ہوئے ان خدمات کے صلہ میں اس کی معافی یا انعام کے دعویٰ پر پھر غور کیا گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو گورنر جنرل بالقابہ کی طرف سے موضع دھندا کلاں بطور

Marfat.com

جاگیر عطا ہوا۔ چوہدری سلطان علی ایک مستعد اور بڑا ہوشیار ذیلدار تھا اور اس نے 1872 کی وبائے ہیضہ کے دوران میں بڑی قابل قدر امداد دی۔ اس نے تعلیم حاصل کرنے اور ٹیکہ لگوانے کے لیے اپنے علاقے کے لوگوں کو آمادہ کیا۔ یہ کرسی نشین تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی کو 1877 میں اچھی سرکاری خدمات کے صلہ میں ایک سند عطا ہوئی۔

چوہدری سلطان علی نے تین بیٹے محمد خاں، احمد خاں اور فضل علی چھوڑے۔ سب سے بڑا محمد خاں پیروشاہ کا ذیلدار تھا۔ اس نے جنگ عظیم کے دوران میں ایک ہزار روپیہ قرضہ جنگ میں دیا۔ آٹھ ہزار روپیہ اسی مد میں جمع کیا اور قریباً ایک ہزار نگروٹ دیئے اس کو ایک اعزازی تلوار۔ ایک تمغہ جنگ اور ایک خلعت عطا ہوئے اور 1919 کی شورشوں کے بعد اسے 250 روپیہ کی ایک جاگیر اور خان صاحب کا خطاب عطا ہوئے۔ یہ آنریری مجسٹریٹ، ریڈ کراس سوسائٹی کا نائب سرپرست اور سینٹ جان ایمبولیس ایسوسی ایشن کا کونسلر تھا اور اسے 1927 میں ''خان بہادر'' کا خطاب عطا ہوا۔ اسی سال یعنی 1972 میں اس کا انتقال ایک نابالغ لڑکا عطا الٰہی چھوڑ کر ہوا جو ابھی دو سال ہی کا تھا کہ اسے اس کی جگہ ذیلدار بنا دیا گیا۔ چوہدری سلطان علی کا دوسرا بیٹا چوہدری احمد خاں اپنے چھوٹے بھائی فضل علی کی جگہ بطور سربراہ ذیلدار اور علاقہ وار بار برداری کا کام کرتا رہا اور 55 سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

خان بہادر نواب فضل علی ابھی چار سال کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور یہ اپنے باپ کی ایک وصیت کے مطابق ذیلداری اور جاگیر کا جانشین ہوا۔ اس نے سکاچ مشن سکول گجرات (جہاں یہ کرکٹ کا کپتان تھا) میں تعلیم حاصل کی جس کے بعد اسے 1896 میں پراونشل درباری اور اس کے بعد 1901 میں سب رجسٹرار گجرات بنا دیا گیا اور اس کے بعد گجرات کا آنریری مجسٹریٹ مقرر ہونے پر اس نے سب رجسٹراری کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اس نے چترال کی لڑائی میں محکمہ نقل وحمل میں بڑی امداد کی۔ اسے 1902 میں گھوڑی پال شرائط پر ساڑھے دس مربعے عطا ہوئے اور 1909 میں خان بہادر کا خطاب عطا ہوا۔ اس کے بعد 1914 میں اسے جنٹری گرانٹ کے طور پر دس مستطیل مزید عطا ہوئے۔

جنگ عظیم کے دوران میں نواب فضل علی نے 1500 سے زیادہ رنگروٹ اور قرضہ جنگ میں دو ہزار روپیہ دیا اور اس کے علاوہ دس ہزار روپیہ کی مزید رقم اسی مد میں جمع کی۔ اس کے خاندان نے رسالہ کے لیے ایک پورا ترب بھی مہیا کیا۔ ان خدمات کے صلہ میں اسے ایم بی ای کا خطاب، ایک اعزازی تلوار، ایک خلعت اور تمغہ جنگ عطا ہوئے۔ یہ پہلے گجرات میونسپلٹی کا وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوا اور اس کے بعد سب سے پہلا غیر سرکاری پریذیڈنٹ ہو گیا اور اس عہدہ سے اس نے 1947 میں استعفیٰ دے دیا۔

1906 میں نواب فضل علی نے ضلع گجرات میں امداد باہمی کی تحریک شروع کی اور 1919 میں اجنالہ سنٹرل کوآپریٹو بنک کا پریذیڈنٹ مقرر ہوا اور یہ پنجاب کوآپریٹو یونین کا وائس پریذیڈنٹ بھی رہا۔ یہ 1926 میں گجرات ڈسٹرکٹ بورڈ کا پریذیڈنٹ ہوا اور اس طرح یہ پنجاب میں سب سے پہلا غیر سرکاری پریذیڈنٹ تھا۔ 1928 میں اسے 500 روپیہ کی جاگیر عطا ہوئی جس پر 1937 میں 250 روپیہ کی ایک اور جاگیر کا اضافہ کیا گیا اسے 1932 میں نواب کا معزز خطاب عطا ہوا اور اس کے ایک سال بعد او بی ای کا خطاب عطا ہوا۔ نواب فضل علی نے ضلع میں رفاہ عامہ کی متعدد تحریکیں شروع کیں اور ایک ہائی سکول قائم کیا جس کا نام زمیندار ہائی سکول تھا۔ بعد ازاں اس سکول کو کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ 1937 میں وہ یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کا رکن منتخب ہوا۔

نواب فضل علی کے دو بیٹے نوابزادہ مہدی علی خاں اور نوابزادہ اصغر علی خاں تھے۔ نوابزادہ مہدی علی خان نے 1951 میں پنجاب اسمبلی کا انتخاب لڑا اور کامیابی حاصل کی مگر پھر اس کے بعد سیاست کے میدان میں ان کا نام کہیں نظر نہیں آیا۔ ان کے بیٹے چوہدری ظفر مہدی نے 1970 کے عام انتخابات میں حصہ لیا۔ ان کا مقابلہ اپنے کزن چوہدری محمد نواز سے ہوا۔ جنہیں ان انتخابات میں چوہدری ظہور الٰہی کی حمایت حاصل تھی۔ یہ معرکہ چوہدری نواز کے ہاتھ رہا۔

چوہدری ظفر مہدی بعد ازاں اپنے چچا نوابزادہ اصغر علی کے ہمراہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے اور 1977 میں انہوں نے قومی اسمبلی کی نشست پر چوہدری ظہور الٰہی کو زبردست شکست سے دوچار کیا۔

نواب فضل علی کی سیاسی وراثت صحیح معنوں میں ان کے چھوٹے صاحبزادے نوابزادہ اصغر علی خان نے سنبھالی۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اپنے والد کی وفات پر 1942 میں اور دوسری مرتبہ 1946 میں پنجاب اسمبلی کی رکنیت حاصل کی۔ دونوں مرتبہ انہیں یونینسٹ پارٹی کی حمایت حاصل تھی مگر جب انہوں نے مسلم لیگ کا ستارہ عروج پر دیکھا تو وہ یونینسٹ پارٹی چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ 1951 میں بھی وہ مسلم لیگ ہی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1955 میں ون یونٹ کے قیام کے بعد جو انتخابات منعقد ہوئے ان میں نوابزادہ اصغر علی خاں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس وقت تک ان کے حریف چوہدری فضل الٰہی اور چوہدری ظہور الٰہی گجرات کی سیاست میں اپنے قدم جمانا شروع کر چکے تھے۔

Marfat.com

کچھ عرصے بعد جب مغربی پاکستان اسمبلی میں ری پبلکن پارٹی وجود میں آئی تو چوہدری فضل الٰہی اور چوہدری ظہور الٰہی اس نوزائیدہ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ جس کے صلے میں مخدوم زادہ سید حسن محمود نے نوابزادہ اصغر علی کی جگہ چوہدری ظہور الٰہی کو گجرات ڈسٹرکٹ بورڈ کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ نوابزادہ اصغر علی نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے مسلم لیگ کے صدر خان عبدالقیوم خاں کو گجرات مدعو کیا اور ان کا 32 میل لمبا جلوس نکالا۔۔۔ مگر چند ہی روز بعد مارشل لاء نافذ ہو گیا اور تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

1962 کے عام انتخابات میں نوابزادہ اصغر علی کو زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی اور ان کا مخالف گروپ' چوہدری ظہور الٰہی کی قیادت میں گجرات کی سیاست پر پوری طرح قابض ہو گیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد نوابزادہ اصغر علی کی قسمت کا ستارہ پھر چمکا اور ان کی خوش قسمتی سے مغربی پاکستان کے مطلق العنان گورنر نواب کالا باغ اور چوہدری ظہور الٰہی میں ان بن ہو گئی۔ نواب کالا باغ نے چوہدری ظہور الٰہی کو نیچا دکھانے کے لیے نوابزادہ اصغر علی کی سرپرستی شروع کر دی اور انھیں کنونشن مسلم لیگ میں شامل کر لیا۔ یوں نوابزادہ صاحب 1965 میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

ایوب خاں کے زوال کے بعد نوابزادہ اصغر علی خاں نے دوبارہ قیوم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور 1970 کے انتخاب میں خم ٹھونک کر چوہدری ظہور الٰہی کا مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان انتخابات میں نوابزادہ اصغر علی ناکام ہو گئے۔ جلد ہی انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

1979 میں نوابزادہ اصغر علی کے صاحبزادے نواب زادہ مظفر علی نے ضلع کونسل گجرات کی چیئر مین شپ کے انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔ 1981 میں ان کے بڑے بھائی نوابزادہ مظہر علی خان وفاقی مجلس شوریٰ کے رکن بنا دیے گئے۔ نوابزادہ مظہر علی 1977 میں صوبائی اسمبلی کے رکن بھی منتخب ہو چکے تھے۔

1985 کے عام انتخابات سے پہلے حکام بالا نے نوابزادہ خاندان اور چوہدری خاندان کے درمیان ایک معاہدہ کروایا' جس کی رو سے گجرات کی ایک قومی اور ایک صوبائی نشست نوابزادہ خاندان کو ایک قومی اور ایک صوبائی نشست چوہدری خاندان کو مل گئی۔ یوں نوابزادہ خاندان کے نوابزادہ مظہر علی قومی اسمبلی کے اور نوابزادہ مظفر علی صوبائی اسمبلی کے بلا مقابلہ رکن منتخب ہو گئے۔ نوابزادہ مظہر علی اس سے قبل 1977 میں بھی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔

1988 میں نوابزادہ خاندان نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی اور نوابزادہ مظہر علی نے این اے 80 گجرات 1 سے قومی اسمبلی کا اور ان کے بھائی نوابزادہ غضنفر علی گل نے پی پی 92 گجرات 2 سے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا۔ اس انتخاب میں نوابزادہ مظہر علی خاں تو چوہدری تجمل حسین سے شکست کھا گئے مگر نوابزادہ غضنفر علی گل اسلامی جمہوری اتحاد کے چوہدری غلام سرور کو شکست دے کر صوبائی اسمبلی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

1990 میں نوابزادہ غضنفر علی گل کو پی ڈی اے نے قومی اسمبلی کی اسی نشست پر اپنا امیدوار نامزد کیا جس پر 1988 میں ان کے بڑے بھائی نوابزادہ مظہر علی خاں نے شکست کھائی تھی۔ مگر اس مرتبہ پھر چوہدری تجمل حسین کا پلہ بھاری رہا اور نوابزادہ غضنفر علی گل تقریباً اکتیس ہزار ووٹوں سے شکست کھا گئے۔ نوابزادہ غضنفر علی گل کے بھائی نوابزادہ مظفر علی نے 1988 میں نوابزادہ غضنفر علی گل سے شکست کھانے والے امیدوار چوہدری غلام سرور کا مقابلہ کیا مگر اس مرتبہ بھی غلام سرور کا پلہ بھاری رہا اور نوابزادہ خاندان اس صوبائی نشست سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

1993 کے عام انتخابات میں نوابزادہ غضنفر علی گل نے این اے 80 گجرات 1 سے چوہدری شجاعت حسین کا مقابلہ کیا اور انھیں تقریباً پانچ ہزار ووٹوں سے شکست دی جبکہ ان کے بھائی نوابزادہ مظہر علی نے پی پی 93 گجرات 2 سے چوہدری غلام سرور کو شکست دے کر صوبائی اسمبلی تک رسائی حاصل کر لی۔ 1997 کے عام انتخابات میں نوابزادہ غضنفر علی نے قومی اسمبلی کی نشست پر چوہدری تجمل حسین کے صاحبزادے چوہدری مبشر حسن سے اور ان کے بھائی نوابزادہ مظہر علی نے صوبائی اسمبلی کی نشست پر چوہدری غلام سرور سے شکست کھائی۔

2002 میں قومی اسمبلی کی نشست پر نوابزادہ غضنفر علی گل کو چوہدری وجاہت حسین کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ جبکہ نوابزادہ مظہر علی نے انتخابات میں حصہ ہی نہیں لیا۔ ان کے بجائے۔ ان کے بجائے ان کے حلقے سے ایک اور نام نوابزادہ مظفر علی کا نظر آیا جو پاکستان پیپلز پارٹی (پارلیمنٹیرین) کے ٹکٹ پر انتخاب لڑ رہے تھے لیکن پاکستان مسلم لیگ (ق) کے خالد اصغر گھرال سے شکست کھا گئے۔ 2008 کے انتخابات میں بھی نوابزادہ خاندان کے حصے میں کوئی نشست نہیں آئی۔

گجرات کے چوہدری

(عقیل عباس جعفری)

ضلع گجرات میں دریائے چناب کے کنارے جاٹ برادری کا ایک خاندان وڑائچ آباد ہے۔ اس خاندان کی آبادیاں گجرات تحصیل سے لے کر پھالیہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ضلع گجرات میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا نام "نت" ہے۔

Marfat.com

اس گاؤں میں 1921 میں ایک بچے نے جنم لیا۔ جس کا نام ظہور الٰہی رکھا گیا۔

ظہور الٰہی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اور پھر سکول کی تعلیم گجرات شہر میں حاصل کی۔ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد 1936 میں چوہدری ظہور الٰہی نے پولیس کے محکمہ میں ملازمت اختیار کی اور ساہیوال شہر میں خدمات انجام دینے لگے۔ 1942 میں وہ ترقی پا کر ہیڈ کانسٹیبل بنا دیئے گئے مگر جلد ہی انہوں نے اس محکمہ سے استعفیٰ دے دیا۔ چوہدری ظہور الٰہی کے مخالفین کا کہنا ہے کہ انہوں نے استعفیٰ نہیں دیا تھا بلکہ انھیں بدعنوانی کے الزام میں محکمہ سے برخواست کر دیا گیا تھا بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو' واقعہ یہ ہے کہ 1944 میں چوہدری ظہور الٰہی نے محکمہ پولیس کو خیر باد کہا اور امرتسر چلے گئے۔ جہاں ان کے بڑے بھائی چوہدری منظور الٰہی (پرویز الٰہی کے والد) پہلے ہی سے مقیم تھے اور ایک ٹیکسٹائل فیکٹری میں سپروائزر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چوہدری ظہور الٰہی بھی اسی فیکٹری میں کام کرنے لگے۔

قیام پاکستان کے بعد چوہدری ظہور الٰہی کی ملاقات اپنے ایک عزیز چوہدری عبدالغنی گھمن سے ہوئی' جو دودھ کے کاروبار سے وابستہ تھے اور آہستہ آہستہ پنجاب کی سیاست میں اپنے قدم جما رہے تھے۔ آگے چل کر چوہدری عبدالغنی گھمن مغربی پاکستان کی صوبائی کابینہ کے رکن بھی بنے۔ تقسیم کے بعد انھی چوہدری عبدالغنی گھمن کی امداد سے چوہدری ظہور الٰہی کو میلا رام ملز الاٹ ہو گئی۔

میلا رام ملز کی الاٹمنٹ سے چوہدری ظہور الٰہی کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا۔ یہ کام ان کے لیے ایسا موزوں ثابت ہوا کہ جلد ہی وہ گجرات بھر میں اس کاروبار پر چھا گئے اور متوسط درجے کے چوہدری ظہور الٰہی اب گجرات کے امیر چوہدریوں میں شمار ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ وہ رفاہی اور سماجی بہبود کے کاموں میں بھی نمایاں ہونے لگے۔ جو انھیں سیاست کے میدان خارزار تک لے گیا۔

ضلع گجرات کی سیاست کے دو بنیادی عنصر ہیں۔ جاٹ برادری اور گوجر برادری۔

جاٹ برادری کی قیادت ممتاز مسلم لیگی رہنما اور قائداعظم کے معتمد چوہدری بہاول بخش کے ہاتھ میں تھی جنہیں آج تک گجرات میں احترام سے بابا بہاول بخش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

گوجر برادری کے رہنما نواب سر فضل علی تھے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے نواب زادہ اصغر علی خان اس برادری کے لیڈر بنے۔

تحریک پاکستان میں ضلع گجرات کی قیادت چوہدری بہاول بخش کے ہاتھوں میں رہی ان کے ساتھ سید محمود شاہ گجراتی' چوہدری جہاں خاں بوسال' چوہدری غلام رسول تارڑ اور چوہدری فضل الٰہی تھے۔ جبکہ نوابزادہ اصغر یونینسٹ پارٹی کی ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن تھے البتہ ان کے بھائی نوابزادہ مہدی علی خان جو اس زمانہ میں لاہور شہر کے سٹی مجسٹریٹ تھے۔ مستعفی ہو کر تحریک مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ جاٹ گروپ کے لیڈر چوہدری بہاول بخش خاں کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے چوہدری محمد احسن علیگ جو پی سی ایس افسر تھے نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور وہ بھی پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ چوہدری محمد احسن علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ایک نستعلیق نوجوان تھے۔ وکالت کی ڈگری بھی ان کے پاس تھی۔ ان کے لیے یہ بہت مشکل تھا کہ وہ سارا وقت محض گروہی سیاست اور گجرات کے تھانے کچہریوں میں ہی گزار دیں۔ وہ گجرات شہر اور زیادہ تر لاہور میں رہتے۔ اسمبلی میں بڑی اچھی تقریریں کرتے' اپنے علاقے کے لوگوں کے جائز اور قانونی معاملات پر ان کی مناسب راہنمائی کرتے' اخبارات میں مضامین لکھتے اور اسمبلی کے باہر ہونے والے سیاسی مباحثوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے' لیکن گجرات میں ان کی جاٹ برادری کو ایسے لیڈر کی ضرورت تھی جو ہر وقت اور ہر طرح ان کے معمولی سے لے کر بڑے بڑے مسائل تک ان کا ساتھ دے۔ نتیجتاً چوہدری محمد احسن علیگ اپنے ضلع اور خصوصاً اپنی تحصیل گجرات کے جاٹ گھرانوں سے دور ہوتے چلے گئے اور اس طرح منظر سے دور ہو جانے کے باعث جو خلیج ان کے اور جاٹ برادری کے درمیان پیدا ہوئی اسے ابھرتے ہوئے مخیر' مہمان نواز' دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن چوہدری ظہور الٰہی نے پاٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے گجرات میں زبردست سماجی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ گوجر برادری اور جاٹ برادری کے ناراض اور محروم چوہدریوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کیا وہ انھیں اپنے گھر بلاتے' ان کی تواضع کرتے ان کے کام کرانے کے لیے شہر شہر گاؤں گاؤں جاتے اپنی گاڑی اور اپنا پیٹرول استعمال کرتے اور لوگوں کے کام کراتے اس طرح انہوں نے اپنی مضبوط سیاسی حیثیت قائم کر لی۔ اب گجرات میں موجود سیاسی دھڑوں میں ایک مضبوط دھڑا چوہدری ظہور الٰہی کا بھی تھا جس میں جاٹ بھی تھے اور گوجر بھی۔

قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں بھی بہت عرصے تک کوآپریٹو بنک' دیہی اور ضلعی سیاست میں بہت اہم حیثیت رکھتے تھے۔ گجرات میں گوجر نواب زادوں کا سب سے بڑا اعزاز یہ تھا کہ وہ کئی سال سے سنٹرل کوآپریٹو بنک گجرات کے کرتا دھرتا چلے آ رہے ہیں اور نوابزادہ اصغر علی خاں بنک کے چیئرمین تھے وہ لوگ اپنے آپ کو اس قدر ناقابل تسخیر خیال کرتے تھے کہ انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی ان کے مقابل بھی آ سکتا ہے۔ چوہدری ظہور الٰہی نے ان کے مقابلے میں اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیئے۔ اگرچہ اس مقابلہ میں نواب زادے جیت گئے لیکن ان کا یہ زعم ٹوٹ چکا تھا کہ ان کے مقابلہ میں کوئی اور نہیں ہے۔ بلکہ انھیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ

Marfat.com

گجرات میں ایک نئی قوت اور طاقت ابھر رہی ہے۔

1956 میں ون یونٹ کے قیام کے بعد اسمبلی کے انتخابات میں نوابزادہ برادران شکست کھا گئے۔ چوہدری محمد احسن علیگ اس اسمبلی کے بھی رکن منتخب ہو گئے۔ چوہدری فضل الٰہی اس اسمبلی کے پہلے سپیکر منتخب ہوئے۔ ان ہی دنوں ری پبلکن پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ چوہدری فضل الٰہی اور چوہدری ظہور الٰہی نے نوابزادوں کے خلاف اپنے نئے دھڑے کو زیادہ مضبوط بنانے کے لیے نئی پارٹی کے قیام کے ساتھ ہی اس میں نہ صرف شمولیت کر لی بلکہ گجرات میں مسلم لیگ کے دفتر پر قبضہ کر کے اس پر ری پبلکن پارٹی کا بورڈ آویزاں کر دیا۔

ری پبلکن پارٹی درحقیقت میجر جنرل سکندر مرزا کے ذہن رسا کی تخلیق تھی۔ وہ صدر پاکستان کی حیثیت سے اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن عوام کی نظروں میں نہ تو اس پارٹی کی کوئی عزت تھی اور نہ ہی اس کے لیڈروں کی۔ اس پارٹی کے لیڈروں کی سیاست گری کا ردعمل یہ ہوا کہ خاں عبدالقیوم خاں نے جو اس وقت مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو چکے تھے زور و شور سے پورے ملک کا دورہ شروع کر دیا اور عوام نے والہانہ انداز میں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع کر دیا۔ خان عبدالقیوم خان کے دورے کے اثرات کو کم کرنے کے لیے ری پبلکن پارٹی کے اہم لیڈر اور مغربی پاکستان کے وزیر بلدیات مخدوم زادہ سید حسن محمود نے بھی پنجاب کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا وہ جب گجرات آئے تو چوہدری ظہور الٰہی نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ مخدوم زادہ سید حسن محمود نے گجرات ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین نوابزادہ اصغر علی خاں کو سبکدوش کر کے چوہدری ظہور الٰہی کو اس کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ اس سے قبل بھی مخدوم زادہ نے متعدد بلدیاتی اداروں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے سربراہوں کو نئی پارٹی میں شمولیت اختیار نہ کرنے کی پاداش میں ان کے عہدوں سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس نامزدگی سے چوہدری ظہور کا گجرات کی سیاست میں ایک نیا دور شروع ہوا چوہدری صاحب نے پورے ضلع میں اپنی ساکھ کو پہلے سے زیادہ بہتر بنایا۔ انہوں نے ضلع کے تمام موثر گروہوں اور خاموش ٹولیوں سے ناطہ جوڑا' انھیں اپنے ساتھ ملا کر اپنے گروپ کو اس قدر مضبوط بنا لیا کہ انھیں یقین تھا کہ اب وہ عام انتخابات میں خود اور اپنے گروپ کو نہ صرف نمایاں طور پر کامیاب کرا سکیں گے بلکہ نواب زادہ گروپ کو بھی بری طرح ناکام بنا سکیں گے۔

نوابزادہ گروپ نے 1958 میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے خان عبدالقیوم خان کو گجرات میں مدعو کیا اور 1958 کے مارشل لاء سے چند روز قبل مسلم لیگ کا 32 میل لمبا جلوس نکالا گیا۔ اس جلوس کی قیادت کرتے ہوئے خان عبدالقیوم خان گجرات شہر میں داخل ہوئے یہاں سے وہ بعد ازاں کراچی چلے گئے جہاں مسلم لیگ کے جلوس پر گولی چلائی گئی اسکندر مرزا نے حالات و واقعات کو اس طرح اپنے خلاف جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے 7 اکتوبر 1958 کو مارشل لا کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ مارشل لا کے نفاذ کے بعد چوہدری ظہور الٰہی ڈسٹرکٹ بورڈ گجرات کے ایڈمنسٹریٹر نہ رہے اور ان کے خلاف ان کے سیاسی حریفوں نے مقدمہ بازی شروع کر دی جن میں سے ایک مقدمہ میں انھیں چھ ماہ کی سزا بھی دی گئی۔ پوری سزا بھگتنے کے بعد وہ جب رہا ہوئے تو انہوں نے دوبارہ اپنے علاقہ کے عوام کے لیے کام شروع کر دیا۔ 1962 میں جب قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے تو چوہدری ظہور الٰہی گروپ مکمل طور پر اپنے حریفوں کو شکست دے کر اسمبلی میں جا پہنچے ان میں چوہدری صاحب خود' چوہدری فضل الٰہی اور جہاں خاں بوسال شامل تھے۔

قومی اسمبلی کا انتخاب جیتنے کے بعد چوہدری ظہور الٰہی نے قومی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ قومی اسمبلی کا سپیکر اور ڈپٹی سپیکر مشرقی پاکستان سے لیے جانے تھے البتہ سینئر ڈپٹی سپیکر مغربی پاکستان سے لیا جانا تھا۔

قومی اسمبلی میں مولوی تمیز الدین مرحوم تو قومی اسمبلی کے بلا مقابلہ سپیکر منتخب ہو گئے مگر سینئر ڈپٹی سپیکر کے انتخاب میں پنجاب سے منتخب ارکان قومی اسمبلی دو گروپوں میں تقسیم ہو گئے۔ یہ گروپ عملاً میاں ممتاز دولتانہ کے حامیوں اور مخالفین پر مشتمل تھے۔ چوہدری ظہور الٰہی' میاں عبدالباری' رانا غلام صابر' ملک محمد قاسم' سردار خضر حیات' راجہ افضال مہدی' رانا عبدالحمید' مخدوم حامد رضا گیلانی' چوہدری محمد حسین لاہور نے فیصلہ کیا کہ راجہ حسن اختر کو ہر صورت میں ناکام بنا دیا جائے جبکہ چوہدری محمد حسین چٹھہ' سید شاہنواز کرمانی' چوہدری لال خان آف آہدیاں' سید علی اصغر شاہ' مخدوم محمد سجاد حسین قریشی' پیر قمر الزماں شاہ لکھنہ' میاں صلاح الدین صلی' چوہدری عزیز دین' مہر خداداد خاں لک اور میاں محمد ذاکر قریشی اس کوشش میں تھے کہ چوہدری محمد افضل چیمہ کو کسی صورت میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ دیگر صوبوں کے ارکان قومی اسمبلی یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ زبردست انتخابی معرکہ پیش آیا تاہم چوہدری محمد افضل چیمہ صرف ایک ووٹ سے جیت گئے۔ اس پر چوہدری ظہور الٰہی اور میاں عبدالباری نے کہا کہ آج ہم نے میاں ممتاز دولتانہ کو شکست دے دی ہے۔ حالانکہ میاں ممتاز دولتانہ اس وقت ایبڈ زدہ سیاستدان تھے۔

افضل چیمہ بعد میں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج بنے۔ سپریم کورٹ کی ججی کے بعد وہ اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی سربراہ رہے۔

1962 میں اسمبلی کے انتخابات سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی میں غیر سیاسی بنیادوں پر ہوئے تھے۔ اسمبلی نے اپنے اجلاس کے بعد سیاسی جماعتوں کی بحالی کا بل منظور کیا۔ سیاسی جماعتوں کے بحال ہوتے ہی فیلڈ مارشل ایوب خان کو بھی ایک

Marfat.com

سیاسی جماعت کی ضرورت پڑی تو انہوں نے اپنے لیے مسلم لیگ کو پسند فرمایا۔تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما چوہدری خلیق الزماں مرحوم نے کراچی میں لیگ کا کنونشن طلب کیا اور اس میں مسلم لیگ کنونشن کی بنیاد رکھی۔دوسری طرف باقی کے مسلم لیگیوں نے ڈھاکہ میں مولانا محمد اکرم خاں کی زیرِ صدارت کونسل کا اجلاس طلب کیا اور مسلم لیگ کونسل کی بنیاد رکھی۔قومی اسمبلی میں کنونشن لیگ اسمبلی پارٹی کا جنرل سیکرٹری چوہدری ظہور الٰہی کو منتخب کیا گیا اور وہ فیلڈ مارشل ایوب خان کے بہت قریبی ساتھی شمار کیے جانے لگے اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی پاکستان کے گورنر نواب کالا باغ کے ساتھ ان کی دوستی بھی خاصی گہری ہوگئی۔اس زمانہ میں حکومت نے پروگریسو پیپرز لمیٹیڈ پر قبضہ کر کے میاں افتخار الدین کو بے دخل کر دیا اور پی پی ایل جو اُردو اخبار ''امروز''، اُردو ہفت روزہ ''لیل ونہار'' اور انگریزی اخبار ''پاکستان ٹائمز'' کا اشاعتی ادارہ تھا اور اس وقت بہت بڑا اخباری ادارہ سمجھا جاتا تھا' کی سربراہی چوہدری ظہور الٰہی کو سونپ دی گئی۔بعد ازاں چوہدری ظہور الٰہی نے ایک دوست کے اشتراک سے ایک اور روزنامہ اخبار کا بھی اجراء کیا۔اس زمانہ میں چوہدری صاحب کا چرچا ہر جگہ اور ہر حلقہ میں ہوا کرتا تھا۔لوگ چوہدری صاحب کے بارے میں وزارتوں اور گورنری کی خبریں بھی سنایا کرتے تھے۔

پروگریسو پیپرز لمیٹڈ خریدنے کے کچھ ہی عرصہ بعد چوہدری ظہور الٰہی کمالیہ ٹیکسٹائل ملز بھی اپنے نام الاٹ کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ان کے مخالفین کہتے ہیں کہ اس مل کا 524 کنال رقبہ میونسپلٹی کی حدود میں واقع تھا جسے چوہدری ظہور الٰہی نے مبینہ طور پر ایک فرضی نام سے پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کو 67 لاکھ روپے کے عوض فروخت کر دیا تھا۔

جب چوہدری ظہور الٰہی کو اندازہ ہوا کہ کمالیہ ٹیکسٹائل ملز زیادہ آمدنی نہیں دے رہی تو انہوں نے پہلے تو اس کی مشینری فروخت کرنا شروع کر دی۔پھر انہوں نے اس کی زمین کو رہائشی اسکیم بنا کر فروخت کر ڈالا۔انھیں ان مبینہ اقدامات کے باعث کئی مقدمات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

قدرت اللہ شہاب ''شہاب نامہ'' میں چوہدری ظہور الٰہی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''چوہدری ظہور الٰہی احتیاط پسند آدمی تھے اور سیاست کے کاروبار میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے تھے۔ صدر ایوب کا اعتماد تو انہوں نے بہت جلد حاصل کر لیا' لیکن نواب کالا باغ کے معاملے میں ان سے ایک بھول چوک سرزد ہوگئی۔گورنر مغربی پاکستان کے طور پر نواب صاحب صوبے کی سیاست پر بھی اپنی مضبوط گرفت رکھتے تھے۔خاص طور پر پنجاب میں سیاسی قیادت کی شکست وریخت یا ترقی وبقا نواب کالا باغ کے رحم وکرم پر منحصر تھی۔ان کی رضا اور خوشنودی کے بغیر کوئی نیا سیاستدان اقتدار کی شاہراہ پر ایک قدم بھی نہ اٹھا سکتا تھا۔شومئی قسمت سے چوہدری ظہور الٰہی نے یہ فاش غلطی کی کہ اپنے سیاسی عزائم پر نزول برکت کے لیے وہ نواب کالا باغ سے اشیرباد حاصل کرنا بھول گئے یا قصداً نظر انداز کر گئے۔صدر ایوب کی آمرانہ صلاحیتوں پر چوہدری صاحب کا مکمل تکیہ تھا۔صدر مملکت کو رام کر کے غالباً ان کی اپنی نگاہ مغربی پاکستان کی گورنری پر لگی ہوئی تھی۔یہ افواہ اڑتے اڑتے نواب کالا باغ کے کانوں تک بھی پہنچی اور وہ طیش میں آ کر چوہدری ظہور الٰہی کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ان کے اشارے پر مقامی انتظامیہ نے انھیں مختلف حیلوں بہانوں سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔وقتاً فوقتاً صدر ایوب نواب صاحب کے پاس چوہدری ظہور الٰہی کی صفائی اور سفارش کرتے رہتے تھے' لیکن پھر یکایک حالات بے انتہا بگڑ گئے۔سہواً یا قصداً پاکستان ٹائمز میں گورنر مغربی پاکستان کی کسی معمولی سی علالت کے متعلق ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوگئی۔اس کے ساتھ ایک بے پرکی یہ بھی اڑائی گئی کہ بحالی صحت کے لیے آرام کی غرض سے نواب صاحب کچھ چھٹی بھی لے رہے ہیں۔یہ خبر پڑھ کر نواب صاحب آگ بگولا ہوگئے اور اسے چوہدری ظہور الٰہی کی سازش اور شرارت سمجھ کر انتقامی کارروائیوں پر اتر آئے۔پہلے ایک نہایت فرسودہ اور غیر معروف مواصلاتی ایکٹ کے تحت انھیں گرفتار کر لیا گیا اور پھر ان پر ایک پریشان کن اور طویل مقدمہ چلنا شروع ہوگیا۔اس زمانہ میں چوہدری صاحب کے بارے میں جو کہانیاں مشہور ہوئیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ ملک امیر محمد خاں آف

Marfat.com

کالا باغ نے انھیں گورنمنٹ ہاؤس میں بلایا اور پوچھا کہ ''چوہدری صاحب آپ گورنر کا چارج لینے کب آ رہے ہیں؟'' اس پر چوہدری ظہور الٰہی نے ان کا مدعا سمجھ کر جواب دیا۔

''جناب سیاست ترقی کرنے اور عہدے حاصل کرنے کا کھیل ہے اگر میں گورنری کی خواہش رکھتا ہوں تو آپ بھی اس سے بالا پہنچ جانے کی خواہش کر سکتے ہیں۔''

کہا جاتا ہے کہ اس بات چیت کو نواب صاحب نے ٹیپ کرا لیا تھا اور یہ ٹیپ فیلڈ مارشل ایوب خاں کو بھیج دیا گیا جس پر وہ بھی چوہدری ظہور الٰہی کے خلاف ہو گئے تھے۔ انھیں حکمران پارٹی کی اسمبلی پارٹی کے سیکرٹری جنرل کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کی تشکیل کر کے پی پی ایل کے اخبارات اور چوہدری ظہور الٰہی کے دوست کا اخبار اس میں ضم کر دیئے گئے۔ چوہدری ظہور الٰہی کے مخالف نواب زادہ اصغر علی خاں کو کونسل لیگ سے کنونشن لیگ میں شامل کر لیا گیا۔ صدارتی انتخابات میں چوہدری ظہور الٰہی فیلڈ مارشل ایوب خان کی حمایت سے دست کش ہو گئے لیکن انہوں نے اس کے مقابلہ میں کسی اور کی حمایت بھی نہ کی البتہ گجرات کے چوہدری محمد احسن علیگ' ایڈووکیٹ سید محمود شاہ گجراتی اور چوہدری محمد اکرم ایڈووکیٹ نے مادر ملت کی حمایت میں ایوب خان کے خلاف کھل کر کام کیا۔

1965 میں ہونے والے قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں چوہدری صاحب نے پوری تیاری اور زور وشور سے حصہ لینے کی تیاری کی تھی مگر سرکاری مشینری اور ملک امیر محمد خان کے غیظ وغضب نے نہ صرف چوہدری صاحب کو ناکام بنا دیا بلکہ انہوں نے سالہا سال کی محنت سے جو اپنا سیاسی دھڑا بنایا تھا اس کو بھی توڑ دیا۔ ان کے اپنے ساتھی اور حلیف ان کے خلاف انتخاب میں حصہ لے کر کامیاب ہو گئے۔ چوہدری فضل الٰہی بھی ان کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اور چوہدری ظہور الٰہی تن تنہا مغربی پاکستان کے ان خوف ناک افسروں کا مقابلہ کرتے رہے جو کہ نواب کالا باغ کے ایماء پر ستم ظریفیوں میں مصروف تھے۔

یہ بھی ایک روایت ہی ہے کہ نواب کالا باغ کے گورنری سے علیحدہ ہونے کے تین روز قبل چوہدری ظہور الٰہی اور نواب صاحب کے درمیان صلح ہو گئی تھی یہ روایت اس طرح بھی ضعیف معلوم ہوتی ہے کہ گورنر کالا باغ سبکدوشی سے کئی روز قبل نہ صرف گورنر ہاؤس چھوڑ چکے تھے بلکہ وہ کالا باغ جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے اور سبکدوشی کے اعلان کے دوسرے روز وہ اسلام آباد گئے اور ایوب خان سے ایک تمغہ وصول کیا تھا جو کہ محض ایک رسمی کارروائی تھی۔

جنرل محمد موسیٰ خان کو جب مغربی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا تو ایک بار پھر یہ افواہیں گردش میں آ گئیں کہ جنرل موسیٰ عبوری گورنر ہیں اور جلد ہی چوہدری ظہور الٰہی کو گورنر مقرر کیا جا رہا ہے۔ یہ افواہیں اس قدر زور وشور سے گردش کر رہی تھیں کہ 1967 میں بی بی سی کے ایک اردو بلیٹن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا اور بعد میں سرکاری طور پر اس کی تردید کر دی گئی جس کے بعد ایسی افواہیں بند ہی ہو گئیں۔

ان ہی دنوں جن سیاست دانوں پر ایبڈو کے تحت پابندیاں عائد کی گئی تھیں ان کے سات برس پورے ہو گئے تھے اور یہ پابندیاں خود بخود ختم ہو گئی تھیں اور اس طرح وہ بڑے بڑے سیاست دان جو ایبڈو کے پنجروں میں بند تھے کھل کر میدان میں آ گئے۔ سیاست گردی کا طوفان اس طرح بڑھا کہ ایک طرف تو اس سے نئی قیادت ابھر کر سامنے آ گئی اور دوسری طرف فیلڈ مارشل ایوب خان کی حکمرانی کا سنگھاسن ڈولنے لگا۔ ایوب خان اس کے باعث اس قدر مجبور ہو گئے کہ وہ ایبڈو کی پابندیوں سے آزاد ہونے والے سیاست دانوں کو گول میز کانفرنس کے لیے طلب کر کے ان سے مذاکرات کریں۔ ان دنوں چوہدری ظہور الٰہی اگرچہ باقاعدہ طور پر کسی جماعت میں شامل نہ تھے لیکن کافی عرصہ سے وہ کونسل لیگ کے قرب وجوار میں دیکھے جاتے تھے اور انھیں ایک مسلم لیگی بھی سمجھا جاتا تھا۔ اور بعد میں وہ باقاعدہ طور پر اپنے گروپ کے ساتھ کونسل لیگ میں شامل ہو گئے۔

1970 کے عام انتخابات میں چوہدری ظہور الٰہی نے قیوم مسلم لیگ کے امیدوار نوابزادہ اصغر علی خان کو شکست دی۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد جب اقتدار پاکستان پیپلز پارٹی کو منتقل ہوا تو پیپلز پارٹی کے اندر چوہدری ظہور الٰہی کی لابی نے کوشش کر کے پارٹی کے لیڈر اور چوہدری صاحب کی نہ صرف صلح کرا دی بلکہ دونوں صاحبان کو بہت قریب بھی لے آئی لیکن پیپلز پارٹی میں گجرات کے چوہدری فضل الٰہی شامل تھے۔ وہ اپنی ذاتی وجوہ کی بناء پر چوہدری صاحب کو پارٹی سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے غلام مصطفیٰ کھر اور ان کے ساتھیوں سے ساز باز کر کے پارٹی کے لیڈر اور چوہدری ظہور الٰہی کے درمیان دوبارہ شدید غلط فہمیاں پیدا کر دیں۔ اس عرصہ میں چوہدری ظہور الٰہی نے حزب اختلاف کے ایک پارلیمانی لیڈر کی حیثیت سے اہم مقام حاصل کر لیا۔ وہ ایک شعلہ نوا مقرر تھے۔ اسمبلی کے اندر اور اسمبلی سے باہر چوہدری ظہور الٰہی نے اس عرصہ میں ایک اور اہم ترین کارنامہ سرانجام دیا جسے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں اہم ترین واقعہ کہا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جمعیت علما اسلام' جماعت اسلامی' نیشنل عوامی پارٹی' پاکستان مسلم لیگ' جمعیت علمائے پاکستان' تحریک استقلال اور خاکسار تحریک کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کے لیے دن رات کوششیں کیں اور بالآخر ایک

Marfat.com

متحدہ محاذ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ مفتی محمود اور جماعت اسلامی کے لیڈروں کا باہم مل بیٹھنا ایک ایسا محیر العقول کارنامہ تھا کہ اس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ دوسری طرف نیشنل عوامی پارٹی (ولی خان گروپ) اور مسلم لیگ کا اتحاد بھی تعجب انگیز تھا۔ جمعیت علمائے پاکستان اور مسلم لیگ ایسی جماعتیں تھیں جو کہ تحریک پاکستان کے دوران بھی ہم خیال تھیں لیکن ان دونوں جماعتوں کے ساتھ باقی کے ان لیڈروں اور جماعتوں کی آپس میں کبھی نہ بنتی تھی بلکہ 1970 سے پہلے تو ان مذہبی جماعتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف زبان استعمال کی تھی۔ چوہدری ظہور الٰہی نے ان سب لوگوں کو اپنے دسترخوان پر ایسا کٹھا کیا کہ یہ سب لوگ چوہدری صاحب کے جیل جانے کے بعد بھی ان کے ہی گھر میں اکٹھے ہوتے اور اتحاد کی افادیت سے بہرہ یاب ہوتے۔

چوہدری ظہور الٰہی نے پیپلز پارٹی کے عہد اقتدار میں حزب اختلاف کے لیے صوبائی میزبانی کی جو مثال قائم کی تھی وہ ایوب خان اور یحییٰ خان کے دور میں ملک غلام جیلانی کے ہاں اس سے پہلے قائم ہو چکی تھی البتہ چوہدری صاحب نے اسے بہت خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا اور گلبرگ میں اپنے گھر کے ساتھ والی دو تین کوٹھیاں مزید بنوالیں تاکہ ان کے ہاں آنے والے مہمان زیادہ آسودگی محسوس کریں۔ یہ دونوں کوٹھیاں جدید ترین طرز تعمیر اور اپنی آرائشی خوبصورتی کی بناء پر لاہور کی بہت خوبصورت چند رہائش گاہوں میں شمار کی جاسکتی ہیں اور چند ماہ قبل چوہدری صاحب نے ان کے ساتھ ہی ایک تیسری نئی کوٹھی کی بھی تعمیر تقریباً کرالی تھی۔ یہ کوٹھی پہلی کوٹھیوں سے مختلف تھی اور تکمیل کے بعد یقیناً رومن طرز کا ایک چھوٹا سا محل قرار پاتا۔ اس کی بظاہر شکل وصورت پنجاب اسمبلی کی عمارت سے بہت مشابہہ ہے لیکن افسوس کہ چوہدری صاحب مرحوم کو اپنی ان تمام خواہشوں اور ارادوں پر عملدرآمد کرنا نصیب نہیں ہوا جو ان کے دل میں تھیں' پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ چوہدری ظہور الٰہی اور پیپلز پارٹی کے لیڈر کے درمیان ربط وضبط بڑھ رہا تھا کہ چوہدری فضل الٰہی نے یہ صورت حال دیکھ کر ملک غلام مصطفیٰ کھر اور ان کے گروپ کو چوہدری صاحب کے خلاف بھڑکا دیا اور پھر اس کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی میں چوہدری صاحب کے پرانے دوست مولانا کوثر نیازی' ملک معراج خالد اور دیگر صاحبان نے بے حد کوشش کی کہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور چوہدری صاحب کے تعلقات از سر نو بحال ہو جائیں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا اور بالآخر قومی اسمبلی کے فورم پر چوہدری صاحب نے حکمران پارٹی کو اپنی شعلہ باز تقریروں اور ارکان اسمبلی کے ساتھ اپنے ذاتی مراسم کی بنیاد پر بہت زچ کیا۔ حزب اختلاف کے اگرچہ وہ قائد نہ تھے لیکن حزب اختلاف کے ممتاز رہنما کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں ان کا بہت عزت واحترام کیا جاتا تھا۔

دوسری طرف گجرات میں چوہدری ظہور الٰہی اپنے مقامی مخالفین سے بہت بالا حیثیت کے مالک بن چکے تھے اور مقامی سیاست خود بخود ان کے اشاروں کی پابند ہوگئی مگر چوہدری فضل الٰہی نے ان کے حریف گروپ کو نہ صرف حوصلہ دیا بلکہ ان کی قیادت خود کرنے لگے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے سرکاری اثر ورسوخ کو بھی خوب استعمال کیا۔ چوہدری صاحب نے پیپلز پارٹی کے مخالفت اور حکومت کے ہر اقدام کی مزاحمت کا ایسا رویہ اختیار کیا جس سے چوہدری صاحب پائے کے لیڈر تو بن گئے مگر حکومت ان کی بدترین مخالف ہوگئی۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر سے' جو پنجاب کے گورنر تھے۔ ان کی اسمبلی میں جھڑپ بھی ہوئی جس کے بعد حکومت کی پوری مشینری چوہدری صاحب کے خلاف برسر پیکار ہوگئی اور اس دوران چوہدری صاحب کو جہاں جہاں اور جس طرح بھی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا' پہنچایا گیا ان دنوں میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کو برطانیہ میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا۔ میاں صاحب کی طرف سے پیپلز پارٹی کی حکومت کے ساتھ تعاون کو چوہدری ظہور الٰہی نے سخت ناپسند کیا اور موچی دروازہ لاہور کے ایک جلسہ عام میں جو مختار رانا رہائی کمیٹی کے زیر اہتمام ہوا تھا' چوہدری صاحب نے میاں ممتاز دولتانہ کو سرعام سخت برا بھلا کہا اور انھیں نوٹس دیا کہ وہ سفارت سے مستعفی ہو کر وطن واپس آجائیں۔ چوہدری صاحب کو اصل شکوہ یہ تھا کہ برسر اقتدار پارٹی نے پنجاب سے اسمبلیوں کی رکنیت کے لیے جن لوگوں کو ٹکٹ دیئے تھے وہ ان کے خیال کے مطابق اچھے لوگ نہیں تھے اور اپوزیشن کے ٹکٹ پر جو اچھے لوگ منتخب ہوئے ہیں' پنجاب کے حقوق اور سیاسی شعور کی نمائندگی کرنے کی بجائے اسمبلی کی رکنیت ترک کر کے جا رہے ہیں۔ اس طرح پنجاب سب سے بڑا صوبہ ہونے کے باوجود سب سے کمزور اور بے زبان صوبہ بن گیا ہے۔ چوہدری ظہور الٰہی کی یہ کھلم کھلا مخالفت بھلا ذوالفقار علی بھٹو کو کس طرح پسند آسکتی تھی۔ چنانچہ بھٹو کے ایما پر چوہدری صاحب کے خلاف جعلی مقدمات کا اندراج شروع ہوا۔ ایک رپورٹ کے مطابق بھٹو کے عہد میں چوہدری ظہور الٰہی کے خلاف 47 مقدمات درج کروائے گئے۔ ان کی اہلیہ کے خلاف دو' ان کے بڑے بھائی منظور الٰہی کے خلاف چار' ان کے بیٹے چوہدری شجاعت حسین کے خلاف گیارہ اور ان کے داماد پرویز الٰہی کے خلاف گیارہ مقدمے اس کے علاوہ تھے۔ چوہدری صاحب کو ایک مقدمہ میں گرفتار کر کے بلوچستان میں کولہو جیل میں بند کر دیا گیا بعد میں چوہدری ظہور الٰہی اور نواب اکبر بگٹی نے انکشاف کیا کہ بگٹی کو' جو کہ اس وقت گورنر بلوچستان تھے' کہا گیا تھا کہ وہ چوہدری ظہور الٰہی کو قتل کر دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

چوہدری ظہور الٰہی اگرچہ بے شمار مصائب میں گرفتار تھے لیکن اس کے باوجود حکمران جماعت میں اپنی لابی کو بھی مضبوط بناتے رہتے اور انھیں باقاعدہ

Marfat.com

ہدایات دیتے رہتے اور چوہدری صاحب کے یہ دوست ملک غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں میں کامیاب ہوگئے۔ پارٹی کے چیئرمین اور مصطفیٰ کھر میں اختلاف ہوگیا اور کھر کو پارٹی سے نکال باہر کیا گیا۔ ان کی جگہ محمد حنیف رامے نے لی۔ وہ کچھ عرصہ وزیراعلیٰ رہنے کے بعد فارغ ہوگئے اور نواب صادق حسین قریشی کو وزیراعلیٰ پنجاب بنادیا گیا۔ کھر اور رامے نے پارٹی سے نکالے جانے کے بعد سیدھا مسلم لیگ کا رخ کیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید ظہور الٰہی کسی طور ان لوگوں کے مسلم لیگ میں داخلے کی مزاحمت کریں گے اور ان لوگوں کی درخواستیں مسترد کردی جائیں گی مگر عام لوگوں کا یہ تاثر غلط ثابت ہوا۔ چوہدری ظہور الٰہی نے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ ان دونوں کو نہ صرف مسلم لیگ میں خوش آمدید کہا بلکہ ان کو اچھے عہدے بھی دلائے' یہ دونوں صاحبان مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد اپنے آپ کو وہاں موزوں محسوس نہ کرسکے اور کچھ عرصہ کے بعد مصطفیٰ کھر تو واپس اپنی پارٹی میں چلے گئے جبکہ حنیف رامے اور راجہ منور احمد جیل چلے گئے اور جیل سے واپسی پر انہوں نے نئی پارٹی بنالی مگر چوہدری ظہور الٰہی نے کبھی اپنے ماتھے پر بل نہ آنے دیا اور وہ اپنے اسی حوصلہ سے جیل کے مصائب کاٹتے رہے۔

مارچ 1977 کے عام انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی جیل سے چوہدری صاحب کے خطوط عوام کے نام آنے شروع ہوئے اور انہوں نے بہت حد تک چوہدری صاحب کو انتخابی مہم میں عملاً شریک کردیا۔ عام انتخابات کے بارے میں حزب اختلاف کے رہنماؤں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ دھاندلی کرائی گئی ہے۔ اس لیے صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کردیا گیا اور پاکستان قومی اتحاد نے وسیع پیمانہ پر احتجاجی مہم شروع کی' جس میں عملاً چوہدری صاحب شریک نہ تھے کیونکہ وہ کراچی جیل میں تھے لیکن حزب اختلاف کے رہنما لاہور اور اسلام آباد میں ان کی قیام گاہوں کو اسی طرح استعمال کرتے رہتے اور محبوس چوہدری ظہور الٰہی اب بھی ان کے میزبان تھے۔ ان کے بچوں اور عزیزوں نے پی این اے کے رہنماؤں کو کبھی یہ خیال تک نہیں آنے دیا کہ چوہدری صاحب جیل میں ہیں۔

آخرکار 5 جولائی 1977 کا دن آیا اور مارشل لاء نافذ ہوگیا۔ اسمبلیاں توڑ دی گئیں' سابقہ حکومت کے قائم کردہ مقدمات واپس لے لیے گئے' مقدمے واپس لیے جانے کا نوید نامہ سن کر بہت سے ذمہ دار لوگ گویا چوہدری ظہور الٰہی کو بھول ہی گئے تھے۔ ان دنوں سابق وزیر قانون اور ممتاز دانشور ایس' ایم ظفر جو ان دنوں مسلم لیگ کے نائب صدر تھے' پہلے آدمی تھے جنہوں نے نہ صرف ایک اخباری بیان میں چوہدری ظہور الٰہی کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا بلکہ اس سلسلہ میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو ذاتی توجہ دینے کی بھی اپیل کی جس پر چند دنوں کے اندر اندر چوہدری صاحب کو رہا کردیا گیا۔ پونے دو سال کی قید کے بعد چوہدری صاحب کی صحت بہت خراب ہوچکی تھی۔ وہ بہت کمزور ہوگئے تھے لیکن ان کے حوصلے اسی طرح جوان اور عزائم بلند تھے۔ کراچی سے گجرات تک چوہدری صاحب کا فقید المثال استقبال ہوا' ہر جگہ انھیں دعوتیں دی گئیں' استقبالیے دیئے گئے' ان کی قید کے دوران ایمنسٹی انٹرنیشنل نے انھیں ''ضمیر کا قیدی'' قرار دیا۔ چوہدری صاحب نے جیل سے واپسی کے بعد اکتوبر 1977 میں ہونے والے عام انتخابات کی تیاری شروع کردی اس الیکشن میں وہ اپنے پرانے حلقہ میں امیدواری کے علاوہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے انتخابی حلقہ میں بھی امیدوار تھے' بڑے معرکے کی تیاریاں ہوئیں مگر یہ انتخابات ملتوی ہوگئے۔ اس کے بعد پھر اگلے سال انتخابات کا ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس میں بھی وہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے مقابل امیدوار تھے۔

جولائی 1978 میں چوہدری صاحب جنرل محمد ضیاء الحق کی اس کابینہ میں وفاقی وزیر صحت و افرادی قوت مقرر ہوئے جس میں پاکستان قومی اتحاد کے نمائندوں کو نمائندگی دی گئی۔ جنرل ضیاء الحق کا عہد حکومت چوہدری ظہور الٰہی کو ہر لحاظ سے بڑا راس آیا۔ ایک جانب تو وہ مرکزی کابینہ میں وزارت کے مزے لوٹتے رہے اور دوسری جانب جنرل ضیاء نے بھٹو دشمنی میں انھیں نہ صرف لاکھوں روپوں کے نئے قرضوں سے نوازا بلکہ چالیس لاکھ روپے کے پرانے قرضے بھی معاف کردیئے۔

چوہدری صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے' وہ سیاست میں ہمیشہ اپنا راستہ خود بناتے تھے۔ 80 کی دہائی کے شروع میں ایم آر ڈی کا چرچا جب زیادہ ہوا تو وہ اس کے مقابل پاکستان قومی اتحاد کی طرز پر ایک اتحاد قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کئی ماہ تک مختلف مکاتب فکر کے بے شمار لیڈروں اور سیاسی کارکنوں سے مسلسل مشورے کیے اور ایک متفقہ لائحہ عمل طے کرکے اس کا عنقریب اعلان کرنے والے تھے کہ 25 ستمبر 1981 کو لاہور میں انھیں قتل کردیا گیا۔ اس وقت بھٹو کو سزائے موت سنانے والے جج جسٹس مولوی مشتاق احمد اور بھٹو کے مقدمہ قتل کے سپیشل پبلک پراسیکیوٹر اے رحمٰن بھی ان کی کار میں سفر کررہے تھے۔ بعد میں اس قتل کی ذمہ داری میر مرتضیٰ بھٹو نے قبول کرلی اور کہا کہ یہ ان کی تنظیم الذوالفقار کا کارنامہ ہے۔

چوہدری ظہور الٰہی کی ناگہانی موت کے بعد ان کے بیٹے چوہدری شجاعت حسین اور بھتیجے اور داماد چوہدری پرویز الٰہی ان کے سیاسی جانشین کے طور پر ابھرے۔

چوہدری شجاعت حسین 1945 میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے لندن سے انڈسٹریل مینجمنٹ کا کورس پاس کیا اور پھر پاکستان واپس آکر اپنے والد کے کاروبار کی نگرانی کرتے رہے۔ 1977 میں انہوں نے صوبائی اسمبلی کے انتخاب کے

Marfat.com

لیے کاغذات نامزدگی داخل کروائے تھے۔ ان کے جیتنے کے امکان بھی روشن تھے مگر جب قومی اسمبلی کے نتائج کے اعلان کے بعد پاکستان قومی اتحاد نے صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تو چوہدری شجاعت حسین بھی اس مقابلے سے دستبردار ہو گئے۔ 1981 میں ان کے والد کی وفات کے بعد انھیں مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا گیا۔

1985 کے عام انتخابات سے پہلے گجرات کی نوابزادہ خاندان اور چوہدری خاندان کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی کے پیش نظر دونوں خاندانوں کے درمیان وفاقی حکومت کی ایماء پر ایک معاہدہ کروایا گیا۔ جس کی رو سے گجرات کی دو نشستیں نوابزادہ خاندان کو اور دو نشستیں چوہدری خاندان کو دے دی گئیں۔ نوابزادہ خاندان کو تفویض کردہ دو نشستوں پر تو ان کے نمائندے بلا مقابلہ منتخب ہو گئے مگر چوہدری شجاعت حسین کے مقابلے پر ایک خاتون نے کاغذات نامزدگی داخل کروا دیے۔ جس کی بناء پر اس نشست پر مقابلہ تو ہوا مگر بازی پھر بھی چوہدری شجاعت حسین ہی کے ہاتھ رہی۔

انتخاب میں کامیابی کے بعد چوہدری شجاعت جونیجو کابینہ میں وزیر صنعت بنائے گئے۔ انہوں نے اپنے دو وزارت میں گجرات کے عوام کی بھرپور خدمت کی جس کے صلہ میں 1988 میں گجرات کے عوام کی بھاری اکثریت نے ان پر ایک بار پھر اعتماد کا اظہار کیا۔

1989 میں چوہدری شجاعت حسین نے محترمہ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنے میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ 1990 میں جب بے نظیر حکومت ختم ہوئی تو انھیں نگران کابینہ میں بطور وزیر شامل کر لیا گیا۔ اسی برس منعقد ہونے والے عام انتخابات میں ان کا مقابلہ چوہدری احمد مختار نے کیا۔ جنہیں پی ڈی اے کے علاوہ گجرات میں چوہدری خاندان کے دیرینہ حریف سروس گروپ کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اس مرتبہ مقابلہ بڑا سخت رہا اور چوہدری شجاعت اپنے قریب ترین حریف چوہدری احمد مختار سے فقط 6 ہزار ووٹوں کی اکثریت سے ہی کامیاب ہو سکے۔ 1990 میں نواز شریف حکومت کے قیام کے بعد چوہدری شجاعت ان کی کابینہ میں بطور وزیر داخلہ شامل کیے گئے۔ 1993 کے بحران میں انہوں نے بڑی ثابت قدمی کے ساتھ نواز شریف کا ساتھ دیا۔ اکتوبر 1993 کے عام انتخابات میں چوہدری شجاعت حسین نے دو حلقوں این اے 80 گجرات۔ اور این اے 81 گجرات 2 سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا۔ مگر اس مرتبہ ان کے ستارے یاوری نہ کر سکے اور وہ دونوں حلقوں سے شکست کھا گئے۔ این اے۔ 80 میں انھیں نوابزادہ غضنفر علی گل نے اور این اے 81 میں انھیں چوہدری احمد مختار نے شکست سے دوچار کیا ان انتخابات کے بعد انہوں نے سینٹ کا الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا اور یہ انتخاب بلا مقابلہ جیتنے میں کامیاب ہو گئے۔

1997 کے عام انتخابات میں چوہدری شجاعت حسین نے ایک مرتبہ پھر این اے 81 گجرات 2 سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور بڑی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ انتخابات کے بعد وہ نواز شریف کی کابینہ میں وزیر داخلہ کے منصب پر فائز ہوئے تاہم وہ اپنے کزن اور برادر نسبتی چوہدری پرویز الٰہی کو پنجاب کی وزارت اعلیٰ نہ ملنے پر کبیدہ خاطر ضرور ہوئے۔ چنانچہ اکتوبر 1999 میں جونہی نواز شریف کی حکومت کا خاتمہ ہوا انہوں نے اسے نواز شریف سے جان چھڑانے کا سنہرا موقع جانا اور جنرل پرویز مشرف کے ایماء پر پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ناراض ارکان پر مشتمل ایک دھڑا بنا ڈالا۔ جس کا نام پاکستان مسلم لیگ (قائد اعظم) رکھا گیا اور جس کے سربراہ میاں محمد اظہر بنائے گئے۔

2002 کے عام انتخابات میں میاں اظہر خود تو کامیاب نہ ہو سکے تاہم مسلم لیگ (ق) نے اتنی نشستیں ضرور حاصل کر لیں کہ وہ پنجاب میں اکثریت سے اور مرکز میں جوڑ توڑ کے بعد حکومت بنا سکے۔ اس موقع پر چوہدری شجاعت حسین کو وزارت عظمیٰ پر متمکن کیے جانے کی پیشکش ہوئی تاہم انہوں نے اپنے خاندان کے لیے پنجاب کی وزارت اعلیٰ لینے پر اکتفا کی اور مرکز میں حکومت میر ظفر اللہ جمالی کو سونپ دی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے پاکستان مسلم لیگ (ق) کی سربراہی بھی خود حاصل کر لی۔

جون 2004 میں جب میر ظفر اللہ جمالی مستعفی ہونے پر مجبور ہوئے تو فیصلہ ہوا کہ آئندہ وزیر اعظم جناب شوکت عزیز ہوں گے۔ مگر چونکہ جناب شوکت عزیز قومی اسمبلی کے رکن نہیں تھے اس لیے اس درمیانی عرصے کے لیے وزارت عظمیٰ کے عہدے پر چوہدری شجاعت حسین فائز ہوئے اور جناب شوکت عزیز کے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہونے کے بعد اس عہدے سے از خود مستعفی ہو گئے۔

چوہدری شجاعت کے بھائی چوہدری وجاہت حسین نے 1987 میں ڈسٹرکٹ کونسل کے انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔ 1988 میں وہ پی پی 93 گجرات 3 سے صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1990 میں بھی انہوں نے اسی حلقے سے کامیابی حاصل کی۔ انھوں نے 1993 کے انتخابات میں حصہ نہیں لیا تاہم 1997 میں وہ پی پی 93 گجرات 3 سے ایک مرتبہ پھر پنجاب اسمبلی کے رکن بننے میں کامیاب ہو گئے۔ 2002 کے عام انتخابات میں انہوں نے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور پاکستان مسلم لیگ (ق) کے ٹکٹ پر نوابزادہ غضنفر علی گل کو شکست دے کر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ 2008 کے انتخابات میں چوہدری شجاعت حسین

Marfat.com

کامیاب نہیں ہوئے لیکن چوہدری وجاہت حسین قومی اسمبلی کی نشست جیتنے میں کامیاب رہے۔ چوہدری شجاعت حسین کے ایک بھائی چوہدری شفاعت حسین ہیں جو 2001 اور 2005 میں گجرات کے ضلعی ناظم منتخب ہوئے ہیں۔

چوہدری پرویز الٰہی 1979 کے بلدیاتی انتخابات میں پہلی مرتبہ ضلع کونسل گجرات کے رکن منتخب ہوئے۔ 1983 اور 1987 کے بلدیاتی انتخابات میں وہ ضلع کونسل گجرات کے چیئرمین بنے۔ 1985 کے عام انتخابات میں وہ بلا مقابلہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور وزیر بلدیات کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ 1986 میں انہوں نے وزیر اعلیٰ نواز شریف کے خلاف محاذ آرائی کی اور ان کے خلاف پنجاب اسمبلی میں ایک مضبوط گروپ تشکیل دیا، جس میں پنجاب اسمبلی کے بعض معروف جاگیردار ارکان مثلاً ملک اللہ یار، نصر اللہ دریشک اور سردار رفیق حیدر لغاری بھی شامل تھے۔ اس محاذ آرائی کے نتیجے میں نواز شریف کا تو کچھ نہیں بگڑا البتہ چوہدری پرویز الٰہی کو اپنی وزارت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ چوہدری پرویز الٰہی کی حمایت میں ایک وزیر مخدوم الطاف احمد اور ایک مشیر سردار محمد صادق بھی مستعفی ہوگئے تھے مگر بعد میں چوہدری شجاعت نے درمیان میں پڑ کر یہ معاملہ رفع دفع کروادیا۔

1988 میں پرویز الٰہی دوبارہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس مرتبہ بھی وہ صوبائی کابینہ کے رکن بنائے گئے اور انھیں ان کے وہی پرانے قلمدان (بلدیات اور دیہی ترقیات) سونپے گئے۔ 1990 میں چوہدری پرویز الٰہی تیسری مرتبہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1988 کی طرح اس مرتبہ بھی ان کی نظریں پنجاب کی وزارت اعلیٰ پر تھیں۔ مگر نواز شریف نے ان کی بجائے اپنے بااعتماد ساتھی غلام حیدر وائیں کو وزیر اعلیٰ بنادیا اور چوہدری پرویز الٰہی وائیں کابینہ میں بھی بلدیات اور دیہی ترقیات کے وزیر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔

1993 میں چوہدری پرویز الٰہی کا نام اس وقت پریس کی خبروں کا مرکز بنا جب انہوں نے نواز شریف حکومت کی بحالی کے بعد منظور وٹو کی حکومت کو تحریک عدم اعتماد کے ذریعہ الٹنے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے منظور وٹو کی وزارت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنا چاہی مگر اس سے پیشتر کہ وہ تحریک ایوان تک پہنچتی، منظور وٹو نے اسمبلی ہی توڑ دی۔ اس کے بعد پنجاب میں تاریخ کی بدترین ہارس ٹریڈنگ دیکھنے میں آئی۔ چوہدری پرویز الٰہی اور منظور وٹو کی یہ محاذ آرائی نہیں معلوم کب تک جاری رہتی کہ 18 جولائی 1993 کو ملک کی تمام اسمبلیاں ٹوٹ جانے سے اس کیفیت کا اختتام ہوگیا۔ 1993 کے عام انتخابات میں چوہدری پرویز الٰہی دو حلقوں سے صوبائی اسمبلی کی رکنیت کے امیدوار تھے۔ ان میں ایک حلقہ پی پی 93 گجرات 4 تھا جہاں وہ محمد سرور جوڑا کو شکست دے کر پنجاب اسمبلی کے رکن بننے میں کامیاب ہوگئے۔

1992 سے 1996 تک کا عرصہ انہوں نے پنجاب کے قائد حزب اختلاف کے طور پر گزارا۔ 1997 میں انہوں نے ایک مرتبہ پھر پی پی 94 گجرات 4 سے پنجاب اسمبلی کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ اس مرتبہ وہ پنجاب کی وزارت اعلیٰ کے امیدوار تھے مگر ان کی توقع کے برعکس یہ عہدہ میاں شہباز شریف کو مل گیا اور انھیں پنجاب اسمبلی کے سپیکر کے عہدے پر قناعت کرنی پڑی۔ 1999 میں جب پاکستان مسلم لیگ (ق) کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس کی پنجاب شاخ کے صدر بنے۔ 2002 کے عام انتخابات میں وہ دو حلقوں سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور حسب توقع پنجاب کے وزیر اعلیٰ بننے میں کامیاب ہوگئے۔

چوہدری شجاعت حسین اور چوہدری پرویز الٰہی کے ایک کزن چوہدری تجمل حسین بھی گزشتہ کئی سال سے سیاست میں ہیں۔ 1985 میں انہوں نے این اے 47 گجرات سے نوابزادہ مظہر علی کے مقابلے میں کاغذات نامزدگی داخل کروائے تھے مگر بعد میں نوابزادہ خاندان اور چوہدری خاندان کے درمیان انتخابی مفاہمت ہوجانے کے باعث انہوں نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لے لیے اور یوں نوابزادہ مظہر علی بلا مقابلہ رکن اسمبلی منتخب ہوگئے تھے۔ 1987 میں چوہدری تجمل حسین نے ایک دیہی نشست پر بلدیاتی انتخاب لڑا اور اس نشست پر نوابزادہ مظہر علی کو شکست دی۔ چوہدری تجمل کی اس جیت نے ان کے حوصلوں کو مزید بڑھا دیا اور 1988 میں انہوں نے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔ انھیں اسلامی جمہوری اتحاد نے اپنا امیدوار نامزد کیا جب کہ ان کے مخالف امیدوار نوابزادہ مظہر علی کو پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنا امیدوار بنایا یہ معرکہ چوہدری تجمل حسین کے ہاتھ رہا اور وہ ایک سخت مقابلے کے بعد قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے۔ 1990 میں پی ڈی اے نے چوہدری تجمل حسین کے مقابلے میں نوابزادہ غضنفر علی گل کو اپنا امیدوار نامزد کیا مگر وہ بھی چوہدری تجمل حسین کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور تقریباً 30 ہزار ووٹوں سے شکست کھا گئے۔

1993 کے عام انتخابات میں چوہدری تجمل حسین نے حصہ نہیں لیا جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے ان کی نشست پر چوہدری شجاعت حسین نے انتخاب لڑا جو نوابزادہ غضنفر علی گل سے شکست کھا گئے۔

1997 کے عام انتخابات میں چوہدری تجمل حسین کے صاحبزادے چوہدری مبشر حسین این اے 80 گجرات سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ چوہدری تجمل حسین کی صاحبزادی اور چوہدری مبشر حسین کی بہن تنزیلہ عامر 2002 میں خواتین کی مخصوص نشستوں پر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔

اس وقت چوہدری ظہور الٰہی کا خاندان رشتہ داریوں کے اعتبار سے

Marfat.com

پنجاب کا انتہائی بااثر خاندان بن چکا ہے اور اس خاندان کی رشتہ داریاں پنجاب بھر کے بڑے سیاسی اور غیر سیاسی خاندانوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ چوہدری ظہور الٰہی وزیر آباد کے چوہدری ریاست علی چٹھہ کے سمدھی بھی تھے۔ اسی طرح پیپلز پارٹی کے سابقہ ایم این اے اور ضلع سیالکوٹ پیپلز پارٹی کے سابق صدر خورشید عالم چیمہ بھی اس خاندان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ سابق رکن صوبائی اسمبلی اور پیپلز پارٹی گجرات کے رہنما سرور جوڑا چوہدری تجمل حسین کے بہنوئی ہیں۔ چوہدری تجمل حسین کی صاحبزادی تنزیلہ عامر چوہدری انور علی چیمہ کی بہو اور عامر سلطان چیمہ کی اہلیہ ہیں۔ چوہدری ظہور الٰہی کے گھرانے کی رشتہ داری میانوالی کے روکڑی خاندان سے بھی قائم ہو چکی ہے۔ چوہدری شجاعت حسین کے بھائی سینیٹر امیر عبداللہ خان روکڑی کے بھانجے اور سابق صوبائی وزیر گل حمید خان روکڑی کے داماد ہیں۔ چوہدری خاندان کی ایک اور رشتہ داری اٹک کے کھٹڑ خاندان سے بھی ہے۔ اس خاندان کے سردار محمد صادق کے بیٹے میجر (ریٹائرڈ) طاہر صادق چوہدری خاندان کے داماد ہیں۔ طاہر صادق 1997 میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جب کہ 2001 اور 2005 میں وہ چکوال کے ضلعی ناظم منتخب ہوئے۔

میجر (ر) طاہر صادق کی صاحبزادی ایمان وسیم ہیں جو 2002 میں پاکستان مسلم لیگ (ق) کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئی تھیں مگر بعد میں انہوں نے اپنی یہ نشست جناب شوکت عزیز کو قومی اسمبلی کا رکن منتخب کروانے کے لیے خالی کر دی تھی۔

چوہدری ظہور الٰہی کے ایک اور داماد سابق جسٹس کرم الٰہی چوہان کے فرزند ہیں۔

دیگر سیاسی خانوادے

مذکورہ بالا دو اہم سیاسی خانوادوں کے علاوہ قیام پاکستان کے بعد خصوصاً 80 کی دہائی میں کئی دوسرے سیاسی خانوادے اُبھر کر سامنے آئے۔ ان میں حالیہ برسوں میں کائرہ خاندان کو نمایاں ہونے کا موقع ملا۔ اس خاندان کے علاوہ تارڑ، جوڑا، ٹکانوالہ اور بوسال خاندان نے قومی اور پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں گجرات اور منڈی بہاؤالدین کے اضلاع کے عوام کی نمائندگی کی۔ چند ایک خاندانوں کا مختصر احوال درج ذیل ہے۔

تارڑ خاندان

(عقیل عباس جعفری)

ضلع منڈی بہاؤالدین سے تعلق رکھنے والے اس سیاسی خانوادے نے قیام پاکستان سے قبل ہی سیاسی عمل میں اپنی دھاک بٹھا دی تھی۔ اس نے جٹ اور گجر خانوادوں کے دائرہ اثر سے دور اپنی الگ حیثیت منوائی تاہم تحریک پاکستان کے دنوں (47-1946) سے ہی وہ گجرات شہر کو اپنا سیاسی مرکز بنائے ہوئے تھا۔ اس خانوادے کی پہلی نمایاں شخصیت غلام رسول تارڑ کی تھی۔ درمیانے درجے کے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھنے والی یہ شخصیت تحصیل پھالیہ سے اُبھری۔ 1927 میں گورنمنٹ ہائی سکول پھالیہ سے میٹرک کرنے کے بعد وہ مقامی سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ 1936 میں انہیں ڈسٹرکٹ بورڈ گجرات کا رکن منتخب کیا گیا۔ 1940ء میں جب تحریکِ پاکستان نے ایک واضح سمت اختیار کی، چوہدری غلام رسول تارڑ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے ادنیٰ کارکن سے اپنی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور اپنی پارٹی کی تنظیم کاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ جب دوسری عالمی جنگ کے بعد آزادی کا مطالبہ زور پکڑ گیا اور 1946 کے انتخابات منعقد ہوئے تو وہ حکمران جماعت یونینسٹ پارٹی کے مقابلے پر انتخابی میدان میں اُترے۔ انہوں نے گجرات کے جنوب مغربی حلقے میں چوہدری محمد اشرف کو شکست دی۔ چوہدری غلام رسول تارڑ نے 6794 ووٹ حاصل کیے جبکہ چوہدری محمد اشرف کو صرف 2889 ووٹ ملے۔

انتخابی مہم سر کرنے کے بعد وہ تحریکِ پاکستان کی عملی سیاسی جدوجہد میں شریک ہو گئے اور اسی سال سیاسی ایجی ٹیشن کے دوران قید و بند کے مرحلے سے گزرے۔ مارچ 1946 میں انہوں نے دہلی کی آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کی جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی سیاسی خدمات کو بے حد سراہا۔ قیام پاکستان کے بعد 5 جنوری 1948 کو انہوں نے مغربی پنجاب اسمبلی کے رکن کا حلف اٹھایا۔ وہ 1951 میں دوبارہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

چودھری غلام رسول تارڑ 1955 میں ون یونٹ کے قیام کے بعد مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن بنے۔ 1958 میں مارشل لاء لگا تو قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو رخصت کر دیا گیا۔ عوامی نمائندوں کے لیے یہ ایک مشکل دور تھا لیکن جب 1962 میں ایوب خان نے ایک صدارتی آئین نافذ کیا تو بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت 1962 میں دوبارہ انتخابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ چوہدری تارڑ 1965 میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

1970 میں جب یحییٰ خان نے ون یونٹ توڑ کر پاکستان کے پہلے عام

Marfat.com

انتخابات منعقد کروائے تو چوہدری غلام رسول تارڑ نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور کونسل مسلم لیگ کے چوہدری محمد اقبال کو عبرتناک شکست دی۔ انہوں نے 64928 ووٹ حاصل کیے جبکہ ہارنے والے مخالف امیدوار کو صرف 29205 ووٹ ملے۔ اسی طرح 1977 میں انہوں نے گجرات کے حلقہ نمبر 5 سے 58247 ووٹ لے کر قومی اسمبلی کی نشست جیتی جبکہ ان کے مخالف چوہدری ممتاز احمد کو 43167 ووٹ ملے۔

1977 کے انتخابات میں دھاندلی کے الزامات لگا کر پوری جمہوری بساط لپیٹ دی گئی تاہم ضیاء الحق کو مجبور ہو کر 1985 میں برے بھلے غیر جماعتی انتخابات کروانا پڑے۔ ظاہر ہے پاکستان پیپلز پارٹی نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔

17 راگست 1988 کو جنرل ضیاء الحق اپنے متعدد ساتھیوں سمیت ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ عدالت نے جماعتی بنیادوں پر انتخابات کا حکم دیا جن میں چوہدری ممتاز احمد نے 50520 ووٹ لے کر بھاری کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے پیپلز پارٹی کی نشست پر انتخاب جیتا۔ 1990 کے انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کے ناصر اقبال نے پی پی کے امیدوار چوہدری ظفر اللہ تارڑ کو شکست دی۔ 1993 کے عام انتخابات میں منڈی بہاؤ الدین کے حلقہ۔1 سے پیپلز پارٹی کے ظفر اللہ تارڑ نے مسلم لیگ نواز گروپ کے میاں وحید الدین کو شکست دی۔ انہوں نے 67154 ووٹ حاصل کیے جبکہ میاں وحید الدین کو 41423 ووٹ ملے۔ 1997 کے انتخابات میں بھی تارڑ خانوادہ قومی اسمبلی میں موجود رہا البتہ اس بار پیپلز پارٹی کے ظفر اللہ تارڑ مسلم لیگ نواز کے ممتاز احمد تارڑ سے شکست کھا گئے۔

1999 میں ایک بار پھر جمہوری بساط لپیٹ دی گئی۔ اسمبلیاں توڑ دی گئیں البتہ 2002 میں جنرل پرویز مشرف نے جو عام انتخابات کرائے' ان میں دھاندلی اور دھونس کے پچھلے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے اور مسلم لیگ قائداعظم گروپ' جنرل پرویز مشرف کا حکمران گروپ بن کر ابھرا۔ بدترین حالات میں بھی پیپلز پارٹی کے ظفر اللہ تارڑ نے 60424 ووٹ حاصل کیے جبکہ قائداعظم مسلم لیگ کے اعجاز چوہدری دس ہزار ووٹوں کے فرق سے جیت گئے۔

جنرل ضیاء الحق کی ہلاکت کے بعد 1988 میں جب پہلے جماعتی انتخابات منعقد ہوئے تو پنجاب اسمبلی میں بھی تارڑ خانوادہ نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چوہدری ممتاز حسین تارڑ نے گجرات کے حلقہ۔9 سے 17525 ووٹ لے کر' منظور حسین تارڑ' پیر یعقوب شاہ اور کئی آزاد امیدواروں کو شکست دی۔ البتہ 1990 کے انتخابات میں پیر یعقوب شاہ نے جمعیت العلمائے پاکستان نورانی گروپ کے محمد طارق تارڑ اور پاکستان عوامی تحریک کے منظور حسین تارڑ کو شکست دی۔ 1993 کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے محمد طارق تارڑ نے 35376 ووٹ لے کر مسلم لیگ نواز گروپ کے احمد فراز خان کو بھاری شکست دی۔ 1997 میں مسلم لیگ نواز کے پیر بنیامین رضوی نے آزاد امیدوار پرویز اقبال تارڑ کو ہرایا۔ 2008 کے انتخابات میں منڈی بہاؤ الدین کے حلقہ۔1 سے محمد طارق تارڑ نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کی جبکہ 2002 میں ظفر اللہ کو قائداعظم لیگ کے ٹکٹ پر اعجاز چوہدری نے شکست دی۔

خانوادہ کے پہلے سربراہ چوہدری غلام رسول تارڑ نے اپنی سیاسی حیثیت سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے برعکس انہوں نے اپنے ضلع کی فلاح و بہبود میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 60-1948 کے دوران وہ مارکیٹ کمیٹی کے چیئرمین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 56-1936 کے دوران وہ بیس سال تک گجرات ڈسٹرکٹ بورڈ کے رکن رہے اور اپنے علاقے کے کاشتکاروں کی بھرپور مدد کی۔ وہ 16 اکتوبر 1989 کو انتقال کر گئے۔

تارڑ خاندان کے ایک اور ممتاز رکن ممتاز تارڑ (پیدائش 1945) کا تعلق بھی منڈی بہاؤ الدین سے ہے۔ انہوں نے سیاست کا آغاز تحریک استقلال میں شمولیت سے کیا۔ 1980 میں وہ ضیاء الحق کی مجلسِ شوریٰ کے رکن بنے۔ 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ 1988 اور 1997 میں بھی قومی اسمبلی کے رکن بنے۔ ممتاز تارڑ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹیوں' امورِ خارجہ' قانون و انصاف اور انسانی حقوق و پارلیمانی امور کے رکن رہے۔ وہ پاکستان۔ برطانیہ پارلیمنٹیرینز فرینڈشپ گروپ کے نائب صدر بھی رہے۔ انہوں نے پاکستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں کے خلاف جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے ہیومن رائٹس کونسل آف پاکستان کے نام سے ایک ادارہ بھی تشکیل دیا' جس کے وہ بانی چیئرمین رہے حکومت کی جانب سے وہ مرکزی خدمت کمیٹی کے چیئرمین بھی منتخب ہوئے۔

کائرہ خاندان

لالہ موسیٰ کے ایک گاؤں کائرہ سے شہرت پانے والا یہ سیاسی خانوادہ جلد ہی شہرت کی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ اس خانوادہ کے دو اہم ارکان قمر زمان کائرہ اور تنویر اشرف کائرہ مرکز اور پنجاب میں اہم وزارتوں پر فائز رہے ہیں۔ قمر زمان کائرہ مرکزی وزارت اطلاعات سے فروری 2011ء میں مستعفی ہوئے ہیں۔ کائرہ خاندان کی پہلی نمایاں شخصیت غلام احمد کائرہ تھے۔ انہوں نے قیام پاکستان سے قبل مسلم لیگ کی

Marfat.com

بھرپور مدد کی۔ وہ مسلم لیگ لالہ موسیٰ کے سیکرٹری بھی رہے۔ 1955 میں ان کا انتقال ہوگیا۔ باقاعدہ سیاست میں شرکت کا آغاز چوہدری محمد زمان کائرہ سے ہوا۔ وہ 1970 میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ 1994 میں انتقال کر گئے اور لالہ موسیٰ میں ہی دفن ہوئے۔

کائرہ خانوادہ سے قومی اسمبلی کے پہلے رکن، محمد زمان کائرہ کے بھائی محمد اصغر کائرہ تھے۔ وہ موضع کائرہ میں چوہدری عبدالحکیم کے گھر 21 دسمبر 1939 کو پیدا ہوئے۔ 1979 میں لالہ موسیٰ سے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا اور کونسلر منتخب ہوگئے۔ اس کے نتیجے میں وہ بلدیہ لالہ موسیٰ کے چیئرمین بنے۔ 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں وہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1988 میں وہ پہلی بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انہوں نے پی پی پی کے ٹکٹ پر 76341 ووٹ لے کر آئی جے آئی کے سید منظور حسین شاہ کو شکست دی البتہ 1990 میں سید منظور حسین شاہ نے انہیں شکست دی۔ 1993 میں دوبارہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر 78743 ووٹ لے کر سید منظور حسین شاہ کو شکست دینے میں کامیاب رہے۔ 1997 میں وہ پھر اپنے روایتی حریف سے شکست کھا گئے۔ 16 اگست 1999 کو ان کا انتقال ہوگیا۔

کائرہ خانوادے کے ایک اور رکن چوہدری محمد اسلم کائرہ بھی پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔ وہ 2 فروری 1944 کو چوہدری اللہ داد کائرہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے پرجوش حامی کے طور پر انہوں نے لالہ موسیٰ کو پارٹی کا گڑھ بنادیا۔ لیکن 1990 کے انتخابات میں ٹکٹوں کی غلط تقسیم پر ناراض ہوکر وہ جماعت اسلامی میں چلے گئے اور جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر 1990 میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے۔ وہ لالہ موسیٰ کے پہلے صنعت کار تھے جنھوں نے پیپلز پارٹی کا بھرپور ساتھ دیا لیکن پارٹی نے ان کے ساتھ ناانصافی کی۔ چوہدری اسلم کائرہ 11 جنوری 2004 کو انتقال کر گئے۔

2002 اور 2008 کے انتخابات میں قمر زمان کائرہ دونوں بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 2002 کے انتخابات میں انہوں نے گجرات حلقہ-3 سے پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر 83438 ووٹ لے کر اپنے حریف امیدوار اور پنجاب کے سابق قائم مقام وزیراعلیٰ میاں محمد افضل حیات کو شکست دی۔

اسی خانوادہ کے ایک اور اہم رکن تنویر اشرف کائرہ نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کا انتخاب لڑا اور اپنے حریف امیدوار مسلم لیگ (ق) کے امیدوار محمد ناصر عباس سندھو کو شکست دی۔

2008 کے انتخابات میں گجرات حلقہ-3 سے انھوں نے ایک بار پھر کامیابی حاصل کر کے پیپلز پارٹی کو سرخرو ہونے کا موقع فراہم کیا۔ انہیں وفاقی کابینہ میں وزیر اطلاعات ونشریات کا قلمدان دیا گیا۔ وہ امورِ کشمیر اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے وزیر اور نئے صوبہ گلگت بلتستان کے پہلے گورنر بھی رہے۔

2008 میں ہی تنویر اشرف کائرہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے دوبارہ رکن منتخب ہوئے وہ پنجاب کی مخلوط حکومت خزانہ اور پلاننگ وڈیویلپمنٹ کے وزیر ہیں۔ وہ پنجاب اسمبلی کے فنانس کمیٹی کے رکن بھی ہیں۔

اسی خانوادے سے تعلق رکھنے والے پیپلز پارٹی کے توقیر اسلم کائرہ 27 دسمبر 2007 کو لیاقت باغ راولپنڈی میں محترمہ بینظیر بھٹو کے ساتھ شہید ہوگئے۔ حاجی محمد اصغر کائرہ کے فرزند ندیم اصغر کائرہ تحصیل کھاریاں کے ناظم بھی رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ جنرل الیکشنز رپورٹ 1970، 1977، 1985، 1988، 1990، 1993، 1997 اور 2002

۲۔ افتخار وڑائچ کالروی: گوریا کوئی ہور کالرہ دیوان سنگھ 2003

۳۔ افتخار وڑائچ کالروی: عاشق تے وریام متر سانجھ پنجاب، کالرہ دیوان سنگھ 2009

بوسال خاندان

ضلع منڈی بہاؤالدین کے معروف قصبہ بوسال سے تعلق رکھنے والا سیاسی خانوادہ بوسال 1940 کی دہائی میں اُبھرا۔ خاندان کی پہلی نمایاں شخصیت چوہدری جہان خان نے 1946 کے انتخابات میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔ ان کی یہ کامیابی مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ایک کارکن کی کامیابی تھی۔ وہ 1956 میں دوبارہ مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ 1962 کے صدارتی آئین کے تحت وہ 1962 اور 1965 کے انتخابات میں وہ اسمبلی کے رکن بنے۔ 1965 میں ان کے انتقال کے باعث یہ نشست خالی ہوئی تو اسی خانوادہ کے ایک رکن چوہدری مانک خان بوسال' جو برطانوی حکومت کی طرف کنگ آف گوندل بار کہلاتے تھے' مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

چوہدری محمد اقبال کے بڑے بھائی چوہدری محمد نواز بوسال 1977 کے صوبائی انتخابات میں پنجاب اسمبلی کے رکن بنے۔ 1990 میں پاکستان پیپلز پارٹی

Marfat.com

کے ٹکٹ پر وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔اس سے قبل 1988 کے انتخابات میں وہ صرف 17011 ووٹ حاصل کر پائے تھے۔ان کے بھائی چوہدری محمد اقبال کو بھی ان انتخابات میں شکست ہوئی تھی لیکن 1990 کے انتخابات میں چوہدری محمد نواز نے 41086 ووٹ لے کر اپنے حریفوں عمر حیات لالیکا' نذر محمد گوندل اور چوہدری محمد اقبال کو شکست دی۔

چوہدری محمد اقبال بوسال 1979 کے بلدیاتی انتخابات سے سیاسی عمل میں شامل ہوئے۔ بلدیاتی سطح پر وہ یونین کونسل بوسال کے چیئرمین منتخب ہوئے اور 1987 میں وہ ڈسٹرکٹ کونسل گجرات کے رکن بن گئے۔1993 میں انہیں پاکستان مسلم لیگ (نواز گروپ) نے قومی اسمبلی کا ٹکٹ دیا لیکن انہیں پیپلز پارٹی کے نذر گوندل سے شکست کھانا پڑی۔تاہم 1997 میں وہ اپنے انتخابی حریفوں محمد نواز بوسال (آزاد امیدوار) حاجی محمد افضل چن (آزاد امیدوار) اور عمر حیات لالیکا (آزاد امیدوار) اور نذر گوندل کو شکست دے کر قومی اسمبلی میں پہنچ گئے۔انہوں نے 56292 ووٹ حاصل کیے جبکہ پیپلز پارٹی کے نذر گوندل کو 30749 ووٹ ملے۔2002 کے انتخابات میں ذوالفقار علی گوندل نے بوسال خانوادہ کے ناصر اقبال بوسال کو شکست دی جبکہ اسی خانوادہ کے چوہدری غلام حسین بوسال کو صوبائی اسمبلی میں بھی شکست ہوئی۔

حوالے

۱۔ جنرل الیکشنز رپورٹ
1970، 1985، 1990، 1993، 1997 اور 2002

۲۔ محمد یوسف' ہمارے نمائندے' لاہور 1966

چند دوسرے خاندان

اصغر علی گھر ال اور ان کے صاحبزادے خالد جاوید اصغر گھر ال ایک دہائی سے زائد عرصہ سے پنجاب اسمبلی میں گجرات کی نمائندگی کر رہے ہیں۔اسی طرح منڈی بہاؤالدین کا گوندل خاندان طویل عرصہ سے قومی اور صوبائی اسمبلی میں گجرات کے عوام کی نمائندگی کر رہا ہے۔مشتاق حسین پگانوالہ' فخر مشتاق پگانوالہ اور پگانوالہ خانوادے کی دیگر شخصیات' رانجھا خاندان اور جوڑا خاندان گجرات کے سیاسی خانوادوں میں قابل ذکر ہیں۔

4- گجرات کے سیاسی اعزاز

قومی اعزاز

ضلع گجرات اس بات پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے کہ اس کے دو بیٹوں نے قومی سیاست کے اعلیٰ ترین مدارج تک رسائی حاصل کی۔چوہدری فضل الٰہی جو تحریک پاکستان کے فعال رکن تھے' 1972 میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت میں قومی اسمبلی کے سپیکر منتخب ہوئے۔1973 میں پاکستان کے متفقہ آئین کے نفاذ کے بعد جب ذوالفقار علی بھٹو نے صدر کے عہدے سے مستعفی ہو کر وزیر اعظم پاکستان کا منصب سنبھالا تو چوہدری فضل الٰہی سپیکر کا منصب چھوڑ کر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔مملکت کا آئینی سربراہ ہونے کی حیثیت میں ان کے پاس انتظامی اختیارات نہیں تھے' پھر بھی ضلع گجرات کے لیے یہ ایک بڑا اعزاز تھا۔اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ان کے بعد اس ضلع سے کوئی دوسرا سربراہ مملکت منتخب نہیں ہوا۔

قومی سطح پر ضلع گجرات کا دوسرا بڑا اعزاز یہ تھا کہ چوہدری شجاعت حسین عارضی مدت کے لیے پاکستان کے وزیر اعظم بنے۔2002 کے انتخابات کے بعد سب سے پہلے انہیں ہی وزارت عظمیٰ کی پیشکش ہوئی تھی لیکن چونکہ انہوں نے پنجاب میں چوہدری پرویز الٰہی کو وزیر اعلیٰ کے طور پر سامنے لانے کا فیصلہ کیا تھا اس لیے وہ خود مرکز میں وزیر اعظم بن کر میاں برادران کی روایت کو نہیں دہرانا چاہتے تھے۔اس لیے انہوں نے معذرت کر لی اور کہا کہ وزیر اعظم کسی چھوٹے صوبے سے ہونا چاہیے۔بلوچستان سے میر ظفر اللہ خان جمالی کو وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کیا گیا لیکن وہ زیادہ دیر تک نہ چل سکے۔جب ان کی وزارت عظمیٰ کا خاتمہ ہوا اور شوکت عزیز کو ان کی جگہ وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ ہوا تو عبوری مدت کے لیے وزیر اعظم کا منصب پُر کرنے کے لیے ایک شخصیت کی ضرورت تھی کیونکہ شوکت عزیز اسمبلی کے رکن نہیں تھے۔فیصلہ ہوا کہ چوہدری شجاعت حسین دو ماہ (30 جون - 30 اگست 2004) کے لیے وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھال لیں۔چنانچہ انہوں نے وزیر اعظم کا حلف اٹھا لیا اور ساتھ ہی شوکت عزیز کو فراخدلانہ پیشکش کی کہ ان کی بھانجی مسز ایمان وسیم' جو اٹک سے جنرل سیٹ پر جیت کر آئی تھیں' انھیں استعفیٰ دلا کر وہاں سے شوکت عزیز کو منتخب کروایا جائے۔جب وہ انتخاب جیت گئے تو چوہدری شجاعت حسین نے دو ماہ پورے ہونے پر شوکت عزیز کے لیے وزارت عظمیٰ کا منصب خالی کر دیا۔

صوبائی اعزاز

صوبائی سطح پر بھی گجرات کے دو بیٹوں کو دوبارہ وزارت اعلیٰ کا اعزاز ملا۔

Marfat.com

ایک بار نگران وزیر اعلیٰ کے طور پر اور دوسری بار باضابطہ اور مستقل وزیر اعلیٰ کے طور پر۔ پہلی بار میاں افضل حیات پنجاب کے نگران وزیر اعلیٰ بنے جبکہ 2002 کے انتخابات میں چوہدری پرویز الٰہی پانچویں بار صوبائی اسمبلی کا انتخاب جیتنے پر وزیر اعلیٰ پنجاب کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انہوں نے بطور وزیر اعلیٰ اپنی پانچ سالہ آئینی مدت پوری کی۔ ان کے دور کا ایک اہم اور قابل ذکر واقعہ یونیورسٹی آف گجرات کا قیام تھا۔ یہ بات ہندوستان سمیت دنیا بھر میں ضلع گجرات سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے خوشی اور افتخار کا باعث تھی کہ ضلع گجرات میں یونیورسٹی کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ چوہدری پرویز الٰہی ان دنوں پنجاب میں حزب اختلاف کی سیاست کر رہے ہیں۔

5- ضلع گجرات کے سیاسی قتل

انور سماں

چوہدری انور سماں 8 ستمبر 1934 کو پیدا ہوئے وہ 1970 کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے رکن بنے۔ ان کا تعلق ضلع گجرات میں موضع سماں کی وڑائچ برادری سے تھا۔ 1970 میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لیتے ہوئے نسبتاً غیر معروف نوجوان انور سماں کونسل مسلم لیگ کے چوہدری تجمل حسین، قیوم مسلم لیگ کے ریاض احمد اور آزاد امیدواروں ایس بشیر احمد اور حاکم علی کو شکست دینے کے بعد پنجاب میں پیپلز پارٹی کے حکومت میں وزیر بن گئے۔ اس حلقہ سے انتخاب جیت کر وزیر بننے والے وہ پہلے سیاستدان تھے۔ جنوری 1976 میں مقامی سیاسی خاندانوں کی چپقلش میں وہ قتل کر دیے گئے۔ بعض محقق اسے خاندانی جھگڑے کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ انور سماں کی موت کے بعد اس نشست سے چوہدری احسن علیگ کے صاحبزادے چوہدری اعتزاز احسن کامیاب ہوئے۔ بعد ازاں چوہدری پرویز الٰہی اور راجہ بشارت بھی اسی نشست سے کامیاب ہو کر صوبائی وزیر بنے۔

چوہدری شاہد حمید

چوہدری شاہد حمید ماحول اور فطرت کے معروف شاعر اور کشمیر کے مسلمان گورنر خوشی محمد ناظر کے پوتے اور آزاد کشمیر کے سیاسی رہنما چوہدری حمید اللہ کے صاحبزادے تھے۔ والد کی سیاسی وراثت کو آگے بڑھاتے ہوئے 1988 میں انتخابی سیاست میں وارد ہوئے۔ انہوں نے گجرات سے 1988 اور پھر 1990 میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر چوہدری پرویز الٰہی کے خلاف دو بار انتخابات میں حصہ لیا لیکن دونوں بار ناکام رہے۔ اس کے بعد انہوں نے آزاد کشمیر اسمبلی کا الیکشن لڑا اور کامیاب ہو کر وزیر بن گئے۔ افتخار وڑائچ کالروی کے مطابق سیاسی رہنما کے ساتھ ساتھ وہ ایک ممتاز قانون دان بھی تھے۔ 22 اگست 2000 کو ضلع کچہری گجرات میں ایک مقدمے کی پیروی کے دوران انھیں قتل کر دیا گیا۔ انھیں موضع ہریاوالا میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

چوہدری ظہور الٰہی

25 ستمبر 1982 کو بروز جمعہ دوپہر دو بجے مسلم لیگ کے رہنما اور سیاستدان چوہدری ظہور الٰہی کو نامعلوم افراد نے گولیوں کی بوچھاڑ کر کے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ماڈل ٹاؤن لاہور کے نرسری چوک میں پیش آیا۔ جب چوہدری ظہور الٰہی کی ہلکے نیلے رنگ کی مرسڈیز 350 ایس ای چوک سے قریباً سو گز دور دائیں طرف مڑ رہی تھی۔ گاڑی میں پنجاب ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین اور ایک قانون دان ایم اے رحمان بھی موجود تھے۔ پیچھے سے آنے والی ایک نامعلوم ٹیوٹا کار سے مرسڈیز پر گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ مقتول کی گاڑی پر کم و بیش سو راؤنڈ چلائے گئے۔ چوہدری صاحب کا ڈرائیور محمد نسیم زخمی ہو کر گیئر لیور پر گرا اور اس کے منہ سے خون کا فوارہ ابلنے لگا۔ ایک گولی چوہدری صاحب کی دائیں کنپٹی پر لگی۔ اور ان کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ قاتلوں نے چوہدری صاحب کی گاڑی پر دو بم بھی پھینکے جن میں سے ایک بم چل نہ سکا جبکہ دوسرے بم سے پورا علاقہ لرز گیا۔

قتل کے چند گھنٹے بعد ہی پولیس نے وقوعہ میں استعمال ہونے والی گاڑی قبضے میں لے لی تھی اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ پولیس کو قاتلوں کا سراغ مل گیا ہے جنہیں بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ چوہدری ظہور الٰہی کے قاتلوں کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ قاتل کار میں بیٹھے دوسرے لوگوں کو قتل کرنا چاہتے تھے اور چوہدری ظہور الٰہی ان کا نشانہ بن گئے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے اس قتل کی کڑیاں گجرات میں چوہدری ظہور الٰہی کی سیاسی و سماجی رقابت سے ملائیں۔ پولیس کی تفتیشی پارٹی نے یہ بھی کہا کہ قتل کے دو گواہوں مولوی مشتاق حسین اور ایم اے رحمان نے قاتلوں کی نشاندہی کر دی ہے اور پولیس جلد قاتلوں تک پہنچ جائے گی۔ پولیس نے موقع سے جو ہینڈ گرنیڈ قبضے میں لیا اور جائے واردات پر بکھرے ہوئے بلٹ جمع کیے ان کے بارے میں کہا گیا کہ قاتلوں کے پاس اسلحہ افغانستان کا تیار کردہ تھا۔

Marfat.com

ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ دہلی سے بی بی سی کے نمائندے مارک ٹیلی نے یہ ڈرامائی خبردی کہ اس کے ہوٹل کے فون پر ایک گمنام آواز نے اپنا تعارف کرائے بغیر بتایا کہ چوہدری ظہور الٰہی اور دوسرے تین افراد کو قتل کرنے کے لیے چند نوجوانوں کو مامور کیا گیا ہے اور وہ پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ مارک ٹیلی نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ آواز الذوالفقار کے بانی مرتضیٰ بھٹو کی تھی لیکن پولیس کی تفتیشی پارٹی واضح طور پر چوہدری ظہور الٰہی کے قاتلوں کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔

میاں اکبر

میاں اکبر گجرات سے صوبائی اسمبلی مغربی پاکستان کے رکن رہے اور وہ 1970 کے انتخابات میں کونسل مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔25 اکتوبر 1970 کو پانچ افراد نے سٹین گن سے فائرنگ کر کے میاں محمد اکبر، ان کے بھائی مسعود اختر، سسر میجر محمد عبداللہ اور محافظ سکندر کو ہلاک کر دیا۔

گواہوں کا کہنا تھا کہ قتل کی واردات کے بعد ملزم مدثر اقبال اور سعید اقبال اپنی اوپل گاڑی جی ٹی نمبر 151 میں سوار ہو کر راہ فرار اختیار کر گئے۔ جب کہ دوسرے ملزم اکبر مچھلی، خانو اور حسینا شہابی والا گھوڑوں پر سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ اصل ملزموں سعید اقبال اور مدثر اقبال نے دوسرے تین ملزموں کو کرایہ پر حاصل کیا تھا۔ میاں اکبر کے قتل کے سلسلہ میں بعض سیاسی حلقوں نے اپنے مخالف سیاسی افراد کو ملوث کرنے کی کوشش کی اور شواہد سے یہ پتہ چلا کہ یہ واقعہ 1964 کی خاندانی دشمنی کا نتیجہ تھا جس میں مبینہ طور پر میاں اکبر نے اپنے مخالف میاں محمد حسین کو قتل کروا دیا تھا۔ میاں محمد حسین کے پسماندگان نے عزم کیا تھا کہ وہ میاں اکبر کو بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ انھی خدشات کی بناء پر میاں اکبر نے اپنا گاؤں چھوڑ کر گجرات میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ پولیس قتل کے ملزموں سعید اقبال اور مدثر اقبال کو گرفتار نہ کر سکی اور یہ سمجھا گیا کہ ملزم افغانستان کے راستے ملک سے فرار ہو گئے ہیں۔

Marfat.com

آٹھواں باب

گجرات کی مختصر انتخابی تاریخ

(شیخ عبدالرشید)

Marfat.com

گجرات کی مختصر انتخابی تاریخ

شیخ عبدالرشید

قیام پاکستان سے قبل انتخابی کردار:

جغرافیائی و عسکری، معاشی وادبی اہمیت کی حامل اودھے نگری کی خوشبو نے وطنِ عزیز کے میدانِ سیاست کو بھی معطر کر کے عالمی سطح کی شناخت حاصل کر لی ہے۔ایک صدرِ مملکت، ایک وزیر اعظم، ایک ڈپٹی وزیر اعظم، 2 وزرائے اعلیٰ، ایک سپیکر قومی اسمبلی، 1 سپیکر صوبائی اسمبلی، کئی وفاقی وزراء کئی صوبائی وزراء اور پارلیمانی سیکرٹریوں کے مناصب کا حامل ضلع گجرات عشروں سے میدانِ سیاست میں کلیدی کردار ادا کرنے کی وجہ سے آجکل دنیا بھر کی توجہ کا مرکز ہے۔سیاسی وانتخابی حوالے سے تاریخ گجرات کی ورق گردانی کی جائے تو آسانی سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ علاقہ دھڑے بندیوں، برادری ازم اور چوہدراہٹ کا مسکن ومظہر رہا ہے۔تقسیم ہند سے قبل بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں انتخابی سیاست متعارف ہوئی تو گجر اور جاٹ برادری کی اکثریت کا حامل یہ علاقہ انہی بڑی برادریوں کے چند وڈیروں کی سیاسی زور آزمائی کا اکھاڑہ بنا رہا۔نوبزادہ فضل علی، چوہدری بہاول بخش، چوہدری فتح محمد کوہلیاں، چوہدری فضل الٰہی مرالہ، چوہدری جہاں خاں بسال اور چوہدری غلام رسول تارڑ کے گھرانے نمایاں حریف تھے۔جاٹ برادری کے چوہدری بہاول بخش انڈین لجسلیٹو کونسل جبکہ نواب سر فضل علی 1926ء میں پنجاب لجسلیٹو کونسل کے ممبر رہ چکے تھے۔

1861ء کے قانون مجالس ہند کے تحت ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں صوبائی کونسلوں کا قیام اس صدی کی ساتویں دہائی میں ہی عمل میں آ گیا تھا۔لیکن پنجاب کی علاقائی اور افرادی اہمیت کے باوصف اس صوبے کے عوام کو انیسویں صدی کی آخری دہائی تک آئینی عمل سے محروم رکھا گیا۔حکومت ہند اور حکومت پنجاب اس صوبے میں نمائندگان کی تنظیم قائم کرنے کے مخالف تھے۔قانون مجالس ہند مجریہ 1892ء کے لاگو ہونے کے بعد بھی حکومت ہند نے پنجاب میں مجلس دستور ساز قائم کرنے کا پانچ سال تک اعلان نہ کیا۔پنجاب میں مجلس قانون ساز کا آغاز 1897ء میں ہوا۔لیکن قانون سازی کے عمل میں گجرات کا کردار ربع صدی بعد یعنی 1921ء میں شروع ہوا۔1920ء میں گجرات ایسٹ سے چوہدری غلام محمد اپنے دو حریفوں میاں جہان خان اور میاں شیر محمد کو شکست دے کر پنجاب لجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہو گئے۔ چوہدری غلام محمد کو کل 1495 ووٹ ملے۔جبکہ ان کے مدمقابل حریفوں میاں جہان خان کو 844 اور میاں شیر محمد کو صرف 45 ووٹ ملے۔اسی طرح گجرات ویسٹ سے چوہدری فضل علی اپنے حریف چوہدری فتح علی کو شکست دے کر کونسل کے رکن بن گئے۔چوہدری فضل علی نے 4936 ووٹ حاصل کیے جبکہ چوہدری فتح علی خاں نے 2076 ووٹ حاصل کیے۔

1923ء کے انتخابات میں گجرات ایسٹ سے خان بہادر چوہدری فضل علی اور گجرات ویسٹ سے چوہدری غلام محمد بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔1926ء میں دونوں نشستوں سے یونینسٹ پارٹی کے امیدواروں گجرات ایسٹ سے خان بہادر چوہدری فضل علی اور گجرات ویسٹ سے سرگودھا کے عمر حیات کامیاب ہوئے۔گویا 36-1930 تک صرف چوہدری فضل علی گجرات کی نمائندگی کر رہے تھے۔1930ء میں خاں بہادر چوہدری فضل علی گجرات ایسٹ سے ایک بار پھر بلا مقابلہ منتخب ہو گئے جبکہ گجرات ویسٹ سے چوہدری نذیر حسین کو کامیابی ملی۔اس طرز کے یہ آخری انتخابات تھے۔

صوبائی اسمبلی میں نمائندگی کے ساتھ ہی گجرات نے مرکزی اسمبلی میں پہنچنے کی کوششیں بھی شروع کر دیں۔1920ء کے مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں شمالی پنجاب جس میں گجرات، جہلم اور راولپنڈی کے اضلاع شامل تھے کو ایک نشست ملی۔اس نشست پر گجرات کے چوہدری بہاول بخش بھی امیدوار تھے تاہم خاں بہادر ریاست علی خاں اور چوہدری بہاول بخش کو چوہدری غلام رسول نے شکست دی اور مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔لیکن گجرات نے پھر کوشش کی اور چوہدری بہاول بخش گجرات کے پیر تاج الدین سمیت راجہ غضنفر علی اور خاں بہادر محمد اشرف خاں کو شکست دے کر مرکز میں پہنچ گئے۔چوہدری بہاول بخش اور راجہ غضنفر علی کے ووٹوں میں صرف تین ووٹوں کا فرق تھا۔چنانچہ راجہ غضنفر علی انتخابی عذر داری دائر کر دی۔چوہدری بہاول بخش نے 397، راجہ غضنفر علی نے 394، خاں بہادر اشرف خاں نے 293 اور رفیع پیر کے والد پیر تاج الدین نے صرف 7 ووٹ حاصل کیے تھے۔دوبارہ گنتی پر راجہ غضنفر کے ووٹ زیادہ نکلے اور اس طرح جہلم پھر گجرات پر سبقت لے گیا۔1926ء کے انتخابات میں بھی گجرات مرکز تک پہنچنے میں ناکام رہا۔اس بار بھی پنڈ دادنخان کے راجہ غضنفر علی جیت گئے اور چوہدری بہاول بخش دوسرے نمبر پر رہے۔1930ء کے انتخاب میں میجر طالب مہدی نے چوہدری بہاول بخش اور راجہ غضنفر علی دونوں کو شکست دے دی۔1934ء اور 1945ء کے انتخابات میں سر محمد مہر شاہ بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔

Marfat.com

1936-37 کے انتخابات:

1937 کی نئی اسمبلی میں ضلع گجرات کے پانچ حلقے تھے۔(1) گجرات نارتھ(2) گجرات ایسٹ(3) ساؤتھ ایسٹ گجرات(4) نارتھ ویسٹ گجرات اور(5) ساؤتھ ویسٹ گجرات۔ پانچوں نشستوں پر یونینسٹ پارٹی کے امیدوار کامیاب ہوئے جبکہ شکست سے دوچار ہونے والوں کی اکثریت کا تعلق بھی اسی پارٹی سے تھا۔ گجرات ایسٹ کے حلقے سے حسب سابق خان بہادر چوہدری فضل علی بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ گجرات نارتھ سے میاں فتح محمد کامیاب ہوئے اور چوہدری فضل الٰہی کو شکست ہوئی۔ گجرات ساؤتھ ایسٹ سے خان صاحب چوہدری محمد خاں کامیاب ہوئے اور چوہدری بہاول بخش، غلام حیدر اور محمد اکبر ہار گئے۔ گجرات ساؤتھ ویسٹ سے چوہدری محمد اشرف کامیاب ہوئے اور چوہدری ارشد اللہ ناکام رہے۔ نارتھ ویسٹ گجرات سے لڈن (ملتان) کے رہائشی احمد یار خان دولتانہ جیت گئے اور چوہدری جہان خاں، راجہ نعیم اللہ خاں اور میاں محمد بخش کو شکست ہوئی۔

1937ء کے انتخابات کی آمد سے قبل ہی نسلی تفریق کی سرد جنگ گرم ہونے لگی تھی کہ 1937ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن کے موقع پر ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر چوہدری سلطان علی نے پہلی بار جٹ حقوق کی حفاظت کا نعرہ کھلے عام بلند کیا، جٹ گجر کی تفریق کے نعرے نے سرد جنگ کو ہوا دی تاہم چوہدری سلطان علی کو شکست ہوئی تو یہ نعرہ وقتی طور پر ٹھنڈا پڑ گیا۔ 1937ء کے انتخابات کا مرحلہ آیا تو اس وقت یہاں کے زمیندار و وڈیرہ شاہی گھرانوں سے تعلق رکھنے والے سارے علاقائی ناخدا جاگیرداروں کی یونینسٹ پارٹی کی چھتری تلے متحد تھے، انہی انتخابات میں گجرات سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر ایم عالم نے راولپنڈی سے اتحادِ ملت اور احرار پارٹی کے مشترکہ امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا اور 7129 ووٹ حاصل کر کے یونینسٹ پارٹی کے 2823 ووٹ حاصل کرنے والے سید حبیب کو شکست دی۔ ڈاکٹر محمد عالم 1927 سے مسجد شہید گنج کے واقعہ تک مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے، انہوں نے کامیابی کے بعد اپنی سیاسی وفاداریاں تبدیل کر لیں اور سکندر حیات کے خصوصی مشیروں میں شامل ہو گئے، اسطرح وہ برصغیر کی سیاسی تاریخ کا پہلا "لوٹا" ہونے کا اعزاز حاصل کر گئے اور گجراتی سیاستدانوں کے لیے ایک اہم روایت قائم کی۔30 اکتوبر 1942ء کو ممبر پنجاب اسمبلی نوابزادہ سر فضل علی انتقال کر گئے اس طرح حلقہ 77 گجرات ایسٹ سے انکی جگہ انکے صاحبزادے نوابزادہ اصغر علی نے ضمنی انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔

1945-46ء کے انتخابات:

1945-46ء کے انتخابات تک مسلم لیگ مسلمانوں کی حقیقی نمائندہ جماعت بن چکی تھی، خضر حیات کے ساتھی انھیں چھوڑ کر جا رہے تھے تاہم ابتلاء کے اس زمانے میں بھی گجرات سے نوبزادہ اصغر علی خاں، میاں فتح محمد، خاں بہادر چوہدری میر محمد، خانصاحب احمد یار خاں چوہدری اشرف وغیرہ یونینسٹ پارٹی کو مضبوط سہارا فراہم کر رہے تھے، ان انتخابات میں 5 میں سے 4 نشستوں پر مسلم لیگی امیدوار جبکہ ایک پر یونینسٹ ڈیرہ کامیاب ہوا، گجرات ایسٹ کی نشست پر مسلم لیگ کے اُمیدوار چوہدری عطاء محمد نے 3546 ووٹ حاصل کیے جبکہ ان کے مدِ مقابل یونینسٹ پارٹی کے نوابزادہ اصغر علی نے 6875 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی۔ گجرات نارتھ مسلم لیگ کے چوہدری فضل الٰہی نے 8149 ووٹ لیکر یونینسٹ میاں فتح محمد کو بلیاں کو ہرایا، گجرات ساؤتھ ایسٹ سے چوہدری غلام رسول تارڑ نے 6786 ووٹ حاصل کر کے یونینسٹ چوہدری محمد اشرف کو شکست دی، گجرات نارتھ ایسٹ سے مسلم لیگی چوہدری جہاں بسال نے 8253 ووٹ لیکر چوہدری احمد یار خاں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی، گجرات ساؤتھ ویسٹ سے یونینسٹ امیدوار خاں بہادر چوہدری پیر محمد کے 2301 ووٹوں کے مقابلے میں مسلم لیگی امیدوار چوہدری بہاول بخش نے 10835 ووٹ حاصل کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ یونینسٹ پارٹی نے اس ضلع میں کافی انتظامی مداخلت بھی کروائی جس کی ایک مثال یہ ہے کہ دورانِ الیکشن مسلم لیگی امیدوار جہاں خاں بسال کو گرفتار کر لیا گیا اس کے باوجود عوامی رائے نے یونیسٹ پارٹی کو شکست سے دوچار کر دیا۔ انہی انتخابات میں برصغیر کے پہلے لوٹے اور گجرات کے ڈاکٹر محمد عالم کو جو راولپنڈی سے یونینسٹ، احرار اور اتحادِ ملت پارٹی کے مشترکہ امیدوار تھے صرف 2346 ووٹ ملے، انھیں مسلم لیگی امیدوار سر فیروز خاں نون نے 14728 ووٹ حاصل کر کے ہرایا۔ قیامِ پاکستان کے مطالبے کی بنیاد پر مسلم لیگ نے جو سیاسی طوفان برپا کر رکھا تھا اس میں یونینسٹ پارٹی کے جو سیاسی پہلوان کامیاب رہے ان میں گجرات کے حلقہ کڑیانوالہ کے نوابزادہ اصغر علی خاں بھی شامل تھے۔

قیام پاکستان کے بعد گجرات کا انتخابی کردار

1951 کے صوبائی انتخابات:

14 اگست 1947 کو ظہورِ پاکستان کے بعد بھی مذکورہ انتخاب میں کامیاب اسمبلیوں میں موجود رہے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلے انتخابات 1951ء

Marfat.com

میں پنجاب اسمبلی کے انتخابات تھے ان انتخابات سے قبل ہی مسلم لیگ ممدوٹ دولتانہ کشمکش کے نتیجے میں دوحصوں میں بٹ چکی تھی مسلم لیگ کے قائد ممتاز دولتانہ جبکہ جناح عوامی مسلم لیگ کے رہنما افتخار ممدوٹ تھے۔عمومی طور پر 197 صوبائی نشستیں تھیں۔ضلع گجرات کی کُل 13 نشستیں تھیں جن میں 12 عام جبکہ ایک مہاجرین کی سیٹ تھی ضلع گجرات میں مذکورہ نشستوں کے لیے جائز ووٹوں کی رجسٹرڈ تعداد 3,61416 تھی، مسلم لیگ نے 10، جناح عوامی لیگ نے 2 اور ایک آزاد امیدوار نے کامیابی حاصل کی۔کل پچاس امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ضلع کی واحد مہاجر نشست پر مسلم لیگ کے چوہدری بدرالدین نے 10,096 ووٹ حاصل کیے ان کے مقابلے میں آزاد امیدوار ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج سید جمیل حسین رضوی نے 13592 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی۔گجرات کے دو متحارب سیاسی دھڑے چوہدری فضل الٰہی اور نوابزادہ اصغر علی خاں کے تھے قیام پاکستان کے بعد جب پنجاب میں دولتانہ ممدوٹ کشمکش شروع ہوئی تو چوہدری فضل الٰہی ممتاز دولتانہ گروپ سے وابستہ ہو گئے جبکہ سابق یونینسٹ نوابزادہ اصغر علی نے ممدوٹ سے تعلق جوڑ لیا۔تاہم جب دولتانہ برسرِ اقتدار آئے تو نوابزادہ اصغر علی خاں نے اپنے بھائی نوابزادہ مہدی علی خاں کو جو کہ دولتانہ کے ذاتی نیاز مندوں میں شامل تھے، اُن کے ذریعے دولتانہ سے یاری گانٹھ لی۔سیاسی وفاداریوں کی تبدیلی ہی کا ثمر تھا کہ 1951ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے دونوں بھائیوں کو ٹکٹ بھی دے دیا۔

مقامی سیاست میں نوابزادہ خاندان کے بعض مخالفین نے بُغضِ معاویہ کے مصداق چوہدری فضل الٰہی کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔اسی دور میں چوہدری ظہور الٰہی نے کاروباری استحکام حاصل کر کے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دی وہ بھی فضل الٰہی گروپ کے ساتھ تھے۔حلقہ 1 سے مسلم لیگ کے نوابزادہ مہدی علی خاں نے 19449 ووٹ لیکر مدمقابل اسلام لیگ کے چوہدری مظہر خاں اور آزاد محمد عنایت کو شکست دی حلقہ 2 سے مسلم لیگ کے نوابزادہ اصغر علی خاں 20432 ووٹ لیکر، حلقہ 3 سے مسلم لیگ کے چوہدری محمد احسان نے 10,008 ووٹ حاصل کر کے، حلقہ 4 سے سید امیر حسین شاہ آزاد پاکستان پارٹی نے, 13928 حلقہ 5 سے مسلم لیگ کے چوہدری محمد زمان خان، حلقہ 6 سے میاں فتح محمد آف کوٹلیاں، حلقہ 7 سے مسلم لیگ کے چوہدری فضل الٰہی 13608، حلقہ 8 سے چوہدری گلنواز 9978، حلقہ 9 سے مسلم لیگ کے چوہدری غلام رسول تارڑ نے 8029، حلقہ 10 سے جناح عوامی مسلم لیگ کے چوہدری ولی محمد 9577، حلقہ 11 سے مسلم لیگ کے چوہدری ارشاد اللہ 7045، حلقہ 12 سے جناح عوامی مسلم لیگ کے چوہدری سخی محمد 16106 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے۔1951ء کے الیکشن کے بعد چوہدری ظہور الٰہی گروپ نمایاں ہونے لگا، مسلم لیگ کے ضلعی انتخاب میں صدر چوہدری فضل الٰہی نائب صدور چوہدری سردار خاں، چوہدری جہاں خاں بسال، چوہدری گلنواز ایم ایل اے، چوہدری محمد احسان ایم ایل اے، فتح محمد کوٹلیاں اور چوہدری غلام رسول، جائنٹ سیکرٹری جلال شاہ، عبدالمالک، محمد نذیر اور محمد خاں چنے گئے، فنانس سیکرٹری کے لیے محمد نذیر کامیاب ہوئے نوابزادہ گروپ نے متوقع شکست سے بچنے کے لیے بائیکاٹ کر دیا، تاہم نوابزادہ اصغر علی نے مسلم لیگ کے ضلعی جنرل سیکرٹری چوہدری محمد حسن چیمہ سے رابطہ کر کے مسلم لیگ پنجاب کے کونسلرز میں خاص مقام حاصل کر لیا۔1951ء میں ہی ضلع گجرات سے مسلم لیگ پنجاب کی کونسلرز شپ کے لیے مسلم لیگ کے ضلعی صدر چوہدری فضل الٰہی، ضلعی جنرل سیکرٹری چوہدری محمد حسن چیمہ، تحصیل گجرات مسلم لیگ کے صدر، چوہدری ظہور الٰہی، خانصاحب چوہدری حمید اللہ، چوہدری جہاں خاں بسال صدر مسلم لیگ تحصیل پھالیہ، چوہدری سردار خاں آف چیلیانوالہ، چوہدری ارشاد اللہ خاں، چوہدری گلنواز، ملک ولایت حسین خاں جنرل سیکرٹری مسلم لیگ کھاریاں، حکیم سردار خاں تحصیل صدر کھاریاں، میاں فتح محمد، نوابزادہ اصغر علی خاں، چوہدری غلام رسول، چوہدری محمد احسن علیگ، چوہدری محمد زمان، چوہدری محمد حسین، اور چوہدری مہدی حسن شامل تھے۔صورتحال دیکھ کر نوابزادہ اصغر علی نے مفاہمت کا راستہ اختیار کر کے چوہدری فضل الٰہی گروپ سے صلح کر لی، جیسے ہی یہ صلح ہوئی مخالفین نے چوہدری فضل الٰہی کو موقع پرست اور خود غرض سیاستدان کا خطاب دے دیا۔1953ء میں چوہدری فضل الٰہی کو صلاح الدین چٹھہ کی جگہ مسلم لیگ کا سیکرٹری چُن لیا گیا۔

1956ء کے انتخابات:

1956ء میں ون یونٹ اسمبلی کے لیے 279 سیٹوں کے لیے 600 امیدوار تھے ان انتخابات میں گجر جاٹ لڑائی کے مرکز ضلع گجرات میں سات نشستوں کے لیے تیرہ امیدوار تھے بالواسطہ انتخاب میں ضلع سے کل ووٹروں کی تعداد بھی 13 ہی تھی جن میں نوابزادہ مہدی علی، نوابزادہ اصغر علی، محمد احسان، سید امیر حسین، چوہدری محمد زمان، میاں فتح محمد، چوہدری فضل الٰہی، چوہدری گلنواز، چوہدری غلام رسول تارڑ، چوہدری ولی محمد بسال، چوہدری ارشاد اللہ، چوہدری سخی محمد، سید جمیل رضوی شامل تھے، کامیاب ہونے والے سات امیدوار سید امیر حسین، چوہدری فضل

Marfat.com

الٰہی ،غلام حسین تارڑ، گلنواز خاں، سید جمیل رضوی، چوہدری محمد احسن اور چوہدری سمیع محمد تھے۔ان انتخابات میں نوابزادہ اصغر علی خاں کو پہلی دفعہ شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔نوابزادہ خاندان اسمبلی سے باہر ہو گیا تاہم اس الیکشن کے بعد وفاداریوں کی تبدیلی کا طوفان آیا، اس میں ڈاکٹر عالم کے شہر گجرات سے تعلق رکھنے والے دوسروں سے پیچھے نہ رہے، سید جمیل رضوی نمایاں تھے تاہم چوہدری محمد احسن اور ضلع کے معروف دھڑے بند چوہدری سمیع محمد نے بھی ڈاکٹر خانصاحب کی حمایت کر دی اور ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو گئے، سیاسی اقتدار کی خواہش بُری چیز نہیں، لیکن اقتدار زندگی کا نصب العین نہیں ہونا چاہیے، ری پبلکن پارٹی ان سیاسی شاطروں کی تخلیق تھی جن کو اپنا سیاسی مستقبل اقتدار سے وابستہ رکھنا تھا۔

1962ء کے انتخابات:

اکتوبر 1958ء کے مارشل لاء کے بعد یکم مارچ 1962ء سے نیا دستور نافذ العمل ہوا جس کے تحت 28 اپریل 1962ء کو قومی اسمبلی کی 156 نشستوں کے لیے انتخابات ہوئے جبکہ 8 مئی کو صوبائی اسمبلی کے الیکشن ہوئے، یہ انتخابات بی ڈی سسٹم کے تحت بالواسطہ ہوئے ضلع گجرات سے قومی اسمبلی کی تین نشستیں تھیں جن کے لئے گیارہ امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔این ڈبلیو گجرات ون سے نوابزادہ اصغر علی خاں آبائی سیٹ پر 205 ووٹ لے کر ایک بار پھر ہار گئے جبکہ 286 ووٹ حاصل کر کے چوہدری ظہور الٰہی پہلی دفعہ کامیاب ہوئے۔این ڈبلیو، 24 گجرات II سے چوہدری فضل الٰہی 192 ووٹ لیکر کامیاب قرار پائے ان کے مقابلے میں نیک عالم ،اسد گیلانی، احمد حسن، 58، میاں اسلم حیات 124 اور چوہدری محمد اکرم 12 ووٹ حاصل کر پائے ،این ڈبلیو 25، گجرات III سے چوہدری محمد حیات نے 11، چوہدری غلام رسول تارڑ نے 217 ووٹ لیے جبکہ چوہدری جہان خاں بسال 272 ووٹ لے کر کامیاب قرار پائے۔انہی انتخابات میں صوبائی اسمبلی کی چار نشستوں کے لیے 25 امیدواروں میں مقابلہ ہوا۔پی ڈبلیو، 53 گجرات I سے میاں محمد اکبر 202 ووٹوں سے کامیاب قرار پائے اس حلقے سے چوہدری محمد اشرف 145 محمد نعیم نے 3، چوہدری محمد اسلم نے 2 محمد اصغر علی نے 1، گلنواز نے 4 جبکہ الطاف احمد، اصغر علی اور دلدار خاں کوئی ووٹ حاصل نہ کر پائے۔پی ڈبلیو 54، گجرات II سے چوہدری سمیع محمد 209 ووٹ لیکر فاتح رہے، یہاں سے چوہدری اللہ بخش نے 35، لال خاں نے 103، شبیر احمد نے 3، محمد صالح نے 10 ووٹ حاصل کیے پی ڈبلیو 55، گجرات III سے چوہدری گلنواز خاں 134 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے جبکہ چوہدری غلام حیدر نے 116، غضنفر علی نے 5، منظور علی نے 16، محمد اقبال نے 62 اور محمد زمان نے 8 ووٹ حاصل کیے۔پی ڈبلیو 56 گجرات IV سے چوہدری اقبال چیلیانوالہ 144 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے جبکہ چوہدری محمد احسن نے 10 غلام احمد خاں نے 29، محمد رفیع نے 140 محمد نذیر نے ایک ووٹ حاصل کیا۔ایوب خاں کے دور میں نوابزادہ اصغر علی اور میاں اکبر کونسل مسلم لیگ میں جبکہ چوہدری ظہور الٰہی کنونشن مسلم لیگ میں تھے جب گورنر نواب کالاباغ کی چوہدری ظہور الٰہی سے اَن بن ہوئی تو چوہدری ظہور الٰہی مسلم لیگ میں آ گئے، چوہدری فضل الٰہی اور سرائے عالمگیر سے راجہ غلام حیدر بھی ان کے ساتھ تھے، اس پر نوابزادہ اصغر اور میاں اکبر کنونشن لیگ میں چلے گئے۔

1962ء کے الیکشن میں ہار کے باوجود نوابزادہ اصغر علی ایوب خاں کے حمایتی رہے اور کالا باغ سے بھی مراسم رکھے نیز صدارتی الیکشن میں فاطمہ جناح کے مقابلے میں ایوب خاں کی حمایت کر کے اپنے سیاسی مفادات کو مضبوط کر لیا، یہی وجہ ہے کہ جب 1965ء کے انتخابات ہوئے تو گورنر پنجاب کی گجرات میں مداخلت واضح تھی۔

1965ء کے انتخابات:

مارچ 1965ء میں قومی اسمبلی کی 156 نشستوں پر انتخابات ہوئے 3 نشستوں پر گیارہ امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔گورنر پنجاب نواب کالاباغ اور گجرات کے چوہدری ظہور الٰہی کی اَن بن عروج پر تھی اس لیے چوہدری ظہور الٰہی کے حلقہ میں نئی حلقہ بندی کر کے اسے 82 میل لمبا حلقہ بنا دیا اس کے باوجود چوہدری ظہور الٰہی نے 261 ووٹ لیے جبکہ ان کے مقابلے میں چوہدری غلام رسول تارڑ 299 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ٹھہرے۔دوسری نشست پر چوہدری فضل الٰہی نے کنونشن لیگ کے ٹکٹ پر 387 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی۔اُنکے مقابل آزاد امیدوار چوہدری اصغر علی گھرال صرف 96 ووٹ لے سکے، اسی سال مئی میں منعقد ہونے والے صوبائی انتخابات میں پی ڈبلیو 55 گجرات سے کنونشن لیگ کے نوابزادہ اصغر علی خاں 385 ووٹوں کیساتھ کامیاب ہوئے جبکہ محمد سلیم 94، فخر زمان 7 اور محمد اسلم 4 ووٹ حاصل کر پائے۔پی ڈبلیو 56 پھالیہ گجرات سے چوہدری باقی خاں بسال 129، وحید الدین 129، نذیر احمد 7 ووٹ لے سکے جبکہ کنونشن لیگ کے مانک خاں بسال 195 ووٹ حاصل کر کے کامیاب قرار پائے پی ڈبلیو 57 کھاریاں سے میاں

Marfat.com

اسلم حیات کوہلیاں نے 152، غلام حیدر خاں نے 33 ووٹ حاصل کیے چوہدری اقبال چیلیانوالہ 174 ووٹوں کے ساتھ فاتح رہے۔ گجرات کے پگانوالہ خاندان میں اختر پگانوالہ کراچی سے کنونشن لیگ کے ٹکٹ پر بلا مقابلہ مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔

1970ء کے انتخابات:

ایوب خاں کے اقتدار کا سنگھاسن ڈولا تو سیاسی وڈیرے اپنی اپنی نئی سیاسی کمین گاہوں کی تلاش میں نکل پڑے۔ نوابزادہ اصغر علی نے قیوم لیگ میں پناہ لی۔ گجرات سے چوہدری ظہور الٰہی، میاں محمد اکبر اور چوہدری اقبال چیلیانوالہ محمد حسین چٹھہ کی وساطت سے دولتانہ سے صلح کر کے پھر کونسل مسلم لیگ میں شامل ہو گئے، انہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو نے پیپلز پارٹی قائم کی تو چوہدری ظہور الٰہی نے اس کے منشور پر سخت تنقید کی 1970ء کے انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی بھٹو کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا، بھٹو کے جلسے دیکھ کر اقتدار پسند سیاست دانوں کے منہ میں پانی آنے لگا، ذولفقار علی بھٹو نے لاہور میں ظہور الٰہی کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا، تو مقامی سطح پر ان کے مخالفین بغلیں بجانے لگے اور یوں چوہدری فضل الٰہی اور سید امیر حسین شاہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے بعد ازاں چوہدری منظور حسین نے بھی فضل الٰہی کی وساطت سے بھٹو سے ملاقات کی اور کنونشن لیگ کو چھوڑ دیا۔ 7 دسمبر 1970ء کو قومی اسمبلی کے انتخاب ہوئے، قومی اسمبلی کی چار نشستوں کے لیے 23 امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ اس علاقہ میں نظریاتی اور پارٹی ووٹروں کا فقدان تھا، برادری ازم اور دھڑے بندی کو زیادہ فوقیت حاصل تھی اس زمانے میں جب پنجاب بھر میں پی پی پی کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ یہاں پر پارٹی نے ٹکٹوں کی تقسیم پرانے قد کاٹھ اور برادری کو دیکھتے ہوئے دیئے۔ 1965ء کے انتخابات کے دوران ہی نئے سیاسی گروپ بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چوہدری ظہور الٰہی کو شروع میں احساس ہو گیا تھا کہ ایک دن سروس انڈسٹری کے مالی وسائل اُن کے خلاف استعمال ہونگے۔ نواب کالا باغ سے ان کی اَن بن ہوئی تو سروسز گروپ کے وسائل چوہدری فضل الٰہی کی پشت پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ 1970ء کے انتخاب میں ان کے مقابلے میں قیوم لیگ کے ضلعی صدر نوابزادہ اصغر علی تھے ان کا بیٹا مظہر علی اور دو بھتیجے ظفر مہدی اور چوہدری محمد نواز ایک دوسرے کے مدمقابل تھے، چوہدری محمد یوسف اور انکے داماد چوہدری محمد ریاض احمد نے حلقہ نمبر 2 سے حصہ لیا چوہدری محمد اسلم جوڑا نے قومی اسمبلی اور انکے بھائی سرور جوڑا نے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا، ڈنگہ سے چوہدری اسلم تھے جبکہ ان کے ماموں چوہدری اقبال کونسل لیگ کے ٹکٹ پر تھے، الطاف حسین قریشی کے ایک تجزیے کے مطابق اس زمانے میں نوبزادہ اصغر علی خاں کی ایک طرف قیوم لیگ سے آشنائی تھی تو دوسری طرف پیپلز پارٹی سے خفیہ یارانہ بھی، پیپلز پارٹی نے ان کی سفارش پر ہی گجرات میں ٹکٹ دیے تھے، احمدیہ جماعت بھی نوابوں کی پشت پر تھی، این اے 35 گجرات ون سے 6 امیدوار تھے پیپلز پارٹی کے چوہدری محمد اسلم جوڑا نے 654 نظام اسلام وآل پاکستان مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے محمد اسلم چوہدری، جماعتِ اسلامی کے چوہدری ارشاد احمد نے 11933، پاکستان ڈیموکریٹ کے چوہدری محمد اسلم 1832، مسلم لیگ قیوم گروپ کے نوبزادہ اصغر علی نے 70659 ووٹ حاصل کیے جبکہ کونسل مسلم لیگ کے چوہدری ظہور الٰہی 81935 ووٹ حاصل کر کے کامیاب قرار پائے این اے 36 گجرات II سے کونسل لیگ کے غلام رسول نے 40388، جمعیت علمائے پاکستان چوہدری نیک عالم نے 7686، جماعتِ اسلامی کے سید صدیق الحسن گیلانی نے 18754 آزاد امیدوار غلام محی الدین نے 1641 ووٹ لیے اس حلقے سے پیپلز پارٹی کے چوہدری فضل الٰہی نے 70984 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی۔ این اے 37 گجرات III سے کونسل لیگ کے چوہدری سعی محمد نے گجرات (III) 21351، مسلم لیگ قیوم کے چوہدری ولی محمد بوسال نے 11029، جمعیت علمائے پاکستان کے کرنل (ر) راجہ اکبر خاں 14033، آزاد امیدوار چوہدری نواز بوسال ,22216 چوہدری شیر محمد نے 4413 ووٹ حاصل کیے جبکہ پیپلز پارٹی کے چوہدری محمد منظور حسین دھدرا 32152 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے۔ این اے 38 گجرات IV سے کونسل لیگ کے چوہدری اقبال چیلیانوالہ نے 29302، مسلم لیگ گروپ کے چوہدری محمد نذیر 2766، جماعت اسلامی کے عثمان غنی 15233، آزاد امیدوار فیض احمد نے 34420 اور آزاد امیدوار چوہدری خداداد خاں نے 1717 ووٹ لیے اس حلقے سے پیپلز پارٹی کے چوہدری غلام رسول تارڑ 64783 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہو گئے، اسطرح کونسل لیگ ایک اور پی پی پی کے تین امیدوار کامیاب ہوئے۔ پیپلز پارٹی کے تینوں امیدوار الیکشن سے پہلے ایوب خان کی کنونشن لیگ اور اس سے پہلے ری پبلکن پارٹی میں تھے۔ 17 دسمبر 1970 کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہوئے جس کے لیے ضلع گجرات کی دس نشستیں تھیں، ان کے لیے 59 امیدواروں میں مقابلہ ہوا، پیپلز پارٹی کے 5، کونسل لیگ کے 2، قیوم لیگ کا ایک اور دو آزاد امیدوار

Marfat.com

کامیاب ہوئے اسی مہم میں کونسل لیگ کے امیدوار میاں اکبر قتل ہو گئے پی پی 19 گجرات سے بیگم معراج اکبر کونسل لیگ کی طرف 22649 ووٹ لے سکیں یہاں سے پیپلز پارٹی کے سید امیر حسین شاہ 27062 ووٹ لے کامیاب ہوئے وہ بائیں بازو کی سیاست میں اہم مقام رکھتے تھے۔ پارٹی کے صوبائی ومقامی رہنماؤں نے انکی مخالفت کی تھی اور آزاد امیدوار سرور جوڑا کو بھٹو کا آدمی قرار دیا اور سید امیر حسین شاہ کو پیپلز پارٹی کا محمود علی قصوری کہا تھا اس کے باوجود وہ جیت گئے۔ پی پی 20 سے ظہور الٰہی کے قریبی عزیز چوہدری تجمل حسین کونسل لیگ کے امیدوار تھے انہوں نے 22250 ووٹ حاصل کئے انھیں پیپلز پارٹی کے چوہدری انور سماں ایڈوکیٹ نے 22504 لے کر سخت مقابلے کے بعد 254 ووٹوں سے فتح حاصل کی۔ الیکشن کے بعد انور سماں قتل کر دیئے گئے بعد میں اس حلقے سے چوہدری اعتزاز احسن کامیاب ہوئے۔ پی پی 21 سے نوابزادہ خاندان آپس میں ہی مدمقابل تھا نوابزادہ اصغر علی کے دو بھتیجے کونسل لیگ کے چوہدری محمد نواز، آزاد امیدوار ظفر مہدی اور ان کا بیٹا نوابزادہ مظہر علی خاں مدمقابل تھے۔ جماعتِ اسلامی کے شیخ ظہور احمد، اصغر علی گھرال اور محمد یوسف نے بھی الیکشن میں حصہ لیا یہاں سے چوہدری ظہور الٰہی کے حمایت یافتہ چوہدری محمد نواز کامیاب ہوئے، پہلی دفعہ تھا کہ جٹ برادری نے گجر اکثریت کے غبارے سے ہوا نکالنے کے لیے گھر کا بھیدی ڈھونڈا جس نے خوب لنکا ڈھائی۔ پی پی 22 سے پیپلز پارٹی کے بریگیڈئر (ر) صاحب داد خاں نے 23721 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی پی پی 23 سے آزاد امیدوار راجہ محمد افضل کامیاب ہوئے جبکہ چوہدری گلنواز کونسل لیگ اور پیپلز پارٹی کے چوہدری منظور الٰہی ہار گئے۔ پی پی 24 سے کونسل لیگ کے میاں افضل حیات نے پی پی کے محمد اسلم چوہدری کو شکست دی۔ پی پی 25 سے پیپلز پارٹی کے چوہدری منظور احمد 15257، پی پی 26 سے آزاد امیدوار امان اللہ خاں 17292، پی پی 27 سے قیوم لیگ کے لال خاں 19978، پی پی 28 سے پیپلز پارٹی کے محمد حیات 16098 ووٹ حاصل کر کے کامیاب قرار پائے۔ ان انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت بنی تو چوہدری فضل الٰہی سپیکر قومی اسمبلی اور بعد ازاں صدرِ مملکت بن گئے۔ ان کے صدر بننے سے ان کی خالی کردہ نشست پر ضمنی الیکشن میں چوہدری سردار خاں کامیاب ہوئے۔ 1970ء میں راولپنڈی سے ملتان تک وسطی پنجاب سے چوہدری ظہور الٰہی اُن دو امیدواروں میں تھے جو پی پی پی کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں وہ سیاسی انتقام کا نشانہ بنے جس نے ان کے قد کاٹھ میں اضافہ کر دیا اور انھیں شہرت عام حاصل ہوئی۔

1977ء کے انتخابات:

7 جنوری کی شام بھٹو نے قومی اسمبلی میں اعلان کیا کہ آئندہ انتخابات مارچ 1977ء میں ہوں گے۔ قومی اسمبلی کے لیے پولنگ 7 مارچ اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے 10 مارچ کو ہوگی اس کے ساتھ ہی سیاسی گرما گرمی شروع ہوگئی اپوزیشن نے تحریک چلائی مگر انتخابات ہوکر رہے ملک بھر کی طرح گجرات میں بھی خون آلود انتخابی مہم کے مناظر دیکھنے میں آئے ضلع گجرات کے تاریخی قصبہ کڑیانوالہ میں قومی اتحاد کے جلسہ عام پر فائرنگ سے رحمت آرائیں مارا گیا اس واقعہ نے کڑیانوالہ اور گجرات کی خبروں کو بی بی سی تک پہنچا دیا۔ 1977 میں قومی اسمبلی کی سیٹیں چار سے بڑھا کر چھ اور صوبائی اسمبلی کی دس سے بڑھا کر 12 کر دی گئیں، قومی اسمبلی کی چھ سیٹوں کے لیے 27 امیدوار آمنے سامنے تھے۔ 1977ء کے مشہور زمانہ انتخابی نتائج کے مطابق پیپلز پارٹی نے کلین سویپ کیا، این اے 47 سے قومی اتحاد کے چوہدری ظہور الٰہی نے صرف 28066 ووٹ لیے جبکہ مدمقابل 1970 میں قیوم لیگ کی جانب سے الیکشن لڑنے والے نوابزادہ ظفر مہدی نے 1977ء میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر 91672 ووٹ حاصل کر کے کامیاب قرار پائے۔ این اے 48 سے بھی قومی اتحاد کے چوہدری ظہور الٰہی 39526 ووٹ لے سکے، پیپلز پارٹی کے میاں مشتاق حسین پگانوالہ نے 72276 ووٹ لیکر انھیں شکست دی، این اے 49 سے صدرِ مملکت چوہدری فضل الٰہی کے صاحبزادے چوہدری عطاء الٰہی نے 68222 ووٹ حاصل کر کے قومی اتحاد کے چوہدری محمد اکرم 35753 کو شکست دی، این اے 50 سے چوہدری محمد سردار خاں 69993 ووٹ لیکر قومی اتحاد کے راجہ محمد افضل کے مقابلے میں کامیاب ہوئے، این اے 51 سے قومی اتحاد کے ممتاز احمد تارڑ نے 38926 ووٹ لیے ان کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کے چوہدری غلام تارڑ نے 52680 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔ این اے 52 سے پیپلز پارٹی کے رانا گلزار نے قومی اتحاد کے مولانا عنایت اللہ گجراتی کو شکست دی۔ اسی طرح گجرات سے تعلق رکھنے والے چوہدری محمد اشرف چیلیانوالہ نے حیدر آباد سے قومی اسمبلی کی نشست این اے 168 سے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا وہ صرف 19910 ووٹ حاصل کر پائے، قومی اتحاد کے میاں شوکت علی نے 63538 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی تھی۔ 1977ء ہی کے انتخابات

Marfat.com

میں خواتین کی مخصوص دس نشستوں پر این اے 202 پنجاب سے گجرات کی بیگم سمیعہ عثمان فتح کامیاب ہوئی تھیں، خواتین کی تمام نشستوں پر حزبِ اختلاف نے بائیکاٹ کر رکھا تھا تمام بلا مقابلہ منتخب ہوگئیں۔

صوبائی اسمبلی کی بارہ سیٹوں پر الیکشن میں گیارہ نشستیں پی پی پی نے حاصل کیں جبکہ ایک آزاد امیدوار نوابزادہ مظہر علی خاں نے پی پی پی کے اندرونی تعاون سے کامیابی حاصل کی۔ پی پی 25 گجرات ا سے پیپلز پارٹی کے اصغر علی نے 3052، قومی اتحاد کے اصغر علی گھرال نے 3063 ووٹ لیے جبکہ آزاد امیدوار اور پی پی پی کے ایم این اے ظفر مہدی کے کزن نوابزادہ مظہر علی خاں نے 61364 لیکر کامیابی حاصل کی۔ پی پی 26 سے پیپلز پارٹی کے چوہدری ریاض احمد وڑائچ نے 40301 ووٹ لیکر قومی اتحاد کے شیخ ظہور احمد و دیگر امیدواروں کو شکست دی۔ پی پی 27 سے پیپلز پارٹی کے سروسز انڈسٹری والے چوہدری احمد سعید نے 42463 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی۔ پی پی 28 سے پیپلز پارٹی کے چوہدری اعتزاز احسن نے 45047 ووٹ لیکر قومی اتحاد کے چوہدری شجاعت حسین کو ہرایا۔ چوہدری شجاعت حسین نے بائیکاٹ کیا تھا، بعد میں بھٹو کی دھاندلی کے خلاف اعتزاز احسن بھی اسمبلی نشست سے مستعفی ہوگئے تھے۔ پی پی 29 سے پیپلز پارٹی کے چوہدری محمد زمان 42069، پی پی 30 سے پی پی پی کے چوہدری منظور الٰہی، پی پی 31 سے میاں افضل حیات، پی پی 32 سے پی پی پی کے چوہدری اقبال چیلیانوالہ، پی پی 33 سے پی پی پی کے سید جاوید حسین، پی پی 34 سے پیپلز پارٹی کے نواب خاں، پی پی 35 سے منظور احمد رانجھا پی پی پی کامیاب ہوئے۔ قومی اتحاد نے ان نشستوں پر بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ اسی الیکشن میں گجرات کی پگانوالہ فیملی کے میاں اختر پگانوالہ نے سندھ اسمبلی کے لیے پی ایس 85 کراچی سے حصہ لیا اور قومی اتحاد کے اعجاز محمود کے 642 ووٹوں کے مقابلے میں 19930 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔ یہ ایک دلچسپ پہلو ہے کہ گجرات سے قومی و صوبائی اسمبلی کے کامیاب اراکین کی اکثریت بھٹو کا اقتدار ختم ہوتے ہی خاموش ہوگئی یا انہوں نے پارٹی بدل لی، یہی وجہ ہے کہ 1977ء میں پیپلز پارٹی کا دوسرا لاڑکانہ ثابت ہونے والا گجرات بعد میں مسلم لیگ کا قلعہ بن گیا۔

1977ء میں مارشل لاء کے بعد قوم و ملک نے سیاسی، سماجی اور مارشل لائی عمل کے متعدد مدوجزر دیکھے، 1979ء میں بلدیاتی انتخاب میں گجروں کے نوابزادہ گروپ کا پلڑا بھاری رہا۔ نوابزادہ مظہر علی خاں ضلعی چیئرمین بن گئے۔ 25 ستمبر 1981ء کو لاہور میں سابق وفاقی وزیر چوہدری ظہور الٰہی کو قتل کر دیا گیا۔ اس سے ایک طرف سیاسی مخالفین کو سیاسی فائدہ ہوا تو دوسری طرف نوجوان چوہدری برادران کا امتحان شروع ہوگیا۔ 1983ء میں بلدیاتی انتخاب ہوئے تو اپنے پہلے ہی سیاسی امتحان میں چوہدری پرویز الٰہی نے کمالِ مہارت سے ضلع کونسل کی چیئرمین شپ حاصل کر کے مخالفین کے کان کھڑے کر دیے۔ اس کے بعد کی انتخابی تاریخ چوہدری برادران کی سیاسی کامیابیوں اور ان کے مخالفین کے سیاسی زوال کی کہانی بن کر رہ گئی۔

1985ء کے غیر جماعتی انتخابات:

1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کا اعلان ہوا تو 1977ء میں کلین سویپ کرنے والی پیپلز پارٹی نے ان کا بائیکاٹ کیا۔ چوہدری شجاعت حسین ظہور الٰہی کے سیاسی وارث کے طور پر سامنے آئے، وہ مجلسِ شوریٰ کا ممبر بن کر وزارت حاصل کر چکے تھے۔ اُن کے سیاسی مخالفین تا حال تذبذب میں تھے۔ 1970ء میں شکست کے بعد قیوم لیگ سے پیپلز پارٹی میں شامل ہونے والے نوابزادہ خاندان نے بھٹو کی پھانسی کے بعد پیپلز پارٹی کے طرزِ سیاست کو خیر باد کہہ دیا اور جنرل ضیاء الحق کی خصوصی ہدایت پر جنرل سوار خاں گورنر پنجاب کے ذریعے اپنے سیاسی مخالفین سے مصالحت کر لی۔ یہ سیاسی سودے بازی آئندہ آنے والے دنوں میں نوابزادہ خاندان کے لیے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ثابت ہوئی نوابزادگان نے چوہدری برادران کو سیاست میں پاؤں جمانے کا موقع خود فراہم کر کے سیاسی خودکشی کر لی، اس سیاسی مفاہمت کی وجہ سے این اے 47 سے چوہدری تجمل حسین نے حصہ نہ لینے کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں نوابزادہ مظہر علی خاں 62499 ووٹ لیکر کامیاب جونیجو لیگ سے وابستہ ہوگئے اسی طرح این اے 48 میں نوابزادہ گروپ نے مخالفت نہ کی جس پر مس ارشاد بیگم کے 18143 ووٹوں کے مقابلے میں چوہدری شجاعت حسین نے 63184 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی، این اے 49 سے سید منظور حسین شاہ نے 35871 ووٹ لیکر سابق صدر چوہدری فضل الٰہی کے بھتیجے چوہدری صفدر مرالہ کو شکست دی۔ این اے 50 سے 1977 میں بھٹو کی پارٹی جوائن کرنے والے چوہدری اقبال چیلیانوالہ جیتے۔ اس سے پہلے وہ ایوب خاں کو لیڈر تسلیم کر چکے تھے جب بھٹو نہ رہے تو انہوں نے چپکے سے ضیاء الحق سے وابستگی اختیار کر لی اور خود شوریٰ کے رکن نامزد ہوئے انہوں نے 40830 ووٹ حاصل کر کے اپنے ہی گاؤں کے 31844 ووٹ لینے والے مسعود احمد کو ہرایا۔ این اے 51 سے ممتاز احمد تارڑ نے

Marfat.com

3446 ووٹ حاصل کر کے مجلسِ شوریٰ کے نامزد رکن احمد یار خاں اور بلدیہ گجرات کے وائس چیئرمین منور تارڑ کو شکست دی جن کے والد غلام رسول تارڑ پارٹی بدلتے بدلتے پیپلز پارٹی میں جا پہنچے تھے، مگر بھٹو کے بعد ضیاء الحق کو سیاسی وفاداری کا یقین دلانے میں کامیاب رہے این اے 51 سے مانک خاں بوسال کے بیٹے محمد نواز بوسال کامیاب ہوئے انہوں نے 22583 ووٹ حاصل کیے۔ اس حلقہ سے پی پی پی سے تعلق رکھنے والے چوہدری منظور حسین دھدرا، گلزار احمد اور عمر حیات گوندل ناکام ہوئے ان سب نے مشکل کے دنوں میں پیپلز پارٹی کے معاملے پر خاموشی اختیار کیے رکھی۔ 1985ء میں ہی چوہدری اقبال چیلیانوالہ کی بہو بیگم عشرت اشرف بھی خواتین نشستوں پر قومی اسمبلی کی رکن چنی گئیں اور گجرات کے چوہدری رحیم داد سینیٹر منتخب ہوئے، گجرات کے ہی میاں اختر پگانوالہ نے این اے 191 کراچی ساؤتھ 3 سے الیکشن میں حصہ لیا لیکن صرف 4612 ووٹ حاصل کر پائے شیخ عبدالخالق اللہ والا نے 30956 ووٹ لیکر انہیں ہرایا۔ صوبائی اسمبلی کی بارہ نشستوں پر 80 کے لگ بھگ امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ نوابزدگان اور چوہدری برادران کی سیاسی مصالحت کے نتیجے میں پی پی 25 سے نوابزادہ مظہر علی خاں اور پی پی 128 سے چوہدری پرویز الٰہی بلا مقابلہ منتخب ہو گئے، پی پی 26 سے چوہدری عبداللہ یوسف وڑائچ کے 6479 ووٹوں کے مقابلے میں چوہدری گلنواز 20890 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے۔ پی پی 27 سے محمد سرور جوڑا کے 12095 ووٹوں کے مقابلے میں میاں عبدالرشید پگانوالہ 12983 ووٹ لیکر کامیاب ٹھہرے، پی پی 29 سے چوہدری محمد اصغر نے 33111 ووٹ لیکر 14545 ووٹ حاصل کرنے والے چوہدری طاہر زمان کو شکست دی، پی پی 30 سے چوہدری لیاقت علی بھدر 11282، پی پی 31 سے میاں افضل حیات 30866، پی پی 32 سے راجہ کامران افضل 12563، پی پی 33 سے 12754 ووٹ لیکر چوہدری غلام رسول، پی پی 36 سے اکرام اللہ رانجھا نے 10430 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی ضلع گجرات سے پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے سیاسی رہنماؤں نے غیر جماعتی الیکشن میں حصہ لے کر بینظیر بھٹو کے فیصلے کے خلاف کھلی بغاوت کی۔ ان انتخابات کے بعد اُبھرنے والے حکومتی منظر نامے میں گجرات کی سیاسی پوزیشن مضبوط ہوئی پنجاب حکومت میں چوہدری فیض احمد پارلیمانی سیکرٹری جبکہ چوہدری پرویز الٰہی وزیر بلدیات اور مرکز میں چوہدری شجاعت حسین وزیر اطلاعات چنے گئے۔ 1986ء میں بینظیر بھٹو نے وطن واپسی کا اعلان کیا تو ضلع کے جیالے قائدین تضادات کا شکار تھے

، پیپلز پارٹی ضلع گجرات کے صدر نوابزادہ ظفر مہدی کے دو کزن نوابزادہ مظہر علی اور نوابزادہ مظفر علی خاں بالترتیب قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ممبران تھے نیز میاں مشتاق پگانوالہ کے کزن میاں رشید پگانوالہ ایم پی اے بھی مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ دوسری طرف مسلم لیگ پنجاب میں ہونے والی سرد جنگ میں بھی چوہدری پرویز الٰہی نواز شریف کے مقابلے پر اہم کردار تھے یہ جنگ 18 اکتوبر 1987ء کو کھل کر سامنے آ گئی۔ اس جنگ میں گجرات کے ممبرانِ اسمبلی چوہدری گلنواز، لیاقت بھدر اور اکرام رانجھا نے پرویز الٰہی کے دھڑے کی بجائے نواز شریف کا ساتھ دیا۔ ملکی سیاست کی اس اہم سیاسی جنگ کا ڈراپ سین بھی گجرات میں ہی ہوا، جب 21 مارچ 1987ء کو چوہدری وجاہت حسین کے ولیمہ پر صدر جنرل ضیاء الحق یہاں آئے تو پرویز نواز صلح بھی ہو گئی۔ 29 مارچ 1987ء میں بننے والی نئی کابینہ میں بھی چوہدری شجاعت حسین کے پاس صنعت و پیداوار کی وزارتوں کا قلمدان تھا۔ تاہم سیاسی اُفق پر بینظیر کے طلوع سے حالات بدلنے لگے تھے۔

1988ء کے انتخابات:

نومبر 1988ء کے انتخابات کا اعلان ہوا تو ضلع گجرات کے لیے قومی اسمبلی کی 5 اور صوبائی اسمبلی کی دس نشستیں تھیں۔ این اے 80 سے ایک مفاہمت کے ذریعے 1985ء میں نوابزادہ مظہر علی کامیاب ہوئے مگر اس بار آئی جے آئی کے چوہدری تجمل حسین 74852 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے، پیپلز پارٹی کے نوابزادہ مظہر علی خاں نے 71412 ووٹ حاصل کیے، عوامی اتحاد کے امیدوار عاشق حسین شاہ کے 5001 ووٹوں نے پی ڈے اے کی شکست میں اہم کردار ادا کیا۔ این اے 81 سے پی پی پی کے میاں مشتاق حسین پگانوالہ 69437 ووٹ لے پائے ان کے مقابلے میں آئی جے آئی کے چوہدری شجاعت حسین نے 78025 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی۔ این اے 82 سے پیپلز پارٹی کے حاجی اصغر کائرہ 76341 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے، اسلامی جمہوری اتحاد کے سید منظور حسین شاہ نے 63270 اور عوامی اتحاد کے راجہ محمد افضل نے 14169 ووٹ حاصل کیے۔ این اے 83 سے آئی جے آئی کے چوہدری اقبال چیلیانوالہ نے 40838، عوامی اتحاد کے سید محمد محفوظ مشہدی نے 11593، آزاد چوہدری غلام رسول نے 21363 ووٹ لیے جبکہ پی پی پی کے ممتاز تارڑ 50520 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ٹھہرے۔ این اے 84 سے چوہدری عمر حیات لالیکا آئی جے آئی نے 32827 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی

Marfat.com

پیپلز پارٹی کے نذر محمد نے 31125 اور عوامی اتحاد کے فیض محمد نے 3523، آزاد چوہدری اقبال بوسال نے 1192 ووٹ حاصل کیے مگر نذر محمد گوندل کی شکست کی اہم وجہ 1970ء میں الیکشن ہار کر پیپلز پارٹی میں شامل ہونے والے مانک بوسال کے بیٹے نواز بوسال کے 17011 ووٹ تھے۔ گجرات سے تعلق رکھنے والے چوہدری اعتزاز احسن نے لاہور سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا اور آئی جے آئی کے شیخ روحیل اصغر کے 41181 ووٹوں کے مقابلے میں چوہدری اعتزاز احسن نے 71860 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔

صوبائی اسمبلی کی دس نشستوں پر نتائج اس طرح رہے پی پی 91 سے سید علی ہارون شاہ نے آئی جے آئی کے مہر خادم حسین، چوہدری سرور جوڑا آزاد، اور عوامی اتحاد کے چوہدری محمد طفیل کو شکست دی۔ پی پی 92 سے چوہدری غلام سرور بہوچھ نے آئی جے آئی کے ٹکٹ پر 29669 ووٹ لیے جبکہ پی پی پی کے نوابزادہ غضنفر گل 29674 ووٹ لیکر سخت مقابلے کے بعد 5 ووٹوں کی برتری سے کامیاب ہوئے عوامی اتحاد کے مولانا محمد مہدی خاں نے 352 ووٹ لیے تھے۔ پی پی 93 سے آئی جے آئی کے چوہدری وجاہت حسین 34014 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے، پی پی پی کے چوہدری عبداللہ یوسف 32646 اور عوامی اتحاد کے چوہدری گلنواز نے 981 ووٹ حاصل کیے۔ پی پی 94 سے آئی جے آئی کے چوہدری پرویز الٰہی نے 31993 ووٹ لیکر کامیاب قرار پائے۔ پیپلز پارٹی کے چوہدری شاہد حمید نے 18364 ووٹ حاصل کیے۔ پی پی 95 سے آئی جے آئی کے محمد فاروق نے 16218 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی پیپلز پارٹی کے ڈاکٹر محمد اصغر نے 13018، راجہ کامران افضل نے 13907، لیاقت علی بھدر نے 14760، چوہدری امتیاز احمد نے 7775، عوامی اتحاد کے شیخ شبیر احمد نے 1369، ملک فضل حسین نے 3024، میجر غلام مجتبیٰ نے 1734 ووٹ حاصل کیے تھے۔ پی پی 96 سے پیپلز پارٹی کے چوہدری صفدر مرالہ نے 31834 ووٹ حاصل کر کے آئی جے آئی کے چوہدری نثار احمد ایڈووکیٹ 18221 کو شکست دی۔ پی پی 97 سے آئی جے آئی کے میاں طارق محمود 33713 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے، پی پی پی کے میاں افضل حیات کوہلیاں نے 33256 ووٹ لیے۔ پی پی 98 سے آئی جے آئی کے میاں وحید الدین نے 28939 ووٹ لیکر پی پی پی کے چوہدری محمد اسلم 8541 کو شکست دی پی پی 99 سے چوہدری منور رسول تارڑ نے 17525 ووٹ لیے اور کامیاب قرار پائے جماعت اہل سنت کے پیر محمد یعقوب شاہ 15047، آئی جے آئی کے جاوید اکبر نے 8438 ووٹ حاصل کیے۔ پی پی 100 سے آئی جے آئی کے حاجی افضل چن نے 21360 ووٹ لے کر پیپلز پارٹی کے نواز گوندل 18006 کو شکست دی، پی پی 101 سے پیپلز پارٹی کے چوہدری الطاف احمد رانجھا نے 15720 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی آئی جے آئی کے احمد یار نے 14582 ووٹ حاصل کیے۔ اسی ضلع کے چوہدری جعفر اقبال رحیم یار خاں سے 37849 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے۔ بعدازاں مرکز میں پیپلز پارٹی جبکہ صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت بنی تو اس کھینچا تانی سیاست میں چوہدری برادران نواز شریف کے شانہ بشانہ تھے۔

1990ء کے انتخابات:

6 اگست 1990 کو مرکزی وصوبائی حکومتیں توڑ دی گئیں اس بعد کے 24 اکتوبر کو قومی اور 27 اکتوبر 1990ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے ضلع گجرات میں قومی اسمبلی کے لیے 5 نشستیں تھیں۔ اس بار پیپلز پارٹی نے آئی جے آئی کے مقابلے میں دیگر جماعتوں سے ملکر پی ڈی اے کے نام سے اتحاد بنا کر حصہ لیا ضلع گجرات میں قومی اسمبلی کے لیے این اے 80 سے پی ڈی اے کی جانب سے سابق ایم پی اے نوابزادہ غضنفر علی گل امید وار تھے انہوں نے 63793 ووٹ حاصل کیے ان کے مقابلے میں آئی جے آئی کے چوہدری تجمل حسین 94688 ووٹ لیکر 30 ہزار کی برتری سے جیت گئے۔ این اے 81 میں ملک کی مہنگی ترین انتخابی جنگ ہوئی آئی جے آئی کی جانب سے نگراں کابینہ کے وزیر چوہدری شجاعت حسین 80861 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے ان کے مقابلے میں سروس انڈسٹریز کے چوہدری احمد مختار نے 74621 ووٹ حاصل کیے۔ اس الیکشن میں ممتاز بزنس مین چوہدری جہانگیر محمود چیمہ پی پی پی چھوڑ کر مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے تھے چوہدری شجاعت حسین نے کامیابی کی ہیٹ ٹرک مکمل کی تھی۔ این اے 82 کی نشست سے آئی جے آئی کے سید منظور حسین شاہ 80621 ووٹ لیکر سابقہ حریف پی ڈی اے چوہدری اصغر کائرہ 65252 کو شکست دی۔ عوامی تحریک کے چوہدری اکرم نے 9145 ووٹ لیے۔ سید منظور شاہ کی کامیابی میں صوبائی اسمبلی کے مضبوط امیدواروں چوہدری اسلم کائرہ اور چوہدری فاروق نے اہم کردار ادا کیا۔ این اے 83 سے آئی جے آئی کے چوہدری ناصر اقبال 62788 لیکر کامیاب ہوئے انہوں نے پی ڈی اے کے ظفر اللہ تارڑ کو شکست دی جنہوں نے 52881 ووٹ

Marfat.com

لیے۔ ناصر اقبال کی فتح غیر متوقع تھی انتخابی مہم کے دوران آئی جے آئی کے سربراہ میاں نواز شریف نے منڈی بہاؤالدین کو ضلع کا درجہ دینے کا وعدہ کیا اور اس وقت کے نگران وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں جو اس جلسہ کے مہمان خصوصی تھے سے گذارش کی کہ سٹیج پر آ کر ضلع بنانے کا باضابطہ اعلان کریں مگر اس موقع پر چوہدری شجاعت حسین غلام حیدر وائیں کو بازو سے پکڑ کر واپس ہیلی پیڈ لے گئے اس پر عوام نے ناصر اقبال کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ این اے 85 سے پی ڈی اے نے نذر محمد گوندل کی بجائے نواز بوسال کو ٹکٹ دیا۔ جس نے 41086 ووٹ حاصل کر کے 28884 ووٹ لینے والے آئی جے آئی کے عمر حیات لالیکا کو شکست دی۔ گجرات کے چوہدری اعتزاز احسن نے این اے 93 لاہور سے 65624 ووٹ لیکر آئی جے آئی کے احسان الحق جنہوں نے 54697 ووٹ لیکو شکست دی تھی۔ اکتوبر 1990ء میں صوبائی اسمبلیوں کے نتائج کے مطابق گجرات کی گیارہ صوبائی اسمبلی کی نشستوں پر اسلامی جمہوری اتحاد نے کامیابی حاصل کی۔ پی پی 91 سے آئی جے آئی کے میاں عمران مسعود نے 33576 ووٹ حاصل کر کے 25749 ووٹ لینے والے ہارون شاہ کو شکست دی۔ پی پی 92 سے اسلامی جمہوری اتحاد کے چوہدری غلام سرور بہوچھ نے 39489 ووٹ لیکر پی ڈی اے کے نوبزادہ مظفر علی خاں کو تقریباً چھ ہزار ووٹوں (23591) سے شکست دی۔ پی پی 93 سے 57572 ووٹ حاصل کر کے چوہدری وجاہت حسین نے چوہدری گل نواز 15281 کو شکست دی، ایم زمان کھوکھر نے 886 ووٹ حاصل کیے۔ پی پی 94 سے پی ڈی اے کے میاں عبدالرشید پگانوالہ نے 17169 ووٹ لیے انھیں 47560 ووٹ حاصل کر کے چوہدری پرویز الٰہی نے شکست دی۔ پی پی 95 سے آئی جے آئی کے چوہدری محمد فاروق 27315 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے ان کے قریب ترین حریف آزاد امیدوار چوہدری لیاقت بھدر تھے انہوں نے 20165 ووٹ لیے پی ڈی اے کے چوہدری محمد فیاض 8801 ووٹ حاصل کر پائے، پی پی 96 سے 23094 ووٹ حاصل کرنے والے چوہدری صفدر مرالہ کو آئی جے آئی کے چوہدری اسلم کائرہ نے 36634 ووٹ لیکر ہرایا۔ پی پی 97 سے پی ڈی اے کے میاں افضل حیات کو ہلیاں نے 30517 ووٹ لیے انھیں ڈنگہ کے میاں طارق محمود نے آئی جے آئی کے ٹکٹ پر 41851 ووٹ حاصل کر کے شکست دی، پی پی 98 سے آئی جے آئی کے میاں وحید 42930 نے پی ڈی اے کے چوہدری محمد اسلم 29845 کو شکست دی، پی پی 99 سے آئی جے آئی کے پیر محمد یعقوب شاہ نے 27594 ووٹ لیکر پی ڈی اے کے چوہدری غلام رسول ایڈووکیٹ 16238 کو ہرایا، پی پی 100 سے آئی جے آئی کے محمد افضل چن نے 28794 ووٹ حاصل کر کے پی ڈی اے کے 9491 ووٹ لینے والے عمر حیات لالیکا کو ہرایا چوہدری ارشاد نے 10330 ووٹ لیے، پی پی 101 سے چوہدری اکرام اللہ رانجھا آئی جے آئی نے 14072 ووٹ لیکر 10999 ووٹ لینے والے احمد یار کو شکست دی۔ گجرات ہی کے چوہدری جعفر اقبال گجر نے پی پی 237 رحیم یار خاں سے آئی جے آئی کے ٹکٹ پر 48651 ووٹ حاصل کر کے اپنے مخالف ڈاکٹر اسلم خاں نارو 11709 کو شکست دی تھی۔ ان انتخابات کے بعد آئی جے آئی کی حکومت بنی تو چوہدری شجاعت حسین وفاقی وزیر داخلہ اور چوہدری پرویز الٰہی وزیر بلدیات نے ملکی سیاست میں اپنا نام اور مقام بنایا۔

1993ء کے انتخابات:

1993ء کے بحران کا نتیجہ اسمبلیوں کی معطلی کی صورت میں نکلا۔ اس کے بعد 6 اور 9 اکتوبر 1993ء کو الیکشن کرانے کا اعلان ہوا۔ سیاسی کھیل میں ضلع گجرات کی تقسیم سے منڈی بہاؤالدین کو الگ کر دیا گیا، اسطرح 1993ء میں ضلع گجرات کی اسمبلی کی نشستیں کم ہو کر 3 رہ گئیں۔ اس انتخاب میں چوہدری ظہور الٰہی کے سیاسی وارث چوہدری شجاعت حسین قومی اسمبلی کی دو نشستوں سے الیکشن ہارے این اے 80 سے انہوں نے نواز لیگ کی جانب سے 74585 ووٹ حاصل کیے۔ پیپلز پارٹی کے نوابزادہ غضنفر علی گل نے 79189 ووٹ حاصل کر کے انھیں ہرایا، یہاں نوابزادہ خاندان کی فتح میں اسلامک فرنٹ کے ضیغم محمود کے 7210 ووٹوں نے اہم کردار ادا کیا۔ این اے 81 سے بھی پی پی پی کے چوہدری احمد مختار نے 80241 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی چوہدری شجاعت حسین 76925 ووٹ لے سکے یہاں بھی اسلامک فرنٹ کے چوہدری نثار احمد نے 4111 ووٹ لیکر مسلم لیگ کی شکست میں اہم کردار ادا کیا چوہدری شجاعت 1994ء میں مسلم لیگ کی جانب سے سینیٹر بن گئے، این اے 82 سے بھی پیپلز پارٹی کے حاجی محمد اصغر کائرہ نے 78656 ووٹ لیکر 77236 ووٹ حاصل کرنے والے مسلم لیگ کے سید منظور حسین شاہ کو شکست دی اس حلقہ میں بھی اسلامک فرنٹ کے راجہ محمد افضل نے 8040 ووٹ لیے۔ گجرات کے فرزند چوہدری اعتزاز احسن نے پیپلز پارٹی کی جانب سے این اے 93 لاہور سے 62713 ووٹ حاصل کیے تاہم وہ مسلم لیگ (ن) کے ہمایوں اختر خاں سے ہار گئے جنہوں نے 66564 ووٹ حاصل کیے

Marfat.com

گجرات ہی کے چوہدری جعفر اقبال نے این اے 149 رحیم یار خاں سے مسلم لیگ (ن) کے ٹکٹ پر 79720 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی اور پی پی پی کے 64460 ووٹ لینے والے ظفر اقبال وڑائچ کو ہرایا۔ 1993ء میں صوبائی اسمبلی کی سات نشستوں پر نتائج یوں رہے کہ پی پی 91 سے مسلم لیگ (ن) کے میاں عمران مسعود نے 31185 ووٹ لیے اور 31130 ووٹ لینے والے پی پی پی کے میاں مشتاق حسین ریگانوالہ کو صرف 65 ووٹوں سے شکست دی۔ پی پی 92 سے مسلم لیگ کے چوہدری غلام سرور بھوچھ نے 29846 ووٹ لیے ان کے مقابلے میں نوابزادہ مظہر علی خاں 33766 ووٹ لیکر کامیاب قرار پائے۔ پی پی 93 سے پیپلز پارٹی کے چوہدری گلنواز نے 38009 ووٹ حاصل کر کے مسلم لیگ (ن) 37039 ووٹ لینے والے چوہدری پرویز الٰہی کو شکست دی۔ پی پی 94 سے مسلم لیگ (ن) کے چوہدری پرویز الٰہی 36668 ووٹ حاصل کر کے کامیاب قرار پائے ان کے مدِ مقابل پیپلز پارٹی کے سرور جوڑا نے 30790 ووٹ حاصل کیے تھے۔ پی پی 95 سے مسلم لیگ جونیجو گروپ کے چوہدری فاروق نے مسلم لیگ نواز کے لیاقت بھدر، اسلامک فرنٹ کے راجہ شریف اور سرمد سالک وغیرہ کو شکست دی۔ اس انتخاب میں ملک حنیف اعوان نے بھی بہت پیسہ بہایا مگر ناکام رہے۔ پی پی 96 سے مسلم لیگ (ن) کے چوہدری اعجاز احمد نے پی پی پی کے چوہدری محمد صفدر مُراله اسلامک فرنٹ کے اسلم کائرہ و دیگر کو شکست دی۔ ان انتخابات کے بعد چوہدری احمد مختار وفاقی وزیرِ تجارت بنے وہ پیپلز پارٹی کے مرکزی جنرل سیکرٹری بھی ہوئے۔

1997ء کے انتخابات:

1997ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کی 3 اور صوبائی اسمبلی کی 7 نشستوں پر الیکشن ہوا، پیپلز پارٹی کی حکومت کی برطرفی مقامی سطح پر بھی انکے نمائندگان کے عوامی احتساب کا باعث بنی اور ایک بار پھر مسلم لیگ نے میدان مار لیا۔ این اے 80 سے مسلم لیگ نے سابق ایم این اے چوہدری تجمل حسین کو ٹکٹ دیا پیپلز پارٹی کی جانب سے نوبزادہ غضنفر علی گل نے 50716 ووٹ لیے چوہدری مبشر حسین 87144 ووٹ لیکر جیت گئے این اے 81 سے ایک بار پھر پُرانے حریف آمنے سامنے تھے چوہدری شجاعت حسین نے 86903 ووٹ حاصل کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی چوہدری احمد مختار 41126 ووٹ لے سکے، این اے 82 سے مسلم لیگ (ن) کے سید منظور حسین شاہ 88093 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے جبکہ پی پی پی کے سابق ایم این اے چوہدری اصغر کائرہ 44904 ووٹ حاصل کر پائے مسلم لیگ جونیجو کے چوہدری فاروق نے 9928 ووٹ لیے۔ صوبائی اسمبلی کی سات کی سات مسلم لیگ نے حاصل کر لیں۔ پی پی 91 سے میاں عمران مسعود، پی پی 92 سے چوہدری غلام سرور بھوچھ، پی پی 93 سے چوہدری وجاہت حسین، پی پی 95 سے چوہدری پرویز الٰہی، پی پی 95 سے ملک حنیف اعوان، پی پی 96 سے چوہدری لیاقت علی بھدر اور پی پی 98 سے میاں طارق محمود ڈنگہ کامیاب ہوئے۔ الیکشن کے بعد چوہدری پرویز الٰہی سپیکر صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔

2002ء کے انتخابات:

اکتوبر 1999ء میں جمہوری حکومت کا بوریا بستر لپیٹ کر فوجی آمریت مسلط کر دی گئی اس کے بعد مقامی حکومتوں کا نظام متعارف ہوا تو ضلع گجرات میں یونین کونسل کی سطح پر عوام نے پیپلز پارٹی کے عوام دوست ناظمین کی اکثریت کو کامیاب کرایا، مگر چوہدری برادران کے الیکشن سپیشلسٹ چوہدری وجاہت حسین نے ضلع ناظم کے انتخاب کے موقع پر سیاسی تدبیر وحکمت اور مخالفین کی برادری پرست سیاست کی بنا پر کامیابی حاصل کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا چوہدری شفاعت حسین ضلع ناظم منتخب ہوئے تو مقامی حکومتوں کے اس نظام کی وجہ سے چوہدری برادران علاقائی سیاست کا مرکز بن گئے۔ 2002ء میں الیکشن ہوا تو ضلعی سیاست میں طاقت کا محور ہونے کی وجہ سے چوہدری برادران نے واضح کامیابی حاصل کی۔ 2002ء کے الیکشن میں قومی اسمبلی کی چار اور صوبائی اسمبلی کی آٹھ نشستوں پر مقابلہ ہوا۔ این اے 104 سے چھ امیدوار تھے لیکن اصل مقابلہ روایتی حریفوں نوابزدگان اور چوہدری برادران کے درمیان تھا، پیپلز پارٹی کے نوبزادہ غضنفر علی گل نے 62651، ایم ایم اے کے قاری لیاقت علی نے 5587 ووٹ لیے، مسلم (ق) کے چوہدری وجاہت حسین جو پہلی دفعہ قومی اسمبلی کا الیکشن لڑ رہے تھے انہوں نے 82126 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی، این اے 105 سے سات امیدوار تھے ایم ایم اے کے امجد شاہین نے 6819، عوامی تحریک کے ڈاکٹر محمود الحسن کنجاہی نے 6818، پی پی شہید بھٹو کے شوکت کمال نے 408 ووٹ لیے حقیقی مقابلہ پی پی پی اور مسلم لیگ (ق) کے درمیان ہی رہا پیپلز پارٹی کے چوہدری احمد مختار نے 52632 ووٹ حاصل کیے جبکہ مسلم لیگ (ق) کے مرکزی صدر چوہدری شجاعت حسین 66809 ووٹ لیکر فاتح قرار پائے۔ این اے 106 سے مقابلہ پیپلز پارٹی

Marfat.com

اور مسلم لیگ کے حمایت یافتہ نیشنل الائنس کے امیدواروں کے درمیان ہوا۔ نیشنل الائنس کے میاں افضل حیات نے 69826 ووٹ لیے پیپلز پارٹی کے قمر زمان کائرہ نے 83438 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی اور بلدیاتی الیکشن میں تحصیل کھاریاں کے ناظم کی جیت کی ایکبار پھر تصدیق کی، نئے بننے والے حلقے این اے 107 سے مسلم لیگ نواز کے ملک اجمل صدیق نے 43905، مسلم لیگ ضیا گروپ کے کرنل (ر) جاوید مجتبیٰ نے 8,575 مسلم لیگ (ق) کی جانب سے سید نورالحسن شاہ نے 48,673 ووٹ حاصل کیے تاہم پیپلز پارٹی کے چوہدری رحمٰن نصیر مرالہ 52,484 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے مگر انہوں نے پارٹی تبدیل کرنے کی خاندانی روایت کو برقرار رکھا اور کامیابی کے بعد مسلم لیگ (ق) میں شامل ہو گئے۔ اسطرح قومی اسمبلی کی چار میں سے تین سیٹیں چوہدری برادران نے حاصل کر لیں، اسی الیکشن میں لاہور سے چوہدری اعتزاز احسن کامیاب ہوئے انکا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا۔ 2002ء میں صوبائی اسمبلی کی آٹھ نشستوں پر 58 امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا ۔حلقہ پی پی 108 سے مسلم لیگ نے پہلے چوہدری سعادت نواز کو ٹکٹ جاری کیا مگر وہ ڈگری جعلی ہونے پر نااہل قرار پائے اس سے براہ راست فائدہ علاقہ کے دیرینہ سیاستدان چوہدری اصغر علی گھرال ایڈووکیٹ جو صحافی و کالم نگار بھی ہیں کو پہنچا انکی محنتوں کا ثمران کے بیٹے کو ملا، اور چوہدری خالد اصغر گھرال مسلم لیگ (ق) کے امیدوار نامزد ہوئے پہلے ہی الیکشن میں انہوں نے 38647 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی اور صوبائی پارلیمانی سیکرٹری برائے سپورٹس بنے پیپلز پارٹی کے نوابزادہ مظہر علی خاں نے 31,596 ایم ایم اے کے محمد ایوب خاں نے 3,047 اور مسلم لیگ نواز کے چوہدری شبیر گوندل نے 2,178 ووٹ حاصل کیے۔ پی پی 109 سے چوہدری عبداللہ یوسف پیپلز پارٹی چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور چوہدری وجاہت حسین کے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑنے کی وجہ سے انکی خالی کردہ صوبائی نشست سے مسلم لیگ (ق) کے امیدوار بنے اور 37,996 ووٹ لیکر کامیاب ہوئے صوبائی پارلیمانی سیکرٹری برائے قانون بنے۔ ان کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کے چوہدری معین نواز وڑائچ نے 27,209 آزاد امیدوار میجر جنرل عبدالعزیز نے 4,764 ووٹ لیے۔ پی پی 110 سے مسلم لیگ (ق) کے چوہدری پرویز الٰہی 41,640 ووٹ لیکر حسب معمول کامیاب ہوئے ان کے مقابلہ میں چوہدری طارق جاوید نے 21,475، مسلم لیگ (ن) کے سید علی ہارون شاہ نے 9,559 ووٹ لیے۔ پی پی 111 سے پیپلز پارٹی کے میاں فخر پگانوالہ نے 20,927 مسلم لیگ (ن) کے مہر ندیم عباس نے 9,029، عوامی لیگ کے مظہر حسین قادری نے 4,318 ووٹ لیے، مسلم لیگ (ق) کے میاں عمران مسعود نے 22392 ووٹ لیے اور کامیاب قرار پائے، پی پی 112 سے مسلم لیگ قائداعظم کے محمد نصیر عباس سدھ نے 26,322، ایم ایم اے کے ڈاکٹر احسان اللہ شاہ نے 11,469 ووٹ لیے جبکہ پیپلز پارٹ کے چوہدری تنویر اشرف کائرہ نے 30,253 ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی، پی پی 113 سے مسلم لیگ (ن) کے چوہدری جعفر اقبال نے 26,556 پیپلز پارٹی کے شمشیر احمد نے 9,250 ووٹ جبکہ سابق ایم پی اے میاں طارق کی صاحبزادی ماریہ طارق 37372 ووٹ لیکر کامیاب ہوئی۔ پی پی 114 سے مسلم لیگ (ن) کے ملک اجمل صدیق نے 33,552، پیپلز پارٹی کے مرزا محمد اسلم نے 3,018 ووٹ لیے جبکہ مسلم لیگ کے چوہدری محمد ارشد 46,932 ووٹ لیکر جیت گئے۔ پی پی 115 سے مسلم لیگ کے لیاقت علی بھدر نے 20,058، آزاد امیدوار محمد انور ملک نے 7,666، مسلم لیگ (ن) کے راجہ عابد حسین ملاگر نے 5,854 ووٹ لیے یہاں سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ ہولڈر اور کوٹلہ گروپ کے امیدوار عامر عثمان عادل 36,384 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے، بعدازاں کوٹلہ گروپ نے چوہدری برادران کی حمایت کا اعلان کیا تو عامر عثمان انکی ہدایت پر مسلم لیگ (ق) میں شامل ہو گئے۔ 2002ء کے انتخابات کے بعد چوہدری برادران پر اقتدار و اختیار کی بارش ہوئی، چوہدری پرویز الٰہی وزیر اعلیٰ پنجاب، چوہدری شجاعت حسین مسلم لیگ کے مرکزی صدر اور وزیر اعظم بنے تو گجرات کو دنیا بھر میں شہرت حاصل ہوئی، مرکز صوبے، ضلع اور تحصیل سطحوں پر مرکزی، صوبائی، ضلعی اور تحصیل حکومتیں اسی خاندان کی تھیں چنانچہ بے پناہ کام کروانے کے دعوے ہوئے، کام ہوئے کئی نوازے گئے اور کئی ناراض بھی ہوئے مگر ضلع گجرات کے قائدین و عوام 1936ء سے انتخابی سیاست میں ڈاکٹر عالم کی قائم کردہ روایت پر کاربند رہے۔ سیاسی قائدین کے رویوں کے اثرات عوام تک بھی پہنچے اور گلی گلی محلہ محلہ مسلم لیگ (ق) میں شمولیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اس دور عروج میں 2005ء کے مقامی حکومتوں کے انتخاب ہوئے تو نتائج نے سیاست و انتخاب پر چوہدری برداران کی مظبوط گرفت کا کھلا اظہار کیا۔ تحصیل گجرات میں بالخصوص اور ضلع بھر میں بالعموم چوہدری شجاعت گروپ کامیاب ہوا۔ چنانچہ ضلع اور دو تحصیلوں کی نظامی انہی کے حصوں میں آئی تاہم تحصیل کھاریاں میں کائرہ برادران نے سیاست میں اپنے دن بدن مضبوط ہوتے کردار کا برملا اظہار کیا، اور جیل میں بند چوہدری ندیم اصغر کائرہ ہر قسم

Marfat.com

کے ہتھکنڈوں کے باوجود تحصیل ناظم کھاریاں کامیاب ہوئے۔اب جنرل مشرف کے ساتھیوں کی جماعت ایک بار پھر اقتدار کے لیے کوشاں ہے۔2008ء کے الیکشن کی تیاریاں بھی ضلع گجرات میں بھر پور انداز میں ہوئیں۔ چار قومی اور آٹھ صوبائی نشستوں کے لیے امیدواران مدِ مقابل تھے۔

2008ء کے انتخابات:

2008 میں ضلع گجرات کی کُل آبادی تقریباً 27 لاکھ تھی۔ یہاں کل رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 12,87089 تھی۔اس ضلع میں کُل 117 یونین کونسلیں ہیں تحصیل گجرات میں 65، تحصیل کھاریاں میں 43 اور تحصیل سرائے عالمگیر میں صرف 09 یونین کونسلیں شامل ہیں، کل 1013 پولنگ اسٹیشن اور اتنے ہی پریزائیڈنگ آفیسر تعینات کیے گئے اور کل 3384 پولنگ بوتھ بنائے گئے۔

این اے 104 گجرات ون:

حلقہ این اے 104 گجرات ون 32 یونین کونسلوں اور چار تھانوں کڑیانوالہ، ٹانڈہ، جلالپور جٹاں سٹی و صدر پر مشتمل ہے اسکی کل آبادی تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ ہے کل رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 3,11343 ہے مردانہ ووٹ 1,66379 جبکہ خواتین ووٹروں کی تعداد 1,44904 ہے، 2002 میں ووٹ کاسٹ کرنے کی شرح 52.8 فیصد تھی، 2008 میں کل پولنگ اسٹیشن 260 تھے جن میں 208 مشترکہ اور 26 مردانہ اور 26 زنانہ تھے، یہاں گجر، جاٹ اور کشمیری نمایاں برادریاں ہیں 18 فروری کے انتخاب کے لیے یہاں سے مسلم لیگ (ق) کے چوہدری وجاہت حسین ،پیپلز پارٹی کے نوابزادہ غضنفر علی گل، مسلم لیگ (ن) کے سید فیصل عباس، چوہدری شوکت محمود اور شبیر احمد امیدوار تھے مسلم لیگ (ن) کے امیدوار نیا چہرہ تھے وہ صحافی ہیں اور اسلام آباد میں مقیم ہیں اس حلقے میں انکا تعارف نہیں یہاں روایتی خاندانی حریفوں میں ون ٹو ون مقابلہ ہوا۔

اس حلقہ میں کل 173568 ووٹ ڈالے گئے جن میں سے 3586 ووٹ رد ہو گئے۔ اس طرح کل درست ووٹوں کی تعداد 170348 رہی۔ ٹرن آؤٹ 55.07% فیصد رہا۔ ڈالے گئے ووٹوں میں سے 57 فیصد ووٹ یعنی 96379 ووٹ پی ایم ایل (قائداعظم) کے چوہدری وجاہت حسین نے حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔ پی پی پی کے نوابزادہ غضنفر علی گل 63374 ووٹ لے کر دوسرے نمبر پر رہے۔ چوہدری شوکت محمود آزاد نے 825، پی ایم ایل (نواز) کے سید فیصل عباس نے 8927 اور شبیر احمد (آزاد) نے 843 ووٹ حاصل کیے۔

این اے 105 گجرات ٹو:

ضلع کا دوسرا بڑا حلقہ این اے 105 گجرات ٹو ہے یہ ہمیشہ قومی سطح کی قد آور شخصیات کا سیاسی اکھاڑہ رہا ہے اس حلقہ میں 33 کے لگ بھگ یونین کونسلیں ہیں جن میں ایک پر پیپلز پارٹی جبکہ باقی تمام پر مسلم لیگ (ق) کے ناظمین تھے اس حلقہ کی آبادی 6 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے 2002ء میں اسکی آبادی 5,58053 تھی یہاں کل 3,32332 ووٹر رجسٹرڈ ہیں جن میں 1,80257 مردانہ اور 152075 زنانہ ووٹرز ہیں۔2002ء میں یہاں کل 2,91505 ووٹر رجسٹرڈ تھے یہاں نئی لسٹوں میں ووٹروں کے اندراج میں کافی نمایاں اضافہ ہوا ہے اس حلقے میں جاٹ ،کشمیری، آرائیں و سادات نمایاں برادریاں ہیں یہاں کل 239 پولنگ اسٹیشن ہیں جن میں سے 66 زنانہ، 66 مردانہ جبکہ 107 مشترکہ ہیں یہاں پر چار امیدوار تھے جن میں مسلم لیگ (ق) کے چوہدری شجاعت حسین سائیکل، پیپلز پارٹی کے چوہدری مختار تیر، چوہدری گل نواز سکوٹر اور عوامی قیادت پارٹی کے الحاج مرزا سعید بیگ تھے لیکن حقیقی مقابلہ دیرینہ سیاسی حریفوں چوہدری شجاعت حسین اور چوہدری احمد مختار کے درمیان ہی ہوا جو جاٹ اور کشمیری برادری کے نمائندگان ہیں 2002ء کے الیکشن میں چوہدری شجاعت حسین کامیاب ہوئے تھے اس حلقے سے مسلم لیگ (نواز) کے حالیہ امیدوار سید ہارون شاہ نے وکلاء سے اظہار یکجہتی میں کاغذات واپس لے لیے تھے۔

اس حلقے میں کل 150621 ووٹ ڈالے گئے جن میں سے 3638 ووٹ رد کر دیئے گئے یعنی کل درست ڈالے گئے ووٹ 146179 تھے۔ ٹرن آؤٹ 45.32 فیصد رہا۔ پی پی پی کے چوہدری احمد مختار، ڈالے گئے ووٹوں کا 55 فیصد یعنی 79735 ووٹ لے کر کامیاب قرار پائے۔ چوہدری شجاعت حسین نے 65738، چوہدری گل نواز نے 444 اور الحاج مرزا سعید بیگ نے 262 ووٹ حاصل کیے۔

این اے 106 گجرات تھری:

این اے 106 گجرات تھری میں گجر، مغل و کشمیری برادریاں نمایاں ہیں یہ حلقہ 36 یونین کونسلوں پر مشتمل ہے یہاں کی آبادی پونے چھ لاکھ کے لگ بھگ ہے 2002ء میں یہاں کی آبادی 5,23836 تھی، کل رجسٹرڈ ووٹر 3,22307 ہے جن میں سے 1,72638 مردانہ اور 1,49672 خواتین ووٹرز ہیں اسے کل 259 پولنگ اسٹیشنوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے 24 مردانہ اور 24 زنانہ ہیں جبکہ 211 مشترکہ ہیں اس نشست پر پانچ امیدوار مسلم لیگ (ق) کے سید نور الحسن

Marfat.com

شاہ سائیکل، پیپلز پارٹی کے قمر زمان کائرہ تیر، مسلم لیگ (نواز) کے میاں محمد اکرم شیر محمد آصف بندوق اور جمشید کائرہ سکوٹر ہیں یہاں دھڑے بندی، برادری ازم، اور پارٹی بازی کی بنیاد پر کانٹے دار مقابلہ قمر زمان کائرہ اور سید نورالحسن شاہ میں ہی ہوا ۔2002ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے قمر زمان کائرہ کامیاب ہوئے تھے اس علاقہ میں کائرہ برادران نے ضلع بھر میں چوہدری برادران کو سیاسی لحاظ سے ٹف ٹائم دیا اور دوبارہ مسلم لیگ (ق) کے مقابلے میں تحصیل ناظمی کا الیکشن جیتا تھا۔ 27 دسمبر 2007 کو بینظیر بھٹو پر قاتلانہ حملے میں اس خاندان کے چوہدری توقیر اکرم کائرہ بھی جاں بحق ہوئے تھے اس بناپر ہمدردی ووٹ بھی انھیں ہی ملا۔

اس حلقہ میں 179026 ووٹ ڈالے گئے جن میں سے 6456 ووٹ رد کر دیئے گئے۔ اس طرح کل درست ووٹوں کی تعداد 172429 رہی یعنی ٹرن آؤٹ 55.54 فیصد رہا۔ پی پی پی کے چوہدری قمر زمان کائرہ 52 فیصد ووٹ یعنی 89555 ووٹ حاصل کر کے کامیاب رہے۔ جبکہ سید نورالحسن نے 71016 ووٹ جبکہ آزاد امیدوار چوہدری جمشید نصر نے 389، سید فیض الحسن شاہ (آزاد) نے 626 اور پی ایم ایل (نواز) کے کرنل (ر) میاں محمد اکرم نے 10506 اور آزاد امیدوار محمد آصف چوہدری نے 337 ووٹ حاصل کیے۔

این اے 107 گجرات فور:

این اے 107 گجرات فور تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ سے زائد آبادی کا حلقہ ہے جس کی حدود میں 16 یونین کونسلیں ہیں 2002ء میں اسکی آبادی 519993 تھی اس حلقہ میں کل رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد 3,21104 ہے جن میں سے 168031 مردانہ اور 154073 خواتین ووٹرز ہیں یہاں اعوان، ملک، راجہ و گجر برادیاں نمایاں ہیں یہاں 255 پولنگ اسٹیشن ہیں جن میں 33 مردانہ اور 33 زنانہ ہیں جبکہ 189 مشترکہ ہیں یہ ضلع کا واحد حلقہ ہے جہاں مسلم لیگ (نواز) کافی مضبوط دکھائی دیتی ہے اس حلقہ سے مسلم لیگ (ق) کے رحمٰن نصیر مرالہ (سائیکل)، ملک جمیل اعوان شیر، راجہ مسعود تیر، شوکت الٰہی سٹیج، طارق جاوید گھڑا، علی اصغر سکوٹر ، راجہ جاوید مجتبیٰ فٹ بال، محمد نسیم بندوق، امیدوار ہیں۔2002ء میں رحمٰن نصیر مرالہ کامیاب ہوئے تھے اس بار مسلم لیگ نواز سے انکا کانٹے دار مقابلہ ہے مسلم لیگ (ن) کے ضلعی صدر ملک حنیف اعوان کا یہاں کافی اثر ورسوخ ہے۔

اس حلقہ میں کل 169579 ووٹ ڈالے گئے جن میں سے 6175 ووٹ رد ہوئے اس طرح کل ڈالے گئے درست ووٹوں کی تعداد 163552 رہی۔ ٹرن آؤٹ 52.77 فیصد رہا۔ اس حلقہ میں ڈالے گئے کل ووٹوں میں سے 46 فیصد یعنی 75205 ووٹ مسلم لیگ نواز کے امیدوار محمد جمیل ملک نے حاصل کر کے کامیابی حاصل کی جبکہ مسلم لیگ قائداعظم کے رحمٰن نصیر چوہدری نے 69101 ووٹ لے کر دوسری پوزیشن حاصل کی۔ پی پی پی کے راجہ مسعود احمد نے 14948 ووٹ لیے جبکہ آزاد امیدوار شوکت الٰہی چوہدری نے 271، علی اصغر نے 510، کرنل (ر) راجہ جاوید مجتبیٰ نے 3351 اور میجر (ر) طارق جاوید اختر نے 166 ووٹ حاصل کیے۔

پی پی 108 گجرات I:

حلقہ پی پی 108 گجرات ون میں کل رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 150656 تھی۔ 16 یونین کونسلز اور 2 تھانوں پر مشتمل اس حلقے میں تمام یونین ناظمین کا تعلق مسلم لیگ (ق) سے تھا۔ اس میں کل 121 پولنگ اسٹیشنز تھے۔ جن میں 3 مردانہ، 3 زنانہ جبکہ 121 مشترکہ تھے۔ اس حلقہ میں کل 89166 ووٹ کاسٹ ہوئے۔ جن میں سے 2863 رد کر دیئے گئے اور کل درست پول ووٹوں کی تعداد 86453 رہی۔ اس طرح ٹرن آؤٹ 59.18 فیصد رہا۔ پاکستان مسلم لیگ (قائد اعظم) کے امیدوار چوہدری خالد جاوید اصغر گھرال نے 46765 یعنی 54 فیصد ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔ پیپلز پارٹی کے نوابزادہ مظفر علی خاں نے 27 فیصد یعنی 23338 ووٹ حاصل کیے۔ مسلم لیگ (نواز) کے شبیر احمد نے 7290، آزاد امیدواروں سجاد احمد ساجد نے 261، شیراز احمد نے 382 اور محمد اشرف نے 8403 ووٹ حاصل کیے۔

پی پی 109 گجرات II:

حلقہ پی پی 109 گجرات ٹو میں کل رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 1,60687 تھی۔ اس حلقے میں بھی دو تھانے اور سولہ یونین کونسلیں ہیں۔ کل 133 پولنگ اسٹیشن تھے جن میں سے 87 مشترکہ، 23 مردانہ اور 23 زنانہ تھے۔ اس حلقہ میں 2008 میں 83985 ووٹ ڈالے گئے جن میں سے 1223 رد ہو گئے اور درست ڈالے گئے ووٹوں کی تعداد 82990 رہی۔ ٹرن آؤٹ 52.26 فیصد رہا۔ ڈالے گئے درست ووٹوں میں سے 51 فیصد یعنی 41939 ووٹ پی ایم ایل (قائد اعظم) کے چوہدری عبداللہ یوسف نے حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔ پی پی پی کے میجر معین نواز وڑائچ نے چالیس فیصد یعنی 33103 ووٹ حاصل کیے۔ پی ایم ایل (نواز) کے شبیر احمد نے 5636، پنجاب نیشنل پارٹی کے اسد اللہ وڑائچ نے 2105 اور محمد ریاض ڈار نے 207 ووٹ حاصل کیے۔

Marfat.com

پی پی110 گجرات III:

پی پی110 میں کل رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد170938 تھی۔ مردانہ ووٹروں کی تعداد78250 جبکہ زنانہ ووٹرز72349 تھے۔ یہ حلقہ18 یونین کونسلز پر مشتمل ہے۔ کل 127 پولنگ اسٹیشنز تھے۔ جن میں سے 10 مردانہ، 10 زنانہ اور 107 مشترکہ تھے۔ 2008 کے انتخابات میں87849 ووٹ ڈالے گئے۔ جن میں سے1761 رد کر دیئے گئے۔ اس طرح ٹرن آؤٹ51.39 فیصد رہا۔ مسلم لیگ قائداعظم کے چوہدری مونس الٰہی نے54 فیصد یعنی47529 ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔ پی پی پی کے چوہدری ناصر سماں نے 42 فیصد یعنی 37137 ووٹ حاصل کیے جبکہ پی ایم ایل نواز کے عمران اللہ نے3672 ووٹ حاصل کیے۔

پی پی111، گجرات IV:

پی پی 111 گجرات شہر کا خاص حلقہ ہے۔ جس میں رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 161394 تھی۔ جن میں73939 مردانہ اور66967 زنانہ ووٹر رجسٹرڈ تھے۔ اس حلقہ کو 112 پولنگ اسٹیشنوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جن میں 56 مردانہ اور56 زنانہ تھے۔ یہ حلقہ15 یونین کونسلوں پر مشتمل تھا۔ تمام کونسلوں کے یونین ناظمین کا تعلق مسلم لیگ ق سے تعلق رکھتے تھے۔ اس حلقے میں59319 ووٹ کاسٹ ہوئے۔ ٹرن آؤٹ 36.57 فیصد رہا۔ 3274 ووٹ رد ہوئے۔ اس طرح درست ڈالے گئے ووٹوں کی تعداد56200 تھی۔ مسلم لیگ نواز کے امیدوار حاجی ناصر محمود نے25567 ووٹ یعنی46 فیصد ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ پی پی پی کے چوہدری احمد مختار نے 16625، مسلم لیگ(ق) کے میاں عمران مسعود نے 13341 آزاد امیدواروں چوہدری محمد نواز نے 15، سید علیم امتیاز نے98، عمران خالد نے16، ماجد ہمایوں نے36، محمد اظہر بٹ نے75، میاں ہارون مسعود258، وقار حسین طاہر نے169 ووٹ حاصل کیے۔ بعد ازاں جیتنے والے حاجی ناصر محمود2009 جعلی ڈگری کیس میں نااہل ہوئے تو ضمنی انتخابات میں بھی دلچسپ مقابلہ ہوا۔ ضمنی الیکشن میں ق لیگ کے سابق صوبائی وزیر تعلیم میاں عمران مسعود اور مسلم لیگ نواز کی جانب سے حاجی ناصر کے بھتیجے حاجی عمران ظفر امیدوار تھے۔ دلچسپ مقابلے کے بعد نواز لیگ کے حاجی عمران ظفر نے25020 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی جبکہ میاں عمران مسعود نے22466 ووٹ لیے۔

پی پی112 گجرات V:

پی پی112 میں کل رجسٹرڈ ووٹ 162215 تھے جن میں سے 79403 مردانہ اور74299 زنانہ ووٹر تھے یہ حلقہ 13 یونین کونسلوں پر مشتمل تھا۔ جسے122 پولنگ اسٹیشنوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن میں16 مردانہ، 16 زنانہ اور90 مشترکہ تھے۔ اس حلقہ میں89565 ووٹ کاسٹ ہوئے جن میں سے 2664 رد ہو گئے اور کل ڈالے گئے درست ووٹوں کی تعداد87015 رہ گئی۔ ٹرن آؤٹ55.22 فیصد رہا۔ اس حلقہ سے پی پی پی کے چوہدری تنویر اشرف کائرہ39965 ووٹ یعنی46 فیصد ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے۔ مسلم لیگ ق کے چوہدری لیاقت علی بھدر نے 37911 ووٹ حاصل کیے۔ مسلم لیگ نواز کے سیف الرحمان بھٹی نے7787 ووٹ حاصل کیے۔ آزاد امیدواروں چوہدری عبیداللہ بھدر نے 291، انجم رشید نے667، نوید اختر قریشی نے213، لیفٹیننٹ کرنل (ر) ظفر اقبال چوہدری نے93 اور چوہدری غلمان طارق کائرہ نے88 ووٹ حاصل کیے۔

پی پی113 گجرات VI:

اس حلقہ میں کل رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد160095 تھی جن میں86092 مردانہ اور 79953 زنانہ ووٹر تھے۔ یہ حلقہ 24 یونین کونسلوں پر مشتمل ہے۔ جسے 137 پولنگ اسٹیشنوں میں تقسیم کیا گیا جن میں8 مردانہ، 8 زنانہ اور121 مشترکہ تھے۔ اس حلقہ میں89004 ووٹ کاسٹ ہوئے۔ ٹرن آؤٹ55.59 فیصد رہا۔ تاہم4151 ووٹ رد ہو گئے۔ اس طرح درست قرار پانے والوں ووٹوں کی تعداد84837 رہی۔ مسلم لیگ(ق) کے امیدوار میاں طارق محمود نے41 فیصد یعنی34924 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی ان کے قریب ترین حریف مسلم لیگ نواز کے چوہدری جعفر اقبال رہے۔ انہوں نے34705 ووٹ حاصل کیے۔ پی پی پی کے میاں خالد رفیق نے14389، چوہدری ارشد محمود نے324، چوہدری علی ریاض نے73، خالد حسین ایڈووکیٹ نے158 ووٹ حاصل کیے۔

پی پی114 گجرات VII:

اس حلقہ میں رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد 176182 تھی۔ جن میں سے 84842 مردانہ اور83553 زنانہ تھے۔ یہ حلقہ18 یونین کونسلوں پر مشتمل تھا اور اس کو141 پولنگ اسٹیشنوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جن میں14 مردانہ، 14 زنانہ اور113 مشترکہ تھے۔ یہاں ٹرن آؤٹ53.79 فیصد رہا۔ کل94744 ووٹ ڈالے گئے۔ جن میں سے2284 رد ہو گئے یعنی کل ڈالے گئے درست ووٹ

Marfat.com

92878 قرار پائے۔ یہاں سے مسلم لیگ (ق) کے چوہدری محمد ارشد 48 فیصد یعنی 44234 ووٹ لے کر کامیاب ٹھہرے۔ مسلم لیگ (ن) کے راجہ نعیم نواز نے 28833، پی پی پی کے نعیم اسلم چوہدری نے 8360 ووٹ لے کر نمایاں رہے۔ آزاد امیدواروں میں محمد الیاس چوہدری نے 11139، نعمان اشرف نے 45، علی اصغر نے 226، سمیرا خالد چوہدری نے 26 اور چوہدری ایاز احمد نے 25 ووٹ حاصل کیے۔

پی پی 115 گجرات VIII:

پی پی 115 میں رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد 145199 تھی۔ مردانہ ووٹر 76591 اور زنانہ 68608 تھے۔ یہ حلقہ 13 یونین کونسلوں پر مشتمل تھا۔ جہاں کل پولنگ اسٹیشن 114 تھے۔ جن میں سے 19 مردانہ، 19 زنانہ اور 76 مشترکہ تھے۔ اس حلقے میں ٹرن آؤٹ 51.42 فیصد رہا۔ 74400 ووٹ ڈالے گئے 3689 رد ہونے کے بعد 70713 درست قرار پائے۔ اس حلقے سے آزاد امیدوار چوہدری عرفان الدین 35 فیصد ووٹ یعنی 24756 ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ مسلم لیگ ق کے چوہدری محمد نصیر عباس سدھ 23761 ووٹ لے کر دوسرے اور پی ایم ایل (نواز) کے چوہدری ناصر احمد چھپر نے 13519 ووٹ اور پی پی پی کے چوہدری وقاص اعجاز نے 7691 ووٹ حاصل کیے۔ چوہدری شمشاد علی ایڈووکیٹ نے 562، چوہدری محمد اشرف نے 54، عامر عثمان عادل نے 243، کرنل ظفر اقبال چوہدری 8، محمد انور ملک نے 105 ووٹ جبکہ میجر طارق جاوید نے 14 ووٹ حاصل کیے۔

Marfat.com

نواں باب

شہیدانِ گجرات

Marfat.com

شہیدانِ گجرات

اشرف شہید

محمد اشرف ضلع گجرات کے قصبہ بھاگوال کلاں میں سردار خاں کے گھر پیدا ہوئے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں سے حاصل کی بعدازاں میٹرک تک تعلیم پبلک ہائی سکول چوپالہ سے مکمل کی اور فوج میں بھرتی ہو گئے۔ 1971 کی جنگ میں وہ مشرقی پاکستان کے محاذ پر مکتی باہنی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ان کی شہادت کی تصدیق آٹھ جون 1974 کو ہوئی۔محمد اشرف کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے ہی شادی ہوئی تھی اوران کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ان کی کی شہادت کے بعد بیوہ کی شادی چھوٹے بھائی محمد اسلم سے کردی گئی۔شہید کا ایک بھائی اور تین بہنیں تھیں۔

بشیر احمد شہید

بشیر احمد نے جنگ اکہتر میں جام شہادت نوش کیا۔بشیر احمد سترہ دسمبر 1949 کو ضلع گجرات کی تحصیل پھالیہ کے گاؤں چک سید میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام الف دین تھا،ابتدائی تعلیم مڈل سکول نور جمال جنوبی میں حاصل کی۔پھر تعلیم ادھوری چھوڑ کر فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔بشیر احمد ستمبر 1971 میں مشرقی پاکستان میں شہید ہوئے۔شہید کے تین بھائی اور ایک بہن ہے۔شہید کی بیوہ نے خاندانی روایت کے مطابق بشیر احمد کی شہادت کے بعد اس کے چھوٹے بھائی نذیر احمد سے عقد ثانی کر لیا۔شہید کی ایک بیٹی زاہدہ پروین بھی ہے جو اب شادی شدہ اور اپنے گھر آباد ہے۔

سوار بہادر خان شہید

بہادر خان ضلع گجرات کے گاؤں ڈوگہ میں 1939 میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول دولت نگر سے حاصل کی۔اٹھارہ سال کی عمر میں فوجی خدمات کی خاطر رسالے میں ملازمت اختیار کی۔آپ نے سولہ ستمبر 1965 کو سیالکوٹ چونڈہ کے محاذ پر شہادت پائی۔انھیں آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔شہید بہادر خان شادی شدہ تھے مگر کوئی اولاد نہیں تھی۔انکی بیوہ اپنے والدین کے ساتھ رہائش پذیر ہیں اور انہوں نے شرعی اجازت کے باوجود دوسری شادی نہیں کی۔شہید کا کوئی بھائی نہیں تھا اور ان کی تین بہنوں کی شادی ہو چکی ہے جو اپنے گھروں میں آباد ہیں۔

سوار خورشید احمد شہید

سوار خورشید احمد ضلع گجرات کے قصبہ کوٹلہ میں نو اگست 1953 میں پیدا ہوئے۔انکے والد کا نام محمد حسن ہے۔خورشید احمد نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول موضع ککرالی میں حاصل کی اور بعدازاں فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔انہوں نے سولہ دسمبر 1971 کو شکر گڑھ کے محاذ پر شہادت پائی،انھیں آبائی گاؤں کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا،شہید شادی شدہ تھے اور پسماندگان میں بیوہ اور ایک بیٹی خورشید بی بی کو چھوڑا۔انکی بیٹی کی شادی ہو چکی ہے جبکہ شہید کا کوئی بھائی نہیں تھا۔دو بہنیں تھیں جو شادی شدہ اور حیات ہیں۔ان کی بیوہ بھی دو ہزار چھ تک زندہ تھیں۔

کیپٹن سردار اظہار حیدر شہید

کیپٹن سردار اظہار حیدر شہید کارگل گیارہ ستمبر 1975 کو کھاریاں میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم انہوں نے کوئٹہ کوٹلی اور جہلم کے مختلف تعلیمی اداروں میں حاصل کی۔انہوں نے دس مئی 1994 کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول ترانوے پی ایم لانگ کورس میں شمولیت اختیار کی۔گیارہ اپریل کو پاسنگ آؤٹ کے بعد انکی پہلی پوسٹنگ انسٹھ بلوچ رجمنٹ کوئٹہ چھاؤنی بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ ہوئی۔آٹھ ماہ بعد وہ براہ راست کیپٹن کے عہدے پر ترقی پا گئے۔انکی یونٹ کوئٹہ چھاؤنی سے لاہور چھاؤنی تبدیل ہو گئی اور وہ یونٹ میں بطور ایڈ جوٹینٹ کام کرتے رہے کیپٹن اظہار حیدر سولہ جون 1999 کو صبح دس بجے معرکہ کارگل میں شہید ہوئے سترہ جون کو ان کا جسد خاکی آبائی گاؤں میں فوجی اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔ چودہ اگست 1999 کو شہید کیپٹن کے والد نے ستارہ جرات وصول کیا۔اظہار حیدر شہید پاک فوج کے شہادت پانے والے سب سے کم عمر کیپٹن تھے۔

Marfat.com

میجر سہیل عارف شہید

میجر سہیل عارف شہید 1966 مین موضع سرکیاں ضلع گجرات میں صوبیدار میاں محمد عارف کے گھر پیدا ہوئے۔ان کے والد نے بہتر تعلیم دلانے کے لئے شاہ جہانیاں لالہ موسی میں سکونت اختیار کی۔سہیل عارف نے ابتدائی تعلیم سحر پبلک سکول لالہ موسی سے حاصل کی بعدازاں میٹرک آرمی پبلک سکول کھاریاں کینٹ سے کیااور ایف ایس سی گورنمنٹ کالج گجرات سے کی۔تعلیم مکمل کرنے کے بعدانہوں نے1985 میں پاک فوج میں شمولیت اختیار کرلی اور 1986 میں کمیشن حاصل کیا۔ انکی پہلی تعیناتی ستاون پنجاب رجمنٹ کھاریاں میں ہوئی۔میجر عارف سہیل نے 1994 میں شادی کی۔ان کے ایک بیٹا شہزادہ احمد بن سہیل اور ایک بیٹی عائشہ نرگس پیدا ہوئے۔صوبیدار ریٹائرڈ میاں محمد عارف نے جنگ 1965 اور 1971 دونوں میں حصہ لیامگر ان کی شہادت کی خواہش پوری نہیں ہوئی تاہم انکے بیٹے کو یہ سعادت ملی جب وہ تیرہ مئی 1999 کووالدین اور بعدازاں اٹھارہ مئی کو اپنی اہلیہ سے ملاقات کر کے تربیلا یونٹ روانہ ہوئے ۔جہاں سے انھیں کارگل سیکٹر میں روانگی کے احکامات ملے۔انہوں نے کارگل روانگی کے بعدراستے سے اپنے اہل خانہ کو خط لکھا جو چودہ جون 1999 کوموصول ہوا۔سولہ جون کو کنڑول لائن کے پار سے کی گئی فائرنگ میں میجر سہیل عارف شہید ہوگئے۔ان کے جسد خاکی کو سترہ جون کو آبائی گاؤں شاہ جہانیاں میں سپرد خاک کردیا گیا۔

سوار شان محمد شہید

شان محمد ستائیس اکتوبر 1951 کو گجرات کی تحصیل پھالیہ کے موضع دتو چوہڑ میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام خوشی محمد ہے۔شان محمد نے ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں کے قریب مڈل سکول سے حاصل کی پھر میٹرک کا امتحان اسلامیہ ہائی سکول منڈی بہاؤالدین سے پاس کیا۔اور پھر فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔انہوں نے بہت کم عرصہ میں اعلیٰ فوجی تربیت حاصل کی اور پندرہ دسمبر 1971 کوچھمب سیکٹر میں دشمن سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔شان محمد شادی شدہ نہیں تھے۔ان کے تین بھائی ہیں جوشادی شدہ ہیں۔

میجر شبیر شریف شہید (نشان حیدر)

میجر شبیر شریف ایک راجپوت گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ان کے آباؤ اجداد ہندو سے مسلمان ہوئے اوردین میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ان کے خاندان کے افراد پہلے کشمیر میں تھے بعدازاں ہجرت کر کے گجرات کے مغرب کی جانب پانچ میل دور قصبہ کنجاہ میں آ کر آباد ہوگئے۔اٹھائیس اپریل 1943 کوشبیر شریف کی ولادت ہوئی۔ان کے والد کا نام محمد شریف تھا۔محمد شریف کی ریٹائرمنٹ کے تین ماہ بعد 1965 میں دوبارہ خدمات حاصل کی گئیں۔میجر شریف کے بڑے بھائی کا نام کیپٹن ممتاز شریف تھادونوں بھائیوں نے بالترتیب ستارہ بسالت اور ستارہ جرات کا اعزاز حاصل کیا۔میجر شریف کی والدہ کے پانچ بھائی بھی فوج میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ان کے نانا راجپوتانہ رائفلز سے جمعدار کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔خودان کے بہنوئی میجر سعادت علی خان جنگ 1971 کی جنگ میں میجر شبیر شریف کے ساتھ تھے میجر شبیر شریف کی دو بہنیں اور ایک چھوٹا بھائی بھی ہے۔

میجر شبیر شریف کی والدہ ایک پرہیز گار اور سادہ طبیعت کی خاتون ہیں۔ان کی تربیت نے شروع ہی سے ان میں اچھے اوصاف پیدا کیے۔راولپنڈی میں پریزنٹیشن کانونیٹ سکول میں داخل ہوئے۔والدمحترم کے مری تبادلہ کے بعد مری کے سینٹ میری سکول میں داخل ہوئے۔1956 میں جب ان کے والد کا تبادلہ کوئٹہ ہواتو سینٹ فرانسس گرامر سکول کوئٹہ میں داخل ہوئے 1959 میں لاہور تبادلہ کی وجہ سے سینٹ انتھونی سکول میں داخل ہوئے وہیں سے سینئر کیمبرج پلس کیساتھ گورنمنٹ کالج میں داخل ہوگئے۔کالج میں چھ ماہ ہی گزارے تھے کہ وہ فوج میں کیڈٹ کے طور پر بھرتی ہوگئے 1964 میں میجر شبیر شریف کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول سے کمیشن ملا اوراس کے پانچ سال بعد ان کی شادی ایورشائن پینٹس کے ڈائریکٹر میاں محمد رونق کی صاحبزادی روبینہ سے کردی گئی۔جو ہوم اکنامکس میں بی ایس سی تھیں ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام تیمور شریف رکھا گیا۔

میجر شریف ایک متاثر کن شخصیت کے مالک تھے۔بچپن سے ہی انھیں اپنی صحت کی فکر تھی لہذا باڈی بلڈنگ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔خطروں سے کھیلنا ان کی پرانی عادت تھی بالخصوص موٹر سائیکل کی سواری میں وہ اپنی مثال آپ تھے اور اپنے علاقے کے ہیرو مانے جاتے تھے۔1965 میں میجر شریف سیکنڈ لیفٹیننٹ تھے۔دشمن سے ایک جھڑپ میں شدید زخمی ہوگئے اور انھیں ہسپتال داخل کرادیا گیا۔وہ محاذ پر

Marfat.com

جانے کیلئے مسلسل اصرار کر رہے تھے اس لئے ڈاکٹروں نے انھیں بے ہوش رکھا تاکہ ان کا خاطر خواہ علاج ہو سکے۔ آخر چار روز ہسپتال میں رہ کر بازو میں پٹی لٹکائے محاذ پر پہنچ گئے اور اپنی جواں مردی کا ثبوت دیا۔ وہ پہلے سیکنڈ لیفٹیننٹ تھے جنہیں ایک کمپنی کی کمان دی گئی۔ اس شاندار جرات اور بہادری پر انھیں ستارہ جرات، ستارہ بسالت کے علاوہ تمغہ جنگ اور تمغہ دفاع بھی دیا گیا۔ اس محاذ پر چونڈہ کے مقام پر ٹینکوں کی بڑی جنگ ہوئی جس کے بعد انھیں کیپٹن بنا دیا گیا۔ اکتوبر 1966 میں ترقی پائی اور ایڈوجوانٹ ہونے کے بعد پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں کیڈٹوں کے انسٹرکٹر مقرر ہوئے اور پھر ترقی کرتے میجر کے عہدے پر پہنچے۔

دسمبر 1971 کی پاک بھارت جنگ کے دوران انہوں نے انتہائی جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ چونڈہ کے محاذ کو خوفناک ترین جنگ کہا جاتا ہے لیکن گورگھیڑ اکا یہ معرکہ بھی کسی طرح کم نہ تھا بلکہ چونڈہ کے محاذ پر پاک فوج کے ٹینک اور گورگھیڑ اکے محاذ پر پاک فوج کے مجاہد خود سینہ سپر تھے۔ اس محاذ پر دشمن کے حملوں کے زور پر ایک جگہ خود توپچی کی جگہ سنبھالی اور دشمن کے کئی ٹینکوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ وہ دفاع وطن کے اپنے فرض کی ادائیگی میں تندہی سے مصروف عمل تھے کہ ایک گولہ آیا اور ان کا سینہ چیرتا ہوا نکل گیا اور میجر شبیر شریف نے اپنی زندگی کا نصب العین پالیا۔ تین روز کے بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے امر ہو گئے۔ حکومت پاکستان نے انھیں اس صلہ بہادری میں پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز نشان حیدر عطا کیا ان کی آخری آرام گاہ میانی صاحب قبرستان میں ہے مزار اب پختہ اور دوبارہ نئے سرے سے تعمیر کیا گیا ہے جہاں ہر سال چھ ستمبر اور دسمبر کے مہینے میں سلامی دی جاتی ہے۔

سوار طارق پرویز شہید

سوار طارق پرویز ضلع گجرات کے قصبہ چکری وکیلاں میں کرامت حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول گلیانہ سے حاصل کی۔ جوان ہو کر فوجی زندگی کا انتخاب کیا اور آرمرڈ کور میں بھرتی ہو گئے۔ انہوں نے فوج میں پیشہ وارانہ مہارتیں حاصل کیں۔ پانچ دسمبر 1971 کو چھمب جوڑیاں محاذ پر دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ انھیں آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا طارق پرویز شہید غیر شادی شدہ تھے اور ان کا ایک بھائی اور دو بہنیں شادی کے بعد اپنے گھروں میں آباد ہیں۔

صوبیدار عنایت حسین

صوبیدار ملک عنایت حسین قوم اعوان سے تعلق رکھتے تھے اور باؤلی خورد ضلع گجرات کے رہائشی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ سے حاصل کی۔ پھر آرمی میں ملازمت اختیار کر لی۔ ستمبر 1965 کی پاک بھارت جنگ کے دوران وہ واہگہ بارڈر کے سیکٹر میں اپنی کمپنی تھری بلوچ رجمنٹ کی کمان کر رہے تھے کہ دس ستمبر کو ایک سخت مقابلہ ہوا اور اس لڑائی میں ایک پورا برسٹ لگنے سے وہ شہید ہو گئے ان کی میت آبائی قبرستان کی بجائے کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ میں سپرد خاک کی گئی۔

صوبیدار عنایت حسین کی دو بیویاں تھیں جو انتقال کر چکی ہیں ان کا ایک بیٹا صوبیدار رخادم حسین ابھی حیات ہے جس نے والد شہید کے ہونے کے بعد جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر اکیس جون 1966 کو براہ راست اپنے والد کی کمپنی تین بلوچ رجمنٹ سے رابطہ کیا اور اس وقت کے کرنل ملک تجمل حسین نے نوجوان کے جذبہ حب الوطنی سے متاثر ہو کر اسے ڈائریکٹ لانس نائیک بھرتی کر لیا اس نے 1971 کی پاک بھارت جنگ میں حصہ لیا اور اپنے والد کا نام روشن کیا اور صوبیدار کے عہدے سے یکم اگست 1987 کو ریٹائر ہوا۔

میجر عزیز بھٹی شہید (نشان حیدر)

میجر عزیز بھٹی کا تعلق راجپوت گھرانے سے تھا۔ ان کا خاندان روایتی شجاعت اور اولالعزمی کی وجہ سے معروف تھا۔ ان کے والد محمد عبداللہ 1889 میں لادیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں شہنشاہ اکبر کے زمانے میں آباد ہوا تھا 1901 میں محمد عبداللہ امرتسر چلے گئے مگر سات سال بعد واپس لادیاں آ گئے وہیں تعلیم حاصل کی اور شادی کے بعد 1911 میں تلاش معاش کیلئے ہانگ کانگ چلے گئے۔ یہیں چھ اگست 1923 کو عزیز بھٹی پیدا ہوئے۔ والدین نے نام عزیز احمد رکھا اور اہل خاندان انھیں پیار سے راجہ پکارتے تھے اور یوں راجہ بھی ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ ہانگ کانگ میں قیام کے دوران عزیز بھٹی نے چار زبانیں پنجابی، اردو، انگریزی اور چینی سیکھیں۔ عزیز بھٹی تاریخ سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے ہانگ کانگ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اسی دوران دوسری جنگ عظیم بھی شروع ہو گئی۔ ہانگ کانگ برطانوی نوآبادیات میں شامل ہو گیا اس لئے برطانیہ کا مقابلہ جاپان سے تھا۔ جاپان نے 1941 میں ہانگ کانگ پر قبضہ کر لیا۔ عزیز بھٹی کو اپنی قابلیت کے بل پر فوج میں

Marfat.com

ملازمت مل گئی۔دوسری جنگ عظیم کے بعد عزیز بھٹی واپس گجرات اپنے گاؤں لادیاں آ گئے اور 1946 میں ان کی شادی صوبیدار کرام الدین بھٹی کی صاحبزادی زرینہ اختر سے طے ہوئی۔

ستمبر 1965 کی پاک بھارت جنگ میں میجر عزیز بھٹی شہید لاہور سیکٹر میں پنجاب رجمنٹ کی ایک بٹالین کے کمپنی کمانڈر تھے۔ان کی کمپنی سے دو پلاٹون بی آر بی نہر سے چھ سو گز پیچھے متعین تھے۔میجر نے اپنے دستوں کی قیادت کرنے کیلئے سب سے آگے والی پلاٹون کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔برکی دشمن کیلئے خاص اہمیت کا حامل تھا اس پر قبضہ کے لیے بھارت نے سات ستمبر کو ایک بریگیڈ فوج کے ساتھ حملہ کر دیا۔بھارتی توپ خانہ اور ٹینکوں کی ایک بڑی جماعت کی مدد بھی ان کے ساتھ موجود تھی۔دشمن نے برکی پر چھ حملے کیے اور ہر بار تازہ دم فوج محاذ پر جھونکی۔میجر عزیز بھٹی اس کے مقابلے میں اپنے مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے ہوئے تھے وہ ان تمام حملوں کے دوران میں سب سے اعلی دفاعی لائن پر اپنے جوانوں کے ساتھ موجود تھے۔10 ستمبر کو بھارت نے ایک اور زبردست حملہ کیا۔نازک ترین صورتحال میں انھیں بی آر بی نہر سے پیچھے پوزیشن لینے کیلئے احکامات موصول ہوئے وہ اپنی پلاٹون کو لیکر پیچھے آ گئے اس دوران بھارتی فوج نے بی آر بی نہر کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا میجر عزیز بھٹی کی پلاٹون ابھی نہر کے پل کے قریب ہی تھی۔عزیز بھٹی کے کچھ جوان اور گاڑیاں ابھی اس علاقے میں تھیں جس پر دشمن نے قبضہ جما لیا چنانچہ نہیں واپس لانا ضروری تھا کہ دشمن کو واپس دھکیلا جائے۔میجر عزیز بھٹی نے اپنی دونوں پلاٹونوں کو جمع کر کے دوبارہ پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا اور نہ صرف دشمن کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب رہے بلکہ جوانوں اور گاڑیوں کو بھی واپس لانے میں کامیاب رہے۔اس موقع پر اگر وہ اپنی مثالی قیادت کے ساتھ ساتھ بہادری اور جرات کا مظاہرہ نہ کرتے تو انکی ایک پلاٹون اور گاڑیاں دشمن کے پاس چلی جاتیں، بی آر بی نہر کے پیچھے آنے کے بعد میجر عزیز بھٹی نے اپنی کمپنی کو نئے سرے سے منظم کیا اور مختلف پوزیشنوں سے بھارتی فوج پر حملہ کر دیا۔میجر عزیز بھٹی جہاں سے دشمن کے خلاف کارروائی کر رہے تھے وہ مقام دشمن کی زد میں تھا۔دشمن ان پر مسلسل گولہ باری کر رہا تھا جس سے دشمن کی نقل و حمل پر نگاہ رکھنا سخت مشکل ہو رہا تھا لیکن اس مشکل ترین صورتحال میں میجر عزیز نے دشمن کو نہ صرف آگے بڑھنے سے روکے رکھا بلکہ نہایت مہارت سے وہ دشمن پر کاری ضربیں بھی لگاتے رہے۔اس دوران وہ کئی بار بھارتی توپ خانے اور خودکار ہتھیاروں کی فائرنگ کی زد میں آئے اور بمشکل تمام محفوظ رہے۔

آخر کار بارہ ستمبر کو وہ دشمن کی فوج اور ٹینکوں پر فائر کروا رہے تھے کہ دشمن کے ایک ٹینک کا پاک گولہ ان کے قریب پھٹا اور وہ اس کا نشانہ بن گئے ان کا دایاں کندھا زخمی ہوا اور کاری زخموں کے باعث وہیں شہید ہو گئے۔ستمبر 1965 کی جنگ میں وہ نشان حیدر حاصل کرنے والے واحد فوجی افسر تھے۔

سوار غلام نبی شہید

سوار غلام نبی شہید بمقام نندوال تحصیل کھاریاں ضلع گجرات 1953 میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام عبداللہ خان تھا۔ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں سے حاصل کی۔بعد ازاں میٹرک کا امتحان اسلامیہ ہائی سکول لالہ موسی سے پاس کیا اور مزید تعلیم کے حصول کیلئے گورنمنٹ کالج گجرات میں داخلہ لے لیا مگر تعلیم جاری نہیں رکھ سکے اور انٹر کے امتحانات سے قبل ہی تعلیم ادھوری چھوڑ کر فوج میں بھرتی ہو گئے۔انہوں نے چھ دسمبر 1971 میں چھمب سیکٹر محاذ پر شہادت پائی۔ان کے جسد خاکی کو آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔غلام نبی غیر شادی شدہ تھے اور ان کے بڑے بھائی احمد علی فوج سے نائب صوبیدار اور چھوٹے بھائی فضل علی حوالدار کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ان کی دو بہنیں شادی کے بعد اپنے گھروں میں آباد ہیں۔

دفعدار فیض احمد شہید

دفعدار فیض احمد شہید ضلع گجرات کے گاؤں بیسہ کلاں میں عبدالغنی کے گھر پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ مڈل سکول بیسہ کلاں سے حاصل کی اور بعد ازاں فوج میں بھرتی ہو گئے۔جنگ مشرقی پاکستان میں وہ رنگپور میں تعینات تھے جہاں انکی شہادت ہوئی انکی شہادت کی تصدیق آٹھ جون انیس سو چوہتر کو ہوئی۔فیض احمد شہید شادی شدہ نہیں تھے ان کے چار بھائی اور تین بہنیں تھیں جو شادی کے بعد اپنے گھروں میں آباد ہیں

کیپٹن قدیر اکرم شہید

لیفٹیننٹ قدیر اکرم وڑائچ کا ضلع گجرات کے ایک زمیندار گھرانے سے تعلق تھا۔قدیر اکرم 1966 میں منڈی بہاؤالدین کے گاؤں چک ظاہر میں پیدا ہوئے جہاں انکے ننھیال رہائش پذیر تھے۔قدیر اکرم کے والد پی ٹی سی ایل میں

Marfat.com

ڈویژنل انجینئر تھے۔اپنے والد کی ملازمت کے باعث انہوں نے ابتدائی تعلیم نوشکی، کوئٹہ، ڈیرہ غازی خان اور لاہور کے مختلف تعلیمی اداروں سے حاصل کی۔قدیر اکرم 1993 سے ہی نیول کیڈٹ سلیکٹ ہو گئے تھے اور جے سی بی ایبٹ آباد سے کیڈٹ شپ کرنے نیول اکیڈمی کراچی گئے۔1988 میں سب لیفٹیننٹ کی حیثیت سے پاک نیوی میں کمیشن لیا۔قدیر اکرم شادی اٹھارہ جنوری 1993 کو مشہور ماہر تعلیم عبدالحمید سندھیلہ کی بیٹی سے ہوئی جس سے ان کا ایک بیٹا حاتم قدیر اور بیٹی رباب قدیر پیدا ہوئے۔قدیر اکرم کو بروہی، پنجابی، بلوچی، سرائیکی، گجراتی، افریقی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔قدیر اکرم نے انتیس اکتوبر 1999 کو جام شہادت نوش کیا۔ان کی آخری آرام گاہ کیلولری گراؤنڈ کے قبرستان شہداء میں ہے

سوار گلزار احمد شہید

گلزار احمد گجرات کے موضع چمنا میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام شاہ محمد تھا انہوں نے ابتدائی تعلیم چھوکر کلاں میں حاصل کی اور پھر فوجی ملازمت اختیار کرلی۔آپ نے آٹھ ستمبر انیس سو پینسٹھ کو سیالکوٹ کے محاذ پر جام شہادت نوش کیا۔شہید شادی شدہ تھے ایک بیوہ اور دو بیٹے محمد سلیم اور امتیاز احمد پسماندگان میں چھوڑے شہید کے تین بھائی اور دو بہنیں ہیں بھائی کاشتکار کرتے ہیں۔

نائب رسالدار محمد اسلم شہید

محمد اسلم ضلع گجرات کی تحصیل کھاریاں کے ایک چھوٹے سے گاؤں میہ کلاں میں مارچ 1931 میں غلام محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں کے سکول میں حاصل کی۔اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول جہلم میں ایک سال تک زیر تعلیم رہے۔پھر تعلیم نامکمل چھوڑ کر پاک فوج کی آرمرڈ کور میں شمولیت حاصل کرلی۔محمد اسلم شہید نے جنگ 1965 میں چونڈہ کے محاذ پر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ 1971 کی جنگ میں وہ چھمب جوڑیاں محاذ پر دشمن سے برسرپیکار تھے۔چار دسمبر کو ان کے ٹینک کو دشمن کے ٹینک شکن توپ کا گولہ لگا جس سے وہ شدید زخمی ہوگئے اور طبی امداد پہنچنے سے قبل ہی شہید ہوگئے محمد اسلم شہید کے تین بھائی تھے ایک فوج سے ریٹائر ہوکر وفات پاگئے ہیں شہید نے پسماندگان میں بیوہ، دو بیٹیاں اور ایک بیٹا چھوڑا۔

سوار محمد افضل شہید

سوار محمد افضل موضع بھور چھ بسوہا ضلع گجرات میں 1935 کو پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام محمد حسین ہے جو سابقہ فوجی ہیں۔ محمد افضل نے ابتدائی تعلیم مڈل تک آبائی گاؤں میں حاصل کی۔کچھ عرصہ ہائی سکول کرالی میں زیر تعلیم رہے۔پھر تعلیم ادھوری چھوڑ کر آرمرڈ کور میں ملازمت اختیار کرلی۔سوار محمد افضل جنگ مشرقی پاکستان میں شہید ہوئے ان کی شہادت کی تصدیق 29 مئی 1974 ہوئی شہید شادی شدہ تھے مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ان کے دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔

سوار محمد حنیف شہید

محمد حنیف ستائیس دسمبر انیس سو بیالیس کو موضع لس تحصیل بھمبر میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام اللہ دتہ تھا۔انہوں نے اپنی تعلیم پنجیڑی اور بعدازاں ملٹری کالج سرائے عالمگیر میں حاصل کی تاہم انہوں نے تعلیم ادھوری چھوڑ کر فوج میں شمولیت اختیار کرلی۔چوبیس ستمبر 1962 کو آرمرڈ کور سینٹر نوشہرہ میں تربیت کے پہنچ گئے۔محمد حنیف نے 19 ستمبر 1965 کو چونڈہ محاذ پر جام شہادت نوش کیا۔ان کے بڑے بھائی بھی اسی محاذ پر ان کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما تھے شہید محمد حنیف کے تین بھائی ہیں دو فوج کی ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں جبکہ تیسرا بھائی کاشتکاری سے وابستہ ہے۔تین بہنیں شادی شدہ ہیں۔شہید شادی شدہ نہیں تھے۔انکے والدین کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔

سوار محمد شفیع شہید

محمد شفیع بیس اپریل انیس سو چالیس کو موضع کوہل جٹاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام عالم تھا۔ابتدائی تعلیم مڈل سکول ٹھل بکوہل میں حاصل کی۔انھیں لڑکپن سے ہی فوجی ملازمت پسند تھی۔آرمرڈ کور میں ملازم ہوئے اور اعلی فوجی تربیت حاصل کی۔19 اپریل 1965 کو سیالکوٹ سیکٹر میں وطن کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے۔انھیں آبائی قبرستان ڈسکہ میں دفن کیا گیا۔شہید شادی شدہ نہیں تھے ان کے سات بھائی اور دو بہنیں ہیں۔والدین وفات پا چکے ہیں۔

Marfat.com

سوار محمد عنایت شہید

سوار محمد عنایت تین فروری 1951 کو گجرات کے گاؤں گٹی میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام غلام قادر تھا۔ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول ڈنگہ میں حاصل کی۔محمد عنایت کو لڑکپن سے ہی فوج میں ملازمت کا شوق تھا سو انہوں نے تعلیم ادھوری چھوڑی اور فوج میں بھرتی ہو گئے۔انہوں نے بہترین پیشہ وارانہ تربیت حاصل کی۔ جنگ 1971 کے دوران انھیں چھمب سیکٹر میں دفاع وطن کی ذمہ داری سونپی گئی جہاں وہ بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے نو دسمبر 1971 کو شہید ہو گئے۔انھیں آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔شہید غیر شادی شدہ تھے۔ان کے دو بھائی ہیں جو شادی شدہ ہیں والدین وفات پا چکے ہیں۔

سوار محمد غلام قادر

غلام قادر موضع بجر ضلع گجرات میں دو نومبر 1949 کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم چک نمبر چالیس تحصیل پھالیہ سے حاصل کی۔مڈل پاس کرنے کے بعد آپ فوج میں بھرتی ہو گئے غلام قادر نے چار دسمبر 1971 کو چھمب جوڑیاں کے محاذ پر جام شہادت نوش کیا۔شہید کے دو بھائی اور ایک بہن ہیں۔

سوار محمد وارث شہید

سوار محمد وارث دس مارچ 1950 کو ضلع گجرات کے موضع چک میراں میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام اللہ دتہ تھا۔محمد وارث نے ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں سے حاصل کی، بعدازاں کڑیانوالہ ہائی سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔انہوں نے نو دسمبر کو شکر گڑھ کے محاذ پر دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔انھیں آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔محمد وارث شادی شدہ تھے مگر ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ان کی شہادت کے بعد بھی انکی بیوہ نے شرعی اجازت ہونے کے باوجود دوسری شادی نہیں کی۔شہید اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ان کے والد ان کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے انہوں نے پسماندگان میں بیوہ اور والدہ چھوڑیں۔

کیپٹن سید مظہر حسین شہید

کیپٹن سید مظہر حسین کا تعلق آٹھ پنجاب رجمنٹ سے تھا۔سید مظہر 1937 میں موضع مدینہ گجرات میں پید ہوئے۔ان کی شادی 1960 میں ہوئی۔اس وقت وہ لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز تھے اور محکمہ کی طرف سے شادی کے مجاز نہیں تھے۔تاہم انہوں نے اپنے ماموں لیفٹیننٹ کرنل سید نذیر احمد شاہ کی صاحبزادی زبیدہ بیگم سے شادی کی جن سے ان کے دو بچے انیلا زینب اور شاہد مظہر پیدا ہوئے۔1965 کی پاک بھارت جنگ میں حصہ لیا۔23 ستمبر 1965 کو جب جنگ بندی عمل میں آ رہی تھی تو لاہور کے ڈوگرائی محاذ پر بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔کیپٹن مظہر شہید کی یادوں کے حوالے سے بریگیڈیر عاشق حسین بتاتے ہیں کہ ”مجھے اٹھائیس ستمبر کی شام کبھی نہیں بھولے گی جس میں سید مظہر حسین کی وردی جو شہادت کے وقت اس نے پہن رکھی تھی لے کر ان کے سسرال پہنچا جہاں میجر مظہر حسین شہید کے بیوہ اور بچے موجود تھے۔مظہر حسین کی قمیض کا اگلا چھاتی والا حصہ خون سے بھرا ہوا تھا اور قمیض چھلنی تھی اور خون کی دھار سے پتلون اور بوٹ بھی بھر چکے تھے اور بوٹ کے اندر خون جما ہوا تھا۔اس کے ساتھ مظہر کی ٹوپی، بیلٹ اور گھڑی بھی تھی جسے دیکھتے ہی پورا علاقہ نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھا۔بیگم مظہر نے ہمت سے کام لیا۔شہید کی بیٹی انیلہ جسے اہل خاندان پیار سے رانی پکارتے تھے بھاگتی ہوئی آئی اور گھڑی ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنی والدہ سے پوچھا کہ یہ گھڑی تو ابو کی ہے ابو کہاں ہیں؟

سید مظہر حسین کو آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔زبیدہ مظہر نے ان کے مزار پر چھوٹا مقبرہ بنایا ان کی یاد میں ضلع کونسل نے کچہری سے موضع مدینہ تک جانے والی سڑک کو ان کے نام سے منسوب کرتے ہوئے مظہر شہید روڈ رکھا ہے

دفعدار نذیر الٰہی شہید

دفعدار نذیر الٰہی گجرات کے گاؤں جٹوکل میں فضل الٰہی کے گھر پیدا ہوئے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول گجرات سے حاصل کی۔انھیں لڑکپن سے ہی فوجی ملازمت پسند تھی۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ آرمڈ کور میں بھرتی ہوئے اور محنت سے عسکری تربیت حاصل کی۔انہوں نے آرمڈ کور میں ڈی اینڈ ایم کورس کیا۔ اعلی نتائج پر انھیں سکول آف آرمر میں انسٹرکٹر رکھ لیا گیا۔جنگ 1971 میں انہوں نے اپنی رجمنٹ کے ساتھ محاذ پر جا کر دشمن سے مقابلہ کیا اور پندرہ دسمبر کو

Marfat.com

چھمب جوڑیاں کے محاذ پر شہید ہوئے۔انھیں آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔نذیر الہی نے پسماندگان میں بیوہ اور ایک بیٹا چھوڑا۔خاندانی روایات کے مطابق نذیر الہی کی شہادت کے بعد انکے چھوٹے بھائی یونس سے بیوہ کا عقد ثانی کر دیا گیا۔

سوار گلزار حسین شہید

گلزار حسین ضلع گجرات کی تحصیل کھاریاں کے موضع چک سجاول میں جون 1947 کو پیدا ہوئے۔پرائمری تک تعلیم پرائمری سکول ڈوگر سے حاصل کی بعد ازاں گورنمنٹ ہائی سکول کھاریاں میں زیر تعلیم رہے اور میٹرک کا امتحان ادھورا چھوڑ کر آرمرڈ کور میں بھرتی ہو گئے۔پاک بھارت جنگ 1965 میں گلزار حسین کھیم کرن کے محاذ پر شدید زخمی ہوئے اور نو ستمبر 1965 کو للیانی فیلڈ ہسپتال میں جام شہادت نوش کیا۔انھیں آبائی علاقہ موضع چک سجاول میں سپرد خاک کیا گیا۔

رسالدار محمد حنیف شہید (تمغہ جرأت)

محمد حنیف ضلع گجرات کے ایک گاؤں کھدریالہ میں ستمبر 1930 کو محمد خاں کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مقامی اور مڈل سکول کھوہار سے حاصل کی بعد ازاں اعلی تعلیم کے لئے ملٹری کالج جہلم سرائے عالمگیر میں داخلہ ہوئے مگر تعلیم ادھوری چھوڑ کر فوج کی آمرڈ کور میں شمولیت اختیار کر لی۔وہ جنگ 1971 میں اٹھائیس کیولری میں چھمب جوڑیاں کے محاذ پر ایک ٹروپ کی کمان کر رہے تھے۔پانچ دسمبر کی صبح نو بجے پیش قدمی کر رہے تھے کہ دشمن نے منڈیالہ رج چھمب کے علاقے میں تمام قسم کے زمینی ہتھیاروں سے زبردست کارروائی کی مگر انہوں نے پیش قدمی جاری رکھی۔انکا ٹینک تباہ ہو گیا اور ان کے ساتھی اور وہ خود بھی زخمی ہوئے مگر انہوں نے زخموں کی پروانہ کرتے ہوئے بھی پیش قدمی جاری رکھی اور ایک ناکارہ ٹینک کے اندر سے دشمن پر گولہ باری شروع کر دی۔یہ ٹینک حرکت نہیں کر سکتا تھا مگر فائر کرنے کی صلاحیت برقرار تھی تاہم ساکت ٹینک سے حملے میں انکی موت یقینی تھی مگر انہوں نے زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمن پر کاری ضربیں لگائیں جس پر دشمن نے ٹینک پر گولوں کی بارش کر دی اور انکے ٹینک میں آگ لگ گئی جس سے وہ شہید ہو گئے۔رسالدار حنیف شہید کو انکی شجاعت کے اعتراف میں تمغہ جرات دیا گیا۔محمد حنیف شہید شادی شدہ تھے اور انہوں نے پسماندگان میں بیوہ اور چار بیٹے چھوڑے۔شہید محمد حنیف کو انکے آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔

Marfat.com

دسواں باب

ثقافتی وروحانی ورثہ

حصہ اول: عرس، میلے اور تہوار

حصہ دوم: تمدنی ومعاشرتی جائزہ

حصہ سوم: قومیں، قبیلے اور ذاتیں

Marfat.com

حصہ اول

عرس، میلے اور تہوار
(ثقافتی و روحانی ورثہ)

گجرات کا روحانی ورثہ

اسلامی تصوف کا اولین دور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا زمانہ تھا۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور پھر آپ کے صحابہ کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان سب میں روحانیت کا پرتو نظر آتا ہے بلکہ ہر ایک کی زندگی تصوف کی جملہ تعلیمات سے عبارت دکھائی دیتی ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اُس زمانہ میں تصوف اسلام سے یا ظاہرا شریعت سے الگ کوئی چیز نہ سمجھی جاتی تھی بلکہ ظاہری شریعت کے جملہ اعمال کی روح اور باطن تصوف ہی تھا۔ اُس دور میں تصوف' توحید' بندگی و عبادت' غور و فکر' ذکر و تلاوت' توبہ' توکل و بھروسہ' سخاوت' قناعت' ایثار و ہمدردی' زہد و فقر' صبر و رضا' اخلاص' خشوع و خضوع' حب الٰہی و عشق رسول' خوف و رجا' حق پرستی و حق گوئی' گریہ زاری' حیا و عصمت' علم و معرفت اور سادہ زندگی سے عبارت تھا۔

اس کے بعد تابعین کا زمانہ آتا ہے۔ اُس میں بھی تصوف کی کوئی الگ حیثیت نہ تھی بلکہ اسلام کا ایک جزو ہی سمجھ کر اس پر عمل درآمد ہوتا رہا اور طبقہ تابعین نے اپنے اپنے اعمال و کردار کا محور و مرکز بھی اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو بنایا۔ اُس دور کے صوفیہ نے حصولِ علم پر بہت زور دیا لیکن تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ اجتماعیت سے گریز اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی گئی۔ جس کی تفصیل میں جائے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جو سیاسی نظام قائم ہوا وہ منہاج سنتؐ پر نہ تھا۔ بنی اُمیہ کے زمانے میں اسلام کے سیاسی نظام کا مرکز و محور ہی بدل گیا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ عوام سے وہ رابطہ اور تعلق' جو خلفائے راشدین کے عہد میں قائم تھا' ختم ہوگیا۔ دروازوں پر دربان بٹھا دیے گئے' مسجدوں میں مقصورے تعمیر کروا دیے گئے۔ بیت المال ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگا مختصراً مذہب اور سیاست کے راستے جدا ہو گئے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس واقعہ کو صوفیانہ رنگ میں یوں بیان کیا:

> ''ایک علم کے مدعی نے ایک فقیر سے کہا کہ تو نے نیلگوں لباس کیوں پہنا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پیغمبر صلعم سے تین چیزیں باقی رہیں: ایک فقیری' دوسرے علم' تیسرے تلوار۔ تلوار بادشاہوں نے پائی مگر انھوں نے اس کو موقع پر استعمال نہ کیا اور علما نے علم اختیار کیا مگر صرف سیکھنا ہی پسند کیا اور فقیری فقیروں کے گروہ نے پسند کی مگر اس کو امیری کا آلہ بنایا۔ میں نے اِن تینوں گروہوں کی مصیبت پر نیلگوں لباس پہنا ہے۔'' (تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی' صفحہ۔ ٦٧)

اسلامی زندگی کی اجتماعیت کے ختم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی وحدت عمل جاتی رہی۔ حکومت کی ملازمت اب خدمتِ دین کے بجائے دُنیاداری کا درجہ اختیار کرگئی۔ اس بنا پر بہت سے بزرگوں نے حکومت وقت سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ پھر بنی اُمیہ کے طرزِ عمل سے ملت کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچا۔ اُس کے بعد تاریخ اسلام میں وہ زمانہ آتا ہے جب اسلامی سلطنت کی حدود بہت پھیل گئیں۔ نئے لوگوں سے راہ و رسم بڑھا۔ نت نئے مسائل سے مسلمانوں کا واسطہ پڑا۔ جس طرح دوسرے علوم اسلامیہ کی تشریح و ترقی اُس زمانہ میں ہوئی اور تمام علوم عروج کو پہنچے تو علم تصوف بھی اُس دور میں خوب پروان چڑھا۔ اُس دور میں تصوف ایک باقاعدہ اور جداگانہ نظام کی حیثیت سے متعارف ہوا۔ تصوف کے لیے متعدد اور مختلف صوفیانہ اصطلاحیں وجود میں آئیں۔ یہی وہ دور ہے جس میں عباد و زُہاد کے لیے ''صوفی'' کی اصطلاح وجود میں آئی۔ سب سے پہلے ابو ہاشم کوفی اِس لقب سے ملقب ہوئے۔ امام قشیری کے بقول خواص اہل سنت نے جو اپنے نفوس کو خشیت الٰہی سے منسوب رکھتے تھے' ابتلائے زمانہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور انھی کو صوفیہ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

پنجاب میں صوفیانہ روایت کا باقاعدہ آغاز حضرت داتا گنج بخشؒ سے ہوتا ہے جو سلطان محمود غزنوی کی ہندوستان آمد کے فوراً بعد یہاں تشریف لائے تھے۔ آپ سے تصوف کی تخلیقی تحریک کا آغاز ہوا۔ دسویں صدی عیسوی میں مسلمان صوفیہ وحدت الوجود' فنا و بقا اور صحو و سکر کے مباحث میں اُلجھے ہوئے تھے۔ جبکہ اسلامی قوانین میں ان

Marfat.com

کی کوئی جگہ نہ بنتی تھی۔ یہی وجہ ہے بعض پُر جوش روحوں نے مذہبی قانون کے خلاف اعلانیہ بغاوت کر دی۔ انحراف کا یہ عمل ابو یزید بسطامیؒ کے فکر وعمل سے تیز ہوا تھا۔ مذہبی قوانین کے علمبرداروں نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔ یوں انحراف پسندی کے خلاف ردِعمل یقینی تھا۔ اُس عمل اور ردِعمل کی انتہا منصور حلاجؒ کی شخصیت تھی۔ اُس واقعے کے بعد عمومی رجحان یہ تھا کہ نئے اور پرانے میں ترکیب پیدا کی جائے اور درمیانی راہ تلاش کی جائے۔

ایک جانب تو یہ صورت حال تھی جبکہ دوسری جانب غزنویوں کے عروج کے کچھ عرصہ بعد سلجوقی' تاریخ کے منظر پر اُبھرے۔ انھوں نے غزنویوں سے بہت سے علاقے چھین لیے۔ تب خلافت کا مرکزی ادارہ مجہول اور بے بس ہو چکا تھا' اس کا محض احترام باقی تھا۔ سیاسی انتشار کے اُس دور میں حضرت داتا گنج بخشؒ جب پنجاب پہنچے تو اُس علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ اِن نامساعد حالات میں انھوں نے اپنے کام کا آغاز کیا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ وہ پہلے دانشور ہیں جنھوں نے صوفیانہ اعتدال پسندی کا نہ صرف پرچار کیا بلکہ اُسے باقاعدہ ایک نظریہ کی صورت دی۔ انھیں ایک طرف مسلمانوں میں اصلاح احوال کے لیے تگ و دو کرنا پڑی تو دوسری جانب غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد سے واسطہ تھا جو نہ صرف حکمرانوں سے نفرت کرتے تھے بلکہ مسلمان عوام سے بھی بدول تھے۔ اُن کی اعتدال پسندی محض اتفاقیہ نہ تھی بلکہ گیارھویں صدی کے پنجاب کے حالات بھی اس بات کا تقاضہ کرتے تھے کہ کثیر لسانی اور کثیر نسلی معاشرے میں ہندو مسلم تضادات کا درمیانی راستہ تلاشا جائے۔ آپ کی تبلیغ وتعلیم کے ذریعے تھوڑے عرصہ ہی میں ہزاروں جاہل عالم بن گئے۔ وہ لوگ جو فسق و فجور اور اخلاقی فساد کی زنجیروں میں عرصہ دراز سے جکڑے ہوئے تھے اس مسیحاءِ نفس کی چارہ گری سے رذائل اخلاق سے آزاد ہونے لگے۔

صوفیہ نے ہندوستان آمد کے بعد محسوس کر لیا تھا کہ یہ ایک کثیر الریاستی خطہ ہے جہاں پر مختلف خانوادوں کی حکومتیں ہیں۔ جہاں کے عوام بہت سی قوموں میں بٹے ہوئے ہیں اور پھر ان قوموں کی بہت سی گوتیں اور شاخیں ہیں۔ جن کے اپنے اپنے رسم ورواج ہیں اور وہ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ یہ سرزمین کہیں پہاڑوں اور کہیں ریگستانوں پر مشتمل ہے تو کہیں ہرے بھرے لہلہاتے کھیت ہیں۔ ان تمام تر تضادات اور اختلافات میں انھیں جو چیز نمایاں اور مشترک نظر آئی وہ عوام کی کسمپرسی اور اقتصادی بدحالی تھی۔ مذہبی تعلیمات سے لے کر سیاسی واقتصادی صورت حال تک ہر کہیں چند ایک خاندانوں کا قبضہ تھا۔ مذہبی اور سیاسی ٹھیکیداروں نے یہاں ایسا سماج ترتیب دیا ہوا تھا' جہاں عوام کا کام محض خدمت اور غلامی ہی رہ جاتا تھا۔ صوفیہ جانتے تھے کہ اُن کی ذمہ داریاں نبوت کے وارثوں کی ہیں۔ تبھی انھوں نے علم کی روشنی پھیلانے کی شعوری کوششیں شروع کیں۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ عوام کے لیے کوئی ایک مشترک پلیٹ فارم مہیا کیا جائے جہاں مل بیٹھ کر وہ اپنے دُکھ سکھ اور روزمرہ مسائل کا حل ڈھونڈ سکیں۔ بکھری' منتشر اور نفسانفسی کے ہاتھوں یرغمال بنی عوام کے لیے صوفیہ نے خانقاہی نظام کا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ صوفیہ جانتے تھے عوامی طاقت وہ عنصر ہے جسے منظم کر کے انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ حکمرانوں کے پاس ظلم کی طاقت ہے جبکہ اُن کے مدرسوں میں عوامی شرکت جب اجتماعی طاقت کا روپ دھارے گی تو بہتری کی کوئی صورت ضرور نکل آئے گی۔ لہٰذا خانقاہوں سے منسلک مدرسوں کا قیام عمل میں لایا گیا جہاں طالبانِ علم ایک طرف اپنی دینی و دنیاوی پیاس بجھاتے تھے تو دوسری جانب خانقاہی ادارے میں آنے والے زائرین رزق حلال اور اجتماعی لنگر میں شرکت کر کے ہم آہنگی کی زندہ مثال پیش کرتے۔

صوفیہ کا ہر عمل اللہ کے لیے ہوتا ہے' اُن کی نظر میں تمام بنی نوع انسان' بلکہ ہر جاندار خدا کی دامنِ ربوبیت میں پل رہا ہوتا ہے۔ حدیث مبارک ہے" جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اُس پر رحم نہیں کرتے۔" اسی لیے سچے صوفی کی زندگی انسان دوستی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے۔ اصل عبادت یہ ہے کہ انسان کی محرومیوں کو دور کیا جائے کیونکہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے کا راستہ خود خدا نے دکھایا ہے یعنی انسان کی خدمت' انسان سے پیار' انسان کی تکریم' دراصل سنت الٰہی ہے جو بھی اس سنت کی پیروی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا دوست اور مددگار ہے۔

صوفیہ کے نزدیک متوازن معاشرے کا قیام اُسی وقت ممکن ہے جب تمام انسانوں کو بلا لحاظ مذہب' نسل اور علاقے کے یکساں اہمیت دی جائے۔ یہ آفاقی پیغام قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے' جہاں ساری مخلوق اُمت واحدہ تھی۔ اسلام کا ہدف یہ ہے کہ ساری انسانیت ایک اُمت بن جائے۔ انسانیت کے اس رشتہ کے تحفظ کے لیے اسلام نے مساوات کا عملی درس دیا اور صوفیہ نے اسلام کے اِس اصول کو زندہ کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ مختلف قوموں اور نسلوں کا ایک جگہ مجتمع ہونا انسان میں تحمل اور بردباری پیدا کرتا ہے۔ "دین میں کوئی جبر نہیں" کے پس منظر میں صوفیہ نے کوشش کی کہ اپنے عمل سے لوگوں میں رواداری اور برداشت کا مادہ پیدا کریں۔

صوفیہ کی تعلیمات کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ تمام مذاہب میں اپنے اپنے دور کی سچائیاں موجود ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب کا مدعا ایک ہی ہے۔ اُن کا پیغام بھی ایک ہے۔ سب کا مخاطب ایک ہی ہے یعنی انسان۔ سبھی انسان ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں' کیا ہوا اُن کا طریقہ کار مختلف ہے۔ ایک ہی خدا گرجے' مندر' مسجد اور گوردوارے

Marfat.com

میں موجود ہے۔ یہاں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ تصوف کوئی لسانی یا مذہبی گروہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک تحریک ہے جو دنیا کے تمام خطوں میں موجود ہے۔ یہ تصوف ہی ہے جس کا برصغیر کی ایک کثیر تعداد پر آج تک اثر ونفوذ موجود ہے۔ یوں بھی تصوف کی تحریک مذہب کی شدت کے خلاف ایک ردِعمل کے طور پر سامنے آئی تھی۔ اس میں حکومتی حلقوں میں دنیاداری کی طرف اندھا دھند رجحان کے خلاف ردِعمل شامل تھا۔

صوفیہ کا طبقہ دین اسلام کا اتباع کرنے والا تھا۔ وہ مبلغ اعظم سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی والی تعلیمات پر پہلے خود عمل کرتا ہے اور پھر دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ یعنی صوفیہ کا منہج تبلیغ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ تھا۔ بقول حضرت نظام الدین اولیا ''علما اپنی زبان سے تبلیغ کرتے ہیں اور صوفیہ اپنے عمل سے۔۔۔ یہ لوگ لمبی لمبی تقریریں نہیں کرتے' نہ مجالس وعظ گرم کرتے ہیں۔ یہ صرف اخلاق نبوی کا نمونہ بن کر عوام کے سامنے آتے ہیں اور لوگ اُن کے عمل کو دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات دُکھی دلوں کے لیے مرہم ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو بھی گلے لگاتے ہیں اور معاندین کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔''

ہر ملک' قوم اور علاقے کی تہذیب وتمدن اور رسم و رواج الگ الگ ہوتے ہیں۔ قوموں کی تہذیب وتمدن میں میلوں ٹھیلوں اور تقریبات کی اہمیت مسلم ہے۔ یہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان سے قوموں کے مذہبی' سماجی یا تفریحی مزاج میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ کسی بھی علاقہ میں رہنے والوں کی اجتماعی زندگی کو سمجھنے کے لیے اُس علاقہ کی تقاریب اور لوک تہواروں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ بعض تقریبات جو کسی خاص شخصیت یا کارناموں کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہیں اُن سے تقریب کا نہ صرف پس منظر مدنظر رہتا ہے بلکہ اُس سے تقریب کی اہمیت بھی واضح ہوتی رہتی ہے یعنی اگر پس منظر میں انسانی فکر و عمل کو جلا بخشنے والی کوئی بات پوشیدہ ہو تو وہ تقریب یقیناً فکر و عمل میں نمو پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

میلے ٹھیلے' جشن و تہوار اور عرس کسی بھی قوم کی اجتماعی زندگی میں اس لیے اہمیت رکھتے ہیں کہ انسان فطرتاً تغیر پسند واقع ہوا ہے۔ جب وہ اپنے مستقل پیشہ میں دن رات مگن رہ کر اُکتاہٹ محسوس کرتا ہے تو اُسے ذہنی تفریح کی طلب ہوتی ہے۔ اس طلب کی تسکین و تکمیل کے لیے میلے اور تہوار بہترین ذریعہ ہیں۔ میلہ یا تہوار یا عرس ایک ایسے اکٹھ کا نام ہے جس میں علاقہ بھر کے چند یا کافی لوگ مل جل کر ہنستے کھیلتے اور چار گھڑیاں سکھ کی گزار لیتے ہیں۔ وہ اس اکٹھ میں شامل ہو کر چند لمحات کے لیے اپنے اپنے دکھ درد بھول کر سکھ کا سانس لے لیتے ہیں۔ یہاں لفظ عرس کے معنی بھی واضح کر دیے جائیں کہ یہ لفظ عروس سے مشتق ہے جس کے معنی دلہن کے لیے جاتے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں بزرگوں کے یوم وصال کو عرس کہا جاتا ہے جس کے پیچھے یہ روایت کارفرما ہے کہ قبر کے سوالات سے کامیاب ہونے کے بعد فرشتے اس نیک انسان کو یہ کہہ کر رخصت ہوتے ہیں (سو جاؤ دلہن کی طرح)۔ عرس اسی کامیابی کی یادگار ہے اور اُس دن مرنے والے کی روح کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ آج بعض جگہوں پر تو میلہ اور عرس میں کوئی فرق نہیں رہا۔ تاہم عرس کی اہمیت گجراتی معاشرے میں آج بھی مسلمہ ہے۔

چونکہ پنجاب کی معیشت کا دارومدار زراعت پر ہے۔ دیہات میں بجلی اور ٹیلی وژن کے آجانے کے باوجود آج بھی دل بہلانے کے لیے کشتی' کبڈی جیسی کھیلیں' بھنڈارے اور عرس' مرغ بازی' شکار' کتوں کی لڑائی اور میلے ٹھیلے منعقد کیے جاتے ہیں۔ میلوں ٹھیلوں کا انعقاد عموماً کسان کے فارغ اوقات کے دوران ہوتا تھا۔ مثلاً جب وہ بیساکھ کے مہینے میں اپنی پکتی ہوئی فصل کو اطمینان بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے بیساکھی کا میلہ اس کے لیے سال بھر کے کام کاج کی تھکن کو دور کرنے کے لیے مسرت و شادمانی کا ایک پیغام ہوتا ہے۔ تقسیم برصغیر تک لوک تہواروں میں ہندو' سکھ اور مسلمان اکٹھے شمولیت کرتے تھے۔ موسمی میلوں' بزرگان دین کے عرس اور مذہبی تہواروں پر تمام لوگ یکساں شریک ہوتے تھے۔

پنجاب کے لوک تہواروں کا منظر بڑا ہی پرکشش ہوتا ہے۔ میلے کی تیاریاں کئی ماہ پہلے سے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ لوگ ان میلوں میں شمولیت کے لیے گروہ در گروہ دور دراز کے دیہات اور شہروں سے آتے ہیں۔ طرح طرح کی دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ کہیں مٹھائی کی دکانیں ہوتی ہیں تو کہیں منیاری کی دکانیں آراستہ ہوتی ہیں۔ ایک جگہ کوئی دوائیاں بیچنے والا مجمع لگائے بیٹھا ہوتا ہے تو دوسری جانب سرکس والا۔ کہیں قوالی جمی ہوئی ہوتی ہے تو کہیں مجرا ہو رہا ہوتا ہے۔ ایک طرف ملنگ بھنگ' چرس اور افیون کے نشے میں ''دھت دمادم مست قلندر'' کے جاپ میں مصروف ہوتے ہیں تو کسی دوسری جانب کوئی اور ہی تماشا لگا ہوتا ہے۔ کسی کا بچہ گم ہو جاتا ہے تو کسی کی جیب کٹ جاتی ہے۔ اس سلسلے میں گجرات میں کئی مذہبی تقریبات' میلے' عرس' جشن اور تہوار منائے جاتے ہیں۔ چند ایک کی تفصیل یہاں دی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں قیام پاکستان سے پہلے کی مشترک ہندو مسلم اور سکھ تہذیب کے کچھ تیوہاروں کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ضلع گجرات بھی دیگر پنجابی سماج کی طرح مشترک تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوفیہ کا تعلق خواہ کسی بھی سلسلہ سے ہو' گجراتی معاشرے پر اُن کی تعلیمات کے دیرپا اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ اپنی تعلیمات کے ذریعے جہاں وہ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لائے وہاں

Marfat.com

مسلمانوں میں موجود غیر اسلامی عناصر کی اصلاح اور ان کے خاتمے کا بیڑہ بھی اُٹھایا۔ انسان دوستی، مختلف فرقوں کے درمیان ہم آہنگی اور غیر مسلموں سے رواداری، اُن کی تعلیمات کے نمایاں پہلو ہیں۔ جب ہم گجرات میں اولیا اللہ اور صوفیہ عظام کی حیات طیبہ اور تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں مذکورہ بالا موضوعات کی مثالیں جا بہ جا دکھائی دیتی ہیں۔

ذیل میں گجرات بشمول منڈی بہاؤالدین کے چند اولیا اللہ کے احوال اور وہاں منعقد کیے جانے والے عرسوں، میلوں اور گجرات کے دیگر تہواروں کا ذکر کیا جا رہا ہے، جن سے نہ صرف عوام روحانی تسکین حاصل کرتے رہے ہیں بلکہ آج بھی ذہنی آسودگی کا سامان بھی میسر آتا ہے۔ موجودہ دور میں اس کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہے کہ عالمی سطح پر ایک ایسی تہذیب اور ثقافت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے جہاں کم سے کم اختلافی نقطہ نظر رکھتے ہوئے شدت پسندی، مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان، عالمی طاقتوں کا غیر جمہوری رویہ، حکمرانوں کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ، تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ جیسے مسائل کا حل موجود ہو۔ عالمی گاؤں میں رہتے ہوئے کثیر لسانی قومیتوں میں اتحاد کی پالیسی پر عمل کیے بغیر ہم ان مسائل سے نبرد آزما نہیں ہو سکتے نتیجے کے طور پر ہمارے بہت سے وسائل ضائع ہوتے جا رہے ہیں۔

حضرت سید ابراہیمؒ کا عرس

لالہ موسیٰ کے قریب موضع سید ابراہیم میں حضرت سائیں فتح محمد نوشاہی سچیاری کا مزار ہے، جہاں ہر سال اسوج کے مہینے میں اُن کا عرس منایا جاتا ہے۔ آپ کے مرشد کا نام حضرت سلطان شیرؒ تھا جو حضرت پیر محمد سچیار نوشاہیؒ کی اولاد میں سے تھے۔

خواجہ سید احمد علی شاہؒ

تحصیل پھالیہ میں گوڑھا ہاشم شاہ دریائے جہلم کے کنارے واقع ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں پیر سید احمد علی شاہؒ صاحب گوڑھا ہاشم شاہ ۱۲۶۹ ہجری بمطابق ۱۸۵۰ء حضرت صفت شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپؒ کے جد امجد حضرت اطہر شاہؒ با کرامت اور بابرکت بزرگ تھے۔ شاہ جی بچپن سے ہی اپنے والد کا کاشتکاری میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ مویشیوں کے لیے چارہ اور پانی کا خاص طور پر اہتمام کرتے۔ آپ کو اُچھل کود اور دنگا فساد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ قرآن پاک کی تعلیم تاریخی قصبہ مونگ میں قادری سلسلہ کے ایک مخدوم نامی بزرگ سے مکمل کی۔ بعد ازاں مولانا محمد عالم سے دینی تعلیم حاصل کی۔ موضع ڈھپئی میں آپؒ جوان ہوئے۔ اُس وقت کے نامور عالم دین و صاحب کرامت بزرگ حضرت پیر سید غلام حیدر علی شاہؒ جلالپوری سے باقاعدہ بیعت ہو جانے کے بعد تا حیات اپنے مرشدؒ پاک کی زیارت کے لیے ہر جمعہ کو بغیر کسی وسیلہ کے دریائے جہلم پار کیا کرتے۔ مرشد کے وصال کے بعد آپ ہفتہ میں دو بار آستانہ پاک جلالپور شریف حاضری دیتے رہے۔ یہ معمول تا دم مرگ جاری رہا۔

آپؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ گاؤں کی مسجد میں گزرا۔ رات کو بعد از عشاء آپؒ دریا کے کنارے تشریف لے جاتے۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنے پیر و مرشد کے بتلائے ہوئے اوراد ادا کرتے اور وظائف وغیرہ پڑھتے رہتے۔ نماز اشراق اور نماز چاشت ادا کرتے اور وہیں مسجد میں ہی لوگوں سے ملاقات فرماتے اور مسجد میں بغرض دینی تعلیم آنے والے بچوں میں شیرینی تقسیم فرماتے۔

دوپہر کے وقت آپؒ قیلولہ کرتے، پھر تازہ وضو فرماتے اور نماز ظہر باجماعت ادا کرتے۔ ظہر کی نماز کے بعد آپؒ ختم خواجگان چشت ادا کرتے اور ختم شریف سے فارغ ہونے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت ترتیل اور قدرے آواز بلند کے ساتھ فرماتے۔ قرآن پاک تقریباً سوا پارہ پڑھنے کے بعد نوافل ادا کرتے اور مسبعات عشر پڑھتے اور لنگر تقسیم کرنے کی اجازت فرماتے۔

بعد از نماز عصر اور لنگر تقسیم ہونے پر آپؒ زنان خانہ میں تشریف لے جاتے اور اہل خانہ سے ضروری بات چیت فرماتے اور غروب آفتاب سے پہلے ہی مسجد میں تشریف لے آتے۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد نوافل اوابین ادا فرماتے اور ذکر جہر فرماتے۔ درود شریف تسبیح پر ادا فرماتے۔ عشاء کی نماز تک آپؒ مسجد میں قیام کرتے اور بعد از نماز عشاء اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اور لوگوں کے سو جانے کے بعد آپؒ دریا کے کنارے تشریف لے جاتے۔ یہی معمول تمام زندگی رہا۔

آپؒ کا وصال پاک ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ بروز سوموار کی رات ۴ بجے ہوا۔ آپؒ کا جنازہ امیر حزب اللہ سید محمد فضل شاہؒ اُس وقت کے سجادہ نشین جلالپور شریف نے پڑھایا۔ آپؒ نے تمام عمر دکھی انسانیت کی خدمت کی اور اس سلسلہ کو آگے بڑھانے میں آپؒ کے سب سے چھوٹے بھائی سید محمد ہاشم علی شاہ نے نمایاں خدمات انجام دیں اور انھیں کے نام پر گوڑھا ہاشم شاہ مشہور ہو گیا۔ حضرت سید احمد شاہؒ چشتی حیدری کا سالانہ عرس مبارک ۱۶، ۱۷ جمادی الثانی کو آستانہ عالیہ گوڑھا ہاشم شاہ میں منعقد ہوتا ہے۔

Marfat.com

سید افتخار حیدر سیالویؒ

دربار عالیہ چشتیہ نظامیہ حضرت سید احمد علی شاہؒ کوڑھا ہاشم شاہ میں واقع ایک عظیم روحانی مرکز ہے جہاں سے عرصہ دراز سے عشق ومحبت اور روحانیت کے پیاسے فیض یاب ہو رہے ہیں۔اس گاؤں میں فیوض وبرکات کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہے جب سید احمد علی شاہؒ نے اپنے پیرومرشد سید حیدر علی شاہ جلالپوری کے حکم سے یہاں پر قیام فرمایا۔اور دینی ومذہبی ومنصبی فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔آپ کے وصال کے بعد پیر سید ہاشم علی شاہؒ نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا اور منصبی فرائض اس طرح پورے کیے کہ ایک مثال قائم کر دی۔۱۹۵۴ء میں سید ہاشم شاہؒ کا وصال ہوا تو امیر حزب اللہ سید محمد فضل شاہ کے حکم سے سید غلام محی الدین سجادہ نشین مقرر ہوئے جنھوں نے اپنے پیرومرشد کے حکم کی لاج رکھتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔آخرکار آپ کی ظاہری زندگی اختتام پذیر ہوئی اور ان کے لختِ جگر سید افتخار حیدر شاہ صاحب کے کندھوں پر اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ ڈال دیا گیا اور یہ ۱۹۹۵ء کی بات ہے۔۱۹۹۵ء سے آج تک وہ اپنے فرائض اور ذمہ داری کی بطریق احسن پورا کر رہے ہیں۔

آپ نے مڈل مونگ سکول سے پاس کر کے میٹرک اسلامیہ ہائی سکول منڈی بہاؤالدین سے پاس کیا پھر آپ نے کچھ مذہبی کتابیں پڑھیں جن میں خلاصہ قیدانی سرفہرست ہے۔اس کے بعد آپ سیال شریف حاضر ہوئے جہاں آپ نے تربیتی حوالے سے بہت کچھ حاصل کیا اور آپ کو وہاں پر خدمت کا شرف حاصل ہوا۔آپ اپنے بزرگوں کی طرح سلف وصالحین کے طریقے کے مطابق علاقے کے لوگوں کے روحانی اور علمی پیاس بجھانے کے لیے سرگرداں ہیں۔اور آپ بحیثیت سجادہ نشین اپنی ذمہ داریاں باحسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔

پیر الٰہی شاہ بادشاہؒ

آپ پیر جملے شاہ سرکارؒ کے چھوٹے بھائی تھے اور ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔والد بزگوار والدہ معظمہ اور برادر بزرگ کی ترتیب وعاطفت نے آپ کے جواہر ذات کو نکھار کر حسین بنا دیا۔مروجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے تاریخ‘ ادب اور فلسفہ کا بھی بغور مطالعہ فرمایا جس کا اظہار آپؒ کے ملفوظات‘ مکتوبات اور صوفیانہ شاعری میں بکثرت نظر آتا ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد بڑے بھائی کے نقش قدم اپناتے ہوئے آپؒ نے بھی محکمہ پولیس کا انتخاب کیا اور رائل برٹش پولیس میں کمیشن حاصل کیا۔جلد ہی طبیعت بے چین ہوگئی جس کی وجہ روحِ ملکوتی کا منازلِ اولیٰ کی جانب مسافرت کا ارادہ تھا۔ہندوستان کی متعدد ریاستوں میں ملازمتوں کے بعد آپ نے انگریز سرکار کو استعفیٰ بھجوا دیا اور رضائے سرکارِ حقیقت کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

ذاتی اکتسابات‘ مشاہدات‘ مجاہدات‘ مکاشفات اور انوارات کو آنے والی نسلوں کے سپرد کرنے کی خاطر آپ نے روحانیت پر بے مثال قلم فرمائی کی اور علمی و روحانی کتب کا خزانہ سپردِ قرطاس کیا۔آپ کے علمی خزانے میں سے چند کتب کے نام یہ ہیں:

۱:ندائے الٰہی ۲:فریادِ قلندر ۳:بارہ ماہ ۴:دم آخر ۵:قلندر نامہ

آپ نے اپنی تحریروں میں بکثرت عربی وفارسی اصطلاحات اور تاریخی واقعات کا استعمال کیا ہے جو آپ کے وسیع مطالعہ کا پتہ دیتی ہیں۔تحریر وتقریر کے ساتھ ساتھ آپؒ نے شعر وسخن میں بھی بے نظیر اثاثہ چھوڑا ہے اور شعری مجموعوں کا گلدستہ اردو‘ فارسی اور پنجابی ادب کے سپرد کیا ہے۔آپ نے اپنے اشعار میں انسان کو اس کی حیثیت یاد دلائی ہے اور تکبر وریا‘ خودنمائی اور جاہ طلبی سے دور رہنے کو کہا ہے۔آپ نے متعدد شہنشاہانِ وقت کی مثالیں دے کر نفسِ انسان کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ جب انسان کی آخری منزل قبر ہے تو رذائل اخلاقی سے اپنے دامن کو گندہ کرنے کا کیا فائدہ۔

آپ کا طرزِ حیات سادہ مگر پُروقار اور باعظمت تھا۔خوبصورت لباس زیب تن کیا کرتے تھے اور ظاہری وباطنی صفائی پر بہت زور دیتے تھے۔غریب پروری آپ کا مشغلہ تھا اور سخاوت وعطا آپؒ کا وطیرہ۔انتہائی قیمتی اور نفیس لباس پہنتے اور پھر وہ لباس کسی ضرورت مند کو دے دیا کرتے تھے۔

آپ آخری لمحات میں باوضو ہو کر لیٹ گئے اور اردگرد بیٹھے مریدوں کو بھی وضو کرنے کا حکم دیا۔پھر آپؒ نے فرمایا ''پنجتن پاک کی سواری آگئی'' ''غوث الوریٰ آگئے'' ''یا علی'' اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔۱۹۴۲ء کے محرم الحرام کے ساتویں روز شبِ جمعہ بوقت عصر راہی ملک عدم ہوئے۔

آپ کی وصیت کے مطابق آستانہ عالیہ کندھانوالہ شریف میں آپؒ کے بڑے بھائی پیر جملے شاہ سرکارؒ کے ساتھ آپ کی تدفین کی گئی۔آپ کے بہنوئی برصغیر پاک وہند کے مفتیٔ اعظم پیر مہر علی شاہ بخاریؒ جو کہ آپ کے فیض یافتہ تھے اور خصوصی ارادت رکھتے تھے نماز جنازہ کے لیے حاضر ہوئے اور سوگواروں کے جمِ غفیر میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ہندوستان کے نامور علما و واعظین اس موقع پر تعزیت کو آئے اور مجالسِ ختم وایصال ثواب سے خطاب کیا۔

Marfat.com

خواجہ محمد امینؒ

آپ ۱۲۶۳ھ میں مولانا حافظ نورالدین فاروقی کے گھر چکوڑی شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ' کتب نظم ونثر فارسی' صرف ونحو' منطق' معانی' فلسفہ' علم کتابت' اصول فقہ وحدیث وتفسیر پر عبور حاصل کیا۔ خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت ہوئے۔ آپ کچھ عرصہ سیال شریف میں رہے اور اپنے شیخ کامل کی رہنمائی میں سلوک کی منزلیں طے کیں۔ آپ کا عرس پاک ہر سال ۱۲ اور ۱۳ ذی قعد کو منعقد ہوتا ہے۔

اللہ دتا طالب کنجاہیؒ

آپ ۱۸۸۶ء میں کنجاہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۲ برس کی عمر میں ڈاکٹری تعلیم مکمل ہونے پر فوج میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۰۹ء میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اعلیٰ حضرت سید جماعت علی شاہ سے بیعت ہوئے۔ فوجی ملازمت میں جنگ عظیم اول کے دوران' عراق' ایران' فرانس' انگلینڈ' اٹلی' مصر' حجاز' جزائر انڈیمان اور برما کے ممالک میں بحیثیت فوجی ڈاکٹر خدمات انجام دیں۔ جہاں بہت سے عیسائی اور ہندو آپ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آزادی سے قبل متحدہ ہندوستان میں رہتک' حصار' کرنال' متھرا' ریاست الور دجانہ اور راجپوتانہ کے اضلاع میں راجپوت ملکانوں میں سالہا سال تک دورے کر کے تبلیغ اسلام میں منہمک رہے۔ وطن عزیز پاکستان میں ہزارہا بندگان خدا کو سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک کر کے رہنمائی اور دستگیری کی۔ اعلیٰ حضرت کے جاری کردہ ماہوار رسالہ انوار الصوفیہ میں بھی آپ متفرق مضامین لکھتے رہے۔ آپ کے تصوف پر مبنی مضامین کو کتابی شکل میں ''تصوف'' کے نام سے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا گیا۔ آپ کے اردو' پنجابی اور فارسی کلام کا مجموعہ ''انوار طالب'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر محمد شیخ اللہ دتا طالب کنجاہی کا عرس اور انجمن خدام الصوفیہ کا سالانہ تبلیغی جلسہ ہر سال اپریل کے دوسرے جمعہ ہفتہ میں مزار مبارک پر واقع وسیع وعریض جامع مسجد النور میں منعقد ہوتا ہے۔ زائرین کے آرام و آسائش اور قیام و طعام کا بلا امتیاز اعلیٰ انتظام کیا جاتا ہے۔

میاں اللہ دتا المعروف دتے شاہ

اسم گرامی میاں اللہ دتہ تھا' دتے شاہ مشہور ہوئے۔ اسی حوالے سے طالبوں کی جماعت دتے شاہ کہلاتی ہے۔ ذات کے ارائیں تھے مگر کہا کرتے تھے ''شاہوں'' کی غلامی کے باعث ''شاہ'' ہو گیا ہوں۔ شاہوں کے شاہ مولائے کل امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور اہل بیت اطہار صلوٰۃ اللہ ہیں۔ میاں محمد ہاشم بڑے بھائی تھے۔ پابند شریعت' کھرے مولوی' یہی چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی سے اختلاف کا باعث ہوا۔ حضرت دتہ شاہ شیخ پور کے میاں محمد پناہ شاہ کے مرید ہوئے۔ حضرت دتہ شاہ جی سوک میں بہن کے پاس رہتے تھے۔ شیخ پور باقاعدگی سے حاضری دیتے تھے۔ حضرت میاں محمد پناہ شاہ کی چوکھٹ پر سر نہوڑ کر بلکہ خاک پیشانی پر سجا کر اُلٹے پاؤں پھر آتے تھے۔ یہی دستور تادیر قائم رہا۔ ادب واحترام کا یہ عالم تھا کہ آپ شیخ پور کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں سوتے تھے۔ پھر ایک حال ومقام ایسا آ گیا کہ جب انھیں شیخ پور کی طرف پاؤں پھیلائے سوتے دیکھا گیا۔ متوجہ کیا گیا تو فرمایا: اب شیخ پور اور شیخ پور والے یہاں ہیں' وہاں کہاں ہیں؟

دتہ شاہ جی صاحب علم بزرگ نہیں تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کچھ حاصل کیا تو حضرت میاں محمد پناہ شاہ کی خدمت میں کیا ہوگا۔ شاعری وغیرہ نہیں فرماتے تھے' پنجابی میں سیدھی سادی گفتگو فرماتے تھے مگر پیار کے اس مدھم انداز میں جس کی یاد آج بھی دتہ شاہی سجادہ نشین سائیں فضل حسین شاہ کی بات چیت میں تازہ ہے۔ حضرت دتہ شاہ جی پابند شریعت نہیں تھے۔ نقل ہے کہ مرشد نے ایک کام بتلایا' کہا: حضور! اب وقت نماز ہے۔ فرمایا' نمازیں روزے اور دوسرے فرائض ساقط ہوئے' سب ہمارے ذمہ ہیں۔ اس کے بعد دتہ شاہ جی کبھی اس طرح متوجہ نہیں ہوئے۔

حضرت دتہ شاہ جی' حضرت میاں محمد خورشید کے دربار سیالکوٹ میں مسلسل چار سال ہاتھ جوڑتے رہے کہ انھیں قوال لانے کی اجازت دی جائے۔ چار سال کے بعد ادھر سے میاں میراں بخش قوال کے لیے اشارہ ہوا جو باوراں والا کے رہنے والے تھے۔ پھر ڈھول تماشے کے لیے ضد کی۔ بابا عبداللہ شیخ ڈھول والے کی جن کا تعلق جیو نجبل سے تھا' منظوری بھی مل گئی۔ حضرت دتہ شاہ جی سر تا سر سرخ لباس پہنے لال لال چیرا' کانوں میں دُر' گانے بجانے' ڈھول تماشہ' دھمال سے شوق فرماتے تھے۔ قوال کی ہمراہی میں' ڈھول کے ساتھ مریدوں کو لے کر دھمال ڈالتے۔ حضرت میاں محمد پناہ شاہ اور میاں محمد خورشید کے دربار میں حاضری دیتے تھے۔

ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ فرماتے ہیں کہ وہ مسلسل کھوج رہے ہیں کہ دتہ شاہ جی اور دوسرے فقیروں کی اتنی ''منتا'' کیوں رہی ہے؟ مرغ آنجا بود کہ چینا بود۔ تو ان کے پاس چینا تھا۔ کہاں سے آیا تھا؟ مگر جواب ایک ہی پایا ہے کہ ان کی نظر کا جادو ہے جو چلتا ہے اور بس۔ مگر یہ ایسی دنیا میں جانا ہے جہاں کی واردات نفسیات رُوحانی سے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

Marfat.com

دتہ شاہ جی کے بے شمار ماننے والوں میں منجو چک کے سائیں محمد یار' سائیں بھاگ' پنڈی لوہاراں کے طالب پیر سیّد بہادر شاہ بھی تھے۔ بہادر شاہ صاحب حضرت بلھے شاہ قصوری کے انداز میں خود کو سید کے بجائے ارائیں کہلانے پر اصرار کرتے تھے۔ طالبوں میں تاہم سب سے عجیب شخصیت والے کوٹ نکا کے سائیں گنجو تھے۔ سائیں ظاہر نہیں ہوئے تھے اور قدرتی طور (شعوری طور نہیں) ملامتیہ رجحانات کی پرورش کرنے والوں میں تھے۔ سائیں گنجو بات ایسی کرتے تھے کہ ناواقف' نامحرم حال آگ بگولا ہو کر مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات خوب دھنائی کراتے تھے اور پھر ہاتھ جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ چھوٹی ڈھیریاں ہو اور شاہ جی کی عنایت سے جلد ہی اناج و بھس جدا کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ مگر گنجو "بوہل" ہے جس پر شاید اتنی مار نہ پڑے تو اناج جدا ہونے کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔

جتنی "منتا" ان کے طالب کرتے تھے بلاشبہ اس سے سوا دتہ شاہ جی کو ان کی خاطر منظور تھی۔ دتہ شاہ جی کے بڑے بھائی میاں محمد ہاشم سوک تشریف لائے کہ سیالکوٹ کے سفر میں انھیں ساتھ لے چلیں۔ دتہ شاہیہ طالب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ بڑی سرکار کی موجودگی میں کیا پیش جائے گی۔ نہ ناچ' نہ رنگ' نہ ڈھول' نہ ناشہ' نہ قوالی' نہ دھمال۔ منجو چک والے سائیں محمد یار نے کہا: ایک نسخہ ہے' آزما دیکھو' اُمید ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو منجو چک چلو۔ "نسخہ" کے مطابق منجو چک میں سب نے ہڈیوں کے ہار پہنے' منہ کالے کیے' گھنگرو باندھے اور ناچتے کودتے' کھیل تماشہ' ٹھٹھا مخول کرتے آ دھمکے۔ میاں محمد ہاشم نے ناراض ہو کر کہا: اللہ دتہ! اب تو انھیں رکھ لے یا مجھے۔ کہا: بھائی جی! جن لوگوں نے میری خاطر منہ کالے کیے ہیں' اب انھیں کیا دغا دوں گا؟ میاں محمد ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد آپ کبھی سُوک تشریف نہیں لائے۔

میاں محمد یار کو بھی دتہ شاہیہ صاحب کرامت بتلاتے ہیں۔ نقل ہے کہ سائیں جی غلام محمد ایک مراسی زادے پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ ایک بار بوراں والے کے محبوب شاہ نے اسے کہا: او کتے ذرا ہٹ کر بیٹھ۔ اس پر سائیں جی نے جلال میں آن کر یہ سزا دی کہ وہ خود کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ حضرت دتہ شاہ جی نذر نیاز سے بے نیاز تھے مگر طالب بھی خالی ہاتھ نہیں آتے تھے۔ حضرت منہ موڑ کر نقد ہو یا کھانے پینے کی چیز' حاضرین کو دے دیتے تھے۔ فرماتے تھے: میں پیر نہیں' فقیر ہوں' میرا کام بسان نہیں۔ غرور کا "سوز" دل میں بیٹھا ہے' فخر کا "کوڑھ" لگا ہے۔ اسے نکالنا ہے اور اس سے شفا دینی ہے' خود کو بھی' دوسروں کو بھی۔ حضرت دتہ شاہ جی نے شادی نہیں کی۔ ان کے بھانجے میاں محمد یار جانشین ہوئے۔ انھیں "جی صاحب" کہتے تھے۔ میاں محمد یار کے صاحبزادے شاہ محمد تھے۔ انھیں لوگ "شاہ جی" کہتے تھے۔ شاہ جی کے فرزندِ گرامی فضل حسین ہیں۔ واقف حال دتہ شاہیہ۔ اصلی سجادہ نشین انھیں مانتے ہیں اور انھی کی "پاگی" نکلتی ہے مگر دوسرے سائیں محمد حسین بھی ہیں۔ یہ فضل حسین کے تایا زاد بھائی ہیں۔

سائیں فضل حسین اور سائیں محمد حسین بھی دنیادار' دونوں بڑے صاحب زمین جائیداد بزرگ ہیں۔ فضل حسین کا ڈیرا دربار سے فاصلہ پر ہے۔ سائیں جی بوڑھے' روشن چہرہ بزرگ ہیں۔ گفتگو کا انداز مدھم' پیار کا انداز ہے جس سے دتہ شاہیوں میں دتہ شاہ جی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ سائیں جی سب کا دل موہ لیتے ہیں۔ دربار دتہ شاہ جی والے سائیں محمد حسین ہیں' جواب دربار کو دوبارہ تعمیر کرار ہے ہیں۔

سائیں فضل حسین و سائیں محمد حسین دونوں گنڈا تعویذ کرتے ہیں' ے چھوہارے دیتے ہیں۔ عام طور پر خیال ہے کہ حضرت دتہ شاہ جی کا کام ہے جس کے اثر تاثیر سے منت مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ سائیں فضل حسین سے متعلق سنا جاتا ہے کہ حضرت بڑے ذہین' بے باک مگر حد درجہ متواضع بزرگ ہیں۔ خود بڑا بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ انکساری کو قدم قدم ہمدم و دمساز بنائے رہتے۔ محبت پیار کی روایت اس طرح پھیلاتے کہ (مثلاً) کسی میاں بیوی میں اختلاف ہوتا تو میاں کو بلا کر ساتھ رکھتے اور پھر چند دن بعد حضرت کی محبت کے رنگ میں مدعی اس طرح رنگا جاتا کہ کہاں کا اختلاف' کیسی لڑائی' کیا جھگڑا۔ اسے بھی طالبانِ حق حضرت دتہ شاہ جی کا فیض جاریہ شمار کرتے ہیں۔ حضرت شاہ جی سلام کے لیے آنے والوں کی خاطر تواضع کرتے۔ بسا اوقات بھانپ کر انھیں آمد و رفت کا کرایہ بھی عطا کرتے ہیں۔

یہاں ایس آر بخشی کی کتاب "Punjab Through The Ages" سے دِتے شاہ کے متعلق اقتباس بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

> "Ditte Shahi, though not of much importance, was the only new sect of some importance, which developed among the muslims during this period. Ditte Shah, the founder of the sect was an Arain of the village Sukh Kalan, about three miles east of the town of Gujrat. At the age of 40, he became disciple of a faqir named Mian

Marfat.com

Muhammad Panch of Sheikhupura in Gujrat and having given up wordly pursuits begain to lead a retired life.

His creed was simple one. He exhorted people to do good actions and disregarded outward ceremonies. He wore red clothes and was said to have given up the religious duties enjoined by Islam. He died about 1881 and was succeeded by Mian Muhammad Yar.

There was however, no learned man among the Ditte Shahi and the sect did not posses any books of literature. The discarded the ordinary religious duties observed by muslims and considered Ditte Shah to be real Rasul of God and felt so much reverance for him that sometimes they looked to be believing him to be not different from God."

حضرت دتہ شاہ جی کا عرس رمیلا ۹ بھادوں کو سُوک گاؤں میں ہوتا ہے۔ دونوں ڈیروں پر قوال برابر آتے ہیں۔ جی صاحب کا عرس ۱۹۔ پوہ اور میاں محمد خورشید کا عرس سُوک میں ۱۵۔ چیت کو ہوتا ہے۔ ۱۶۔ چیت کو پالکی حضرت سجادہ نشین کی چناب پار جاتی ہے۔ شیخ پور محمد پناہ شاہ کے سلام کے بعد ۱۶ کی رات راہ میں بسر ہوتی ہے۔ ۱۷۔ چیت کو سیالکوٹ رام تلائی میاں محمد خورشید کے دربار پر حاضری ہوتی ہے۔ عرس میں دربار سُوک، شیخ پور، سیالکوٹ حاضری کا وہی عام انداز ہے۔ طالب ڈھول ناشہ کے ساتھ دھمال ڈالتے آتے ہیں، طواف کے بعد چوکھٹ کی خاک پیشانی پر سجا کر رخصت ہو جاتے ہیں۔

حضرت دتہ شاہ جی کے دونوں سجادہ نشین عرس کی تقریبات کے سارے انتظامات جیب خاص سے کرتے ہیں۔ دونوں ڈیروں پر کھانے پینے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ عرس میں شرکاء کے لیے دال، چاول، گوشت، روٹی کا بندوبست ہوتا ہے۔ لوگ منت کی دیگیں لاتے ہیں، وہ بھی تقسیم کی جاتی ہیں۔ لوگ نذرانہ نقد پیش کرتے ہیں۔ رہائش کے لیے مکان موجود ہیں۔ لوگ دوستوں، رشتہ داروں کے ساتھ بھی ٹھہرتے ہیں، باقی طالبوں کے لیے کھلے شاملات میں "بھوڑ" ڈال دیے جاتے ہیں۔ (ماخوذ از ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ)

حضرت میاں حافظ امام بخشؒ

آپ میاں محمد پناہ آستانہ عالیہ شیخ پور شریف کے برادر نسبتی اور مرید خاص تھے۔ روحانی فیض انہی سے حاصل کیا۔ آپ کے والد کا نام میاں عنایت ولی تھا جو آپ کے مزار کے قریب ہی مدفون ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب اورنگ زیب عالمگیر سے جا ملتا ہے۔ آپ شیخ پور سے چک سادہ میں آ کر آباد ہوئے تھے اور کاشتکاری کے ساتھ ساتھ دین کی تبلیغ بھی جاری رکھی۔ گردونواح کے دیہاتوں کے لوگ آپ کے مرید بنتے گئے اور اس طرح چک سادہ میں طریقت کا یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کا سالانہ عرس ۱۵ ر چیت کو منایا جاتا ہے۔

محمد امین المعروف اباجیؒ

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تبلیغ فروغ و اشاعت صرف اولیائے کرام کی خدمات کا مرہون منت ہے۔ اولیائے کرام علم و حکمت کے بھی سرچشمے تھے۔ اکثر اولیائے کرام علم و ادب کی بھی شمع فروزاں تھے جن میں سے ایک حضرت سلطان محمد امین المعروف اباجی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت پیر چیار سے جا ملتا ہے۔

حضرت سلطان محمد امین ۱۰ ذوالحج ۱۳۲۹ ہجری بمطابق ۱۷ جون ۱۹۱۲ء کو نوشہرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ زمیندار ڈگری کالج سے ایف اے کرنے کے بعد علوم قرآن واحادیث، فقہ ومنطق اور طب میں تحصیل فرمائی۔ خوش نویسی میں بھی مہارت حاصل کی کیونکہ خوش نویسی اولیا کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ اردو، پنجابی، عربی، فارسی، سرائیکی، انگریزی، پوٹھوہاری اور کشمیری زبانوں پر آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ سن بلوغت کو پہنچتے ہی جذبہ الٰہیہ نے کشش کی اور جب اشتیاق قلبی بڑھا تو آپ نے کالج کو خیر باد کہہ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اقوال و افعال و اعمال و احوال میں طریقت محمدیہ و مسلک قادریہ نوشاہیہ چیاریہ کے متبع ہو کر اپنے ظاہر و باطن کو انوار مصطفوی سے منور کیا۔ حتیٰ کہ

Marfat.com

مسند خلافت پر جلوہ گری فرما کر باعث ہدایت خلق ہو گئے۔ آپ نے ہزاروں سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ آپ کی وفات ۱۱ شوال ۱۴۰۳ہجری بمطابق ۲۲ جولائی ۱۹۸۳ء کو وفات پائی۔ آپ کو شعروشاعری سے بھی شغف تھا۔

بابا باجے خان لکھیا آف چکوڑی شریف (تحریر: عارف علی میر ایڈووکیٹ)

باز خاں کو بابا باجے خاں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چکوڑی شریف کے رہنے والے بابا جی لکھیاں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ کسی نے خواجہ محمد امین کو اطلاع دی کہ بابا جی رمضان کے روزے نہیں رکھتے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا چلو آج ہم سب کر اس کے ڈیرہ پر چلتے ہیں۔ چنانچہ محمد امین صاحب اپنے مریدوں اور گاؤں کے دوسرے عقیدت مندوں کے ہمراہ اس کے ڈیرہ پر جانے کے لیے چل پڑے۔ ادھر بابا باجے خاں نے آگ جلا کر ابھی تازہ حقہ گرم کیا ہی تھا کہ اچانک اس نے دیکھا حضرت گاؤں کے آدمیوں کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے فوراً حقہ کو قریبی کھیت میں پھینک دیا اور حقہ کی ٹوپی جس میں تمبا کو اور آگ رکھی جاتی ہے وہ اپنی بغل میں دبا کر اوپر ایک کپڑا لپیٹ لیا (کھیس میں)۔ حضرت قریب آئے اور سلام کے بعد پوچھا بابا جی کیا آپ رمضان کے روزے نہیں رکھتے۔ اس نے عرض کی غریب نواز اِک نہیں رکھیا (کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ ابھی تک ایک بھی نہیں رکھا)۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا بابا جی جو آپ نے نہیں رکھا وہ بھی رکھ لیں۔ اس کے بعد مریدین اور عقیدت مندوں کو فرمایا چلو واپس چلتے ہیں۔ راستے میں پھر کسی مخلص مرید نے عرض کیا۔ غریب نواز اس نے آج تک ایک بھی روزہ نہیں رکھا جبکہ آپ نے اس کو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو ایک نہیں رکھا وہ بھی رکھ لیں۔ آپ نے اپنے سب مریدون اور عقیدت مندوں کو مخاطب کیا اور فرمانے لگے۔ فقیر کا کام پردہ پوشی کرنا ہوتا ہے۔ کسی کا پردہ فاش نہیں کرنا۔

اس واقعہ کے بعد بابا باجے خاں نے اپنی بقیہ زندگی میں کبھی روزہ قضا نہیں کیا اور نہ ہی کوئی نماز قضا کی بلکہ ہمیشہ وقت پر ادا فرمائی۔ آپ چکوڑی شریف میں فوت ہوئے اور اسی گاؤں کے پرانے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا جو مغرب کی طرف واقع ہے اور اس کو لکھیا والا قبرستان کہا جاتا ہے۔

باؤلے کتے کے کاٹے کا علاج

ملکوال نیز گورالی تحصیل وضلع گجرات میں پیر بودلہ کے ہاں جایا جاتا ہے جہاں پیر صاحب نمک دم کر کے کھانے کو دیتے ہیں۔ زخم پر بھی نمک ہی لگایا جاتا ہے۔ اس علاج کے لیے اکتالیس روز کا پرہیز ہے۔ ان دنوں میں سُودک والے گھر نہیں جانا، اس گھر کی کوئی پکی ہوئی چیز نہیں کھانی، بڑا گوشت، دال مسور، پالک، بینگن وغیرہ کھانے سے پرہیز کرنا ہے۔ جونہی باؤلا کتا کاٹ کھائے زخم میں پوری سرخ مرچ دے کر نیز سرمہ لگا کر باندھ دیا جاتا ہے اور پیر بودلا کے ہاں پہنچایا جاتا ہے۔ پیر صاحب زخم صاف کرنے کر کے اس پر نمک لگاتے ہیں۔ نیز نمک دم کر کے چاٹنے کو دیتے ہیں۔ وہاں ان کے بزرگوں کی قبریں ہیں، ان کی مٹی کھانے کو اور ملنے کو دیتے ہیں۔

حافظ برخوردار قادری باغانوالہؒ

لالہ موسیٰ سے ایک سڑک گلیانہ کی طرف جاتی ہے۔ اس سڑک کے قریب مشہور قدیمی روحانی قصبہ پانی والا شریف ہے جہاں حضرت حافظ برخوردار کا مزار ہے۔ آپ تقریباً ساڑھے تین سال برس قبل لاہور سے نقل مکانی کر کے یہاں تشریف لائے تھے۔ باطنی تعلیم اپنے والد محترم شاہ رحمت سے حاصل کی۔ دیگر اساتذہ میں حضرت شاہ کمال قادری لاہوری، مخدومی سید عبدالرحمٰن قادری دہلوی شامل ہیں۔ روایات کے مطابق آپ کو مسجدیں اور کنویں بنوانے کا شوق تھا۔ جہاں بھی قیام فرماتے وہاں ایک مسجد اور کنواں بنواتے تھے۔ صاحب کرامات شخصیت تھے۔ آپ کا عرس مبارک ہاڑ کی دس تاریخ کو بڑی شان وشوکت سے منایا جاتا ہے۔ عقیدمند حضرات ڈولیاں لے کر حاضر ہوتے ہیں۔

برق نوشاہی

برق نوشاہی ۸ راگست ۱۹۲۴ء کو موضع چک سواری ضلع میر پور (آزاد کشمیر) میں چراغ محمد شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کا پیدائشی نام غلام رسول تھا مگر آپ اپنی کنیت ابوالکمال اور تخلص برق سے مشہور ہیں۔ شجرہ نسب نو (۹) واسطوں سے حضرت نوشہ گنج بخش قادری کے ساتھ جاملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد پانچویں صدی ہجری میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ابتدائی تعلیم ابا جی سے حاصل کرنے کے علاوہ مولانا نواب دین (موضع لدھڑ ضلع میر پور)، مولانا غلام حسین (کلیال داخلی چک سواری ضلع میر پور)، مولانا محمد ابراہیم (مدرسہ نقشبندیہ سیالکوٹ)، مولانا عبدالغنی (مدرسہ حنفیہ غنیتہ سیالکوٹ)، مولانا محمد شاد ماں اور مولانا محمد نذیر (مدرسہ محمدیہ چونڈہ، سیالکوٹ) سے حاصل کی۔

قیام پاکستان کے وقت آپ چکسواری سے ہجرت کر کے پہلے ٹھل شریف

Marfat.com

ضلع جہلم، پھر دینہ (ضلع جہلم)، اس کے بعد کالووال (ضلع جہلم) میں بھی قیام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے تھل شریف میں مستقل سکونت اختیار کر لی مگر 1962ء میں منگلا ڈیم بننے کے بعد آپ ڈوگہ شریف تحصیل کھاریاں چلے آئے۔ آپ کا وصال 2 اپریل، 1985ء کو ہوا۔ آپ کا مزار ڈوگہ شریف (تحصیل کھاریاں) میں ہزاروں عقیدت مندوں کے لیے روحانی فیض بانٹ رہا ہے۔

حضرت بابا بھورے والی سرکارؒ

موضع کھیریانوالی جو گجرات شہر سے ۶ میل کے فاصلہ پر شیخ پور روڈ پر واقع ہے میں بابا بھورے والی سرکار کا عرس ۱۹ ماگھ کو منایا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ ان کے مزار کی بے حرمتی کرنے والے کو سخت سزا ملتی ہے۔

حضرت میاں پناہ بخشؒ

گجرات سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں میانہ کوٹ ہے جہاں کی ایک بزرگ ہستی میاں پناہ بخش ہیں۔ آپ نے اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی بھرپور مخالفت کی۔ آپ عربی فارسی کے جید عالم تھے۔ پورا علاقہ آپ کے علم سے مستفید ہوتا رہا۔ ایک روایت کے مطابق حکومت وقت کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے آپ سے پوچھا کہ کتنی زمین درکار ہے تو آپ نے جواب دیا زمین تو خدا کی ہے تم مجھے کیا دو گے۔

حضرت پیر جعفر شاہؒ

سیّد سید میراں المعروف سید پیر جعفر شاہ کا سلسلہ نسب چھٹے امام جعفر صادق سے جاملتا ہے۔ آپ اپنے بھائی کے ہمراہ عراق سے گجرات تشریف لائے تھے جو کچھ عرصہ بعد جموں وکشمیر چلے گئے جبکہ آپ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اُن کے بھائی کا مزار گاؤں پنجیری میں ہے۔ آپ کا مزار بھی کی پہاڑیوں پر گاؤں بیسا میں ہے۔ مزار کے مجاوروں کا دارومدار زائرین کے نذرانوں سے پورا ہوتا ہے۔

پیر جملے شاہ سرکارؒ

آپ ۱۸۵۲ء میں پیر سید قادر علی شاہؒ گھر پیدا ہوئے۔ آپؒ کے آباؤ اجداد اصفہان نصفِ جہاں سے تشریف لائے۔ صغر سنی ہی میں قرآن مجید حفظ فرما کر دنیاوی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ معاصرین میں ہمیشہ امتیازی کارہائے نمائے سرانجام دیتے ہوئے حکومت برطانیہ کی رائل پولیس میں کمیشن حاصل کیا اور جلد ہی ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ریاست بھوپال میں کمشنر تعینات ہوئے۔ سینے پر ان گنت تمغے سجائے طویل القامت پولیس کمشنر برطانوی حکومت کے لیے خدمات جاری نہ رکھ سکے اور عین عروج میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر منازل سیر وسلوک کے راہی ہوئے۔

متعدد مقامات پر چلہ کشی فرمائی اور فیض روحانیت حاصل کیا، بنگال، برما، مالا بار اور سراندیپ کے جزائر کا دورہ کیا اور ہزاروں گم کردہ راہِ افراد کو جوہر ایمان کی راہ دکھلائی۔ تاجدارِ ولایت ہند خواجہ اجمیرؒ کے آستانے پر حاضر ہوئے اور ریاضت فرمائی۔

آپ نے جہاں سیرت و کردار کے ذریعے روشنی بکھیری وہیں نادر و نایاب تصانیف کے ذریعے بھی قلوب انسانی میں ضیا بخشی۔ آپ نے سورۂ رحمان کی آیہ مبارکہ کی پنجابی زبان میں تفسیر کرتے ہوئے توحید نامہ تحریر فرمایا جس میں انسان کو اس کی حقیقت یاد دلا کر دنیا میں اس کے فرائض واحکامات سے روشناس کر دیا۔ انسان کو عظمت بھری زندگی سے بیدار کر کے ابدی سچائیوں کا راستہ دکھلایا۔ توحید نامہ نہ صرف پنجابی شاعری میں منفرد ہے بلکہ تاریخی واقعات اور پند و نصائح کا بھی خوبصورت مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نعت و میلاد نامہ اور معراج نامہ بھی تحریر فرمایا۔ پنجابی، اردو، فارسی اور عربی زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا جس کا اظہار آپؒ کے کلام سے ہوتا ہے۔ رموز شریعت اور اسرارِ طریقت نہایت خوبصورت انداز میں قلم بند فرمائے۔ آپؒ نے فنافی اللہ اور بقاباللہ کی تعلیم دی ہے۔ اور مقام الوہیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھا ہے جس کا اظہار آپؒ کے صوفیانہ کلام میں ہوتا ہے۔ ۷ جولائی ۱۹۲۴ء کو آپ نے انتقال فرمایا اور اپنے آستانہ کندھانوالہ شریف میں دفن ہوئے۔

بابا جنگو شاہ

(تحریر: ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ)

جنگو شاہ 'سید نہیں' جائے ولادت شادیوال ہے۔ شاہ جی آگ کا الاؤ جلا کر بیٹھتے تھے۔ بعض اوقات گھنٹوں آگ میں گھرے بیٹھے رہتے تھے۔ باہر آتے تھے تو کملی اتار کر دکھلاتے تھے کہ عرش پر خوب بارش ہو رہی ہے، جس سے کملی تر بتر ہو گئی ہے۔ کملی کو نچوڑا جاتا، تو پانی جاری ہو جاتا تھا۔ شاہ جی نے دنیاوی تعلیم اور علم شریعت دونوں حاصل نہیں کیے۔ ان کا شمار ان فقراء میں ہوتا ہے جو شریعت کی پابندیوں سے

Marfat.com

آزاد ہوتے ہیں۔ کسی سے ظواہر شریعت کا تقاضا نہیں کرتے تھے' کسی کو ورد وظیفہ نہیں بتلاتے تھے۔ خود اس کی عادت نہیں تھی۔ جھاڑ پھونک نہیں کرتے تھے' کوئی گنڈا تعویز نہیں دیتے تھے۔ مزاجاً جلالی تھے۔ نذر نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے' کوئی کچھ لے آتا' کھانے پینے والی چیزیں حاضرین کو دے دیتے تھے' نقد روپیہ' کپڑا لتا سامنے رکھتے ہوئے الاؤ میں جھونک دیتے تھے' ملھو کھوکھر میں البتہ گدی نشینوں نے دنیا اپنے گرد سمیٹ لی ہے۔

آگ جلتی ہے اور جلاتی ہے۔ آگ پاک کرتی ہے اور اس طرح دنیاوی چیزوں سے جن کے سبب خود غرضی' دھوکا فریب جنم لیتے ہیں۔ بدی کا رشتہ کاٹنے کی علامت ہے۔ جنگو شاہ صاحب علم بزرگ ہوتے تو یہی سمجھا جاتا کہ اپنے ہاتھ سے' سب کے روبرو' سب چیزیں جو ارادت مند لاتے تھے' جن کو زندہ نذرانہ سمجھ کر قبول کیا جاتا تو پاؤں میں علائق کی زنجیریں ڈالنے سے عبارت ہوتا' جنگو شاہ آگ میں جھونک دیتے تھے۔ آگ انھیں جلا کر بھسم کرتی تو گویا اپنی نظروں کے سامنے ارادت مند دیکھ بھال کر ان کو 'اصلی' قدر و قیمت سے آگاہ ہو سکتے تھے کہ:

صوفیہ کی روایت' ترک دنیا' ترک آخرت' ترک میں یہ پہلا قدم ہے

ہو سکتا ہے کہ آتش کی قدیم روایت کسی نہ کسی طرح سے جنگو شاہ تک پہنچی' یہ روایت تاحال معلوم و موجود ہے۔ کانواں والے کرم الٰہی کی تچی سرکار کے میلہ/عرس کی تقریبات میں نسبتاً اونچی جگہ جگہ چند سلگتی دھکتی آگ کے سامنے بیٹھے دیکھے جا سکتے ہیں۔ عرس میں شریک ارادت مند ''گیلیاں'' لا کر سامنے آگ میں جھونکتے رہتے ہیں۔ میلہ/عرس ختم ہوتا ہے تو باقی ماندہ کوئلے سمیٹ کر یہ فقیر' سروں پر رکھ کر دوسرے میلہ/عرس کو چلے جاتے ہیں۔

قدیم ایرانی حکومت کا بیسواں آباد خوشحال صوبہ' سندھ اور پنجاب کے علاقہ پر مشتمل تھا۔ گندھرہ کا علاقہ بھی اس میں شامل تھا۔ سکندر اعظم' ایرانی دارا کی شکست کے بعد قدرتاً اس علاقہ کا اپنے تئیں مالک تصور کرتا تھا۔ پھر پورس کی شکست کے بعد جلال پور' کلاچور تک کا علاقہ بھی سکندر اعظم کے تابع فرمان ہوا۔ چناب' جہلم کا درمیانی علاقہ جس کی راجدھانی راجہ پورس کا شہر پاٹی کوٹی تھا' ایرانی اثرات سے محفوظ خیال نہیں کیا جا سکتا' ہندوؤں نے بھی آگ کو دیوتا مانا تھا۔ اگنی دیوتا کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ ویدوں میں اگنی دیوتا کی پوجا پاٹ کے سلسلہ میں منتر موجود ہیں۔ سادھو بستیوں سے دور پرے سے جنگل بیابانوں میں آگ جلا کر گیان دھیان میں مصروف رہتے تھے۔ جلتی بلتی مقدس آگ جنگلی جانوروں اور درندوں کو بھی دور پرے رکھنے میں امداد دیتی تھی۔

بہرحال روایت کا ماخذ آریائی یا ایرانی ہندی یا دونوں ہو سکتے ہیں۔ پھر لوگ فوج اسلام میں داخل ہوئی۔ صلحا اور صوفیا نے خانقاہیں وہیں قائم کیں' جہاں پہلے مندر یا مٹھ بنے ہوئے تھے۔ عوام کو اب مسلمان ہو کر وہی آسانیاں حاصل تھیں۔ لوگ تسلسل کے ساتھ پھول بتاشے لاتے تھے اور اس طرح ماتھا ٹیکتے تھے۔ آتش پرستوں کا ایک مرکز کشمیر میں تھا' دوسرا گجرات کے نواحی گاؤں قلعہ دار میں۔ قلعہ دار میں آتش کدے کو دھونی صاحب کہتے تھے۔ جس کی بھاری سنگین گنبد دار عمارت موجود ہے۔ گنبد کے گرداگرد شعلوں کی لپٹی ہوئی زبانیں دور سے نظر آتی ہیں۔ گنبد کے نیچے چبوترے پر آگ دن رات ایک بھاری گیلی کی صورت میں دھکتی رہتی تھی۔

پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل ایک دفعہ آگ بجھی' کشمیر سے مقدس آگ کی چنگاری لا کر آتش کدے کو دوبارہ روشن کیا گیا۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد آتش کدہ ہمیشہ کے لیے سرد ہو گیا۔ اب دھونی صاحب کی ایک زمانہ میں وسیع و عریض عمارت ٹوٹ پھوٹ کی زد میں ہے۔ اس میں مہاجرین آباد ہیں۔

چہار باغ پنجاب میں منشی گنیش داس وڈیرا ایک سادھو کا ذکر کرتا ہے' جسے الاؤ کے سامنے بند آنکھیں کیے بیٹھا' مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دیکھا اور اردگرد کے گاؤں کی جاگیر اس کے نام لکھ دی۔ جب سادھو کی آنکھ کھلی' اس نے کاغذ ہاتھ میں دیکھا تو فوراً اسے آگ میں جھونک دیا۔

اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ ہمیں منزل کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ منزل تک پہنچنے کے راستے بھی بتلائے گئے ہیں مگر ضروری نہیں کہ ایک گاؤں کو صرف ایک راستہ جاتا ہو' سورہ اعراف میں لباس کو ستر پوشی اور زینت کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔ مگر لباس تقویٰ سب سے بہتر ہے۔ ستر پوشی اور زینت کے لیے قیمتی سے قیمتی لباس بے فائدہ ہے' اگر آدمی کا لباس تقویٰ سے آراستہ نہیں' لباس تقویٰ خدائی قوانین کی زندگی کے ہر شعبے کی بجا آوری سے میسر آ سکتا ہے' اوامر و نواہی کو نظر انداز کرنے والے خدائی فیصلہ کے مطابق ننگے ہیں' چند ایک صاحبوں نے پیر صاحب مدظلہ سے فرمائش کی کہ سائیں کرم الٰہی زیارت کے لیے چلیں۔ راہ میں سوال بھی کیا۔ حضرت یہ سائیں صاحب کا رنگ ڈھنگ کیا ہے اور کیسا ہے؟ فرمایا سائیں جی کو اسی روش پر کم و بیش نصف صدی سے دیکھا ہے۔ کسی میلہ یا عرس پر جتنے لوگ دور نزدیک سے جمع ہوتے ہیں اگر منادی کرا کے دوگنی تگنی تعداد اور جمع کر لی جائے اور پھر اعلان کیا جائے' وہ آدمی آگے آئے جس کی کوئی چوری سائیں جی نے کی ہو' یا جس نے سائیں جی کو جھوٹ بولتے دیکھا ہو یا جس کا کوئی پیسہ ٹکا سائیں جی کے ذمہ ہو۔ یا جسے سائیں جی نے دھوکا دیا ہو' وعدہ خلافی کی ہو یا جس کی بہو' بیٹی بیوی پر سائیں جی نے نظر ڈالی ہو...... یقیناً کوئی ایک بھی آگے نہیں آئے گا۔ اب سائیں جی جو بھی پہن لیں جتنا بھی پہن لیں' لباس تقویٰ میں ملبوس ہونے کی باعث ستر پوشی اور زینت سے کماحقہ بہرہ مند ہوں گے۔

Marfat.com

سینکڑوں ہزاروں دیہاتی سادہ سیدھے لوگ سہی، مگر ان کے دلوں پر میری تیری حکومت نہیں۔ وہ جھکتے ہیں تو ان کے قدموں پر، حاضری دیتے ہیں تو ان کے درگاہوں پر، میلوں ٹھیلوں میں آتے ہیں تو ان کے...... آپ ان سے بلاشبہ سوال کریں کہ کپڑے کیوں نہیں پہنتے۔ اس کے جواب میں وہ کچھ کہیں گے۔ مگر دو سوال کریں گے کہ تم کپڑے کیوں پہنتے ہو؟ اس سے کیا فائدہ ہے اور وہ فائدہ بغیر تقوی کیسے حاصل ہو سکتا ہے تو اس کا کوئی جواب بہر صورت آپ کے پاس ہونا چاہئے۔ آگ نورِ خدا ہے، مظہر نورِ خدا ہے بلکہ اس سے بھی سوا آگ سے موسیٰ علیہ السلام نے آواز سنی، انا ربکم الاعلیٰ۔

علما و صلحا اور صوفیا سے خانقاہی نظام میں خواہ عراق، ایران، افغانستان یا ہندوستان میں، صرف کم ذاتیوں کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ اللہ والوں کے کردار سے جو ان کی کرامات تھا، متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ پھر کسی آوارہ گھومتے گھامتے چھوٹے ستارہ کی طرح بڑے ستارے کے گرد اگرد گھومتے رہے۔ ان کا دائرہ اثر تاثیر سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ نہ وہ ممکن بنانا چاہتے تھے۔

جنگو شاہ جی کے معلوم نہیں کس بڑے نے کس اللہ والے کی زبان سے لباس' لباس تقویٰ وخیر کی تشریح و تفسیر سنی اور سن کر لاشعور کی گہرائیوں سے جہاں معنی و مطالب اتر گئے تھے، اخلاف کو منتقل کرنے کے بعد رخصت ہوئے۔ پھر قانون وراثت کی مطابقت میں معانی و مطالب کو ہم نے یکبارگی پورے جوش و جذبہ کے ساتھ جنگو شاہ کی شکل میں جلوہ فرما دیکھا۔ یہ بات ایسی نہ سہی جیسے ۲+۲=۴۔ بہر حال ایک دعوتِ فکر ضرور ہے۔

سرکار جنگو شاہ کا پہلا مرید ہزارہ گاؤں کے پھلو شاہ تھے...... جلال پور کے قریب جانگا نوالی گاؤں کے بڑے چوہدری پیراں دتہ کے کنگ، وسیع زرعی اراضی کے مالک کے ۳ بیٹے مولا داد، حاکم اور فتح علی تھے۔ فتح علی جوان، خوبرو، زور آور، دھنی مغلاں میں شادی شدہ تھا۔ فتح علی عبداللہ نائی کی معیت میں جو گھوڑی کے ساتھ حقہ اٹھائے چل رہا تھا، کسی شادی میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ اس کی نظر پھلو شاہ پر پڑی۔ خیال آیا، خاصا سوانگ رچا رکھا ہے۔ یہ سوچ کر ایڑی لگا کر جلد از جلد قریب سے گزر جانا چاہتا تھا کہ زمین نے سواری کے قدم تھام لیے۔ شاہ جی نے سر اٹھایا۔ اسی وقت فتح علی گھوڑی سے اترا۔ لباس' طرہ دار پگڑی، جوتوں سمیت اتار کر سب آگ میں جھونک دیا...... عبداللہ نائی نے ادھر اطلاع دی۔ سب دست بستہ حاضر ہوئے۔ کہا' فتح علی جاتا ہے تو لے جاؤ۔ مگر فتح علی نے نہ جانا تھا نہ گیا۔

جیہڑا سانوں سیدّ آکھے دوزخ ملن سزائیں
جیہڑا سانوں رائیں آکھے جنت پینگھاں پائیاں

جنگو شاہ جی کے عرس رمیلہ کی تقریباً ۴ مقامات ویرو وال، ملہو کھوکھر، ہزارہ مغلاں اور کوٹ فتح شاہ پر ہوتی ہیں۔ ویرو وال ۴۔ کاتک، ملہو کھوکھر ۵ رکاتک' ہزارہ مغلاں اسوج کی چوتھی اور کوٹ فتح شاہ پور کی ۲۵ تاریخ پر ہوتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ طالب محمد حسین عید بقرعید کا میلہ دیکھنے "گجرات" آنا چاہتا تھا۔ سنا تو کہا کہ عید بقرعید کے دنوں میلے ملہو کھوکھر ہوا کریں۔ میلہ رعرس کے جملہ لوازمات موجود ہوتے ہیں۔ خاصی بھاری تعداد میں دور نزدیک سے دیہاتی شریک ہوتے ہیں۔ انتظامات کچھ ایسے خاص نہیں ہوتے۔ شرکاء ادھر ادھر ٹھہر جاتے ہیں۔ کسی عزیز کے گھر جگہ نہ ملے تو کھلے میدان میں چاروں طرف عورتیں مرد ملے جلے، آسمان تلے شب بسری کرتے ہیں۔ الاؤ جلائے جاتے ہیں، لنگر تقسیم ہوتا ہے۔ قوالی ہوتی ہے۔ عرس ر میلہ پر آنے والے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ جس کا وہی انداز ہے کہ طواف مزار کے بعد چوکھٹ پر سر جھکاتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں۔

روضہ کی عمارت ڈھے گئی تھی، جس کی تعمیر از سرِ نو کی جا رہی ہے۔ مسجد اور ڈیرہ دواڑے کی طغیانیوں کی زد میں رہے ہیں۔ جو رفتہ رفتہ سب کچھ بہا کر لے گئی ہیں۔ مسجد صرف گاؤں میں ہے' جہاں گاؤں والے نمازیں پڑھتے ہیں۔ میلے رعرس کے شرکا نمازیں کم پڑھتے ہیں۔

جنگو شاہ جی نے شادی نہیں کی۔ ان کا بھائی مہر عیسیٰ نامی تھا جو صاحب اولاد ہوا۔ اسی کی اولاد میں مائی بیگم جسے گجرات میں مائی بھورے والی کہتے ہیں۔ چند ایک سال گزرے گجرات کا چکر لگایا کرتی تھیں۔

چھپے داگڑھا

تحصیل کھاریاں میں ایک جگہ "چھپے داگڑھا" ہے جہاں کوڑھ اور چنبل کے مریض تین اتوار حاضری دے کر متاثرہ جگہ پر خانقاہ کی مٹی ملیں تو شفایاب ہونے کا عقیدہ ہے۔ اسی طرح موضع سدگھال تحصیل کھاریاں میں حضرت باوا ولی داد کا مزار ہے جہاں خارش کے مریضوں کو تین جمعرات حاضری دینا پڑتی ہے۔ یہاں کا چڑھاوا باجرا یا گندم کی گھنگنیاں (اُبلی ہوئی گندم) ہے۔

حضرت بابا جیوے شاہؒ

آپ کا مزار رانیوال سیداں کے مشرق کی طرف سڑک کے قریب ہے۔ آپ کا زمانہ تقریباً دو سو سال پہلے کا ہے۔ روایت کے مطابق آپ خواص پورے

Marfat.com

تشریف لائے تھے۔ ہاڑ کی دوسری سوموار اور ۱۴ ماگھ اتوار کو عرس اور میلہ منعقد کیا جاتا ہے۔

حافظ حیات

کوٹ امیر حسین اور چودووال کے قریب حافظ حیات کی خانقاہ ہے جو احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں بڑے کامل ولی اللہ گزرے ہیں۔ آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ مغل دور میں دہلی سے وزیرآباد تشریف لائے تھے۔ آپ کی ملاقات اس دور کے ولی کامل حضرت باقی شاہ سے ہوئی تو انھوں نے آپ کو دریا پار کر کے راجا کلدھوی کے قلعہ پر جا بسنے کو کہا۔ ایک روایت کے مطابق بادشاہ جہانگیر کشمیر جاتے ہوئے یہاں ٹھہرا تو اس نے حافظ حیات سے اپنے ساتھیوں اور ملازموں کے کھانے کا انتظام کرنے کا کہا۔ بہترین انتظام کی بدولت اس نے آپ کو کئی ایکٹر زمین الاٹ کردی۔ اس نے ان زمینوں کا ٹیکس بھی معاف کر دیا۔ آپ کی وفات ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ آپ کے مریدین کافی تعداد میں آج بھی موجود ہیں۔ ۱۹ محرم کو ہر سال یہاں میلہ لگتا ہے۔ یونیورسٹی آف گجرات کا حافظ حیات کیمپس انھی سے منسوب ہے۔

حضرت حسن عالم نوشہ المعروف کوٹھے والی سرکارؒ

حضرت حسن عالم نوشہ المعروف کوٹھے والی سرکار' کوٹ نکہ میں مدفون ہیں۔ روایت کے مطابق آپ کا یہ نام اس لیے پڑا کہ شہر رسول نگر میں آپ کے بزرگوں کا چوبارہ تھا اور آپ اوپر والی چھت پر رہتے تھے۔ اس لیے کوٹھے کے اوپر رہنے کی وجہ سے کوٹھے والی سرکار کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ انیسویں صدی کے آغاز میں کوٹ نکہ تشریف لائے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کے ڈیرے پر ہندو اور سکھ اور دیگر غیر مسلم برابر حاضری دیا کرتے تھے۔ آپ کا سن وفات ۱۹۹۸ بکرمی ہے۔ آپ کا مزار نمل شریف میں ہے۔ یہاں کوٹ نکہ میں آپ کا بھورا اور کھونڈی کو عقیدت مندوں نے آپ کی یہاں سے نقل مکانی کے بعد دفن کیا اور بطور عقیدت ہر سال ماگھ کی ۱۸ تاریخ عرس منایا جاتا ہے۔ آپ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔

شاہ جہانگیر کا میلہ

گجرات شہر سے جلال پور جٹاں کی طرف جاتے ہوئے تقریباً اڑھائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ''بولہ'' ہے۔ یہاں ہاڑ کی پہلی جمعرات کو شاہ جہانگیر کا میلہ منعقد ہوتا ہے۔ یہ میلہ دراصل ایک خانقاہ پر ہوتا ہے جسے جہانگیر کی خانقاہ کہتے ہیں۔ یہ خانقاہ ایک حویلی کے اندر واقع ہے جہاں کچھ لوگ بھی رہائش پذیر ہیں۔ مزار سے کچھ فاصلہ پر ایک پرانی اور غیر آباد مسجد ہے' جو مغلیہ دور کی معلوم ہوتی ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ جہانگیر ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے' جو شاہ دولہ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ جب شہنشاہ جہانگیر کشمیر جا رہا تھا تو راستہ میں فوت ہو گیا۔ لاش کو لاہور لے جانے سے پہلے اس مقام پر رکھ کر چاک کر کے اس میں مسالے بھر دیے گئے تا کہ لاہور تک پہنچتے خراب نہ ہو جائے۔ چنانچہ جہانگیر کے مردہ جسم میں سے جو کچھ نکالا گیا اسے یہاں دفن کر کے احترام کے طور پر ایک قبر بنادی گئی۔ اور ایک چھوٹا سا روضہ بھی بنایا گیا جسے باقاعدہ مزار کی شکل دے کر اسے تقدس کا درجہ دے دیا گیا۔

میلہ کے موقع پر یہاں دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ دیہاتیوں کی کثیر تعداد میلے میں شریک ہوتی ہے اور مزار پر چڑھاوے چڑھاتی ہے۔ قوالیاں ہوتی ہیں' تھیٹر لگتے ہیں' کشتیوں اور کبڈی کے مقابلے ہوتے ہیں۔ زائرین میں لنگر بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔

سائیں حسن محمد المعروف سائیں گائیڈ بادشاہ

حسن محمد گجرات کے ایک نواحی گاؤں گورالہ میں چودھری جلال دین ورک کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ نے پرائمری تعلیم اپنے علاقہ سے حاصل کی جبکہ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ زمیندار ہائی سکول گجرات سے پاس کیا۔ دسویں جماعت پاس کر کے حسن محمد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ پانچ سال کے بعد آپ کی ملاقات ایک ولی اللہ سے ہوئی جو سائیں بھاگ کے نام سے مشہور تھے۔ وہ راولپنڈی کے راجہ بازار میں گندے نالے کے کنارے بیٹھا کرتے تھے۔ سائیں بھاگ کا اصل نام پیر فضل داد اعوان تھا' پہلی ملاقات میں ہی سائیں بھاگ نے آپ پر نظر کرم ڈالی' آپ مسلسل دو سال تک ان کے پاس مقیم رہے پھر چند سال بری امام ڈب کھڑی بازار پشاور میں گزارے۔ اس کے بعد سائیں بھاگ کے پاس واپس تشریف لائے۔ انھوں نے سائیں گائیڈ کو حکم دیا کہ تم گجرات شہر کے محلہ فتو پورہ میں سائیں عبدالرحیم کے پاس چلے جاؤ اور وہاں سے کاغذ حاصل کرو۔ سائیں گائیڈ بادشاہ ۲۰ مئی ۱۹۹۸ء کو جمعرات کے دن خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی وفات اپنے آبائی گاؤں گورالہ میں ہوئی۔ ۹ جیٹھ کو سائیں صاحب کو اپنے حصے کی زمین پر دفن کر دیا گیا۔ سائیں گائیڈ بادشاہ کا سالانہ عرس انتہائی عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے جس میں مریدین دور دور سے

Marfat.com

شرکت کر کے روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔ موجودہ سجادہ نشین صاحبزادہ محمد صدیق اور صاحبزادہ محمد ادریس ہیں۔

میاں خدا بخش نوشاہی کا عرس

کوٹلہ ارباب علی خان سے مشرق کی جانب چند میل کے فاصلہ پر پنڈی اوان میں حضرت میاں خدا بخش نوشاہی سچیاری کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے جہاں ہر سال ہاڑ کے مہینے میں عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں عقیدت مند شریک ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ دولہ دریائیؒ

بے اولاد لوگ یہاں آ کر منت مانتے ہیں کہ پہلا بچہ اگر پیدا ہوا تو دربار کی نذر کیا جائے گا۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو عموماً چھوٹے سر والا ہوتا ہے جسے ''شاہ دولہ کا چوہا'' کہتے ہیں۔ یہ بچہ دربار کے حوالے کرنا پڑتا ہے۔ جو بچہ نہ دینا چاہے وہ چاندی وغیرہ دھات کا بت بنا کر علامت کے طور پر دربار کی نذر کرتے ہیں۔ مظہر الاسلام کے خیال میں ''اگر غور کیا جائے تو اس بات میں روحانی عمل کے علاوہ عقلی سطح پر بھی دلیل اور استدلال موجود ہے۔ آپ ویسے بھی کسی حاملہ عورت کے کمرے میں خوبصورت بچے یا کسی حبشی کی تصویر لگا دیں تو اس عورت کے ہاں پیدا ہونے والے بچے پر ان تصاویر کا شائبہ ضرور پڑے گا لہٰذا جب عورتیں شاہ دولہ کے مزار پر منت مانتی ہیں تو ذہنی طور پر اس بات کو قبول کر لیتی ہیں کہ ان کا پہلا بچہ چوہا ہوگا۔ لہٰذا اسی نفسیاتی عمل کے تحت عورتوں کے ہاں پہلا بچہ چوہے کی شکل کا ہوتا ہے۔''

پاکستان بلکہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں چھوٹے چھوٹے سروں والے مخبوط الحواس گداگر کس نے نہیں ہوں گے۔ ان ہی میں سے اکثر سر منڈے ہوئے' گلے میں بڑے بڑے موتیوں کی مالا' ہاتھ میں کڑے' منہ سے رال اور تھوک بہتا ہوا کسی نہ کسی پیشہ ور فقیر کے ساتھ مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ شاہ دولہ کے چوہے کہلاتے ہیں۔

شاہ دولہ پنجاب کے بزرگوں میں ممتاز شخصیت کے حامل تھے۔ آپ افغانوں کے لودھی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور مشہور پٹھان بادشاہ ابراہیم لودھی کی اولاد میں تھے۔ ۱۵۸۱ء میں عبدالرحیم خان کے گھر پیدا ہوئے۔ پیدائش کے پہلے سال ہی والد کا انتقال ہو گیا تو والدہ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مگر اس باہمت خاتون نے ہمت نہ ہاری اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے محنت مزدوری کر کے اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کی۔ ۱۵۹۰ء میں والدہ بھی انتقال کر گئیں۔ اب دنیا میں ان کا کوئی نگران اور سرپرست نہیں تھا۔ بچپن کا زمانہ تھا' ابھی شعور بھی اتنا زیادہ نہ تھا اس لیے انھوں نے گداگری شروع کر دی۔ ایک روز مانگتے کھاتے سیالکوٹ کی طرف نکل گئے۔ وہاں آپ کی ملاقات ایک متمول شخص سے ہوئی جس کا نام مہتہ کیمان تھا۔ مہتہ بے اولاد تھا اور اس کی تمنا تھی کہ کوئی یتیم بچہ اسے مل جائے جسے وہ گود لے لے۔ اس نے حضرت شاہ دولہؒ سے گفتگو کی اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس پریشان حال اور ستم رسیدہ بچے کے ماں اور باپ دونوں وفات پا چکے ہیں تو اس نے آپ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ بعض روایات کے مطابق سیالکوٹ کے ایک شخص گھماوڈیرا کے ہاں ملازم ہو گئے۔

اب حضرت شاہ دولہ کے دن پھر گئے اور وہ آرام و آسائش کی زندگی گزارنے لگے۔ سیالکوٹ کے اس رئیس کے یہاں حضرت شاہ دولہ نے اس پاک بازی اور نیک نامی سے وقت گزارا کہ شہر کے لوگوں میں ان کی شرافت نفس اور معقولیت کا ہر طرف چرچا ہونے لگا۔ ان کی شہرت اور نیک نامی سے متاثر ہو کر سیالکوٹ کے اس متمول خاندان کے سربراہ نے جسے قانون گویوں کا خاندان کہتے ہیں' اپنے مال خانے کا مہتمم مقرر کر دیا۔ اس جگہ آپ زیادہ عرصے تک کام نہ کر سکے اور قانون گویوں کے ساتھ آپ کا اختلاف ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے ان کی ملازمت چھوڑ کر سیالکوٹ کے ایک قصبے سنگروہی میں اقامت گزیں ہو گئے۔ یہاں آپ کی ملاقات ایک مجذوب بزرگ حضرت شاہ سرمست سے ہوئی۔ حضرت سرمست کی توجہ سے آپ کے اندر ایک ایسی آگ روشنی ہو گئی جس نے غیر اللہ کو جلا کر خاک کر دیا۔ حضرت شاہ دولہ کا یہ زمانہ ظاہری لحاظ سے بہت تکلیف کا تھا۔ اس زمانے میں سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر ہو رہا تھا اور پرانے زمانے کی عمارتوں میں سے اینٹیں نکال نکال کر اس قلعے میں لگائی جا رہی تھیں۔ آپ بھی اس مشقت طلب کام میں شریک ہو گئے۔ دن بھر اینٹیں کھودتے اور جو کچھ اجرت ملتی اس سے کھانے پینے کی اشیاء خرید کر خود ہی کھانا تیار کرتے اور اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کر دیتے۔

حضرت شاہ دولہ نے اس انداز سے بارہ سال گزار دیے۔ جب بارہ سال ختم ہونے لگے تو حضرت شاہ مست بیمار ہو گئے اور جب بیماری نے بہت شدت اختیار کر لی تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ کسی کو خرقۂ خلافت عطا کر دیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک مرید خاص ''موکو'' کو آواز دی۔ اس وقت موکو موجود نہیں تھا بلکہ حضرت شاہ دولہ خدمت میں حاضر تھے۔ چنانچہ آپ نے عرض کی کہ ''موکو' نہیں ہے۔ پوچھا کون ہے۔ عرض کیا ''دولہ'' فرمایا نہیں ''موکو'' کو بلاؤ۔ آپ نے پھر عرض کی کہ موکو نہیں ہے' میں دولہ حاضر ہوں۔ تیسری بار پھر فرمایا کہ موکو کو بلاؤ حضرت شاہ دولہ نے پھر عرض کیا

Marfat.com

کہ ''موکو'' تو موجود نہیں ہے۔ میں دولہ حاضر خدمت ہوں۔ یہ سن کر حضرت سرمست لیٹے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ''خدا جسے چاہے اس کو دیتا ہے''۔ یہ کہا اور اپنی چادر شاہ دولہ کو اُڑھا دی۔

مرشد کے انتقال کے بعد آپ سیالکوٹ سے گجرات چلے آئے اور یہیں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لی۔ گجرات میں آ کر آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگ اطراف و جوانب سے کھنچ کھنچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ کے مریدوں کا دائرہ روز بروز بڑھنے لگا اور ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ جہانگیر کا عہد حکومت تھا۔ ہوتے ہوتے اسے بھی حضرت شاہ دولہ کی مقبولیت کی خبر پہنچ گئی۔ کیا تعجب ہے کہ لوگوں نے اس کے کان بھرے ہوں کہ اس شخص سے بغاوت کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کو اپنے حضور طلب کیا اور ان سے مختلف سوالات کیے۔ پھر نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ انھیں رخصت کیا۔ چلتے وقت دو ہزار اشرفیاں بھی آپ کی نذر کیں۔ آپ نے باہر آ کر وہ ساری اشرفیاں خیرات کر دیں۔ اس کے بعد ایک اور موقع پر جہانگیر نے پانچ ہزار بیگھہ زمین آپ کی نذر کرنی چاہی مگر آپ کی غیر فقیر نے بادشاہ کا احسان لینا گوارا نہ کیا اور اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

باوجود یہ کہ حضرت شاہ دولہ دریائی نے کبھی شاہی امداد قبول نہ کی مگر اس کے باوجود آپ کے پاس روپیہ کی فراوانی رہی اور اس روپیہ سے آپ نے رفاہ عامہ کے بہت سے کام کیے۔ متعدد پل، تالاب اور مسجدیں آپ کی یادگار ہیں۔ آپ ایک فقیر خدا شناس ہونے کے ساتھ ساتھ فن تعمیر کے بہت بڑے ماہر بھی تھے۔ نالہ ڈیک کا پل حضرت شاہ دولہ نے تعمیر کرایا تھا۔

۹۵ سال کی عمر میں ۱۶۷۶ء میں یہ درویش خدا شناس اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔ آپ کا مزار گجرات میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت شاہ دولہ دریائی (تحریر: ریاض مفتی)

شاہ دولہ گجراتی (پنجابی) کا سلسلہ نسب شاہ بہلول لودھی سے ملتا ہے۔ منشی گنیش داس ''صاحب نامہ'' میں لکھتے ہیں:

شاہ دولہ دریائی مرید سید اسرمست در اصل از قوم افغاناں بود۔

لیکن ان کے مزار کے بیرونی دروازہ پر ان کا نام سید کبیر الدین شاہ دولہ دریائی گجراتی تحریر ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش کسی تذکرے سے دستیاب نہیں ہو سکی۔ بہر حال آپ گجرات ہی میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے داغ یتیمی نصیب میں تھا۔ غلام بنا لیے گئے اور ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دیے گئے۔

غلام زر خرید مہتا کھیم کرن معروف کھیما خلف بردار داس بڈہرہ ساکن سیالکوٹ بود۔ (حاشیہ صاحب نامہ ص ۱۶۰/الف)

کچھ مدت بعد انھیں آزاد کر دیا گیا۔ پھر وہ وڈہرہ کھتریوں کے ملازم ہو گئے۔ انھیں کا مال مویشی چراتے تھے۔ انھیں دنوں سیالکوٹ میں ایک درویش (جن کا مزار سیالکوٹ مشن ہائی سکول کے ہوسٹل کے مغرب میں ہے) شاہ سیدا سرمست تشریف لائے اور وہیں کھتریوں کے طویلے کے پاس ڈیرہ جمایا۔ کنواں خود چل کر پیاسے کے پاس پہنچا تھا۔ ''دولہ'' سرمست کے مرید ہو گئے۔ اور تقریباً ایک سو سال (؟) تک ان کی خدمت کی۔ شیخ کا آخری وقت قریب آیا۔ دولہ اس زمانہ میں ''گولہ'' (غلام) کہلاتے تھے۔ سرمست کا ایک اور غلام دولہ نامی تھا۔ صاحب سلیم التواریخ کہتے ہیں۔ ''شیخ نے اسے آواز دی 'دولہ' ہے؟ جواب دیا! جی گولہ ہے۔ کہا ''ضرورت نہیں''، تھوڑی دیر بعد شیخ نے وہی سوال دہرایا۔ اور وہی جواب پایا۔ فرمایا۔

ہر کرا بد مولا از گولہ شاہ دولہ گردد۔''

اسی دن سے یہ شاہ دولہ ہو گئے اور گجرات تشریف لائے۔ منشی گنیش داس لکھتے ہیں:

''چوں زبدۃ الاولیاء شاہ دولہ از سیالکوٹ آمدہ در گجرات اقامت نمود۔ و تالاب و چاہ و مساجد و پل احداث کرد۔ موجب از دیاد آبادی گشت۔

شجرہ مرشدی ان کا حسب ذیل ہے:

شاہ دولہ گجراتی۔ شاہ سیدا سرمست۔ شاہ موزنگا۔ شاہ کبیر۔ شیخ شہر اللہ۔ شیخ یوسف۔ پیر برہان الدین۔ شیخ صدر الدین۔ شیخ بدر الدین۔ شیخ اسماعیل قریشی۔ شاہ صدر الدین۔ راجن قتال۔ شیخ رکن العالم رکن الدین ابو الفتح ملتانی۔ شیخ صدر الدین عارف۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی۔

میرزا اعظم بیگ لاہوری تاریخ گجرات میں لکھتے ہیں:

''ان کو تعمیر عمارات کا بہت شوق تھا۔ خصوصاً عمارات سفید عام مثل پل، چاہ، تالاب اکثر مواقع پر بنوایا کرتے تھے۔ چنانچہ راستہ لاہور پر پل شاہ دولہ صاحب کے پائے جاتے ہیں۔ اور گجرات میں اب تک ایک پل محاذ شرقی، قلعہ کی شرقی فصیل کے بیرونی دروازے سے شاہ دولہ گیٹ کے بالکل سامنے اس خندق پر موجود ہے جہاں آج کل گندہ نالہ بہتا ہے اور ان دنوں دریا کا شفاف پانی شہر کی حفاظت کیا کرتا

Marfat.com

تھا''۔

اس پل کی مرمت سرکار انگریزی نے کی تھی۔ میرزا اعظم بیگ کی تحقیق کے مطابق ایک مسجد اور ایک تالاب پختہ جانب شرق اس شہر کے اب تک موجود ہے۔ اب صرف مسجد کا محراب اور کئی زینہ تالاب کے نشان باقی ہیں...... تاریخ گجرات ۱۸۶۷ء میں تقریباً سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ ''اب'' سے مراد ۱۸۶۷ء ہے ۱۹۶۷ء نہیں ہے۔

> سیالکوٹ شہر میں شاہ سرمست کا پختہ مزار خانقاہ کی فصیل، خانقاہ امام علی الحق اور مزارات جو گرد خانقاص موصوف بہ عمارت پختہ ہیں۔ انھی شاہ دولہ گجراتی کے بنوائے ہوئے ہیں۔ (سلیم التواریخ ص ۴۰۱)

> خزینۃ الاصفیاج ۲ ص ۲۲ پر ان کے حالات زندگی اور معمولات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

> ابواب فتوحات باطنی وظاہری بروئے مفتوح گشتند۔ خوارق و کرامات بے حساب از وے بظہور می آمدند و خلقے کثیر از حاجت مندانِ دنیا و عقبٰی بخدمت دے حاضر آمدند۔ بمرادات خود میرسیدند۔ سباع و طیور چوں شاہین و باز شیر و چنگ بسیار در سرکار دے می بودند ودے دست بر خزانہ غیب داشت۔ زر نقد بیشمار و بے حساب خرچ میکرد۔ و مساکین رامی داد و لنگر ہائے پیہم جاری می کرد و عمارات عالی از قسم چاہ و سرائے و پل و مسجد تعمیر می فرمود۔ چنانچہ عمارات دے در گجرات و سیالکوٹ تا حال یادگار دے باقی اند۔ سرکار دے مثل سرکار امرأ و ملوک بودے۔ استغراق دوام شہود حقانی داشت، اکثر اوقات از ماسوائے اللہ بے خبر می بود۔ و سر در مراقبہ می داشت، و باوجود تعلق بسیار مجرد بودے۔ غرض از مشائخ متاخرین فتوحاتیکہ اورا در عالم ظاہر و باطن حاصل شدا حدے را از مشائخ کرام میسر نہ گردید۔ دہر چہ از خیر و شر از زبانش برآمدے ہم چناں بظہور رسیدے۔ دتیرے دعاہائے دے گاہے از نشانہ خطا نہ رفت۔ و در سماع و وجد توجہ و غلوے تمام داشت۔ مجلس عالی گاہی از سماع خالی نہ بودے۔ وقتے حاسدان و ملایان خشک بروے محضرے نوشتند و دو سر ایذائے دے گشتند۔ شاہ جہان بادشاہ کہ حاک بے تعصب بود۔ تن یا زیدئے دے درنداد۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ دولہ ایک مجذوب بزرگ تھے۔ جانوروں سے محبت کرتے تھے۔ غیر کے خزانوں پر ان کا تصرف تھا۔ عمارتوں کا شوق تھا۔ مسافروں، غریبوں، مسکینوں کے لیے انھوں نے لنگر جاری کر رکھا تھا۔ سہروردی سلسلہ سے تعلق کے باوجود چشتیہ معمولات (سماع) پر حامل تھے۔ شاہ جہان ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ سب باتوں کا ذکر تو موجود ہے مگر بچوں کے چڑھاوے کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ دراصل مائی کرد سفالی' (چھوٹا سر ہونا) ایک بیماری ہے جو ماں کے پیٹ میں بچہ کو لاحق ہو جاتی ہے۔ پیدا ہونے والا بچہ کوتاہ سر، گنگ اور مخبوط الحواس ہوتا ہے۔ اندھے لنگڑے اپاہج بچوں کو ایک بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے انھیں مسجد میں قرآن یا فقہ اسلامی پڑھنے کے لیے بٹھلا دیتے ہیں۔ گونگے مخبوط الحواس بچوں کو تو ملاں بھی قبول نہیں کر سکتے۔ ان بچوں کے لیے شاہ دولہ کی خانقاہ جائے پناہ ہو سکتی تھی۔ جہاں انھیں کم از کم دو وقت کی روٹی تو میسر آ سکتی تھی۔ اس وقت سے یہ رواج چل نکلا۔ پھر آدمی نے آدمی کو بھینٹ مان کر اسے گداگر بنا دیا...... ''شادہ دولہ کے چوہے'' گلیوں بازاروں میں بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ میرزا محمد اختر دہلوی نے تذکرۃ اولیائے ہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۷-۲۶۸ پر لکھا ہے:

> شاہ دولہ اگر کسی کے واسطے دعائے فرزند کرتے تو اس سے اقرار فرما لیتے کہ جو پہلا لڑکا ہو گا۔ وہ میری نذر، تجھ کو اللہ اور دے گا''۔

اس کی تائید مقابیس المجالس صفحہ ۴۴۹ سے بھی ہوتی ہے۔

لیکن میرزا محمد اختر نے اس کا مآخذ نہیں بتلایا ہے۔ گجرات میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ ماں باپ کا پہلا بچہ جو حضرت شاہ دولہ کے مزار پر دعا کا پھل ہوتا ہے۔ جب ان کے مزار پر چڑھا دیا جاتا ہے تو حضرت مجاور اس کے سر پر لوہے کا کڑا چڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ ''چوہا'' بن جاتا ہے۔ مگر اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

شاہ دولہ نے اکبری، جہانگیری اور شاہ جہانی تینوں عہد دیکھے یعنی ۹۲۳ھ سے ۱۰۶۸ھ تک شاہ دولہ نے اورنگ زیب کا عہد بھی دیکھا۔ اورنگ زیب حقیقتِ گلزار صابری کے مطابق ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور شاہ دولہ کی وفات ۱۰۷۵ھ میں ہوئی۔ اورنگ زیب کی بیگم راج محل شاہ دولہ کی مرید ہوئی۔ راج محل کا انتقال

Marfat.com

۱۱۲۱ھ میں ہوا۔ اور اسے بیگم پورہ شاہی مسجد کے احاطے میں دفن کیا گیا۔ مسجد و قبر اب تک موجود ہیں۔ شاہین کے ایک شمارے میں مسجد بیگم پورہ کے عنوان سے ایک مقالہ تحقیقی شائع ہو چکا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں شاہ دولہ کا قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

چو شاہ دولہ ولی باعزت وجاہ
کہ ز دنیا رفت در فردوس شاداں!
بسر در شد ندند تاریخ سالش
کہ شاہنشاہ دولہ قطب دوراں

مقامات محمود اور تاریخ گجرات میں مادۂ تاریخ کی یہ بیت درج ہے:

سر خل آں عارف حق گزیدہ بگولہ شاہ دولہ بجنت رسیدہ (۱۰۸۵ھ)

تذکرۂ اولیائے ہند جلد سوم اور تحفۃ الابرار جلد چہارم میں مادۂ تاریخ ہے:

''خدادوست'' (۱۰۷۵ھ)

صاحب نامہ میں منشی گنیش داس لکھتے ہیں:

''بتاریخ یک ہزار و ہشتاد وشش ہجری ۱۰۸۶ ہژدم عالمگیری شاہ دولہ حلت فرمائے عالم بقا شد۔ و مزارش زیارت گاہ مردم شد''۔

حضرت شاہ دولہ کے مزار پر تاریخ وفات کے سلسلہ میں یہ بیت رقم ہے:

بتوحید آں عارف حق گزیدہ بگو شاہ دولہ بجنت رسیدہ (۱۰۷۵ھ)

صاحب تاریخ لکھتے ہیں:

مزار جانب شرق شہر بفاصلہ پنجاہ کرم بعمارت پختہ چونہ گچ اندر ایک احاطہ پختہ اور ایک مسجد پختہ مزار کے جنوب کو ہے۔ اور گرد و نواح خانقاہ کے خدمت گزاران خانقاہ آباد ہیں۔ اس آبادی کا نام گڑھی شاہ دولہ ہے......

تذکرہ اولیائے ہند ص ۱۶۷ و خزینۃ الاصفیا' ج ۲ ص ۲۲ میں ہے کہ:

''شاہ دولہ ساری عمر مجرد رہے''

مگر منشی گنیش داس صاحب نامہ میں صفحہ ۱۶۰۔ الف پر لکھتے ہیں:

''خلف الصدق او (شاہد ولہ دریائی) معرفت آگاہ بہاون شاہ ولی زیب سجادہ بود۔ بتاریخ یک ہزار و یک صد ہفت ہجری بحق پیوست حضرت بہاون شاہ را پنج پسر از دو زوجہ تولد سعادت یافتند۔ از اہلیہ اول مراد بخش و کام بخش و از زوجہ ثانی سہ فرزند ایزو بخش حیات بخش و کرم بخش ایں ہمہ تن چوں پنج پیر فیض بخش صغیر و کبیر بودند۔

صاحب سلیم التواریخ لکھتا ہے کہ:

''مجاورین شاہ دولہ کی اولاد نہیں'
ان کے خلیفہ کی اولاد ہیں......''

مقامات محمود کے مؤلف نواب معشوق یار جنگ بہادر ص ۳۲۹ پر ایک روایت چوہدری الہٰ دین کی زبانی آوان شریف کے قاضی حضرت سلطان محمود کی طرف منسوب کرتے ہیں:

حضرت شاہ دولہ کا نام کبیر الدین
گجراتی تھا اور سید تھے۔ آپ
بغداد سے تشریف لائے تھے۔
اور غوث اعظم کے خلیفہ تھے۔

مفتی احمد یار خاں صاحب نے بھی درس القرآن کے دیباچہ میں انھیں غوث اعظم کا خلیفہ لکھا ہے اور ان کی عمر ساڑھے چھ سو سال بتلائی ہے۔ مگر یہ شاہ دولہ گجراتی کاٹھیاواڑی ہیں۔ ''تحفۃ الارواح کے مصنف (بحوالہ حقیقت گلزار صابری ص ۷۶، ص ۴۲۷)

تذکرۂ اولیائے ہند ج ۳ ص ۱۲ پر غوث الاعظم کے خلفاء کی فہرست موجود ہے۔ اس میں شاہ دولہ گجراتی پنجابی کا ذکر نہیں ہے۔ غوث الاعظم کے پندرہ خلفاء کے نام یہ لکھے ہیں: شاہ ابو عمر قریشی بن مرزوق، شیخ قصیب البان موصلی، شیخ احمد بن مبارک بغدادی، شیخ ابوسعید قیلوی، شیخ صدقہ بغدادی، شیخ عمر صیر فی، شیخ محمد الاوانی، شیخ ابوسعید بن شبلی، شیخ حیات، شیخ ابو موید مغربی شعیب، شیخ موفق الدین المقدی، شیخ صدر الدین قونیوی، شہاب الدین سہروردی، سید احمد رفاعی، شیخ شمس الدین، علی حداد بن عمر بغدادی۔

حاجی رحمت علی سرکارؒ

آپ کی ولادت ۱۹ دسمبر ۱۹۲۴ء بروز جمعہ صوفی فتح علی کے گھر گاؤں نارووالی میں ہوئی۔ آپ کے والد نیک سیرت' پابند شریعت' متقی' شب بیدار' عاشق رسول بلکہ اکثر اوقات ذکر وفکر میں مشغول اور مسجد میں گوشہ نشین رہنے والے انسان تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بھاگ بھری تھا۔ آپ کی صحت بہت اچھی تھی۔ بچپن میں

Marfat.com

پہلوانی کیا کرتے تھے۔ درس قرآن کے لیے آپ کی والدہ نے آپ کو حضرت ولائیت شاہ کے مدرسے میں داخل کروایا۔ آپ کھانا بہت کم تناول فرماتے تھے۔ اپنے حصے کا لنگر بھی دوسرے درویشوں کو دیکر خود اِدھر اُدھر ہو جاتے کہ شاہ صاحب جہاں تشریف لے جاتے آپ کو ساتھ رکھتے اور جب کبھی انھیں کہیں اکیلے جانا ہوتا تو اپنے حجرہ مبارک کی چابیاں آپ کو دے کر جاتے تھے۔ آپ نے تمام عمر رفاعی کاموں میں گزاری۔ مساجد کی تعمیر میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے اور علاقے کی بہت سی مساجد تعمیر کروائیں۔ کئی کچی سڑکیں پختہ کروائیں۔ آپ نے اپنے مرشد پاک کے دربار کا گنبد بھی تعمیر کروایا تھا۔ اپریل ۱۹۵۲ء میں آپ حج کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی وفات سال ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ مزار چڑیاولہ شریف میں ہے۔

حضرت پیر سچیارؒ

حضرت محمد سچیار پیر کا مزار اقدس جلال پور جٹاں کے قریب واقع ہے۔ جہاں ہر سال یکم ربیع الاول سے چھ ربیع الاول تک عرس نما میلہ منایا جاتا ہے۔ یہ میلہ جلالپور جٹاں سے چار پانچ میل دور دریائے چناب کے کنارے پر لگتا ہے۔ میلے کے موقعہ پر دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ نعت خوانی، قرآن خوانی وعظ و نصیحت کی محافل اور قوالی کی محفلیں بھی ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ راگ رنگ کی محفلیں بھی جمتی ہیں۔ میلہ میں شمولیت کے لوگ دور دراز سے آتے ہیں۔

عرس کی ہر تقریب میں عورتیں اور مرد اکٹھے شریک ہوتے ہیں۔ عورتیں بلا جھجک مردوں کے ساتھ ساتھ ہر تقریب میں شامل ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ عرس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مزار پر جو چڑھاوے یا رقومات یا دوسری اشیاء کی صورت میں چڑھائے جاتے ہیں انھیں سچیار پیر کی اولاد وصول نہیں کرتی بلکہ وہ سب مجاور کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ اس مزار کی واحد خصوصیت ہے ورنہ ہر مزار کے چڑھاوے اس بزرگ کی اولاد اپنا حق سمجھتی ہے۔ سچیار پیر کے عرس کی تقریبات میں شامل ہونے کے لیے لوگ دور دراز کے علاقوں سے شرکت کرتے ہیں جبکہ گجرات کے مقامی لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔

نام پیر محمد، سچیار لقب، گکھڑ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مقامی روایات کے مطابق یہ قبیلہ ایران کے کیانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ایران سے یہ قبیلہ آمد اسلام سے پہلے ہی نکل آیا تھا۔ یہ قبیلہ درہ خیبر کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا اور دریائے اٹک اور جہلم کے درمیانی علاقے میں مختلف مقامات پر آباد ہوا۔ گکھڑوں نے صدیوں تک ایران پر حکومت کی تھی اس لیے وہ کسی کی محکومی برداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد انھوں نے کسی حملہ آور کو برداشت نہیں کیا۔ ایک روایت کے مطابق مسلمان حملہ آور محمد غوری ایک گکھڑ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ان کی بہادری اور دلیری کی سینکڑوں روایات مشہور ہیں۔ رہتک کا تاریخی قلعہ گکھڑوں کو شکست دینے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔

آپ موضع نزالی تحصیل گوجرخان کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ملک وارث جو اس علاقے میں اپنے قبیلے کے سربراہ تھے، بہت بڑے تاجر تھے۔ وہ گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے اور اس تجارت کا سلسلہ ایران سے دلی تک پھیلا ہوا تھا۔ جب ملک وارث ایک قومی جنگ میں شہید ہو گئے تو اس وقت پیر سچیار کی عمر بارہ برس کی تھی۔ آپ کی والدہ نے انھیں تاجروں کے ایک گروہ کے ساتھ گھوڑوں کی تجارت کے لیے اندرون ہندوستان بھیجا۔ آپ کا قیام لاہور میں حضرت میاں میر کے یہاں ہوا جو (روایت کے مطابق) خود بھی بہت بڑے تاجر تھے۔ اسی قیام کے دوران آپ کو تصوف کی چاٹ لگ گئی۔ آپ میاں میر سے رہنمائی کے طالب ہوئے۔ انھوں نے آپ سے کہا کہ گھوڑے بیچنا تمھارا منصب نہیں ہے تم چناب کے کنارے جاؤ۔ آپ پہلے حضرت پہلے شاہ دولہ دریائی سے ملے۔ انھوں نے کہا کہ میں متعلقہ آدمی نہیں ہوں۔ اس کے بعد آپ ضلع گجرات میں جلالپور جٹاں سے تین میل مغرب کی طرف شاہ بھولا صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ شاہ بھولا نے آپ کو نوشہ گنج بخش کی طرف رہنمائی کی۔ آپ رنمل پہنچے۔ رنمل ایک ہندو کے نام پر آباد ایک قصبہ ہے۔ اس کے قریب ہی ایک اور قصبہ ساہن پال اس کے دوسرے بھائی کے نام پر آباد ہے۔

آپ نے رنمل پہنچ کر حضرت نوشہ گنج بخش کی بیعت کی اور بہت تھوڑے دنوں میں فیض یاب ہو کر ان کے زیر ہدایت نوشہرہ مغلاں میں آ کر تعینات ہوئے۔ یہ مغل بادشاہ جہانگیر کا دور تھا۔ نوشہرہ مغلاں پہنچ کر آپ نے تبلیغ و ہدایت کا سلسلہ جاری کر دیا اور آخری وقت تک یہ سلسلہ اسی گاؤں میں جاری رکھا۔ تقریباً پچاسی سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور اسی گاؤں میں دفن کیے گئے۔ دریائے چناب میں کٹاؤ کے باعث ان کا تابوت دوسری جگہ اور ایک مرتبہ پھر گاؤں ڈوبنے کے سبب تیسری جگہ منتقل کیا گیا۔ آج کل ان کا مزار نوشہرہ شریف میں ایک ٹیلے پر واقع ہے۔ ٹیلے پر آپ کا تابوت تقریباً سال ڈیڑھ سال تک ایک بوسیدہ مکان میں پڑا رہا اور کئی بار جنازہ پڑھا گیا اور لاکھوں افراد نے شرکت کی۔

آپ کے پیرومرشد حضرت نوشہ گنج بخش کے دو بیٹے حصول تعلیم کے سلسلہ میں سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ ایک دفعہ حضرت نوشہ گنج بخش کا ارادہ سیالکوٹ جانے کا ہوا۔ آپ نے حضرت محمد سچیار کو پیغام بھیجا کہ وہ فلاں رات کو نوشہرہ مغلاں آئیں گے۔ اس وقت آپ کو یہاں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے اور آپ کا قیام

Marfat.com

نوشہرہ مغلاں سے باہر دریا کے کنارے تھا۔ آپ نے نوشہرہ مغلاں میں آ کر یہ صدا لگائی: ''ہے کوئی ایسا شخص جو میرا سر لے لے اور میری ضرورت پوری کر دے''۔ گاؤں میں مغل خاندان کی ایک سرکردہ عورت نے ایک نوکرانی کے ذریعے آپ کو گھر بلا بھیجا اور اپنی اس ضرورت کا اظہار کرنے کا کہا۔ آپ نے فرمایا۔ میں یہاں نیا نیا آیا ہوں اور تہی دست ہوں۔ فلاں دن میرے مرشد یہاں تشریف لا رہے ہیں جس کا کھانا اور نذرانہ ہی میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ اس عورت نے آپ کی ضرورت پوری کر دی اور آپ نے اس مخصوص دن اپنے مرشد کے لیے نذرانے اور کھانے کا انتظام فرما دیا۔ حضرت نوشہ گنج بخش کسی سبب تشریف نہ لا سکے۔ پیر محمد سچیار نے اپنا بھورا سر پر رکھ کر او پر کھانے کی دیگ رکھ لی اور نوشہرہ مغلاں سے رنمل کی طرف پیدل چل پڑے جو قریباً چالیس میل کی مسافت پر تھا۔ رنمل پہنچنے پر آپ نے اپنے مرشد کی خدمت میں کھانا اور نذرانہ پیش کیا۔ اتنی لمبی مسافت طے کر کے آنے کے باوجود کھانا اسی طرح گرم تھا اور اس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ اس حکم کی اس انداز میں تعمیل کے سبب حضرت نوشہ گنج بخش نے آپ سے فرمایا ''تو سچا یار ہے۔'' اسی دن سے آپ کا لقب سچیار (سچا یار) پڑ گیا۔

پہلی ربیع الاول کو مرید آنا شروع ہو جاتے ہیں اور عرس کا باقاعدہ افتتاح ۳ ربیع الاول کو سہ پہر ختم قرآن پاک اور محفل سماع سے ہوتا ہے۔ ۳ ربیع الاول کی رات حضرت نوشہ گنج بخش کا ختم شریف ہوتا ہے۔ چار اور پانچ ربیع الاول کو صبح سے رات گئے تک مواعظ اور محافل سماع جاری رہتی ہیں۔ لوگ مختلف ٹولیوں کی صورت میں دور و نزدیک سے آتے ہیں اور خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ پانچ ربیع الاول کی شام کو چراغاں ہوتا ہے اور عقیدت مند سجادہ نشین کی معیت میں مزار شریف کا طواف کرتے ہیں۔ چھ ربیع الاول بعد دوپہر دو پالکیاں چل کر رات لکھن وال امیر سلطان (جو کہ سچیار پیر کے خلیفہ تھے) کے مزار پر قیام کرتے ہیں۔ رات بھر وہاں قوالی کی محفلیں ہوتی ہیں۔ سات کی صبح کو دوپہر جلالپور جٹاں پہنچ کر وہاں بھنڈارہ کھاتی ہیں۔ شام کو موضع شیخ پور بابا مہیون شاہ صاحب کے مزار پر جاتی ہیں۔ رات بھر وہاں محفل سماع ہوتی ہے۔ آٹھ ربیع الاول کی صبح وہاں سے موضع کھنریاں والی پہنچتی ہیں۔ رات وہاں قیام کرتی ہیں۔ وہاں بھی سماع کی محفل ہوتی ہے۔ ۹ ربیع الاول کو کھنریانوالی سے چل کر سہ پہر تک نوشہرہ شریف پہنچ جاتی ہیں اور عرس کی تقریبات ختم ہوتی ہیں۔

آپ کے مریدیوں تو برصغیر پاک و ہند میں ہر جگہ موجود ہیں لیکن جن علاقوں میں تعداد میں بہت زیادہ ہیں ان میں ماجھے کا علاقہ، جہلم اور پوٹھوہار قابل ذکر ہیں۔ خاص طور پر پوٹھوہار میں آپ کے مرید سب سے زیادہ ہیں۔ راولپنڈی کے علاقے میں بری لطیف اور پیر گولڑہ شریف کے بھی اتنے مرید نہیں جتنے اس علاقے میں آپ کے مرید ہیں۔ عرس کے دوران ہر جگہ پوٹھوہاری بولی سنائی دیتی ہے اور اس علاقے کے سٹال بھی ناچ والے اور دیگر فنکار جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ تاثر ہوتا ہے کہ یہ عرس پوٹھوہار کے کسی علاقے میں ہو رہا ہے۔

عرس کی ثقافتی سرگرمیوں میں لوک فنکاروں کی پارٹیاں (مقامی اور غیر مقامی) سب سے نمایاں نظر آتی ہیں۔ جگہ جگہ ڈھول کی گونجدار آواز کے پس منظر میں مختلف گانے اور ناچنے والی پارٹیاں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی نظر آتی ہیں۔ لوک گانوں کے علاوہ قوالیاں بھی سننے کو عام ملتی ہیں۔ لوک فنکاروں میں بھی ناچ ناچنے والے ڈھولئی واریں گانے والے ڈھاڈی شرنائی پر مختلف لوک دھنیں بجانے والے اور ملنگ قابل ذکر ہیں۔

سجادہ نشین کے ہاں ایک لائبریری ہے جس میں کسی وقت نادر کتب اور قلمی نسخے کثیر تعداد میں موجود ہوا کرتے تھے۔ مگر ۱۹۵۹ء میں دریا کے کٹاؤ کی تباہی کے نتیجے میں کافی حد تک تباہ ہو گئی۔ لائبریری کا بہت بڑا ذخیرہ غائب ہو چکا ہے۔ باقی ماندہ لائبریری میں بھی بہت کچھ موجود ہے۔

عرس کی تقریبات میں شامل ہونے والے مریدوں اور مہمانوں کو اپنے کھانے پینے کا خود کوئی انتظام نہیں کرنا پڑتا اور انھیں کھانا وغیرہ بھنڈارے کی شکل میں ملتا ہے۔ بھنڈارہ بالعموم چنے کی دال اور روٹی پر مشتمل ہوتا ہے لیکن حضرت پیر سچیار کے عرس میں روٹی کے ساتھ دال گوشت بھی پکائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کھچڑی اور کھیر بھی پکائی جاتی ہے۔

حضرت شاہ سرمستؒ

لالہ موسیٰ سے ایک سڑک جوڑا کرنانہ ڈنگہ کی طرف جاتی ہے۔ دھاماں روڈ سے لنک روڈ پر تاریخی روحانی قصبہ شاہ سرمست ہے جہاں حضرت سرمست شاہ مزار واقع ہے۔

حضرت سخی شیر منور بخاری شہیدؒ

حضرت سخی شیر منور بخاری شہید کا مزار نافریاں گاؤں کے شمال مشرق کی طرف درختوں کے جھنڈ میں ہے۔ یہاں ہر سال ۲۵ ہاڑ کو عرس منایا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت پیر سید حسین شاہ المعروف حضرت ننگے شاہؒ

آپ کی پیدائش ملتان میں ہوئی۔ والد کا نام سید محمد شاہ تھا۔ شہر گجرات میں آپ کی تشریف آوری حضرت کانواں والی سرکار کی وفات کے چند ہفتہ پیشتر ہوئی تھی۔ آپ کم عمری میں ہی ۴ جنوری ۱۹۷۱ء کو وفات پا گئے تھے۔ آپ کا مزار شاہدولہ روڈ پر واقع ہے۔ جہاں ہر سال عرس منایا جاتا ہے۔ مزار اوقاف کی تحویل میں ہے۔ آپ کی بہت سی روایات اور کرامات کا تذکرہ ملتا ہے۔

سیدہ سکندر بی بی المعروف بی بی پاک دامناں

سکندر بی بی کی پیدائش ۱۹۲۷ء جبکہ وفات ۱۹۹۴ء کو ہے۔ دینی تعلیم اپنی خالہ سیدہ شہزادی بی بی سے حاصل کی۔ عبادت گزاری اور کم خوراکی میں مشہور تھیں۔ آپ کی شادی اپنے ننھیال رشتہ دار سید غلام قطب شاہ گیلانی سے لاہور میں ہو ئی۔ شادی کے بعد آپ لاہور، فیصل آباد اور عباس پور میں مقیم رہیں۔ بی بی پاک دامناں کے مزار مبارک پر ہر چاند کی گیارھویں پر لنگر اور نیاز تقسیم ہوتی ہے۔ جبکہ ہر جمعرات کو شہر بھر میں ملنگ حضرات دھمال ڈالتے ہیں اور لنگر بھی تقسیم ہوتا ہے۔

حضرت سید سخی محمود بھاکریؒ

پرانا منگووال غربی میں سید سخی محمود بھاکری کا مزار ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ عالم جوانی میں حضرت شاہ شریف خوارزمی منگووال غربی پر ملاقات ہوئے اور تاحیات یہیں قیام کیا۔ آپ کا فیض عام ہے کہ آستانہ شریف سے عوام کی ایک کثیر تعداد کو ہڑ، چنبل، خارش اور ہر قسم کی بیماریوں سے شفایاب ہوتی ہے۔ معیادی بخار والے مزار کے قریب سے ٹھیکر لے کر گلے میں باندھ لیتے اور بیماری سے شفا مل جاتی ہے۔ ہر سال ہاڑ کی تیسری جمعرات کو عرس منایا جاتا ہے۔

قاضی سلطان محمودؒ

آپ ۱۸۴۰ء میں غلام غوث کے گھر اعوان شریف میں پیدا ہوئے۔ قاضی سلطان محمود کا شجرۂ نسب کھڑی شریف کے دمڑی والے پیر سے چھٹی پشت میں جا ملتا ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا آغاز گھر سے والدِ ماجد کی آغوش میں ہوا۔ خط نسخ و نستعلیق میں کتابت بھی آپ ہی سے سیکھی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں "مجھ نادان کو علم ظاہر کے جو یہ چند حروف آتے ہیں وہ حضرت والد ماجد کی کمال سعی و ہمت سے میسر آئے۔"

جب ہوش سنبھالا تو علم کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور پندرہ برس اسی شغل میں بتا دیے۔ اس زمانہ میں مدرسہ یا کالج تو تھے نہیں، صرف ونحو کا استاد گجرات میں ملتا تو منطق کے لیے جہلم یا کہیں اور دور دراز گاؤں یا قصبہ میں جانا ہوتا تھا۔ قاضی صاحب کی تعلیم اسی نہج پر ہوئی۔ آپ نے اخلاص پور میں ہدایہ پڑھا۔ موضع یروال میں ملا افغانی سے علم ہندسہ و ہیئت، ملک چچھ اور غور غشتی میں بھی قیام فرمایا۔ اور دوبارہ یروال آ کر میر زاہد اور قطبی کے درس میں سامع کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ موضع یزدی میں اقلیدس صدرہ اور قاضی مبارک پڑھیں۔ تفسیر بیضاوی اور شرح مطالعہ کے لیے کافر ڈھیری میں مولوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ فرمایا۔ آپ جناب استاد سے بڑے متاثر تھے۔ فرماتے تھے۔

زمانہ وسطیٰ میں ولیوں کی شبیہوں تلے چراغ جلائے جاتے تھے۔ تاکہ روشنی میں ان کے چہرے منور نظر آئیں گے۔ مگر ہوتا یہ تھا کہ دھوئیں کی کالک میں جلد ہی ان کے چہرے چھپ جاتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ہمارے بزرگوں کے ذکر اذکار میں ان کے معجزوں اور کرامتوں کو پھیلا کر بیان کیا ہے۔ اور افسوس ہے کہ دور ازکار باتوں سے ان کے صحیح خدوخال چھپ گئے ہیں۔ ہم معجزوں اور کرامتوں سے انکاری نہیں ہیں۔ مگر جدید مصری حکماء اور علما کی ہم نوا ہی میں ہم بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ کے بندے کا کردار ہی اس کا اصلی معجزہ اور کرامت ہے۔ آوان شریف کے موجود سجادہ نشین جناب قاضی محبوب عالم نے فرمایا کہ اگر قاضی مرحوم سے متعلق آپ سنیں یا پڑھیں کہ آپ آدمی سے ارفع واعلیٰ کوئی ہستی تھے یا ان میں ملکوتی صفات تھیں تو ہم ان کی ذمہ داری پر اس کی تردید کریں۔ جناب قاضی مرحوم انھوں نے فرمایا کہ وہ عاجز اور مسکین آدمی تھے۔ ان کا عجز وانکسار نمائشی نہیں تھا بلکہ خود کو عاجز سمجھتے تھے اور مسکین جانتے تھے۔

جناب قاضی مرحوم وقت کے جید علما میں سے تھے۔ انھوں نے درس نظامی عربی اور فارسی کے کئی استادوں سے بار بار سبقاً سبقاً پڑھا تھا اور اکثر درسی کتابوں کے متن انھیں حفظ تھے۔ آپ ان کی منزل برابر کرتے رہتے تھے تاکہ ذہن سے اتر نہ جائیں۔ ہر درویش کو آپ جدا جدا سبق دیتے تھے۔ تلفظ اور اغلاط درست کرنے کے بعد آپ سبق کے معانی اور پھر مطالب بیان کرتے۔ پھر اجازت ہوتی تھی کہ جہاں کوئی گرہ پڑے بتلایا جائے تاکہ گرہ کشائی ہو۔ پھر دوسرے درویش کو سبق دیتے تھے۔ درس میں صرف اتنی کتابوں کی شرط نہیں تھی۔ جن کا تعلق درس نظامی سے ہے اوق سے اوق کتابوں کے درس میں آپ بند نہیں تھے۔ شیخ عبداللہ نے اسی لیے کہا تھا کہ قاضی

Marfat.com

مرحوم نے طریقت کا رخ نہ کیا ہوتا تو ہمیں کوئی نہ جانتا پہچانتا۔ اور انھیں کے دردولت پر اژدہام رہا کرتا۔

قاضی مرحوم کا طرزِ گفتار دل نشیں اور سادہ تھا۔ عربی و فارسی کے عالمانہ اور فاضلانہ الفاظ سے آپ قطعی پرہیز کرتے تھے۔ اور اگر ان کی محفل میں کوئی بھاری بھرکم الفاظ کا بوجھ اٹھاتا تو انصاف سے کہتے کہ کہیں عربوں اور ایرانیوں میں نہیں ہو پنجاب میں ہو۔ ارشاد تھا کہ ظاہر پر نہ جاؤ باطن کو دیکھو۔

قاضی مرحوم کی محفل میں نہ بحث مناظرہ نہ دنیاداری کے جھگڑوں کے لیے جگہ تھی۔ یہ سب غیر متعلقہ باتیں تھیں۔ جن کی اجازت آپ نہیں دیتے تھے۔ مریدوں کو بھی قاضی مرحوم ماسوی سے آزاد کرا کے منزل مقصود کی طرف لاتے تھے۔ تزکیۂ نفس اور تزکیۂ قلب سے دوسرے صاحبان رشد و ہدایت کی طرح آپ بھی ایک جماعت اسلامی کی تشکیل اور اضافہ کے لیے ہر وقت کوشاں تھے۔ حضرت قاضی کو شہرت سے نفرت تھی۔ بڑے آدمیوں سے ملنے میں نہ فخر سمجھتے تھے نہ فائدہ اور دل آزاری سے کوسوں دور تھے۔ غریبوں کی ہمدردی میں ہمہ وقت کوشاں تھے۔ طبیعت سنجیدہ تھی ذرا مزاح کی طرف مائل مشائخ کے ساتھ ادب اور درویشوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے۔

شاہ دولہ کی طرف سے تعلیم و تدریس کی مناہی ہوئی تو قاضی صاحب نے اس وظیفہ حیات کو بند کیا۔ اور نفس کشی ریاضت مجاہدہ و مراقبہ کی ابتدا کی جس کی انتہاء معلوم نہ تھی لیکن محویّت کے عالم میں شریعت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ والدہ مرحومہ نے قاضی صاحب کی پیدائش کے زمانہ میں خواب دیکھا تھا کہ گھر میں حضرت جنیدؒ کی سواری آ رہی ہے۔ اور یہ جنید بغدادیؒ ہی تھے جنہوں نے فرمایا کہ ہمارا علم شریعت کا پابند ہے۔ جس کے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ اور دوسرے میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مضبوطی سے تھامی ہوئی نہیں ہے اس علم کے لائق بھی نہیں ہے۔ آپ کی وفات ۱۹۱۹ کو ہوئی۔ مزار اعوان شریف میں ہے۔

بابا سُلمیر

میر برادری سے تعلق رکھنے والے بابا سلمیر کو بابا سلیمان اور بابا رسل میر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ مزار خانقاہ سلمیر کے نام سے کنگیانوالے کھوہ 'جلالپور جٹاں کے قریب موجود ہے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند بابا جی بچپن میں پہلوانی بھی کرتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں فوج میں بھرتی ہوئے اور عراق کے محاذ پر لڑائی کے لیے گئے۔ کافی مدت تک آپ کے متعلق کوئی اطلاع نہ پا کر آپ کی بیوی نے عقد ثانی کر لیا اور وزیر آباد چلی گئی۔ کچھ مدت بعد قیدیوں کے تبادلے میں بابا جی بخیر و عافیت جلالپور جٹاں پہنچ گئے' مکان کو تالے پڑے دیکھے۔ کافی سوچ بچار کے بعد عدالت کے ذریعے اپنی دو بچیوں کو تو واپس لے آئے مگر بیوی واپس نہ آئی۔ دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا اور مسجد کے کونے میں پڑے رہتے۔ اللہ سے لو لگائی تو دنیاوی معمولات یکسر بدل گئے۔ تمام عمر یاد اللہ میں گزار دی۔

حضرت خواجہ ثنا اللہ پیر خراباتیؒ

(تحریر: عارف علی میر ایڈووکیٹ)

جلالپور جٹاں کی سرزمین کے اردگرد قدیمی تاریخی بستیاں ہیں جن کی تاریخ ہزاروں سالہ پرانی ہے۔ ان بستیوں میں اسلام گڑھ کا قلعہ کلاچور لکھنوال' راکئے بہلول پور کا ٹبہ عالم گڑھ' کوٹلی کوہالہ ایسی کئی بستیاں جلالپور جٹاں کی زیادہ تر آبادی کشمیر سے ترک سکونت کرنے والوں کی ہے۔ ماضی میں کابل اور ہندوستان سے کشمیر کے تجارتی قافلے جلالپور جٹاں میں مستقل طور پر قیام پذیر ہونے والی ایک ہستی حضرت خواجہ ثنا اللہ پیر خرابات ایک درویش ولی کامل اور فارسی کے عظیم شاعر ہو گزرے ہیں۔ آپ کا روضہ مبارک جلالپور کلاچور کے درمیان ہے آپ نے تقریباً سو کے لگ بھگ کتابیں تصنیف کیں جو نظم اور معرفت کے کلام پر مبنی ہیں۔ اہلیان جلالپور جٹاں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس سرزمین میں ایک عظیم روحانی ہستی محوِ خواب ہے۔ ایک سو سال تک کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ خواجہ ثناء اللہ پیر خرابات نامی کوئی شخصیت یہاں دفن ہے۔

خواجہ ثناء اللہ پیر خرابات کشمیر کے مشہور درویش عارف باللہ حضرت عبدالرحمٰن بلبل شاہ کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے کشمیر میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ حضرت خواجہ ثناء اللہ پیر خرابات کی پیدائش 1224 میں بمقام طنکاہ ضلع بلند میر ہوئی۔ والدین نے نام ثنہ شاہ رکھا۔ بعد میں خواجہ ثنا کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ان کی ولادت ننھیال میں ہوئی۔ نانا کا نام شاہ عبدالغفور تھا آپ اپنے وقت کے بزرگ تھے۔ شاہ عبدالغفور نے آپ کی پرورش بہت دھیان سے کی۔ بچپن میں کسی بچے نے اینٹ ماردی جو میرے سر پر لگی۔ میری روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ خبر حضرت شاہ عبدالغفور تک پہنچی۔ وہ بے قرار ہو کر دوڑے اور محبت سے میرے جسم کے ساتھ چمٹ گئے۔ پھر کچھ پڑھا تو میری روح میرے جسم میں دوبارہ زندگی پانے سے خراباتی نام ملا۔ شاہ عبدالغفور کی شفقت سے آپ کو عارفانہ تربیت ملی۔ رزق حلال کے حصول کے

Marfat.com

لیے تجارت کا شغل اختیار کیا۔ کئی ملکوں کی سیر کی آپ نے شاہ عبدالغفور حضرت شاہ عبدالوہاب نوری حضرت اکمل الدین حضرت شاہ محمد صادق کشمیری' حضرت سید محمد گنامی' حضرت محمد طیب گنامی' حضرت شاہ قلندر کابلی' حضرت غلام محی الدین اور روحانی طور پر حضرت میاں میرلاہور حضرت شاہدولہ دریائی سے اکتساب فیض کیا۔

اس طرح آپ نے کوئی سو کتابیں لکھیں۔ جن کی نشان دہی ان کی ان موجود کتابوں سے ہوتی ہے۔ انمیں سے صرف 52 کتابیں دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ سکیں۔ باقی تلف ہوگئیں جن کے نام دیوان خراباتی فارسی' تحفۃ القادری' خلاصۃ الاسرار' تحفۃ شمع العارفین' تحفۃ الزمان' جنت العارفین' مہاراج نامہ' بحرالانوار' جنت الاسرار' خردنامہ' مجمع البرکات' مثنوی درد نامہ' خلاصۃ التوحید' تذکرۃ الواصلین' مجمع الفضائل' سراج الطالبین' خواب نامہ' جنت الاعلا' شمع الھدیٰ' دیوان خراباتی بزبان کشمیری' حقیقت الاولیا' قصہ بوالعجب عشق' سبحات آفتابی' اللہ نامہ' گنج الافتاء' سماع العرفان' صراط المستقیم' جنات النعیم' دلیل الصادقین' تحفہ گلبدن' نصرت نامہ' عبرت نامہ' نسخہ لغات' تذکرہ الکاملین' حقیقت الافعال' تفسیر سنا اور تفریح المجالس' یہ سب کتابیں فارسی نظم میں نہایت عمدہ بلیغ زبان میں خواجہ صاحب کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی ہیں اور جناب سید ریاض شاہ خراباتی کی ملکیت ہیں۔

خواجہ صاحب نے 17 ذیقعد 1497 کو 75 برس کی عمر میں وفات پائی اور جلالپور جٹاں کے قبرستان متصل کلاچور میں دفن کیے گئے۔ تصانیف کے علاوہ خواجہ صاحب کے اخلاف میں سے ان کی اولاد' مرید اور دوست بھی موجود تھے۔ ان کے صاحبزادے سید محمد شاہ عرف تھتھانے جلالپور جٹاں میں بہت عروج حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے وقت کے بے تاج بادشاہ تھے۔ جومدتوں تک میونسپل کمیٹی کے سینئر ممبرو کرسی نشین تھے۔ یہ بزرگ سید ریاض حسین شاہ کے نانا بزرگوار تھے۔

مریدوں میں سائیں نذر محمد' سید فضل شاہ' محمد احسن' محمد صادق امرتسری اور سید عبدالغفار شاہ سیالکوٹی بہت مشہور ہوئے۔ دوستوں میں دیوان جوالا سہائے گورنر کشمیر' دیا سنگھ' دیوان کرپارام' شیخ امام الدین' شیخ صدر الدین' غلام محی الدین کشمیری' سید ظہیر الدین' سید فضل شاہ ساکن میانی پنڈی' محمد صدیق ساکن جلالپور جٹاں' مولوی امام الدین جالندھری' مولوی غلام قادر گجراتی اور شیخ نبی بخش سروش خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان تمام وسائل اور ذرائع کے باوجود قدرت کا ایک کرشمہ یوں نمودار ہوا کہ خواجہ سناءاللہ پیرخرابات لوگوں کی نظروں سے اس قدر اوجھل رہے کہ پوری ایک صدی کے بعد پاک وہند کی آبادی سے قطع نظر خاص جلالپور جٹاں میں ان کے نام تک سے کوئی آدمی واقف نہ رہا۔ یہ بھی شاید کوئی ریاضت کی منزل تھی۔ کچھ عرصہ امرتسر سیالکوٹ میں ٹھہرنے کے بعد جلالپور جٹاں میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی اور اسی سرزمین میں دفن ہوئے۔

خواجہ سنااللہ پیرخرابات کا مزار کلاچور جلالپور جٹاں کے قریب ہے۔ روضہ 1976 میں تعمیر کیا گیا۔ اس وقت کے وزیر محکمہ اوقاف دینی امور مولانا کوثر نیازی کی وساطت سے روضہ کے لیے اٹھارہ ہزار آٹھ سو چونتیس روپے رقم دی گئی۔ روضہ ابھی تک نامکمل ہے اور تعمیرات کے علاوہ مرمت کا کام بھی باقی ہے اس مزار کو مکمل طور پر تعمیر کیا جانا چاہیے۔ خواجہ سنااللہ پیرخرابات کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے اور ان کے فیضان کو عام کرنے کے لیے روضہ کے قریب ایک درس گاہ لائبریری قائم کردی جائے تاکہ مخلوق خدا اپنی علمی پیاس بجھا سکے۔ روضہ کی مرمت اور صفائی کی جائے گردونواح چھوٹے چھوٹے پودے لگائے جائیں تاکہ اس عظیم روحانی شخصیت کا مزار دور سے خوشنما دکھائی دے۔ خواجہ سناءاللہ پیرخرابات کو خواجہ گوہر کشمیری مرحوم نے بھی زبردست نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

حافظ غلام احمد صاحبؒ

(تحریر: سید محمد عبداللہ قادری، واہ کینٹ)

حافظ حکیم غلام احمد بن حضرت حافظ محمد اکرم موضع بانیہ' تحصیل وضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں حضرت بہلول دریائی بن میاں موسیٰ، والی اللہ ہوئے ہیں۔ قوم ''قریشی گوت سپرا'' تھی۔ آپ نے دینی تعلیم اپنے والدِ ماجد حافظ محمد اکرم سے حاصل کی۔ علم طب کی تعلیم اپنے والدِ مکرم کے علاوہ حکیم نورالدین بھیروی (سادیانی) اور حکیم احمد دین صاحب سے حاصل کی۔ حافظ صاحب دورانِ تعلیم جب حکیم نورالدین بھیروی کے ہاں پڑھتے تھے تو اسباق طِب کے اشارات بڑھتے بڑھتے مسودہ کی شکل اختیار کر گئے۔

حافظ غلام احمد کے والدِ ماجد حافظ محمد اکرم' 'بانیہ' گجرات سے ہجرت کر کے گجرات شہر میں آ گئے اور وہاں سلسلہ سہروردیہ کے روحانی پیشوا حضرت سید کبیر الدین دریائی المعروف شاہ دولہ قدس سرہ العزیز کے دربار شریف والی مسجد میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ حافظ محمد اکرم کی رحلت کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم حافظ غلام احمد صاحب کو یہ فرائض انجام دینے کے لے مقرر کیا گیا۔ انھوں نے یہ ذمہ داری مرتے دم تک بڑی خوش اسلوبی سے نبھائی۔ حافظ غلام احمد کے سلسلہ قادریہ کے روحانی پیشوا غوث زمان حضرت قاضی سلطان محمود قادری علیہ الرحمۃ (م مئی ۱۹۱۹ء) اوان شریف ضلع گجرات سے گہرے مراسم تھے۔ ان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔

Marfat.com

حضرت قاضی سلطان محمود قادریؒ اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ اخوند عبدالغفور قادری رحمۃ اللہ علیہ، سوات سے فیض یاب ہوتے رہے۔ قاضی صاحب سوات تک پیدل سفر کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر ان کے ہمراہ مولوی سید محمد نور اللہ نور سیالکوٹی ابن مفتی سیالکوٹ' مولانا سید محمد چراغ شاہ نقشبندی (م ۱۸۸۷ء) ہوتے۔ حضرت قاضی سے مولوی سید محمد چراغ شاہ نقشبندی کے گہرے نیاز مندانہ مراسم تھے اور وہ قاضی صاحب کے علم و روحانیت کے قائل تھے۔ مولوی سید محمد چراغ شاہ نقشبندی کے گہرے نیاز مندانہ مراسم تھے اور وہ قاضی صاحب کے علم و روحانیت کے قائل تھے۔ مولوی سید محمد چراغ شاہ صاحبؒ نے اپنے پانچ بیٹوں میں سے چار کو حضرت قاضی صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کا حکم دیا۔

حضرت قاضی سلطان محمود قادریؒ کو ان کے پیرو مرشد حضرت خواجہ اخوند عبدالغفور قادری والی سوات نے حکم دیا کہ آپ گجرات شہر میں حضرت شاہ دولہ دریائی ؒ سے روحانی فیوض و برکات حاصل کریں کیوں کہ گجرات سے سوات آپ کے لیے بہت دور پڑتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب پہلے بارہ سال روزانہ صبح آوان شریف سے گجرات دربار حضرت شاہ دولہ دریائی پہ آتے اور شام کو واپس اوان شریف چلے جاتے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک قاضی صاحب کی والدہ ماجدہ زندہ رہے۔

حضرت شاہ دولہ دریائی کا حکم تھا کہ آپ نے کسی کے گھر سے کھانا نہیں کھانا' مزدوری کر کے کھاؤ۔ چنانچہ حضرت قاضی درود مستغاث شریف لکھ کر فروخت کرتے۔ اس کی قیمت سے قوتِ لایموت کا انتظام کرتے تھے۔ حضرت شاہ دولہ دریائی کے مزار پر گنبد حضرت قاضی سلطان محمود قادری نے تیار کروایا تھا۔ جس کی تفصیل حکیم عبداللطیف عارف صاحب اپنی تالیف ''سوانح حضرت قاضی سلطان محمد بن یوں تحریر کی ہے:

> ''دربار شاہ دولہ صاحب سے جو فیض آپ (قاضی صاحب) کو حاصل ہوا آپ یہ خواہش رکھتے تھے کہ اپنی زندگی میں اس پر ایک خوش نما قبہ تیار کرائیں چنانچہ سجادہ نشینان دربار اقدس کے مشورہ سے ۱۸۹۴ء میں یہ کام شروع کرا دیا گیا۔
>
> استاذ المکرم حکیم محمد سعید روڈسن والے اور مستری غلام علی صاحب گجرات والے اس کام کے نگران مقرر کیے گئے۔ پہلے حضرت شاہ دولہ صاحب کا مزار شریف کا تعویذ بلندی پر تھا جسے باحتیاط تمام نیچے لایا گیا تھا۔
>
> پھر اُس پر گنبد تیار کر کے مقبرہ کی چار دیواری بنا دی۔
>
> اس مقبرہ کی تیاری کے دوران میں بڑے بڑے عقیدت مند افسران اور دوسرے معززین استاذی مرحوم کے اپنے سروں اور کندھوں پر گارا' چونا اور اینٹیں ڈھونے کا کام کرتے رہے۔ جو اپنے ہاتھوں مزدوری کر کے کیف آفرین روحانی لذت محسوس کرتے تھے''۔

حضرت قاضی سلطان محمود قادری جب گجرات دربار شاہ دولہ صاحب پہ ٹھہرتے تو مسجد دربار شریف سے ملحقہ چھوٹے سے کمرہ میں ٹھہرتے تھے جو صرف ایک چار پائی پر محیط ہے۔ مسجد کے اندر سے بھی کمرہ میں سیڑھیاں جاتی ہیں اور ایک دروازہ باہر کھلتا تھا جو آج کل مسجد کے وضو خانہ کی طرف کھلتا ہے۔ جس زمانہ حضرت قاضی صاحب وہاں ٹھہرتے تھے اس وقت مسجد کے خطیب و امام حضرت حکیم حافظ غلام احمد تھے۔

۱۹۱۲ء میں حضرت قاضی صاحب علیل ہو گئے تو قاضی صاحب کے برادر اصغر حضرت میاں محمود مسعود (م ۱۹۱۵ء) (والد ماجد حضرت صاحبزادہ محبوب عالم قادری سجادہ نشین دربار آوان شریف مدفون گجرات م دسمبر ۱۹۸۲ء) حکیم احمد دین اور غلام سرور صاحب دہلی پہنچے۔ تاکہ حکیم محمد اجمل خان کو حضرت قاضی صاحب کا دستی رقعہ دیا جائے اور قارورہ بھی دکھایا جائے۔ مذکورہ تینوں حضرات، حکیم محمد اجمل خان تک نواب فیض احمد خان کی وساطت سے پہنچے تھے۔ انھوں نے قارورہ دیکھ کر عرق فواکہ اور عرق ماء اللحم تجویز کیا اور کہا کہ ہفتہ عشرے میں میں خود بھی آوان شریف حاضری دوں گا۔

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان جب دہلی سے آوان شریف آئے تو نواب فیض احمد خان صاحب ان کے ہمراہ تھے۔ مسیح الملک نے دو دن آوان شریف میں قیام کیا۔ واپسی پر گجرات دربار حضرت شاہ دولہ دریائی پر حاضر ہوئے تو وہیں، حافظ غلام احمد اور حکیم غلام مصطفیٰ گویکی سے بھی ملاقات ہوئی۔ (حکیم غلام مصطفیٰ، حافظ غلام احمد صاحب کے بہنوئی تھے)

پیر سید کسیر حسین شاہ بخاریؒ

آپ کا مزار چھپڑ کوٹیاں میں واقع ہے۔ آپ قلندری سلسلہ سے وابستہ تھے۔ فیض حضرت شہباز قلندرؒ سے حاصل کیا۔ ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ

Marfat.com

کا عرس ہر سال ہاڑ کی دوسری جمعرات کو منایا جاتا ہے۔ عرس کے موقع پر حمد و ثناء اور سماع کی محفلیں ہوتی ہیں۔ دن رات عام لنگر تقسیم ہوتا ہے۔

پیر سید ولایت شاہ دریائی نقشبندیؒ

آپ چھپڑ کوٹیاں جو کوٹلہ ارباب علی خان کے قریب واقع ہے میں پیدا ہوئے۔ روحانی فیض حضرت خواجہ محمد قاسم صادق موہڑی شریف مری سے حاصل کیا۔ آپ نے پولیس میں ملازمت کی۔ آپ کو مرشد سے اس حد تک عقیدت تھی کہ انھیں پالکی میں بیٹھا کر پھراتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ عرس مبارک ۲۷۔۲۶ اگست کو منایا جاتا ہے۔ حمد و ثناء کے علاوہ دن رات عام لنگر تقسیم ہوتا ہے۔ دور دراز لوگ عرس میں شرکت کرتے ہیں۔

شاہ حسین ملتانیؒ

حضرت شاہ حسین ملتانی کا زمانہ حضرت شاہ دولہ دریائی کا ہے۔ گجرات میں محلہ شاہ حسین اور ایک گرلز سکول اور چوک شاہ حسین آپ کے نام سے منسوب ہیں۔ آپ نے گجرات میں ایک درسگاہ بھی قائم کی تھی۔ آپ کے آستانے پر آج بھی لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ عقیدت مند دن رات روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے مزار پر آتے ہیں۔ عام لنگر دن رات ملتا ہے۔ آپ کے مزار کے قریب فرد فقیر کا مزار بھی ہے۔

سید شاہ شرف بخاریؒ

سید شاہ شرف بخاری اُوچ شریف (بہاولپور) سے اپنے مرشدِ کامل کے حکم سے پھالیہ اور اُس کے اطراف اکناف میں تبلیغ دین کے لیے تشریف لائے تھے۔ ایک روایت کے مطابق انھیں مرشدِ حق نے ایک ''سوٹا (مطاہر)'' عطا کیا۔ نیز حکم ہوا کہ وہ اپنا سفر جاری رکھیں جہاں بھی قیام ہو رات کو اُسے زمین میں گاڑ دیں۔ صبح اگر یہ سوکھی لکڑی ہری ہو جائے تو وہیں مستقل قیام اختیار کریں۔ اپنے پیر طریقت کے حکم کی بجا آوری میں جونہی وہ پھالیہ کے گرد و نواح میں رات کو قیام پذیر ہوئے صبح صادق کو اس ''سوٹے'' پر دوگل (پھول) کھلے ہوئے تھے۔ اسی کرامت کی بنیاد پر آج بھی ''دوگل'' نام کی بستی شاد و آباد ہے۔ اُن کا مزارِ اقدس آج بھی دوگل میں مرجع خلائق ہے۔ جہاں ہر سال عرس با قاعدگی سے منعقد ہوتا ہے۔

حضرت شاہ شریفؒ

محمد شریف المعروف حضرت شاہ شریف ۱۰۴۱ ہجری میں عبدالمالک کے گھر پیدا ہوئے۔ آبائی گاؤں معین الدین کو چھوڑ کر اپنے پیر و مرشد شاہ بالا صاحب جن کا مزار گورداس پور انڈیا میں ہے' کے ہاں تشریف لے گئے۔ مرشد کی صحبت میں رہ کر روحانی اور دنیاوی علوم حاصل کیے۔ مرشد کی ہدایت پر واپس آکر آپ نے لکھنوال' ڈھول چوپالہ' کنگ شرقی' سارو کے شادیوال' ماجرہ کے عوام میں فروغ اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کی وفات ۱۱۲۲ ہجری میں ہوئی۔

حافظ شمس الدین گلیانوی (تحریر: ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ)

حضرت حافظ شمس الدین گلیانوی تحصیل کھاریاں کے قریبی گاؤں گلیانہ میں انیسویں صدی میں ہو گزرے ہیں۔ انیسویں صدی میں جب مسلمان اندھیروں میں بھٹک رہے تھے تو حافظ صاحب نے شاعری کے ذریعے مسلمانوں کے سوئے ہوئے ضمیروں کو جھنجھوڑا۔ تعمیر سیرت اور تطہیر افکار کے لیے ایک مجموعہ کلام ''انوار الشمس'' ترتیب دیا جو آنے والی نسلوں کے لیے درخشاں اور روشن مینار کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ صوفی' شاعر' ولی اور پیر کامل ہی نہیں بلکہ کشف القبور کے عظیم راز دان بھی تھے۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب نے تمام دینی علوم پر عبور حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے اولیا عظام و انبیا کرام کے مزارات پر حاضری دے کر اپنے علم میں پختگی حاصل کی۔ ۴۰ سال سے زیادہ عرصہ قدیمی نوگز لمبے مزارات پر حاضری دیتے رہے۔ حضرت قاضی سلطان محمود اعوان شریف والے فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت شمس صاحب پیر طریقت کشف القبور کے بحر بیکراں اور میدان معرفت کے شیر ہیں۔ قاضی صاحب کا آپ پر اعتقاد بہت زیادہ تھا۔ کشف القبور کا علم آپ نے حافظ صاحب ہی سے حاصل کیا تھا۔ برصغیر ہی نہیں بلکہ دنیا جہاں کے مزارات کی آپ نے نشاندہی کی اور وہاں پر چلہ کشی کی۔ انوار الشمس پنجابی زبان میں' جو عشق الٰہی میں ڈوب کر لکھی گئی' ان کے کلام میں روحانیت ہے جو دل پر اثر رکھتی ہے۔

منہ کالا گناہاں دا بھارا رب ول کس منہ جایئے ہو
نہ کوئی عمل عبادت پلے اوتھے کیہ ونج وکھایئے ہو

Marfat.com

اس بن کوئی نہ بخشن والا کس تھیں جا بخشایئے ہو
شمسا ایہہ قصہ ہے طول غماں دا کھوں ونج سنایئے ہو

فانی دنیا کے بارے میں ان کے کلام میں جا بجا اشارے ملتے ہیں:

ایہہ دنیا خواب خیال کڑے کر سارے دور جنجال کڑے
کر کوشش طلب حلال کڑے پھڑ جھانیا عشقے نال کڑے

مخلوق سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں اے انسان تو دنیا میں دل لگا بیٹھا ہے:

جو ستیاں وقت وہاوے گا اوہ بالکل ضائع ہو جاوے گا
تر سیں ہتھ نہ آوے گا نعت کون کڑے سمجھاوے گا

دنیا فانی ہے حریص انسانوں سے مخاطب ہو کر بے ثباتی کا نقشہ کھینچتے ہیں:

کیوں دیس ناحق حویلیاں کیوں چاڑ ہیں محل اٹاریاں
کیوں پختہ کرنا نہیں ریختے وچ رکھ پنجرے باریاں
اتھے راکھاں سٹ کے ٹر گئے کر کر مفت اساریاں
اوہ مٹی دے وچ رُل گئے جو جھون زریں عماریاں

حافظ صاحب کا مزار گلیانہ میں ہے۔ عرس کے موقع پر عقیدت مند دور دراز سے آ کر حاضری دیتے ہیں۔ ان کا کتب خانہ بھی محفوظ ہے۔

حضرت شیر محمد عرف گنجو نوشاہی نقشبندیؒ

حضرت شیر محمد عرف گنجو نوشاہی نقشبندی آف کوٹ نکہ ایک فقیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا ڈیرہ مرجع خلائق تھا۔ جہاں مسافر تھکاوٹ دور کرنے اور بھوک پیاس بجھانے کے لیے ڈیرہ پر آتے تھے۔ آپ مہمد یار آف چک منجوں کے مرید خاص تھے۔ سائیں مہمد یار عالی حضرت دتہ شاہ سوک والی کے مرید تھے اور حضرت دتے شاہ کو فیض حافظ میاں محمد پناہ صاحب نقشبندی آف شیخ پور سے ہوا تھا۔ شیر محمد زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ غرباء کی حد درجہ بڑھ کر خدمت کرتے تھے۔ آپ کا عرس مبارک بھادوں کے مہینے میں منعقد ہوتا ہے۔

حضرت صالح محمد گیلانی نوشاہی

گجرات کے قریب موضع چک سادہ میں حضرت نوشہ کے خلیفہ امام الاولیاء سید صالح محمد گیلانی نوشاہی کا مزار ہے جو علم و فضل اور کشف و کرامات میں یکتائے روزگار تھے۔ فارسی زبان کے شہرت یافتہ شاعر غنیمت کنجاہی انھی کے مرید تھے۔

سید عبدالرحمٰن المعروف بابا بنگالیؒ

بابا بنگالیؒ کا اصل نام ''سید عبدالرحمٰن شاہ المعروف بابا بنگالی'' ہے۔ آپ چنائے' جس کا پرانا نام مدراس تھا' کے رہنے والے تھے۔ جوانی کے ایام میں مرکز تجلیات' ولیوں کے ولی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے دربار پر تشریف لے گئے اور اپنے ظاہر و باطن کو نور قادری سے پرتو کیا اور مشاہدہ حق بھی کیا۔ اپنے اندر اس ہدایت کی کرنوں کو محسوس کرنے کے بعد آپ کو روحانی طور پر ہندوستان کے چشتیہ سلسلہ کے ولی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ کی ریاضت اور مجاہدہ اور شوقِ نورِ حقیقی کی وجہ سے اجمیر کے سردار خواجہ اجمیری نے آپ کو روحانی طور پر چاند کا خطاب دیا۔ اب وقت تھا کہ آپ کو ولایت کا عہدہ دے کر عملی طور پر آپ کی ڈیوٹی کسی علاقے میں لگانے کا۔ یہ خوش بختی وخوش نصیبی ضلع منڈی بہاؤالدین کے حصے میں آئی۔ پہلے آپ نے خواجہ معین الدین چشتی کی طرح مرکز تجلیات داتا گنج بخش ہجویریؒ کے دربار پر حاضری دی پھر اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے منڈی بہاؤالدین تشریف لائے اور اپنے ظاہر و باطن کے نور سے لوگوں کے دلوں کو فیض یاب کرنا شروع کر دیا۔ بابا بنگالی جو پہلے ہی دربار قادریہ' دربار اجمیریہ اور دربار داتا گنج بخشؒ سے باطن کی اعلیٰ تعلیم پا چکے تھے اس نور و ہدایت کو پانے کے بعد کندن اور ولایت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو گئے۔

آپ کا وصال ۱۹۶۶ء میں ہوا اور منڈی بہاؤالدین شہر کے مرکزی قبرستان' المعروف قبرستان پرانی پنڈی میں دفن کیا گیا۔ آپ کا وصال تحصیل پھالیہ میں ہوا تھا۔ اُس علاقے کے ایک چودھری کی خواہش تھی کہ آپ کو وہیں دفن کیا جائے۔ منڈی بہاؤالدین سے نعش لانے کے لیے کچھ احباب وہاں گئے لیکن چودھری نے نعش دینے سے انکار کر دیا لیکن آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو منڈی بہاؤالدین میں مدفون ہونا تھا۔ چنانچہ چودھری پوری ہمت کے باوجود چارپائی کو اٹھا نہ سکا اور آپ کو منڈی بہاؤالدین میں ہی دفن کیا گیا۔ آپ کا عرس مبارک پوہ کی پہلی جمعرات کو ہوتا ہے۔

Marfat.com

سائیں عبدالرحیم خان

سائیں عبدالرحیم خان ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۶ء تک تعلیم حاصل کی۔ عملی زندگی میں سب سے پہلے جہلم میں مہتمم بندوبست کے مثل خواں مقرر ہوئے چند سال بعد بندوبست ختم ہو گیا اور آپ واپس گجرات تشریف لے آئے۔ آپ کے بڑے بھائی امان اللہ خان بھی گجرات میں مقیم تھے اور کچہری میں نوکری کرتے تھے۔ ایبٹ آباد میں بندوبست شروع ہوا تو سائیں عبدالرحیم کی خدمات وہاں پر بھی حاصل کی گئیں۔

آپ ولی باکرامت اور جلالی طبعیت کے درویش تھے۔ آپ کے مریدین کا سلسلہ پورے برصغیر میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ کا سالانہ عرس انتہائی عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے۔ آج کل سائیں عبدالرحیم کے پوتے ارسلان زمان خان عرف چاند خان دربار عالیہ واقع محلّہ فتو پورہ گجرات کے سجادہ نشین ہیں۔

سائیں عبدالغنی المعروف الف سائیں چشتیؒ

سائیں عبدالغنی المعروف الف سائیں چشتی کے آستانہ عالیہ قادریہ نظامیہ جلالپور جٹاں پر ہر روز چار اور پانچ بجے دوران روحانی محفل ہوتی ہے۔ محفل کے بعد حاضرین میں لنگر تقسیم ہوتا ہے۔ ماہانہ پروگرام چاند کی چودہ تاریخ کو ہوتا ہے۔ یہ روحانی محفل ختم خواجگان کی ہوتی ہے۔ دعا خاص کے بعد یہ محفل اختتام پذیر ہوتی ہے اور پروگرام کے بعد حاضرین میں لنگر بٹتا ہے۔ سالانہ عرس مبارک ۱۵ را کتوبر کو منایا جاتا ہے۔ عرس کی تقریبات دن رات جاری رہتی ہیں۔ عرس کے موقع پر مریدین اندرون اور بیرون ملک سے حاضری دیتے ہیں۔ راگ گئے تک سماع اور قوالی کا پروگرام ہوتا ہے۔ قوالی کے دوران وجد میں آکر حاضرین دیوانہ وار قوالی پارٹی پر نوٹوں کی بارش کر دیتے ہیں۔

خانقاہ پیر غازی کھاریاں

تحصیل کھاریاں میں پیر غازی کا مزار ہے جہاں براستہ گلیانہ جایا جاتا ہے۔ اس خانقاہ کے متعلق لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں چنبل اور کوڑھ کے مریض اگر تین اتوار حاضری دے کر سلام کرنے کے بعد متاثرہ حصے پر مزار کی مٹی ملتے رہیں تو مرض سے شفا ملے گی۔ یہاں جوڑوں کے درد اور پھوڑے پھنسیاں والے مریض بھی کثرت سے آتے ہیں۔

غنیمت کنجاہی کا عرس اور میلہ

کنجاہ میں پیدا ہونے والے محمد اکرم غنیمت کنجاہی ۱۶۳۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ سید صالح محمد گیلانی کی بدولت علم وادب سے لگاؤ پیدا ہوا۔ شاعری میں سید محمد زمان راسخ سرہندی کے شاگرد تھے۔ عہد عالمگیری میں لاہور کے گورنر نواب مکرم علی خان کے مصاحب مقرر ہوئے اور آخری ایام تک وہیں رہے۔ غزلیات کے دیوان کے علاوہ مثنوی نیرنگ عشق 'رسائل غنیمت' مناظرہ گل ونرگس قابل ذکر تصانیف ہیں۔

آپ کی قبر قصبہ کنجاہ سے جنوبی طرف باغ دیواناں کے متصل غربی جانب موجود ہے۔ 1342ھ میں بخشی منظور علی تھانیدار ولد غضنفر علی رہتاسی نے آپ کے مزار پر چھوٹا سا گنبد بنوا دیا' کنجاہ کے عوام اس کو غنیمت شاہ کا مزار کہتے ہیں۔ آپ کے مزار پر ہر سال ماہ جیٹھ کی آخری جمعرات کو عرس (میلہ) ہوتا ہے۔ گردونواح کے لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ زائرین کو بھنڈارہ (لنگر) ملتا ہے۔ سردار پچھمن سنگھ المتخلص بہ بھولا کنجاہی نے ایک اشتہار میں مولانا غنیمت کے روضہ اور میلہ کی تعریف میں تیس پنجابی دوہڑے لکھے تھے۔ جن میں سے تین یہ ہیں۔

(۱)

ہن دیناں میں روضے دا پتہ سارا کنجاہوں طرف دکھن بھاری ٹال ہے وے
کول باغ دیواناں دا خوب پختہ روضہ خاص بنیا برج نال ہے وے
سردے نال بیری پھلدار ہے وے روضے نے کٹیا ڈال ہے وے
مشہور شاعر غنیمت ہے وچ دنیا پچھمن سنگھ نہ جھوٹھ روال ہے وے

(۲)

میلہ ور ہے دے ور ہے مقرر ہویا پچھلی جیٹھ دی جو جمعرات بیلی
جھلا باورا کرے سلام آکے عاقل ہووے دانا کرامات بیلی
وجن ڈھول بھنڈارے نے کول ہوندے رنگو رنگ رنگیلڑی بات بیلی
پچھمن سنگھ سلام نوں خلق آوے ہر اک جوگ تے ذات بیلی

Marfat.com

(۳)

شوق شعر دا جس انسان تائیں چالی روز ہووے خدمتگار بیلی
بالے نت چراغ تے کرے جھاڑ وائے پردے نہ صدق نوں ہار بیلی
باجھوں علم شاعر روشن ہووے دنیا کرے مہر چا رب غفار بیلی
کچھمن سنگھ نہ جھوٹھ جے رتی ہرگز میری بات تے کر واعتبار بیلی

پیر سید محمد فاروق شاہ

پیر جملے شاہ کے صاحبزادے پیر سید محمد فاروق شاہ صاحبؒ سجادہ نشین تھے اور پیر جملے شاہ سرکار کے افکار کی روشنی میں فیضانِ طریقت کو عام فرمایا۔ آپ مضبوط اعصاب اور چست بدن کے مالک تھے اور برصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز ایتھلیٹ رہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل آپ نے متعدد مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات حاصل کیے۔ آپ حاذق طبیب بھی تھے اور ''مطلب الفاروق'' کے علاوہ فاروقیہ کتب خانہ بھی قائم کیا جس میں علمی، ادبی، روحانی، ثقافتی وتاریخی کتب کا بیش بہا خزانہ آنے والی نسلوں کے سپرد فرمایا۔ آپ کو ایک فارسی شاعر یوں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے

عارف باللہ حکیم حاذق
دوست درد دوستی صادق
افتخارِ دوستاں و بے ریا
بے مثل اندر جہاں فاروق شاہ
آں اولادِ حضرتِ ہارونؑ است
پسرِ موسیٰ کاظم وفقر بدست

تقریباً سو سال کے قریب درویشانہ وقلندرانہ زندگی گزارنے کے بعد یہ آفتاب علم وحکمت غروب ہوگیا۔

بابا قادر شاہؒ

قادری مسلک سے تعلق رکھنے والے عبدالقادر شاہ کا اصل وطن کلانور تھا جہاں سے ہجرت کر کے پہلے لاہور اور پھر جلالپور جٹاں تشریف لائے۔ ایک روایت کے مطابق آپ حافظ حیات کے ساتھ اکٹھے تشریف لائے تھے۔ دونوں بزرگوں کو حکومت وقت کی جانب سے پانچ پانچ مربع زمین الاٹ کی گئی تھی۔ آپ کی زمین مواضع ٹھکھے اور ماجرا میں ہے۔ آپ کی مزار کی تعمیر نو ۱۹۸۸ء کو عمل میں آئی۔ آپ کے خلیفہ شیخ غلام محی الدین کا مزار بھی آپ کی مرقد کے قریب ہی ہے۔ آپ کے خلیفہ کے زمانے میں ماہِ ہاڑ کی پہلی جمعرات کو باباجی کا عرس ہوا کرتا تھا۔ قوالیاں ہوتیں اور دکانیں سجتی تھیں۔ خلیفہ غلام الدین کا انتقال ۴ر جولائی ۱۹۵۲ء کو ہوا تو آپ کا مشترکہ عرس اسوج کی پہلی جمعرات کو منعقد ہوتا ہے۔

خواجہ قطب الدینؒ بڑیلہ شریف

خواجہ قطب الدین المعروف سرکار قبلہ بڑیلہ شریف کی ولادت ۱۹۰۱ء میں چوہدری بڈھے خان کے گھر بڑیلہ شریف میں ہوئی۔ تعلیم ظاہری و باطنی والد محترم سے حاصل کی۔ آپ کی وفات ۳۰ دسمبر ۱۹۷۶ء کو ہوئی۔ آپ کا عرس ہر سال منایا جاتا ہے۔ آستانہ بڑیلہ شریف میں بلاتفریق رنگ ونسل لنگر تقسیم ہوتا ہے۔ احترام آدمیت کے پیش نظر زائرین کو عزت واحترام کے ساتھ میز کرسیوں پر بیٹھا کر لنگر پیش کیا جاتا ہے۔ خدام لنگر لیے سر پر کھڑے رہتے ہیں۔ بلاناغہ مقررہ وقت پر ٹائم ٹیبل کے مطابق لنگر تیار ہوتا ہے۔ اس میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ جتنے بھی زائرین ہوں ان کی خدمت میں صاف ستھرے برتنوں اور ہاٹ پاٹ میں روٹیوں کے ڈھیر لگا دیے جاتے ہیں۔ لنگر میں چھوٹا گوشت، سبزی، دال چاول صبح کے ناشتہ میں دیسی گھی کی روٹیاں، لسی دہی چائے پیش کی جاتی ہے۔ یہاں تعویذ دھاگے کا کام نہیں ہوتا نہ ہی آستانہ پر کوئی گلہ رکھا ہوا ہے۔ بڑی تقریبات میں جمعۃ المبارک چاند کی دسویں رات گیارھویں شریف کا ختم اور ہر سال ۳۰ ستمبر کو سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کی تقریبات کے لیے کوئی اشتہار نہیں دیا جاتا اس کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں مخلوق خدا عرس میں شرکت کرتی ہے۔ خواتین کے لیے الگ نشستیں اور آمد و رفت کے راستے بھی الگ ہیں۔ دوران عرس دکانیں، سٹال، سرکس، موت کا کنواں، ناچ گانے ڈھول پر سختی پابندی ہوتی ہے۔ آستانہ عالیہ کے خادمین مخصوص لباس پہنے ڈسپلن کا خیال رکھتے ہیں۔ زائرین کی چھوٹی بڑی گاڑیاں ٹوکن سسٹم کے تحت محفوظ کر دی جاتی ہیں۔

سائیں کرم الٰہی عرف کانواں والی سرکارؒ

کرم الٰہی عرف کانواں والی سرکار کا سالانہ عرس ہر سال ساون کی پہلی اتوار کو منایا جاتا ہے۔ یہ عرس تین دن ہفتہ، اتوار اور پیر کے روز منعقد ہوتا ہے۔ عرس کی ابتدا کے بارے میں روایت ہے کہ آپ کے وصال کے پہلے سال ہی آپ کے مزار اقدس پر ایک عظیم الشان عرس کی ابتداء ہوگئی تھی۔ تب سے لے آج تک سالانہ عرس بڑی دھوم دھام اور شان وشوکت سے منایا جاتا ہے۔ عرس سے چند دن قبل ہی آپ کے آستانہ پر دور دراز سے مختلف نوع کی دکانیں لگانے والے حضرات آجاتے ہیں اور

Marfat.com

خاص کر عرس کے دنوں میں تو اتنی رونق اور بھیڑ ہو جاتی ہے کہ دور دور تک گرد و نواح میں لوگ ہی لوگ نظر آتے ہیں۔ عرس کی ابتدا غسل سے ہوتی ہے جو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب کو رات کے دو بجے دیا جاتا ہے۔ بے شمار عقیدت مند اور مریدانِ خاص غسل میں شرکت کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ غسل کے بارے میں روایت ہے کہ آپ کا غسل اس پانی سے کیا جاتا ہے جو حضرت امام شاہ جمن چنڈالہ شریف کے سالانہ عرس مبارک سے ایک پانی کا بھرا ہوا گھڑا لا کر آپ کے رہنے والے حجرہ میں غسل ہی کے لیے رکھا جاتا ہے۔ اس گھڑے کو اٹھا کر ایک سائیں آپ کے مزار اقدس کی طرف لاتا ہے۔ اس وقت دیکھنے کا سماں ہوتا ہے۔ آتشبازی چھوڑی جاتی ہے' ڈھول بج رہے ہوتے ہیں۔ قوال قوالی گا رہے ہوتے ہیں۔ حضرت سرکار کے سجادہ نشین ہمراہ دوسرے حضرات کے گنبد مبارک کے اندر داخل ہو کر آپ کے تعویذ مبارک کو غسل دیتے ہیں۔ غسل کا پانی عقیدت مند لے جاتے ہیں۔ غسل کے اختتام پر کچھ شرینی بھی تقسیم کی جاتی ہے۔

غسل کے ازاں بعد آپ کے تعویذ مبارک پہ انتہائی خوبصورت چادر ڈال دی جاتی ہے۔ اس کے بعد کئی اور عقیدت مند بھی چادریں ڈالتے ہیں۔ پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ عطر کی خوشبو پھیلائی جاتی ہے حتی کہ اندر خوشبو ہی خوشبو ہو جاتی ہے۔ اور عجب ہی روحانی اور پُر کیف سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ اتوار کی صبح کو آپ کے روضہ مبارک کے باہر صحن میں لوگ ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔ اس ختم پاک میں بھی اہل دل اور قرآن پڑھنے والے حضرات حصہ لیتے ہیں اور آپ کی روح کو ایصال ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

بعد ازاں احاطے میں محفل سماع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اتوار کے روز ہی بعد دوپہر محفل سماع کا آغاز ہوتا ہے۔ جو ساری رات اور دوسرے دن تک جاری رہتی ہے۔ ملک کے گوشے گوشے سے نامور قوال اپنا عارفانہ کلام پیش کرتے ہیں۔ اس محفل کا ہجوم' جوش و خروش اور ایمانی فضا بڑی پُر کیف اور دیدنی ہوتی ہے۔ سینکڑوں طالب حق اور گدائے عشق اپنا کاسہ گدائی بھرتے ہیں۔ اسی دوران مسجد کے اندر نعت خوانی ہوتی ہے۔ صاحب ذوق حضرات بڑے ذوق شوق سے نعتیہ کلام سنتے ہیں اور مسجد میں علما کرام تقاریر بھی کرتے ہیں۔

حضرت سرکار کے عرس کے موقعہ پر لوگ ڈھولوں کی تھاپ پہ دھمال ڈالتے ہیں۔ بلکہ جتنے دن عرس جاری رہتا ہے دھمال کا اتنا زور رہتا ہے کہ لوگ شوق سے ناچتے ہوئے تھکتے ہی نہیں۔ عرس مبارک کے موقعہ پر عام لنگر ہوتا ہے جس میں نان کلچہ' نان حلیم اور چاول تقسیم کیے جاتے ہیں۔ عرس کی خاص رسم گھڑولی ہے۔ ایک گھڑا جسے خوب سجایا جاتا ہے وہ آپ کے آبائی مکان واقع محلہ کانیاں والی سے ایک سائیں اٹھاتا ہے۔ اس کے ساتھ گجرات شہر کے بے پناہ لوگ ہوتے ہیں۔ قوال حضرات ساتھ ساتھ قوالی کرتے ہیں۔ اور ڈھول بھی خوب بجائے جاتے ہیں۔ یہ گھڑولی کا جلوس صرافہ بازار سے گزرتا ہوا شاہدولہ گیٹ پر پہنچ جاتا ہے۔ وہاں سے سرکلر روڈ سے ہوتا ہوا کچہری چوک میں پہنچ جاتا ہے۔ راستے میں ایک جگہ پر تھوڑی دیر کے لیے قیام بھی کرتا ہے۔ پھر وہاں سے جلوس حضرت سائیں سرکار کے آستانہ پہ پہنچ جاتا ہے اور وہاں وہ گھڑولی رکھ دی جاتی ہے جو سارا سال آپ کے حجرہ مبارک میں پڑی رہتی ہے۔

۳ اپریل ۱۸۳۸ء عین صبح صادق کے وقت گجرات کے محلہ اندرونی کانیانوالی میں ارائیں خاندان کے ایک فرد غلام محمد کے یہاں ایک بچے نے جنم لیا۔ کرم الٰہی نام رکھا گیا۔ آپ کی والدہ مائی بھولاں فرماتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تمام کمرہ روشنی سے بھر گیا تھا۔ روایت ہے کہ وہ کمرہ آج بھی اندرونی کانیانوالی میں اسی حالت میں موجود ہے۔ اور میلے کے دن وہاں سے ''گھڑولی'' برآمد کی جاتی ہے۔

سرکلر روڈ گجرات پر پاکستان ٹیکسٹائل ملز کے قریب ایک مزار ''چشتی بادشاہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ ڈیڑھ صدی پیشتر تک اس مزار سے ملحقہ ایک درس بھی تھا۔ مزار کے مجاور درس کے متولی اور استاد دونوں خدمات انجام دیتے تھے۔ مگر ان کا ذریعہ معاش نہ کلامِ خدا کی سودابازی نہ قبروں کی تجارت تھا بلکہ بھوئی کی حیثیت سے اپنی روزی کمایا کرتے تھے۔ چشتی بادشاہ کے مجاوروں میں سے ایک بزرگ میاں نتھا کو کرم الٰہی کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

جوہری استاد (جو کہ خود سالک کے مرتبے پر فائز تھے) نے کرم الٰہی کے روپ میں ایک مجذوب کو تاڑ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاگرد کے بجائے استاد خود چل کر ان کے کنوئیں پر پہنچتے اور زمینداری کے کام میں ان کے والد کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ چشم فلک نے یہ نظام برسوں تلک دیکھا کہ نوجوان شاگرد ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھا آرام کر رہا ہے۔ اور ضعیف العمر استاد اس کے بجائے چلچلاتی دھوپ میں گندم کی کٹائی میں مصروف ہیں۔

سولہ برس کی عمر میں تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوا تو مرشد کی تلاش شروع ہوئی۔ پیر کوٹ سدھانا ضلع جھنگ سے ایک بزرگ کہ نام جن کا امام شاہ تھا ترکِ سکونت کر کے ضلع گجرات کے موضع جمن چنڈالہ میں رہائش پذیر تھے' کرم الٰہی نے اپنا دستِ طلب انھی کے ہاتھ میں دے دیا۔ شجرہ مرشدیہ آپ کا قادریہ رزاقیہ ہے۔ سائیں کرم الٰہی کے مرید خاص سائیں غلام قادر امرتسری کے مرتب کردہ شجرہ کے مطابق آپ چھبیسویں پشت میں پا کر پیر بغدادی سے ملتے ہیں۔ امام شاہ کے حکم سے پاپیادہ دہلی اور پھر کشمیر کی وادی کی سیاحت حصول فیض کے لیے آپ نے فرمائی افسوس کہ ان

Marfat.com

اولیاءاللہ کے نام کوئی نہیں بتا سکتا جن کے پاس حصول فیض کے لیے آپ کو بھیجا گیا۔

اب دوسری منزل مجاہدہ اور ریاضت کی سر کرنے کے لیے گوجر خاں کے قریب دریائے جہلم کے پل کی تعمیر میں پہلے ٹوکری ڈھونے اور پھر چوکیداری کا فریضہ انجام دینے پر مامور کیا گیا۔

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغل گوید کہ سالک بے خبر بنود زراہ ورسم منزلہا

وہاں سے واپسی پر ''چشتی بادشاہ'' کے درس میں پڑھنے والا دینی طالب علم اپنی لمبی داڑھی کے باوجود دین کی تعلیمات سے ظاہری صورت میں منحرف ہو چکا تھا۔ پانچ وقتہ نمازی نے اب ملامتی چالے اختیار کر لیے تھے۔ جن ہاتھوں میں کبھی تسبیح کے دانے تھرکتے تھے اب سرکنڈے کے مٹھے تھے اور انھی کو گنا جاتا تھا۔ بدن پر صرف ایک لنگوٹی' ہاتھ میں حقہ' یا سرکنڈوں کے مٹھے گننا یا پھر چرخہ چلانا یہی آپ کا مشغلہ مرتے دم تک رہا۔

اب شہر میں رہنے کے بجائے اپنے کنوئیں جسے جھنگی کہتے ہیں پر ڈیرہ جما لیا تھا۔ یہ اب سائیں کرم الٰہی بن چکے تھے۔ سائیں کانواں والہ بننے کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کھانا کبھی کبھی کھایا کرتے تھے۔ اکثر اوقات اپنے حصہ کا کھانا کوؤں کو ڈال دیتے تھے۔ یہ ان سے مانوس ہو گئے تھے اور یہی ان کے عرف کی وجہ تسمیہ بنی۔

کرامات آپ کی ویسے تو بہت زبان زد عام ہیں۔ مگر یہ روایت اکثر ثقہ طریقوں سے مجھ تک پہنچی ہے کہ ایک بار موسم گرما میں ایک سفید پوش آپ کے قریب سے گزرا۔ اس نے پانی پینے کے لیے اپنا ہاتھ اس گھگریا کی طرف بڑھایا جو آپ نے پہلو میں دھری تھی تو آپ کے منہ سے نکلا ''اونہہ'' اس نے جواب دیا ''بابا پانی ہی تو ہے کوئی دودھ تو نہیں''۔ آپ نے جواباً فرمایا ''دودھ ہی پینا ہے تو میرے کنوئیں پر سے پیو''۔ وہ اٹھا اور کنوئیں پر گیا۔ دیکھا تو کنوئیں کا پانی دودھ بن گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ آٹھ پہر تک یہ پانی دودھ بنا رہا۔ اس وقت کے انگریز ڈی۔ سی پولیس کپتان اور ڈی ایچ او نے موقع پر اسے ملاحظہ کیا۔ سنتے ہیں کہ گجرات گزیٹر میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

عالم جذب میں آپ اکثر رمز و کنایہ سے بات کہہ جاتے تھے جسے لوگ معنی پہنا لیا کرتے تھے۔ مزار سے ملحقہ جھگی (حجرے) میں آپ کے چرخے، حقہ، کلہاڑی اور ہاتھوں میں رہنے والے سرکنڈی کے مٹھے بھی موجود ہیں۔ مگر کچھ چیزوں کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے جن میں چارپائی، جائے نماز وغیرہ ہیں۔

حضرت سائیں کرم الٰہی کانواں والی سرکار گجرات

(تحریر: عارف علی میر ایڈووکیٹ)

ضلع گجرات تاریخ کی سب سے بڑی نماز جنازہ کچہری روڈ پر ایک بہت بڑے میدان (بالمقابل نارمل ہائی سکول) میں پڑھی گئی جس میں ہزاروں مخلوقِ خدا نے شرکت کی۔ بوقت ظہر مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء (۱۳۴۹ھ، بس ساون ۱۹۸۷ بکرمی) پیر طریقت حضرت پیر ولایت شاہ کو پہلی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے مزار شریف کے گنبد پر تاریخ وفات یوں درج ہے:-

تیرہ سو انچاس سن دس ماشہ صفر تھی
کرم الٰہی چل بسے آہ حسرت آہ حسرتا
(۱۳۴۹ھ)

کسی نے قطعہ تاریخ وفات یوں بھی لکھا ہے:

از جہاں وقت سائیں کرم الٰہی
کامل وقت وحدۂ مرغوب
چوں ز دل جستم از وصال فقیر
گفت ست حمد و مرغوب
(۱۳۴۹ھ)

حضرت کرم الٰہی ایک مجذوب اور ولی تھے اور سب سے بڑھ کر ایک درویش فنافی اللہ۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کے حضور صاحبان شریعت و طریقت عقیدت و احترام سے حاضر ہوتے اور ان کی ملاقات اور نگاہ پاک سے فیض یاب ہوتے۔ حضرت کرم الٰہیؒ کے والد گرامی مہر غلام محمد اور آپ کی والدہ ماجدہ مائی بھولاں پر ذات پاک کا کرم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی تحفہ (کرم الٰہی) کی شکل میں ملا۔ وہ صحیح معنوں میں کرم الٰہی ہی ثابت ہوئے کیونکہ اب تک خلقِ خدا ان کے مزار سے بحکم الٰہی فیض اور سکونِ قلب حاصل کر رہی ہے۔

حضرت کرم الٰہی کے دو برادران نظام دین اور فضل دین تھے جبکہ ان کی ہمشیرگان میں فضل بی بی ان سے چھوٹی تھیں۔ ان کے والد مہر غلام محمد کا جب انتقال ہوا تو اس وقت حضرتؒ کی عمر تقریباً پانچ برس تھی۔ ان کے والد نے بوقت وفات حضرتؒ کی والدہ محترمہ مائی بھولاں کو وصیت کی کہ انؒ کو درس میں مذہبی تعلیم کے لیے داخل کرا دینا اور اس طرح انؒ کے بڑے بھائی دین آپؒ کو بیگم پورہ والے درس میں چھوڑ آئے۔ درس میں طلباء کے طعام و قیام کا بندوبست ہوتا تھا اور طالبعلموں کو سوائے عید وغیرہ کی چھٹی نہیں ملتی تھی۔ اس طرح حضرتؒ نے دس سال درس میں قرآن پاک ناظرہ اور حفظ کیا۔ دیگر دینی کتب' حدیث فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

Marfat.com

مہر عبدالغنی بتاتے ہیں کہ انؒ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے ان کی زمین پر قبضہ کرلیا۔ دیوانی دعویٰ دو سال چلتا رہا۔ ایک روز حضرتؒ کی والدہ ماجدہ نے ان کو درس سے بلوایا اور برائے دعا بابت مقدمہ اپنے ہمسائے برکت نامی شخص کے ساتھ امام شاہؒ کے حضور جمن جنڈالہ (تحصیل گجرات) بھیجا۔ جب آپؒ حضرت امام شاہؒ کے سامنے تھوڑی دور ہی پہلے پہنچے تھے تو حضرت امام شاہؒ بھاگ کر آئے اور ان کو اُٹھالیا اور کہا کہ تمھارا کل سے انتظار کر رہا ہوں۔ سائیں کرم الٰہیؒ کو روٹی دی اور اپنی دعا سے نوازا۔ واپس آ کر برکت نے سارا واقع مائی جی کو بتا اور کہا کہ اب ساری دعا ہی تمھارے گھر آ گئی ہے۔

جس سفرِ راہِ حق کا تعین سائیں جیؒ کی پیدائش کے ساتھ ہی لکھ دیا گیا تھا۔ اس راہ پر اپنی منزل فقر کو بڑی جوانمردی' حوصلہ و ہمت سے طے کیا اور کامیابی و کامرانی سے مرشد پاک کی دعا، عنایت، مجاہدہ و استقامت سے نشان منزل پر پہنچے۔

ان کے مرشد حضرت امام شاہؒ جن کا شجرہ قادریہ اور رزاقیہ بتایا جاتا، پیرکوٹ سیدھانا، ضلع جھنگ سے ہجرت کر کے اس دھرتی کو شرف رہائش بخشا۔ سائیں سرکارؒ کی والدہ ماجدہ کی عقیدت بھی حضرت امام شاہؒ سے تھی۔ حضرتؒ کی نیک دل والدہ اور والد فقیر کو ماننے والے تھے اور درویشوں کی خدمت کرتے تھے۔ یہ روایت ہے کہ حضرت کرم الٰہی کی پیدائش ۱۸۳۸ء میں ہوئی اور ان کی پیدائش کی خوشخبری بھی ان کے مرشد نے ہی دی تھی۔

عبدالغنی نے یہ بھی بتایا کہ سائیں جیؒ اپنے مرشد کے حضور انتہائی عقیدت واحترام سے پیش ہوتے اور ان کے بوقت سفرِ آخرت پاس ہی تھے اور مرشد سے فیض اور وفات کے بعد واپس گجرات آ کر رہائش اختیار کر لی۔ اس بات کی بھی خبر ملی کہ آپ نمازِ تہجد کے علاوہ ہر دم یادِ الٰہی میں غرق رہتے۔ ساری ساری رات جاگ کر ورد کلمہ پاک کرتے رہتے۔

حضرتؒ نوشہرہ میانہ اور دیواوتالہ میں واقع خانقاہوں پر کئی سال حاضری دیتے رہے۔ پیدائشی ولی تاریک دنیا ہستی نے دنیاوی خواہشات اور چاہتوں سے کوسوں دور یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ بظاہر سرکنڈے (کانے) جو کہ تقریباً تین فٹ لمبے ہوتے اور ان کی تعداد آج تک کسی کو معلوم نہ ہو سکی ہے کیونکہ وہ بائیں ہاتھ میں سرکنڈے (کانے) پکڑ کر دائیں ہاتھ سے ایک ایک زمین پر رکھتے جاتے اگر کوئی گن رہا ہوتا یا خدا جانے کیا بات ہوگی وہ ایک دم تمام کانے ملا دیتے اور پھر اُٹھا لیتے۔ یہ ان کی بظاہر تسبیح کرنے کا طریقہ تھا۔ اصل میں تو ایسی ہستی جس کا ایک پل بھی عبادت الٰہی سے غافل نہ ہو وہ ایسی تسبیح کا کب محتاج ہوتا ہے۔ ان کا تو یہ اصول تھا ''جو پل غافل سو ہی کافر''۔ پھر وہ مقام آیا کہ ان کی والدہ محترمہ ان کو کرم الٰہی کہہ کر آواز دیتیں تو جواب ملتا ''پتا نہیں کس کرم الٰہی نوں بلاندی اے''

آپؒ کے مرشد کی خوراک ایک پاؤ گائے کا دودھ یا پانی میں تھوڑا سا آٹا نمک گھول کر پی لیتے مگر سائیں جی نے آخری عمر میں صرف ایک چٹکی بھر آٹا اپنی دائیں ہتھیلی پر ڈال دیتے اور اسی کو پھانک لیتے۔ اس میں بھی کچھ آٹا ان کی داڑھی اور مونچھوں کو لگ جاتا۔ تقریباً پچاس سال کی عمر میں انھوں قمیض اور دھوتی اتار کر صرف ایک لنگوٹی پہننا شروع کر دی۔ آخر تک حجامت وغیرہ نہ بنواتے تھے۔

بعض حضرات نے سائیں جی کو چشتی بادشاہ کے ایک مجاور اور متولی میاں ننھا کا شاگرد تحریر کیا ہے مگر یہ کسی طور پر درست نہیں ہے کیونکہ میاں ننھا حضرت کرم الٰہی سرکارؒ کے والد گرامی کے ساتھ کھیتوں میں مزدوری کرتے اور ان کا ہاتھ بٹاتے مگر اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ سائیں کرم الٰہیؒ کھاری کھوئی میں کسی لوہار کی دوکان پر ہتھوڑا (ودان) چلانے کا کام کرتے تھے۔ خدا جانے اس کے پڑنے سے ان کی عبادت کا ایک طریقہ ہو کیونکہ جوانی میں حضرتؒ کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا اور بوجہ ترک دنیا قادر مطلق سے طاقت اور قوت رکھتے تھے۔

حضرت کرم الٰہیؒ کے عقیدت مندوں کی تعداد بے شمار رہی ہے۔ ان میں محترم جسٹس (ر) محمد الیاس صاحب کا نام نامی بھی شامل ہے۔ جب محترم محمد الیاس صاحب دوران عہدہ چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ گورنر پنجاب بنائے گئے تو انہوں نے ڈسٹرکٹ بار گجرات کو دنیاوی حساب سے خطاب تو کرنا ہی تھا مگر اصل مقصد ننگے پاؤں حضرتؒ کے حضور حاضری اور نذرانہ عقیدت پیش کرنا تھا۔ آپ کے پاس تقریباً چالیس درویش ہر وقت رہتے تھے جن میں حیات سکنہ گیکیاں، سائیں کرم اور فضل داد سکنہ گھریرہ، عمرا چھور شہر گجرات، جوایا شیخ گجرات، عیسیٰ ہنجرا، محمد اما چھی جہلم، چراغ شاہ، پیر بخش گرداسپور اور جیونا مسلی سکنہ بولے کے نام نامی نمایاں ہیں۔ ان کے مزار پر میلہ ہر سال ساون کی پہلی اتوار کو لگتا ہے جو تین دن جاری رہتا ہے۔ عقیدت مند ملک اور بیرون ملک سے حاضری کا شرف حاصل کرتے ہیں اور لوگ ان کے آبائی گھر سے گھڑولیاں بھر کر سروں پر اُٹھا کر ڈھولوں کے ساتھ ناچتے اور سائیں جی کا ورد کرتے حاضر ہوتے ہیں۔

حافظ سخی محمد حیاتؒ

شاہ بھولا لالہ سے رانیوال جانے والی سڑک پر خانقاہ حافظ سخی محمد حیات ہے۔ ماضی میں یہاں ایک بڑا قلعہ تھا۔ آپ کا لنگر بے مثال تھا جہاں روزانہ سینکڑوں مسافر لنگر کھایا کرتے تھے۔ آپ کے حضور شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہان نے بھی

Marfat.com

حاضری دی تھی۔

میاں لال قادریؒ جلالپور صوبتیاں

آپ موضع ریحانہ ضلع بھمبر آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے ہجرت کر کے جلالپور صوبتیاں تشریف لے آئے۔ حضرت خواجہ غلام سرور لاہوری کی نسبت و ارادت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے بہت کم لوگوں کو حلقہ ارادت میں شامل کیا۔ جو بھی آپ کے پاس تشریف لاتا اسے بڑیلہ شریف چلے جانے کو کہتے۔ ۱۹۴۹ء کو فوت ہوئے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک منایا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد اسحاقؒ

فتح پور بھکوے والی کے قریب ایک قصبہ چک میانہ ہے جہاں آپ کا مزار شریف ہے۔ آپ شاہدولہ دریائی کے زمانے میں دہلی سے یہاں تشریف لائے تھے۔ آپ کا عرس ہر سال ہاڑ کی دوسری جمعرات کو منایا جاتا ہے۔ آپ نے تبلیغ دین کے لیے پنجابی زبان میں عارفانہ کلام کا سہارا لیا۔ روایت ہے کہ آپ کے روضہ پر جو شخص جونیت بھی لے کر جائے اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔

منشی محمد شریف

منشی محمد شریف ۱۹۳۶ء میں شیخ پور شریف میں پیر اللہ دتہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں میں حاصل کی۔ ۲۰ سال کی عمر میں تبلیغ اسلام کے گھر سے روانہ ہوئے اور منڈی بہاؤالدین کے گاؤں بست میں جا کر ایک پرائیویٹ منشی لگ گئے۔ وہاں سے منشی کا لقب پایا اور اپنی رہائش بست کے چوہدری محمد خان گوندل کے گھر رکھی۔ وہاں پر جامع مسجد بست امام مسجد حافظ بشیر احمد سے دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ سید ریاض حسین شاہ آف ملکوال کے ہاتھ پر بیعت کی اور تصوف اور روحانیت کی منزلیں طے کیں۔ مرشد کی صحبت میں چودہ سال رہے تو انھوں نے حکم دیا کہ تبلیغ کے لیے اپنے آبائی گاؤں چلے جاؤ۔ یہاں آکر جامع مسجد گلزار حبیب تعمیر کرائی۔ آپ نے تمام عمر تبلیغ اسلام میں صرف کی۔ وفات ۲۴ دسمبر ۱۹۹۴ء بروز جمعۃ المبارک ہوئی۔ آپ کا سالانہ عرس پھاگن کی پہلی جمعرات کو منایا جاتا ہے۔

حضرت محمد یوسف غنیؒ

آپ کی پیدائش ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ اپنے وقت کے کامل ولی تھے۔ آپ کی نظر کرم سے کتنے ہی خوش نصیبوں کے دل اسم اللہ سے روشن ہوئے۔ آپ کا وصال ۱۱ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہوا۔ آپ کا عرس مبارک جمادی الثانی کے مہینے میں عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ حمد و ثناء، درود شریف کے لنگر عام تقسیم ہوتا ہے۔ عرس کے علاوہ ہر اتوار کو آپ کی درگاہ شریف تقریباً ساڑھے دس بجے حلقہ ذکر منعقد ہوتا ہے۔

حضرت بابا معصوم شاہؒ

قصبہ بھکو یوالی میں حضرت معصوم شاہ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ روایت ہے کہ مزار کے قریب جوہڑ (چھپڑ) میں نہانے سے ہر بیماری سے شفا ملتی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق یہاں سانپ حاضری دیتے ہیں لیکن لوگوں کو کچھ نہیں کہتے۔ ہر سال ہاڑ کی پہلی جمعرات کو عرس منایا جاتا ہے۔ لنگر ہر خاص و عام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

حضرت حافظ میاں احمد جیؒ

شادیوال میں آپ کا مزار ہے۔ روایت ہے کہ آپ سے جنات قرآن پاک کا درس حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق تقریباً سات لاکھ جنات یہاں حاضری دیتے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۲۵۰ ہجری میں ہوا تھا۔ مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت میاں محمد عالمؒ المعروف باواجی ناگڑیاں شریف

آپ کا تعلق کوٹلہ ارب علی خان کے نواحی گاؤں ناگڑیاں کی میر فیملی سے تھا۔ آباؤ اجداد بہت عرصہ قبل یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ کاشتکاری کیا کرتے تھے۔ انگریز دور میں بھرتی ہوئے اور برما کے محاذ پر خدمات سرانجام دیں۔ سروس کے دوران بغداد شریف میں حضرت عبدالقادر جیلانی کے مزار پر حاضری دی تو ان کی زندگی کی کایا ہی پلٹ گئی۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ کافی وسیع ہے۔ ہر سال پھاگن کی پہلی جمعرات کو سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت میراں محمد یحییٰ

خانقاہ حافظ حیات سے تھوڑے فاصلہ پر ایک بلند ٹیلہ پر رانیوال سیداں کا قدیمی قصبہ ہے۔ گاؤں کے عین وسط میں حضرت میراں یحییٰ کا مزار ہے۔ روایت ہے کہ مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ صاحب کرامت بزرگ ہیں' لشکر اسلام کے لیے دعا کریں کہ رانا سانگا کے ساتھ مقابلہ میں فتح ہو۔ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے فتح سے ہمکنار کرے گا لیکن میری نصیحت ہے کہ شراب نوشی ترک کردو۔ تاریخ گواہ ہے کہ بابر نے آپ کے حکم کے مطابق شراب نوشی ترک کردی اور شراب کے تمام مٹکے توڑ ڈالے۔ رانا سانگا کے خلاف فتح نے قدم بوسی کی۔

حضرت میراں کا خانوادہ ترمذ میں رہتا تھا۔ رشد و ہدایت اس خانوادہ کے فرائض منصبی میں تھی۔ اسی لیے یہ ہدایت کی روشنی لے کر برصغیر میں آئے اور دہلی کے مضافات میں قیام فرمایا۔ آپ کا ایک مرید رانا گجر وادی کشمیر کے دامن میں گجرات کا رہنے والا دربار شاہی سے وابستہ تھا۔ دونوں پیر و مرید اپنے علاقے گجرات میں آ گئے۔ حضرت نے وادی کشمیر میں تبلیغ و ارشاد کی ٹھانی لیکن رانا گجر نے آپ کو گاؤں رانیوال متصل جلالپور جٹاں ہی میں تبلیغ و ارشاد کے لیے گذارش کی۔ حضرت نے یہیں عقد فرمایا اور آپ کی اولاد امجاد باغ و بہار کی طرح پھیلی اور رشد و ہدایت کا چرچا دور دور تک ہوا۔ آپ کی برکتوں سے رانیوال گجراں' رانیوال سیداں کے نام سے مشہور ہوا۔

سید نادر علی شاہ المعروف سائیں شوکت سرکار مجذوبؒ

حضرت سید نادر علی شاہ المعروف سائیں شوکت سرکار مجذوب' قلعہ سورہ سنگھ (قلعہ اسلام نگر) میں عرس ہر سال ۴ اور ۵ نومبر کو منایا جاتا ہے۔ آپ صاحب کرامت ولی اللہ تھے۔ منہ سے نکلی ہوئی ہر بات قبول ہوتی تھی۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ

گجرات سے جنوب مغرب کی طرف ساہن پال شریف (تحصیل پھالیہ)' خاندان نوشاہیہ کی جائے سکونت ہے جن کے روحانی فیضان اور ظاہری علم و حکمت سے ایک جہاں سیراب ہوا اور گجرات کا خطہ بلاشبہ اس دولت سے پنجاب کا بغداد کہلایا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید حافظ حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری قدس اللہ سرہ ہیں۔ نوشہ گنج بخش کی پیدائش ۹۵۹ھ مطابق ۱۵۵۲ء کو ہوئی۔ آپ کی عمر پانچ برس کی ہوئی اور آپ کے والد گرامی حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آئے تو آپ کو ایک مکتب میں داخل کرا دیا۔ آپ کی تعلیم حاصل کرنے کی یہ حالت تھی کہ استاد ایک سبق پڑھاتا تھا تو آپ خود دس سبق پڑھ لیتے تھے۔ آپ نے بہت جلد قرآن کا ناظرہ ختم کرلیا۔ آپ نے تین ماہ کے اندر قرآن پاک کو حفظ کرلیا۔

آپ کی عمر گیارہ برس کی ہوئی تو آپ گھر سے نکل کر جنگلوں میں چلے گئے اور وہاں رات دن عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ آپ نے عبادات و مجاہدات اس شان سے کیے کہ چھ برس کامل تو مسجد میں مشغول رہے اور رات بھر دریا کے کنارے کھڑے ہو کر ذکر الٰہی اور ریاضت کرتے رہے۔ جذب و سکرات کا عالم طاری تھا۔ آپ رات دن جذب و سکر کی حالت میں رہے۔ دنیا کی کسی چیز کا علم نہ ہوتا تھا۔

آپ ایک دن نوشہرہ کی مسجد میں بیٹھے تھے اور وہاں تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھے کہ کسی دوست نے آ کر کہا۔ "پرگنہ جہیزہ میں ایک کامل فقیر رہتے ہیں جن کا نام عبدالکریم ہے۔ وہ بھلوال کے رہنے والے ہیں۔ وہ بہت ہی کامل ہیں۔ اگر آپ انکے پاس جائیں تو ان کی ایک ہی نگاہ میں ولی اللہ بن سکتے ہیں۔ ان کی ملاقات میں بہت سے لوگ فیض یاب ہو چکے ہیں۔ اگر آپ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ کا دامن بھی گلہائے مراد سے بھر جائے گا۔" چنانچہ یہ سن کر آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے حکم دیا کہ "شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کہ اس وقت وہ سرآمد روزگار ہیں۔" لہٰذا آپ ان کے حکم کی تعمیل کی خاطر وہاں پہنچے تو انھوں نے فرمایا: "میں تو ایک عرصہ سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ تم آ گئے تو بہت ہی خوب ہوا۔"

حضرت محمد شاہ قادری کو حضرت سلیمان نے اپنا مرید بنالیا۔ آپ کی تزکیہ باطنی تو پہلے ہی ہو چکی تھی اور آپ نے اس سے قبل بہت سے مجاہدات اور ریاضتیں کی تھیں جن کی وجہ سے آپ کا باطن صاف ہو چکا تھا۔ کچھ عرصہ تک مرشد کی خدمت میں قیام پذیر رہے۔ آپ پر وہ اس قدر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے کہ انھوں نے آپ کو اپنے بچوں کے پڑھانے کے لیے بھی مقرر فرما دیا۔ دونوں بچے بڑے ہونہار اور ذہین تھے۔ کچھ عرصہ پڑھانے کے بعد آپ کے مرشد نے خوش ہو کر اور آپ کی اہلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے خرقہ خلافت عطا کیا۔ آپ کی کشف و کرامات کی وجہ سے لوگوں کا آپ کے گرد ہر وقت ہجوم رہنے لگا۔ آپ حقیقت میں اپنے گرد لوگوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ جب آپ مرشد کے ہاں قیام پذیر تھے تو آپ کی محنت اور جانفشانی کو دیکھ کر آپ کے مرشد بہت خوش ہوئے اور انھوں نے آپ کو نوشہ پاک کا خطاب عطا فرمایا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے جنگل میں ایک پرانے کنویں میں بیٹھ کر چالیس روز تک ریاضت و مجاہدہ کیا۔ وہاں سے ہاتف غیبی نے آپ کو نوشہ کہہ کر پکارا۔

Marfat.com

اسکے بعد جو شخص آپ کو ملتا وہ بجائے آپ کا نام لینے کے آپ کو نوشہ کے نام سے پکارتا' یوں آپ کا اصل نام لوگوں کو بھول گیا اور نوشہ لوگوں کی زبان پر رائج ہو گیا۔ آپ نے ممالک عرب و عجم سیر کی۔ ہندوستان' سندھ' عرب اور مصر کا سفر کیا۔ سندھ میں خواجہ نصیر محمد سہروردی سے ملاقات ہوئی۔ مصر کی ایک مسجد میں معتکف رہے۔

حضرت نوشہ گنج بخش کی ساری عمر تبلیغ اسلام میں گزری۔ کفار کو حلقہ اسلام میں داخل کرنا جس قدر آپ کے حصے میں آیا' آپ کے معاصرین میں سے شاید ہی آیا ہو۔ آپ نے منظم طریقے سے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ مختلف ممالک و علاقوں میں اپنے خلفا بھیجے۔ جیسے افغانستان میں خواجہ فضیل وحی کابلی' قندھار میں سید شاہ محمد قطب قندھاری' کشمیر میں حافظ طاہر' پوٹھوہار میں سید شاہ محمد شہید رہتاسی اور شاہ فتا دیوان' ہندوستان میں شیخ نور محمد عاشق اور سندھ میں میاں لال اڈیرا اور جام ماجھی سلطان کو بھیجا۔ انکی کوششوں سے ہزاروں لوگ گمراہی و ضلالت سے نکل کر راہِ ہدایت پر آ گئے۔

آپ نے جب ''نوشہرہ تارڑاں'' میں اقامت فرمائی تو وہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں علوم متداولہ کی تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ کئی بزرگان ملت نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ شروع شروع میں آپ کی شہرت معلم و مدرس کے طور پر ہوئی تھی۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مریدوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مواعظ حسنہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی کوئی بھی مجلس واعظانہ و تبلیغی گفتگو سے خالی نہ ہوتی تھی۔ اگرچہ عام واعظوں کی طرح آپ منبر پر چڑھ کر وعظ و تقریر نہ فرماتے تھے۔ محفل میں یا بعد از نماز اپنے حقائق و معارف سے آپ اکثر حاضرین کو مستفیض فرمایا کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کو تصنیف و تالیف سے کوئی خاص رغبت نہ تھی' آپ بہ نسبت لفظی تبلیغ کے معنوی تبلیغ کو زیادہ پسند فرماتے تھے کیونکہ اسرار باطن کی سمائی لفظوں میں نہیں ہو سکتی اگرچہ بعض آثار و علامات حقائق کا بیان لفظوں میں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقۃ الحقائق کی گنجائش لفظوں میں نہیں ہو سکتی اور نہ وہ زبان یا قلم سے بیان ہو سکتی ہے' اس کا ذوق وجدان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی علم وجدانی کو اصطلاح صوفیہ میں علم الاسرار یا علم القلوب کہتے ہیں۔ اس علم میں متشابہات قرآن اور مقطعات فرقانی کے رموز و اشارات کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہ علم سینہ سے سینہ کی طرف منتقل ہوتا ہے' کتاب و کاغذ اس کا متحمل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی افہام و عقول اس کو ادراک کر سکتے ہیں' صرف ظرف قلب میں اس کی سمائی ہو سکتی تھی۔ اسی نظریہ کے ماتحت آپ نے تصنیف کا مشغلہ اختیار نہیں فرمایا۔ صرف چند نسخے آپ کی طرف منسوب ہیں۔ آپ کی وفات بروز سہ شنبہ آٹھ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ مطابق سترہ جنوری ۱۷۵۴ء بعہد شاہجہان بادشاہ ہوئی۔ آپ کا مزارِ پُر انوار ساہن پال شریف میں مرجع خواص و عام ہے۔

حضرت ولایت شاہ گجراتیؒ

سید ولائیت شاہ کی پیدائش ۱۸۸۸ء میں سید احمد شاہ کے گھر ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب بارھویں پشت میں حضرت میراں یحیٰ سے ملتا ہے۔ آپ نے دین پرور ماحول میں آنکھ کھولی۔ اخلاق و آداب کی پاکیزگی آپ کے خون و خمیر کا حصہ تھی۔ نیک اور پاکباز والدین نے دینی تعلیم کے لیے آپ کو قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کے خاطر گاؤں کی مسجد میں بھیجا۔ حافظ کرم الدین سے قرآن مجید حفظ کیا۔ جنڈ شریف کی درسگاہ میں حسن قرآت کی تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہ تھا وہاں سے فراغت پا کر آپ للہ ضلع جہلم تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ غلام نبی سے قرآت سیکھی۔ حصول علم کے بعد آپ عوام کے اصرار پر گجرات تشریف لے آئے۔ آپ کی زیر نگرانی ہزاروں کی تعداد میں اللہ کے نیک بندوں نے حفظ قرآن کیا اور لاتعداد نے ناظر قرآن پڑھا۔ آپ تمام عمر قرآن مجید کی تعلیم و ترویج میں مصروف رہے۔ ۱۹۱۵ء میں حضرت جماعت علی شاہ کے ہاتھوں بیعت ہوئے۔ آپ کو قاضی سلطان محمود' سائیں کرم الٰہی المعروف کانوالی سرکار اور حضرت شاہدولہ دریائی سے والہانہ محبت رکھتے تھے اور ان کے ہاں حاضری ضرور دیتے تھے۔

آپ نے اپنے قائم کردہ درس نظامیہ کا نام مدرسہ خدام الصوفیہ رکھا اور اس کے انتظام کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس مدرسہ کی بنیاد امیر ملت پیر جماعت علی شاہ نے رکھی۔ اس مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والے چار وانگ عالم پھیل گئے اور تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ تصوف و سلوک کے باب میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ آپ کی حیات پر درج ذیل تین کتابیں لکھی جا چکی ہیں:

۱۔ تذکرہ شاہ ولائیت مصنف محمد نواز شاہد
۲۔ نقش حیات مصنف مولانا وقار حسین طاہر
۳۔ چشمہ ہدایت مصنف مولانا سید محمد یونس کاظمی

حوالہ جات

۱۔ پنجابی علم و ادب میں مسلمانوں کا حصہ' خانصاحب قاضی فضل حق' مرتبہ بذل حق محمود' سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور' ۲۰۰۴ء
۲۔ پنجابی کے صوفی شاعر' ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن' اردو ترجمہ امجد علی بھٹی' بک ہوم' لاہور' ۲۰۰۴ء
۳۔ تاریخ جلالپور جٹاں (جلد اول)' عارف علی میر ایڈووکیٹ' المیر ٹرسٹ

Marfat.com

لائبریری، گجرات، ۲۰۰۲ء

۴۔ تاریخ لالہ موسیٰ، اسحاق آشفتہ، محمد ویلفیئر سوسائٹی، لالہ موسیٰ ۱۹۹۸ء

۵۔ تذکار حضرت حاجی رحمت علی سرکار، حاجی محمد افضل، منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۵ء

۶۔ تذکرہ علمائے پنجاب (۱۲۰۱ھ۔۱۴۰۰ھ) (جلد دوم) اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۸۰ء

۷۔ تذکرہ شرافت نوشاہی، تالیف محمد اقبال مجددی/عارف نوشاہی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

۸۔ تذکرہ مجاہد ملت، محمد نواز شاہد نقشبندی، یونیورسل اسلامک کالج، گجرات، جولائی ۱۹۹۸ء

۹۔ خفتگان خاک گجرات، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، سلیچ پبلی کیشنز، گجرات، اکتوبر ۱۹۹۶ء

۱۰۔ ضلع گجرات: تاریخ، ثقافت، ادب، ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، جنوری ۱۹۹۵ء

۱۱۔ کاشف اسرار: حیات و تصانیف صوفی عطا محمد قادری، ڈاکٹر نفیس اقبال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء

۱۲۔ گجرات کی ادبی تاریخ، سید مسعود ہاشمی، فکر نو پبلشرز، گجرات، جون ۲۰۰۰ء

۱۳۔ مضامین بذل حق محمود، بذل حق محمود، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۴۔ نوشاہی شعرا، ابوالکمال برق نوشاہی، حاجی عدالت خان قادری نوشاہی، سرگودھا، فروری ۱۹۷۹ء

۱۵۔ وفیات اہل قلم، ڈاکٹر محمد منیر سلیچ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

Marfat.com

حصہ دوم

تمدنی ومعاشرتی جائزہ

(ثقافتی ورثہ)

تمدنی ومعاشرتی جائزہ

(ثقافتی ورثہ)

آداب کی طرح اقوام اپنی زندگی گزارنے کے لیے بعض اجتماعی یا فروعی رسوم ورواج بھی اختیار کرتی ہیں۔ اگرچہ ان کی حیثیت قانون کی نہیں ہوتی لیکن ان سے چھٹکارا پانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ ایسے رسوم ورواج کا کسی قوم کی تہذیب وثقافت' اخلاق وعادات' مذہبی عقائد ذہنی رجحانات اور طرزِ معاشرت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی قوم کے ترقی یافتہ اور خوشحال ہونے یا زوال پذیر اور فلاکت زدہ ہونے میں اس کے رسوم ورواج کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ کسی معاشرے کو نئے سانچے میں ڈھالنے کے لیے رسوم ورواج کی اصلاح ناگزیر ہوتی ہے۔ ہر قوم کے ہاں اچھی یا بری رسمیں ضرور موجود ہوتی ہیں جوں جوں کوئی قوم تعلیم یافتہ ہوتی جاتی ہے اس کے شعور میں پختگی آتی جاتی ہے اور اس طرح اس قوم میں موجود بری رسمیں خود بخود معدوم ہونے لگتی ہیں۔

پنجاب دنیا کا واحد خطہ ہے جس میں دنیا بھر کے رسوم ورواج آئے' جاری ہوئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے کچھ معدوم بھی ہوئے۔ ان رسوم و رواج پر غیر ملکی اثرات کا عالم یہ ہے کہ حضرت علامہ اقبال کو کہنا پڑا کہ پنجاب ثقافتی اعتبار سے ہندوستان کے بجائے وسطی ایشیا کا خطہ ہے۔ رسومات کے بڑے ذخیرے کا تعلق مذہب سے ہوتا ہے۔ پنجاب کے رسوم ورواج کا تعلق بھی بظاہر اسلامی معاشرہ سے ہے لیکن اس کے پس منظر میں یہاں کی ہندوانہ اور غیر ملکی رسومات بڑے زور سے کارفرما ہیں۔ بعض ایسے رسوم ورواج بھی ہیں جو اسلامی اقدار سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بہرحال پنجاب برصغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح آپ مخصوص رسوم و رواج بھی رکھتا ہے۔ تاہم ایسے رسوم ورواج بھی کم نہیں جو جزوی فرق کے ساتھ پاکستان کے دوسرے صوبوں اور اسلامی ممالک میں بھی رائج ہیں۔ اسلامی رسومات کا تذکرہ کرنے سے پہلے ہندوانہ رسوم ورواج کا ذکر کیا جاتا ہے جس کے مطالعے سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے ہاں گجرات میں ان کا چلن کیسا عام ہے۔

مسلمانوں کی مذہبی رسومات

عشرۂ محرم

ماہ محرم سے مسلمانوں کے قمری سال کا آغاز ہوتا ہے۔ پنجاب میں عام طور پر اس کا پہلا عشرہ شہدائے کربلا کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اہل تشیع ان دنوں سوگ مناتے' ماتم کرتے' جلوس نکالتے اور مجالس منعقد کرتے ہیں۔ سنی حضرات اگرچہ اہل تشیع سا سب کچھ نہیں کرتے لیکن وہ بھی ان دس دنوں میں کوئی شادی بیاہ نہیں رچاتے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ان دنوں میں کی جانے والی شادیاں بالعموم ٹوٹ جاتی ہیں۔ اس طرح نیا مکان بنوانا بھی مناسب نہیں سمجھا جاتا۔

شیعہ حضرات محرم کے پہلے عشرے میں حضرت امام حسینؓ کی عزاداری کی تقریبات قریباً سارے پنجاب میں قائم کرتے ہیں۔ ابتدائی دس راتوں کو کالا لباس پہن کر مسلسل سینہ کوبی کرتے ہیں۔ ایسا کرتے وقت وہ سروں پر راکھ ڈال لیتے ہیں۔ بالعموم جوتے بھی نہیں پہنتے۔ گھروں میں سونے کی چارپائیوں کو الٹا کر کے سوتے ہیں۔ پانچویں محرم سے عام مجالس اور ماتمی جلوسوں کے علاوہ زیارات نکالنے کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ گجرات میں بھی پانچویں محرم تک عام مجالس ہوتی ہیں۔ پانچ محرم کو حضرت عباسؓ علمدار کا علم برآمد ہوتا ہے' چھ محرم کو حضرت علی اصغر کی یاد میں جھولے برآمد ہوتے ہیں جن میں چھوٹا سا خون آلود کرتہ بھی رکھا ہوتا ہے' جو سامان گریہ بہم پہنچاتا ہے۔ سات محرم کو شاہزادہ علی اکبر کی یاد میں ذوالجناح اور امام قاسم کی یاد میں مہندی کے جلوس برآمد ہوتے ہیں۔ گجرات میں دسویں محرم کی رات کو نو بجے ذوالجناح کا بڑا جلوس نکالا جاتا ہے۔ یہ جلوس تمام رات چلتا ہے اور مختلف امام باڑوں سے ہوتا ہوا ایک بڑے ماتمی جلوس کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دراصل یہ عشرہ محرم کی

Marfat.com

سرگرمیوں کی آخر رسم ہوتی ہے جس کے آخر میں دعا کی جاتی ہے۔سنی حضرات اگرچہ ماتم نہیں کرتے لیکن وہ بھی جلوس کے راستہ میں اس دن پیاس امام حسین کی یاد میں میٹھے پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں۔اس روز شیعہ سنی حضرات سفید چنے یا تڑکے والے چاول اور بعض اوقات میٹھے چاول پکا کر بانٹتے ہیں۔نان چھولے بھی تبرک کے طور پر تقسیم کیے جاتے ہیں۔محرم میں کچی ٹھوٹھی بھی بانٹنے کا رواج عام ہے۔

محرم کے ابتدائی عشرے بالخصوص دسویں محرم کو گجرات کے لوگ قبرستانوں میں جاتے ہیں اور اپنے مرے ہوئے عزیز و اقارب کی قبروں پر مٹی ڈال کر ان کی حالت ٹھیک کر دیتے ہیں۔

کونڈوں کی رسم

یہ رسم ایک طرح سے حضرت امام جعفر صادق کی نیاز ہے۔جو اس روایت پر مبنی ہے کہ ایک غریب لکڑ ہارا تھا' اس کو امام جعفر صادق نے نیاز پکا کر تقسیم کرنے کو کہا۔اس نے ایسا کیا اور وہ خوش حال ہو گیا۔چنانچہ یہ رسم گجرات میں بھی اسی روایت کی بنا پر منائی جاتی ہے۔اس رسم کے مطابق حلوہ پوڑی تیار کر کے کورے کونڈوں میں بھر لیے جاتے ہیں' جن کے کھانے کے لیے لوگوں کو گھروں میں مدعو کیا جاتا ہے۔پکائے جانے والے یہ کھانے گھر سے باہر لے جا کر کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔یہ رسم شیعہ حضرات کے علاوہ بعض سنی بھی ادا کرتے ہیں۔

شب برات

پاکستان کے دوسرے حصوں کی طرح گجرات میں بھی شعبان کی پندرھویں تاریخ کو منایا جاتا ہے۔رات کو چراغاں اور آتش بازی اس تہوار کا ضروری حصہ سمجھا جاتا ہے۔جو یقیناً ہندوانہ اثر ہے۔اگرچہ آتش بازی سے لوگوں کا ہر سال جانی اور مالی نقصان بھی ہوتا ہے لیکن وہ آئندہ سال پھر اُسی جوش و جذبہ سے آتش بازی کرتے ہیں۔البتہ جو لوگ اس تہوار کو اسلامی سمجھ کر مناتے ہیں وہ صرف عبادت کرتے ہیں۔شب برات برکت والی رات کہلاتی ہے۔لیکن عام لوگوں کے خیال میں یہ برات یعنی آئندہ سال کی قسمت بانٹنے والی رات ہوتی ہے جس میں زندہ رہنے والے لوگوں کے آئندہ سال کا بجٹ تیار ہوتا ہے اور دنیا سے رخصت ہونے والوں کے حصے کا پتا شجر طوبیٰ سے گر جاتا ہے۔

جشن عید میلاد النبی

جشن عید میلاد النبی مسلمانوں کا بڑا تہوار ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس روز دنیا میں تشریف لائے' اس لیے مسلمان اس دن کو بڑے ذوق و شوق اور تزک و احتشام سے مناتے ہیں۔گھروں اور مسجدوں میں چراغاں کیا جاتا ہے۔نیز مسجدوں میں محافل ذکر و اذکار منعقد کی جاتی ہیں۔درود و صلوٰۃ اور نعت خوانی کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔رات کو خصوصی نفلی عبادت کی جاتی ہے۔نیاز پکا کر غریبوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔

گجرات میں جشن عید میلاد النبی کا جلوس ہر سال برآمد ہوتا ہے۔جلوس میں بیل گاڑیاں' ٹانگے' بگھیاں' ٹرک سجا بنا کر شامل کیے جاتے ہیں۔ان پر سپیکر نصب ہوتے ہیں جن پر نعت خوانی اور وعظ ہوتا ہے۔راستے میں لوگ شربت دودھ وغیرہ کی سبیلیں لگاتے ہیں۔جشن میلاد النبی گجرات کے ہر چھوٹے بڑے قصبے میں منایا جاتا ہے۔اس موقع پر گھروں اور مسجدوں میں چراغاں بھی کیا جاتا ہے۔محافل نعت اور ذکر و اذکار بھی منعقد ہوتی ہیں۔لوگ رات بھر نوافل پڑھتے ہیں اور اس روز حسب توفیق کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا ہے یا شیرینی بانٹی جاتی ہے۔یہ جشن اب باقاعدہ دوسری عیدوں کی طرح منایا جانے لگا ہے۔حکومت پاکستان جشن میلاد النبی کو سرکاری طور پر مناتی ہے۔اس موقع پر سرکاری طور پر دفاتر میں چھٹی اور اور سرکاری عمارات پر چراغاں ہونے لگا ہے۔

جشن بڑی گیارہویں شریف

یہ جشن شیخ عبدالقادر جیلانی کے یوم وفات پر گیارہ ربیع الثانی کو منایا جاتا ہے۔گجرات کے سنی حضرات ہر چاند کی گیارہویں تاریخ کو گیارہویں شریف مناتے ہیں۔اس موقع پر ذکر و اذکار اور نعت خوانی کی محفلیں ہوتی ہیں۔گھروں میں دودھ کی کھیر پکا کر بانٹی جاتی ہے۔

آخری چہار شنبہ

آخری چہار شنبہ اسلامی سال کے ماہ صفر کے آخری بدھ کو منایا جاتا ہے۔اس روز حضرت محمدؐ نے صحت یابی کے بعد علی الصبح غسل صحت فرمایا تھا اور چہل قدمی فرمائی تھی۔محبوب خدا کی اس سنت پر مسلمان ہر سال عمل کرتے ہیں۔یہ سنت پنجاب

Marfat.com

بالخصوص گجرات میں قدیم زمانے سے بڑے اہتمام کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ یہ رسم گجراتی معاشرے میں ایک مذہبی رسم کا درجہ رکھتی ہے۔

معراج النبیؐ

معراج النبی کا واقعہ اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس روز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعض علما کے نزدیک جسمانی طور پر اور بعض علما کے نزدیک روحانی طور پر عرش معلیٰ پر قاب قوسین سے بھی زیادہ قریب جا کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے جو کہ کسی انسان کی اعلیٰ ترین معراج تھی۔ گجرات کے مسلمان اس واقعہ کو اپنی مذہبی رسوم میں بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اس رات کو خصوصی کھانے پکا کر ختم دلاتے ہیں۔ رات کو ذکر و اذکار، وعظ و نصیحت درود و صلوۃ اور نعت کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ خصوصی نوافل پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔

نماز تراویح

رمضان کے مہینے میں گجرات کے مسلمان دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو تراویح پڑھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تراویح کے بغیر روزہ بے معنی ہے۔ لہٰذا پہلی رمضان سے لے کر عید کا چاند نظر آنے کی شب سے پہلے انتیس یا تیس دن تک حنفی فقہ کے پیروکار بیس رکعت تراویح اور اہل حدیث مسلک کے لوگ آٹھ رکعت تراویح روزانہ پڑھتے ہیں۔ ان تراویح کی امامت حافظ قرآن کراتا ہے جو ستائیسویں رات تک پورے قرآن کی قرأت مکمل کرتا ہے۔ مقتدیوں میں ایک یا اس سے زیادہ حافظ بھی شامل ہوتے ہیں جو امام کو بھول جانے کی صورت میں لقمے دیتے ہیں۔ انھیں سامع کہا جاتا ہے۔ ستائیسویں رمضان کو حافظ، سامع اور امام مسجد کو خصوصی نقدی مٹھائی اور جوڑے پیش کیے جاتے ہیں۔ ختم قرآن پر ستائیسویں شب کو ایک خصوصی ختم اور دعا بھی ہوتی ہے جس میں مٹھائی وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ جو حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے۔

اٹھائیس اور انتیس رمضان المبارک کی راتوں کو خصوصی طور پر مختلف مساجد میں ساری رات نماز میں قرآن مجید سنانے کا اہتمام کیا جاتا ہے ان تین راتوں میں پورے قرآن مجید کی قرأت کی جاتی ہے۔ اس عبادت کو شبینہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اب شبینہ کا اہتمام سرکاری مساجد میں بھی کیا جاتا ہے۔

لیلۃ القدر

اسلامی شریعت میں لیلۃ القدر کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ قرآن کا نزول اسی رات کو ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اس رات کو جشن قرآن منایا جاتا ہے۔ لیلۃ القدر کے بارے میں اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرے میں واقع ہوئی ہے لیکن اس کی صحیح تاریخ کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔ بہر طور رسول کریمؐ کے ارشاد کے مطابق لوگ اس رات آخری عشرے کی طاق راتوں (۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جمہور کا اتفاق رمضان کی ستائیسویں رات پر ہے۔ گجرات میں عام طور پر اس رات کو ستیویں کی رات کہتے ہیں۔ چنانچہ اس رات کو شایان شان طریقے سے منانے کے لیے انتظام کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کی تراویح میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے' اس کا آخری حصہ اسی رات کو تلاوت کیا جاتا ہے۔ پھر اس حوالے سے خصوصی تقریب منعقد ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں لیلۃ القدر کو ایک ہزار راتوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے لہٰذا مسلمان اس رات میں عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینوں کے برابر سمجھتے ہیں۔

اعتکاف

اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ پر کچھ وقت کے لیے ٹھہرنا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد رمضان المبارک کے مہینے کے آخری دس دنوں کے لیے کسی مسجد میں قیام کرنا ہے۔ اعتکاف پر بیٹھنے والے کو معتکف کہتے ہیں۔ وہ بیسویں رمضان کو نماز عصر کے وقت اعتکاف کے لیے مسجد میں بیٹھ جاتا ہے اور جب تک عید کا چاند نظر نہ آئے حالت اعتکاف میں رہتا ہے۔ عورتیں گھروں میں اعتکاف بیٹھتی ہیں۔ محلے میں ایک شخص کے اعتکاف بیٹھنے سے سب محلے والوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ عشرے کے آخری دنوں میں اعتکاف ایک لمحہ کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور پورے دن کے لیے بھی۔ اعتکاف کے لیے عام طور پر محلے کی اس مسجد کو ترجیح دی جاتی ہے جس میں پانچ وقت باجماعت نماز پڑھی جاتی ہو اور جمعہ کا خطبہ بھی ہوتا ہو۔ اعتکاف کی حالت میں معتکف تمام دنیاوی امور سے اجتناب کرتا ہے۔ تمام وقت عبادت اور قرآن مجید کی تلاوت میں گزارا جاتا ہے۔ محلہ کی مسجدوں میں عام طور پر ایسے معتکف کپڑے کے پردوں کے ذریعہ اپنے لیے خلوت گاہ بنا لیتے ہیں۔ وہ فقط ضروری رفع حاجت وغیرہ کے لیے مسجد سے باہر جاتے ہیں۔ اس دوران میں وہ کسی سے کوئی گفتگو

Marfat.com

نہیں کرتے۔ عام طور پر ایسے لوگوں کو کھانا گھر سے بھیجا جاتا ہے۔ وہ ضروری اشیاء کے لیے گھر والوں کے لیے چٹ لکھتے ہیں۔ یہ اعتکاف ۲۹ یا ۳۰ رمضان کو چاند نظر آنے تک جاری رہتا ہے۔ چاند کی شب معتکف شکرانے کے نفل ادا کرتا ہے۔ محلّے کے لوگ جمع ہو کر اس کے گلے میں پھولوں یا کاغذی نوٹوں کے ہار ڈالتے ہیں اور اس سے خصوصی دعا کرواتے ہیں۔ گلے ملتے ہیں اور پھر بڑی عزت و احترام سے اسے گھر تک چھوڑ کر آتے ہیں۔ گھر کے لوگ بھی اس کی آمد پر خوشی مناتے ہیں اور اس سے خصوصی دعا کرواتے ہیں۔

فطرانہ

غریبوں کو عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کے لیے اسلامی روایت کے مطابق گجرات کے مسلمان سوا دو کلو گندم یا اس کے برابر رقم عید الفطر نماز پڑھنے سے پہلے غریبوں کو دیتے ہیں۔ رقم کی اس عطا کو فطرانہ کہتے ہیں۔ فطرانہ ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے جس سے عید کی رات کو پیدا ہونے والا بچہ یا عارضی طور پر عید سے پہلے گھر میں ٹھہرے وا مہمان بھی مستثنیٰ نہیں۔ فطرانہ گھر کے سربراہ کو دینا پڑتا ہے۔

عیدالفطر

یہ عید ماہ رمضان کے ختم ہونے پر شعبان کی پہلی تاریخ کو منائی جاتی ہے اور تین دن تک جاری رہتی ہے۔ یہ مسلمانوں کا خوشی کا تہوار ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی خوشی کے ساتھ منایا تھا۔ پنجاب میں اس عید کو چھوٹی عید اور عید الاضحیٰ کو بڑی عید کہتے ہیں۔ پنجاب میں اس کو حلوہ یا سویوں کی عید بھی کہتے ہیں کیونکہ عید پڑھنے سے پہلے میٹھی سویاں یا حلوہ کھایا جاتا ہے۔ عید الفطر رمضان کا شکرانہ بھی سمجھی جاتی ہے۔ اس موقع پر محلہ میں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو عید مبارک کہی جاتی ہے۔ شہروں میں ٹیلیفون پر مبارک باد دی جاتی ہے۔ عید سے پہلے دور کے رہنے والے رشتے داروں کو خوبصورت عید کارڈ ارسال کیے جاتے ہیں جو دونوں کے ذوق کے مظہر ہوتے ہیں۔

پنجاب میں نو بیاہتا لڑکیوں کو اس موقع پر میکے بلا لیا جاتا ہے۔ پرانی بیاہی لڑکیوں کو عید سے پہلے عیدی بھیجی جاتی ہے جس میں سویاں یا سوجی، چینی، کپڑے اور دوسری اشیاء شامل ہوتی ہیں۔ لڑکیوں کو ماں، باپ اور خاص طور پر بھائیوں کی طرف سے ایسی عیدی کی آمد کی آس شدت سے رہتی ہے۔ ورنہ وہ سخت غم محسوس کرتی ہیں۔ یہ عید قمری مہینے کے حساب سے مناتے ہیں اس لیے یہ سال کے مختلف موسموں میں آتی ہے۔ اس طرح یہ عید منانے میں بوریت محسوس نہیں ہوتی۔ عید اگر جمعہ کے دن آئے تو پنجاب کے لوگ اسے حکمرانوں کے لیے منحوس سمجھتے ہیں۔ عید پڑھنے کے بعد شہری لوگ باغوں، پارکوں میں سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ لاہور میں بچے والدین کے ساتھ چڑیا گھر اور عجائب گھر بھی جاتے ہیں۔ نو بیاہتے جوڑے لڑکی کے میکے یا دوسرے رشتوں داروں سے عید ملنے جاتے ہیں۔

دیہات میں عید کے موقع پر بعض اوقات خصوصی کھیل، گھوڑ دوڑ، کبڈی، کشتی وغیرہ منعقد کیے جاتے ہیں۔ عید کے موقع پر سرکاری دفاتر میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔ عید کی چھٹیوں کے دوران میں کاروباری مراکز اور بازار بھی بند رہتے ہیں۔

گجرات میں رمضان سے پہلے عید کے فوراً بعد شادیوں کا بہت زور ہو جاتا ہے۔ نماز تسبیح رمضان کے مہینے میں جمعہ کے دن مسلمان عورتیں صبح ۹-۱۰ بجے کے قریب یا کسی مذہبی گھر میں جمع ہو کر نماز تسبیح پڑھتی ہیں۔ عام طور پر ۱۲ رکعات نفل ادا کیے جاتے ہیں۔ ہر نیت میں چار نفل ادا کیے ہیں ہر رکعت میں تسبیح اور تہجد اور کوئی سورہ پڑھنے کے پندرہ بار سبحان اللہ و الحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ

اس عید کو بڑی عید اور بقرعید بھی کہتے ہیں۔ یہ عید تین دن تک جاری رہتی ہے۔ گجرات کے لوگ دوسرے دن کو ٹرو، تیسرے دن کو مرو، کہتے ہیں۔ اس عید کو گوشت کی عید بھی کہا جاتا ہے۔ لباس کی رنگینی اور خوشی کی چہل پہل اس عید کے موقع پر عید الفطر سے کہیں کم ہوتی ہے۔ اور عید پڑھ کر قربانی دی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ قربانی ہی کے گوشت سے فاقہ افطار کیا جائے۔ اگر مرد نے قربانی دینی ہو تو عام طور پر وہ پہلے عشرہ میں عید پڑھنے سے پہلے تک حجامت نہیں کرواتا۔ پہلا حصہ خود دوسرا خویشوں اور تیسرا درویشوں کا ہوتا ہے۔ کھال بھی امام مسجد کو دی جاتی ہے۔ لیکن اب کھال مدارس، یتیم خانوں یا غریبوں کو دی جاتی ہے۔ عام طور پر پہلے دن کو قربانی کے لیے افضل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات لوگ تیسرے دن تک قربانی کرتے رہتے ہیں۔ قربانی کے جانوروں میں مینڈھا، بکرا، گائے، بھینس کی قربانی عام ہے۔ کہیں

Marfat.com

کہیں اونٹ کی قربانی بھی دیکھنے میں آتی ہے۔قربانی کا گوشت دوسرے شہروں میں لے جانا خطرناک سمجھا جاتا ہےاور راستے میں حادثے یا موت کا وہم کیا جاتا ہے۔آج کل لوگ گوشت کو فریجوں یا فریزروں میں محفوظ کر لیتے ہیں اور پھر عید کے بعد کئی دنوں تک استعمال کرتے ہیں۔بعض اوقات گوشت کو ابال کر چنے کی دال میں ملا کر وڑیاں بنائی جاتی ہیں جو مہینوں چلتی ہیں۔گوشت پکا کر کھایا جاتا ہے۔اس کی چانپیں تکے کباب بھی بنا کر کھائے جاتے ہیں۔بعض اوقات چاولوں کی یخنی پکا کر کھاتے ہیں جو عام طور پر بھاری یا دیر ہضم سمجھی جاتی ہے۔

عیدغدیر

یہ عید اہل تشیع مناتے ہیں۔ان کے نزدیک یہ ایک خوشی کا دن ہے کیونکہ اس روز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر کے مقام پر حضرت علی سے کہا تھا: فمن کنت مولی فھذا علی مولی یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔

علاوہ ازیں بزرگان دین کے مزارات پر بھی لوگ کئی رسوم ادا کرتے ہیں۔وہ بزرگان دین کے مزارت پر دیئے جلاتے ہیں تا کہ عبادت اور ذکر واذکار کے لیے آنے والوں کو سہولت رہے۔لیکن ان کی دیکھا دیکھی عوام نے اب قبروں پر بھی ہر جمعرات کو موم بتیاں‘ دیئے اور اگر بتیاں جلانی شروع کر دیں۔اسی طرح دولہا اور دلہنوں کو شادی کے موقعوں پر ایسے بزرگوں کے مزاروں پر لے جا کر دعا منگائی جاتی ہے اور چڑھاوا بھی چڑھایا جاتا ہے۔پھر لوگ نقدی‘ دودھ‘ کھیر‘ چاول کی دیگیں‘ دال‘ روٹی‘ اناج‘ پھلیاں‘ مکھانے‘ مٹھائی‘ چادریں‘ پارچہ جات‘ زیورات‘ پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں۔کبوتروں کے لیے دانہ بھی بکھیرتے ہیں۔عرس کے موقع پر ان مزاروں کو عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔

مبارک بادی کی رسمیں

گجرات میں خوشی کے موقع پر مبارک بادی کی رسم بہت پرانی ہے۔ کیونکہ دوسروں کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہونا پنجابی معاشرت کی ایک روشن روایت ہے۔انسانی زندگی میں خوشی کے کئی مواقع آتے ہیں جن میں سے بعض کا تعلق علاقہ یا قوم سے ہوتا ہےاور بعض کا تعلق افراد یا فرد سے ہے۔خوشی کے یہ مواقع مذہبی بھی ہو سکتے ہیں‘ سیاسی بھی اور معاشرتی بھی۔ چنانچہ گجرات میں ایسی خوشیوں میں سب کا شریک ہونا پنجاب کی تمدنی روایت ہے۔

انفرادی خوشیوں میں لڑکے کی پیدائش‘ منگنی‘ شادی جیسے مواقع شامل ہیں۔ایسے موقعوں پر عزیز و اقارب‘ دوست‘ محلّہ دار‘ گاؤں کے ساتھی‘ شریک کاروبار سب بچے کے والدین اور شادی کی صورت میں خود لڑکے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ پیدائش کی صورت میں مبارک بادی کے لیے آنے والوں کو پرانے زمانے میں گڑ کی روڑی‘ پتاشے اور آج کل لڈو دیئے جاتے ہیں۔اس موقع پر مبارک بادی کے لیے خسرے‘ بھانڈ‘ مراثی بھی آتے ہیں جنہیں نقدی کپڑوں کے جوڑے اور اجناس دی جاتی ہیں۔گاؤں کے بڑے چودھری کے ہاں اگر لڑکا پیدا ہوا تو کمین لوگوں کو کچھ نہ کچھ دان دیا جاتا ہے۔مسلمانوں کے ہاں جن لوگوں کے پیر ہوں وہ جا کر انھیں اطلاع دیتے ہیں اور مبارک بادی کے طور پر پیر کو نذر نیاز پیش کرتے ہیں۔

یہی حال شادی کے موقع پر ہوتا ہے۔شادی کی رسم میں شرکت کے لیے گاؤں کی عورتیں اور مرد شادی والے گھر جاتے ہیں۔اور اہل خانہ کو مبارک باد کہتے ہیں۔عملی زندگی میں ملازمت ملنے‘ عہدے میں ترقی پانے اور آخر میں باعزت طور پر ریٹائر ہونے کی صورت میں مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔ ملازمت ملنے کی صورت میں ملازم والدین کو مبارک بادی دینے کے لیے آنے والوں کو لڈو یا مٹھائی دیتے ہیں۔دفتر میں مبارک بادی کے طور پر اس کو استقبالیہ پارٹی دی جاتی ہے۔عہدے میں ترقی کی صورت میں ملازم اپنے رفقائے کار کو پارٹی دیتا ہے۔لیکن ترقی پانے والا اگر اعلیٰ افسر ہو تو ماتحت اس کی پارٹی کرتے ہیں اور اسے ہار پہناتے ہیں۔باعزت ریٹائر منٹ کسی زمانے میں بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا اور ریٹائر ہونے والے کے اعزاز میں بڑی ضیافت منعقد ہوتی تھی۔اسے تحفے تحائف دیئے جاتے تھے۔پھر باقاعدہ گھوڑے پر سوار کر کے اور باجوں اور ڈھول کی تھاپ کے ساتھ اسے گھر تک چھوڑا جاتا تھا۔گھر والے بھی اس موقع پر خوشی مناتے تھے۔اسی طرح اگر کوئی بیماری سے صحت یاب ہو یا حادثہ میں بچ جائے تو اسے بھی مبارک باد دی جاتی ہے۔ بچے امتحان میں کامیاب ہوں تب بھی مباک بادی دی جاتی ہے اور خوشی میں لڈو بھی بانٹے جاتے ہیں۔

مذہبی تہواروں کے موقع پر بھی ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے مثلاً مسلمان عیدین کے موقعوں پر دوستوں‘ رشتے داروں اور نمازیوں سے گلے ملتے ہیں اور انھیں عید مبارک کہی جاتی ہے۔عید الفطر پر مبارک بادی کے لیے دوستوں‘ رشتے داروں‘ رفقائے کار کو عید کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔اسی طرح جو شخص رمضان میں

Marfat.com

اعتکاف مکمل کرے اسے بھی مبارک باد دی جاتی ہے اور پھولوں یا کاغذی نوٹوں کے ہار گلے میں پہنائے جاتے ہیں اور لوگ گلے ملتے ہیں۔ حج' عمرہ یا زیارت کے لیے جانے آنے والے کو بڑی گرمجوشی سے مبارک باد دی جاتی ہے۔ ان کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ الوداع اور واپسی پر استقبال کیا جاتا ہے' ان کے گلے میں بھی پھولوں اور کاغذی نوٹوں کے ہار ڈالے جاتے اور مبارک باد دی جاتی ہے عیسائیوں میں کرسمس کے دن ایک دوسرے کو مذہبی جوش و جذبے کے ساتھ مبارک باد دی جاتی ہے۔ اسی طرح نئے سال کی خوشی میں مبارک بادی کارڈ بھی بھیجے جاتے ہیں۔ گجرات میں برطانوی تہذیب کے متاثرہ پرانے ملازمین بھی اس موقع پر اپنے دوستوں اور افسروں کو مبارک بادی کے کارڈ بھیجتے ہیں۔

قومی دنوں' قومی کھیلوں میں جیت' کتاب کی تصنیف' نیا دفتر اور کاروبار شروع کرنے' اور سیاسی انتخابات میں انفرادی اور پارٹی کی کامیابی' جنگ میں فتح یا جنگی قید سے نجات پانے' عام قید سے چھوٹنے وغیرہ کے مواقع پر بھی مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔ غیر ملکی دورے کی کامیابی اور سفر کے بخیریت گزرنے' کامیاب آپریشن یا کسی منصوبے کی تکمیل ہونے کے مواقع پر بھی خوشی کے اظہار کے لیے رسمی طور پر مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔ اسی طرح تعلیم یا کسی کورس کے مکمل ہونے' کامیاب سودے' یا کاروبار' زمین' گاڑی' موٹر سائیکل' سائیکل' ٹی وی' فریج' خریدنے پر بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ بڑی کامیابیوں پر مبارک بادی کے لیے دعوتیں بھی کی جاتی ہیں۔

پیدائش اور بچپن کی رسمیں

ہندوؤں' مسلمانوں' اور سکھوں میں بچوں کی پیدائش اور بچپن کی بہت سی رسمیں مشترک ہیں لیکن بعض رسموں میں ہر ایک کا اپنا مخصوص مذہبی رنگ نمایاں ہے۔ دیہاتی اور شہری رسموں کا اختلاف اس کے علاوہ ہے۔ دیہاتی تعلیمی لحاظ سے ابھی تک پسماندہ ہیں۔ لہٰذا یہ شہری لوگوں کے مقابلے میں رسموں کے زیادہ پابند ہیں۔ پیدائش اور بچپن کی چند رسوم یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

زچگی

دیہاتوں میں زچگی عام طور پر گھروں میں ہوتی ہے۔ یہ کام دیہات کی دایہ کرتی ہے جو کافی تجربہ کار اور ہوشیار ہوتی ہے۔ شہروں میں پڑھا لکھا طبقہ ہسپتالوں میں کراتا ہے۔ اس مقصد کے لیے خصوصی ہسپتال ہیں یا بڑے ہسپتالوں میں خصوصی شعبے قائم ہیں۔ دیہات میں بچے کی پیدائش کے وقت چند خاص رشتہ دار عورتوں مثلاً پھوپھی اور شادی شدہ بہنوں کو بلایا جاتا ہے۔ دایہ کو فوری طور پر گڑ' دوپٹہ اور کچھ نقد رقم دی جاتی ہے۔ اس کی باقاعدہ رخصتی چھلا نہلانے کے دن کی جاتی ہے۔ اس عرصہ میں وہ زچہ کے گھر مسلسل آتی رہتی ہے اور زچہ کو دبانے کے علاوہ گھی کی خصوصی مالش کرتی رہتی ہے۔

شہروں میں چونکہ بچے ہسپتالوں میں پیدا ہوتے ہیں اس لیے وہ دیہات جیسی رسوم ادا نہیں کرتے۔ دو تین دن ہسپتال میں رکھنے کے بعد زچہ کو گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ اس دوران میں دیکھ بھال پر متعین عملہ مبارک بادی کے بہانے کچھ نہ کچھ رقم بچے کے گھر والوں سے بٹور لیتا ہے۔ زچہ کے گھر آنے کے بعد اس کی دیکھ بھال بھی دایہ ہی کرتی ہے۔ سب سے پہلے بچے کو پہلوٹھی کا بچہ کہا جاتا ہے اور سب سے آخری بچے کو پیٹ گھروڑی کہتے ہیں۔

سرہانے تلوار یا کڑا رکھنا

بچے کی پیدائش کے وقت زچہ کے سرہانے نیچے گڑا اور لوہے کا کوئی ہتھیار مثلاً تلوار' چاقو' چھری رکھ دیتے ہیں۔ بعض لوگ لوہے کا تالہ اور کڑا بھی رکھتے ہیں۔ اس کا مقصد زچہ بچہ کو آسیب وغیرہ سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔

نالی کاٹنا

بچہ گھر میں پیدا ہو یا ہسپتال میں اس کے پیدا ہونے کے فوراً بعد دایہ یا نرس چھری یا قینچی یا چاقو سے اس کی ناف کی نالی کاٹتی ہے۔ دیہات میں اسے کسی برتن میں رکھ کر زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بچے کو نہلایا جاتا ہے۔

اذان

مسلمانوں کے ہاں بچے کو نہلانے کے بعد خاندان کا کوئی بزرگ یا مسجد کا امام بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتا ہے۔ دیہات میں اذان دینے والے مولوی کو کچھ نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اذان منہ کے ذریعے نرس یا کاغذی نرسل کو بچے کے کان سے لگا کر دی جاتی ہے۔

Marfat.com

گھٹی یا گڑھتی

گڑھتی عورت یا مرد دیتا ہے۔ ان کے انتخاب میں خصوصی احتیاط برتی جاتی ہے کیونکہ ان کے خیال میں گھٹی دینے والے کی شخصیت کے اثرات بچے پر گہرے مرتب ہوتے ہیں۔ گڑھتی میں بالعموم گڑ اور املتاس ملا کر یا پھر صرف شہد دیا جاتا ہے۔ گھٹی کا دوسرا مقصد بچے کے پیٹ سے آلائشوں کو خارج کرنا ہے۔

منہ میٹھا کرانا

لڑکا پیدا ہو تو لوگ گڑ یا لڈو بانٹتے ہیں جسے منہ میٹھا کرانا کہتے ہیں۔ رشتہ داروں اور عزیزوں کو اس کی باقاعدہ اطلاع دیتے ہیں۔ جو لوگ لڑکے کو دیکھنے آتے ہیں وہ مبارک باد کے بہانے کچھ رقم لڑکے کو دیتے ہیں۔ لڑکی کی صورت میں افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے اور گڑ وغیرہ بھی تقسیم نہیں کیا جاتا۔

عام رواج یہ ہے کہ پہلا بچہ ننھیال میں پیدا ہو۔ چنانچہ پیدائش سے کچھ دن پہلے لڑکی والدین کے گھر آ جاتی ہے۔ والدین زچگی کے سلسلے کے تمام اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ چھلے نہانے کے بعد جب لڑکی اور بچہ والدین کے گھر سے سسرال جاتے ہیں تو زچہ کے علاوہ سسرال والوں کے تمام افراد کے کپڑے دیئے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ مٹھائی یا لڈو بھی دیے جاتے ہیں۔ اسے بھاجی کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں بچے کے لیے چارپائی یا بستر اور دوسرے کھلونے بھی دیے جاتے ہیں۔ ایام زچگی میں سسرال والے لڑکی کے گھر جمن لے کر جاتے ہیں جس میں زچہ اور بچے کے کپڑے زچہ کی پنجیری کا سامان دایہ کا جوڑا شامل ہوتا ہے۔

شیریں باندھنا

اگر لڑکا پیدا ہو تو گاؤں کا فقیر یا ماچھی گھر کے باہر دروازے پر شیریں کے درخت کے تازہ پتوں کا ایک گچھا باندھ دیتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے لہٰذا یہاں عام داخلہ پینتالیس دن کے لیے بند ہے۔ شیریں باندھنے والے کو گھر والے کچھ رقم دیتے ہیں۔

نام کا اندراج

پیدائش کے چند دن بعد بچے کا نام سرکاری رجسٹر پیدائش میں درج کرانا قانوناً لازمی ہوتا ہے۔ اس اندراج کا ریکارڈ ضلعی دفتر، میونسپل کمیٹی اور کارپوریشن کے دفتروں میں محفوظ رہتا ہے۔

جھنڈ اتروائی

بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا سر منڈواتے ہیں جس کو جھنڈ اتروائی کہتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ جھنڈ گیارہویں یا اکیسویں دن بھی اتروائی جاتی ہے اور مونڈنے والے نائی کو انعام اور بالوں کے ہم وزن چاندی کی خیرات کی جاتی ہے اور بال محفوظ رکھ لیے جاتے ہیں۔ جھنڈ اتروانے کے موقع پر میٹھے چاولوں کی دیگ پکا کر رشتہ داروں میں تقسیم کی جاتی ہے۔

چلا

بچے کی پیدائش سے لے کر چالیس دن کی مدت تک زچہ بچہ دونوں ناپاک سمجھے جاتے ہیں اور ان کو گھر سے باہر نہیں نکالا جاتا۔ اصطلاح میں اس دورانیہ کو چلا کہتے ہیں اور چالیسویں دن نہانے کو چلا نہانا کہتے ہیں۔ چھلے کے آخری روز زچہ کو پانچویں مرتبہ نہلاتے ہیں۔ اس روز زچہ اور بچہ کو نئے کپڑوں اور زیورات سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ زچہ کے لیے خصوصی غذا تیار کی جاتی ہے جو مہمانوں میں بھی بانٹی جاتی ہے۔ بعض لوگ میٹھے چاول یا کھچڑی پکا کر بانٹتے ہیں۔

چھٹی

زچہ کو سوا مہینے میں پانچ مرتبہ نہلاتے ہیں۔ یعنی ساتویں، گیارہویں، اکیسویں، بیسویں اور چالیسویں دن۔ سات دن کے غسل کو چھٹی بھی کہتے ہیں۔ اس روز کچھ عورتیں مدعو کی جاتی ہیں۔ نچھوائی پکائی جاتی ہے جو مہمانوں کو بھی پلاتے ہیں۔ اس روز زچہ بچہ پہلی مرتبہ کمرے سے باہر نکلتی ہے اور اس کو آسمان دکھانے کی رسم ہوتی ہے۔

نام رکھنا

مسلمان نومولود بچے کا نام کسی دن بھی رکھ لیتے ہیں۔ لیکن ہندو ساتویں دن بچے کا نام رکھتے ہیں۔ اس دن وہ بچے کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہناتے ہیں۔

Marfat.com

بچے کو چارپائی کے کاٹ کے جھولے میں ڈالا جاتا ہے جس کے نیچے بارہ دیئے جلا کر رکھے جاتے ہیں۔ مذہبی رہنما اس موقع پر کچھ منتر پڑھتا ہے اور والدین کے انتخاب کردہ نام کا اعلان کرتا اور نام کا اندراج کرتا ہے۔ اس لمحہ پر عورتیں خوشی کے گیت بھی گاتی ہیں۔

بال منگیوا

اسے بچپن کی سگائی بھی کہتے ہیں۔ پنجاب کی قدیم روایت کے مطابق جذباتی عورتیں اپنے کسی عزیز کی نومولود لڑکی کو گود میں لے کر اس خواہش کا اظہار کرتی ہیں کہ جوان ہونے کے بعد وہ اپنے بیٹے کی شادی اس لڑکی کے ساتھ کرے گی اور اسے اپنی بہو بنائے گی۔ اگر لڑکے کے والدین بھی راضی ہو جائیں تو یہ منگنی سمجھ کر حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔

دندھکائی

اگر کسی بچے کے ایک ساتھ دو نچلے دانت نمودار ہوں تو اسے منحوس سمجھا جاتا ہے اور کسی سیانے سے دم جھاڑ کرایا جاتا ہے۔ اس عمل کو دندھکائی کہتے ہیں۔ عموماً اس کام کے لیے ماموں یا کسی دوسرے کو نھیال سے بلایا جاتا ہے کیونکہ دانتوں کا اس صورت میں نمودار ہونا عموماً نھیال والوں کے لیے نحوست کا باعث سمجھا جاتا ہے۔

دابڑا

یہ ایک خشک غذا ہوتی ہے جو خشک میوہ جات کو کوٹ کر اور گھر میں تل کر کھانڈ مال کر تیار کی جاتی ہے۔ یہ غذا نہایت مقوی ہوتی ہے اور چھلے کے دوران زچہ کو کھلائی جاتی ہے۔

کاڑھا

دابڑے کی طرح ایک نہایت مقوی غذا ہے۔ اس میں خشک میوہ جات، گھی، چینی کے علاوہ دودھ بھی ڈالا جاتا ہے اور خاص طور پر زچہ کو پلایا جاتا ہے۔

پنجیری

سوجی یا مونگ کی دال، گھی، چینی، بادام، کشمش، وغیرہ ملا کر تیار کی جاتی ہے اور زچہ کو چھلے میں کھلائی جاتی ہے۔

گھیو کھچڑی

لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں نھیال کی طرف سے بھیجے ہوئے تحفے، خوراک وغیرہ جو زچہ بچہ دونوں کے لیے ہوتے ہیں۔

ودھاوا

چاندی کی ہنسلی بچوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے، اسے ودھاوا کہتے ہیں۔ عام طور پر جن عورتوں کی اولاد زندہ نہ بچتی ہو وہ منت مانتی ہیں کہ ایک مدت تک ہر سال عاشورہ محرم میں بچے کو چاندی کی ہنسلی پہنائیں گی۔ یہ ہنسلی پیسے مانگ کر بنائی جاتی ہے اور مقررہ مدت کے بعد اس کو فروخت کر کے ساری رقم کی کھیر پکا کر بچوں کو کھلا دی جاتی ہے۔

ختنہ

مسلمانوں میں لڑکوں کے ختنوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ لوگ اسے چھوٹی شادی بھی کہتے ہیں۔ ختنہ بعض اوقات جھنڈ اتروانے کے دن ہی کروا دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر رشتہ داروں کو مدعو کرنا ہو تو پھر کسی بھی مقررہ دن پر کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر عزیز رشتہ دار جوڑے، مٹھائی اور دوسرے تحفے لے کر آتے ہیں۔ گھر والے بھی مہمانوں کو مٹھائی اور دوسرے تحفے دیتے ہیں۔

کھسرے نچانا

لڑکے کی پیدائش کا سن کر کھسرے خود بخود بچے والے گھر میں پہنچ جاتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے گیت گاتے ہیں۔ محلے کے لوگ ویلیں، گندم وغیرہ دیتے ہیں۔ گھر والے کپڑے اور کچھ نقدی بھی دیتے ہیں۔ بعض اوقات بھانڈ، مراثی بھی خود بخود آ جاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں دیہات میں کنجریاں نچانے کا رواج بھی تھا۔

Marfat.com

بالخصوص پہلے لڑکے کی پیدائش کے موقع پر ایسی خوشی ضرور ہوتی تھی۔

لٹ یابودی

بعض عورتیں جن کی اولاد پیدائش کے بعد مرجاتی ہے وہ کسی خانقاہ پر جا کر یہ منت مانتی ہیں کہ اگر ان کا بیٹا زندہ رہا تو وہ اس کے سر پر بالوں کی ''لٹ یابودی'' پانچ سال کے لیے رکھیں گے چنانچہ جب بچہ پانچ سال کا ہو جاتا ہے تو وہ اس بزرگ کی خانقاہ پر جا کر کچھ نیاز چڑھا کر لٹ کاٹنے کی رسم ادا کرتی ہیں۔بعض عورتیں لڑکوں کے کان میں بالی ڈالنے کی منت مانتی ہیں۔

عقیقہ

مسلمان عام طور پر یہ رسم چھلے کے بعد ادا کرتے ہیں۔لڑکے کی صورت میں دو بکرے اور لڑکی کی صورت میں ایک بکرا ذبح کیا جاتا ہے۔گوشت کے تین حصے کیے جاتے ہیں اور اسے عام طور پر کچا تقسیم کیا جاتا ہے۔عقیقہ کے دن بچے کا نام رکھا جاتا ہے اور لڈو بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔لیکن جن لوگوں کی استطاعت نہ ہو وہ عمر کے کسی حصے میں بھی عقیقہ کر لیتے ہیں۔

بسم اللہ

جب بچہ چار سال' چار ماہ اور چار دن کا ہوتا ہے تو اسکی تعلیم کے آغاز کے لیے رسم بسم اللہ ادا کی جاتی ہے۔اس تقریب میں رشتہ داروں اور دوستوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ بچے کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور خاندان کا کوئی بزرگ یا عالم یا پیر بچے کو بسم اللہ پڑھاتا ہے اس کے بعد مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔اس موقع پر آئے ہوئے لوگ بچے کو روپے' کپڑے اور دوسرے تحفے دیتے ہیں۔دیہاتوں میں مسجد کا مولوی' بسم اللہ پڑھتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بچے سے تین مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور الف ب ج کہلواتا ہے۔اس موقع پر بتاشے بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔

آمین

بچہ جب قرآن مجید ختم یا حفظ کر لیتا ہے تو ''آمین'' کی رسم ادا کی جاتی ہے۔اس موقع پر رشتہ داروں اور دوستوں کو مدعو کیا جاتا ہے اور ان کی خوب خدمت خاطر کی جاتی ہے۔بچہ کو نہلا دھلا کر تخت یا مسند پر بٹھاتے ہیں۔قرآن ختم یا حفظ کرانے والا استاد بچے کو آمین پڑھاتا ہے۔بعد میں حاضرین میں کھانے کی کوئی چیز تقسیم کی جاتی ہے۔اس موقع پر استاد کو خصوصی انعام دیتے ہیں۔بعض اوقات کھانا بھی کھلایا جاتا ہے۔

سالگرہ

اعلیٰ متوسط اور خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقوں کے لوگ بچے کی سالگرہ مناتے ہیں۔بعض لوگ اس تقریب کو بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔شرکت کے لیے رشتے داروں دوستوں کو خوش نما دعوتی کارڈ بھیجتے ہیں۔اس موقع پر بچے کے لیے تحفے لاتے اور مبارک دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ آئینہ گجرات' (جلد اول) شیخ کرامت اللہ' زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن' گجرات' ۱۹۷۷ء

۲۔ پنجاب: تمدنی و معاشرتی جائزہ' ڈاکٹر انجم رحمانی' الفیصل ناشران و تاجران کتب' لاہور' نومبر ۱۹۹۸ء

۳۔ پنجاب کا مرد (حیات وثقافت) ' ارشاد احمد پنجابی' 'ال فیصل ناشران و تاجران کتب' لاہور' ۲۰۰۱ء

۴۔ پنجاب کی عورت (حیات وثقافت) ' ارشاد احمد پنجابی' ال فیصل ناشران و تاجران کتب' لاہور'

۵۔ پنجاب کی لوک ریت' ڈاکٹر سید اختر حسین اختر' لہراں ادبی بورڈ' لاہور' جون ۲۰۰۱ء

۶۔ تذکرہ حضرت کرم الٰہی عرف سائیں کانواں والی سرکار ' عالم فقری ایم اے ایل ایل بی' اسلامی ادارہ ادب وثقافت پاکستان' لاہور' ۱۹۷۹ء

۷۔ عرس اور میلے' امان اللہ ارمان سرحدی' کتاب منزل' لاہور' ۱۹۵۹ء

۸۔ گجرات کی روحانی شخصیات اور تباہ شدہ بستیاں' ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ' یاسر اکیڈمی بالمقابل گلی سیشن کورٹ کچہری روڈ' گجرات' ۲۰۰۲ء

Marfat.com

۹۔ لوک پنجاب، مظہرالاسلام، لوک ورثہ، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء (دوسرا ایڈیشن)

۱۰۔ ماہنامہ گل خنداں، لاہور، بزرگان دین نمبر، جلد ۱۴، شمارہ۔ ۱۰، اکتوبر ۱۹۶۲ء

۱۱۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، مرتب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۸۰ء

- Gujrat District Administration Report: 1962, Government of the Punjab, Lahore

- District Census Report of Mandi Bahauddin:1998, Population Census Organization, Statistics Division, Government of Pakistan, Islamabad, September, 2000

- District Census Report of Gujrat:1998, Population Census Organization, Statistics Division, Government of Pakistan, Islamabad, September, 2000

Marfat.com

حصہ سوم

قومیں، قبیلے اور ذاتیں

ڈاکٹر امجد علی بھٹی

قومیں، قبیلے اور ذاتیں

تعارف

سماج کا خاصہ ہے کہ اس پر جمودی کیفیت طاری نہیں رہتی۔ برصغیر پاک و ہند کا قدیم سماج بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ذاتوں کی تقسیم کسی ''معاہدہ عمرانی'' یا ''سوشل کنٹریکٹ'' کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئی بلکہ اس نے تدریجی اور ارتقائی منزلیں طے کیں اور اس میں وقتاً فوقتاً اہم تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ ذاتوں کا یہ نظام تمام دنیا کے سماج میں صرف برصغیر کے لیے مخصوص ہے۔ طبقات کا وجود دنیا میں ضرور ملتا ہے لیکن ذاتوں کی اس قسم کی تقسیم جو برصغیر پاک و ہند کے تمام باشندوں کے رگ و پے میں، خواہ وہ کسی مذہب اور رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہوں، اتنی شدت کے ساتھ سرایت کر گئی ہو دنیا کے کسی حصے میں نہیں پائی جاتی۔

ذاتوں کی ابتدا

پاکستان ایک کثیر قومی اور کثیر لسانی خطہ ہے۔ تاریخ میں یہاں پچیس کے قریب مختلف قومیں حملہ آور ہوئیں یا پھر انہوں نے یہاں کی سرزمین پر حکمرانی کی۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے بات کریں تو ذاتوں کی ابتداء کچھ اس طرح ہوئی کہ آریہ جب فاتح کی حیثیت سے یہاں آئے تو یہاں کا سماج خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ فاتحین کا تھا جن کا رنگ اُجلا، خدوخال تیکھے اور مذہب، رسم و رواج اور طرز معاشرت سب کچھ مفتوحین سے مختلف تھا۔ دوسرا حصہ مفتوحین کا تھا جن کا رنگ کالا تھا اور آریوں کے برعکس، وہ شہری زندگی گزارتے تھے اور فاتحین کے مقابلے میں زیادہ مہذب و متمدن تھے لیکن بہرحال مفتوح تھے۔ ''گورے رنگ کی اس طاقت ور اقلیت نے اپنی نسل کو چوکھا پن قائم رکھنے اور کالے رنگ کی اکثریت پر اقتدار حاصل کرنے کی اسی طرح کی کوشش کی جس طرح جنوبی افریقہ میں آج کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس نسلی امتیاز کو ظاہر کرنے کے لیے دو اصطلاحیں وضع ہوئیں: ''آریہ وَرن'' اور 'داس وَرن'۔ رگ وید میں ان اصطلاحوں کا ذکر موجود ہے۔

آریوں کا سماج پیشوں کے اعتبار سے تین طبقوں میں خود ہی منقسم تھا۔ ایک طبقہ حکمرانوں اور جنگ جو لوگوں کا تھا، دوسرا پروہتوں، عابدوں اور زاہدوں کا تھا اور تیسرا کاشت کاروں اور تجارت پیشہ لوگوں کا۔ لیکن رگ وید کے دور میں ان سماجی طبقوں کے امتیازات میں شدت نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اس دور میں یہ ضروری نہیں تھا کہ صرف برہمن کا بیٹا ہی برہمن کہلائے گا بلکہ جس کسی کو ویدوں کے منتر یاد ہوتے یا جو ویدوں کے علم سے واقف ہوتا، ''برہمن'' کہلانے لگتا تھا۔ اصل معیار گویا ویدک علوم سے واقفیت تھا اور وراثت یا نسل کو اس وقت تک اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ وید دور کا ایک شاعر مناجات میں کہتا ہے:

''میں شاعر ہوں، میرا باپ طبیب
ہے اور میری ماں آٹا پیستی ہے۔
ہم سب اپنی خواہش کے مطابق
روزی کمانے کی دھن میں لگے
رہتے ہیں اور جانوروں کی طرح
مساوی طور پر جدوجہد کرتے
ہیں۔''

رگ وید کی ایک مناجات میں جو ''پُرش سوکت'' کے نام سے موسوم ہے ان چاروں ورنوں کے وجود میں آنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن عالموں نے اس مناجات کو غیر معتبر اور محرف قرار دیا ہے۔ بہرحال یہی مناجات متاخرین قانون دانوں کے نظریات کی بنیاد ہے۔ اس مناجات کا مطلب یہ ہے کہ جب دیوتاؤں نے ''پُرش سنگھ'' (آدم) کو حصوں میں بانٹا تو برہمن اس کا منہ بن گئے، چھتری اس کی بانہیں، ویش اس کی ٹانگیں اور شودر اس کے پاؤں۔ دراصل یہ ایک خوبصورت مجازی تمثیل ہے، جو ان چاروں ذاتوں کے سپرد کیے گئے کاموں کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کے تحت برہمن اپنے منہ سے مقدس کتابوں کی تعلیم دیتے، چھتری اپنے ہاتھوں کے

Marfat.com

ذریعہ جنگ کرتے' ویش اپنی ٹانگوں کے زور سے ہل چلاتے' کھیتی کرتے اور اناج اگاتے اور شودر ان سب کے قدموں میں رہ کر ان کی خدمت کرتے اور پست کام انجام دیتے تھے۔

سوتروں کے دور میں اصول میں ذرا تبدیلی ہوگئی اور وہ یہ کہ ''پروہت'' کے فرائض کوئی ایسا شخص انجام نہیں دے گا جو اپنا سلسلہ ٔ نسب تین پشتوں تک کسی رشی سے ثابت نہ کرے۔ اور اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ذاتوں کی تفریق میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ شدت اس دور میں بھی عام نہیں ہوئی۔ جن ذاتوں کے لیے جو پیشے مقرر تھے ان میں سختی نہیں برتی جاتی تھی اور لوگ عام طور پر اپنی پسند کا پیشہ اختیار کر سکتے تھے۔ ایک ذات کے لوگ دوسری ذات کے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتے تھے اور آپس میں شادیاں کر سکتے تھے۔ اتنا ضرور تھا کہ تینوں اونچی ذاتوں ____ برہمن' چھتری اور ویش ____ کے لوگ شودروں کے ساتھ شادی بیاہ کو معیوب خیال کرتے تھے۔ لیکن اس کی باقاعدہ ممانعت نہیں تھی۔ برہمنوں کی انفرادیت بھی اس وقت تک مسلم نہیں ہوئی تھی اور چھتری بھی ان کے دوش بدوش اس سماجی درجے کے دعوے دار نہ تھے۔ برہمن اپنے روحانی تفوق اور چھتری اپنے سیاسی اقتدار کی بدولت اپنی فضیلت کے دعوے دار تھے اور اپنے مخصوص حلقوں میں دونوں کی سماجی حالت مسلم ہوگئی تھی۔

برہمنوں کا تشخص

لیکن جیسے جیسے برہمنی رسوم میں باقاعدگی اور ان کے وقوع میں زیادتی اور کثرت ہوتی گئی' مذہبی معاملات میں برہمنوں کی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ برہمنوں کو علوم مخفیہ اور اسرار و رموز باطنیہ کا حامل سمجھا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ برہمنوں نے سماج میں اپنے لیے مختلف مراعات حاصل کرلیں۔ مثلاً وہی جرم برہمن سے سرزد ہوتو اسے نرم سزا دی جائے گی۔ برہمن اپنے کو ''بھودیو'' یا زمین کا دیوتا کہنے لگے اور یہ اصول کہ ____ برہمن' چھتری' ویش یا شودر اپنی ذات سے پہچانا جاتا ہے۔ بدی کرنے والا اپنی ذات سے گر جاتا ہے۔ برہمن بدی کرے گا تو نیچ ہوکر شودر بن جائے گا اور شودر نیکی کرے گا تو بلند ہوکر برہمن کا درجہ حاصل کرلے گا'' ____ فراموش کیا جانے لگا اور یہ اصول مرتب ہوگیا کہ ''برہمن بھڑکتی ہوئی آگ ہیں' انھیں حقارت سے نہ دیکھو' چاہے وہ ویدوں کے عالم ہوں یا نہ ہوں' برہمن ہر صورت میں ''دیوتا'' ہے' عالم ہو یا جاہل۔ پہاڑ' دریا بلکہ تمام کائنات برہمنوں کی بدولت وجود میں آئی۔ برہمنوں ہی کے سبب آسمانوں میں دیوتاؤں کا وجود ہے۔ برہمن کو روئے زمین پر کوئی طاقت تسخیر نہیں کرسکتی۔''

چھتری اور ویش

برہمنوں کے سماجی تفوق کو چھتریوں نے بہر حال تسلیم نہیں کیا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا' وہ برہمنوں سے سماجی برتری یا کم از کم برابری کا دعویٰ کرتے رہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں ذاتوں کو دوسری ذاتوں کے لوگ اپنے سے افضل و برتر مانتے تھے لیکن ان دونوں میں کون افضل تھا یہ بات اب تک مکمل طور پر تسلیم نہیں کی گئی تھی۔ برہمن اور چھتری کی اس سماجی کشمکش میں ویش اور شودر طبقہ بہت نقصان میں رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ویش ان دونوں سے پست' اور شودر طبقہ سب سے ماناجانے لگا۔

شودر

ویدک دور کے اواخر میں ''آریہ'' اور ''شودر'' کا فرق زیادہ نمایاں ہوچکا تھا۔ شودر کے لیے مقدس آگ کی قربت' قربانی کی رسموں میں شرکت اور ویدوں کی تلاوت ممنوع قرار دے دی گئی۔ شودر کے لیے اپنے مردوں کو جلانے کی ممانعت کردی گئی۔ ان سے شادیاں کرنا معیوب سمجھا جانے لگا۔ ان کے ساتھ کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا' یہاں تک کہ ان کا بنایا کھانا کھانا لوگوں نے ترک کردیا۔ چنڈالوں کی حیثیت سماج میں سب سے پست ہوگئی۔ وہ بے چارے شہر سے باہر رہتے اور انھیں حقیر و ذلیل سمجھا جانے لگا کہ ان کے چھونے ہی سے نہیں بلکہ ان کے سائے سے چیزیں ناپاک ہوجاتی ہیں۔

ذات پات میں شدت

چنانچہ سمرتیوں یا قانونی کتابوں کے دور میں ایسا سماج مرتب ہوچکا تھا جس میں ذات پات کی تر تمام تر خصوصیات رچی ہوئی تھیں۔ سماجی طبقات و درجات میں شدت پیدا ہوگئی تھی اور ذاتیں اور پیشے نسلاً بعد نسلاً چلنے لگے تھے اور یہ بات طے ہوگئی تھی کہ برہمن اور صرف برہمن کا بیٹا ''برہمن'' کہلائے گا۔ برہمن کا فرض تعلیم دینا اور قربانی کی رسمیں وغیرہ ادا کرنا ہے۔ چھتری کا کام جنگ کرنا اور ملک کی حفاظت کرنا

Marfat.com

ہے۔ ویش کے ذمہ مویشیوں کی دیکھ ریکھ، کھیتی باڑی اور روپے پیسے کا لین دین ہے اور شودروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پست کام انجام دیں اور ''دوبج'' ذاتوں یعنی برہمن چھتری اور ویش کی خدمت کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذات پات کی تقسیم خدا کی طرف سے ہے:

''گیتا میں موروثی ذات پات کی سختی سے مخالفت کی گئی ہے۔ انسان کو پہچاننے کا ذریعہ اس کا کردار اور اس کی ذاتی خصوصیات ہیں۔ جو انسان مایا سے منہ موڑ کر مذہبی علوم کو حاصل کرتا ہے، نفس کو تابع کر کے اعلیٰ اخلاق کا مالک ہو جاتا ہے۔''

ہندو دھرم پر ایک بڑا اعتراض ذات پات کی ظالمانہ حد تک تقسیم پر کیا جاتا ہے۔ لالہ لاجپت رائے ہندو ذات پات کے نظام کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ذات پات کا نظام ہندوؤں کے لئے ایک لعنت بھی رہا ہے اور نعمت بھی۔ ایک طرف اگر یہ نظام ہندوؤں کی سماجی اور سیاسی گراوٹ کا ایک بڑا سبب بنا تو دوسری جانب ایک سماجی اور قومی تنظیم کے اعتبار سے ہندوؤں کو مکمل انتشار اور تباہی سے بچانے کا باعث بھی یہی نظام تھا۔ اسی نظام نے ہندوؤں کو تاریخ ہند کے مختلف ادوار میں برسرِ اقتدار آنے والے سماجی اور مذہبی نظاموں میں مدغم ہونے سے بچالیا۔ گذشتہ دو ہزار برس سے ذات پات کا نظام ہندو دھرم کے لیے کم و بیش ایک دفاعی قلعے کا کام دیتا رہا ہے۔ آریہ سماج پیدائش کے لحاظ سے انسانوں کی ذات پات میں تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ ذات در ذات تقسیم کی بنا پر ہندو سماج کے مختلف شاخوں میں منقسم ہو جانے کی آریہ سماج مذمت کرتا ہے۔ آریہ سماج کی نظر میں انسان کو انسان سے جدا کرنے والی حد بندیاں جو ذات پات کے نظام کا نتیجہ ہیں نسلی امتیاز کے مترادف ہیں۔ آریہ سماج کے نزدیک سماج کی اس قدر مصنوعی حصوں میں تقسیم یا ایک ذات کے لوگوں کے دوسری ذات والوں کے ساتھ سماجی تعلقات پر پابندی غیر قدرتی ہے۔ تاہم آریہ سماج زندگی کے حقائق سے آنکھیں نہیں موند سکتا اور یہ وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ تمام انسان پیدائشی طور پر یکساں نہیں ہیں اور یہ کہ وہ جسمانی قوت، ذہنی اور دماغی صلاحیتوں، اخلاقی میلانات اور روحانی ارتقا کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور مختلف ماحول میں پیدا ہونے کی وجہ سے زندگی میں انسانوں کے مقام اور کردار پر ماحول کا لازمی اثر ہوتا ہے اور یہ کہ ان کی شخصیت کو ڈھالنے میں وراثت کا بھی کافی دخل ہے''۔

ذات پات کے حوالے سے مہابھارت میں کچھ یوں لکھا ہے:

''نہ پیدائش نہ کوئی مقدس احکام نہ تعلیم اور نہ وراثت ہی یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص دوجسما ہے اور اگر ہے تو وہ دو جسما کی تین میں سے کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ (جسمانی پیدائش، پہلا جنم اور ذہنی و روحانی ارتقا دوسرا جنم تسلیم کیا جاتا ہے) اس بات کا فیصلہ کسی انسان کا کردار اور طرز عمل ہی کر سکتا ہے''۔

ذات پات کے بارے میں بارے ہندوؤں کے عظیم رہنما منو کے کہنے کے مطابق:

''کسی ایک ذات میں پیدا ہونے والے افراد اپنے اعلیٰ اوصاف کے باعث اعلیٰ تر ذات میں شامل ہو سکتے ہیں یا نفس کشی کے برعکس تن پروری اور خود غرضی کی بدولت کمتر درجے کی ذات میں گر سکتے ہیں۔ پاک باز الوالعزم شیریں گفتار اور تکبر سے پاک جو براہمنوں اور دوسری اعلیٰ ذاتوں کے افراد جیسی زندگی بسر کرتے ہیں، ایسے شودر بھی اعلیٰ ذاتوں میں شامل ہونے کے مستحق ہیں''۔

ڈاکٹر حامد حسین کا خیال ہے کہ ذات پات کی سختی مختلف قبیلوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا اور ایک دوسرے کے سماجی اثرات نہ قبولنے کی وجہ سے وجود میں آیا، ورنہ:

''ذاتیں دراصل ان اختلافات کو باضابطہ بنا کر ان میں اشتراک عمل پیدا کرنے کا ایک وسیلہ ہیں جو مختلف سماجی

Marfat.com

گروہوں میں پائے جاتے ہیں۔ ذاتوں کے بارے میں قدیم ترین حرفہ ''پرش سوکت'' میں ملتا ہے جس میں سماج کو ایک زندہ جسم کی حیثیت سے اور مختلف سماجی طبقوں کو اس جسم کے اعضاء کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور جس طرح کسی جسم میں مختلف اعضاء ایک دوسرے سے اس طرح منسلک رہتے ہیں کہ ہر عضو اپنے مخصوص فعل کی ادائیگی میں دوسرے اعضاء کے فعل سے اثر قبول کرتا ہے اسی طرح سماجی فعل بھی مختلف طبقات کے فعل سے مرتب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر جزو میں کل موجود ہے جب کہ کل کے لیے ہر جزو ناگزیر ہے۔ ہر سماج ایسے گروہوں پر مشتمل ہوتا ہے جو سماج کی مختلف ضروریات کو اپنے اپنے خصوصی عمل سے پورا کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ مختلف گروہ ایک مشترکہ مقصد کے لیے عمل کرتے ہیں' اس لیے وہ ایک دوسرے کے ساتھ متحد رہتے ہیں اور اپنی انفرادی سماجی حیثیت رکھتے ہوئے وہ ایک مجموعی سماجی معنویت کا حصہ ہوتے ہیں۔

ذات پات میں جمودی کیفیت

پانچویں صدی چھٹی قبل مسیح میں بدھ اور جین مت کی انقلابی تحریکوں نے' جن کے بانی چھتری گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے' برہمنوں کی سماجی اجارے داری پر کاری ضرب لگائی۔ دونوں مذہبوں نے مساوات کا سبق دیا اور برہمنوں کے خلاف روحانی بغاوت کا علم بلند کیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ذات پات کا بڑھتا ہوا زور ایک حد تک گھٹ گیا اور اس میں کچھ عرصے کے لیے سہی لیکن ایک ٹھیراؤ اور جمودی کیفیت پیدا ہوگئی اور ذات پات کی ترقی کی رفتار میں کافی حد تک سستی آ گئی۔ لیکن اس دوران میں بھی ذات پات کی تمام خصوصیات ___ برہمنوں کا سماجی تفوق' سانحہ پیدائش کے نتیجے میں ذات پات کا تعین' مختلف ذاتوں کے درمیان ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا اور آپس میں شادیاں کرنا ___ سب آہستہ آہستہ پرورش پاتی رہیں اور چھتریوں کی شدید مخالفت اور مقاومت کے باوجود برہمن ہی کامیاب ہوئے اور نتیجہ میں بدھ مذہب کے زوال نے ان کی کامیابی پر مہر لگادی۔

قانون میں ذات پات

ذات پات کے ارتقا کے ذیل میں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اولاً یہ کہ یہ تفریق جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں دیکھا' ہمارے دیوانی اور فوجداری کے قانون کی ترتیب وتشکیل ذاتوں کے نسبتی مدارج کے مطابق عمل میں آئی جس سے پست ذاتوں کو نقصان پہنچا۔ مثلاً شرح سود برہمنوں کے لیے سب سے کم' چھتریوں کے لیے اس سے زیادہ' ویشوں کے لیے اس سے بھی زیادہ اور شودروں کے لیے سب سے زیادہ مقرر کی گئی تھی۔ اسی طرح سزائیں برہمنوں کے لیے سب نرم' چھتریوں کے لیے اس سے سخت' ویشوں کے لیے اس سے زیادہ سخت اور شودروں کے لیے سب سے زیادہ سخت قرار دی گئی تھیں۔

مرکب ذاتیں

دوسری اہم بات یہ تھی کہ ان چار بنیادی باتوں کے علاوہ ''مرکب'' ذاتیں وجود میں آ گئیں جن کی ابتدا اور ان کے سپرد کیے گئے فرائض کا مسئلہ بڑا پیچیدہ اور مشکل ہوگیا۔ منو اور دوسرے قانون دانوں کے یہاں ان چار کے علاوہ بہت سی اور ذاتوں کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ یہ مرکب ذاتیں آپس میں شادیوں کے نتیجے میں وجود میں آئیں اور یہ چاروں ذاتیں نئی نئی جماعتوں اور نئے نئے گروہوں میں تقسیم ہو گئیں۔ مثلاً اگر کسی ویش عورت کی شادی کسی شودر مرد سے ہوتی تو ان سے پیدا ہونے والی اولاد ''آیوگو'' کہلاتی تھی اور اس کا کام ناچنا' گانا اور کشتی کے عوامی مظاہروں میں حصہ لینا قرار پایا۔ اگر کوئی شودر چھتری عورت سے شادی کرتا تو ان کی اولاد کو ''ماگدھ'' کہتے تھے اور اس کا پیشہ یہ تھا کہ بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء کی آواز لگائے (جسے آج کل کی اصطلاح میں ''ایڈورٹائزنگ'' کہہ سکتے ہیں)۔ ''ماگدھ'' مگدھ یعنی جنوبی بہار کے رہنے والے کو بھی کہتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح ''ماگدھ'' ایک خاص علاقے کے ساکن کو بھی کہنے لگے اور اس علاقے کے رہنے والوں کی ایک علیحدہ ذات وجود میں آ گئی۔ ان مرکب ذاتوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چھتریوں' ویشوں اور شودروں کی ہم جنسی و یک رنگی یکسر ختم ہوگئی۔ یہاں تک کہ برہمن بھی آگے چل کر مختلف نئی برادریوں میں تقسیم ہوگئے اور اس کی تقلید دوسری

Marfat.com

ذاتوں نے بھی کی جو آج تک باقی ہے۔

غیر ملکیوں کے بیانات

ذاتوں کی کثرت کا مشاہدہ باہر سے آنے والے مختلف سیاحوں نے بھی کیا جو مختلف اوقات میں ہندوستان آئے۔ یونانی سفیر میگستھنیز نے (چوتھی صدی قبل مسیح) سات ذاتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو شادیاں اپنے قبیلے یا ذات کے اندر کرتی تھیں۔ ان میں سب سے پہلا طبقہ فلسفیوں کا تھا جس سے میگستھنیز کا مطلب برہمنوں سے ہے۔ یہ طبقہ تعداد میں سب سے کم لیکن عزت میں سب سے بلند و بالا خیال کیا جاتا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ قربانی کی رسمیں ادا کرے مذہبی علوم حاصل کرے اور دوسروں کو ان کی تعلیم دے۔ نئے سال کے جشن میں تمام عالم اور حکیم راجا کے دربار میں طلب کیے جاتے اور پیش گوئیاں کرتے جن کے مطابق اہم فیصلے کیے جاتے تھے۔ جنھیں سیاسی اور زراعتی کاموں میں مشعل ہدایت مانا جاتا تھا۔ یہ رسم امیر گھرانوں اور بہت سے دیہاتی مندروں میں ہندوستان میں آج تک ادا کی جاتی ہے۔ جسے آج کل کی اصطلاح میں ''پنچانگ شراون'' کہتے ہیں۔ دوسرا طبقہ کاشتکار کا تھا جو اکثریت میں تھا۔ یہ لوگ بڑے خوش مزاج اور نرم دل ہوتے تھے اور فوجی خدمات سے انھیں مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ شہر کی ہنگامہ آرائیوں سے دور یہ لوگ سکون کے ساتھ کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔ تیسرا طبقہ گوالوں اور شکاریوں کا تھا۔ چوتھا دست کاروں، کشتی بانوں اور تجارت پیشہ لوگوں کا تھا۔ پانچویں طبقے میں فوجی لوگ تھے اور کسانوں کے بعد ان کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ چھٹے طبقے میں پولیس کے لوگ تھے جو راجا کو خبریں دیتے تھے۔ اور ساتواں طبقہ راجا کے وزیروں اور مشیروں پر مشتمل تھا۔

یہ ہے ذاتوں کی وہ تفصیل جو یونانی سفیر میگستھنیز نے چوتھی صدی قبل مسیح میں بیان کی۔ اگرچہ اس کی صحت پر تاریخ کے اکثر عالم بھروسہ نہیں کرتے لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ان چار بنیادی ''ورنوں'' کے علاوہ ہندوستان میں اور بہت سی ذاتیں ابھر آئی تھیں۔ سمرتیوں یا قانونی کتابوں سے بھی میگستھنیز کے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔

فاہیان

فاہیان (۴۰۵ء تا ۴۱۱ء) میگستھنیز کی طرح تمام ذاتوں کی تفصیل بیان نہیں کرتا بلکہ برہمنوں کی سماجی برتری اور چنڈالوں کی سماجی پستی کا ذکر کرتا ہے جو اس لیے اہم ہے کہ اس سے ہندوستان کے بلند ترین اور پست ترین طبقے کی سماجی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ پاٹلی پتر کے رے وت نامی ایک برہمن عالم کا ذکر کرتے ہوئے فاہیان لکھتا ہے: ''وہ ایک پاک وصاف اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتا ہے۔ راجہ اس کی بے پناہ عزت کرتا ہے اور اسے اپنا گرو سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب راجہ اس سے ملنے جاتا ہے تو اس کے قریب بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر راجہ کبھی فرط خلوص یا جوش عقیدت میں اس کے ہاتھ چھو لیتا ہے تو یہ برہمن عالم فوراً اسے دھو ڈالتا ہے۔'' ایک دوسرے مقام پر فاہیان نے لکھا ہے کہ ''راجہ برہمنوں کی خدمت میں جب کوئی نذر پیش کرتا ہے تو تاج سر سے اتار لیتا ہے۔'' چنڈالوں کے بارے میں فاہیان لکھتا ہے ''گندے لوگوں' کوڑھیوں اور اچھوتوں کو چنڈال کہتے ہیں۔ یہ لوگ سب سے الگ تھلگ شہر کے باہر رہتے ہیں یا بازار میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی آمد کا اعلان کرتے جاتے ہیں تاکہ لوگ راستے سے ہٹ جائیں اور ان کے نزدیک نہ آنے پائیں۔ گوشت کا کاروبار صرف چنڈال لوگ کرتے ہیں اور وہ بھی شہر سے باہر۔''

ہیون سانگ

ہیون سانگ (ساتویں صدی عیسوی) نے چار ورنوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ''پہلا طبقہ برہمنوں کا ہے جو نیک لوگ ہوتے ہیں اور مذہبی اور اصولی زندگی گزارتے ہیں۔ دوسرا طبقہ چھتریوں کا ہے یعنی حکمرانوں کا جو برسوں سے حکمرانی کر رہا ہے۔ یہ لوگ بھی نیک' ایمان دار اور رحم دل ہوتے ہیں۔ تیسرا طبقہ ویشوں یا تجارت پیشہ لوگوں کا ہے۔ یہ لوگ کاروبار کرتے ہیں اور ملکی اور غیر ملکی تجارت سے نفع کماتے ہیں۔ چوتھا طبقہ شودروں یعنی زراعت پیشہ لوگوں کا ہے۔ یہ ہل چلاتے ہیں اور زمین بوتے ہیں۔'' آخری فقرے سے ظاہر ہے کہ زراعت ویشوں کے لیے مخصوص نہیں رہا تھا جیسا کہ اگلے وقتوں میں ہوا کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ویش لوگ جب آسودہ حال ہو گئے تو انہوں نے کھیتی باڑی کا کام اجرت پر مزدوروں سے لینا شروع کر دیا جو عام طور پر شودر طبقے کے لوگ ہوتے تھے۔

Marfat.com

ابن خزداذبہ

میگستھنیز کی طرح ابن خزداذبہ (نویں صدی عیسوی) نے بھی ہندوستانی سماج کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ لکھتا ''ہندوؤں میں سات طبقے پائے جاتے ہیں: پہلا طبقہ 'سب کفریہ' کا ہے جو اونچے طبقے کے لوگ ہیں جس میں سے بادشاہ چنے جاتے ہیں۔ باقی چھ ذاتوں کے لوگ ان کی اور صرف ان کی عزت کرتے ہیں۔ دوسرا طبقہ برہمنوں کا ہے جو شراب سے اجتناب کرتے ہیں۔ تیسرے کتاریہ (کشتری' کھتری) ہیں جو تین پیالوں سے زیادہ شراب نہیں پیتے۔ برہمنوں کی لڑکیاں ان سے نہیں بیاہی جاسکتیں۔ البتہ برہمن ان کی لڑکیوں سے شادی کر لیتے تھے۔ چوتھا 'سودریہ' (شودر) کا ہے جو زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ پانچواں طبقہ بے سورہ (ویشوں) کا ہے جو دست کاری اور خدمت گاری کرتے ہیں۔ چھٹا طبقہ سندالیہ (چنڈالوں) کا ہے جو پست کام انجام دیتے ہیں۔ ساتواں طبقہ لاہود کا ہے جن کی عورتیں آرائش اور بناؤ سنگار اور مرد ایسی تفریحات اور کھیلوں کے شوقین ہیں جن میں بڑی مشق اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سلیمان

سلیمان (نویں صدی عیسوی) لکھتا ہے ''امراء سب ایک خاندان کے لوگ ہوتے ہیں۔ راجا اپنے جانشین خود مقرر کرتا ہے۔ اسی طرح علما اور طبیب بھی اپنے جانشین خود مقرر کرتے ہیں۔ وہ ایک واضح ذات ہیں اور ان کا پیشہ ذات کے باہر نہیں نکل سکتا۔

ابوزید

ابوزید (دسویں صدی عیسوی) لکھتا ہے ''ہندوستان میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے پیشے کے مطابق جنگلوں اور پہاڑوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے مشکل سے ملتے جلتے ہیں۔ بعض اوقات وہ کچھ کھا پی بھی نہیں سکتے سوائے ان جڑی بوٹیوں اور پھلوں کے جو انھیں جنگلوں میں مل جاتے ہیں اور ان میں سے بعض بالکل برہنہ رہتے ہیں۔۔۔ وہ لوگ جو علم سے شغف رکھتے ہیں انھیں برہمن کہتے ہیں۔''

البیرونی

البیرونی (گیارھویں صدی عیسوی) نے چاروں ورنوں اور اس کے علاوہ اور بہت سی ذاتوں کی تفصیل درج کی ہے اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں ہندوستان کی ذات پات پر عالمانہ انداز میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ البیرونی لکھتا ہے 'مذہب کے اجارے دار صرف برہمن ہیں۔ برہمن ویدوں کی تلاوت بغیر معنی سمجھے کرتے ہیں اور انھیں زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ بہت کم لوگ ان کے معنی سمجھتے ہیں۔'' البیرونی کے نزدیک یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کیوں کہ غیر عرب ممالک کے مسلمان بھی قرآن مجید کو بغیر مطلب سمجھے پڑھتے تھے اور اس کا ترجمہ کرنا عام طور پر معیوب خیال کرتے تھے۔ برہمن اپنی بسر اوقات ان چیزوں پر کرتے ہیں جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں ہیں۔ مثلاً وہ سرکاری محصول سے مستثنیٰ ہیں اور نہ انھیں کوئی سرکاری خدمات انجام دینی پڑتی ہیں۔ برہمن اگر چاہیں تو کپڑے اور چھالی کی تجارت کر سکتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ خود تجارت نہ کریں' بلکہ کوئی ویش ان کے واسطے کوئی کاروبار چلائے۔ وہ جانوروں کی پرورش کا کام بھی نہیں کرتے اور نہ سود پر روپیہ چلانے کا۔ کھانے پینے کے معاملے میں وہ بہت محتاط ہیں۔ ہر برہمن کے کھانے کے برتن علیحدہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا انھیں استعمال کر لیتا ہے تو انھیں توڑ دیا جاتا ہے۔ کسی دوسری ذات کے ساتھ بیٹھ کر ان کے کھانے پینے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب برہمن خود ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں تو ہر ایک کے لیے پانی چھڑک کر گوبری کی جاتی ہے اور چوکھونٹا دسترخوان چنا جاتا ہے۔ گوشت' پیاز' لہسن وغیرہ برہمنوں کے لیے ممنوع ہے۔'' برہمن دوسری ذات کی لڑکیوں سے شادی کر سکتے ہیں لیکن البیرونی کہتا ہے کہ اس مراعات سے فائدہ بہت کم اٹھایا جاتا ہے اور برہمن عام طور پر شادی اپنی ہی ذات میں کرتے تھے۔

چھتریوں یا کشتریوں کے بارے میں البیرونی کہتا ہے کہ ان کا درجہ ''برہمنوں سے کچھ ہی کم ہے۔ چھتری حکومت کرتے ہیں اور ملک کی حفاظت کا کام ان کے سپرد ہے کیوں کہ وہ اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ پہلے حکومت کا کام بھی برہمن ہی انجام دیتے تھے لیکن بعد میں حکومت اور جنگ کا کام خدا نے چھتریوں کے سپرد کر دیا۔ یہ دونوں ذاتیں یعنی برہمن اور چھتری ''دویج'' ذاتیں خیال کی جاتی

Marfat.com

ہیں۔ان ذاتوں اور باقی دو ذاتوں یعنی ویش اور شودر میں بڑا فرق ہے۔جب کہ ویش اور شودر ایک دوسرے سے قریب ہیں۔کھیتی باڑی' جانوروں کی پرورش اور تجارت' خواہ اپنے لیے خواہ برہمنوں کے لیے ویشوں کے ذمہ تھی۔شودروں کو برہمنوں کا خدمتگار سمجھا جاتا تھا۔وہ اپنے معاملات کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے اور برہمنوں کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

پست ذاتوں کے بارے میں البیرونی کہتا ہے کہ ویش اور شودر حسب ذیل آٹھ طبقوں میں منقسم تھے۔دھوبی' موچی' شعبدہ باز' ٹوکریاں اور ڈھالیں بنانے والے' ملاح' مچھیرے' شکاری' چڑی مار اور جولاہے۔یہ سب آپس میں شادیاں کرتے تھے لیکن دھوبی' موچی اور جولاہے سے کوئی شادی بھی نہیں کرتا تھا۔پست ذات کے لوگ سب شہر کے باہر رہتے تھے اور گندے کام انجام دیتے تھے مثلاً شہر یا گاؤں کی صفائی یا اسی قسم کی دوسری خدمات۔ان میں امتیاز پیشوں کے اعتبار سے کیا جاتا تھا۔حالانکہ ویسے وہ سب ایک ہی ذات کے لوگ تھے۔

نئی ذاتیں

برصغیر پاک و ہند میں باہر سے وقتاً فوقتاً جو قومیں آئیں وہ سب اگرچہ یہاں کے سماج میں گھل مل گئیں لیکن ایک طرف آپس میں شادیوں اور دوسری جانب نئے نئے پیشوں کے باعث سیکڑوں نئی نئی ذاتیں وجود میں آگئیں۔یہاں تک کہ گیارھویں صدی عیسوی تک ہماری موجودہ دور کی قریب قریب تمام ذاتیں وجود میں آچکی تھیں۔خود برہمن ''گوت بیاہ'' کے نتیجے میں بہت سی چھوٹی چھوٹی برادریوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔جو اپنی علیحدہ روایات رکھتی تھیں۔اس طرح راجپوت مختلف جرگوں میں اور ویش' شودر اور اچھوت سیکڑوں چھوٹی چھوٹی برادریوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔اے ایل بیشم لکھتا ہے''یہی تفریق آج تک باقی ہے لیکن آج کل''ورن'' کی بہ نسبت ''ذات'' پر زیادہ زور دیا جاتا ہے مثلاً کسی کے ویش یا شودر ہونے کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اہیر' کائستھ یا سنار ہونے کی اور انھیں کے اجتماعی تصور کو اہمیت حاصل ہے۔چاہے اس کی بنیاد مذہب ہو' چاہے علاقہ' نسل یا پیشہ۔''

ذات پات کا دوسری قوموں پر اثر

ذات پات کی تفریق ہندو قوموں پر ہی نہیں اثر انداز ہوئی بلکہ اس نے اپنے دامن میں ان مذہبوں کو بھی سمیٹ لیا جن کے نزدیک ذات پات کی تفریق ممنوع ہے مثلاً مسلمانوں اور سکھوں نے جو مساوات کے قائل ہیں' نسلی امتیاز یا پیشوں کی بنیاد پر اپنے اندر بہت سے گروہ یا برادریاں بنالیں جو شادیاں صرف اپنی ذات یا برادری میں کرتی ہیں اور غیر برادری میں شادی بیاہ کو معیوب خیال کرتی ہیں۔

ذاتوں کی تنظیم

ان تمام ذاتوں یا برادریوں کے افراد ایک تنظیم میں منسلک ہو جاتے ہیں اور ہر برادری کا اپنا ایک علیحدہ نظام ہوتا تھا جو اگرچہ نجی ہوتا تھا مگر اس کی پابندی برادری کے تمام افراد کے لیے ضروری ہوتی تھی۔برادری مین سب سے بزرگ ہستی ''سرپنچ'' کی ہوتی تھی جس کے فیصلے قانون کا حکم رکھتے تھے۔برادری کے اراکین سے پنچائیت کے قوانین کی پابندی کرانا اسی کا فرض تھا۔قواعد کی خلاف ورزی کرنے پر یہی سرپنچ برادری کے افراد کو برادری سے باہر نکال سکتا تھا۔یہ نظام ارتھ شاستر سے لے کر صدیوں آگے تک جاری رہا اور بعض علاقوں میں آج بھی رائج ہے۔

مضر اثرات

یورپ کے مؤرخین نے ذاتوں کی تقسیم کی مبالغے کے ساتھ تعریفیں لکھی ہیں اور بلاشبہ اسے کچھ فائدے بھی ہوئے۔لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے سماج کو جتنا نقصان ذاتوں کی تقسیم نے پہنچایا ہے اتنا کسی دوسری چیز نے نہیں پہنچایا بلکہ یہاں جتنی بھی سماجی خرابیاں پیدا ہوئیں ان کی بنیاد ذاتوں کی تقسیم میں تلاش کی جاسکتی ہے۔

ذاتوں کی تقسیم کے مضر اثرات نتیجے میں تمام ملک وقوم کے لیے مہلک ثابت ہوئے ہیں۔ملک کی تمام تر ترقیاں ذات پات کی تفریق کی بدولت مسدود ہو کر رہ گئیں۔جس طرح روم اور یونان کا اقتدار قرون اولیٰ میں بحر روم پر رہا اسی طرح ہندوستان کا اقتدار تمام بحر ہند پر رہنا چاہیے تھا۔لیکن یہ نہ ہوسکا اور اس کی اصل وجہ بھی ذات پات کی تفریق اور اس میں شدت پسندی ہے۔یہاں کے لوگ چھوت چھات کے باعث بحری سفر کو معیوب سمجھتے تھے۔ذات پات کی تفریق سے قومیت کا تصور نشوونما نہ پاسکا اور اس کی وجہ سے تمام ملک کے اتحاد و اتفاق کو صدمہ پہنچا۔اسی سبب سے بیرونی حملہ آوروں کو فتوحات کا موقع مل گیا۔ہمارے فن کاروں کی ناقدری کی گئی

Marfat.com

محض اس لیے کہ ذاتوں کی تفریق میں ان کا درجہ پست تھا۔اس کا انجام یہ ہوا کہ تمام فنون لطیفہ زوال پذیر ہو گئے۔ ذاتوں کی تفریق نے علم وحکمت کو برہمنوں سے زیادہ سے زیادہ چھتریوں تک محدود رکھا۔اس طرح آبادی کا ایک بڑا حصہ علم وحکمت کی دولت سے محروم رہ گیا۔ذات پات کی تفریق کے باعث اہل ہند نے باہر کے لوگوں کو ''ملیچھ'' سمجھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی غیر ملکی علوم وفنون سے محروم رہا اور اس کی وجہ سے علوم وفنون کی ترقی مسدود ہو گئی۔

پروفیسر مجمدار نے لکھا ہے کہ ''ذات پات کی تاریکی ہندوستان کے شفاف چہرے پر پھیلتی چلی گئی اور ڈھلتے ہوئے سورج کے ساتھ اس تاریکی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔شروع میں سیاہ بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا آریوں کے تابناک تہذیب وتمدن پر سایہ ڈال رہا تھا۔اس وقت یہ ٹکڑا انسان کے ہاتھ سے زیادہ نہ تھا لیکن جلد اس نے خوفناک حدود اختیار کر لیں اور تمام فضا پر محیط ہو گیا اور مقررہ وقت سے پہلے گھپ اندھیرے میں تبدیل ہو گیا۔''

یہاں یہ بات ثابت ہوئی کہ ہندوستانی سماج نے ذات پات کے نظام کو ایک سماجی ضرورت کی وجہ سے قبول کیا تھا کیونکہ ''ذات پات کا نظام مختلف نسلی گروہوں کے اشتراک اور ان کے درمیان ثقافتی ہم آہنگی کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔آریہ عہد میں گاؤں کے زراعت پیشہ لوگوں نے کمیوں کے لیے جو فرائض مختص کیے اور جو مراعات دیں' وہ اس دور قدیم سے لے کر آج کے دور جدید تک من وعن معمولی سی تبدیلی کے ساتھ چلی آرہی ہیں۔

دت یا دیت

'دت' ایک قدیم ذات کا نام ہے۔مہاتما بدھ کے مخالف دیودت کی نسل سے یہ ذات بنی۔مورخین نے اس لفظ کو 'دت' اور 'دیت' دونوں طرح سے لکھا ہے۔ شاہانِ گوجر کے فاضل مصنف مولوی عبدالمالک ''راجا رتن دیت'' کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ بیر سنگھ کے بعد اس کا فرزند رتن دیت سریر آرائے حکومت ہوا۔ابوالفضل نے اس کو رتنادت لکھا ہے'۔مسٹر ایلیٹ نے بھی ''کرانیکلز آف گجرات'' میں اس کی املا کو دو طرح سے تحریر کیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'دت' اور 'دیت' میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ ہندو لوگ 'دت' ذات کو افضل ذات قرار دیتے ہیں جبکہ دیت کو حقیر جانتے ہیں کہ یہ لوگ پاپی خیال کیے جاتے ہیں جبکہ دت ذات ارفع اور اعلیٰ تصور ہوتی ہے۔''راجستھان'' کا مصنف ٹاڈ دتوں کو اندوستھیک قوم کی ایک شاخ قرار دیتا ہے۔ اس کی تحقیقات کو اگر درست مان لیا جائے تب بھی 'دت' قوم کا سراغ ۶۲۵ ق م میں ملتا ہے۔''بھگوت گیتا'' اور ''پریم اسکند بھاگوت'' دتوں کو مہابھارت سے پہلے کا مانتی ہیں۔بہرحال جو کچھ بھی ہو' یہ قوم 'دت' خطہ گجرات میں آکر آباد ہوئی اور ترقی کر کے حکمران بن گئی جس کے عروج وزوال کی داستان قصبہ کریال کے کھنڈرات میں پوشیدہ ہے۔

یہاں ایک لفظ ''قبیلہ'' بار بار استعمال میں آئے گا جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قبیلہ ایک ہی جدامجد یا مورث اعلیٰ کی اولاد ہوتی ہے۔دوسرے معنوں میں افراد کے ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جو ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہوں' ان کی زبان اور رسوم ورواج ایک جیسے ہوں۔اسی طرح ایک قبیلے کی ذیلی شاخیں گوت یا گوترہ کہلاتی ہیں۔گوت کے وجود میں آنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں سے بعض اوقات قوم کے کسی بزرگ کے کسی خاص کارنامے سے منسوب ہو کر ایک نئی گوت بن جاتی ہے۔کبھی کوئی خاص عادت یا رسم بھی ''گوت'' کو جنم دے دیتی ہے۔ذاتوں کے سلسلے میں ایک اور لفظ خاندان بھی استعمال آتا ہے جس سے مراد افراد کا ایسا گروہ ہے جو رشتوں ناطوں کی وجہ سے باہم منسلک ہوں۔یہ ایک ''سماجی گروہ'' ہوتا ہے جو اپنے خاندان کے تحفظ کو مدنظر رکھتا ہے۔

خطہ گجرات میں آباد نیچ قوموں کا ماضی

ایک لمبے عرصے تک جہالت اور کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزارنے سے نیچ قوموں کے متمدن ماضی کے نقوش مٹ چکے ہیں پھر بھی ان کے گیت' رسم ورواج' عادات واطوار سب ہی اس بات کے شواہد ہیں کہ ان لوگوں نے بھی کبھی تہذیب وتمدن کی بلندیوں کو چھوا ہو گا۔مثلاً: چنگڑوں کے گیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نسل کے لوگ کسی اونچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے جیسے:

عرشی نور تجلاسی   چنگڑسی یا اللہ سی

ان کے متعلق روایت ہے کہ انھیں حضرت شاہ شمس تبریز نے مسلمان کیا اور ''چنگڑ'' کے لقب سے نوازے گئے جس کے معنی ''چنگا'' یا اچھا کے ہیں۔بازی گر بھی دراوڑی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ لوگ آپس میں ایک عجیب سی زبان میں گفتگو کرتے ہیں جو کہ آج کسی بھی خطہ ارضی میں مروج نہیں ہے۔اسی طرح چنگڑ اور سانسی بھی بیشتر اوقات آپس میں غیر مروج مختلف زبان ہی میں گفتگو کرتے ہیں۔اس کے

Marfat.com

علاوہ آج بھی یہ لوگ قبل آریائی لوگوں کی طرح اپنی پنچائتیں رکھتے ہیں۔ ان کا کوئی مقدمہ کبھی کسی عدالت تک نہیں گیا۔ فوجداری مقدمات تک کے فیصلے بھی پنچایت خود ہی کر لیتی ہے۔ ان میں ایک عجیب عادت یہ ہے کہ جو شخص پنچائت کا کیا گیا جرمانہ ادا نہ کر سکے اس کے سر پر پنچوں کی جوتیاں رکھی جاتی ہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر نیوتا دینے کی رسم بھی آریوں نے دراوڑوں ہی سے لی تھی اور یہ رسم آج بھی تمام اقوام میں رائج ہے۔

ذاتوں کے نظام کو سمجھنے کے لیے ہندومت کے علاوہ بدھ مت اور جین مت کا مطالعہ بھی ضروری ہے کہ یہ مذاہب بھی اس خطے میں موجود رہے ہیں۔ جیسے آئینہ گجرات کے مصنف شیخ کرامت لکھتے ہیں۔

بدھ مت وجین مت

گجرات کی ذاتوں کا ذکر کرنے سے پہلے یہاں بدھ مت اور جین مت کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جس زمانے میں پنجاب پر کیانی خاندان کی حکومت تھی' شمالی ہندوستان میں مگدھ کی سلطنت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اس سلطنت پر سیس ناگ خاندان حکومت کرتا تھا۔ اس خاندان کا پانچواں راجہ بیم بسر (۵۲۲ تا ۴۹۴ م) اور اس کا لڑکا اجاتسترو (۴۹۴ تا ۴۶۷ ق م) بڑے اقبال مند راجہ ہوئے ہیں۔ اسی زمانے میں مہاویر وردھمن (۵۰۴ تا ۴۶۷ ق م) اور گوتم بدھ (۵۶۳ تا ۴۸۷ ق م) دو مفکر پیدا ہوئے جنہوں نے برہمنی عقائد کے خلاف دو مستقل مذہبوں کی بنیاد ڈالی۔ ایک جین مت جو سخت رہبانیت اور اہمسا (یعنی بے آزادی) کو آدمی کی نجات کا ذریعہ بتاتا ہے اور دوسرے بدھ مت' جس نے اخلاق کی درستی' درویشانہ زندگی اور مختلف مراقبات سے عرفان حاصل کرنے کی تعلیم دی۔

چھٹی صدی قبل مسیح مذہبی اور روحانی بے چینی کا دور تھا۔ لوگ اپنے آبائی مذہب سے بغاوت پر آمادہ تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ برہمنوں کے غلبہ نے 'رگ وید' کے سادہ مذہب کو بے معنی اور پیچیدہ رسوم وعقائد کا مجموعہ بنا دیا تھا۔ بعض رسوم کی ادائیگی کا خرچ اتنا بڑھ گیا تھا کہ عام لوگ اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ممالک ہند میں اس وقت تک بہت سے لوگ آریوں کے خاص خاص دیوتاؤں کو نہیں مانتے تھے بلکہ صدہا ایسے معبودوں کی پوجا کرتے تھے جن کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

جین مت برہمنوں کے غلبہ اور استیلا کے خلاف ایک احتجاج تھا۔ مہاویر نے آریا و غیر آریا اعلیٰ اور ادنیٰ سب کو اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت دی اور انھیں نروان (نجات) کا یقین دلایا۔ سیس ناک خاندان اور نندا خاندان کے راجہ اس مذہب کے پیرو بتائے گئے ہیں۔ چندر گپت موریا اس کا بہت اہم پیروکار تھا۔ لہٰذا یہ مذہب جنوبی ہند میں فروغ حاصل کر گیا۔ اشوک کے بدھ مت قبول کر لینے کی وجہ سے جین مت کو شمال مغربی ہندوستان یعنی موجودہ پاکستان کے علاقہ میں فروغ حاصل نہ ہو سکا اور اس کا ہم عصر بدھ مت خوب پھلا پھولا تا آنکہ برہمنوں کی مخاصمت نے اسے دیس نکالا دے کر باہر کے ملکوں کا مذہب بنا دیا۔ خطہ گجرات بھی بدھ مت کے فیض عام سے فیضیاب ہوا۔ کیپٹن ایلیٹ' کرانیکلز آف گجرات میں لکھتے ہیں کہ:

''میرے وقت میں بھاگ مل کے تالاب کی بڑی جانفشانی سے صفائی ہوئی اور مدت مدید کا ملبہ' جو اس میں جمع ہوتا رہا تھا' اس کو کھدوایا گیا۔ کھدائی اصل سطح تالاب سے نیچے تک کی گئی تاکہ تلاب زیادہ گہرا ہو جائے۔ تالاب کو کھودتے ہوئے مہاتما بدھ کا ایک عظیم اور خوبصورت بت برآمد ہوا جسے لاہور میوزیم کو بھیج دیا گیا''۔

اوّل تو اس بت کی برآمدگی خود اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ گجرات میں بدھ مت کے پیرو حکمران بھی تھے اور عوام بھی۔ دوسرے یہ کہ ضلع گجرات کے بیشتر گاؤں' قصبہ اور شہر میں جو مندر موجود ہیں' اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بدھ مت کے زمانۂ عروج میں یہ مندر بدھوں کے مذہبی استھان تھے۔ شہر گجرات کے محلہ قانون گویاں کے پاس ایک قدیم مندر ستھروں کی دھرم شالہ کے نام سے اب تک موجود ہے۔ قیام پاکستان سے قبل یہاں بھکشو موجود تھے۔ بھکشو اپنے منہ پر ناک تک کپڑا لپیٹے رکھتے اور اکثر گیان دھیان کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ اپنے اُپدیش میں وہ بدھ مت اور جین مت کو اوّلیت کا درجہ دیتے اور ہندوؤں کے مروجہ عقائد کو غلط سمجھتے۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ جین مت اور بدھ مت کا بڑا خوبصورت امتزاج تھا۔

خطہ' گجرات میں اس کے علاوہ بھی دو ایک مندر ایسے موجود تھے جو بدھ اور جین مت والوں کی عبادت گاہوں کے مشابہ تھے۔ ویسے تمام مندروں میں جو تصاویر رشیوں منیوں کی زندگی کی حکایات کے متعلق بتائی گئی ہیں' اُن میں مہاتما بدھ اور مہاویر وردھمان کی تصاویر بھی بڑی آب وتاب کے ساتھ بنائی گئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب گجرات میں ان مذہبوں کو زوال آیا اور ہندوؤں نے بزورِ شمشیر لوگوں کو

Marfat.com

بت پرستی میں مبتلا کر دیا تو ان لوگوں کی دلجوئی کے لیے اُن کے بانیانِ مذہب کی تصاویر بنا دی گئیں۔ ہندوؤں کو بت پرستی کا ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ وہ ہر مذہب کو اپنے میں مدغم کر لیتے یا اس کی مخالفت پر کمر باندھ لیتے اور اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ گجرات میں قوموں' قبیلوں اور ذات برادریوں کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہاں دو بڑی قومیں گوجر اور جٹ موجود ہیں جن کی آگے بہت سی چھوٹی چھوٹی قومیں بن جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ضلع گجرات میں پیشہ ور (کمی) قوموں کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔

آیئے اب گجرات (بشمول منڈی بہاؤالدین) میں آباد مختلف قوموں رقبیلوں رذاتوں کا الفبائی ذکر کرتے ہیں۔ یہ تمام معلومات آخر میں درج کتابیات سے لی گئی ہیں۔ موجودہ دور میں ذات پات اور قوم قبیلوں کی تقسیم کو نئے سرے سے مرتب کرنا از حد ضروری ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں کسے قوم یا قبیلے کے بارے میں منفی آرا موجود ہوں گی وہ راقم کی نہیں بلکہ روایت کو بیان کیا گیا ہے جو غلط یا صحیح ہو سکتی ہیں۔ اگر اس سے کسی کی دل آزاری ہو تو پیشگی معذرت چاہتے ہیں:

ارائیں' باغبان اور ملیار

برصغیر میں چار ایسی قومیں موجود ہیں جن کا تعلق جزیرہ نمائے عرب سے ہے۔ ان میں پہلی قوم سید' دوسری قریشی' تیسری اعوان اور چوتھی ارائیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک قبیلہ الراعی موجود تھا۔ سلیم التواریخ میں لکھا ہوا ہے کہ آپ کے ایک صحابی سلیم الراعی بھی ہیں۔ یہ قبیلہ زراعت پیشہ اور جنگ جو تھا۔ انھیں حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں ملک شام کے علاقہ ''اریحا'' کی وادی میں بھیج دیا گیا' پھر وہاں سے محمد بن قاسم کے ہمراہ یہ لوگ برصغیر میں آئے۔ الراعی اور اریحا کے حوالے سے یہاں ان کی پہچان ہوئی۔ انھی الفاظ کا بگڑا ہوا تلفظ آرائیں ہے۔ آج بھی پڑھے لکھے ارائیں سلیمی کہلواتے ہیں' جو معروف صحابی رسول صلی اللہ علہ وسلم' سلیم الراعیؓ سے نسبی تعلق کی وجہ سے ہے۔

وادیٔ ستلج اور سارے مشرقی میدانوں میں ارائیں ایک حقیقی ذات ہیں' لیکن باقی دو صوبوں میں کسی بھی سبزی اگانے والے کو ارائیں کہتے ہیں اور یہ نام باغبان' مالی' ملیار اور حتیٰ کہ جٹ کا ہم معنی بھی ہے (جنوب مغربی پنجاب میں)۔ ارائیوں کے بقول وہ اُچ سے آئے اور کمبوہوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں ہیں۔ وہ اُچ سے سرسا گئے اور وہاں سے پنجاب میں آئے۔ سرسا اور ستلج میں ارائیں گھاگرا کے ارائیوں سے ملے۔ یہ باہمی شادیاں نہیں کرتے لیکن وادیٔ گھاگر کے ارائیں کہتے ہیں کہ وہ پنجند (نزد ملتان) میں آباد راجپوت تھے اور تقریباً ۴۰۰ سال قبل اُچ کے سید جلال الدین نے انھیں وہاں سے نکالا۔ وہ جیسلمر کے ساتھ تعلق کے دعویدار ہیں۔ ۱۷۵۹اور ۱۷۸۳ء کے قحطوں تک وہ چویا اور گھاگر کی زیریں وادیوں پر قابض تھے لیکن بعد میں بھٹیوں نے سومروں کے خلاف شورش انگیزی کی' علاقے میں ابتری پھیلی اور بہت سے ارائیں گنگا پار ہجرت کر کے بریلی اور رام پور کے قریب آباد ہو گئے۔ گھاگر اور بریلی کے ارائیوں کی طرح وہ بھی ہندو کمبوہوں کے ساتھ نسلی تعلق رکھتے ہیں۔ مسٹر ولسن کے خیال میں غالباً یہ دونوں طبقات اصل میں کمبوہ ہی ہیں جو مسلمان ہو گئے' اور گھاگر کے ارائیوں نے ایک جتھے کی صورت میں ملتان سے ہجرت کی۔ فیروز پور' لدھیانہ' انبالہ' اور حصار کے ارائیں بھی اُچ یا اس کے گرد و نواح کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتے ہیں' البتہ حصار کے ارائیوں کو محض مسلمان مالی بتایا جاتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ایسا لگتا ہے کہ ارائیں بالاصل زیریں دریائے سندھ سے آئے اور پنجاب کے پانچ دریاؤں کے ساتھ ساتھ پھیل گئے۔ مالیوں کے ساتھ ان کے مبینہ تعلق کی وجہ غالباً ان کا مشترکہ پیشہ ہے' لیکن کمبوہوں کے ساتھ ان کی قرابت داری کی بات بے وجہ نہیں۔ ان کی مختلف شاخوں کے نام یہ ہیں: ارکی (سیالکوٹ)' بگا (گجرات)' باغبان (بہاولپور)' بھٹ' بھمبھانی (ڈی جی خان)' بھٹی (ڈیرہ اسماعیل خان اور بہاولپور)' بھٹہ (بہاولپور)' چینال (سیالکوٹ)' چندوڑ' ڈھینگا (سیالکوٹ)' جنجوعہ (گجرات)' کیر' مہانیا' مندو' میتلا' ندھی' کمبوہ' قریشی' راں یارامی' سپال' سندھو' تھیر کی' واہند--- گجرات میں واہند' کھوکھر' بگا اور نین کمبوہوں کے ساتھ باہمی شادیاں نہیں کرتے کیونکہ انھیں کمتر سمجھتے ہیں۔ اس ذات کا اصل نیوکلیس غالباً ہندو سینی یا کمبوہ کاشت کاروں کا ایک گروہ تھا جو کافی عرصہ پہلے مسلمان ہو گئے۔ لیکن رسوم اور لباس کے لحاظ سے ارائیں دیگر مسلمانوں سے زیادہ مختلف نہیں۔

اعوان

اعوان کا لفظ عون سے نکلا ہے اور یہ لوگ اپنا شجرہ نسب محمد ابن حنیفہ بن علی سے ملاتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے امام عالی مقام کی مدد کی تھی اور عون کے معنی بھی عربی زبان میں مدد کے ہوتے ہیں' اس لیے ان کی اولاد اعوان کہلائی' جو تھوڑے سے تلفظ

Marfat.com

کے بگاڑ کی وجہ سے اوان ہو گئے۔ کہیں کہیں اعوان کو اوان بھی لکھا جاتا ہے۔ شاہان گوجر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اعوان اپنے آپ کو قطب شاہ کی اولاد بتاتے ہیں اور اس طرح اپنا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جوڑتے ہیں۔ قطب شاہ عرب سے ایران آیا' وہاں سے غزنی اور غزنی سے ہندوارد ہوا تھا۔ کہتے ہیں اس کے پانچ بیٹے تھے۔ ضلع گجرات میں تلفظ کے ہیر پھیر سے اوانہ کہتے ہیں۔

اعوان ایک اہم مسلمان قبیلہ ہے۔ اعوان زیادہ تر کوہستان نمک میں ملتے ہیں جہاں وہ ''اعوان کاری'' کے مالک ہیں' لیکن اس علاقے کے مشرق' جنوب اور مغرب' میں بھی ان کی کافی تعداد ہے۔ سندھ پار کے بنوں میں وہ جزوی اور ڈیرہ اسماعیل خان میں مکمل طور پر جٹوں کے ساتھ مدغم ہو گئے ہیں (ان علاقوں میں جٹ سے مراد محض کاشتکار ہے)۔ پشاور کے اعوان ''ہمسایہ'' یا ''فقیر'' طبقے میں شامل ہیں۔ کوہاٹ میں خوشحال گڑھ کی طرف جاتے ہوئے ملنے والے اعوان کوہستانِ نمک کے اعوانوں جیسے ہیں' لیکن ضلع کے دیگر حصوں میں وہ بنگش اور نیازیوں سے جدا نظر نہیں آتے۔ قبل ازیں وہ مغربی کوہستان نمک کی وادی میں موجود سارے میدانی علاقے کے مالک ہوا کرتے تھے' لیکن دریائے سندھ سے آنے والے پٹھانوں اور جہلم سے آنے والے ٹوانوں نے انھیں پہاڑیوں میں دھکیل دیا۔

لفظ اعوان غالباً ''اہوان'' یعنی مددگار سے مشتق ہے لیکن اس کے ماخذ کے حوالے سے مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اعوان (جو عرب ماخذ کے دعویدار ہیں) قطب شاہ کی اولاد ہیں اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے والی مسلمان افواج کے ساتھ بطور ''مددگار'' گئے۔ کپورتھلہ میں ایک روایت انھیں علوی سادات ثابت کرتی ہے جنہوں نے عباسیوں کی مخالفت کی اور بھاگ کر سندھ آ گئے' بالآخر وہ سبکتگین کے حلیف بنے جس نے انھیں اعوان کا خطاب دیا۔ لیکن اس قبیلے کے بارے میں دستیاب بہترین بیان یہ ہے: اعوان یقیناً عرب ماخذ رکھتے ہیں اور قطب شاہ کی نسل سے ہیں۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ ہرات پر حکومت کرتا تھا اور ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملے کے وقت اس کے ساتھ مل گیا۔ اس کے بیٹوں میں سے چھ ساتھ آئے: گوہر شاہ یا گورارا جو سکیسر کے قریب آباد ہوا' کلان شاہ یا کلگان جو دھن کوٹ (کالا باغ) کے قریب آباد ہوا' چوہان جس نے دریائے سندھ کے قریب پہاڑیوں کو بسایا (اٹک کی کھڑا اسی کی اولاد ہیں)' کھوکھر یا محمد شاہ جو چناب کے کنارے مقیم ہوا' توری اور جھجھ جن کی اولادیں اب بھی تیراہ اور گردونواح میں آباد بتائی جاتی ہیں۔

گجرات میں عام روایت کے مطابق قطب شاہ کی تین بیویاں تھیں جن سے کھوکھر اور اعوانوں کے تین ''مُہین'' یا قبیلچے پیدا ہوئے۔ پہلی بیوی بارتھ نے کھوکھر کو جنم دیا' دوسری بیوی سہد کھڑاڑا یا گراڑا کی ماں بنی' اور تیسری بیوی فتح خاتون کے تین بیٹے تھے---- کلگان' چوہان اور کندن۔ ان چار قبیلچوں کی مزید متعدد شاخیں ہیں جن میں گوجر' جٹ اور دیگر قبائلی شاخوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ سیالکوٹ میں اعوانوں کی ۲۴ مُہین یا شاخیں بتائی جاتی ہے لیکن گجرات میں کھراڑا قبیلچہ ۲۱ ذیلی شاخوں پر مشتمل ہے (مثلاً جالپ' بھگری)۔ کلگان قبیلچے کی ۴۳ شاخیں ہیں (ڈڈیال' اندر' یا پین)۔ چوہان تین شاخوں میں منقسم ہیں: لُدین' بُھوسن اور گُھٹر۔ اور کندن قبیلچے میں چچی' مہر' ملکا' مایان اور سرویا شاخیں ہیں۔ ان میں سے چند ایک نام ہی اسلامی لگتے ہیں۔

انصاری

مدینے کے وہ مسلمان جنھوں نے ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ سے آنے والے مسلمان مہاجرین کی مدد کی انصار کہلائے۔ مدنی زندگی میں اگرچہ مسلمانوں کی یہ دونوں قسمیں تھیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا ہی سے ان میں بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد انصار نے چاہا کہ خلافت رسول ان کو ملے' حضرت عمرؓ کی وجہ سے ایسا نہ ہوا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔

غزوہ بدر سے پہلے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مشورے کے لیے جمع کیا تو مہاجرین نے جاں نثارانہ تقریریں کیں۔ اس کے بعد حضور نے انصار کی طرف دیکھا کیونکہ ان سے معاہدہ تھا کہ وہ صرف اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینے پر چڑھ آئیں گے۔ سعد بن عبادہ سردار خزرج نے کہا حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا لڑیں۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم تو آپ کے داہنے سے بائیں سے سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے۔ اسی قبیلے کے لوگ جو انصار تھے بعد ازاں انصاری کہلوائے۔ لالہ موسیٰ میں 1947 کے مہاجرین میں بھی انصاری موجود تھے جبکہ مقامی لوگوں میں بھی انصاری برادری کے لوگ وافر پائے جاتے ہیں۔

اوانہ

اس کے تین لفظ ہیں: اَوانہ بفتح اول وثانی' وآوانہ الف ممدودہ' واعوانہ بفتح

Marfat.com

الف وسکون عین۔ اعوان کی طرف منسوب' اس خاندان کے بزرگوں نے ضلع گجرات کے بندوبست میں خود کو کھٹانہ قوم کی شاخ بتایا ہے مگر یہ قابلِ غور ہے' کیونکہ کھٹانہ کے ساتھ ان کا شجرہ نہیں ملتا۔ یہ روایت زیادہ معقول ہے کہ یہ اعوان ہیں۔ عام بول چال میں عین حذف ہوگیا ہے' اس کی جگہ الف ممدودہ نے لے لی' اعوانہ سے آوانہ مشہور ہوگیا۔ ان کا ایک بزرگ عبدالرحمٰن' سلطان محمود غزنوی کے وقت شہر دیپ (واقع ہندوستان) سے ضلع گجرات میں آیا اور موضع فتح پور آباد کیا۔ گجرات کے کئی دیہات میں اوان ہیں اور اوانہ کے نام پر ضلع گجرات میں دو موضع مشہور ہیں۔ ان کے بعض معزز علما اور فضلا کا یہ خیال ہے کہ ہم گوجر نہیں ہیں بلکہ اعوان کی اولاد ہیں' اعوان و انصار کے فضائل مشہور ہیں۔ عبدالمالک کھوڑوی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> ''ہم بھی لفظی مناسبت کے قائل ہیں جس طرح کہ بڑہ اپنے آپ کو جنجوعہ کہتے ہیں' اغلب ہے کہ یہ گوت دراصل اعوان ہو اور رفتہ رفتہ تبدیلی حروف سے اوان ہوگیا ہو۔ مگر عام طور پر اوانہ اپنے آپ کو گوجر کہتے ہیں اور ان کے بزرگوں نے سرکاری دفتروں میں اپنے آپ کو گوجر لکھوایا ہے' اس لیے ہم نے اس گوت کو گوجروں میں درج کیا ہے''۔

بارو

ان کا شجرہ نسب کھوکھر خاندان سے ملتا ہے۔ بارو نامی ان کا مورث اعلیٰ ہے۔ پہلے چوہڑ کانہ بار میں جانور چراتا تھا۔ ان کے پاس جانوروں کی بہت بڑی تعداد تھی۔ بار کے قدیم باشندے ان کے جانور چرالے جاتے تھے۔ اس لیے تنگ آ کر یہ لوگ ضلع گجرات میں چلے آئے اور اپنے مورث کے نام موضع بارو آباد کیا۔ اگرچہ کھوکھر کہلاتے ہیں مگر ان کی رشتہ داری گوجروں سے ہے۔

بازی گر

کرتب دکھانے والے بازی گر عموماً مسلمان اور نٹ ہندو ہوتے ہیں۔ بازیگر عورتیں اور مرد دونوں کھیل دکھاتے ہیں لیکن نٹوں کے صرف مرد ہی ایسا کرتے ہیں۔ کچھ آرا کے مطابق بازی گر صرف کرتب دکھاتا ہے جب کہ نٹ رسے پر چلتا ہے۔ مشرقی پنجاب میں بازی گر کو بادی کہتے ہیں۔

فیروز پور میں ساڈھے والا کے مقام پر بازی گروں کی ایک زیارت گاہ ہے۔ یہ درگاہ ایک بوڑھی عورت کے احترام میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس مقبرے میں ایک کپ نما سوراخ میں شراب ڈال کر پی جاتی ہے۔ بازی گروں کا ایک راجا اور اس کی بیوی بانی ہے۔ دونوں تنازعات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ بازی گروں کے کیمپ نرسل سے بنی قطار دار جھونپڑیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس ''ذات'' کو مختلف ذاتوں' حتیٰ کہ برہمنوں اور جٹوں پر بھی مشتمل بتایا جاتا ہے' لیکن ہر شاخ صرف آپس میں ہی شادیاں کرتی ہے۔ درحقیقت بازی گر ایک پیشہ ورانہ طبقہ ہیں۔ ضلع گجرات میں بھی اس ذات کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

بانٹھ

یہ اپنا شجرہ نسب قوم کٹھانہ سے ملاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ان کا مورث ملک گجرات کاٹھیاواڑ سے آیا اور گجرات میں موضع بانٹھ آباد کیا۔ اب یہ قوم کئی گاؤں میں زمین کی مالک ہے۔

بانیاں

یہ سورج بنسی ہیں چونکہ ابتداً انہوں نے سپاہ گری کا پیشہ چھوڑ کر دکانداری کا کام شروع کیا تھا اس وجہ سے بانیاں مشہور ہوگئے۔ ان کا کوئی مورث ضلع گجرات میں آیا اور دکانداری چھوڑ کر زمینداری شروع کی۔ اس قوم کے نام پر دو موضع بانیاں ضلع گجرات میں موجود ہیں۔

بھاٹیا

بھاٹیے راجپوتوں کا ہی ایک طبقہ ہیں۔ وہ بالاصل بھٹڑ' جیسلمر اور راجپوتانہ کے ریگستان سے آئے اور تجارتی پیشے اپنائے۔ ان کا نام اس امر کی طرف دلالت کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ وہ بھاٹی (پنجاب میں بھٹی) تھے' لیکن اگر ایسا ہے تو ان کا راجپوت ماخذ ناقابل سوال ہے۔ سندھ اور گجرات میں وہ کافی تعداد کے ساتھ ایک سرکردہ تجارتی عنصر تشکیل دیے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس جگہ پر آباد ہیں جہاں اروڑوں نے دریائے سندھ سے اوپر قبضہ کیا۔ وہ دریائے سندھ و ستلج کی زیریں

Marfat.com

وادیوں کے ساتھ ساتھ اور چناب کے سارے طول کے ساتھ اوپر میدانوں میں اس کے دہانے تک پھیل گئے۔ درحقیقت سیالکوٹ اور گجرات میں سب سے زیادہ ہیں۔ تاہم اس علاقہ میں ان کی حیثیت کم تر ہے' سماجی وتجارتی دونوں اعتبار سے وہ واضح طور پر کھتریوں' شاید اروڑوں سے بھی پست اور زیادہ تر چھوٹی موٹی دکان داری کرتے ہیں۔ تاہم ڈیرہ اسماعیل خان کے بھاٹیے ''وسیع وعریض اور باہمت تجارتی برادری'' سے تعلق رکھنے والے بتائے گئے۔ انھیں اکثر کھتری خیال کیا اور کہا جاتا ہے کہ وہ جہلم میں کھتری کی باہری' بنجاہی' ڈھائی گھر' چار ذاتی وغیرہ شاخوں پر عمل پیرا ہیں۔ وہ راسخ ہندو ہیں' مغربی پنجاب کے دیگر تجارت پیشہ طبقات سے کہیں زیادہ راسخ۔ وہ گوشت خوری اور کثرت سے شراب نوشی بھی کرتے ہیں' جب کہ بیوہ کی شادی نہیں کرتے۔

بھٹی

اس ذات کے نام کا تعلق بھاٹ' بھٹ' بھاٹی اور بھاٹیا کے ساتھ ہونا یقینی ہے۔ جس طرح پنجاب میں جاٹ جٹ' اور کام کم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اسی طرح بھاٹیا یا بھٹ نے بھٹی کی صورت اختیار کر لی۔ ایک قبیلے کی حیثیت میں بھٹی کافی پرانے' کثیر التعداد اور وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بھٹیانہ اور بھٹیورہ کے علاوہ بھٹنڈا' بھٹنیر' پنڈی بھٹیاں اور غالباً بھٹیات (چمبہ میں) جیسے مقامات کے نام بھٹیوں سے ہی منسوب ہیں۔

تاریخ میں بھٹیوں کا اولین ذکر تاریخ فیروز شاہی (مصنف شمس سراج عفیف) میں ملتا ہے۔ تاہم اس کتاب میں بیان کردہ تاریخ کی توثیق بھٹیوں کی روایات سے نہیں ہوتی۔ اس کی بجائے روایات میں قبیلے کا ماخذ برس سے ہو کر اچل سے جوڑا جاتا ہے جس نے اپنی مطیع سلطنت کو بھٹنیر کے جنوب میں وسعت دی۔ قبیلہ اب زیادہ تر گھاگرو وادی کے ساتھ ساتھ بھٹنیر تک ملتا ہے۔ تاہم متعدد دیگر روایات بھی مختلف علاقوں میں موجود ہیں۔ حصار میں موجود کہانی یہ ہے کہ بہت قدیم زمانے میں انھیں سندھ کے اس پار بھگا دیا گیا لیکن وہ واپس آئے اور کوئی ۷۰۰ برس قبل لنگاہ' جوئیہ اور دیگر قبائل کو زیریں ستلج کے جنوب کی طرف نکال کر جیسلمر کی بنیاد رکھی اور اب بھی اس ریاست پر قابض ہیں۔ دریائے سندھ پار کرتے وقت ان کے رہنما بھٹی کے دو بیٹے واسل اور جیسل تھے۔ واسل بھٹیانہ میں آباد ہوا اور سدھو برار جٹ اسی کی نسل سے ہیں۔ نیز اس کا پوتا راجپوت وٹوؤں کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ اس روایت کا موازنہ بہاولپور کے بھٹیوں کے مندرجہ ذیل تفصیلی بیان سے کرنا چاہیے:

رانا راج ودھن کا ایک بیٹا کلیار تھا جس کے چار بیٹے اتیرا' نون' کانجوں اور ہتار تھے۔ روایت کے مطابق راج ودھن کے آباؤ اجداد قدیم وقتوں میں گھجنی کے قریب رہتے تھے اور وہاں سے ہجرت کر کے دہلی آئے اور پھر کچھ عرصے بعد بھٹنیر چلے گئے۔ ساتویں صدی کی لودھراں تحصیل بھٹہ کی قلمرو میں شامل تھی۔ ستلج کی طغیانی نے شہر کا بڑا حصہ تباہ کر ڈالا تھا لیکن تباہی کی باقیات اب بھی گھارا (تحصیل لودھراں میں) کے دائیں کنارے پر نظر آتی ہیں۔ رانا راج ودھن کی ایک خوبصورت بیٹی تھی جسے رائے بھٹہ اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا۔ راج ودھن کے سب سے بڑے کلیار نے درخواست مسترد کر دی' اور نتیجتاً ہونے والی جنگ میں رائے بھٹہ مارا گیا۔ یوں کلیار اس علاقے کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کا نام چھمب کلیار پڑ گیا۔ تب شیر شاہ سید جلال اُچ میں مقیم تھے جہاں رانا راج ودھن و راس کے بیٹے ملاقات کرنے گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ راج ودھن اُچ میں ہی رہا' اُتیرا نے ''ویاہ'' پر قبضہ کیا' نون نے راوی کے کنارے مسکن بنایا' کانجوں دونا رمری (؟) آ گیا اور کلیار نے چھمب کلیار میں رہائش اختیار کر لی۔ ہتار کو ترکہ میں کوئی حصہ نہ ملا۔

گجرات کے بھٹی بتاتے ہیں کہ وہ پنڈی بھٹیاں کے راجے دُلا بھٹی کے دور میں آباد ہوئے۔ دُلا بھٹی کو اکبر نے مار ڈالا۔ اس کا سارا خاندان جہلم میں اکبر کے کیمپ میں تھا۔ بالآخر ایک فقیر کے کہنے پر انھیں چھوڑ دیا گیا۔ دُلا کے بیٹے کمال خان کو گھمان کے قریب ویران زمینوں پر آباد ہونے کی اجازت دی گئی جبکہ باقی لوگ واپس پنڈی بھٹیاں آ گئے۔

گوجرانوالا بار کے بھٹی ورک کے فطری دشمن ہیں وہ اپنا جد امجد دھیر کو بتاتے ہیں جو ۱۸ پشتیں قبل بھٹنیر سے نکلا اور نارمحل جنگلوں میں رہنے لگا۔ اس کا پوتا

Marfat.com

راوی کے کناروں تک گیا اور اس کے بیٹے نے گوجرانوالا کی بالائی زمینوں میں قدم رکھا۔ سیالکوٹ کے بھٹیوں کے مطابق وہ بھونی کی اولاد ہیں جو بھٹی کی ساتویں پشت میں سے تھا۔ بھونی بیکانیر سے گوجرانوالا آیا اور پھر وہاں سے سیالکوٹ پہنچا۔

باہروال

یہ چوہان بنسی ہیں اور باہروال کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ میرتھ یا میرت چوہان کے چار بیٹے تھے۔ نانو' بریوا' گھریوالہ اور کانو۔ کانو مسلمان ہو گیا۔ اس کا کھانا پینا الگ کر دیا گیا۔ اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اس کا نام باہروالا (خارج شدہ) رکھ دیا گیا۔ اس سبب سے باہروال گوت ہو گیا۔ باہروال کا مورث سلطان محمود غزنوی کے وقت میں گجرات آ کر آباد ہوا تھا۔ باہروال ایک موضع بھی اس قوم کے نام پر ہے۔

بجاڑ

بجاڑ راجہ جگدیو کی اولاد سے ہیں۔ جگدیو کے نام سے بجاڑ نامی ملک پنجاب میں آیا اور بجاڑ والا (ایک گاؤں) آباد کیا۔ اس کی اولاد سے بالیا نامی ایک شخص حضرت میراں فاضل گجراتی (جو مشہور اہل اللہ تھے) کی خدمت میں آیا اور مسلمان ہو گیا اور ایک جنگ میں جام شہادت پی کر زندہ جاوید ہوا۔ مختلف دیہات میں ان کی ملکیت ہے اور یہ مختلف اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔ بجاڑ وال اسی قوم کے نام پر دو تین گاؤں ضلع گجرات میں ہیں۔ صاحب سنگھ جو سکھوں کا صوبہ دار تھا' اس نے کچھ گستاخانہ کلمات ان کے کسی بزرگ کے حق میں کہے تو یہ سب شمشیر بدست اور سر بکف ہو گئے اور تین روز تک اس کے لشکر کے مقابلہ میں پہاڑ کی طرح کھڑے رہے آخر اس نے تنگ آ کر صلح کر لی۔

بجیران

یہ راجپوت تنور سورج بنسی ہیں اور اپنے مورث بجیران کے نام سے مشہور ہیں۔ بجر کی اولاد میں سے کوئی شخص قحط کی وجہ سے ضلع گجرات میں اقامت گزین ہوا' پہلے اس نے کھیریوال نامی اک گاؤں آباد کیا جس میں مدت تک اس کی چند پشتیں رہیں۔ جب وہ گاؤں کسی وجہ سے غیر آباد ہو گیا تو پھر یہ قوم مختلف جگہ منتشر ہو گئی۔ اس قوم کے نام پر بجیران نامی ایک موضع اب بھی موجود ہے۔

برکٹ

مشہور ہے کہ گوجروں کی ڈھائی ذاتیں ہیں اور یہی ڈھائی ذاتیں اصل گوجر ہیں' باقی اصل گوجر نہیں' باقی سب راجپوت یا جاٹ ہیں۔ روایت یہ ہے کہ راجہ سدگوجر کے تین فرزند برکٹ' گورسی اور کسانہ تھے۔ گورسی اور کسانہ کو راجہ سد نے سالم سالم پرگنے دیئے اور برکٹ کو آدھا پرگنا۔ بعض کہتے ہیں کہ گورسی اور کسانہ کی اولاد زیادہ تھی اور برکٹ کی کم۔ اس لیے ڈھائی ذاتیں مشہور ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ گورسی اور کسانہ بہادر تھے اور برکٹ بزدل تھا۔ ان کا باپ ان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ میرے ڈھائی بیٹے ہیں۔ جیسا کہ اب محاورہ ہے کہ اگر سب اولاد نا قابل ہو تو باپ کہتا کہ وہ لاولد ہے اور اگر ایک فرزند لائق ہو اور دوسرا نالائق تو نالائق کو بیٹوں میں شمار نہیں کرتا۔ پہلے یہ قوم صوبہ مالوہ میں آباد تھی۔ ان کا مورث گدی نام ضلع گجرات میں آیا اور موضع گدھیال آباد کیا' پھر یہ کئی مواضع میں پھیل گئے۔ برکٹ نرم طبع اور مرنج قوم ہے۔ برخلاف اس کے گورسی اور کسانہ' تند مزاج' جنگ جو اور بہادر ہیں۔ ان کی حکومت صدیوں تک ہندوستان وغیرہ پر رہی ہے' گوڑ' گورسی' گرسی' گراسیہ' گوسی' مخفف گورسی ایک ہیں اور قدیم تاریخوں میں جابجا ان کا ذکر آتا ہے۔ ان کا اصل وطن مالوہ ہے۔

برہ

یہ جنجوعہ راجپوت کہلاتے ہیں اور اپنا نسب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جنجوعہ کی اولاد میں سے مل نامی ایک شخص تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے: برہ' بانٹھ' گیلہ' عبئہ' بسوبیہ۔ ہر ایک کے نام پر علیحدہ گوت ہے۔ برہ کے سر برآوردہ اشخاص بیان کرتے ہیں کہ ان کے بزرگ گڑھ مکھیانہ سے بعہد علاؤالدین غوری آئے۔ آئین اکبری میں کئی شہروں کی مردم شماری میں بارہ برار لکھا ہے۔ دراصل برہ وہی قوم ہے اور بانٹھ اور گیلہ' بسوبیہ گوجروں کی شاخیں ہیں مگر عبئہ کوئی شاخ نہیں سنی گئی۔ ممکن ہے یہ لفظ دوسری صورت (بانٹھ) میں تبدیل ہو گیا ہو۔ برہ کے بعض خاندان پیشوا مانے جاتے ہیں۔ ضلع گجرات کے دیہات حاصلانوالہ' ڈوگہ' موی کمالہ' ڈرانچانوالہ دھنی' کلانوالہ' چنن' کالا کمالہ' گراٹیاں' چکوڑہ' ڈھنڈالی' ڈھنڈالہ' جاتریا' میانہ کوٹ وغیرہ میں یہ لوگ

Marfat.com

رہتے ہیں۔

بوکن

بوکن راجہ جگد یو کی اولاد (کھٹانہ) سے ہیں ان کا مورث اعلیٰ بوکن نامی تھا۔ اس کی اولاد ملک دکن سے اس علاقہ میں آئی اور کئی دیہاتوں میں اپنا قدم جمایا۔ موضع بوکن ضلع گجرات و جہلم میں ان کے نام پر آباد ہیں اور متفرق طور پر ان کی ملکیت کئی گاؤں میں ہے۔ یہ قوم متواضع اور منکسر المزاج ہے۔

بھرتھ

گجرات میں ملنے والی ایک راجپوت شاخ، جن کا نام اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر ہے۔

بھرگڑ

ان کا مورث شیخ جھنڈا ضلع گجرات میں قاضی مقرر ہو کر آیا تھا' جھنڈانوالہ اسی کا آباد کردہ ہے۔ پھر یہ مختلف اطراف میں پھیل گئے۔

بھکرال

ضلع راولپنڈی کے جنوب مشرق میں خاصے وسیع علاقوں پر قابض قبیلوں میں سے ایک گروہ۔ جہلم اور ع گجرات میں بھی کچھ بھکرال ملتے ہیں۔ بدھال کی طرح وہ بھی غالباً دریائے جہلم کے اس پار جموں کے علاقے سے آئے تھے۔ وہ بیوہ کی شادی نہیں کرتے۔ قبیلے کے بہت سے افراد نے راولپنڈی میں خود کو پنوار بھی بتایا' اور اس قبیلے کو راجپوت شمار کیا جاسکتا ہے۔

بھو

رگھبنسی راجپوتوں کی ایک شاخ (گجرات میں) یہ اجودھیا سے جمنا اور پھر وہاں سے گجرات کے دامن کوہ میں آئے۔ غالباً اس نام کا ماخذ راجپوتانوی ہے۔ بھو کا رتبہ اعلیٰ ہے اور وہ' منہاس اور جرال ایک دوسرے سے ملتے وقت ''جے دیو'' کہتے ہیں۔ وہ کدھالے اور امبریالا کے چبھوں کے ساتھ شادیاں کرتے ہیں' لیکن باقی کے چبھوں کے ساتھ نہیں جس کی وجہ ایک قدیم تنازعہ ہے۔

بھڈانہ

بھڈانہ' راجہ جگد یو کی اولاد میں سے ہیں' ان کا کوئی مورث بھڈانہ نامی تھا' اس خاندان کا پیشہ پہلے سپاہ گری تھا۔ چنانچہ اس خاندان کے بہت سے لوگ اکبر بادشاہ کی فوج میں ملازم تھے۔ اس خاندان میں بعض نے موضع بھگواڑی علاقہ شیر گڑھ ضلع گورداسپور میں زمینداری شروع کی۔ اس کے بعد مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ چنانچہ ساہو نامی ان کا مورث گجرات آیا اور کئی گاؤں میں ملکیت حاصل کی۔ بھڈانہ ایک موضع ان کے نام پر ہے۔

بھلوٹ

یہ سوم بنسی ہیں اور ان کا سلسلہ نسب پنوار خان سے ملتا ہے۔ ان کا مورث بھلوٹ تھا۔ اس کی اولاد تغلق کے عہد میں گجرات آئی۔ ان کی کئی گاؤں میں ملکیت ہے اور کئی بے چراغ دیہات کا نام بھلوٹ ہے جن کو دوسری قوموں نے آباد کیا مگر نام وہی رہا۔ یہ قدیم قوم ہے جو دکن سے آ کر پنجاب میں آباد ہوئی۔ یہ کھوا ہیہ بھی کہلاتے ہیں۔

بھوجہ

بھوجہ گوجروں کی گوت ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ راجہ بھوج کی اولاد میں سے ہیں۔ ضلع گجرات میں بہت قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

بھوملہ یا بھنبلہ

یہ پنوار رگھبنسی ہیں۔ بھوملہ ان کا مورث راجہ تھا۔ چتوڑ گڑھ کے راجہ کی مخالفت کے باعث پنجاب چلا آیا اور لاہور کے مضافات میں ایک ویران شدہ کالا نام گاؤں آباد کیا۔ یہ خاندان کئی پشتوں تک وہاں رہا۔ ان کا مورث آلو چند بعہد عالمگیر غازی مسلمان ہوا جس کا اسلامی نام عمر بخش رکھا گیا۔ اس کی اولاد نے ضلع گجرات' موضع ملوانہ وطاہر لونگو ہندو وغیرہ متعدد گاؤں آباد کیے۔

Marfat.com

بھلیسر

یہ چوہان کی شاخ ہیں ان کا مؤرث بہلو تھا۔ پہلے پہل یہ لوگ موضع بھلسیر انوالہ ضلع گوجرانوالہ میں رہتے تھے وہاں سے آ کر ضلع گجرات میں ''بھلیسر انوالہ'' آباد کیا۔ غالباً گوت بھالوت ہے جس نے رام چندر کے ساتھ مل کر راون کا خاتمہ کیا تھا۔ قدیم تاریخوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

بہروپیا

بہروپیا اصل میں سنسکرت کے ''بہو'' (بہت سے) اور ''روپ'' پر مبنی اصطلاح ہے۔ اس سے مراد ایک اداکار' یا مسخرہ' یا مختلف شکلیں اور کردار بدلنے یا متعدد پیشے اپنانے والا شخص ہے۔ بہروپیے عموماً بازار میں آ کر کسی شخص سے رقم کا مطالبہ کرتے ہیں' اور اگر وہ انکار کر دے تو شرط لگاتے ہیں کہ وہ اسے روپ بدل کر دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئے تو رقم ہر حال میں ادا کرنا پڑے گی۔ کچھ روز بعد بہروپیا کسی گوالے' پھیری والے سے کسی اور شخص کے روپ میں اس کے پاس آتا اور اپنی اصلیت ظاہر کیے بغیر سودا کرنے کے بعد ایک دم سب کچھ اتار پھینکتا اور مقررہ انعام وصول کر لیتا ہے۔ ان کا تعلق کسی بھی ذات سے ہو سکتا ہے' لیکن روہتک میں چوہڑے بہروپیے ملتے ہیں۔ کچھ اضلاع میں بہروپیوں کی ایک آبادی یا خاندان نے کچھ زمین حاصل کر لی اور ایک ذات بن گئے۔ چنانچہ پانی پت میں ایک بہروپیا خاندان لگان سے مستثنیٰ گاؤں کا مالک ہے' البتہ وہ اب خود کو شیخ کہلواتے ہیں۔ سیالکوٹ اور گجرات میں ماہتم کو عموماً بہروپیوں کے طور پر جانا جاتا ہے۔ گجرات کے بہروپیے چتوڑ کے راجوں کے ساتھ تعلق کے دعویدار ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وہ پٹھانوں کے خلاف ایک مہم میں اکبر کے ساتھ تھے۔ مہم کے بعد وہ چناب کے کناروں پر کاشت کاری کرنے لگے۔ ان کے چار قبیلے راٹھور' چوہان' پنوار اور سیاوت ہیں جو آپس میں شادیاں نہیں کرتے۔ اس ضلع میں سب کے سب بہروپیے سکھ ہیں۔ دوسری جگہوں پر ان کا تعلق ہندومت یا مسلمان مذاہب سے بھی ہے۔ بہروپیا بھانڈ سے مختلف ہے۔ بہروپیے عموماً سیلانی ٹولوں کی صورت میں رہتے ہیں۔

بنجارہ

بنجارہ اور لبانہ ذات کو عموماً ایک جیسی بتایا جاتا ہے۔ وہ مشرقی اضلاع میں بنجارہ اور خاص پنجاب میں لبانہ کہلاتے ہیں لیکن بنجارہ کا ماخذ ''بنج'' (اجنبی) یا شاید ''بانجی'' (چھابڑی والا) ہے۔ بنجارہ کی ایک صورت ونجارہ بھی ہے۔ مسلمان بنجارے تقریباً سبھی پھیری والے ہیں۔ بنجارہ پارٹیوں کے سربراہ کو نایک کہتے ہیں۔ ریلویز کی وجہ سے ان لوگوں کی خدمات صرف پہاڑی خطوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ بنجاروں کے ہم معنی نام بساطی یا منیار' کھوجا اور پراچا بھی ہیں۔ امرتسر کے بنجاروں کی گوتوں میں منہاس' کھوکھر اور بھٹی شامل بتائی جاتی ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ اکبر نے چودھری شاہ قلی کو دربار سے برخواست کر دیا جس کے بعد وہ تاجر یا بنجارہ بن گیا۔

بھنگی (خاکروب)

پنجاب میں یہ ''چوہڑے'' مشہور ہیں...... ان کا قول ہے کہ لال بیگ فقیر نے کہ اپنے وقت کا ایک بزرگ تھا یہ مذہب ایجاد کیا۔ (معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عہد میں ان کے نئے مذہب کی بنیاد پڑی ہوگی۔ اگرچہ نیا مذہب ان کی عادات کو تبدیل نہ کر سکا) اور ہم کو اپنا چیلہ بنایا۔ خاکسار ہمارا نام ہے۔ خاکروبی ہمارا کام ہے۔ نہ کچھ حلال ہے نہ حرام ہے اس واسطے ہم سب کچھ کھا لیتے ہیں۔ جس کو ہندو و مسلمان مرا ہوا مردار کہتے ہیں۔ وہ ہمارے نزدیک اچھا ہے۔ کہ خدا کا مارا ہوا ہے جس کو خدا نے مارا ہم نے کھایا۔ خود مار کر جیو کا کھانا ہمارے نزدیک گناہ ہے۔ کل بھنگی اپنے محلہ میں لال بیگ کا چبوترہ بنا رکھتے ہیں۔ جمعرات کی رات وہاں چراغاں ہوتا ہے اور شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔

آج بھی پنجابی میں ''چوہڑے دی آکڑ'' معروف محاورہ ہے یعنی بھنگی کی اکڑفوں مشہور ہے۔ عین ممکن ہے یہ وصف انھیں نسل درنسل ورثے میں ملا ہو اور یہ وصف بلاشک وشبہ کسی خاندان شاہی کے افراد ہی میں پایا جا سکتا ہے۔ ان میں جو چوہڑے مسلمان ہو گئے ہیں انھیں ''مصلی'' کہا جانے لگا۔ مشہور مورخ کے۔ایم۔ بانیکار نے ''تاریخ ہند قدیم'' میں لکھا ہے:

> ''آریوں کو ہندوستان کے قدیم باشندوں سے مقابلہ کرنا پڑا جنہیں رگ وید میں ''داسو'' کا لقب دیا گیا ہے۔ داسو ہندوستان کے قدیم باشندے پروٹو دراویڈی تھے۔ ان میں اور دوسری دراویڈی قوموں میں صرف یہ فرق ہے کہ وہ بیرونی اثرات سے محفوظ و مامون تھے۔ اس وجہ سے رائج الوقت تمدن میں اپنے

Marfat.com

بھائی بندوں سے پیچھے تھے۔ پھر بھی رگ وید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داسو پورہ یعنی قصبات میں رہتے تھے۔ معاشرتی نقطہ نظر سے ان کا پایہ بلند تھا۔ داسولوہے کے استعمال سے واقف تھے۔ رگ وید میں ان کے تمول اور فارغ البالی کی طرف اشارات کیے گئے ہیں' ہندوستان کے ادنیٰ طبقوں میں ان کے اخلاف اب بھی پائے جاتے ہیں''۔

پھامبڑہ

یہ پنوار سوم بنسی ہیں' ان کا مورث پھماں تھا' جس کی اولاد پھامبرہ اور پھامبر کے نام سے مشہور ہے۔ پھمان کی اولاد میں سے کوئی شخص گجرات دکن سے آ کر مغلیہ خاندان کے کسی بادشاہ کی فوج میں ملازم ہوا۔ پھر ملازمت چھوڑ کر ضلع گجرات میں زمینداری شروع کی۔ پھامبڑہ گاؤں بھی مشہور ہے۔ سرائے عالمگیر سے ساتھ مہیے کلاں' دادو برسالہ (کھاریاں)' ماجرا (گجرات) ڈھوٗ چک میانہ اٹم' سعادت پور (سرائے عالمگیر) میں ان کی کثیر آبادی ہے۔

پریہار

قدیم تاریخوں میں پریہار' پرے ہر' پرتھار' پرہار مختلف صورتوں سے لکھا ہوا ملتا ہے۔ دراصل یہ سب نام ایک ہی ہیں۔ لہجوں کے اختلاف سے اس نام کی مختلف صورتیں ہوگئی۔ یہ اگنی کل ہیں۔ ان کے گوجر ہونے کے واضح شواہد موجود ہیں۔ بعض کتابوں میں انہوں نے اپنے آپ کو پرہار گوجر لکھا ہے اور بعض جگہ پرماز کچھواہیہ۔ کچھواہیہ بلاشک وشبہ گوجر ہیں۔ پرتھیار ایک اور قوم بھی ہے جو اپنے مورث راجہ پرتھی کے نام کی طرف منسوب ہے۔

پسوال

پسول کے بارے میں عبدالمالک رئیس کھوڑوی لکھتے ہیں:

''یہ اپنے آپ کو گوجروں میں شامل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم حضرت وحیہ کلبی کی اولاد ہیں جو حضرت محمد رسول ﷺ کے اصحاب میں تھے' ان کا مورث ملک عرب سے ہند میں آیا اور پھر کئی پشتوں تک یہ خاندان علاقہ جموں میں رہا اور ملک کے رسم و رواج کے مطابق اس کے نام میں تبدیلی ہوگئی۔ اس خاندان کے نام میں الف لام نسبت کا ہے جیسا کہ سیال' بنگیال' نگیال' چکوال۔ ہندوستان میں بھی پسوال ہیں۔ پوسوال و یسوال ایک ہی لفظ ہے۔ ہم اس روایت کو اس خیال سے کہ کئی اور اضلاع میں سکھ ہندو پسوال اپنے آپ کو گوجر کہلاتے ہیں اور وہ حضرت دحیہ کلبی کا نام تک نہیں جانتے اور ضلع گجرات میں بھی یہ گوجروں میں ایسے گڈمڈ ہوگئے ہیں کہ ہم ان ے دعویٰ تسلیم نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ کوئی ثبوت پیش نہ کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا کوئی مورث تاس تھا جو اس سرزمین پر آیا جہاں اب قلعہ روہتاس ضلع جہلم واقع ہے۔ دراصل علاقہ روہتاس و قلعہ روہتاس اسی قوم کے نام پر ہے پھر اس کی اولاد مختلف جوانب میں پھیل گئی۔ ضلع گجرات کے کم از کم تیں مواضع میں کم وبیش بطور حصہ داری آباد ہیں چونکہ یہ متفرق طور پر آباد ہیں اس لیے کچھ زیادہ طاقتور نہیں۔ ان کے اخلاق عام طور پر پسندیدہ ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یوپی اور صوبہائے متوسط میں سکھ پسوال کثرت سے آباد ہیں۔ وہ تو گوجر کہلاتے ہیں اور ضلع گجرات کے پسوال دحیہ کلبی کی اولاد ہیں۔ پشوٗ پسو ایک لفظ ہے چونکہ یہ لوگ جانور رکھتے تھے اس لیے ان کا نام پشو والے ہوگیا جیسا گوپال (گوٗ پال)''۔

پسوال گوجروں کی معروف گوت ہے' جہلم میں کالا گوجراں کے گوجر اسی گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ گجرات میں ''پسوال'' کا موضع انھی کا ہے۔

Marfat.com

پوڑ

یہ پنوار سوم بنسی ہیں' ان کا مؤرث راجہ پوڑ کی اولاد سے ملک دکن سے آیا اور ایک گاؤں اپنی قوم کے نام پر ''ٹھٹہ پوڑ'' آباد کیا۔ ٹھٹہ کے معنی پنجابی میں بستی کے ہیں' ٹھٹہ پوڑ یعنی پوڑوں کی بستی۔ پوڑ در حقیقت پورا تھے جو مرورِ زمانہ سے پوڑ مشہور ہوگیا۔ یہ اپنے مؤرث اعلیٰ کا نام ''پورا'' بتاتے ہیں۔ جہلم اور گجرات میں ان کی کثیر تعداد ہے اس کے علاوہ پاکستان میں یہ معقول تعداد میں آباد ہیں۔

پھلرواں

گجرات میں سورج بنسی راجپوتوں کی ایک شاخ جو راجا کرن کی نسل ہونے کے دعویدار ہیں۔ سیالکوٹ میں ان کے بارہ گاؤں ہیں اور وہ دہلی کے سُروآ بادشاہ کو اپنا جدامجد بتاتے اور کہتے ہیں کہ کبھی وہ سُروآ کہلاتے ہیں تھے مگر ان کا نام دہندہ مورث اعلیٰ پُھولوُ و فیروز شاہ کے عہد میں دہلی سے آیا اور جھنگ میں تھروان یا بھروال کے مقام پر آباد ہوا۔ وہ بھٹی اور کھوکھر کے ساتھ باہم ازدواج کرتے ہیں۔ ساہیوال میں بھی اس نام کے زراعت پیشہ راجپوت اور پشکرنا جٹ قبیلے ملتے ہیں۔

تارڑ

تارڑ اپنا سلسلہ نسب سورج بنسی راجپوتوں سے ملاتے ہیں۔ یہ بھٹنیر کے بھٹی راجپوتوں سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مؤرثِ اعلیٰ ''تارڑ'' تھا جو سلطان محمود غزنوی کی ملازمت میں ایک عہدے پر فائز تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کا مؤرث اعلی تارڑ محمود غزنوی کی خدمت میں گیا اور اس کے ساتھ واپس غزنی کو ہولیا' لیکن اس کا بیٹا لوہی بھٹنیر سے گجرات چلا گیا' جس کے بعد قبیلہ وسعت پذیر ہوا۔ تارڑ اسی لوہی کی اولاد ہیں۔ ایک اور کہانی ان کی آبادکاری کا وقت ہمایوں کے دور میں بتاتی ہے۔ وہ گوندل' وڑائچ' گل ورک اور دیگر سرکردہ پڑوسی جٹ قبائل کے ساتھ رشتے ناطے کرتے ہیں۔ گجرات' گوجرانوالہ' شاہ پور' منڈی بہاؤالدین میں ان کی واضح تعداد آباد ہے۔

تھتھال

تھتھال قبیلے کا مرکزی مسکن کوہستان نمک اور کھاریاں کے پہاڑی سلسلے کے درمیان واقع ہے۔ ان کا شجرہ نسب راجہ کرن سے ملتا ہے اگرچہ زمینداری و کاشتکاری کی وجہ سے یہ جاٹ قبیلے میں شمار ہوتے اور چوہدری کا لقب اختیار کرتے ہیں مگر نسبی طور پر راجپوت ہیں۔ راجہ کرن بنسی راجپوت اور ہستناپر کا تاجدار تھا۔ راجہ کرن کا ایک بیٹا ''تھتھو'' بیان کیا جاتا ہے جو اس قبیلے کا مؤرث اعلیٰ ہے۔ راجہ تھتھو دریائے سندھ سے دریائے راوی کے درمیانی علاقوں کا بادشاہ تھا اور اس کی راجدھانی ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں یہ بات بھی نہایت دلچسپ ہے کہ زیادہ تر جاٹ قبیلے اپنا نسبی تعلق راجا کرن سے ظاہر کرتے ہیں۔

روایت کے مطابق تھتھال قبیلے نے سلطان محمود غزنوی کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا۔ تراوڑی کی پہلی جنگ میں خاندان تھتھال کے نامور سردار صاحب خان نے شہادت کا رتبہ حاصل کیا اور اس کے بیٹے قاسم کو دریائے جہلم سے دریائے راوی کا درمیانی علاقہ بطور موروثی جاگیر دیا گیا۔ اس جاگیر میں گجرات' سرگودھا' خوشاب' سیالکوٹ اور شیخوپورہ کے اضلاع شامل تھے۔ قاسم خان تھتھال ایک نہایت جری اور مدبر انسان تھا۔ قاسم خان کے بیٹے شجاع نے ناصر الدین قباچہ سے معرکہ آرائی کی اور اسے شکستِ فاش دے کر سندھ کے میدانوں کی جانب بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس فتح پر سلطان قطب الدین ایبک نے اسے اوچ شریف تک کا علاقہ جاگیر میں دے دیا۔ سردار شہباز گورنر پنجاب شہزادہ محمد کا نائب تھا جس نے منگولوں کے حملوں کے دوران نمایاں کردار ادا کیا۔

سردار شہباز خان کا بیٹا قاسم خان تھتھال ایک نہایت شجاع کماندار تھا جس نے منگولوں کی یلغاروں کے دوران اپنی جنگی صلاحیتوں اور شجاعت کا لوہا منوالیا۔ وہ منگولوں کے تعاقب میں ایران و توران تک جا پہنچا۔ اس بہادری پر اسے ''خان زمان'' کا خطاب دیا گیا۔ جب پنجاب کا گورنر غیاث تھا اس وقت خان زمان پنڈی گھیب کے مقام پر منگولوں سے ایک خونریز لڑائی کے دوران شہادت پا گیا۔ تھتھال اپنے علاقوں کے خودمختار املاک تو تھے ہی فیروز شاہ تغلق نے انھیں جموں کے علاقے میں بھی کچھ جاگیروں کے پروانے عطا کیے۔

جب تھتھال امیر تیمور کے پوتے پیر محمد سے نبرد آزما ہوئے تو ان کی عسکری طاقت کو خاصا نقصان پہنچا اور پیر محمد نے ان کے شہروں اور بستیوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اس عزیمت کے بعد تھتھال پہلے تو کھاریاں کے پہاڑی سلاسل میں پناہ گزیں رہے اور اس کے بعد انہوں نے ٹلہ جوگیاں کے ساتھ پھیلے ہوئے کوہستان نمک کو اپنی آماجگاہ بنا لیا اور گکھڑ سلطان کے مضبوط حلیف بن گئے۔

Marfat.com

امیر تیمور نے ہندوستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔اس دوران تھتھال بھی زوال پذیر ہوئے اوران کے معاون قبائل گوندل' سندھو' چیمہ' چٹھہ' تارڑ اور باجوہ عسکری شعبے سے سبکدوش ہو کر کاشتکاری کی طرف مائل ہوگئے۔تھتھال قبیلے کی حکومت کا سورج تو غروب ہوگیا مگران کی انفرادی شجاعت اوروقار میں کمی نہ آئی۔اب بھی وہ جنگوں میں مشغول تھے فرق صرف یہ تھا کہ اب وہ گکھڑوں کی اطاعت قبول کر کے کوہستان نمک میں ان کے سلطان کے علم تلے جمع تھے۔

۱۵۲۵ء میں جب ظہیر الدین بابر نے ہندوستان پر یلغار شروع کی اور گکھڑ اس کے حلیف بن گئے تو سردار صفدر مراد تھتھال نے گکھڑوں کے زیراثر اس کا ساتھ دیا اور دولت خان لودھی کو شکست دی۔اس کے باوجود تھتھال اپنا خودمختار علاقہ حاصل کرنے میں ناکام رہے۔نیز گکھڑ بھی کسی نئے حریف کوجنم دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔تھتھال قبیلے کی واضح اکثریت گکھڑوں کے ساتھ تھی تاہم مراد قلیچ خان نے بہادروں کی ایک جمعیت کے ساتھ کھاریاں کی پبی کو اپنا مستقر بنالیا جہاں ابھی تھتھال کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔تھتھال اگرچہ زمینوں کے مالک تھے لیکن ابھی تک ان کا رجحان پوری طرح کاشتکاری کی طرف نہیں تھا اور وہ بدستور جنگجوئی کے متلاشی تھے۔

جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کوشکست دی تو تھتھال اور گکھڑ دونوں متاثر ہوئے اور ان کا اقتدار ان سے چھن گیا نیز کوہستان نمک سے بھی انھیں نکلنا پڑا اور سوریوں نے کوہستان نمک پر قبضہ جمالیا۔اس دوران جنجوعہ راجپوت اور گوندل بھی متاثر ہوئے۔ٹلہ جوگیاں کے دامن میں ایک پرہیبت قلعہ روہتاس تعمیر ہوگیا۔ابھی تھتھال قبیلے کا امتحان باقی تھا سوریوں نے ان کے مرکزی مقام قلیچ پور کو تباہ کر دیا اور تھتھال نوجوانوں کو بے دریغ تہ تیغ کر دیا۔ان کا سردار منصور مراد بھی داد شجاعت دیتا ہوا کام آ گیا اور اس قبیلے کی طاقت ایک مدت کیلئے ختم ہوکر رہ گئی۔۱۵۴۶ء میں سلطان ہمایوں کی واپسی سے تھتھال قبیلہ دوبارہ سنبھلنے لگا۔مغلوں نے کشمیر کا کچھ علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا۔اس پر سید یوسف مشہدی گورنر نے محمد اعظم تھتھال سے مدد مانگی جس نے اکبر کے عہد میں یادگار مرزا کو جنگ کے بعد پہلے قید کر لیا اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔اعظم تھتھال کو''بہار'' کا خطاب دیا۔

۱۶۰۶ء میں جب شہزادہ خسرو نے شہنشاہ جہانگیر کے خلاف بغاوت اور قلعہ روہتاس جا کر حسن بیگ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تو تھتھال سردار سیف اللہ کو اس کا مقابلہ کرنے کا حکم ملا جس نے اسے دریائے چناب کے کنارے شکست دی اور پھر جلالپور جٹاں کے قریب ایک دریائی جزیرے سے گرفتار کر کے نوشاہی فوج کے حوالے کر دیا۔اس پر مغل شہنشاہ نے سیف اللہ کو''مرتضےٰ خان'' کا لقب' جاگیر اور نقد انعام دیا۔مغل سپہ سالار مہابت خان اور سیف اللہ مرتضےٰ کے درمیان نہایت گہرے اور خوشگوار تعلقات تھے۔جب اس نے بغاوت کی اور شہنشاہ کو یرغمال بنانے کے علاوہ مغل جرنیل آصف خان اور اس کے بیٹے کو بھی یرغمال بنالیا تو سیف اللہ تھتھال سے پناہ مانگی جس نے اسے کھاریاں کی پبی میں پناہ دے دی۔

مغلیہ فوج نے علاقے کا گھیراؤ کرلیا ایک خونریز جھڑپ ہوئی اور تھتھال شکست کھا گئے۔مغلیہ فوج نے ان کی بستیاں اجاڑ دیں۔تھتھال مہابت خان کو لے کر کوہستان نمک میں جا گھسے اور آصف اور اس کے بیٹے کو آزاد کر دیا۔اس واقعے کے بعد ان کی حالت بھی ایک عام جاٹ راجپوت قبیلے کی مانند ہوگئی۔مہابت خان کو تو بعد میں معافی مل گئی مگر آصف خان جب گورنر لاہور بنا تو اس کی یہی کوشش رہی کہ تھتھال کسی طور پر پنپ نہ پائیں۔شاہ جہان کے عہد میں تھتھال قبیلے نے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کی ایک بار پھر ناکام کوشش کی البتہ جب اورنگزیب نے جنگ بدخشاں کے لیے فوج بھرتی کی تو تھتھال قبیلے کے نوجوانوں کو اپنے حربی جوہر دکھانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔پنج شیر اور گلبہار کے مقام پر ان کی شجاعت کو مغل سالاروں نے بچشم خود ملاحظہ کیا۔جنگ کے بعد شہزادے نے سردار حشمت خان تھتھال کو کھمبیت (کاٹھیاواڑ) کا قلعدار مقرر کیا۔اس کی سپاہ میں مغل' افغان' کھمب جنگجو اور چب راجپوت بھی تھے۔جب اورنگزیب کو احمد آباد سے دور تعینات کیا گیا تو سردار حشمت خان استعفیٰ دے کر واپس آ گیا مگر اب کی بار اس کے جلو میں ایک نئی فوج تھی۔اس نے ''خانپور'' اور ''کھمب'' کے دیہات آباد کرنے کا حکم دیا جو آج بھی تحصیل سرائے عالمگیر ضلع گجرات میں موجود ہیں۔قلیچ پور کے نزدیک ایک اور معروف گاؤں ''کھمبی'' بسایا گیا جہاں کھمب قبیلے کے افراد کے ساتھ مغل اور افغان بھی آباد ہوئے جنہیں آج بھی ''ککے بلے'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کی وجہ ان کی جلد اور آنکھوں کی رنگت تھی۔

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد تھتھال کے علاقوں پر سکھوں نے حملے شروع کر دیے۔سردار حافظ مراد تھتھال نے کھاریاں کی پہاڑیوں سے پار ایک بستی آباد کی جو درحقیقت ایک دفاعی چوکی تھی۔اس کا افسر عیسیٰ خان کو مقرر کیا گیا جس کی والدہ مہمند پٹھانوں کے قبیلے سے تھی۔وہاں آج ''چک مہمند'' (نزد کھاریاں) موجود ہے۔سردار حافظ مراد تھتھال فہم وفراست کا مالک اور نہایت زیرک انسان تھا اس نے تھتھال قبیلے کو استحکام دینے کے لیے سیالکوٹ سے ساہی قبیلے کے افراد کو اپنے ہاں

Marfat.com

آباد ہونے کی دعوت دی۔اس کے علاوہ جب راجپوتوں کو جموں سے بلوایا اور پنڈی گھیب سے اعوان قبیلے کو یہاں آباد ہونے کی دعوت دی۔فرخ سیر کے عہد میں سکھوں نے شورش برپا کی اور ان کا سردار بند بیراگی مارا گیا۔سکھوں کی شورش کے خاتمے کے ساتھ ہی گورنر لاہور نے پرانے ہتھکنڈے اپنا لیے اور ابھرتے ہوئے قبائل تھتھال اور گکھڑوں کو دبانے کی حکمتِ عملی اختیار کرنے لگا۔

عیسیٰ خان مہند نے اعلان بغاوت کر دیا اور جہلم و چناب کے درمیانی علاقوں میں مغل کاروانوں کو لوٹنے لگا۔اس نے کابل اور کشمیر کے راستے بند کر دیئے۔ تھتھال اس وقت تک منتشر ہو چکے تھے تاہم مٹھی بھر جوان عیسیٰ خان کے ساتھ موجود تھے۔گورنر لاہور نے ایک بڑی فوج اس علاقے میں بھیج دی جس نے عیسیٰ خان مہند کو شکست دے کر قتل کر دیا۔تھتھال قبیلے کے بے شمار جوان قتل کیے گئے اور تھتھال ایک بار پھر مارے مارے پھرنے لگے اور اکثر کھاریاں کی پہاڑیوں اور ٹلہ جوگیاں کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے۔اس وقت اس قبیلے کی حالت نہایت دگرگوں تھی۔ سینکڑوں بیوائیں اور یتیم بچے فاقہ کشی میں مبتلا تھے۔انہوں نے گکھڑوں سے اعانت کی مگر گکھڑ اس وقت خود مشکل میں گھرے ہوئے تھے۔جب سکھوں نے یلغار کی تو کھاریاں کی پہاڑیوں میں رہنے والے تھتھال ایک بار پھر جنگ کے شعلوں میں گھر گئے۔انہوں نے سکھوں کی اطاعت قبول نہ کی البتہ وہ ان کے مقابلے پر ٹھہر نہ سکے اور سکھوں نے ان کے رہے سہے مقبوضات پر بھی ہاتھ صاف کر لیا۔اس کے بعد تھتھال قبیلے کے لیے واحد انتخاب یہی رہ گیا تھا کہ وہ کھیتی باڑی کر کے مویشی پال کر اپنا گذارا کریں۔ان کی بہادری، شجاعت اور بے باکی کی انمٹ داستانیں تاریخ کے اوراقِ گم شدہ بن کر رہ گئیں۔ یہ عظیم اور بہادر راجپوت قبیلہ ''جاٹ'' کے لقب سے ملقب ہو گیا۔اس وقت ضلع جہلم اور گجرات میں اس خاندان کی متعدد بستیاں موجود ہیں اور کئی بستیاں اور قصبے ان سے منسوب ہیں۔ڈھوک پڑھال کے نزدیک ''تھتھال'' اور ایک قصبہ ''چک تھتھالاں'' کے نام سے معروف رہا ہے۔

تولا

گجرات میں مسلمان جٹوں کا ایک قبیلہ۔وہ گوندل جٹوں کی ایک شاخ ہونے کا دعویٰ کرتے اور کہتے ہیں کہ ان کا ایک جدِامجد لاولد تھا۔اس نے قسم کھائی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس کے وزن کے برابر سونا اور چاندی تول کر غرباء میں تقسیم کرے گا۔اس کا بیٹا تولا کہلایا۔

ٹوپہ

یہ سورج بنسی ہیں، ان کا مورث آدم ٹوپہ کے نام سے مشہور تھا جو دکن سے بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر گجرات آیا۔اسی قوم نے گجرات خریدا تھا اور قیمت گن کر دینے کی بجائے ٹوپوں میں بھر کر دی تھی۔تاہم یہ روایت ثقہ نہیں ہے۔

ٹھلہ

ٹھلہ گوجر کھٹانہ کی شاخ ہے، ان کا کوئی مورث راجہ ٹھلہ تھا، اس کی اولاد پنجاب میں آئی اور کئی جگہ زمین آباد کی ان کی ملکیت موضع ہڑ وغیرہ میں ہے اور ایک گاؤں ٹھلہ بھی ان سے منسوب ہے۔

ٹھیکریہ

ٹھیکریہ، ٹھاکر کی طرف منسوب ہیں۔ہندوستان میں اب بھی بعض راجاؤں کی اولاد ٹھاکر کہلاتی ہے۔ان کا سلسلہ نسب راجہ بکرماجیت تک پہنچتا ہے۔ ان کا مورث جگہ نامی لاہور میں آیا اور حضرت علی ہجویریؒ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔کئی پشتوں تک اس خاندان کے نوجوانوں نے پیشہ سپاگری اختیار کیا اور اچھے سپاہی سمجھے جاتے رہے۔رفتہ رفتہ زراعت کی طرف متوجہ ہوئے۔گجرات میں موضع پنڈوڑی میں سکونت کی۔پھر چک سکندر کے قریب ایک گاؤں آباد کیا جو ٹھیکریہ کے نام سے مشہور ہے۔ ٹانڈہ موٹہ (گجرات) میں خاندان ٹھیکریہ آباد ہے۔جہلم میں ٹھکریاں کے نام سے ان کی بستی آباد ہے۔

جھینڈڑ

جھینڈڑ، چوہان کی شاخ اور سورج بنسی ہیں۔ان کا مورث راجہ جھینڈڑ تھا جس کی اولاد میں سے کوئی شخص گجرات آیا۔ان کا موضع جھینڈڑ بھی مشہور ہے۔ان کی ملکیت جھینڈڑ، فتح پور کنگ اور ننداول میں ہے۔یہ قلیل جماعت ہیں۔

جرال

چندربنسی پانڈو وال قبیلہ ہے۔راجا ارجن کے پوتے کا نام پریکھت تھا

Marfat.com

جس کے دولڑکے جنم جی اور نکھم جی تھے۔ راجا نکھم کے بڑے لڑکے کا نام کہلانہم جی تھا جس نے کلانور کا شہر آباد کیا تھا۔ راجا کلانہم کے پوتے کا نام منگل راؤ تھا جس کی اولاد منگرال کہلاتی ہے۔ راجا منگل کی پانچویں پشت میں راجا جے راؤ تھا جس کی اولاد منگرال جرال کہلائی۔ راجا منگل راؤ کشمیر میں آ کر آباد ہو گیا تھا جبکہ راجا جے راؤ پہلے کانگڑہ گیا جہاں سے اس کی اولاد چد جموں ہجرت کر کے آ گئی تھی۔ راجا جے راؤ کا پوتا دھیج راؤ جموں آیا تھا جس نے دھیج کوٹ موجودہ دھیر کوٹ کا شہر آباد کیا تھا۔ اس کے لڑکے کا نام نانک راؤ تھا۔ بڑا بہادر اور دلیر تھا اس نے بغیر ہتھیار ایک شیر کو مارا تھا جس کے باعث اس نے شینہہ کا لقب حاصل کیا۔ جرال قبیلہ کے لوگ اب تک اپنے ناموں کے ساتھ شینہہ استعمال کرتے ہین۔ شینہہ خاندان کا آخری راجا صاحب راؤ والئی کلانور تھا۔ اس کے لڑکے نیل شینہہ نے ۱۱۷۹ میں شہاب الدین غوری کا مقابلہ کیا تھا مگر شکست کھائی۔ جب دونوں باپ بیٹا سلطان کے حضور پیش ہوئے تو دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صاحب شینہہ کا اسلامی نام شیر افگن تھا جبکہ اس کے لڑکے نیل شینہہ کا اسلامی نام نورالدین رکھا گیا۔ شہاب الدین نے خوش ہو کر شیر افگن کو خان کا خطاب دیا۔ اس اس زمانہ میں خان کا مطلب نائب السلطنت ہوا کرتا تھا لہٰذا گورداسپور اور لاہور کا پہلا نو مسلم حکمران شیر افگن مقرر ہوا۔ خان کا خطاب ملنے کے بعد جرال قبیلے نے شینہہ کے بجائے خان کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

جب شیر افگن مر گیا تو اس کا لڑکا نورالدین واپس کشمیر چلا گیا اور راجوری کو فتح کر کے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ راجوری ایک عرصہ تک خاندان جرال کی راجدھانی رہی۔ بادشاہ اکبر جس کی رسم تاجپوشی کلانور میں ادا کی گئی تھی اس کو جب علم ہوا کہ کلانور کو بسانے والا قبیلہ راجوری میں ہے تو وہ خود راجوری آیا اور اس وقت کے جرال راجا مست خان کو ملا ور مرزا کا خطاب دیا۔ راجا مست خان کی اولاد ۱۵۸۵ء سے مرزا کہلا رہی ہے۔ جرال قبیلہ کے لوگ منگرل، جرال اور شینہہ کہلاتے ہیں۔ مرزا کے لقب کے باعث کچھ مورخین نے ان کو مغل لکھا ہے جبکہ کچھ نے گکھڑوں کی شاخ منگرال کردانا۔ راجا مست خان کی اولاد کو ۱۸۴۶ء میں راجا گلاب سنگھ نے باجوڑ سے نکال دیا تھا۔ یہ لوگ وہاں سے وزیر آباد اور کانگڑہ چلے گئے تھے جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تو جرال قبیلہ کے شاہی خاندان سمجھتے ہوئے ۱۸۶۰ء میں راجا کا خطاب ایک سند اور معقول جاگیر عطا کی۔ راحت اللہ جرال کمشنر بی ڈویژن اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

جٹ

جٹوں، راجپوتوں اور مخصوص دیگر ذاتوں (قبائل) کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا ناممکن ہے۔ یہ بات خاص طور پر سارے مغربی پنجاب پر صادق آتی ہے جہاں زمیندار اور کاشتکار طبقات قبائلی بنیادوں پر منظم ہیں۔ چنانچہ اصل زور ہمیشہ ذات یا رتبے کی بجائے قبیلے یا قبیلچے پر ہی دیا جاتا ہے۔ مشرق کی طرف جانے پر لوگ ذات کی اصطلاحات راجپوت اور جٹ استعمال کرتے ہیں لیکن بہت مبہم انداز میں۔ چنانچہ گوجرانوالہ یا گجرات میں کوئی مسلمان قبیلہ کبھی جٹ اور کبھی راجپوت یا پھر آدھا راجپوت اور آدھا جٹ نظر آئے گا۔ وسیع تر مفہوم میں بات کی جائے تو جٹ مغربی اضلاع میں مسلمان، مرکز میں سکھ اور جنوب مغرب میں ہندو ہے، لیکن اس اصول سے متعدد مستثنیات بھی ہیں۔ سکھ اضلاع میں اپنی بیوہ بھابھی سے شادی کرنا لازمی ہے۔ جنوب مشرق میں بیوہ کی شادی کا دستور ہندو جٹ کو راجپوت سے ممیز کرتا ہے، لیکن یہ جٹوں کے درمیان بھی ہمہ گیر اصول نہیں کیونکہ گڑ گاؤں میں جٹ خاندان اسے نامنظور کرتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر مشرق کی سمت آگے بڑھنے پر برہمنی تصورات کام دکھانے لگتے ہیں۔

پنجاب کے لوگوں کی نسلیات سے متعلق شاید ہی کوئی سوال ایسا نہیں ہوگا جس پر اتنی بحث ہوئی جتنی کہ جٹ نسل کے ماخذ پر ہوئی۔ جنرل کننگھم انھیں سٹرابو کے Zanthi اور پلائنی وٹولمی (بطلیموس) کے ''جاتو'' سے شناخت کرتے ہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ وہ غالباً میڈوں (Meds) یا مندوں (Mands) کے کچھ ہی عرصہ بعد آکسس (Oxus) یا جیحون کے مقام پر اپنے گھروں سے نکل کر پنجاب میں آئے۔ وہ بھی انڈو سیتھین تھے اور ایک سو سال قبل مسیح میں پنجاب کی طرف آئے۔ لگتا ہے کہ جٹوں نے پہلے زیریں وادی سندھ پر قبضہ کیا، جہاں عیسوی دور کے آغاز میں میڈی کے جٹوں نے پہلے زیریں وادی سندھ پر قبضہ کیا، جہاں عیسوی دور کے آغاز میں میڈی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے، لیکن مسلمانوں کے اولین حملے سے قبل جٹ پنجاب خاص میں پھیل گئے تھے اور گیارہویں صدی کے شروع تک انہوں نے استحکام حاصل کر لیا۔ بابر کے دور تک خطہ کوہستان نمک کے جٹ، گکھڑوں، اعوانوں اور جنجوعوں کے ماتحت تھے، جبکہ ساتویں صدی کے اوائل میں سندھ کے جٹوں اور میڈیوں پر برہمن حاکمیت تھی۔ میجر ٹاڈ جٹوں کو راجپوت قبائل میں سے ایک بہت بڑا قبیلہ شمار کرتے اور دونوں نسلوں کو Gatae (گیتے) کے ساتھ مشابہ کہتے ہیں، لیکن جنرل

Marfat.com

کننگھم اس سے متفق نہیں۔ اس کے برعکس ان کا خیال ہے کہ راجپوت اصل آریائی نسل ہیں اور جٹ کا تعلق بعد ازاں شمال مغرب سے آنے والے مہاجرین (غالباً سیتھی نسل) سے ہے۔

چاہے جٹ اور راجپوت اپنی اصل میں جدا جدا تھے یا نہیں' اور چاہے کوئی بھی قدیمی عناصر ان کی معاشرت سے منسلک ہو گئے ہوں لیکن یہ دونوں ایک مشترک ماخذ کو متشکل کرتے ہیں اور ان کے درمیان فرق نسلی کی بجائے سماجی ہے۔ اسی مشترک ماخذ کے ایسے خاندان جنہیں قسمت کے اتار چڑھاؤ نے سیاسی سرفرازی عطا کر دی' فوراً ہی راجپوت ہو گئے اور یہ کہ ان کی اولادوں نے یہ لقب اور حاصل مراعات کو نہایت کٹرپن کے ساتھ ان قوانین کی پیروی کی صورت میں برقرار رکھا جن کے ذریعہ درجہ بندی کے ہندو پیمانے میں اعلیٰ و بالا ذاتیں خود کو نیچ' پست ذاتوں سے ممتاز رکھتی ہیں۔ وہ ذاتیں کمتر سماجی رتبے والوں میں شادی سے انکار اور گھٹیا پیشوں سے احتراز کر کے اپنے خون کا خالص پن محفوظ رکھتی ہیں۔ ان قوانین سے روگردانی کرنے والوں کا سماجی رتبہ گر گیا اور وہ راجپوت نہ رہے۔ جبکہ ایسے خاندان جنہوں نے علاقہ میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر کے سماجی کم آمیزی اور قوانین کی پیروی شروع کر دی' وہ نہ صرف راجا بلکہ راجپوت یعنی راجوں کے پوت (بیٹے) بن گئے۔ گزشتہ سات سو سال سے ارتقاع کا سلسلہ بالکل رکا رہا ہے۔ فرمانروایان دہلی کے تحت بادشاہ گری عملی طور پر ناممکن تھی۔ سکھوں کی حاکمیت میں جٹ راجپوتوں پر غالب تھے' جنہوں نے ان کی افضلیت کے مفروضہ کو ناپسند کیا اور خالصے کے رتبوں میں مساوی حیثیت حاصل ہونے سے انکار کیا' اور جب بھی کہیں طاقت ملی تو انھیں قصداً تکلیفیں دیں اور جٹ سکھ کے لقب کے عنوان کو مغرور راجپوت پر فوقیت دی۔

پنجاب کے لوگوں میں جٹ ہر اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ تعداد کے معاملے میں وہ راجپوت کو بہت پیچھے چھوڑ گیا ہے جو اس کے ساتھ 3:1 کی نسبت رکھتا ہے جبکہ یہ دونوں مل کر پورے صوبہ کی کل آبادی کا ۲۷ فیصد بنتے ہیں۔ نسلیاتی اعتبار سے وہ پنجاب کی پانچ دریاؤں والی سرزمین کی مخصوص اور انتہائی مختار پیداوار ہے اور معاشیاتی و انتظامی نکتہ نظر سے وہ صوبے کا بہترین کاشتکار' کسان اور مالیہ ادا کرنے والا ہے۔ اس کے آداب و اطوار میں وحشی آزادی والی ان نسلوں کا تاثر نہیں ملتا جو سرحدی پہاڑوں کی نسلوں کی شناختی علامت ہیں۔ لیکن وہ زیادہ ایماندار' زیادہ محنت کرنے والا' زیادہ قوی الجثہ اور اس کے مقابلہ میں کسی بھی طرح کم مردانہ نہیں۔ درحقیقت پختہ خود مختاری اور محنت شاقہ اس کی نمایاں ترین خصوصیات ہیں۔

پنجاب کی تمام نسلوں میں جٹ قبیلوں' برادرانہ بندھنوں اور تنظیم سے نہایت بیزار اور انفرادی آزادی کا زبردست حامی ہے۔ جن خطوں مثلاً روہتک میں جٹ قبائل کے لیے میدان صاف ہے اور وہ مخالف ذاتوں کو بطور دشمن نہ لیں تو انھیں کسی اور کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ وہاں قبیلوی بندھن مضبوط ہیں۔ اصولی طور پر جٹ ایسا شخص ہے جو وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی نظر میں درست ہے اور حتیٰ کہ کبھی کبھار غلط بھی۔ اور وہ کبھی کسی آدمی سے ''نہ'' نہیں سنتا۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہنگامہ پرور ہے۔ وہ تو اس سے بہت دور ہے۔ وہ خود مختار اور خودسر ہے' لیکن قابل گوارا۔ اگر اسے چھیڑا نہ جائے تو وہ پرامن رہتا ہے اور اس سے نمٹنا مشکل نہیں۔ وہ بالعموم اپنے کھیت کاشت کرنے اور خاموشی کے ساتھ مالیہ ادا کرنے میں خوش رہتا ہے' بشرطیکہ لوگ اسے ایسا کرنے دیں۔ جب وہ پٹڑی سے اتر جائے تو ''جوئے بازی سے لے کر قتل و غارت تک سب کچھ کرتا ہے اور شاید دوسروں کی عورتیں اور مویشی چرانے کو ترجیح دیتا ہے''۔ عام طور پر لوک کہاوتیں اسے کافی واضح اور شاید کچھ زیادہ شدید طور پر بیان کرتی ہیں: ''کھیت' چارہ' کپڑے' سن' گھاس کے ریشے اور ریشم' ان چھ چیزوں کو سب سے زیادہ پیٹنا چاہیے' اور ساتویں جٹ کو''۔ ''جٹ' بھٹ' سنڈی اور بیوہ عورت چاروں سب سے زیادہ بھوکے ہوتے ہیں۔ یہ سیر شکم ہو جائیں تو نقصان پہنچاتے ہیں''۔ جٹ تے پھٹ نوں بنھے رکھنا ای چنگا ہے''۔ (زخم کی طرح جٹ بھی بندھا رہے تو بہتر ہے)۔

کھیتی باڑی میں جٹ سب سے آگے ہے۔ سبزی فروش ذاتیں ارائیں' مالی' سینی شاید چھوٹے پیمانے پر زیادہ مہارت رکھتی ہیں' لیکن وہ زمینداری اور کاشتکاری میں جٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ جٹ خود کو اتنا ہی عام طور پر ''زمیندار'' کہتا ہے جتنا کہ جٹ' اور اس کے بیوی بچے بھی اس کی طرح کھیتوں میں کام کرتے ہیں: ''ہل جٹ بچے کا کھلونا ہے''۔ جٹ اپنی گندم کے ڈھیر پر کھڑا ہو کر شاہ کے ہاتھی بانوں سے کہتا ہے......تم ان گدھوں کو بیچو گے؟'' سماجی طور پر جٹ وہ حیثیت رکھتا ہے جس میں روڑ' گوجر اور آہیر حصہ دار ہیں۔ یہ چاروں مل کر کھاتے' پیتے اور تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ وہ یقیناً راجپوت کے مقابلہ میں صرف اسی سادہ سی حقیقت کے باعث کہیں پست ہے کہ وہ اپنی بیواؤں کی شادی کر دیتا ہے۔۔۔۔ جٹ بنیے کو بطور بزدل' مردہ دل اور پیسے کا شیدائی' حقیر جانتا ہے اور بالعموم معاشرہ جٹ کے اس خیال سے متفق ہے۔ مردانگی اور طاقت میں بنیے سے کہیں اعلیٰ کھتری غالباً جٹ کا پیش رو ہے۔

Marfat.com

جنگل

جنگل کھٹانہ کی شاخ ہے۔ان کا مورث راجہ جنگل تھا جس کی اولاد نے ضلع گجرات میں آ کر زمین آباد کی۔ان کی ملکیت موضع ڈوگہ' بھوج پور' جادہ' بھاگو' موہال اور بوریانوالی میں ہے۔بعض جنگل کہتے ہیں ان کا بزرگ جنگل میں مویشی چراتا تھا' جب وہ آبادی میں آیا اور کھیتی کرنے لگا تو اس کا نام جنگل مشہور ہو گیا۔یہ توجیہ کچھ معقول معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ نو آبادیوں کے قدیم باشندوں کو ''جنگلی'' کہا جاتا ہے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق جنگل دراصل Jingle ہے۔

جو

رانا بھونی جو کی اولاد جو بھٹی کہلاتی ہے ان کا سلسلہ سیالکوٹ کے راجا سالباہن سے جاملتا ہے جو بھٹی زیادہ تر جہلم' سیالکوٹ اور گجرات میں پائے جاتے ہیں ۔ان کا تعلق اس شاخ سے ہے۔

جولاہا' جُلاہا

(مترادف سفید باف)۔صرف کپڑا بننے والے کو مشرقی دیہات میں جولاہا اور مغربی دیہات میں پاؤلی کہا جاتا ہے۔یہ انتہائی کثیر التعداد اور اہم دستکار طبقہ ہیں' بالخصوص مغربی اضلاع میں جہاں چمڑا مزدور یا خاکروب ذاتیں کپڑا بننے کا کوئی کام نہیں کرتیں۔درحقیقت ضلع سرسا کی سٹیلمنٹ رپورٹ تیار کرتے ہوئے مسٹر ولسن کو لوگوں کی مختلف شاخوں کا موازنہ کرنے کے زبردست مواقع ملے۔ان کی رائے میں جولاہے اور چمار اپنے ماخذ میں شاید ایک ہی ہیں اور پیشے کے اختلاف کی وجہ سے ان کے درمیان فرقہ پیدا ہوا۔اگر ایسا ہے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں کی موجودہ حیثیت انتہائی غیر مشابہ ہے۔جولاہا ناپاک چمڑے میں کام نہیں کرتا' مردار خور نہیں' نعش کو نہیں چھوتا اور ہندو اور مسلمان دونوں اسے اپنے اپنے عقیدے کا پیروکار تسلیم کرتے اور مذہبی مساوات قبول کرتے ہیں۔المختصر' چمار ایک خدمت گار ہے اور جولاہا دستکار۔اصل حقیقت یہ لگتی ہے کہ لفظ جولاہا (خالصتاً فارسی لفظ) ہندی زبان کی اصطلاحی تانتی کا مترادف ہے اور اس اعلیٰ ترین پیشے کا نام ہے جو آبادی کے اچھوت حصہ کے لیے بالعموم کھلا ہے۔لہٰذا ہمیں کولی...... جولاہے' چمار...... جولاہے' موچی...... جولاہے' رام داسی۔جولاہے وغیرہ ملے لیکن امکان ہے کہ چند پشتوں بعد ان افراد نے وہ سابقے گرا دیے جو کمتر نسل ہونے کے غماز تھے' اور سادہ و خالص جولاہے بن گئے۔دہلی و حصار ڈویژنوں میں جولاہا خاص ادھر ادھر بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔وہاں اس کی جگہ کولی یا چمار۔جولاہے نے لے لی' اور ڈیرہ جات میں بمشکل ہی معلوم ہے جہاں کپڑا بننے کا زیادہ تر کام شاید جٹ کرتا ہے۔باقی کے صوبے میں وہ کل آبادی کا تین یا چار فیصد ہیں۔وہ کانگڑہ اور دہلی میں بالعموم' جبکہ کرنال' انبالہ اور ہوشیار پور میں اکثر و بیشتر ہندو ہے لیکن بحیثیت مجموعی تقریباً ۹۲ فیصد جولاہے مسلمان ہیں' سکھ معدودے چند ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ جولاہا صرف کپڑا بننے کا کام ہی کرتا ہے۔وہ حقیقی دیہی خدمت گار ہیں۔اسے رواجی معاوضہ ادا کرنے کی بجائے کام کے لحاظ سے ادائیگی کی جاتی ہے۔دستکار طبقات میں وہ شاید سب سے زیادہ شورش پسند ہے۔یورپ کے جوتا سازوں کی طرح وہ ایک انتہائی سست رو پیشے سے منسلک ہے اور کم از کم دیہات میں آبادی کا نہایت ہنگامہ پرور طبقہ۔ایک کہاوت ہے:''جولاہا متحمل مزاج کیسے ہو سکتا ؟'' دراصل اس طبقے کی پست سماجی حیثیت اور خوامخواہ کی بناوٹ کے درمیان فرق اکثر محاوروں میں بیان ہوتا ہے۔''کام جولاہا اور نام فتح خان''۔(فتح خان کا مطلب فاتح سردار)۔''خدا ہمیں محفوظ رکھے! جولاہا شکار پہ گیا ہے!'' ''خود تو جولاہا' اور سید ملازم رکھا ہے!'' ''کیا! پٹھان' اور جولاہوں کے جبری ملازم!'' اسی طرح کچھ مزید بھی ہیں۔

جولاہوں کی بہت سی ذیلی شاخیں ہیں لیکن زیادہ بڑی کے نام مقتدر زمین دار قبائل سے مستعار لیے گئے۔چند ایک مندرجہ ذیل ہیں: بھٹی وسیع پیمانے پر بکھرے ہوئے ہیں۔کھوکھر مرکزی طور پر لاہور کے مغرب میں ملے' جنجوعہ اور اعوان راولپنڈی ڈویژنوں میں' سندھو امرتسر اور لاہور ڈویژنوں اور جرپال کانگڑہ میں۔کبیر بنسی کا اندراج انبالہ اور کانگڑہ سے ہوا' یہ لفظ قطعی طور پر ایک حقیقی قبائلی نام بن چکا ہے اور اس میں مسلمان جولاہے شامل ہیں۔یہ بنارس کے عظیم بھگت کبیر کی نسبت سے ہے جو خود بھی جولاہا تھے اور ان کی تعلیمات کو بیشتر ہندو جولاہے تسلیم کرتے ہیں۔مشرقی جولاہے دو بڑی شاخوں ''دیسوالی'' یعنی دیسی اور ''تیل'' میں تقسیم ہیں۔موخر الذکر شاخ تیلی عورت سے شادی کرنے والے جولاہے کی نسل خیال کی جاتی ہے۔وہ سماجی اعتبار سے اول الذکر کی نسبت کمتر ہے۔جمنا اضلاع میں گنگا پوری (گنگا پاری؟) اور ایک ملتانی شاخ بھی ہے۔اول الذکر مالوہ کی سرحدوں پر پائی گئی۔جولاہے پشاور میں گولاہ اور ہزارہ میں کاسی کہلاتے نظر آتے ہیں۔مغرب میں مزید آگے جانے پر ہمیں

Marfat.com

مسلمان جولا ہے متعدد گروپوں کی صورت میں منقسم ملتے ہیں۔ (زیادہ تر کی تقسیم علاقائی بنیادوں پر ہے) مثلاً جنڈ میں جانگلی' دیسوالی' بجواریہ اور پاریہ ذیلی ذاتیں ہیں لیکن نابھا میں چھ گروپ ہیں۔ چار علاقائی (جانگلا' پواڈھڑے' باگڑی اور ملتانی)۔ پانچواں گروپ پارے اور چھٹا موچیا ہے۔ جنڈ میں ملنے والے چاروں گروپ ایک ساتھ کھاتے اور حقہ کشی کرتے ہیں۔ جانگلی تحصیل سنگرور کے جنگل خطہ میں ملتے ہیں۔ وہ سید موروثی پیروں کو مانتے ہیں۔ کسی پیر کا مرید بننے والا شخص اس کے ہاتھ سے شربت کا پیالہ پیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنے سے وہ بہشت پالے گا۔ وہ اپنی ہی گوت میں شادی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ نابھا میں پارے شادیوں کے لیے اسلامی طریقہ کار پر عمل کرتے ہیں۔ البتہ دیگر پانچ گروپ ہندوؤں کی طرح اپنی گوت میں شادی نہیں کرتے۔ مسلمان جولاہوں کو عیدالفطر کو بڑے جوش وخروش سے منانے والا بتایا جاتا ہے' جس طرح قصاب عیدالاضحیٰ کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ جبکہ کنگھی گراں شب برات اور سید محرم بڑے جوش وجذبے سے مناتے ہیں۔

چاڑ

چاڑ سورج بنسی ہیں' راجہ جگدیو کی اولاد میں سے راجہ چاڑ تھا' اس کی نسل کے چند آدمی چتوڑ گڈھ سے پنجاب آئے اور کئی علاقوں میں پھیل گئے۔ ان کی ملکیت ماجرہ' ٹھٹھہ پوڑ' ساتل' موی کمالا' مراڑیاں' اوجریاں' کسانہ' راجو بھنڈ' ٹبی کالس' لنگو' حاصلانوالہ' موجیانوالہ واڑہ چامیاں ضلع گجرات میں ہے۔

چب راجپوت

راجپوت قوم کی ایک معروف گوت ہے۔ ضلع گجرات کی تحصیل سرائے عالمگیر میں ان کی واضح اکثریت ہے۔ ڈاک چباں قصبہ ان کے نام پر ہے۔ بلانی' بیسہ' پیر خانہ اور بکوہل وغیرہ میں بھی یہ لوگ آباد ہیں۔ اس خاندان کا دعویٰ ہے کہ ان کا تعلق کانگڑہ کے کٹوچ راجپوتوں سے ہے۔ روایت ہے کہ کٹوچ راجپوتوں سے ان کا سلسلہ ایک خاتون کی وجہ سے ملتا ہے مگر یہ روایت کمزور ہے۔ دراصل چب پنوار راجپوت ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ نے پندرہ سو سال قبل کانگڑہ کو خیر آباد کہا تھا اور کشمیر اور بھمبر کے مقام پر آباد ہو گیا تھا۔ پہلا مسلمان چب ''سدی'' تھا جس نے اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں تشدد سے شہید کر دیا گیا۔ اس کی نسل کے چب راجپوت اپنے نومولود بیٹے کو اس کے دربار پر لے جاتے تھے اور اس حاضری کے بعد اسے سچا چب سمجھتے تھے۔ جموں ان کا قدیم مرکز تھا۔ چب قوم کو چبہال بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک سیاسی فہم والی قوم ہے۔ راجہ کا لقب انھیں بہت پسند ہے۔ جنجوعہ خاندان سے اچھے تعلقات رکھتے ہیں اور باہم شادی بیاہ کو برا نھیں سمجھتے۔ زراعت پیشہ ہیں' کاروبار اور ملازمت بھی کرتے ہیں۔ چب کے بارے میں اقوام پونچھ میں درج ہے:

> ''قبیلہ چب کے متعلق مختلف محققین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک رائے کہ چب پنوار راجا میکھ والئی کانگڑہ کی اولاد ہیں۔ اس راجا کے چار لڑکے تھے۔ سب سے چھوٹے بیٹے کا نام پرتاب چند تھا۔ پرتاب چند کے بڑے لڑکے کا نام چب چند تھا۔ جس کی اولاد چب کہلاتی ہے۔ راجا چب چند ۱۴۰۰ء میں کانگڑہ سے جموں آ گیا اور بھمبر کے راجا سری پت بدھن کی لڑکی سے شادی کر کے راجدھانی جہیز میں پائی۔
>
> اس راجا کی اولاد بھمبر پر حکمران رہے۔ اس کی چھٹی پشت میں راجا سری چند تھا جو بڑا عالم اور اعلیٰ حکیم تھا۔ راجا سدی چند نے ابراہیم لودھی کا علاج کیا تھا جس سے سلطان کو صحت ہوئی اور اس نے سدی کو خطیر رقم جاگیر بطور انعام دی۔ راجا سدی نے بابر کے عہد میں اسلام قبول کر کے اسلامی نام شاداب خان رکھا' اور محمد ابراہیم بن قاضی محمد فاروق کی شاگردی میں اسلامی تعلیمات حاصل کیں۔ شجرہ نسب کی رو سے راجا جوگ سے تقریباً ستائیسویں پشت میں راجا پرگو تھا جس کے پائل دیو' لودر دیو' ماڑ اور چب دیو چار لڑکے تھے پائل کو جموں کی گدی ملی جب کہ ماڑ کو علاقہ چکوال دیا گیا۔
>
> راجا لودر نے خطہ پوٹھوہار میں آ کر اپنے بیٹے گل کے نام پر گلیانہ لودھرہ آباد کیا۔ راجا چب کو بھمبر کا علاقہ بطور جاگیر ملا۔ اس شجرہ کی رو سے راجا چب قبیلہ جموال منہاس کا چشم و چراغ تھا۔ سدی چند راجا دیو کی

Marfat.com

اولاد میں سے تھے جس نے اسلام قبول کر شاداب
خان نام رکھا تھا''۔

توزکِ جہانگیری اور اکبر نامہ میں راجا شاداب کی بڑی تعریف کی گئی ہے
الفنسٹن نے لکھا ہے کہ

''مغلیہ عہد میں راجا شاداب قندھار اور کشمیر کا گورنر رہا۔ شاداب خان نے ایک مغلیہ عورت سے شادی کی جس کے باعث اس کی اولاد نے شادی خیل چِب کہلانا شروع کر دیا۔ آج بھی ہندوستان اور خصوصیت سے دہلی میں شادی خیل چب موجود ہیں۔ راجا شاداب خان اپنے سالے ہیبت خان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کو بھمبر کے قصبہ ڈھک میں دفن کیا گیا۔ آج کل اس کے مزار پر ہزاروں لوگ حاضری دیتے ہیں اور دلی مرادیں پاتے ہیں۔ اس کی قبر کو پیر شاداب خان عرف پیر شادی کا مزار کہا جاتا ہے۔ آج تک چب قبیلہ کے لوگ نرینہ اولاد کی چوٹی اس مزار پر اترواتے ہیں والدہ ننگے پاؤں مزار پر حاضری دیتی ہے چوٹی کے بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی خیرات کیا جاتا ہے۔ آخر میں بکرا حلال کر کے ماں کو کھلایا جاتا ہے۔ کیونکہ جب تک چوٹی اتر نہ جائے ماں گوشت نہیں کھا سکتی''۔

چب کے بارے میں تاریخ راجپوت کے مصنف جناب عارف منہاس لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں یہ قبیلہ جموں منہاس خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور جو شجرہ میرے پاس ہے اس کے مطابق یہ سورج بنسی قبیلہ ہے مگر راجہ محمد انور جنجوعہ مصنف تحقیق جنجوعہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے مطابق خراسان کا ایک شہزادہ گوہر جو لقمان بن بہمن بن درات کا لڑکا تھا دکن آیا اور راجہ ماہر چند کا سپہ سالار بن گیا اور پھر راجہ نے اس کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر دامادی میں لے لیا۔ اس کے ہاں ابدار چند نامی لڑکا ہوا جس کو علاؤالدین نے کانگڑہ کی مہم سر کرنے کو بھیجا تھا۔ جب اس نے کانگڑہ کو فتح کر لیا تو سلطان نے اس کو کانگڑہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے ہاں چِب چند نامی لڑکا پیدا ہوا جو بڑا ہو کر بھمبر آ گیا اور یہاں کے راجہ سری پت کی لڑکی سے شادی کی۔ اس کے لڑکے کا نام سدھ چند تھا جس نے اسلام قبول کر کے شاداب خان رکھا جو قندھار کا گورنر مقرر ہوا تھا''۔

چب راجپوتوں کا سرغنہ راجہ سلطان خان ولد راجہ شیر محمد خاں پونچھی ایک بہت بڑی جاگیر کا مالک تھا۔ چبوں کے ساتھ بڑے قبیلے مشہور تھے۔ مہدال' جسکال' توراں' گینال' باران شاہی' درویشال اور روپی یال یہ لوگ دوسرے قبائل سے اپنے آپ کو افضل سمجھتے۔ شادیاں صرف قبائل کے درمیان کرتے ہیں۔ البتہ بیٹیوں کی شادی صرف ''سادات'' خاندان میں ہی کرتے ہیں۔ کیپٹن میکینزی کی رپورٹ کے مطابق جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس کے سر کے بال نہیں کاٹتے۔ یہاں تک کہ والدین لڑکے کو لے کر شادی شہید کے مزار (بھمبر میں واقع ہے) پر لے جاتے ہیں۔ مختلف رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ وہاں اس بچے کے پیدائشی بال (چوٹی) کاٹے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بچہ ''چب'' کا فرد مان لیا جاتا ہے۔ چوٹی قائم رہنے تک بچے کی ماں ''گوشت'' کھانے سے پرہیز کرتی ہے۔ ماضی میں چب قبیلے میں ''رائے'' کہلانے والا برادری کا سربراہ ہوتا۔

چمار' چمیار (مونث چماری' چمیاری)

شمالی مغربی ہندوستان میں چمڑے کا کام کرنے والے کو چمار کہتے ہیں' جبکہ مغربی میدانوں میں مسلمان چمڑا مزدور موچی کہلاتا ہے۔ لیکن مشرقی پنجاب میں اس کی حیثیت محض چمڑا مزدور سے کچھ بڑھ کر ہے۔ وہ عام قلی اور دیہات میں کھیت مزدور بھی ہے۔ اگر کوئی انگریز کسی چمار سے اس کی ذات پوچھے تو وہ جواب میں ''چمار'' یا پھر ''قلی'' بھی کہہ سکتا ہے۔ وہ تمام قسم کی بیگار کرتے ہیں' مثلاً گھاس کاٹنا' لکڑی اور گانٹھیں اٹھانا' بطور چوکیدار کام کرنا وغیرہ۔ وہ ضرورت پڑنے پر گھروں کی لپائی بھی کرتے ہیں۔ وہ تمام مردہ مویشیوں کی کھالیں لے لیتے ہیں' اور تمام سم دار جانوروں کا گوشت چوہڑوں کو ملتا ہے۔ چمار جوتے بناتے اور مرمت کرتے'

Marfat.com

گھوڑے اور بیل کے لیے لگامیں تیار کرتے ہیں۔اس کے علاوہ کھیتوں میں ان کا کام بہت سخت نوعیت کا ہوتا ہے۔انھیں اپنی محنت کے عوض فصل کٹنے پر مخصوص حصہ ملتا ہے۔

چماروں کا سماجی رتبہ چوہڑوں کی نسبت کافی بہتر ہے اور ان کے کچھ ایک قبائل کو تو ہندو بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔چمار خاکروب، کنج، سانسی اور نٹ کے سوا کسی کے ہاتھ سے بھی لے کر کھالیتا ہے۔وہ صرف آپس میں ہی حقہ کشی کرتے ہیں اور دھوبی، ڈوم یا نیل گر کے ساتھ نہیں کھاتے۔ان کا رنگ گہرا اور نسل یقیناً قدیمی ہے۔ چماروں کی روایت کے مطابق چنو اور بنو دو بھائی تھے۔چنو گائے کی کھال اپنے ہاتھوں سے اتاری جس پر بنو نے اسے ذات باہر کر دیا۔

چماروں کی متعدد ذیلی ذاتیں ہیں۔مشرقی پنجاب میں ان کی تعداد پانچ ہے: چاندور، رائے داسی یا رب داسی، جٹیا، چمار، گولیا۔تاہم نابھا میں ذیلی ذاتیں چار بتائی جاتی ہیں: بُنا (بنیا)، چمار، چمار اور چنبر۔آخر دو شاخیں گندی چیزوں کو چھولیتی ہیں۔چماروں کی گوتوں کی تعداد کافی زیادہ ہے اور کچھ گوتیں کافی بڑی بھی ہیں۔ان میں چوہان اور بھٹی گوتیں بھی شامل ہیں: بدھن، بینس، بتوئی، بھائی، گھمبیری، ہیر، جال، کٹھانہ، ماہی، پھوندوال، سندھو۔کٹھانہ کے سوا باقی تمام گوتیں جالندھر ڈویژن میں ملتی ہیں۔مذہب کے اعتبار سے چمار ہندو یا سکھ ہیں۔مشہور بھگت رام داس کی ذات چمار ہونے کی وجہ سے کئی چمار رام داسیئے بن گئے ہیں۔چماروں کی عورتیں اپنے حسن کے لیے مشہور ہیں اور عموماً ان کا حسن بہت سے اعلیٰ ذات والوں کے لیے سماجی گراوٹ کا باعث بن جاتا ہے۔چمارنیں تھلی پہنتی ہیں۔

چوہان راجپوت

ان کا شمار بھی راجپوتوں کی چھتیس معروف شاہی اقوام میں ہوتا ہے۔یہ اپنا تعلق اگنی کل راجپوتوں سے ظاہر کرتے ہیں۔مسٹر ٹاڈ کے نزدیک چوہان راجپوتوں کی ممتاز شاخ ہے۔دہلی، اجمیر، سانبھر (جے پور) ان کے بڑے مراکز تھے۔بہلول لودھی کے عہد میں یعنی بیس پچیس پشت قبل چوہان سنبھل سے نکل کر انبالہ، کرنال اور پٹیالہ کی طرف چلے گئے۔ان کا سردار انا ہررائے تھا یہ اس علاقے کے پانڈو راجپوتوں کو شکست دے کر حکمران بن گئے۔بہت سے چوہان راجپوت بعد ازاں گوندل چوہان کہلانے لگے۔

چوہان، اگنی کل راجپوت خاندان ہے جس کی وجہ تسمیہ بقول کرنل ٹاڈ مصنف ''ٹاڈ راجستھان'' اور مصنف ''تاریخ اقوام پونچھ'' یوں ہے کہ برہمن جب کوہِ آبو (راجپوتانہ) پر عبادت میں مشغول ہوتے تو مقامی باشندے ان کو بہت تنگ کیا کرتے تھے۔برہمنوں نے ایک ''اگنی کنڈ'' تیار کر کے مہادیو سے دعا کی کہ وہ ان کو ان راشٹوں (شوریدہ سرلوگوں) کے ظلم سے نجات دلائے۔چنانچہ قربانی کی اس آگ سے چار شخص سلونگی، پرمار، پربہار اور چاہمان نمودار ہوئے۔پہلے تین کی اولادیں سونگی، پرمار اور پر بہار کہلاتی ہیں۔چوتھے کے چار بازو تھے۔اسی وجہ سے ''چومہ'' یا ''چاہمان'' کہلایا جو ''چوہان'' کے نام سے مشہور ہوا اور اس کا خاندان ''چوہان خاندان'' کہلایا۔ان چاروں برہمنوں کو مقامی باشندوں کی دست درازیوں سیف نجات دلائی، دہلی و اجمیر کا مشہور آخری راجپوت حکمران راجہ پرتھوی راج چوہان عرف ''رائے پتھورا'' چوہان ہی تھا۔اس خاندان کے مہاراجہ پرتھوی کو مسلمان بادشاہ شہاب الدین محمد غوری نے شکست دی اور اس کے اقتدار کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب کر دیا۔اسلامی عہد میں اس خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے۔

یہ خاندان سیالکوٹ، جہلم، گوجرانوالہ، گجرات، چکوال، راولپنڈی، اٹک، فیصل آباد، جڑانوالہ، لاہور، اوکاڑہ، ساہیوال، میاں چنوں اور مواضعات اڑائی، سہری ضلع پونچھ، باندی چوہان ضلع مظفر آباد کرماڑہ وغیرہ میں آباد ہے۔بھارتی پنجاب اور دیگر حصوں میں بھی اس خاندان کے اکثر افراد موجود ہیں۔اس خاندان کے نام پر کئی دیہات بھی ہیں۔مہرقلی چوہان ایک مشہور موضع ہے مگر اب یہاں اس خاندان کے لوگ موجود نہیں ہیں۔ایک اور دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ یہ خاندان چوہان راجپوت کے نام سے معروف ہے تاہم گوجر خاندان کی ایک ذیلی گوت بھی ''چوہان'' یا ''گوجر چوہان'' کہلاتی ہے۔

چوہڑا

خاکروب یا گندگی صاف کرنے والا۔یہ پنجاب کا اچھوت ہے اور اس کا نام شودر کی ہی ایک تبدیل شدہ صورت خیال کیا جاتا ہے۔اس کے بہت سے مترادف ہیں لیکن چند ایک نام ہی چوہڑا کا درست مفہوم بتاتے ہیں۔چنانچہ چمار بھی غالباً اصل میں چمڑے کا کام کرنے والا چوہڑا ہی ہے لیکن اب چمار ایک جداگانہ ذات بن گئی ہے۔تاہم عام اصطلاح میں چوہڑا۔چمار اکٹھا آتا ہے جیسے موچی، جولاہا، جھاڑ پونچھ کرنے یا غلاظت اٹھانے والے چوہڑے کو خاکروب بھی کہتے ہیں۔گھریلو کام کرنے

Marfat.com

والا چوہڑا مہتر کہلاتا ہے۔

تبدیلی مذہب کے نتیجے میں چوہڑے کا خطاب بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً سکھ قبول کر لینے والا چوہڑا مذہبی یا مذہبی کہلایا اور اسلام قبول کرنے والا مسلی یا مصلی۔ دیگر ذاتوں کے ساتھ چوہڑوں کے تعلقات میں بہت زیادہ تنوع ہے۔ وہ سانسیوں کی نسبت بلند تر ہیں' لیکن گڑگاؤں میں چنگڑوں کو بھی اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں۔ چوہڑے کسی دھانک کے ہاتھ سے کچھ لے کر نہیں کھاتے۔

جغرافیائی لحاظ سے چوہڑوں میں مندرجہ ذیل تقسیم پائی جاتی ہے: دیسوالی' سوتر والا' باگڑی اور جنگل کے۔ ان کی دو بڑی اقسام بالمیکی اور لال بیگ ہیں۔ چوہڑے خود کو مختلف نسلوں سے بتاتے ہیں۔ چنانچہ گڑگاؤں کے بوہیت خود کو پنوار راجپوت کہتے ہیں۔ ستلج کے جنوب میں چوہڑوں کی کوئی گوت نہیں۔

روہتک میں بوہت بھی سنگھر نامی ایک راجپوت کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ بیوہار کہتے ہیں کہ وہ دکن میں دھارانگری کے مقام سے آئے ہوئے پنوار راجپوت ہیں۔ یہ دونوں گوتیں چنگڑوں کے ساتھ باہمی شادیاں نہیں کرتیں اور لڑکی کو ۱۵ یا ۱۶ برس کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی بیاہ دینے پر زور دیتی ہیں۔ ان گوتوں کے ارکان بالمیک کو خدا کا بھائی مانتے اور اسلامی طرزِ عبادت (نماز) کے ذریعہ اس کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک امام انھیں قطاروں میں نماز پڑھاتا ہے۔ اس دوران وہ یہ جملے بولتے ہیں: ''بالمیک کافی' بالمیک شافی' بالمیک معافی' بولو مومنو وہی ایک''۔

اس کے بعد پٹھان چوہڑے آتے ہیں جو اکبر کے عہد میں کابل سے آئے۔ وہ تین بھائی تھے اور سب سے بڑے کا نام ڈھگانا تھا۔ وہ فقیروں یا پیروں کے بھیس میں آئے۔ گل گوجرانوالا میں چکراری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک درخت نے ان کے جدامجد کو بارش میں گیلا ہونے سے بچایا تھا۔ ڈیرہ غازی خان میں یہ شاخ اینٹوں کا احترام کرتی ہے۔ دیگر نام بھٹی' سہوترے' سوئی بھیار ہیں۔ ان کے بعد لدڈو کھوکھر وغیرہ آتے ہیں۔

ڈوم' چوہڑا' میراثی' ماچھی' جھیور اور چنگڑ سبھی کا ماخذ مشترک ہے۔ پانڈووں اور کوروؤں کے عہد میں کنور برہما کے چار بیٹے تھے: پوربا' پارتھا' سدھر اور پراسٹا۔ ان میں آخری کو جھونپڑا بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ جنگل میں رہتا تھا۔ اسے اور اس کے جانشینوں کو کچھ دیگر نام بھی دیے گئے ہیں' مثلاً گھونگر بیگ' لال بیگ' پیر چھوٹا' بالمیک' بالا۔

چوہڑا ذات کے ماخذ کے حوالے سے متعدد روایات موجود ہیں۔ زیادہ تر اپنی تاریخ کو مورثِ اعلیٰ بالمیک کے ساتھ ملاتے ہیں۔ ایک کہانی کے مطابق بالمیک بھگوان کے صحن میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ دیوتا نے اسے ایک چغہ دیا جو اس نے پہننے کی بجائے ایک گڑھے میں دبا دیا۔ جب بھگوان نے پوچھا کہ اس نے وہ چغہ کیوں نہیں پہنا تو بالمیک اسے تلاش کرنے گیا اور دیکھا کہ ایک لڑکا اسے پہن کر گھوم رہا ہے۔ وہ چغہ واپس لے کر بھگوان کے پاس آیا تو بھگوان نے اس لڑکے کی پرورش کا حکم دیا۔ لڑکے کا نام لال بیگ رکھا گیا۔

''بالمیک'' کا مطلب بلنی سے جنما ہوا بتایا جاتا ہے۔ سانپ کی کھوہ کو بلنی کہتے ہیں۔ بالمیک ایک بھیل تھا جو جنگل سے گزرنے والے مسافروں کو لوٹتا اور قتل کیا کرتا تھا۔ ایک روز سات رشی وہاں سے گزر رہے تھے کہ بالمیک نے ان پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ آخر اس نے ان پر حملہ کیوں کیا کیونکہ ان کے پاس کوئی مال اسباب نہیں۔ بالمیک نے بتایا کہ اس نے جنگل سے گزرنے والے تمام لوگوں کو قتل کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ تب رشیوں نے پوچھا کہ اگر وہ پکڑا جائے تو کیا کوئی مدد کرنے کے لیے ساتھ ہے/ اس پر بالمیک نے اپنے والدین سے کہا کہ کیا وہ ضرورت کے وقت اس کی مدد کر سکتے ہیں' مگر انہوں نے نہیں میں جواب دیا۔ بالمیک نے رشیوں سے کہا کہ اس کا کوئی دوست نہیں۔ رشیوں نے زور دیا کہ وہ برے کام چھوڑ دے اور مسلسل ''مرامرا'' کا ورد کیا کرے۔ لیکن تیزی سے ''مرامرا'' بولنے پر یوں لگتا ہے جیسا ''رام رام'' کا جپ کیا جا رہا ہو۔ اس طرح رام رام کا جپ کرنے سے اس کے گناہ دھل گئے۔ بارہ برس بعد وہ مر گیا' اسے دفن کیا گیا' اس کا جسم مٹی میں مل گیا اور قبر پر گھاس اگ آئی۔ وہ رشی ایک مرتبہ پھر وہاں سے گزرے تو ''رام رام'' کے ورد کی مدھم سی آواز سنی۔ آخر کار انہوں نے مٹی کھودی' اور اس کے جسم کو دوبارہ زندہ کر کے اسے بالمیک کا نام دیا' یعنی جو سانپ کے بل سے نکلا ہوا۔

چوہڑوں کے کچھ ٹوٹم اور ٹیبو دلچسپ ہیں۔ گل چوہڑے بتاؤں (بینگن) یا اروی (بھتاپرت) نہیں کھاتے۔ لوتے چوہڑے خرگوش کھانے سے اجتناب کرتے ہیں' سہوترے کسی شیر پر نگاہ نہیں ڈالتے' تاہم شادیوں کے موقعوں پر وہ ایک شیر کی شبیہ بناتے اور عورتیں اس کی پوجا کرتی ہیں' بھٹی چوہڑے پھٹوں یا اینٹوں سے بنے بنچ پر نہیں بیٹھتے' اور کوئی بھی چوہڑا سیہہ نہیں کھاتا' ساروان' چوہڑا کسمبھا سے کپڑا نہیں رنگتا۔

چوہڑے اپنی ہی گوت کے اندر شادی نہیں کرتے۔ بیوی کی موت کے

Marfat.com

بعد سالی سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ بیوی کی ماں یا خالہ سے شادی کرنے کی اجازت نہیں۔ دو بیویاں رکھی جا سکتی ہیں' البتہ پہلی بیوی خصوصی استحقاق رکھتی ہے۔ لڑکی کو سات یا آٹھ اور حتیٰ کہ پانچ سال کی عمر میں بھی بیاہ دیا جاتا ہے۔ شادی کے معاملات نائی' چھیمبا یا میراثی کے ذریعہ نمٹائے جاتے ہیں۔ ہر صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے' مگر بیوہ کی شادی میں ایسا کرنا لازمی نہیں۔ شادی کرتے وقت لڑکی کی مرضی یا پسند ناپسند معلوم نہیں کی جاتی۔ لڑکے یا لڑکی والوں نے کوئی بات چھپائی ہو تو منگنی توڑی جا سکتی ہے' یا اگر شادی ہونے کے بعد نقص کا پتہ چلے تو باقاعدہ لکھ کر طلاق دینا ممکن ہے۔ مطلقہ عورت دوبارہ شادی کر سکتی ہے۔

بالکل درست طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ چوہڑے کون سے جانور کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ غالباً مختلف جگہوں پر مختلف امتناعات مروّج ہیں۔ گجرات کے چوہڑے مردار' گرگٹ اور جنگلی بلی تو کھا لیتے ہیں مگر گیدڑ' لومڑ' گوہ یا کچھوا نہیں کھاتے۔ پھر بھی ان کا ایک کوچے مانڈا نامی گروپ صرف کچھوے ہی کھاتا ہے۔ لہٰذا چوہڑے سانسیوں سے برتر ہیں جو گیدڑ وغیرہ کھا لیتے ہیں' مگر مصلیوں کی نسبت کمتر ہیں جنہوں نے مردار کھانا چھوڑ دیا ہے۔ سیالکوٹ کے چوہڑے سور نہیں کھاتے اور اسلامی شریعت کے منظور شدہ جانور ہی کھاتے ہیں۔ مگر وہ حلال کے ساتھ ساتھ حرام گوشت بھی کھا لیتے ہیں۔

چوہڑے عموماً اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں جب کوئی شخص مرنے والا ہو تو وہ مسلمان مولوی کو بلا لاتے ہیں کہ وہ ''سہانی'' پڑھے۔ لیکن اگر ارد گرد صرف ہندو رہتے ہوں اور گاؤں میں کوئی ملا موجود نہ ہو تو ایسا کچھ نہیں کیا جاتا۔

وہ عورت کو زچگی کے ۲۱ دن بعد تک نجس سمجھتے ہیں۔ ماہواری کے دوران وہ کنوئیں پر پانی بھرنے نہیں جاتی اور حیض کے دن ختم ہونے پر اپنے کپڑے دھوتی اور نہاتی ہے۔ جنازے کے تمام شرکاء کو بھی تدفین سے فارغ ہو کر نہانا پڑتا ہے۔

ان کے پیروں کے نام بالا شا' مارکھنڈے' میاں شورا' لال بیگ' بالمیک' جھونپڑا' پیر جھوٹا' گنگ بیگ اور ایل ملوک ہیں۔ وہ انھیں ایک بالا کا اوتار سمجھتے ہیں۔ ایک روایت میں جھونپڑا کو الف چیا یعنی دسواں اوتار کہا گیا ہے۔ یہ پیر ان کی شادیوں اور جنازوں کی رسوم ادا کرتے ہیں۔ شادیوں کے موقع پر میراثی کسی صاف جگہ پر آٹے سے بنا دیا رکھ دیتا ہے اور لوگ اس کے سامنے جھکتے ہیں۔ اس دیے کو ان کے اجداد کی ''جوت'' سمجھا جاتا ہے۔ ان کے فقیر یا سادھو شاہ مداری' نوشاہیہ' ننگے شاہیہ' یتیم سہاہیہ اور بیراگی ہیں۔ شاہ مدار یا اپنے سر پر لٹ یا بودی رکھتا اور مالا یا تسبیح پہنتا ہے۔ ننگے شاہیے کے بال لمبے اور بوڑھ کے دودھ کے گندھے ہوتے ہیں۔ وہ انھیں ایک اون کی رسی سے سر پر باندھتا اور اوپر ایک پیلے کپڑے کی پگڑی باندھتا ہے۔ وہ بارہ سال ننگے رہتے ہیں اور بدن پر بھبھوت ملتے ہیں۔ بیراگیوں کے کپڑے بھی نوشاہیہ جیسے ہیں لیکن وہ اپنے بیٹھنے کے لیے ایک بیراگن (Prop) بھی ساتھ رکھتا ہے۔ نوشاہیے بالوں کی چٹیاں کرتے' گلے میں مالا اور کلائی میں گجرا پہنتے ہیں۔ یتیم شاہیہ بھی بیراگی جیسا ہے۔

ان کے مذہب کے بنیادی اصول یا عقائد یہ ہیں (۱) گناہ ایک حقیقت ہے۔ (۲) کوئی خدا موجود نہیں۔ (۳) بالا ثالث ہے۔ (۴) وہ ایک جانور کی قربانی دیتے اور مکئی' گڑ اور گھی کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ (۵) روح خدا کی جانب لوٹ جاتی ہے۔ (۶) جسم دوبارہ زندہ ہوگا۔ (۷) حساب لیا جائے گا۔ (۸) فرشتے موجود ہیں۔

چوہڑوں کے ہاں مختلف توہمات بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی چوہڑا سفر پر روانہ ہو اور اس کی ملاقات میراثی سے ہو جائے تو وہ واپس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی پیچھے سے آواز دے کر بلائے تو تب بھی وہ جانا منسوخ کر دے گا۔ راستے میں کوئی رینکتا ہوا گدھا ملنا نیک شگون ہے۔ اگر سفر پر روانہ ہوتے وقت دھوبی مل جائے تو مقصد پورا نہ ہونا یقینی ہے۔ کچھ لوگوں کو خوش بخت سمجھا اور راہیوں سے ملنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ چوہڑا کبھی جھاڑو کے اوپر پاؤں نہیں رکھتا۔ غلے کے لیے استعمال ہونے والے جھاڑو کو گھر میں کیل کے ساتھ دیوار پر لٹکایا جاتا ہے۔ عام صفائی والا جھاڑو ہرگز اوپر کو کھڑا نہیں کرتے۔ چوہڑے اپنے بچوں کے بے عزتی والے نام رکھتے ہیں تاکہ انھیں بری نظر نہ لگے۔ مثلاً کا کا' گھسیٹا' روڑا' نتھو وغیرہ۔ چوہڑا کبھی کسی لگڑے یا سانسی کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ عورتیں اور بچے قبروں کے قریب نہیں جاتے۔ بہو کبھی اپنے سسر کا نام نہیں لیتی۔ فصلیں ہمیشہ اتوار' پیر یا جمعے کو کاٹی اور پیر' منگل یا بدھ کو بوئی جاتی ہیں۔ گھر میں سب لوگ اکٹھا کھاتے ہیں' لیکن عورتیں بعد میں ہی کھاتی ہیں۔ اگر مرد عورتوں کے بعد کھائیں تو انھیں چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے کیونکہ عورتیں مردوں کی نسبت کمزور ہیں۔ ''یا جوٹھ یا جھوٹ' دونوں نقصان پہنچاندے'' وہ شراب' پوست' افیم' بھنگ اور چرس استعمال کرتے ہیں۔ نشئیوں سے نفرت کی جاتی ہے۔ وہ کسی بڑے سے ملتے وقت پیری پاں (پاؤں پڑوں) متھا ٹیکناں (ماتھا ٹیکوں) یا سلام

Marfat.com

بولتے اور جواب میں ''تیرا بھلا کرے خدا'' کہتے ہیں۔ چوہڑے صرف آپس میں ہی مل کر حقہ پیتے ہیں۔ کوئی بھی برتر ذات ان کے ساتھ کھاتی پیتی نہیں ہے۔

چھالے

یہ پنوار سوم بنسی راجہ چھالا کی اولاد سے ہیں۔ ان کا مورث کسی زمانہ میں پنجاب آیا تھا۔ پہلے یہ قوم دریائے راوی کی وادی میں جانور چراتی تھی۔ دوسری قوموں نے جب اس کا قافیہ تنگ کیا تو یہ جموں کے علاقہ میں چلی گئی اور پھر وہاں سے کچھ لوگ ضلع گجرات میں آ گئے۔ ان کا ایک موضع چھالی ہے جو اپنی قوم کے نام پر انہوں نے آباد کیا۔ ضلع گجرات میں ان کی بہت کم ہے۔

چھتر

گجرات میں مسلمان جٹوں کا ایک قبیلہ۔ اس کا جدامجد اچ سے آیا' لیکن اس کا اصل نام معلوم نہیں۔ روایت کے مطابق بچپن میں وہ اپنے ننھیال آیا اور اسے جوتوں (چھتروں) میں تولا گیا' اس لیے اس کی اولاد چھتر کہلائی۔

چھوکر

یہ تنور خاندان سے ہیں۔ چھوکر کی اولاد ہیں۔ ان کا کوئی مورث کھٹانہ خاندان کے ساتھ گجرات میں آیا اور اپنی قوم کے نام پر موضع چھوکر آباد کیا۔ ضلع گجرات میں یہ لوگ کئی مواضع میں بودوباش رکھتے ہیں۔ اگرچہ کم تعداد میں ہے مگر ان کی ملکیت بوریا نوالی' چھوکر' ڈھکڑ' چچیاں میں ہے۔

چھیما

چھیما' چھی یا چھمبی (جسے ڈیرہ غازی خان میں چڑ ہوا کے مقام پر پاؤن گر کہتے ہیں) پیشہ کے اعتبار سے ٹھپے لگانے اور کپڑے رنگنے والا ہے' لیکن ساتھ ساتھ کپڑے سیتا اور دھوتا بھی ہے۔ چنانچہ اس ذات میں درزی' لیلاری اور دھوبی کے علاوہ چھاپہ گر بھی شامل ہیں۔ چھیبے مسلمان اور ہندو دونوں ہوتے ہیں۔ چھیما خالصتاً ایک دستکار ہے اور وہ صرف دھوبی کی حیثیت میں ہی گاؤں کے کمیوں میں شمار ہوتا ہے۔ ہندو چھیبے دو ذیلی ذاتوں میں منقسم ہیں جو باہمی شادیاں تو نہیں کرتے لیکن ایک ساتھ کھاتے پیتے اور تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ یہ دو ذیلی ذاتیں ٹانک اور رہیلا ہیں۔ پٹیالہ کے ہندو دھوبیوں کی ایک تیسری ذیلی شاخ بھی بتائی جاتی ہے۔ علاقائی لحاظ سے ہندو چھیموں کی مختلف شاخیں ہیں۔ مثلاً سیالکوٹ میں وہ لاہوری اور ڈوگرا میں تقسیم ہیں۔ امرتسر میں بھی ایک لاہوری گروپ ملتا ہے جسے چھاپہ گر یا نوندھی بھی کہتے ہیں۔ دیگر چھیبے انھیں بنظر تحقیر دیکھتے ہیں کیونکہ بتایا جاتا ہے کہ وہ شادیوں کے موقع پر آٹے کی ایک گائے بناتے اور پھر اسے تیر مارتے ہیں۔

ہندو چھیبے صرف شادی کے موقعوں پر ہلدی پیتے ہیں۔ وہ بڑیاں بھی نہیں بناتے۔ ان کی عورتیں کانچ کی چوڑیوں اور مہندی سے اجتناب کرتی ہیں۔

مسلمان چھیموں کی بھی کئی علاقائی شاخیں ہیں' مثلاً پٹیالہ میں سرہندی دیسوال اور ملتانی۔ یہ باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ لیہ میں چھیموں کا بزرگ علی نامی رنگ ساز ہے جسے لقمان کا شاگرد اور کپڑے دھونے و رنگنے کے فن کا موجود بتایا جاتا ہے۔ کام شروع کرنے سے پہلے وہ یہ جملہ بولتے ہیں: ''پیرا ستاد لقمان حکیم' حکمت دا بادشاہ' علی رنگریز' چڑھی رہے دیگ''۔ بیشتر مسلمان چھیبے سنی لیکن کروڑ (کہروڑ) میں کچھ ایک شیعہ بھی ہیں۔ مسلمان چھیموں اور دھوبیوں کی عورتیں لونگ' ہاتھی دانت یا کانچ کی چوڑیاں اور نیلا کپڑا نہیں پہنتیں۔

چورے' چھاوڑی' چاوڑا' جاورہ

چھاوڑی' چاوڑا' جاورہ ایک ہی قوم ہے۔ ملک گجرات میں یہ قوم ۱۹۶ سال تک حکمران رہی ہے۔ اس قوم کا پہلا راجہ راج پوتر تھا۔ اس قوم کے لوگ گجرات دکن احمد آباد سے گجرات پنجاب میں آئے اور متعدد مواضع میں ملکیت حاصل کی۔ یہ معزز ار شاہی قوم ہے۔ جو مختلف علاقوں میں آباد ہوئی۔ تاریخوں میں اس قوم کا اکثر ذکر ہوتا ہے۔ آئین اکبری و مرآت محمدی و مرأت احمدی میں اس کا ذکر ہے۔ پنجاب میں چھاوڑی قوم کو کمزور خیال کیا جاتا ہے حالانکہ یہ خاندان گوجروں کا مایہ ناز ہے۔ دراصل لوگ موجودہ حالت پر قیاس کرتے ہیں اور قدیم زمانہ کے واقعات کو بھلا دیتے ہیں۔ اس قوم کی ملکیت ٹھیکریاں' چک ٹھکریاں' ندھیر' بھاؤ' گھسیٹ پور اور پوڑانوالہ وغیرہ میں ہے۔

Marfat.com

چچی

یہ سورج بنسی راجہ جگد یو کی نسل سے ہیں۔ راجہ جگد یو کی اولاد میں سے راجہ چچی تھا جس کی اولاد چچی کہلاتی ہے۔ راجہ چچی کی نسل سے ایک شخص سلطان مسعود کی فوج میں بھرتی ہوا اور مسلمان ہوگیا اس اولاد پنجاب میں پھیل گئی۔ گجرات میں ایک سے زیادہ مواضع چچی کے نام پر ہیں۔ اس خاندان میں سے لکھن خان ایک جواں مرد چودھری تھا جس نے لکھن والا آباد کیا۔ لکھن خان کے گیارہ فرزند تھے بعض نے ضلع گجرات میں گاؤں آباد کر لیے اور بعض صوبہ سرحد اور پنجاب کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ چچی کی ایک شیخ ڈانگی چچی ضلع انبالہ میں ہے ان کی نسبت روایت ہیں کہ انھوں نے ایک راجہ کا مقابلہ بجائے تلوار کے ڈانگ (لٹھ) سے کیا تھا اور غالب آئے۔ گجرات میں چچی اور چوہان کے تپے نقشہ انتظامیہ شاہان مغلیہ میں دکھلائے گئے ہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چچی اور چوہان میں برادرانہ تعلقات تھے چ۔ چچیوں کی کسی زمانہ میں وسیع سلطنت تھی۔ اس خاندان میں راجہ لکھن رائے اور بجے رائے بھوج دیو' راوچیل وغیرہ وغیرہ مشہور گزرے ہیں۔

دہیا

گجرات میں ایک مسلمان جٹ قبیلہ۔ یہ جنجوعہ راجپوت کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتے اور خود کو اکبر کے ایک خادم کھوجا کی اولاد بتاتے ہیں۔ اکبر نے اسے بطور اعزاز اک عبا اور سرمئی (ذہب) گھوڑا دیا تھا۔

دھدڑ

یہ سڑ دیہ خاندان سے ہیں ان کا مورث جو راجہ دیدڑ کی اولاد میں سے تھا ضلع گجرات میں آ کر آباد ہوا۔ کھاری' مہیسی اور دہدڑ آپس میں رشتہ دار ہیں۔ ان کے مطابق سڑ دیہ کے تین بیٹے دہدڑ' کھاری اور مہیسی تھے' جن سے آگے نسل چلی اور ان کے نام پر گوتیں بنیں۔ مہیسیاں (جہلم)' مہیسیاں (گجرات) اور دیدڑ' دیدڑ واڑہ ان کی معروف بستیاں ہیں۔

دھوبی

غالباً تمام کمیں اور دست کار ذاتوں میں سے یہی نہایت واضح اور باقاعدہ ذات کی صورت رکھتے ہیں۔ پنجاب بھر میں دھوبی کا یہی نام ہے' مگر ڈیرہ جات اور ملتان ڈویژن میں اسے چڑھوآ سے تمیز کرنا ممکن نہیں۔ وہ اہلِ علاقہ کے کپڑے دھونے کا کام کرتا ہے لیکن (بالخصوص وسطی اور مغربی پنجاب میں) چھینٹ پر چھپائی بھی اسی کا کام ہے' اور بلاشبہ ان علاقوں میں دھوبی اور چھیمبا کافی حد تک مدغم ہو گئے ہیں۔ دھوبی اس لحاظ سے خالصتاً کمیں ہے کہ وہ کپڑے دھونے کے عوض فصل کی پیداوار میں سے ایک طے شدہ حصہ وصول کرتا ہے لیکن اسے یہ حیثیت صرف جاگیرداروں کی اعلیٰ ذاتوں میں ہی حاصل ہے۔ جٹ اور اس رتبہ کی حامل دیگر ذاتوں میں عموماً عورتیں ہی گھر والوں کے کپڑے دھوتی ہیں۔ چنانچہ زیادہ تر دھوبی شہروں میں ملتے ہیں۔ دھوبی کا شمار پست ذاتوں میں ہوتا ہے کیونکہ اس کے پیشے کو ناپاک خیال کیا جاتا ہے۔ غیر اچھوت قبیلوں میں سے صرف دھوبی اور کمہار ہی گدھا رکھتے اور استعمال کرتے ہیں۔ دھوبی کی حیثیت نائی سے کم تر لیکن کمہار سے برتر ہے۔ وہ اکثر درزی کا کام بھی کرتا ہے اور پشاور میں ''دھوبی'' کا مطلب محض رنگریز ہے۔ عموماً اس کا تعلق مذہب اسلام سے ہی ہے۔ اسے بریتا خلیفہ کہہ کر بلاتے ہیں۔ دھوبیوں کی شاخیں چند ایک ہی ہیں: (۱) اگرائی (۲) اکھترا (۳) بھلم (۴) بھٹی (۵) کمبوہ (۶) کھوکھر (۷) کوہان (۸) ماہمل (۹) رکھری (۱۰) لاولی (۱۱) لپل۔ ان میں سے ۶'۵' ۴ اور ۱۱ نمبر شاخیں چھیمبا اور چڑھوا میں بھی ملتی ہیں' جبکہ ۱' ۳ اور ۹ چڑآ ہو گوتیں ہیں۔ کپورتھلہ کے ہندو دھوبی کہتے ہیں کہ وہ یوپی سے ہجرت کر کے آئے۔

دہڑ

یہ بھی قوم کھٹانہ کی شاخ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ راجہ دھڑک کی اولاد سے ہیں' جس کی حکومت ملک سندھ میں تھی اور قوم دہڑ کی تاریخ بھی مرتب شدہ ہے۔ ان کی ملکیت ضلع گجرات میں کئی مواضع میں ہیں۔ دہڑ موضع بھی اس قوم کے نام پر ہے۔ دہڑ میانہ چک اُتم میں ان کی آبادی ہے۔

دھکڑ

یہ سورج بنسی ہیں' ان کا مورث جو راجہ دھکڑ کی اولاد سے تھا' ضلع گجرات میں آیا اور انہوں نے دھکڑ اور دھکڑ انوالی میں آباد کیا۔ چیلیانوالی' متوانوالہ' دھول وغیرہ میں بھی اس قوم کے کچھ لوگ موجود ہیں۔

Marfat.com

دھونچک

گوجروں کی ایک نیم معروف گوت ہے جو ضلع گجرات اور ریاست جموں میں پائی جاتی ہے۔ یہ تنور سورج بنسی اور کھٹانہ خاندان کی شاخ ہے۔ ''دھونچک'' انھی کے نام پر ہے۔

ڈھو

یہ اپنے مورث کا نام ڈھو بیان کرتے ہیں اور شجرہ نسب تنور خاندان بنسی سے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لوگ گجرات دکن سے ایک قحط عظیم کے وقت پنجاب چلے آئے اور اپنی قوم کے نام پر ڈھو' ٹبی ڈھو آباد کیا۔ علاوہ اس کے چند دیگر مواضع میں بھی رہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ سانگو ڈھو' بجران تینوں ایک ہی مورث کی اولاد ہیں مگر نسب میں اختلاف ہے۔

ڈوییے

یہ کھٹانہ کی شاخ ہیں۔ ان کا مورث ڈوییہ تھا اس کی اولاد میں سے کوئی شخص پنجاب آیا' پہلے مرالہ ضلع گجرات میں مقیم رہا اس کے بعد اس کی اولاد دوسرے مواضع میں پھیل گئی۔ اس علاقہ میں اس قوم کے نام پر ایک موضع ڈوییے ہے۔ ڈویاں (جہلم) بھی انھی سے منسوب ہے۔ ان کی ملکیت موضع رنگھڑہ دھونی اور بکنہ وغیرہ میں ہے۔

ڈوگہ

یہ تنور سورج بنسی ہیں۔ ان کا مورث ڈوگہ تھا جس کے نام سے یہ قوم مشہور ہے۔ اس کی اولاد میں سے کوئی شخص بادشاہ اکبر جلال الدین کے وقت پنجاب آیا' رفتہ رفتہ اس قوم نے ضلع گجرات میں ایک موضع آباد کیا جو اس گوت کے نام پر ہے۔ علاوہ اس کے دوسرے مواضع میں بھی ان کی آبادی ہے۔

ڈھاڈھی

موسیقار یا گلوکار۔ ڈھاڈ ایک قسم کے طنبورے کو کہتے ہیں۔ تاہم' ڈیرہ جات میں ڈھاڈھی یا ڈھاڈھی صرف گاتا ہے۔ لیکن کوئی ساز نہیں بجاتا۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ ڈوم کے ساتھ باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ ملتان کے ڈھاڈی گا کر مانگتے اور خیرات نہ دینے والے کو بددعا دیتے ہیں۔

ڈھینڈہ

یہ منہاس ہیں۔ شجرہ نسب بھی منہاس سے ملتا ہے۔ ان کا مورث ''ڈھینڈہ'' تھا جس کے نام سے یہ قوم منسوب ہے۔ ان کا مورث ہندوستان سے پنجاب آیا اور پہلے علاقہ جموں میں مقیم ہوا پھر ان میں سے کچھ لوگ ہزارہ کی طرف چلے گئے اور کچھ ضلع گجرات میں ڈھینڈہ خورد' ڈھینڈہ کلاں' حسن ڈھینڈہ اور کوٹلہ ڈھینڈہ کے علاوہ دیگر مواضع میں بھی ان کی ملکیت پائی جاتی ہے۔ جہلم میں موضع ''ڈھینڈہ'' انھی سے موسوم ہے۔

ڈمال

چپ راجپوتوں کی شاخ ڈمال کا تعلق راجگان کانگڑا سے ہے جو وہاں ایک طویل عرصہ تک حکمران رہے ہیں۔ راجگان کانگڑا سے ایک راجکمار نرائن چند اپنے بھائی اودھے سے ناراض ہو کر اپنا وطن چھوڑ کر اپنے اہل وعیال اور چند ملازموں کے ہمراہ کانگڑا کے دشوار گزار پہاڑوں کو طے کر کے جموں کی سنگلاخ سرزمین میں داخل ہوا اور اس وقت کی ایک ریاست بھمبر کے گاؤں مغلورہ میں قیام پذیر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کے چاروں بیٹے (۱) چپ چند (۲) پرب چند۔ (۳) امبو چند اور اجے چند بھی تھے۔ نرائن چند نے اپنے ایک ملازم کو ایک قیمتی زیور دے کر کہا کہ اسے لے جا کر فروخت کرے اور کھانے پینے کا سامان خرید کر باقی رقم لے کر آئے۔ چونکہ زیور بہت قیمتی تھا اس لیے کسی دوکاندار کو اسے خریدنے کی ہمت نہ پڑی اور سب نے کہا راجاؤں کا زیور راجاؤں کے ہی لائق ہوتا ہے۔ اس طرح یہ بات معروف تھکیال راجہ بھمبر راجہ سری پت تک پہنچی تو اس نے سوچا کہ زیور کو فروخت کرنے والا ضرور کوئی امیر ہوگا اور اپنے ہرکارے بھیج کر نرائن چند کو اپنے ہاں مدعو کر کے سرکاری مہمان بنا لیا۔ ازاں بعد راجہ سری پت کو راجہ نرائن چند کی خاندانی وجاہت اور شرافت کا یقین ہو گیا اور اس کے بڑے بیٹے چپ چند میں اس نے نجابت' شجاعت اور اقبال مندی کے آثار بھی دیکھے تو اس کے کچھ عرصہ کے بعد اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی چپ چند سے کر دی۔ چونکہ راجہ سری

Marfat.com

پت کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ راجہ سری پت کی موجودگی ہی میں چب چند نے اپنے بہتر طرزِ عمل اور اپنے حسن تدبر سے عوم وخواص میں ہردلعزیزی حاصل کر لی تھی اور راجہ سری پت کی وفات کے بعد جبکہ کوئی نرینہ جانشین نہ تھا تو اس وقت راجہ سری پت کے رشتہ داروں اور دیگر ورثاء نے ریاست کی حکومت پر قبضہ جمانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر چب چند کی ہردلعزیزی کے سامنے تھکیالوں کی کوئی پیش نہ گئی۔ آخر راجہ چب چند جو اپنے باپ کے ہمراہ ایک مہمان کی حیثیت سے آیا تھا تمام علاقہ کا حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ یہی چب چند چب راجپوتوں کا جد امجد ہے۔ چب چند حکمران بن گیا لیکن سابق حکمران تھکیال قبیلہ ہمیشہ اس کا دشمن بنا رہا۔ تھکیال شورش اور بدامنی کا باعث بھی بن رہے تھے۔ اس لیے راجہ چب چند نے تھکیال قوم کے سرکردہ راہنماؤں کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا اور اس نے تھکیال قوم کے تمام سرکردہ راہنماؤں کو ایک شاہی دعوت میں مدعو کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو راجہ نے ان کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ ایک اور قول کے مطابق انھیں زہر آلودہ کھانا کھلا کر سب کا خاتمہ کر دیا اور بقیہ قوم تھکیال کی اکثریت وہاں سے نقل مکانی کر کے پونچھ کے علاقے مینڈھر میں جا کر آباد ہوئی اور وہ علاقہ اب تک ان کی وجہ سے تھکیلہ کہلاتا ہے۔ چب چند کی اولاد میں سے چھ حکمران راجے تو ہندو ہی رہے۔ ساتویں راجہ دھرم چند جو انتہائی دانش مند حکمران تھا اور اس وقت تھکیال کی بھی کچھ نہ کچھ اہمیت ابھی باقی تھی' اس نے ان سے رابطہ اتحاد قائم کرنے کے لیے تھکیال قوم میں سے شادی کر لی۔ اس کی رانی تاریخ میں 'رانی تھکیال' کے نام سے معروف ہے۔ راجہ دھرم چند علاج معالجہ میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ اس وقت ہندوستان پر سلطان ابراہیم لودھی کی حکمرانی تھی اور راجہ دھرم چند کا رابطہ شہنشاہ ہند ابراہیم لودھی سے بھی قائم تھا۔ وہ سلطان ابراہیم لودھی کی دعوت پر اس کے معالج کی حیثیت سے دہلی گیا تو سلطان کی تحریک پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کا نام دھرم چند کی بجائے شاداب خان رکھا گیا۔ راجہ شاداب خان نے دہلی میں ایک شاہی امیر کی بیٹی سے نکاح بھی کر لیا۔ یہ واقعہ آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل کا ہے۔ راجہ دھرم چند (راجہ شاداب خان) کے دہلی میں مسلمان ہو جانے اور ایک شاہی مسلمان امیر کے ہاں شادی کرنے کی اطلاع جب ریاست بھمبر پہنچی تو اس کی قوم برادری' اراکین ریاست اور معززین علاقہ نے اس کے چھوٹے بھائی پرب چند کو اپنا راجہ بنا لیا۔ پرب چند نے ریاست بھمبر کی گدی پر بیٹھنے کے بعد یہ سوچ کر کہ راجہ دھرم چند چونکہ اب ہندو نہیں رہا اس کی رانی کو اپنے عقد میں لانا چاہا۔ لیکن مستقل مزاج رانی تھکیال نے اپنے خاوند کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی کسی اور کی زوجیت قبول کرنا گوارہ نہ کیا اور ایک سارنگی نواز کو جو راجہ دھرم چند (راجہ شاداب خان) کا منظور نظر تھا' ایک دردناک خط دے کر اپنے خاوند کے پاس دہلی روانہ کیا ور راجہ کے دہلی چلے جانے کے بعد ریاست بھمبر میں جو سیاسی انقلاب پیدا ہوا اور اس کے بھائی نے راجہ ریاست بھمبر بن کر اس کی بیوی سے جو سلوک کرنا چاہا اس کی تمام کیفیت اس کو لکھ کر روانہ کی اور اسے بھمبر واپس آنے پر اصرار کیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ دھرم چند (راجہ شاداب خان) جو کہ اب مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے دہلی میں ایک شاہی مسلم امیر کی لڑکی سے شادی بھی کر لی تھی اور اس سے اس کے بچے بھی تھے۔ لیکن خط پڑھتے ہی اس سے متاثر ہو کر اس نے ریاست بھمبر میں واپس آنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور شکار کے بہانے دہلی سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کی بیوی کے ایک رشتہ دار ہیبت خان قندہاری نے ایک جمعیت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور بھمبر کے نزدیک دونوں آمنے سامنے ہوئے اور خونریز معرکہ ہوا۔ دونوں بہادری سے لڑے زخموں سے چور ہو کر دونوں ہی جاں بحق ہو گئے۔ راجہ شاداب خان کی قبر بھمبر میں آدھی ڈھک کے مقام پر موجود ہے اور شادی شہید کے نام سے موسوم ہے۔ چب قوم اس کا کمال احترام کرتی ہے۔ علاقہ کے خاص وعام ہر سال یہاں حاضری دیتے ہیں۔ ہیبت خان قندہاری کی قبر پیر قندہاری کے نام سے فتح پور (بھمبر) میں واقع ہے۔ (راجہ ہیبت خان قندہاری کی قبر فتح پور نزد پران' سرائے عالمگیر اور ڈومیلی کے پاس بھی واقع ہے)۔

راجہ شادات خان کے انتقال کے بعد پرب چند اپنے بھائی کے خدشہ سے بالکل آزاد ہو گیا۔ اس نے ایک بار پھر راجہ شاداب خان کی بیوہ رانی تھکیال کو اپنے محل میں لانا چاہا' بہت سے وکیل بھی درمیان میں ڈالے' نشیب وفراز بھی سمجھائے لیکن اس ثابت قدم خاتون پر کسی قسم کا جادو نہ چل سکا۔ رانی پر جب حد سے زیادہ دباؤ پڑا تو ایک دن راجہ کی قبر کے پاس گئی اور کہا میں پتی برتا ہوں مجھے بھی اپنے پاس جگہ دیجئے۔ کہا جاتا ہے کہ قبر اسی وقت پھٹ گئی اور رانی اس میں سما گئی۔ ریاست بھمبر میں راجہ شاداب خان کے فرزند اور اس سے محبت رکھنے والے روساء وارکین سلطنت اور وزراء حکومت نے جب یہ دیکھا کہ راجہ اپنی حکومت کے استقلال کے لیے راجہ مرحوم کے معصوم فرزندوں کو سدِ راہ سمجھ رہا ہے اور ان کے متعلق اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے تو سب لوگ راجہ کے خلاف ہو گئے اور اسے تاج و تخت سے محروم کر دیا۔ راجہ پرب چند ریاست بھمبر کی حکومت سے محروم ہونے کے بعد اپنے اہل وعیال اور چند جاں نثاروں کے ساتھ

Marfat.com

ملحقہ ریاست راجوری کی طرف نقل مکانی کر گیا۔ اس دوران کسی پیر مرد خضر صورت بزرگ نے اسے اسلام کی خوبیوں سے آشنا کیا تو وہ اپنے اہل وعیال اور رفقاء سمیت مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور اس کے بعد اس کی اولاد بھی ڈمال کہلائی۔

راجپوت

سنسکرت لفظ یعنی زند بادشاہ ہندوؤں کی ایک جنگجو ذات جس کا پیشہ سپاہ گری تھا' اس کی تین بڑی شاخیں ہیں۔ سورج بنسی' چندر بنسی اور اگنی بنسی۔ آگے چل کر ان کی مزید ۳۲ شاخیں یا گوتیں ہوگئیں جن میں بڑی گوتیں: چوہان' راٹھور' کشراہا' جادیو (یادیو)' سودھیا اور پونوار ہیں۔ اسلامی عہد میں بہت سے راجپوتوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن اسلامی ناموں کے ساتھ اپنی گوت کا لاحقہ برقرار رکھا۔

ہندو راجپوتوں کی اکثریت بھارت کے صوبہ راجستھان (راجپوتانہ) میں آباد ہے۔ اس علاقے پر ساتویں صدی عیسوی میں ان کا اقتدار قائم ہوا اور مرور زمانہ کے ساتھ یہاں متعدد راجپوت ریاستیں وجود میں آئیں۔ ۱۶۱۶ء تک تقریباً تمام بڑی بڑی راجپوت ریاستوں نے مغلوں کی اطاعت قبول کرلی۔ اٹھارویں صدی کے اوائل میں مغل سلطنت کے زوال کے بعد راجپوتوں نے وسطی ہند کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز میں مرہٹوں' سکھوں اور انگریزوں نے انھیں یہاں سے مار بھگایا۔ برطانوی دور حکومت میں راجپوت ریاستوں کو اندرونی خودمختاری حاصل رہی۔ آزادی کے بعد یہ ریاستیں بھارت کے نئے صوبے راجستھان میں مدغم کردی گئیں۔ ہندوؤں کے اوتار رام چندر جی سورج بنسی خاندان سے تھے۔ گپت خاندان بھی راجپوت ہی تھا۔ بعض مورخین راجپوتوں کو سفید ہنوں کی اولاد بتاتے ہیں۔ لیکن یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ ضلع گجرات بالخصوص لالہ موسیٰ میں راجپوت خاندان کی کئی گوتوں کے افراد کثرت سے آباد ہیں۔

رانجھا

رانجھا بالخصوص جہلم اور چناب کے درمیان شاہ پور اور گجرات کے مشرق کی طرف اراضی میں ملتے ہیں تاہم ان کی تھوڑی سی تعداد دونوں دریا پار کرکے جہلم اور گوجرانوالہ گئی ہے۔ ماسوائے شاہ پور' باقی تمام جگہوں پر انہوں نے خود کو زیادہ تر بطور جٹ لکھوایا۔ تاہم وہ بھٹی راجپوت ہیں' اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ گوجرات میں انہوں نے بعد کے سالوں میں رسول اللہ کے چچا ابوجہل کی اولاد کے طور پر قریشی ماخذ کا دعویٰ کردیا۔ ابوجہل کا بیٹا غزنی میں فوت ہوا جہاں سے اس کی اولاد کیرانہ بار کو ہجرت کر گئی۔ البتہ ان کی ہندو روایات بدستور باقی ہیں۔ کرنال ڈیویز (Davies) نے انھیں یوں بیان کیا ہے' وہ آبادی کا ایک پرامن اور مددگار و معاون حصہ ہیں۔ بنیادی طور پر زراعت سے روزی کماتے' قد و قامت میں اپنے پڑوس کے گوندلوں سے مشابہ ہیں اور ان کے ساتھ آزادنہ شادی بیاہ کرتے ہیں''۔ انھیں جٹوں میں شمار کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

رلائٹے

کھٹانہ کی شاخ ہیں۔ ان کے مورث علی کی اولاد میں سے بھاگو نامی ایک شخص پہلے دیونہ' تپہ کند' ضلع گجرات میں آیا اور پھر یہ لوگ علاقہ ڈنگہ تپہ بالا میں چلے گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ جو شخص کھیتی میں شریک ہو اس کو پنجابی میں ''رلنا'' (Partner) کہتے ہیں۔ چونکہ ان کا ایک بزرگ کسی گاؤں میں جاکر شریک کاشت ہوگیا تھا اس لیے ان کا نام ''رلائٹہ'' ہوگیا۔

ساہی

(لدھیانہ میں اسے کبھی کبھی چاہی بھی بولا جاتا ہے)۔ ایک جٹ قبیلہ جو سندھو کی طرح سورج بنسی راجپوت کی نسل ہونے کا دعویدار ہے جو محمود کے ہمراہ غزنی گیا اور واپس آکر لاہور کے قریب راوی کنارے آباد ہوگیا۔ ان کا اندراج صرف گجرات اور سیالکوٹ سے ہوا۔ ہندو ساہی' چجا اور سندھو جبکہ مسلمان ساہی صرف سندھو کے ساتھ شادی سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان علاقوں کے سندھو اور چیمہ کی طرح ان کی بھی کچھ مخصوص شادی کی رسوم ہیں۔ مثلاً بکرے کا کان کاٹنا اور اس کے خون سے پیشانی پر تلک لگانا' دلہے کا جنڈ کے درخت کی ایک شاخ توڑنا وغیرہ۔ بیوہ کی دوسری شادی کی اجازت ہے لیکن وہ صرف متوفی شوہر کے بھائی سے شادی کرسکتی ہے' بصورت دیگر اسے ذات بدر کردیا جاتا ہے۔ ملتان' شاہ پور اور امرتسر میں جٹوں کا ایک زراعت پیشہ قبیلہ بھی ساہی اور منٹگمری میں انھیں کھرلوں کا ایک قبیلچہ بتایا جاتا ہے جس کے ساتھ مرزا کا تعلق تھا۔ (مرزا صاحباں داستاں کا مرزا)۔

Marfat.com

ساہی جٹ

اپنا تعلق سورج بنسی راجپوتوں سے ظاہر کرتے ہیں ان کا مورثِ اعلیٰ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ غزنی چلا گیا تھا اور بعد میں پنجاب آ کر لاہور کے مقام پر آباد ہو گیا۔ روایات کے مطابق یہ قبیلہ جھنڈ (بیری) کے درخت کی پوجا کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ان میں کچھ اور بھی عجیب وغریب رسوم جاری تھیں مثلاً بکرے کا کان کاٹ کر اُس کا خون پیشانی پر لگایا جاتا تھا۔ سندھو اور چیمے بھی ان روایات میں ان کی تقلید کرتے تھے۔ پنجاب میں ساہی جٹ ضلع گجرات میں' کھاریاں' لالہ موسیٰ' سرائے عالمگیر' کھبی خانپور اور دیگر مقامات پر آباد ہیں۔ جبکہ اوکاڑہ اور ساہیوال میں ان کی معقول تعداد پائی جاتی ہے۔

تاریخ راجپوتاں میں مذکور ہے کہ ''ان کے مورث کا نام گرکھا تھا اور ابتدائی مسکن نیپال تھا۔ نیپال کے گورکھا قبیلہ کی ٹھاکر' خاص مگھر اور گونگ معروف شاخیں ہیں۔ راجا گورکھا کے باعث نیپال کے تمام چھتری گورکھا کہلاتے ہیں۔ ٹھاکر دیگر شاخوں سے افضل سمجھے جاتے ہیں۔ ٹھاکر شاخ کا شہزادہ ساہی دیو ترک سکونت کر کے کشمیر آ گیا تھا اور حکومت قائم کر لی تھی۔ راجا ساہی دیو کی اولاد ساہی راجپوت کہلاتی ہے۔ ساہی قبیلہ کے چند گھرانے گجرات میں آباد ہیں۔ ساہی قبیلہ کو کچھ لوگ پنوار اور کچھ بنسی گردانتے ہیں۔

سانگو

یہ راجہ سانگا کی اولاد ہیں' جو ہندوستان میں زبردست راجہ ہو گذرا ہے اور بابر جیسا اولوالعزم بادشاہ اس کے مقابلہ میں عاجز آ گیا تھا۔ اسی خاندان سے چتوڑ کے رانے ہیں۔ اب بھی اودے پور کے راجے راجپوتانہ کے راجاؤں کے چشم وچراغ مانے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فطری شجاعت کے باعث اس قوم کی ایک بہت بڑی جماعت اکبر بادشاہ کے لشکر میں ملازم تھی۔ اس کے افراد پنجاب میں زراعت کرنے لگے۔ گجرات میں اس قوم کے نام کا ایک موضع بھی ہے اور متعدد مواضع میں ان کی ملکیت ہے۔

سُکھر یا سابھر

سکھر سورج بنسی ہیں۔ سکھر کی اولاد گجرات دکن سے آئی تھی۔ پہلے لنگر پور ضلع جہلم میں آباد ہوئی اور پھر گجرات میں متفرق طور پر رہنے لگی۔ ٹبی سکھر اور سابھر دو مواضع اس قوم کے نام پر ہیں اور اس کے علاوہ دیگر دیہات میں بھی یہ لوگ آباد ہیں۔

سرامدنہ یا سراندنہ

یہ اپنے آپ کو سورج بنسی کہتے ہیں۔ ان کی تعداد ضلع گجرات میں کم ہے زیادہ تر موضع چاکانوالی میں آباد ہیں۔

سمہ

اس گوت کے جو کسی زمانے میں سندھ میں آ کر آباد ہوئے غالباً ان کا بزرگ سمہ ہوگا جب ان کی طاقت بڑھی تو انہوں نے سومرہ قوم کو مغلوب کر کے اپنی ریاست علیحدہ علیحدہ کر لی۔ سندھ میں رئیس یا حکمران کا خطاب ''جام'' ہے۔ چنانچہ ریاست لسبیلہ کے رئیس کو ''جام'' کہتے ہیں اس گوت ''جام انڑ'' اور ''جام جونہ'' زیادہ مشہور ہیں اور انڑ و جونہ وہ دو قبیلے ان کے نام پر اب تک سندھ میں موجود ہیں۔ اس قوم کے حکمران سلطان علاؤالدین' جام تغلق' جام سکندر وغیرہ کا ذکر سندھ کی تاریخوں میں ملتا ہے۔ یہ لوگ راجپوت کہلاتے ہیں۔

سنار

سنیار' سنارا۔ سنار کو قصاب میں اکثر زرگر بھی کہتے ہیں۔ یہ صوبہ میں سونے اور چاندی کی دستکاری کرنے والا ہے۔ وہ زیورات گروی رکھ کر سود پہ رقم ادھار دینے کا کام بھی کافی زیادہ کرتا ہے۔ دیہاتیوں کے درمیان اپنی بچتوں کو چاندی کے کنگنوں وغیرہ کی صورت میں سنبھال کر رکھنے کی ہمہ گیر عادت اس ذات کو اہم اور جامع بناتی ہے۔ لہٰذا یہ ایک حقیقی ذات لگتی ہے۔ سنار بالعموم صوبہ بھر میں پھیلے ہوئے اور انتہائی اہم مرکزی دیہات میں موجود ہیں۔ سارے مشرقی میدانوں وخطہ کوہستان میں وہ عموماً ہندو' مگر ملتان ڈویژن وسرحد پر اکثر وبیشتر مسلمان ہیں۔ وسطی ڈویژن میں چند ایک سکھ سنار ہیں۔ ان میں متعدد جنیو یا مقدس دھاگا پہنتے ہیں۔ لیکن ان کی سماجی حیثیت تجارتی اور زرعی ذاتوں سے کہیں پست ہے' البتہ تمام بہت سے دیگر یا شاید تمام دستکاروں سے برتر۔ بتایا جاتا ہے کہ دہلی میں وہ ''دیسے'' اور ''دیسوالے'' میں تقسیم ہیں (اول الذکر کریوا کرتے ہیں اور موخر الذکر نہیں) اور یہ کہ دیسوال سنار کا رتبہ بنیے کے فوراً

Marfat.com

بعد آتا ہے۔ اگر مذہبی معیار لاگو کیا جائے تو یہ غالباً درست ہے۔ لیکن میرے خیال میں جٹ سنار کو خود سے بہت کمتر سمجھتا ہے۔ سنار کے ایک سے زائد مترادفات ہیں۔ اسے مر کہا جاتا ہے کیونکہ ایک کہانی کے مطابق درگا دیوی نے اسے خاک سے بنایا تھا۔ لہٰذا وہ مائی پتر یا دیوی پتر بھی کہلاتا ہے۔

سوبتی

سوبتی کھتری ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ قبیلہ راجا سوبھتا کی نسل سے ہونے کی وجہ سے سوبتی مشہور ہے۔ انہوں نے اس لفظ کو فارسی لفظ صحبتی سے تطبیق دے کر اس کا املاء بدل دیا۔ محمود غزنوی انھیں قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا اور اس کی حکومت کے اختتام پر یہ لوگ واپس آئے۔ ہندو اس زمانے میں غزنی وغیرہ میں جا کر ملازمتیں حاصل کرتے تھے۔ اس قوم کا بیان ہے کہ جب شاہانِ اسلام کی حکومت کی آمد ورفت ہندوستان میں ہوئی تو ہمارے بزرگ جن کی حکومت وسلطنت تباہ ہو چکی تھی' ان کے نوکر ہو گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے نوکری سلطان غزنوی کی اختیار کی اور اس کے ساتھ غزنی چلے گئے۔ محکمہ مال کے ابتدائی سرکاری ریکارڈ میں سوبتی کا املاء صحبتی ملتا ہے جس کی جمع صحبتیاں بنائی جاتی ہے۔

قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سوبتی ضلع جہلم اور امرتسر میں آباد تھے۔ لیکن قبیلہ کی اکثریت ضلع گجرات میں مقیم تھی اور یہی ان کا اصل ابتدائی وطن ہے۔ کیوں کہ راجا سوفیر (راجا سوبھتا) کی حکومت دریائے چناب سے لے کر دریائے بیاس تک پھیلی ہوئی تھی اور موجودہ جھنگ تک اس کی حدود وسیع ہو چکی تھیں اور یہ کہ راجا پورس کا علاقہ چھوڑ کر کوہ نمک سے لے کر جھنگ تک کے علاقے راجا سوبھتا کی عملداری میں شامل تھے۔

جلالپور سوبتیاں سوبتی قوم کا مشہور ومعروف گاؤں تقسیم ہند سے پہلے ان کا مرکز تھا۔ یہاں تقسیم ہند سے پیشتر تقریباً نو سو سوبتی' مرد وزن اور بچے آباد تھے۔ اب وہاں صرف دو گھر آباد ہیں۔ اس گاؤں کی ایک اہم شخصیت لالہ روشن لال تھی جو برضاو رغبت مسلمان ہوا اور اپنا نام روشن دین رکھا۔ یہ اس وقت گاؤں کا نمبردار بھی تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے قبول اسلام سے پیشتر ایک مسجد تعمیر کروائی تھی جس سے اس کا مذہب اسلام سے شغف ظاہر ہوتا ہے۔ اس روشن دین کا بیٹا لال خان تحصیل گجرات میں پٹواری تھا۔ عہد رنجیت سنگھ میں رام دیال ساکن جلال پور سوبتیاں بڑا مشہور و معروف آدمی گزرا ہے۔ یہ شخص موضع ماجرا ضلع گجرات میں کاروار تھا۔

سودیا سیسود

یہ سورج بنسی خاندان سیسود سے ہیں۔ سیسود کا ذکر بعض علاقوں کے ضمن میں آئین اکبری میں آیا ہے۔ سیسود صوبہ اجمیر کے راجپوت ہیں جن کا لقب رانا تھا۔ یہ اپنا سلسلہ نوشیرواں سے ملاتے ہیں۔ علامہ ابوالفضل آئین اکبری میں رانا خاندان کی ایک داستان کے بعد اس خاندان کی وجہ تسمیہ لکھتا ہے:

''چونکہ یہ خاندان موضع سیسود میں رہتا تھا اس لیے اس کا نام سیسود یہ ہو گیا اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک برہمن ابتداً' اس خاندان کا مربی تھا اس لیے لوگ اس خاندان کو برہمنوں میں شمار کرتے ہیں''۔

سوڈ سیسود یا سودیا ایک قوم کے نام ہیں جو مختلف تاریخوں میں مرقوم ہیں۔ مہاراجہ رگھوناتھ سنگھ بہادر سی ای والی ریاست پرتاب گڑھ سیسود سورج بنسی تھا۔ اس قوم کے نام پر اس ضلع میں موضع سود ہے۔ ضلع گجرات کے بندوبست میں انہوں نے اپنا نسب کھٹانہ لکھوایا۔

سنگرانہ

یہ سورج بنسی ہیں ان کا مورث راجہ سنگرانہ تھا جس کی اولاد ضلع گجرات میں آئی ان کی ملکیت چک سکندر' نندوال' مراڑیاں میں ہے۔

سید

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا وصال ہوا تو عاص بن وائل نامی ایک نامراد کافر نے کہا کہ معاذ اللہ حضور کی نسل منقطع ہو گئی ہے کیونکہ سلسلہ نسب کا تعلق بیٹوں سے ہوتا ہے' بیٹیوں سے نہیں۔ سورہ کوثر کی شان نزول گواہ ہے کہ رب لم یزل نے کہا کہ ہم اپنے حبیب کی نسل بیٹی سے چلائیں گے اور دشمن ابتر کہلائے گا۔ پھر سیدہ فاطمۃ الزہرا کی اولاد کو سادات اور ابن الرسول کہا گیا اور یہی سید کہلوائے۔ یاد رہے کہ حضرت علی کی دوسری بیویوں سے ہونے والی اولاد علوی کہلاتی ہے' سید نہیں۔ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق ضلع گجرات میں سادات کی آمد اور رہائش عرصہ دراز سے ہے گو اس وقت ۳۷ مواضعات میں سید آباد

Marfat.com

تھے۔لیکن یہ دیہات بکھرے ہوئے تھے۔سادات کے آٹھ مشہور قبیلے تھے۔ (۱) ترمذی (۲) خوارزمی (۳) مشہدی (۴) گیلانی (۵) بغدادی (۶) بخاری (۷) مصری (۸) ملتانی۔عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ملک عرب سے جہاں جہاں یہ لوگ سب سے پہلے آئے اسی جگہ کی مناسبت سے مشہور ہوئے۔

سیسوداور گھلوٹ

سیسوداور گھلوٹ' گوجر ہیں اور ان کا قدیم مسلمہ اور مشہور لقب بالا ہے اور بالا خاندان کے راجہ ولبھی گوجر تھا۔ولبھی خاندان کا بانی میرتک یا میہرایا میر' گوجر تھا۔ جس خاندان نے ولبھی پر ۵۲۵ء سے ۷۷۰ء تک حکومت کی وہ میہر گوجر تھا۔ اس خاندان کو ولبھی کا خطاب فتوحات کی وجہ سے ملا جب لوگوں نے انھیں ''دل بے'' (بل بے یا بلے بلے) کہا جو دادو تحسین کا کلمہ ہے۔''بالا'' گوجر بھی اسی نسبت سے مشہور ہیں اور ''بالا'' کے نام سے ان کے مختلف قصبات و دیہات پاکستان کے طویل وعرض میں بکھرے ہوئے ہیں۔

فتالی یا افتالی

فتالی یا افتالی ایک ہی قوم ہے۔اس قوم کے لوگ جو ضلع گجرات میں ہیں' بیان کرتے ہیں کہ ان کے بزرگ ''گڑ رنیا'' سے آئے اور اس علاقے میں ''موضع فتالیاں'' آباد کر لیا۔

فتح فیملی

فتح خاندان کا شجرہ نسب کا کا مہتامل' قانون گو وڈیہرا سے جا ملتا ہے۔اس کے چار بیٹوں میں سے تین بیٹوں کی اولاد اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہوئی 'صرف ایک بیٹا تقسیم ہند تک گجرات اور سیالکوٹ میں ہندو رہا۔تقسیم کے بعد سیالکوٹ سے وڈیہرا خاندان کے ہندو بھارت چلے گئے۔اسی خاندان میں راجیو گاندھی کی بیٹی پرینکا کی شادی ہوئی جواب پریانیکا وڈیہرا کہلاتی ہے۔فتح خاندان کے بانی شیخ فتح محمد الحدیث تھے۔بچپن میں انہوں نے سکھوں اور انگریزوں کی مشہور لڑائی جو Battle of Guns ''توپوں کی جنگ'' کہلاتی ہے'ان توپوں کی آواز سنی ہوئی تھی۔ان کو بچپن ہی سے انگریزوں سے نفرت تھی چنانچہ ان کی ساری زندگی انگریز کیخلاف جدوجہد میں گزری' انیس سو انیس کی خلافت موومنٹ میں گجرات سیاست کا گڑھ تھا' جہاں مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی اور ان کی والدہ بی اماں کے علاوہ مولانا آزاد شامل تھے۔اس زمانے میں جو بھی جلسہ انگریزوں کیخلاف ہوتا شیخ فتح محمد اس کی صدارت کرتے تھے۔ان کے پانچ بیٹے تھے۔اپنے انتقال سے قبل انہوں نے اپنی ساری جائیداد جو چھ سوا یکڑ زمین' عمارتیں' آبائی گھر' ڈھکی پر دکانیں اور ساری پراپرٹی بیچ کر اپنے پانچوں بیٹوں پر تقسیم کر دی' ان کا خیال تھا کہ جائیداد لڑائی جھگڑے کی جڑ ہے۔ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کی حکومت آئی تو اس نے خلافت موومنٹ ختم دی تو ہندوستان کے مسلمان جو خلافت تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے'ان کیلئے عجیب طرح کی صورت حال پیدا ہو گئی کہ اب وہ کیا کریں' خلافت موومنٹ ہندوستان میں مہاتما گاندھی کے زیر اثر چلتی تھی حالانکہ یہ مسلمانوں کی تنظیم تھی اس لئے مسلمانوں کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا سوائے اس کے کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس میں چلے جاتے ۔

اپنی اولاد میں اثاثوں کی تقسیم کے بعد فتح محمد فرانس چلے گئے جہاں انہوں نے کیمکل کا ایک کارخانہ لگایا۔اس دور میں برما ہندوستان کا حصہ تھا۔انکے دوسرے بیٹے ابن الفتح رنگون چلے گئے جہاں انہوں نے چمڑے کا کارخانہ لگایا جبکہ تیسرے بیٹے شیخ ابوالفتح ممبئی منتقل ہو گئے' جہاں انہوں نے ٹائل بنانے کا کام شروع کیا۔جبکہ سب سے چھوٹے صاحبزادے میٹرک کر کے انگلینڈ چلے گئے جہاں وہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جبری طور پر برطانوی فوج میں بھرتی کر لئے گئے' بعدازاں دوسری جنگ عظیم کے بعد انہوں نے بجلی کا سامان بنانے کا کارخانہ قائم کیا بعد ازاں ٹریول ایجنٹ بن گئے۔اڑتالیس سال انگلینڈ میں رہنے کے بعد انیس سو اسی میں پاکستان آئے۔فرانس میں مقیم احمد فتح خفیہ فارمولا لیکر ہندوستان آئے وہ ممبئی میں فرانس کے اعزازی قونصلر بھی مقرر رہے۔ان کا شمار ہندوستان کے بڑے صنعتکاروں میں ہوتا ہے۔پنڈت نہرو جب بھی بمبئی جاتے تو وہ شیخ ابوالفتح کے گھر قیام کرتے کیونکہ فتح خاندان کا تعلق انڈین نیشنل کانگریس سے تھا۔پنڈت نہرو' مسٹر بھولا ڈیسائی' میاں افتخار الدین' اور نواب آف کالا باغ بھی انکے گھر ٹھہرتے تھے۔شیخ ابوالفتح کی بیوی فرانسیسی خاتون تھی۔اور نواب آف کالا باغ نے اپنے ایک بھتیجے کو ان کے گھر کے آداب سیکھنے کیلئے بھیجا ہوا تھا۔ان کی مختلف جگہوں پر گھوڑوں کی افزائش کے فارم تھے۔کالا باغ میں نواب آف کالا باغ ان کے شراکت دار اور پونا میں سرآغا خان پارٹنر تھے۔جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی تو پنڈت نہرو نے شیخ ابوالفتح کو پاکستان نہیں آنے

Marfat.com

دیا۔ کیونکہ ان کے بغیر وہ فارمولہ نہیں مل سکتا تھا اس ک وجہ سے کمپنی کے دو حصے کرنے پڑے اور ایک ہندوستان کی ریلوے اور دوسرا پاکستان کے ریلوے کے حصے میں آیا۔ پاکستان میں انکی نمائندگی ایک فرانسیسی کرتے تھے' بعد میں رنگون والے اور دوسرے بھائی بھی ممبئی آ گئے اور یوں ممبئی الفتح خاندان کی کاروباری سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ بعدازاں ان کے ایک بھائی ممبئی سے لاہور منتقل ہو گئے۔ بعدازاں وہ گجرات منتقل ہو گئے اور گجرات میں اپنی زمینوں کا قبضہ لینے کیلئے مقدمہ دائر کر دیا جو تین سال چلتا رہا لیکن بالآخر پرانے ریکارڈ نکالے گئے تو انکے والد شیخ فتح محمد کا ہاتھ سے لکھا ہوا فقرہ موجود تھا کہ فلاں زمین بمعہ حصہ شاملات فروخت کر دی گئی ہیں۔ بعدازاں انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور گجرات میں وارڈ کی سطح پر مسلم لیگ کو منظم کیا مگر تقسیم ہند کے وقت جولوٹ مچی اس پر دلبراشتہ ہو کر انہوں نے مسلم لیگ سے استعفیٰ دیدیا اور یوں گجرات میں الفتح خاندان کا وارث سیاست سے قطع تعلق ہو گیا۔ مگر جب بھٹو نے معاہدہ تاشقند کے بعد ایوب خان کیخلاف تحریک چلائی تو بھٹو خاندان سے پرانے تعلقات پھر تازہ ہو گئے۔ عثمان فتح' ڈاکٹر مبشر' کنیز فاطمہ یوسف اور دیگر ساتھیوں نے ایوب خان کی خلاف پہلے سے ہی اتحاد عوام پارٹی بنا رکھی تھی۔ انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو سے فلیٹیز ہوٹل لاہور میں ملاقات کی اور اتحاد عوام کا منشور انہیں پڑھ کر سنایا۔ بھٹو کو وہ منشور اتنا پسند آیا کہ جب بعدازاں پاکستان پیپلز پارٹی بنی تو ذوالفقار علی بھٹو نے اتحاد عوام پارٹی کا منشور پارٹی منشور کا حصہ بنا دیا۔ پیپلز پارٹی بنی تو عثمان فتح بھی اس کے فاؤنڈر اراکین میں سے تھے۔ پیپلز پارٹی بنانے کے بعد ایوب خان کیخلاف تحریک میں گجرات سے پہلا جلوس خواتین کا نکالا گیا جس کی قیادت سمیعہ نظام الدین نے کی۔ پیپلز پارٹی میں سب سے پہلے گجرات میں شعبہ خواتین قائم ہوا۔ اس کامیاب جلوس کو اتنی پذیرائی ملی کہ شاعروں نے گجرات کی بیٹی کے عنوان سے نظمیں بھی لکھ ڈالیں۔ ایوب خان کی تحریک میں عثمان فتح نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کیا گیا تو جیل سے بیگم بھٹو کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ جس طرح گجرات میں خواتین کا جلوس نکالا گیا اسی طرح پنجاب بھر میں بیگم نصرت بھٹو کی قیادت میں جلوس نکالے جائیں۔ چنانچہ بیگم بھٹو گجرات میں جلوس کی قیادت کرنے آئیں اور ہارس شوگراؤنڈ میں ایک جم غفیر جمع ہو چکا تھا لیکن بیگم بھٹو نے کہا کہ وہ پیدل چل کر وہاں پہنچیں گی۔ جلوس نے کوئی دو فرلانگ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ چاروں طرف سے اتنے لوگ آنا شروع ہو گئے کہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ بیگم بھٹو کہیں کچلی نہ جائیں۔ اتفاق سے وہاں ایک دیہاتی کا ٹوٹا ہوا تانگہ کھڑا تھا جس کی چھت بھی نہیں تھی اس پر بیگم بھٹو کے ساتھ سمیعہ' آئمہ حسن' بیگم آباد احمد' فتح عثمان' رضا قصوری' اور خورشید حسن میر کو سوار کیا گیا یہ جلوس جب چوہدری ظہور الٰہی کی کوٹھی کے سامنے سے گزرا تو چوہدری ظہور الٰہی اپنی کوٹھی کے اندر سے جلوس دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

قریشی

روایت کے مطابق قریشی خاندان کے ایک بزرگ نے ایک بہت بڑی مچھلی کا شکار کیا جس کا نام قرش تھا۔ اس مچھلی کی جسامت حیرت انگیز حد تک بڑی تھی جس کی وجہ سے اس کے شکاری کو اس مچھلی سے منسوب کر کے قرش یا قریشی پکارا جانے لگا۔ بعدازاں اسی خاندان میں وارث کائنات حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے جنم نے ان کی عظمتوں کو چار چاند لگا دیے۔ فیروز سنز کے شائع کردہ انسائیکلو پیڈیا میں درج ہے کہ عرب کا ایک معزز اور ممتاز خاندان جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے' سب سے پہلے جس شخص نے اس خاندان کو قریشی کے لقب سے ملقب کیا وہ نضر بن کنانہ تھا۔ بعض محققین کے نزدیک قریشی کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا۔ کعبہ کی تولیت اسی خاندان کے پاس تھی۔

قریش کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے۔ انہی میں ابوجہل اور ابوسفیان ایسے مخالفین اسلام تھے۔ فتح مکہ پر قریش بحیثیت مجموعی ایمان لے آئے اور اشاعت اسلام کے علمبردار ثابت ہوئے۔ لالہ موسیٰ میں 1947 کے مہاجرین میں قریشی خاندان کے بہت سے لوگ آباد ہوئے جبکہ مقامی لوگوں میں بھی قریشی بکثرت موجود ہیں۔

قصائی

کپاس کی صفائی کرنے والا۔ قصائیوں کے متعدد سیکشن ہیں: عربی بھٹی' بھٹہ' کھوکھر' گوراہا' تہیم' تہیم انصاری اور سوہل۔ یہ ذات مزید پیشہ ورانہ گروپس میں بھی منقسم ہے۔ بکری بکرے کا گوشت بیچنے اور ہندوؤں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں' پنجارے روئی دھننے والے ہیں۔ یہ دونوں گروپ آپس میں شادیاں نہیں کرتے اور نہ ہی اصولی طور پر کوئی سماجی میل جول رکھتے ہیں۔ قصائی اور قصاب کو عموماً گڈمڈ کر دیا جاتا ہے۔ قصائی کا فارسی ترجمہ ''نداف'' ہے۔ (دیکھیں ''پنجا'')۔ قصائی (دیکھیں ''قصاب'')۔ قصرانی......(دیکھیں ''کسرانی'')۔

Marfat.com

کسانہ

گوجروں کی ڈھائی ذاتوں میں کسانہ بھی شامل ہیں' ان کا مورث سلطنت مغلیہ کے عہد میں پہلے پہل مناور ضلع جموں میں آیا اور وسیع رقبہ کاشت کرنے لگا' اب بھی علاقہ مناور میں کسانہ قوم کثرت سے موجود ہے' آبادکاروں کی وجہ سے جب وہاں کافی زمین نہ ملی تو پھر کچھ لوگ مختلف اوقات میں ضلع گجرات کے بعض دیہات میں پھیل گئے۔ کسانہ ضلع گجرات میں تقریباً چالیس دیہات کے علاوہ گجرات شہر میں بھی آباد ہیں اور کئی گاؤں ان کے نام پر مشہور ہیں' یہ ماضی کی حاکم قوم ہے۔ ''شاہانِ گوجر'' میں ان کے متعلق لکھا ہے:

''بعض تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ کشان یوچی قوم کی شاخ ہے اور گوجر بھی یوچی ہیں جو خانہ بدوش ترکوں کی اولاد ہیں۔ بعض الفاظ بوجہ تبدیل وتعلیل یا تقدیم و تاخیر حروف اس قدر غریب ہوگئے ہیں کہ وہ اپنے اصلی نام سے بالکل الگ تھلگ معلوم ہوتے ہیں لیکن جب کسی لفظ کو اصل سے ملایا جاتا ہے اور تعلیل یا تبدیل حروف کو مثالوں سے واضح کر دیا جاتا ہے تو یقین ہوجاتا ہے کہ واقعی اس لفظ کی اصل یہی ہے اور موجودہ صورت بوجہ تعلیل بگڑ گئی۔ زمانہ موجود میں جہاں جہاں گوجر ہیں ان کی مشہور شاخ کسانہ ہے۔ پنجاب میں یہ مثل مشہور ہے کہ گجروں کی اڑھائی ذاتیں ہیں۔ اول کسانہ' دوم گورسی' سوم برکٹ' اس کی وجہ یہی ہے کہ تینوں دوسری گوجر شاخوں سے باعتبار تاریخی حالات کے زیادہ شاندار ہیں۔ کسانہ اور گورسی کی فضیلت پر تو تاریخ شاہد ہے۔ مگر برکٹ کی نسبت اب تک معلوم نہیں ہوا مگر تحقیق جاری ہے' ممکن ہے کہ یہ لفظ بھی کسی دوسرے لفظ کی بگڑی ہوئی صورت ہو (چنانچہ گورسی کا متبادل گھوسی ہے) غالباً برکٹ کو بھی کسی زمانہ میں عروج شاہانہ حاصل تھا مگر اس وقت تک اس کی عظمت و شوکت کا کوئی نشان نہیں ملا۔ ہمارے بھائی بند موجودہ کسانے جن کے معزز تعلیم یافتہ افراد سے ہمارا تعارف ہے فخریہ کہتے کہ ہم کنشک راجہ کی اولاد ہیں لیکن جو کسانے نعمت علم سے محروم ہیں سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو گوجر کہیں اور فخریہ یہ کہیں کہ ہم کسی زبردست راجہ کی اولاد ہیں اور کچھ نہیں جانتے۔ بعض کہتے ہیں کہ موجودہ کسانے تاریخی کشان ہیں جن کا مایہ ناز مورث کنشک شہنشاہ تھا۔ یہ تو ہر طرح مسلم ہے کہ سین اور شین کا آپس میں تبادلہ ہوجاتا ہے۔ پس کسانہ اور کشان کی صورت ایک ہی ہے اور کسانہ میں بانسبت کی ہے۔ جیسے دولتانہ دولت خان کی اولاد اور ملکانہ ملک کی اولاد' بڈھانہ بڈھا کی اولاد وغیرہ وغیرہ۔

کشمیری

جنت نظیر وادی سے آئے ہوئے لوگ اپنے وطن کشمیر کی نسبت سے کشمیری کہلواتے ہیں۔ کشمیری نہ کوئی ذات ہے نہ برادری اور نہ کوئی قبیلہ ہے۔ بلکہ جس طرح پنجاب کا رہنے والا پنجابی کہلواتا ہے اسی طرح کشمیر کا رہائشی کشمیری کہلواتا ہے۔ ان کی معروف گوتوں میں بٹ' ڈار' لون اور جرال شامل ہیں۔

کولی

کولی مشہور گوجر ہیں' ان کا ذکر آئین اکبری میں بھی ہے' ملک گجرات کے کئی صوبوں میں قوم پھیلی ہوئی ہے' جس کا ذکر مرأۃ احمدی میں کئی جگہ آیا ہے۔ یہ اپنا شجرہ نسب راجہ بکرماجیت تک پہنچاتے ہیں' یہ راجہ کوہل کی اولاد ہیں' اس کی اولاد میں سے اٹیا نامی ایک شخص اجین سے پنجاب آیا' اور مسلمان ہو کر دریائے راوی کے کنارے پر رہنے لگا' اس کی کئی پشتیں وہیں رہیں' اس کی اولاد میں سے رترہ گوبندی' پھورہ' کھونڈہ' یگی گجرات آئے۔ ان کی ملکیت کئی مواضع میں ہے' کولیاں ہاشم' کولیاں حسین وغیرہ ضلع گجرات میں ان کے نام پر مشہور گاؤں ہیں۔ کولی برہمن بھی ہیں اور میر بھی کہلاتے ہیں۔ ضلع گجرات میں کھتری کولی بھی آباد تھے جو پاکستان بننے کے بعد

Marfat.com

انڈیا چلے گئے' پور بندر واقع بمبئی میں میروں کی شاخوں میں سے ایک کوہل بھی ہے اور کوہلی اور گھلوٹ گوجروں کا بھاٹ اور نسب ایک ہے۔ شادی کے موقع پر کوہل میر اور پور بند کی کولی عورتیں دلھا کو میواڑ کا دلھا کہتی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھلوٹ اور کولی ایک ہیں' جو کبھی میواڑ اور چتوڑ پر حکمران رہے تھے' آئین اکبری سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد قلعے ان کے ماتحت تھے' جن کے عوض بادشاہان مغلیہ کو فوج کی امداد دیتے تھے۔

کہوٹ

شاہ پور' گجرات' راولپنڈی' ہزارہ اور جہلم میں ایک زراعت پیشہ جٹ قبیلہ۔ راولپنڈی کی کہوٹہ پہاڑیوں کا نام انھی کی نسبت سے ہے (جہاں اب کیتوال اور دھنیال آباد ہیں)۔ کہوٹہ پر اب جنجوعوں کا قبضہ ہے۔ ان کے موجودہ ہیڈ کوارٹرز کوہ نمک میں ہیں اور تحصیل چکوال کا کہوٹانی علاقہ کا نام ان کے نام پر ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اصل میں عرب کے رہنے والے قریشی تھے۔ اور موجودہ نام محض ایک مشترکہ جدامجد کا ہے جو ۲۴ پشتیں قبل گزرا تھا۔ ۱۳۵۹ء میں ان کے جدامجد سعید نواب علی نے ''فیروز شاہ غوری'' (فیروز تغلق بن محمد تغلق) کے عہد میں دہلی کی جانب ہجرت کی۔ دہلی آتے ہوئے راستے میں انہوں نے سیالکوٹ کے بت پرست بادشاہ سین پال سے جنگ کی اور فتح پائی۔ وہ سین پال کو ایک ڈوگرا بادشاہ بتاتے ہیں۔ دہلی پہنچ کر انہوں نے بادشاہ کو خراج عقیدت پیش کیا جس نے انھیں دھنی اور کوہ نمک میں آباد ہونے کا حکم دیا۔ نواب علی کے بیٹے کہوٹ کی زیر قیادت انہوں نے ایسا ہی کیا اور کوہ نمک کے دامن میں وریامال موضع میں آباد ہوئے انہوں نے کچھ عرصہ یہیں گزارا' پہاڑیوں کے جنجوعوں اور دھنی کے گوجر چرواہوں سے محصول وصول کر کے دہلی کو ادا کیا۔

کہوٹوں کی کوئی خصوصی رسوم نہیں ہیں' ماسوائے اس کے کہ قبیلہ کے مرد کبھی بھی نیلا رنگ نہیں پہنتے اور اگر وہ ایسا کر لیں تو بیمار پڑ جاتے ہیں۔ قبیلہ قبیلچوں میں منقسم نہیں۔ وہ مائروں (میئروں) اور کسروں سے' اور کبھی کبھی اعوانوں سے شادیاں کر لیتے ہیں' لیکن بالعموم شادی قبیلے کے اندر ہی کی جاتی ہے۔ بیواؤں کو دوبارہ شادی کی اجازت ہے' لیکن اچھے خاندان ایسا نہیں کرتے۔

کالس یا کلسان

روایت ہے کہ یہ سوم بنسی ہیں۔ سلطان مسعود نے جب ملک دکن پر حملہ کیا تو ان کا کوئی مورث اعلیٰ راجہ بدم مسلمان ہوا۔ اس کی اولاد میں ایک کالس راجہ تھا' اس کی اولاد پنجاب آئی۔ پہلے انہوں نے چیلیانوالی کے جنگل پر قبضہ کیا چنانچہ آج تک اس ٹیلہ کو جس میں انگریزوں کا قبرستان ہے کالسوں کا ٹبہ (ٹیلہ) کہتے ہیں مگر یہاں کے اصلی باشندوں سے (جو غالباً جاٹ ہوں گے) ان کی لڑائی رہتی تھی اور یہ فارغ البالی سے زمین آباد نہ کر سکے اور موضع کالس میں آ کر آباد ہوئے (چیلیانوالہ وہ خطہ ہے جس پر زمانہ حال میں خاندان گجگا بیہ قابض ہے)۔ یہ لوگ فخر کرتے ہیں کہ کوئی گوجر ہمارے سوا یہاں جاٹوں کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکا۔ ڈنگہ کے کھٹانہ چودھریوں کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ہم نے ڈنگہ میں آ کر جاٹوں کو آگے بڑھنے سے روکا۔ راجہ کالس کی اولاد سے دو شخص کٹاری خان اور بلند خان ہیں۔ کٹاری خان تو پونچھ کے سرسبز پہاڑوں میں چلا گیا جس کی اولاد اب بھی وہاں موجود ہے اور بلند خان کی اولاد جہلم' گجرات وغیرہ میں ہے۔ موضع بنی اسی قوم کے مورث اعلیٰ بنی خان کا آباد کردہ ہے۔ میرٹھ وغیرہ اضلاع کے کلسان اور پنجاب کے کالس ایک ہی ہیں۔ یہ ضلع گجرات میں دھامان' اجنالہ وغیرہ چند مواضع میں بود و باش رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے اضلاع کے کالس چوہانوں سے اپنا شجرہ نسب ملاتے ہیں۔ یہ لوگ یوپی میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

کٹاریہ یا کٹارو

یہ چوہان کی شاخ ہے' ان کو مورث کٹار تھا (جس کی طرف یہ قوم منسوب ہے)۔ وہ ہر وقت کٹار اپنے پاس رکھتا تھا۔ یہ نام ایسا تھا جیسا شمشیر سنگھ' تیغ بہادر' ذوالفقار علی' جس سے شجاعت کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ کسی زمانہ میں کٹاریہ سلطنت مغلیہ کی سپاہ میں عہدہ دار تھے' بعد ترک ملازمت ضلع گجرات میں اقامت گزین ہوئے۔ کوئی مواضع میں ان کی ملکیت ہے اور متفرق طور پر رہتے ہیں اور بوجہ متفرق آبادی کے کمزور ہیں۔ ان کی بود و باش ضلع گجرات کے مواضع چکوڑی' کوٹلی' گوہالہ' گلیانہ وغیرہ میں ہے۔

Marfat.com

کھاری

اس قوم کے لوگ مختلف روایات بیان کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم گکھڑ ہیں' بعض کہتے ہیں کہ ہم گوجر پنوار راجپوت ہیں۔ ان کا مورث خیر محمد تھا جو غلط تلفظ سے کھیرا مشہور ہو گیا۔ پنجاب میں لفظ خیر کا تلفظ کھیرا ابھی کیا جاتا ہے۔ کھیر سے کھاری مشہور ہو گئے۔ ان کے نام پر ضلع گجرات کی تحصیل کھاریاں مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کئی دیہات باسریاں' چھچھیاں' دھڑ' نونانوالی' دتے وال' جمن کسانہ' چک لشکری' لادیاں وغیرہ میں ان کی ملکیت ہے لیکن خیر محمد سے کھاری ذات کا قائم کرنا غلط ہے۔ یہ قدیم قوم ہیں جو اسلام سے بہت پہلے کی ہے۔

کھٹانہ

ضلع گجرات میں زیادہ تر آبادی کھٹانہ گوجروں کی ہے اور ان کی ملکیت میں متعدد مواضع ہیں۔ ضلع گجرات کے گوجروں کی اکثریت نے اپنا شجرہ نسب ان کے ساتھ ملایا ہے جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ مرزا اعظم بیگ: یہ سورج بنسی کہلاتے ہیں یعنی تنور اور اپنا سلسلہ نسب پانڈو تک پہنچاتے ہیں۔ راجہ جے پال ہندوستان کا مشہور راجہ تھا' اس نے اپنی طاقت جہانگیری سے سلطنت کو بہت وسعت دی یہاں تک کہ شمالی حصہ پنجاب کا بھی اس کی سلطنت کا ایک جزو بن گیا۔

جب سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو راجہ نے غیرت مند گوجروں کا بھاری لشکر لے کر دریائے اٹک کے کنارہ پر شمشیر خون چکان و سنان جان ستان سے اس کا استقبال کیا۔ دونوں میں خونریز جنگ شروع ہوئی۔ گوجروں نے غزنی نژاد لشکر کے بہادروں کا بہت نقصان کیا مگر غزنی کے سیلاب کو نہ اٹک کی آسمان پیما موجیں روک سکیں نہ گوجروں کی شمشیر بکف فوجیں۔ آخر سلطان غزنوی کا لشکر گوجروں کے حصار روئین پر غالب آ گیا۔ راجہ جے پال نے جان دی مگر آن نہ دی۔ بڑے بڑے بہادر گوجر اس جنگ میں کام آئے۔ راجہ جے پال کا فرزند انند پال جب غزنوی شمشیر سے مطمئن ہوا اور سلطان محمود غزنوی کے فتح و نصرت کا پرچم اڑتا ہوا غزنی کو چلا گیا تو اس نے لاہور کی مسند پر پاؤں جمائے مگر تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان کے خوف سے سب کچھ چھوڑ کر پنجاب سے چلا گیا اور راجہ جے پال کا آفتاب اقبال اس سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

اس خاندان کے بقیہ السیف راجہ کھٹانہ اور راجہ جگدیو کا نام صفحہ تاریخ میں نمایاں ہوتا ہے جو پنجاب میں بطور یادگار خاندان جے پال تقدیر کا نوشتہ دیکھنے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپتے پھرتے تھے۔ راجہ کھٹانہ رہنمائی طالع سے حضرت علی ہجویری کی بارگاہ میں (جن کی کرامت کی شہرت کوہ ہمالیہ سے لے کر ساحل سمندر تک پہنچ چکی تھی اور شاہان وقت ان کی آستان عرش نشان پر اپنے تاج رکھتے تھے) پناہ گزین ہوا اور کچھ عرصہ تک حضرت کی اعجاز رہنمائی کے کرشمے دیکھ کر نور ایمان اور شمع اسلام سے اس کا دل و دماغ منور ہو گیا اور مریدوں کے حلقہ میں داخل ہوا۔ اس کے لیے ظاہری سلطنت کے مقابلہ میں باطنی عز و جلال زیادہ قدر و قیمت رکھتا تھا۔ حضرت کی توجہ سے بادشاہ نے راجہ کھٹانہ کو ایک وسیع رقبہ جاگیر میں دے دیا۔ اس نے گجرات میں واقع ایک موضع شاہ پور آباد کیا' جس کا اب نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں ضلع گجرات کی سرزمین غیر آباد تھی۔ بادشاہ نے اس خطہ کو آباد کرنے کا حکم دیا۔ اس خاندان کے چار چوہدریوں آ کیا' لندؤ بالا' ہانڈو کو چار تپے اور ایک ایک تپہ چوہان وچھی کو دیا گیا۔ عبدالمالک کھوڑوی کے مطابق اصل بات یہ ہے کہ راجہ دیوت والی گجرات میوات کے پانچ بھائی اور تھے جنہوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی حکومتیں قائم کیں۔ چونکہ اس خاندان کی چھ حکومتیں تھیں لہٰذا ان کو کھٹانہ کہا گیا۔ کھٹ کے معنی سنسکرت میں چھ ہیں اور لفظ انہ نسبت کا ہے جو مقام یا جگہ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔ جیسے گونڈ وانہ' بیٹھانہ' گونڈ اور بیٹھی قوم کا دارالخلافہ یا ملک اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ راجے کھٹ شاستر کے مقلد تھے اس لیے ان کو کھٹانہ کہا گیا۔

گجگاہیہ

گج ہاتھی کو جبکہ گاہی سوار کو کہتے ہیں یوں اس کا مفہوم ہاتھی سوار بنتا ہے۔

یہ گوجر کھٹانہ کی ایک شاخ ہے۔ ان کا گاؤں چیلیانوالہ مشہور قصبہ ہے' جہاں سکھوں اور فرنگیوں کی جنگ ہوئی تھی۔ یہ ذہین اور دلیر قوم ہے۔ روایات کے مطابق ان کا بزرگ سردار ولی محمد خان' شاہجہان کے عہد حکومت میں مشہور و مقتدر زمیندار تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کے گلے میں گجگاہ ڈالتا تھا (گجگاہ گھوڑوں کا ساز ہے' چند گھنگروں یا چمڑے کی پٹی میں ہار کے طور پر بنا کر گھوڑے کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں' جو بجتے رہتے ہیں' مقصود اس سے اظہار شان و شوکت ہے)۔ اس وجہ سے اس کا نام گجگاہیہ ہو گیا۔ اب اس کی قوم بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے گجگاہیہ ایک فوجی جتھے کا نام تھا جو راجہ پورس کی فوج میں ہاتھیوں پر سوار ہو کر سکندر سے لڑا تھا۔

Marfat.com

گجرال

گجرات میں ایک مسلمان جٹ قبیلہ۔ جس کے جدامجد کو ایک گوجر رضائی ماں نے دودھ پلایا تھا۔ یہ اورنگزیب کے عہد میں گجرات میں آباد ہوئے۔

گوجر

گوجر پنجاب میں آٹھویں بڑی ذات ہیں۔ غالب ذاتوں میں سے صرف جاٹوں' راجپوتوں اور پٹھانوں' ارائیوں کی مخلوط ذات' اور برہمنوں' چماروں اور چوہڑوں سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ جنرل کننگھم انھیں مشرقی تاتاریوں کے ایک قبیلہ کشان یا یوچی یا توچاری کے ساتھ شناخت کرتے ہیں۔ کوئی ایک صدی قبل مسیح میں ان کے سردار نے کابل و پشاور کا علاقہ فتح کیا' جبکہ اس کا بیٹا ہمیا کدفیس (جو پنجاب کے سکہ شناسوں میں کافی مقبول ہے) نے سارے بالائی پنجاب اور نیچے متھرا اور وندھیاس تک جمنا کے کناروں پر اپنا غلبہ قائم کرلیا' اور اس کے بعد آنے والے پہلے بدھسٹ انڈو۔ سیتھین شہزادے' کنشک نے کشمیر کو بھی سلطنت توچاری میں ملالیا۔ توچاری یا کشان ٹولمی کے Kaspeiraei ہیں۔ اور دوسری صدی عیسوی کے وسط میں کسپیرا' کیپ پور' یا ملتان چند اہم شہروں میں سے ایک تھا۔ غالباً تیسری صدی عیسویں کے اوائل میں سفید ہنوں کے حملوں نے مغرب میں متحدہ یوچی کے آخری بادشاہ کو واپس بلالیا' اور اس نے آزاد صوبہ کا انتظام اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دیا جس کا صدر مقام پشاور میں تھا۔ اس وقت کے بعد سے کابل کے یوچی بطور ''بڑے یوچی'' جانے جاتے ہیں' اور پنجاب والے بطور کٹوریا ''چھوٹے یوچی''۔ گوجروں کے ایک حصہ نے تیسری صدی ختم ہونے سے قبل دریائے سندھ سے نیچے جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد شمال سے آنے والی انڈو۔ سیتھین لہر نے انھیں شمالی برادری سے جدا کردیا۔ پانچویں صدی کے وسط میں جنوب مغربی راجپوتانہ میں ایک گوجر سلطنت تھی' جس کے بعد بالوں نے انھیں گجرات کی بمبئی مسند میں دھکیل دیا اور نویں صدی کے اواخر میں جموں کے گوجر بادشاہ الاکھانا نے ضلع گجرات کے بالکل ساتھ گوجر دیس کشمیر کے بادشاہ کے حوالہ کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر کے دور میں علی خان گوجر نے گجرات کا قصبہ تعمیر یا بحال کیا تھا۔ جنرل کننگھم کی قائم کردہ ان مشابہتوں کے لیے بنیادیں ''آرکیالوجیکل رپورٹس' جلد دوم کے صفحات ۸۲-۶۱ پر تفصیلاً ملیں گی۔

''موجودہ دور میں گوجر سندھ سے گنگا تک اور ہزارہ کے پہاڑوں سے لے کر گوجرات (کاٹھیاواڑ) کے جزیرہ نما تک' یعنی ہندوستان کے شمال مغرب کے ہر حصہ میں خاصی تعداد میں ملتے ہیں' خصوصاً بالائی جمنا کے کناروں کے ساتھ' جگادری اور بریہ کے نزدیک اور ضلع شاہ پور میں ان کی بہت زیادہ تعداد ملی' جو گزشتہ صدی کے دوران درحقیقت گوجرات کہلاتا تھا۔ مشرق کی طرف وہ بندیل کھنڈ میں چھوٹی سی ریاست سمپتر اور گوالیار کے شمالی اضلاع میں سے ایک گوجر گار میں آباد ہیں۔ سارے مشرقی راجپوتانہ اور گوالیار میں وہ کافی منتشر اور قلیل سی تعداد میں پائے گئے۔ البتہ مغربی ریاستوں میں ان کی تعداد زیادہ ہے' خصوصاً گوجرات کی طرف وہ آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں۔ دہلی کے جنوب میں ریواڑی کے راجہ گوجر ہیں۔ جنوبی پنجاب میں وہ ہر کہیں بکھرے پڑے ہیں' لیکن شمال کی طرف جاتے ہوئے ان کی تعداد تیزی سے بڑھتی ہے' جہاں بہت سے اہم مقامات کے نام ان کے نام پر ہیں' مثلاً رچنا دوآب میں گوجرانوالہ' شکر گڑھ' بجوات' چج دوآب میں گجرات' سندھ ساگر دوآب میں گوجر خان۔ جہلم وحسن ابدال کے نواح میں اور تمام ہزارہ اضلاع میں ان کی کافی تعداد ہے۔ اس کے علاوہ چلاس دردو' کوہلی' پالس' اضلاع' دریائے سندھ کے مشرق' اور مغرب کی طرف ملحق اضلاع میں وہ کثیر تعداد میں ملے''۔

پنجاب میں لازمی طور پر ان کا تعلق زیریں کوہستانی سلسلوں اور دامن کوہ خطوں سے ہے۔ اور اگرچہ جمنا سے نیچے ان کے کافی تعداد پھیل گئی لیکن وہ تقریباً نامعلوم ہیں۔ گوجرات پر ان کا تسلط ابھی تک مضبوط ہے اور اس ضلع میں وہ کل آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں۔ ان کی غالب حیثیت صرف وہیں برقرار ہے۔ سارے خطہ کوہستان نمک اور غالباً مشرقی پہاڑیوں کے دامن میں بھی' وہ وہاں آباد ہونے والے قبائل میں سب سے پرانے باشندے ہیں' لیکن مغرب میں گکھڑ' جنجوعہ اور پٹھان' اور مشرق میں راجپوت ان کے لیے کافی مضبوط رہے اور طویل عرصہ قبل انھیں سیاسی اہمیت سے محروم کردیا۔ ضلع پشاور میں تقریباً ہر گلہ بان ''گوجر'' کہلاتا ہے' اور ممکن ہے خود کو اس طور بتانے والے نسلی اعتبار سے حقیقی گوجر نہ ہوں لیکن جموں' چبھال اور ہزارہ کے سارے پہاڑی علاقہ میں اور پرے پشاور کے شمال میں آزاد علاقہ کے دریائے سوات تک حقیقی گوجر گلہ بان کی کثیر تعداد ملی۔ ان سب کی ایک ہی مشترک زبان ہے جو ان حصوں میں مروج پنجابی یا پشتو سے بالکل جدا ایک ہندی بولی ہے۔ یہاں پر وہ خالصتاً گلہ بان اور کافی حد تک خانہ بدوش نسل ہیں۔ وہ موسم گرما میں اپنے ریوڑوں سمیت بلند پہاڑی سلسلوں میں چلے جاتے اور موسم سرما کے دوران وادیوں میں اتر آتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ گوجر صرف میدانی علاقوں میں ہی کاشتکار ہے۔ حتیٰ کہ وہاں بھی وہ ایک برا کاشتکار اور ہل چلانے سے زیادہ مویشی پالنے کا کام کرتا ہے۔ جمنا اضلاع اور ہوشیار پور کے سوا وہ تقریباً بالتخصیص مسلمان ہیں' اور ضرور ان اضلاع میں اس سے قبل داخل ہوئے جب ذات کے ایک بڑے حصے نے مذہب تبدیل کیا۔

Marfat.com

جالندھر کے گوجرا پنے قبول اسلام کا وقت اورنگزیب کے دور میں بتاتے ہیں' جو کہ کافی حد تک ممکن ہے۔ فیروز پور کے گوجروں کا کہنا ہے کہ ہندوستان کے جنوب میں دارانگر سے آئے۔اس کے بعد سرسا میں رانیا منتقل ہو گئے اور پھر براستہ قصور دوبارہ فیروز پور گئے۔ صوبہ کے سارے مشرقی نصف میں مسلمان گوجر بیشتر ہندو روایات کا اپنے اسلام قبول کرنے والے پڑوسیوں کی نسبت زیادہ بدستور قائم رکھے ہوئے ہیں۔

جمنا اضلاع کا گوجر بھی ایسا ہے لیکن مزید مغرب میں اس کا کردار بلند نظر آتا ہے۔ میجر ولیس کے الفاظ میں گوجر ''ایک سادہ' سب کچھ سہہ جانے والی نسل' کفایت شعار اور جفاکش ہیں۔ اپنے مویشیوں اور کھیتوں کے ساتھ پرامن طور پر رہنے کے علاوہ انھیں کوئی اور خواہش نہیں'' مسٹر تھامسن کا کہنا ہے کہ جہلم کے گوجر سارے ضلع میں بہترین کسان ہیں (شاید کسی ضلع میں گکھڑ' اعوان اور راجپوت اس سے زیادہ تعریف کے حقدار نہیں گردانے گئے''۔ تاہم ملیار یا ارائیں زیادہ بہتر سبزی اگانے والے ہیں' اور یہ کہ وہ پرامن اور محنتی ہیں۔ (کوہستان نمک کے) جٹوں سے زیادہ پسندیدہ' لیکن چند ایک پرکشش خصوصیات کے حامل۔ مسٹر سٹیڈمین راولپنڈی کے گوجروں کو ''زبردست کاشتکار'' کہہ کر کافی ملتا جلتا بیان دیتے ہیں۔ اسی طرح ہوشیار پور کے گوجروں کو ایک ''پرامن اور مہذب گروہ'' کہا جاتا ہے۔ سر رچرڈ ٹیمپل جالندھر میں انھیں'' دوسری جگہ کی طرح گلہ بان عادات والے لیکن زیادہ محنتی اور عام رجحان کی نسبت کم غارت گر'' قرار دیتے ہیں۔ جبکہ مسٹر بارکلے لکھتے ہیں: ''موجودہ دور میں برطانوی حکومت کے تیس برس گزر جانے کے بعد وہ زراعتی آبادی میں کسی بھی دوسرے بڑے طبقے جتنے ہی جرائم کے کم عادی ہو گئے ہیں۔ یہ بھی عموماً درست ہے کہ وہ زراعت سے زیادہ گلہ بانی کرتے ہیں' لیکن یہ معاملہ بہرصورت غیر متغیر نہیں ہے'' لیکن مسٹر برانڈرتھ دوبارہ انھیں فیروز پور میں ''بددل کاشتکار اور چوری کے زبردست عادی'' بیان کرتے ہوئے ان کے مجرمانہ میلانات کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ گوجر اپنی آبائی پہاڑیوں سے جتنا زیادہ دور ہو جاتا ہے اپنے ہمسایوں کے لیے اتنا ہی زیادہ پست درجہ اور ناخوشگوار ہوتا جاتا ہے۔ کانگڑہ کے گوجروں سے متعلق مسٹر بارنز کی مندرجہ ذیل تفصیل دلچسپی کی حامل ہے:

> پہاڑیوں کے گوجر میدانوں میں اسی رتبہ کی ذات سے بالکل غیر مشابہ ہیں۔ وہاں پر وہ ایک آوارہ گرد' بے وقعت مشہور عادی چور نسل' خواہ مخواہ خوشیاں منانے والے اور کاشتکاری اور بہتری کے دشمن ہیں۔ وہ بالائی اور زیرین دونوں سطوحات پر گلہ بان عادت وخصائل رکھتے ہیں۔ پہاڑیوں میں گوجر تخصیص کے ساتھ گلہ بان قبیلہ ہیں...... وہ بمشکل ہی کوئی کاشتکاری کرتے ہیں۔ گدی (Gadis) بھیڑ بکریوں کے ریوڑ رکھتے ہیں اور گوجروں کی متاع بھینسوں پر مشتمل ہے۔۔۔۔ موسم گرما میں گوجر بالعموم ایسے ریوڑ بالائی سلسلہ کوہ کی طرف ہانکتے ہیں' جہاں پر بھینسیں بارش سے اگی ہوئی گھنی گھاس میں بہت خوش ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معتدل آب و ہوا کا موسم اور ان مہلک مکھیوں سے نجات پاتی ہیں جو میدانوں میں ان کا جینا دوبھر کر دیتی ہیں۔ گوجر نسل مخصوص اور خوبصورت نقوش والی عمدہ اور مردانہ ہے۔ وہ مدہم مزاج اور کسی کو ناراض نہ کرنے والے ہیں اور پہاڑیوں میں وہ بدترین تفوق ان کی پہچان نہیں جو میدانوں میں ان کی نسل کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ کبھی بھی بطور چور نہیں جانے گئے۔۔۔ گوجر سارے ضلع میں پائے گئے ہیں۔ وہ خصوصاً جوالا مکھی' ترہ اور ندوں کی قریبی حدود میں ہیں۔ خاص طور پر ریاست منڈی کی طرف کچھ ہندو گوجر ہیں' لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک بہت چھوٹی سی شاخ۔

ہمارے خیال میں (اور ہمیں یقین ہے کہ بہت سے اسی بات کو مانتے ہیں) جٹ اور گوجر اور شاید آہیر بھی سب ایک ہی نسلی ماخذ سے ہیں' اور اسی لیے ان کے درمیان ایک قریبی بھائی چارہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے بہت بعید کے ماخذ میں ایک ہی ہوں۔ لیکن میرے خیال میں وہ انڈیا کے اندر ضرور مختلف ادوار میں داخل یا مختلف حصوں میں آباد ہوئے' اور میری اس سوچ کی قطعی وجہ یہ ہے کہ وہ اکٹھے کھاتے اور تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ جٹ اور راجپوت کے معاملہ میں امتزاج کی وجہ عیاں ہے۔ مؤخر الذکر کا رتبہ اول الذکر سے بلند تر ہے۔ لیکن جٹوں' راجپوتوں اور اہیروں کی سماجی حیثیت عملی لحاظ سے یکساں ہوتے ہوئے مجھے یہ نظر نہیں آتا کہ اگر وہ کبھی ایک ہی تھے تو پھر الگ کیسے ہو گئے۔ تاہم ہو سکتا ہے جٹ اونٹ چروانے والے اور شاید کسان' گوجر کوہستانوں اور آہیر میدانوں کے گوالے تھے۔ اگر ایسا ہے تو وہ پیشے کی بنیاد پر چھوٹے زمیندار طبقہ کی درجہ بندی کے حامل ہیں جو درمیانی خلا پر کرتا ہے اور ان سے اوپر کی برہمنوں' بنیوں جیسی اور نیچے کی ترکھانوں' چماروں اور دیگر ذاتوں جیسی درجہ بندی کے حامل ہیں۔ لیکن اس موضوع پر اپنی کوئی رائے دینے سے قبل ہمیں ان قبائل

Marfat.com

کی قدیم تقسیم کے بارے میں مزید استفسار کرنا چاہیے۔ قدیم وقائع نگاری میں میں نے گوجروں اور اہیروں کی نقل مکانیوں اور علاقیت کے درمیان ایک تعلق دیکھا' جس نے مجھے محض ایک اتفاق کی نسبت زیادہ متاثر کیا۔ اس موضوع پر نتائج اخذ کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کی خاطر بہت زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔

گورسی

گورسی سورج بنسی راجپوت کہلاتے ہیں' رائے گورسی کے نام سے یہ قوم مشہور ہے۔ آئین اکبری میں اس کو گراسیہ لکھا ہے اور گجرات دکن میں کسی وقت ان کی رفعت وحشمت کا نقارہ بجتا تھا۔ یہ قوم زبردست جنگجو اور بہادر ہے۔ اس قوم کے چند اشخاص گجرات دکن سے آ کر پہلے لاہور کے گردونواح میں حکومت کرتے رہے' پھر تمام پنجاب میں پھیل گئے۔ جموں کے علاقہ میں گورسی گاؤں مشہور ہے' اسی قوم میں سے ایک شخص بھاگو تھا جس نے ضلع گجرات میں موضع بھاگو آباد کیا۔ سلطان مسعود کے عہد حکومت میں مسلمان ہوا' کسی زمانہ میں اس قوم کا ۸۶ محال پر قبضہ حاکمانہ تھا مگر رفتہ رفتہ ان کے قبضہ کی وسعت کم ہوتی گئی اور دوسرے لوگ شریک ہو گئے۔ یہ حاکم قوم ہے' جس کے متعدد مواضع گجرات میں ہیں۔ اس قوم کے لوگ توانا' قوی ہیکل' بردبار اور ذہین ہیں۔

گوندل

بالائی زمینوں پر آباد گوندل ''بار گوندل'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ شاہ پور (ضلع سرگودھا) اور گجرات کے اضلاع میں' جہلم و چناب کی درمیانی پٹی کے وسط میں آباد ہیں۔ ضلع جہلم میں اول الذکر دریا کے دائیں کنارے پر بھی ان کی کافی تعداد موجود ہے اور کچھ مشرق کی طرف راوی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انھیں چوہان راجپوت بتایا جاتا ہے۔ میدانوں کے گوندل جتنے جٹ ہیں اتنے ہی راجپوت بھی ہیں' کیونکہ قریبی جٹ قبائل کے ساتھ رشتہ داریاں کرتے ہیں۔ ان کا تعلق چوہان راجپوتوں سے ہے۔ یہ گوندل چوہان بھی کہلاتے ہیں بعض اپنے آپ کو جٹ کہلاتے ہیں اور جٹوں کے ساتھ ہی شادی بیاہ کرتے ہیں ڈیوس نے اس خاندان کے متعلق بہت تحقیق کی تھی۔ اس خاندان نے بابا فرید گنج شکرؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کا مورث اعلیٰ پاک پتن سے جنوب کی جانب واقع نوشہرہ سے آیا تھا۔ یہ مستقل مزاج اور اچھے شہری ہوتے ہیں پنجاب میں یہ خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کے بارے میں کرنل ڈیونز رقمطراز ہیں: ''جسمانی اعتبار سے وہ عمدہ نسل ہیں' جس کا باعث بلاشبہ ان کی پھرتیلی و آزاد زندگی اور گوشت خوری ہے۔ اگر ہمسایوں کے مویشیوں پر تصرف کے لیے ان کی شدید خواہش کو مستثنیٰ کیا جائے (جو ان کے خیال میں کوئی اخلاقی خرابی والی بات نہیں) تو ہم انھیں برائیوں سے پاک قرار دے سکتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ نوشہرہ سے پاک پتن کے جنوب میں آیا اور بابا فرید گنج شکر نے اسے مسلمان کیا۔ اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو وہ اپنے موجودہ مسکن میں غالباً چھ سو سال سے آباد ہیں۔ جناب عبدالمالک کھوڑوی لکھتے ہیں:

> ''ان کے اصل وطن کا نام کانگڑہ تھا وہاں سے یہ لوگ دریائے جہلم اور پنجاب کے متصل گوندل بار علاقہ میں آ کر آباد ہو گئے ان کا پہلا قافلہ غالباً چودھویں صدی میں ادھر آیا تھا۔ پنجاب کاسٹس میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ کانگڑہ کے علاقہ میں یہ گوندل پٹھیال کہلاتے ہیں۔ بعض مقامات پر گوندل جاٹ کہلاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ چوہان راجپوت ہیں۔ ان کے مشہور شہر میانہ گوندل اور کوٹ مومن ہیں۔ یہ قبیلہ رشتے قبائل رانجھا' ہرل اور لک سے کرتا ہے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کے فیض سے مسلمان ہوئے''۔

زمانہ قدیم ہی سے یہ قبیلہ جاٹوں کو اپنا سیاسی حریف سمجھتا ہے۔ جاٹ اپنے آپ کو ''چوہدری'' کہلا کر اور گوجر ''مہر'' بتا کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ جب انگریز ضلع کے حاکم بن گئے تو اس وقت کھٹانہ قبیلہ کا ایک آدمی چوہدری محمد خاں ولد چوہدری عبداللہ خاں سکنہ ڈنگہ ''دین گاہ'' بڑا ہی بااثر اور علاقے بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

گیگی

گیگی تنور راجپوت کہلاتے ہیں اور کھٹانوں کی شاخ سے اپنا شجرہ نسب ملاتے ہیں۔ یہ مختلف مواضع راجووال' چوہدووال' دھوپ سڑی' خواص پور' سیدا گول وغیرہ میں رہتے ہیں۔ گجرات میں دو موضع گیگیاں ان کے نام پر ہیں۔ یہ مسکین طبع' محنتی' جفاکش ہیں۔ ضلع گجرات میں حضرت شیر شاہ غازی اسی خاندان کے درخشندہ گوہر تھے۔ جن کے سجادہ نشین سادات کرام ہیں اور ان کے ہزاروں مریدین کہتے کہ یہ اپنے زمانہ میں قطب جہان تھے۔ دور دراز ملکوں سے آ کر لوگ ان کی بیعت کرتے' ایک سید بھی مرید تھا جو عالم عارف تھا' اس کو آپ نے سجادہ نشین کیا۔

Marfat.com

لادی رلودہ رلودھی

یہ رگھ بنسی راجپوت کہلاتے ہیں۔ ان کا مورث راجہ لودسین تھا' اس کی اولاد میں سے مالا نامی ملک گجرات دکن سے پنجاب آیا۔ اس کی اولاد کئی پشت تک لودھیانہ میں رہی۔ وہاں سے سیالکوٹ آئی اور حلقہ اسلام میں داخل ہوئی۔ انھی میں سے کاظم نامی ضلع گجرات میں آباد ہوا۔ موضع لادی اسی قوم کے نام پر مشہور ہے۔ چونکہ یہ لودھیانہ سے آئے تھے اسی لیے لادی مشہور ہوئے۔

لبانہ

اگر چہ لبانے بالعموم ماہتموں کے ساتھ منسلک ہیں۔ مگر اس کے باوجود ایک بالکل الگ ذات کی صورت رکھتے ہیں۔ وہ مظفر گڑھ اور بہاولپور کو چھوڑ کر ایک طرح سے مکمل طور پر پہاڑی و دامن کوہ اضلاع تک ہی محدود ہیں۔ لیکن لاہور اور گوجرانوالہ میں بھی ان کی کافی تعداد ملتی ہے۔ وہ پہاڑوں کے حمال اور خوانچہ فروش ہیں اور محض بنجاروں کے اس طبقہ کے نمائندے ہیں جو گنگا کے مشرق میں دامن کوہ خطوں میں آباد ہیں۔ غالباً لفظ لبانہ لون یعنی نمک اور بانا یعنی تجارت سے ملا کر بنا ہے' اور لبانہ 'لوبانہ' لبانہ یا لبانہ بلاشبہ نمک کی تجارت کرنے والی ذات تھی۔ جس جگہ بھی لبانوں کی آبادی ہو وہاں ٹانڈا نام کا ایک گاؤں ضرور موجود ہوتا ہے۔ لبانوں کے اپنے ماخذ کے بارے میں دعوے مختلف ہیں۔ لدھیانہ میں وہ جے پور اور جودھ پور سے آئے ہوئے چوہان راجپوت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ گجرات کے لبانوں کا کہنا ہے کہ وہ رگھوبنسی راجپوت اور ساندلوں کی گوتر سے ہیں۔ لیکن کپورتھلہ میں وہ خود کو یوپی کے گوڑ برہمن بتاتے ہیں۔ سیالکوٹ اور گجرات میں لبانوں کی حیثیت کافی اچھی ہے اور لگتا ہے کہ وہ زراعت پیشہ قبائل کے ساتھ ازدواجی بندھن قائم کرتے ہیں۔ بیوہ کی شادی کی سخت مخالفت نہیں کرتے لیکن گجرات میں بیوہ کی دوسری شادی سے ہونے والی اولاد کمتر رتبے کی ہوتی ہے۔ لبانوں کی سماجی تقریبات بہت متنوع ہیں۔ وہ اس فرق کی وجہ ذات کے مخلوط ماخذ بتاتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے حوالے سے سیالکوٹ میں تین رسوم ادا کی جاتی ہیں:

(۱) خاندانوں کی سب سے بوڑھی عورت گھر میں بچے کی پیدائش کے دن کچھ نہیں کھاتی بلکہ کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی۔ وہ زچہ کے ہاتھ دھلاتی اور پھر آٹا اور کھانڈ برابر مقدار میں گوندھ کر گول روٹیاں ''پاپڑیاں'' بناتی ہیں جنہیں گھر میں موجود افراد میں بانٹا جاتا ہے۔ گجرات میں بچے کی پیدائش کے موقع پر کوئی تقریب نہیں ہوتی۔

(۲) پیدائش کے دو یا تین روز بعد خاندان کی کوئی بیوہ عورت کچھ سویاں اُبالتی اور چاول پکاتی ہے۔ پھر وہ خاندان کی دیگر بالخصوص بوڑھی عورتوں کے ساتھ مشورہ کر کے ان میں سے ایک کو کہتی ہے کہ وہ زچہ کے کمرے کے فرش پر گوبر کی لیپائی کرے۔ اس لیپائی کیے گئے حصے پر خاندان کی سات عورتیں یا چودہ لڑکیاں بیٹھ جاتی ہیں' جبکہ بیوہ عورت فرش پر سات مربعے بناتی ہے۔ اس کے بعد وہ پکایا ہوا کھانا لاتی اور سب سے اوپر کسی جگہ بیٹھ کر سارے اہل خانہ کے لیے دعا کرتی ہے۔ عورتیں لڑکیوں کے آگے سر جھکاتی اور ان کے پیروں کو چھوتی ہیں جیسے وہ دیویاں ہوں۔ اسے دیوی پوجا کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد سب مل کر کھانا کھاتی ہیں۔

(۳) تیسری رسم بچے کی پیدائش والے سال ہیں ہاڑ (جون) کے پہلے اتوار کو ہوتی ہے۔ خاندان کی عورتیں ماں کو ایک پیپل کے درخت کے پاس لے جاتی ہیں جہاں ایک منتخب جگہ پر گوبر کا لیپ کیا گیا ہوتا ہے۔ وہاں اوپر بیان کردہ انداز میں ہی پوجا کی جاتی ہے۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں: اے شجر پیپل' ہمیں برائیوں سے بچا۔

گجرات کے لبانے جنیو یا مقدس دھاگا لازماً پہنتے ہیں۔ حتیٰ کہ بال نہ تراشنے والے سکھ بھی اس کی پابندی کرتے ہیں۔ شادیوں میں عموماً چار گوت کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی یہ اصول بدل جاتا ہے۔ مثلاً اس گوت میں شادی نہیں کی جاتی جس سے گذشتہ سات پشتوں کے دوران کوئی بیوی لی گئی ہو۔ گجرات میں چھوٹی عمر کی شادی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور بیوہ کی دوبارہ شادی (کریوا) کا آغاز بھی ہو گیا ہے۔ مگر اسے باعث گراوٹ سمجھا جاتا ہے۔ لدھیانہ کے لبانے لڑکی کی شادی ہندوؤں کی طرح پھیروں کے ذریعہ کرتے ہیں۔ لیکن بیوہ کی شادی اسلامی نکاح کے تحت ہوتی ہے۔

گجرات کے لبانوں کو کیپٹن مکنیمزی نے یوں بیان کیا ہے:

> لبانے بھی مخصوص طرز کے لوگ ہیں۔ سکھوں کے درمیان ان کی حیثیت بھی کافی حد تک مہتوں جیسی ہے۔ وہ ہندوستان کے بنجاروں کی طرح مال سے لدے بیلوں کے بڑے بڑے ریوڑوں کے ذریعہ وسیع تجارت کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل انہوں نے زراعت کا پیشہ اختیار کر لیا ہے' لیکن تجارت کی جگہ پر نہیں بلکہ ایک اضافی ذریعہ آمدنی کے طور پر۔ وہ برادری کی ایک شاخ کی حیثیت میں ہر لحاظ اور حوصلہ افزائی کے مستحق' اور بالعموم مضبوط جسم لوگ ہیں۔ ان میں جوش و خروش بھی کافی زیادہ ہے۔ طوائف الملو کی

Marfat.com

کے زمانوں میں جب چھوٹے چھوٹے صوبہ داروں کی پیکار نے جٹوں یا گوجروں کو ان کے آبائی گاؤں سے پرے کسی عارضی مسکن میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو لبانے اپنی جگہ پر قائم رہے اور یوں شاید انھیں گاؤں کی بہترین زمینوں پر قابض ہو جانے کا بہترین موقع ملا' جن میں ان کوتاہ نظر و عاقبت نا اندیش منوڑ کے جاگیرداروں نے انھیں کسی سابق دور میں تجارت کی غرض سے برداشت کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ سیٹلمنٹ کے دوران ایسے کئی معاملات پر نظر پڑی' اور زیادہ تر صورتوں میں آگے بڑھنے کی قوت و جذبہ لبانوں میں اتنا ہی واضح تھا جتنی کہ گوجر مخالفین میں اسکے برعکس خصوصیات بین تھیں۔ ان کا مرکزی گاؤں ٹانڈہ ہے (جس کا مطلب ہے' سامان سے لدے بیلوں کا بہت بڑا کارواں) اور یہ اس کی ایک مثال ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا۔ موٹا کے گوجر کاروباریوں کی طرف سے قیام کی اجازت حاصل کر کے انہوں نے زمین پر قبضہ کیا' ایک قصبہ بنایا اور اصل مالکان کو ہر اہم اعتبار سے اپنے اندر جذب کر لیا۔ انھیں کاروباری مالک تسلیم کر لیا گیا' لیکن موٹا کے گوجروں' یعنی اپنے سابق جاگیرداروں کی قدر افزائی میں انھیں سالانہ حق ملکیت حکومت کی طلب کا دسواں حصہ ادا کرتا ہے۔

زیریں دریائے سندھ پر لبانوں کی ایک کافی بڑی آبادی ہے جنہیں وہاں پر سکھ دور میں آباد ہونا بتایا جاتا ہے' اور تقریباً سبھی مونے سکھ یا بابا گورونانک کے پیروکار ہیں۔ تاہم بہاولپور میں متعدد نے خود کو ہندو درج کروایا۔ ان افراد نے سامان برادری اور تجارت تقریباً بالکل چھوڑ دی ہے اور دریا کے کناروں پر آباد ہوئے جہاں انھیں نیم وحشی زندگی گزارنے والے' شکاری اور گھاس کی چٹائیاں (برائے فروخت) بنانے والے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ شاید ہی کاشتکاری کرتے ہوں۔

لنگڑیال

راجپوتوں کے طور پر درجہ بند کیا گیا زراعت پیشہ قبیلہ۔ یہ لوگ ملتان میں مشرقی بار نامی علاقہ پر آباد ہیں۔ نسبتاً حالیہ دور میں آئے ہوئے لنگڑیالوں کے میراثی انھیں بیکانیر کے برہمن بتاتے ہیں۔ لیکن وہ خود اپنے آپ کو عرب کے قریش کہتے ہیں۔ اپنا تعلق سورج بنسی راجپوتوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا جد امجد بیکانیر کا چارن تھا جو برہمن تھا۔ سلطان سمران کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ یہ قوم مہمان نوازی اور سخی تھی۔ ہر کسی کے لیے ان کا لنگر جاری رہتا تھا۔ اس سخاوت اور لنگر کی وجہ سے ان کا نام ''لنگریال'' اور بعد ازاں لنگڑیال ہو گیا۔ درویشوں اور فقرا کی خدمات کے لیے یہ قوم کمربستہ رہتی تھی۔ پاکستان میں یہ خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ شروع میں قبیلہ مویشی پالتا تھا اور نئی چراگاہوں کی تلاش میں مسلسل حالتِ سفر میں رہتا تھا۔ یہ لوگ صحرائے ملتان سے راولپنڈی' گجرات' سیالکوٹ اور جہلم کے اضلاع تک پھیل گئے۔ جھنگ میں ان کی واضح تعداد آباد ہے۔ انہوں نے سیالوں سے کچھ زمینیں حاصل کیں اور ساہیوال اور کوٹ کمالیہ میں آباد ہوئے۔ ملتان بار کے وسیع علاقے میں بھی لنگڑیال خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ گجرات میں کئی مواضعات لنگڑیال قبیلے سے منسوب ہیں۔

لمبور

یہ کھٹانہ قوم کی شاخ ہے' ان کا مورث لمبور نامی تھا' اس کی اولاد میں سے شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں کچھ لوگ آئے اور ضلع گجرات میں مقیم ہو کر زراعت کا کام شروع کیا۔ اب اس قوم کے لوگ لوہسر' پنڈوری' راجو بھنڈ' چکوڑی' نوشہرہ' جھنڈانوالہ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ اونچے قد کاٹھ کے لوگ ہیں۔

لوہار

پنجاب کے لوہار کا کام اس کے نام سے عیاں ہے۔ وہ حقیقی دیہی خدمت گاروں میں سے ایک ہے' جو پیداوار میں حصہ کی صورت میں رواجی معاوضہ وصول کرتا اور اس کے بدلے میں زراعت میں استعمال ہونے والے لوہے کے اوزار بناتا اور ان کی مرمت کرتا ہے۔ پہاڑیوں اور ان کی عین دامنی اضلاع میں وہ کل آبادی کا تناسب میں کافی زیادہ ہے اور ہاں دیگر تمام دستکار ذاتوں کی طرح وسیع پیمانے پر کھیت مزدوری کرتا ہے۔ ملتان' ڈیرہ جات ڈویژنوں اور بہاولپور میں ان کی تعداد غیر معمولی ہے۔ ہو سکتا ہے ان علاقوں میں دوسری ذاتوں کے افراد بھی لوہار کا کام کرتے ہوں یا شاید ترکھان اور لوہار ایک ہی ہیں۔ لوہار کی سماجی حیثیت پست ہے (حتیٰ کہ

Marfat.com

خدمتگاروں میں بھی) اور اسے ایک غیر خالص ذات خیال کیا جاتا ہے۔ جٹ اور اسی حیثیت کے دوسرے افراد بھی اس کے ساتھ کوئی سماجی میل ملاپ نہیں رکھتے۔ البتہ وہ خاکروب کی طرح اچھوت نہیں۔ حجام دھوبی اور انگریز کی طرح اس کی ناپاکی کا منبع بھی صرف اور صرف پیشے کی نوعیت ہے۔ شاید اس لیے کہ یہ گندا کام ہے یا پھر بہت ممکن طور پر اس لیے کالا رنگ (لوہے کا) بدشگونی ہوتی ہے۔ تاہم دوسری جانب لوہار نظر بد کے خلاف نیکی کا منتر ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کی ناپاکی کا سبب وہ دھونکنی ہو جو گائے کی کھال سے بنی ہوتی ہے۔ وہ بہت عمومی سطح پر اپنے پڑوسیوں کے مذہب کا پیروکار نظر آتا ہے۔ سرسا کے شمال اور غالباً میدانوں کی وسطی ریاستوں میں لوہار اور ترکھان ناقابل تمیز ہیں۔ دونوں افراد یہ دونوں کام اور زیادہ تر (شاید پنجاب کے بیشتر علاقوں میں) باہم ازدواج کرتے ہیں۔ ہوشیار پور میں انھیں ایک ہی ذات لوہار ترکھان کی صورت میں بتایا گیا ہے اور ایک لوہار کا بیٹا ترکھان کا یا ترکھان کا بیٹا عام طور پر لوہار کا پیشہ اپنا لیتا ہے۔ لیکن یہ دکھائی دیتا ہے کہ دونوں بالاصل الگ الگ ذاتیں تھیں۔ کیونکہ مشترک ذات ابھی تک دو شاخوں میں بٹی ہوئی ہے جو آپس میں شادی یا حتیٰ کہ اکھٹے کھاتے یا تمباکو نوشی بھی کرتے۔ ایک شاخ کا نام دھمان اور دوسری کا کھاتی ہے۔ اول الذکر نام ''دھمنا'' یعنی بھڑ کانا اور موخر الذکر کھاٹ یعنی لکڑی سے مشتق ہے۔ گوجرانوالہ میں یہ دونوں شاخیں نظر آتی ہیں اور وہاں دو بہت بڑے ترکھان قبائل ہیں۔ کرنال میں ان دونوں کے درمیان ایک قسم کا واسطہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ذاتیں اب علیحدہ علیحدہ ہیں۔ سرسا میں لوہاروں کو تین مرکزی شاخوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول بلاشبہ اور موجودہ جٹ حتیٰ کہ راجپوت نسل کے افراد جنہوں نے عموماً غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر لوہار کا پیشہ اختیار کیا۔ دوم: سُتھار لوہار یا ترکھان کے سُتھار قبیلہ کے ارکان جنہوں نے اپنا اصل پیشہ پہلے والوں کی طرح ہی تبدیل کیا۔ سوم: گاڈیا لوہار جو صوبہ کے سارے مشرق وجنوب میں عالم ملنے والے سیلانی لوہاروں کا ایک طبقہ ہیں اور راجپوتانہ وشمالی مغربی صوبوں سے آئے اور اپنے کنبوں اور اوزاروں کے ساتھ چھکڑوں میں گاؤں گاؤں پھرتے ہیں۔ وہ عمدہ قسم کا لوہے کا کام کرتے ہیں جو بھی دستکاری کی استعداد کار میں نہیں۔ روایت ہے کہ سُتھار لوہار (جو اب مسلمان ہیں) اصل میں ستھار قبیلے کی ہندو ترکھان تھے۔ اور یہ کہ ان میں سے ۱۲ ہزار کو اکبر جودھ پور سے دہلی زبردستی ختنے کرنے کے لیے لے گیا اور لکڑی کی بجائے لوہے کا کام کرنے لگا دیا۔ لوہاروں کی ایک شاخ خود بھی یہ کہانی تسلیم کرتی ہے۔ اور غالباً اس میں کچھ صداقت بھی ہے۔ یہ افراد صوبہ سندھ کی سمت سے سرسا میں آئے جہاں ان کے کہنے کے مطابق وہ زمینوں کے مالک تھے۔ وہ بالعموم ملتانی لوہار جانے جاتے ہیں۔ جٹ اور سُتھار لوہار رتبہ میں سب سے بلند ہیں اور گاڈیا سب سے کمتر۔ پنجاب کے دیگر علاقوں میں بلاشبہ یہی فرق موجود ہے۔

لوہسر

یہ کٹھانہ کی شاخ ہے۔ ان کا بزرگ لوہسر نامی تھا جس کے نام پر یہ گوت نامزد ہے۔ لوہسر کی اولاد سے دیپ نامی ایک شخص شہنشاہ اکبر کے لشکر میں بھرتی ہوا اور کئی کارہائے نمایاں انجام دیے اور پھر اس کی اولاد نے ضلع گجرات میں موضع لوہسر آباد کیا۔ اس قوم کی ملکیت ٹھٹھ پور لمبور اوتم وغیرہ میں پائی جاتی ہے مگر متفرق ہونے کی وجہ سے ان کی چنداں شہرت نہیں۔

ماچھی

مغربی پنجاب میں ماچھی جھینور کا متبادل نام ہے لیکن ملتان ڈیرہ اسماعیل خان اور بہاولپور میں ماچھی جٹ کا ہم رتبہ الگ قبیلہ تشکیل دیے ہوئے ہیں۔ پنجاب کے تمام شمالی اضلاع میں ماچھی کو جھینور بھی کہتے ہیں۔ اور مغربی اضلاع میں دونوں نام مستعمل ہیں۔ البتہ پنجاب کے وسطی علاقوں میں جہاں مشرقی ہندو مغربی مسلمان سے ملتا ہے یہ دونوں اصطلاحات عموماً الگ الگ طرح سے استعمال ہوتی ہیں۔ وسط اور مغرب میں ماچھی کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مشرق میں جھینور کو۔ بس فرق صرف یہ ہے کہ وہ صوبہ کے اول الذکر علاقوں میں زرعی مزدوری کا خاصہ حصہ سرانجام دیتا ہے یا کم از کم اپنے رواجی معاوضے کے بدلے میں ہی نہیں۔ تاہم کٹائی دھان کی پنیری لگانے اور ایسے دیگر مواقع پر یقیناً تمام طبقات معاضہ پر کام کرتے ہیں لیکن جھینور کے لیے اوپر مذکور پیشوں کے علاوہ ماچھی پنجاب خاص میں خانساماں اور دایہ ہے۔ امور زچگی کے ماہر تمام دائیے دائیاں اور انائیں طبقہ کا تعلق ماچھی ذات سے ہے۔ اسی طرح پنجاب خاص کی دیہی زندگی میں خصوصی اہمیت کا حامل مشترکہ چولہا یعنی تنور (جہاں کسان گرمیوں میں اپنی روٹی پکاتے ہیں) تقریباً ہمیشہ مسلمانوں کے لیے ماچھی اور ہندوؤں کے لیے جھینور چلاتا ہے۔ کچھ علاقوں میں وہ گاؤں کا لکڑہارا بھی ہے۔ ڈیرہ جات میں کہیں کہیں اسے منجھی یا منجھیر اکہتے ہیں۔ بالخصوص اس وقت جب وہ مچھلیاں پکڑنے کے پیشے سے وابستہ ہو۔

کسی بھی اور ذات کے شخص کو ماچھیوں کے ساتھ بطور مبتدی ماہی گیر منسلک ہونے کی اجازت ہے۔ لیکن وہ ماچھی ذات میں ازدواجی رشتے قائم نہیں کر سکتا۔ ماچھی لڑکوں لڑکیوں کو چھوٹی عمروں میں ہی بیاہ دیتے ہیں۔ لیکن ضرورت پڑنے پر بالغ ہونے کے بعد شادی کرنے کی بھی اجازت ہے۔

ریاست بہاولپور میں ماچھیوں کو تکرانی بھی کہتے ہیں۔ (سندھی زبان

Marfat.com

میں تکڑ کا مطلب پہاڑ ہے)۔ وہ ریاست کے جنوب میں ایک الگ تھلگ علاقے میں فتح پور ماچھ کا تک ہی محدود ہیں۔ وہ خود کو سلجوقیوں کی ایک شاخ بتاتے اور کہتے ہیں وہ حلب سے کربلا آئے اور امام حسینؓ کی شہادت کے موقع پر وہیں آباد تھے۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ شہادت امام حسین کے بعد ان کے پیروکار بن گئے۔ لیکن ماچھیوں کے دشمن بقول شمر ظالم ان کی نسل سے تھا۔ وہ جنوبی فارس اور افغانستان سے ہوتے ہوتے کربلا سے کیچ مکران آئے اور پھر کچھ وقت بیلا جھیل اور قلات میں گزارا۔ آخر کار اٹھارہویں صدی میں انہوں نے شکار پور کی جنگ میں داؤد پوتوں کے خلاف کلہوڑوں کا ساتھ دیا۔ تب موسیٰ خان ماچھی نے ضلع جیکب آباد میں مسووالا کی بنیاد رکھی۔

گجرات میں خواص پور کے ماچھی کہتے ہیں کہ انہوں نے خواص خان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور شہنشاہ شیر شاہ کے بیٹے کی نسبت سے اسلام شاہی یا سلیم شاہی کہلائے۔ وہ خواص پور میں سرائے کے بھٹیارے تھے۔

ماہتم یا مہتم

ڈیرہ اسماعیل خان سے لے کر لاہور تک سارے پنجاب میں پھیلی ہوئی مخلوط ماخذ والی ذات۔ ماہتم کا تلفظ مہتوں سے کافی ملتا ہے لیکن مشرقی اضلاع کے مہتوں ''راجپوت مہتہ'' کہلواتے ہیں۔ رسی بنانے والے کی حیثیت میں ماہتم رسی وٹ یا رسی بٹ کہلاتا اور سرکیوں میں رہنے کی وجہ سے اسے سر کی بندھی کہا جاتا ہے۔ سر ڈینزل ابٹسن کے مطابق وہ بہروپیا بھی کہلاتے ہیں۔ گجرات اور سیالکوٹ میں مہتموں نے اپنا اندراج اسی طور کروایا۔ مہتم یا جیسا کہ انھیں جالندھر ڈویژن میں نون غنہ کے ساتھ مہتوں بولا جاتا ہے' مرکزی طور پر ستلج اور جالندھر و گجرات کے درمیان کی پہاڑیوں کے دامن میں پائے گئے۔

وہ انتہائی پست درجہ کی ذات ہیں' تقریباً اچھوت۔ بالاصل وہ سیلانی ہیں اور کچھ علاقوں میں اپنی آوارہ گرد عادات بدستور قائم رکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ کسی بھی دوسری جگہ پر بہت بڑے کاشتکاری ہیں۔ متعدد اضلاع میں خصوصاً وسطی ستلج میں انہوں نے خود کو کھیتی باڑی کے لیے پوری طرح وقف کر رکھا ہے اور باہنر و جفاکش کاشتکار ہیں۔ ان کی بہت بڑی اکثریت ہندو ہے لیکن ۲۰ فیصد مسلمان ہیں اور تقریباً اتنے ہی سکھ۔ البتہ مسلمان حصہ' حتیٰ کہ ملتان ڈویژن میں بھی جنگلی سور کھاتا اور بہت سی ہندو روایات پر کاربند ہے۔ اسی وجہ سی دوسرے مسلمان انھیں مذہبی طور پر اپنے برابر تسلیم نہیں کرتے۔ تاہم' وہ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہوئے ملے ہیں۔ مظفر گڑھ میں وہ گھاس پھونس کے چھپروں میں دریا کے کناروں پر رہتے ہیں۔ اسی لیے ایک کہاوت ہے کہ ''صرف دو ماہتم چھپر' اور جگہ کا نام خیر پور''۔ مسٹر پرسر منگمری کے ماہتموں کو یوں بیان کرتے ہیں:

> مہتم ایک پست ہندو ذات اور پڑوسیوں کی نظر میں حقیر ہیں۔ روایت کے مطابق وہ راجپوت تھے اور ان کا جدامجد قانون گو تھا۔ اس دور میں اکبر تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ قانون گو مہتہ کہلاتے تھے۔ اور یہیں سے ان کا نام ماہتم پڑ گیا۔ پہلے مہتہ کو برخاست کیا گیا جو جالندھر میں مہت پور کے مقام پر آباد ہوا۔ اس کی اولادوں نے جب دریاؤں کے کناروں پر سر (کانا) کی وافر مقدار دیکھی تو وہ ایسی ہی جگہوں پر نقل مکانی کر گئے اور سر میں کام کرنا ان کا مرکزی پیشہ بن گیا۔ ضلع (قصور) میں جب وہ مستقلاً آباد ہوئے تو اس وقت تک نکئی سردار غالب نہیں آئے تھے۔ انہوں نے ''چادر ڈالنا'' رسم کے تحت بیوہ کے ساتھ شادی کرنے کی روایت اختیار کی اور یوں شودر ہوگئے۔ وہ بہروپیے بھی کہلاتے ہیں جو لفظ ''بھوروپ' دیئے'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس کا مطلب مختلف طرز ہائے حیات والے افراد ہیں۔ کیونکہ انھیں جو کام بھی ملتا کر لیتے تھے۔

جنرل کننگھم ''ہسٹری آف دی سکھ'' میں لکھتے ہیں:

> جفاکش ہندو ماہتم ابھی تک خاندان اور گاؤں سے گاؤں تک مشرق کی طرف راوی اور چناب سے پرے نقل مکانی کر رہے ہیں۔ یہ بات ماہتموں کو مشرقی کی بجائے مغربی نسل قرار دیتی ہے۔ جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے متعدد دیہات ہیں جن میں سے بیشتر کی حالت کافی بہتر ہے۔ جس جگہ وہ پورے گاؤں کے مالک نہیں وہاں چھپروں کے علیحدہ جھنڈ میں مرکزی آبادی سے کچھ فاصلے پر رہتے ہیں۔ جنگلی سور پکڑنے میں وہ بڑے ماہر ہیں۔ لیکن سیلاب زدہ زمینوں پر جنگل کاٹنے میں وہ کہیں زیادہ آگے بڑھ

Marfat.com

گئے ہیں۔ اگرچہ وہ جفاکش ہیں لیکن اس کے باوجود زمینوں پر کاشتکاری کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ جھگڑالو' چھوٹی موٹی چوریوں کے عادی' درمیانے قد کاٹھ اور گٹھیلے بدن والے ہیں۔

اسے ہم بنجاروں کا ایک بہروپ قبیلہ ہے یا جیسا کہ انھیں پنجاب میں لبانہ کہا جاتا' کہہ سکتے ہیں۔ ستلج کے لبانے اور ماہتم آپس میں قریبی مماثلت رکھتے ہیں۔

متیال

متیال قوم کے نمائندہ افراد اس وقت متیال' متیالی' پنیالہ' کنیٹی اور کنیٹ میں آباد ہیں۔ قیاس ہے کہ یہ لوگ سکھو سے نقل مکانی کر کے ان علاقوں میں آئے تھے۔ متیال پاکستان کے مختلف اضلاع میں آباد ہیں تاہم ضلع راولپنڈی' ضلع جہلم' ضلع گجرات اور ضلع منڈی بہاؤالدین میں ان کی واضح آبادی ہے۔

مراڑی یا مراڑیاں

یہ تنور سورج بنسی کہلاتے ہیں اور کھنانہ کی ایک شاخ ہیں۔ ان کے نام پر ایک موضع بھی مراڑی ہے۔ ان کی ملکیت میں بیسی' ڈوگہ' دھوریہ' چک اسماعیل وغیرہ ضلع گجرات میں ہے۔

مداری

''زندہ شاہ مدار'' کے پیروکار ہیں جو اودھ میں مکن پور کا مشہور و معروف بزرگ ولی تھا۔ اس کا نام بازی الدین شاہ اور اسلام قبول کرنے والا یہودی تھا' جو ۱۰۵۰ء میں (aleppo) حلب کے مقام پر پیدا ہوا اور کہا جاتا ہے کہ وہ مکن پور میں ۳۸۳ برس کی طویل عمر گزار کر ایک شیطان کو اس جگہ سے باہر نکالنے کے بعد فوت ہوا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کچھ اسے اب بھی زندہ سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں رسول اللہ نے اسے سانس لیے بغیر زندہ رہنے کی قوت عطا کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کو کبھی آگ نہیں جھلسا سکے گی۔ اور وہ زہریلے سانپوں اور بچھوؤں سے محفوظ رہیں گے۔ ان میں زہر کا تریاق کرنے کی قوت موجود ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے مزار میں داخل ہونے والی عورتیں زبردست درد اور اذیت میں گرفتار ہو جاتی ہیں' جیسے انھیں زندہ جلایا جا رہا ہو۔ انبالہ' لدھیانہ' جالندھر' ہوشیار پور' سیالکوٹ اور گجرات میں آباد ہیں۔ گجرات میں انتہائی قلیل تعداد میں موجود ہیں۔ مغربی پنجاب میں ان کے بارے میں کم ہی لوگ جانتے ہیں۔ وہ اپنے بال گوندھ کر جوڑا بناتے اور مسلمان سلسلوں کے بے سہارا فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو کسی مسلک' مذہب' ضابطۂ حیات کو نہ ماننے کے باوجود خود کو مسلمان کہتے ہیں۔

مُصلی

(مُسلی زیادہ درست تلفظ ہے)۔ مغربی پنجاب کا مسلمان چوہڑا' لاہور کے مغرب میں تقریباً سبھی چوہڑے مسلمان ہیں اور انھیں اکثر مصلی یا کُتانہ کہا جاتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ دونوں اصلاحات ہم معنی ہیں' لیکن کتانہ کا استعمال خاص طور پر جنوب مغرب اور مُصلی کا شمال مغرب میں ہوتا ہے۔ متعدد علاقوں میں مسلمان چوہڑا اس وقت تک چوہڑا ہی کہلاتا ہے جب تک وہ مُردار کھاتا یا فضلہ صاف کرتا رہتا ہے۔ یہ عادات ترک کرنے پر ہی اسے ''مُصلی'' ہونے کا اعزاز دیا جاتا ہے۔ مُصلی کو چوہڑے سے واضح طور پر ممتاز خیال کیا جاتا ہے۔ تاہم سرحدی قصبات کا مُصلی فضلہ صاف کرتا ہے۔ پشاور بارڈر پر مُصلی گورکن کے ساتھ ساتھ جھاڑو کش بھی ہے اور کچھ جگہوں پر اسے شاہی خیل بھی کہتے ہیں۔ اس اصطلاح کا لفظی مطلب ''عبادت گزار'' ہے۔ اسلام قبول کرنے والا مہتر خود کو ''نومسلم'' کہلاتا ہے۔ اسے مذہب میں داخل ہونے کے لیے نہا دھو کر نئے کپڑے پہننے کے بعد پانچ مرتبہ کلمہ پڑھنا ہوتا ہے۔ پھر وہ اونچی آواز میں توبہ کہتا اور تین بار قسم کھاتا ہے کہ کبھی بھی اپنے پرانے عقیدے کی جانب واپس نہیں جائے گا۔ تب مولوی ایک برتن سے پانی پینے کے بعد باقی اسے پکا دیتا ہے۔ یوں وہ مسلمان قرار پاتا ہے۔

مغل

ایک نسل جس کے لوگ زیادہ تر منگولیا میں آباد ہیں۔ ان کا رنگ بھورا' گلے کی ہڈی اُبھری ہوئی اور آنکھیں ترچھی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ گھوڑے مویشی بھیڑ بکریاں پالنا ان کا مشغلہ ہے۔ جنھیں ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ میں لیے پھرتے ہیں۔ ان کی اصلیت کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے' تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ ہن جنھوں نے اپنی فتوحات کو یورپ تک پہنچا دیا تھا اور دوسری طرف شمالی چین میں 914ء سے 1125ء تک جن لوگوں نے حکومت

Marfat.com

کی وہ منگول ہی تھے لیکن تیرھویں صدی کے شروع میں جب چنگیز خاں کی قیادت میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو تاریخ میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہو گیا۔ انہوں نے اپنی فتوحات کا سلسلہ مغرب میں یورپ کی طرف اور مشرق تک پھیلا دیا۔ چنگیز خاں کے بیٹوں نے 1260ء سے یورپ و ایشیاء کے بیشتر ممالک پر حکومت کی۔ مشرق کا علاقہ جس میں چین اور کوریا شامل تھے' قبلائی خاں کے قبضے میں آ گیا جہاں ڈیڑھ سو سال تک اس کے خاندان نے حکومت کی مگر 1382ء میں تمام منگول چین سے نکال دیئے گئے۔ جن منگولوں نے روس اور جرمنی کو فتح کیا ان میں ترک بھی شامل تھے' یہ تاتاری کہلائے۔ تیمور لنگ اور بابر بھی اسی خاندان کے دعویدار تھے۔ ان کا یہ دعویٰ ہی ثابت کرتا ہے کہ مغل منگولوں میں سے ہیں کیونکہ بابر کی نسل کو مغل کے لفظ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مغلوں کی نسل کا آخری حکمران چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر تھا۔ انھی کی اولاد مغل کہلواتی ہے۔ ضلع گجرات میں کافی تعداد میں آباد ہیں۔ یہ لوگ محسوس کرتے تھے کہ زمانہ قریب میں وہ ہندوستان کے حاکم تھے اور شاہی ان سے چھین لی گئی ہے۔ اس لیے یہ نسل کچھ رنجیدہ سی تھی۔ وہ سوائے سادات کے اپنے آپ کو بقایا لوگوں سے برتر سمجھتے۔ یہاں تک کہ ایک مغل گھرانہ اپنے آپ کو دوسرے مغل گھروں سے بہتر جانتا۔ لیکن دوسرے لوگ اب ان کی تعظیم نہ کرتے ہیں۔

مغل بابر کے ہمراہ پنجاب میں آئے یا اس کی اولاد کے دورِ حکومت میں اس جانب کھنچ آئے۔ دہلی کے نواح میں کثیر تعداد میں آباد ہوئے۔ راولپنڈی ڈویژن اور بالائی سرحد میں یعنی مغل فوجوں کے راستے کے ساتھ ساتھ آج بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ مسٹر مونٹگن نے مغلوں کو یوں بیان کیا: وہ ایک ناخوش نسل ہیں' تفاخر سے پھولی ہوئی۔ وہ سیدوں کے علاوہ باقی تمام طبقات سے' اور یہاں تک کہ ان کا ہر ہر رکن کنبہ خود کو اپنے پڑوسی سے بالاتر کہتا ہے۔ اعلیٰ نسل ہونے کے باوجود قبیلچوں کے معاملہ میں وہ خسارہ میں رہے۔ ان کے ہم سر تسلیم کیے جانے والے لوگ ان کو حقیر جانتے ہیں' لیکن وہ خود کبھی بھی پست طبقات کی طرف نہیں جھکیں گے۔ نتیجتاً سماجی تعلقات میں اکثر تعطل لاگو ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ سرحد پر بھی مغلوں کو کوئی نیک نامی حاصل نہیں۔ راجپوت کا شتکار پر ظلم کرتا ہے اور کاشکار دھرتی پر' اور پھر: ''مغلوں کے رقعوں پر اعتبار نہ کرو۔ ان کے رقعوں سے پہلے فوجیں آ جاتی ہیں''۔ پنجاب میں مغل وسیع پیمانے پر بکھرے پڑے ہیں۔ اضلاع گجرات' راولپنڈی' جہلم اور ہزارہ میں ان کی کافی تعداد ہے۔ میجر ویس کی رائے میں اسلام قبول کرنے والے جٹ اکثر و بیشتر مغل کا لقب اختیار کر لیتے ہیں۔ حقیقی مغلوں میں سے صرف چغتا اور برلاس کی نمائندگی پنجاب میں کافی زیادہ نظر آتی ہے۔

خاندان مفتیاں

اس خاندان کا سلسلہ نسب حضرت عقیل برادر حضرت علیؓ سے ملتا ہے' اس لیے یہ قریشی خاندان ہے اور اس خاندان کی قدیمی سندات کے مطابق کاغذات سرکار میں قریشی درج ہے۔ اس کے ایک بزرگ مولوی محمد واسع حضرت شاہ محمد غوث کے ہمراہ بارہویں صدی ہجری میں پونچھ چلے آئے۔ ان کی اولاد جموں و کشمیر میں پونچھ و دیگر مقامات پر آباد ہے۔ پنجاب میں نارووال' سیالکوٹ' شکرگڑھ' گجرات' جہلم' راولپنڈی اور دیگر مقامات پر اس خاندان کے نمائندے موجود ہیں۔

مُکر

یہ اپنے آپ کو کھٹانہ خاندان سے منسوب کرتے ہیں' ان کا مورث مُکر تھا جس کی اولاد ملک دکن سے پنجاب آئی۔ اس خاندان کے کچھ لوگ قصبہ ڈنگہ میں آباد ہیں۔

موچی

لفظ موچی دراصل ایک پیشے کا نام ہے۔ موچی صرف چمڑے ہی کی اشیاء نہیں بناتا بلکہ چمڑے کو دانے دار بناتا ہے' اس کی سطح کو رنگ دیتا یا پہلے والے رنگ کو بدلتا ہے۔ پنجاب کے مشرق میں یہ نام قصبات کے زیادہ ہنر مند کاریگروں کے لیے مستعمل ہے۔ تاہم مغرب میں سیدھے سادھے طور پر ایک مسلمان چمار کو بیان کرتا ہے' اور وہاں موچی وہی کچھ ہے جو مشرق میں چمار۔ اس کا تعلق بھی اسی ذات سے ہے' البتہ تبدیلی مذہب نے (چاہے بہت کم ہی لیکن) اس کی سماجی حیثیت کو بہتر کر دیا۔ وہ عام طور پر کپڑا نہیں بنتا۔ البتہ ہوشیار پور میں موچیوں کی ایک کثیر تعداد جولاہا بتائی گئی اور دیگر مسلمان اسے مذہبی یا سماجی رفاقت میں قبول نہیں کرتے۔ پنجاب کے مغرب میں ایک چمار یا موچی کی حیثیت اب وہ نہیں جو اسے مشرق میں بطور کھیت مزدور کو حاصل ہے۔ مغرب میں وہ صرف دباغت کار اور چمڑا مزدور ہے۔ اس کی تعداد اس وقت بہت کم ہو جاتی ہے جب کھیتوں میں کھیت مزدوری کا بہت بڑا حصہ سرانجام دیتا ہے۔ مزید برآں اب وہ خانگی خدمت گاری نہیں کرتا' اور ممکن ہے اس کی بہتر یافتہ سماجی حیثیت مسلمان' جونہی امور خدمت گاری چھوڑتا اور خود کو صرف چمڑے کے کام تک محدود کر لیتا ہے تو سماجی حیثیت میں اوپر اٹھ جاتا اور زیادہ قابل احترام نام ''موچی'' اپنا لیتا ہے۔ موچی بالعموم اپنی خدمات کی انجام دہی میں وقت کا پابند نہیں

Marfat.com

اور ایک کہاوت ہے ’’موچی کا کل کبھی نہیں آتا‘‘۔

موچی کا کوئی مترادف نہیں۔ کفش دوز کا مطلب جوتے سینے والا اور سراج‘ شیراج‘ سیر از یا شیراز کا مطلب گھوڑے کی کاٹھی بنانے والا ہے۔ لدھیانہ میں مسلمان موچی شیخ کہلاتا ہے اور کپڑا بننے کا کام بھی کرتا ہے۔ درحقیقت ذات کا مرکزی پیشہ کپڑا بننا ہی ہے اس لیے عموماً موچی‘ جولاہا کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ لیکن موچی عام مسلمانوں کی طرح گوت سے لاپروا ہو کر شادی کرتے ہیں اور بتاتا جاتا ہے کہ وہ جولاہوں یا کسی بھی دیگر ذات میں شادی نہیں کرتے۔ اگرچہ ان میں سے بیشتر مسلمان ہیں‘ لیکن جنوب مشرقی پنجاب میں ہندو موچی بھی ملتے ہیں جو چمڑے کے ڈبے اور کاٹھیاں وغیرہ تو بناتے ہیں مگر جوتے نہیں۔ لیکن مسلمان موچیوں میں ایسی کوئی بات نہیں‘ مسلمان موچی کام شروع کرنے سے قبل حضرت صالح اور حضرت میر کا نام لیتے ہیں جن کے مقبرے عرب میں اب بھی موجود ہیں۔ وہ ہر چھ ماہ بعد ان حضرات کے نام پر غرباء میں مٹھائی بانٹتے ہیں۔ ڈیرہ غازی خان میں ’’جام‘‘ موچی کا پیشہ ورانہ خطاب بن گیا ہے۔ گجرات میں بھی موچیوں کی ایک تعداد موجود ہے۔

میراثی

عربی لفظ مراث سے ماخوذ۔ میراثی پنجاب کی باقاعدہ ذاتوں میں سے ایک ہے۔ البتہ وہ ’’ذات‘‘ کی کسی بھی تعریف پر پورے نہیں اترتے۔ ان کے معمول کے افعال کا بہترین بیان ۱۸۶۵ء کی ’’گجرات سیٹلمنٹ رپورٹ‘‘ میں ملتا ہے۔ ’’قبیلے کے خاندانوں کے سربراہوں کا شجرہ نسب یاد رکھنا اور پڑھ کر سنانا‘ جائیداد کی وراثت کے معاملے میں کوئی تنازعہ ہونے پر انھیں ہی طلب کیا جاتا ہے۔ انھیں اپنے مالکوں کے مہمانوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ زراعتی طبقات گھریلو ملازم نہیں رکھتے۔ میراثی کسی تعزیت یا مبارک کے لیے اپنے مالکوں کے ہمراہ جاتے‘ وہ دور ونزدیک سے رشتہ داروں کو بلاتے‘ بیٹی کو اس کے میکے یا پھر بہو کو اس کے باپ کے گھر لے کر جاتے ہیں۔ شادی کی دعوت کے لیے تمام انتظامات میراثی اور اس کی بیوی کے ذمہ ہوتے ہیں۔ شادی سے ۲۰ روز قبل ہلدی‘ نمک اور مرچ کا انتظام کرنا‘ تمام رشتہ داروں کو اطلاع کرنا (گنڈے لے جانا)‘ مہمانوں کا خیال رکھنا وغیرہ۔ مندرجہ بالا خدمات لازمی ہیں اور اگر میراثی ان سے انکار کرے تو گاؤں سے باہر نکال دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور میراثی لے لیتا ہے۔ (گجرات میں آج ایسی صورت حال نظر نہیں آتی: مرتب)

اپنی خدمات کے بدلے میں میراثی کو منگنی اور شادی کے درمیان تحفے ملتے ہیں۔ بارات کی روانگی کے وقت دلہا اپنے وسائل کے مطابق تمام جمع شدہ میراثیوں کو پیسے دیتا ہے۔ ڈینزل ابٹسن نے ڈوم اور میراثی کے بارے میں لکھتے ہوئے رائے دی تھی کہ ڈوم ہندوا اور انڈین جبکہ میراثی مسلمان اور عربی نام ہے۔ لوگ بحیثیت مجموعی انھیں ڈوم‘ میراثی کہتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ ڈوموں کو ہندوستان کے ارتھی جلانے والے اور جلاد ڈوم یا ڈومنا سے الگ کرنا چاہیے جو ہندوؤں کی نظر میں پلید ہے۔

میراثی یا ان میں سے کچھ طبقات عربی النسل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مدینہ کے کسی عکاس یا قصیٰ نامی مسلمان کو کوڑوں کی سزا دی اور جب آپؐ نے اپنے آخری وقت میں کہا کہ اگر کسی نے اپنا انتقام لینا ہے تو لے لے‘ تب عکاس یا قصیٰ نے آپؐ سے کہا کہ اپنی کمر سے ستر اٹھا دیں۔ قصیٰ نے آپؐ کی کمر مبارک کو بوسہ دیا۔ ایک اور بیان کے مطابق قصیٰ کا مقصد مہر نبوت دیکھنا تھا۔ اس کے علاوہ قصیٰ کو ایک شیخ قریش بھی بتایا جاتا ہے:

گجرات میں ایک دلچسپ روایت ملتی ہے۔ جب حضرت علیؓ بارات لے کر حضرت فاطمہؓ کو بیاہنے آئے تو مسلمانوں کی رسم کے آگے کر دیا اور دلہن کے ایک گھریلو غلام واحد نے پیالہ پکڑ کر دلہے کے ہونٹوں سے لگایا۔ دلہا نے وہ پی کر غلام کا شکریہ ادا کیا اور انعام کا مطالبہ ہونے پر پیالے میں دو اشرفیاں ڈال دیں۔ لیکن واحد کسی زیادہ پائیدار اور قیمتی تحفے کا متمنی تھا۔ حضرت علیؓ قانون وراثت کے ماہر تھے اور غلام واحد نے ان سے یہ علم سیکھ لیا۔ اس لیے اس کی اولادیں میراثی کہلانے لگیں۔

ایک کبت میں یہ روایت بیان کی گئی ہے:

ہویا حکم خدا ئیدا او ہی جو آیا پاس
ملیا کٹورا واحد کو جن کا باپ عباس
پڑھو کلمہ آکھو مومنو دین جو آیا راس
دُدھ پلایا شاہ کو جتھوں ملی میراث

یہ روایت بمشکل ہی قابل غور ہے لیکن یہاں اسے بیان کرنے کا مطلب صرف یہ بتانا ہے کہ لوک روایت میں کس حد تک آگے جایا سکتا ہے۔ کوئی فن یا مہارت رکھنے والے میراثی کلاونت کہلاتے ہیں۔ وہ گاتے اور طنبورہ بجاتے ہیں۔ انھیں راجپوتوں کے میراثی بتایا جاتا ہے۔ وہ بالخصوص دھرپت راگ گاتے ہیں۔ مشہور موسیقار تان سین کا تعلق بھی اسی گروپ سے تھا۔ کلاونت مذہباً مسلمان ہیں۔

اگرچہ زیادہ تر میراثیوں کا مذہب اسلام ہے لیکن وہ اکثر درگا بھوانی دیوی کو مانتے اور کوئی گیت شروع کرنے سے پہلے بول پڑھتے ہیں: ’’اے درگا بھوانی‘

Marfat.com

ہماری انگ سنگ ہماری مشکل آسان ہوئے''۔لدھیانہ میں کچھ میراثی اب بھی اس کی پوجا کرتے ہیں' لیکن تقریباً ۵۰ سال پہلے اس کا خاتمہ ہو چکا ہے۔تاہم امرتسر میراثی سخی سرور کے ساتھ ساتھ دیوی کے نام پر بھی بھینٹیں وصول کرتے ہیں۔گورداسپور میں پیر مرتضٰی میراثیوں کا خصوصی ولی ہے اور ایک پیر ہدایت علی شاہ کی زیارت گاہ (بٹالہ میں) خصوصی عقیدت کا مرکز ہے۔شاہ مساولی خود بھی میراثی تھا اور اس کا مقبرہ سیالکوٹ میں مرکز خلائق ہے۔میراثی بہت سے مسلمان اولیاء کو مانتے ہیں۔اکثر سخی سرور سے ہی مراد مانگی جاتی ہے۔یقین کیا جاتا ہے کہ وہ دکھ اور تکلیف سے نجات دلاتا ہے۔وہ پیرانِ پیر غوث اعظم جیلانی کو مانتے اور ''لاکھاں داداتا'' کا احترام کرتے ہیں۔میراثی اور ڈھول پیٹنے والے شیخ اسے ایک عظیم ولی قرار دیتے ہیں۔جب بھی کوئی میراثی اپنے ججمان کو دیکھے تو کہتا ہے: ''اللہ سچ' نبی برحق' دیدار اللہ دا' شفاعت حضرت دی''۔

پیدائش' شادیوں اور اموات کے موقع پر میراثی ''ویل'' وصول کرتے ہیں۔دیہات میں بیٹے کی پیدائش پر میراثی اپنے سارے گھرانے کے ہمراہ ججمان کے گھر جاتا اور دہلیز کے قریب ایک ''گولی'' بناتا ہے جس کا طریقہ یوں ہے۔ڈیڑھ مربع فٹ جگہ کو پانی اور گوبر سے دھویا جاتا ہے۔گیلی گیلی زمین پر اس طرح آٹا چھڑکا جاتا ہے کہ بیرونی کنارے نظر آتے رہیں۔اس کے بعد میراثی چھوٹا سا مٹی کا دیا اس شکل کی بیرونی لائنوں میں سے ایک پر رکھتا ہے۔اس کے بعد وہ گیلی مٹی کا اک گولا چراغ کے پاس رکھ دیتا ہے جس پر کسی اناج والی فصل کے چند تنکے لگے ہوتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ نومولود اپنے خاندان کا نام روشن کرے گا اور اپنے خاندان کا درخت ثابت ہوگا۔اس کے بعد میراثی گھر کی چھت پر چڑھ کر مغرب یا شمال کی جانب منہ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔(مغرب میں خانہ کعبہ اور شمال میں پیر دستگیر کا مزار ہے) تب برادری اسے ویلیں (نقدی' کپڑے اور اناج) دیتی ہے۔بچے کے والدین کے لیے بھی میراثی کو کچھ دینا ضروری ہے۔کبھی کبھی وہ ویل کے طور پر گائے یا بھینس بھی مانگ لیتا ہے۔کہاروں کی طرح میراثیوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کسی شخص کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کا گڈا بنا کر اس میں سوئیاں چبھوتے ہیں۔جنوب مغربی پنجاب کے میراثی کچھ مختلف ہیں۔ملتان میں ان کے اعلیٰ ترین گروپ دوران اور کنوترا ہیں۔یہ جوئیوں کے میراثی ہیں مگر سادات سے بھی ویلیں لیتے ہیں۔وہ حضرت محمدؐ کی نسل سے ہونے کے دعویدار ہیں۔ڈیرہ غازی خان کے میراثی کومراثی لکھنا چاہیے کیونکہ وہ مرثیے پڑھتے ہیں اور سب کے سب شیعہ ہیں۔وہ اور ان کی عورتیں اموات کے موقع پر ہر قسم کا کام کرتی ہیں۔قل خوانی پر انھیں کھانا کھلایا جاتا ہے مگر وہ شادی اور دیگر تہواروں پر بھی نقارہ' ڈھول اور شرنا بجانے کے عوض نقد رقم وصول کرتے ہیں۔گجرات کے میراثی بھی مشہور ہے اور فن موسیقی سے وابستہ ہیں۔

نارما' ناروا

دریائے جہلم کے کنارے گجرات میں راجپوتوں کی ایک شاخ نارو ہے۔ان کے میراثی اپنے شجرۂ نسب کو انھیں راجا کرن کے ساتھ جوڑتے ہیں جس نے اجین کی بنیاد رکھی اور پٹنہ تک کا علاقہ اپنے زیرنگیں کیا تھا۔قبیلے کا جدامجد نارو خان اکبر کا ہم عصر تھا۔اس دور کی بدنظمی میں نارو خان کی اولادیں سارے علاقے میں منتشر اور مختلف مقامات پر آباد ہوئیں۔نارو خان کی ساتویں پشت میں پہار خان گزرا ہے جو ایک ہیرو اور شاہراہوں پر ڈاکہ زنی کی وارداتیں کرنے والا شخص تھا۔وہ گجرات آیا اور دو دیہات فتح پور اور پوران بسائے۔روایت کے مطابق پوران خان کا یہ نام اس لیے پڑا کیونکہ پہار خان اس کے ساتھیوں کو پوران یعنی ''کھسوٹ کر لانے'' کا حکم دیا کرتا تھا۔گجرات کے ناروا اپنی ۹ ذیلی شاخیں بتاتے ہیں: سدریال' اوریال' سمبڑیال' ہودال'' جلالی' جویال' امرال' حسن ابدالی اور المیان۔یہ شاخیں آپس میں شادیاں کرتی ہیں' البتہ کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔وہ مغلوں سے بھی بیویاں لیتے ہیں لیکن انھیں اپنی بیٹیاں نہیں دیتے۔

ناروں میں جب بچے کی پیدائش ہو تو ماں کو سات روز تک اپنے کمرے میں ہی رہنا ہوتا ہے۔اس کے سرہانے کے پاس کوئی لوہے کی چیز رکھ دی جاتی ہے۔ساتویں روز اسے اور بچے کو باہر لایا جاتا ہے۔تب میراثی گھر کی چھت پر چڑھ کر بچے کے باپ کا شجرہ دہراتا ہے۔یہ امر قابل ذکر ہے کہ ناروا یا نارما ہوشیار پور کے نارو راجپوتوں کے ساتھ کسی بھی تعلق کا دعویٰ نہیں کرتے۔

نائی

لفظ ''نائی'' سنسکرت کے ناپک (ناخن صاف کرنے والا) سے مشتق ہے۔تاہم لوک ریت کے مطابق نائی کا مادہ ''نہنا'' کبھی انکار نہ کرنے والا کے ہیں کیونکہ ایک مرتبہ اکبر سامنے بیربل نے ایک نائی کو پیش کیا جسے شہنشاہ نے ایک پیغام دے کر کابل بھیجا۔نائی کوئی انعام طلب کیے بغیر فوراً روانہ ہو گیا۔یوں اسے ان ملا کہا جانے لگا۔یہ ایک نہایت منظم پیشہ دارانہ ذات تشکیل دیئے ہوئے ہیں اور اصولی طور پر نئے لوگوں کو اپنی برادری میں شمولیت کی اجازت نہیں دیتے۔نائی کے متعدد لقب ہیں۔ہندوؤں میں اسے ٹھاکر اور حتیٰ کہ راجا' نائن کو رانی کہتے ہیں۔خوشی کے مواقع پر دو اور القابات بھی استعمال ہوتے ہیں۔چنانچہ کپورتھلہ میں کسی خاندانی سربراہ کی موت پر

Marfat.com

بین کرنے والی خواتین نائی کو راجا اور نائن کو رانی کہتیں اور بڑے جوش کے ساتھ ماتم کرتی ہیں۔اسی طرح منگنیوں اور شادیوں پر بھی نائی اہمیت رکھتا اور برادری کے ساتھ بیٹھتا ہے۔چونکہ سکھ اپنے بال نہیں ترشواتے' اس لیے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ان کے نائی نہیں ہوں گے لیکن معاملہ ایسا نہیں۔ان کے ہاں بھی نائی موجود ہیں جنہیں نہیرنا (ناخن تراشنے والا) کہتے ہیں۔

شاہ پور میں مقامی نائیوں کو جاجک (سنسکرت کے یاچک یعنی گداگر سے ماخوذ) کہا جاتا ہے۔کوہاٹ میں وہ حجام کے علاوہ ڈوم اور ڈھولچی کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔مسلمانوں میں نائی ''حجام'' کہلاتا ہے جس کا لفظی مطلب قربانی دینے والا ہے۔اس کا ایک لقب خلیفہ بھی ہے۔مسلمان نائی کسب نامہ میں بیان کردہ روایات اور احکامات پر یقین رکھتے ہیں۔اس میں بتایا گیا ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو شیو کرنے کا حکم دیا تھا۔یوں آدمؑ نے شیو کرنا سیکھا اور پھر یہ فن حضرت سلیمانؑ پارس کو سکھایا جو حضرت علیؓ اور ان کی اولادوں تک منتقل ہوا۔نائیوں کے لیے سلیمان کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔مثلاً اگر کوئی نائی جنوب کی طرف منہ کر کے کسی کی شیو کرنے لگے تو وہ مخصوص بول پڑھے گا' لیکن اگر اس کا رخ شمال کی جانب ہے تو استرا پکڑنے کے وقت کچھ پڑھنا ضروری ہے۔اسی طرح قینچی یا نہیرنا استعمال کرنے' دانت نکالنے وغیرہ کے لیے بھی مخصوص بول ہیں۔

نکل سینی' یا رنگ کاریا

گجرات کی جنگ کے بعد جب سر والٹر گلبرٹ نے خالصہ فوج کا تعاقب شروع کیا تو انہوں نے راولپنڈی میں ہتھیار ڈال دیئے اور ایک روپیہ فی کس کے عوض اپنے گھروں کو واپس جانے پر رضامندی ظاہر کی۔ضلع کے سکھوں میں زبردستی عیسائی بنائے جانے کا خوف پایا جاتا تھا۔کچھ ماہ بعد تین افراد کو یورپی لباس میں راولپنڈی چھاؤنی کے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھا گیا۔سب سے زیادہ عمر والے نے خود کو مہنت اور دوسرے دو کو چیلہ بتایا۔مہنت نے دو تاروں والا ایک ساز دوتارا بجایا اور اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر گیت گائے جن میں بالعموم انگریزوں اور بالخصوص جان نکلسن کی مداح سرائی کی گئی تھی۔جان نکلسن راولپنڈی میں کئی فوجی کارروائیاں کرنے کے باعث کافی مشہور ہو چکا تھا۔چنانچہ خود کو نکل سینی فقیر بتانے والے یہ افراد سمجھ رہے تھے کہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر خود کو ایک نئے فرقے کے ساتھ منسلک پا کر خوش ہوگا اور انھیں دھرم شالا بنانے کے لیے کافی بڑی جاگیر عنایت کرے گا۔لیکن کچھ بھی نہ ملنے پر ان کا جوش و جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا اور دو یا تین سال بعد ان کے بارے میں کوئی بات سننے میں نہ آئی۔انھیں عیسائیت کے بارے میں ذرہ برابر بھی علم نہ تھا۔لیکن وہ قرآن اور گرنتھ کی طرح بائبل کو بھی سچا مانتے تھے۔گجرات میں بھی ان کا گزر رہا ہے۔

موٹن

یہ راجہ جگدیو کی اولاد ہیں' ان کا مورث موٹن نامی تھا جس کی اولاد میں سے کچھ لوگ ملک دکن سے ضلع سیالکوٹ میں آکر آباد ہوئے' پھر ان میں سے بعض لوگ گجرات چلے آئے۔یہ مختلف مواضع ڈوگہ' مچھیانہ' کھاریاں' ساہن وال وغیرہ میں رہتے ہیں۔

مہلو

مہلو' سورج بنسی راجپوت ہیں' انکا مورث مہلو تھا' اس کی اولاد میں سے کچھ لوگ پنجاب میں آکر آباد ہوئے۔ضلع گجرات کے مواضع چیچیاں' ڈھوک گوجراں' کوٹلہ شیخاں' فتا بھنڈ' سیکریالی اور موجیانوالہ وغیرہ میں آباد ہیں۔

مہوٹہ خاندان

یہ خاندان اپنا سلسلہ نسب جٹ' راجپوت' بھٹی راجپوت اور قوم اعوان سے ملاتا ہے جبکہ القاب میں چودھری' ملک اور خان استعمال کرتا ہے۔مہوٹہ کلاں نزد جلالپور جٹاں میں اس قوم کے نمائندے موجود ہیں اور اسی گاؤں سے مہوٹہ قوم کے افراد پنجاب' سندھ اور پاکستان کے دیگر حصوں میں منتقل ہوئے۔بوسن روڈ ملتان پر واقع موضع عنایت پور مہوٹہ میں اس قوم کے افراد کی تعداد نو ہزار کے لگ بھگ ہے اور یہ سرائیکی بولتے ہیں اور ملک کا لقب استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح ضلع بھکر کی تحصیل دریا خان میں ایک موضع ''رکھ مہوٹہ'' واقع ہے مگر اس وقت وہاں ''مہوٹہ'' قوم کا کوئی فرد آباد نہیں ہے۔البتہ دریا خان کے شہر میں مہوٹوں کے کم و بیش پچیس گھرانے آباد ہیں۔خانیوال کے علاقے میں ایک قوم موٹھا ہے مگر اس کا تعلق مہوٹہ سے ہے یا نہیں وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔سکھر لاڑکانہ روڈ پر ایک بستی ''ماہوٹہ'' ہے جس میں آباد لوگ ''ماہوٹہ'' کہلاتے ہیں اور سندھی بولتے ہیں۔بہترین امرودوں کی وجہ سے یہ گاؤں خاص شہرت رکھتا ہے۔اس کے ریلوے سٹیشن اور پولیس اسٹیشن کا نام بھی ماہوٹہ ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان میں قریشی موڑ کے پاس' کٹ' شاہانی اور پکہ ملانہ میں بھی مہوٹہ آباد ہیں۔ڈیرہ غازی خان میں کوٹ چھٹہ کے پاس بھی مہوٹے آباد ہیں۔ان دونوں شہروں کے مہوٹے' ملک کہلواتے اور سرائیکی بولتے ہیں۔ضلع سرگودھا' ہمو

Marfat.com

کہ ضلع خوشاب' کمالیہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ)' جھنگ' صادق آباد' وہاڑی' کبیر والا' سمندری (فیصل آباد) میں بھی مہوٹے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ملک اور کچھ خان کہلواتے ہیں جبکہ چند ایک چودھری کے لقب سے ملقب ہیں۔ ملکوال منڈی بہاؤالدین' فتح پور اور تحصیل لعل حسین کروڑ میں آباد مہوٹوں کا تعلق مہوٹہ کلاں (جلالپور جٹاں) گجرات سے ہے۔

کلفٹن کراچی کے علاقے میں موہٹہ پیلس واقع ہے جو ایک ہندو شورتن موہٹہ سے منسوب ہے جس کا تعلق بیکانیر راجستھان سے بیان کیا جاتا ہے۔ مہوٹوں کی اکثریت جٹ ہونے کی داعی ہے جبکہ کچھ افراد بلوچ ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ کچھ بھٹی راجپوت کہلواتے ہیں اور کچھ ہوت بلوچ جبکہ ایک روایت کے مطابق مہوٹہ درحقیقت مرہٹہ کی تبدیل شدہ شکل ہے۔ قدیم شجروں کے حوالے سے اس قبیلے کا تعلق سندھ کی معروف ذات ابڑو سے بیان کیا جاتا ہے۔

میکن

میکن ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے' جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ماخذ پنوار ہے' جبکہ نسل دھودھی کے مورث اعلیٰ ہی سے چلی۔ علاقہ گوندل کے مغرب میں پھیلی ہوئی شاہ پور بار میں رہتے ہیں۔ جہلم و گجرات میں بھی ان کی قلیل تعداد پائی جاتی ہے۔ گلہ بان اور کسی حد تک شورش پسند قبیلہ کے طور پر مشہور ہیں۔

نگیال

نگیال خاندان کے قدیم محکمہ مال کے ریکارڈ میں ان کو ''جٹ'' اور بعض میں ''راجپوت'' درج کیا گیا ہے۔ ضلع جہلم اور گجرات میں نگیال ''جاٹ'' کہلاتے ہیں اور راولپنڈی میں یہ راجپوت مشہور ہیں۔ ان کا جد امجد بھوتو تھا جو جموں کے علاقے سے پوٹھوہار میں آیا اور اس نے کوٹ دھمیک (سوہاوہ ضلع جہلم) میں دھمیال خاندان میں شادی کر لی۔ کہتے ہیں کہ اس خاتون نے ایک بچے کو جنم دیا۔ چند روز بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ماں نے دیکھا ایک ناگ بچے کے پنگھوڑے میں بیٹھا ہوا ہے' جب وہ پنگھوڑے کے پاس پہنچی تو ناگ چھت سے لٹکتی ہوئی رسی سے لپٹ کر چھت میں جا کر غائب ہو گیا۔ جب بھوتو واپس آیا تو یہ حیرت انگیز خبر سن کر اس نے اپنے بیٹے کا نام ''ناگا'' رکھ دیا اور اسی ناگا کی اولاد ''نگیال'' کہلائی جو آج بھی گجرات میں کافی تعداد میں آباد ہے۔

نون

یہ راجہ گنج کی اولاد سے ہیں۔ نون' راجپوت' گوجر' جاٹ تینوں قوموں میں مشترک ہیں اور سوم بنسی ہیں۔ ان کا مورث نون نامی تھا۔ موضع نون اس قوم کے نام پر نہر جہلم کے کنارہ پر ہے اور یہ کئی مواضع میں متفرق طور آباد ہیں مثلاً سا ہن خرد' ڈوگہ' سمن پنڈی وغیرہ۔

نیّر خاندان

سرزمین کنجاہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں تقسیم سے پہلے چند ایسی شخصیتیں اُبھریں جنہوں نے تاریخ برصغیر میں اپنا نام اور مقام پیدا کیا۔ ان ہی میں سے ایک پیارے لال ہیں جو عہد طالب علمی میں گاندھی جی کی دعوت پر تعلیم کو ترک کر کے ان کے ساتھ ایسے منسلک ہوئے کہ زندگی بھر ان کے غیر سیاسی امور کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے۔ ان کی بہن ڈاکٹر سوشیلا نیر نے بھی ایم بی بی ایس کرنے کے بعد پیشہ وارانہ زندگی پر سیاسی زندگی کو ترجیح دی۔ چونکہ دونوں بہن بھائی اس خاندان سے تھے جو انگریزوں کا پروردہ تھا لہٰذا ان کی جاگیریں خطرے میں پڑ رہی تھیں' اس لیے وہ کنجاہ سے اور اپنے عزیز و اقارب سے ایسے دور گئے کہ پھر ایک دوسرے کے قریب نہ آ سکے۔ تقسیم کے بعد البتہ جب یہ خاندان کنجاہ سے نکل گیا تو انہوں نے ان کو آباد کرانے میں خاصی مدد دی۔ اسی خاندان کے ایک اور فرد پرتھی راج نیر تھے جو چرخہ سبھا کے سیکرٹری تھے۔

وڑائچ

گجرات کے جٹ قبائل میں سے ایک وڑائچ بھی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اکبر بادشاہ کے زمانے میں ضلع گجرات کے دو تہائی حصہ پر آباد تھے۔ ضلع گجرات بشمول منڈی بہاؤالدین کے کثیر دیہات میں آباد ہیں۔ دریائے چناب کے پار گوجرانوالہ میں بھی رہتے ہیں یہاں تک کہ لدھیانہ و مالیر کوٹلہ تک کی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثریت راجپوت ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی لیکن اپنے مورث اعلیٰ کا نام ڈھڈی بتاتے ہیں جو ایک جٹ تھا اور محمود غزنوی کے ہمراہ یہاں آیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ایک سورج بنسی راجپوت تھا جو غزنی سے گجرات آیا تھا۔ تیسری روایت کے مطابق اس خاندان کا جد امجد راجہ کرن تھا۔ وہ قصور سے نقل مکانی کر کے آیا تو جلال الدین فیروز شاہ نے

Marfat.com

حصار میں جاگیر دی تھی۔ وہاں سے یہ قبیلہ گوجرانوالہ میں آ گیا۔

کرنل واٹر فیلڈ کی رپورٹ کے مطابق ضلع گجرات میں وڑائچ جٹ قبیلہ کے پاس اوّل قسم کی اراضی (خصوصاً دریائے چناب کے ساتھ ساتھ) ہے۔ گوجر زیادہ تر تحصیل کھاریاں اور گجرات کے شمالی حصہ میں آباد ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل اگرچہ غیر مسلم تقریباً آبادی کا ۱۲ فیصدی تھے جو ترک وطن کر گئے ہیں۔ وڑائچ' جاٹ' ضلع گوجرانوالہ کے گزٹیئر کے مطابق یہ موٹا ناصی کی اولاد ہیں جو غزنی سے آیا اور گجرات میں آباد ہوا۔ ''چیفس آف دی پنجاب'' مرتبہ مسٹر گرفن کے مطابق سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ایک شخص پہلی بار ہندوستان کی مہم پر آیا اور علاقہ کلا چور جلالپور جٹاں کے نزدیک آباد ہوا۔ ۳۵۰ سال کے بعد خاندان میں ایک شخص وڑائچ نامی پیدا ہوا' جن کی اولاد اب یہ سارے جٹ وڑائچ ہیں۔ البتہ کیپٹن واٹر فیلڈ کے مطابق اس قبیلے کا جدامجد وڑائچ ''ترکا'' ضلع حصار کا رہنے والا تھا۔ جلال الدین فیروز شاہ' بادشاہ وقت کی عنایت خاص اس پر ہوئی۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ شاجرۂ ودھرا' ہنجر اضلع گوجرانوالہ میں آباد ہوئے۔ کیپٹن واٹر فیلڈ کے مطابق اس قبیلے کے ڈانڈے راجہ کرن سورج بھان سے ملتے ہیں۔ ۵۰۰ سال پیشتر وڑائچ یعنی قبیلے کا سردار کسرا سے دہلی آیا اور جلال الدین' فیروز شاہ' فرمانروائے دہلی کا قرب حاصل کر کے تار کا یا ترکہ ضلع حصار میں رہائش پذیر ہوا۔

گوجرانوالہ میں بھی وڑائچوں نے اپنے گاؤں کا نام تار کا یا ترکہ ہی رکھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ خاندان ۸۰ مواضعات میں پھیل گیا۔ وڑائچ دریائے چناب کو عبور کر کے دریا کے اس جانب گجرات کے مواضعات میں بھی رہنے لگے۔ سلطان محمد تغلق کے وقت ودھرا کی نسل میں سے ایک شخص جیتو نے بہت شہرت پائی۔ تیمور اور جسپال کے درمیان موضع کنجاہ کے مقام پر جنگ ہو رہی تھی۔ فتح کے بعد جیتو کو تیمور نے انعام و اکرام سے نوازا۔ اسے دریائے چناب کے کنارے اراضی بطور جاگیر بخشی گئی۔ ہریہ اور گھدیہ اس کے دو صاحبزادے بڑے نامی آدمی ہوئے ہیں۔ ان کی نسل سے جیتو اور ابو قبیلے ہوئے ہیں۔ اس وقت بیشتر وڑائچ مسلمان ہو گئے لیکن تحصیل گجرات میں چند ہندو خاندان اسی نسل سے تھے جو تقسیم کے وقت ترک وطن کر گئے۔

ہکلہ

خاندانی روایات کے مطابق یہ راجہ جگد یو کی اولاد سے سورج بنسی ہیں' ان کا مورث ہک یا ہکل تھا' اس قوم کا راجہ برن اپنے بھائیوں سے لڑ کر ملک گجرات سے متھرا میں اقامت گزین ہوا اور پھر متھرا سے بعد سلاطین چغتائی ضلع گجرات آیا۔ چنانچہ اس قوم کے نام پر ایک موضع بھی ہکلہ ہے۔ اس خاندان کے لوگ مختلف مواضع دیونہ' مٹوانوالہ' باولی' ہکلہ' ہنجر ائے' دھدڑ' لاوی' کراڑیوالہ' برنالی' موجیانوالی وغیرہ میں رہتے ہیں۔ مسٹر ایسٹ ڈپٹی کمشنر نے ''گجرات کی تاریخ'' میں ہکلہ قوم کو سکندر اعظم کی اولاد قرار دیا ہے۔ مسٹر ایسٹ کے بقول سکندر اعظم جب پنجاب میں آیا تو اس نے یہاں کی ایک راج کماری سے شادی کی' اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی اولاد سے راجہ کنگ خراسان کا فرمانروا تھا۔ اس نے ہندوستان کے راجاؤں کے ساتھ بھی اتحاد پیدا کیا۔ راجہ کنگ کی اولاد میں سے ایک راجہ جگد یو نامی کی شادی متھرا کے ایک راجہ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ متھرا کا راجہ لاولد تھا اس لیے جگد یو متھرا کا راجہ ہو گیا' جہاں اس کی اولاد چودہ پشتوں تک حکمران رہی۔ ان راجاؤں کے سلسلہ میں ایک راجہ گودام ہوا ہے جس کی نسل ہکلہ کے چوہدری راجہ ہیں۔ گودام کا بیٹا راجہ بھوان اور اس کا بیٹا سنگلانہ متھرا اور نگر کوٹ پر متصرف رہا۔ اولاد میں سے راجہ برن تھا جس نے موضع برنالی کی بنیاد رکھی۔ یہ موضع اب تک موجود ہے جو ہکلہ قوم کا صدر مقام ہے۔

کتابیات

۱۔ آریہ سماج کی تاریخ' لاجپت رائے' پرنٹ لائن پبلشرز' لاہور' جنوری ۲۰۰۰ء

۲۔ آئینہ گجرات' (جلد اول) شیخ کرامت اللہ' زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن' گجرات' ۱۹۷۷ء

۳۔ اینشینٹ انڈیا: ہسٹری اینڈ کلچر' بی جی گھوکھلے

۴۔ اینشینٹ انڈیا' آر سی مجمدار'

۵۔ ایڈوانسڈ ہسٹری آف انڈیا' شری نواس آینگر'

۶۔ کتاب الہند' محمد ریحان البیرونی' بک ٹاک' میاں چیمبرز' لاہور

۷۔ اقبال اور بیومنزم' شفیقہ رسول رفیقی' الرفیق پبلشنگ ہاؤس' سری نگر' ۱۹۹۹ء

۸۔ اقوام پاکستان کا انسائیکلوپیڈیا' انجم سلطان شہباز' بک کارنر شوروم' جہلم' اگست ۲۰۰۹ء

۹۔ پنجاب کی ذاتیں' سر ڈینزل ابسٹن' ترجمہ یاسر جواد' فکشن ہاؤس' لاہور' چھٹا ایڈیشن' ۲۰۰۶ء

۱۰۔ چودھری بوٹا خاں ذیلدار شادیوال و چودھری محمد خاں ذیلدار ٹھٹھہ موسیٰ کے احوال و آثار' احمد حسین قریشی قلعداری' باہتمام چودھری ظفر اللہ وڑائچ ایڈووکیٹ' گجرات' ۲۰۰۰ء

۱۱۔ خاندان چب راجپوت' راجہ محمد افتخار علی خان آف برھنگ' مکتبہ نوید' برھنگ'

Marfat.com

آزاد کشمیر' جولائی ۱۹۷۹ء

۱۲۔ ذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا' ای ڈی میکلیگن / ایچ اے روز' مترجم یاسر جواد' بک ہوم' لاہور'

۱۳۔ شاہان گجر' مولوی محمد عبدالمالک کھوڑوی' گوجر اکیڈمی' لاہور' ۱۹۸۶ء (دوسرا ایڈیشن)

۱۴۔ ضلع گجرات: تاریخ' ثقافت' ادب' ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری' پاکستان پنجابی ادبی بورڈ' لاہور' جنوری ۱۹۹۵ء

۱۵۔ گجرات کی بات' مرتبہ اسحاق آشفتہ / لیاقت علی شفقت' ۵۵/۴ نظام پورہ' لالہ موسیٰ' ۱۹۹۱ء

۱۶۔ ہندو فلسفہ مذہب اور نظام معاشرت' ڈاکٹر سید حامد حسن' فکشن ہاؤس' لاہور' ۲۰۰۲ء

۱۷۔ ہمارا قدیم سماج' سید یحییٰ حسن نقوی' ترقی اردو بیورو' نئی دہلی' ۱۹۷۲ء

۱۸۔ ہسٹری آف انڈیا' ایلیٹ اینڈ ڈوسن (جلد اول)'

۱۹۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے' مرتب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے' معارف پریس' اعظم گڑھ' ۱۹۸۰ء

20- Gujrat District Administration Report: 1962, Government of the Punjab, Lahore

21- District Census Report of Mandi Bahauddin:1998, Population Census Organization, Statistics Division, Government of Pakistan, Islamabad, September, 2000

22- District Census Report of Gujrat:1998, Population Census Organization, Statistics Division, Government of Pakistan, Islamabad, September, 2000

Marfat.com

گیارھواں باب

فنون اور کھیل

Marfat.com

فنون اور کھیل

تعارف

ہر زمانے اور ہر ملک میں کھیل کود، ناچ رنگ، میلوں ٹھیلوں اور دوسری تفریحات سے لوگوں نے ہمیشہ دلچسپی لی ہے۔ تفریحات میں دراصل زندگی کا ایک اہم پہلو مضمر ہے۔ تفریحات نہ ہوں تو زندگی بے کیف و بے لطف ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً قدیم یونان میں بڑے بڑے مفکر، عالم، فلسفی، شاعر اور ادیب پیدا ہوئے لیکن یونانیوں نے اپنی علمی سرگرمیوں کے ساتھ کھیل تماشوں اور تفریحات کو بھی باقی رکھا۔ ''اولمپیا'' کے عظیم الشان میلے سے، جو ہر چوتھے سال منعقد ہوتا تھا اور جس میں یونان کے گوشے گوشے سے لوگ کھیل، بھاگ دوڑ اور جسمانی طاقت کے مظاہروں میں شرکت کے لیے آتے تھے، کون واقف نہیں؟ اسی طرح روم ''ایمفی تھیٹر'' کا نام کس نے نہیں سنا؟ اس تھیٹر میں روم کے عظیم الشان ناٹک اور کھیل کود وغیرہ کے مظاہرے ہوتے تھے غرض قدیم رومیوں اور یونانیوں نے اپنی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے ساتھ زندگی کے تفریحی پہلوؤں کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

اہل ہند کی رنگین مزاجی

بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندوستان جس نے فلسفے اور علوم کے میدان میں یونان اور روم سے پہلے ترقی کی منزلیں طے کیں، زندگی کی رنگینیوں سے بالکل بے گانہ تھا، مگر ایسا نہیں ہے۔ ہندوستان کے لوگ اپنی علمی، ادبی اور فنی سرگرمیوں اور روحانیت اور رہبانیت کے باوجود دنیا کی مسرتوں، دل چسپیوں اور تفریحات سے نا آشنا نہ تھے۔ پروفیسر مجمدار کہتے ہیں کہ ''یہ فرض کرنا غلط ہوگا کہ قدیم ہندوستان میں عام لوگ دنیاوی مسرتوں اور لذتوں سے بالکل بے زار و متنفر تھے۔ زندگی میں توازن قائم رکھنے کی ضرورت کو اہل ہند نے ہمیشہ محسوس کیا۔

چنانچہ ہند قدیم کے ادب اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں تفریحات کے موقعے پر اکثر و بیشتر آتے رہتے تھے اور ان میں لوگ بڑی دل چسپی اور لگن کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔ ایسے موقعوں پر عام طور سے کٹھ پتلی کے تماشوں، کشتی کے مقابلوں، شعبدے بازی اور جادوگری کے مظاہروں اور دوسرے تفریحی ہنگاموں سے لوگوں کا دل بہلانے کا سامان فراہم کیا جاتا تھا۔

موسیقی، رقص اور ناٹک

رام گڑھ کی پہاڑی کے ایک غار میں جو تیسری صدی ق م کا ہے تحریر ہے ''یہ آرام گاہ لڑکیوں کے لیے ست نکا نامی ایک دیوداسی نے بنائی''۔ یہ لڑکیاں جن کا ذکر اس میں کیا گیا ہے ناٹک کرنے والی لڑکیاں تھیں۔ اس غار میں مصوری کے نمونے بھی ہیں جن میں سے اکثر مسخ ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کی باقیات الصالحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں ہاتھی کے جلوسوں کی، برہنہ مردوں اور عورتوں کی، پرندوں، جانوروں اور رتھوں کی تصویریں ہیں جنھیں گھوڑے کھینچتے ہیں۔

اشوک کے زمانے کے کتبے اور روات سیائن کی کام سوتر پتہ دیتی ہے کہ لوگ بڑے زندہ دل تھے اور زندگی کی مسرتوں اور رنگینیوں سے بے گانہ نہ تھے۔ مذہبی رقص، موسیقی اور مسکرات کے استعمال نے ان میں ایسی جذباتیت پیدا کر دی تھی جس نے سماج میں رنگینیاں بھر دیں اور زندگی کو زندگی بنا دیا۔

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہے کہ قدیم ہندوستان میں موسیقی، ناٹک اور رقص لوگوں کے تفریح و تفنن کا خاص ذریعہ تھے۔ اہل ہند نے بہت بعید ماضی میں ان تفریحی مشاغل کو اتنی ترقی دی کہ انھوں نے باقاعدہ فن کی صورت اختیار کر لی۔ ماہرین فن نے ان پر گراں قدر کتابیں لکھیں جو دنیا کے فنی ادب میں کلاسیکی درجہ رکھتی ہیں۔ نارد، بھرت، کالی داس اور یون موسیقی میں، اور شلالی اور کرشاشو رقص میں عظیم استاد مانے جاتے ہیں۔ رقص نے آگے چل کر ناٹک کلا کو جنم دیا۔ بھرت کی نائیہ شاستر جو تیسری صدی عیسوی کی تصنیف ہے ناٹک کلا پر ''قاموس'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں قدیم اسٹیج کی ایک ٹکنیک اور اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ناٹک پر دوسری کتاب رام چندر اور گن چندر نامی دو استادوں نے نائیہ دوپن لکھی جس کا موضوع کلاکاری یا ایکٹنگ ہے۔ اس میں جذبات، خیالات اور احساسات انسانی کو مختلف اعضائے بدن کی مختلف حرکات و سکنات کے ذریعہ اظہار کے طریقوں کی تشریح کی گئی ہے۔

اس کے بعد گوالیار کے قریب باغ نامی گاؤں کے غاروں میں پائے گئے ساتویں صدی عیسوی کے مصوری کے نمونوں میں (جن کا وجود انیسویں صدی عیسوی تک باقی رہا) ہاتھیوں کے جلوسوں شہسواروں اور روزمرہ زندگی کے واقعات کی

Marfat.com

تصویریں بہت دل چسپ واہم ہیں۔ان تصویروں میں ناچ رنگ کے مرقعے ہیں' رقص کرتی ہوئی عورتوں کی تصویریں ہیں جو لہراتی ہوئی ساری کے نیچے دھاری دار پاجامے اور لمبی یا منڈی آستینوں کی چولیوں میں ملبوس ہیں۔دوسری عورتیں پورا لباس پہنے ہیں یا نیم عریاں حالت میں لکڑی کی چھڑی (ڈانڈ) لیے مردنگ اور تال (مجیرا) بجاتی ہوئی دکھائی گئی ہیں۔ یہ سب چیزیں ہمارے اس زمانے کے کھیل تماشوں سے کافی مشابہت رکھتی ہیں۔ایک دوسری تصویر میں جو''ایک ایسے رقص کا مرقع پیش کرتی ہے جس میں مرد بھی حصہ لیتے ہیں' رقص کے ترنم اور تال کو خطوط اور اشکال میں گندھے ہوئے ایک خوبصورت ہار کی صورت میں پیش کیا گیا۔''

آیئے اب ضلع گجرات بشمول منڈی بہاؤالدین کا فنون لطیفہ وکھیل کود میں کردار کا مختصر احوال بیان کرتے ہیں۔

گجرات میں سنگیت اور رُوپ وبہار (شوبز)

تحریر: ڈاکٹر اظہر محمود چودھری

موسیقی، تھیٹر اور ڈرامہ وغیرہ فنون لطیفہ کی اعلیٰ ترین اصناف شمار ہوتی ہیں جو کہ خوش جمال' سلیم الطبع' خوش ذوق' ذہین' فطین اور محنتی افراد کے اشغال ہیں۔ان میں زندگی کا عکس جھلکتا ہے اور انھی سے انسان کے اندرونی تشنہ جذبوں کی تسکین ہوتی ہے۔خطہ گجرات عہد قدیم سے تہذیب' ثقافت اور اعلیٰ اقدار کا گہوارہ رہا ہے جہاں رنگا رنگ علوم وفنون کو عروج حاصل ہوا۔ یہاں کے باسیوں کو قدرت خداوندی نے حسن وجمال' ذہانت وفطانت' ذوق وشوق اور کام سے لگن جیسی خوبیوں سے بے پناہ نوازا جس کی وجہ سے ان کے لیے مختلف فنون میں مہارت اور کامیابی کی راہیں آسان ہوئیں۔ ہر زمانے میں اس دھرتی سے ایسے سریلے گلوکار اور باکمال لے کار اُبھرے کہ جہانِ فن نے ان کی عظمت کو تسلیم کیا۔ان صفحات میں انھی عظیم فن کاروں کا تذکرہ مقصود ہے جن کے فیضان سے آج بھی گجرات کے رہنے والوں میں سر سنگیت کے ساتھ پیار کے جذبات موجزن ہیں۔

گجرات کے قدیم فن کار بیک وقت کئی فنون کے ماہر ہوتے تھے۔وہ گلوکاری کے علاوہ اداکاری اور سوانگ میں بھی اچھی خاصی شدبد رکھتے تھے۔اس صنف کو سانگ' ناٹک' نقل' رہس یا تماشہ کہا جاتا تھا۔یہ فن کار بڑے ڈرامائی روپ میں سامنے آتے تھے۔سازوں کی سنگت میں گانا بھی ہوتا' مکالمے بھی چلتے اور مزاحیہ خاکے بھی پیش کیے جاتے۔مختلف مذہبی تہواروں اور شادی میلوں میں رات کے وقت یہ لوگ مقبول عام منظوم لوک داستانیں اور گائیکی کی دیگر اصناف ٹپے ڈھولے وغیرہ رسیلے انگ میں گا کر عوام کو محظوظ کرتے اور بے پناہ داد حاصل کرتے۔وہ حاضر جوابی اور جگت بازی میں بھی اپنی مثال آپ تھے اور بے ساختگی کے ساتھ ایسے کاٹ دار جملے ادا کرتے کہ تماشائی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتے۔گجرات کے نامور نقلیوں میں گلاب علی' مہتاب لی' علی بخش عرف علیا جوڑی والا' سائیں گوڈڑی (جیو نجبل) محمد طفیل (سلیپے والا)' سلطان امین آبادی' سائیں عنایت' لالہ میراں بخش' طفیل (کالرہ والے) اور بابا پھلا (باوریاں والا) کے نام شامل ہیں۔

گجرات میں موسیقی کے چار قدیم گھرانے قابل ذکر ہیں۔ان میں ایک کنگ چنن کا گھرانہ ہے جس میں استاد علی بخش خاں جیسے سریلے گائیک اور سارنگی نواز ہوگزرے ہیں۔ان کے بھائی گلاب علی اور بھتیجے مہتاب علی بھی نامور سارنگی نواز اور سانگی تھے جبکہ شاگردوں میں پوابرکت (کالرہ پنواں) سائیں خیر بخش (باوریانوالہ) اور میاں کرم الٰہی (گجرات) بہت نامور ہوئے۔میاں کرم الٰہی کے شاگرد فضل حسین خاں ریڈیو آزاد کشمیر سے وابستہ رہے۔کنگ خاندان کے نامور لوک فنکار ارشد علی خاں گجراتی جو کنگ چنن والے سلطان علی خاں کے بیٹے تھے' کا تعلق بھی اسی گھرانے سے تھا۔مہدی حسن کے شاگرد آصف جاوید خود بھی گجرات کے رہنے والے ہیں اور کنگ گھرانے کے نواسے ہیں۔ برصغیر کے نامور لوک فنکار شوکت علی ملک وال (سابق ضلع گجرات) کے رہنے والے ہیں۔ان کا بچپن بھی گجرات میں ہی گزرا اور ابتدائی تعلیم بھی ادھر ہی مکمل ہوئی۔ان کے ننھیال بھی کنگ چنن کے اسی گھرانے میں ہیں۔مہتاب علی کے دو بیٹے اُمید علی اور مرید علی کلاسیکل اور نیم کلاسیکل موسیقی میں نامور ہوئے اور ایک عرصہ تک اپنے فن سے سنگیت پریمیوں کے دلوں کو مسحور کرتے رہے۔اسی خاندان کے ایک اور چشم و چراغ اُستاد شوکت منظور ہیں جو راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ ٹیلی ویژن سے منسلک ہیں اور ہر قسم کی گائیکی لے کاری اور سُر بندی میں اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔

دوسرا گھرانہ ٹانڈے واسیا کہلاتا ہے۔ان کا مسکن ٹانڈہ تھا۔ان میں استاد علی بخش ٹانڈے واسیا نامور طبلہ نواز ہوئے' پری پیکر کہلائے اور اپنے فن کی بدولت مہاراجہ جموں سے زمینیں بھی انعام میں پائیں۔اللہ رکھا ٹانڈے واسیا کا نام بھی نہایت منجھے ہوئے طبلہ نواز کے طور پر گونجا۔وہ بابا ملنگ خاں کے شاگرد تھے۔استاد بوٹے خاں ٹانڈے واسیا سارنگی نواز تھے اور مایہ ناز گلوکارہ تصور خانم کے استاد تھے۔استاد شیر علی خاں کا ناطہ بھی اسی گھرانے سے ہے جو کہ گجرات کی محافل موسیقی کے روح رواں چودھری شاہد اسلم آف چیلیانوالہ کے استاد ہونے کے سزاوار ہیں۔

برصغیر پاک وہند کی موسیقی میں طبلہ کا پنجاب گھرانہ بہت ممتاز مقام کا

Marfat.com

حامل ہے جس میں استاد نبی بخش خاں آف کالرہ (پنواں) کا نام بہت اہم ہے۔ وہ طبلہ کے فن میں بہت سی نئی اختراعات کے مُوجد ہیں۔ ان کے شاگردوں میں پاکستان کے معروف طبلہ نواز میاں کریم بخش پیرنا' شفیع پسروریا' فقیر بخش ڈبل اور استاد اللہ دتہ بہاری پوریا کے نام آتے ہیں۔ استاد نبی بخش کے بیٹے ارشاد علی بھی بہت معروف ہوئے۔

موسیقی کا چوتھا گھرانہ جوڑی سہارن (اب ضلع منڈی بہاؤالدین) کا ہے۔ اس خاندان کے علی بخش عرف علیا نے مشہور لوک فنکار اور سانگی کے طور پر عوامی حلقوں میں اپنے آپ کو منوایا۔ استاد بہار علی خاں جوڑی والے بہت بڑے گائیک تھے اور وہ پٹیالہ گھرانہ کے نامور استاد امید علی خاں صاحب کے شاگرد تھے۔ انہی میں سے استاد غلام علی جوڑی والے مشہور گلوکارہ اقبال بانو کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

آبائی طور پر ملک پور چاڑھا کے رہنے والے اسلام پورہ نزد لالہ موسیٰ میں مقیم استاد طالب حسین نے بھی سارنگی کے فن میں کمال حاصل کیا اور استاد سلامت علی خاں اور استاد چھوٹے غلام علی خاں کے ساتھ سنگت کرتے رہے۔

گجرات ہیڈ مرالہ روڈ پر واقع گاؤں لکھن وال بھی ایک زمانہ تک بہت بڑا ثقافتی مرکز رہا جہاں گجرات کے قرب وجوار سے متمول اور خوش ذوق زمینداروں کے گھوڑے اور تانگے ہمہ وقت رواں دواں رہتے۔ وہ یہاں گانا سننے کے لیے حاضری دیتے اور بعض تو یہیں کے ہو رہتے۔ ایک زمانے میں اللہ وسائی نامی گلوکارہ نے بڑا نام پیدا کیا۔ وہ کنگ چین گھرانے کی شاگرد تھی۔ دور حاضر کی خوش گلو اور سحر کار فنکارہ تصور خانم کا تعلق بھی اسی تاریخی گاؤں سے ہے۔ ان کی خالہ طاہرہ کا بھی ایک زمانے میں بطور گلوکارہ بڑا چرچا رہا۔

گزشتہ صدی کی تیسری دہائی میں گجرات شہر میں خورشید عرف کالو اور فیروزاں پیرنی نامور مغنیائیں تھیں اور ان کے بڑے چرچے تھے۔ فیروزاں نے اپنے آپ کو صوفیانہ کلام گانے تک محدود رکھا۔ وہ رستم ہند مہندا پہلوان کی زیر نگرانی آباد ایک موسیقی کی بیٹھک پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھی تاہم اس کی بیٹی عیدن بائی نے برصغیر پاک وہند میں کمال شہرت پائی اور عیدن بائی گجرات والی کہلائی۔ لالہ موسیٰ کی مغنیہ شاہین اختر کی سریلی آواز بھی 80 کی دہائی میں کیسٹوں کے ذریعے شائقین موسیقی میں گونجی۔ وہ بلبلِ لالہ موسیٰ کے نام سے مشہور ہوئی۔

حیرت کی بات ہے کہ گجرات میں فن موسیقی سے وابستہ پیشہ ور گھرانوں کی موجودگی میں دیگر عطائی خاندانوں کے سپوت اپنی لگن' محنت اور خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر زیادہ نام کما گئے اور موسیقی کی ترویج وترقی میں بھی ان کا بہت بڑا کردار ہے۔ ان کا تذکرہ بھی بڑا روح پرور اور دل پذیر ہے۔

موضع عالم گڑھ کے سپوت دیس راج سوبتی زمیندار تھے۔ بڑی مسحور کن آواز کے مالک' ہارمونیم اور طبلے پر دسترس حاصل تھی اور سرتال' راگ راگنیوں غرضیکہ کلاسیکل گائیکی پر انھیں عبور حاصل تھا۔ پنجاب بھر میں ان کی آواز اور گائیکی کی دھوم تھی۔ تقسیم ہند کے بعد انبالہ (بھارت) جا آباد ہوئے اور مبینہ طور پر فلم ''مورنی'' اور ''پنچھی'' کی موسیقی بھی ترتیب دی۔ بدھ سنگ تان کھاریاں کے نزدیکی گاؤں سنت پورہ کے رہنے والے تھے۔ بہت خوش آواز تھے' ہیر سوہنی مہینوال' مرزا صاحباں اک تارے کے ساتھ گاتے تھے۔

دیس راج سوبتی کے شاگرد سیّد حسین شاہ آف رانیوال سیّداں نہایت سریلے' رسیلے اور خوش گلو تھے۔ مرکی پھندا عمدگی سے نبھاتے تھے۔ گھڑے کی سنگت انھیں بہت مرغوب تھی۔ سیف الملوک' ہیر' سوہنی مہینوال اور لوک گیت بڑے ساحرانہ انداز میں گایا کرتے تھے۔ ان کے بیٹوں میں سے سیّد علمدار حسین شاہ اور پروفیسر رشید شاہ بہت خوش الحان ہیں۔ ویسے نو آموز گانے والوں کی اچھی خاصی کھیپ اس خانوادے میں موجود ہے۔ جلالپور جٹاں کے عبدالغنی شوقیہ گائیک تھے۔ جب تان اٹھاتے تو وقت تھم جاتا۔ لوگ آج بھی انھیں یاد کرتے ہیں۔

عظیم پنجابی لوک فنکار عالم لوہار نے بھی گجرات کی جوہر ساز مٹی سے جنم لیا۔ پنجاب کی لوک موسیقی کا یہ بے تاج بادشاہ 1928ء میں تحصیل کھاریاں کے گاؤں آچھ گوچھ میں پیدا ہوا۔ پہلے اس نے مقامی میلوں اور محفلوں میں گانا شروع کیا۔ سید حسین شاہ رانیوال سیداں سے بہت متاثر تھا بلکہ ایک معتبر روایت کے مطابق ان سے اکتساب فیض کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں پنجاب بھر میں اس کے مخصوص انداز گلوکاری کی دھوم مچ گئی۔ چمٹا اور جوڑی اس کا آرکسٹرا تھا۔ سیف الملوک' قصہ پورن بھگت اور مرزا صاحباں گانے میں کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔ پنجاب بھر کے مشہور میلوں میں عالم لوہار کا تھیٹر سب سے نمایاں ہوتا۔ جب بالی جٹی جیسی مقبول عوام لوک فنکارہ نے اس کے تھیٹر میں شمولیت اختیار کی تو اس کی گائیکی دو آتشہ ہوگئی۔ پنجابی کے نامور ادیب اور افسانہ نگار کرنل نادر علی (آف مچھیانہ) کے دعویٰ کے مطابق بالی جٹی کا تعلق لالہ موسیٰ کے نواح میں واقع ایک گاؤں کے زمیندار گھرانہ سے تھا۔ یہ مقبول عوامی گائیک عین عروج کے زمانے میں مانگا منڈی کے قریب ایک ٹریفک حادثے میں جان کی بازی ہار گیا اور لالہ موسیٰ میں جی ٹی روڈ پر قبرستان نوگزہ میں سپرد خاک ہوا۔ اس کے فنی وارث عارف لوہار میں عالم کی تھوڑی سی جھلک دکھتی ہے جسے حال ہی میں پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ ملا ہے۔

گجرات شہر کے سپوت عنایت حسین بھٹی کو قادر مطلق نے اچھی آواز' سُر اور گلا عطا کیا۔ انھوں نے زمیندار کالج سے بی اے کیا اور پھر قیام پاکستان کے کچھ ہی

Marfat.com

عرصہ بعد اپنا تھیٹر قائم کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں انھوں نے اپنے منفرد انداز اور خوبصورت آواز کی بدولت شائقین موسیقی کی توجہ حاصل کر لی اور اپنا ایک ممتاز مقام بنا لیا۔ وہ ہرفن مولا تھے۔۔۔۔ شاعر، گلوکار، اداکار، صداکار، ہدایت کار، فلم ساز، کالم نگار، سیاستدان، سماجی کارکن، محقق، ادیب، عالم وذاکر۔ ان کی شخصیت کا ہر روپ دل پذیر اور پیارا تھا۔

تھیٹر کی دنیا میں ایک بہت بڑا نام رفیع پیر کا ہے۔ جلالپور جٹاں کے بیرسٹر تاج الدین کے فرزند تھے۔ ریڈیو پاکستان کا سب سے پہلا پنجابی ڈرامہ ''اکھیاں'' انھی کی تخلیق ہے۔ انھوں نے تھیٹر، ڈرامہ اور ریڈیو کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ وہ انمول صداکار، اداکار اور قلم کار تھے۔ ان کے لائق بیٹوں عثمان پیرزادہ اور عمران پیرزادہ اور بہو ثمینہ پیرزادہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ رفیع پیر تھیٹر پاکستان کی پہچان ہے اور اس کی دھوم اس وقت دنیا بھر میں ہے، نے بھی اسی شعبہ میں اپنا مقام بنایا ہے۔

گجرات کے سادات میں سے ہی پیر سید عارف حسین شاہ جی کا مرتبہ موسیقی کے حوالے سے بہت بلند اور احترام کا حامل ہے۔ ان کا تعلق سارو کی (نزد کنجاہ) سے تھا۔ کلاسیکی موسیقی سے انھیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا اور گائیکی کا اپنا منفرد آہنگ رکھتے تھے۔ لاتعداد راگ اور راگنیاں انھیں ازبر تھیں اور بہت سے راگوں کی بندشیں ان کی یاد دلاتی ہیں۔ وہ بارہا آل پاکستان موسیقی کانفرنس میں نغمہ آراء ہوئے۔ اکثر کہا کرتے کہ اگر میرے بس میں ہو تو ساری دنیا کو سنگیت گھول کر پلادوں اور سُریلا کردوں۔ شاہ جی نے اپنے سینکڑوں شاگردوں کو فن موسیقی اور گائیکی کے اسرار ورموز انتہائی فیاضی، پیار اور دلنشیں انداز کے ساتھ سمجھائے۔ ان کے صاحبزادہ سید جعفر شاہ، چودھری شبیر احمد، سید واثق علی شاہ، مشتاق وقار وغیرہ میں سید عارف شاہ جی کے فن کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

سادات معین الدین پور میں ان گنت شخصیات کی موسیقی سے وابستگی مسلّم ہے جہاں عالم لوگ بھی انتہائی کن رسیا، نکتہ داں اور تھوڑا بہت گانے پر بھی قادر ہوتے ہیں لیکن قیصر شاہی خاندان ایسا ہے کہ جس کے قابل فخر سپوتوں نے سنگیت کو انوکھا آہنگ اور وقار بخشا ہے۔ قصیدہ بردہ شریف کی دھن کے خالق جناب سید پرویز حیدر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ غزل گائیکی اور گیت میں بھی جواب نہیں رکھتے۔

ضلع گجرات کو دنیائے موسیقی کی ایک ایسی نامور ہستی کا مسکن بننے کا شرف حاصل ہوا جنھیں زمانہ ملکۂ موسیقی روشن آراء بیگم کے نام سے جانتا ہے۔ ان کا اصلی نام وحید النساء تھا۔ کولکتہ میں پیدا ہوئیں۔ کیرانہ گھرانہ کے نامور استاد عبدالکریم خاں صاحب سے فن موسیقی سیکھا۔ موضع سہنا گجرات کے چودھری احمد خاں، جو کہ ممبئی میں ڈی ایس پی تعینات تھے، سے 1934ء میں شادی ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے بعد لالہ موسیٰ میں آباد ہوگئے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے انھیں تمغۂ حسن کارکردگی اور تمغۂ امتیاز ملا۔ سنگیت سمراٹ، دائم باڈی اور تان سین ثانی بھی ان کے القاب ہیں۔ خوبصورت زمزمے اور بہلاوے پیش کرنے اور مسحور کن دانے دار تانیں لگانے میں انھیں واقعی ملکہ حاصل تھا اور بتدریج بلمپت لے میں جانا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اترے سروں کے راگ مثلاً میاں کی ٹوڈی، بھیروں، بلاول وغیرہ انھیں بہت مرغوب تھا۔ 5 دسمبر 1982ء کو اس جہانِ رنگ وبو سے کوچ کر گئیں۔ مقامی طور پر بشیر احمد (لالہ موسیٰ) اور اعجاز روشن (گجرات) ان کے شاگردوں کے حوالے سے معروف ہوئے۔

آج بھی گلوکاری کے میدان میں گجرات کی تازہ آوازیں بڑی رسیلی ہیں۔ چودھری سکندر علی آف گٹی ناروے میں بستے ہیں اور پورے سکنڈے نیویا میں ان کی پرسوز اور مٹھاس بھری گائیکی کی دھوم ہے۔ نواز ڈوگہ نیویارک (امریکہ) میں موسیقی کی محفلیں برپا کرنے میں پیش پیش ہیں۔ سید طاہر شاہ (معین الدین پور) ڈنمارک میں روائتی موسیقی کی سوغات دردمندوں میں بانٹنے میں مصروف ہیں۔ ان کے بھائی زبیر بلو شاہ نے حال ہی میں دوبئی سے اپنی مدھ بھری آواز میں البم ریلیز کی ہے۔ واجد علی خان، نذر سجاد حسین، حیٔ ڈار، وقار غلام عباس گجراتی، جہانزیب، نسیم چشتی عرف ہیرو، غضنفر اور خاقان اپنے اپنے رنگ میں بہت اچھا گا رہے ہیں۔

ساز اور آواز لازم وملزوم ہیں۔ دونوں کے باہمی قرب اور ملاپ سے ہی لازوال موسیقی تخلیق ہوتی ہے۔ گونا گوں ساز اور آلاتِ موسیقی بجانے کی مہارت میں بھی اہلِ گجرات ہر دور میں ممتاز اور بامِ عروج پر نظر آتے ہیں۔

طبلہ گائیکی میں نظم وضبط، جوش اور چاشنی پیدا کرنے میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ موضع دھیر کے کلاں کے سپوتوں نے بھی موسیقی میں بہت نام کمایا۔ اس گاؤں کے اعجاز طبلہ پر کمال عبور رکھتے ہیں۔ اسلام آباد کی اوّل درجہ کی موسیقی کی محفلیں ان کے بغیر ترتیب نہیں پاتیں۔ یہیں کے سپوت اشفاق حسین ریڈیو پاکستان میں بہترین طبلہ نواز ہیں۔ وہ استاد تصدق حسین کے فرزند ہیں جو کہ طبلہ، ہارمونیم اور گائیکی پر یکساں عبور رکھتے تھے اور گانے کی تعلیم بھی دیتے رہے۔ طبلے کے قدیم گھرانوں کے علاوہ آج کل کے معروف اور سریلے طبلہ نوازوں میں استاد منیر خاں جلالپوری کا نام سرفہرست ہے۔ وہ استاد شوکت حسین خاں کے شاگرد ہیں اور آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔ امین آباد گجرات کے ماسٹر نذر حسین نہایت منجھے ہوئے طبلہ نواز ہو گزرے ہیں۔ لاہور میں اپنا فن پیش کرتے رہے اور غلام علی کے ابتدائی دنوں میں ان کے سنگتی رہے۔ یہیں کے انتظار حسین عرف یارو راولپنڈی میں مقیم ہیں اور اس فن کی وجہ سے پہچان رکھتے ہیں۔

Marfat.com

امین آباد کے طفیل حسین اللہ دتا بہاری پوریا کے شاگرد تھے اور عالم لوہار کے ساتھ سنگت کرتے رہے۔ ان کے بیٹے سجاد دونا اور سہیل مسیح کا بھی اس فن میں آج کل ڈنکا بج رہا ہے۔ شوقیہ بجانے والوں میں سید نعیم شاہ آف معین الدین پور بڑے مایہ ناز طبلہ نواز تھے' ویسے تو وہ ہر فن مولا تھے۔ دتے شاہی سلسلے کے صاحبزادہ فضل حسین بڑے کمال کی ڈھولک بجاتے تھے۔ آصف بٹ (مقیم اٹلی) اور چاند محبوب بھی اچھا طبلہ بجاتے ہیں۔ ڈنگہ کے ملک مصطفیٰ کا شوق بھی ان کا کمال رہنما ہے۔

وائلن مغربی ساز ہے۔ سارنگی سے ملتا جلتا ہے تاہم اب ہمارے ہاں بھی بڑے عرصے سے رائج ہے۔ سید صفدر حسین شاہ (معین الدین پور) نے وائلن نوازی میں بڑا نام کمایا۔ انھی سے سید نعیم شاہ اور سید ساجد حسین شاہ نے یہ فن سیکھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وائلن بجاتے وقت ساجد شاہ جی گز وائلن کی تاروں پر نہیں دردمندوں کے دلوں پر چلاتے ہیں۔ کلارنٹ بجانے میں گجرات شہر کے سپوت استاد جھیٹی خان اپنی ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کا نام عبدالغنی تھا۔ کھاری کھوہی میں رہتے تھے اور اپنا بینڈ بنا رکھا تھا۔

ستار کا شمار اعلیٰ ترین سازوں میں ہوتا ہے۔ سید ظفر حیدر آف معین الدین پور بہت اچھے ستار نواز تھے۔ گجرات کے ایک نامور سپوت قمر اللہ دتہ نامور میوزک ڈائریکٹر ہیں۔ ستار اور وائلن بجانے کی مہارت رکھتے ہیں اور پی ٹی وی کراچی سنٹر سے منسلک ہیں۔ پیر سید عارف حسین شاہ کے بھانجے سیّد حسن عسکری ستار کی ایک قسم دل رُبا بجانے کی کمال قدرت رکھتے ہیں۔

ہارمونیم بجانے میں گجرات کے جم پل ماسٹر شفیع کا شمار کراچی میں فن موسیقی کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ سکیل ہارمونیم سب سے پہلے انھوں نے متعارف کرایا۔ ماسٹر صادق امین آبادی لاہور میں مقیم رہے۔ ہارمونیم بجانے کی مہارت کمال کی تھی۔ شخصیت میں حوصلہ' خودداری' دانائی اور رکھ رکھاؤ بدرجہ اُتم موجود تھا۔ سنگیت کی تربیت کے ساتھ وابستہ رہے۔ نجمن سسٹرز اور ان کے بھائی خلیل حیدر انھی کے شاگرد تھے۔ خلیل کی گائی ہوئی ناصر کاظمی کی غزل کی دھن ماسٹر جی نے بنائی تھی۔ فیاض علی خاں نے بھی اپنے اس ماموں سے کافی سیکھا۔ ان کے علاوہ استاد فخر' ماسٹر شریف مالو والیا' فضل ایم ملک' یوسف (کھاریاں) اختر (امین آباد) اعجاز (امین آباد) مرزا افضال' طارق ملک اور سید ساجد حسین شاہ بہت اعلیٰ ہارمونیم بجانے والوں میں گنے جاتے ہیں۔ استاد فیاض (وزیر آبادی) جن کے ننھیال گجرات میں ہی بہت اچھا ہارمونیم بجاتے ہیں گلوکار تو خیر وہ اعلیٰ درجے کے ہیں۔ آج کل ریڈیو پاکستان لاہور سنٹر پر کمپوزر ہیں لیکن بدستور گجرات کی محفلوں کی جان ہیں۔ اسلام پورہ لالہ موسیٰ کے استاد طالب حسین سارنگی نواز کے بھی بیٹے ہارمونیم بجانے میں لاجواب تھے۔ اقبال اور غلام شبیر ہارمونیم بجانے کے ساتھ غزل گائیک اور قوال بھی تھے۔ مشتاق احمد بھی گلے میں ہارمونیم لٹکا کر محفل محفل گھومتے لیکن گلزار احمد عرف استاد گلو کا تو اس فن میں جواب نہیں کہ عمر کا کافی حصہ لاہور اور قصور میں سیر تائی کرتے گزارا ہے۔

اب تو الیکٹرک آرگن بھی آلات موسیقی میں بہت اہم حیثیت رکھتا ہے۔

گجرات کے ایک نوجوان آرتھر کا اس سلسلے میں بڑا نام ہے۔ سرائے عالمگیر کے طارق مسعود ملک الیکٹرک آرگن بجانے کے علاوہ بہت اچھے کمپوزر اور استاد ہیں' موسیقی کے سمندر کے شناور ہیں اور بہت سی دھنوں کے خالق بھی ہیں۔

ارشد عرف گوگا بہت اچھے بانسری نواز ہیں اسلام پورہ کے رہائشی اور گلزار حسین عرف ماسٹر گلو کے چھوٹے بھائی تنویر بھی عمدہ بانسری بجاتے ہیں جبکہ گجرات کی ادبی محفلوں کے رازداں غالب پسند آم کے موجد اور نامور شاعر جناب غلام حسین راز گجراتی ماؤتھ آرگن اور بانسری بجانے میں صاحب کمال رہے ہیں۔

سنگیت کے علاوہ روپ ویہار (شوبز) خصوصی طور پر فلم میں اہل گجرات نے بھرپور حصہ ڈالا۔ صف اوّل کی فلمی اداکاراؤں میں صبیحہ خانم' نشو' ممتاز اور عشرت چودھری کا تعلق اسی کرشماتی مٹی سے ہے۔ اعجاز درانی گجرات میں پیدا ہوئے اور ان کا بچپن بھی یہیں گزرا۔ انھی کی وجہ سے ملکۂ ترنم نور جہاں گجرات کی بہو بنیں۔ ہندوستان کی معروف اداکارہ ممتاز شانتی اور اداکار و سیاستدان راج ببر کا آبائی وطن بھی گجرات ہے۔

معین الدین پور کے سیّد ظفر حیدر انتہائی باصلاحیت اور وجیہ تھے۔ انھیں فلم ''شاہ جہاں'' کے لیے ہیرو لیا گیا تھا لیکن تقسیم ہند کے مسائل کی وجہ سے فلم ادھوری رہ گئی۔ بعد ازاں وہ فلمسازی کی طرف متوجہ ہوئے تو ''کجلہ'' اور ''بابل دیاں گلیاں'' کے نام سے دو فلمیں بنائیں۔ ان کے بھائی سیّد شفقت حسین شاہ نیشنل آرٹس کونسل اسلام آباد کے ڈائریکٹر رہے۔ انھوں نے روشن آرا بیگم پر ایک یادگار ڈاکومنٹری بنائی۔ بطور فلمساز اور ڈائریکٹر انھوں نے ''ہرجائی'' اور ''ڈائریکٹر'' کے نام سے دو فلمیں بنائیں۔ تاہم سیّد برادران کی یہ فلمیں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔

معین الدین پور کے ہی سید ممتاز حسین شاہ نے لاہندی پنجابی میں ''خان بلوچ'' نامی فلم بنائی جو کہ باکس آفس پر کامیاب رہی۔ حال ہی میں اسی گاؤں کے زبیر شاہ عرف بلو شاہ نے ''جی او جنا'' کے نام سے فلم بنائی ہے۔

گجرات کے سرور جوڑا نے بھی فلمسازی میں کافی نام کمایا۔ ان کی فلم ''وعدہ'' بڑی کامیاب ہوئی لیکن اس میدان میں بھٹی برادران نے جو کامیابیاں حاصل کیں وہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکیں۔ عنایت حسین بھٹی اور ان کے بھائی کیفی

Marfat.com

نے ''چن مکھناں' جند جان' سجن پیارا' دنیا مطلب دی' ظلم دا بدلہ'' اور وارث شاہ جیسی یادگار فلمیں بنائیں۔

فلم کے ساتھ ساتھ ٹیلی ویژن بھی بہت طاقتور میڈیا ہے۔ پی ٹی وی میں گنجہ تحصیل کھاریاں کے رہنے والے مشتاق چودھری کا شمار منجھے ہوئے' زیرک اور قابل پروڈیوسرز میں ہوتا ہے۔ انھوں نے لاہور سنٹر سے یادگار اور لازوال ڈرامے تخلیق کیے جو کہ عوام الناس کے ذہنوں میں نقش ہو گئے۔ پنجند' سجری رُت' نیلام گھر کے علاوہ انھوں نے یادگار پروگرام پیش کیے۔ رفیق وڑائچ کی بھی اس ضمن میں خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ آج کی سٹیج کی دنیا میں وسیم عباس' جواد وسیم اور سیّد پرویز رضا گجرات سے تعلق رکھتے ہیں۔

موضع وڑائچانوالہ' چیلیانوالہ' کھاریاں' پسوال' دینہ چک' معین الدین پور' مدینہ اور جلالپور کے وضع دار شائقین اور سنگیت پرور مربیوں کا شمار فنونِ لطیفہ کے پارکھوں اور ناقدوں میں ہوتا ہے۔ پاکستان کے تقریباً سبھی صف اول کے گلوکار جلالپور جٹاں کے سامعین کی موسیقی کے معاملے میں باریک بینی کے معترف ہیں۔ حضرت راز گجرات کی بیان کردہ روایت کے مطابق قصور کی اللہ وسائی نے صرف 8 سال کی عمر میں گجرات شہر کے سنگیت متوالوں کی بزم میں اپنی والدہ کے ساتھ آ کر نغمہ سرائی کی تھی اور ان ناقدین فن نے ان کی آواز' انداز' آہنگ' پکڑ اور لگن دیکھ کر ان کے تابناک فنی مستقبل اور ملکۂ ترنم نور جہاں بننے کی پیش گوئی کی تھی۔

زمانہ بدل چکا ہے لیکن گجرات کی یہ محفلیں اب بھی اپنی سج دھج کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ گجرات کے زندہ دل سپوت پاکستان میں ہوں یا بیرون ممالک مقیم اپنی سرپرستی اور فیاضی کی بدولت' جہاں فن کو روشن کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ سیّد خادم حسین شاہ' سیّد ساجد حسین' سیّد اعجاز حسین گیلانی ایڈووکیٹ' میاں افتخار (ڈھنڈالہ) میاں غلام حسین (جوڑا) ناصر مہر (جوڑا) چودھری بشارت افضل' چودھری شاہد اسلم' چودھری محمد افضل' کرنل محمد الیاس' چودھری قمر زمان کائرہ' چودھری ظفر اقبال (چیلیانوالہ)' حاجی محمد اقبال آف پسوال' چودھری تجمل گھنسیا' خرم صادق ایڈووکیٹ' دینار احمد ایڈووکیٹ چانڈ' امتیاز محمود چیمہ' عتیق الزماں ڈوگہ ایڈووکیٹ' ارشاد نذر' پروفیسر وسیم گردیزی' چودھری محمد اکرم کھٹانہ' سیّد امتیاز حسین شاہ بدھو کالس' سعید انوار صدیقی' چودھری رؤف احمد گنجہ' پروفیسر طارق راٹھور' توقیر اکرم کائرہ' میر عبدالحمید' سجاد محمود بٹ اور چودھری محمد صادق ایڈووکیٹ جیسی دل نواز ہستیاں فن موسیقی کو داد تحسین کی آکسیجن سے زندگی کی حرارت بہم پہنچانے کے ضمن میں خراجِ تحسین کی مستحق ہیں۔

آیئے اب فنون لطیفہ سے منسلک چند شخصیات کا الفبائی ترتیب سے تذکرہ کرتے ہیں۔

موسیقی وفنون لطیفہ سے متعلق شخصیات

امجد علی بھٹی

استاد جھنڈا خان اور بوٹا خان

نقارچی خاندان سے تعلق رکھنے والے بابا جھنڈا خان اور بوٹا خان دونوں بھائی تھے۔ ان کے والد بابا لدھا خان ہندوستان کے کسی دور افتادہ علاقے سے ہجرت کر کے گجرات آئے اور حضرت شاہدولہ کے مزار پر نقارے کے ساتھ حاضری دی۔ چونکہ بابا بوٹا کے ننھیال گجرات میں تھے' اس وجہ سے انھوں نے ننھیال کے اثر ورسوخ سے مکان خریدا جو صرافہ بازار میں محلہ بکر قصاباں میں تھا۔ یہاں پر ہی بابا بوٹا اور بابا جھنڈا پیدا ہوئے۔ جوان ہونے پر دونوں بازار صرافہ کے ایک بالاخانے پر رہائش پذیر ہو گئے۔ اٹھارہ سال تک ریاض کی اور بابا لدھا سے تربیت حاصل کی۔ بابا جھنڈا خان بالا خانہ میں انتقال کر گئے تو بابا بوٹا خان بیٹھک سے اتر آئے اور اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ اسی دوران وہ لائلپور (فیصل آباد) میں ایک موسیقی کے مقابلے میں شرکت کیلیے گئے۔ جب انھیں ان کے استاد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ میں اپنے باپ کا شاگرد ہوں۔ واضح رہے کہ موسیقی کے میدان میں باپ کی شاگردی کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اس لیے گجرات واپس آ کر باپ کے کہنے پر انھوں نے میاں مولا بخش تلونڈی والے کی شاگردی اختیار کی اور مولا بخش کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میاں افضل خاں اور میاں حفیظ خاں سے تربیت لیتے رہے۔ بازار صرافہ میں ایک دکان خرید کر کاروبار بھی کرتے رہے۔ ان کے استاد بھی یہاں ان کو ملنے کیلیے کبھی کبھار آ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ استاد حفیظ خان اور استاد افضل خان ہندوستان کا دورہ کر کے آئے اور وہاں پر اخباروں میں ان کی جو تعریفیں لکھیں گئیں وہ بھی انھیں دی گئیں' وہ اخباریں ساتھ لیکر آئے۔ اس خواہش کا اظہار ایک شخص طفیل خان سے کیا کہ کوئی ایسا بندہ بلا جو تمھیں اور سب کو یہ اخباریں پڑھ کر سنائے۔ لوگ آئے اخباریں پڑھ کر سنائیں لیکن ان کی تسلی نہ ہوئی۔ بالآخر گجرات کے ایک معروف موسیقی شناس شخص میاں محمود اختر کو بلایا گیا۔ انھوں نے اخبار پڑھ کر سنائی تو حفیظ خان نے خوش ہو کر کہا کہ ''یہ شخص موسیقی کا صحیح واقف ہے''۔

ایک بار وزیر آباد کا عنایت یہاں پر کام کرنے کیلیے آیا اور بابا بوٹا کا شاگرد ہو گیا۔ اسی دوران ڈنگہ گاؤں میں ایک شادی پر بھیجا گیا تو عنایت نے شراب پی اور جواء بھی کھیلا۔ دوسرے دن جب بابا بوٹا برات کیلیے ڈنگہ گئے تو انکو کہانی سنائی گئی۔ گجرات واپس آ کر بابا بوٹا نے عنایت کو خوب مارا پیٹا۔ بابا خود صوفی منش تھے اور چاہتے تھے کہ اسکے شاگرد بھی ان خرافات سے دور ہی رہیں۔ مار پیٹ پر عنایت

Marfat.com

بھاگ کر لاہور چلا گیا اور وہاں کشمیری بازار میں سوہنی خان کے بینڈ میں کام کرنے لگا۔شراب کے نشہ میں ایک دن اپنے کام میں کوئی غلطی ہوئی تو سوہنی خاں نے کہا کہ آؤ پہلے تمھیں کام سکھاؤں اور اس کو اپنا شاگرد بنا لیا۔اس وقت رواج تھا کہ استاد شاگردوں کو دائیں بازو پر گٹ (گانہ) باندھتے تھے جو استادی کی علامت ہے۔

عیدن بائی گجرات والی جو لاہور میں گانے بجانے کا کام کرتی تھی اس نے اپنے بیٹے کا عقیقہ کیا اور گجرات والوں کو مدعو کیا۔بابا بوٹا وغیرہ بھی وہاں گئے اور عنایت کو کالا دھاگہ بندھا دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ہمارے شاگرد نے کہاں سے یہ دھاگہ بندھوایا۔عنایت حسین کے ساتھ اس کا استاد سوہنی خاں بھی کام کے سلسلے میں مدعو کیا گیا تھا مگر بابا بوٹا خاں کے سامنے کسی کا چراغ نہ جل سکا اور عنایت خاں شاگردی کا دھاگہ توڑ کر واپس گجرات بابا بوٹا کے پاس آ گیا۔پشاور ریڈیو سٹیشن پر اسامی نکلی تو بابا بوٹا ریڈیو سٹیشن دیکھنے گئے۔ وہاں پر پروگرام شروع ہونے والا تھا جب یہ وہاں پہنچے تو انھوں نے کہا کہ میرا بھی انٹرویو لیا جائے کیونکہ ہمارا تعلق بھی موسیقی سے ہے ۔ان کی باری آنے پر عنایت خاں نے نقارہ بجایا تو سازندے انکا ساتھ نہ دے سکے۔ بابا جی نے سب کو کہا کہ یہ ہے تمھاری کاریگری۔اپنے آپ کو درست کرلو۔بازار صرافہ میں واحد ریڈیو جو بابا جمال برف والے کی دکان پر تھا اس پر سب نے پروگرام سنا تو بہت محظوظ ہوئے۔

بابا بوٹا کی اولاد میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔بیٹوں میں بڑے کا نام طفیل خاں اور دوسرے کا نام خادم حسین اور تیسرے کا نام مبارک علی تھا۔جو سب بینڈ سے منسلک تھے۔بابا بوٹا کا ستائیس فروری انیس سو چھہتر کو انتقال ہوا۔جبکہ انکے بیٹے خادم انیس سو اناسی، طفیل خاں انیس سو ترانوے اور مبارک خاں دو ہزار دو میں فوت ہوئے۔انکی اولاد میں کوئی بھی موسیقی سے وابستہ نہیں ہوا۔

سید پرویز حیدر

(ڈاکٹر اظہر محمود چودھری)

سید پرویز حیدر شاہ کا تعلق ضلع گجرات کے مشہور و معروف گاؤں معین الدین پور سے ہے، جسے عرف عام میں مومدی پور بھی کہا جاتا ہے۔انتہائی مردم خیز اور برصغیر ہندو پاک کی نابغہء روزگار شخصیات کی جنم بھومی کا شرف رکھنے کے باوجود اس پُر ہیبت گاؤں کی وجہء شہرت قتل و غارت اور خاندانی دشمنیوں کی وجہ سے عوام الناس میں راسخ ہے۔جہاں محض بغض و کینہ کی بنا پر سینکڑوں جوانان رعنا موت کے گھاٹ اُتر گئے۔اس گاؤں میں علم وفضل اور صنعت و حرفت سے وابستہ لوگوں کی بھی کمی نہیں۔ لیکن ایک خاندان ایسا ہے کہ امن و آشتی سے محبت، علم و ادب سے آگہی اور موسیقی کی سے شغف جس کے بچے بچے کی گھٹی میں شامل ہے۔سید پرویز حیدر شاہ اسی محترم و مکرم خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ان کے دادا سید قیصر شاہ پاکستان بننے سے قبل لائلپور (فیصل آباد) میں ریذیڈنٹ مجسٹریٹ تھے۔انتہائی رعب دار اور طلسماتی شخصیت کے مالک تھے اور موسیقی سے انھیں بہت لگاؤ تھا۔روایت ہے کہ انھیں کسی بزرگ نے بشارت دی تھی۔کہ ان کی سات نسلیں سُر کی دولت سے فیض یاب ہوں گی۔

سید پرویز حیدر 1944ء میں معین الدین پور میں پیدا ہوئے۔تعلیم لاہور اور برطانیہ میں حاصل کی۔ان کے والد سید ظفر حیدر شاہ بہت اچھے ستار نواز تھے۔ہارمونیم بجانے میں بھی طاق تھے۔انتہائی خوبرو، وجیہہ اور باصلاحیت ہونے کی بناء پر انھیں فلم ''شاہ جہان'' کے لئے ہیرو منتخب کیا گیا تھا۔لیکن ہندوستان کے بٹوارے کی وجہ سے یہ فلم مکمل نہ ہو سکی۔بعد ازاں انھوں نے ''کجلہ'' اور ''بابل دیا گلیاں'' کے نام سے بھی دو فلمیں بنائیں جو شومیٔ قسمت سے کامیاب نہ ہو سکیں۔تین خوبیاں اور کمالات سید پرویز حیدر شاہ صاحب کے لیے طرہء امتیاز ہیں۔بطور شاعر ان کی دو کتابیں شائقین ادب کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہیں۔''آنکھیں باتیں راتیں'' 1997ء میں طبع ہوئی۔غزلوں، نظموں اور گیتوں پر مشتمل ہے۔اُن کی دوسری کتاب ''اسی بازار چلو'' جنوری 2010ء میں شائع ہوئی ہے۔اس میں غزلیات، نظمیں، قطعات اور گیت شامل ہیں۔ان میں نو گیت اُردو اور چھ گیت پنجابی کے ہیں۔ان گیتوں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ تخلیق کے ساتھ ہی یہ اپنی دھن بھی ساتھ لے کر آئے بلکہ گنگناہٹ اور سر تال کے جلو میں ان گیتوں نے الفاظ کا لبادہ پہنا۔

بطور موسیقار سید پرویز حیدر پی۔ٹی۔وی اسلام آباد سے منسلک رہے اور اسی دوران لاتعداد غزلوں، گیتوں اور ملی نغموں کی دھنیں تخلیق کیں۔ان کی ترتیب دی ہوئی قصیدہ بردہ شریف کی دھن پی۔ٹی۔وی کا مقبول ترین نغمہ بن کر اسلامی دنیا کے بیشتر ممالک کے لئے کشش و احترام کا باعث بنی اور اس کی وجہ سے پی۔ٹی۔وی نے کثیر زرِمبادلہ کمایا۔بطور گلوکار سید پرویز حیدر انتہائی خوش گلو اور اعلیٰ درجے کی آواز کے مالک ہیں۔ان کے گائے ہوئے نغمات اور غزلیات پر مشتمل سی۔ڈی معرضِ وجود میں آ چکی ہے۔جسے بوجوہ ابھی مارکیٹ نہیں کیا۔کیونکہ سید صاحب پاکستان میں تخلیق کے مالکانہ حقوق سے مطمئن نہیں ہیں۔

سید پرویز حیدر آج کل برطانیہ میں مقیم ہیں۔شائقین موسیقی کی تعلیم و تربیت سے وابستہ ہیں حکومتِ ناروے کی درخواست پر اوسلو کے مقیم رہ کر سنگیت کے موضوع پر تربیتی نشستوں کا اہتمام کر چکے ہیں۔پاکستان اور گجرات میں موسیقی کے شاندار مستقبل کے خواہاں ہیں۔خاندان قیصر شاہی کا علم و ادب اور سنگیت کا فیض جاری ہے۔سید پرویز حیدر کی ہمشیرہ سیّدہ رفعت ظفر حیدر شاہ بھی اردو زبان میں دو

Marfat.com

کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ ''مہرباں نامہرباں'' اور ''بے مہر'' کے نام سے ان کے مضامین کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی چچی محترمہ سیدہ شیریں شفقت بھی اردو اور پنجابی کی نامور شاعرہ تھیں۔ تاہم اُن کا کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ ان کی پھوپھی سیدہ سکینہ بی بی بھی پنجابی کی شاعرہ تھیں۔ اُن کا کلام حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔

چودھری دیسراج صوبتی آف عالم گڑھ

(تحریر: حکیم محمد اشرف نمبردار)

گجرات کا سپوت' آسمان موسیقی کا روشن ستارہ' پیشہ ور گائیک نہیں تھا' گانے کا کبھی معاوضہ نہیں لیا' مہاراجہ جموں ہری سنگھ نے درباری ملازمت کی پیشکش کی جسے ٹھکرا دیا۔ گاتے وقت منہ ٹیڑھا نہیں کرتا تھا اور آواز فضا سے زمین تک ڈوری کی شکل اختیار کرتی تھی۔

انیسویں صدی نے ہر فن کے بڑے بڑے نامور لوگ پیدا کیے۔ تقریباً اکتوبر ۱۸۹۲ء میں چودھری دیسراج نے نواحی گاؤں عالم گڑھ میں جنم لیا۔ علم نجوم کے مطابق دیسراج کی پیدائش برج میزان کے تحت ہوئی۔ اس برج کا موسیقی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ بڑے بڑے نامور گلوکار اسی برج کے تحت پیدا ہوئے۔ قدرت نے دیسراج کی دونوں طرف سے یاوری کی۔ ایک انیسویں صدی میں پیدائش' دوسرا برج میزان کا دور' جن کے اثرات نے اسے آسمان موسیقی پر درخشندہ ستارے کی حیثیت بخشی۔

صوبتی خاندان کا مورث اعلیٰ برہمداس نامی شخص تھا جس نے اکبر اعظم کے عہد میں عالم گڑھ کی بنیاد رکھی۔ حکیم پیارا چند' تارا چند اور دیسراج تین بھائی تھے۔ ان کے باپ کا نام نت رام تھا۔ دیسراج کی شادی قصبہ دولت نگر میں مسمات لاجونتی سے ہوئی تھی۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بھائی تارا چند کی لڑکی بملا دیوی لے پالک تھی۔ کافی اراضی کے مالک تھے۔ جن میں دو کنوؤں سے فصل سیراب ہوتی تھی۔ دیسراج نے گھوڑی پال رکھی تھی جس پر وہ خود گائیوں کے لیے چارہ لاتا تھا۔ عالم گڑھ سکول اور گردوارہ کے ساتھ ہی ان کی رہائش تھی۔ بڑا بھائی طبابت کرتا اور جنرل سٹور پنساری کی دکان بھی کھول رکھی تھی۔ ہر وقت گاہکوں اور مریضوں کا ہجوم رہتا تھا۔ گاؤں کے شمال کی جانب گھر کے تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا باغ اور کنواں لگوایا تھا جس میں دیسراج ہر روز پچھلے پہر گانے کا ریاض کرتا تھا۔ اردگرد کے دیہات کے لوگ سننے کے لیے آجاتے تھے اس کی شکل جوش ملیح آبادی سے ملتی جلتی تھی۔ خوبصورت انسان تھا۔ یہ بھی برج میزان کی خصوصیت ہے۔

تقسیم ملک سے قبل دیسراج نے کوئی گانا ریکارڈ نہیں کروایا' گراموفون کمپنیاں اس کے تعاقب میں لگی رہتی تھیں۔ اس کا قول تھا کہ جس نے دیسراج کو سننا ہے وہ خود آ کر سنے۔ تقسیم ہند کے بعد دیسراج بھارت چلا گیا اور بمقام جوڑواں خورد تحصیل نرائن گڑھ ضلع انبالہ میں آباد ہوا۔ اس کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا حالانکہ بھارتی سفارتخانہ کے ذریعے تاریخ وفات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی۔ سنا ہے کہ بھارت میں فلم مورنی اور پنچھی کے گانوں کی موسیقی دیسراج نے ترتیب دی تھی۔ سیالکوٹ کے گاؤں بدو کے ملیاں میں ہندوؤں کا میلہ لگتا تھا جس میں برصغیر کے گلوکار حصہ لیتے تھے جس میں دیسراج نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور دوسرے نمبر پر رہا۔ اول نمبر آنے والے گلوکار کا قول تھا کہ دیسراج چونکہ پیشہ ور گلوکار نہیں اس لیے دوسرے نمبر پر آیا یہ اول کا حقدار تھا۔

وہ اپنے مذہبی تہواروں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ اس کے ساتھ جو طبلہ کی سنگت کرتا تھا اس کا نام چودھری ملکھی رام تھا جو کہ اپنے دور کے بلند پایہ طبلہ نوازوں میں ایک منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ وہ دیسراج کی طرح پیشہ ور طبلہ نواز نہیں تھا۔ سید فضل حسین ساغر آف کوٹ امیر حسین نے بتایا کہ انھوں نے خود دیسراج کو دسہرہ کے تہوار پر ''شری رام چند بھگوانا تیری لیلا بڑی نیاری'' ہارمونیم پر گاتے سنا ہے اور سنگ ساتھ دے رہی تھی۔ ۴۶-۱۹۴۵ء میں ایک خوشی کی تقریب میں جو میاں نتھو خاں کے بیٹے کی پیدائش پر منعقد ہوئی لوک داستانوں کے مشہور گلوکار محمد عالم لوہار کو مدعو کیا گیا۔ سکول کی گراؤنڈ میں رات کو اس نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تو دیسراج اس کو سننے کے لیے نہیں گیا۔ اگلے دن محمد عالم لوہار خود دیسراج کے پاس گئے اور کہا کہ آپ تو مجھے سننے کے لیے تشریف نہیں لائے مگر میں آپ کا کلام سننا چاہتا ہوں۔ انھوں نے انھیں گانا سنایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور کہا کہ آپ کا میرا گانا نہ سننے کا فیصلہ درست تھا۔

تقریباً ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ ایک شادی کی تقریب میں عالم گڑھ میں گجرات کی مشہور مغنیہ کالو (خورشید بیگم) جس کا ظہور پیلس کے ساتھ کالو کا باغ مشہور تھا کو مدعو کیا گیا۔ وہ سڑک کے کنارے درختوں کے سائے میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ دیسراج اپنے گھوڑی پر سوار اپنی گائیوں کے لیے چارہ لادے ہوئے آ رہا تھا' اس نے دور سے کالو کے گانے کی آواز سنی تو گھوڑی پر بیٹھے ہوئے اپنے انداز میں سُر لگا کر اسے ٹھوکا دیا کہ تمہارا سُر غلط ہے۔ اس طرح سُر لگاؤ۔ اس طائفہ کو جب بتایا گیا کہ یہ دیسراج ہے تو وہ بھاگ کر اس کے قدموں سے چمٹ گئی اور احتراماً اپنے گلوکاری کے انداز سے معذرت طلب کی۔

مہاراجہ جموں سردار ہری سنگھ' دیسراج کو اکثر موقعوں پر بلاتا رہتا تھا۔ اس

Marfat.com

کے بیٹے سردار اندر سنگھ کی شادی پر دیسراج کو خصوصی دعوت دی گئی تھی۔ اس نے درباری ملازمت کی پیشکش کی جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ جناب پیر فرزند علی شاہ سکنہ مناور (جموں) عالم گڑھ اپنے مریدوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ دیسراج اکثر ان کو گانا سنایا کرتا تھا۔ جناب سید صادق حسین شاہ حسین سکنہ ماجرہ شریف راوی ہیں کہ پیر صاحب نے راگ ملہار سننے کی خواہش کی' دیسراج نے دوسرے دن کا وقت مقرر کیا جب سکول کی گراؤنڈ میں دیسراج نے راگ ملہار گایا تو بارش برسنے لگی۔

راقم کی عمر تقسیم ہند کے وقت دس گیارہ سال تھی اور خود بڑے بڑے حکومتی آفیسروں کو عالم گڑھ میں دیسراج کو سنتے دیکھا ہے۔ اکثر رات کو ریت کے ٹیلے پر محفلیں جمتی تھیں۔ میرے والد صاحب چودھری پولے خان نمبردار دیسراج کے دوست تھے اور آفیسر صاحبان میرے والد صاحب کے ذریعے ہی دیسراج سے رابطہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ متحدہ پنجاب گورنمنٹ کے ہندو سیکرٹری کی لڑکی کی شادی تھی تو اس نے ڈپٹی کمشنر گجرات کو حکم دیا کہ دیسراج کو شادی میں شرکت کا پابند کرے۔ ڈپٹی کمشنر بھی نیا آدمی تھا اس نے ایس ایچ او جلالپور جٹاں کو ہدایت کی کہ دیسراج کو مطلع کیا جائے۔ ایس ایچ او نے ایک حوالدار کو عالم گڑھ اس مقصد کے لیے بھیجا۔ میرے والد نے حوالدار کو کہا کہ تم سارے ملازم نئے ہو اور دیسراج کو نہیں جانتے' وہ فقیر منش شخص ہے۔ ڈی سی اگر خود بھی آ کر اسے درخواست کرے تب بھی وہ نہیں جائے گا۔ بہر حال اس سیکرٹری نے خاص ایلچی کے ذریعے معذرت کے ساتھ دیسراج کو شرکت کی دعوت دی' والد محترم بتایا کرتے تھے کہ وہ بھی دیسراج کے ساتھ لاہور گئے تھے۔ اس ہندو سیکرٹری نے جب دیسراج کو کچھ رقم دینا چاہی تو اس نے ٹھکرا دی۔ وہ حیران رہ گیا کہ یہ کیسا گلوکار ہے جو فیس بھی نہیں لیتا۔

دیسراج کے استاد

بتایا جاتا ہے کہ کڑیانوالہ کے دو ہندو پنڈت جن کا نام ٹھہرا رام اور کھیڑ رام تھا۔ بعد میں دیسراج نے خداداد صلاحیت سے فن موسیقی میں کمال حاصل کیا تھا۔ دیسراج کا منفرد کمال یہ تھا کہ سُر لگاتے وقت منہ سیدھا رکھتا تھا اور اس کی آواز فضا سے زمین تک ایک ڈوری کی شکل اختیار کرتی تھی۔ اس کے چہرہ پر جھریاں نہیں پڑیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ اکثر گلوکار خاص کر کلاسیکل گلوکاروں کے چہرے عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ بدزیب ہو جاتے ہیں اور گوشت لٹک کر جھریاں پڑ جاتی ہیں اور ان کا ظاہری حسن بدصورتی میں بدل جاتا ہے۔

دیسراج کے شاگرد

تین مقامی شاگرد ہم نے دیکھے ہیں۔

(۱) سید حسین شاہ مرحوم رانیوال سیداں۔ وہ تھوڑا عرصہ ہی دیسراج کے ساتھ رہے۔ ہارمونیم بجانا نہ سیکھ سکے صرف گھڑا بجا کر گاتے تھے۔ فن میں بڑا نام پیدا کیا۔ بعد میں عالم لوہار نے بھی ان سے بہت کچھ سیکھا۔

(۲) سائیں فضل حسین بٹ سکنہ چوہدووال۔ بہت تھوڑا عرصہ ساتھ رہے۔ بعد میں دماغی نقص ہو گیا' گھڑا بجانا اور تھوڑا بہت گانا سیکھا' صرف غزل' وہ بھی بہادر شاہ ظفر مرحوم کی۔ ''کتنا بدنصیب ظفر کہ دفن کے لیے دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں'' اکثر گایا کرتے تھے۔

(۳) محمد دین نومسلم (دیندار) سکنہ عالم گڑھ بقید حیات ہیں۔ دیسراج کے پڑوسی تھے اور ہندو مذہب سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد وہ پندہ اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہو گئے۔ ہارمونیم اور طبلہ دیسراج سے سیکھا۔ ڈھول باجے اور ہارمونیم طبلہ کو ذریعہ معاش بنایا۔ عام مراثیوں سے اچھا گاتے رہے ہیں۔ انھوں نے اس مضمون کی تیاری میں کافی مدد دی۔ سُر' تال' راگ' راگنیوں کا تھوڑا بہت علم رکھتے تھے۔ نواب خاں ولد روشن دین (چوکیدار) جو دیسراج کا ہم عمر ہے اسنے بھی کافی مواد مہیا کیا۔

رفیع پیرزادہ

ڈراما نویس' اداکار' ۲۱ مارچ ۱۹۰۰ء کو جلال پور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم کالج کے ڈراموں میں حصہ لینے لگے۔ پارسی الفریڈ تھیٹریکل کمپنی کے ساتھ مختصر مدت کے لیے ڈراموں کے مکالموں کی اصلاح کی غرض سے منسلک ہو گئے۔ ان دنوں تحریک عدم تعاون' تحریک خلافت اور جلیانوالہ باغ کے قتل عام کے باعث تعلیم ترک کر دی اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے لگے۔ اسی سلسلے میں ان کے وارنٹ گرفتاری بھی نکل آئے۔ چنانچہ ان کے والد نے خفیہ طور پر انھیں لندن بھجوا دیا لیکن وہ چند ماہ کے بعد جرمنی چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ادب اور فلسفہ پڑھا۔ برلن کی تھیٹر اکیڈمی میں فنی تربیت حاصل کی۔ چودہ برس جرمنی سمیت دیگر یورپی ملکوں میں گزارے۔

۱۹۳۵ء میں دہلی میں ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا۔ ۱۹۳۷ء میں لاہور میں ریڈیو کا آغاز ہوا۔ ۱۹۳۸ء میں رفیع پیرزادہ ریڈیو سے وابستہ ہو گئے۔ ریڈیو سے بے شمار ڈرامے نشر کیے۔ وہ ڈراما لکھتے بھی تھے' بولتے بھی تھے اور ڈراما کرتے بھی۔ لاہور اور دہلی ریڈیو اسٹیشن سے ایک طویل عرصے تک وابستگی قائم رکھی۔ ۱۹۴۶ء میں فلم ''نیچا نگر'' میں کام کیا۔ اس فلم کو فرانس کے عالمی فلمی میلے میں انعام بھی ملا۔

Marfat.com

قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں ڈرامے کے ترویج کے لیے ''پاکستان ڈراما مرکز'' قائم کیا۔ ریڈیو پاکستان کے لیے ڈرامے اردو اور پنجابی میں لکھے۔ آخری ڈراما ٹیلی وژن کے لیے لکھا۔ آخر دور میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ ۱۱ اپریل ۱۹۷۴ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ ان کے فن اداکاری' ڈراما اور اسٹیج کو پروان چڑھانے کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ان کے فرزند عثمان پیرزادہ اور بہو ثمینہ پیرزادہ بھی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ انھوں نے لاہور میں ''رفیع پیرزادہ تھیٹر ورکشاپ'' قائم کر رکھا ہے۔

ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم

(تحریر: اسحاق آشفتہ)

لالہ موسیٰ جو آج پروڈکشن کی دنیا میں نمبر ۲ کی وجہ سے بدنامی کی حد تک مشہور ہے۔ روح کی غذا موسیقی کی پروڈکشن میں نمبرا۔ کے لیے ہمیشہ کے لیے جانا جاتا رہے گا۔ حیاتِ مستعار لالہ موسیٰ کے'' کاشانہ روشن'' میں اور حیاتِ ابدی اس کی مٹی احمد زرعی فارم میں گزرنے والی وحید النساء بیگم (ملکۂ موسیقی روشن آرا بیگم کا پیدائشی نام) کلکتہ میں پیدا ہوئیں۔ والدین کی رہائش پٹنہ میں تھی۔ خوش الحانی سے قرآن خوانی اور اس کے سحر طلال نے موسیقی کی جانب متوجہ کی۔ اوّلاً استاد ممتاز حسین اور بعد میں استاد خان عبدالکریم خان سے سیکھا۔ استاد لڈن خان کا نام بھی استادوں کی فہرست میں شامل ہے۔ بمبئی اور کلکتہ میں سنگیت سمرائن اور دانم باڑی اور ملکۂ موسیقی کے خطابات ملے۔ ۱۹۴۴ء میں بمبئی میں سہنہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے چودھری احمد خاں جو پولیس سپرنڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھے' سے شادی کر لی اور ۴۸ء میں پنجاب آ گئیں۔ ۱۹۶۰ء میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان سے حسن کارکردگی کا صدارتی ایوارڈ ملا۔ تمغۂ افتخار فن اور ۵۰۰۰/ روپے انعام پایا۔ دسمبر ۱۹۶۱ء میں تان سین ثانی کا لقب بھی ملا' حکومت پاکستان کی طرف سے ستارہ امتیاز بھی ملا۔ ۱۵/۱۶ اگست ۱۹۶۷ء پشاور ریڈیو سٹیشن کی تیسویں سالگرہ کے موقعہ جشن موسیقی میں ملک کے نامور موسیقاروں کے ساتھ شرکت کی۔ قحط سالی کا سماں تھا کئی ماہ سے بارش نہ ہوئی تھی۔ حاضرین کی فرمائش پر ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم نے راگ ملہار شروع کیا۔ دس بارہ منٹ یا راگ کی بلمپت ہوئی اور جب بڑھت سے درت تانوں کی بوچھاڑ ہوئی تو آسمان پر بادل منڈلانے لگے اور جب تانیں بلندیوں کو چھونے لگیں تو یکا یک بارش برسنے لگی۔ موسیقی کی تعلیم میں ملکہ نور جہاں نے ایک عرصہ آپ سے اکتساب فیض کیا۔ ملکہ کو چھوٹے بچوں اور بلبلوں سے پیار تھا۔ ان کی وفات پر ان کی پالتو بلبلیاں کئی دن تک بغیر کھائے پیئے انھیں ڈھونڈتی پھرتی تھیں اور لے پالک پوتا غم وحزن کی تصویر بنا ہراساں پھرتا تھا۔ بڑے بڑے خطابات کی مالکہ ملکہ موسیقی بڑھاپے اور بیماری میں حکومت کی نظروں سے بوجوہ اوجھل رہیں۔ آخر کار گائیکی کی دنیا کی ایک بے مثل فنکارہ اپنی زندگی کے آخری ایام بے یار و مددگار اور کسمپرسی میں گزار کر ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کو اللہ کو پیاری ہو گئی۔ مزار آپ کا جی ٹی روڈ لالہ موسیٰ پر محلہ صادق کے بالمقابل زرعی فارم میں ہے۔ جہاں آج بھی کوئلوں اور بلبلوں سمیت گانے والے پرندے حاضری دیتے ہیں۔ آپ کے حالات زندگی پر مبنی کتاب ''ملکہ موسیقی'' اسلام آباد سے چھپ چکی ہے۔

راگی سندر سنگھ (موسیقار)

راگی سندر سنگھ (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۳۷ء) سری ہرمندر امرتسر میں ہیڈ میوزیشن تھے' بھائی امر سنگھ اروڑا کے ہاں پیدا ہوئے جو کہ خود بھی اعلیٰ پائے کے موسیقار تھے۔ آپ نے موسیقی کی تعلیم بھائی اَترا' جو رباب بجانے میں کمال مہارت رکھتے تھے' اور بھائی موتی کے شاگرد تھے' بھائی موتی اپنے عہد کے عظیم فنکار تھے۔ سندر سنگھ نے فن موسیقی میں کمال سکھ موسیقار اُتم سنگھ سے حاصل کیا۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء کو آپ نمائندہ موسیقار مقرر ہو گئے۔ آپ کی آواز بڑی رسیلی اور خوش کن تھی اور آپ کا پسندیدہ میوزک دلربا' اِک تارہ اور ہارمونیم تھا جبکہ پسندیدہ راگ خیال تھا۔ آپ کو کرتن کی ادائیگی کے لیے دور دراز کے علاقوں سے بلایا جاتا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں پھالیہ کے ایک گاؤں آہلہ میں ایک طائفہ کی نمائندگی کرتے ہوئے پہنچے جہاں کچھ عرصہ قبل علاقہ کے لوگوں نے گوردوارے پر دھاوا بول دیا تھا جس میں ایک سکھ مارا گیا تھا۔ علاقے میں مسلمانوں کی کثیر آبادی تھی۔ انھوں نے طائفے کو علاقے میں داخلہ کی اجازت نہ دی بلکہ اس پر حملہ کر دیا اور بھگت سنگھ نامی سکھ مارا گیا جبکہ بہت سے سکھ زخمی ہو گئے۔ زخمیوں میں بھائی سندر سنگھ بھی شامل تھا۔ جنھیں گجرات سول ہسپتال میں داخل کیا گیا جہاں وہ ۱۷ جون ۱۹۳۷ء کو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زندگی کی بازی ہار گیا۔ آپ کی نعش ۱۸ جون کو امرتسر لائی گئی۔ (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف سکھ لٹریچر)

صبیحہ خانم

گجرات میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام محمد علی تھا۔ جو ''ماہیا'' گانے میں شہرت رکھتے تھے۔ والدہ بانو بھی اداکارہ تھیں۔ قیام پاکستان سے پہلے سٹیج پر نمودار ہوئیں اور قیام پاکستان فوراً بعد پاکستان کی فلمی دنیا کی کامیاب ترین اداکارہ بن گئیں۔ پہلی فلم ۱۹۵۰ء میں ریلیز ہوئی مگر ناکام ہوگئی۔ ''دو آنسو'' نے کامیابی کے قدم

Marfat.com

چوے۔اس کے بعد صبیحہ اور سنتوش کمار فلمی دنیا کی کامیاب ترین اور مقبول جوڑی بن گئے۔جلد ہی دونوں نے شادی کر لی۔۱۹۵۷ء میں سات لاکھ اور ۱۹۶۳ء میں فلم شکوہ میں بہترین اداکارہ کے نگار ایوارڈ ملے جبکہ فلم دیور بھابی اور ایک گناہ اور سہی کے لیے خصوصی ایوارڈ حاصل کیے۔تاشقند کے فلمی میلہ میں ایک گناہ اور سہی کی نمائش پر انھیں بہترین اداکاری کی بنا پر خصوصی ایوارڈ دیا گیا۔کامیاب فلموں میں دو آنسو غلام قاتل' گمنام' سرفروش' سلطنت' سردار' سسی' حمیدہ' چھوٹی بیگم' عشق لیلیٰ' دلا بھٹی' سات لاکھ' دامن' کنیز' دیور بھابی' پاک دامن' انجمن' تیری صورت میری آنکھیں' اناڑی' تہذیب اور حیدر علی وغیرہ شامل ہیں۔

عظمت شیخ' عظیم فوٹو گرافر

جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔فوٹو گرافی کا شوق بچپن سے ہی تھا۔پہلا کیمرہ دس برس کی عمر میں خریدا۔کافی عرصہ روزگار کے سلسلہ میں کویت میں مقیم رہے۔وہیں اپنے شوق کو پیشے کا روپ دے دیا۔انھوں نے کویت کے گوشے گوشے کو اپنے کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کر لیا۔پھر سعودی عرب چلے گئے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس مقامات کو عکس بند کرنا شروع کیا۔حرمین شریفین کے مناظر کو اس طریقہ سے عکس بند کیا ہے کہ وہ دیکھنے والوں کو بے اختیار داد دینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔مقام ابراہیم' چاہ زمزم' صفا و مروہ' در کعبہ' غلاف کعبہ' روضہ مبارک' باب جبرائیل' مسجد نبوی اور گنبد خضرا کی تصاویر دیکھنے کے قابل ہیں۔رات کے وقت دور سے اتاری ہوئی خانہ کعبہ کی تصویر ان کی یادگار شاہکار تصویر ہے۔عظمت شیخ کی تصاویر عالم اسلام میں بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں نظر آتی ہیں۔ان کی اتاری ہوئی تصاویر تین مجموعوں میں دستیاب ہیں جو حرمین شریفین' پاکستان کی جھلکیاں اور کویت کے نام سے موسوم ہیں۔آپ کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب ''دعا دیتا ہوں راہزن کو'' کے نام سے سیدہ عزیزہ زہراء نے ترتیب دی جو ۲۰۰۷ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔مرتب کی خوبی یہ ہے کہ اس نے یہ کتاب بذریعہ ڈاک سوال و جواب کی صورت میں ترتیب دی اور عظمت شیخ سے ایک بھی ملاقات نہ کی۔عظمت شیخ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ وہ اور ماہنامہ پھول کے ایڈیٹر اختر عباس ایک روز وحدت روڈ پر کار میں جا رہے تھے تو انھوں نے یادداشتیں مرتب کروانے کی بات پر ایک لڑکی کو یہ کام سونپنے کی حامی بھر لی۔مرتبہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے یہ کام اسی بچی کے سپرد کیا۔اس بچی سے میں آج تک نہیں ملا۔اتنا پتا ہے کہ اس کا نام سیدہ عزیزہ ہے۔وہ میری عزیزہ نہیں لیکن مجھے بہت عزیز ہے۔وہ میری بچیوں جیسی ہے لیکن میرے لیے قابل احترام ہے کیونکہ وہ سیدہ ہے۔اس کتاب میں حالات و واقعات اور خیالات میرے ہیں لیکن ان کو لفظوں کا پیرہن اس نے دیا ہے۔گویا میرے خیالات کو قوت گویائی دی ہے۔۔۔۔اس کتاب کے تمام واقعات اور حالات کی تمام تر تفصیل ڈاکیے کے ہاتھوں اور فون کی تاروں پر محو سفر رہی۔ایسے واقعات بھی بھلا کب ظہور پذیر ہوتے ہوں گے۔میں جتنا سوچتا ہوں' جتنا غور کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حضور میری جبین نیاز جھکتی چلی جاتی ہے۔یہ ساری کتاب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار تشکر ہے۔''

عنایت حسین بھٹی

۱۹۲۶ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔آپ کا خاندان ۱۹۴۷ء ہی میں لاہور منتقل ہو گیا تھا۔بچپن ہی سے فنکاری کا شوق تھا۔اداکار اور فلم ساز نذیر نے اپنی پنجابی فلم پھیرے کے لیے ایک گانا گانے کی پیشکش کی۔آپ کا پہلا فلمی گانا ''اکھیاں لاویں ناں تے فیر پچھتاویں ناں'' تھا۔گانے کی دھن بابا چشتی نے ۱۹۴۸ء میں بنائی تھی۔آپ نے ہیر اور سیف الملوک گا کر شہرت پائی۔۱۹۵۵ء میں بطور اداکار پہلی فلم ''جلن'' میں کام کیا۔ان کی بطور ہیرو یہ پہلی فلم تھی جس کی ہیروئین سورن لتا تھیں۔ان

Marfat.com

کے عروج کا زمانہ چن مکھناں، سجن پیارا اور جند جان جیسی کامیاب فلموں کا تھا۔ باکس آفس پر سپرہٹ ہونے والی ان فلموں کی بدولت آپ عروج کی بلندیوں کو چھونے لگے۔ آپ نے ایم اسلامیات بھی کیا ہوا تھا۔ اکثر اخبارات میں کالم لکھا کرتے تھے۔ کالموں کے مجموعے پر مشتمل کتاب شائع ہوئی۔ آپ شیعہ مسلک کے ذاکرین میں سے تھے۔ آپ کی پُر سوز آواز سننے والوں کو بے اختیار رونے پر مجبور کر دیتی تھی۔ ٹیلی وژن پر ''بھٹی دا ڈیرہ'' اور ''اجالا'' جیسے سٹیج شوز کی کمپیئرنگ بھی کی۔ آپ نے والدہ مرحومہ کی یاد میں گلاب دیوی اور گنگا رام ہسپتالوں میں دو وارڈ بھی بنوائے۔ ۳۱ مئی ۱۹۹۹ء کو گجرات میں وفائی پائی۔

عنایت حسین بھٹی ایک ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ وہ فنکار، عالم اور محقق تھے۔ سابق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ جسٹس محمد الیاس اپنی یاداشتوں میں رقم طراز ہیں (منتخب حصے) ''عنایت حسین بھٹی اور میں کلاس فیلو تھے۔ بھٹی کو مجھ سے بہت لگاؤ تھا اور مجھے ان سے انس تھی۔ ہم دونوں زمیندار کالج گجرات میں ہم جماعت تھے مگر مجھے ان کی گائیکی کے حوالے سے کوئی علم نہیں تھا۔ مجھے اس کا پتہ تب چلا جب اس دور کے وزیر اعلی پنجاب خضر حیات ٹوانہ زمیندار کالج کی ایک تقریب میں مہمان خصوصی تھے اور تقریب کے آغاز میں عنایت حسین بھٹی نے اقبال کی ایک نظم ترنم کے ساتھ پڑھی اس نظم کا مطلع ہے:

لا اک بار وہی بادہ وجام اے ساقی
کہ ملے پھر سے مجھے میرا مقام اے ساقی

عنایت حسین بھٹی کی خوش الحانی سے تمام شرکاء تقریب دنگ رہ گئے اور انھیں ہر شعر پر خوب داد ملی۔ کالج سے فارغ ہونے کے بعد میں ایل ایل بی کی ڈگری لینے کے بعد پی ایس سی کا امتحان پاس کر کے عدلیہ میں آ گیا اور ایک ماتحت عدالت میں سول جج بن گیا جبکہ عنایت حسین بھٹی شعبہ فلم سے وابستہ ہو گئے۔ میری سول جج تعیناتی پر عنایت حسین بھٹی مبارکباد دینے آئے۔ میری پہلی تعیناتی بطور سول جج لاہور ہوئی تو عنایت حسین بھٹی بھی لاہور میں ہی موجود تھے ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتیں۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے فن کی بلندیوں کے زینے چڑھتے ترقی کر کے بلند سے بلند ہوتے گئے، حتی کہ بام عروج پر پہنچ گئے۔ میں بھی اس وقت تک سپریم کورٹ کا جج بن گیا تھا۔ ہمیں ایک دوسرے پر فخر تھا۔ اگر ہماری گفتگو میں کوئی تیسرا شخص آ جاتا تو وہ میری مدح سرائی میں رطب اللسان ہو جاتے اور میں ان کی فنی صلاحیتوں کو سراہتا۔

چند سال پہلے عنایت حسین بھٹی مذہب کی طرف بدرجہ اتم راغب ہو گئے۔ انھوں نے ٹیلی ویژن پر بزرگان دین کا تعارف کرانے اور ان کی تعلیمات اور دین متین کی ترویج کے بارے میں کاوشوں کے حوالے سے پروگرام کیے جس میں وہ بزرگان کا تفصیلی ذکر کرتے۔ اس حوالے سے انھوں نے دور دراز علاقوں کی راہ نوردی بھی کی مگر کچھ عرصہ بعد یہ پروگرام بند ہو گیا اس پر ان کو بہت قلق ہوا۔ مجھے بھی ان کا یہ پروگرام بہت پسند تھا اس وقت میں بھی سپریم کورٹ سے ریٹائرڈ ہو چکا تھا اور ٹیلی ویژن دیکھنا میرا وقت گزاری کا بہترین مشغلہ تھا۔

ایک بار میں، عنایت حسین بھٹی اور ہمارے ایک اور ہم جماعت ایس ایس پی ریٹائرڈ چودھری بشیر احمد بیٹھے تھے تو دینی امور کے متعلق باتیں شروع ہو گئیں جس پر چودھری بشیر نے بتایا کہ عنایت حسین بھٹی بہت عالمانہ تقریر کرتے ہیں۔ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ کئی علماء کرام سے وہ بہتر گفتگو کر سکتے ہیں میں سوچا کہ کبھی ان کی ایسی تقریر سنیں گے۔ مگر افسوس ان پر فالج کا حملہ ہوا اور ان کی زبان پر تالے پڑ گئے۔ ان کو فالج دو صدموں پر منتج ہوا۔ پہلے تو ان کی جواں سال بیٹی جو بچوں کی ماں بھی تھی بیوہ ہوئی اور پھر ان کی اہلیہ بھی لقمہ اجل بن گئیں۔ جب انکی بیٹی بیوہ ہوئی تو انھوں نے اسے اپنی کوٹھی واقع گلبرگ میں جگہ دی اور اسکے بچوں کی خود پرورش کرنے لگے۔ جب انکی اہلیہ کا انتقال ہوا تو وہ نڈھال ہو گئے اور مفلوج ہو کر رہ گئے۔ فالج حملے کے بعد وہ شیخ زید ہسپتال میں زیر علاج تھے اور گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ جب میں ان کے کمرے میں گیا تو ان سے مصافحہ کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور مسکرائے۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں مشہور گلوکار شوکت علی بھی آ گئے ہم باتیں کر رہے تھے اور عنایت حسین بھٹی سن رہے تھا۔ دوران گفتگو میں نے کہا کہ عنایت حسین بھٹی میرے کلاس فیلو تھے تو شوکت علی بولے کہ ''ہمارے تو وہ پرنسپل رہے ہیں یعنی فن موسیقی میں ان کے استاد تھے۔ یہ سن کر عنایت حسین بھٹی بہت خوش ہوئے۔

روزنامہ چٹان لاہور کی رپورٹ میں لکھا گیا کہ انھوں نے تین سو پچاس فلموں میں کام کیا پانچ سو فلموں میں گانے گائے۔ نوائے وقت نے انکی وفات پر لکھا کہ انیس سو پینسٹھ کی جنگ میں انکا گایا ہوا ترانہ ''اے مرد مجاہد جاگ ذرا اب وقت شہادت ہے آیا'' بہت زیادہ مقبول ہوا اور بعدازاں یہ فوج کا ترانہ بھی بن گیا۔ افسوس اس شاندار کارکردگی کے باوجود عنایت حسین بھٹی کو کسی حکومت نے تمغہ حسن کارکردگی یا کسی اور اعزاز سے نہیں نوازا۔

عنایت حسین بھٹی جب گجرات چلے گئے تو مجھے بہت حیرت ہوئی کہ طبی سہولیات گجرات کے بجائے لاہور میں زیادہ ہیں۔ لاہور میں شاندار کوٹھی اور بیٹے خدمت کیلیے ہیں مگر رحلت کی خبر سے پتہ چلا کہ وہ گجرات میں اپنی بیٹی کے گھر رہائش پذیر تھے اور بیٹی کے گھر
ہی میں انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ فوتیدگی سے قبل ان کے علاج معالجہ کا اہتمام ان کے داماد وقار جوڑا کرتے رہے۔ میرا قیاس ہے کہ یا تو ان کو وطن عزیز کی مٹی میں

Marfat.com

دفن ہونا پسند تھا اس لیے موت سے پہلے ہی وہاں چلے گئے یا بیٹی سے بیٹوں کی نسبت زیادہ پیار تھا یا بیٹی کو اپنے بھائیوں کی نسبت باپ سے زیادہ لگاؤ تھا۔ عنایت حسین بھٹی بیماری کے دوران ہی اپنے شہر گجرات چلے گئے۔ میں بھی وہاں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ عنایت حسین بھٹی نے رخت سفر باندھ لیا اور راہی ملک بقاء ہوگئے۔

فروزاں سے عیدن بائی تک

(تحریر غفور اسلم)

گردش دوراں کی چال دیکھئے کہ جہاں گجرات کا لالہ کیدار ناتھ ایک مسلمان عالم دین سے قرآن مجید کی تعلیمات حاصل کرتا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اسی حافظ قرآن اور باعمل صوفی کا سعادت مند بیٹا عشاق کے مذاہب میں ڈوب کر اور ذات پات کی نفی کر کے ایک مغنیہ کا ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالمالک جو حافظ نصیر الدین کے فرزند اکبر تھے' کا شمار گجرات کے بلند پایہ صحافیوں میں ہوتا تھا۔ مسلمان صحافت کے سرخیل اور تحریک پاکستان کے نامور سپاہی مولانا ظفر علی خان اور شیخ صاحب آپس میں گہرے دوست تھے۔ مولانا کئی دفعہ شیخ صاحب کے ہفت روزہ اخبار ''صداقت'' کے دفتر واقع شاہدولہ چوک میں آتے تھے۔ شیخ صاحب کی جواں سال بیوی کی وفات نے ان کی زندگی میں گہرا اثر ڈالا۔ شیخ صاحب نے بیوی کا غم بھلانے کے لیے رستم ہند مہندا پہلوان کی سرپرستی میں چلنے والی محفل موسیقی کا رخ کر لیا تھا۔ جہاں گجرات کی نامور مغنیہ فروزاں اپنے فن کا جادو جگاتی تھی۔ جہاں موسیقی شیخ صاحب کی روح کی غذا بننے کے ساتھ ساتھ فنکارہ فروزاں بھی شیخ صاحب کی روح میں اترنے لگی اور یوں ایک دیندار گھرانے کا چشم و چراغ بغاوت کی تلوار ہاتھ میں تھامے ذات پات کی رکاوٹوں کو کاٹتا ہوا منزل عشق کی ان راہوں پر چل پڑا جہاں بڑے بڑے شہنشاہ تخت و تاج سے بھی دست بردار ہو جاتے ہیں اور کوئی تخت اپنی محبوبہ کے حوالے بھی کر دیتا ہے۔

فروزاں المعروف فیروزاں پیرنی اپنے وقت کی معروف مغنیہ اور ایسی پر آمیز شخصیت کی مالکہ تھی کہ اس دور کے بڑے بڑے محبت وفن کے دلدادہ اس کے ترنم وحسن کے اسیر تھے۔ گجرات کے نواحی گاؤں سوک کلاں کے ایک نامور پیر فتح محمد آف سوک کلاں جن کا آج کل ان کے گاؤں میں بڑی دھوم دھام سے عرس منایا جاتا ہے' اس دور میں فروزاں کا عارفانہ کلام سننے کے لیے رستم ہند مہندا پہلوان اور اس کے بھائی چنا پہلوان کی پالکی اور پیڑھی میں بیٹھ کر گجرات آیا کرتے تھے۔ اس محفل موسیقی میں فروزاں اور شیخ عبدالمالک کی محبت آمیز سرشت ترقی کے زینے طے کرتی ہوئی شادی کے بعد یک جان دو قالب کی صورت اختیار کر گئی۔ اس طرح فروزاں کے بطن سے گجرات کے ماضی اور فروزاں کے مستقبل کی نامور مغنیہ عیدن نے جنم لیا۔ جس نے جوان ہو کر غزل کی گائیکی میں اتنا نام پیدا کیا کہ فن موسیقی کی دنیا میں اسے عیدن بائی گجرات والی کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا تھا۔

رستم ہند مہندا پہلوان جن کا بلدیہ گجرات کے احاطہ میں قائم کردہ اکھاڑہ آج بھی فن کشتی سے دلچسپی رکھنے والے اہل گجرات کو ان کی بڑائی کی یاد دلاتا ہے' مہندا' فروزاں کی محفل موسیقی کا انتظام کار رہتا تھا۔ جہاں فروزاں زیادہ تر بابا بلھے شاہ کا عارفانہ کلام پیش کر کے سامعین سے داد وصول کرتی تھی۔ ان کی محفلوں کے دوران ہی ننھی عیدن کا سفر موسیقی بھی شروع ہو چکا تھا۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتا گیا۔ بعدازاں فروزاں کی سرپرستی میں عیدن نے گجرات میں موسیقی کے نامور استاد مچھر خان سے موسیقی کی تعلیم حاصل کی۔ اس طرح ننھی عیدن موسیقی کے رموز و نکات پر عیدن بائی بن گئی اور پھر عیدن گجرات کو خیر باد کہہ کر لاہور چلی گئی۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب عیدن بائی کی اپنے فن پر اتنی گرفت تھی کہ اس کا نام موسیقی کی محفلوں کی کامیابی اور جان سمجھا جاتا تھا۔ اس دور میں ریڈیو والے عیدن بائی کا پروگرام ریکارڈ کرنے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے لیکن عیدن بائی ریڈیو والوں کے کم معاوضے کی خاطر انہیں ٹائم نہ دیتی تھی۔ جس پر ریڈیو کے سامعین عیدن بائی کو مغرور اور مفاد کی پرستار گائیکہ کے القابات سے بھی نوازتے تھے۔

شیخ عبدالمالک زندگی کے آخری دنوں میں صحت کے ہاتھوں لاغر ہو گئے۔ پھر ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے بھی کوئی نہ رہا تو عیدن بائی بذات خود گجرات آ کر انہیں اپنے پاس لاہور لے گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ شیخ صاحب نے اپنی زندگی کے بقیہ ایام اپنی بیٹی عیدن بائی کے ہاں ہیرامنڈی میں گزارے اور وہیں پر وفات پائی۔ ان کی قبر ستان میاں میر صاحب کے قبرستان میں موجود ہے۔

محمد علی ماہیا اور بالو

(تحریر: غفور اسلم)

کالری دروازہ گجرات کی اقبال بیگم عرف بالو کی داستان محبت عہد رفتہ کی محبت بھری اور گل رنگ داستانوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ ۳۳-۱۹۳۲ء کے قریب کا زمانہ تھا جب غفور اسلم فرسٹ ایئر کے طالب علم تھے۔ انگریز دور کی گجرات کی تھڑیا نوالی

عدالت میں بالو کے ماں باپ نے محلہ فتوپورہ کے ایک نوجوان محمد علی المعروف محمد علی گھڑونج پر اپنی بیٹی (بالو) کے اغوا کا مقدمہ دائر کر دیا۔ لیکن بالو نے عدالت کے طلب

Marfat.com

کرنے پر عدالت میں یہ بیان دے کر محبت اور پیار کی لاج رکھ لی کہ اسے کسی نے اغوا نہیں کیا بلکہ وہ اپنی مرضی سے محمد علی کے پاس آئی ہے۔ دونوں ملزموں کو جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔ ان دونوں کو جیل کے علیحدہ علیحدہ کمروں سے نکال کر تاریخ پیشی کے لیے جب بھی عدالت میں پیش کیا جاتا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ''ماہیا'' بولتے تھے۔ چند بول ملاحظہ ہوں:

دھاگے دیاں پنج لڑیاں
تیرا لڑ نہیں چھڈ نا بھاویں لگ جان ہتھکڑیاں
کھوئے تے آماہیا
نالے میری گل سن جا۔۔۔ نالے گھڑا وی چکا

ماہیا

تاریخ پیشی کے موقع پر یا ملاقات کے وقت بالو کا ماہیا گجرات شہر میں اس قدر مشہور اور مقبول ہو گیا جسے سننے کے لیے جیل اور عدالت کے باہر بہت سے لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد لوگ محمد علی کو ''ماہیا'' کہنے لگے۔ آخر کار عدالتی فیصلہ بالو کی مرضی کے مطابق اس کے حق میں ہوا۔ انگریز نے بالو کو عاقل و بالغ قرار دیتے ہوئے اسے اپنی مرضی کا مالک قرار دیتے ہوئے محمد علی کے ساتھ جانے اور زندگی گزارنے کی باضابطہ اجازت دے دی اور اس طرح جیل سے رہائی پانے کے بعد بالو ماں باپ کے ساتھ جانے کی بجائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محمد علی کے ساتھ چلی گئی۔ اس کے بعد محمد علی بالو کو لے کر لاہور چلا گیا۔ جس پر بالو کے والدین نے بیٹی سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ محمد علی چونکہ کم پڑھا لکھا اور غریب انسان تھا اس لیے وہ بالو کو وہ معیار زندگی فراہم نہ کر سکا جس کی وہ مستحق یا طلب گار تھی۔ محمد علی بالو کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پھر محمد علی نے بالو کو حالات کے اس دوراہے پر ڈال دیا جہاں برے حالات کے بعد عموماً عورتوں کو ڈال دیا جاتا ہے۔ بالو کی شکل و صورت اچھی تھی اس لیے اسے فلم میں بھی کام ملنا شروع ہو گیا۔ بالو نے کچھ عرصہ فلموں میں بھی کام کیا لیکن اس کے اندر کی عورت اور فرسٹیشن نے اس کے اعصاب کو متاثر کیا اور پھر اس حساس فنکارہ کو ٹی بی نے آن گھیرا۔ جس کے علاج کے لیے اسے کوہ مری لے جایا گیا۔ اس بیماری سے بالو جانبر نہ ہو سکی کیونکہ اس دور میں ٹی بی لاعلاج مرض تھا۔

کتابیات

۱۔ انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا' قاسم محمود' شاہکار بک فاؤنڈیشن' کراچی' ۱۹۹۸ء (دوسرا ایڈیشن)

۲۔ خفتگان خاک گجرات' ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ' سلیچ پبلی کیشنز' گجرات' اکتوبر ۱۹۹۶ء

۳۔ تاریخ جلال پور جٹاں میرا اور کشمیر (جلد اول) تحقیق و تالیف عارف علی میر ایڈووکیٹ گجرات' المیر ٹرسٹ لائبریری گجرات۔ 2002ء

۴۔ راز گفتاری' مرتب غفور اسلم' مکتبہ فکر نو' گجرات' س ن م

ضلع گجرات میں فن پہلوانی

عارف علی میر ایڈووکیٹ

برصغیر پاک و ہند کی آب و ہوا فن پہلوانی کے لیے موزوں ترین ہے۔ چونکہ یہاں گرمی' سردی' بہار' خزاں چاروں اقسام کے موسم اپنا اپنا رنگ خوب جماتے ہیں لہٰذا ہر مزاج کو پنپنے کا موقع ملتا ہے۔ تاریخ آدم کے ہر دور میں اپنی برتری کا اظہار قوی ترین جذبہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساڑھے انیس کروڑ مربع میل والے اس کرہ ارض پر جہاں انسان بستے ہیں ہر زمانے میں جنگ و جدل کا بازار گرم رہا اور رہے گا۔ وجہ نزاع کوئی بھی ہو اس سے بحث نہیں۔ اصلاح معاشرہ ہو یا ہوس اقتدار اپنے لیے ساری اچھائیاں چھین لینے کی کوشش ہو یا چھنے ہوئے سرمائے کا حصول' بنیادی جذبہ اپنی برتری جتانا اور منوانا ہی رہا ہے۔ بعض اوقات ان جنگوں کی وجوہات اتنی مضحکہ خیز ہوا کرتی تھیں کہ انسانی سوچ کو حد درجہ نابالغ دیکھ کر سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ المیہ ہے کہ صرف انسان ہی وہ واحد ''جنس'' ہے جو اجتماعی موت کا سامان کرتی رہی ہے۔ آج تک کسی حیوانی گروہ نے خواہ وہ درندوں ہی سے تعلق رکھنے والا کیوں نہ ہو' دوسرے گروہ پر حملہ کر کے اجتماعی موت کا سامان نہیں کیا۔ یہ صرف انسانوں ہی کا خاصہ رہا ہے۔

فن پہلوانی میں چونکہ اپنی جسمانی برتری کا اظہار فنکارانہ طریقے سے کیا جاتا ہے دوسرے کی جان لینا مقصود نہیں ہوتا لہٰذا یہ فن ہر مزاج کے لیے پسندیدہ رہا ہے۔ اس میں فطرت ''تماشا'' سے لے کر جنگ جو یانہ فطرت تک ہر مزاج کی تسکین ہو جاتی ہے۔

برصغیر کی مٹی زرخیز ہونے کی وجہ سے یہاں کے باسیوں کو کڑی مشقت کے بغیر ضروریات زندگی میسر آ جایا کرتی تھیں لہٰذا وہ مزاجاً امن پسند رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس ''سونے کی چڑیا'' پر ہمیشہ باہر سے حملے ہوتے رہے' ساکنان برصغیر نے بڑھ کر کسی پر حملہ نہیں کیا۔ ضروریات زندگی کی یہ فراوانی اگر بیرونی حملہ آوروں کو دعوت دیتی رہی ہے تو ان برائیوں کو جنم بھی دیتی رہی ہے جو بہتات کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔

Marfat.com

ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فن پہلوانی جس میں تماشا اور جنگی جذبات کی تسکین دونوں موجود ہیں' ہمارے مزاج کے عین مطابق رہا ہے۔ خصوصاً فرنگیوں کی بالادستی قائم ہو جانے کے بعد برصغیر کے شہ زور اور کس میدان میں اپنے اندر کھولتے لاوے کا اظہار کرتے۔۔۔؟ شاعری اور پہلوانی دو محاذ مناسب ترین تھے اور ان دونوں میں برصغیر نے اپنا لوہا منوایا۔۔۔۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ ایک حقیقت ہے اور اسی حقیقت کو آشکار کرنے کے لیے یہ داستان لکھی جا رہی ہے۔۔ داستان شہزوراں' ان حضرات کو بغور پڑھنی چاہیے جو ہر بدیسی چیز سے بلا سوچے سمجھے مرعوب ہو جاتے ہیں۔

برصغیر موجودہ بنگلہ دیش بھارت' نیپال' بھوٹان' اور سرزمین پاکستان پر مشتمل ہے۔ یہاں ایسے ایسے شہزور پیدا ہوئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ دوسرے ممالک نے افسانوی کردار تراشے مگر اس مٹی نے ایسے ایسے جیتے جاگتے انسان پیدا کیے جن کی شہ زوری نے افسانوی کردار سچ ثابت کر دکھائے۔

پہلوانی بنیادی طور پر ایک مہنگا فن ہے اور مفلسی اس کی سب سے بڑی دشمن۔ ایک عام پہلوان خوراک چونکہ عام آدمی سے بہت زیادہ ہوتی ہے (معیار م و مقدار میں) لہٰذا یہ ہر شخص کے بس کا روگ نہیں۔۔ یہی وہ محاذ ہے جہاں برصغیر کے راجوں مہاراجوں اور نوابوں نے آگے بڑھ کر اس فن کو سہارا دیا۔ کم و بیش تمام والیان ریاست نے اپنے اپنے پہلوانوں کی ایک فوج پال رکھی تھی۔ انھوں نے نہ صرف پہلوانوں کی خوراک کا معقول انتظام کر رکھا تھا بلکہ وظائف مہیا کر کے ان کو فکر معاش سے آزاد کر دیا تھا۔ پہلوانوں کے بین الریاستی مقابلے ہوا کرتے تھے جن سے ریاست کا نام بھی روشن ہوتا اور پہلوان بھی پلتے رہتے۔ برصغیر میں پہلوانی کی ترویج و ترقی میں والیان ریاست کا کردار ہمیشہ اہمیت کا حامل رہا۔

یہ بین الریاستی مقابلے اصل زمانہ قدیم کی اس رسم کی کڑی تھے جس میں بعض اوقات پہلوان' ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جب دو متحارب فوجوں میں سے ایک ایک پہلوان نکلا زور آزمائی ہوئی اور ہارنے والے پہلوان کی فوج نے شکست تسلیم کر لی اس طرح خلق خدا کشت و خون سے بچ گئی۔

برصغیر کی وہ ریاستیں جو فن پہلوانی کی ترویج و ترقی میں پیش پیش تھیں ان میں ریاست پٹیالہ' بڑودہ' دتیہ' الور' کولہاپور' جودھپور' بھاولپور' جونا گڑھ' اندور' بھرت پور' ٹیکم گڑھ' میسور اور ریواں وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ ان کے کونے کونے سے پہلوان یہاں آتے رہے اور فن زندہ رہا۔ ان ریاستوں کی سرپرستی غائب ہوئی تو فن پہلوانی بھی دم توڑ گیا۔ غیر منقسم پنجاب میں پہلوانوں پر سیر حاصل بحث ہمارا موضوع ہے۔ جو آج تک قلم کاروں کی عدم توجہ کا شکار رہا' کیا یہ بدقسمتی نہیں کہ ثقافت کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے فن پہلوانی کو بری طرح نظر انداز کیا؟ ہمارے نزدیک جو قوم اپنی ثقافت کو نظر انداز کر دیتی ہے وہ خود نظر انداز ہو جاتی ہے۔ فن پہلوانی ہماری ثقافت' ہمارے مزاج کا حصہ رہا ہے۔ اس داستان کو پڑھنے سے بعد ہمارے دعوے کی سچائی خود بخود آشکا ہو جائے گی۔

کتابیات

۱۔ داستان شہ زوراں (حصہ سوم) اختر حسین شیخ' ادب نما' لاہور

۲۔ تاریخ جلالپور جٹاں' عارف علی میر ایڈووکیٹ' المیر ٹرسٹ لائبریری' گجرات' ۲۰۰۲ء

ضلع گجرات میں تن سازی کی تاریخ

ندیم اللہ ایڈووکیٹ

ضلع گجرات نے مختلف کھیلوں کے حوالے سے نامور کھلاڑیوں کو پیدا کیا جنہوں نے ملک کے طول و عرض اور بیرون ملک لائق تحسین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا اور ملک کا نام روشن کیا۔ اسی طرح تن سازی کے کھیل کے حوالے سے بھی ڈسٹرکٹ گجرات باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام تن سازوں نے مختلف مقابلوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک نئی تاریخ رقم کی۔

قیام پاکستان کے بعد 1954ء میں حاجی اللہ رکھا شاکر کی زیر سرپرستی میں حاجی فضل حسین عالمگیر شاکر نے ایک ہیلتھ کلب کی بنیاد رکھی جس کا نام انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی محمد افضل شاکر سے پیار و محبت کی عملی شکل دیتے ہوئے ان کے نام پر ''افضل ہیلتھ کلب'' رکھا جو تا حال قائم و دائم ہے اور اسکے کھلاڑیوں نے گاہے بگاہے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ ملک و بیرون ملک کیا ہے۔

گجرات میں تن سازی کے حوالے سے نمایاں کارکردگی کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ گجرات کے ایک تن ساز ''محمود بٹ'' نے مسٹر پاکستان کا اہم ترین اعزاز 1959ء کراچی میں جیتا۔ آپ نے ایک روشن مینار کی صورت میں مستقبل میں آنے والوں کے لیے ایک درست سمت متعین کر دی جس کے بعد یہ سلسلہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا آج الحمد اللہ اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ گجرات کے تن

Marfat.com

سازملکی وغیر ملکی سطح پر مختلف مقابلہ تن سازی میں شرکت کر کے اعلیٰ کارگردگی کی ایک روشن مثال قائم کر رہے ہیں۔ موجودہ ضلع گجرات تین تحصیلوں (گجرات' کھاریاں' اورسرائے عالمگیر) پر مشتمل ہے جبکہ اس سے قبل موجودہ ضلع منڈی بہاؤالدین بھی ضلع گجرات کا ہی حصہ رہا۔

گجرات میں تن سازی کی تاریخ

محمود بٹ کے 1959ء میں مسٹر پاکستان بننے کے بعد 45 سال قبل جب مسٹر گجرات کا باقاعدہ سلسلہ وار مقابلہ شروع ہوا تو پہلے مسٹر گجرات ڈسٹرکٹ محمد ممتاز میر 1964ء میں قرار پائے اور اس مقابلے کے مہمان خصوصی میجر (ر) حسن بیگ آنریری مجسٹریٹ تھے جو بعد میں بطور وکیل بھی کچہری میں وکالت کرتے رہے اور میجر (ر) مرزا حسن بیگ خود بھی تقسیم ہند سے قبل برصغیر پاک وہند اور براعظیم ایشیاء کی سطح کے بہترین ایتھلیٹ رہ چکے تھے۔

گجرات سے باہر تن سازی کی کارکردگی

محترم محمود بٹ مسٹر پاکستان 1959ء کے بعد 1992ء ناظم علی (لالہ موسیٰ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات) نے جونیئر مسٹر پنجاب کا اعزاز لاہور میں منعقدہ مقابلہ تن سازی میں جیتا اور اگلے برس ہی محمد عباس بٹ (گجرات) نے مسٹر پنجاب 1993ء کا اعزاز فیصل آباد میں بعدازاں آپ نے چین میں جونیئر مسٹر ایشیاء کی کیٹگری میں کانسی کا تمغہ جیتا۔ شیخ سجاد طارق (گجرات) نے مسٹر پاکستان ریلوے کا اعزاز جیتا' اس مقابلے میں صرف محکمہ ریلوے کے تن سازوں نے پورے پاکستان سے شرکت کی تھی۔ بعدازاں جلال پور جٹاں کے اکرام بٹ نے دومرتبہ نیشنل چیمپئن جیتیں جبکہ ایک ایک مرتبہ غلام حیدر عرف بی اور راجہ محمد فیاض نے نیشنل چیمپین ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ جبکہ دیگر مشہور تن سازوں میں گجرات سے شاہجہان قریشی' شعیب احمد' ذوالفقار احمد بٹ' محمد آصف مرحوم' زبیر احمد' جلال پور جٹاں سے اشفاق احمد عرف بلا' زین کن ٹھ' محمد ادریس قمر' احمد حسن نے لالہ موسیٰ سے رانا ذوالفقار احمد' محمد اقبال سیٹھی' کھاریاں سے محمد داؤد' ڈنگہ سے شفقت رسول موحوم نے بھی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

گجرات کے نمایاں ہیلتھ کلب

جن ہیلتھ کلبوں کے تن سازوں نے ضلع گجرات میں اور گجرات سے باہر مقابلوں میں ضلع گجرات کے جانب سے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا' ان میں افضل ہیلتھ کلب' گجرات ہیلتھ کلب' الحاج محمد دین ہیلتھ کلب' یسین ہیلتھ کلب' رضا ہیلتھ کلب' نیوولڈ جم' جناب جم' باڈی ٹاک جم' ینگ باڈی بلڈنگ ہیلتھ کلب' وکی ہیلتھ کلب' عباس سٹی جم' سائل جم' جوائے سٹی جم' مسٹر جم' سٹائل جم (گجرات)۔ المعصوم ہیلتھ کلب' سٹون مین جم' علی فٹنس جم (ڈنگہ)۔ سیٹھی ہیلتھ کلب' بسم اللہ پاور جم' سپر گولڈ جم' رانا خالد ہیلتھ کلب' ظفر کلب' اعجاز ہیلتھ کلب' بٹ ورلڈ جم' اکرام ہیلتھ کلب' (لالہ موسیٰ) پاشا جم' روز یلی فٹنس جم' میر ہیلتھ کلب' شاہین سپر جم (جلال پور جٹاں) وغیرہ شامل ہیں۔ گجرات کی ذیلی تنظیموں کی کارکردگی:

سٹی گجرات

سٹی گجرات باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن نے صرف تین سال 94-1992ء تک بلدیہ حدود کمیٹی کے اندر قائم ہیلتھ کلبوں پر مشتمل مقابلہ جات کروائے جن میں تین سالانہ مسٹر وجونیئر مسٹر سٹی گجرات اور ایک مرتبہ کلب سٹی چمپیئن شپ کروائی ان مقابلوں کے انعقاد کو ممکن بنانے میں چودھری محمد سرور جوڑا (سابق ایم پی اے) کا ہمیشہ دست شفقت رہا اور یہ تمام مقابلے ان کے تعاون سے ان کے زیر سرپرستی ریکس سینما (حال واقع سرور گولڈ پلازہ گجرات) میں منعقد ہوتے رہے۔ اس تنظیم کے صدر محمد ممتاز آف میرا آٹوز اور سلیم اللہ آف انگلینڈ (برادر کلاں ندیم اللہ ایڈووکیٹ' سیکرٹری گجرات ڈسٹرکٹ باڈی بلڈنگ ایسوی ایشن) اور سید بابر جاوید فنانس سیکرٹری تھے۔ جن کے بالترتیب تین مسٹر گجرات سٹی ہر سال قرار پائے۔ بدر منیر آف دی وکی ہیلتھ کلب' شیخ سجاد طارق آف ینگ باڈی بلڈنگ ہیلتھ کلب اور رضوان احمد آف وکی ہیلتھ کلب جبکہ اعجاز بٹ مسٹر کلب چیمپئن منتخب ہوئے۔

تحصیل گجرات

چند سال قبل تحصیل گجرات کی سطح کے بھی مسٹر وجونیئر مسٹر تحصیل گجرات کے سالانہ مقابلے منعقد کروائے گئے جس کے بالترتیب سابقہ مسٹر تحصیل گجرات (غفور احمد۔ طارق۔ صابر حسین) منتخب ہوئے۔

جلال پور جٹاں

جلال پور جٹاں اور اس کے گردونواح کے دیہات میں قائم ہیلتھ کلبوں کے تعاون واشتراک سے ہر سال سالانہ جونیئر مسٹر و مسٹر جلال پور جٹاں کا مقابلہ باقدگی سے منعقد کرویا جارہا ہے۔ جلال پور جٹاں کے اس مقابلے و دیگر تقریبات کے انعقاد کے لیے وقتاً فوقتاً ایک ذیلی تنظیم جلال پور جٹاں باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن کے نام پر کام کر رہی ہے۔ جس کے نمایاں عہد یداران میں چودھری ریاض احمد مرحوم (صدر)' میر ناصر (سیکرٹری سابقہ) اور موجودہ عہدیداران میں رومان کنٹھ (صدر) اور عبدالجبار (سیکرٹری) ہیں۔ اس کی نمایاں کھلاڑیوں میں اشفاق احمد عرف

Marfat.com

بلا‘ آصف‘ معراج دین‘ غلام حیدر‘ شاہسوار‘ خالد اکرام بٹ‘ محمد ادریس قمر‘ احمد حسن‘ زین کنٹھ‘ راجہ فیاض وغیرہ کا تعلق جلال پور جٹاں سے ہے۔ اور اس کے جدید ہیلتھ کلبوں میں میر ہیلتھ کلب‘ پاشا جم‘ روز بیلی فٹنس جم‘ شاہین سپر جم‘ راجہ جم اور کڑیانوالہ ہیلتھ کلب (کڑیانوالہ) وغیرہ شامل ہیں۔

کنجاہ

یہ ایک قدیمی اور تاریخی قصبہ ہے جو اپنی علمی ادبی و مذہبی شخصیات خاص طور پر غنیمت کنجاہی اور محمد شریف کنجاہی کے حوالے سے مشہور معروف ہے۔ یہاں کے مشہور کلبوں میں ینگ ہیلتھ کلب‘ تھری سٹار جم‘ وغیرہ ہیں اب تک ایک تن ساز جاوید اقبال آف تھری سٹار جم مسٹر گجرات ڈسٹرکٹ منتخب ہو چکے ہیں۔

تحصیل کھاریاں

ضلع گجرات کی ایک اہم تحصیل ہے جہاں پر گزشتہ چند سالوں سے تحصیل سطح کے مقابلے کروائے رہے ہیں۔ کھاریاں شہر کے نامور تن ساز کھلاڑیوں میں محمد داؤد وغیرہ ہیں اور تحصیل کھاریاں باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن کے حالیہ صدر محمد حنیف بٹ اور سیکرٹری امری علی خاں ہیں جبکہ کھاریاں شہر میں اس وقت دو ہیلتھ کلب رضوان جم اور پنجاب جم سرگرم عمل ہیں۔

لالہ موسیٰ

تحصیل کھاریاں کا ایک اہم قصبہ ہے جہاں تن سازوں نے نمایاں طور پر اپنے علاقے کا نام روشن کیا ہے جن میں محمد اقبال سیٹھی‘ ناظم علی (جونیئر مسٹر پنجاب) رانا خالد علی‘ رانا ذوالفقار احمد‘ ریاض خاں‘ سید منصور رضا وغیرہ شامل ہیں۔ لالہ موسیٰ میں جدید ہیلتھ کلبوں سیٹھی ہیلتھ کلب‘ رانا خالد ہیلتھ کلب‘ بٹ ورلڈ جم‘ بسم اللہ پاور جم‘ اعجاز ہیلتھ کلب وغیرہ شامل ہیں۔

ڈنگہ

ایک قدیمی قصبہ ہے یہاں کے دو تن ساز شفقت رسول موحوم آف لمعصوم ہیلتھ کلب اور ساجد علی آف علی حسن ہیلتھ کلب مسٹر گجرات ڈسٹرکٹ منتخب ہو چکے ہیں۔ جبکہ شفقت رسول مرحوم دیگر اعلیٰ صوبائی و قومی سطح کے مقابلوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔

تحصیل سرائے عالمگیر

ضلع گجرات کی تیسری تحصیل ہے جہاں جدید ہیلتھ کلبوں نے بڑے زور وشور سے آغاز کیا ہے اور نمایاں ہیلتھ کلبوں میں سٹی سپورٹس جم اور Be Fit Gym 2 شامل ہیں۔

سابقہ مسٹر گجرات ڈسٹرکٹ

ترتیب وار چیدہ چیدہ سابقہ مسٹر گجرات ڈسٹرکٹ تن ساز کھلاڑیوں میں محمد ممتاز میر‘ محمد اسلام‘ شاہجہان قریشی‘ شعیب احمد‘ رانا ذوالفقار احمد‘ رافع سعید بٹ‘ احمد چٹھہ‘ حبیب احمد‘ اشفاق احمد‘ عرف بلا‘ نعیم ہاشمی‘ حامد‘ شہزاد احمد‘ ذوالفقار بٹ‘ محمد عباس بٹ‘ بدر منیر‘ شفقت رسول‘ انجم سلیم‘ حکیم شاہسوار بٹ‘ ساجد علی‘ رضوان اسلم‘ غلام حیدر بٹ‘ جاوید اقبال‘ صابر حسین‘ عدیل مغل‘ عمر ریاض بٹ‘ خالد اکرام بٹ‘ زبیر احمد وغیرہ شامل ہیں جبکہ دیگر نمایاں تن ساز کھلاڑیوں میں جمیل بٹ‘ جاوید الیاس بٹ‘ آصف محمد کاشمیری‘ محمد اقبال سیٹھی (انٹرنیشنل کھلاڑی) محمد یوسف المعروف پپ پہلوان‘ سعید احمد میر‘ سید کاشف علی زیدی‘ اعجاز احمد بٹ وغیرہ شامل ہیں۔

سابقہ نمایاں عہدیداران گجرات ڈسٹرکٹ باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن

چودھری احمد سعید • سابقہ سرپرست اعلیٰ و سابقہ صدر پاکستان باڈی بلڈنگ فیڈریشن) جبکہ اہم سابقہ صدور میں محمد ممتاز میر‘ جاوید الیاس بٹ‘ میاں عمران مسعود‘ حامد علی‘ زاہد امتیاز بابا‘ تسنیم شفیع بٹ مرحوم وغیرہ جبکہ اہم سابقہ سیکرٹری صاحبان میں آصف محمود کاشمیری‘ شاہنواز قریشی‘ افتخار قریشی‘ مستنصر محمود اختر‘ غلام شبیر قریشی‘ محمد عباس بٹ‘ نعیم احمد وغیرہ ہیں۔ جبکہ حالیہ صدر سید بابر جاوید اور سیکرٹری جنرل ندیم اللہ ایڈووکیٹ شامل ہیں۔

اہم معاونین

نوابزادہ مظفر علی خاں‘ میاں مشتاق حسین پگانوالہ مرحوم‘ چودھری احمد سعید‘ چودھری احمد مختار‘ چودھری پرویز الٰہی‘ چودھری شجاعت حسین‘ میاں عمران مسعود‘ میاں ہارون مسعود‘ چودھری محمد سرور جوڑا مرحوم‘ چودھری اجمل علی خاور‘ چودھری افضال آصف ایڈووکیٹ‘ چودھری خان ملک‘ سید بابر جاوید‘ سلیم اللہ‘ پروفیسر چودھری طارق محمود (صدر شعبہ تعلیم وجسمانی‘ گورنمنٹ زمیندار ڈگری کالج گجرات) ذوالفقار احمد کاشمیری عرف ذوالفقار بٹ وغیرہ شامل ہیں۔

ضلع گجرات کی تنظیم سازی

گجرات ڈسٹرکٹ باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن گوجرانوالہ زون اور پنجاب باڈی بلڈنگ ایسوسی ایشن سے الحاق شدہ اور ڈسٹرکٹ سپورٹس کمیٹی گجرات سے منظور شدہ ہونے کی وجہ سے باضابطہ واحد قانونی طور پر کام کر رہی ہے جس کا ریکارڈ حکومت کے سپورٹس اداروں اور پاکستان باڈی بلڈنگ فیڈریشن میں اندراج ہے اور سلسلہ وار

Marfat.com

پاکستان باڈی بلڈنگ فیڈریشن سے بھی منظور شدہ ہے جس کے موجودہ عہدیداران میں زاہد امتیاز بابا (سرپرست اعلیٰ)' شیخ فواد انور (سرپرست)' چودھری خان ملک (سرپرست)' سید بابر جاوید (صدر)' شکیب عمران درانی (سینئر نائب صدر)' رانا ایوب اقبال (نائب صدر)' راجہ شاہد جرال (نائب صدر)' ندیم اللہ ایڈووکیٹ (سیکرٹری جنرل)' غلام شبیر قریشی (ڈپٹی سیکرٹری)' چودھری خرم اسماعیل (پریس سیکرٹری) وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان باڈی بلڈنگ فیڈریشن

یہ وفاقی حکومت سے منظور شدہ پاکستان سپورٹس بورڈ' پاکستان اولمپکس ایسوی ایشن اور پاکستان پورٹس ٹرسٹ سے منظور والحاق شدہ واحد باڈی بلڈنگ فیڈریشن ہے۔ جس کے موجودہ لیفٹیننٹ کرنل (ر) محمد یحییٰ (صدر) اور شیخ فاروق اقبال (سیکرٹری جنرل) ہیں۔ جو بسلسلہ وار ایشیاء باڈی بلڈنگ فیڈریشن اور انٹرنیشنل فیڈریشن آف باڈی بلڈرز کی نمائندہ ذیلی تنظیم بھی ہے جس کے دنیا بھر میں تمام براعظموں سے 174 سے زائد ممالک ممبران ہیں اور 100 سے زائد ممالک کی نیشنل اولمپکس ایسوی ایشن اس کے الحاق شدہ ممبران ہیں علاوہ ازیں سید واجد علی شاہ مرحوم آنریری سرپرست انٹرنیشنل فیڈریشن آف باڈی بلڈرز رہ چکے ہیں اور آپ کی کوششوں سے ہی تن سازی کو ایشین گیمز میں شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ ایشیاء باڈی بلڈنگ فیڈریشن 1959ء میں تشکیل دی گئی جس کے تشکیل دینے میں پاکستان کا نمایاں کردار رہا اور پاکستان ایشیاء باڈی بلڈنگ فیڈریشن کے بنی ممبران میں سے ہے اور اسی وجہ سے ایشیاء کے پہلے صدر پاکستان کی طرف سے جنرل (ر) بختیار رانا اور سیکرٹری چودھری محمد امین تھے' جبکہ بعد میں چودھری محمد امین تین بار صدر ایشیاء باڈی بلڈنگ فیڈریشن رہے بعد ازاں لائف ٹائم صدارت بھی عطا کی گئی۔

حالیہ ضلع گجرات کی تن سازی قومی سطح پر فروغ میں محمد مشتاق میر آف سیالکوٹ (ایگزیکٹو ممبر' پاکستان باڈی بلڈنگ فیڈریشن) کی ذاتی کوششوں کا بھرپور حصہ رہا کیونکہ ان کا بھی آبائی تعلق جلال پور جٹاں ضلع گجرات سے ہے۔ پاکستان باڈی بلڈنگ فیڈریشن چاروں صوبوں اور مختلف اداروں (ریلویز' واپڈا' آرمی' نیوی' کیپیٹل زون' فاٹا' بار' ایجوکیشن' پولیس) وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ضلع گجرات میں تن سازی کا مستقبل بڑا روشن ہے اسی وجہ سے جدید مشینری سے آراستہ ہیلتھ کلب ضلع بھر میں تعمیر کیے جا رہے ہیں جن میں دور افتادہ علاقوں مثلاً سہنہ' بھوڑیاں' دولت نگر' کوٹلہ ارب علی خاں' کڑیانوالہ' منگلیہ' گلیانہ وغیرہ جیسے علاقوں شامل ہیں۔ گجرات میں اب اعلیٰ مشینری اور کوچنگ بھرپور طریقے سے میسر ہے جس کا تصور آج سے قبل نہیں کیا جا سکتا تھا آخر میں اس دعا کے ساتھ اپنی بات ختم کروں گا کہ گجرات میں نوجوانوں میں مثبت صحت مندانہ سرگرمیوں میں شرکت کے لیے شعور بیدار ہو (آمین)

حوالہ جات

۱- سیکرٹری جنرل' گجرات ڈسٹرکٹ باڈی بلڈنگ ایسوی ایشن وایسوی ایٹ سیکرٹری پنجاب باڈی بلڈنگ ایسوی ایشن۔

۲- PLD 1992 Central Statutes

- Ordinance XVI of 1962 Sports (Development and ۳Control) Ordinance 1962. p.682

- Pakistan Sports Control Board Rules 1962 PLD ۴1962 Central Statutes p.683

- Ordinance XXXIII of 1980 Natioal Sports Trusts ۵(Repeal) Ordinance 1980 PLD 1980

6- Constitution Pakisan Central Statutes p.154 Body Building Federation testified copy 29/9/2007 by Sh. Farooq Iqbal Sec. PBBF

7- Pakistan Sports 1947-1997 by Mukhtar Bhatti p,85 3rd Edition oct 1999 Published Bhatti Publication 103/B Gulberg II, Lahore.

8- 55th Mr. & Jr. Mr. Pakistan 2006 (Brooklet) by Pakistan Body Building Federation

9- Flex Magzine 1995 Vol. 13 no. 10 p.246

10- Muscle and Fitness vol.42 no. 5 May 1981 p. 12

11- http:// www.sports. gov. pk

12- http://www.ifbb.com

13- http:// www.abbf.asia

14- http://www. abbf.biz

15- http:// www.gdbba.20m.com

16- http:// www.pst. org.pk

17- Muscle and Fitness Vol. 55 no. 6 June 1994 p.147

☆ ماہنامہ ''سپرمین سٹار'' شمارہ 12/11 جلد نمبر 1 فروری مارچ 1990ء۔ 55- برانڈتھ روڈ لاہور۔

☆ ماہنامہ ''سپرمین سٹار'' لاہور جلد نمبر 4 شمارہ 12 مارچ 1992ء

Marfat.com

☆ ماہنامہ ''ہیلتھ ٹپس'' مئی 2001ء مین آفس گوجرانوالہ فرید ٹاؤن محلہ عثمان پارک گلی نمبر 3 زاہد زری ہاؤس گوجرانوالہ۔ صفحات نمبر 11,7۔

☆ خفتگانِ خاک گجرات۔ ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ

☆ مضمون ''مسٹروجونیئر مسٹر پنجاب کی 56 سالہ کہانی۔ آغا شاہد عظیم

☆ روزنامہ ''امروز لاہور'' 18 اور 19 اپریل 1982ء

☆ روزنامہ ''جنگ'' لاہور 1982ء مضمون ''باڈی بلڈنگ کا کھیل گجرات میں مقبول ہو رہا ہے نیاز احمد نیازی نمائندہ جنگ''

☆ ڈسٹرکٹ ویٹ لفٹنگ ایسوسی ایشن گجرات (سلور جوبلی) کتاب زیر اہتمام ڈسٹرکٹ سپورٹس کمیٹی ضلع گجرات۔

☆ گجرات کی تاریخ تاریخ ضلع گجرات۔ اسحاق آشفتہ' لیاقت علی شفقت۔

☆ تاریخ جلال پور جٹاں میرا اور کشمیر (جلد اول) تحقیق وتالیف عارف علی میر ایڈووکیٹ 'المیر ٹرسٹ لائبریری بھمبر روڈ گجرات۔ 29 جنوری 2002ء

گجرات میں کبوتر پروری کی تاریخ

ندیم اللہ ایڈووکیٹ

تاریخی اعتبار سے انسان اور کبوتر کا واسطہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے اور یہ پرندہ انسانی تہذیب کا ایک مستقل حصہ اور جزو بن چکا ہے۔ یونانی ادب میں کم از کم پانچ سو برس قبل مسیح کبوتر پالنے کا ذکر آتا ہے۔ تورات میں کبوتر کو پاک جانور بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح انجیل مقدس میں بھی ذکر ہے۔

کبوتر ایک نہایت بے ضرر' خوبصورت' سادہ' باصلاحیت کارآمد' پیغام رساں اور انسان دوست پرندہ ہے' اور قدیم زمانوں سے گھروں میں پالے اور سدھائے جاتے ہیں۔ کبوتروں کے متعلق علمی اور دینی تحقیق سے ثابت ہے کہ اس کا پالنا غیر اسلامی نہیں ہے اور نہ ہی کبوتر نحس ہے جس کے بارے میں ''الحیات الحیوان'' نامی کتاب میں بھی مفصل ذکر ہے۔

کبوتروں کی ان گنت اقسام ہیں جن میں شیرازی' چھتری والے' ہیومز' گولے' گدہ باز (آسمانی) وغیرہ شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اونچی پرواز والے کبوتروں کا یہ شوق وسطی ایشیائی ریاستوں سے ہوتا ہوا کابل کے راستے پہلی مرتبہ عبداللہ ازبک کے ذریعے باقاعدہ طور پر شہنشاہ اکبر کو تحفتاً بمعہ مہاوت بھیجے گئے۔ جبکہ آئین اکبری میں شہنشاہ اکبر نے کبوتر بازی کو عشق بازی سے منسوب کیا۔ بعدازاں ریاست لکھنو کے خاندان فرماں روائی کے ابتدائی دور سے شروع ہوا جن میں نواب شجاع الدولہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ نواب واجد علی شاہ والئی اودھ کا بھی پسندیدہ شوق رہا ہے۔

پاکستان کی سرکردہ شخصیات میں اس پرندے کے چاہنے والوں بھی سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کو اس پرندے سے الفت رہی۔ گجرات شہر میں اس شوق کو تقسیم ہند سے قبل خاص طور 1900ء سے 1940ء تک خاص مقام حاصل رہا۔ اس دور کی کبوتر پرور شخصیات میں ڈاکٹر محمد حیات (پرانی جیل نزد فوارہ چوک)' حکیم محمد امین میر (نزد نئی آبادی' چوک نواب صاحب)' مدینہ سیداں سے کیپٹن علی اکبر (کناں والے)' دین محمد عرف دینہ ساتھی فوارہ چوک' سید دتہ ڈھوریہ (جھیوڑ تندورچی) سکنہ محلہ گیان پورہ (مسلم آباد)' فضل دین عرف فضلو' مفتی ناز وڈا ووڈیرا صاحب شامل ہیں۔ جبکہ بعد از تقسیم حافظ غلام رسول (بیری ولا کھوہ) اور بابا بوٹا (دھیڈر) وغیرہ شامل ہیں۔ بعد میں انٹرنیشنل سطح کے مشہور کبوتر پرور امریکن نژاد ثاقب علی لون' جن کا سب سے پہلا مضمون 1984ء میں روزنامہ مشرق میں چھپا۔ علاوہ ازیں جنگ' اخبار جہاں اور روزنامہ جذبہ گجرات میں اسی شوق کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے رہے۔

بعد میں آنے والے حضرات میں لالہ ارشد مرحوم پرانا سعید اصغر استاد فیصل اکرم کھوکھر' استاد الحاج خالد محمود خان' ارشاد نصر گورالی' سلیم اللہ انگلینڈ' راؤ ناصر' جاوید مسیح' ندیم یونس دریاہ' چودھری رحان اف جھلبانی' ارشاد فواد الحسن' باؤ خرم رفیق' ملک محمد مشتاق' سید قدیر حسین شاہ' ڈاکٹر اشفاق احمد وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ سلیم اللہ (انگلینڈ برادر کلاں) اور ندیم اللہ ایڈووکیٹ راقم کے پاکستان کی سطح اور انٹرنیشنل سطح پر مشہور کبوتر پرور دوست شخصیات میں لالہ غلام فرید خاں (خان والے خان' نواب شیر خان آز فیروز پور) سردار دبیر سنگھ اور ھورام پور انڈیا (جن کا آبائی گاؤں چک 79 فیصل آباد ہے) خواجہ محمود الحسن مرحوم (باؤ من' فیصل آباد' سیالکوٹ سے باؤ شفیق' شیخ امتیاز احمد (سابقہ انکم ٹیکس کمشنر) ریاض الدین شیخ آف کامٹ سیدرس شامل ہیں۔ راقم کے والد محمد احسان اللہ ایڈووکیٹ' بازل علی قریشی نذ نارمل سکول گجرات بھی اس شوق سے منسلک عرصہ 45-50 سال سے ہیں۔

اس وقت گجرات ضلع میں کئی یجن کلب سرگرم عمل ہیں جن میں سرفہرست شاہ دولہ فلائنگ پجن کلب گجرات (راقم اس کلب کا سیکرٹری جنرل بھی ہے) یہ گجرات کا سب سے پہلا باقاعدہ کلب ہے۔ دوسرا فاران فلائنگ پجن کلب ہے جو کہ قومی سطح کا سب سے بڑا (انعام کے اعتبار سے) ٹورنامنٹ منعقد کروار ہے ہیں۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ قدیم لکھنو مشرقی تمدن کا آخری نمونہ۔عبدالحلیم شرراشاعت جوید2005ء بک سٹاک لاہور

۲۔ رموز کبوتر بازی۔خان حسان ضیاء المکتبہ العلمیہ لاہور1990ء

۳۔ الحیات الحیوان

۴۔ روزنامہ خبریں لاہور(11 جون2000ءتا19 جنوری2003ء)

۵۔ روزنامہ ایکسپریس لاہور گوجرانوالہ (13 اگست2006ء تا 16 مارچ2008ء،2 مئی2001ءتا16 ستمبر2007ء،27 جنوری2008ءتا 9 ستمبر2007ء،4مارچ2007ء،11 مارچ2007ء،29 اکتوبر2006ء

۶۔ روزنامہ انصاف لاہور یکم فروری2004ء

۷۔ ماہنامہ نیا شعور اپریل2008ء، اپریل/مئی2007ء

۸۔ روزنامہ جذبہ گجرات یکم فروری2002ء،15 جنوری2002ء

۹۔ رونامہ شانہ بشانہ گجرات 3 مارچ2008ء

۱۰۔ ماہنامہ فالکن ٹائمز گجرات فروری2001ء

۱۱۔ ماہنامہ دلجن ایورٹس کراچی شمارہ نمبر2 ý 1ʲ 2005ء

۱۲۔ ہفتہ وار اخبار جہاں 12 تا 18 اگست 1991ء

۱۳۔ رموز کبوتر پروری۔نایاب حیدر علم وعرفان پبلشر لاہور

۱۴۔ آئین اکبری مولف علامہ ابوالفضل مترجم مولوی محمد فدا علی صاحب سنگ میل لاہور

۱۵۔ تزک بابری۔رشید اختر ندوی سنگ میل لاہور

۱۶۔ واجد علی شاہ اور ان کا عہد رئیس احمد جعفری، کتاب منزل لاہور

Marfat.com

بارھواں باب

تعلیم: پس منظر و پیش منظر (ادارے۔شخصیات)

Marfat.com

تعلیمی پس منظر وارتقا

دورِ قدیم کا تعلیمی تعارف

قدیم پنجاب میں چونکہ یہ عام دستور تھا' جیسا کہ آج تک چلا آتا ہے کہ بچہ وہی پیشہ اختیار کرتا تھا جو اس کے باپ دادا کا ہوتا تھا یعنی بڑھئی کا بیٹا بڑھئی بنتا تھا اور لوہار کا بیٹا لوہار۔ اس لیے وہ عام طور پر اپنے باپ یا کسی قریبی رشتہ دار سے اپنے مخصوص پیشے کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ ابتدا میں تعلیم ڈرائنگ اور ڈیزائن کی دی جاتی تھی کیونکہ کوئی فن بغیر اس مخصوص شعبہ میں کمال حاصل کیے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ تعلیم گھر پر رہ کر دی جاتی تھی۔ تجارت پیشہ لوگوں کے بچوں کے لیے مہاجنی مدرسوں کا وجود بھی پایا جاتا تھا۔ بدھ مذہب کے ایک کتبے میں جو ۴۵۰ قبل مسیح کا ہے 'بچوں کے ایک ایسے کھیل کا ذکر ملتا ہے جسے ''اِکاریکا'' کہتے تھے۔ اس کے ذریعے سے بچوں کو حرف شناسی کی مشق کرائی جاتی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ابتدائی تعلیم بھی کافی عام تھی۔ ایسے ثبوت بھی ملتے ہیں کہ ''لیکھا (لکھنا)، ''گنز نا (حساب) اور ''روپا (مصور) ابتدائی مدرسوں ہی میں سکھادی جاتی تھی۔

عوام میں لکھنے پڑھنے کا چرچا

اشوک کے کتبے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اس خطے میں تعلیم کا رواج عام تھا۔ اس کے علاوہ اس میں مختلف کتبوں اور بدھ مت کی کتابوں میں ''پھلاکا (تختی)، ''ورناکا (قلم) اور زمین پر ریت پھیلا کر لکھنے کی طرف جابجا اشارے ملتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے پڑھنے کا چرچا عوام میں کافی تھا۔ فاہیان جو پانچویں صدی کے اوائل میں صرف سنسکرت سیکھنے کی غرض سے ہندوستان آیا تھا لکھتا ہے ''پنجاب میں تعلیم زبانی دی جاتی ہے لیکن مشرقی ہندوستان میں لکھنے کا رواج عام ہے۔'' فاہیان کا قیام پاٹلی پتر میں بدھ مذہب کی کسی خانقاہ میں رہا تھا' جس کے دوران اس نے سنسکرت بولنا اور لکھنا سیکھا۔

مٹھوں اور خانقاہوں میں تعلیم

بودھوں اور جینیوں کے بنوائے ہوئے مٹھ اور خانقاہیں عام طور سے بڑے بڑے تعلیمی مرکزوں کی حیثیت رکھتی تھیں جہاں گرو اپنے چیلوں کے ساتھ تعلیم و تدریس کا مشغلہ جاری رکھتے تھے۔ ان مٹھوں میں اکثر و بیشتر بالکل نئے اور تازہ طالب علم بھرتی کیے جاتے تھے۔ بودھ تعلیمی اداروں میں طالب علموں کو بودھ سنیاسی بننے کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں ہر طالب علم کے لیے سنسکرت پڑھنا اور منطق اور نحو میں تھوڑی سی مہارت حاصل کرنا ضروری تھا۔ اس کے بعد مقدس کتابوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بودھ خانقاہوں میں طب کا درس ایک لازمی مضمون تھا۔ اسی قسم کی تعلیم جین اداروں میں بھی دی جاتی تھی۔

تعلیم کے چھوٹے چھوٹے مراکز

علم وفن کے چھوٹے چھوٹے مراکز ملک میں بے شمار پائے جاتے تھے جہاں ایک گرو کے ساتھ کئی کئی سو چیلے اکٹھا ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات گرو دیو شہر کی زندگی کو تعلیمی مشاغل کے منافی سمجھ کر جنگلوں میں نکل جاتے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے لگتے۔ وہاں گرو اپنے چیلوں کے ساتھ بہت معمولی جھونپڑیوں میں رہ کر اور کھانے پینے کی سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا کر اپنے تعلیمی مشاغل کو جاری رکھتے تھے لیکن جب گرو کی شہرت عام ہو جاتی تو ان کی دنیاوی تکلیفیں رفتہ رفتہ دور ہونے لگتیں اور لوگ جوق در جوق آ کر ان کی ہر قسم کی امداد کرنے لگتے۔ اسی قسم کی نہایت معمولی بنیادوں سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ٹکشیلا' نالندا اور وکرم شلا جیسی عظیم درسگاہوں نے کیسے جنم لیا۔

ذرائع آمدنی

تعلیمی درسگاہوں اور مرکزوں کا صرفہ برداشت کرنے کے کوئی خاص اصول مرتب نہیں تھے' البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کے کل اخراجات کی ذمہ داری بعض اوقات مخیّر حضرات کے عطیات پر اور بعض اوقات عوام کے چندے پر ہوتی تھی۔ یہاں کے عوام کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے علم و فضل کے لیے اپنی تھیلیاں کھولنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ بڑی بڑی تعلیمی درسگاہوں کے لیے راجہ کئی کئی گاؤوں کی آمدنی وقف کر دیتے تھے۔ راجہ راجندر چول کے ایک کتبے سے معلوم ہوا ہے کہ گاؤں کی پنچایت ۳۴۰ طالب علموں اور دس عالموں کے رہن سہن اور کھانے پینے کا انتظام کرتی تھی۔ اس قسم کے بے شمار کتبے دریافت ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے راجہ کس صورت سے ان برہمن عالموں کی مالی امداد کرتے تھے جو تعلیمی درسگاہوں کی خدمت انجام دیتے تھے۔

نصاب تعلیم

ان مضامین کی فہرست کافی طویل ہے جن کی اس زمانے میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس میں نہ صرف ادب ___ مذہبی یا غیر مذہبی: علم نحو' شاعری' عروض' منطق اور فلسفہ شامل تھا بلکہ علمی اور فنی ادب جیسے طب' سپہ گری' نجوم' ہیئت' حساب' سیاسیات' اقتصادیات' کہانت اور سحر وغیرہ بھی شامل تھے۔ راج کمار اور اونچے گھرانوں کے

Marfat.com

چھتری اپنے گھر پر رہ کر خاندان کے 'پروہت' سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کے لیے حسب ذیل علوم کی تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا:

(۱) ''آن وِکشکی'' یعنی سانکھیہ' یوگ اور 'لوک آیت' (عقلی فلسفہ' منطق' مابعد طبیعات وغیرہ)

(۲) تینوں ویدوں کا علم

(۳) وارتا یعنی زراعت' تجارت اور جانوروں کی پرورش

(۴) ڈنڈ نیتی یعنی سیاست (ڈپلومیسی)

چھتری نظام تعلیم میں فن سپہ گری پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا لیکن لطف یہ ہے کہ اس کے سکھانے والے بھی برہمن ہی ہوتے تھے۔ پنج تنتر اور ہتو پدیش کی تصنیف جانوروں کی کہانیوں کے ذریعے راجکماروں کو راج نیتی (سیاست) کی تعلیم دینے کے لیے عمل میں آئی تھی۔ اسی طرح نیتی سار' دھنر وید اور سمرتیوں کے بعض اجزاء راجکماروں کو تعلیم دینے کے لیے تصنیف کیے گئے تھے۔

ویش لوگوں کو علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہیرے جواہرات' مختلف دھاتوں' کپڑوں اور عطریات کو جانچنے اور پرکھنے کا علم' اشیاء اور اجناس کو محفوظ رکھنے کے طریقے' زراعت اور مختلف زبانیں جو علاقے کے لوگ بولتے تھے' سیکھنا ہوتی تھیں۔ نوجوانوں کو ابتدا ہی میں مشہور اور تجربہ کار تاجروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا جن کے ساتھ رہ کر وہ اپنے پیشے یا فن سے متعلق گر سیکھتے تھے۔ وہ اپنے فن پر بھی کتابیں پڑھتے تھے اور اسی کے ساتھ علم الاصنام' رزمیہ نظموں اور پرانوں کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔

تعلیم کے مقاصد

قدیم پنجاب میں تعلیم کے تین واضح مقصد قرار دیے جا سکتے ہیں اولاً تحصیل علم' دوم تربیت اخلاق اور مذہبی رسوم ادا کرنے کی لیاقت پیدا کرنا اور سب سے بڑھ کر تشکیل سیرت۔ عام طور پر تعلیم کے دوران ان تینوں مقاصد کو سامنے رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ برہمنوں کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ انسان جس کا دل دنیا کے راحت و آرام اور تعیش میں الجھ کر رہ جائے' اسے نہ ویدوں کا مطالعہ نجات دلا سکتا ہے' نہ خیرات' نہ قربانیاں' نہ نفس کشی اور ریاضت۔ ان بلند مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے طالب علم کو نظم و ضبط کی بڑی سخت پابندیوں میں رہ کر زندگی گزارنی ہوتی تھی۔ طالب علم کے لیے ہر قسم کی دنیاوی تفریحات سے پرہیز کرنا اور سادہ اور بے لوث زندگی بسر کرنا ضروری تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے استاد کا بلند کردار پیش نظر رکھ کر اس سے سبق حاصل کرتا اور اپنے اندر وہ تمام صفات حسنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا جو اس کے استاد میں پائی جاتی تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ استاد کے گھر میں رہنے سہنے کے باعث اس کے اندر ماں باپ سے محبت' ہمدردی اور ایثار و رواداری کی صفات بھی بیدار ہو جاتی تھیں اور سیرت انسانی کا یہ لطیف پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔

نتائج

اس طرز تعلیم کے نتائج بھی بڑے دیرپا اور دور رس ہوتے تھے۔ ہون سانگ کہتا ہے ''جب طالب علم تیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کا کردار مرتب اور علم پختہ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر دنیا کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے کردار کی سادگی کو برقرار رکھتے ہوئے اپنا وقت علم و فن کے گہرے اور عمیق مسائل حل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ یہ لوگ مادی خواہشات اور دنیاوی شہرت اور عزت سے بے نیاز و بے تعلق ہیں۔ راجا اور پرجا سب ان کی عزت کرتے ہیں۔ راجہ چاہے کہ انھیں دربار میں کھینچ بلائے تو یہ ممکن نہیں۔ حصول علم کے سلسلے میں یہ لوگ کسی جسمانی تھکن کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کے نزدیک ڈیڑھ سو میل کی مسافت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ان کا کنبہ چاہے مالی مشکلات میں مبتلا ہو لیکن وہ خود بھیک مانگ کر زندگی گزار لیتے ہیں اور اپنے علمی مشاغل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان کے نزدیک علم ہی سب سے بڑی دولت ہے اور تنگ دستی اور افلاس میں وہ کوئی بے عزتی نہیں سمجھتے۔''

تعلیمی اداروں اور شخصیات کا اجمالی جائزہ

تاریخ کے ہر دور میں گجرات (بشمول منڈی بہاؤالدین) کی مردم خیز سر زمین میں نابغہ روزگار ہستیاں جنم لیتی رہی ہیں جنھوں نے اپنی اپنی سرگرمیوں سے زندگی کے ہر شعبے کو سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ تعلیم و تدریس کا میدان بھی اس سلسلہ میں تہی دامن نہیں رہا۔ اہل گجرات اس اعتبار سے قابل ستائش ہیں کہ انھوں نے پنجاب کے خطے میں علم کی اہمیت کو سب سے پہلے سمجھا۔ شہر گجرات کی ایک اہم قومی درسگاہ اسلامیہ ہائی سکول ہے' جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری (اسلامیہ ہائی سکول) اور مولانا عبدالکلام آزاد کی مساعی جمیلہ سے معرض وجود میں آئی۔ یہ ادارہ گجرات کی قومی تاریخ کا سنہری باب ہے۔ یہ ادارہ اس وقت قائم ہوا جب گجرات کی سرزمین تعلیمی میدان میں بہت پسماندہ تھی۔ اندرون شہر اس وقت ایک ہی ادارہ مشن ہائی سکول تھا 'جو عیسائیت کی تبلیغ کا مرکز بھی تھا۔ ایسے وقت میں قوم کو خواب غفلت سے جگانے' ہندو کے مقابلے اور انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے واحد ذریعہ مسلمانوں میں تعلیمی شعور اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا تھا۔ لہٰذا صاحبزادہ غلام دستگیر' سید عطاء اللہ

Marfat.com

شاہ بخاری اور دیگر دردمند حضرات نے اس سکول کے لیے چندہ اکٹھا کیا۔
قیام پاکستان سے قبل شہر گجرات میں تعلیمی اداروں کی شدید کمی تھی۔اسلامی ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے کوئی موزوں ثانوی سکول نہ تھا۔مشن ہائی سکول اور سناتن دھرم ہائی سکول (موجودہ گورنمنٹ کالج جی ٹی روڈ) میں مسلمان اپنے بچوں کو داخل کروانے پر مجبور تھے۔اسلامیہ ہائی سکول اگرچہ موجود تھا مگر ثانوی درجہ حاصل کرنے میں مسلمان روسا کی عدم توجہ کا شکار تھا۔گورنمنٹ کا کالج بند ہو چکا تھا۔زمیندار ہائی سکول بھی اگرچہ کام کر رہا تھا مگر شہر سے باہر واقع تھا جس سے شہر کے غریب اور متوسط طلبا پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ان نامساعد حالات میں جناب شیخ شفقت اللہ مرحوم نے ایک عظیم منصوبے کا بیڑہ اٹھایا اور پبلک ہائی سکول کی داغ بیل ڈالی۔بغیر سرمائے مگر خلوص وخدمت سے سرشار شیخ شفقت نے جس تندہی سے اس درسگاہ کے لیے کام کیا' اس کی مثال محال ہے۔اس سکول کو حکومت نے ۱۹۴۳ء میں مستقل منظوری دی۔۱۹۵۳ء میں یہاں طلبا کی تعداد ۱۵۰۰ تک پہنچ گئی اور محکمہ تعلیم کے ایما پر ریلوے روڈ پر پبلک سکول نمبر ۲ کا آغاز کر دیا گیا اور شیخ شفقت کے برادر عزیز جناب شیخ عظمت اللہ کو اس درسگاہ کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا جنہوں نے اس ادارے کی عظمت کو بلندیوں تک پہنچایا اور اہل گجرات کی تعلیمی پیاس بجھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

دوسری جانب گجرات میں کالج کی کمی کو محسوس کیا جا رہا تھا چنانچہ ۱۹۶۳ء میں پبلک سکول کی انتظامیہ نے سرسید انٹرمیڈیٹ کالج ریلوے روڈ کا آغاز کیا (جواب گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ہے)۔۱۹۶۵ء میں یہاں پری انجینئرنگ کی کلاسز کا بھی اجراء ہوا۔شیخ انعام اللہ ایم اے (علیگ) اور مرزا وسیم بیگ ایم اے انگلش اس کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔علاقہ کی بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے سلطان بخش گرلز ہائی سکول ریلوے روڈ پر قائم کیا گیا جس سے کسی حد تک بچیوں کی تعلیمی کمی کو پورا کیا گیا۔

زمیندار کالج بھمبر روڈ گجرات کا شمار ملک کی ممتاز درسگاہوں میں ہوتا ہے۔ضلع گجرات کی بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کے پیش نظر یہاں کے معروف ماہر تعلیم اور سیاسی رہنما نواب سر فضل علی نے ۱۹۱۴ء میں زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔جس نے فوری طور پر مسلم ہائی سکول کے نام سے تعلیمی ادارہ قائم کیا۔اس سکول کی پہلی عمارت اندرون شہر شیشیانوالہ گیٹ کے قریب واقع تھی۔بعدازاں شہر سے قدرے فاصلے پر بھمبر روڈ پر ایک بہت بڑا قطعہ زمین حاصل کیا گیا جس پر ایک نہایت کشادہ اور عمدہ عمارت تعمیر کی گئی اور اس میں زمیندار ہائی سکول کو منتقل کر دیا گیا۔اس عمارت کی خصوصیت یہ تھی کہ سکول کے ساتھ ایک نہایت اعلیٰ دارالاقامت بھی موجود تھا۔جس میں غریب اور نادار طلبہ کے لیے خوراک اور رہائش کا نہایت مناسب انتظام تھا۔جلد ہی یعنی ۱۹۳۶ء میں ایسوسی ایشن نے زمیندار کالج کی بنیاد رکھی۔زمیندار کالج کے پہلے پرنسپل کا اعزاز جناب ڈاکٹر جہانگیر خان کو حاصل ہوا۔موصوف کی مساعی جمیلہ کے باعث درسگاہ کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا۔طلبا کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ایک ہوسٹل کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔اس ادارے نے اتنی ترقی حاصل کی کہ راولپنڈی اور لاہور کے درمیان یہی ایک نامور ادارہ سمجھا جاتا تھا۔تدریس کے ساتھ ساتھ جملہ کھیلوں کے لیے متعدد وسیع وعریض میدان بھی موجود ہیں۔کالج کی ادبی وثقافتی سرگرمیوں میں بزم اقبال اور جریدہ شاہین ہیں۔جناب محمد ریاض ایم ایس سی فزکس بھی اس کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔

زمیندار ایسوسی ایشن نے ۱۹۵۲ء میں فاطمہ جناح کالج برائے خواتین قائم کیا۔جواب ڈگری کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔قیام پاکستان کے بعد سناتن ہائی سکول کو ۱۹۶۸ء میں زمیندار ڈگری سائنس کالج میں تبدیل کر دیا گیا۔طلبا کی تعداد کے پیش نظر ایک اور بلاک تعمیر کیا گیا۔دونوں کالجوں کے ادغام سے اس کا نیا نام گورنمنٹ کالج گجرات رکھا گیا۔یونیورسٹی آف گجرات کے قیام کے بعد اب یہ کالج اس کا ایک کیمپس بن گیا ہے۔یہاں پر آرٹس' پری انجینئرنگ اور پری میڈیکل کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی تعلیم کا بھی نہایت معقول انتظام ہے۔گورنمنٹ کالج جی ٹی روڈ گجرات شہر اور اس کے گردونواح کی تعلیمی ضروریات کو پورا کر رہا ہے۔اس کالج میں نامور ماہر تعلیم پروفیسر حضرات اپنی شب وروز محنت سے اہل گجرات کے نونہالوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں۔اس کے ایک وسیع گراؤنڈ کے باعث نہ صرف طلبا کالج بلکہ اہل گجرات بھی جملہ کھیلوں کے سلسلہ میں مستفید ہو رہے ہیں۔پرنسپل جناب مفتی عبدالعزیز ایم ایس سی (باٹنی) نے کالج کے امور اور تدریسی کام میں بڑی دلچسپی اور محنت سے اس کی شہرت میں اضافہ کیا۔بچیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر زمیندار کالج کے پہلو میں انٹرمیڈیٹ کالج کا آغاز کیا گیا جس کی عمارت کا سنگ بنیاد جناب چودھری پرویز الٰہی نے ۱۹۸۵ء میں رکھا اور عمارت کا افتتاح جناب چودھری شجاعت حسین نے ۱۹۸۷ء میں کیا۔وزیر تعلیم جناب میاں عمران مسعود نے ۱۹۹۲ء میں ڈگری کلاسوں کا افتتاح کیا۔اس ادارہ نے نہایت قلیل مدت میں بڑی شاندار کارکردگی کی بنیاد پر نہ صرف گوجرانوالہ ڈویژن میں امتیازی شہرت کا حاصل ہے بلکہ پورے پنجاب میں اس کا شمار صوبے کے بہترین اور معیاری اداروں میں ہونے لگا ہے اور اس کا زیادہ تر سہرا محترمہ پرنسپل مس عذرا غنی کے سر ہے جنہوں نے زندگی کو مکمل طور پر اس ادارے اور تعلیم و درس کے لیے وقف کیے رکھا۔

گجرات شہر کے باہر جلالپور جٹاں میں ایک خوبصورت اور ایک کشادہ

Marfat.com

عمارت پر مشتمل عبدالحق اسلامیہ کالج اسلام گڑھ روڈ پر واقع ہے۔علاقے کے بزرگ محترم عبدالحق مرحوم کے نام سے منسوب ہے اور ۱۹۷۱ء سے یہ کالج چلا آرہا ہے۔عرصہ دراز سے ایک ڈگری کالج بھی تعمیر ہو کر مرمت کے مراحل سے گزر رہا ہے مگر ہنوز ڈگری کلاسز ایک خواب ہی ہیں۔جناب صدیق ظفر ادارے کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔انٹر کلاسز تک یہ علاقے کے نونہالوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہا ہے۔اس ادارے کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا ہے کہ یہاں پر پروفیسر سید حامد حسن اور چودھری فضل حسین جیسی عالم فاضل شخصیات پرنسپل کے فرائض انجام دیتی رہی ہیں۔پروفیسر شاہد احمد چودھری کا تعلق جلالپور جٹاں کے نواح سے ہے۔اس ادارے کو خوبصورت' معیاری اور مربوط بنانے کے لیے بڑے پرعزم رہے ہیں۔ادارے کی ترقی اور بہتر تعلیمی سہولیات کیلیے دن رات کوشاں رہے۔ان کی مدبرانہ شخصیت' مشفقانہ رویہ اور دلجمعی ادارے کو چار چاند لگائے۔جلالپور جٹاں میں ایک نہایت معروف گورنمنٹ ابن امیر ڈگری کالج برائے خواتین بھی موجود ہے۔یہ کالج جلالپور جٹاں اور گردونواح کی بچیوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔اس کالج کی پرنسپل ڈاکٹر شاہین مفتی' جو علم وادب کی دنیا میں شہرت رکھتی ہیں اور ایک بہترین ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ ساتھ شاعرہ بھی ہیں۔اس کالج کی پہچان ہی علمی وادبی سرگرمیاں' مذاکرے' مباحثے' مشاعرے اور سیمینار ہیں۔جو نہ صرف طالبات میں علمی وادبی ذوق کی ترویج کا باعث ہیں بلکہ ثقافتی ورثہ کی منتقلی کا ذریعہ اور اظہار بھی ہیں۔سال ۲۰۰۴ء' پرنسپل صاحبہ نے کالج ہذا میں پوسٹ گریجوایٹ کلاسز کا اجراء بھی کیا جس سے علاقے کے عوام کو تعلیمی سہولیات میسر آئیں اور تعلیمی وعلمی تشنگی دور کرنے کا سبب بنا۔

گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول جلالپور جٹاں جو انجمن حمایت اسلام کے زیر اہتمام انتظام قائم ہوا تھا' نے علاقے کو نونہالوں کے اندر علمی جستجو اور ذوق وشوق پیدا کیا اور آج بھی شب وروز قوم سے جہالت کو ختم کرنے میں معروف ہے۔اس ادارہ کے فارغ التحصیل قوم کے سپوت ملکی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔گجرات کے مشہور گاؤں ٹانڈہ میں خالصہ ہائی سکول موجود تھا۔قیام پاکستان کے بعد سکول انتظامیہ ہندوستان منتقل ہوگئی جس وجہ سے یہ سکول بند ہوگیا۔اس وقت علاقہ کی معروف علمی شخصیت چودھری محمد شفیع جو چند ابتدائی گریجوایٹ شخصیات میں شامل تھے' سکول کو تباہی سے بچانے کے لیے بغیر کسی حکومتی مدد اور سرپرستی کے بحال رکھا اور علاقہ کے نوجوانوں کے لیے تعلیمی سہولت کو یقینی بنایا۔۱۹۴۹ء میں سکول کو ڈپٹی کمشنر گجرات کے حوالے کیا گیا اور اس کا نام ڈی سی سکول ٹانڈہ رکھا گیا۔اس کا موجودہ نام گورنمنٹ ہائی سکول ٹانڈہ ہے۔

گورنمنٹ ہائی سکول کنجاہ بھی گجرات کی قدیم درسگاہوں میں شامل ہے۔اس ادارے نے علاقے میں علمی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور موجودہ دور میں بھی اس کا کردار بڑا اہم ہے۔

گورنمنٹ ہائی سکول ڈنگہ بھی ایک قدیم تعلیمی درسگاہوں میں شامل ہے جو قیام پاکستان سے لے کر آج تک تعلیمی پسماندگی کو ختم کرنے میں اہم حصہ ڈال رہا ہے۔اس ادارے نے تعلیمی شعور کو اجاگر کرنے اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔علاوہ ازیں کامرس اور فنی تعلیم کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک کامرس کالج جلالپور جٹاں موڑ پر خانقاہ شاہ جہانگیر کے قریب قائم ہوا جہاں اب بی کام تک کلاسیں ہو رہی ہیں۔فنی اور ٹیکنیکل تعلیم کے لیے سویڈش کالج سروس موڑ پر واقع ہے۔اس ادارے نے گجرات کے صنعتی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے' بالخصوص دیہاتی بچے تکنیکی تعلیم سے مستفید ہو کر مشرق وسطیٰ میں ملکی زرمبادلہ کمانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔لالہ موسیٰ اور گجرات میں ایک ایک ٹیچرز ٹریننگ برائے ایلیمنٹری سکول قدیم ادارے ہیں۔جو اب وقت کی ضرورت کے مطابق یونیورسٹی ایجوکیشن کالجز میں تبدیل ہو چکے ہیں۔جہاں پر بی ایڈ اور ایم ایڈ کلاسز کا اجرا ہو چکا ہے۔قیام پاکستان سے قبل ہیڈ رسول کے مقام پر ایک ٹیکنیکل کالج قائم تھا جو اوورسیرز اور ڈرافٹس مین تیار کرتا تھا اور اب بھی علاقے کے بچوں کو ہنر سے آراستہ کر رہا ہے۔بڑھتی ہوئی آبادی کی موجودہ اور مستقبل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گجرات کے حکمرانوں نے اہل گجرات کے لیے تعلیمی میدان میں بھی بے مثال کام کیا ہے۔یہ نہ صرف وقت کی ضرورت تھی بلکہ علاقے کے عوام کے دیرینہ مطالبات بھی تھے۔اس سلسلہ میں قصبہ کڑیانوالہ میں بوائز کالج کا قیام' گجرات شہر میں بچیوں کے لیے گورنمنٹ ڈگری کالج برائے بوائز' کنجاہ میں انٹر کالج برائے خواتین کے علاوہ قصبہ ڈنگہ میں بوائز ڈگری کالج کے قیام نے ضلعی حکومت کی جانب سے ایک تعلیمی نیٹ ورک قائم کر دیا ہے۔اب بڑی حد تک لڑکوں کے لیے تعلیمی مسائل میں کمی واقع ہوئی ہے اور انھیں ان کی دہلیز پر اعلی ثانوی اور ڈگری کی تعلیم کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔چودھری پرویز الٰہی سابق وزیر اعلی پنجاب کی کوششوں کی بدولت گجرات یونیورسٹی کی صورت میں ایک خواب کی تعبیر حاصل ہوگئی۔حکومت نے اعلیٰ ثانوی تعلیم کے حصول کے لیے اب لاہور اور اسلام آباد کی بجائے اپنے گھر گجرات میں ایم اے/ایم ایس سی اور پی ایچ ڈی کی سطح کی تعلیمی سہولیات مہیا کر دی ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد پگانوالہ خاندان نے دبیرستان فاطمۃ الزہرہ گرلز ہائی سکول قائم کیا۔میاں محمد اشرف پگانوالا اس سکول کے نگران اعلیٰ رہے ہیں۔ایک گرلز ہائی سکول بلدیہ گجرات کے زیر اہتمام قائم ہے۔ابتدائی تعلیم کے سکولوں میں ایم زیڈ کنڈر گارٹن سکول قابل ذکر ہے۔جہاں جدید طریقہ تعلیم رائج ہے۔کھاریاں کینٹ

Marfat.com

میں طلبہ وطالبات کے علیحدہ علیحدہ ایف جی ڈگری کالجز ہیں جبکہ ہائی سے نرسری سطح تک کے تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ گجرات شہر میں سویڈش پاکستانی انسٹی ٹیوٹ کے نام فنی تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ کام کر رہا ہے جہاں پنجاب بھر کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ اس طرح رسول میں ایک قدیم ادارہ گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی کام کر رہا ہے جہاں سے تعلیم حاصل کر کے طلبہ اندرون اور بیرون ممالک فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ گجرات میں گورنمنٹ کالج آف کامرس پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ منسلک ہے جبکہ ایک ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ طلبہ کے لیے اور دوسرا طالبات کے لیے ہے۔ وڈ ورکنگ سنٹر کے نام سے سال انڈسٹریز اسٹیٹ گجرات میں قائم ادارہ لکڑی کے کاریگر اور سرامکس انسٹی ٹیوٹ پاٹری کی صنعت کے لیے تجربہ کار کاریگر فراہم کر رہا ہے۔ طالبات کے لیے ضلع میں تقریباً ۶ ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ مختلف شہروں میں کام کر رہے ہیں۔ کھاریاں میں محکمہ آبادی کی طرف سے ایک ٹریننگ سنٹر قائم ہے۔ سرائے عالمگیر میں ملٹری کالج قائم ہے گو اس کالج کا نام جہلم ملٹری کالج ہے۔ مگر سرزمین گجرات پر قائم یہ ادارہ اعلیٰ فوجی آفیسر تیار کرنے میں مصروف ہے۔

لالہ موسیٰ میں اس وقت طلبا کے لیے چار سے زاید ہائی سکول جبکہ طالبات کے لیے دو ہائی سکول موجود ہیں ایک کالج برائے خواتین اور ایک بچوں کے لیے کالج کے علاوہ ایلیمنٹری کالج بھی لالہ موسیٰ کی تعلیمی زیب و زینت ہیں۔ محکمہ تعلیم کے تحت چلنے والے ان بڑے اداروں کے ساتھ ساتھ کئی پرائمری اور مڈل سکول بھی اس شہر عظیم کی تعلیمی تاریخ کو چار چاند لگاتے ہیں۔ تقریباً ساٹھ کے قریب پرائمری مڈل اور ہائی پرائیویٹ سکول بھی لالہ موسیٰ کے تعلیمی تقدیس میں اضافے کا باعث ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ضلع گجرات میں ۱۹۹۸ء کی مردم شماری کے مطابق پرائمری سکولوں کی تعداد ۵۷۶ مردانہ ۶۱۵ زنانہ مڈل سکول مردانہ ۱۳۰ جبکہ زنانہ ۸۶ سیکنڈری سکولوں کی تعداد ۱۴۸ مردانہ اور زنانہ سکول ۶۰ ہیں۔ اسی طرح ہائر سیکنڈری سکول مردانہ ۶ اور زنانہ ۳ ہیں۔ انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کالجوں کی تعداد ۶ مردانہ اور ۶ زنانہ ہے۔ اسی طرح ۳۵۵ مساجد سے ملحقہ سکول ہیں۔

دوسری جانب ۱۹۹۸ء کی مردم شماری کے مطابق منڈی بہاؤالدین میں ۲ ڈگری کالج، تین انٹرمیڈیٹ سکول اور تین پروفیشنل سکول قائم ہیں جبکہ ۸۳ ہائی/ہائر سیکنڈری سکول ۱۰۸ ایلیمنٹری سکول اور ۱۰۷ پرائمری سکول ہیں۔

حکومت کی نجی شعبہ کی حوصلہ افزا پالیسی کی وجہ سے پرائیویٹ سیکٹر نے تعلیمی انقلاب برپا کر دیا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات اور جدید تعلیمی سہولیات میں اس شعبہ کا کردار بڑا مثالی ہے جو ملکی تعلیمی پسماندگی کے خاتمے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ آج گجرات میں بہترین سکول جن میں PIPS، گرائمر، بیکن ہاؤس وغیرہ کے علاوہ گجرات گروپ آف کالجز بھمبر روڈ، اجمیری گروپ آف کالجز اور چناب گروپ آف کالجز، گجرات فاطمہ جناح کالج، علامہ اقبال کالج، اسلامیہ ڈگری کالج، فاران انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی گجرات وغیرہ اہل گجرات کے بچے اور بچیوں کو شب و روز علم بکھیرنے میں مشغول ہیں۔ واضح رہے کہ ضمیمہ جات میں درج فہارس کو محض نمونہ سمجھا جائے۔ ہمارا مقصود محض سرکاری و غیر سرکاری اداروں کی کوششوں کو سراہنا ہے۔

اس مختصر جائزے کے بعد آیئے اب گجرات (بشمول منڈی بہاؤالدین) کے چند اداروں اور نامور شخصیات کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے یہاں تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ درج ذیل فہرست میں بہت سے قابل ذکر اداروں اور شخصیات کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی اہمیت نہ تھی یا فروغ تعلیم میں ان کا کردار نہیں ہے۔ اداروں اور شخصیات کی یہ فہرست الفبائی ترتیب سے ہے۔

ایلیمنٹری کالج برائے طلبا، لالہ موسیٰ

لالہ موسیٰ کی تعلیمی تاریخ میں ایلیمنٹری کالج ایک مضبوط حوالہ ہے کیونکہ جس وقت یہ ادارہ قائم ہوا پورے ملک میں اس کا ثانی نہ تھا۔ پورے پنجاب (انڈین پنجاب سمیت) کے اساتذہ اسی درسگاہ کے طالب علم رہے ہیں۔ یہاں جے۔ وی کا امتحان پاس کیا جاتا تھا، اس لیے اس کا نام کچھ حلقوں میں جے۔ وی سکول بھی معروف رہا ہے۔ یہ ادارہ حکومت برطانیہ نے 1916 سرگودھا میں قائم کیا اور اس کا نام نارمل سکول رکھا۔ یکم ستمبر 1972 کو یہ سکول ایلیمنٹری کالج بنا دیا گیا جس میں پی ٹی سی اور سی ٹی کا امتحان پاس کیا جاتا ہے۔ اس عمارت کا رقبہ تقریباً 65 کنال پر محیط ہے۔ اس میں کم و بیش پانچ سو طلبا زیر تعلیم رہ سکتے ہیں۔ کالج ہذا کی لائبریری اور سائنس روم اور لیبارٹری پنجاب میں چند بڑی لائبریریوں اور لیبارٹریوں میں شمار ہوتی ہیں۔ کالج ہذا میں ہیڈ ماسٹر کے طور پر جن اصحاب نے خدمات سرانجام دیں ان کے اسماء گرامی میں چوہدری غلام محی الدین، بی ہرنام سنگھ، چوہدری نبی بخش، ایل موسارام، چوہدری لال دین، شیخ غلام محمد، چوہدری نبی بخش، پیر ولایت شاہ، قاضی اکرم حسین، لالہ سری رام سونی، چوہدری نیاز سکندر خاں، عبدالحمید ملک، غلام نبی بٹ، قاضی محمد نجیب اللہ، خواجہ عبدالعزیز، حسن علی عباسی، سید طالب حسین شاہ بخاری، شامل ہیں جبکہ پرنسپل حضرات میں ڈاکٹر مظفر حسن ملک، چوہدری محمد صدیق، سید محمد رفیع الدین، سید کریم حیدر، سید محمد رفیع الدین، شریف احمد رستم، ملک محمد شفیع، چوہدری محمد اصغر علی، محمد فصیح اللہ خاں، سید باقر

Marfat.com

حسین کاظمی، مہر محمد یار، الحاج محمد شریف مرزا، چوہدری عبدالرحمان ذوالفقار، اکرام الحق رانا، راجہ خاں بھٹی، محمد اعظم کھوکھر، چوہدری بشیر اختر ساہی (تمغہ امتیاز)، چودھری محمد عارف کھٹانہ، چوہدری بشیر اختر ساہی (تمغہ امتیاز)، غلام صدیق خاں ملغانی اور محمد سجاد حسین ساجد باٹھ نمایاں ہیں۔

ایلیمنٹری کالج برائے خواتین لالہ موسیٰ

سرکلر روڈ لالہ موسیٰ پر واقع یہ تعلیمی ادارہ قیام پاکستان سے قبل سناتن دھرم ہائی سکول فار بوائز کے نام سے موجود تھا۔ تقسیم ہند کے بعد اس کو 1949 میں حکومت پاکستان نے اپنی تحویل میں لے لیا اور اس کا نام نارمل سکول برائے خواتین رکھ دیا۔ اس وقت اپنی نوعیت کے اعتبار سے پنجاب کا یہ واحد ادارہ تھا جہاں سے فیض یاب ہو کر پنجاب بھر میں اساتذہ علم کا نور پھیلاتے تھے۔ یہاں سے جے۔وی کر کے جانے والی خواتین ہی بطور مدرس ملازمت کر سکتی تھیں۔ لالہ موسیٰ کی وجوہات شہرت میں یہ سکول بھی اہم کردار ادا کرتا چلا آ رہا ہے۔

یکم ستمبر 1987 کو اسے ایلیمنٹری کالج برائے خواتین کا درجہ دے دیا گیا۔ جہاں پر طالبات میٹرک کے بعد پی۔ٹی۔سی اور ایف۔اے کے بعد سی۔ٹی کا کورس مکمل کرتی ہیں۔ اس سکول کے ایلیمنٹری کالج ہونے میں ہیڈ مسز محترمہ حمیدہ بیگم کی کوشش بسیار لائق تحسین رہی ہے۔ کالج ہذا میں ایک ہاسٹل پہلے ہی سے موجود تھا طالبات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر جب ایک اور ہاسٹل کی کمی محسوس کی گئی تو 1989 میں تینتیس کمروں پر مشتمل دوسرا ہاسٹل تعمیر کروایا گیا۔ جس میں دور دراز سے آئی ہوئی بچیاں سکونت اختیار کرتی ہیں۔ اس کالج کا کل رقبہ 56 کنال پر محیط ہے۔ اس میں جن خواتین نے بطور پرنسپل خدمات سرانجام دیں ان میں مسز نوید حمید، مس کلثوم اختر مسز نویدہ حمید، مس کلثوم اختر مسز شمیم شاہ مس شگفتہ نامدار، مسز پروین مرزا قابل ذکر ہیں۔

ایم۔بی گرلز ہائی سکول لالہ موسیٰ

1944 میں ایم۔بی گرلز ہائی سکول لالہ موسیٰ کے نام سے شہر میں کسی اور مقام پر اس کی بنیاد رکھی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد یہ سکول مڈل کا درجہ حاصل کر گیا۔ جگہ کی تنگی کے طفیل بلدیہ لالہ موسیٰ کو ایک کشادہ سکول کی ضرورت محسوس ہوئی تو 1966 میں موجودہ ایم۔بی گرلز ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی۔ یاد رہے اس سکول میں وہی مڈل سکول منتقل ہوا جو کسی اور مقام پر واقع تھا۔ اس جگہ کی داستان کچھ یوں ہے کہ یہ جگہ شہر کا نشیبی علاقہ تھا۔ جس کی وجہ سے بارشی اور نالیوں کا تمام پانی ایک بڑے نالے کی صورت میں یہاں جمع ہوا کرتا تھا۔ وہ بڑا نالہ سکول کے موجودہ مین گیٹ کے سامنے والی گلی سے بہتا تھا۔ اس جگہ پر پانی کے اخراج اور اس کو استعمال میں لانے کی غرض سے چلہار (کنواں) جسے گندی چلہار کہا جاتا تھا کے ذریعے یہ پانی فصلوں کی کاشت میں کام آتا تھا۔ یہ جگہ سرکاری ہونے کی وجہ سے مقامی زمینداروں کو بغرض کاشت ٹھیکے پر دی جاتی تھی۔ ٹھیکیداروں میں چودھری محمد رمضان (ارائیں) کا نام قابل ذکر ہے۔ جو یہاں سبزیاں کاشت کیا کرتے تھے۔

جوں جوں شہر کی آبادی بڑھتی گئی اور لوگوں میں تعلیم کی عظمت کا شعور جاگتا گیا لالہ موسیٰ میں ایک بڑے معقول سکول کی ضرورت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جسے بلدیہ لالہ موسیٰ نے شدت سے محسوس کیا اور شہر کے وسط میں سکول بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا کل رقبہ 32 کنال پر محیط ہے۔ مسز نسیم الطاف صاحبہ کو اس سکول کی پہلی ہیڈ مسٹریس ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ 31 دسمبر 1993 تک اس منصب عظیم پر فائز رہیں۔ آپ کے بعد یکم جنوری 1994 سے 3 جون 1998 تک صفیہ سعید صاحبہ بطور انچارج فرائض سرانجام دیتی رہیں۔ بعد ازاں 4 جون 1996 سے صفیہ سعید صاحبہ کو ریگولر ہیڈ مسٹریس کے طور پر فرائض سرانجام دینے کا حکم ہوا جنھوں نے انتہائی محنت سے فرائض انجام دیے۔ اس سکول کی استانی مس شمیم مرزا صاحبہ کی خدمات کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ آپ کی پوری زندگی شعبہ تعلیم سے وابستہ رہی ایم۔بی گرلز ہائی سکول لالہ موسیٰ کے معماروں میں آپ کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ مس معظم مرزا کی چھوٹی اور مس خالدہ کی بڑی بہن تھیں۔ یہ عمارت 18 کمروں پر مبنی ہے جو طالبات کی تعداد کو دیکھیں تو قطعی ناکافی ہے۔ سکول سے فارغ التحصیل ہونے والی بچیوں میں نمایاں طور پر کامیاب ہونے والی طالبات میں مندرجہ ذیل نام قابل ذکر ہیں۔ فہمیدہ ملک، ڈاکٹر صفیہ سعید ہیڈ مسٹریس سکول ہذا عذرا رضوی ڈاکٹر، زاہدہ شریف ڈاکٹر، شمیم شفیع پروفیسر (وائس پرنسپل) جنجوعہ ڈگری کالج لالہ موسیٰ، سلیمہ ملک ہیڈ مسٹریس، عفت ڈار پروفیسر کیمسٹری، رشیدہ جعفری پروفیسر ریاضی، نگہت شفیع ڈار۔

ڈاکٹر بشیر احمد ملک

آپ کا پورا نام بشیر احمد ملک ولد ملک مہدی خان ہے۔ آپ ۷ مارچ ۱۹۵۵ء تحصیل ملکوال ضلع منڈی بہاؤالدین میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک متوسط زمیندار اعوان فیملی سے ہے۔ کئی پشتوں سے آپ کے آباؤ اجداد کھیتی باڑی کے علاوہ سرکاری ملازمتیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ کے والد CIA سٹاف میں اور

Marfat.com

پنجاب پولیس میں کانسٹیبل بھی رہے ہیں۔ آپ کو دوران تعلیم پوسٹ فولیو ہو گیا تھا۔ اتنے نامساعد حالات اور معذوری کے باوجود آپ نے اپنی تعلیم جاری اور امریکہ میں اعزاز کے ساتھ پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔

آپ نے ۱۹۷۰ء میں میٹرک آرٹس میں فرسٹ پوزیشن لی اور ۱۹۷۲ء میں سِول لائنز لاہور آرٹس میں ایف اے میں اپنے پورے کالج میں ٹاپ کیا۔ اس کے بعد آپ نے گورنمنٹ ڈگری کالج منڈی بہاؤالدین میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۴ء کے زمانے میں پنجاب یونیورسٹی میں پہلا سمسٹر سسٹم متعارف ہوا تو آپ نے ایم اے میں بھی ٹاپ کیا۔

اس کے بعد آپ نے عملی زندگی میں قدم رکھا اور ۱۹۷۹ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج منڈی بہاؤالدین میں پنجاب پبلک سروس کمیشن لاہور کی طرف سے تاریخ کے استاد مقرر ہوئے۔ اس دوران میں آپ نے ''فکر ونظر اسلام آباد' بینات کراچی' المعارف لاہور' اسلامک سٹڈیز اسلام آباد'' میں تحقیقی مقالات لکھے۔ آپ نے مطالعہ پاکستان پر ایک جدید کتاب لکھی جو علمی حلقوں میں پسند کی گئی۔ پھر آپ نے اسلام کے موضوع پر ایک کتاب ''اسلام ایک نظر میں'' لکھی۔ جدید رجحان کے باعث یہ کتاب بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد میں انعام یافتہ قرار دی گئی۔ اس کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ پھر آپ ۱۹۸۹ء میں اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج ملکوال میں ٹرانسفر ہو کر وائس پرنسپل بنے۔ اس کے بعد ۱۹۹۰ء میں اپنے ذاتی خرچ پر امریکہ پی ایچ ڈی کرنے چلے گئے اور اسلامک لا میں اجتہاد پر ۲۰۰۲ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ پھر آپ نے ۲۰۰۱ء میں پنجاب ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ سے چھٹی کی توسیع نہ ہونے کی وجہ ریٹائرمنٹ لے لی۔ آج کل امریکہ میں پڑھاتے ہیں۔ تصنیفات میں شامل ہیں:

اسلام اجتہاد اینڈ دی ماڈرن ورلڈ۔ یہ کتاب انگلش میں ہے۔ اقبالیات پر ایک کتاب زیر طبع ہے۔ میاں محمد بخشؒ کی فارسی کتاب کا ترجمہ زیر طبع ہے۔ سیف الملوک پنجابی کو اور بجنل نسخے پر ترتیب دے کر شائع کروا رہے ہیں۔ حضرت شیخ احمد ولی اللہؒ کے حالات و آثار پر تحقیقی کتاب اسی سال منظرِ عام پر آجائے گی۔ اس کے علاوہ آپ بین الاقوامی طور پر انٹرنیشنل ہسٹوریکل ایسوسی ایشن امریکہ کے ممبر ہیں۔ کینیڈا کی تنظیم پیپل فرسٹ آف کینیڈا کے ممبر ہیں۔ بین الاقوامی انسانی حقوق نیو یارک کے بھی ممبر ہیں۔ مزید یہ کہ آپ کی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔ سلاطین دہلی' مغل دورِ حکومت اور انگریزوں کے دور کے متعلق بعض نایاب سکے آپ کے پاس موجود ہیں۔

بشیر احمد ہاشمی (بی اے ہاشمی)

معروف ماہر تعلیم اور سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی بشیر احمد ہاشمی گجرات کے نظمیہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ قیام پاکستان سے قبل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے۔ بلوچستان میں بطور ڈائریکٹر تعلیمات تعینات رہے۔ کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے ساتھ ساتھ تدریسی فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ سید مسعود ہاشمی کے بقول زبان کے معاملے میں اتنے حساس' نفیس الطبع اور جمالیاتی تھے کہ زبان میں لہجے اور تلفظ پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ نے ایک مجلّہ ''آموزش'' کی ادارت بھی فرمائی۔ ابن سالک ڈاکٹر خورشید الاسلام اپنی کتاب ''دو صورتیں الٰہی'' میں بی اے ہاشمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بشیر احمد ہاشمی میرے والد کے عزیز دوست تھے۔ اسی رعایت سے مجھے ان سے شرف نیاز حاصل تھا۔ ہم میں وہ تمام فاصلے حائل تھے جو عمر' حیثیت اور مقام کے حوالے سے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں ان کی بے پایاں شفقت سے محروم نہ ہوا۔ ان کی وفات سے دو سال پہلے ان کے بھائی انتقال کر گئے۔ میں نے تعزیتی مکتوب لکھا۔ چونکہ ملاقات کو ایک مدت گزر چکی تھی اس لیے اپنے نام کے نیچے خطوطِ وحدانی کے اندر ''ابنِ سالک'' لکھ دیا تاکہ یاد دہانی ہو جائے۔ اس پر انھوں نے جو خط لکھا وہ ان کی وضع داری کا ایسا غماز تھا کہ میں اسے درج کرنے پر مجبور ہوں۔ ''عزیزم میاں سلام

Marfat.com

سلمہ۔ آپ کا خط ملا۔ دل نے محبت کی لذت محسوس کی۔ یہ آپ نے ابن سالک مجھے میرے عزیز ومحترم دوست کی یاد دلانے کے لیے لکھا تھا تو خوب کیا ورنہ بغرض تعارف بجا نہ تھا۔ سنو میاں! آپ کے گھر کے مقابل ڈاکٹر اقبال مرحوم کی ایک زمین پڑی تھی۔ وہاں ایک موٹا' تھوڑی سی دُم کٹا ہوا' گرے رنگ کا کتا رہتا تھا۔ میں جب وہاں موٹر کھڑی کرتا تو وہ کبھی غرا کر اور کبھی دم ہلا کر میرا خیر مقدم کیا کرتا تھا۔ اب سوچو وہ کتا بھی یاد ہے تو سالک کی اولاد کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ اللہ تمہیں کامرانیاں زیادہ زیادہ نصیب کرے۔''

پبلک ہائی سکول' پنڈی کالو تحصیل پھالیہ

ہر دور میں تعلیمی اداروں کی اہمیت مسلم رہی ہے اور آج کے دور میں رسمی تعلیم کے اداروں میں ثانوی مدارس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ عام طور پر یہیں سے بچوں کے مستقبل کی سمت کا تعین ہوتا ہے۔ ان ثانوی مدارس میں سے ایک درسگاہ پبلک ہائی سکول پنڈی کالو تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین ہے جس کا اجراء ۱۳ اپریل ۱۹۶۳ء کو ہوا۔ بانیانِ مدرسہ (سید خلیل احمد شاہ' چودھری محمد نذیر وڑائچ) نے جس اخلاص کے ساتھ یہ ادارہ قائم کیا اور جس لگن' محنت اور جانفشانی سے اس کی آبیاری کی اس نے بہت جلد اس کو ایک ممتاز مقام دلوا دیا۔ اس ادارہ کے قیام کے وقت یہاں سے قریب ترین ہائی سکول جوکالیاں یا پھر پاہڑیانوالی میں موجود تھے اور یہ سرکاری ادارے تھے۔ ان اداروں سے وابستہ چند لوگوں نے خلاف حقیقت یہ تاثر پھیلایا کہ ہائی سکول پنڈی کالو جو ایک پرائیویٹ ادارہ کا ہے نہ تو کوئی نظم ونسق ہے اور نہ کوئی تعلیمی معیار۔ یہ تاثر کئی سالوں تک قائم رہا۔ ایسی باتیں سن کر بعض لوگوں کو سخت کوفت ہوتی' اس لیے کہ ایک ایسا ادارہ جس نے کئی سائنسدان' سکالرز' ڈاکٹرز' انجینئرز اور آرمی کمیشنڈ آفیسرز پیدا کیے' اسے ناکام یا غیر معیاری کہنا میں سمجھتا ہوں کہ تعصب اور حسد ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء کو یہ ادارہ قومی تحویل میں چلا گیا۔ اس سے قبل کے نجی شعبہ کے دور کے مدرسہ ہذا کے طلبہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو کئی ایک معتبر اور عظیم شخصیات نظر آتی ہیں جنہوں نے اس مدرسہ سے اکتساب فیض کیا۔ اس ادارہ کا یہ بھی اعزاز ہے کہ اس کا پہلا ہی طالب علم پاک آرمی میں کمیشنڈ آفیسر بنا' یہ ہیں ''میجر (ر) محمد حیات تارڑ''۔ اس دور سے تعلق رکھنے والوں میں انجینئر محمد بشیر مرزا ڈائریکٹر نیشنل ہائی وے' پروفیسر ڈاکٹر رضا اللہ شاہ عارف نوشاہی پی ایچ ڈی' ریاض احمد چدھڑ بنک آفیسر' محمد نعیم نوشاہی ڈپٹی ڈسٹرکٹ اٹارنی' محمد اسلم چدھڑ سائنس ٹیچر' محمد مہدی ساہی انسپکٹر پولیس (وغیرہ) شامل ہیں۔

اس ادارہ نے اپنی روایات کو برقرار رکھا اور بعد کے دور میں بھی عظیم شخصیات پیدا کیں۔ جنہوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں نام پیدا کیا۔ ایک ایسا ادارہ جو ایسے عظیم لوگ پیدا کرے اس کو غیر معیاری' گھٹیا برا بھلا کہنا کتنی زیادتی ہے۔

''فروغ دانش'' کے نام سے سکول ہذا کی تاریخ بھی مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب میں سکول کی تاریخ سال بہ سال بیان ہوئی ہے اور گذشتہ سینتیس سالوں میں اس سکول کے اساتذہ کرام' دفتری عملے اور فارغ التحصیل ہونے والے طلبا کے کوائف جمع ہوئے ہیں۔ جن دیہات کے طلبہ یہاں پڑھتے رہے ہیں۔ اس میں ان دیہات کا مختصر تعارف اور حدود و اربعہ بھی لکھ دیا ہے جہاں کے طالب علم یہاں پڑھنے آتے تھے۔ اس طرح یہ محض ایک تعلیمی ادارے کی تاریخ نہیں بلکہ اس علاقے کے رجال کا تذکرہ اور جغرافیے کی کتاب بھی بن گئی ہے۔ طالب علم جب فارغ التحصیل ہوتا ہے تو عملی زندگی میں وہ اکثر اپنی آبائی جگہ چھوڑ کر کہیں اور چلا جاتا ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ گذشتہ سینتیس سالوں میں سینکڑوں ہزاروں طلبا فارغ التحصیل ہو کر پراگندہ ہو گئے۔ ان سب کے کوائف جمع کرنا کس قدر دشوار کام ہے لیکن مصنف کی اس کام سے لگن نے اس دشوار کام کو سہل بنا دیا اور انھوں نے سکول کے ریکارڈ سے مدد لینے کے علاوہ ایک کوائف نامہ چھپوا کر فارغ التحصیلان کو دیا اور ان سے براہ راست معلومات حاصل کر کے یہ کتاب تیار کی ہے۔ بعض ممتاز طالب علموں کے کارناموں کی تفصیل بھی مہیا کی ہے۔ یقیناً اس نوعیت کی کتاب کی تصنیف واشاعت کی مثال ضلع منڈی بہاؤالدین کے سکولوں میں نہیں ملتی۔ یہ کتاب نہ صرف پنڈی کالو ہائی سکول سے ماضی

Marfat.com

چودھری الیاس احمد

چودھری لال خان کے فرزند الیاس احمد ۲۵ مارچ ۱۹۵۸ء کو گاؤں بپیارا تحصیل و ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول بوڑا مڈل گورنمنٹ مڈل سکول چیچیاں شمس سے کیا۔ مڈل میں پورے سکول میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ میٹرک گورنمنٹ مسلم ہائی سکول، گجرات سے کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ سی کام اور ڈی کام گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹ گجرات سے کیا اور کالج میں اول پوزیشن حاصل کی۔ بی۔اے اور ایم۔اے (پولیٹیکل سائنس) پنجاب یونیورسٹی سے کیا اور مینجمنٹ ان ایجوکیشنل انسٹیٹیوشنز کا ڈپلومہ برطانیہ سے کرنے کے بعد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے۔ آپ قومی اور بین الاقوامی سطح کے کئی ٹریننگ پروگراموں میں شرکت کر چکے ہیں۔ آج کل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کے رجسٹرار ہیں۔ یونیورسٹی کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار کر رہے ہیں۔

مدرسہ خدام الصوفیہ (جامعہ شاہ ولایت) کچہری روڈ۔ گجرات

۱۹۲۰ء میں پیر سید ولائیت شاہ صاحب نے مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ علاقہ میں دینی تعلیم کا اہم مرکز رہا ہے۔ احناف کے فاضل اور معروف اساتذہ اس ادارہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اس کے فارغ التحصیل طلبا میں متعدد معلم، مبلغ اور نامور خطیب شامل ہیں۔ مسجد پیر ولایت شاہ میں شعبہ حفظ القرآن قائم ہے۔ مقامی اور بیرونی طلبا داخل ہیں۔ مسجد سے ملحقہ آٹھ کمروں میں کئی بیرونی طالب علم قیام پذیر ہیں۔ مسجد حاجی پیر بخش میں شعبہ درس نظامی قائم ہے۔ یہاں دورۂ حدیث کا بھی مکمل انتظام ہے۔ مقامی بچوں کے علاوہ بیرونی طلبا دونوں مساجد میں مقیم ہیں جن کے خورد و نوش کا انتظام مدرسہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ مدرسہ میں چندہ وغیرہ کا کوئی مستقل نظام نہیں۔ حضرت مہتمم صاحب کی ذاتی توجہ سے اخراجات کی کفالت ہو رہی ہے۔

دار ارقم ماڈل سکول

گجرات کے تعلیمی اداروں میں دار ارقم ماڈل ہائی سکول کا آغاز خوشگوار اضافہ ہے۔ چودھری عرفان احمد نے ۱۹۹۱ء میں سرگودھا سے پہلے دار ارقم ماڈل سکول کا آغاز کیا۔ ان کی بھرپور صلاحیت اور محنت کی بدولت آج پنجاب بھر میں اس ادارہ کی میں وابستہ اساتذہ اور فارغ التحصیل ہزاروں طلبہ کو یاد رکھنے کا ایک وسیلہ ثابت ہوگی بلکہ مستقبل میں اس سکول سے وابستہ ہونے والے اساتذہ اور تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کے لیے گرمی شوق اور فخر و مباہات کا جذبہ بھی بیدار کرے گی۔

جامعہ فضل العلوم رضویہ، دسوندھی پورہ۔ سرگودھا روڈ۔ گجرات

۱۹۵۸ء میں مدرسہ بچوں کے ابتدائی مکتب کی صورت میں شروع ہوا۔ تین سال کے بعد شعبہ تجوید و قرآت قائم ہوا اور حفظ کا آغاز۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں اردو پرائمری کی تدریس شروع کی گئی۔ اب تک کئی سو طلبا حفظ قرآن کر چکے ہیں اور کئی ہزار قرآت کی تکمیل کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ بیرونی مقامی طالب علم رہائش پذیر ہیں۔ بیرونی طالب علم دارالاقامہ میں مقیم ہیں۔

جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ، بھکی، ریلوے اسٹیشن منڈی بہاؤالدین

۱۹۴۲ء میں جامعہ ہذا کی ابتداء قصبہ کی قدیم جامع مسجد میں ہوئی تھی۔ بعد ازاں ایک متروکہ عمارت بھی جامعہ کے لیے حاصل کر لی گئی۔ اس طرح اساتذہ و طلبہ میں خاصہ اضافہ ہو گیا۔ مکمل درس نظامی رائج ہے۔ دورۂ حدیث کا نہایت عمدہ انتظام ہے۔ جامعہ کی طرف سے فارغ التحصیل طلبا کو سند دی جاتی ہے۔ سینکڑوں طلبا اسناد حاصل کر چکے ہیں۔ جامعہ ہذا اس علاقہ کی قدیم اور مرکزی دینی درسگاہوں میں سے ایک ہے۔ اس کے طلبائے قدیم میں متعدد فاضل اساتذہ خطیب اور مبلغ حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ جامعہ کے دارالکتب میں کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ دارالافتاء کا معقول انتظام ہے۔ مہتمم صاحب اور صدر مدرس فتوے تحریر کرتے ہیں۔

حکیم جوادالرحمان نظامی سیفی

ممتاز عالم دین جوادالرحمٰن سیفی ۱۹۶۷ء کو میاں نور احمد کے گھر ضلع گجرات کے گاؤں دھریکڑی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان پچھلی پانچ نسلوں سے علاقہ میں قرآن و سنت کی تعلیم کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔ اسلام سے گہرے لگاؤ کے باعث امت مسلمہ کے ہر ایشو پر آواز حق اٹھانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ دفاع اہل سنت محاذ ضلع گجرات کے امیر ہیں۔ دھریکڑی میں ایک دینی مدرسہ جامعہ نظامیہ غوثیہ کے نام سے تعمیر کروا کر وقف کیا۔ گجرات شہر میں بھی جامعہ نورالاسلام اکیڈمی کے نام سے بلال ٹاؤن بادشاہی روڈ پر ایک شاندار مذہبی مدرسہ چلا رہے ہیں۔

Marfat.com

۲۶ سے زائد شاخیں کام کر رہی ہیں ۱۹۹۹ء میں دارارقم کی گجرات برانچ کا افتتاح ہوا جس کے بعد اس ادارے نے حیرت انگیز طور پر تیز رفتاری سے ترقی کی۔ آج اس ادارہ میں ۲۰۰۰ سے زائد طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر لڑکوں اور لڑکیوں کے کیمپس علیحدہ کر دیے گئے ہیں۔

ابوبکر کیمپس تیمور چوک میں طلبا جبکہ عائشہ کیمپس جیل چوک میں طالبات تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ یہ گجرات کا واحد ادارہ ہے جہاں طلبہ کو قرآن پاک کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ادارہ ہذا میں شعبہ حفظ بھی قائم ہے جہاں طلبہ کو قرآن پاک حفظ کروانے کا انتہائی عمدہ انتظام موجود ہے۔ دارارقم کے ڈائریکٹر چودھری افتخار چیمہ کی کوششوں سے دارارقم گجرات میں تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

دارالعلوم بدریہ رضویہ، (ورس میاں وڈا صاحب) لنگے۔ ضلع گجرات

دارالعلوم کے بانی حضرت خواجہ محمد اسماعیل اور مہتمم مولانا محمد بشیر احمد رضوی ہیں۔ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں رضوی ہائی سکول کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ درس نظامی کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ چند طلبا اس شعبہ میں زیر تدریس ہیں۔ ہائی سکول اور دارالعلوم کے اساتذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔

دارالعلوم عربیہ غوثیہ، جی ٹی روڈ۔ لالہ موسیٰ۔ ضلع گجرات

جون ۱۹۵۶ء کو درس و تدریس کی ابتدا کرایہ کے مکان میں ہوئی۔ تین سال تک شہر کی مرکزی جامع مسجد میں پھر نظامی مسجد محلہ نظام پورہ میں تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد ازاں جی ٹی روڈ پر (لب سڑک) ۳-۵ کنال کا وسیع قطعہ اراضی حاصل کر لیا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں جامع مسجد غوثیہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ اور دارالعلوم یہیں اپنی شاندار عمارت میں منتقل ہو گیا۔ دارالعلوم میں درس نظامی رائج ہے۔ حفظ و ناظرہ اور تجوید قرآت کا معقول انتظام ہے۔ منشی فاضل اور مولوی فاضل کی تیاری بھی ہو رہی ہے۔ کتب خانہ میں تقریباً دو ہزار کتابیں موجود ہیں۔ دارالمطالعہ میں ایک روزنامہ اور چند رسائل آتے ہیں۔ دارالاقامہ جامع مسجد غوثیہ کے ساتھ ملحق ہے۔ اس کی عمارت کی تفصیل یہ ہے۔ ایک ہال۔ دارالکتب، دارالمطالعہ اور دفتر کے لیے تین کمرے۔ دارالاقامہ کے لیے ۱۶ کمرے۔ شاندار جامعہ مسجد کا طول وعرض ۵۸x۳۲ فٹ ہے۔ ۵۸x۱۶ فٹ کی گیلری ہے اس کے آگے برآمدہ ہے۔ یہیں غوثیہ پبلک پرائمری سکول ۱۹۶۸ء میں قائم ہوا۔ اس میں کئی اساتذہ مصروف تدریس ہیں۔ طالب علموں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ اس کی عمارت ۷ کمروں پر مشتمل ہے۔ معیار تعلیم بلند ہے۔ کئی طلبا سالانہ امتحانات میں نمایاں کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں۔

جامعہ غوثیہ ہائی سکول اپریل ۱۹۷۱ء میں جاری ہوا۔ اس میں کئی اساتذہ مصروف تدریس ہیں جبکہ طلبا کی تعداد بھی معقول حد تک ہے۔ اس کی عمارت ۱۱ کمروں پر مشتمل ہے۔ دارالشفقت خالقیہ رزاقیہ جنوری ۱۹۷۱ء جاری کیا گیا ہے۔ اس کے سرپرست حضرت خواجہ سائیں عبدالرزاق صاحب دربار عالیہ دیپالپور ہیں۔ انھی کے نام سے منسوب ہے۔ اس وقت دارالشفقت میں کئی یتیم طلبا داخل ہیں جن کی فیس وغیرہ دارالشفقت کے ذمے ہے۔ کارکنان انجمن محبان اہل سنت لالہ موسیٰ بلند ہمتی سے یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ موجودہ اداروں کی توسیع، جدید عمارات، خیراتی ہسپتال اور ڈگری سائنس کالج کے قیام کے منصوبے مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔

دارالعلوم مجددیہ، جامع مسجد۔ ٹانڈہ۔ ضلع گجرات

قصبہ کی مرکزی جامع مسجد میں یہ دارالعلوم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں قائم ہوا ہے۔ تدریس کے لیے دو کمرے اور دو برآمدے ہیں دارالاقامہ کے لیے ایک برآمدہ ہے۔ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ درس نظامی کی تدریس شروع کی گئی ہے۔ حفظ و ناظرہ کا انتظام ہے۔ بورڈ کے امتحانات اور طب کی تیاری کا ارادہ ہے۔ کتب خانہ میں تقریباً سینکڑوں کتابیں جمع ہوئی ہیں، دو اخبار اور ۶ رسائل جاری ہیں۔

زمیندار کالج گجرات

نواب سر فضل علی نے علیگڑھ میں اعلیٰ ڈگری کے ساتھ ساتھ سرسید احمد خاں کا دردمند دل بھی جیت لیا جو شبانہ روز غریب مسلمانوں کی زبوں حالی پر کڑھتا رہتا تھا۔ انھیں مسلمانوں کے تعلیم میں دوسروں سے پیچھے رہ جانے کا بڑا غم تھا وہ مسلم قوم کو آگے بڑھتے دیکھنا چاہتے تھے۔ آخر کار اسی احساس اور جذبے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے نواب سر فضل علی انیس سو چودہ (۱۹۱۴ء) میں اپنے علاقہ کے زمینداروں اور ذیلداروں کو اکٹھا کیا اور ان سے مسلمانوں کی تعلیمی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی پسماندگی اور خستہ حالی بیان کی اور ایک تنظیم کی صورت مل کر کام کرنے کا منصوبہ سامنے رکھا۔ علاقے کے زمینداروں اور ذیلداروں نے ان کے ہم خیال ہو کر تعاون کا بھرپور ہاتھ بڑھایا چنانچہ انیس سو چودہ میں زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی گئی۔ خان بہادر غلام سرور خان ساکن ڈنگہ میاں فتح محمد رئیس کولیاں والا، سید حاکم شاہ مدنی، چودھری خوشی محمد ناظر، چوہدری غلام محی الدین، چوہدری غلام رسول اور چند دیگر معززین نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ نواب سر فضل علی بلاشبہ ملک وقوم کے نہایت مخلص رہنما تھے انھیں کالج کی تعمیر میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور تعلیمی اداروں پر آنچ نہیں آنے دی۔ زمیندار مڈل سکول کی

Marfat.com

انیس سو پندرہ میں بنیاد رکھی گئی۔قوم میں علم پھیلانے کی تڑپ اور خلوص مقصد سے لگن رنگ لائی اور جلد ہی سکول کا دس سال کی مختصر مدت میں ہائی کا درجہ ہوگیا۔مسٹر تھارن برن ڈپٹی کمشنر نے اسی سال تھارن برن ہاسٹل کا سنگ بنیاد رکھا۔انیس سو پینتیس میں مسلمان ڈپٹی کمشنر مسٹر خورشید محمد خان نے قائم ہونے والے اس ادارے سے تعاون کیا اور خصوصی توجہ دی۔آج کا خورشید گیٹ انھیں کی خدمات جلیلہ کا نقش دوام ہے۔انیس سو سینتیس میں زمیندار ہائی سکول کی پرشکوہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔جبکہ اس سے ایک سال قبل انیس سو چھتیس میں ہی زمیندار ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے زمیندار سکول کو کالج کا درجہ دینے کی تجویز منظور کر لی تھی۔جب انیس سو سینتیس میں گورنر پنجاب سر ولیم ہربرٹ گجرات تشریف لائے تو انھوں نے زمیندار ہائی سکول کو کالج بنانے کی منظوری دیدی۔

نواب فضل علی زمیندار سکول اور کالج کے اساتذہ کا بہت احترام کرتے ۔انھیں بروقت تنخواہوں کی فراہمی اور ان کو زندگی کی سہولیات فراہم کرنا انکی زندگی کا مشن رہا۔ایک بار نواب فضل علی بیمار تھے کہ سکول کے فنڈ میں اساتذہ کی تنخواہوں کے لیے فنڈ کی رقم نہ تھی۔جب انھیں علم ہوا تو بیماری کی حالت میں گھر کا رخ کیا اور گھر کا زیور گروی رکھ کر اساتذہ کی تنخواہیں ادا کیں۔ان کی تنظیم زمیندار ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے ایک ہفتہ وار اخبار محب پاکستان کا بھی اجراء کیا جس کا دفتر زمیندار سکول میں کھولا گیا۔محمد رمضان تبسم قریشی مدرس سکول اس ہفت روزہ اخبار کے مدیر تھے۔علامہ اقبال کی یاد میں سب سے بڑا ادبی مجلہ بھی اس زمیندار سکول سے شائع ہوا۔سکول میں زراعت' اسلامیات اور صنعت وحرفت بالخصوص کارپینٹری کی تعلیم لازمی دی جاتی تھی۔باقی سکولوں میں اس تعلیم کا اہتمام نہیں تھا۔پانچ جنوری انیس سو چوبیس میں زمیندار ہائی سکول کے ماسٹر ہیڈ ماسٹر سید شبیر حسین بخاری نے کنڈر گارٹن سکول بھی کھولا جو اسی تعلیمی تنظیم کی زیر نگرانی قائم ہوا۔اس سکول میں قومی اور ملی تقریبات بھرپور انداز میں منائی جاتی تھیں۔طلبائی تعلیمی سفر کے لیے دور دور کے علاقوں میں پہنچے جن میں جموں' گلگت کے سفر خصوصیت سے یاد کیے جاتے ہیں۔زمیندار سکول سے کالج بننے سے قبل شید شبیر حسین ہیڈ ماسٹر اور محمد شریف سیکنڈ ہیڈ ماسٹر تھے ماسٹر معراج الدین' چوہدری رحمت خان قاضی فیض محی الدین' چودھری اکبر چودھری مقدس خان' چودھری نیک عالم' قاضی فقیر اللہ' چودھری فتح محمد' ماسٹر عبدالغنی' سید نذیر شاہ' مولوی ابراہیم' مولوی علی محمد' ماسٹر محمد افضل' ڈرائنگ ماسٹر حفیظ اللہ استاد صنعت وحرفت ظہور احمد ناصر جیسے عملہ نے اپنی زندگیاں سکول کے لیے وقف کر دی تھیں۔

زمیندار ہائی سکول کو کالج کا درجہ ملنے کے بعد پہلے سے قائم زمیندار انٹر کالج کو اس میں ضم کر دیا گیا۔تین سال کی قلیل مدت میں اس کالج نے تعلیمی میدان میں شاندار خدمات سرانجام دیں جن کی بدولت انیس سو چالیس میں اسے ڈگری کالج کا درجہ دیدیا گیا۔انیس سو اکتالیس میں اسی ادارہ میں ڈگری کلاسز کا اجراء ہوا۔انیس سو بیالیس میں نواب فضل علی کو ان تعلیمی خدمات کے عوض حکومت برطانیہ نے سر کا خطاب دیا۔مگر ان کے لیے خطاب کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔نواب فضل علی کے انیس سو بیالیس میں انتقال کے بعد بھی ادارے نے اپنی ترقی کی منازل طے کیں اور انیس سو تنتالیس میں زمیندار ڈگری کالج میں بی ایس سی آنرز کی فزکس اور کیمسٹری کلاسز کا اجراء ہوا۔انیس سو پینسٹھ میں کالج میں ایم اے فارسی کی کلاسز کا اجراء ہوا۔مگر یہ کلاسز زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکیں۔تاہم انیس سو چھیاسی میں اسی کالج میں ایم اردو اور اسلامیات اور فارسی کی کلاسز کا اجراء کیا گیا۔انیس سو ستاسی میں ریاضی' معاشیات' اور انگریزی کی کلاسز شروع ہوئیں۔جس سے تعلیمی ادارہ منی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا۔

جب زمیندار کالج وجود میں آیا تو اس کے پہلے پرنسپل سید شبیر حسین بخاری نے چھ ستمبر انیس سو سینتیس میں اپنا عہدہ سنبھالا۔پھر دوسرے سربراہ ڈاکٹر جہانگیر خان معروف کرکٹر بنے جو یورپ سے تعلیم یافتہ تھے۔انھوں نے یکم جون انیس سو اڑتالیس کو پرنسپل کا چارج سنبھالا۔ڈاکٹر جہانگیر بااصول اور کالج کی مشنری اصول وضوابط کے مطابق چلانے کے میں مہارت رکھتے تھے۔وہ انگریزی لباس تن زیب کرتے تھے مگر جب کالج کا یونیفارم سفید شلوار اور قمیض اور سیاہ اچکن قرار دیا گیا تو گجرات کی فضا شاہد ہے کہ پھر ڈاکٹر جہانگیر کو کسی نے انگریزی لباس میں نہیں دیکھا۔انھیں سفید شلوار قمیض اور سیاہ اچکن کا لباس دراز قد اور سڈول جسم پر بہت ہی زیب دیتا تھا۔ڈاکٹر جہانگیر کے عہد میں زمیندار کالج پنجاب بھر میں گورنمنٹ کالج لاہور کے بعد دوسرے نمبر پر بہترین شمار کیا جاتا تھا۔وہ دو سال تک زمیندار کالج کے پرنسپل رہے بعد ازاں انکا تبادلہ انیس سو بتالیس میں گورنمنٹ کالج کیمبل پور (اٹک) ہوگیا۔جس کے بعد وائس پرنسپل پروفیسر تاج محمد خیال نے پرنسپل کا چارج سنبھالا۔وہ علامہ اقبال اور پروفیسر چٹرجی کے فلسفہ میں شاگرد رہے تھے۔ایمرسن کالج میں بھی فلسفہ کے پروفیسر رہے۔انیس سو اکتالیس میں زمیندار کالج میں وائس پرنسپل تعینات ہوئے تھے۔ایک ماہر تعلیم نہایت سمجھدار عاقل اور دنیادار انسان تھے۔مقتدرہ حلقوں سے تعلقات بنائے رکھنا ان کا شیوا تھا۔انھی خوبیوں کی بنا پر انکے ایام تعیناتی کے دوران زمیندار کالج کو وہ عظمت اور شہرت نصیب ہوئی جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔انھوں نے کالج میں پرنسپل کا چارج سنبھالا ہی تھا کہ کالج کے بانی محسن نواب فضل علی کا انتقال ہوگیا جس سے کالج کو بڑھا دھچکہ لگا مگر تاج محمد خیال نے فراست اور مساعی جمیلہ سے کالج کو پوری طرح سہارا دیا اور انھی کے زمانے میں کالج کی موجودہ شکل میں عمارت تعمیر ہوئی اور شمالی وجنوبی ونگ انیس سو تنتالیس میں تکمیل کو پہنچے۔

Marfat.com

انھی کے دور میں کالج میں بی اے اور بی ایس سی کی کلاسز کا اجراء ہوا اور یوٹی سی اور تعلیم بالغاں کے علاوہ کالج کے دیگر منصوبوں کی بھی تکمیل ہوئی۔ انیس سو سنتالیس میں تقسیم ہند کے وقت کالج ہندو سکھ طلبہ کی کثیر تعداد سے محروم ہو گیا جو ہجرت کر کے ہندوستان چلے گئے تھے مگر پروفیسر تاج محمد خیال نے کالج کی عظمت کو برقرار رکھا۔ گجرات شہر میں رائے بہادر لالہ کیدار ناتھ کی محل نما رہائش گاہ خالی پڑی تھی۔ تاج محمد خیال نے اس خالی محل میں کالج کھولنے کا مشورہ دیا چنانچہ انکی تجویز پر عمل ہوا اور زمیندار ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے انیس سو پچاس میں اس محل نما عمارت میں زنانہ کالج کھول دیا جس کا افتتاح محترمہ فاطمہ جناح نے کیا۔ اس کالج کا نام بھی محترمہ فاطمہ جناح وویمن کالج رکھا گیا۔ اس زمانے میں کالج کے پروفیسر محمد افضل، پروفیسر سید محبوب شاہ ہاشمی، پروفیسر عبدالقیوم، پروفیسر غلام جیلانی اصغر، پروفیسر انور علی بخشی اور پروفیسر مظہر الحق مشہور تھے۔ اس دور میں زمیندار کالج کے طلبہ گورنمنٹ کالج لاہور سے سبقت لے جاتے تھے۔ انیس سو اکیاون میں پروفیسر تاج محمد خیال کا تبادلہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد علاؤالدین احمد یکم ستمبر انیس سو اکیاون میں زمیندار کالج کے پرنسپل بنے مگر تھوڑے عرصے بعد ہی تین جنوری انیس سو باون میں تبدیل ہو گئے ان کے تبادلے کے بعد پروفیسر غلام سرور یکم ستمبر انیس سو باون کو پرنسپل تعینات ہوئے۔ پروفیسر غلام سرور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں انگریزی زبان کے پروفیسر رہے تھے۔ ان کے نواب فضل علی کے بڑے صاحبزادے چودھری مہدی علی خان سے استادی شاگردی کا تعلق تھا۔ مہدی علی نے ہی اصرار کر کے اپنے استاد کو زمیندار کالج میں پرنسپل بننے پر قائل کیا تھا۔ پروفیسر غلام سرور نے اپنے پیش رو کے منصوبوں کو آگے بڑھایا اور اپنی قابلیت اور لیاقت سے کالج کو بام عروج پر لے گئے کہ کالج ایک یونیورسٹی کی داستان زبان حال بیان کرنے لگا۔ وہ اٹھارہ سال تک کالج میں پرنسپل رہے۔ ان کے بعد بارہ نومبر انیس سو انہتر کو پروفیسر محمد فرمان پرنسپل بنے جو انیس سو اٹھہتر تک تعینات رہے اور ان کے بعد اگست انیس سو اٹھہتر میں پروفیسر محمد یعقوب نے کالج کا انتظام سنبھالا وہ پانچ جون انیس سو بیاسی تک کالج کے پرنسپل رہے۔ ان کے بعد سید حامد حسن نے کالج کی سربراہی سنبھالی اور گیارہ مارچ انیس سو تراسی تک فرائض سرانجام دیے۔ بعد ازاں پروفیسر چوہدری فضل حسین مارچ انیس سو تراسی سے انیس سو اٹھاسی تک کالج کے پرنسپل رہے۔ پانچ سال بعد ایک بار پھر پرنسپل کی تبدیلی کا مرحلہ آیا تو ایک سال کے لیے پروفیسر محمد شریف کالج کے پرنسپل بنے۔ انکے تبادلہ کے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد یعقوب انیس سو اناسی سے انیس سو بانوے تک کالج میں سربراہی کے فرائض عمدگی سے ادا کرتے رہے۔ ان کی رخصتی کے بعد مارچ انیس سو بانوے میں پروفیسر محمد احسن نے کالج کی کمان سنبھالی اور مئی انیس سو پچانوے تک کالج کو عمدگی سے چلایا۔ ان کے بعد چودھری محمد اقبال ایک سال تک اگست انیس سو چھیانوے تک پرنسپل رہے بعد ازاں پروفیسر خادم حسین نے دسمبر انیس سو چھیانوے سے دسمبر انیس سو ننانوے تک کالج کی باگ دوڑ سنبھالے رکھی۔ بعد ازاں انیس سو ننانوے میں انکے تبادلے کے بعد چودھری منیر احمد ایک سال کے لیے کالج کے پرنسپل بنے۔ وہ بھی سنہ دو ہزار میں رخصت ہوئے جس کے بعد پروفیسر مظفر حسین کے نام کالج کی پرنسپل شپ ہوئی اور وہ تین ماہ بعد ہی تبدیل ہو گئے۔ بعد ازاں دسمبر سنہ دو ہزار میں پروفیسر مقصود اختر پرنسپل بنے۔ اسی دور میں کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دینے کا حکومت پنجاب نے اصولی فیصلہ کر لیا تھا جس پر عملدرآمد بعد ازاں نہ ہو سکا اور اس کالج کو یونیورسٹی آف گجرات سے منسلک کر دیا گیا۔

زمیندار کالج گجرات اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

گجرات کے تاریخی زمیندار کالج کے سابقہ طلبہ نے مارچ انیس سو باسٹھ میں دہلی مسلم ہوٹل انارکلی لاہور میں اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ اس کے تاسیسی اجلاس میں پروفیسر ثناء اللہ، چوہدری حسن نواز، چودھری سلطان گاڑھا، ملک محمد صادق، چودھری محمد خان، چودھری گلزار احمد، چودھری بشیر احمد، سید قدیر حسن شاہ اور چودھری محمد صدیق شامل ہوئے۔ اجلاس میں پروفیسر ثناء اللہ کو متفقہ طور پر زمیندار کالج گجرات اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا پہلا صدر چنا گیا۔ اور چودھری محمد صدیق سیکرٹری جنرل بنائے گئے۔ یہ ایسوسی ایشن مکمل طور پر غیر سیاسی اور رفاہی ادارہ ہے جس کا مقصد زمیندار کالج گجرات کے اولڈ بوائز کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے کرنا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ گجرات کے اولڈ بوائز کی ایسوسی ایشن کے اراکین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایسوسی ایشن کا آئین بھی تشکیل دیا گیا۔ بعد ازاں ایسوسی ایشن کے صدر بننے کا اعزاز آغا عبد علی، شیخ عطا محمد، مسٹر جسٹس خلیل الرحمان، مسٹر جسٹس افراسیاب خان، ملک محمد وارث اور چودھری سردار احمد ضیاء کو نصیب ہوا۔ چودھری صدیق ایسوسی ایشن کے کئی سال تک سیکرٹری جنرل رہے۔ انیس سو ستانوے میں چودھری محمد صدیق کے اسلام آباد تبادلہ کے بعد اختر سعید فاروقی ایسوسی ایشن کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔

ڈاکٹر زیڈ اے ہاشمی

گجرات میں پیدا ہوئے۔ اصل نام ظفر علی ہاشمی تھا۔ ۱۹۳۵ء میں وٹرنری کالج لاہور سے اعزاز کے ساتھ پاس ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے اور

Marfat.com

مشی گن سٹیٹ یونیورسٹی سے ایم ایس سی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ فیصل آباد زرعی یونیورسٹی کے قیام کے بعد اس کے پہلے وائس چانسلر بنے۔ بعد ازاں ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین اور پنجاب کے سیکرٹری تعلیم بھی رہے متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ سائنس کے مختلف موضوعات پر ۷۰ سے اوپر کتابیں لکھ چکے ہیں۔ غیر ملکی و ملکی سائنسی جریدوں میں سینکڑوں مقالے شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر طارق سلیم

ممتاز مذہبی اسکالر اور جماعت اسلامی سے وابستہ طارق سلیم ۱۹۶۸ء میں تحصیل کھاریاں کے گاؤں بنیاں میں محمد صادق سلیم کے گھر پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں اسلامی جمعیت طلبہ ضلع راولپنڈی کے ناظم رہے' اس کے بعد جماعت اسلامی سرکل کوٹلہ کے امیر اور پانچ سال تک جماعت اسلامی ضلع گجرات کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ آپ جماعت اسلامی ضلع گجرات کے صدر بھی رہے۔ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے قیامت خیز زلزلہ میں آپ نے الخدمت فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہو کر ہزاروں بے گھر افراد کی مالی مدد کی۔

عبدالعزیز ایڈووکیٹ

عبدالعزیز چودہ اپریل ۱۹۱۱ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ ایف اے گورنمنٹ کالج گجرات سے' بی اے مرے کالج سیالکوٹ اور ایم اے ہسٹری ۱۹۳۴ء میں ایف سی کالج لاہور سے کیا اور حصول روزگار کے لیے لاہور کے جناح کالج میں تاریخ کے استاد مقرر ہوئے۔ اس دور میں کالج کی پرنسپل محترمہ فاطمہ صاحبہ تھیں۔ اچھرہ ہائی سکول میں نو دس سال تک ہیڈ ماسٹری کی۔ ۱۹۴۰ء میں خاکسار تحریک جائن کی اور علامہ مشرقی کی قیادت میں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر دس بارہ سال کام کیا۔ خاکسار تحریک کے عروج اور دبدبہ کی بات کرتے ہوئے حاجی عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ گاندھی' نہرو یا پٹیل سے ملاقات کے لیے انھیں زیادہ تردد کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ خاکساروں سے ملاقات کو بڑی ترجیح دیتے تھے۔ علامہ مشرقی اور قائداعظم کا اختلاف صرف اور صرف اس بات پر تھا کہ علامہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ خطہ حاصل کرنے کے بجائے پورے ہندوستان پر بزور بازو قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ خضر حکومت نے انھیں علامہ مشرقی کے ساتھ کام کرنے سے باز رکھنے کے لیے اپنے کارندوں کو ان کے پاس اچھرہ سکول میں بھیجا اور انھیں ہر طرح کا لالچ دیا کہ اگر علامہ کا ساتھ چھوڑ دیں تو اعلیٰ سرکاری ملازمت ار دیگر فوائد سے بھی نوازا جا سکتا ہے مگر ایفائے عہد نبھانے والے عبدالعزیز نے دنیاوی مفادات کو قبول نہ کیا۔ جلد ہی خضر حکومت نے انھیں ناجائز اسلحہ رکھنے کے جرم میں گرفتار بھی کیا۔

عبدالعزیز ایل ایل بی کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء کے اوائل میں گجرات تشریف لے آئے۔ گجرات میں انھوں نے ایک ہفت روزہ اخبار ''الاصلاح'' بھی شائع کیا۔ وہ اپنے اخبار کا تمام کام خود ہی کرتے تھے۔ ان کی تحریر اتی جامع اور پُر تاثیر ہوتی تھی کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ آپ نے ایک کتاب ''تذکرہ'' کے نام سے تصنیف کی۔

فاران انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی

فاران انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کی بنیاد ۱۹۹۷ء میں چودھری طارق جاوید نے رکھی جن کا تعلق گجرات کے نواحی گاؤں ٹانڈہ کے معروف علمی گھرانے سے ہے۔ انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کے بعد جرمنی سے ٹیلی کمیونی کیشن انجینئرنگ کے علاوہ فرانس سے بھی ماڈرن ٹیلی کام ٹیکنیکس میں ڈپلومہ حاصل کیا اور جرمن کمپنی ڈوچ ٹیلی کام کمیونی کیشن انجینئرنگ کے علاوہ فرانس سے بھی ماڈرن ٹیلی کام ٹیکنیکس میں ڈپلومہ حاصل کیا اور جرمن کمپنی ڈوچ ٹیلی کام کی طرف سے سعودی عرب کے دو صوبوں کے انجینئر مقرر ہوئے۔ دس سال تک انتہائی اہم فرائض انجام دیتے رہے۔ جن میں مکہ مکرمہ سے حج و عمرہ کے ٹی وی پروگرامز' ٹیلی کاسٹ اور ریڈیو کے لیے براڈ کاسٹ کرنے کے علاوہ وی آئی پی لائنوں کی تنصیب و مرمت اور ٹیسٹنگ کی ذمہ داری شامل تھی جبکہ آپ نے اٹامک انرجی اور سابقہ ٹی اینڈ ٹی میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ چودھری طارق جاوید نے علاقہ کے نوجوانوں کو علم و ہنر کی دولت سے مالا مال کرنے کے لیے مسلسل محنت سے فاران ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کے ذریعے متعدد طالب علموں کو جدید تعلیم کی سہولت فراہم کی جو ڈاکٹر عبدالقدیر خان ریسرچ لیبارٹری کہونہ اٹامک انرجی کمیشن اور میزائل ڈیفنس سسٹم میں ملک کے لیے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جبکہ بہت سے نوجوان سمندر پار بھی ملک کے لیے زرمبادلہ کما رہے ہیں۔ فاران انسٹیٹیوٹ میٹرک پاس طلبا کو تین سالہ ڈپلومہ آف ایسوسی ایٹ انجینئرنگ کے علاوہ مختلف کمپیوٹر شارٹ کورسز بھی کروا رہے ہیں جو حکومت کے منظور شدہ ہیں اور پنجاب ٹیکنیکل بورڈ امتحان کے بعد طلبا کو ڈپلومہ جاری کرتا ہے۔ فاران ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ گوجرانوالہ ڈویژن کا جدید ترین سہولیات سے آراستہ صف اول کا ٹیکنیکل کالج ہے جہاں پی ایچ ڈی ڈاکٹرز کے علاوہ بی ایس سی' ایم

Marfat.com

ایس اور ایم سی ایس ڈگری ہولڈر اساتذہ کے علاوہ ملٹری کالج راولپنڈی کے ریٹائرڈ استاد بھی تعلیم دیتے ہیں۔

پروفیسر چودھری فضل حسین (تحریر ڈاکٹر اظہر محمود چودھری)

پروفیسر چودھری فضل حسین اپنی اسی سالہ یادگار اور شاندار زندگی میں ایک ہردلعزیز اُستاد، ماہر پرنسپل، مقبول ماہر تعلیم، ممتاز دانش ور، دلنواز ادب پرور اور بے مثال انجمن ساز کی حیثیت سے اُبھرے، جیئے اور امر ہوئے۔ ان کی شخصیت میں قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی خوبیوں اور کمالات از قسم گرم جوش طبیعت، سچا خلوص، دانائی، بے خوفی، خوش مزاجی اور خوش لباسی کا انتہائی معتدل اور متوازن امتزاج تھا اور یہی ان کو ہر حیثیت میں کامیاب و سرفراز کرنے کا باعث بنے۔ وہ بلاشبہ ضلع گجرات کی ایک تاریخ ساز ہستی ہیں جبکہ ان کے فیض کا دائرہ پاکستان کے دور دراز علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔

چودھری صاحب 13 اپریل 1925ء کو ضلع گجرات کے ایک دور افتادہ گاؤں بھاگ نگر میں چودھری محمود خاں کے گھر پیدا ہوئے جن کا تعلق گوجر قبیلے کی ''آوانہ'' گوت سے تھا۔ یہ علاقہ تحصیل سرائے عالمگیر میں نہر اَپر جہلم کے ہیڈ جگو کے نواح میں ہے اور یہاں سے آزاد کشمیر اور ضلع جہلم تھوڑی مسافت پر ہیں۔ انھوں نے آٹھویں تک تعلیم نواحی قصبے سرائے عالمگیر سے حاصل کی جبکہ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی اسکول جہلم سے ضلع بھر میں اول حیثیت حاصل کر کے پاس کیا اور مثالی طالب علموں میں شمار ہوئے۔ بی اے تک زمیندار کالج گجرات میں پڑھے اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔ اے کرنے کے بعد اپنی مادر علمی زمیندار کالج گجرات میں اُستاد مقرر ہوئے۔ اس دوران اپنی ملنساری، زندہ دلی، ادب پروری، بے مثل خطابت اور لیکچررز کے حقوق کی احسن ترجمانی اور نڈر رہنمائی کی وجہ سے مشہور و مقبول ہوئے۔ جب اس پرائیویٹ کالج کی انتظامی انجمن سے اختلافات کے منطقی انجام کے طور پر انھیں 1970ء میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تو ان کے چاہنے والوں اور عزیز شاگردوں نے احتجاج کی نئی تاریخ رقم کی۔ انھوں نے چودھری صاحب اور پروفیسر حامد حسن سید کی بحالی کی خاطر ہڑتالیں کیں، تالہ بندیاں کیں اور جلوس نکالے۔ پروفیسر سید شبیر حسین شاہ (ڈائریکٹر پلاننگ، یونیورسٹی آف گجرات) کا شمار چودھری صاحب کے انتہائی چہیتے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ان کی سرکردگی میں تانگوں پر جلوس نکلے اور بارروم میں درس و تدریس کی نشستیں جمیں جہاں چودھری صاحب نے کلاسیں لیں۔ طلبا ان کی ہمنوائی میں کمرۂ عدالت میں جا کر کارروائی میں شریک ہوتے۔ وہ مارچ 1972ء میں چودھری صاحب کی باعزت بحالی اور کالج میں واپسی تک چین سے نہ بیٹھے۔

1974ء میں چودھری صاحب کی تعیناتی بطور پرنسپل اسلامیہ کالج گوجرانوالہ ہوئی جہاں انھوں نے 1983ء تک اپنے فرائض منصبی نہایت احسن طریق سے ادا کیے۔ پہلوانوں کے شہر کے اس کالج میں اپنی پوسٹنگ کے دوران چودھری صاحب نے قبضہ مافیا، بوٹی مافیا، غنڈہ عناصر، مذہبی ٹھیکیداروں اور سیاسی اجارہ داروں کو ناکوں چنے چبوائے۔ ان کے خلاف فتوے جاری ہوئے اور انھیں کافر اور بے دین تک کہا گیا۔ انھوں نے ہر الزام اور تہمت سہی لیکن علم اور تعلیم کے تقدس پر حرف نہ آنے دیا۔

زمیندار کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے ان کی تقرری 1983ء میں ہوئی۔ ان دگرگوں حالات میں کہ کالج کی تابندہ روایات دم توڑ رہی تھیں، شوریدہ سر طلبا کے ہاتھوں اس عظیم درس گاہ کا ماحول برباد ہو چکا تھا، اس کی جامع مسجد اجڑ چکی تھی جس میں جھاڑ جھنکار اور بھوسہ پرالی کے انبار لگے تھے اور ایک کتیا اپنے ننھے ننھے پلوں کے ساتھ مقیم تھی۔ چودھری صاحب نے موسلا دھار بارش میں پانی سے شرابور لباس اور کیچڑ سے لتھڑے پائنچوں کے ساتھ بطور پرنسپل پہلی حاضری دی اور پھر دیکھتے دیکھتے اس عالی مرتبت ادارے نے نہ صرف اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کیا بلکہ ترقی و سربلندی کے کئی اہم زینے طے کیے۔ چودھری صاحب نے اپنی خداداد انتظامی صلاحیتوں اور لیڈرانہ خصوصیات کے بل بوتے پر جلد ہی تمام مشکلات پر قابو پالیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں کالج کی سڑکوں کی از سرِ نو تعمیر ہوئی، مرکزی عمارت کی تزئین و آرائش ہوئی، جامع مسجد نے ایک عالیشان اور دیدہ زیب عبادت گاہ کا رُوپ دھارا، اس کا پائیں باغ علم نباتات کے طالب علموں اور اساتذہ کی توجہ کا مرکز بنا اور اس کی لائبریری میں دنیا بھر کے علوم و فنون اور ادب پر مستند کتابوں کا ہجوم ہوا۔

چودھری صاحب کی سربراہی میں زمیندار کالج پنجاب بھر کا مثالی اور قابل رشک علمی مرکز بنا۔ تمام شعبہ جات میں علمی اور تعلیمی سرگرمیوں اور تقریبات کی روایت قائم ہوئی۔ زمیندار کالج کی علمی ادبی اور ثقافتی تقریبات، مشاعروں اور بین الکلیاتی مذاکروں کی دھوم مچ گئی۔ اسی دور میں کالج نے کھیلوں اور سپورٹس میں اعلیٰ انعامات جیتے۔ چودھری صاحب نے کالج میں اسمبلی کی روایت ڈالی۔ تمام طلبا انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ روزانہ ایک مقام پر جمع ہوتے جہاں تمام اساتذہ بھی موجود ہوتے۔ پرنسپل صاحب کی تقریر اس تقریب کی جان ہوتی۔ یہاں متوقع تقریبات کی بات ہوتی، طلبا کے مسائل زیر بحث آتے۔ امتحانوں میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ کھیلوں میں انعام جیت کر آنے والوں کو دادِ تحسین دی جاتی اور غنڈہ

Marfat.com

عناصر کی سرکوبی بھی یہیں ہوتی۔ یہ قابلِ قدر روایت چودھری صاحب کے ساتھ ہی رخصت ہوگئی۔

ان کا ایک تاریخی اور یادگار کارنامہ زمیندار کالج گجرات میں 6 مضامین میں پوسٹ گریجوایٹ کلاسز کا اجرا اور ان کے لیے نئے بلاک کی تعمیر ہے۔ زمیندار کالج کے پہلو میں گورنمنٹ کالج برائے خواتین' مرغزار کالونی کے قیام میں بھی بنیادی اور لازوال کردار پروفیسر چودھری فضل حسین ہی کا ہے۔ اپنے کالج کے ایک بڑے قطعۂ اراضی کی فراہمی اور ایک عظیم مقصد کی خاطر منتقلی کو اپنے اخلاص' فیاضی' عملیت اور علم پروری کے باوصف ممکن بنایا۔ وہ ازراہِ تفنن اکثر کہا کرتے کہ مرغزار کالج تو زمیندار کالج کی پسلی سے نکلا ہے جیسے بابا آدم کی پسلی سے اماں حوا کا برآمد ہونا سنتے آئے ہیں۔

1989ء میں پروفیسر چودھری فضل حسین ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد جہلم جا بسے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں کی ادبی' ثقافتی اور فلاحی تنظیموں کی روحِ رواں بن گئے لیکن آخری دم تک گجرات کے تعلیمی اداروں' علمی مراکز' ادبی اور ثقافتی انجمنوں اور اپنے احباب اور رفقا سے تعلق کو نبھایا۔ 21 مئی 2005ء کو بوجہ بیماریِ دل اس جہانِ رنگ و بو سے منہ موڑ گئے اور جہلم شہر کے جانب شمال جی ٹی روڈ کے ساتھ فوجی فاؤنڈیشن ہسپتال سے ملحقہ قبرستان میں محوِ خواب ہیں۔

پروفیسر چودھری فضل حسین سائنسی اور تجزیاتی اندازِ فکر کے مؤید اور روشن خیالی کے منبع تھے۔ ان کی شخصیت میں پیار' خلوص' عجز و انکسار' انسانیت نوازی' تواضع' بے خوفی' اعلیٰ حسِ مزاح' عمدہ روایات کی قدر دانی اور مہمان نوازی جیسے نادر گن بدرجہ اُتم موجود تھے۔ سائیکالوجی اور فارسی میں ایم۔اے کرنے کی وجہ سے بقول پروفیسر سیّد حسن عسکری اندازِ فکر کا نکھار اور ادب سے محبت کی مہک چودھری صاحب کے امتیازی اوصاف ٹھہرے۔ ان کا غیر معمولی تنقیدی شعور' حیران کن حاضر جوابی' ناقابلِ یقین حافظے اور کمال جمالیاتی حس نے ان کی شخصیت کو پُرکشش مقناطیسی بنا دیا۔ وہ اندھی تقلید کے مخالف اور اپنی راہیں آپ بنانے کے قائل تھے۔ اکثر یہ شعر سناتے جو ان کے اندازِ فکر کا نقیب ہے۔

جینا ہے تو رقصاں رقصاں جی گھٹ گھٹ کے بسر اوقات نہ کر
حالات کے راس آتے ہیں تو پیروی حالات نہ کر

چودھری صاحب نے علم و دانش کی روشنی نہایت فیاضی اور صدقِ دل سے اپنے شاگردوں اور چاہنے والوں میں بانٹی۔ وہ حوصلہ افزائی' تعریف اور پیار کی تھپکی سے اپنے شاگردوں میں پنہاں عمدہ جوہر' خوبیاں اور کمالات کو سامنے لاتے اور انھیں آگے بڑھنے کے لیے پُراعتماد بناتے۔ یوں تو ایک زمانے نے ان سے فیض پایا لیکن ان کے نامور اہلِ قلم شاگردوں میں انور مسعود' فخر زمان' پروفیسر سیف الرحمٰن سیفی' جاوید چودھری' پروفیسر حسن عسکری کاظمی' پروفیسر سید شبیر حسین شاہ' کرنل محمد الیاس' بریگیڈیئر حسن اختر ملک' عارف علی میر ایڈووکیٹ' ریاض مفتی ایڈووکیٹ' صادق لطیف سعدی' سیرت اصغر جوڑا' جسٹس اعجاز چودھری' سلیم پاشا اور ڈاکٹر منیر احمد سلیچ کے نام نمایاں ہیں۔ وہ جگت استاد تھے۔ بعض اوقات ایک ہی خاندان کی دو دو تین تین نسلیں ان کی شاگرد نکل آتیں۔

شریف کنجاہی صاحب سے ان کی دیرینہ دوستی تھی۔ احتراماً اپنے آپ کو ان کا بستہ بردار کہہ کر پکارتے۔ ان کی عزت و توقیر میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے۔ شریف صاحب نے بھی اپنی شاعری کی پہلی چھپنے والی کتاب ''جگراتے'' کو چودھری صاحب کے نام سے منسوب کیا۔ اسی طرح انور مسعود نے اپنی نمائندہ کتاب ''میلہ اکھیاں دا'' کا انتساب ''دو فضل حسیناں دے ناں'' کیا۔ ان میں پہلے پیر فضل حسین فضل گجراتی ہیں جب کہ دوسرے پروفیسر چودھری فضل حسین ہیں۔

چودھری صاحب پنجابی زبان و ادب کے ساتھ بڑا شغف اور لگاؤ رکھتے تھے۔ بہت سے پنجابی شاعروں کا کافی کلام اور طویل نظمیں انھیں ازبر تھیں جنھیں وہ اکثر محفلوں میں برمحل سنا کر حاضرین کے دلوں کو گرماتے۔ انھیں پروفیسر موہن سنگھ' درشن سنگھ آوارہ' شریف کنجاہی' عبدالقادر خوشتر اور کرنل محمد الیاس کا کافی کلام زبانی یاد تھا۔ لیکن چونکہ ان کے مسلک میں تعصب اور نفرت کا شائبہ تک نہیں تھا اس لیے وہ اردو سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ بہت سے فارسی اشعار' حکایات اور جملے بھی ان کی نوکِ زبان کی زینت تھے۔ انگریزی ادبیات میں سے بھی وہ چنیدہ شعر یا اقوال اکثر حوالے کے طور پر برتا کرتے۔ پنجابی کے ایک استاد شاعر بابو فیروز دین شرف کا یہ قطعہ چودھری صاحب پر بہ کمال صادق آتا ہے۔

میں پنجابی پنجاب دا رہن والا
ہاں میں پینڈو پر شہریے ڈھنگ داہاں
سمجھاں فارسی اردو وی خوب بولاں
تھوڑی بہتی انگریزی وی اینگ داہاں
بولی اپنی نال میں پیار رکھاں
ایہ گل آکھنوں کدی نہ سنگ داہاں

بہت سی ادبی انجمنیں چودھری صاحب کی توجہ' تعاون اور تحریک کی بدولت منصۂ شہود پر آئیں۔ زمیندار کالج میں وہ بزمِ اقبال کے بانی تھے۔ محفلِ نقد و نظر گجرات' حلقۂ اربابِ شعور گجرات' پنجابی ادبی سنگت گجرات' بزمِ فیض جہلم انھیں کے دم قدم سے پروان چڑھیں۔ المیر ٹرسٹ لائبریری' دی انٹلیکٹ کھاریاں' تھنکرز فورم

Marfat.com

گجرات' رائٹرز کلب گجرات اور ہم سخن ساتھی لاہور اور دیگر کئی تنظیموں کے ساتھ وہ منسلک رہے۔ جو بھی انھیں بصد خلوص بلاتا اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلتے۔ پابندیٔ وقت ان کا شیوہ تھا۔ جس شہر میں اور جہاں جاتے وہاں علم و ادب کی محفلیں سج جاتیں۔ سب دوستوں' ہم مزاج شاگردوں اور چاہنے والوں کو وہاں اکٹھا کر لیتے اور مالا کے منکوں کی طرح انھیں باہم پرونے کا جتن کرتے۔ دوسروں کی بات بڑے دھیان اور انہماک سے سنتے تھے اور انھیں برابر وزن اور حوصلہ دیتے۔ ان کا فی البدیہہ بیان اور خطاب ناقابلِ فراموش ہوتا۔ ان کی محفل میں چھوٹے بڑے' امیر غریب' بہت پڑھے لکھے اور نیم خواندہ کا فرق مٹ جاتا۔ وہاں وقت کے سیاسی حالات کے علاوہ ادب' ثقافت' تاریخ' فلسفہ غرض ہر موضوع پر بات ہوتی۔ بعض اوقات ناگفتنی لطائف اور چٹکلوں سے محفل کشتِ زعفران بن جاتی۔ کوئی شخص اگر ایک بار ان سے مل لیتا تو ان کا ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتا۔

نامور کالم نگار اور مصنف اصغر علی گھرال ایڈووکیٹ' جناب میاں رشید احمد ٹھیکیدار' چودھری اصغر حسین وڑائچ (گوجرانوالہ) اور پروفیسر چودھری یعقوب صاحب سے ان کی دوستانہ بے تکلفی تھی۔ جب کہیں ان کے ساتھ محفل میں ہوتے تو کاٹ دار جملوں' برجستہ پھبتیوں اور برمحل لطائف سے ایسی پھلجھڑیاں چلتیں کہ اُداسی' ذہنی دباؤ اور پریشانی کا دور دور تک نشان نہ رہتا اور وقت کی رفتار تھم جاتی۔

پروفیسر چودھری فضل حسین کا تعلیمی حلقوں میں بہت مقام اور احترام تھا۔ وہ کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن پنجاب کے سرکردہ رہنماؤں میں سے تھے اور اس کے صدر بھی رہ چکے تھے۔ پروفیسر ظفر علی خان' پروفیسر اشفاق علی خاں' منیر احمد خاں اور عبدالحیٔ لائق جیسی شخصیات کے ساتھ مل کر انھوں نے اساتذہ کے حقوق کے لیے جدوجہد میں لازوال کردار ادا کیا۔

شعبۂ تعلیم کے علاوہ ڈاکٹر' وکیل' فوجی افسران' جج' سیاستدان غرض ہر شعبہ کے لوگ ان کی حد درجہ قدر کرتے تھے اور انھیں پیروں سے بڑھ کر مقام دیتے تھے۔ ہر طبقے اور برادری میں انھیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ درجہ چہارم کے ملازمین سے بہت شفقت بھرا سلوک کرتے اور ان کے حقوق بالخصوص معاش کی طرف بہت دھیان دیتے تھے۔ صداقت کی تلاش' انسانیت سے پیار اور سچ کی جستجو ان کی زندگی کے اہم ترین مقاصد تھے۔ پروفیسر موہن سنگھ کے یہ اشعار اکثر ان کا وردِ زبان ہوتے۔

ربّ اک گنجھل دار بجھارت رب اک گورکھ دھندا
پیچ جس دے کھولن لگیاں کافر ہو جائے بندا
کافر ہونوں ڈر کے جیویں کھوجوں مول نہ کھنجیں
لائی لگ مومن دے کولوں کھوجی کافر چنگا

ان کی رحلت پر لکھی گئی اپنی ایک نظم کا پہلا بند نذرِ قارئین کر کے چودھری صاحب کے ذکر کا یہ سلسلہ تمام کرتا ہوں۔

بھاگ نگر وچ جمیاں' رتوں چنگے بھاگ
علم وچھونا اوڑھنا' شعر ادب دی جاگ
سُرت سہیلی اوس دی' چانن دے ہتھ واگ
جعلی ٹوہراں گوڑیاں' دتیاں دلوں تیاگ
مسکلے لفڑے اوکڑاں' ہس ہس لیندا اجھاگ
نرم سبھا ملوکڑا اونگ بھیرویں راگ

ڈاکٹر فضل حسین

پروفیسر فزیکل کیمسٹری' سابق ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری فضل حسین ۲۲ مئی ۱۹۲۷ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں زمیندار کالج گجرات سے بی ایس سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی سند حاصل کی اور پھر کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۴ء تک پنجاب یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر اور ۱۹۶۴ء سے ۱۹۶۸ء تک ایسوسی ایٹ پروفیسر رہے۔ ۱۹۶۸ء میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ انجمن ترقی سائنس پاکستان اور برٹش کیمی کل سوسائٹی کے ممبر بھی رہے۔ دنیا کے مختلف مجلّات میں مقالے چھپ چکے ہیں۔ دو درسی کتابوں کے مصنف اور دو کے مرتب ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر فضل الرحمٰن

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

کراچی ایس ایم کالج کے شعبہ ٔفلسفہ کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن' ایک نابغہ عصر شخصیت تھے۔ وہ ۱۹۱۱ء کے قریب گجرات شہر میں پیدا ہوئے۔ کشمیری النسل تھے۔ گجرات میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی پھر افریقی جزیرے زنجبار میں شاہی محل کی حفاظتی پولیس میں بھرتی ہو گئے۔ ترقی کی اور سارجنٹ بن گئے۔ اپنی ذہانت اور محنت سے عزت اور دولت کمائی پھر مزید تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔ زنجبار میں دس سال ملازمت کے بعد پنشن لے لی اور کچھ عرصہ سیر و سیاحت میں گزار کر ۱۹۳۷ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کی فرسٹ ایئر کلاس میں داخل ہوئے۔ اپنی جماعت میں اول آئے اور مزید

Marfat.com

تعلیم کے لیے انگلستان روانہ ہوگئے۔ جنگ عظیم دوم کے دوران مشکلات کے باوجود آکسفورڈ سے فلسفہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور پھر ریڈنگ یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ وطن واپسی پر کراچی ایس ایم کالج میں فلسفہ کے استاد مقرر ہوئے اور صدر شعبہ کے عہدہ تک پہنچے مگر قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی اور یاد خدا سے لو لگا لی۔ بہت عرصہ تک گجرات شہر میں شاہ دولہ دروازے کے اندر سنہری مسجد میں وعظ کرتے رہے اور لوگوں کو محبت کا درس دیتے رہے۔ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف اور اصلاح معاشرہ کے لیے کوشاں رہے۔ تصوف سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔

آپ کی وفات ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔

نواب سر فضل علی (بانی زمیندار کالج گجرات)

نواب سر فضل علی کے والد کا نام چودھری سلطان علی تھا۔ حکومت برطانیہ میں ان کا خاصا اثر و رسوخ تھا۔ انگریز حکومت ان کا بہت احترام کرتی تھی۔ اعلیٰ گھرانے کا چشم و چراغ ہونے کے باعث فضل علی کو زمانے کی اعلیٰ تعلیمی سہولیات میسر آئیں۔ انھوں نے علیگڑھ میں تعلیم پائی۔ ملت اسلامیہ کے اہم رہنما آپ کے ہم جماعت تھے۔ انھوں نے علیگڑھ سے اعلیٰ ڈگری کے ساتھ ساتھ سرسید احمد خاں کا دردمند دل بھی جیت لیا جو شبانہ روز مسلمانوں کی زبوں حالی پر کڑھتا رہتا تھا۔ انھیں مسلمانوں کے تعلیم میں دوسروں سے پیچھے رہ جانے کا بڑا غم تھا۔ وہ مسلم قوم کو آگے بڑھتے دیکھنا چاہتے تھے۔ آخرکار اسی احساس اور جذبے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انھوں نے انیس سو چودہ میں اپنے علاقہ کے زمینداروں اور ذیلداروں کو اکٹھا کیا اور ان سے مسلمانوں کی تعلیمی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی پسماندگی اور خستہ حالی بیان کی اور ایک تنظیم کی صورت مل کر کام کرنے کا منصوبہ سامنے رکھا۔ علاقے کے زمینداروں اور ذیلداروں نے ان کے ہم خیال ہو کر تعاون کا بھرپور ہاتھ بڑھایا۔ چنانچہ انیس سو چودہ میں زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی گئی۔

خان بہادر غلام سرور خان ساکن ڈنگہ، میاں فتح محمد رئیس کولیاں والا، سید حاکم شاہ مدنی، چودھری خوشی محمد ناظر، چوہدری غلام محی الدین، چوہدری غلام رسول اور چند دیگر معززین اس ایسوسی ایشن کے بنیادی رکن تھے۔ نواب فضل علی نے اس تنظیم کے ذریعے ملک اور ملت کی بھرپور خدمات سرانجام دیں۔ لوگوں نے انھیں محبت میں کنگ آف گجرات کے خطاب سے بھی نوازا۔ وہ ایک عرصہ تک ڈسٹرکٹ بورڈ گجرات کے چیئرمین رہے اور گجرات کے آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ انھوں نے کولڈ سٹریم مسلم زمیندار ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ علاوہ ازیں علاقہ میں کواپریٹو سوسائٹیاں بھی تشکیل دیں۔ انھوں نے انیس سو چوبیس میں زمیندار بنک کی بنیاد بھی رکھی اور انسداد فسادات کمیٹیاں تشکیل دیں۔ انجمن زراعت بنائی، ریڈ کراس اور دیہات سدھار تحریکوں کی بھرپور حمایت اور سرپرستی بھی کی۔ سرسکندر انڈسٹریل گرلز سکول کی بنیاد رکھی۔

پنجاب کے گورنر ہربرٹ ایمرسن کمشنر راولپنڈی ڈویژن فرگوسن اور ضلع ڈپٹی کمشنر خورشید محمد ان کے ممنون رہتے تھے کہ سرکار سے تعاون پر حکومت کی طرف سے نواب ''خان صاحب'' اور ''سر'' وغیرہ کے خطابات سے نوازا گیا۔

نواب سر فضل علی بلاشبہ ملک و قوم کے نہایت مخلص رہنما تھے۔ انھیں کالج کی تعمیر میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور ان تعلیمی اداروں پر آنچ نہیں آنے دی۔ نواب فضل علی زمیندار سکول اور کالج کے اساتذہ کا بہت احترام کرتے۔ انھیں بروقت تنخواہوں کی فراہمی اور ان کو زندگی کی سہولیات فراہم کرنا انکی زندگی کا مشن رہا۔ ایک بار نواب فضل علی بیمار تھے کہ سکول کے فنڈ میں اساتذہ کی تنخواہوں کے لیے فنڈ کی رقم نہ تھی۔ جب انھیں علم ہوا تو بیماری کی حالت میں گھر کا رخ کیا اور گھر کا زیور گروی رکھ کر اساتذہ کی تنخواہیں ادا کیں۔ ان کی تنظیم زمیندار ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے ایک ہفتہ وار اخبار محب پاکستان کا بھی اجراء کیا، جس کا دفتر زمیندار سکول میں کھولا گیا۔ محمد رمضان تبسم قریشی مدرس سکول اس ہفت روزہ اخبار کے مدیر تھے۔ علامہ اقبال کی یاد میں سب سے بڑا ادبی مجلہ بھی اس زمیندار سکول سے شائع ہوا۔ سکول میں زراعت، اسلامیات اور صنعت و حرفت بالخصوص کارپینٹری کی تعلیم لازمی دی جاتی تھی، باقی سکولوں میں اس تعلیم کا اہتمام نہیں تھا۔ پانچ جنوری انیس سو چوبیس (۱۹۲۴ء) میں زمیندار ہائی سکول کے ماسٹر ہیڈ ماسٹر سید شبیر حسین بخاری نے کنڈرگارٹن سکول بھی کھولا، جو اسی تعلیمی تنظیم کی زیرنگرانی قائم ہوا۔ اس سکول میں قومی اور ملی تقریبات بھرپور انداز میں منائی جاتی تھیں۔ طلبائی تعلیمی سفر کے لیے دور دور کے علاقوں میں پہنچے جن میں جموں، گلگت کے سفر خصوصیت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ زمیندار سکول سے کالج بننے سے قبل سید شبیر حسین ہیڈ ماسٹر اور محمد شریف سیکنڈ ہیڈ ماسٹر تھے۔ ماسٹر معراج الدین، چودھری رحمت خان، قاضی فیض محی الدین، چودھری اکبر، چوہدری مقدس خان، چودھری نیک عالم، قاضی فقیر اللہ، چودھری فتح محمد، ماسٹر عبدالغنی، سید نذیر شاہ، مولوی ابراہیم، مولوی علی محمد، ماسٹر محمد افضل، ڈرائنگ ماسٹر حفیظ اللہ استاد صنعت و حرفت ظہور احمد ناصر جیسے عملہ نے اپنی زندگیاں سکول کے لیے

Marfat.com

وقف کر دی تھیں۔نواب سر فضل علی تیس اکتوبر انیس سو بیالیس (۱۹۴۲ء) کو انتقال کر گئے۔

شیخ فیروزالدین قریشی

فیروزالدین ۱۸۹۶ء میں بمقام گندہرہ قریشی نیاز محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول گجرات، دیال سنگھ کالج لاہور اور فارمن کرسچن کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ضلع گجرات میں سب سے پہلے ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے والوں میں شامل ہیں۔ملازمت کا آغاز گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم سے ہوا' بعد میں پی سی ایس کے امتحانوں میں کامیابی حاصل کر کے انگریزی عہد میں گورنمنٹ آف انڈیا کی جوڈیشل سروس غیر منقسم پنجاب میں ملازم ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں ڈسٹرکٹ سیشن جج کے عہدہ سے پنشن پا کر آبائی گاؤں گندہرہ میں مع اہل عیال رہائش اختیار کر لی۔نہایت ایماندارانہ زندگی بسر کی۔

کاؤنٹی پبلک سکول

کاؤنٹی پبلک سکول کا شمار گجرات کے اہم تعلیمی اداروں میں کیا جاتا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں اس کا آغاز ممتاز ماہر تعلیم چودھری محمد تسنیم کوثر نے کیا۔چودھری محمد تسنیم کوثر نے میٹرک سینٹ (میری) سے کیا' ایف ایس سی ملٹری کالج جہلم سے' بی ایس سی پنجاب یونیورسٹی سے کرنے کے بعد آرمی ایجوکیشن کور میں ملازمت اختیار کی اور دوران ملازمت ہی ایم ایس سی ریاضی' ایم ایس سی سے ڈمر یٹیجیک سائنس کی جرمن سے ڈگری حاصل کی۔۱۹۸۸ء میں فوج سے مستعفی ہوئے اور انگلینڈ سے ایم سی ایس ٹائیکل انجینئرنگ کرنے کے بعد رائل میرین انجینئرنگ کالج نیو کاسل انگلینڈ اور بلیوکوٹ سکول انگلینڈ سے وابستہ رہے۔جہاں سے ۱۹۸۸ء میں آبائی وطن پاکستان لوٹ آئے اور ۱۹۹۴ء میں کاؤنٹی سکول کا آغاز کیا۔پرنسپل تسنیم کوثر کی شبانہ روز محنت اور بلند نظری کی بدولت کاؤنٹی سکول جلد نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔کاؤنٹی سکول میں ایک ہزار سے زائد طلبا کی تعداد زیر تعلیم ہے جہاں ایم اے اور ایم سی ایس ماسٹرز ڈگری ہولڈر اساتذہ طلبا کو علم کی روشنی سے منور کر رہے ہیں۔

چوہدری محمد تسنیم کوثر ماہر تعلیم کے علاوہ اسلامی دانشور کے طور پر بھی اپنی شناخت رکھتے ہیں آپ نے نومبر ۱۹۸۵ء میں ٹاؤن کیپ ساؤتھ افریقہ میں ورلڈ اسلامک مشن کے زیر اہتمام عیسائیت اور اسلام کے موضوع پر ہونے والی بحث میں حصہ لیا اور کامیاب رہے۔گزشتہ دنوں آپ اقوام متحدہ کے ادارے یونیسف کے زیر اہتمام کولمبیا یونیورسٹی واشنگٹن امریکہ میں دنیا بھر سے آنے والے مفکرین اور دانشوروں کے ساتھ دنیا کا بہترین مذہب کے عنوان سے مقالہ پڑھا جہاں ان کے مقالہ کو بے حد پسند کیا اور ۳۵۰ مقالوں میں ان کا مقالہ تیسرے نمبر پر آیا۔

کیتھڈرل سکول

مارچ ۱۹۹۶ء کو کیتھڈرل سکول نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز تین بچوں کی معمولی تعداد سے پرنسپل جناب جیک پال عدنان کی سرپرستی میں شروع کیا۔کیتھڈرل سکول کی نوتعمیر شدہ عمارت میں بچوں کے لیے کشادہ اور ہوادار کمرے' کھیل کے میدان' جھولے اور خوبصورت سکول لان موجود ہیں۔وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ سکول ترقی کی منازل طے کرتا گیا اور بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر نئے تعلیمی بلاک کی ضرورت پیش آئی اور ۲۰۰۱ء میں دوسرا بلاک تعمیر ہوا جس میں ایک خوبصورت لیبارٹری اور لائبریری کا اضافہ کیا گیا ہے۔کیتھڈرل سکول سسٹم کے ایسے ہی سکول پانچ دیگر شہروں میں بھی بچوں کو معیاری تعلیم دینے میں کوشاں ہیں۔کیتھڈرل سکول نے کامیابی کی طرف ایک اور قدم بڑھایا اور اس کا الحاق گوجرانوالہ بورڈ سے ہوا۔ہائی جماعتوں کے لیے فروری ۲۰۰۴ء کو پرنسپل جناب جیکب پال عدنان نے نئے بلاک کا سنگِ بنیاد رکھا۔وائس چیئرمین آف سیالکوٹ ڈایوسیس جناب یعقوب ایم عاصی نے کیتھڈرل سکول گجرات کی ترقی و کامیابی کے لیے پرنسپل جناب جیکب پال عدنان کی خدمات کو سراہا۔انھوں نے بشپ آف سیالکوٹ ڈایوسیس سموئیل پرویز کا بھی شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اس شہر میں کیتھڈرل سکول جیسا تعلیمی ادارہ قائم کر کے بچوں کو معیاری تعلیم دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔

گجرات لاکالج

گجرات لا کالج قانون کی تعلیم کی گجرات میں پہلی اور واحد درس گاہ ہے جو پنجاب یونیورسٹی سے الحاق شدہ ہے۔اس کی بنیاد ۱۹۸۸ء میں ایک فلاحی تنظیم علمدار حسین ایجوکیشن سوسائٹی نے رکھی' جس کے صدر سید علی عمران ایڈووکیٹ سابق سیکرٹری گجرات بار جیسی متحرک شخصیت ہیں۔اس سوسائٹی کے دیگر عہدیداروں میں

Marfat.com

سینئر نائب صدر سید قمر عباس نائب صدر سید اسد عباس جنرل سیکرٹری سید محسن رضا جوائنٹ سیکرٹری سید علی رضوان فنانس سیکرٹری سیدہ فرح ناز اور سیکرٹری اطلاعات سیدہ نادیہ زینب ہیں۔

گجرات لا کالج سے طلبا و طالبات کو نہ صرف گھر کے قریب قانون کی تعلیم کا موقع ملا بلکہ ان کے تعلیمی اخراجات میں بھی خاطر خواہ کمی ہوئی۔ گجرات لا کالج کے روح رواں سید علی عمران کے جذبہ صادق محنت و اخلاص کی بدولت یہ کالج شرح تناسب کے اعتبار سے پنجاب بھر میں نمایاں ہے۔ اس کے پہلے سیشن میں پاس ہونے والے طلبا کا تناسب 88.54% رہا جو ایک بڑا اعزاز ہے۔ گجرات لا کالج کی لائبریری میں پانچ ہزار سے زائد کتب موجود ہیں' تجربہ کار اساتذہ کے علاوہ لائبریرین اور ڈی پی ای موجود ہیں۔ گجرات لا کالج کے چیئرمین اور پرنسپل سید علی عمران بڑی متحرک اور پرجوش شخصیت ہیں جنہوں نے جلال پور روڈ پر کالج کی ذاتی بلڈنگ کے لیے ۷ کنال جگہ خریدی ہے جہاں جلد ہی تعمیر متوقع ہے۔

گورنمنٹ آئی۔ڈی جنجوعہ کالج لالہ موسیٰ

قیام پاکستان سے قبل خواتین کی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ عورت صرف گھر گرہستی اور چاردیواری کی زینت تھی۔ اس وقت انسان کا شعوری ارتقاء اس مقام پر فائز نہ تھا' جہاں ایک ماں کی تعلیم کو ایک نسل کے تعلیم یافتہ ہونے کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہو۔ جوں جوں انسانی تدبر شباب تفکر پہ جوانی اور شعور پہ عروج آتا گیا توں توں فروغ تعلیم کے در وا ہوتے چلے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد کئی سال تک لالہ موسیٰ میں بچیوں کے لیے کالج تو دور کی بات ہے ہائی سکول تک کی سہولت موجود نہ تھی۔ عصر عاضر کے تقاضوں نے جب انسان کو یہ باور کرادیا کہ بچیوں کی تعلیم ہی بہترین نسل کی ضمانت ہے تو لالہ موسی میں بچیوں کے کئی پرائمری اور ہائی سکول بنے۔ 1970 تک جو بچیاں میٹرک کر کے کالج کی تعلیم کی خواہاں ہوتیں انھیں دوسرے شہروں میں جانا پڑتا۔ بیشتر بچیاں بغرض تعلیم گجرات سفر کرتی تھیں۔ دوران سفر بچیوں کی تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے لالہ موسی کی مایہ ناز شخصیت جناب میاں امام دین جنجوعہ نے یہ ٹھان لی کہ لالہ موسیٰ کی بچیوں کے لیے لالہ موسیٰ میں ہی ایک کالج کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

بالآخر 11 اکتوبر 1970 کو جنجوعہ ٹرسٹ کے تحت امام دین جنجوعہ کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔ یکم ستمبر 1972 کو یہ کالج گورنمنٹ پاکستان کی تحویل میں چلا گیا اور اس کا نام گورنمنٹ امام دین جنجوعہ گرلز کالج ہوگیا۔ یاد رہے کہ یہ کالج پہلے پہل روشن آراء بیگم سٹریٹ میں واقع ایک مختصر سی عمارت میں قائم ہوا جو بعد ازاں طالبات کی تعداد بڑھنے سے جگہ کی تنگی اور مختلف مسائل کا شکار ہوگیا جس پر کالج انتظامیہ اور شہریان لالہ موسی نے حکومت پاکستان سے بھرپور مطالبات کیے کہ انھیں کالج برائے خواتین کے لیے جگہ دی جائے۔ اس مقام پر یوں تو لالہ موسی کے ہر صحافی نے حسب توفیق اپنا کردار ادا کیا مگر حکیم نثار احمد قریشی کی خدمات لائق تکریم و تحسین ہیں۔ آپ نے صرف قومی اخبارات میں کالج کی ضرورت کو اجاگر ہی نہیں کیا بلکہ گورنر سے لیکر صدر پاکستان کے نام سینکڑوں ٹیلی گرام بھی دیے۔ اس ادارے کی ضرورت اور تکمیل کے لیے جن اشخاص نے میاں امام دین جنجوعہ کی مشاورت کی ان میں ان کے بیٹے جہانگیر محمود جنجوعہ' افتخار محمود جنجوعہ کے علاوہ ملک کے نامور صحافی اور شاعر جناب کاوش بٹ اور چودھری محمد عارف سہنسہ شامل تھے۔

سیاسی حوالے سے اس کالج کی منظوری میں شہر کے ہر دلعزیز سیاسی قائد شیخ حفیظ اللہ صدیقی کی فی البدیہہ ذہانت کا گہرا عمل دخل ہے۔ ہوا یوں کہ جنرل ضیاء الحق نے بلدیاتی اداروں کے چیئرمینوں پر مبنی ایک آل پاکستان کنونشن منعقد کروایا جس میں ملک کے چند گنے چنے چیئرمینوں کو تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے باوجود کہ بلدیہ لالہ موسی کے چیئرمین جناب حفیظ اللہ صدیقی پنجاب میں پیپلز پارٹی کی طرف سے منتخب ہونے والے معجزانہ طور پر اکلوتے چیئرمین تھے کمشنر گوجرانوالہ کی مخالفت کے باوجود شیخ حفیظ اللہ صدیقی کو تقریر کرنے کا موقع مل گیا۔ مخالفت کی وجہ صدیقی صاحب کا پیپلز پارٹی کی طرف سے منتخب ہونا تھا۔ یہ وہی دور تھا جب کیمپنگ گراونڈ لالہ موسی جو پاکستان آرمی کی ملکیت تھا' نیلامی ہو رہی تھی۔ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے شیخ صاحب نے اپنی تقریر میں لالہ موسی کے عوام کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک کالج برائے خواتین اور ایک ہسپتال کے لیے جگہ کا مطالبہ کر دیا۔ تقریر اتنی موثر تھی کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے اسی وقت متعلقہ افراد کو حکم دے دیا کہ لالہ موسی کو کیمپنگ گراونڈ میں سے کالج اور ہسپتال کے لیے جگہ دے دی جائے۔ اس طرح شیخ حفیظ اللہ صدیقی کی تقریر لالہ موسی کے شہریوں کی تقدیر بن کر کالج اور ہسپتال کی شکل میں منظر عام پر آ گئی۔

تین سو ستر مربع فٹ کا ایک قطعہ اراضی کالج کے لیے مختص کر دیا۔ جگہ ملتے ہی کالج کی تعمیر کا آغاز ہوگیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رئیس لالہ موسیٰ میاں امام دین جنجوعہ نے اس کالج کے لیے اس وقت جب روپے پیسے کی ایک حیثیت ہوتی تھی کثیر رقم اپنی جیب خاص سے اس پر خرچ کی۔

1984 میں باقاعدہ کلاسز کا آغاز ہوا یعنی روشن آراء بیگم سٹریٹ میں واقع کالج موجودہ کالج میں منتقل ہوگیا۔ پہلے پہل بی۔اے کلاسز کا بھی اجراء ہوگیا اور کالج کا نام گورنمنٹ آئی۔ ڈی جنجوعہ کالج برائے خواتین ہوگیا۔ 1970 میں صرف

Marfat.com

پندرہ طالبات سے سال اول کی کلاس شروع ہوئی اور آج فرسٹ ایئر سے بی اے تک ہزار سے زائد طالبات زیر تعلیم ہیں۔

کالج کی پہلی پرنسپل محترمہ اقبال خانم تھیں۔ آپ نے تقریباً پندرہ سال تک فرائض منصبی سے انصاف کیا۔ آپ کے بعد مسز ریاض النساء ڈاہر صاحبہ نے چارج سنبھالا اور مسلسل چار سال تک کالج کی ترقی و ترویج کے لیے انتھک اور لائق تقلید جدوجہد کی۔ ان کے بعد مس ساجدہ سلطانہ نے اپنی صلاحیتوں سے ایک سال تک اس کالج کو سنوارہ اور نکھارا جبکہ 1991 سے 1996 تک مسز شمیم بھٹی صاحبہ نے بھی اپنی حتی المقدور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کالج ہذا کی ترقی و ترویج میں اپنا حصہ ڈالا۔ 1970 سے 1987 تک مس رعناء صفدر کی خدمات بھی کالج کے لیے ناقابل فراموش ہیں۔

گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول' منڈی بہاؤالدین

تقسیم ہند سے قبل منڈی بہاؤالدین ہندو آبادی کی اکثریت پر مشتمل تھا۔ جبکہ گردونواح کے دیہات میں غالب اکثریت مسلم آبادی کی تھی۔ اُس دور میں شہر میں دو ہائی سکول موجود تھے۔ اُن میں سے ایک سکول خالصتاً ہندوؤں کی ملکیت تھا جس کا نام خالصہ ہائی سکول منڈی بہاؤالدین تھا۔ دوسرا سکول میونسپل بورڈ کے زیر انتظام چل رہا تھا جس کا نام ایم بی ہائی سکول تھا۔ چونکہ شہر کے میونسپل بورڈ پر بھی ہندوؤں کا تسلط تھا اور عملاً یہ سکول بھی ہندوؤں کے ہی زیر اثر تھا اس وجہ سے وجہ مسلمان طلبہ کو داخلہ میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا اور مذہبی تعصب آڑے آجاتا۔

ان حالات میں علاقہ کے مسلم اکابرین نے مسلم طلباء کو زیورِ علم و دانش سے مزین کرنے اور ہندو مذہبی تعصب کی کاٹ کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ شہر میں مسلمان بچیوں کی تعلیمی تدریسی سہولتوں کے لیے ایک مدرسہ کا قیام ازبس ضروری ہے۔ جہاں نونہالان قوم وملت اپنے دینی تقاضوں کے مطابق اپنی علمی و ادبی پیاس بجھا سکیں۔ چنانچہ اس ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مدرسہ ہذا اسلامیہ ہائی سکول منڈی بہاؤالدین کا اجر عمل میں آیا۔

مدرسہ کی عمارت کی تعمیر کا کام گورنمنٹ کی ۸ کنال زمین میں علاقہ کے مخیّر مسلمانوں کے مالی تعاون سے شروع ہوا اور ملحقہ دس کنال رقبہ علاقہ کی ایک مخیّر و معزز شخصیت صوفی محمد دین آف منڈی بہاؤالدین نے سکول کے گراؤنڈ کے لیے بطور عطیہ دی۔ عمارت مدرسہ کا مغربی بلاک اور ایک ہال علاقہ کی مخیّر شخصیات کے مالی تعاون اور عوام الناس کے عطیات سے مکمل کیا گیا۔

اس طرح یہ ادارہ انجمن اسلامیہ منڈی بہاؤالدین کے زیر انتظام و انصرام نونہالان ملت کی علمی و ادبی تربیت کا کام انتہائی خوش اسلوبی سے سرانجام دینے لگا۔ قیام پاکستان کے بعد شہر میں صرف ایم بی ہائی سکول اور ادارہ ہذا رہ گئے۔ دونوں ادارے جذبۂ مسابقت کے تحت انتہائی خلوص اور لگن سے علاقہ بھر کے طلبہ کو زیورِ علم سے آراستہ و پیراستہ کر کے ملکی و ملی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۷۲ء میں حکومت وقت نے مارشل لا ضابطہ ۱۱۸ کے تحت اپنی تحویل میں لے لیا اور اس طرح یہ درسگاہ اسلامیہ ہائی سکول سے گورنمنٹ اسلامیہ ہائی منڈی بہاؤالدین کے نئے نام سے موسوم ہوگئی۔ ادارہ کا مشرقی بازو حکومت پنجاب نے تعمیر کرایا۔ اب یہ عمارت ۱۰ کلاس رومز' ایک ہال' ایک سائنس لیبارٹری' دفتر ہیڈ ماسٹر اور سٹاف روم پر مشتمل ہے جو کہ طلبہ کی تعداد کے پیش نظر انتہائی ناکافی ہے۔ نیز اردگرد آبادی ہو جانے کی وجہ سے مدرسہ ہذا کی سطح اطراف سے تقریباً چھ فٹ گہرائی میں چلی گئی ہے۔ نکاسی آب کا کوئی ذریعہ نہ ہے۔ عمارت بوسیدہ اور تقریباً ناکارہ ہو چکی ہے اور پوری عمارت ٹائلنگ نہ ہونے کے باعث ٹپکتی رہتی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ پوری عمارت گرا کر اور اطراف کی سطح کے برابر بھرتی ڈال کر ازِسرِ نو تعمیر کی جائے۔ بصورتِ دیگر عمارتِ مدرسہ ایک دو سال کے اندر خطرناک ہو جائے گی اور ناقابل استعمال بھی۔ مزید چھ عدد کلاس روم کی تعمیر بھی ازبس ضروری ہے تا کہ طلبہ کی نشستی ضروریات پوری ہو سکیں۔

گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج آف کوٹلہ قاسم خاں

قیام پاکستان کے بعد لالہ موسیٰ میں ہائی سکول کو بھی غنیمت سمجھا جاتا تھا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں انسان کے شعور میں تعلیم کی عظمت اور محبت بیدار ہوتی گئی لالہ موسیٰ میں طلبہ و طالبات کے لیے کالجز کی ضرورت بڑھتی گئی۔ 1970 سے لالہ موسیٰ کی تمام بچیاں اور بچے اعلیٰ تعلیم کے لیے بالخصوص گجرات اور لاہور جایا کرتے تھے۔ سفر کی صعوبت اور طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد نے کالج کی ضرورت میں شدت پیدا کر دی۔ لالہ موسیٰ کے شہریوں کی پرزور اپیل پر لالہ موسیٰ میں 1970 میں میٹرک کے بعد کی کلاسیں شروع ہوئیں۔ آغاز میں یہ کالج ماڈل ہائی سکول لالہ موسیٰ کی عمارت میں شروع ہوا۔ 1972 میں موجودہ کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ 1975 میں اس میں باقاعدہ تعلیم و تدریس کا آغاز ہوا اور ماڈل سکول سے اس کی کلاسیں اُٹھ کر موجودہ عمارت میں آ گئیں۔ یہ کالج تحصیل کھاریاں میں لڑکوں کا پہلا

Marfat.com

کالج ہونے کا اعزاز رکھتا ہے۔اس کا رقبہ تقریباً ساٹھ کنال ہے۔خوبصورت عمارت ہے۔اس کے پرنسپلز میں مندرجہ ذیل افراد اپنی ذہانتوں کی جوت جگا چکے ہیں۔پروفیسر انور علی بخشی ایم اے' پروفیسر منظور حسین مرزا ایم اے' پروفیسر اعجاز حسین ایم ایس سی' پروفیسر محمد احسان الحق انصاری ایم ایس سی' چوہدری بہادر علی ایم اے بی اے آنرز' پروفیسر محمد افتخار الزمان خان بی اے۔اے ایم فل' پروفیسر چوہدری احمد خاں ایم اے' پروفیسر چودھری عبدالسلام بی اے آنرز ایم اے اور پروفیسر سید شعیب حسین ایم اے سیاسیات شامل ہیں۔

گورنمنٹ ایم بی ہائی سکول' منڈی بہاؤالدین

گورنمنٹ ایم بی ہائی سکول کا شمار پنجاب کی چند مشہور اور عظیم درسگاہوں میں ہوتا ہے اور یہ سکول ہمیشہ سے اعلیٰ روایات کا حامل رہا ہے۔جہاں تقریباً ۱۲۰۰ اطلبا دور دراز علاقوں سے آ کر اپنی علمی تشنگی دور کرتے ہیں۔سکول ہذا کے ۱۶۳ اساتذہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی روحانی اولاد کو سنوارنے میں اپنا کردار بطریق احسن ادا کر رہے ہیں۔عملہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور طریقہ ہائے تدریس سے پوری طرح آشنا ہے۔اساتذہ میں ۱۹ ایک ایس ٹی ہیں جن میں ۵ ایف ایس سی' ۴ او ٹی' ۷ ایس وی ٹیچرز' ۲ ڈرائنگ ماسٹرز' ۳ عربی ٹیچرز اور ۲ پی ای ٹیز ہیں۔

سکول کا آغاز ۱۹۳۴ء میں موجودہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج منڈی بہاؤالدین کی عمارت میں بطور میونسپل مڈل سکول کیا گیا۔یہ پہلے لوئر مڈل تھا جس میں اول تا ششم کلاسیں تھیں اور بعد اپر مڈل یعنی اول تا ہشتم اپ گریڈ کیا گیا۔۱۹۳۸ء میں اسی سکول کو ایم بی ہائی سکول کا درجہ حاصل ہو گیا۔یہ سکول قیام پاکستان سے قبل کا قائم ہے۔سکول کی موجودہ عمارت میں خالصہ ہائی سکول قائم تھا۔۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد یہ عمارت ہاسٹل میں تبدیل ہو گئی۔بوائز کالج کی عمارت میں سکول تھا جبکہ ایم بی ہائی سکول کی موجودہ بلڈنگ میں اس کا ہاسٹل تھا۔۱۹۶۳ء کے آخر میں یہ سکول اپنی موجودہ عمارت میں منتقل ہو گیا۔ایم بی ہائی سکول منڈی بہاؤالدین کے پہلے ہیڈ ماسٹر ایک غیر مسلم سری رام سیٹھی تھے۔جو ۵ دسمبر ۱۹۳۸ء سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔تقسیم ہند کے بعد سکول کے پہلے مسلمان ہیڈ ماسٹر صوفی کرم الٰہی تعینات ہوئے اور یہ یکم جنوری ۱۹۴۸ء سے ۲۵ مئی ۱۹۵۱ء تک کام کرتے رہے۔ان کے بعد خان غلام اکبر خان ۲۶ مئی ۱۹۵۱ء تا ۲۹ اکتوبر' ۱۹۵۲ء' شیخ حبیب احمد ۱۹۵۳ء تا ۳۰ جنوری ۱۹۵۶ء' خان غلام اکبر خان ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء تا ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء' خان محمد منیر خان یکم دسمبر ۱۹۵۸ء تا ۲۲ اپریل ۱۹۶۱ء میاں محمد رفیق ۲۳ اپریل ۱۹۶۱ء تا ۳۰ جون ۱۹۷۵ء تک بطور ہیڈ ماسٹر کام کرتے رہے۔اس کے بعد ایم بی ہائی سکول کو گورنمنٹ کی تحویل میں لے لیا گیا اور اس وقت کے ہیڈ ماسٹر میاں محمد رفیق ہی کو اس عہدے پر فائز کیا گیا اور وہ یکم جولائی ۱۹۷۵ء تا ۳۰ دسمبر ۱۹۸۰ء تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد غلام مصطفیٰ چودھری یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء تا ۳ جنوری ۱۹۸۴ء' چودھری سلطان محمود ۴ جنوری ۱۹۸۴ء' تا ۳ مارچ ۱۹۸۴ء' نذر محمد بھٹی ۱۰ مارچ ۱۹۸۴ء تا ۳ دسمبر ۱۹۸۷ء' غلام مصطفیٰ چودھری ۴ دسمبر ۱۹۸۷ء تا ۵ دسمبر ۱۹۹۲ء' راجہ محمد افضل ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء تا ۱۱ جون ۲۰۰۲ء' محمد زکریا بھٹہ ۲ جون ۲۰۰۲ء تا ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۴ء' چودھری ارشاد اللہ ہنجرا (انچارج ہیڈ ماسٹر) ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء تا ۴ جولائی ۲۰۰۵ء تک بطور ہیڈ ماسٹر اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔موجودہ ہیڈ ماسٹر چودھری محمد ریاض بوسال نے ۵ جولائی ۲۰۰۵ء کو اس سکول میں چارج سنبھالا۔

سکول کا رقبہ ۲۴ کنال اور دس مرلے ہے۔گاہے بگاہے اس کی عمارت میں توسیع ہوتی رہی۔اس کے اب تین بڑے گیٹ ہیں۔درمیانی گیٹ کے مشرق میں خالصہ سکول کے زمانے کے چار کمرے ہیں جو اب ناکارہ ہو چکے ہیں اور محکمہ بلڈنگ نے خطرناک قرار دے دیا ہے۔اس میں سے ایک کی چھت کئی ماہ پہلے گر چکی ہے لیکن اس روز خوش قسمتی کی وجہ سے سکول میں چھٹی تھی جس کی وجہ سے کوئی جانی نقصان وغیرہ نہیں ہوا لیکن محکمہ کی بے حسی کی وجہ سے کمرے آج بھی ویران اور اجاڑ پڑے ہیں۔اس میں طلبہ کے بیٹھنے کی ممانعت ہے۔درمیانی گیٹ کے مشرق کی طرف ۳ کمرے ۱۹۹۲ء میں تعمیر کیے گئے جبکہ مغربی گیٹ کے سامنے چھ عدد کمرے راجہ محمد افضل کے دور میں تعمیر کیے گئے۔ان میں سے ایک کمرہ سابق ایم این اے چودھری ظفر اللہ تارڑ' ایک کمرہ سابق ایم پی اے دیوان مشتاق احمد اور ایک کمرہ سابق وزیر پنجاب چودھری محمد اسلم نے بنوایا تھا۔جبکہ باقی تین کمرے اپنی مدد آپ کے تحت بنائے گئے۔چھ کمروں کے اس بلاک کے ساتھ چار عدد بڑے کمرے سابق ایم پی اے دیوان مشتاق احمد نے صوبائی حکومت کی خصوصی گرانٹ سے تعمیر کروائے۔یہ کلاس رومز نہایت ہی معیاری میٹریل سے بنے ہیں۔ان کمروں میں آج کل ای ڈی او ایجوکیشن کا دفتر قائم ہے۔ان چار کمروں کے سکول کے تین کمروں میں ڈی ای او سیکنڈری کے دفاتر کام کر رہے ہیں۔۲۰۰۲ء میں سکول کے اندر ایک کیمسٹری کی لیبارٹری تعمیر ہوئی ہے جس میں سائنس کا جدید سامان اور فرنیچر موجود ہیں۔بیرونی حصہ کے جنوب مشرقی کونے میں ایک ورکشاپ 70x35 مکمل ہو چکی ہے جبکہ ایک بڑا ہال اس ورکشاپ کے ساتھ ہی پارلیمانی سیکرٹری محترمہ حمیدہ وحید الدین ایم پی اے کی گرانٹ سے زیر تعمیر ہے۔اس طرح چھوٹے بڑے ۳۶ کمروں اور ۲ ہال پر مشتمل یہ عمارت آج ایک عظیم درس گاہ کا روپ دھار چکی ہے۔

Marfat.com

گورنمنٹ پاکستان ہائی سکول لالہ موسیٰ

1965 تک لالہ موسیٰ میں بچوں کے صرف دو ہائی سکول تھے۔ حکومت پاکستان کے کم وسائل تعلیم کی ترویج میں حائل تھے۔ جس کی وجہ سے نئے اسکولوں کی تعمیر جوئے شیر لانے کے محاورے کی معنوی تصویر بن چکی تھی۔ اسی لیے تعلیم پسند شہریوں کو اپنی مدد آپ کے تحت تعلیمی ادارے کھولنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پاکستان ہائی سکول لالہ موسیٰ بھی اسی طرح چند مقامی پڑھے لکھے تعلیم پسندوں کے خیال کی عملی تصویر ہے۔ جس تنظیم نے اس ادارے کی بنیاد رکھی اس میں جناب شفیق قریشی ایڈووکیٹ' جناب شیخ عبدالحفیظ' جناب نثار احمد' جناب میاں محمد صدیق' جناب ندا صاحب کے علاوہ چند دیگر دوست شامل تھے۔ انھی عظیم المرتبت شخصیات کو پاکستان ہائی سکول لالہ موسیٰ کے بانی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

اوائل میں یہ سکول حاذق دواخانہ والے شیخ احمد حسین صدیقی کی عمارت جو گوشت مارکیٹ والی گلی کے آغاز میں مدرسہ تجوید القرآن کے سامنے واقع ہے' میں اس کا آغاز ہوا۔ یہ عمارت پہلے ایک سو روپیہ کرایہ پر لی گئی بعد میں 1970 کو بڑھ کر 150 روپے ماہانہ ہو گیا۔ کیونکہ ہائی سکول تھا' اس لیے آغاز چھٹی جماعت سے ہوا۔ 1968 میں سکول کی اس پہلی کلاس کے طلبا کی تعداد تقریباً 20 کے قریب تھی۔ اس طرح یہ سکول باقاعدہ آغاز کی برکتوں سے منور ہوا۔ کیونکہ یہ سکول پرائیویٹ تھا اس لیے والدین اپنے بچوں کو داخلہ دلواتے ہوئے کئی طرح کے خوف کا شکار ہوتے تھے۔ اسی لیے تقریباً پہلے تین سال تک بچوں کی تعداد انتہائی محدود رہی۔ اساتذہ کی آمدورفت بھی معمول بن چکی تھی۔ ایک ماہ میں ان گنت استاد آتے اور جاتے رہتے تھے۔ اس عمل نے بھی سکول میں بچوں کی تعداد کو بڑھنے نہ دیا۔

جونہی محکمہ تعلیم کے مایہ ناز سپوت اور لالہ موسیٰ مقتدر عالی اساتذہ میں شمار ہونے والے استاد حافظ صابر حسین نے اس سکول کا چارج سنبھالا تو استحکام اس کے ہر حوالے کا مقدر بن گیا۔ طلبا کی تعداد روز افزوں بڑھنے لگی۔ اساتذہ کے آنے جانے کا مرض شفایابی سے بہرہ ور ہوا۔ المختصر بانیان سکول کے بعد اگر اس سکول پر کسی شخص کا احسان ہے تو اسے حافظ صابر حسین کہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ جن اساتذہ نے مل کر محنت کی ان میں جناب سید طفیل حسین شاہ صاحب' جناب حاجی محمد اشرف صاحب' جناب غلام احمد بھٹی صاحب' جناب محمد اکبر لودھی صاحب اور جناب محفوظ علی خان صاحب کے اسمائے گرامی لائق تکریم ہیں۔

جب یہ سکول گورنمنٹ کی تحویل میں چلا گیا تو مالکان عمارت نے اپنی ضرورت کے تحت یہ سکول خالی کروالیا۔ 16 مارچ 1986 کو یہاں سے یہ سکول ماڈل ہائی سکول لالہ موسیٰ میں منتقل ہوا۔ 18 مارچ 1993 کو ماڈل ہائی سکول کے بورڈنگ ہاؤس کی عمارت کو مرمت کروا کر پاکستان ہائی سکول کے حوالے کر دیا گیا جس کا کل رقبہ چار کنال سات مرلے پر محیط ہے اور اس کا ایک علیحدہ تشخص ہے۔ جسے آج بھی پاکستان ہائی سکول کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

عدم استحکام کے دور میں سکول ہذا کے صدر معلمین میں یوں تو ان گنت نام آتے ہیں مگر اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حافظ صابر حسین کے دور سے سکول کو استحکام نصیب ہوا۔ انھیں کے نام سے اس تاریخ کا آغاز کرتے ہیں۔ آپ نے بی اے بی ایڈ تک تعلیم حاصل کی یکم اپریل 1968 کو پاکستان ہائی سکول میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ 9 اگست 1987 سے 10 اگست 1988 کو صدر معلم کی مسند توقیر مآب سنبھالی۔ 28 فروری 1995 تک آپ کا دور بھی سکول کے لیے زریں دور تھا۔ حاجی عنائت اللہ بھٹی ایم۔اے۔ بی ایڈ یکم مارچ 1995 سے پانچ اگست 1997 تک اس منصب سے انصاف کرتے رہے جبکہ چودھری محمد اورنگزیب ایم۔ ایس۔سی۔ بی ایڈ 6 اگست 1997 سے اپنی صلاحیتوں کو طلبہ کے لیے وقف کیے رکھا۔

گورنمنٹ تعمیر ملت ہائی سکول' منڈی بہاؤالدین

قیام: گورنمنٹ تعمیر ملت ہائی سکول منڈی بہاؤالدین کا قیام ایک انجمن کے تحت یکم ستمبر ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ یہ سکول گوڑھا محلہ منڈی بہاؤالدین میں میونسپل کمیٹی باغ کی مشرقی سمت ایک کرائے کی عمارت میں کھولا گیا اور اسی سال محکمہ تعلیم اور بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن سرگودھا سے Recognise کرالیا گیا۔ سرکاری تحویل: یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء کو مارشل لا کے ضابطہ نمبر ۱۱۸ کے تحت تمام ادارے سرکاری تحویل میں لے لیے گئے اور سکول ہذا 1012-1 کو سرکاری تحویل میں آ گیا اور بدستور اسی کرائے کی عمارت میں کام کرتا رہا۔ سکول میں طلباء اور اساتذہ کے لیے سہولتیں ناکافی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔ فرنیچر کی کمی تھی۔ لائبریری کتب اور سائنس کا سامان بھی نہ ہونے کے برابر تھا کمرے بھی نہ کافی تھے۔ جب سکول قومی تحویل میں آیا تو مندرجہ ذیل سٹاف تھا۔ ہیڈ ماسٹر:۱ ایس ایس ٹی:۳ ای۔ایس۔ٹی:۳

وی ٹی:۵ نائب قاصد:۱

سکول ہذا کو چلانے کے لیے یہ سٹاف ناکافی تھا اور بلڈنگ بھی تنگ تھی۔

مالک مکان نے مقدمہ دائر کر کے بذریعہ عدالت عمارت خالی کرالی۔ اس سکول کو گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول میں سیکنڈ شفٹ کے طور پر کام کرنے کا حکم ملا۔ بعد ازاں

Marfat.com

۱۹۷۹ء میں جناب ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات راولپنڈی قاضی صغیر الحق کے حکم سے پرائمری سکول واپڈا کالونی منڈی بہاؤ الدین کے عربی حصہ میں منتقل ہوا۔ کیونکہ یہ عمارت تین وِگوں پر مشتمل تھی اور پرائمری سکول کی ضرورت سے زائد تھی۔ اس سکول کے حصے میں چھ کلاس روم' ایک ہال اور ایک لیبارٹری آئے۔ ہال کی چھت ناکارہ اور ناقابل استعمال تھی۔ ۱۹۸۵ء میں سکول ہذا کے لیے ایک عربی ٹیچر اور ایک چوکیدار کی سیٹ منظور ہوئی۔ سٹاف میں اضافہ کے ساتھ طلباء کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا۔ ۱۹۸۸ء میں سکول مرمت کے لیے ڈھائی لاکھ روپے کی گرانٹ منظور ہوئی جس سے ضرورتوں کے مطابق سکول کی مرمت کرائی گئی۔ ہال پر ڈبل چھت ڈالی گئی۔ سائیکل سٹینڈ تعمیر ہوا سٹاف اور بچوں کے لیے بیت الخلا بنوائے گئے۔ پانی کے نظام اور سکول کی ظاہری حالت کو بہتر بنایا گیا۔

ایک عمارت میں دو سکول چل رہے ہیں۔ گراؤنڈ کے لحاظ سے خود کفیل ہے۔ میدان کو صاف کر کے ہاکی' باسکٹ بال اور بیڈمنٹن کے گراؤنڈز مین ہموار کر کے بنائے گئے ہیں۔ سکول کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوا ہے۔ اس وقت سکول میں ۴۰۰ سے زائد طلباء زیر تعلیم ہیں۔ پچھلے کئی سالوں سے سکول ہذا کے نتائج بورڈ کے نتائج سے کہیں بہتر نظر آ رہے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں میٹرک کا نتیجہ ۱۰۰ فی صد رہا ہے۔ ادارہ شہر کی فضا سے باہر کھلے اور صاف ستھرے ماحول میں واقع ہے۔ ماحول صاف ستھرا اور پاکیزہ ہے۔ فضا کھلی اور پرکشش ہے۔ اس کے باوجود ادارہ کو مزید بہتر اور خوبصورت بنانے اور اس کی تعلیمی حالت کو چار چاند لگانے کے لیے مندرجہ ذیل ضرورتوں کی اشد ضرورت ہے۔ جس کی طرف حکام بالا کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے۔ ادارہ ھذا کے مسائل کے نام سے مندرجہ ذیل گزارشات پیش خدمت ہیں اور آپ کی اولین نظر کرم کی محتاج ہیں۔

طلبا کی تعداد کے پیش نظر کم از کم ۹ سیکشن ہونے چاہئیں۔ سکول میں صرف چھ کمرے ہیں اور ان میں سے تین کمروں کی چھتیں ٹپکتی ہیں۔ اس لیے چھتوں کی مرمت اور تین نئے کلاس روم کی ضرورت ہے۔ سائنس مضامین کی مؤثر تدریس کے لیے لیبارٹریز کا ہونا ضروری ہے۔ ادارہ ھذا میں صرف ایک لیبارٹری ہے۔ اس لیے دو سائنس لیبارٹریز کی اشد ضرورت ہے۔ سائنس لیبارٹریز کے لیے الماریوں اور پریکٹیکل کے لیے بڑے میزوں کا ہونا لازمی ہے۔ لیکن سکول میں پریکٹیکل ٹیبل نہیں ہے۔ سامان کے لیے الماریاں بھی کم ہیں۔ کم از کم ۶ پریکٹیکل ٹیبلز اور ۶ الماریوں کی فوری ضرورت ہے۔ بچوں کی ذہنی نشو نما اور ذہنی جلا کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے۔ مطالعہ کی باقاعدہ عادت ڈالنے اور رہنمائی کے لیے بلکہ ایک اچھی لائبریری اور ریڈنگ روم کا ہونا بھی ضروری ہے اور ہم نصابی سرگرمیوں اور کھیلوں کو فروغ دینا ضروری ہے۔ لیکن ان کے لیے موزوں اور مناسب مقدار میں کھیلوں کا سامان ضروری ہے۔ پھر اس سامان کو سنبھالنے اور رکھنے کے لیے سٹور کیپر کی ضرورت ہے۔ سکول ھذا میں لائبریری روم' ریڈنگ روم اور دو سٹوروں کی کمی ہے۔ ہیڈ ماسٹر کا ونٹر اور کلرک آفس بہت مختصر اور ناکافی ہے۔ دونوں کمروں کی چھتیں ٹپکتی ہیں اور اساتذہ کے لیے سٹاف روم نہیں ہے۔ لہٰذا ایک سٹاف روم اور دو کمروں کی مرمت بہت ضروری ہے۔

پروفیسر سید شبیر حسین شاہ

پروفیسر سید شبیر حسین شاہ گجرات کے نواحی گاؤں مدینہ سیداں میں پیدا ہوئے۔ مدینہ سیداں گجرات کے نواح میں آباد سادات کے چند معروف دیہات میں سے ایک ہے۔ ان سادات کے آباؤ اجداد جلال الدین خوارزم کے ساتھ ہندوستان آئے، بعد ازاں ان کی اولاد نے ملتان اور تلمبہ (خانیوال) کے بعد گجرات کو اپنا مسکن بنایا۔

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم مدینہ سیداں سے حاصل کی۔ بعد ازاں والد صاحب کی سرکاری پوسٹنگ کے ساتھ ساتھ سکول بدلتے رہے، چنانچہ سیالکوٹ، اوکاڑہ، راولپنڈی اور نوشہرہ کے سکولوں اور کالجوں کے طالب علم بنے، بعد میں مستقل طور پر گجرات آ گئے اور زمیندار کالج سے گریجوایشن کی۔ ایم اے کیلئے انہوں نے تاریخ کا مضمون چُنا۔ بعد ازاں اسی مضمون کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ انھوں نے پنجاب کے مختلف کالجز میں بطور لیکچرار، اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوی ایٹ پروفیسر اور پرنسپل خدمات سرانجام دیں، بعد ازاں ضلع گجرات کے ڈی۔ ای۔ او کالجز مقرر ہوئے۔ بعد ازاں جامعہ گجرات میں خدمات انجام دے رہے ہیں

پروفیسر شبیر حسین شاہ زمانہء طالب علمی سے ہی درسی کتب کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں سے منسلک رہے۔ انھوں نے اس وقت کی بائیں بازو کی طالب علم تنظیموں این۔ ایس۔ ایف اور این۔ ایس۔ او میں کام کیا۔ مسلسل مطالعہ اور سائنسی انداز میں غور و فکر نے ان کے خیالات میں وسعت پیدا کی۔ زمیندار کالج میں انھیں بطور طالب علم پروفیسر چودھری فضل حسین کی صحبت میسر آئی۔ بعد ازاں وہ اسی ادارے میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ پروفیسر شبیر حسین شاہ دورانِ طالب علمی اور دورانِ ملازمت بائیں بازو کے خیالات اور ترقی پسند حلقوں سے منسلک رہے۔ دورانِ ملازمت وہ اساتذہ کی ایسوی ایشنز میں بھی سرگرم رہے۔ وہ اُن چند اساتذہ میں سے ایک ہیں کہ جن کی کوششوں سے لبرل اساتذہ کی تنظیم اتحاد اساتذہ قائم ہوئی۔

پروفیسر سید شبیر حسین شاہ نے تمام عمر عقل و خرد کی آبیاری کیلئے خلوصِ دل

Marfat.com

سے کام کیا۔ وہ اپنی تحریر وتقریر میں ہمیشہ جرأت رندانہ کے قائل رہے ہیں۔ اپنے خیالات کے اظہار کے سلسلے میں بعض اوقات انھیں کڑی آزمائشوں سے بھی گذرنا پڑا مگر وہ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ انھوں نے اپنے علم وفکر، اسلوب بیان اور اپنے خیالات پر کامل یقین سے ضلع گجرات کے صاحب فکر لوگوں کو ہمیشہ متاثر کیا۔ علمی لیکچرز کے سلسلے میں انھوں متعدد مرتبہ گجرات، کھاریاں، جہلم، راولپنڈی، لاہور، لالہ موسیٰ اور سرائے عالمگیر کے پروگریسو حلقوں سے خطاب کیا۔

گورنمنٹ شمیم گرلز ہائی سکول لالہ موسیٰ

یہ سکول جی ٹی روڈ کے اس مقام پر واقع ہے جہاں سے ریلوے روڈ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس عظیم درسگاہ کے عدم وجود سے وجود میں آنے کی داستان کچھ یوں ہے کہ ایک خاتون محترمہ نسیم اختر صاحبہ جو محلہ کریم پورہ کی رہائشی تھیں، نے خدمت خلق کے جذبے سے اس سکول کی بنیاد رکھی۔ جو تاریخی حوالے سے سرزمین لالہ موسی پر طالبات کا پہلا ہائی سکول ہونے کا اعزاز رکھتا ہے۔ اس جگہ پر ہندوؤں کا مندر تھا۔ اسی لیے تقسیم ہند کے بعد یہ جگہ محکمہ اوقاف کے پاس چلی گئی۔ جس کو انتہائی معمولی کرایہ پر لے کر اس سکول کا آغاز ہوا۔ محترمہ نسیم اختر مرحومہ نے اپنی بیٹی شمیم اختر کے نام پر اس سکول کا نام شمیم گرلز ہائی سکول رکھا۔ جن کے نام پر یہ سکول ہے اس وقت انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ یوم اول سے آج تک اپنے پہلے نام شمیم گرلز ہائی سکل ہی سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

گورنمنٹ غوثیہ ہائی سکول لالہ موسیٰ

1963 میں انجمن محبان اہل سنت نے جی ٹی روڈ پر پانچ کنال ایک مرلہ جگہ خریدی جس میں سے ایک مسجد جو غوثیہ مسجد کے نام سے لالہ موسی کی معروف مساجد میں شمار ہوتی ہے، بنائی اور تین کنال رقبہ پر جامعہ رزاقیہ عربیہ سکول بنا دیا۔ یہ سکول 1963 میں بنا۔ جب پورے ملک کے پرائیویٹ سکول قومیائے گئے تو اس کا نام بدل کر گورنمنٹ غوثیہ ہائی سکول لالہ موسیٰ رکھ دیا گیا۔ اس سکول کے بانیوں میں وہ پوری تنظیم شامل ہے جسے انجمن محبان اہل سنت کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس انجمن کے سرپرست حافظ شاہ محمد مرحوم تھے جبکہ صدارت کے فرائض حاجی رحمت اللہ انجام دیتے تھے۔ جنرل سیکرٹری حافظ غلام مصطفیٰ مرحوم تھے۔ گورنمنٹ پاکستان کی تحویل میں آنے کے بعد اس سکول میں مندرجہ ذیل افراد بطور ہیڈ ماسٹر فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ شیخ عبدالحمید، سید مسعود الحسن شاہ، چوہدری غلام قادر (قائمقام)، غوث محمد ظفر، مہراج علی شیخ، غلام حیدر بٹ، مختیار احمد جنجوعہ (قائمقام) اور مظہر اقبال چودھری۔

گورنمنٹ کالج برائے خواتین گجرات

یہ تعلیمی ادارہ شہر کے مرکز میں واقع ہے۔ یہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ کیدار ناتھ بلڈنگ (مرکزی حصہ) رام پیاری محل (بورڈنگ ہاؤس) اور سٹیڈیم (پرانی جیل) ہے۔ یہ بہت پرانا ادارہ ہے جسے گجرات کے زمیندار کالج کی ایسوسی ایشن نے تعلیم نسواں کی اہمیت کے پیش نظر ۱۹۴۹ء میں علیحدہ کیدار ناتھ بلڈنگ میں بنایا تھا اور مس فاطمہ جناح کی سرپرستی میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ مادر ملت مس فاطمہ جناح نے اس کالج کا افتتاح کیا اور بیگم ثریا سلیم جو کبھی مادر ملت کی سیکرٹری ہوا کرتی تھیں، کالج ہذا کی پہلی پرنسپل مقرر ہوئیں۔ بہت عرصہ تک اس کا نام فاطمہ جناح کالج گجرات رہا۔ ۱۹۵۲ء میں حکومت نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور ۱۹۵۳ء تک اس میں بی۔ اے تک تمام آرٹس کی کلاسز جاری ہو گئیں۔ پورے ضلع بلکہ راولپنڈی اور لاہور کے درمیان تمام دور افتادہ علاقوں کی طالبات اس سے مستفید ہوتی رہیں۔ ۱۹۶۴ء میں بی ایس سی تک کی کلاسز کا اجرا ہو گیا اور یہ کالج مختلف پرنسپل صاحبان کے تحت بڑھتا اور پھولتا رہا۔ ہر دور میں اس کا تعلیمی معیار اعلیٰ اور بلند رہا اور پنجاب بھر میں درجۂ اول کے کالجوں میں شمار ہوتا رہا۔ یہاں کے طالبات بورڈ اور یونیورسٹی میں اعلیٰ پوزیشنز حاصل کرتی رہیں۔ شہر کے مرکز میں ہونے کی وجہ سے طالبات کی تعداد زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ یہ بلڈنگز تعداد کے پیش نظر سکڑتی جاتی ہیں۔

گورنمنٹ گرلز ہائی سکول (تھانہ روڈ)، منڈی بہاؤالدین

گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کا اجرا ۱۹۴۵ء کو مس چندرا بی اے بی ٹی نے جماعت چہارم کے داخلے سے کیا۔ اس کے بعد ادارہ ہذا مختلف اوقات میں مختلف اور قابل اور محنتی ہیڈ مسٹریس صاحبان کی سرکردگی میں ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ جنوری ۱۹۵۴ء میں اس سکول کی سربراہی مسز چیمہ صاحبہ جیسی شخصیت کے ہاتھ میں آئی جنھوں نے اپنی لگن، جدوجہد اور عزم سے سکول ہذا میں علم کی روشنیاں بکھیریں اور بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ اپنی کاوشوں سے دینی رجحان پیدا کیا اور یہ اس سکول کی تاریخ کا سنہرا دور تھا۔

مارچ ۱۹۸۳ء میں مسز چیمہ صاحبہ کی ریٹائرمنٹ کے بعد مسز حمیدہ یونس صاحبہ ایم اے بی ایڈ نے اس سکول کا چارج سنبھالا۔ سکول کی سابقہ عمارت طالبات کی تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھی اس سلسلے میں انھوں نے اپنے افسران بالا سے رابطہ کیا

Marfat.com

یہاں تک کہ سکول کے لیے گرانٹ مختص ہوئی۔ سائنس لیبارٹری اور طالبات کے لیے آٹھ کمرے اور ہیڈ مسٹریس آفس کی تعمیر ہوئی۔ اُن کی شبانہ روز محنت اور خداداد صلاحیتوں سے سکول کا معیار بلند اور سٹاف کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ میٹرک کے امتحان میں سکول ہذا کی طالبات نے بالترتیب بورڈ میں پہلی پوزیشنیں حاصل کیں۔ ایم بی فرینڈز سوسائٹی کی طرف سے تین سال گولڈ میڈل ادارہ ہذا کی پوزیشن ہولڈر طالبات کو دیا جاتا رہا۔

۶ جون ۱۹۸۹ء میں مسز عائشہ مبین صاحبہ بی۔ ایس سی' بی ایڈ نے ادارہ ہذا کا چارج سنبھالا۔ ان کے زیر سایہ طالبات کے لیے چھ کمرے تعمیر ہوئے۔ سکول کا نظم ونسق اور تعلیمی حالت بہت بہتر ہوئی اور ہر سال نتیجہ ۹۰ فیصد سے زائد رہا۔ ۱۹۹۲ء میں میٹرک کے امتحان میں طالبات نے پہلی اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۲ء سے ادارہ ہذا کا چارج مسز حمیدہ یونس صاحبہ نے دوبارہ سنبھال لیا اور ادارہ کی بہتری کے لیے ۷ جون ۲۰۰۴ء تک ادارہ کی خدمت میں مصروفِ عمل رہیں۔ ۸ جون ۲۰۰۴ء میں مسز زاہدہ منظور تارڑ نے سکول کا چارج لیا اور اب تک ادارہ ہذا کی بہتری کے لیے کوشاں ہیں۔

فہرست صدر معلمات مع تاریخ قیام

1. مس سی چندرا (بی اے بی ٹی) مئی ۱۹۴۵ء تا جون ۱۹۴۷ء
2. مس خدا بخش (بی اے بی ٹی) اکتوبر ۱۹۴۷ء تا مارچ ۱۹۴۸ء
3. مس ایم۔ آر چودھری (بی اے بی ٹی) اپریل ۱۹۴۸ء تا جون ۱۹۴۸ء
4. مس کے۔ این احمد (بی اے بی ٹی) ستمبر ۱۹۴۸ء تا مئی ۱۹۴۹ء
5. مس کے نبیر جی (بی اے بی ٹی) جولائی ۱۹۴۹ء تا ستمبر ۱۹۴۹ء
6. مس زبیدہ یوسف (بی اے بی ٹی) اکتوبر ۱۹۴۹ء تا دسمبر ۱۹۵۳ء
7. مسز مختار چیمہ (بی اے بی ٹی) جنوری ۱۹۵۴ء تا مارچ ۱۹۸۲ء
8. مسز حمیدہ یونس (ایم اے بی ایڈ ایم ایڈ) مارچ ۱۹۸۳ء تا ۶ جون ۱۹۸۸ء
9. مسز عائشہ مبین (بی ایس سی بی ایڈ) ۶ جون ۱۹۸۸ء تا ۲۱ دسمبر ۱۹۹۲ء
10. مسز حمیدہ یونس (ایم اے ایم ایڈ) ۲۲ دسمبر ۱۹۹۲ء تا ۷ جون ۲۰۰۴ء
11. مسز زاہدہ منظور تارڑ (ایم اے بی ایڈ) ۸ جون ۲۰۰۴ء تا حال

گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول لالہ موسیٰ

گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول کا شمار بھی لالہ موسیٰ کے ان سکولوں میں ہوتا ہے جو قیام پاکستان سے قبل پوری آب وتاب کے ساتھ علم کی روشنی پھیلا رہے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے اس سکول کا نام خالصہ ہائی سکول تھا۔ نام سے ظاہر ہے کہ اس سکول کو سکھوں نے بنایا اور 1947 تک انھی کا عمل دخل رہا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد ایک عوامی کمیٹی نے اس سکول کو اپنی تحویل میں لیا اور سب سے پہلے اس کا نام تبدیل کر کے ماڈل ہائی سکول لالہ موسیٰ رکھا گیا۔ بعد ازاں جب یہ سکول باقاعدہ حکومت پاکستان کے ماتحت ہوا تو سکول کے نام کے ساتھ گورنمنٹ کے لفظ کا اضافہ ہو گیا۔ اس سکول کا کل رقبہ اکیس کنال چھ مرلے پر محیط ہے۔ اس میں طلبہ کے لیے گیارہ کمرے' دو ہال' ایک لائبریری' ایک دفتر اور ایک کمرہ دیگر سٹاف کے لیے مخصوص ہے۔ جبکہ ایک سائنس روم اور دو بورڈنگ ہاؤس بھی سکول کا حصہ ہیں۔ ایک بورڈنگ ہاؤس کو ضرورت پڑنے پر پاکستان ہائی سکول میں بدل دیا گیا ہے۔

عمارت کی خستہ حالی کی وجہ سے 1966 میں سکول کی تعمیر نو ہوئی۔ تمام چھتیں تبدیل کر دی گئیں اور کچھ نئے کمروں کا بھی اضافہ کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد اس سکول کے سب سے پہلے ہیڈ ماسٹر ہونے کا اعزاز چودھری محمد اقبال کو ہے۔ آپ کے بعد چودھری محمد حیات بطور ہیڈ ماسٹر کام کرتے رہے۔ ان کے بعد نادر علی اس منصب پر فائز رہے۔ شوکت علی قائمقام ہیڈ ماسٹر رہے' ان کے بعد سید مشتاق حسین شاہ فرض کی بجا آوری میں مشغول رہے۔ بعد ازاں چودھری عنایت اللہ قائمقام ہیڈ ماسٹر کے طور پر فرائض بجالاتے رہے۔ اس طرح آپ کو اعزاز ہے کہ اس سکول میں فائز ہونے والے ہیڈ ماسٹروں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ استاد آپ ہی ہیں۔ آپ کے بعد فتح خان قریشی کو اس منصب عظیم پر فائز ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔ آپ کا کردار کئی حوالوں سے تاریخ ساز اور لائق تحسین وتکریم ہے۔ 1996 میں آپ نے اپنی ذاتی کوششوں کے طفیل سکول میں مسجد کی تعمیر کروائی جو سکول کی زندگی کے ساتھ آپ کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ ایک طویل مدت بعد سکول کو رنگ وروغن کروا کے بھی آپ نے اپنی نفاست طبع کو مستند کیا۔ سکول میں بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر بھی آپ کی شخصی تاریخ کو چار چاند لگاتی ہے۔ پاکستان ہائی سکول لالہ موسیٰ کو موجودہ عمارت کے فراہم کرنے میں بھی آپ کا کردار مثالی رہا ہے۔

لوکل گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ لالہ موسیٰ

پنجاب میں نوعیت کے اعتبار سے یہ منفرد ادارہ جی ٹی روڈ لالہ موسیٰ پر واقع ہے۔ جہلم سے آتے ہوئے بائیں طرف لالہ موسیٰ کا آغاز اسی کی خوبصورت عمارت سے ہوتا ہے۔ یہ ادارہ قائد آباد ضلع سرگودھا موجودہ ضلع خوشاب میں 1953 کو قائم ہوا۔ اس وقت اس کا نام ویلج ایڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ تھا۔ لالہ موسیٰ میں بھی اس کا پہلا

Marfat.com

نام یہی تھا۔اسی لیے آج تک خاص و عام میں ''ولیج ایڈ'' کے نام سے معروف ہے۔
7مارچ 1954 کو اس عظیم عمارت کا سنگ بنیاد سلطان علی ساکن ٹھیکریاں' پہلوان شاہ ساکن قاضی کرم شاہ' میلے خان ساکن علی چک' محمد عالم ساکن دھو کالس کے محنت کش ہاتھوں سے اس وقت کے وزیر تعلیم پنجاب جناب چودھری علی اکبر خان کے دست مبارک سے رکھا گیا۔1954 ہی میں قائد آباد سے اس کا عملہ دفاتر سمیت یہاں منتقل ہوا۔

1960 میں جب بنیادی جمہوریت کا نظام متعارف ہوا تو اس کا نام بدل کر تربیت گاہ بنیادی جمہوریت رکھ دیا گیا۔ یہ نظام ملک میں 1972 تک قائم رہا۔ بعد ازاں ملک میں لوکل گورنمنٹ سسٹم نافذ ہوا تو اس ادارے کا نام لوکل گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ رکھ دیا گیا۔اس ادارے میں لوکل گورنمنٹ کے افسران ٹریننگ لیتے ہیں۔اس ادارے میں مندرجہ ذیل پرنسپل صاحبان خدمات انجام دیتے رہے ہیں: ابراہیم شمیم' چودھری محمد صادق' چودھری شہباز خاں' مصطفیٰ ایم سید' رانا غلام محمد' ظفر عامر' تاج محمد خاں' ملک محمد اقبال موجودہ پرنسپل قاضی نصیر احمد صاحب ہیں جو اس ادارہ کے تیرھویں پرنسپل تھے۔

ادارہ ہذا میں محکمہ لوکل گورنمنٹ و دیہی ترقی' پنجاب اور لوکل کونسلز کے گریڈ پانچ تا سترہ کے ملازمین تربیت حاصل کرتے ہیں۔اس میں افسران کی تعداد 11 جبکہ ماتحت عملہ کی تعداد چالیس ہے۔اس انسٹی ٹیوٹ کا کل رقبہ 150 ایکڑ پر مبنی ہے۔اس میں تقریباً ایک سو طلبہ کی رہائش کے لیے ہاسٹل ہے۔افسران اور ماتحت عملہ کی رہائش کے انتظام کے علاوہ ایک ریسٹ ہاؤس بھی موجود ہے۔الغرض ایک خوب صورت مکمل دفتری ماحول پر مشتمل یہ ادارہ لالہ موسیٰ کی پہچان بھی ہے اور حسن بھی۔

طوبیٰ سکول برائے متاثرہ سماعت

نعمان ہیرنگ ایمپئر ڈ ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے زیر انتظام طوبیٰ سکول برائے متاثرہ شاعت طلباء طالبات (رجسٹرڈ) منڈی بہاؤ الدین کا قیام جون ۲۰۰۰ء کو عمل میں لایا گیا۔اس وقت سکول میں کے جی تا دہم ۱۰۵ طلباء طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔سپیشل ایجوکیشن میں تربیت یافتہ ۱۱ اساتذہ کے علاوہ ایک پرنسپل اور ایک کمپیوٹر انسٹرکٹر اعزازی طور پر ان بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔نصابی تعلیم کے ساتھ ان بچوں کو کمپیوٹر ٹریننگ' سلائی' کڑھائی' خانہ داری اور پالش ڈیکوریشن کا کام بھی سکھایا جا رہا ہے تاکہ یہ عملی زندگی میں اس سے استفادہ کر کے معاشرے میں باعزت روزگار حاصل کر سکیں۔

ادارہ میں اس وقت ۵۰ مستحق طلباء طالبات کو مفت تعلیم کے علاوہ کتب' یونیفارم اور سٹیشنری فراہم کی جارہی ہے۔۲۰ طلباء طالبات ہاسٹل میں رہائش پذیر ہیں۔ان طلباء سے صرف ۵۰۰ روپے ماہانہ وصول کیے جا رہے ہیں جبکہ ماہانہ خرچ اس سے بہت زیادہ ہے۔زائد اخراجات سوسائٹی برداشت کر رہی ہے۔سکول میں زیر تعلیم جماعت پنجم اور ہشتم کے طلباء ہر سال ڈائریکٹوریٹ آف سپیشل ایجوکیشن پنجاب لاہور کے تحت محکمانہ امتحان میں شرکت کرتے ہیں۔اس سال جماعت دہم کے طلباء طالبات بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن گوجرانوالہ کے تحت امتحان میں شرکت کریں گے۔

سال ۲۰۰۵ء میں مڈل سٹینڈرڈ کے محکمانہ امتحان میں سکول کی ہونہار طالبہ عرشیہ ملک نے پنجاب بھر میں دوسری پوزیشن اور سکالرشپ حاصل کیا جبکہ طالب علم نعمان علی رضا نے گوجرانوالہ ڈویژن میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔۲۰۰۶ء میں سکول کے سولہ طلباء طالبات نے پرائمری اور مڈل سٹینڈرڈ کے امتحان میں 60% سے زائد نمبر حاصل کر کے کامیابی حاصل کی۔

سکول ہذا میں زیر تعلیم طلباء طالبات کی دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ہم نصابی سرگرمیوں میں طلباء کو ان کی دلچسپی کے مطابق کھیلوں میں شرکت کو یقینی بنایا جاتا ہے۔اور طلبہ و طالبات کو کرکٹ' بیڈمنٹن اور فٹ بال کی تربیت دی جاتیہے۔سالانہ جلسہ' تقسیم انعامات یوم والدین کے موقع پر سپیشل بچوں کے ڈرامے' مزاحیہ خاکے اور ملی نغمے سامعین کو حیران کر دیتے ہیں۔اور حاضرین یہ محسوس نہیں کر پاتے کہ یہ بچے سپیشل ہیں یا نارمل۔

سوسائٹی کے ذرائع آمدن چندہ ممبران اور مخیر حضرات کا تعاون ہے۔ اس وقت سوسائٹی کے ممبران کی تعداد تقریباً ۲۰۰ ہے۔یہ ممبران سوسائٹی کو ۱۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے ماہانہ چندہ ادا کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ مخیر حضرات سے عطیات' صدقات' زکوٰۃ' چرم قربانی کی مد میں آمدنی حاصل ہوتی ہے۔سوسائٹی کا سالانہ آڈٹ ہر سال ماہ جولائی میں کروایا جاتا ہے اور سالانہ کارکردگی رپورٹ ماہ ستمبر میں شائع کر دی جاتی ہے۔اس وقت سکول کے ماہانہ اخراجات تقریباً پچاس ہزار روپے ہیں جبکہ ماہانہ آمدن اس سے کم ہے۔سوسائٹی کو اپنے مختلف منصوبہ جات میں ڈسٹرکٹ بیت المال منڈی بہاؤ الدین کی طرف سے سالانہ -/50,000 روپے اور پنجاب ویلفیئر ٹرسٹ برائے معذوراں لاہور کی طرف سے ایک لاکھ روپے سالانہ گرانٹ وصول ہو رہی ہے۔سکول اس وقت کرایہ کی بلڈنگ میں کام کر رہا ہے۔محدود مالی وسائل کے باوجود سپیشل ایجوکیشن کمپلیکس برائے طوبیٰ سکول کی تعمیر کے لیے اراضی خرید لی گئی ہے اور کمپلیکس کی تعمیر کا کیس پاکستان بیت المال اسلام آباد کو بھیجا گیا

Marfat.com

ہے۔لیکن تا حال گرانٹ جاری نہیں ہوئی۔

مخیّر حضرات' ڈونرز NGOs اور بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں سے اپیل ہے کہ سپیشل ایجوکیشن کمپلیکس کی تعمیر کے لیے ادارہ سے مالی تعاون کریں تا کہ ان سپیشل بچوں کی تعلیمی اور فنی ضروریات کے مطابق سپیشل ایجوکیشن کمپلیکس کی تعمیر کی جاسکے۔ اس کے علاوہ مستحق طلباء طالبات کے لیے ہیرنگ ایڈز' فرنیچر' کمپیوٹر لیب میں توسیع' ووکیشنل سنٹر میں توسیع' سامان بجلی ہاسٹل میں رہائش پذیر طلباء طالبات کے لیے اشیائے خورد ونوش اور متعلقہ سامان کی فراہمی میں تعاون کی ضرورت ہے۔

چودھری غلام حسین

چودھری غلام حسین جون ۱۸۸۱ء میں 5۔ چک جنوبی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آباؤ اجداد کا تعلق کالو چک ضلع گجرات سے تھا اور وہ کڑانہ بار کی آباد کاری کے وقت نقل مکانی کر کے ضلع سرگودھا میں آباد ہوئے تھے۔ چودھری غلام حسین نے ابتدائی تعلیم علاقے کے سکولوں میں حاصل کی۔ بعد میں وہ زمیندار ہائی سکول گجرات چلے آئے۔ چودھری صاحب نے سکول اور بعد ازاں زمیندار کالج میں بطور کھلاڑی اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ انھوں نے ۱۹۴۲ء کے آل انڈیا اتھلیٹکس مقابلوں میں زمیندار کالج کی نمائندگی کی اور سو میٹر اور دو سو میٹر کے مقابلوں میں گولڈ میڈل حاصل کیے۔ اس کے بعد آل انڈیا یونیورسٹیز مقابلے منعقد ہوئے۔ زمیندار کالج کے اس ہونہار اتھلیٹ نے ان مقابلوں میں پنجاب یونیورسٹی کی نمائندگی کرتے ہوئے حصہ لیا اور دو سو میٹر دوڑ میں اول رہے۔ انھوں نے اپنی ان فتوحات کا سلسلہ پورے تعلیمی کیریئر کے دوران جاری رکھا۔ انھوں نے آل انڈیا سٹوڈنٹس اتھلیٹکس مقابلوں میں بھی چار سو میٹر دوڑ میں اول پوزیشن حاصل کی۔ یہی نہیں وہ غیر ملکی طلبا اتھلیٹکس مقابلوں میں بھی چار سو میٹر کے ایونٹ میں اول رہے اور اپنے کالج کو ہندوستان بھر میں اتھلیٹکس مقابلوں میں بام عروج پر پہنچا دیا۔

کھیلوں میں اپنے کالج کیلیے باعثِ فخر بننے والے غلام حسین نے طلبا سیاست میں بھی حصہ لیا۔ انھوں نے برصغیر کے مسلم طلبا کی نمائندہ طلبا تنظیم مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی رُکنیت حاصل کی اور اس میں فعال کردار ادا کیا۔ وہ ان خوش قسمت طلبا میں سے ہیں جنھیں قائداعظم سے ملاقات اور گروپ فوٹو کا اعزاز حاصل ہوا۔

چودھری غلام حسین کھیل اور طلبا سیاست میں ہی نمایاں نہیں رہے۔ وہ تعلیمی میدان میں بھی نمایاں تھے۔ ہمیشہ اچھے نمبروں میں کامیاب ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سول سروس میں آئے اور ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے مختلف اضلاع میں خدمات سرانجام دیں۔ وہ طویل عرصہ تک ڈپٹی کمشنر لاہور تعینات رہے۔ ان کی انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے انھیں پنجاب کے لائق ترین سول سرونٹس میں شمار کیا جاتا تھا۔

چودھری غلام حسین نے ریٹائرمنٹ کے بعد ایڈن بلڈرز کے نام سے اپنا ذاتی بزنس شروع کیا۔ آج ان کی یہ تعمیراتی فرم پاکستان کی بہترین تعمیراتی کمپنیوں میں شمار ہوتی ہے۔ چودھری غلام حسین اپنی سرکاری اور کاروباری مصروفیات کے باوجود زمیندار کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ آج کل وہ زمیندار کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ انھیں تحریکِ پاکستان میں سرگرم کردار ادا کرنے پر تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل بھی پیش کیا جاچکا ہے۔

حاجی چودھری محمد صدیق

چوہدری محمد صدیق پندرہ اپریل انیس سو ستائیس کو ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے موضع رڑہ ٹاہلی چک نمبر 116 ج ب میں چودھری امیر حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ انکے والد کا تعلق ضلع ہوشیار پور کے آرائیں زمیندار گھرانے سے تھا۔ وہ بیسویں صدی کے اوائل میں ہی بھارت سے ہجرت کر کے یہاں فیصل آباد آ گئے تھے۔ ان کا شمار گاؤں کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ وہ صرف پرائمری پاس تھے اور انکا پیشہ زمینداری تھا۔ ان کے بڑے بیٹے چودھری اسماعیل مرحوم نے بھی تیسری جماعت ہی سے سکول چھوڑ دیا تھا اور زمینداری میں جت گئے۔ چوہدری امیر الدین اگرچہ کوئی زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے مگر انھیں اپنی اولاد کو تعلیم دلانے کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے اپنے منجھلے بیٹے محمد صدیق اور چھوٹے بیٹے نور احمد کی تعلیم و تربیت پر خاص طور پر توجہ دی۔ انھوں نے اپریل انیس سو چونتیس کو گاؤں سے ملحقہ موضع دیال گڑھ چک نمبر 115 ج ب کے ڈسٹرکٹ بورڈ لوئر مڈل سکول میں اپنے منجھلے بیٹے محمد صدیق کو جماعت اول میں داخل کرایا' جہاں سے چوہدری محمد صدیق نے اردو کی پانچویں جماعت میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اسی سال اپریل انیس سو اڑتیس میں انھیں ڈی بی ہائی سکول چک جھمرہ کی پانچویں انگریزی جماعت میں داخل کرا دیا گیا۔ مذکورہ سکول گاؤں سے پندرہ مربعہ یعنی تین میل کی دوری پر واقع تھا۔ آپ دو سال تک تو سکول پیدل آتے جاتے رہے اور اس قدر تیز دوڑتے تھے کہ چک جھمرہ کی حدود سے نکل کر ایک ہی دوڑ میں گاؤں کی حدود میں پہنچ جاتے تھے۔ اپریل انیس سو چالیس میں جب آپ ساتویں جماعت میں پہنچے تو انکی ٹانگیں بھی کچھ لمبی ہو گئیں جس پر ان کے والد

Marfat.com

نے مبلغ ستاون روپے میں انھیں نئی ہرکولیس بائیسکل خرید کر دی۔ محمد صدیق کو لڑکپن سے ہی دوڑ' کبڈی اور فٹ بال کھیلنے سے شغف رہا تھا مگر زمیندار گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود انھیں ہل چلانے کا فن نہیں آتا تھا اور نہ ہی گھر والے انھیں کھیتی باڑی کا کام کرنے کو کہتے۔ جب فروری انیس سو بیالیس میں ہائی سکول کی آٹھویں جماعت کا ورنیکلر فائنل امتحان ہوا تو انھوں نے سکول میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ چھ ستمبر انیس سو بیالیس میں جب وہ ابھی نویں جماعت کے طالب علم تھے' انکی شادی اپنی خالہ کی اکلوتی بیٹی سے ہوگئی۔ خالہ کا گھر ملحقہ ہی تھا لہٰذا میٹرک پاس کرنے کے بعد خالہ نے انکی تعلیم کا بیڑا خود اٹھایا کیونکہ ان کو بھی اپنے داماد کو پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ ان دنوں میٹرک کے امتحان کے نتائج کا اعلان سترہ مئی کو ہر صورت ہو جاتا تھا چنانچہ محمد صدیق نے امتحان پاس کر کے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں داخلہ لیا اور کالج کے مین ہاسٹل میں رہائش اختیار کر لی۔ جب انیس سو پینتیس میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور ہندوستان میں آزادی کی تحریک چل رہی تھی تو چودھری محمد صدیق نے اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔ انھوں نے جولائی انیس سو چھیالیس میں ایف کا امتحان پاس کیا مگر ستمبر انیس سو چھیالیس میں کالج میں داخلہ نہ مل سکا کیونکہ انکے مضامین عربی اور اکنامکس میسر نہیں تھے۔ تاہم انھوں نے گجرات آ کر زمیندار کالج میں سال سوئم میں داخلہ لیا مگر بعد میں ان کے ایک سکھ کلاس فیلو کو جس کے مضمون سنسکرت اور اکنامکس تھے داخلہ مل گیا تو چودھری صدیق نے بھی گورنمنٹ کالج میں اپنی مائیگریشن کروالی۔ مگر اس وقت کے زمیندار کالج کے ڈائریکٹر فزیکل ایجوکیشن چودھری غلام رسول نے انھیں فیصل آباد جانے نہ دیا۔ اپریل انیس سو اڑتالیس میں زمیندار کالج سے فارغ ہوئے تو چھ اپریل انیس سو پچاس میں اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب لاہور کے دفتر میں بحیثیت آڈیٹر بھرتی ہوگئے۔ اور چار اپریل انیس سو ستاسی کو بطور اکاؤنٹس آفیسر ریٹائرڈ ہوئے۔ انھوں نے جون انیس سو اٹھاون میں پنجاب یونیورسٹی سے اگرچہ جرنلزم کا ڈپلومہ حاصل کیا مگر عملی طور پر صحافت میں داخل نہ ہوسکے۔ انیس سو اکہتر میں ایف ای ایل کا امتحان دیا جس میں کمپارٹ آگئی اور پھر دوبارہ امتحان دینے کی فرصت ہی نہ مل سکی۔ چودھری محمد صدیق نے دو مارچ انیس سو باسٹھ کو پروفیسر میاں محمد ثناء اللہ مرحوم سے مل کر زمیندار کالج گجرات اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی اور اس انجمن کو بام عروج تک پہنچایا ایسوسی ایشن کا آئین مرتب کیا اور اپنے دور میں مختلف میڈیکل کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ایک سو تریسٹھ طلبہ کو چندے اکٹھے کر کے تعلیمی وظائف دیے۔ ایسوسی ایشن کا دو مارچ انیس سو باسٹھ سے لیکر دو ہزار چھ تک کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ چودھری صدیق جنرل سیکرٹری کا عہدہ چھوڑنے کے بعد بھی تادم آخر ایسوسی ایشن کا کام کرتے رہے۔ پانچ وقت کے نمازی تھے۔ ہر وقت درود شریف کا ورد انکی عادت کا حصہ بن گیا تھا۔ انھوں نے تیس برس تک زمیندار کالج اولڈ بوائز میں خدمات سرانجام دیں اور تنظیم میں نئی روح پھونکی۔ چوہدری محمد صدیق کا تیرہ نومبر انیس سو اٹھانوے کو انتقال ہوگیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن نبوی' رہڑ کا بالا۔ تحصیل پھالیہ۔ ضلع منڈی بہاؤالدین

یہ مدرسہ علاقہ کے قدیم ترین دینی مدارس میں سے ہے۔ جہاں ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں تدریس کی ابتدا ہوئی تھی۔ مدرسہ قصبہ کی جامع مسجد کے ساتھ ملحق ہے۔ کئی تدریسی کمرے' دارالاقامہ کے کمرے اور ان کے آگے برآمدے ہیں۔ مدرسہ سے ایک ہزار سے زائد طلبا حفظ کی تکمیل کر چکے ہیں۔ اور تقریباً ڈیڑھ صد درس نظامی کی کتب کی۔ صدر مدرس صاحب افتا کی خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔ ان میں مقامی اور بیرونی طلبا مقیم ہیں۔ طلبا دارالاقامہ میں مقیم ہیں۔ اساتذہ زمیندار ہیں۔ اپنے ذاتی وسائل سے اپنے مصارف پورے کرتے ہیں۔ طلبا کی خوراک دوسرے اہل خیر مہیا کرتے ہیں۔

مدرسہ سلیمانیہ رضویہ' متصل جامع مسجد۔ مانگٹ۔ ضلع گجرات

۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء سے یہ مدرسہ جاری ہے۔ درس نظامی اور حفظ وناظرہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ اردو پرائمری تعلیم بھی شروع کی گئی ہے۔ کتب خانہ میں تقریباً چار صد کتب موجود ہیں۔ دو روزنامے اور چار ماہانہ رسالے جاری ہیں۔

مدرسہ عربیہ غوثیہ نعیمیہ' مراڑیاں (کنجاہ روڈ) گجرات

مسجد غوثیہ سے ملحق یہ مدرسہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں قائم ہوا۔ تدریس کے لیے کئی کمرے اور ایک برآمدہ ہے۔ طلبا کی تعداد درجنوں میں ہے ان میں سے کئی عربی کی ابتدائی اور وسطانی کتب پڑھ رہے ہیں کچھ فارسی خواں ہیں۔ مقامی اور بیرونی طلبا دونوں ہیں

مدرسہ غوثیہ رضویہ' کھدر تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین

۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں یہ مدرسہ قائم ہوا۔ مسجد غوثیہ سے ملحق

Marfat.com

تدریس کے لیے دو کمرے ہیں ایک وسیع برآمدہ ہے۔ درس نظامی رائج ہے۔ کتب خانہ میں تقریباً پانچ صد کتب موجود ہیں۔ ایک روزنامہ اور چند رسائل جاری ہیں درس نظامی کی مختلف کتب کے طلبا کی تعداد درجنوں میں ہے جو دارالاقامہ میں مقیم ہیں۔ سالانہ آمد وخرچہ تقریباً ہزاروں میں ہے۔

مدرسہ غوثیہ نعیمیہ محلہ مسلم آباد۔ گجرات

۱۹۵۱ء میں مولانا مفتی احمد یار خاں نے گجرات کے محلہ مسلم آباد میں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اس سے قبل آپ گجرات کے مدرسہ انجمن خدام الصوفیہ میں اور اس سے پہلے کاٹھیاواڑ (بھارت) کے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ (مولانا کی دینی وادبی خدمات کے لیے دیکھیں تراجم والا حصہ دیکھیں) مدرسہ ایک ہال اور دو کمروں پر مشتمل ہے۔ جی ٹی روڈ پر ایک وسیع قطعہ اراضی پر مدرسہ کی جدید عمارت بنائی گئی ہے۔ مدرسہ میں درس نظامی رائج ہے۔ اب تک کئی صد طلبا مدرسہ سے اسناد حاصل کر چکے ہیں۔ مدرسہ میں درس نظامی کی کتب موجود ہیں۔ حضرت بانی کا ذاتی کتب خانہ بہت وسیع ہے اور گراں قدر کتب پر مشتمل ہے۔ اس مدرسہ کا دارالافتاء دور ونزدیک ضرورت مندوں کے لیے اور بیرون ملک کے لوگوں کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیتا رہا ہے۔

ڈاکٹر مجاہد کامران

مجاہد کامران ۲۳ رجنوری ۱۹۵۱ء کو گجرات میں سید شبیر حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ فزکس میں پی ایچ ڈی کرنے والے ڈاکٹر کامران آج کل پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ ساٹھ سے زائد تحقیق مقالے لکھ چکے ہیں جن میں سے بیالیس کے قریب بین الاقوامی جرائد میں شائع ہوئے۔ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ دس کے قریب کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے چار اردو میں ہیں جبکہ باقی انگریزی میں ہیں۔ آئن سٹائن اور جرمنی، اپریل ۲۰۰۹ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوئی۔ پس پردہ عالمی سیاست کے مخفی حقائق نامی کتاب بھی نومبر ۲۰۰۸ء میں سنگ میل لاہور نے شائع کی۔ آپ کی ایک اور کتاب ''جدید طبیعات کے بانی'' کو نیشنل بک فاؤنڈیشن نے انعام سے نوازا۔ کیمبرج یونیورسٹی نے جنوری ۲۰۱۰ء میں سائنسی خدمات کے عوض بین الاقوامی آئن سٹائن ایوارڈ سے نوازا۔ اس کے علاوہ آپ سید علمبر دار حسین گیلانی گولڈ میڈل بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اپنی تعلیمی اور تحقیقی خدمات کے اعزاز میں قائداعظم گولڈ میڈل بھی تحریک استحکام پاکستان کونسل کی طرف سے لے چکے ہیں۔

ڈاکٹر مجاہد کامران کو حکومت پاکستان کی جانب سے صدارتی حسن کارکردگی ایوارڈ بھی ۱۹۹۹ء میں نوازا گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام پرائز بھی حاصل کیا۔ کئی بین الاقوامی یونیورسٹیوں اور اداروں میں تحقیقی مضامین اور لیکچر دینے والے ڈاکٹر مجاہد کامران اب تک درجنوں طالب علموں کی پی ایچ ڈی کی سطح پر رہنمائی بھی کر چکے ہیں۔

پروفیسر منور احمد

ملک کے نامور ماہر تعلیم، منتظم اور علم دوست شخصیت پروفیسر منور احمد لالہ موسیٰ میں ۱۹۶۱ء میں محمد فاضل کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ضلع خوشاب اور لالہ موسیٰ میں حاصل کی۔ ایم بی اے کرنے کے بعد بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے چلے گئے اور مینجمنٹ سائنس اور پبلک ایڈمنسٹریشن میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ ۱۹۹۰ء سے پرائیویٹ سیکٹر میں مختلف کالجز قائم کیے۔ پاکستان میں تعلیم کی زبوں حالی کے عوامل اور وجوہات پر کئی غیر ملکی یونیورسٹیوں میں لیکچر دے چکے ہیں جن میں چین، سنگاپور اور ملائشیا کی یونیورسٹیاں قابل ذکر ہیں۔

پروفیسر منور احمد آج کل پرسٹن انسٹیٹیوٹ آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی (PIMSAT) کے چیئرمین ر ریکٹر ہیں۔ یہ انسٹیٹیوٹ گورنمنٹ آف سندھ سے چارٹر شدہ ہے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی ریٹنگ کے مطابق ایکس (X) رینکنگ میں رکھا گیا ہے جو کسی بھی پرائیویٹ سیکٹر کے تعلیمی ادارے کے لیے ایک اعزاز سے کم نہیں۔ ISO 9000-2000 سرٹیفکیٹ کا حصول بھی اس انسٹیٹیوٹ کے لیے انفرادیت کا حامل ہے۔ پروفیسر منور احمد کی ہمہ جہت شخصیت کی بدولت PIMSAT برٹش کمپیوٹر سوسائٹی (BCS)، CISCO، ایسوسی فار کمپیوٹنگ مشینری (ACM)، دی انسٹیٹیوشن آف الیکٹریکل انجینئرنگ (IEE)، دی انسٹیٹیوشن آف الیکٹریکل اینڈ الیکٹرونکس انجینئرز (IEEE)، آئی بی ایم، المنائی ایسوسی ایشن، میڈیا انگرل لرننگ سنٹر، یوکے سے اشتراک عمل کیا ہوا ہے۔ PIMSAT کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس نے یونیورسٹی آف ایسٹ لندن، برٹش کونسل، پاکستان سوفٹ ویئر ایکسپورٹ بورڈ اور کمپیوٹر سوسائٹی آف پاکستان سے اشتراک کے یادداشتوں کے معاہدے کیے ہوئے ہیں۔

پروفیسر منور احمد کی شبانہ روز محنت کا نتیجہ ہے کہ حکومت پنجاب نے انھیں

Marfat.com

PIMSAT کا لاہور کیمپس بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ نیو مسلم ٹاؤن' لاہور میں واقع PIMSAT کا علاقائی کیمپس فروغ تعلیم میں نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ پروفیسر منور احمد ضلع گجرات کی واحد شخصیت ہیں جو ایک تعلیمی یونیورسٹی (PIMSAT) کے مالک ہیں۔

پروفیسر منور احمد صاحب طرز شاعر' نقاد اور محقق بھی ہیں۔ انھوں نے پچاس کے قریب تحقیقی مقالے بھی لکھے ہیں جو پاکستان میں تعلیم کی اہمیت' پاکستانی سوسائٹی میں تعلیم کے فقدان کی وجوہات' خواندگی کے فروغ اور پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کو درپیش چیلنجز جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ آپ کی دو تصانیف: ''پاکستان میں خواندگی کے فروغ میں پرائیویٹ اداروں کا کردار'' اور ''غریب عوام اور ان کی تعلیمی مشکلات'' شامل ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین (شیخ عبدالرشید)

ڈاکٹر نظام الدین 15 اپریل 1942ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد اُن کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان کے شہر کراچی میں آباد ہو گیا۔ جہاں سے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات پاس کرنے کے بعد اُنھوں نے 1964ء میں جامعہ کراچی سے سوشل ورک' سوشیالوجی اور پولیٹیکل سائنس کے ساتھ بی اے آنرز میرٹ سکالر شپ کے ساتھ پاس کیا۔ دوران تعلیم 1963-64 میں وہ جامعہ کراچی کے پراکٹوریل مانیٹر رہے۔ 1963ء میں ہی ورلڈ یونیورسٹی سروس (WUS) کی پاکستان کمیٹی کے 2 سال کے لیے جائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے اور پھر 1965ء میں جامعہ کراچی سے ہی ایم اے سوشل ورک/سوشیالوجی کی ڈگری حاصل کی۔ امتحانی نتیجہ آنے سے پہلے ہی انھیں ایک غیر ملکی سویڈش ایجنسی "SIDA" میں ریسرچ آفیسر کی نوکری مل گئی۔ اور وہ "SIDA" کے پاکستان فیملی ویلفیئر پروجیکٹ کے ریسرچ سیکشن کے سربراہ کے طور کراچی آفس سے منسلک ہو گئے۔ جہاں 25 سے زیادہ فیلڈ سٹاف کی نگرانی کی اور بڑے پیمانے پر سروے کروائے۔ آپ اگست 1965ء سے لے کر جولائی 1970ء تک اس سے منسلک رہے۔ 1968ء میں John Hopkins University سے "Survey Methods" میں سرٹیفکیٹ کورس کیا۔ 1969ء میں شکاگو یونیورسٹی سے ''فیملی پلاننگ تحقیق و تجزیہ'' کے موضوع پر دس ہفتوں کا تربیتی کورس کیا اور اسی سال شکاگو یونیورسٹی امریکہ سے سوشل سائنسز/ڈیموگرافی میں ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔ امریکہ میں ایم اے کر رہے تھے کہ چھ ماہ بعد انکی بیگم محترمہ جہاں آراء نظام کو بھی سکالر شپ مل گیا اور وہ بھی شکاگو پہنچ گئیں۔ نظام صاحب ماسٹرز کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کرنا چاہتے تھے لیکن ملازمت کے باعث واپس پاکستان آ کر لاہور آفس میں سیڈا کے ڈپٹی ڈائریکٹر ریسرچ مقرر ہوئے۔ اگست 1970ء میں حکومت پاکستان کی پاپولیشن ویلفیئر منسٹری میں TREC کے ڈپٹی ڈائریکٹر اور پھر ڈائریکٹر لاہور مقرر ہوئے۔ 1976ء میں Pakistan Fertility Survey جو WFS کے پروگرام کا حصہ تھا اس پروگرام کے نیشنل ڈائریکٹر پاکستان مقرر ہوئے۔ بعد ازاں حکومت ہی کی جانب سے بنکاک چلے گئے۔ جہاں دلجمعی اور محنت سے کام کی وجہ سے 1976ء میں فورڈ فاؤنڈیشن فیلوشپ حاصل کیا اور مشی گن یونیورسٹی امریکہ میں ڈاکٹریٹ کرنے چلے گئے۔ وہاں سے 1979ء میں "The Impact of Community and Program Factors on the Fertility of Rural Pakistani Women" کے موضوع پر پروفیسر Yuzuru Takeshita اور پروفیسر Frank M.Andrews کی زیرنگرانی تحقیقی مقالہ لکھ کر Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔

اپنے شاندار تحقیقی تجربے کی بناء پر اکتوبر 1979ء میں یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا کے شعبے Bio-Statistics سے منسلک ہوئے اور اگست 1981ء تک وہیں تدریس سے منسلک رہے۔ اس دوران صومالیہ اور سوڈان کی حکومتوں کے پاپولیشن اُمور میں ٹیکنیکل ایڈوائزر بھی مقرر رہے۔ اس سے قبل 1977ء میں پاپولیشن ایسوسی ایشن آف امریکہ (PAA) کے ممبر بنے اور تاحال اُس کے ممبر ہیں۔ اس طرح 1979ء میں انٹرنیشنل یونین فار سائنٹفک سٹڈی آف پاپولیشن (IUSSP) کے ممبر بنے اور تاحال اُس کے ممبر ہیں۔ 1980ء میں (International Association of Survey Satisticians) کے ممبر بنے۔ ستمبر 1981ء میں بطور چیف ٹیکنیکل ایڈوائزر اقوام متحدہ جوائن کر کے سوڈان چلے گئے اور 1983ء تک وہاں رہے۔ وہاں سے مصر چلے گئے اور 1986ء تک وہیں رہے۔ ستمبر 1986ء میں UNFPA کے کنٹری ڈائریکٹر ہو کر ایتھوپیا چلے گئے وہاں جنوری 1991ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ فروری 1991ء میں نیویارک آ گئے جہاں وہ دسمبر 1995 تک UNFPA میں ڈپٹی ڈائریکٹر اور چیف آف پاپولیشن ڈیٹا اینڈ ریسرچ برانچ رہے۔ جنوری 1996ء میں اقوام متحدہ کے نیویارک آفس میں ہی UNFPA کے Asia & Pacific Division کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور اپریل 2002ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مئی 2002ء میں UNFPA کے Ageing پر سینئر ایڈوائزر مقرر ہوئے۔ مئی 2002ء میں ہی کولمبیا یونیورسٹی اور UNFPA کے

Marfat.com

مشترکہ منصوبے کے تحت ترقی پذیر ممالک میں پاپولیشن اور ایجنگ پروگرام کے ڈائریکٹر اور Mailman School of Public Health، کولمبیا یونیورسٹی میں سینئر لیکچرر مقرر ہوئے۔ جنوری 2003ء میں اسی سکول میں Department of Sociomedical Sciences میں کلینکل پروفیسر نامزد ہوئے اور تاحال اس سے منسلک ہیں۔

تنظیمی و تحقیقی تجربہ کے باوجود ان کے اندر کے استاد کو چین نہیں ملا۔ وہ اقوام متحدہ کے لیے ریسرچ پراجیکٹ کرتے رہے مگر تدریس انکا شوق تھا چنانچہ اس باطنی تسکین کے لیے انھوں نے کولمبیا یونیورسٹی میں پروفیسر آف سوشیومیڈیکل سائنسز کے طور پر تدریس شروع کی۔ 2004 میں ایک سیمینار میں مقالہ پڑھنے فیصل آباد آئے تو ہائر ایجوکیشن کمیشن نے انھیں فارن فیکلٹی پروگرام میں لے لیا۔ اس طرح 2005ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عمرانیات میں آ گئے۔ آپ ستمبر 2006ء میں وائس چانسلر گجرات یونیورسٹی بنے۔

ڈاکٹر نظام الدین ہمہ جہت صفات کے حامل شخص ہیں۔ وہ منتظم کے طور پر فرائض تندہی سے انجام دیتے رہے مگر ان کے اندر کے استاد اور تحقیق کو بھی آرام نصیب نہیں ہوا۔ وہ عالمی امتیاز کی حامل جامعات میں پڑھاتے رہے مگر تدریس و تنظیم کی بے پناہ مصروفیات کے باوجود انکی تحقیقی اشاعتوں کی فہرست بھی کافی طویل ہے جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔ ان کی نمایاں تخلیقات درج ذیل ہیں۔

☆Holding up the Sky: Women, Population and Climate Change, State of World Population 2009 - Pakistan Supplement as Principal Investigator

☆The Encyclopedia of Life Support Systems (EOLSS) Coordinated by the UNESCO-EOLSS Joint Committee, DEMOGRAPHY OF AGING, M. Nizamuddin, Javed Sajjad Ahmad, Fauzia Maqsood ,2007-2008

☆SM Albert, M Alam, M Nizamudin, Comparative Study of Functional Limitation and Disability in Old Age Delhi andNew York City, submitted to the Journal of Cross Cultural Gerontology, June 2005

☆Nizamuddin M., Policy Responses to Population Ageing in Asia and the Pacific. In the Proceedings Asia-Pacific Population Conference, ESCAP, Bangkok, 2003

☆Nizamuddin M. sharing of Experiences: Efforts of Developing Countries, Facing an Ageing World-- Recommendations and Perspectives, German Center of Gerontology, Berlin, Germany, 2002. 163-167

☆Nizamuddin, M. Shaping Population and Development Strategies, an Agenda for People, the UNFPA through ThreeDecades. Ed. Nafis Sadik, 2002. 189-210

☆M. Nizamuddin Managing Pakistan's Population as a Crucial Factor in Sustainable Development, Pakistan 2000; Edited by Charles H Kennedy and Craig Baxter. 2000. 165-172

☆Nizamuddin M. Population Ageing: An Overview, in United Nations Population Fund (UNFPA) and Population Family Study Center (CBGS), Population Ageing: Challenges for Policies and Programs in Developed and Developing Countries, Leuven, Belgium, 1999, 3-27

☆Nizamuddin M. Population Ageing: Challenges for Policies and Programs in Developed and Developing Countries, UNFPA and Population Family Study Center (CBGS) Leuven, Belgium. (Eds.) Robert Cliquet and Mohammed Nizamuddin

☆Nizamuddin, M. Contribution of WFS to the Enhancement of Survey Capability in Developing Countries. A discussion paper presented at the WFS International Symposium, London, and 24-27 April 1984.

☆Nizamuddin M. Collecting WFS Community Data: The Pakistan Experience. Paper presented at the ISI/WFS Seminar on Collection and Analysis of Data on Community and Institutional Factors, London, 20-24 June, 1983. In World Fertility Survey Seminar Proceedings, 1984.

☆Nizamuddin M. Mortality Data Collections: A

Marfat.com

☆Nizamuddin, M. First Country Report of the Pakistan Fertility Survey/World Fertility Survey. TREC, Population Council, Government of Pakistan: Lahore, Pakistan, 1976.

☆Nizamuddin, M. Some Guidelines for Future Research Needs of the Pakistan Population Planning Programme in Proceedings of the Ninth Biannual Seminar on Research in Population Planning. NRIFC, Karachi, Pakistan, 1975.

☆Nizamuddin, M. Comparative Study of the Two Field Structures in Population Planning: The CMS and Non-CMS. Journal on Population Studies, Vol. 1, No. 1, Islamabad: Pakistan Population Planningi Council. Spring 1975.

☆Nizamuddin, M. The Problems and Prospects of Pakistan Population Planning Programmes. Rawal Medical Journal, Islamabad, 1973.

☆Nizamuddin, M. An Evaluation of the Sialkot Project. Published by Training Research and Evaluation Center, Pakistan Family Planning Council, Lahore, Pakistan, 1972.

☆Nizamuddin, M. A Study of Family Planning Workers. Published by Training Research and Evaluation Center, Pakistan Family Planning Council, Lahore, Pakistan, 1972.

☆Nizamuddin M. Two Preliminary Reports (Parts I and II) of the Mass Communications Experiment, East and West Pakistan, with Dr. Roland Von Euler, Sweden Pakistan Family Welfare Project, Mimeographed 1970, later published by SIDA n.d.

☆Nizamuddin, M. A Communication Strategy for Family Planning for West Pakistan. Published by Sweden Pakistan Family Welfare Project, Lahore, Pakistan, 1970.

☆Nizamuddin, M. Analysis of Record Cards of the Civil Hospital Family Planning Clinic, Hyderabad (with Review of Integrated Multi-Purpose Household Surveys and Multi-Round Demographic Surveys. Paper presented at the UN/WHO Working Group Meeting on Data Bases for Measurement of Levels, Trends and Differentials in Mortality, Bangkok, October 20-23, 1981. Chapter XI in Data Bases for Mortality Measurement, DIESA Population Studies, No. 84, United Nations, 1984.

☆Nizamuddin M. Community and Program Variables and their Effects in Fertility Related Behavior of Rural Pakistani Women. Paper presented at WFS Conference in London, July 7-11, 1980. Chapter 10 n I. Alam and B. Denison, Eds., WFS Pakistan Country Studies: Fertility in Pakistan. ISI/WFS, London, 1984.

☆Nizamuddin M. Jordan Demographic Survey 1981: Principal Country Report. Department of Statistics, Government of Jordan, Amman, Jordan, 1983.

☆Nizamuddin, M. Patterns of Contraceptive Use in Jordan (with Uhlenberg and Hiyari). Carolina Population Center (CPC), University of North Carolina, 1983.

☆Nizamuddin, M. Summary Results for Localities in the East Bank of Jordan 1979 Census Data, Department of Statistics, Amman, Jordan, 1982.

☆Nizamuddin, M. Analyzing the Determinants of Fertility: A Suggested Approach for Data Collection (with R.E. Bilsborrow et al.) International Programme of Laboratories for Population Statistics, University of North Carolina at Chapel Hill, Manual Series, No. 9, 1982.

☆Nizamuddin, M. Pakistan's Participation in World Fertility Survey." Chapter 13 in Krotki, K.J. and Hashmi, S.S. (Eds.), Issues in Demographic Data Collection in Pakistan. Islamabad, Pakistan: Census and Registration Organization, 1976.

Marfat.com

K. Tangavalid). Published by Sweden Pakistan Family Welfare Project, Karachi, Pakistan, 1966.

گجرات میں تکنیکی مہارتوں کی تربیت اور محض پیشہ ورانہ افراد کی تیاری کے لیے ایک ٹیکنیکل یونیورسٹی کا مبہم خیال پروان چڑھایا گیا تھا مگر ایک دانشور وائس چانسلر کی آمد سے یونیورسٹی کی تعریف کا تعین جدید معنوں میں ہوا اور اسے جدید سائنس و انجینئرنگ کا مرکز بنانے کے ساتھ ساتھ فکر و شعور کے فروغ کے لیے عمرانی علوم کے تحقیقی مطالعے کا سنٹر بھی بنا دیا گیا۔ انھوں نے مدلل استناد سے یونیورسٹی آف گجرات کو لرننگ سنٹر بنانے کے لیے مقامی اذہان کو بدل دیا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ انھوں نے کارپوریٹ کلچر متعارف کروایا' یہاں کی انتظامیہ روایتی انداز و اطوار کے برعکس فعال 'متحرک اور خادم انتظامیہ ہے۔ بیوروکریسی اور سرخ فیتہ کے فرسودہ انتظامی حربے آزمانے کی بجائے انھوں نے عالمی اداروں سے حاصل کردہ تجربے کی بنیاد پر آسان' قابل عمل اور انصاف پر مبنی انتظامی اصول متعارف کروائے ہیں۔ انھوں نے عہدوں اور گریڈوں کی بجائے کارکردگی کو وجہ عزت و احترام بنایا ہے۔ ماہر عمرانیات اور ڈیموگرافر ہونے کے ناطے انسان اور انسانیت کے احترام کی فکر کے مبلغ ہی نہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ایک مدبر منتظم ہونے کے ناطے وہ "چیلنج اینڈ رسپانس" کے فلسفے سے بھی آگاہ ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بڑی سے بڑی مشکل میں بھی نہیں گھبراتے بلکہ چیلنجوں کو خندہ پیشانی سے قبول کر کے ان کا سامنا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نظام الدین دُور اندیش اور درویش صفت ہونے کی وجہ سے لاجواب قوتِ برداشت کے حامل منتظم و راہنما ہیں۔ ایسی ہی نایاب صفات کی بناء پر انھوں نے چار سال میں یونیورسٹی آف گجرات کو پاکستان کی ممتاز جامعات کی فہرست میں لا کھڑا کیا ہے۔

موصوف ایسے ماہر عمرانیات ہیں جو فکری جمود' ضعیف الاعتقادی' رجعت پسندی اور غیر سائنسی رویوں کو بدلنے اور نسل نو کو تقلید کی بجائے تنقید' جمود کی بجائے ارتقاء' ہٹ دھرمی کی بجائے اجتہادی فکر سے آشنا کرنے کی لگن رکھتے ہیں۔ ایک انتظامی وائس چانسلر سے بڑھ کر انھوں نے مختصر سے عرصہ میں ہی فہم و فراست سے عقل و خرد کی جو شمع فروزاں کی ہے اس نے جامعہ گجرات کے تعلیمی و تدریسی ماحول میں روشنی پھیلانا شروع کر دی ہے اور ابھی سے تحقیقی تعلیم کے کلچر کی صدائے ہوش ذہن و دل کی محرابوں میں گونجنے لگی ہے۔ وہ سماجی علوم میں اکملیت کے حامل استاد ہیں۔ ہر لحہ مختلف الجہت علوم کی کھوج میں رہتے ہیں۔ یونیورسٹی آف گجرات میں سٹاف، طلبہ و طالبات اور فیکلٹی ہر ایک کے لیے رہنمائی کا ادارہ بن چکے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے ساتھیوں و سٹاف کے ذہنوں میں ایسے سولات و خیالات پیدا کرتے رہتے ہیں جنکی وجہ سے یہاں کے لوگ کسی نہ کسی با مقصد گفتگو کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہوتے جاتے ہیں۔ وہ ایک ادارے کا سربراہ ہونے سے بڑھ کر اس کے تعلیمی ریفارمر بن گئے ہیں' ایک عمرانی مصلح بن کر وہ تنقیدی و شعوری تربیت سے دوسروں کے کردار کی تطہیر کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ پسماندہ معاشروں اور علاقوں میں انقلابی تبدیلیوں کے لیے ایسے ہی ہمہ جہت اور فرض آشنا مصلحوں کی ضرورت ہوتی ہے، ڈاکٹر نظام الدین ایسے ہی مصلح ہیں جو ایک معلم اور منتظم سے بڑھ کر ایک انجمن اور ایک تحریک بن گئے ہیں۔

اسے مشکل نہیں موسم نئے تخلیق کر لینا
جو لمحوں کے جزیروں سے زمانے ڈھونڈ لیتا ہے

اُن کا تعلق اس خطے سے نہیں مگر انھوں نے اس جامعہ کی پرورش اولاد سے بڑھ کر کی اور یہاں کی ثقافت و زبان سے لگاؤ اس طرح رکھا جیسے وہ یہیں کے باسی ہیں۔ خطہ گجرات کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی اس علاقہ میں اعلیٰ تعلیم کے فروغ' انسانی اقدار کی سربلندی اور مدبر مصلح کے طور پر ان کا نام ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

یونیورسٹی آف گجرات ___ درسگاہ سے دانش گاہ تک

تحریر: شیخ عبدالرشید

ہمہ جہت زرخیزی کی حامل سرزمین گجرات علمی ساخت اور ادبی شناخت کے حوالے سے "خطہ یونان" کی شہرت رکھتی ہے۔ یہاں کے باسیوں نے تعلیم و تدریس اور علم و ادب کے حوالے سے ہمیشہ مثبت کردار کی مثال قائم کی ہے۔ برِصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ جب غلامی کی شب تاریک میں ناگفتہ بہ صورتحال کا شکار ہوئی تو اس وقت سرسید احمد خاں نے خضر راہ کا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کی تمام تر بیماریوں کا علاج تعلیم کی صورت میں تجویز کیا اور علی گڑھ کالج کا قیام عمل میں لائے۔ اس علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جو کردار ادا کیا' اس کے فیوض و اثرات گجرات کی زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کے ذریعے یہاں بھی پہنچے۔ گجرات کے ایک قابل فخر فرزند نواب سر فضل علی نے تقسیم ہند سے قبل ہی 1938ء میں علی گڑھ کالج کی طرز پر گجرات میں ایک عظیم درس گاہ زمیندار کالج کے نام سے قائم کی۔ اس وقت راولپنڈی اور لاہور کے درمیان سینکڑوں میل کے فاصلے میں یہ واحد مسلم ادارہ تھا جس نے ضلع بھر میں علم کی روشنی عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس عظیم درس گاہ کے قیام کو مقامی لوگوں کے تعاون سے ممکن بنانے

Marfat.com

والے سر فضل علی کو آج بھی لوگ سر سید گجرات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اس ادارے کی وجہ سے پنجاب بھر میں تعلیم اور تعلیمی ادارے گجرات کی پہچان بن گئے۔اس تعلیمی ادارے کے قیام نے لوگوں میں حصولِ تعلیم کے ذوق وشوق کو پروان چڑھایا۔یہی وجہ ہے کہ ملک بھر میں بالعموم اور صوبہ پنجاب میں بالخصوص ضلع گجرات نمایاں شرح خواندگی کا حامل رہا۔

تشنگان علم کی دلچسپی کے باعث ابتدائی عشروں میں ہی یہاں پوسٹ گریجویٹ کلاسز کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔دھیرے دھیرے اس ضرورت میں تو اضافہ ہوتا گیا مگر کوئی ایسا تعلیمی مصلح سامنے نہیں آیا جو علاقہ کے عوام کی آرزو اور اعلیٰ تعلیم کے وقتی تقاضوں کو پورا کر سکتا۔اسّی کی دہائی میں علم دوست پرنسپل چودھری فضل حسین نے اس حوالے سے قدم بڑھانے کا فیصلہ کیا اور زمیندار کالج میں پوسٹ گریجویٹ کلاسز کے اجرا کے لیے بساط بھر کوششوں کا آغاز کیا۔یہ وہی دور تھا جب نواب سر فضل علی کے گھرانے کی سیاست کے مقابلے میں چوہدری برادران کی سیاسی کامیابیوں کا سورج طلوع ہونا شروع ہوا تھا۔انھی دنوں چوہدری شجاعت حسین اور چودھری پرویز الٰہی نے چودھری فضل حسین کی کاوشوں میں معاون کا کردار ادا کیا۔ اس نوجوان سیاسی قیادت نے علم دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف زمیندار کالج میں ایم اے‘ ایم ایس سی کلاسز کے اجرا کی منظوری لے کر دی بلکہ ان کے آغاز کے لیے ظہور الٰہی بلاک بھی تعمیر کروایا۔یہ اُس دور میں دُور رس نتائج کا حامل اقدام تھا۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ جدید تعلیمی تقاضوں کے لیے ایک باقاعدہ یونیورسٹی کی ضرورت شدت اختیار کر گئی کیونکہ اس ضلع میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کے کالجز نے تعلیم کے فروغ میں فعال کردار ادا کیا۔مسز کوثر ممتاز‘ مس عذرا غنی اور ڈاکٹر شاہین مفتی جیسی زیرک اور پُرعزم پرنسپل صاحبان نے تعلیم نسواں کے حوالے سے ایک انقلاب برپا کر دیا۔نہ صرف طالبات کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا بلکہ معیار تعلیم کی ضمانت بھی حاصل رہی۔گرلز کالجز کے متحرک کردار کی بدولت گجرات اور گردونواح سے گریجوایشن کرنے والے طلبہ وطالبات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی مگر اعلیٰ تعلیم کی لگن رکھنے کے باوجود گریجوایشن کرنے والے ان طالب علموں میں سے بیشتر معاشی وسماجی مسائل یا دُور دراز واقع ہونے کی وجہ سے یونیورسٹیوں تک رسائی حاصل نہ کر پائے۔اس وجہ سے طلبہ وطالبات میں بے قراری وبے چینی بڑھتی رہی جس نے یہاں کی نسل نو کے رویوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔نتیجہ کے طور پر یہاں کے طلبہ وطالبات‘ انکے والدین‘ ذی فہم افراد اور سول سوسائٹی ضلع گجرات میں ایک یونیورسٹی کے قیام کے حوالے سے نہ صرف گفتگو کرنے لگے بلکہ گاہے گاہے کئی حلقوں سے اس کا مطالبہ بھی ہونے لگا۔کچھ لوگوں نے تو "چناب یونیورسٹی" کے فرضی خاکے کو بھی عام کیا۔1993ء میں نوابزادہ سر فضل علی کے پوتے نوابزادہ غضنفر علی گل ایم این اے بنے تو انھوں نے یہاں ایک وفاقی سائنس یونیورسٹی کے قیام کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ اپنے دادا کے کردار کو دھرانے میں کامیاب نہ ہو پائے۔حالات نے یہ بھی واضح کر دیا کہ محض ایک ایم این اے اس علاقہ میں یونیورسٹی کے قیام کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتا۔ 2002ء میں قدرت اہلیان گجرات پر مہربان تھی کہ اختیار واقتدار کا فضل یہاں پر کھل کر برسا جس کے نتیجے میں تعمیر وترقی کی بہار کی خواہش کرنا مقامی لوگوں کا فطری ردعمل تھا۔چوہدری پرویز الٰہی وزیر اعلیٰ پنجاب اور ان کے کزن چودھری شجاعت حسین مرکز میں حکمران جماعت کے مرکزی صدر بنے۔چودھری شفاعت حسین ضلع ناظم تھے اور صوبائی وزیر تعلیم میاں عمران مسعود کے بھائی میاں ہارون مسعود قائم مقام تحصیل ناظم تھے۔نیچے سے اوپر تک فضا سازگار تھی کہ یہاں کوئی میگا پراجیکٹ شروع کیا جا سکے۔

اسے ضلع گجرات کے عوام کی خوش بختی کے سوا کیا کہیے کہ چودھری برادران نے نشہ اقتدار میں مدہوش ہونے کے بجائے اس موقع پر مکمل ہوش اور پورے خلوص سے عوامی خواہشات کو اپنا خواب بنالیا۔سابق وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی نے گجرات میں ایک عالمی معیار کی یونیورسٹی کے قیام کا خواب دیکھا‘ وہ خوش قسمت تھے کہ قدرت نے انھیں اپنے سپنے کو تعبیر دینے کے وسائل سے نواز رکھا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے کسی بخیلی سے کام نہیں لیا چنانچہ انھوں نے پختہ عزم سے علاقائی ضرورتوں اور قومی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کا فریضہ لائق تحسین حکمت عملی سے سرانجام دیا۔تحصیل کونسل گجرات نے سب سے پہلے تحصیل ناظم میاں ہارون مسعود کی زیر قیادت گجرات میں یونیورسٹی بنانے کے لیے ایک متفقہ قرار داد منظور کر کے اس کار خیر کا آغاز کیا۔اس وقت کے صوبائی وزیر تعلیم میاں عمران مسعود کی تعلیم دوستی بھی اہم سبب بنی۔ضلع ناظم چودھری شفاعت حسین نے اس کو چیلنج سمجھ کر قبول کیا۔ان کی قیادت میں اس وقت کے ڈی سی او آغا ندیم نے اس کے خاکے کی تیاری کا کام شروع کیا۔پروفیسر سید شبیر حسین کا ای ڈی او (EDO) آفس میں بطور ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کالجز ہونا نعمت ثابت ہوا۔اس علاقے میں یونیورسٹی کے قیام کی فزیبلٹی رپورٹ کی تیاری کے لیے وہ نہایت موزوں انتخاب تھے اور انھوں نے اپنی فکری اور انتظامی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے بہت جلد ایک جامع رپورٹ بھی تیار کر دی۔ضلع گجرات اور اسکے گردونواح میں لائٹ انڈسٹری کے حوالے سے گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے اضلاع "صنعتی تکون" کہلاتے ہیں۔اس صنعتی تکون کے قلب میں جدید عالمی معیار کی یونیورسٹی کے قیام نے اسے سنہری تکون بنا دیا ہے۔اسی پسِ منظر میں چودھری پرویز الٰہی کی درخواست پر اس سنہری تکون کے لیے یونیورسٹی کا خاکہ اس وقت کے وفاقی مشیر خزانہ ڈاکٹر سلمان شاہ نے تیار کیا۔بے شک اس خطے میں ایک

Marfat.com

معیاری جامعہ کا قیام ناگزیر ہو چکا تھا۔ 2003ء کے آخر میں حکومت پنجاب نے جب صوبائی اسمبلی میں گجرات یونیورسٹی کے قیام کا بل پیش کیا تو گجرات سے تعلق رکھنے والے وزیراعلیٰ کو دیگر اضلاع کی سیاسی قیادت کی جانب سے سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ چوہدری پرویز الٰہی نے ان کے سامنے ہتھیار پھینکنے کی بجائے تدبر اور حکمت سے 14 جنوری 2004 کو پنجاب اسمبلی میں کثرت رائے سے بل منظور کروا لیا ۔گورنر پنجاب خالد مقبول نے 19 فروری 2004 کو اس پر دستخط کر دیے اور اس طرح ایکٹ نمبر IX-2004 کے ذریعے 25 فروری 2004 کو گجرات یونیورسٹی کا قیام عمل میں آ گیا۔

مارچ 2004ء میں اس وقت کے ایڈیشنل سیکرٹری ایجوکیشن خالد حنیف اس یونیورسٹی کے پہلے پراجیکٹ ڈائریکٹر بنے۔ حافظ حیات دربار سے ملحقہ محکمہ اوقاف کی 122 ایکڑ اراضی اس کارِ خیر کے لیے وقف کر دی گئی جس سے زمین کا کلیدی معاملہ حل ہوا۔ بارانی یونیورسٹی راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر محمد اعظم کا نام پہلے وائس چانسلر کے طور پر سننے میں آیا لیکن وہ جوائن نہ کرنے کی وجہ سے اس اعزاز سے محروم رہے۔ چنانچہ ممتاز ماہر تعلیم ڈی پی آئی کالجز پنجاب ڈاکٹر امتیاز احمد چیمہ 6 مئی 2004 کو گجرات یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر بنے 22 فروری 2005 کو پراجیکٹ مینجمنٹ یونٹ (PMU) کا قیام عمل میں آیا تا کہ اس جامعہ کے ابتدائی خاکے کے پیش نظر مستقبل کے لیے ماسٹر پلان تیار کیا جا سکے۔ ان امور پر عملدرآمد کروانے کے لیے ایک سٹیئرنگ کمیٹی بھی قائم کی گئی۔ لاہور میں اس کے عارضی دفاتر کے ساتھ ساتھ گجرات میں فوارہ چوک میں ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر کی خالی کردہ عمارت میں قیام عمل میں آیا۔ 5 اگست 2005 کو حکومت پنجاب نے 822 ملین روپے کی ابتدائی گرانٹ منظور کی۔ ساتھ ہی ساتھ گجرات کے چار گورنمنٹ کالجز (جن میں تین خواتین کے اور ایک بوائز کالج شامل ہیں) کو بھی اس یونیورسٹی میں ضم کر دیا گیا۔ گجرات سے تعلق رکھنے والے ایک شریف النفس و تجربہ کار ماہر تعلیم سید خضر زمان مہدی کو رجسٹرار متعین کیا گیا۔ انھی دنوں میں سید شبیر حسین شاہ ڈپٹی رجسٹرار کے طور پر کام کرنے لگے۔ نومولود یونیورسٹی کو خیال سے وجود تک آنے میں جس مخلص اور ماہر نگرانی کی ضرورت تھی وہ ڈاکٹر امتیاز احمد چیمہ اور دونوں سیدزادوں نے بحسن و خوبی پوری کی۔

گجرات یونیورسٹی حالیہ سالوں میں بننے والی بے شمار یونیورسٹیوں میں منفرد خصوصیات کی حامل ہے کیونکہ یہ کسی پہلے سے موجود کالج یا تعلیمی گملے میں قائم نہیں کی گئی بلکہ حقیقی معنوں میں نئی یونیورسٹی ہے جو نئے سرے سے وجود میں آئی ہے۔ اس کا سارا ڈھانچہ بنیادوں سے تعمیر ہوا ہے۔ یہ اپنے چارٹر کے لحاظ سے بھی دیگر جامعات سے برتر اور وسیع دائرہ کار کی حامل یونیورسٹی ہے۔ اپنے جامع چارٹر کے حوالے سے یہ پنجاب یونیورسٹی کے بعد صوبہ کی دوسری بڑی یونیورسٹی ہے۔ ابتدا میں ہی پبلک سیکٹر کے بارہ اور پرائیویٹ سیکٹر کے سات کالجز نے اس کے ساتھ الحاق کر لیا ۔ جنکی تعداد اب پچاس سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اس یونیورسٹی کی علیحدہ عمارت کے لیے گجرات سے بارہ کلو میٹر کے فاصلے پر حافظ حیات کے مقام محکمہ اوقاف کی 122 ایکڑ قطعہ اراضی کا انتخاب ہوا۔ حافظ حیات صدیوں پرانی علمی شمع کا نام ہے جو اس پسماندہ علاقے میں حافظ حیات نامی بزرگ نے مدرسہ قائم کر کے روشن کی تھی ۔ تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو گجرات یونیورسٹی کا قیام عظیم صوفی بزرگ حافظ حیات مرحوم کے خواب کی جدید تعبیر ہے جس کا اجر اس کے بانیوں کو ضرور ملے گا۔ اس یونیورسٹی کی تعمیر کا پہلا پتھر چودھری شجاعت حسین نے رکھا۔ 2005ء میں اکیڈیمک بلاک اور وائس چانسلر آفس و رہائش کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس یونیورسٹی کے زیر انتظام بی اے/بی ایس سی کا پہلا سالانہ امتحان 2005ء میں لیا گیا۔ مگر ابتداء میں اس یونیورسٹی کو market oriented اور علاقہ کی صنعتی و معاشی ضرورتوں کے پیش نظر محض ٹیکنیکل یونیورسٹی بنانے کا منصوبہ تھا۔ چنانچہ شروع میں کام کرنے والوں کو بہت سارا وقت اس کے مقاصد اور ترجیحات کے تعین میں صرف کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں بہت سے سروے ہوئے سمیڈا (SMEDDA) سے بھی رپورٹ لی گئی۔ وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی اسے ہر لحاظ سے سنٹر آف ایکسی لینس بنانے کے خواہشمند تھے مگر یہ روایتی طور پر محض امتحان لینے والی ایجنسی بن کر رہ گئی حالانکہ جامعات' سماجی ترقی یا فقدان اور مجموعی معاشرتی خواہشات' مایوسیوں' تنازعات' طبقات' ہیئت اور مجموعی ذہنی ساخت کا پیمانہ ہوتی ہیں۔ ایسے پیمانے کی تشکیل جاندار معاشرہ اور وژنری قیادت ہی کرتی ہے۔ محض انتظامی افسران کے زیر سایہ امتحان پر امتحان لیے جانے کا نام یونیورسٹی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ 2006ء میں یہ سوال اُبھرنے لگا کہ روایتی کارکردگی سے جڑی یہ یونیورسٹی پرانے طور طریقوں پر کاربند رہ کر عالمی معیار و شناخت کیسے حاصل کر پائے گی؟

بلاشبہ ابتدائی سالوں میں اس کے سربراہ اور اس کے نیک نیت' دیانتدار اور پرخلوص ساتھیوں نے اسے ڈھانچے سے عملی یونیورسٹی بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ تاہم وہ کوئی معجزہ کر دکھانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ 2006ء یونیورسٹی آف گجرات میں تبدیلیوں کا سال ثابت ہوا۔ تبدیلی کی اسی ہوا میں اتفاقاً امریکہ جیسے دور دراز ملک سے عالمی سطح پر انتظامی اور اکڈیمک تجربے کا حسین امتزاج رکھنے والا ایک سنجیدہ مدبر اور معاملہ فہم منتظم ڈاکٹر نظام الدین کی صورت میں 19 ستمبر 2006 میں گجرات آ پہنچا تو ایسے لگا جیسے چپکے سے ویرانے میں بہار آ جائے۔ یکا یک

Marfat.com

حالات بدلنے لگے۔ یونیورسٹی آف گجرات کو حکومت پنجاب کے فراخدلانہ وسائل کی فراہمی کے ساتھ ساتھ جس وژن کی ضرورت تھی' وہ اسے میسر آ گیا اور پھر اس فرد واحد نے شبانہ روز محنت اور تدبر و تفکر سے ثابت کر دکھایا کہ ماہرانہ قیادت گاڑی کے انجن میں تیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی آمد سے قبل سب کچھ ہونے کے باوجود گاڑی سٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ ان کی آمد سے ایک عالمی معیار کی گاڑی کے انجن کو تیل ملا تو پھر فوارہ چوک کیمپس سے حافظ حیات کیمپس تک یونیورسٹی کے جسم میں جان پڑ گئی۔

ڈاکٹر نظام الدین نے بطور وائس چانسلر چارج سنبھالا تو اس جامعہ میں صرف چار پروگرام جن میں انٹرمیڈیٹ کے 2 اور بی اے/بی ایس سی کے 2 پروگرام جاری تھے جن میں 5,110 طلباء و طالبات پڑھ رہے تھے۔ یہ پروگرام یونیورسٹی آف گجرات کے رُکن کالجوں فاطمہ جناح گورنمنٹ کالج برائے خواتین فوارہ چوک' گورنمنٹ کالج برائے خواتین مرغزار کالونی' گورنمنٹ کالج برائے خواتین ریلوے روڈ اور گورنمنٹ زمیندار سائنس کالج جی ٹی روڈ میں جاری تھے۔ 2006ء تک یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی استاد ایک بھی نہ تھا۔ نان پی ایچ ڈی ٹیچنگ سٹاف کی تعداد 32 تھی جبکہ ایڈمنسٹریٹو سٹاف کی تعداد 34 تھی۔ ڈاکٹر نظام الدین نے آتے ہی 2007ء میں بی ایس آنرز کے 21 اور ماسٹر کے 11 پروگرام شروع کیے اور چند ماہ میں اس جامعہ کے پروگراموں کی تعداد 4 سے 34 ہوگئی۔ پہلے ہی سال 3 پی ایچ ڈی سمیت یہاں کی فیکلٹی کی تعداد 95 ہوگی جبکہ انتظامی ڈھانچے کی تکمیل کے لیے سٹاف کی بھرتی سے تعداد 228 تک پہنچ گئی۔ تجربے اور ذہانت کی بدولت نئے وائس چانسلر نے اس یونیورسٹی کے کیمپس کی تعمیر کی طرف بھی توجہ کی اور جون 2007ء میں اپنا دفتر کیمپ آفس فوارہ چوک سے حافظ حیات کیمپس شفٹ کر کے نئے سال کے داخلوں کے لیے جامع منصوبہ بندی کر دی۔ وہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے دفتری کام کرنے لگے ایک طرف نئے پروگراموں کی تشکیل و آغاز' اساتذہ کی بھرتی' انتظامی و تدریسی اُمور کو مثبت حکمت عملی سے پروان چڑھایا تو دوسری طرف تعمیرات کے کام کی ذاتی دلچسپی سے شب و روز نگرانی کر کے اسے تیزی سے مکمل کروایا۔

سابق وزیراعظم چودھری شجاعت حسین نے 07 جون 2006 بروز بدھ اس یونیورسٹی کی تعمیرات کا سنگ بنیاد رکھا اور پھر ایک سال کی قلیل مدت میں ہی 3 جولائی 2007ء کو وزیر اعلیٰ پنجاب چودھری پرویز الٰہی نے حافظ حیات کیمپس میں اس یونیورسٹی کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ 16 جولائی 2007ء کو وائس چانسلر نے یونیورسٹی میں ماڈرن لینگوئجز اینڈ ٹریننگ سنٹر (MLLC) کا افتتاح کیا جس میں انگریزی زبان کا پہلا کورس 17 جولائی سے شروع ہوا۔ نئے سال کے پروگراموں میں داخلوں کا آغاز ہوا۔ اس حوالے سے نئے داخل ہونے والوں کی راہنمائی کے لیے 24 ستمبر 2007 کو پہلی دفعہ اورینٹیشن ڈے منایا گیا۔ اس سال 6,620 طالبعلموں نے داخلہ لیا جن میں ماسٹر پروگراموں میں 779' بی ایس آنرز چار سالہ ڈگری پروگراموں میں 2,893 اور انٹرمیڈیٹ میں 5,131 داخلے ہوئے۔ 2008ء میں بی ایس آنرز کے 23' ماسٹر کے 13 اور ایم فل کے 10 پروگرام آفر کیے گئے۔ جن میں داخل ہونے والوں کی تعداد 8,803 ہوگئی۔ انٹرمیڈیٹ میں 5,134' بی ایس آنرز میں 3,166' ایم اے/ایم ایس سی میں 1,413 اور ایم فل میں 100 طالبعلم داخل ہوئے۔ 2009ء میں آفر کیے گئے پروگرام کی تعداد 48 سے بڑھ کر 53 ہوگئی جن میں 9,813 طلبہ و طالبات نے داخلہ لیا۔ ایم فل میں 135 ماسٹر میں 1,973 بی ایس آنرز میں 5,826 اور انٹرمیڈیٹ میں 5,362 داخلے ہوئے۔ 2010ء میں یہ تعداد 13,650 ہو جائے گی۔ 2008ء میں 20 پی ایچ ڈی سمیت فیکلٹی ممبران کی تعداد 237 اور ایڈمنسٹریٹو سٹاف 488 ہو گیا۔ 2009ء میں پی ایچ ڈی سٹاف 29 دیگر فیکلٹی 313 جبکہ ایڈمنسٹریٹو سٹاف 612 تھا اب پی ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد 35 کے لگ بھگ ہے جبکہ ملحقہ کالجوں کی تعداد 50 سے زاید ہو چکی ہے۔ یونیورسٹی میں فارن فیکلٹی پروفیسرز 3 ہیں۔ وزٹنگ پروفیسر کی تعداد 4 ہے۔ پروفیسر 4 ایسوسی ایٹ پروفیسر 7 اسسٹنٹ پروفیسر 43 لیکچرر 203 ٹیچنگ اسسٹنٹ 28 ڈیمانسٹریٹر 7 اور نیشنل انٹرن شپ پروگرام کے تحت 5 اساتذہ ہیں۔ حافظ حیات کیمپس میں 175 فاطمہ جناح کالج فوارہ چوک میں 37 مرغزار کالونی میں 38 جی ٹی روڈ کالج میں 33 اور ریلوے روڈ کالج میں 8 اساتذہ ہیں جنکی کل تعداد 300 ہے۔

یونیورسٹی آف گجرات کے حافظ حیات کیمپس کا افتتاح چودھری پرویز الٰہی نے 3 جولائی 2007ء کو کیا اس افتتاحی تقریب میں صوبائی وزیر تعلیم میاں عمران مسعود' ایم این اے چودھری وجاہت حسین' ضلع ناظم چودھری شفاعت حسین' تحصیل ناظم چودھری سعادت نواز' سابق تحصیل ناظم میاں ہارون مسعود' وزیر اعلیٰ پنجاب کے مشیر مواحد حسین سید' ایم پی اے خالد اصغر گھرال' سپیشل سیکرٹری ہائر ایجوکیشن سید اخلاق گیلانی' چیف آرکیٹیکٹ پنجاب زارا اشرف' سپیشل سیکرٹری ہائر ایجوکیشن مبشر رضا سمیت مقامی معززین نے بھرپور شرکت کی۔ 5 اپریل 2008ء کو چانسلر اور گورنر پنجاب لیفٹنٹ جنرل خالد مقبول نے سائنس بلاک اور فارن فیکلٹی پروفیسر جاوید سجاد احمد کے قائم کردہ ماس کمیونیکیشن اینڈ میڈیا سنٹر کا افتتاح کیا۔ 18 جولائی 2008ء کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے پاکستان پراڈکٹ ڈیزائن سنٹر کا افتتاح کیا۔ 13 جنوری 2010ء کو ہائر ایجوکیشن کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر جاوید لغاری نے یونیورسٹی کے P بلاک کا افتتاح کیا۔

Marfat.com

زندگی سے بھرپور جامعہ گجرات کے تدریسی ماحول کو دیکھنے اور اسے سند فراہم کرنے کے لیے چار سالوں میں غیر ملکی اور ملکی مندوبین اور شخصیات نے بڑی تعداد میں اس جامعہ کے دورے کیے جن میں چند ایک نمایاں وزیٹرز کا تذکرہ ضروری ہے مثلاً 26 نومبر 2006ء کو امریکی قونصلٹ کے برائن ڈی ہنٹ نے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین سے ملاقات کی' 15 اگست 2007ء کو برطانیہ کے لارڈ میئر راشد بٹ' 13 ستمبر 2007ء کو صوبائی وزیر تعلیم میاں عمران مسعود کے ہمراہ فرانسیسی سفیر جانسن ڈی بیلنٹ' جنوری 2008ء میں صوبائی وزیر فقیر سید اعجاز الدین اور ڈاکٹر الطاف علی شیخ' 27 مارچ 2008ء UCLAN یونیورسٹی برطانیہ کے پروفیسر ڈاکٹر وقار احمد' 16 مئی 2008ء کو ڈاکٹر شوکت محمود میکسم اور پنجاب یونیورسٹی کی ڈاکٹر شاہدہ منظور' 20 اگست 2008ء سول سروس اکیڈمی کے افسران کے وفد' ستمبر 2008ء میں وفاقی پارلیمانی سیکرٹری ثمینہ فخر پگانوالہ' 07 اکتوبر 2008ء نامور ماہر تعلیم Dr Mary Linda Armacost نومبر 2008ء میں نیو ناروے یونیورسٹی آف اوسلو کی سنیئر ریسرچ فیلو Dr Elisabeth Eide' 18 نومبر 2008ء کو HEC کی ڈائریکٹر نور آمنہ ملک' 04 دسمبر کو کیوبا کے سفیر Gustavo Machin Gomez

22 دسمبر 2008 کو وفاقی وزیر مملکت سلیم ایچ مانڈیوالہ' 22 دسمبر 2008 کو ہی US قونصلیٹ کی Traci Mell' فروری 2009ء میں یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا امریکہ کے پروفیسر ڈاکٹر فصیح الدین احمد' 13 مئی 2009ء کو یونیورسٹی آف شکاگو کے Dr James Skyes 26 مئی 2009ء کو یونیورسٹی آف لنکا شائر برطانیہ کے ڈائریکٹر Dr Ken Phillips اور ڈاکٹر واجد خان' 13 جنوری 2010ء کو چیئرمین HEC ڈاکٹر جاوید لغاری' جنوری 2010ء میں لاہور چیمبر آف کامرس کے وفد ڈاکٹر سہیل نقوی ایگزیکٹو ڈائریکٹر HEC یو ایس قونصلیٹ کی Linda Blount ڈائریکٹر جنرل آرکیالوجی پنجاب ہارون اے خان' 16 فروری 2010ء کو فرانسیسی سفیر Daniel Jouanneau مارچ 2010ء مسلم لیگ ق کے سربراہ اور سابق وزیراعظم چودھری شجاعت حسین اور مواحد حسین سید' 18 مارچ 2010ء بون یونیورسٹی جرمنی کے وفد نے MS Katja Mielke کی قیادت میں دورہ کیا' 05 اپریل 2010ء کو کور کمانڈر منگلا لیفٹننٹ جنرل ندیم تاج' 07 اپریل 2010ء کو کمانڈر کھاریاں کینٹ بریگیڈیئر ارادت احمد' 13 اپریل کو جارج میسن یونیورسٹی امریکہ کے ڈاکٹر مہتاب کریم' 15 مئی 2010ء کو ناروے سفارت خانے کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل Skjoldovor Fjeldvaer اور ناروے کے سفیر Robert Kvile 21 مئی 2010ء کو وفاقی وزراء نذر محمد گوندل' چودھری احمد مختار' قمر زمان کائرہ' فردوس عاشق اعوان' سردار آصف احمد علی' وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی ڈاکٹر محمد اکرم' پرو وائس چانسلر جامعہ پنجاب ڈاکٹر جمیل انور' 19 اگست 2010ء کو سابق وفاقی وزیر اور مسلم لیگ (ن) کے ممبر قومی اسمبلی خواجہ محمد آصف اس یونیورسٹی کا دورہ کرنے والوں میں نمایاں ہیں۔

ہم نصابی سرگرمیاں کسی بھی دانشگاہ کی شریانوں میں دوڑتے ہوئے خون کی اہمیت رکھتی ہیں۔ انھی سے تعلیم و تربیت کے صحت مندانہ ماحول کی ضمانت فراہم کی جا سکتی ہے اور یہی تعلیم کے حقیقی مقصد ''تربیت'' کا وسیلہ ثابت ہوتی ہیں اسی لیے دنیا بھر میں یونیورسٹیاں علمی تقریبات پر خاص زور دیتی ہیں ان کے بغیر تدریسی نظام بغیر روح کے جمود کا شکار ہو کر مقلدین کی کھیپ تیار کرتا ہے جو فکری حوالے سے بانجھ مگر ڈگریوں کے بوجھ تلے دبی نسلوں کو پروان چڑھاتا ہے جو بعد ازاں قوم اور معاشرے پر بوجھ بن کر اپنی اور سماج کی زندگیاں اجیرن کر دیتے ہیں۔ جامعہ گجرات میں علمی تقریبات کو نظام تدریس و تعلیم کی روح سمجھا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں جامعات اسی لیے فکر و علم کا مرکز رہی ہیں کہ ان میں آزادی فکر و اظہار کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی آزاد فضا میں علم و آگہی کا چراغ روشن ہوتا ہے۔ یہ مادر پدر آزادی نہیں ہوتی بلکہ مخصوص و شائستہ نظم و ضبط کی حامل ہوتی ہے' اس کی ایک دانشورانہ سطح ہوتی ہے جہاں پر اختلاف رائے ذاتی نہیں ہوتا بلکہ صرف فکری ہوتا ہے اسی انداز فکر و نظر سے علمی مباحثے' مذاکرے' سیمینار' سمپوزیم اور کانفرنسیں یونیورسٹی آف گجرات اور اس کی مدبر قیادت کی شناخت بن چکی ہیں اور اسی نے یونیورسٹی آف گجرات کو درس گاہ سے دانش گاہ بنا دیا ہے۔ ستمبر 2006ء میں ڈاکٹر نظام الدین کی آمد کے بعد اس جامعہ میں علمی مذاکروں کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن پہلی باقاعدہ دو روزہ قومی کانفرنس 23 اور 24 فروری 2007 کو ''تاریخ نویسی کو درپیش چیلنجز'' کے موضوع پر مرغزار کالج میں منعقد ہوئی جس میں صوبائی وزیر تعلیم میاں عمران مسعود' وائس چانسلر ڈاکٹر نظام الدین' نامور مورخ ڈاکٹر مبارک علی' اکادمی ادبیات کے چیئرمین فخر زمان اور محترمہ عذرا غنی پرنسپل مرغزار کالج نے خصوصی شرکت کی۔ مقالے پڑھنے والوں میں قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈاکٹر طارق رحمان' ہائیڈل برگ جرمنی سے ڈاکٹر جمال ملک' UET سے ڈاکٹر پرویز وندل' کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹر جعفر احمد و ہما غفار اسلام آباد سے احمد سلیم' اشفاق سلیم مرزا' واشنگٹن امریکہ سے عطیہ بانو زمیندار کالج گجرات سے سید شبیر حسین شاہ' شیخ عبدالرشید' ڈاکٹر مظفر ملک' غافر شہزاد و دیگر نے شمولیت کی۔

11 اپریل 2007ء کو سیرت النبی کانفرنس ہوئی جس میں پروفیسر رفیق

Marfat.com

اختر مہمانِ خصوصی تھے۔ اپریل 2008ء میں 5اور 6اپریل کو دو روزہ تاریخ کانفرنس ''1857ء تفہیم نو'' کے موضوع پر ''سہ ماہی تاریخ'' کے اشتراک سے ہوئی جس کا افتتاح گورنر پنجاب جنرل خالد مقبول نے کیا۔ ڈاکٹر نظام الدین' ڈاکٹر مبارک علی' ساجدہ ونڈل' ڈاکٹر جعفر احمد' ڈاکٹر طارق رحمان' احمد سلیم' اشفاق سلیم مرزا' ڈاکٹر حسین' مبشر ملک' پرویز ونڈل' کرنل نادر علی' تراب الحسن سرگانہ' خالد ہمایوں' ڈاکٹر مسرت جبیں' ہما صفدر' سید شبیر حسین شاہ' شفیق بٹ' چودھری مسعود اختر ایڈووکیٹ نے بطور سپیکر خیالات کا اظہار کیا۔ مئی میں ISSOS کے اشتراک سے شماریاتی سائنسز کے موضوع پر تین روزہ عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ افتتاح صوبائی وزیر خصوصی تعلیم محمد اقبال چنڑ نے کیا۔ ڈاکٹر منیر احمد سمیت مختلف ممالک سے 45 دانشوروں نے شرکت کی۔ اختتامی تقریب کے مہمان خصوصی وفاقی وزیر قمر زمان کائرہ تھے۔ یہ کانفرنس 9 سے 11 مئی 2008ء تک منعقد ہوئی۔ ورلڈ پنجابی کانگرس کے اشتراک سے 18 سے 20 جولائی 2008ء تک تین روزہ عالمی پنجابی کانفرنس' احیائے تصوف: ہمہ گیر تحریک برائے امن و ترقی'' کے موضوع پر منعقد ہوئی جس کا افتتاح گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے کیا اور اختتامی تقریب میں وفاقی وزیر دفاع چودھری احمد مختار مہمانِ خصوصی تھے۔ اکادمی ادبیات کے چیئرمین فخر زمان۔ انڈین اکادمی ادبیات کے سربراہ ڈاکٹر ایس ایس نور' دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹر فاطمہ حسین' پٹیالہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر جسپال سنگھ' ڈاکٹر کلجیت شیلے' ڈاکٹر جسوندر سنگھ' ڈاکٹر روپنیدر پال' نریندر موہن' ڈاکٹر دھرم سنگھ' ڈاکٹر جسویندر سنگھ' ڈاکٹر ہربجن سنگھ' ڈاکٹر شہزاد قیصر' ڈاکٹر حسین مبشر ملک' ڈاکٹر راشد متین' ڈاکٹر شاہین مفتی' حسین نقی' قاضی جاوید' ڈاکٹر گلزار احمد' سعید اللہ چودھری' ڈاکٹر ادل سومرو' جواد احمد' آئی اے رحمان' سید شبیر حسین شاہ' انور مسعود' ڈاکٹر انعام الحق جاوید سمیت دانشوروں نے شرکت کی۔ اسی طرح 21,22 نومبر 2008ء کو ڈاکٹر عبدالسلام کی یاد میں پلازمہ فزکس میں تحقیقی طریقہ ہائے کار کے موضوع پر HEC کے اشتراک سے دو روزہ قومی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جی سی یونیورسٹی کے ڈاکٹر حسن امیر شاہ نے صدارت کی۔ 4 سے 6 مارچ 2008 کو سائنس و ٹیکنالوجی میں تحقیقی تکنیک کے موضوع پر دو روزہ ورکشاپ منعقد ہوئی' قائداعظم یونیورسٹی کے ڈاکٹر ذکاء اللہ LUMS کے ڈاکٹر اولیس' ڈاکٹر فرزانہ پروین' NTFP کے ڈاکٹر محبوب صادق NUST ڈاکٹر اصغری مقصود' ڈاکٹر عبدالقیوم اور غلام عباس نے مقالے پیش کیے۔ مئی 2008 میں عصری شماریات میں تحقیقی عناصر پر ورکشاپ ہوئی۔ 10 اور 11 نومبر 2008ء میں Assesments Evaluation in Semester System پر ورکشاپ ہوئی۔ نومبر میں تدریسی مہارتوں میں بہتری کے لیے ورکشاپ میں AIOU کے ڈاکٹر زاہد مجید نے شرکت کی۔ فروری میں کلاسیکل موسیقی کے حوالے سے دو ہفتوں کی تربیتی ورکشاپ میں NCA کی استاد عالیہ رشید نے تربیت دی۔ مارچ 2009 میں لیڈر شپ کے حوالے سے ورکشاپ میں لنکا شائر یونیورسٹی نے شرکت کی۔ جون 2009 میں Industry Academia Linkages کے حوالے سے تین روزہ ورکشاپ منعقد ہوئی۔ 12 فروری 2010ء کو کوالٹی ایشورنس آگاہی کے حوالے سے HEC کے اشتراک سے ورکشاپ ہوئی جس میں NUST کے ائیر کموڈور (ر) محمد اسماعیل نے خصوصی شرکت کی۔ اسی طرح سیمینارز کے حوالے سے 17 مارچ 2007ء کو خواتین کے مقام کے حوالے سے سیمینار میں صوبائی وزیر آصفہ ریاض' ڈاکٹر نظام الدین ممبر صوبائی اسمبلی شاہانہ فاروقی نے شرکت کی۔ اپریل 2007ء میں پاکستان کو درپیش چیلنجز کے موضوع پر سیمینار کی صدارت صوبائی وزیر تعلیم میاں عمران مسعود نے کی۔ ڈاکٹر اعجاز الرحمٰن درانی و جاوید سجاد احمد نے خطاب کیا۔ 6 فروری 2008ء کو بزرگ شہریوں کے مسائل پر خصوصی سیمینار ہوا جس میں قائم مقام وزیر اعظم محمد میاں سومرو' وفاقی وزراء اے جے خان' بیرسٹر شاہدہ جمیل' ڈاکٹر فرانز ڈو نے اور ڈاکٹر نظام الدین سمیت ماہرین نے شرکت کی۔ 18 مارچ 2008ء کو پاکستان کو درپیش عصری مسائل پر سیمینار میں منو بھائی نے خصوصی خطاب کیا۔ 24 مارچ 2008ء کو قرار دادِ پاکستان کے حوالے سے سیمینار منعقد ہوا جس میں قائداعظم یونیورسٹی کے ڈاکٹر ریاض احمد مہمان خصوصی تھے۔ 28 مارچ 2008 کو بزم تصوف منعقد ہوئی جس میں دہلی سے ڈاکٹر فاطمہ حسین' مانچسٹر سے ڈاکٹر گلزار احمد' ڈنمارک سے ڈاکٹر عظمٰی رحمان اور UHS کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر حسین مبشر ملک نے شرکت کی۔ 28 اپریل کو خواتین اور روزگار کے حوالے سے سیمینار کی صدارت ایم پی اے حاجی ناصر محمود نے کی مہمان خصوصی صوبائی وزیر خزانہ تنویر اشرف کائرہ' سیمی اشفاق' ڈاکٹر صبیحہ ایچ سید' ڈاکٹر جی ایم عارف' ڈاکٹر نبیلہ' ڈاکٹر نوشین نے شرکت کی۔ 28 اپریل 2008ء کو بنچ مارکنگ پر سیمینار میں کویت یونیورسٹی کے ڈاکٹر مخدوم علی شاہ۔ مئی 2008ء میں ''برانڈز'' پر سیمینار میں ڈاکٹر نجم سعید اور ڈاکٹر ناصرہ شاہ شریک ہوئے۔ مئی میں ہی ''خوشیاں ہمارے آس پاس'' کے موضوع پر قومی سیمینار فاؤنٹین ہاؤس کے ڈاکٹر ہارون رشید نے سیمینار دیا۔ مئی 2008ء میں شعبہ ماس کمیونیکشن میں عمرانی علوم کے تحقیقی مسائل کے موضوع پر سیمینار میں ڈاکٹر مبارک علی' NCA لاہور کی پرنسپل ساجدہ ونڈل' پرویز ونڈل جاوید سجاد احمد اور سید شبیر حسین شاہ نے سیمینار دیا۔

10 جون 2008 کو ماحولیات کے عالمی دن کے موقع پر اقوام متحدہ کے اشتراک سے سیمینار ہوا جس میں UN کی عشرت رضوی اور ڈاکٹر عرفان خان

Marfat.com

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی نے "Kick the Habit Towards a Low Carbon Economy" پر سیمینار دیا۔ اگست 2008ء میں Industry Academic Collaboration کے موضوع پر UNIDO کے ساتھ مل کر سیمینار کروایا گیا۔ اگست 2008ء میں شعبۂ فزکس کے زیر اہتمام From Quarks to Human کے موضوع پر سیمینار ہوا جس میں قائد اعظم یونیورسٹی کے ڈاکٹر پرویز ہود بھائی نے خصوصی لیکچر دیا۔ ستمبر 2008ء میں پاک و ہند پانی کے تنازعے کے پس منظر میں معاہدہ سندھ طاس کے حوالے سے سید جماعت علی شاہ نے سیمینار دیا۔ اکتوبر 2008ء میں ''اعلیٰ تعلیم میں معیار کی ضمانت'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں LUMS سے ڈاکٹر محمد اویس اور جامعہ پنجاب سے ڈاکٹر رضوان احمد نے شرکت کی۔ نومبر 2008ء میں خواتین پر تشدد کے موضوع پر سیمینار کی صدارت ڈاکٹر نظام الدین نے کی جبکہ ممتاز دانشور کشور ناہید' طاہرہ عبداللہ اور ڈاکٹر شاہین مفتی نے خطاب کیا۔ یکم مئی 2008ء کو برداشت کے موضوع پر سیمینار میں سینیٹر نیلوفر بختیار نے خصوصی شرکت کی۔ 13 مئی کو ''میڈیا کی آزادی'' کے موضوع پر قومی سیمینار کی صدارت پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر مغیث الدین شیخ نے کی' ممتاز دانشوروں اور صحافیوں آئی۔اے رحمان' منو بھائی' ہارون الرشید' وجاہت مسعود اور سید شبیر حسین شاہ نے خطاب کیا۔ 14 مئی کو مرغزار کالج میں انتہاپسندی اور امن کے موضوع پر سیمینار سے کولیلم فاؤنڈیشن برطانیہ کے ماجد نواز اور برگد کی صبیحہ شاہین نے شرکت کی۔ 26 مئی 2009ء کو ''قانون کی حکمرانی اور عدلیہ کا کردار'' کے موضوع پر سیمینار میں چودھری اعتزاز احسن مہمان خصوصی تھے۔ جولائی 2009ء میں Mathematics and Art کے موضوع پر سیمینار سے جرمنی کے Dr Andreas Deniel Matt نے سیمینار دیا۔ 29 جولائی 2009ء قومی یکجہتی میں ادیبوں کا کردار کے موضوع پر سیمینار کی صدارت ڈاکٹر نظام الدین نے کی۔ بلوچستان سے ڈاکٹر شاہ محمد مری' سندھ سے آغا نور محمد پٹھان' تاج محمد جویو' ڈاکٹر فاطمہ حسن' پروفیسر سحر انصاری' ڈاکٹر امداد حسینی' ایس ایم معین قریشی' راحت سعید' ڈاکٹر سحر امداد' وحید ظہیر' جمال احمد کوئٹہ سے ایاز گل' خیبر پختونخواہ سے محمد علی پٹھان' ناصر علی سید اور مرتضیٰ خان شاہین' پنجاب سے ڈاکٹر شاہین مفتی' اکادمی ادبیات کے ریجنل ڈائریکٹر الطاف احمد قریشی نے شرکت کی۔ 19 اگست 2009ء کو تحقیق' اخلاقیات اور طبی علوم کے سیمینار میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے پرو وائس چانسلر ڈاکٹر سید محمد اویس نے سیمینار دیا۔ اکتوبر 2009ء میں ''سوالات کی تشکیل کی سائنس'' کے موضوع پر جارج واشنگٹن یونیورسٹی USA کے ڈاکٹر گلزار شاہ نے سیمینار دیا۔

8 نومبر کو اقبال ڈے کے حوالے سے بریگیڈیر تیمور افضل نے سیمینار دیا۔ دسمبر میں سقوط مشرقی پاکستان کے حوالے سے شعبہ ابلاغیات نے سیمینار ہوا۔ جنوری 2010ء میں Youth Actions for Democracy and Peace Building in Campuses کے موضوع پر سیمینار میں ایم پی اے مائزہ حمید NED کے Nelson Lee برگد کے اقبال حیدر نے سیمینار دیا۔ اپریل 2010ء میں ''کیا پاکستانی جامعات غیر متعلقہ افرادی قوت کو جنم دے رہی ہیں؟'' کے موضوع پر سیمینار سے ڈاکٹر نظام الدین' ڈاکٹر عاطف علی جعفری' وجاہت مسعود' چودھری مسعود احمد ایڈووکیٹ' ڈاکٹر ظہور احمد' اشرف اقبال' ڈاکٹر فوزیہ مقصود' شاہد منہاس نے سیمینار دیا۔ اسی طرح 12 اپریل 2008ء کو ڈاکٹر حسن امیر شاہ نے "Space and Near Earth Plasma? کے موضوع پر خصوصی لیکچر دیا۔ مئی 2008ء میں قائد اعظم یونیورسٹی کے ڈاکٹر قیصر مشتاق نے Mathematics is Not About Calculations کے موضوع پر خصوصی لیکچر دیا۔ 14 سے 28 اپریل 2008 تک NCA کی شہناز ملہی نے آرٹ اور ووڈ کارونگ کے حوالے سے خصوصی لیکچر دیے۔ جنوری 2009ء میں FAST کے ریکٹر پروفیسر ڈاکٹر امیر محمد نے زراعت !معاشی ترقی کی اہم اُمید کے موضوع پر سیمینار دیا۔

30 مارچ 2009ء کو Brain Interfacing کے موضوع پر ڈاکٹر نوید آئی سید نے خصوصی لیکچر دیا۔ 14 مئی 2009ء کو امریکی تعلیمی فاؤنڈیشن کی ڈائریکٹر گریس کلارک اور ڈاکٹر جمیز سائیک نے خصوصی لیکچر دیئے۔ فروری 2010ء میں جارج میسن یونیورسٹی واشنگٹن کے ڈاکٹر مہتاب کریم نے Reproductive Behaviour of Muslim Women: Lessons for Pakistan کے موضوع پر خصوصی لیکچر دیا۔ الغرض ایسی ہی درجنوں علمی تقریبات منعقد ہوئیں جنہیں یونیورسٹی آف گجرات کے میڈیا اینڈ پبلیکیشنز ڈیپارٹمنٹ نے پیشہ وارانہ مہارتوں کے ذریعے میڈیا کوریج دے کر علمی تحرک کا کمیونٹی ڈویلپمنٹ میں کردار نمایاں کیا۔ اسی کام کے لیے یونیورسٹی آف گجرات کے ابلاغ عامہ کے شعبے کے زیر اہتمام کیمپس ریڈیو FM106.6 کا قیام یکم ستمبر 2009ء کو عمل میں آیا۔ یہ ماس کمیونیکشن اینڈ میڈیا سنٹر کے بانی ڈائریکٹر جاوید سجاد احمد کا خواب تھا اس کے لیے ابتدائی کوششیں بھی انھوں نے ہی کیں تاہم اسکا قیام زاہد بلال کی زیر نگرانی ممکن ہو پایا۔

یونیورسٹی آف گجرات کا ایک اور اہم سنگِ میل نواز شریف میڈیکل کا قیام ہے۔ وسطی پنجاب کے اس وسطی ضلع میں صحت و طب کی سہولتیں علاقائی

Marfat.com

ضرورتوں سے بہت کم تھیں۔ اسی کے پیش نظر مسلم لیگ (ن) کے مقامی راہنما اور اس وقت کے ایم پی اے حاجی ناصر محمود نے اس علاقہ میں میڈیکل کالج کے قیام کا عزم کیا۔ اس ضلع میں میڈیکل کالج کے قیام کا مطالبہ بھی دیرینہ ہے وفاقی وزیر اطلاعات قمر زمان کائرہ کھاریاں میں CMH کے ساتھ میڈیکل کالج کے قیام کے خواہشمند تھے۔ تاہم حاجی ناصر محمود نے اس سلسلے میں پہل کی اور سید خضر زمان مہدی' EDO ڈاکٹر منیر احمد کے ساتھ مل کر قیام ممکن بنانے کی کوششیں شروع کیں مگر ایک مکمل میڈیکل کالج کا قیام بلاشبہ ایک بڑا اور مشکل کام تھا لہٰذا جلد ہی حاجی ناصر محمود نے جامعہ گجرات کے وائس چانسلر ڈاکٹر نظام الدین سے رابطہ کیا اور مدد چاہی۔ ڈاکٹر نظام الدین کو کام' کام اور کام کے مزاج کی وجہ سے انتظامی کرامتیں دکھانے کی عادت ہے چنانچہ انھوں نے نہ صرف مدد کا وعدہ کیا بلکہ میڈیکل کالج کے گھمبیر خواب کی تعبیر کے لیے کاغذی' علمی' فکری اور انتظامی معاونت کی اور ستمبر 2008ء میں حاجی ناصر محمود کے عزم و حوصلے ڈاکٹر نظام الدین کی عملیت پسندی و حُسنِ انتظام اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کی عوام دوستی کی بدولت نواز شریف میڈیکل کالج کا قیام ممکن ہوا۔ اس کے لیے 1351.81 ملین روپے کا بجٹ منظور ہوا اور وزیر اعلیٰ نے N S M C میں کلاسوں کے اجراء کی ہدایت جاری کر دی۔ یکم جنوری 2009 کو وائس چانسلر ڈاکٹر نظام الدین کو NSMC کا پراجیکٹ ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا۔ 20 جنوری 2009ء فنانس ڈیپارٹمنٹ نے 179.370 ملین روپے کی گرانٹ جاری کر دی NSMC کا اعلان کیا اور اس کے لیے 100 سیٹیں رکھ دی گئیں۔ 9 فروری 2009ء کو جامعہ گجرات نے NSMC کے قیام اور عزیز بھٹی شہید ہسپتال کو ٹیچنگ ہسپتال بنانے کے لیے PC-1 جمع کروایا اسی ماہ عملدر آمد کے لیے سٹیئرنگ کمیٹی بھی بنا دی گئی۔ اور پھر سرخ فیتہ کی حامل ہماری بیوروکریسی کی موجودگی میں صرف چار ماہ میں NSMC کا قیام عمل میں آ گیا جسے مبصرین انتظامی معجزہ قرار دیتے ہیں۔ 13 اپریل 2009ء کو نواز شریف میڈیکل کالج میں پہلی باقاعدہ کلاس شروع ہوئی۔ اسے خوش قسمتی کے سوا کیا کہیئے کہ اس میڈیکل کالج کے اساتذہ نے بھی حب الوطنی کا مظاہرہ کیا اور تین ماہ دیر سے شروع ہونے والی کلاس UHS کے امتحان میں شریک ہوئی تو پہلے ہی سال پنجاب بھر میں دوسرے نمبر پر رہی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ 50 میں سے 32 طلبہ و طالبات نے نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں۔ اب یہ میڈیکل کالج پرنسپل ڈاکٹر ناصر عزیز' وائس پرنسپل کرنل (ر) ڈاکٹر تنویر ضیاء قریشی' ڈائریکٹر سید خضر زمان مہدی کی راہنمائی میں ڈاکٹر نظام الدین کے فیض و برکت سے نمایاں تر کارکردگی دکھا رہا ہے۔

مختصر یہ کہ 2004ء میں خواب کی صورت اختیار کرنے والی ورلڈ کلاس یونیورسٹی ستمبر 2006ء میں تعبیر کے لیے جدید خطوط پر استوار ہونا شروع ہوئی اور اپنے ثمر آور ''نظام'' کی بدولت چار سال کی قلیل مدت میں نہ صرف ایک تدریسی درسگاہ بن گئی بلکہ اس نے اپنے تدریسی و تحقیقی' علمی و فکری ماحول کی بدولت دانشگاہ کی شناخت حاصل کر لی۔ وائس چانسلر ڈاکٹر نظام الدین نے ورلڈ کلاس یونیورسٹی کی بنیاد رکھ دی ہے جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تعلیمی سفر جاری رہا تو جلد ہی گجرات میں ورلڈ کلاس یونیورسٹی کی منزل بھی حاصل کر لی جائے گی۔

ooo

ضمیمہ۔۱: گجرات کے اعلیٰ تعلیمی ادارے

یونیورسٹی آف گجرات اور اس کے ملحقہ کالجز گورنمنٹ کالج جی ٹی روڈ' گورنمنٹ ڈگری کالجز برائے خواتین' مرغزار کالونی گجرات' گورنمنٹ فاطمہ جناح ڈگری کالج' فوارہ چوک گجرات' گورنمنٹ سٹی کالج برائے خواتین۔

۲: گورنمنٹ زمیندار ڈگری کالج بھمبر روڈ گجرات
۳: گورنمنٹ انٹر کالج (کڑیانوالہ) گجرات
۴: گورنمنٹ عبدالحق اسلامیہ کالج جلالپور جٹاں
۵: گورنمنٹ ابن امیر ڈگری کالج جلالپور جٹاں
۶: گورنمنٹ ڈگری کالج (برائے برائز) لالہ موسیٰ
۷: گورنمنٹ ڈگری کالج (برائے خواتین) لالہ موسیٰ
۸: گورنمنٹ ڈگری کالج (برائے بوائز) کھاریاں
۹: گورنمنٹ ڈگری کالج (برائے خواتین) سرائے عالمگیر
۱۰: گورنمنٹ ڈگری کالج (برائے بوائز) سرائے عالمگیر
۱۱: گورنمنٹ ڈگری کالج (برائے بوائز) ڈنگہ
۱۲: گورنمنٹ گرلز انٹر کالج دولت نگر
۱۳: گورنمنٹ گرلز انٹر کالج کنجاہ
۱۴: گورنمنٹ کالج آف کامرس (بوائز) گجرات
۱۵: گورنمنٹ کالج آف کامرس (برائے خواتین) گجرات
۱۶: سویڈش پاکستانی انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی گجرات
۱۷: فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج کھاریاں کینٹ
۱۸: گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کچہری روڈ گجرات
۱۹: گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن (برائے خواتین)

ضمیمہ۔۲: ضلع گجرات میں زنانہ تعلیمی ادارے

۱۔ گورنمنٹ ماڈل گرلز ہائی سکول غریب پورہ' گجرات شہر
۲۔ گورنمنٹ شاہ حسین گرلز ہائی سکول' گجرات شہر
۳۔ گورنمنٹ جاوید گرلز ہائی سکول' گجرات شہر

Marfat.com

۴۔ گورنمنٹ جاوید گرلز ہائی سکول' گجرات شہر
۵۔ گورنمنٹ مس فاطمہ جناح ماڈل گرلز ہائی سکول' گجرات
۶۔ گورنمنٹ مس فیروز الدین گرلز ہائی سکول' گجرات
۷۔ گورنمنٹ دبیرستان فاطمہ الزہرہ گرلز ہائی سکول' گجرات
۸۔ گورنمنٹ مسلم پردہ گرلز ہائی سکول' گجرات شہر
۹۔ گورنمنٹ سلطان بخش گرلز ہائی سکول' گجرات شہر
۱۰۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول' صابووال گجرات شہر
۱۱۔ گورنمنٹ اسلامیہ گرلز ہائی سکول' مدینہ گجرات شہر
۱۲۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سوک کلاں تحصیل گجرات
۱۳۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول' اجنالہ تحصیل گجرات
۱۴۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول حاجی والہ تحصیل گجرات
۱۵۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول' دولت نگر' تحصیل گجرات
۱۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ماچھی وال' تحصیل گجرات
۱۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چک کمالہ تحصیل گجرات
۱۸۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول دیونہ تحصیل گجرات
۱۹۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ملک پور جاڑہ تحصیل گجرات
۲۰۔ گورنمنٹ اسلامیہ گرلز ہائی سکول جلالپور جٹاں' تحصیل گجرات
۲۱۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ٹھٹھہ موسیٰ تحصیل گجرات
۲۲۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول اخلاص گڑھ تحصیل گجرات
۲۳۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سوہل خورد تحصیل گجرات
۲۴۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بھاگووال کلاں تحصیل گجرات
۲۵۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لکھنوال تحصیل گجرات
۲۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیراں والہ سیداں تحصیل گجرات
۲۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول منگووال غربی تحصیل گجرات
۲۸۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لنگے تحصیل گجرات
۲۹۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گولیکی' تحصیل گجرات
۳۰۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ساروکی تحصیل گجرات
۳۱۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کنجاہ تحصیل گجرات
۳۲۔ گورنمنٹ اسلامیہ گرلز ہائی سکول کنجاہ تحصیل گجرات
۳۳۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شادیوال تحصیل گجرات
۳۴۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ٹھوٹھہ رائے بہادر تحصیل کھاریاں
۳۵۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بزرگوال تحصیل کھاریاں
۳۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کوٹلہ ارباب علی خان تحصیل کھاریاں
۳۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سریعہ تحصیل کھاریاں
۳۸۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لالہ موسیٰ
۳۹۔ گورنمنٹ ایم بی گرلز ہائی سکول لالہ موسیٰ
۴۰۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پنجن کسانہ تحصیل کھاریاں
۴۱۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بیگووال تحصیل کھاریاں
۴۲۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سدھ تحصیل کھاریاں
۴۳۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بھدر تحصیل کھاریاں
۴۴۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کھاریاں
۴۵۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈنگہ تحصیل کھاریاں
۴۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول جوڑا کرنانہ تحصیل کھاریاں
۴۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول موہری شریف تحصیل کھاریاں
۴۸۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چنن تحصیل کھاریاں
۴۹۔ گورنمنٹ کمیونٹی گرلز ہائر سیکنڈری سکول' لوراں (گجرات)
۵۰۔ گورنمنٹ کمیونٹی گرلز ماڈل ہائی سکول' فیروز آباد
۵۱۔ گورنمنٹ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول' مچھیانہ (گجرات)
۵۲۔ گورنمنٹ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول' ناگریانوالہ
۵۳۔ گورنمنٹ کمیونٹی ماڈل گرلز سیکنڈری سکول' گولیکی
۵۴۔ گورنمنٹ دبیرستان فاطمہ الزہرا گرلز سکول' گجرات
۵۵۔ گورنمنٹ گرلز سی پی پی ہائی سکول' بھرچھ
۵۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بھدر گجرات
۵۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بھاگ نگر گجرات
۱۔ گورنمنٹ مسلم ہائی سکول گجرات شہر
۲۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول گجرات شہر
۳۔ گورنمنٹ جامع سکول گجرات شہر
۴۔ گورنمنٹ کرسچین سکول گجرات شہر
۵۔ گورنمنٹ پبلک نمبر ۱ سکول گجرات شہر
۶۔ گورنمنٹ پبلک نمبر ۲ سکول گجرات شہر
۷۔ گورنمنٹ زمیندار ہائی سکول گجرات شہر
۸۔ گورنمنٹ اسلامیہ نمبر ۱ ہائی سکول جلالپور جٹاں تحصیل گجرات
۹۔ گورنمنٹ اسلامیہ نمبر ۲ ہائی سکول جلالپور جٹاں تحصیل گجرات
۱۰۔ گورنمنٹ تعلیم الدین ہائی سکول جلالپور جٹاں تحصیل گجرات
۱۱۔ گورنمنٹ پاکستان اسلامیہ ہائی سکول شادیوال تحصیل گجرات
۱۲۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول کنجاہ تحصیل گجرات
۱۳۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کنجاہ تحصیل گجرات
۱۴۔ گورنمنٹ آرائے ہائی سکول مدینہ تحصیل گجرات
۱۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول معین الدین پور تحصیل گجرات
۱۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول سوک کلاں تحصیل گجرات
۱۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول دلے وال تحصیل گجرات
۱۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول چھنی دیونہ تحصیل گجرات
۱۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول فتح پور تحصیل گجرات
۲۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول پنچیاں تحصیل گجرات
۲۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول ماچھیوال تحصیل گجرات
۲۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول گندرہ کلاں تحصیل گجرات
۲۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول کمیانہ تحصیل گجرات
۲۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول دولت نگر تحصیل گجرات
۲۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول چک کمالہ تحصیل گجرات
۲۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول ہزارہ مغلاں تحصیل گجرات
۲۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول سکھر تحصیل گجرات
۲۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول بارو تحصیل گجرات

Marfat.com

۲۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول اجنالہ تحصیل گجرات
۳۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول حاجی والہ تحصیل گجرات
۳۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول جلالپور صوبتیاں تحصیل گجرات
۳۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول ملک پور مرزا تحصیل گجرات
۳۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھکڑے والی تحصیل گجرات
۳۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول عالم گڑھ تحصیل گجرات
۳۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول بہلول پور تحصیل گجرات
۳۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول ملہوکھوکھر تحصیل گجرات
۳۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخ پور تحصیل گجرات
۳۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول چوپالہ تحصیل گجرات
۳۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول ٹھٹھہ موسیٰ تحصیل گجرات
۴۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول لکھنوال تحصیل گجرات
۴۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول لدھا سدھا تحصیل گجرات
۴۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھاگووال خورد تحصیل گجرات
۴۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھاگووال کلاں تحصیل گجرات
۴۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول بڑیلہ شریف تحصیل گجرات
۴۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول کوٹلی بھگوان تحصیل گجرات
۴۶۔ گورنمنٹ ملت ہائی سکول شام پور کھوکھراں تحصیل گجرات
۴۷۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ٹانڈہ تحصیل گجرات
۴۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول نارووالی تحصیل گجرات
۴۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول کٹھالہ چناب تحصیل گجرات
۵۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول چک سادہ تحصیل گجرات
۵۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول کنگ چنن تحصیل گجرات
۵۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول ٹھٹھہ پوز تحصیل گجرات
۵۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول گاکھڑا کلاں تحصیل گجرات
۵۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول منگووال غربی تحصیل گجرات
۵۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول جھیورانوالی تحصیل گجرات
۵۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول گولیکی تحصیل گجرات
۵۷۔ گورنمنٹ چوہامل ہائی سکول چوہامل تحصیل گجرات
۵۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول پیروشاہ تحصیل گجرات
۵۹۔ گورنمنٹ ہائی سیکنڈری سکول کڑیانوالہ تحصیل گجرات
۶۰۔ گورنمنٹ رضویہ ہائی سکول لنگے تحصیل گجرات
۶۱۔ گورنمنٹ نیشنل ہائی سکول ساروکی تحصیل گجرات
۶۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول کھاریاں
۶۳۔ گورنمنٹ تعلیم الدین ہائی سکول کھاریاں
۶۴۔ گورنمنٹ تعلیم اسلامیہ سکول لالہ موسیٰ
۶۵۔ گورنمنٹ پاکستان ہائی سکول لالہ موسیٰ
۶۶۔ گورنمنٹ جامعہ غوثیہ ہائی سکول لالہ موسیٰ
۶۷۔ گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول برنالی تحصیل کھاریاں
۶۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول جنڈ تحصیل کھاریاں
۶۹۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول چھوکر کلاں

۷۰۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ڈنگہ
۷۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول گنجہ تحصیل کھاریاں
۷۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول ٹھیکریاں تحصیل کھاریاں
۷۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول مونیاں ٹھیکریاں تحصیل کھاریاں
۷۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول سہنہ تحصیل کھاریاں
۷۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول امرہ کلاں تحصیل کھاریاں
۷۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول کھوڑی عالم تحصیل کھاریاں
۷۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول سیکریالی کھاریاں
۷۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول چک میانہ ھیگڑاں کھاریاں
۷۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول باگڑیانوالہ تحصیل کھاریاں
۸۰۔ گورنمنٹ مسلم ہائی ٹپیالہ تحصیل کھاریاں
۸۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول چکوڑی بھیلوال تحصیل کھاریاں
۸۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول دھکڑانوالی تحصیل کھاریاں
۸۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول ناگڑیاں کھاریاں
۸۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول ٹھوٹہ رائے بہادر تحصیل کھاریاں
۸۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول دھوریہ تحصیل کھاریاں
۸۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول دھنی تحصیل کھاریاں
۸۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول موہری تحصیل کھاریاں
۸۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول جوڑا تحصیل کھاریاں
۸۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول کرنانہ تحصیل کھاریاں
۹۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول جنڈانوالہ نزد مرالہ تحصیل کھاریاں
۹۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول ملکہ تحصیل کھاریاں
۹۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول باہروال تحصیل کھاریاں
۹۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول ڈھنگ تحصیل کھاریاں
۹۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول مرزا طاہر تحصیل کھاریاں
۹۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول پنجن کسانہ تحصیل کھاریاں
۹۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھدر تحصیل کھاریاں
۹۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول گوچھ تحصیل کھاریاں
۹۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھوتہ تحصیل کھاریاں
۹۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول بہورچھ تحصیل کھاریاں
۱۰۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول بزرگوال تحصیل کھاریاں
۱۰۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول سریعہ تحصیل کھاریاں
۱۰۲ گورنمنٹ ہائی سکول ککرالی تحصیل کھاریاں
۱۰۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول دلاور پور تحصیل کھاریاں
۱۰۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول لنگڑیال تحصیل کھاریاں
۱۰۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول مراڑیاں تحصیل کھاریاں
۱۰۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول نندوال تحصیل کھاریاں
۱۰۷۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ٹانڈہ
۱۰۸۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کڑیانوالہ
۱۰۹۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کوٹلہ ارباب علی خان
۱۱۰۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کنجاہ

Marfat.com

۱۱۱۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ڈنگہ مردانہ
۱۱۲۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ڈنگہ زنانہ
۱۱۳۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ڈنگہ کھاریاں

ضمیمہ ۴ ضلع گجرات کے پرائیویٹ تعلیمی ادارے

(زنانہ و مردانہ)

۱۔ عائشہ صدیقہ گرلز ہائی سکول، بھر چھ بسوہا، گجرات
۲۔ اختر پبلک ماڈل ہائی سکول، جلال پور سوبتیاں
۳۔ علی گڑھ ماڈل ہائی سکول، لالہ موسیٰ
۴۔ علی گڑھ گرامر ہائی سکول، جلالپور جٹاں
۵۔ بیکن ہاؤس سکول سسٹم (فار گرلز) گجرات
۶۔ بیکن ہاؤس سکول سسٹم (گرلز برانچ) کھاریاں
۷۔ بلال گرلز ماڈل ہائی سکول، سہنہ
۸۔ برٹش سٹینڈرڈ گرلز ہائی سکول، منداہر
۹۔ برائٹ سٹار ماڈل سکول، دیونہ منڈی
۱۰۔ سی بی اے ماڈل سیکنڈری سکول (فار گرلز) جنڈالہ
۱۱۔ کیمبرج سکول آف پاکستان، گجرات
۱۲۔ کیپٹل سائنس سکول فار گرلز لالہ موسیٰ
۱۳۔ کیتھڈرل سکول، گجرات
۱۴۔ کیتھڈرل سکول، جلالپور جٹاں
۱۵۔ سول پائلٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول گجرات
۱۶۔ سٹی پبلک ہائی سکول جی ٹی روڈ کھاریاں جنڈانوالہ
۱۷۔ کمیونٹی گرلز ماڈل ہائر سیکنڈری سکول، فتح پور
۱۸۔ کمیونٹی گرلز سیکنڈری سکول چوپالہ (گجرات)
۱۹۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول، بڑیلہ شریف
۲۰۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول، بیگہ
۲۱۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول، بہلول پور (گجرات)
۲۲۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول، چک مہمند کھاریاں
۲۳۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول، ڈوگہ
۲۴۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائی سکول، گندارا کلاں گجرات
۲۵۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائر سیکنڈری سکول، بہلول پور گجرات
۲۶۔ کمیونٹی ماڈل گرلز ہائر سیکنڈری سکول، کسوکی گجرات
۲۷۔ کمیونٹی ماڈل ہائی سکول فار گرلز، کوٹلی ریالہ گجرات
۲۸۔ کمیونٹی ماڈل ہائی سکول، عالم گڑھ گجرات
۲۹۔ کمیونٹی ماڈل ہائر سیکنڈری سکول فار گرلز، گلیانہ
۳۰۔ کمیونٹی ماڈل سیکنڈری سکول، سمن پنڈی
۳۱۔ کمیونٹی پبلک ہائی سکول فار گرلز جناح روڈ گجرات
۳۲۔ دارارقم ماڈل ہائی سکول فار گرلز گجرات
۳۳۔ فیصل ماڈل گرلز ہائی سکول سرگودھا روڈ، گجرات
۳۴۔ فوجی فاؤنڈیشن گرلز ہائی سکول کوٹلی بھاگوان ضلع گجرات

ضمیمہ ۵ منڈی بہاؤالدین کے مردانہ تعلیمی ادارے

۱۔ گورنمنٹ ڈگری کالج، منڈی بہاؤالدین
۲۔ گورنمنٹ پیر یعقوب شاہ ڈگری کالج پھالیہ
۳۔ گورنمنٹ انٹر کالج ملکوال
۴۔ گورنمنٹ انٹر کالج بواحسن

۱۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ڈھوک کاسب
۲۔ گورنمنٹ ہایئر سیکنڈری سکول، ہیڈ رسول
۳۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول، مکھن والی
۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول، منڈی بہاؤالدین
۵۔ گورنمنٹ سرسید ہائی سکول، منڈی بہاؤالدین
۶۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول، منڈی بہاؤالدین
۷۔ گورنمنٹ تعمیر ملت ہائی سکول، منڈی بہاؤالدین
۸۔ گورنمنٹ مسلم ہائی سکول، منڈی بہاؤالدین
۹۔ گورنمنٹ پبلک ہائی سکول، واسو منڈی بہاؤالدین
۱۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول چک نمبر۔۱، منڈی بہاؤالدین
۱۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول چیلیانوالہ
۱۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول سیویہ
۱۳۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول پھالیہ
۱۴۔ گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری سکول، پھالیہ
۱۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول ڈھول رانجھا
۱۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول جوکالیاں
۱۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول پاہڑیانوالہ
۱۸۔ گورنمنٹ نسیم ہائی سکول حاصلانوالہ
۱۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول نارنگ
۲۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول دھیر کاں کلاں
۲۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول منوچک
۲۲۔ گورنمنٹ پبلک ہائی سکول پنڈی کالو
۲۳۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول قادر آباد
۲۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول سیدا شریف
۲۵۔ گورنمنٹ پبلک ہائی سکول موسیٰ کلاں
۲۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول بارموسیٰ
۲۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول دھنی کلاں
۲۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھیرووال
۲۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول ریڑکا بالا
۳۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول چک نمبر۔۴۴
۳۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول ملک وال
۳۲۔ گورنمنٹ رفیع الاسلام ہائی سکول ملکوال
۳۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول مدانہ
۳۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول میانہ گوندل
۳۵۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول بوسال
۳۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھوآحسن
۳۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول ہریہ
۳۸۔ گورنمنٹ ہائی سکول موناڈپو
۳۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول رکن
۴۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول بوکن
۴۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول چک نمبر
۴۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول گوجرہ
۴۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول ماجھی
۴۴۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کھیوہ
۴۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول مانگٹ
۴۶۔ گورنمنٹ ہائی سکول کٹھیالہ شیخاں
۴۷۔ گورنمنٹ ہائی سکول سوہاوہ بولانی
۴۸۔ گورنمنٹ لیاقت ماڈل ہائی سکول سہانہ
۴۹۔ گورنمنٹ ہائی سکول چک نمبر
۵۰۔ گورنمنٹ ہائی سکول مونگ
۵۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول چھموں
۵۲۔ گورنمنٹ ہائی سکول آہلہ
۵۳۔ گورنمنٹ ہائی سکول چھر نڈ
۵۴۔ گورنمنٹ ہائی سکول بارموسیٰ
۵۵۔ گورنمنٹ ہائر سکول ہکھی شریف
۵۶۔ گورنمنٹ اسلامیہ سکول مدھرے رتووال
۵۷۔ گورنمنٹ پبلک ہائی سکول میانوال رانجھا

Marfat.com

ضمیمہ۔۶ منڈی بہاؤالدین کے سرکاری تعلیمی ادارے

(زنانہ)

۱۔ گورنمنٹ ڈگری کالج فار گرلز منڈی بہاؤالدین
۲۔ گورنمنٹ گرلز انٹر کالج قادر آباد
۳۔ گورنمنٹ گرلز انٹر کالج فار وویمن پھالیہ
۴۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول منڈی بہاؤالدین
۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول ڈھوک نواں لوک
۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول مرالہ
۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چیلیانوالہ
۸۔ گورنمنٹ پبلک گرلز ہائی سکول منڈی بہاؤالدین
۹۔ گورنمنٹ میونسپل گرلز ہائی سکول منڈی بہاؤالدین
۱۰۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پھالیہ
۱۱۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول جوکالیاں
۱۲۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پاہڑیانوالہ
۱۳۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول دھیر کاں کلاں
۱۴۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول قادر آباد
۱۵۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کوٹ شیر محمد
۱۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول میانہ گوندل
۱۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول ملکوال
۱۸۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پنڈ مکو
۱۹۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول مونا ڈپو
۲۰۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول مانگٹ
۲۱۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سہنہ
۲۲۔ گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول مونگ

ضمیمہ۔۷ ضلع منڈی بہاؤالدین میں پرائیویٹ تعلیمی ادارے (زنانہ و مردانہ)

۱۔ مون کیڈٹ ماڈل سکول خورشید آباد
۲۔ شمع پبلک ماڈل سکول چیلیانوالہ
۳۔ رضا پبلک سکول چیلیانوالہ
۴۔ مصطفوی سائنس ماڈل سکول ڈھوک جوری
۵۔ ضیا ماڈل سکول مرالہ
۶۔ غزالی سکول سسٹم ہیلن
۷۔ عالمگیر جونیئر سکول پھالیہ
۸۔ فالکن ماڈل سکول پھالیہ
۹۔ لعل انجیل ماڈل سکول پھالیہ
۱۰۔ فرحان پبلک پرائمری سکول سیرے
۱۱۔ منور حسین پرائمری سکول سیدہ شریف
۱۲۔ ارشاد ماڈل سکول شانہ لوک
۱۳۔ ثاقب ماڈل سکول لکھن والا
۱۴۔ علی ماڈل سکول جھولانا
۱۵۔ مسلم آئیڈیل سکول فیض آباد
۱۶۔ بیکن ماڈل سکول واسو
۱۷۔ سرسید ماڈل سکول سوہاوہ ڈلوانہ
۱۸۔ صوفی علی محمد اکیڈمی احمد آباد
۱۹۔ پنجاب کیڈٹ ماڈل سکول کٹھیالہ شیخاں
۲۰۔ الفیصل ماڈل سکول میاں وال
۲۱۔ کامران پبلک سکول کٹھیالہ شیخاں
۲۲۔ علامہ اقبال مڈل سکول چوٹ دھیراں
۲۳۔ برائٹ فیوچر سکول ہربنس پورہ
۲۴۔ مسلم سینئر ماڈل مڈل سکول چک بسوانہ
۲۵۔ شاہین پبلک ماڈل مڈل سکول ڈافر
۲۶۔ بکرم ماڈل سکول گوجرہ
۲۷۔ کشمیر پبلک سکول لدھر
۲۸۔ بٹ انگلش گرامر سکول جوکالیاں
۲۹۔ تارڑ سپر جونیئر ماڈل مڈل سکول جوکالیاں
۳۰۔ فاروقی انگلش سکول رانیکا
۳۱۔ الحیات ماڈل سکول ہیلن
۳۲۔ ہاشمی ماڈل سکول گوجرہ
۳۳۔ پاسبان پبلک ہائی سکول واسو
۳۴۔ سرسید ماڈل بوائز ہائی سکول منڈی بہاؤالدین
۳۵۔ فاطمہ جناح سائنس ہائی سکول چک نمبر ۳۴
۳۶۔ ایم جے سائنس ہائی سکول چک نمبر ۴۳
۳۷۔ الہلال بوائز سیکنڈری سکول ملکوال
۳۸۔ غزالی پبلک ہائی سکول ملکوال
۳۹۔ مصطفائی سائنس ماڈل ہائی سیکنڈری سکول اڈا پاہڑیانوالہ
۴۰۔ بسم اللہ ایم حسین زمیندار ہائر سیکنڈری سکول لسوری
۴۱۔ رحمت اللعالمین ہائر سیکنڈری سکول چھوہرانوالہ
۴۲۔ مسلم ہائر سیکنڈری سکول رنسیکے
۴۳۔ چناب کیڈٹ ہائر سیکنڈری سکول جوکالیاں
۴۴۔ ٹرسٹ کالج آف کامرس منڈی بہاؤالدین
۴۵۔ جناح کالج آف کامرس جی ٹی ایس چوک منڈی بہاؤالدین
۴۶۔ عائشہ گرلز کالج ملوال
۴۷۔ پنجاب کمپیوٹر کالج منڈی بہاؤالدین
۴۸۔ نیشنل کالج آف کامرس منڈی بہاؤالدین

Marfat.com

ضمیمہ۔۸ سیداحمد خان کا سفرنامۂ پنجاب۔انجمن اسلامیہ گجرات کی جانب خطبہ استقبالیہ

ہم ممبران انجمن اسلامیہ گجرات کل ممبرانِ انجمن کی طرف سے نیابۃً خدمتِ اقدس میں نہایت عجز و انکسار سے اس ایڈریس کے پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔انجمن آپ کی ان تمام کوششوں کا' جو آپ ہمیشہ قوم کی اصلاح و بہبودی کے لیے فرماتے ہیں' تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے۔ہم خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر بجالاتے ہیں جس نے ایسے وقت میں' جب کہ قوم کی ناؤ ادبار کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی'علم سے ناآشنا تھی' تعصب کے دریا میں غرقاب تھی' آپ جیسے ناخدا کو اس کشتی کے گرداب سے نکالنے اور اہلِ کشتی کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے پیدا کیا۔ آپ کی ان مساعیِ جمیلہ نے ہماری مردہ قوم میں نیشنیلٹی کی ایک نئی جان ڈال دی۔ مدت سے مہذب قومیں ہم کو نیم وحشی اور نامہذب کہتی تھیں اور ہم ان کے ایسے الفاظ پر کچھ توجہ نہ کرتے تھے۔اب ہم سمجھتے لگے ہیں کہ ہم کس حالتِ ابتر میں پڑے تھے اور اس سے نکلنے کے کیا وسائل ہیں۔آپ نے نہ صرف وہ وسائل زبانی بتائے بلکہ نہایت احسن طور پر مہیا بھی کر دیے۔محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ آپ نے ایسا عالی شان دارالعلوم بنا دیا جس کو قوم کے لیے تمام ترقیوں کی بنا اور تمام کمالات کی بنیاد تصور کرنا چاہیے۔بالتخصیص ہم آپ کی ان مساعیِ جمیلہ کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری سمجھتے ہیں جو مذہب اسلام کے حقائق و معارف کے ظاہر کرنے میں دکھلائے ہیں۔ہم یہ بات بھول نہیں سکتے کہ ہماری قوم' جو حقیقت میں مختلف النسل قوموں کا مجموعہ ہے۔صرف مذہب اسلام کے ہی ذریعے مسلمانوں نے نہایت اعلیٰ درجے کی ترقی حاصل کی تھی اور اب اپنی بدبختی اور نالائقی کے سبب سے مذہب اسلام کو ایک ایسی چیز بنا دیا ہے جو بلا مبالغہ ہماری تمام خرابیوں کی جڑ اور تمام بدیوں کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔مگر آپ نے اپنی کمالِ تحقیق سے دنیا پر یہ بات روشن کر دی کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو علوم کی روشنی کا خوب مقابلہ کر سکتا ہے۔اگر نظرِ تحقیق سے دیکھا جائے تو علم سے' عقل سے' فطرت سے' تجربے سے اور ہر طرح سے سچا ہی سچا ہے۔اس بات میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے تمام تنزل و بربادی کا اصلی سبب صرف یہی تھا کہ ہم نے اپنی ناسمجھی سے مذہب و معاشرت کو' جو بالکل اور بالاستقلال علیحدہ علیحدہ شے ہیں' ایسا خلط ملط کر دیا تھا کہ ان میں کوئی تمیز باقی نہ رہی۔اور ایک سے نکلنا بغیر دوسرے سے خارج ہونے کے محض ناممکن ہو گیا۔جس سے کہ ترقی معاشرت کا رستہ بالکل مسدود ہو گیا۔اب یہ عقدہ اتنا صدہا برس کے بعد آپ نے ہی حل کر دکھلایا کہ جس سے ہم نے مذہب و معارت کو جدا جدا سمجھا' اور حدی' ''انتم اعلم'' کی رمز کے سمجھنے کے آپ ہی مصداق ہوئے' اور اسلام کے دریا کو اپنے اصلی بہاؤ پر لانے اور قوم کو اسی عروج و ترقی کے مدراج پر پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ہمارا شہر ایک چھوٹا سا شہر ہے اور بلحاظ علم و فضل کے اس قابل نہیں ہے کہ آپ کی بیش بہا قومی خدمات کی پورے طور سے قدر کر سکے۔یہ صرف آپ کی کوشش اور اسلام کی برکت ہے جو نورِ اسلام رفتہ رفتہ ہر چھوٹے بڑے شہر میں آفتاب کی روشنی کی طرح پھیلتا جاتا ہے۔آخر میں ہم اس ایڈریس کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آپ جیسے ہادیِ حقیقت' حامیِ قوم کا سایہ ہمارے سروں پر دیر تک قائم رکھے تاکہ نورِ اسلام آپ کی بدولت ملکوں' جنگلوں اور پہاڑوں میں پھیلے۔آمین' ثم آمین!''۔

شیخ غلام محمد سیکرٹری' شیخ فضل کریم اسسٹنٹ سیکرٹری' شیخ غلام حیدر ممبر' ماسٹر محمد عبدالعزیز ممبر' شیخ میراں بخش' چراغ دین' نور احمد' شیخ محبوب علی۔

سید صاحب کا جواب

''اے بزرگان و برادرانِ ساکنانِ گجرات

آپ نے جو اس دور دراز مقام سے سفر کر کے یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا کی اور ایک ایڈریس مجلسِ اسلامیہ گجرات کی طرف سے میرے سامنے پیش کی' اس کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔اس وقت جب کہ میں نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں سفر کیا تو لوگوں نے میری وہ عزت کی جس کے لائق میں نہ تھا۔مجھ کو ان ایڈریسوں سے' جو مختلف مقاموں میں مجھ کو دی گئیں' اور ان مہربانیوں سے' جو ہر ایک مقام کے بزرگوں نے میرے ساتھ کیں' بہت فخر حاصل ہوا ہے۔مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی اس ایڈریس سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے اور جو عزت اس کے پیش ہونے سے میں اپنی سمجھتا ہوں وہ ان سب سے زیادہ ہے۔اور مقاموں میں میرے معزز عالی درجہ دوست موجود تھے اور میں خیال کرتا تھا کہ جو کچھ ان مقاموں پر میری عزت کی گئی وہ صرف ان بزرگوں کی محبت اور عالی حوصلگی کے سبب سے ہوئی جنھوں نے ایک شیشے کے ریزے کو ہیرے کے مول پر خریدا۔لیکن گجرات ایک ایسا مقام ہے جس کے کسی شخص سے بھی میں واقف نہیں ہوں۔وہاں کے بزرگوں سے بجز اخوتِ اسلامی' جو بلاشبہ نہایت مستحکم رشتہ ہے' اور کسی طرح کا تعلق نہیں رہا ہے۔ہاں وہ میرے اس وجہ سے مخدوم ہیں کہ میں اپنے تئیں تمام قوم کے خادم ہونے کے لائق ہونا خدا سے مانگتا ہوں۔گو گجرات کے بزرگ میری آنکھ سے دور ہوں مگر میرے دل سے دور نہیں۔پس ایسے شہر سے' جس کے ساتھ ظاہری تعلقات نہیں ہیں' مجھ جیسے ناچیز کے لیے ایک ایڈریس کا آنا بلاشبہ نہایت عزت اور نہایت قدر اور سب ایڈریس پر ترجیح

Marfat.com

دینے کے لائق ہے۔ بھائیو! اس ایڈریس کے سننے سے ایک اور بھی خوشی مجھے ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے میری ناچیز تحریروں کو ایسا سمجھا ہے کہ جن سے اسلام کی حقیقی پاکیزگی ظاہر ہوتی ہے۔ بلاشبہ اسلام ایسا ہی پاک ہے اور خدا سے امید ہے کہ ہمارے دل میں جس درجہ کہ ہم اس کی اصلیت پر غور کریں گے تو اس کی پاکیزگی زیادہ منقش ہوتی جائے گی۔ مدت سے میں اس خیال میں تھا کہ ہماری قوم کی یہ حالت ہوگئی ہے جیسے ایک بند پانی۔ نہ اس میں اور کسی طرف سے پانی آتا ہے' نہ اس میں خود حرکت ہے۔ وہ روز بروز میلا اور گدلا ہوتا جاتا ہے۔ مگر آپ کے تشریف لانے اور اس ایڈریس کے پیش کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اب ایک جوش پیدا ہو گیا ہے اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان میں کچھ نقص ہے۔ اب ہر جگہ سے اس کی صدا آتی ہے کہ ہم کو کچھ کرنا چاہیے۔ یہ یقین مجھ کو آپ ہی کی ایڈریس نے دلایا ہے۔ اس لیے میں خدا کا اور آپ کا شکر ادا کرتا ہوں (چیرز)''۔

اس کارروائی میں بہت عرصہ گزرا اور ہال میں بسببِ ہجوم لوگوں کے سکوت بھی نہ تھا' اور اس قدر تکلیف کے بعد سید صاحب کسی طرح اس کو درستی سے ادا نہیں کر سکتے تھے' اس لیے سب دوستوں نے سید صاحب کو زیادہ تکلیف دینا پسند نہ کیا بلکہ خیال کیا کہ زیادہ محنت ان کے لیے مضرِ صحت ہوگی۔ آپس کی صلاح سے خان بہادر ڈاکٹر رحیم خاں صاحب آنریری سرجن اپنی کرسی پر سے اٹھے اور کہا کہ ہم لوگ یہ تجویز کرتے ہیں کہ سید صاحب نے جو اس وقت اس قدر محنت کی ہے اور متعدد ایڈریس کو ن کے بہت زور سے جواب دیے ہیں' وہ ضرور تھک گئے ہوں گے۔ اس امر پر غور کیا جائے اور اس لیے میں تحریک کرتا ہوں کہ اب کارروائی ختم کی جائے اور کوئی اور تکلیف کسی بیان یا لیکچر کی سید صاحب کو نہ دی جائے۔ غلام حسین صاحب اور خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب نے اس تحریک کی تائید کی اور بالاتفاق منظور ہوئی اور جلسہ برخاست ہوا۔ سید صاحب کو آج کے جلسے کا بغیر لیکچر کے ختم ہو جانے کا نہایت افسوس تھا۔ وہ نہایت شوق سے لاہور جیسے بڑے شہر میں لیکچر دینے کو تیار ہوئے تھے۔ وہ اس بات سے خوش تھے کہ مسلمانوں کی سوشل حالت اور انگریزوں کے ساتھ برتاؤ پر جو لیکچر وہ جالندھر میں دینا چاہتے تھے' اور وہاں نہ دیا گیا تھا' اس کو لاہور میں دیں گے کیوں کہ وہ مضمون لاہور جیسے بڑے شہر میں زیادہ مفید تھا۔ اور جو دوستانہ برتاؤ مسٹر پارکر صاحب نے کیا تھا وہ ایک عمدہ نظیر اس سبجیکٹ کے لیے ہاتھ آئی تھی۔ علاوہ اس کے اس دس برس کے زمانے میں جو پنجاب نے تعلیم میں اور ہر قسم کی باتوں میں ترقی کی ہے اس کی مبارک بادی گورنمنٹ پنجاب کو اور پنجاب کے لوگوں کو دینے والے تھے۔ مجھے کچھ شک نہیں ہے کہ سید صاحب کا ارادہ پنجاب یونیورسٹی کی نسبت بہت کچھ کہنے کا اور لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کا تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کو وہ کس طرح اپنے لیے زیادہ فائدہ رساں کر سکتے ہیں۔ پنجاب سے مراجعت کے وقت جالندھر کے لیکچر میں انھوں نے کچھ اشارہ اس کی نسبت کیا مگر لاہور میں اس پر بہت زیادہ تفصیل سے ضرور گفتگو کرتے۔ مجھ کو بخوبی معلوم تھا کہ سید صاحب کو لاہور میں لیکچر دینے کا کس قدر شوق تھا اور مجھ کو وہ مضامین بھی معلوم تھے جن پر وہ لیکچر دیتے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر پورا لیکچر' جیسا کہ سید صاحب کے دل میں تھا' دیا جاتا تو تین گھنٹے سے کم میں ہرگز ختم نہ ہوتا۔ بہرحال جو ہوا سو ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ تعلیمی اداروں کا ارتقاء' پروفیسر سید امتیاز حیدر شاہ مشمولہ عکس گجرات' گجرات' ۲۰۰۵ء

۲۔ خطوط فاروقیہ۔ مصنف اختر سعید فاروقی۔ لاہور 2005ء

۳۔ عکس گجرات' مرتب ارشد محمود رضا' گجرات رپورٹ' گجرات' ۲۰۰۵ء

۴۔ مجلہ شاہین' گورنمنٹ زمیندار کالج' گجرات (مختلف شمارے)

5- District Census Report of Mandi Bahaudddin: 1998, Population Census Organization, Statistics Division, Government of Pakistan, Islamabad, September 2000

- District Census Report of Gujrat:1998, Population Census Organization, Statistics Division, Government of Pakistan, Islamabad, September 2000

Marfat.com

تیرھواں باب

صحت کے ادارے اور ان سے متعلق شخصیات

Marfat.com

گجرات میں طبی سہولتوں کا اِرتقا

ڈاکٹر اظہر محمود چودھری، سابق ضلعی افسر صحت، گجرات

صحت اور بیماری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بیماری کی عدم موجودگی ہی کا دوسرا نام صحت ہے جو کہ جدید علم کی روشنی میں جسمانی، ذہنی، سماجی اور معاشی درستگی سے عبارت ہے۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی اور نشو و نما اس کے شہریوں کی صحت عامہ میں منعکس ہوتی ہے۔ صحت مند معاشرے میں ہی زندگی کے بارے میں مثبت رجحانات اور قابلِ رشک میلانات پرورش پا سکتے ہیں۔

نسل انسانی کی ابتداء سے لے کر مختلف ادوار میں مختلف النوع امراض انسانی معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لیتے رہے۔ ابتدائی دور کا انسان ان کو گناہوں کی شامت، بھوت پریت کے اثرات یا دیوتاؤں کا قہر سمجھ کر خوفزدہ ہوتا رہا۔ علاج کے سلسلے میں کئی حیلے اور چارے ہوتے تھے۔ تعویز گنڈے اور دیوتاؤں کے بلیدان کے علاوہ بیماریوں کے مشاہدے نے علم الابدان اور علم الادویات جیسے علوم انسان کو ودیعت کیے۔ ہندوستان میں آیورویدک، یونان میں طب یونانی اور مصر، بابل اور چین میں وہاں کے ماحول کے مطابق علاج کے نظام فروغ پذیر رہے۔ برصغیر ہند و پاک میں زمانہ قدیم سے سِدھا اور آیورویدک نظام موجود تھے پھر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے ساتھ یہاں پر وسط ایشیا اور ایران سے طب یونانی پر عمل پیرا حکماء بھی آ کر آباد ہو گئے جنھیں سرکاری سرپرستی حاصل رہی اور بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں شفاخانے بھی کھولے گئے۔ آیورویدک، سدھا، طب یونانی، جوگ، سنیاس اور بایو کیمک ساتھ ساتھ چلتے رہے البتہ انگریزوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد ایلوپیتھک نظام علاج ہی ان کی ساری عملداری میں نافذ ہو گیا جس کا ارتقاء تو طب یونانی سے ہی ہوا تھا لیکن جراثیمی نظریہ اور انٹی بائیوٹک ادویات کی ایجاد نے اسے مقبولیت اور کامیابی کی نئی جہتوں سے روشناس کیا۔ اس کے علاوہ جرمنی سے برآمد شدہ ہومیوپیتھی طریقہ علاج نے بھی یہاں اپنی جگہ بنائی۔

قیامِ پاکستان سے قبل کا گجرات صحت وصفائی اور طبی سہولیات کے لحاظ سے انتہائی پس ماندہ تھا۔ زیادہ تر لوگ بیماریوں کے علاج کے لیے ویدوں، عاملوں، حکیموں اور پیروں سے رجوع کرتے تھے۔ سرکاری طور پر گجرات شہر کی واحد علاج گاہ سول ہسپتال تھا جو کہ موجودہ میٹرنٹی ہسپتال کے ساتھ ملحقہ بوڑھ والی عمارت میں تھا۔ اس کے وارڈ زاب بھی جوں کے توں ہیں۔ اس کا انچارج سول سرجن کہلاتا تھا جو بیک وقت ایم۔ ایس اور ڈی۔ ایچ۔ او کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر اور کچھ پیرا میڈیکل سٹاف موجود تھا۔ بڑے قصبوں میں سول ڈسپنسریاں موجود تھیں جیسے لالہ موسیٰ، کھاریاں، ڈنگہ، کنجاہ، منگووال، ٹانڈہ، جلالپور جٹاں، کڑیانوالہ، کوٹلہ ارب علی خاں، بوتھی راجگان اور کھوہار (گرلز سکول والی جگہ) میں ان کو ہسپتال بھی کہہ دیا جاتا تھا لیکن ان میں صرف شعبہ بیرونی مریضاں قائم تھا، داخلے کی سہولت دستیاب نہیں تھی۔

گورنمنٹ سیکٹر کے علاوہ مشنری اداروں نے اپنے زیرِ انتظام ہسپتال قائم کر رکھے تھے جن میں مشن ہسپتال گجرات اور مشن ہسپتال جلالپور جٹاں قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں چرچ آف سکاٹ لینڈ سے وابستہ تھے۔ مشن ہسپتال جلالپور جٹاں نے دکھی انسانیت کی خدمت میں بہت نام کمایا۔ یہ 1889ء میں قائم ہوا۔ ڈاکٹر سکنر کا نام ایک کرشماتی شخصیت کی حیثیت سے عوام الناس کے ذہنوں پر نقش ہے۔ وہ مشن ہسپتال جلالپور جٹاں کے انچارج تھے، بڑے ماہر اور نامور سرجن تھے اور میو ہسپتال کے علاوہ پنجاب بھر میں واحد ایف۔ آر۔ سی۔ ایس تھے۔ یہ ہسپتال اب شیلوخ ہسپتال کے نام سے خدمت اور عظمت کے نشان کے طور پر قائم ودائم ہے۔ مشن ہسپتال گجرات فوارہ چوک کے نزدیک واقع تھا۔ یہاں صرف خواتین کے امراض کا علاج ہوتا تھا۔ ڈاکٹر ملنے، ڈاکٹر ورکی، ڈاکٹر وی آرٹی کر اور ڈاکٹر بدھ سنگھ جیسی قابل احترام ہستیاں یہاں پر تعینات تھیں۔ یہ ہسپتال 1965ء تک چلا بعد ازاں یہیں پر سردار خاں ٹرسٹ ہسپتال قائم ہوا۔

تقسیم وطن سے پہلے گجرات شہر میں پرائیویٹ سیکٹرز میں بھی کچھ کلینک موجود تھے جن کا تذکرہ کرنا ریکارڈ کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ترلوک ناتھ (شیشیاں والا دروازہ) اور ڈاکٹر سرداری لال بازار صرافہ میں پریکٹس کرتے تھے۔ ڈاکٹر بشارت اللہ کا کلینک کالری دروازہ میں جبکہ ڈاکٹر میجر محمد اسلم کھوکھر شادولہ روڈ پر پریکٹس کرتے تھے۔

گجرات شہر کا واحد ایکسرے کلینک مشن ہائی سکول کے تقریباً سامنے تھا جس کے مالک ڈاکٹر بودھ راج تھے۔ اسی طرح ڈاکٹر موہن ڈینٹسٹ تھے اور گورنمنٹ گرلز ہائی سکول غریب پورہ کے سامنے کلینک رکھتے تھے۔

ڈاکٹر برجیس محمود قریشی کے والد گرامی ڈاکٹر خورشید قریشی کا کلینک پرنس ہوٹل نزد شیشیانوالہ دروازہ کے نیچے تھا۔ بعد ازاں وہ امرتسر چلے گئے۔ پاکستان بننے کے بعد انھوں نے کچھ ذاتی وجوہ یا میلان کی بنا پر ہومیوپیتھی میں پریکٹس اختیار کر لی اور بازار صرافہ میں سرداری لال (1947ء میں بھارت چلے گئے تھے) کے کلینک والی جگہ پر اپنا ہومیوپیتھی کلینک بنایا۔ 1947ء میں ہندو ڈاکٹرز بھارت سدھار گئے تو ان کی کمی کو مسلمان ڈاکٹرز نے پورا کیا۔

Marfat.com

بڑھتی ہوئی آبادی اور معاشرتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت نے کچھ نئے ہسپتال بنائے۔ سول ہسپتال کی جگہ گجرات کے شمال میں بھمبر روڈ پر ایک وسیع قطعہ اراضی پر ایک بڑے ہسپتال کی تعمیر شروع ہوئی۔ 1961ء سے 1964ء تک یہ چار سال میں مکمل ہوا جسے گجرات کے نامور سپوت اور 1965ء کی جنگ کے شہید اور نشان حیدر یافتہ میجر عزیز بھٹی شہید کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسی طرح کھاریاں میں بھی شہر کے شمال میں تھپلہ گاؤں کے نزدیک جی ٹی روڈ پر تحصیل ہسپتال بنایا گیا۔ لالہ موسیٰ میں دیہی مرکز صحت لالہ موسیٰ کی تعمیر بھی اس دور کی یادگار ہے۔

1980ء کی دہائی میں جب نئے قائم شدہ میڈیکل کالجز سے کثیر تعداد میں نئے ڈاکٹرز کی آمد سے معاشرہ میں گہما گہمی ہوئی تو نئے پرائمری ہیلتھ سنٹرز اور بنیادی مراکز صحت بنانے کی پالیسی وضع کی گئی۔ اب ہر دیہی یونین کونسل کی سطح پر ایک بنیادی مرکز صحت قائم کیا گیا اور تقریباً ہر تھانہ یا مرکز کی سطح پر دیہی مراکز صحت (پرائمری ہیلتھ سنٹر) قائم ہوئے۔ اس لحاظ سے اس وقت گجرات بھر میں 89 بنیادی مراکز صحت ہیں۔ کچھ خوش قسمت یونین کونسلز ایسی بھی ہیں جہاں کے بااثر افراد نے ارباب اقتدار پر زور ڈال کر اپنے علاقے میں دو دو بنیادی مراکز صحت بنوالیے۔ البتہ اس وقت چار یونین کونسلز اس سہولت سے محروم ہیں جن میں ٹھیکریاں، لنگے، وڑائچاں والہ اور بھگوال شامل ہیں۔ تاحال ضلع بھر میں نو دیہی مراکز صحت ہیں جو کہ لالہ موسیٰ، ملکہ، پنڈی سلطان پور، ڈنگہ، کنجاہ، شادیوال، دولت نگر، ٹانڈہ اور سرائے عالمگیر میں ہیں۔ یہ اقامتی ادارے ہیں اور ہر ایک کی بستر گنجائش بیس ہے۔ ادھر چوبیس گھنٹے خدمت مہیا کی جاتی ہے۔ جلالپور جٹاں میں قائم 20 بستری سول ہسپتال اس علاقہ کے مریضوں کے علاج معالجے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ان کے علاوہ گجرات شہر، منگووال غربی اور ڈنگہ میں ایک ایک زنانہ ہسپتال ہے جہاں عورتوں کے امراض کا علاج بہم پہنچایا جاتا ہے۔ ان سب کی بستر گنجائش بھی بیس ہے اور یہاں سرجری کی سہولت بھی دستیاب ہے۔ ایسے ہی دو زنانہ ہسپتال لالہ موسیٰ اور ٹانڈہ میں تکمیل کے مراحل طے کر کے محکمہ صحت گجرات کی سپرداری میں آچکے ہیں۔ عملہ کے حصول کے بعد ان کا افتتاح بہت جلد متوقع ہے۔ یہی درجہ ٹراما سنٹر لالہ موسیٰ کا ہے جو کہ جلد ہی شروع ہوا چاہتا ہے۔ کوٹلہ ارب علی خاں میں بھی 20 بستری ہسپتال کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے صرف افتتاحی مراحل باقی ہیں۔

کھاریاں کا تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال ابھی تک 40 بستر کا ہے تاہم حالیہ جاری توسیع کے بعد اس کی بستر گنجائش 70 ہو جائے گی جس کے ساتھ اس کا درجہ بھی بلند ہوگا۔ 25 کے لگ بھگ رہائشیں تعمیر ہونے کے ساتھ اس ہسپتال میں ڈاکٹرز اور دیگر عملہ کی اقامتی گنجائش میں بھی اضافہ ہوگا۔

سرائے عالمگیر میں نہر اپر جہلم کے کنارے موضع چک جانی کے قریب ایک 40 بستری تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال کی تعمیر کی منظوری بھی ہو چکی ہے۔ اسی طرح لالہ موسیٰ میں پڑاؤ میدان میں واقع سول ہسپتال (ڈسپنسری) تعمیر نو، توسیع اور درجہ فرازی کی حکومتی منظوری کے بعد اب 40 بستری ہسپتال (T.H.Q. Level) کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ تعمیراتی کام شروع ہے اور تقریباً 20 کروڑ کی لاگت سے تکمیل کے مراحل طے کرنے کے بعد یہ ادارہ علاقہ کے لاکھوں لوگوں کے امراض کو شفایابی سے ہمکنار کرے گا۔ ایک ہی احاطے میں 40 بستری سول ہسپتال اور 20 بستری میٹرنٹی ہسپتال کی ہم نشینی لالہ موسیٰ اور گردونواح کے عوام کے لیے انتہائی نیک فال ہے۔

عزیز بھٹی شہید ہسپتال توسیع اور ترقی کے بعد ایک جدید اور شاندار ہسپتال کے طور پر ابھر رہا ہے جو ضلع گجرات کے 23 لاکھ عوام کو تشخیص، علاج و معالجہ اور دیگر سہولیات بہم پہنچانے کے علاوہ ضلع منڈی بہاؤالدین، وزیر آباد اور آزاد کشمیر کے ملحقہ علاقوں کے غریب و نادار مریضوں کے لیے بھی امید کی روشن کرن ہے۔ تادم تحریر اس کی بستر گنجائش 352 ہے۔ اس میں 23 مختلف شعبے قائم ہیں جسے 82 کے لگ بھگ انتہائی تعلیم یافتہ، ماہر اور مستند ڈاکٹر صاحبان انتہائی جانفشانی، محنت اور احساس ذمہ داری سے چلا رہے ہیں۔ کام توقع اور ضرورت کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحبان کی تعداد کم ہے۔ بہت سی اسامیاں خالی پڑی ہیں۔ ڈاکٹرز کی تعیناتی میں عدم دلچسپی کا باعث کچھ سرکاری پالیسیاں ہیں۔ چونکہ دیہی علاقوں میں کام کرنے والے ڈاکٹرز کو وظیفہ شعبۂ صحت (ہیلتھ سیکٹر الاؤنس) بھی ملتا ہے لہٰذا وہ ادھر تعیناتی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تنخواہوں اور مشاہروں میں اس تفاوت اور دو عملی کو دور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

عزیز بھٹی شہید ہسپتال میں سالانہ ڈھائی سے پونے تین لاکھ مریض اپنی تکالیف اور امراض کے مداوا کے لیے رجوع کرتے ہیں جبکہ ایمرجنسی کے شعبہ میں اوسطاً 32 ہزار افراد فلاح پاتے ہیں۔ اسی طرح تقریباً چھ افراد سالانہ اس ہسپتال سے آپریشن کی سہولت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ آج کل یہاں ڈاکٹر نصرت ریاض چودھری میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تعینات ہیں اور انتہائی فرض شناسی، جانفشانی اور جوش و جذبہ سے اس اہم ادارہ کو چلا رہے ہیں۔

فروری 1997ء میں باقی پنجاب کی طرح ہر ضلع کی سطح پر ضلعی ترقیاتی ادارہ برائے صحت کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے دفاتر عزیز بھٹی ہسپتال کے احاطہ میں واقع ہیں۔ ڈاکٹرز، میڈیکل ٹیکنیشنز اور دیگر عملے کی ٹریننگ ورکشاپس، لیکچرز کا اہتمام اور معلوماتی مذاکروں کا انعقاد اس کے مقاصد میں شامل ہے۔ یہ ادارہ ضلع بھر میں صحت سے متعلق مختلف سرگرمیوں کو مربوط کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی اس کے ڈائریکٹر ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ضلعی کوارڈینیٹر وزیر اعظم نیشنل

Marfat.com

پروگرام بھی ہیں۔ انتہائی متحرک' فرض شناس' انتھک اور ضلعی ہیلتھ ٹیم کے اہم رکن ہیں۔

2000ء میں بلدیاتی انتخابات اور ضلعی ناظم کے عہدہ کی تخلیق اور اختیارات کی ضلعی سطح پر منتقلی کے بعد ڈویژنل سطح پر ڈائریکٹر ہیلتھ کا عہدہ ختم کر دیا گیا اور ضلعی سطح پر ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر کی پوسٹ قائم کی گئی۔ضلعی حکومت نے عزیز بھٹی ہسپتال کی توسیع وترقی' دیہی مراکز صحت اور بنیادی مراکز صحت کی اپ گریڈیشن پر کروڑوں روپے خرچ کیے۔ کچھ اہم بنیادی مراکز صحت کو اپ گریڈ کر کے ان میں کلینیکل لیبارٹری' ایمرجنسی روم اور لیبر روم کی سہولت فراہم کی گئی۔

آج کل ای۔ڈی۔او ہیلتھ ڈاکٹر منیر احمد ہیں جو کہ بنیادی طور پر معروف پیتھالوجسٹ ہیں۔ آبائی تعلق کنجاہ کے مردم خیز خطہ سے ہے۔ان کی ذاتی توجہ سے گجرات کے بہت سے بنیادی مراکز صحت میں مرمت اور تزئین و آرائش کے امور انجام پذیر ہوئے اور بہت سی نئی فلاحی تنظیمیں (کمیونٹی سٹیزن بورڈز) وجود میں آئیں لہٰذا اب ہر بنیادی مرکز صحت کی سطح پر مفت زچگی کی سہولت موجود ہے۔ دیہی مراکز صحت میں تو خیر 24 گھنٹے یہ سہولت دستیاب ہے۔ان سب اداروں میں مسابقت اور بہت کارکردگی دکھانے کا جذبہ بہر حال موجود ہے۔

گیارہ سال قبل گجرات نرسنگ سکول کا قیام عمل میں لایا گیا جو کہ ترقی کی جانب ایک اہم قدم تھا۔ 4 سالہ کورس ہے' ایک کلاس میں 30 طالبات ہیں۔اس کی کارکردگی انتہائی حوصلہ افزاء ہے۔اس سے پہلے عزیز بھٹی ہسپتال میں ایک سالہ مڈوائفری کورس اور اسی دورانیہ کا ڈسپنسر کورس بھی اس کے قیام سے ہی چل رہے تھے۔ ڈسپنسر کورس تو اب بھی کامیابی سے چل رہا ہے جبکہ ایک سالہ مڈوائفری کورس کی جگہ اب کمیونٹی مڈوائفری سکول نے لے لی ہے۔ اسے وجود میں آئے اب دو سال ہو چکے ہیں۔ یہاں پس ماندہ یونین کونسلز کی بچیوں کو داخلہ دیا جاتا ہے اور وظیفے کے علاوہ اقامتی سہولت بھی مہیا کی جاتی ہے۔ یہ ایم این سی ایچ پروگرام کے تحت بنا ہے۔جس کے ضلعی انچارج ڈاکٹر لیاقت علی خان ہیں۔ کچھ سال قبل تک میڈیکل ٹیکنیشن کی ٹریننگ کلاس بھی ہوتی رہی اور ایک سیشن میڈیکل اسسٹنٹ کے کورس کا بھی چلا تھا۔ ان سب کورسز اور ٹریننگ پروگرامز نے پڑھے لکھے افراد کی بہت بڑی کھیپ تیار کرنے میں مدد دی جو کہ مختلف افراد کے علاج معالجہ اور مریضوں کی دیکھ بھال میں انتہائی ممد ومعاون ثابت ہو رہے ہیں۔

2010ء میں پیرا میڈیکل سکول گجرات کی منظوری اور عزیز بھٹی شہید ہسپتال کے ایک کونے میں اس کی شاندار عمارت کی تعمیر کا آغاز بھی نہایت خوش آئند ہے کیونکہ اس سکول کے اجراء سے میڈیکل کے شعبے میں تکنیکی عملے از قسم لیبارٹری ٹیکنیشن' ایکسرے ٹیکنیشن' ای سی جی ٹیکنیشن' او ٹی اسسٹنٹ وغیرہ کی تعلیم وتربیت کا باقاعدہ آغاز ہوگا اور یہاں سے فارغ التحصیل ہنرمندوں کی دستیابی سے سرکاری اور نجی شعبوں میں تشخیص اور علاج کا معیار بلند ہوگا۔

گجرات میں طبی سہولتوں کی بہتری کی طرف انتہائی مبارک قدم گزشتہ سال نواز شریف میڈیکل کالج کا قیام ہے جس پر اہلِ گجرات جتنی بھی خوشی اور شادمانی کا اظہار کریں کم ہے۔اس کی پہلی کلاس 13 اپریل 2009ء کو یونیورسٹی آف گجرات کے ایک بلاک میں شروع ہوئی۔ ایک سال میں ہی اس کے طلباء نے انتہائی قابل تحسین تعلیمی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے 30 سے زیادہ ڈسٹنکشنز حاصل کیں اور پنجاب بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ یہاں کے تعلیمی اور تدریسی معیار کو اعلیٰ حکام کی طرف سے تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا اور 2010ء سے اس کی نشستوں کی تعداد پچاس سے بڑھا کر سو کر دی گئی۔ یقیناً اس کالج کی ترقی سے گجرات کے عوام کو تشخیص اور علاج معالجہ کی جدید اور بہتر سہولتیں میسر ہوں گی۔

ان کے علاوہ محکمہ صحت گجرات کے ای پی آئی' ایم این سی ایچ اور ٹی بی ڈاٹ پروگرامز کی بدولت عوام الناس کی صحت اور قوتِ مدافعت میں بہت بہتری آئی ہے جبکہ تعلیم صحت کے مذاکروں سے ماؤں اور دیگر افرادِ معاشرہ کا حفظانِ صحت کا شعور بلند ہوا ہے۔سکول ہیلتھ پروگرام میں انتہائی تعلیم یافتہ افراد کی بطور نیوٹریشن سپروائزرز تعیناتی سے اور ٹیچرز کی تربیت اور معاونت سے بچوں میں مہلک اور نقصان دہ امراض کی روک تھام میں کافی مدد ملی ہے۔

محکمہ صحت کے علاوہ بھی کچھ سرکاری محکمے ہیں جو کہ اپنے ملازمین' متعلقین یا دوسرے مریضوں کو علاج کی سہولتیں بہم پہنچانے میں پیش پیش ہیں۔ان میں سب سے اہم اور قابل ذکر سوشل سکیورٹی ڈیپارٹمنٹ ہے جو کہ مختلف صنعتی اداروں میں کام کرنے والے مزدوروں کی صحت اور علاج معالجہ کا ضامن ہے۔ان کا ایک ہسپتال سروس موڑ جی ٹی روڈ پر واقع ہے جب کہ حال ہی میں جی ٹی روڈ پر کالرہ کے نزدیک ایک بڑے ہسپتال کا اضافہ ہوا ہے۔فوجی فاؤنڈیشن کی طرف سے تعینات ڈاکٹرز صرف او پی ڈی کی بنیاد پر مریضوں کا علاج کرتے ہیں جب کہ واپڈا کا ایک چھوٹا سا ہسپتال سرگودھا روڈ پر موجود ہے جس سے ان کے ملازمین استفادہ کرتے ہیں۔ پی ٹی سی ایل' محکمہ سوئی گیس اور مختلف بینک اپنے ملازمین اور ان کے اہل خانہ کو علاج کے سلسلہ میں مالی تعاون اور دیگر سہولتوں سے نوازتے ہیں۔اس سلسلہ میں انجمن بہبودیِ مریضاں عزیز بھٹی شہید ہسپتال اور انجمن بہبودیِ مریضاں لالہ موسیٰ (آر۔ایچ۔سی) خواجگان ٹرسٹ ہسپتال' فری ڈسپنسری انجمن کشمیریاں اور واحد ٹرسٹ ہسپتال گجرات کا مریضوں سے تعاون اور ادویات کی مفت

Marfat.com

فراہمی بھی انتہائی اہم اور حوصلہ افزاء ہے۔

پرائیویٹ اسپتالوں کا تعارف

تجربہ کار' مستند اور ماہر ڈاکٹرز کی ایک بہت بڑی تعداد نجی شعبے میں طبی خدمات سرانجام دینے میں مصروف عمل ہے جس کے نتیجے میں نجی شعبہ بہت بڑھا' پھولا اور اس کی حیران کن حد تک نشو ونما ہوئی۔ بہت سی خوبصورت' پرشکوہ اور جاذب نظر عمارات اس شعبے نے گجرات کو دی ہیں۔ گجرات اور اردگرد کے خواص اور صاحب استطاعت افراد کو علاج معالجے' تشخیص اور موذی امراض کی نوعیت کے ادراک کی سہولتیں صحت کے نجی شعبے کے توسط سے ملی ہیں۔ پرائیویٹ ہسپتالوں نے علاقے کے دکھ درد کم کرنے اور ان کی تکالیف کا مداوا کرنے میں سرکاری شعبے کا ہاتھ بٹایا ہے اور سرکاری ہسپتالوں کا بوجھ کم کر کے انھوں نے غریب اور نادار مریضوں کی براہ راست مدد کی ہے۔ گجرات کے بہت سے ہسپتال ظاہری حسن میں لاہور اور اسلام آباد کے ہسپتالوں کو شرماتے ہیں۔ ان میں قائم مختلف شعبہ جات اور تشخیصی سہولتیں ایک ہی چھت کے نیچے بہت سے مسائل کا حل پیش کر دیتے ہیں اس لیے تو لاہور کے رسیا بہت سے سپیشلسٹ ڈاکٹر صاحبان ان ہسپتالوں کا نظارہ دیکھ کر فوراً لاہور چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

ضلع گجرات میں اللہ داد چیمہ ہسپتال' پولی کلینک ہسپتال' فیملی ہسپتال' حیدر ہسپتال' چناب ہسپتال' پنجاب میڈیکل سنٹر' بٹ ہسپتال' فاطمہ ہسپتال' مرزا حبیب ہسپتال' سکن سنٹر بھمبر روڈ گجرات' مریم ہسپتال' شیرازی ہسپتال' عمر ارشد ہسپتال' جناح ہسپتال' سٹی ہسپتال (گجرات وجلالپور جٹاں)' شریف میموریل ہسپتال جلالپور جٹاں' خلیل ہسپتال' نثار ہسپتال (لالہ موسیٰ)' سلطان ہڈی جوڑ ہسپتال پنجن کسانہ' عامر جاوید میڈیکل کمپلیکس ڈنگہ' امانت ہسپتال کوٹلہ' طالب ہسپتال کنجاہ' فاضل ہسپتال کنجاہ' اقبال میموریل ہسپتال منڈیر' عمر ہسپتال گلیانہ اور امتیاز ہسپتال گلیانہ کا قیام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ چند ایک تعارف یہاں پیش کیا جا رہا ہے جسے محض بطور مثال ہی سمجھا جائے ۔ یہ فہرست الفبائی ترتیب سے ہے۔

خضر اسپتال

کھاریاں ڈنگہ روڈ حقیقہ چوک پر واقع جدید ترین سہولیات سے مزین نو تعمیر شدہ خوبصورت خضر ہاسپٹل کے چیف ایگزیکٹو ڈاکٹر خضر حیات کھاریاں کے نواحی گاؤں حقیقہ کے معروف خاندان ۲۱ جنوری ۱۹۵۹ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک ایف جی سکول کھاریاں کینٹ FSc فیڈرل گورنمنٹ کالج کھاریاں سے امتیازی حیثیت میں پاس کر کے سکالرشپ کے ذریعے ۱۹۸۴ میں قاہرہ یونیورسٹی مصر سے MBBS کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۹۰ میں رائل کالج آف فزیشن اینڈ سرجن ڈبلن انگلینڈ اور نیشنل یونیورسٹی آئیر لینڈ سے چائیلڈ سپیشلسٹ کی تعلیم حاصل کی پبلک سروس کمیشن گورنمنٹ آف پنجاب میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۹۷ء سے تحصیل ہیڈکوارٹر ہاسپٹل کھاریاں میں پریکٹس جاری رکھی۔

اپنے گاؤں کے قریب پسماندہ علاقہ میں مارچ ۲۰۰۱ء کو جدید ہاسپٹل قائم کر کے مٹی کا قرض چکانے کی سعی کی۔ ۲۰ بستروں کے اس جدید ہاسپٹل میں میڈیکل، سرجن، آنکھ، ENT، گائینی، کارڈیالوجی، فیزیالوجی، جدید لیبارٹری کے علاوہ ایکسرے ECG الٹرا ساؤنڈ اور آپریشن تھیٹر کی سہولیات بھی موجود ہیں۔ علاقہ کے اس اہم ہسپتال سے کم از کم ایک سو مریض روزانہ مستفید ہوتے ہیں۔

سٹی ہسپتال

چوہدری افضال تقریباً ۲۰ برس جناح ہسپتال کے نام سے عوام کو صحت کی سہولیات فراہم کرنے کے بعد سٹی ہسپتال کے نام سے ایک جدید ترین سہولیات سے آراستہ نئے خوبصورت ہسپتال کا آغاز کیا ہے ان کا نام اور اچھی شہرت بھی ان کے ساتھ ہے جس سے عوام کو علاج معالجہ کی بہتر سہولیات دستیاب ہوں گی۔

عامر جاوید میڈیکل کمپلیکس ڈنگہ

چوہدری جاوید اقبال کا تعلق ضلع گجرات کی تحصیل کھاریاں کے گاؤں امرہ کلاں سے ہے۔ وہ اگرچہ ڈاکٹر نہیں ہیں لیکن عامر جاوید میڈیکل کمپلیکس کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔ یہ کمپلیکس علاقے کے تقریباً پچاسی دیہات کو طبی سہولیات بہم پہنچا کر دکھی انسانیت کی راحت کا وسیلہ بنا ہوا ہے۔ جسے مزید بہتر بنانے کے لیے جدید مشنری کے علاوہ موجودہ سو بستروں کی سہولت کو ایک سو پینتیس تک توسیع دینے کا منصوبہ ہے تاکہ موودہ اور مستقبل قریب کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

چوہدری جاوید اقبال ایک مخیر شخص ہیں آج تک انھوں نے ہسپتال کے لیے چندہ تک جمع نہیں کیا ہے مگر ان کے خیال میں دور جدید کی ضرورت جدید ضروریات مشینری مثلاً سی ٹی سکین مشین، ایکسرے پلانٹ، ای سی جی، الٹرا ساؤنڈ اور دیگر اوزار سرجری بشمول کم از کم چار ایمبولینسوں کی اشد ضرورت ہے چونکہ واحد ایمبولینس موجودہ وقت کے لی ناکافی ہے۔ چوہدری جاوید اقبال نے دوسرے علاقوں سے ڈاکٹرز کو اس کمپلیکس کی طرف راغب کرنے کے لیے مناسب رہائشی سہولیات بھی بہم پہنچائی ہیں۔ اب اللہ کے فضل سے تقریباً تمام اسپشلسٹ ڈاکٹرز اپنی خدمات سرانجام دے رہے

Marfat.com

ہیں۔علاوہ ازیں میڈیکل کیمپ بھی باقاعدگی سے لگائے جا رہے ہیں۔حال ہی میں آنکھوں کا کیمپ لگایا گیا ہے۔جس میں تقریباً سو کے قریب مفت آپریشن کیے گئے ہیں۔کمپلیکس میں پیرامیڈیکل اسٹاف بھی بھرپور انداز میں مریضوں کی خدمات پر مامور ہے۔عامر جاوید میڈیکل کمپلیکس درحقیقت چودھری جاوید کے خوابوں کی تعبیر ہے۔جسے انھوں نے جذبہ مشنری کے تحت قائم کیا ہے اور مستقبل میں اس کی ترقی اور بہتر معیاری اعلیٰ کارگردگی کے خواہاں ہیں۔

فیملی ہسپتال

ڈاکٹر مبین ملک کارڈیالوجسٹ اینڈ میڈیکل ڈائریکٹر آف فیملی ہسپتال اینڈ ہارٹ کلینک کا شمار ضلع کے مستند اور قابل ترین ماہرین امراض قلب میں ہوتا ہے جن پر عوام اندھا دھند اعتماد کرتے ہیں ان کی پیشہ وانہ خوبیوں' قابلیتوں اور حسن اخلاق کی وجہ سے دور دراز سے لوگ علاج معالجے کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے لاعلاج مریض ان سے شفایاب ہو کر صحت مند اور مکمل زندگی گزار رہے ہیں۔

آپ نے ایم بی بی ایس کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ۱۹۸۴ء میں امتیازی نمبروں سے مکمل کیا اور اس کے بعد شعبہ کارڈیالوجی میں Heart and Lung Institute,University of London سے سپشلائزیشن کی۔ پھر آپ نے وطن واپس آکر دکھی انسانیت اور اہل علاقہ کی خدمت کے لیے جی ٹی روڈ کھاریاں کے قریب پنجن کسان میں نوتعمیر شدہ جدید ترین ٹیکنالوجی اور سہولیات سے آراستہ فیملی ہسپتال اور ہارٹ کلینک کی بنیاد رکھی جس میں آپریشن تھیٹر، سی سی یو، ٹی سی یو، الٹراساؤنڈ اور ایکو کارڈوگرافی جیسے ٹیسٹوں کی سہولت میسر ہیں۔ان جدید آلات اور ٹیکنالوجی کی مدد سے اس ہسپتال شعبہ کارڈیالوجی، جنرل سرجری اور گائنی گالوجی کے شعبہ جات دن رات دکھی انسانیت کی مسیحائی کا کام کر رہے ہیں۔

صحت سے متعلقہ سماجی وفلاحی ادارے

سماجی اور فلاحی اداروں کا قیام بھی عوام الناس کو مفت علاج کی سہولتیں مہیا کرنے کے سلسلے میں مثالی اور قابل رشک رہا ہے۔اس ضمن میں انجمن بہبودی مریضاں عزیز بھٹی شہید ہسپتال کا وجود روشن مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔شہر کے مخیّر صنعت کاروں اور دردمند دل رکھنے والے تاجر اور دیگر کاروباری حضرات کا مالی اور عملی تعاون اس تنظیم کو حاصل ہے بیرون ممالک میں قیام پذیر صاحب استطاعت پاکستانی انجمن بہبودی مریضاں کو دل کھول کر عطیات پیش کرتے ہیں جو کہ ہزاروں مستحق غریب اور نادار مریضوں کے علاج پر خرچ کیے جاتے ہیں۔

انجمن تپ دق وارڈ میں داخل مریضوں کے لیے سامان خورد نوش کا انتظام بھی کرتی ہے اس کے سرپرست میاں رشید پگانوالہ اس کے صدر میاں اعجاز (جی ایک سی فین) سینئر نائب صدر چودھری سلیم (اختر ناظم) اور جنرل سیکرٹری جاوید بٹ کی کاوشیں قابل ستائش ہیں۔

کچھ صنعتکاروں نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے غریب لوگوں کے لیے ویلفیئر ہسپتال قائم کیے جو کہ اپنی اپنی سطح پر دکھی انسانیت کی بہت مدد کر رہے ہیں۔ ان میں واحد ٹرسٹ ہسپتال (پاک فین)، بشر ہسپتال (ڈیسنٹ ویلفیئر سوسائٹی)، الرائی ہسپتال، چودھری محمد حسین نذر محمد میموریل ہسپتال (بھمبر روڈ سروس انڈسٹریز) کے نام قابل ذکر ہیں۔

گجرات میں ایلوپیتھی کے علاوہ ہومیوپیتھی کے بھی بہت سے کلینک موجود ہیں بلکہ عزیز بھٹی شہید ہسپتال میں بھی ہومیوپیتھی کا شعبہ موجود ہے یعنی عوام الناس اپنی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں کسی بھی طریقہ علاج سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

گجرات میں تقریباً ۳ کے لگ بھگ ہومیو پیتھک کالج بھی بن چکے ہیں تاہم ایک تو طالبعلموں کی اکثریت کا تعلیمی معیار انتہائی پست ہوتا ہے دوسرا ٹریننگ کی سہولتیں بھی مثالی نہیں رہیں۔گجرات کے نامور ہومیو پیتھیس میں ڈاکٹر خورشید قریشی (مرحوم)، ڈاکٹر حارث، ڈاکٹر خالد صبور، ڈاکٹر عباس شاہ اور حسن شاہ کے نام شامل ہیں۔

کبھی گجرات میں بڑے نامی گرامی اور ملکی سطح کے حکما اور اطبا کے مطب مرجع خلائق تھے حکیم الرحیم جمیل، حکیم رشید الدولہ، حکیم احمد شاہ جیسے لوگ اب ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔لوگ اپنے گوناگوں امراض کے علاج کے لیے حکا کے پاس جانے کو ترجیح دیتے تھے لیکن نہ اب وہ حکیم ہیں اور نہ وہ روگ۔ایک دور میں آل پاکستان کانفرنس طب گجرات میں منعقد ہوئی حکیم عبدالرحیم جمیل اس کے میزبان اور کرتا دھرتا تھے۔اب زیادہ تر حکیم اشتہاروں میں نظر آتے ہیں اور وہ بھی پیچیدہ اور پوشیدہ امراض کا علاج کرتے ہوئے۔گجرات میں حکیم سعید اختر ثنائی، حکیم منیر، حکیم ریاض شاہ جیسے مستند حکیم اب بھی غنیمت ہیں۔

Marfat.com

علاج معالجہ کے سلسلہ میں جتنی سہولیات اب میسر ہیں یہ حرف آخر نہیں ہیں جس طرح وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کی منزلیں طے کر کے ہم آج تک پہنچے ہیں اس طرح بدلتے زمانے کے ساتھ اور بڑھتی ہوئی آبادی کے عفریت کو مد نظر رکھتے ہوئے مزید ارتقائی منازل سر کر کے علاج معالجے، تشخیص اور بیماریوں سے بچاؤ کے لیے بہتر ہے، بہتر اداروں اور سہولتوں کا حصول ہمارا مطمع نظر ہونا چاہیے۔

صحت سے متعلقہ چند نامور شخصیات

مرتب: امجد علی بھٹی

آیئے اب چند ڈاکٹروں، حکما اور طبیبوں کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اپنی تمام زندگی اس شعبے سے وابستہ کیے رکھی۔ دیگر فہارس کی طرح یہ فہرست بھی نامکمل ہی سمجھی جائے جس کی محض ہماری کم علمی اور نالائقی ہی شمار کی جائے۔

حکیم برکت علی ہاشمی

گجرات کے قریشی ہاشمی خانوادے کے چشم و چراغ اور حکیم خدا بخش کے چھوٹے بھائی حکیم برکت علی کے والد کا نام غلام حسن تھا۔ آپ ماہر طبیب، فارسی کے عالم اور علم جفر کے بے بدل ماہر تھے۔ آپ مشن سکول میں معلم اور نقل نویس صدر عدالت جہلم بھی رہے۔ علم جفر میں ۳ کتابیں لکھیں۔ آپ تحصیل گجرات کے قاضی کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ آپ نے ۱۶ رجون ۱۹۲۱ کو انتقال کیا۔

حکیم سید جملے شاہ

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

ماہر طبیب، عاشق رسولؐ، نعت گو شاعر اور خادم خلق سید جملے شاہ ۱۸۹۸ء کے قریب موضع جھنڈے والی (تحصیل کھاریاں) میں سید کرم شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ طبیہ کالج دہلی سے طب کی تعلیم پائی اور قولی راج آیورویدک کالج لکھنؤ سے مولوی فاضل اور گیانی کی سند حاصل کی۔ آپ کے والد بھی ماہر طبیب اور مرد باخدا تھے۔ آپ نے جھنڈے والی میں مطب سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۰ء کے قریب گجرات میں جلالپور جٹاں روڈ پر مطب قائم کیا اور تا زیست دکھی انسانیت کی خدمت کرتے رہے۔ ناداروں، بیواؤں اور مساکین کا مفت علاج کرتے۔ مذہب اور روحانیت سے گہرا تعلق تھا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کو سب مسائل کا علاج سمجھتے تھے۔ جو شخص ایک مرتبہ آپ سے ملتا ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کی وفات ۹ مارچ ۱۹۹۴ء کو ہوئی۔

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

حکیم الامت کے نبض شناس حکیم محمد حسن قرشی کا نام محتاج تعارف نہیں۔ حکمت کے علاوہ تحریک آزادی اور طب کے فروغ میں بھی انھوں نے یادگار خدمات انجام دی ہیں۔ وہ ۱۸۹۶ء میں گجرات شہر کے محلّہ خواجگان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد قاضی فضل الدین اپنے دور کے نامور علماء میں سے تھے۔ وہ مفتی صدر الدین اازردہ (۱۷۸۹۔۱۸۶۸ء) کے تلمیذ تھے۔ وہ شاعر ادیب اور صوفی باعمل تھے۔ دربار کابل سے منسلک رہے ریاست کشمیر میں محکمہ تاریخ میں سپرنٹنڈنٹ رہے۔ ''اجوبۃ السائلین'' اور ''انوار نعمانیہ'' کے مصنف تھے۔ محمد حسن نے ابتدائی تعلیم گجرات میں حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں لاہور آئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ نعمانیہ میں زیر تعلیم رہے۔ پھر اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ مگر کالج کی تعلیم بوجوہ جاری نہ رکھ سکے۔ اور طب کی طرف آ گئے۔ حکیم حاذق اور زبدۃ الحکماء کے امتحانات طبیہ کالج دھلی سے پاس کیے جہاں آپ کو مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کی خاص توجہ حاصل رہی۔ اور ان سے اکتساب فیض کا بھرپور موقع ملا۔ دوران تعلیم آپ نے علاء الدین قرشی کی ایک فارسی کتاب طب کا اردو ترجمہ کیا۔ حکیم محمد اجمل خان یہ ترجمہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اور آپ کو ''قرشی'' کا خطاب دیا۔ جو حکیم محمد حسن اور ان کی نسل کی پہچان بن گیا۔

فارغ التحصیل ہونے کیبعد طبیہ کالج دہلی سے بطور مدرس وابستہ ہو گئے پھر بمبئی کے طبیہ کالج کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں لاہور آ گئے اور دل محمد روڈ پر اپنا مطب قائم کیا۔ ۱۹۲۶ء میں طبیہ کالج لاہور کے پہلے باقاعدہ پرنسپل مقرر ہوئے۔ اسی دور میں قرشی صاحب نے پنجاب میں اطباء کی تنظیم کی جانب خاص توجہ دی۔ وہ پنجاب طبی کانفرنس کے بانی صدر تھے۔ آل انڈیا آیورویدک و یونانی طبی کانفرنس کے جلسوں کی صدارت بھی کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد قرشی صاحب نے پاکستان طبی کانفرنس کی تاسیس کی۔ حکومت کے قائم کردہ طبی بورڈ ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۵ء کے صدر مقرر ہوئے

طب یونانی کی پاکستان میں بقاء کی جدو جہد، قرشی صاحب کی جدو جہد کی دستان ہے۔ طب پر متعدد بیش قیمت کتب تصنیف کیں، بہت سی عربی، فارسی کتب طب کے تراجم کئے۔ حکیم صاحب کی لکھی ہوئی کتب سے بہت سے پوشیدہ رازوں

Marfat.com

سے پردہ اٹھا گیا اور حکمت ایک راز سے ایک علم میں بدل گئی۔ ان کی اہم کتب میں طبی فارما کوپیا، جامع الحکمت، سلک مروارید، مطب قرشی، کتاب الکلیات، دستور الطباء، بیاض مسیحا شامل ہیں۔ حکیم قرشی نے طب کے احیاء اور ترقی کے لئے باقاعدہ ایک جنگ لڑی۔ حکومت انگریز کی ہو یا اپنوں کی طب یونانی کے خلاف ہر یورش کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وہ قیادت کی خوبیوں سے بھی مالا مال تھے اور خداداد تنظیمی صلاحیتوں سے بھی۔ حق گوئی و بیباکی، بلند مقصد، دلنوازی، پرسوزی جان، غرضیکہ میر کارواں کی سبھی خوبیوں کا مرقع تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ حکیم اجمل خان نے اپنی خرابی صحت کے انتہائی زمانے میں فرمایا تھا۔

''اطباء پریشان نہ ہوں میرے بعد طبی قافلے کی رہنمائی حکیم محمد حسن قرشی کریں گے''۔

طب میں حکیم قرشی کی گرانقدر خدمات کے علاوہ ان کی قومی خدمات کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی تحریک خلافت، تحریک پاکستان اور تحریک اتحاد اسلامی۔ آپ تحریک خلافت کے سرگرم رکن تھے۔ علی برادران سے خصوصی مراسم تھے۔ لاہور خلافت کمیٹی کے نائب صدر رہے۔ تحریک پاکستان میں صف اول میں رہے ۱۹۴۶ء میں ان کا نام مسلم لیگ کے ڈکٹیٹر کے طور پر تجویز ہوا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے نائب صدر بھی رہے قیام پاکستان کے بعد جہاد کشمیر میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے خود محاذ کشمیر کا دورہ کیا اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھایا۔ کشمیری مہاجرین کی خدمت میں بھی نہایت سرگرمی سے شامل رہے۔

۱۹۵۰ء کے بعد حکیم صاحب کی توجہ کا اصل مرکز تحریک اتحاد اسلامی تھا۔ وہ پاکستان میں موتمر عالم اسلامی کے صدر تھے۔ ان کی قیادت میں لاہور اتحاد عالم اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔ مفتی اعظم فلسطین، مفتی اعظم شام، مفتی اعظم تاشقند اور بہت سے دیگر اکابرین لاہور تشریف لائے اور بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا۔ ۱۹۵۶ء میں حکیم صاحب نے حج کی سعادت حاصل کی اور شاہ عبدالعزیز بن السعود کے مہمان رہے۔ ۱۹۶۲ء میں موتمر کے اجلاس بغداد میں شرکت کی اور بلاد مقدسہ کا دورہ کیا۔

حکیم قرشی کے شخصیت کی ایک اور نمایاں خصوصیت عشق رسول تھی۔ قرآن سے والہانہ عشق تھا اور طبیعت میں استغناء اور درویشی نمایاں تھی اپنے حسن اخلاق سے مریضوں کو بہت جلد اپنا گرویدہ کر لیتے تھے بقول حفیظ جالندھری ''شفاء الملک محض جسمانی عوارض دور کرنے کے طبیب نہ تھے۔ وہ جسمانی عوارض کے لئے ادویہ دیتے لیکن ساتھ ہی جسمانی دکھوں کی بہت سی جڑیں ذہنی طور پر معلوم کر لیتے اور اپنی اور خوش گفتاری سے مریض کے ذہن کو جسمانی آسودگی کے ساتھ روحانی توانائی سے بھی بھر دیتے''۔ آپ نے قلم سے بھی رشتہ برقرار رکھا اور طب کے علاوہ متفرق موضوعات پر مضامین رقم کیے جن میں علامہ اقبال پر لکھے ہوئے آپ کے دو درجن مضامین خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

حکیم محمد حسن قرشی نے ایک بڑے مقصد کو سامنے رکھ کر مومنانہ زندگی بسر کی اور آخر یہ جامع الکمالات ہستی ۲ دسمبر ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ قبرستان میانی صاحب (لاہور) میں آپ کی آخری آرامگاہ بنی۔

ڈاکٹر چودھری محمد حیات خاں

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

انگریز دور میں ان کے مقاصد کی تکمیل کرنے والوں ایک طویل فہرست ہے لیکن طب کے شعبے میں خدمات کے اعتراف میں خطاب پانے والے چند نام ہی ہوں گے جن میں ایک نام محمد حیات خاں کا ہے۔ آپ طب فرنگ میں اپنی مہارت کے لیے مشہور تھے اور اسی بنا پر شہنشاہ ایران اور وزیر اعظم افغانستان کے ذاتی معالج رہے۔ آپ کو ۲۶ جون ۱۹۰۸ء کو ''خانصاحب'' کا خطاب ملا۔ آپ کی وفات ۱۳؍ مارچ ۱۹۴۷ء کو ہوئی۔

حکیم خدا بخش حاذق

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

بے مثل طبیب، مدرس، شاعر اور ماہر علم جفر حکیم خدا بخش گجرات کے قریشی ہاشمی خانوادے کی علمی روایت کے امین تھے۔ ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ گجرات میں حکیم غلام حسن کے گھر پیدا ہوئے۔ خدا بخش نے ابتدائی تعلیم والد ماجد اور اپنے دادا شیخ نور محمد سے پائی۔ عربی فارسی علوم کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی۔ ۱۸۷۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ علوم ریاضی، طب، جفر اور انشا عربی و فارسی میں اپنی صلاحیت سے استعداد پیدا کی۔ سرکاری مدارس میں استاد رہے۔ بندوبست ۱۸۸۷ء میں بعہدہ تاریخ نویس مامور رہے۔ ازاں بعد سرکاری سکولوں میں مدرس اول بھی رہے۔ تیس سال سے زائد عرصہ گجرات میں مطب کرتے رہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ والی جموں آپ کا مریض اور قدردان تھا۔ آپ نے بہت سی بلند پایہ کتب تصنیف کیں جن میں خط دانیال، برزخ صغریٰ، برزخ کبریٰ (علم جفر پر)، مراۃ التحقیق (علم کلام)، ثمرۃ الیقین (خواص قرآن پر) رسالہ نور البصر فی تحقیق شق القمر، کرسی نامہ عرب، کلام عربی و فارسی و اردو اور کتب طب شامل ہیں۔ آپ نے ۱۹۰۲ء میں وفات پائی اور گجرات میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

ڈاکٹر خورشید رشید انور

خورشید انور جلالپور جٹاں کے رہنے والے تھے۔آپ کے والد شیخ مہر الدین پولیس میں انسپکٹر تھے۔حکیم محمد عبدالرحیم کے بقول آپ کے والد بزرگوار خفیہ طور پر نومسلم تھے۔چنانچہ آپ نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا کہ ان کی تجہیز و تکفین مسلم طریقہ پر عمل میں لائی جاوے۔ چنانچہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۲۳ء کو شہر کے مسلم اراکین نے بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ اس نیک ارادہ کو سرانجام دیا۔والد کا اصلی نام سردار مہر سنگھ کی بجائے اسلامی نام مہر الدین مشہور ہوا۔ڈاکٹر خورشید کا پہلا نام سورج پرکاش تھا مگر بعد فوتیدگی والد آپ نے بھی اپنا اسلامی نام رکھ لیا۔

حکیم پیر سید رشید الدولہ

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

گجرات کی معروف علمی و روحانی شخصیت پیر رشید الدولہ، حضرت شاہدولہ کی نسل سے بیان کئے جاتے ہیں۔چھٹی نسل میں آپ کا شجرۂ نسب پیر بھاون شاہ سے ملتا ہے (جو ایک روایت کے مطابق شاہدولہ کے بیٹے اور دوسری کے مطابق لے پالک تھے)۔آپ کے والد کا نام پیر گلاب شاہ تھا۔آپ گجرات شہر کے محلہ گڑھی شاہدولہ میں پیدا ہوئے۔مولوی محب اللہ سے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔مشن سکول گجرات سے میٹرک کیا۔مولوی غلام حیدر سے عربی و فارسی کتب پڑھیں اور قرآن، حدیث اور فقہ پر عبور حاصل کیا۔۱۹۳۵ء میں حکیم مولوی احمد دین نندووالی سے طب کی تکمیل کی اور گجرات میں مطب کا اجراء کیا۔رفتہ رفتہ یہ مطب، روحانی مرکز بھی بن گیا اور لوگ اپنی جسمانی تکالیف کے علاوہ باطنی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی حاضر ہونے لگے۔ گویا پیر صاحب ''طبیب الارواح والاجساد'' کی حیثیت سے عوام الناس کی خدمت بجالاتے رہے۔آپ انسان دوستی اور خدمت خلق کے علمبردار تھے۔کچھ عرصہ خواص کے لئے درس کا انتظام بھی رکھا جہاں مذہب، فلسفہ، تصوف اور حکمت کے اسرار و رموز پر آپ لیکچر دیتے اور طالبانِ علم مستفید ہوتے۔آپ مناظرہ میں بھی کمال رکھتے تھے اور اپنی مدلل گفتگو سے مخاطب کو لاجواب کر دیتے تھے۔

آپ تحریکِ خاکسار کے ابتدائی راہنماؤں میں سے تھے اور اس کی تاسیس سے لے کر برسوں اس کے مقاصد کے لئے کام کرتے رہے اور گجرات سے سینکڑوں افراد کو ہم خیال بنا کر تحریک کو مضبوط کیا۔آپ علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کے ذاتی دوستوں میں بھی شامل تھے اور تحریک کے نشان یافتہ کارکن تھے۔علامہ مشرقی آپ پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ اپنے بیٹے کو برسوں آپ کے زیر تربیت رکھا۔آپ گجرات کے ممتاز سائنسدان اور شاعر و ادیب پروفیسر ڈاکٹر پیر نصیر الدولہ نصیر کے ماموں اور سسر تھے۔آپ نے ان کی تعلیم و تربیت میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ڈاکٹر صاحب نے آپ کے تذکار پر مبنی ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا عنوان ''جدید کرامت نامہ'' ہے۔ آپ نے ۱۵/اگست ۱۹۸۶ء کو گجرات میں وفات پائی۔آپ کی قبر، آپ کے گھر واقع شاہدولہ روڈ کے پاس، آپ کے خاندانی قبرستان میں ہے۔

حکیم دیوی دیال صاحب وحید

منشی جیون مل صاحب کے بیٹے حکیم دیوی دیال کنجاہ کے رہنے والے تھے۔ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے مولوی امام اللہ سے شرف تلمذ طے کی۔ابتدائی عمر سے ہی آپ کو شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا جسے انتہا تک پہنچا کر فقرا کی مجالس میں حاضری اور ان کی خدمت کا شوق ہر وقت طبیعت میں رہتے۔تمام عمر دنیاوی تفکرات سے آزاد ہیں اور گوشہ تنہائی میں زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔عالم شباب میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو آپ کو بہ سلسلہ روزگار کنجاہ سے باہر جانا پڑا تو آپ کو علم طب کا شوق پیدا ہوا۔زمانہ ملازمت میں مختلف اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور طب کی کتابوں کے علاوہ سنیاسیوں جوگیوں کی خدمت سے مجربات کا ایک بیش بہا خزانہ اور کشتہ جات اعلیٰ کی تراکیب حاصل کیں۔ ایک طویل عرصہ تک مطب چلایا۔دوائیں مفت دیتے تھے۔رسالہ حکیم حاذق سے خصوصی دلچسپی رہی جس کے باعث اس کی مالی مدد کرتے رہے۔

شیخ محمد سلیم ہاشمی (۱۷۷۳ء۔۱۸۵۹ء)

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

شیخ طریقت، مجاہد و مرتاض، ماہر طبیب اور سماجی شخصیت شیخ محمد سلیم ہاشمی گجرات کے قابل احترام قریشی ہاشمی خانوادے کے گل سرسبد تھے۔آپ کے والد کا نام محمد علی اور دادا کا نام غلام حسین تھا جو گجرات میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ تھے۔ آپ نہایت شفیق معالج اور اتالیق لئیق و خلیق تھے۔ بہت سے امرا، روسائے وقت آپ کے شاگرد تھے۔طبابت میں وسیع التجربہ اور سرچشمہ فیض تھے۔دور دور سے مایوس صحت مریض آپ کے پاس آتے اور شفا پاتے۔آپ طبیب اجساد ہی نہیں طبیب ارواح بھی تھے۔طبابت سے حصول زر مقصد نہ تھا۔جو آمدنی ہوتی وہ درویشوں اور مسکینوں کے لیے خرچ کر دیتے۔تصوف میں بھی آپ بلند رجہ پر فائز تھے۔آپ پیر میر حیدر ساکن چیلیانوالی کے خلیفہ تھے اور ان کا مزار بھی آپ ہی نے تعمیر کرایا تھا۔مزار کے ساتھ ایک سرائے، مسجد، کنواں بھی بنوایا تھا اور کچھ اراضی بھی اس درسگاہ کے لیے وقف تھی۔آپ نے گجرات شہر میں بازار صرافاں میں ایک خوبصورت مسجد بھی

Marfat.com

تعمیر کروائی تھی۔

حکیم سوہنے شاہ

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

حکیم سید سوہنے شاہ گجرات کے نامور معالج اور درویش صفت انسان تھے۔ اخروٹہ سیداں (سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۰ء کے دوران میں حکیم صدرالدین سے اکتساب علم الابدان کیا پھر حکیم غلام مصطفیٰ کے شاگرد ہوئے اور فن کے اسرار ورموز سے آگاہی حاصل کی۔ ۱۹۱۵ء میں حکیم غلام مصطفیٰ نے آپ کو سند فراغت عطا کی۔ آپ نے کچھ عرصہ سیالکوٹ' پھر ڈھلو شرقی جلالپور جٹاں میں مطب کیا۔ ۱۹۳۱ء میں مستقلاً گجرات تشریف لائے اور بالمقابل مزار شاہ دولہ مطب قایم کیا جو رفتہ رفتہ مرجع خلائق بن گیا۔ ۱۹۵۲ء میں ریکس سینما کے پاس مطب بنایا اور آخری دم تک یہیں خدمت خلق کا سلسلہ چلتا رہا۔ آپ نے کئی نامور شاگرد پیدا کیے۔ درس و تدریس آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ آپ نے نصف صدی تک گجرات میں خدمتِ خلق انجام دی۔ آپ نادار اور مساکین کا علاج بلا معاوضہ کرتے تھے۔ آپ نے ۹۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ڈاکٹر طاہر لطیف (آئی سپیشلسٹ)

آنکھ کی کچھ ایسی بیماریاں ہوتی ہیں کہ آنکھ نکال دینا ہی ان کا علاج ہوتا ہے ایسی صورت میں آنکھ میں ایک گہرا سا گڑھا پڑ جاتا ہے جو انسان کے فطری حسن کو تاراج کر کے رکھ دیتا ہے۔ کیونکہ خوبصورت نظر آنا، انسان کی جبلی خواہش بھی ہے فطری کمزوری بھی۔ اس لیے اس نے آنکھ نکل جانے کی صورت میں ایک ایسی مصنوعی آنکھ ایجاد کی جو قوتِ بصارت سے تو محروم ہوتی ہے مگر حسن انسان کی دنیا اجڑنے نہیں دیتی۔ دنیا میں سب سے پہلے مصنوعی آنکھ یورپ کی ایجاد ہے پاکستان میں صرف ایک شخص ہے جو مصنوعی آنکھ بنا کر ڈالتا ہے اور دس سے پندرہ ہزار روپے تک لاگت وصول کرتا ہے۔ حسنِ اتفاق ہے کہ وہ شخص ڈاکٹر نہیں ہے اور پورے ملک کے ڈاکٹرز ایسے حالات میں صرف اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے لالہ موسیٰ کے اس مایہ ناز سپوت۔ ڈاکٹر طاہر لطیف نے سالہا سال کی انتھک محنت کے بعد بالآخر یہ مصنوعی آنکھ بنا ڈالی جو کہ الٹی کے اعتبار سے اپنی مثل نہیں رکھتی اور قیمت کے اعتبار سے دس سے پندرہ ہزار روپے کی بجائے چار سے پانچ سو روپے تک یہ آنکھ ضرورت مند کو ڈال دی جائے گی۔ اس طرح ڈاکٹر طاہر لطیف کے حوالے سے ضلع گجرات کو اعزاز حاصل ہے کہ اس نے ایک ایسے ڈاکٹر کو جنم دیا جسے پاکستان میں سب سے پہلے مصنوعی آنکھ بنانے کا اعزاز حاصل ہے یاد رہے کہ یہ آنکھ ایسے کیمیائی میٹریل سے تیار کی گئی ہے جو انسانی جسم کے لیے قطعی بے ضرر ہے۔

حکیم علی محمد

حکیم علی محمد جھیور انوالی میں حکیم پیر محمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ ایک قابل اور کامل طبیب تھے۔ آپ کو قدرت نے دست شفا عطا کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے دور دور کے مریض جو علاج معالج سے تنگ آ چکے ہوتے آپ کی خدمت میں پہنچ کر شفایاب ہوتے۔ آپ مریض کا کپڑا سونگھ کر بیماری بتا دیتے تھے اور علاج تجویز کرتے جس سے مریض شفایاب ہو جاتا۔

حکیم محمد عبدالرحیم جمیل

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

آپ حکیم شمس الدین کے ہاں ۱۹۰۱ء میں گجرات کے نواحی گاؤں رتی پیدا ہوئے۔ طب میں زبدۃ الحکما کی سند حاصل کی اور ۱۹۲۹ء میں شاہ دولہ روڈ پر ''دارالعلاج'' کے نام سے مطب قائم کیا۔ جہاں نصف صدی سے زائد عرصہ دکھی انسانیت کی خدمت کی۔ چالیس سے زاید طب سے متعلقہ تصانیف ہیں۔ ماہنامہ ''طبیب حاذق'' کا اجرا کیا اور ساٹھ سے زائد خصوصی نمبر شائع کیے۔ حکیم صاحب کا مطب اہل شعروسخن کا سب سے بڑا مرکز تھا جہاں آپ میزبان اور پیر فضل گجراتی میر مجلس ہوا کرتے تھے۔ حکیم اجمل خاں' حکیم محمد حسن قرشی' جوش ملیح آبادی' سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خان سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ مولانا ظفر علی خان کی پہلی کتاب 'بہارستان' آپ نے ہی چھپوائی تھی۔ آپ نے ۱۹۹۱ء میں وفات پائی اور اپنے مطب سے قریب قبرستان فاروقیاں میں سپرد خاک کیے گئے۔

حکیم حاجی سید فضل حسین شاہ نوشاہی

شجرہ نسب حضرت نوشہ گنج پاک سے جا ملتا ہے۔ حکیم شاہ محمد نوشاہی کے گھر پنڈ عزیز ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ بلند پایہ عالم دین اور عابد و زاہد طبیب تھے۔ گاؤں میں ایک پختہ مسجد تعمیر کروائی جس میں فی سبیل اللہ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۸ہجری میں گاؤں میں ایک دواخانہ بنام نوشاہی دواخانہ قائم کیا' جہاں سے ہزاروں لوگ فیض یاب ہوئے۔ وفات ۱۹۶۹ء ہے۔ یہ دواخانہ آج تک قائم ہے۔ آپ نے اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ تصانیف میں:

۱۔ مجربات نوشاہی مطبوعہ ۱۹۲۴ء

۲۔ شجرہ شریف نوشاہی

Marfat.com

۳۔ سفرنامہ حرمین الشریفین
سی حرفی نوشہ گنج

حکیم غلام مصطفیٰ

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

حکیم غلام مصطفیٰ گجرات کی تاریخ کے سب سے بڑے طبیب تھے۔ آپ کو لیکی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے اور ہجرت کر کے گجرات گڑھی شاہدولہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ عباسی خانوادہ گولیکی کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے دادا کے دادا شیخ محمد قاسم ابوالوفا اپنے وقت کے کامل طبیب اور ولی اللہ تھے۔ حکیم غلام مصطفیٰ کے والد حکیم نبی بخش بھی ماہر معالج اور عربی فارسی کے عالم و شاعر تھے۔ انہوں نے ارجوزہ بوعلی سینا کو آسان عربی میں منظوم کیا تھا اور 'واجب الحفظ'' نام رکھا تھا۔ غلا مصطفیٰ نے حکیم پیر محمد انور شاہ آف گولیکی سے طب کی تعلیم پائی اور اپنے رسا ذہن اور محنت سے طب کی دنیا میں وہ مقام حاصل کیا جو کہ معدود سے چند اشخاص کو حاصل ہوا۔ آپ فخر الاطباء تھے۔ پورے پنجاب میں آپ کی عظمت فن کا شہرہ تھا۔ دور دور سے مایوس مریض آپ کے پاس آتے اور صحت یاب لوٹتے۔ مسلمان، ہندو، سکھ بھی آپ کے مریضوں میں شامل تھے۔ سب کا علاج نہایت اخلاص اور محنت سے کرتے اور ان کے مذہبی عقائد بھی پیش نظر رکھتے۔ رؤساء و امراء سے بھاری فیس لیتے لیکن غریب اور مستحق مریضوں کا بلا معاوضہ علاج کرتے تھے۔

آپ پیدائشی حکیم تھے۔ امراض پر تحقیق بھی کرتے اور نئے نئے نسخہ جات بھی مرتب کرتے۔ آپ آج سے ایک صدی قبل ''ہارٹ اٹیک'' کی تفصیلات سے آگاہ تھے۔ یوں تو آپ اُردو، فارسی اور عربی نظم و نثر میں طاق تھے۔ اہل علم سے دستانہ تھا مگر آپنے اپنی تمام تر توانائیاں علم الابدان میں تحقیق پر صرف کیں۔ آپ پالکی نشین طبیب تھے۔ بہت سے رؤسا و امراء آپ کے زیر علاج رہے۔ حکیم محمد اجمل خاں نے ایک مرتبہ آپ کا تجویز کردہ نسخہ دیکھ کے کہا ''حکیم غلام مصطفیٰ کے ہوتے ہوئے گجرات والوں کو میری ضرورت نہیں''۔ بہت سے مقتدر اصحاب سے دوستانہ تھا مگر آپ نے خودارانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔ آپ کے مریض آپ کے اوصاف جمیلہ اور پاکیزہ طبع سے ایک نوع کا روحانی سکون محسوس کرتے اور آپ مرجع خلائق کی حیثیت سے خدمت خلق کا جریضہ سرانجام دیتے۔ لوگ آپ کو مسیحا دم طبیب کہتے تھے۔

۴۔

حکیم غلام مصطفیٰ کا مطب تمبل بازار سے ملحقہ کھاری کھوئی کے قریب واقع تھا جہاں ان کے ہونہار شاگرد حکیم محمد امین میر بھی ان کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ حکیم صاحب کی بیٹھک بھی قریب ہی تھی (آج کل جہاں شملہ فوٹو سٹوڈیو واقع ہے) جہاں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شطرنج کھیلتے اور علمی موضوعات پر بحث مباحثہ کرتے تھے۔

آپ گفتگو میں نہایت فصیح و بلیغ اور برجستہ مزاج تھے۔ طبیعت میں حس مزاج خوب تھی۔ یہ تمام صفات ایک معالج کو کمال عطا کرتی ہیں۔ صرف ونحودان، منطق خوان اور علوم مروجہ پر حاوی تھے۔ آپ دیوان حافظ تھے۔ کثیر الاحباب شخص تھے۔ مقبول شاہ (والد پیر فضل گجراتی)، مولوی شیخ عبداللہ ساکن چک عمر، مولوی سلام اللہ شائق، مولوی محبوب عالم، مولوی نورالدین انور، حافظ شمس الدین اور حاجی محمد الدین قادری جیسے لوگوں سے دوستانہ تھا۔ آخری چار اصحاب کا منتخب کلام آپ نے ۱۸۸۱ء میں شائع کروایا تھا۔

آپ کی شادی حافظ محمد اکرم خطیب و امام مسجد دربار شاہدولہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ آپ کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ ایک صاحبزادی سکینہ بی بی تھیں جن کی شادی گولیکی میں ظہور شاہ سے ہوئی تھی جو ممتاز طبیب تھے۔ حکیم صاحب کا مکان آپ کے نواسے غضنفر شاہ کی ملکیت ہے۔

حکیم غلام مصطفیٰ نے ۲۰/ ذوالحجہ ۱۳۴۴ھ بمطابق ۲ جولائی ۱۹۲۶ء بروز جمعۃ المبارک گجرات میں بعاضہ ہیضہ وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر مسجد شاہدولہ دربار کے ساتھ جانب جنوب واقع ہے۔ دام شاہ ولی کی قبر کیساتھ جانب مغرب پانچ پختہ قبریں ہیں ان میں سے انتہائی مغربی قبر حکیم غلام مصطفیٰ صاحب کی ہے۔

حکیم سید غلام نبی

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

حکیم سید غلام نبی گجرات کے نامور حکیم اور صاحب بصیرت انسان تھے۔ طبیعت میں استغنا اور درویشی نمایاں تھی۔ پہلے پہل جیل (نزد فوارہ چوک) کے قریب مطب تھا پھر شاہدولہ روڈ پر آ گئے۔ عوام کی خدمت بغیر کسی لالچ کے کرتے تھے۔ ''سائیں بیلے والے'' کے نام سے معروف تھے۔ ۱۲۷۵ھ ہجری بمطابق ۵۸۔۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵۱ ہجری بمطابق ۳۳۔۱۹۳۲ء میں فوت ہوئے اور شاہدولہ روڈ پر مطب حکیم جمیل کے قریب قبرستان فاروقیاں میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

حکیم کرتار چند

سردار کشن سنگھ کے بیٹے حکیم کرتار چند جلالپور جٹاں میں پیدا ہوئے۔آپ ایسے اطبا کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو آباؤ اجداد سے فن دواسازی میں مشہور معروف ہیں۔ساتھ ہی تشخیص امراض اور دست شفا کی یہ حالت ہے کہ بہت سے مایوس مریض جو بڑے بڑے ڈاکٹروں سے اچھے نہ ہوسکتے تھے' آپ کے دست شفا سے جانبر ہوئے۔آپ کے پاس مجربات کا خزانہ موجود تھا۔جنھیں آپ خود بنا کر مریضوں پر استعمال کرتے تھے۔

مولانا حکیم محمد مختار اشرفی

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

جسمانی و روحانی معالج، عالم دین، خطیب اور مدرس الحاج حکیم محمد مختار اشرفی ۱۹۱۹ء میں سنبھل (مراد آباد۔انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مولانا اجمل خاں سے اجمل العلوم سنبھل میں حاصل کی۔پھر جامعہ مراد آباد میں صدر الافضل مولانا سید نعیم الدین مراد آباد سے علوم دین اور طب میں دسترس حاصل کی۔سید علی حسین اشرفی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے جو کچھوچھہ شریف کے سجادہ نشین تھے۔آپ کو خلافت ملی مگر بیعت نہ کرتے تھے۔قیام پاکستان تک جامع مسجد کھٹیکاں (جموں) میں خطیب رہے۔پھر پاکستان تشریف لا آئے۔اور کئی مدارس میں بے لوث خطابت وامانت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔گجرات میں مسجد نور مدینہ، مسجد میاں جلال الدین، جامع مسجد عیدگاہ وغیرہ میں خطابت اور درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ ۱۹۴۸ء میں گجرات میں سلطانی دوخانہ کی بنیاد رکھی۔آپ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طہارت نفس کا نمونہ تھے۔آپ نے ۲۳ رجنوری ۱۹۸۲ء کو آیات قرآنی کا ورد کرتے ہوئے جان، جان آفریں کے سپرد کی۔آپ کی قبر، قبرستان خوجگان میں، جنازہ گاہ سے ملحق جانب جنوب واقع ہے۔

حکیم محمد حسین

آپ کی ایک کتاب 'طبی مائتہ عامل' کے عنوان سے شوکت بک ڈپو گجرات سے شائع ہوئی۔حکیم فرید احمد عباس بقول انھوں نے کتاب کے اکثر مجربات کا تجربہ کیا اور انھیں بے حد مفید پایا۔طبی مائتہ عامل کا مطلب ہے سو عدد اکسیر ترین تیر بہدف اکسیر اعظم منجملہ عجائبات طبی نسخے ہیں جو خاص الخاص مجربات سے ہیں۔یوں تو کتاب میں درج نسخہ جات کی تعداد چار سو کے قریب بنتی ہے مگر مصنف کے مطابق ان کے ساٹھ سالہ تجربات کا نچوڑ اور صدری رازوں کا مجموعہ ہے۔

ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ

(شیخ عبدالرشید)

آپ ادب' تاریخ و تذکرہ' اقبالیات اور وفیات پر ایک درجن کتب اور چار درجن مضامین کے مصنف و مؤلف ہیں۔طب کی دنیا میں ایک ماہر نفسیات (سائیکاٹرسٹ) کے طور پر جانے جاتے ہیں۔آج کل راولپنڈی میڈیکل کالج کے شعبہ سائیکاٹری میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے بچوں کی ذہنی صحت پر ایک کتابچہ لکھا ہے اور درج ذیل پمفلٹ اردو میں ترجمہ کیے ہیں جو ڈاکٹر کرس ولیمز' سینئر لیکچرر سائیکاٹری' یونیورسٹی آف گلاسکو کے مصنفہ ہیں۔روزمرہ نفسیاتی و ذہنی مسائل پر قابو پانے میں یہ پمفلٹ معاون ثابت ہوسکتے ہیں:

۱۔ میرا موڈ اتنا خراب کیوں رہتا ہے؟

۲۔ وہ کام جو مسئلہ بن جاتے ہیں: اُن کو کیسے روکا جائے

۳۔ مجھے کسی کام میں مسئلہ نہیں ہوتا

۴۔ ہر مسئلے کا حل چار آسان مرحلوں میں

۵۔ ہمیشہ ہر کام خراب کیوں ہوجاتا ہے؟

اس کے علاوہ انھوں نے عالمی ادارہ صحت کی جانب سے شائع ہونے والے کئی ڈاکیومنٹس کے اردو تراجم بھی کیے ہیں جن میں ''ابتدائی نفسیاتی امداد'' خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

ڈاکٹر کرنل سید مظہر حسین شاہ

(ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ)

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر سیّد مظہر حسین شاہ اپنے عہد کے نامور طبیب' ماہر نفسیات' ذہین سکالر اور انسان دوست شخصیت تھے۔پاکستان کے ابتدائی اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹروں میں سے تھے۔آپ قائداعظمؒ کے معالجین میں بھی شامل تھے۔آپ ۳ر جون ۱۹۰۲ء کو معین الدین پور سیّداں ضلع گجرات کے ایک ممتاز سیّد خاندان میں سیّد محبوب حسین شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گجرات میں حاصل کی جبکہ ایم بی بی ایس کی ڈگری ۱۹۲۶ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے حاصل کی۔نہایت ذہین اور محنتی طالب علم تھے' چنانچہ ایم بی بی ایس میں کئی مضامین میں ڈسٹنکشن اور گولڈ

Marfat.com

میڈلز جیتے۔لندن سے میڈیسن اور سائیکاٹری میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔دہلی میں قائدِ اعظم کے ذاتی معالج رہے۔کراچی کے اولین چیف میڈیکل آفیسر' سینئر میڈیکل کنسلٹنٹ اور جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سنٹر کے بانی تھے۔اس کے تحت کئی اور ادارے بھی قائم کیے۔۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۳ء تک گورنر جنرل کے معالج رہے۔لاہور مینٹل ہسپتال کے ایم ایس بھی رہے۔ابن سینا کی ''القانون'' کا انگریزی ترجمہ آپ کا یادگار علمی کارنامہ ہے جسے عالمی سطح پر سراہا گیا۔آپ نے ۲۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو اس دارِ فانی سے رخت سفر باندھا۔اور اپنی وصیت کے مطابق آبائی گاؤں میں دفن ہوئے۔

حکیم سید نذر حسین

سید نذر حسین کی والدہ اور والد پہلی جنگ عظیم کے دوران جب طاعون کی وبا پھوٹی تو تین بچوں (نذر حسین، فضل حسین، محمد حسین) کو یتیم چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔یتیمی کے اس دور کے واقعات' رشتہ داروں کی سخت مہری' بے مروتی اور بعض احباب کی ہمدردیاں نہایت دکھ سے بیان کرتے تھے۔کچھ عرصہ سیالکوٹ کے یتیم خانہ میں گزارا۔بعدازاں یہ تینوں بھائی امرتسر منتقل ہو گئے۔تعلیم وہاں حاصل کی اور امرتسر کی سیاسی سرگرمیوں کو بھی قریب سے دیکھا۔اُس محبت کے شہر کی یادوں کو کبھی نہ بھلا سکے اور برسوں خود کو امرتسری کہلواتے اور لکھتے رہے۔پاکستان کے قیام کے بارے میں جب یقین کامل ہو گیا تو یہ تینوں بھائی (حکیم سید نذر حسین، حکیم سید فضل حسین مومن، حکیم سید محمد حسین) جون 1947 میں نقل مکانی کر کے جلالپور جٹاں آ گئے اور کرایہ پر مکان لے کر اپنے کاروبار کا آغاز کیا۔

سید نذر حسین نے جب میٹرک کا امتحان پاس کیا تو ہندو سکھ اور مسلم طلبہ کے درمیان زبردست تعلیمی مقابلہ تھا۔امرتسر میں میٹرک کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کر کے مسلم طلبہ کا سر فخر سے بلند کیا۔کالج میں داخلہ لیا۔جناب سید کرامت حسین جعفری اور فیض احمد فیض جیسے اساتذہ سے علمی استفادے کا موقع ملا۔ظہیر کاشمیری ان کے ہم جماعت تھے۔لیکن غربت اور فلاس کی وجہ سے تعلیمی سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکے تو ریلوے میں بھرتی ہو گئے۔اپنی ملازمت کے دوران کوٹ نہال سنگھ' فیصل آباد' جڑانوالہ' لاہور اور دیگر کئی ریلوے سٹیشنوں پر سٹیشن ماسٹر کی حیثیت سے کام کیا۔تاہم پاکستان بننے کے بعد انھوں نے بوجوہ ریلوے کی ملازمت کو خیرآباد کہا اور جلالپور جٹاں میں طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ریلوے میں ملازمت کے دوران انھوں نے دیانت اور امانت کی عمدہ مثالیں قائم کیں۔امرتسر چونکہ سیاسی سرگرمیوں کا اہم مرکز تھا۔لہٰذا اس بے قرار اور انگریز دشمن شخصیت نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز مجلس احرار میں شامل ہو کر کیا۔آپ چودھری افضل حق مرحوم اور مولانا مظہر علی اظہر سے متاثر تھے۔امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان کی زندگی میں آئیڈیل تھے۔مرحوم کی تقاریر اور خیالات کا حوالہ دے کر زندگی کو جلا بخشتے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال اور گجرات: ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ: سلیچ پبلیکیشنز' گجرات: ۱۹۹۸ء
۲۔ خفتگان خاک گجرات: ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ: سلیچ پبلی کیشنز' گجرات' ۱۹۹۶ء
۳۔ رموز حکمت' حکیم محمد عبدالرحیم' اقبال سٹیم پریس' گجرات
۴۔ طبی مائتہ عامل' حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ' شوکت بک ڈپو' گجرات
۵۔ عکس گجرات' ارشد محمود رضا' رپورٹر گجرات' گجرات' ۲۰۰۵ء
۶۔ گجرات کی بات' اسحاق آشفتہ/لیاقت علی شفقت'

Marfat.com

چودھواں باب

صنعت وحرفت اور تجارت

Marfat.com

گجرات میں صنعتی ترقی۔مجموعی جائزہ

صنعتی انقلاب کا آغاز انگلستان میں اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ امریکا‘ ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کی بحری دریافت نے بیرونی تجارت کو فروغ دیا۔ سائنسی ایجادات اور انکشافات کی مدد سے پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اور صنعتوں کو گھروں سے نکال کر کارخانوں میں منتقل کر دیا گیا۔ کوئلہ اور بھاپ کی طاقت کے استعمال نے نئی مشینوں کے لیے راستہ صاف کیا۔ اور انسانی ہاتھوں کی جگہ مشین نے لے لی۔ چنانچہ فیکٹریاں قائم ہونے لگیں۔ نئے نئے شہر آباد ہونے لگے۔ ان کی آبادی بڑھنے لگی۔ پیداوار میں ہزار گنا اضافہ ہو گیا اور صنعتی ملکوں میں ریلوے لائنوں اور سڑکوں کے جال بچھ گئے۔ تجارت وسیع پیمانے پر ہونے لگی۔ انفرادی زراعت اور گھریلو دستکاری کا دور ماند پڑ گیا۔ اور وسیع پیمانے پر مشینی پیداوار کا دور شروع‘ صنعتی انقلاب کے باعث مغربی ملکوں کا معیار زندگی بلند ہوا‘ سکول کالج یونیورسٹیاں‘ ہسپتال‘ چھاپے خانے اور کتب خانے وغیرہ کثرت سے قائم ہوئے شرح اموات گھٹ گئی۔ بیماروں اور وباؤں پر قابو پا لیا گیا‘ اسی کے ساتھ ساتھ جمہوریت نے ترقی کی اور جمہوری طرز حکومت رائج ہوا۔ عوام کو حق رائے دہی ملا اور ٹریڈ یونین قائم ہوئیں۔ صنعتی انقلاب کے بغیر ایٹمی دور کا آغاز ناممکن تھا۔

پاکستان بھی ان چند ملکوں میں شمار ہوتا ہے جہاں آزادی کے بعد صنعت و حرفت نے خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ ضلع گجرات بشمول منڈی بہاؤالدین پاکستان کے ان چند شہروں میں سے ایک ہیں جو ملکی زرمبادلہ میں نمایاں طور پر حصہ ڈال رہے ہے۔ دورِ جدید کے گجرات کا صنعتی و تجارتی جائزہ لینے سے قبل یہاں صنعت و حرفت کا پس منظری مطالعہ ہمیں یہاں موجود طبقات اور ان کے پیشوں کو سمجھنے میں نہایت معاون ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا ہم قدیم ہندوستانی سماج میں صنعت و حرفت کی صورت حال کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے گجرات بھی ہندوستان کے ان شہروں میں سے ایک ہے‘ جہاں کی عوام صدیوں پرانی روایات سے جڑی ہوئی ہے۔

گجرات نہ صرف پنجاب بلکہ پاکستان کے معروف صنعتی شہروں میں سے ایک ہے۔ اس کا نام سنتے ہی ذہن میں تین صنعتوں کے نام فوراً آ جاتے ہیں۔ یہ صنعتیں ظروف سازی‘ فرنیچر سازی اور پنکھا سازی ہیں۔ ان میں سب سے قدیم صنعت ظروف سازی ہے۔ اس صنعت کی بنیاد اس شہر کے ساتھ ہی رکھی گئی۔ دریائے چناب کی قربت کی وجہ سے اس علاقے کی مٹی ظروف سازی کے لیے نہایت موزوں پائی گئی۔ اس مٹی میں وہ تمام خصوصیات‘ یعنی چکنا پن‘ کنکروں کی عدم موجودگی اور پکنے کے بعد خوبصورت رنگت جو کہ خوشنما اور دیدہ زیب برتن بنانے کے لیے ضروری ہیں‘ موجود تھیں۔ اس لیے نواحی بستیوں کے ظروف ساز روزمرہ کی ضروریات کے لیے برتن بنانے لگ گئے۔ پہلے پہل وہ اپنے برتن بیچنے کے لیے اس شہر میں لاتے‘ آہستہ آہستہ گجرات شہرت لال مٹی کے برتنوں کی وجہ سے دور دور تک پھیل گئی۔ اس شہرت سے فائدہ اٹھانے کے لیے کچھ لوگ گاؤں سے نقل مکانی کر کے اس شہر میں آ بسے اور یہاں گھریلو صنعت کے طور پر لال مٹی کے برتن بنانے شروع کر دیے۔

آج سے تقریباً سات دہائیاں پہلے جموں سے چند خاندان ہجرت کر کے گجرات آئے۔ یہ لوگ لال مٹی کے بجائے دوسرے خام مال یعنی پوچا مٹی‘ سوپ سٹون اور شیشے کے آمیزے سے سفید رنگ کے برتن بنانے میں مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے یہاں آ کر ایسے برتن بنانے شروع کر دیے جن پر مختلف رنگوں کے بیل بوٹے بنا کر اور پر گلیز کی تہہ چڑھا دیتے جس سے یہ برتن پکنے کے بعد لال مٹی کے برتنوں کی نسبت زیادہ خوبصورت‘ پائیدار اور صاف نظر آتے۔ ان کی دیکھا دیکھی مقامی ظروف سازوں نے بھی اسی طرح کے برتن بنانا شروع کر دیے۔

۱۹۶۵ء میں انسٹی ٹیوٹ آف سرامکس کا قیام عمل میں آیا۔ اس ادارے نے صنعت ظروف سازی کی ترقی میں مرکزی کردار ادا کیا اور ظروف سازی کے فن کو جس میں اس وقت تک فرسودہ طریقے استعمال ہو رہے تھے جدید طریقوں سے روشناس کرایا۔

اس وقت گجرات شہر میں برتن سازی‘ سینٹری کا سامان بنانے اور ٹائلیں بنانے کے کم و بیش دو سو چھوٹے بڑے کارخانے چل رہے ہیں جن میں ہزاروں افراد کو روزگار کے مواقع میسر ہیں۔ اس ادارے کی کوشش اور ترغیب سے یہ صنعت بڑی تیزی کے ساتھ ملک میں اور خاص طور پر گجرات شہر میں ترقی کی منازل طے کرتی چلی جا رہی ہے۔

اس سلسلے میں ۱۹۷۶ء میں گجرات شہر کو سوئی گیس کی فراہمی نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا اور برتن سازوں نے انسٹی ٹیوٹ آف سرامکس کی راہنمائی میں برتنوں کی پکائی کے لیے لکڑی بطور ایندھن کا استعمال چھوڑ دیا اور گیس استعمال کرنی شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں برتنوں کے معیار اور پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس طرح غیر ملکی برتنوں کی مانگ بتدریج کم ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ مقامی ظروف نے لے لی۔ اس کا ایک مثبت اثر یہ بھی ہوا کہ زرمبادلہ میں بچت ہونی شروع ہو گئی۔

گجرات میں دوسری اہم قدیم صنعت فرنیچر سازی کی ہے۔ مقامی ضروریات پوری کرنے کے لیے تو اس شہر کے بسنے کے ساتھ ہی کچھ لوگوں نے فرنیچر سازی کا کام شروع کر دیا۔ لیکن گھریلو صنعت کے طور پر آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال

Marfat.com

پہلے فرنیچر سازی نے گجرات میں ایک نمایاں مقام حاصل کرلیا۔اس کے بعد یہ صنعت آج تک بتدریج ترقی کرتی چلی جارہی ہے۔اس ترقی میں بہت سے عوامل کارفرما ہیں۔جن میں سب سے اہم عمدہ قسم کی لکڑی کی دستیابی ہے کیونکہ گجرات لکڑی کی دو مشہور منڈیوں جہلم اور وزیرآباد کے درمیان واقع ہے۔دوسرے فرنیچر بنانے والے کچھ کاریگر لوگ کشمیر سے نقل مکانی کرکے گجرات آبسے جن کی وجہ سے رفتہ رفتہ کاروبار بڑھتا گیا۔

۱۹۶۰ء کے لگ بھگ اس صنعت میں مشینری کا استعمال شروع ہوگیا۔ جس سے فرنیچر کا معیار بہتر ہوگیا۔ اور پیداواری صلاحیت بڑھ گئی۔۱۹۸۴ء میں ووڈ ورکنگ سروس سنٹر جو کہ جدید مشینری اور ترقی یافتہ فنی سہولیات سے آراستہ ہے کے قیام کے بعد ترقی کی رفتار تیز تر ہوگئی۔اس وقت گجرات میں چھوٹے بڑے فرنیچر بنانے کے تقریباً دس ہزار کاریگر کام کررہے ہیں۔یہاں پر بنے ہوئے فرنیچر کے اعلیٰ معیار کی بدولت اس کی مانگ دور دور تک پھیل گئی اور روزافزوں ترقی کرتی جارہی ہے۔

گجرات شہر کی تیسری بڑی اور نسبتاً نئی صنعت پنکھا سازی ہے۔اس کی ابتدا قیام پاکستان سے چند سال پہلے ہوئی۔رفتہ رفتہ کئی کارخانے وجود میں آئے۔فی زمانہ تین سو کے لگ بھگ کارخانے چل رہے ہیں جن میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں۔سالانہ پیداوار لاکھوں میں ہے۔اب تو ان کارخانوں میں برقی موٹریں' گرائنڈر اور اس قسم کا دوسرا سامان بھی بنانا شروع ہوگئے ہیں۔

اب تک جن صنعتوں کا ذکر ہوا ہے ان میں سے زیادہ تر چھوٹی صنعتوں کے زمرے میں آتی ہیں۔سرمائے کے لحاظ سے بڑی صنعتیں دو ہیں۔ایک سروس ٹیکسٹائل انڈسٹری جس میں سوتی دھاگہ اور کپڑا بنایا جاتا ہے اور دوسری سروس شوز انڈسٹری جس میں ہر قسم کے جوتے بنائے جاتے ہیں۔

لالہ موسیٰ میں برتنوں کا ایک بہت بڑا کارخانہ پاک پورسرامکس کے نام سے کام کررہا ہے جبکہ منڈی بہاؤالدین میں شاہ تاج شوگر ملز اور پھالیہ شوگر مل کے نام سے دو چینی کے کارخانے کام کررہے ہیں۔ان صنعتوں کے قیام سے یہاں کی پیداواری صلاحیت میں کافی اضافہ ہوا ہے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کو روزگار ملا ہے جس سے نہ صرف گجرات اور منڈی بہاؤالدین شہر بلکہ اردگرد کے گاؤں کے مکینوں کے لیے خوشحالی کا ایک نیا در کھلا ہے۔

ان صنعتوں کے علاوہ کئی اور صنعتیں بھی ہیں جن کے کارخانوں کی خاطر تعداد موجود ہے۔وہ بھی گجرات کے صنعتی میدان کو وسیع تر کررہی ہیں۔ان میں مختلف قسم کا کپڑا یعنی کینوس' دوپٹوں کا کپڑا وغیرہ بننے کے کارخانے' صابن سازی کے کارخانے' سویاں بنانے' سلے ہوئے کپڑے بنانے کے کارخانے شامل ہیں۔(تحریر: چودھری غلام رسول)

آیئے اب چند مشہور تجارتی مراکز اور فیکٹریوں/کارخانوں کا ذکر کرتے ہیں جو ملکی ترقی میں نمایاں کردار ادا کررہے ہیں۔یہاں چند ایسے اداروں کا ذکر بھی کیا جائے گا جو اب ختم ہوچکے ہیں۔ان کا تذکرہ محض یہاں صنعتی وتجارتی سرگرمیوں کے پس منظر میں کیا جارہا ہے۔

صنعت پنکھا سازی

گجرات بجلی کے پنکھوں کی صنعت کے لیے مشہور ہے۔پنکھوں کی پیداوار سے نہ صرف ملکی ضروریات پوری ہورہی ہیں بلکہ بہت سا مال غیرملکوں خاص کر مشرق وسطیٰ کو بھی برآمد کیا جاتا ہے جس سے پاکستان کو زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ان کا مال اپنی پائیداری' نفاست' ڈیزائن اور خوبصورتی کے اعتبار سے اکثر حالتوں میں ولائتی مال کو بھی مات کرتا ہے۔اس صنعت کو مزید ترقی دینے کے لیے پنکھا ساز کارخانوں نے اپنی ایک انجمن بنائی ہوئی ہے۔یہ ادارے شب وروز محنت کرنے اور اس انڈسٹری کو فروغ دینے میں کسی سے پیچھے نہیں۔

پاکستان میں پنکھا سازی کی صنعت ان اہم کوششوں میں سے ایک ہے جنھیں چند باہمت اور ذہین افراد نے ۱۹۴۰ کی دہائی کے اوائل میں بڑے قلیل سرمائے اور نامساعد حالات میں شروع کیا۔یہ وہ صنعت ہے جس کی کامیابی غیرملکی اشتراک یا گورنمنٹ کی مدد سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی کامرانی کا سہرا ان لوگوں کے سر ہے جنھوں نے اس کے ارتقا کے لیے دن رات جدوجہد کی۔آج یہ صنعت اتنی ترقی کرچکی ہے کہ صنعت پنکھا سازی میں استعمال ہونے والی ٹیکنالوجی دنیا کی بہترین ٹیکنالوجی کہی جا سکتی ہے۔اس وقت کم وبیش ساڑھے پانچ سو کارخانے پورے ملک میں کام کررہے ہیں جن میں سے لگ بھگ تین سو سے زائد گجرات میں ہیں۔اس صنعت کی ترقی میں مغل اور شیخ خاندانوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ضلع گجرات میں مغل برادری بالخصوص اس کی ترقی کے لیے لائق ستائش ہے۔

ایس اے فین

۱۹۳۹ء کو شہر گجرات میں سب سے پہلے حاجی سلطان احمد نیشنل میٹل ورکس کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جن کا تعلق مغل خاندان سے تھا۔ابتدا میں یہاں پر حقے بنائے جاتے تھے۔لیکن جب دوسرے جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو یہاں اسلحہ کے پرزے بھی بنائے جانے لگے۔اسی دوران حاجی سلطان محمود نے ایک نلکا بھی ایجاد کیا۔جو

Marfat.com

کارکردگی کے اعتبار سے منفرد تھا۔ انھی دنوں پاک و ہند کی تقسیم سے پہلے امرتسر میں ایک میٹل انڈسٹری قائم ہوئی جس میں پنکھے تیار کیے جاتے تھے۔ جب حاجی سلطان محمود کو اس بارے میں علم ہوا تو انھوں نے سب سے بڑے بیٹے حاجی محمد اعظم کو کام سیکھنے کی غرض سے امرتسر بھیج دیا۔ حاجی محمد اعظم نے بڑی جانفشانی سے کام سیکھا اور گجرات لوٹ آئے۔ انھوں نے گجرات شہر کے محلہ نئی آبادی میں ایس اے فین یعنی اپنے والد حاجی سلطان احمد کے نام پر ایک کارخانہ لگایا یہی کارخانہ پاکستانی علاقہ میں سب سے پہلا کارخانہ تھا جسے گجرات کے عظیم المرتبت سپوت حاجی محمد اعظم نے لگایا۔ اس طرح گجرات کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پاکستان میں پنکھے کا موجد گجرات کا رہنے والا ہے۔ کیونکہ اس وقت جنگ عظیم دوم جاری تھی لہٰذا اس پراجیکٹ کی ترقی کے لیے کوئی مزید قدم نہ اٹھایا جا سکا۔ جنگ کے خاتمے پر اس صنعت نے مثالی ترقی کی۔ نیشنل میٹل ورکس نے سب سے پہلے پنکھا بنایا اور اسی کا نام ایس اے فین رکھا۔ حاجی سلطان احمد کے ساتھیوں میں حاجی محمد اعظم، حاجی محمد شریف، حاجی محمد اقبال، محمد اسماعیل اور حاجی محمد اسلام نے دن رات محنت کی۔ بعد میں حاجی چراغ دین جو حاجی عبدالوحید کے والد ہیں۔ انھوں نے بھی اس صنعت کی ترقی کے لیے بہت محنت کی۔ ۱۹۵۲ء میں حاجی سلطان احمد کے چشم و چراغ حاجی محمد اقبال نے ایک ایسی مشین ایجاد کی جس سے ہر طرح کے پنکھے چیک کیے جا سکتے ہیں اس کا نام ٹیسٹ چیمبر رکھا گیا۔ اس سے بجلی کا استعمال، ہوا کا دباؤ، حرارت اور تار میں قوتِ مدافعت چیک کی جاتی ہے۔ آج کے دور میں صنعت پنکھا سازی گجرات کی پہچان بھی ہے اس کی صنعتی آن بھی۔

سخت اور ٹھوس دھات کو اپنی مرضی کی شکل میں ڈھالنے اور اس کی تراش خراج کر کے انسانوں کے قابل بنانے والے افراد غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک ذہین اور جفاکش خاندان کے تین نوجوانوں نے ایک دور افتادہ گاؤں بھوپڑہ کلاں سے اٹھ کر شہر میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا جن میں ایک بھائی گوجرانوالہ اور دو بھائی گجرات میں آ کر آباد ہوئے اور مختلف النوع دھاتی اشیا تیار کرتے رہے۔ بجلی کی آمد سے سماجی اور معاشی انقلاب بپا ہوا نئی نئی ایجادات کی دریافت ہوئی تو آہن گری سے وابستہ اس خاندان کے ایک بزرگ سلطان علی نے ۱۹۳۶ء میں اپنے بیٹے اعظم کو انڈین سٹیل انڈسٹری میں بھیجا جنھوں نے وہاں مشکل ترین حالات میں پنکھا سازی کے اسرار و رموز سیکھے اور چند ماہ بعد گجرات واپس آ کر بغیر کسی مشینری کے صرف دستی اوزاروں کے ساتھ پنکھا تیار کر کے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ ان کے اس کارنامے کی بدولت آج گجرات کو پاکستان کے سب سے بڑے پنکھا ساز شہر کا اعزاز حاصل ہے اور لاکھوں لوگ اس صنعت سے وابستہ ہیں۔

حاجی محمد اعظم نے پنکھے کا نام اپنے والد سلطان علی کے نام سے SA فین رکھا۔ جب یہ کام چل نکلا تو انھوں نے اسے اپنی بھائیوں کے سپرد کر دیا اور اپنے بیٹے کے نام سے نئے کارخانے عابد فین کی بنیاد رکھی۔ جسے پورا کرنے کے لیے خاندان کے دیگر افراد بھی کروٹ لیتے ہوئے رفتہ رفتہ پنکھا سازی کی طرف متوجہ ہوئے۔ حاجی محمد اعظم کے بعد میاں عبدالواحد نے ۱۹۴۴ء میں پاک فین کی بنیاد رکھی میاں عبدالواحد انتہائی ذہین آدمی تھے جنھوں نے جدید انداز میں معیاری پنکھے تیار کر کے اس کے بانیوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ آج پاک فین کو گجرات کے سب سے بڑے اور سب سے پرانے پنکھا ساز ادارے کا اعزاز حاصل ہے۔ یونس فین، جی ایف سی فین، میٹرو فین، ایپکس فین یہ سب بنیادی طور پر ایک ہی خاندان کے افراد تھے۔ جس کی بدولت آج پاکستانی پنکھا دنیا بھر میں اپنا نام پیدا کر چکا ہے۔ اسی دوران امداد باہمی کی بنیاد پر رائل فین کا آغاز ہوا۔

۱۹۷۱ء کی دہائی میں صنعتوں پر زوال شروع ہوا تو شیخ محمد رفیق فیکٹری بند کر کے گھر بیٹھ گئے۔ اور دوبارہ حالات بہتر ہونے پر رائل فین کا آغاز ایک نئے جذبے سے ہوا جو اس کی نوجوان قیادت کے ہاتھوں تیزی سے ترقی کر رہا ہے رفتہ رفتہ پنکھا ساز ادارے بڑھتے گئے اور مقابلہ بازی کی وجہ سے پنکھوں کے معیار کو بڑی ترقی ملی۔

قیامِ پاکستان سے قبل تقریباً ۵ فیکٹریاں اپنے محدود وسائل کے ساتھ کام کر رہی تھیں۔ جنھوں نے قیام پاکستان کے بعد اپنی مشکلات اور مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک ورکنگ کمیٹی تشکیل دی جس کا نام الیکٹرک فین مینوفیکچررز گروپ گجرات رکھا۔ اس سلسلہ میں حاجی عبدالواحد آف پاک فین، حاجی محمد یونس آف یونس فین، حاجی محمد اعظم آف سلطان فین، حاجی عبدالرشید آف رشید فین اور حاجی اسماعیل مرحوم آف ایپکس فین کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بعد کے اداروں میں باہمی مفاد اور اشتراک کے لیے یہ گروپ بنتے اور ٹوٹتے رہے۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۸ء تک طویل عرصہ کے لیے میاں احسان اللہ آف پاک فین اس گروپ کے صدر رہے۔

۱۹۹۰ء میں چند اہم پنکھا ساز اداروں نے اس صنعت کو درپیش مشکلات کا احساس کرتے ہوئے پاکستان الیکٹرک فین مینوفیکچرز ایسوسی ایشن PEFMA کی بنیاد رکھی جس کے پہلے چیئرمین مرزا امتیاز بیگ احمد آف میٹرو فین مقرر ہوئے۔ ۱۹۹۲ء میں شیخ انجم رفیق آف رائل فین ۱۹۹۵ء میاں احسان آف پاک فین ۱۹۹۷ء مرزا صدیق آف قاضی فین ۱۹۹۹ء میاں محمد الیاس آف جی ایف سی فین اور آج کل عدنان نسیم سیٹھی پفما کے چیئرمین ہیں اس تنظیم کی سابقہ قیادت میاں احسان اللہ کی بدولت ایف ڈی آئی فین ڈویلپمنٹ انسٹی ٹیوٹ کا قیام ممکن ہوا جنھوں نے ایکسپورٹ پروموشن بیورو سے ۹ ملین روپے کی امداد سے یہ انسٹی ٹیوٹ شروع

Marfat.com

کروایا۔ ایف ڈی آئی سے نہ صرف ہنر مند افراد دستیاب ہو سکیں گے بلکہ فین انڈسٹری کو تکنیکی سہولتیں بھی میسر ہوں گی جس سے یہ صنعت مزید ترقی کر سکے گی۔ ذیل میں گجرات کی چند اہم فرموں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ فہرست محض نمونے کے طور پر پیش کی جا رہی ہے۔ یقیناً بہت سے نام اس میں شامل نہ ہو پائے جس کی وجہ محض وقت کی کمی ہے۔

امان اللہ فین سپیئر پارٹس انڈسٹریز

۲۰۰۹ء میں قائم کی جانے والی اس کمپنی کے چیف ایگزیکٹو عبدالقادر ہیں۔ فالتو پرزہ جات جو پنکھے کی صنعت میں استعمال ہوتے ہیں' کا کاروبار کرتے ہیں۔

انیسہ فین بلیڈ

۲۰۰۳ء میں قائم ہونے والی اس کمپنی کا کام پنکھوں کے فالتو پرزہ جات کی تیاری ہے۔ نعمان شفیق اس کے چیف ایگزیکٹو آفیسر ہیں۔

پرواز فین

گجرات کے مغرب میں جی ٹی روڈ پر واقع پرواز فین واحد فیکٹری ہے جس نے اپنے دیدہ زیب منفرد اور متنوع ڈیزائنوں کی بدولت نہ صرف پاکستانی مارکیٹ بلکہ مڈل ایسٹ' افریقہ اور جنوبی ایشیا کے ملکوں میں بھی دھوم مچا دی ہے۔ ISO 9001 اور ISO 9002 سرٹیفکیشن کی حامل اس جدید ترین فیکٹری کا آغاز ۱۹۶۷ء میں پاکستان کے معروف صنعت کار چودھری مراد علی نے کیا۔ جنہوں نے ابتدا سے ہی اپنی تمام تر توجہ پرواز فین کے معیار اور ساکھ کو مضبوط بنانے پر دی اور پرواز فین کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے پاک فوج کے ادارے ایم ای ایس اور سی ایس ڈی کے علاوہ واپڈا نے بھی پنکھوں کی فراہمی کے لیے پرواز فین کو ترجیح دی۔

اس کے بعد ان کے صاحبزادے چودھری محمد انور نے اس ادارے کی ترقی کے لیے ان تھک جدوجہد کی۔ چودھری محمد انور کے نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ بیٹے حافظ اشفاق انور نے ۱۹۸۷ء میں فیکٹری کی بھاگ دوڑ سنبھالی۔ جو گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے نائب صدر رہے ہیں۔ حافظ اشفاق انور نے گلوبل ویلج کی ضروریات اور ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے جی ٹی روڈ گجرات پر نئی فیکٹری کا سنگ بنیاد رکھا اور جدید ترین پروڈکشن لائن تیار کی۔ جس کے لیے تمام مشینری ترقی یافتہ ممالک سے امپورٹ کی گئی۔ جہاں نہ صرف پنکھے بلکہ واشنگ مشین اور پی فنگ کی تیاری ممکن ہوتی۔ حافظ اشفاق انور نے نہ صرف جدید پروڈکشن لائن متعارف کروائی بلکہ انھوں نے پنکھوں کی ڈیزائنوں میں اور ماڈلز میں جدت پیدا کرنے کے لیے نت نئے آئیڈیاز متعارف کروائے۔ جس کی بدولت دیدہ زیب اور منفرد ڈیزائنز تخلیق ہوئے۔ اور بجلی کی زیادہ بچت ممکن ہوئی۔

حافظ اشفاق انور اور ان کے معاون چھوٹے بھائی چودھری علی عثمان کی کوششوں سے پرواز انڈسٹری کی مصنوعات کی شہرت پاکستان کی حدود پھلانگ کر دنیا بھر میں پھیل گئی ہے۔ افریقی ممالک میں پرواز فین کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لیے افریقہ کے مشہور ملک سوڈان میں بھی پرواز فین میں ایک فیکٹری لگائی ہے اس طرح پرواز فین پاکستان کا واحد پنکھا ساز ادارہ ہے جس کا یونٹ بیرونِ ملک بھی پنکھے تیار کر رہا ہے۔

جی ایف سی فین

حاجی محمد الیاس ۱۹۹۳ء میں پہلی مرتبہ متحدہ عرب امارات میں ہونے والی ایک صنعتی نمائش میں جی ایف سی فین لے کر گئے تو وہ پنکھوں کی برآمدات کے بانی قرار پائے۔ ۱۹۹۴ء میں بنگلہ دیش' ۱۹۹۷ء میں سعودی عرب' یمن' جنوبی افریقہ' امریکہ' برازیل' ایران' عراق اور افریقی ممالک میں جی ایف سی متعارف کرایا جا چکا تھا۔ حاجی محمد الیاس کے دونوں بیٹے خرم الیاس اور نبیل الیاس بھی انجینئر ہیں اور فیکٹری میں ان کے علاوہ بھی تین الیکٹریکل انجینئر کام کر رہے ہیں اس لیے تکنیکی حوالے سے جی ایف سی فین کا کسی سے بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کا سب سے بڑا ادارہ پی سی ایس آئی آر صرف جی ایف سی فین کے معیار کی اپنی لیبارٹری میں ٹیسٹ کے ذریعہ تصدیق کرتا ہے۔

حالیہ برسوں میں امریکہ اور بالخصوص یورپ میں پاکستانی پنکھوں کی مانگ میں اضافہ ہوا ہے لیکن وہاں پنکھوں کی فروخت کے لیے یو ایل اور سی ای سرٹیفکیٹ کی بھی ضرورت تھی۔ امریکہ کا یہ سب سے مستند اور بڑا سیفٹی سٹینڈرڈ سرٹیفکیٹ UL انڈر رائٹر لیبارٹری اور یورپی ممالک میں اہمیت کا حامل (Europa CE Conformity) سرٹیفکیٹس انجینئرنگ کے شعبے میں کمال مہارت کی بدولت جی ایف سی فین حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ ڈائریکٹر فنانس و پرچیز میاں محمد اعجاز کمپنی کے چیف ایگزیکٹو حاجی محمد الیاس کے بھائی ہیں جنہوں نے ذہانت' قابلیت اور سوجھ بوجھ کا استعمال کرتے ہوئے سرٹیفکیٹس کے حصول میں اپنے بڑے بھائی حاجی محمد الیاس کے دست و بازو بن کر اس اہم سنگِ میل کو عبور کرنے میں بھرپور ساتھ دیا۔

رائل فین

شیخ انجم رفیق نے رائل فین کے لائف ٹائم گارنٹی کی ضمانت پیش کر کے

Marfat.com

پنکھوں کی دنیا میں ہلچل برپا کرتے ہوئے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ اپنے اس کامیاب دعوے کو گذشتہ کئی سالوں سے سچ ثابت کر رہے ہیں۔ سونے پر سہاگہ والی بات یہ ہے کہ رائل فین اپنی تمام ورائٹی پر لائف ٹائم گارنٹی کی ضمانت پیش کرتا ہے' رائل فین کے مینجنگ ڈائریکٹر انجم رفیق جو کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں دنیا بھر کی جدید ترین فیکٹریوں کا دورہ کر کے مختلف کورسز اور سیمینار میں شرکت کے بعد تمام تر خصوصیات اپنے پنکھے میں شامل کرنے کے لیے اس قدر سرگرم عمل رہے کہ جب انھوں نے لائف ٹائم گارنٹی کا اعلان کیا تو ان میں بے پناہ اعتماد موجود تھا۔ رائل فین انڈسٹری میں اعلیٰ ترین ایلومینیم باڈی' جاپانی الیکٹریکل شیٹ اور ننانوے اعشاریہ نو فیصد خالص کاپر وائر استعمال ہوتا ہے۔ اس میں وائنڈنگ کا سسٹم انتہائی جدید ترین ہے' بجلی کی کمی وبیشی کی وجہ سے پنکھا جلنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں' رائل فین جدید ترین تحقیق کا نادر نمونہ ہے' کیونکہ عام پنکھے کی نسبت رائل فین آدھی بجلی خرچ کرتا ہے' اس کے باوجود اس کی کارکردگی انتہائی اعلیٰ اور بے مثال ہے' رائل فین اعلیٰ تعلیم یافتہ صنعتکار شیخ انجم رفیق کی دن رات اور مسلسل کاوشوں کا نتیجہ ہے' شیخ انجمن رفیق گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر کی حیثیت سے صنعت کاروں' تاجروں کے مسائل حل کرنے کے لیے شب وروز کوشاں رہ چکے ہیں۔ انھوں نے دوسرے ساتھیوں کے تعاون سے گجرات چیمبر کو بھی نمایاں مقام دلوانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ قبل ازیں وہ گوجرانولہ چیمبر آف کامرس کے سینئر نائب صدر اور پاکستان الیکٹرک فین مینوفیکچرز ایسوی ایشن (پفما) کے چیئرمین کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ انھیں رائل فین کی ترقی میں اپنے بھائی شیخ خاور رفیق کی مکمل معاونت حاصل ہے' شیخ خاور رفیق بھی اپنے بھائی کی طرح پنکھے کی کوالٹی پر بھرپور توجہ دیتے ہیں' وہ صنعت پنکھا سازی کی ملک گیر تنظیم پاکستان الیکٹرک فین مینوفیکچرز ایسوی ایشن (پفما) کے سابقہ چیئرمین رائل فین کی موٹر کور جاپانی آٹو میٹک ارمیچر وائنڈنگ مشینوں اور امپورٹڈ اعلیٰ فلیکس پیپر کے استعمال سے وائنڈ کی جاتی ہے' جس کی بدولت پنکھا جلنے کا کوئی امکان نہیں رہتا' رائل فین میں جاپانی بیرنگ بے آواز کارکردگی کو ممکن بناتا ہے' اب اس ادارے نے انتہائی معیاری ٹیوب لائٹ کی پٹی اور چوک بھی بنانا شروع کر دی ہیں' رائل فین کمپنی واشنگ مشین بھی تیار کرتی ہے اور پنکھوں کی طرح اس ادارے کی واشنگ مشین بھی اعلیٰ معیار اور خوبصورت ماڈلوں کی وجہ سے صارفین میں بے حد مقبول ہے۔

فیوک الیکٹریکلز

اس کمپنی کی بنیاد ۲۰۰۲ء میں رکھی گئی۔ بجلی کے پنکھوں اور اس سے متعلقہ مصنوعات کا کاروبار کرتے ہیں۔ مالک میاں طیب محمود انجم ہیں۔

میٹرو ہائی ٹیک پرائیویٹ لمیٹڈ

میٹرو ہائی ٹیک پرائیویٹ لمیٹڈ کی بنیاد یونس گروپ آف انڈسٹریز نے آج سے تقریباً ۳۵ سال قبل رکھی تھی۔ قبل ازیں یہ ادارہ یونس انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ کے نام سے نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی اپنے اعلیٰ معیار کی بدولت اس کی مصنوعات بے حد مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ میٹرو فین نے اپنے پنکھے' واشنگ مشین' گیس اور الیکٹرک ہیٹر' گیزر اور ایئر کولر جیسی گھریلو مصنوعات کی تیاری ۱۹۷۳ء سے شروع کی اور ۲۵ سال سے زائد عرصہ تک بیرون ملک برآمدات کے بعد چند سال قبل عوام کے پرزور اصرار پر ملک کے اندر بھی فروخت کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی مصنوعات کے اعلیٰ معیار کی بدولت ملک کے اندر بھی صف اول کے پنکھا ساز اداروں میں شمار ہونے لگا' میٹرو ہائی ٹیک پرائیویٹ لمیٹڈ کو صنعت پنکھا سازی میں سب سے پہلے ۱۹۹۴ء میں ۹۰۰۲۔ آئی ایس او سرٹیفکیٹ ملا۔ اس کمپنی کی مصنوعات کو اپنے اعلیٰ معیار کی بدولت پاکستان سٹینڈرڈ انسٹی ٹیوٹ' پاک فوج کے ایم ای ایس شعبہ' سعودی عرب سٹینڈرڈ آرگنائزیشن' انجینئرنگ ڈویلپمنٹ بورڈ حکومت پاکستان میں رجسٹر ہونے کے علاوہ یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ حکومت کویت نے کسی بھی پاکستانی پنکھے سے پہلے میٹرو فین کو ہی رجسٹرڈ کیا۔ اس کمپنی کو یہ تمام اعزازات اپنے بہترین تکنیکی اور تجربہ کار ہنرمندوں کی دن رات محنت اور اعلیٰ معیار کی وجہ سے حاصل ہوئے۔ اس وقت میٹرو فین کی مصنوعات مشرق وسطیٰ' بنگلہ دیش' سری لنکا' برطانیہ' جنوبی افریقہ اور نائجیریا کے علاوہ بہت سے ممالک میں برآمد کی جا رہی ہیں۔ میٹرو ہائی ٹیک کمپنی نے حال ہی میں موٹر سائیکل بنانے کا بھی آغاز کر دیا ہے اور اس کمپنی کے ہنرمندوں کی بہترین تکنیکی اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اس کی انتظامیہ کے سابقہ صنعتی ریکارڈ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات باآسانی کہی جا سکتی ہے کہ میٹرو ہائی ٹیک نے جو موٹر سائیکل تیار کیا ہے وہ بلاشبہ دور حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے بلکہ اپنے گاہکوں کی پسند اور استطاعت کے عین مطابق ہے۔

واحد انڈسٹریز لمیٹڈ

۱۹۴۵ء میں میاں عبدالواحد نے ایک چیلنج سمجھ کر قائم کی اور پنکھا سازی میں برق رفتاری سے ترقی کرتے ہوئے 'پاک فین' جیسا معیاری پنکھا بنا کر واحد انڈسٹری کو اعتماد کی علامت بنا دیا۔ میاں عبدالواحد اس کے صدر ہیں' میاں احسان اللہ چیف ایگزیکٹو' میاں امان اللہ مینجنگ ڈائریکٹر کے علاوہ میاں سلیم اللہ اور شفیق اللہ اس کے ڈائریکٹرز ہیں۔ اس صنعت کی خصوصی پیداوار الیکٹرک تمام اقسام کے مقبول سائز

Marfat.com

اور کاپر وائر ایس ڈبلیو جی ۱۶ تا ۳۶ کے علاوہ ان کی اہم پیش رفت واشنگ مشین اور ایئر کولر ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں میاں احسان اللہ نے اس صنعت میں عملی شمولیت کے بعد اپنے عظیم تجربہ کار والد کی زیرنگرانی اس صنعت کو مزید ترقی دی۔ انھوں نے جاپان سے جدید مشینری منگوا کر کاپر اینملڈ وائر کی جدید خطوط پر تیاری شروع کر کے پنکھا سازی کی صنعت میں انقلاب برپا کر دیا۔ اپنی اعلیٰ خدمات اور اہلیت کے باعث صنعتی تجارتی، اور معاشرتی تنظیموں میں بھی اہم ذمہ داریاں بڑی عمدگی سے نبھا رہے ہیں بالخصوص صنعت وتجارت سے متعلقہ ماضی میں وزیراعظم کی ٹیکس اصلاحات کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے مفید کام سرانجام دیے۔

یونس فین

یونس فین ۱۹۴۴ء میں تشکیل کیا گیا۔ پاکستان کے پنکھا سازوں میں ایک مقبول اور نمایاں نام ہے جو طویل تحقیق اور جدید ٹیکنالوجی پر انحصار کر کے کامیاب بن چکا ہے۔ یہ فرم الحاج محمد یونس کے نام سے قائم کی گئی تھی اور اس کی دیکھ بھال یونس فیملی مضبوط ارادے اور ایک واضح نصب العین سے کر رہی ہے۔ جس میں الحاج محمد ایوب، عرفان اے ایوب، فرقان اے ایوب، سلمان اے ایوب اور عثمان اے ایوب کی کوششیں شامل ہیں یونس فین ملک میں اور عالمی منڈیوں میں کوالٹی اور کارکردگی کے لحاظ سے تمام مقابلہ کرنے والوں کو پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ یونس پنکھوں کے پرکشش ڈیزائنز اور دل کو موہ لینے والے مختلف رنگ، جدید انجینئرنگ ٹیکنالوجی کو سامنے رکھ کر منتخب کیے جاتے ہیں اسی لیے ان پنکھوں کو عالمی تجارتی میلوں انٹرنیشنل ایوارڈز دیے گئے۔ الحاج محمد ایوب جو کہ چیف ایگزیکٹو ہیں اور پنکھا سازی کا ۴۵ سال کا تجربہ رکھتے ہیں بذات خود پنکھوں کی تیاری کے ہر عمل کا دھیان رکھتے ہین عرفان اے ایوب ٹیکنیکل ڈائریکٹر ہیں جو ریسرچ اور ترقی کی اضافی ذمہ داریاں نبھانے کے علاوہ پیداوار کے ذمہ دار ہیں۔ پنکھوں اور ایلومینیم کے سانچوں میں پلاسٹک ٹیکنالوجی کا آغاز کرنے کا سہرا بھی انھی کے سر ہے۔ اس کے علاوہ فیکٹری کے اطراف میں سانچہ اور ٹھپہ سازی بھی ان کی جستجو اور صلاحیت کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ فرقان اے ایوب ایک انتھک ہونہار نوجوان ہے جو مارکیٹنگ جیسی اہم ذمہ داری کامیابی سے نبھا رہے ہیں اس کے علاوہ یونس گروپ کے مالیات اور خریداری کے امور کے ذمہ دار ہیں۔ کمپنی کو جوائن کرنے سے پہلے انھوں نے MBA کی ڈگری لی اور روزمرہ کے بزنس میں اپنی صلاحیتیں واضح کیں۔ یونس فین کی انتظامیہ نے عالمی شہرت یافتہ مارکیٹ دبئی میں اپنا ایک شوروم اور سیلز مارکیٹنگ کا دفتر قائم کر رکھا ہے اور یہ ذمہ داری سلمان اے ایوب کو دی گئی ہے جو انگلینڈ سے مارکیٹنگ میں پوسٹ گریجویٹ کر کے آئے ہیں اور دلکش شخصیت کے مالک ہیں اپنی اعلیٰ خداداد صلاحیتوں کے باعث نہ صرف متحدہ عرب امارات بلکہ سوڈان، مصر، یمن اور دوسرے افریقی ممالک میں یونس فین کا مضبوط نیٹ ورک قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یونس میٹل ورکس (پرائیویٹ لمیٹڈ) اعتماد، معیار اور اعلیٰ ٹیکنالوجی کا حسین امتزاج ہے جس کا مستقبل بڑا تابناک ہے۔

فرنیچر سازی کا فروغ

نسل انسانی کی نصف سے زائد زندگی نشست وخواب میں بسر ہوتی ہے۔ اس لیے انسانی زندگی کے تہذیبی سفر میں فرنیچر کی اہمیت بڑی واضح ہے۔ گجرات کے فن چوب کاری سے آراستہ باکمال اور لاجواب دستکاروں نے انسانی ضرورت اور آسائش کو مدنظر رکھتے ہوئے آہنی اوزاروں سے فنون لطیفہ لاجواب چوبی شاہکار تخلیق کرتے ہوئے اس دلنشین فن کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ یہ فن نسل در نسل اپنا ارتقائی سفر طے کرتے ہوئے اب ایک بڑی صنعت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ گجرات میں فرنیچر سازی کے بڑے بڑے کارخانے موجود قائم تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے یہاں کا تیار کردہ فرنیچر دور دراز ملکوں تک مشہور تھا۔ اور دساور تک بھیجا جاتا تھا۔ بڑے بڑے رؤسا اسے اپنے بنگلوں کی زینت بنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مگر پاکستان بننے کے بعد اس اہم صنعت کو کچھ درجہ نظرانداز کر دیا گیا۔ اور یہ اب ایک ثانوی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ جہاں پہلے ڈھائی سو کے لگ بھگ کارخانے فرنیچر سازی کرتے تھے۔ وہاں اب صرف پچاس کے لگ بھگ رہ گئے ہیں۔ فرنیچر ساز اداروں اور فرنیچر میکرز ایسوسی ایشن کے ذمہ داران کے مطابق حکومتوں کے بے رُخی اور غلط پالیسی کی بدولت گجرات کی اس تاریخی صنعت کو بے پناہ نقصان پہنچا ہے۔ بالخصوص سیل ٹیکس کی موجودہ شرح اور حد بکری اس کی ترقی کے راستے میں بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

گجرات میں پاکستان کے بڑے بڑے فرنیچر شورومز موجود ہیں جہاں سے نہ صرف پاکستان کے باذوق افراد اپنے گھروں اور دفاتر کے لیے فرنیچر خریدتے ہیں بلکہ اب گجرات کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں کا تیار کردہ فرنیچر یورپ اور امریکہ سمیت دنیا بھر میں ایکسپورٹ ہو رہا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ قیام پاکستان ایک صدی قبل ہی گجرات صنعت فرنیچر سازی کے لیے مشہور ہو چکا تھا اور متحدہ ہندوستان کو یہاں سے فرنیچر سپلائی ہوا کرتا تھا۔ گجرات کے ساتھ ہی واقع جہلم میں لکڑی کی بڑی منڈی وجود میں آ چکی تھی جہاں سے وافر مقدار میں لکڑی کی دستیابی سے یہاں کے ہنرمندوں نے اپنے کمال فن کی وجہ سے اس صنعت کو بڑی ترقی دی یہاں کے معروف فرنیچر سازوں

Marfat.com

میں نظام محمد حیات محمد دین کا نام بڑا مشہور ہے جس کا ذکر انگریزی دور میں تحریر کیے جانے والے گزٹز میں بھی موجود ہے۔ یہاں نہری نظام شروع ہوا تو سڑکوں کے کنارے نیپال سے منگوا کر پہلی دفعہ شیشم کے درخت کاشت کیے گئے۔ یوں اس صنعت کو فرنیچر کے لیے ایک بہت ہی اچھی لکڑی کی دستیابی ممکن ہوئی جسے قدیم و جدید دستی اور مشینی اوزاروں سے ہم آہنگ تخلیقی ہاتھوں نے نئی آب و تاب دی اور اس فن کو نئی رفعتوں سے متعارف کروایا۔ ذیل میں ضلع گجرات کی چند اہم فرموں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

امجد کنسٹرکشن اینڈ ٹریڈنگ کمپنی سٹائل فرنیچر

اس فرم کے مینیجنگ ڈائریکٹر امجد مجید ہیں۔ فرنیچر کی مصنوعات میں ان کا نعرہ ہے کہ ''لوگوں کو منفرد سٹائل دینا ہے''۔

این ایم فرنشرز

این ایم فرنشرز کا آغاز ۱۹۷۷ء سے ہوا یہ ادارہ صوفی نذر محمد کے نام سے موسوم ہے جو ان کے نوجوان بیٹوں عابد فاروق اور راشد فاروق کی مسلسل محنت کے باعث دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہا ہے۔ این ایم فرنشرز بین الاقوامی معیار کا انتہائی نفیس اور عمدہ فرنیچر تیار کرنے میں ملک گیر شہرت کا حامل ادارہ ہے۔ این ایم فرنشرز پاکستان کا بہت بڑا فرنیچر ساز ادارہ ہے جو شیشم کی لکڑی سے فرنیچر کی تیاری میں چوتھائی صدی کی مہارت اور تجربہ کا حامل ہے جس کا وسیع اور جدید فرنیچر شوروم دلکش ڈیزائنوں کے عمدہ اور نفیس فرنیچر کی ورائٹی سے مزین ہے۔ این ایم فرنشرز کے خریدار مکمل اعتماد اور پختہ یقین رکھتے ہیں کہ این فرنشرز کا تیار کردہ فرنیچر عمدہ کوالٹی اور اعلیٰ معیار کا نادر نمونہ ہے جو پائی پائیدار اور مضبوطی میں ثانی نہیں رکھتا۔ این ایم فرنشرز انتہائی محتاط طریقے سے شیشم کی لکڑی کی سلیکشن کے بانی ہے جسے مکمل سیزنگ پراسس کے بعد فرنیچر کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے این ایم فرنشرز کا تیار کردہ فرنیچر بین الاقوامی معیار پر پورا اترتا ہے۔

بشیر ڈیزائن فرنیچر

برصغیر کے نامور فرنیچر ساز اداروں میں چناب فرنشرز ہاؤس' نیو سٹائل فرنشرز' میاں خاں سالمز اور ایم نذیر فرنشرز ہاؤس پرائیوٹ لمٹیڈ کے ادغام اور ارتقا سے وجود میں آیا۔ جسے حاجی بشیر احمد اور ان کے ہنرمند بیٹوں حاجی محمد ارشد' حافی محمد افضل' حاجی محمد اختر' حاجی محمد اصغر اور اعجاز احمد پر مشتمل باصلاحیت اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ٹیم پر محیط اس فیکٹری میں دوسو پچاس ہنر مند کاریگر فرنیچر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ISO۹۰۰۱ اعزاز یافتہ بشیر ڈیزائن فرنیچر اندرون و بیرون ملک ہر سطح اور ہر قسم کے فرنیچر کی فراہمی کا قابل اعتماد ادارہ ہے جس کے جاپان انگلینڈ امریکہ اور مشرق وسطیٰ میں خود بھی فرنیچر فراہمی کے معاہدے ہیں۔ سب سے بڑھ کر بشیر ڈیزائن فرنیچر کو بیت اللہ شریف میں فرنیچر مہیا کرنے کا انفرادی اعزاز بھی حاصل ہے۔

چودھری یوسف ٹمبر مرچنٹ

۱۹۷۲ء میں قائم ہونے والی کمپنی تمام اقسام کے فرنیچر اور لکڑی کے سامان کا کاروبار کرتی ہے۔ اس کے چیف ایگزیکٹو عرفان یوسف ہیں۔

ڈیسنٹ فرنشرز

حاجی بشیر خاندان کی تین نسلوں کے تجربے اور روائت کا نام ہے جس کا آغاز چھ عرصے قبل انتہائی چھوٹے پیمانے پر مقامی دستکارانہ ہنر کی بنیاد پر ہوا جو آج نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنی شناخت رکھتی ہے ڈیسنٹ فرنشرز شورومز گجرات راولپنڈی اور اسلام آباد میں بھی موجود ہیں۔ فنی' تکنیکی اور سائنسی انداز سے فرنیچر سازی میں ڈیسنٹ فرنشرز کو ملکہ حاصل ہے۔ اس فیکٹری میں پاکستان کی مقامی مضبوط پائیدار اور خوبصورت لکڑی شیشم کے استعمال بالعموم اور دیگر اقسام کی لکڑی کا استعمال بالخصوص ہوتا ہے جسے قدرتی اور سائنسی دونوں انداز سے سیزن کیا جاتا ہے فرنیچر کی فنشنگ میں روائتی طریقہ سپرے استعمال ہوتا ہے۔ انٹرنیشنل ٹریڈ سنٹر UNCIAD جینوا نے پاکستان کے ایکسپورٹ پروموشن بیورو کی سفارش سے ڈیسنٹ فرنشرز کو ایک پائیلٹ پراجیکٹ کے طور پر نامزد کیا ہے جس کے ذریعے USA جاپان اور یورپ کو فرنیچر برآمد کیا جائے گا۔

ریاض فرنشرز

فرنیچر کی تیاری میں گجرات کا نام قیام پاکستان سے قبل ہی دنیا میں مقبول ہو چکا تھا ریاض فرنشرز جیسے بڑے اور قدیم ادارے کی بنیاد ادارے کے موجودہ چیف ایگزیکٹو جناب ریاض احمد جان کے دادا میاں غلام محمد مرحوم نے قیام پاکستان سے قبل اپنے دو بیٹوں نذیر احمد اور بشیر احمد کے نام رکھی اور عمدہ فرنیچر کی تیاری سے خوب نام پیدا کیا۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۲ء کو بشیر احمد اور ۲۸ جنوری ۱۹۶۴ء نذیر احمد دونوں بھائیوں کی وفات کے بعد یہ ادارہ ریاض احمد اعجاز احمد ہائی کلاس فرنیچرز کے نام سے کام کرتا رہا تاہم ۱۹۷۴ء میں اعجاز احمد نے اپنے والد بشیر احمد کے نام سے بشیر سنز فرنیشرز کا علیحدہ پراجیکٹ سرگودھا روڈ پر قائم کر لیا۔ ریاض فرنشرز کے چیف ایگزیکٹو ریاض احمد جان قریشی فرنیچر سازی میں مکمل پیشہ ورانہ مہارت اور عبور رکھتے ہیں انکی زیر نگرانی تیار ہونے والے فرنیچر کی کوالٹی اور معیار ہر قسم کے نقائص سے پاک ہوتا ہے۔ ریاض فرنشرز کی مصنوعات کی تیاری کے لیے لکڑی انتہائی جانچ پڑتال کے بعد منتخب کی جاتی

Marfat.com

ہے اور فرنیچر کی تیاری میں جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ فیکٹری میں ہنرمند کاریگر بڑی نفاست اور احتیاط سے فرنیچر تیار کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ریاض فرنشرز کی تیار کردہ مصنوعات معیار اور جدت کے حوالے سے ملک بھر میں اپنی الگ پہچان اور شناخت رکھتے ہیں ریاض فرنشرز کی اچھی کارکردگی کی بدولت یہ ادارہ ترقی کرتے ہوئے ٦ اپریل ١٩٨٦ء میں لمیٹڈ کمپنی کے طور پر وجود میں آیا۔

سیمز فرنشرز

فرنیچر کی دنیا میں مختصر عرصہ میں اپنا نام مستحکم کرنے کا اعزاز صرف سیمز فرنشرز کو حاصل ہوا ہے جو اعلیٰ کوالٹی کی لکڑی سے ہائی کلاس فرنیچر کی تیاری انتہائی ماہرانہ انداز میں کرتے ہیں۔ سیمز فرنشرز کا شمار بھی گجرات کے چند بڑے فرنیچر ساز اداروں میں کیا جاسکتا ہے۔

کانسپٹ فرنشرز

قیوم نذر ایک ہنرمند خاندان کے ہونہار سپوت ہیں جنہوں نے ١٩٨٣ء میں گجرات میں نیشنل فرنیچر کا آغاز کیا اپنی خداداد صلاحیت اور محنت کی بدولت جلد ہی فرنیچر کی صنعت سے وابستہ ممتاز افراد کی صف میں آ کھڑے ہوئے اس دوران انھیں بھائی شائق وسیم مرزا کی بھی بھرپور معاونت حاصل رہی۔ ١٩٩٥ء میں قیوم نذر نے جی ٹی روڈ بائی پاس پر کنسپٹ فرنشرز کے نام سے شاندار فرنیچر شوروم کے افتتاح کے ساتھ ہی لکڑی کے فرنیچر کی تیاری کا آغاز کر دیا عمدہ معیار کی شیشم کی لکڑی سے تیار شدہ جدید وقدیم ڈیزائنوں پر مشتمل فرنیچر کی تیاری کا بھرپور تجربہ رکھنے والے ان کے بھائی محمد سعید مرزا نے فرنیچر سازی میں نئے تجربات کرتے ہوئے فرنیچر سازی میں جدت اور نئے خیالات کو فروغ دیا ہے جس کی وجہ سے کنسپٹ فرنیچر ملک بھر میں مشہور ہے۔

گلوبل فرنشرز

فرنیچر سازی کی صنعت میں گجرات تاریخی روایات کا امین ہے جہاں سے ١٩٨٦ء میں گلوبل فرنشرز کا آغاز ہوا اپنی پیشہ ورانہ مہارت ہنر اور تجربہ کی بنیاد پر فرنیچر ساز میں ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ١٩٩٦ء میں اس کا جدید فرنیچر شوروم قائم ہوا نسل درنسل منتقل ہونے والی مہارت تجربے اور روایت کے امین حاجی محمد شفیع اور ان کے جواں سال بیٹے عبدالرحمٰن اور عبدالمنان گلوبل فرنیچر کے تابناک مستقبل کے لیے پُراعتماد ہیں۔ گلوبل فرنشرز میں جدید ترین خوبصورت ڈیزائن اور عمدہ کوالٹی کی بدولت ہر طبقہ کے مزاج توقعات اور معیار کے مطابق فرنیچر تیار کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ گلوبل انڈسٹری کی مصنوعات خاص وعام میں مقبول ہیں۔ یہ ادارہ فرنیچر سازی میں نہ صرف گجرات بلکہ ملک اور قوم کا نام روشن کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے۔

حاجی محمد دین محمد اسلم فرنیچر میکرز

گجرات کی صنعت فرنیچر سازی میں یہ فرم ١٨٩٠ء سے قائم ہے۔ حاجی محمد دین اس کے بانی ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کے انتھک کارپردازان کی محنت رنگ لائی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس فرم نے دسادر میں اپنے لیے ایک مضبوط مارکیٹ مہیا کر لی۔ فرنیچر کی دنیا سے حیات اینڈ سنز کا نام غائب ہونے کے بعد اس فرم نے وہ خلا پر کر دیا اور اب یہ کارخانہ فرنیچر کے نئے نئے ڈیزائنوں۔ پختہ کاری۔ اعلیٰ نقاشی۔ قیمتی لکڑی اور فن صناعی کا بلند معیار پیش کرنے کی وجہ سے زبان زد خلائق ہے۔ اس نے گجرات کے فرنیچر کا نام دوبارہ روشن کر دیا ہے۔

نیشنل فرنشرز

نیشنل فرنشرز کا شمار پاکستان کے معروف فرنیچر ساز اداروں میں کیا جاتا ہے اس ادارے کا قیام ١٩٨٧ء میں عمل میں آیا۔ فرم کے چیف ایگزیکٹو امجد فاروق نے فرنیچر سازی میں نئے انداز اور نئے خیال کو متعارف کروایا جس کی وجہ سے اس ادارے نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی۔ آج سے ٢٥ برس قبل اس فرم کو سرگودھا روڈ سے جی ٹی روڈ پر منتقل کر دیا گیا جو بڑے اور وسیع ورائٹی والے فرنیچر زشورومز کا نقطہ ثابت ہوا آج جی ٹی روڈ پر نیشنل فرنشرز کے قرب وجوار میں اعلیٰ کوالٹی کے فرنیچر کو متعارف کروایا مارکیٹ وجود میں آچکی ہے۔ نیشنل فرنشرز کے چیف ایگزیکٹو امجد فاروق اور ان کے والد صوفی نذیر محمد نے مقامی فرنیچر سازوں پر اپنے شورومز اور فیکٹری کے دروازے وا کر دیے اور صنعت فرنیچر کی ترقی کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں جن کی بدولت آج گجرات کا شمار فرنیچر ایکسپورٹ کرنے والے بڑے شہروں میں کیا جانے لگا ہے نیشنل فرنشرز کے شوروم کو پاکستان کا سب سے وسیع وعریض شوروم کہنا بے جا نہ ہوگا۔ نیشنل فرنشرز میں عمدہ معیار کی شیشم کی لکڑی کو منتخب کر کے طویل عرصہ سیزن کے بعد فرنیچر اور لکڑی کی مصنوعات میں استعمال کیا جاتا ہے جس کی بدولت اس ادارے کا فرنیچر کوالٹی اور مضبوطی میں لاجواب ہے یہاں کے ہنرمند دستکار بین القوامی معیار کو حاصل کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہیں نیشنل فرنشرز کے ڈیزائن روائت جدت اور آسائش کا باعث ہیں۔

نیشنل پلائی ووڈ فیکٹری لالہ موسیٰ

جی روڈ لالہ موسیٰ پر واقع اس فیکٹری کی روداد کچھ یوں ہے کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو جب یہ محسوس ہوا کہ جب تک عوام میں جڑیں مضبوط نہ ہوں اس وقت تک مارشل لائی قوانین کی سختی کے باوجود اقتدار ہچکولے کھاتا رہے گا تو اس نے

Marfat.com

عوامی رابطہ مہم شروع کی۔ ضلع گجرات میں جن چند افراد سے اس کے تعلقات استوار ہوئے ان میں چودھری محمد اشرف کائرہ مرحوم کا نام سرفہرست تھا۔ لالہ موسیٰ میں ان کی پہلی ملاقات کے بعد پھر ملاقاتوں کا تسلسل ٹوٹنے نہ پایا۔ اسی دور میں 1965 کو نیشنل پلائی ووڈ فیکٹری لالہ موسیٰ کی منظوری ہوئی اور 1967 کو اس فیکٹری میں کام شروع ہوا۔ کیونکہ اس فیکٹری کے بانی چودھری محمد اشرف کائرہ تھے اس لیے انھی کو اس فیکٹری کے پہلے مینجنگ ڈائریکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آپ کے ساتھ چودھری برکت علی حصہ دار تھے۔ 1967 میں ایک حادثہ میں چودھری محمد اشرف کائرہ کی وفات کے بعد چودھری برکت علی نے بطور مینجنگ ڈائریکٹر چارج سنبھالا۔ کچھ عرصہ بعد جب رضائے الٰہی سے چودھری برکت علی کی بھی وفات ہوئی تو ان کی جگہ چودھری محمد اشرف کائرہ مرحوم کے چھوٹے بھائی چودھری محمد اسلم کائرہ بحیثیت مینجنگ ڈائریکٹر فرائض کی بجاآوری میں مشغول ہوئے۔ جب یہ فیکٹری بنی تو پورے ملک میں اس کا چوتھا نمبر تھا۔ آج بھی پاکستان کی چند بڑی پلائی ووڈ فیکٹریوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ کوالٹی کے اعتبار سے بھی اس کا مال ملک کی تمام مارکیٹوں میں سراہا جاتا ہے۔ اس فیکٹری میں پلائی ووڈ دروازے ون بورڈ اور دیگر مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ اس میں مزدوروں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ جبکہ درجنوں افراد سٹاف ممبر ہیں۔

گجرات پاٹری صنعت

ظروف انسانی تہذیب کا سب سے اہم نمونہ ہے جس کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ ضلع گجرات کے دیہی علاقوں میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران دریافت ہونے والے ظروف سے یہاں کے ہنرمندوں کی اس فن پر دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔ صدیوں پرانی لوک داستان ''سوہنی مہیوال'' میں بھی گجرات میں ظروف سازی کا ذکر ملتا ہے۔ زمانہ قدیم میں انسانی ضرورت کے لیے یہاں مٹی کے پیالے، پلیٹیں، کنالیاں، گھڑے، مرتبان اور غلہ ذخیرہ کرنے کے لیے کھلے منہ کے بڑے جار بنائے جاتے تھے۔ پہلے انھیں دھوپ میں اور پھر آگ میں سینکنے کا طریقہ اختیار کیا گیا اس طرح ان برتنوں کی پائیداری کو بڑھایا گیا۔ پھر سرخ چکنی مٹی جسے Terra Cotta کہا جاتا ہے، سے نازک اور سبک ترین بنائے جانے لگے ایک زمانہ ایسا آیا جب ان برتنوں پر روغن کیا جانے لگا۔ تقریباً ہر گاؤں میں اس فن سے وابستہ لوگ موجود تھے۔ گجرات کے مضافات میں یہ کام بڑے پیمانے پر ہوتا تھا اور یہاں کے بنے ہوئے برتن دور دراز تک جاتے تھے ظروف سازی کے فن میں انقلاب اس وقت آیا جب سفید مٹی جسے چینی مٹی بھی کہتے ہیں اس سے خوبصورت سفید برتن بھی بننے لگے۔

گجرات میں سفید مٹی کا فن کشمیر سے آنے والے کشمیری مہاجرین کے ساتھ آیا جو دریائے جموں کے کنارے سے حاصل ہونے والی سفید مٹی سے برتن بنانے کے فن سے آشنا تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے یہاں مٹی کے برتنوں کا صرف ایک کارخانہ پنجاب پاٹری ورکس موجود تھا۔ جس کی بنیاد حاجی محمد عبداللہ جب شروع شروع میں کشمیر سے ترک وطن کر کے آئے تو انھوں نے مٹی کو روغنی دواتیں بنا کر اپنے فن کا آغاز کیا۔ اس کے بعد جلد ہی اپنے چھوٹے بھائی جمال دین صاحب کو شریک کار کر لیا۔ اور مٹی کے رنگدار برتنوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں یہ برتن سزی کا سب سے پرانا اور کامیاب ادارہ ہے جس کو حاجی محمد عبداللہ کے صاحبزادے حاجی محمد سرور نے اپنی سوشل پوزیشن اور انتھک محنت سے اوپر یٹو سوسائٹی کی شکل دے کر مزدور پیشہ افراد کے لیے ایک نمونے کا کارخانہ بنا دیا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں جو متعدد کارخانے قائم ہوئے ان میں پاکستان پاٹری فیکٹری کو امتیازی حیثیت حاصل ہو ہے۔ یہ فیکٹری سرگودہا روڈ پر ریلوے پھاٹک کے قریب واقعہ ہے۔ چودھری اوڑتا جہا جر جموں اس کے پروپرائیٹر اور بانی ہیں۔ انھیں اپنے فن میں یدطولیٰ حاصل ہے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث تھوڑے ہی عرصہ میں انھوں نے اس فیکٹری کو برتنوں کا سب سے بڑا کارخانہ بنا دیا ہے۔ جہاں مشینوں کے ذریعے برتن تیار ہوتے ہیں۔ پشاور سے لے کر کراچی تک بالخصوص سرکاری محکمہ جات میں ان کی بڑی مانگ ہے۔ ریلوے کنٹریکٹرز کے لیے یہ فیکٹری سب سے بڑی سپلائر ہے۔ بلکہ اکثر حالتوں میں تو ان کی مانگ پوری نہیں ہوسکتی۔ گجرات میں برتن سازی کے ان دو مشہور کارخانوں کے علاوہ اب اور بھی کئی ایک چھوٹے موٹے کارکانے قائم ہو چکے ہیں۔ جہاں پرچ پیالے اور کراکری کے متعلق اشیا تیار ہوتی ہیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے۔ کہ نئے کارخانے ابھی تک پنجاب پاٹری ورکس اور پاکستان پاٹری فیکٹری کے ستھرے، نفیس، دیدہ زیب اور دلکش مال کا مقابلہ نہیں کرتے۔

ذیل میں گجرات کی چند اہم پاٹری فیکٹریوں میں نیلم سرامکس از باؤ غلام مصطفیٰ، حاجی فضل دین نے ۱۹۵۸ء میں کیا تھا۔ امپیریل پاٹری فیکٹری جو مسجدوں میں استعمال ہونے والے مینار اور دیگر خوشنما سامان تیار کرتی ہے کا آغاز ۱۹۶۰ء میں حاجی محمد صدیق نے کیا تھا۔ خالد چائنہ فیکٹری کا آغاز حاجی عنایت نے ۱۹۶۰ء میں کیا۔ یہ فیکٹری کپ' ساسر اور جینک وغیرہ بنا رہی ہے۔ حاجی اللہ دتہ نظام پاٹری ۱۹۶۰ء سے مختلف نوعیت کے برتن اور ڈیکوریشن پیس بنا رہے ہیں۔ ارشد پاٹری فیکٹری کا آغاز ۱۹۶۲ء میں اختر محمود نے کیا تھا۔ یہ کپ اور مگہ بنانے میں مشہور ہے۔ بشیر احمد نے ڈیلیکس پاٹری کا آغاز ۱۹۸۰ء میں کیا تھا۔ یہ بھی کپ اور مگہ بنا رہے ہیں۔ فیصل

Marfat.com

چائینہ کا آغاز سرور صاحب نے ۱۹۸۲ء سے کیا تھا یہ فرم پورسلین کے کپ چینک اور ساسر بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ناصر چائینہ کا آغاز ۱۹۸۵ء میں پاٹری صنعت کی ممتاز شخصیت حاجی ناصر محمود نے کیا یہ فرم کپ' چینک اور ساسر بناتے ہیں جو ایکسپورٹ بھی کیے جا رہے ہیں۔ سیر چائینہ کا آغاز ۱۹۹۵ء میں محمد شریف نے کیا۔ یہ کپ اور مگہ بنا رہے ہیں۔ شاہین سرامکس کا آغاز ۱۹۹۲ء میں یوسف ترہنگی نے کیا یہ فیکٹری دیسی ساختہ پیالیاں تیار کر رہی ہیں۔ صدریق پاٹری کا آغاز ۱۹۹۶ء میں حاجی محمد صدیق نے کیا لالہ غلام رسول ۱۹۸۸ء میں کام کا آغاز کیا یہ کپ اور مگہ تیار کر رہے ہیں۔ اسلم چائینہ کا آغاز ۱۹۹۷ء میں ٹھیکیدار محمد اسلم نے کیا۔ مومن چائینہ کا آغاز غلام نبی نے ۱۹۹۳ء میں کیا۔ ملک سلیم نے فیکٹری کا آغاز ۱۹۹۴ء میں کیا۔ اس کے علاوہ:

آفتاب چائینہ

گجرات میں ''آفتاب چائینہ'' کے نام سے قائم فرم نے قیام پاکستان کے فوری بعد پاکستان کی ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ٹیکنیکل سرامکس کا کام شروع کیا۔ یہ انتہائی پیچیدہ ڈیزائنوں اور اعلیٰ کوالٹی کے ہزاروں اقسام کے مختلف مشینوں میں استعمال ہونے والے پرزہ جات ۱۴۰۰ سینٹی گریڈ سے ۱۷۰۰ سینٹی گریڈ ٹمپریچر میں تیار کیے جاتے ہیں جو ٹیکسٹائل' کیمیکل اور الیکٹرک کی صنعتوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان پرزہ جات کی اندرون ملک تیاری سے نہ صرف پاکستان کو کروڑوں روپے سالانہ کے زرمبادلہ کی بچت ہو رہی ہے بلکہ یہ پرزہ جات انٹرنیشنل معیار کی وجہ سے بیرون ملک ایکسپورٹ بھی کیے جاتے ہیں۔

احسان پاٹری ورکس

۱۹۸۴ء میں قائم ہونے کمپنی کے مالک چودھری امان بشیر ہیں۔ سرامکس کی تمام مصنوعات کا کاروبار کرتے ہیں۔

امپریل پاٹری

محمد صدیق' چیف ایگزیکٹو نے اس کمپنی کی بنیاد ۱۹۹۸ء میں رکھی۔ سرامکس کی مصنوعات کو ڈیل کرتے ہیں۔

پری میئر سرامکس لمیٹڈ (پرائیویٹ) لالہ موسیٰ

جی ٹی روڈ لالہ موسیٰ پر واقع ملک کی سب سے بڑی اس سرامکس فیکٹری کا پہلا نام پاکپور سرامکس فیکٹری تھا۔ جس کو بعد ازاں پاکپور چائینہ کر دیا گیا جبکہ کچھ عرصہ بعد مالکان کی تبدیلی نے اس کا نام بدل کر پری میئر نام رکھ دیا گیا۔ یہ فیکٹری 1964 میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی صدرالدین گانگ جی تھے جو بحیثیت چیئرمین خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس وقت اس فیکٹری میں تین سو افراد بحیثیت مزدور کام کرتے تھے۔ ان کے بعد بحیثیت ایم ڈی عبدالکریم جمال کائرہ نے چارج سنبھالا جبکہ 1967 میں سیٹھ محمد اسماعیل بحیثیت ایم ڈی فرائض سرانجام دینے لگے۔ نامعلوم وجوہات کے تحت سیٹھ محمد اسماعیل کو فارغ کر کے دوبارہ صدرالدین گانگ جی ایم ڈی مقرر ہو گئے۔ 1974 کو میاں سعید قریشی اور عبدالعزیز قریشی جو سرگودھا کے رہائشی تھے' انھوں نے فیکٹری کا چارج سنبھالا۔ اس وقت فیکٹری میں تین سو کی بجائے آٹھ سو مزدور کام کرتے تھے۔ جس سے فیکٹری کی دن دگنی رات چوگنی ترقی کا راز بھی افشا ہوتا ہے۔

1977 میں صوبہ سرحد کے معروف صنعت کار اور سیاستدان جناب میر محمد افضل خان جو صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں نے یہ فیکٹری خرید لی۔ انھوں نے ایم ڈی کے فرائض خان محمد رفیق خان کو سونپ دیے جو ایک طویل عرصہ تک بحیثیت مینجنگ ڈائریکٹر کام کرتے رہے۔ اسی گروپ نے اس فیکٹری کا نام پاکپور چائینہ سے بدل کر پریمیئر سرامکس لمیٹڈ کر دیا فیکٹری کی تمام مشینری جرمن ہے۔

جہاں اتنے مزدور کام کرتے ہوں' وہاں ان کے حقوق کی بحالی کے لیے لیبر یونین کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ یہاں شروع ہی سے لیبر یونین موجود تھی جس کے سب سے پہلے صدر کا نام محمد امین اور جنرل سیکرٹری کا نام محمد جمیل تھا' ان کے بعد یعقوب نظامی صدر اور محمد الیاس جنرل سیکرٹری کے طور پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں صدر یعقوب نظامی ہی رہے جبکہ جنرل سیکرٹری کے طور پر محمد امین کو فرائض سونپ دیے گئے۔ ان کے بعد محمد امین صدر اور محمد مختار بحیثیت جنرل سیکرٹری خدمات میں مشغول ہوئے۔ ان کا دور گزرا تو 1986 میں باقر حسین ڈار صدر ہوئے اور محمد توفیق خان جنرل سیکرٹری نامزد ہوئے جو ایک طویل عرصے تک اسی عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ اس فیکٹری میں عالمی معیار کے مطابق ڈنر سیٹ' ٹی سیٹ' کافی سیٹ اور سامان زیبائش تیار ہوتا ہے جو پورے ملک میں سپلائی کیا جاتا ہے۔ چودھری اعجاز احمد آف پسوال کی خدمات اس فیکٹری کی ترقی و ترویج کے لیے شروع ہی سے مثالی رہی ہیں۔

جاوید سینیٹری سٹور

۲۰۰۸ء میں اکمل حسین نے اس کاروبار کو شروع کیا۔ سینیٹری کی تمام اقسام کو ڈیل کرتے ہیں۔

عمران پاٹری میٹریل سٹور

۱۹۹۴ء میں قائم ہونے والے اس سٹور کے مالک عمران ظفر ہیں جو

Marfat.com

سابقہ ایم پی اے بھی ہیں۔ سرامکس کی تمام مصنوعات کو ڈیل کرتے ہیں۔

فہد پاٹری اینڈ ڈیلکس پاٹری

فہد بشیر نے یہ کاروبار ۲۰۰۴ء میں شروع کیا۔ سرامکس کی تمام مصنوعات کو ڈیل کرتے ہیں۔

مراد پاٹری

قیام پاکستان کے بعد جب انڈیا سے تجارت ختم ہوئی اور سفید مٹی کی مقبوضہ کشمیر سے آمد ممکن نہ رہی تو یہاں کے ہنرمندوں نے ہمت نہ ہاری اور سفید مٹی کے وسیع ذخائر میانوالی سے دریافت کیے۔ یوں دوبارہ سفید مٹی کے کام کا آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ظروف سازی کا فن صنعت کا درجہ اختیار کر گیا قیام پاکستان کے وقت کشمیری مہاجرین چودھری غلام غوث اور چودھری اللہ دتہ نے یہاں برتنوں کے کارخانے قائم کیے جن میں پنجاب پاٹری' پاکستان پاٹری اور مراد پاٹری کا نام قابل ذکر ہے۔

اس وقت گجرات میں ۱۵۰ سے زائد فیکٹریاں کام کر رہی ہیں جو سرخ مٹی Terra Cotta کے علاوہ سون ویئر پاٹری میں جس میں ٹیبل ویئر' ڈیکوریشن پیس اور گلدان تیار کیے جاتے ہیں جو گھروں میں خوبصورتی اور سجاوٹ کے کام آتے ہیں۔ اس کے علاوہ پورسلین جو سب سے زیادہ مٹی ہوتی ہے' کے اعلیٰ کوالٹی کے ڈیکوریشن پیس' برتن اور سرامکس سینٹری ویئر تیار کیے جاتے ہیں جو باتھ رومز میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں تیار ہونے والی مصنوعات پورے ملک میں استعمال ہو رہی ہیں اس کے علاوہ سرامکس میں ایک بہت بڑا کام ٹیکنیکل سرامکس ہے یہ ٹیکنالوجی بہت کم ملکوں کو حاصل ہے جس کی تیاری کا پاکستان بھر میں صرف گجرات کو اعزاز حاصل ہے۔

میر چائنہ رالحمید سرامکس

سلیم طاہر کی شراکت سے قائم ہونے والی یہ کمپنی ۱۹۹۶ء میں قائم ہوئی۔ سرامکس کی مصنوعات کا کاروبار کرتے ہیں۔

اب کچھ ایسے صنعتوں اور اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو قیام پاکستان سے پہلے یا پھر فوراً بعد وجود میں آئے اور گجرات کی صنعتی و تجارتی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں سے بہت سے ادارے اب ختم ہو چکے ہیں مگر ان کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

شیخ نبی بخش اینڈ سنز

گجرات میں یہ فرم جنرل مرچنڈائز کی سب سے پرانی دکان ہے جس کی بنیاد شیخ نبی بخش مرحوم کے والد شیخ نظام الدین مرحوم نے ۱۸۵۰ء میں رکھی اور ۱۸۷۳ء میں مڈل پاس کر کے شیخ نبی بخش بھی اپنے والد کے ساتھ شریک کار ہو گئے۔ شیخ نبی بخش مرحوم کا رائٹنگ بڑا خوبصورت تھا۔ اور ان کے دل میں عوام کی خدمت کا جذبہ تھا۔ اس لیے وہ لوگوں کو خط لفافہ۔ منی آرڈر تار وغیرہ مفت لکھ کر دیا کرتے اور بابو نبی بخش کے نام سے مشہور ہو گئے۔ پھر شیخ نبی بخش مرحوم نے اپنی کوشش سے چائنہ ماچس کمپنی کی گجرات میں پہلی ایجنسی لی۔ اس سے ان کے کاروبار نے کافی ترقی کی۔ اسی اثنا میں شیخ نظام الدین انتقال کر گئے تو شیخ نبی بخش مرحوم نے نبی بخش اینڈ سنز کے نام سے کاروبار کو اور وسعت دی۔ ۱۹۳۲ء میں ان کے بڑے لڑکے شیخ وزیر نبی بھی کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے لیے باپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد اس فرم نے تجارت کا ایک نیا رخ موڑا۔ اس میں جنرل مرچنڈائز کے علاوہ انگریزی ادویات فروخت کرنے کا شعبہ بھی کھول دیا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں شیخ نبی بخش ۹۷ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور اپنے پیچھے چھ لڑکے چھوڑ گئے جنہوں نے بڑے بھائی شیخ وزیر نبی کی زیر ہدایت اپنے باپ کی متانت' خوش اخلاقی اور کاروباری مزاج کو ورثہ میں پایا۔

میسرز شاہ اینڈ سنز

گجرات میں فراست و شرافت کے پتلے سید امیر شاہ ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ جیل کے لخت جگر سید فضل شاہ صاحب نے پاکستان ٹوبیکو کمپنی کے ڈسٹری بیوٹر کی حیثیت سے ۱۹۴۸ء میں اس فرم کی بنیاد رکھی۔ سید محمد شاہ ان کے ساتھ بطور منیجر شریک کار ہوئے۔ ان دونوں نے اس قدر نیک نیتی دیانت داری اور محنت سے کام کیا کہ عوام اور خواص ان کے حسن اخلاق کے معترف ہو گئے۔ سگریٹوں کی ناکافی سپلائی اور بعض دفعہ سپلائی میں تاخیر ہونے کے باعث جب کبھی پبلک کو پریشانی لاحق ہوئی اس کے بانی سید فضل شاہ ایک عوامی لیڈر اور محب وطن بن کر ان کی امداد کو پہنچے۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے سگریٹ فروشوں کی معاش کو ہمیشہ ذہن میں رکھا۔ انھیں ہر طرح کی سہولتیں دیں۔ وہ غریبوں کے ہمدرد یتیموں بیواؤں کے محسن و سرپرست اور خلوص بھرا دل رکھنے والے انسان تھے۔ ملک و قوم کی خدمت اور وقت کے تقاضوں کو انھوں نے کبھی نظرانداز نہ کیا۔ اگرچہ وہ ایک تاجر باپ کے بیٹے تھے اور اس لائن میں پہلی دفعہ وارد ہوئے تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے حسن اخلاق اور شگفتہ طبیعت کے باعث گجرات میں تجارت پیشہ برادری کا رنگ و مزاج ہی بدل دیا۔ اس طبقہ کے پرانے طور طریقوں کو زندگی کے نئے

Marfat.com

اطوار عطا کیے۔ کم عمر اور نوآموز ہونے کے باوصف دو پختہ کار اور سلجھے ہوئے مذاق کے انسان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تھوڑے عرصہ میں اس فرم کی تاجرانہ شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ مگر قضا وقدر کو کچھ اور منظور تھا۔ عمر نے وفا نہ کی۔ اور سید فضل شاہ دیکھتی آنکھوں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ۱۹۵۲ء میں ان کی جوان موت سید امیر شاہ صاحب اور اس فرم کے لیے ایک زبردست حادثہ تھی۔ تاہم اس جوان ہمت باپ نے کلیجے پر پتھر رکھ کر مرحوم کے لگائے ہوئے پودوں کی آبیاری کا فرض سنبھالا۔ اس عمر میں جب کہ سید امیر شاہ کے لیے ستانے اور آرام کرنے کا زمانہ تھا۔ قدرت کی طرف سے عائد کردہ گراں بار ذمہ داریوں کو اس مرد جری نے کمال مستعدی سے اٹھایا اور اپنے جگر گوشے میسرز شاہ اینڈ سنز کے بانی کی خواہشات کے مطابق اس فرم کو شاہراہ ترقی پر گامزن کیا۔ اور جملہ ذمہ داریوں کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیا کہ ۱۹۵۴ء میں امپریل کیمیکل انڈسٹری لمیٹیڈ نے ان کی احسن کارکردگی کی بدولت اس فرم کو گجرات میں اپنا ڈسٹری بیوٹر مقرر کر دیا اور اب یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء سے پاکستان ٹوبیکو کمپنی نے اس فرم کو لالہ موسیٰ میں بھی ڈسٹری بیوٹر مقرر کر دیا ہے۔ یہ شاندار ترقی فرم کے کارپردازان کی دیانت داری، صحیح تقسیم اور کمپنیوں سے کاروباری خوش معاملگی کا نتیجہ تھا۔ سید محمد شاہ جو ابتدا ہی سے اس فرم میں بطور منیجر کام کر رہے تھے۔ سید امیر شاہ نے انھیں اس فرم کا باقاعدہ حصہ دار بنا دیا ہے۔ شاہ صاحب کی سرپرستی اور سید محمد شاہ کے انتظام میں یہ ادارہ ترقی و کامرانی کی منزلیں طے کرتا رہا۔

کنجاہ آئیل ملز

گجرات ریلوے پھاٹک کے قریب کنجاہ روڈ پر واقع یہ کارخانہ ۱۹۵۰ء میں ملک فضل الٰہی نے قائم کیا۔ تقسیم ملک کے بعد یوپی کے ضلع بھڑائچ سے ترک وطن کر کے بحیثیت مہاجر یہاں وارد ہوئے۔ یوپی میں وہ جنگلات کی ٹھیکیداری اور موٹر ٹرانسپورٹ کے پروپرائٹر۔ مسلم لیگ کے اہم رکن بلکہ اپنے ضلع کے صدر اور ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ یہ ان کے اسی جذبہ حریت پسندی اور حب الوطنی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے بطور مہاجر یہاں آ کر کسی قسم کی بے چینی یا چھینا جھپٹی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور اپنے نام پر کوئی الاٹ منٹ نہ کرائی اور کرائے کے مکان میں رہائش اختیار کی۔ ان کی ذاتی سعی و جہد اور دیانت داری و خلوص ان کے لیے ترقی کے راستے وا کرتا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں انھوں نے کنجاہ آئیل ملز کا افتتاح کیا۔ اور پبلک کو بہترین قسم کا تیل بنولہ اور کھل بنولہ مہیا کرنا شروع کیا۔ یہاں مزدوروں کو ہر قسم کی مراعات دی جاتی ہیں۔ اس کارخانہ کا کشید کردہ تیل بنولہ دور دور تک سپلائی ہوتا ہے اور کوالٹی کے اعتبار سے بہترین مانا گیا ہے۔

اپنے اجرا سے لے کر اب تک یہ کارخانہ مخصوص تعطیلات کے علاوہ ایک روز بھی بند نہیں ہوا۔ اور ہمیشہ پبلک کی خدمت میں مصروف کار رہا ہے۔ کنجاہ آئیل ملز کے منیجنگ پروپرائٹر ملک فضل الٰہی ایک مرنجاں مرنج طبیعت کے انسان اور مخلص دوست تھے۔ دھڑے بندیوں اور جنگ آزمائیوں سے انھیں دلچسپی نہیں۔ اصول کے پکے جہاں ایک دفعہ ٹک گئے بس اسی پر قائم رہے۔ ریلوے روڈ گجرات کی مشہور تجارتی انجمن مرچنٹس ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔

وطن آئیل ملز

ریلوے سٹیشن سے شہر کی جانب آتے ہوئے چند قدم کے فاصلے پر تیل بنولہ تیار کرنے والے اس کارخانے کا رنگین بورڈ اس کی وسیع و عریض عمارت کی پیشانی پر ہے۔ اس کے مالک گجرات شہر کی خواجہ بورادری کے ایک معزز رکن حاجی شیخ کرامت اللہ رئیس اعظم تھے۔ یہ نوجوان ایک متمول تاجر گھرانے کا چشم و چراغ ہونے کے باعث ہمہ صفت موصوف دوستوں کے دوست اور اس حد تک ملنسار واقع ہوئے کہ کسی کو اپنا دشمن نہیں جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے عوام و خواص میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ میونسپل کمشنر رہے اور اس عرصہ میں وائس پریذیڈنٹی کا لطف بھی اٹھایا۔ نو سال تک مارکیٹ کمیٹی گجرات کے ممبر رہے اور ماضی میں مرچنٹس ایسوسی ایشن کے صدر بھی تھے۔ وطن آئیل ملز کا اجرا ان کی ذاتی کوشش کا رہین منت ہے۔ بنولہ ملتا رہے تو کام کرنے کا ریکارڈ قائم کر دیتے ہیں۔ وطن آئیل ملز کا ماضی شاندار ہے۔ اس کے کارپردازان محنتی اور جفاکش اور خدمت عوام کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ بیوپاریوں کو اس کارخانہ کی نیک شہرت و دیانت پر پورا بھروسہ ہے۔

پاکستان کمیشن شاپ

بنگلہ منڈی ریلوے روڈ میں یہ آڑھت کی مشہور دوکان ہے۔ چودھری غلام حسین آف کالیکی اس کے منیجنگ پروپرائٹر ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں اس زمیندار نوجوان نے اس کا اجرا کیا۔ اور اپنے حسن اخلاق اور خدمت و خلوص سے بہت جلد یہ فرم تھوک فروشی کا اہم مرکز اور آڑھت کی قابل اعتماد دوکان بن گئی۔ نواحی دیہات اور ضلع کے مختلف علاقوں سے زمیندار لوگ اپنی اجناس فروخت کے لیے لاتے اور اس فرم کے ذریعہ مناسب دام بلکہ فائدہ اٹھا کر جاتے۔ اس کے کارکن محنتی اور کارفرما دیانت دار و بااخلاق ہیں۔ فرم کے بانی چودھری غلام حسین ایک انتھک سوشل ورکر تھے۔ زمینداروں کی ترقی و بہبود ان کا مقصدِ حیات رہا۔ وہ سماجی اور قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور عوام کے حقوق و مفاد کی ترجمانی میں مخلص و دلیر واقع ہوئے۔ گجرات مرچنٹس ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری اور مارکیٹ کمیٹی کے چیئرمین بھی

Marfat.com

رہے۔ بطور چیئرمین ان کا انتخاب مارکیٹ کمیٹی کے مالیات کو چار چاند لگا گیا۔ بیوپاریوں اور باہر سے اجناس لانے والوں کی سہولت ہرلحہ ان کے پیش نظر رہتی ۔ مال مویشیوں کے باندھنے کے لیے سایہ دار اڈے قائم کرنے کی تجویز' بیوپاریوں کے لیے آرام گاہیں' ان کے پروگرام کا روشن پہلو تھے۔ نئی منڈی کے لیے بھی ایک موزوں جگہ تلاش کرنے میں پیش پیش تھے۔

بریگیڈیئر (ر) محمد اختر

معروف صنعتکار اور نامور سماجی شخصیت محمد اختر ۱۳ جنوری ۱۹۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ بی ایس سی کرنے کے بعد ۱۹۷۳ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ آپ نے ۱۹۷۱ء میں سائنس کالج گجرات کی طلبہ یونین کی صدارت بھی کی۔ آپ کی کاوشوں کی بدولت بلوچستان میں آئی ایس ایس بی کا قیام عمل میں آیا۔ آپ انٹر سروسز بورڈ بلوچستان کے پہلے کمانڈنٹ ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں' اس کے علاوہ آپ آئی ایس ایس بی کوہاٹ بھی رہے۔ آپ ایک کامیاب صنعتکار بھی ہیں جنھوں نے قلیل عرصے میں نواب پی وی سی پائپ انڈسٹری کو نہ صرف تعمیر وترقی کے نئے دور سے ہم آہنگ کیا بلکہ یہاں پر موجود بہت سی بیماریوں کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب رہے۔

چودھری جہانگیر محمود چیمہ ایڈووکیٹ

گجرات کی معروف کاروباری' سماجی وسیاسی شخصیت چودھری جہانگیر محمود چیمہ چیف ایگزیکٹو سیکور بڑ انڈسٹریز کی غیر متنازعہ شخصیت ہیں جنھیں ان کی شرافت' انسان دوستی' تحمل مزاجی اور اصول پسندی کی بدولت ہر جگہ یکساں پسند کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۸۱ء میں سیکور بڑ انڈسٹریز کی بنیاد رکھی اور انتہائی کم عرصہ میں اپنی انتھک محنت اور دیانتدارانہ کاروباری اصول اپنا کر سیکور بڑ انڈسٹریز کے نام اور کام کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ اس وقت اس انڈسٹری کی تیار کردہ مصنوعات (ٹائر اور ٹیوب) پاکستان بھر کے ساتھ ساتھ بیرون ملکوں میں بھی برآمد کی جاتی ہیں۔ فیکٹری میں سینکڑوں افراد کو روزگار ملا ہوا ہے۔ آپ کی سماجی وفلاحی سرگرمیوں کی ایک فہرست ہے۔

مجاہد سوپ

مسٹر حق نواز ہاشمی صدر ڈسٹرکٹ سوپ مینوفیکچررز ایسوسی ایشن گجرات اس ادارہ کے بانی اور پروپرائٹر ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد گجرات میں صابن سازی کا یہ سب سے پہلا کارخانہ ہے۔ جس نے انتہائی بے چینی اور مہنگائی کے زمانے میں بھی عوام کو کپڑے دھونے کے صابن سے محروم نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے پرانی طرز سے ہٹ کر صابن سازی کا جدید طریقہ اختیار کیا۔ اسے زیادہ سے زیادہ کامیاب اور خالص بنانے پر زور دیا تاکہ غریب عوام کو مناسب داموں پر ضرورت کی اچھی چیز میسر آسکے۔ مسٹر حق نواز کی ذات ایک مکمل ادارہ ہے۔ ایک شریف خاندان کا فرد ہونے کے باعث اخلاق وشرافت دیانت داری اور قول کی سچائی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہ سیلف میڈ انسان ہیں۔ انھوں نے اس تھوڑی سی عمر میں جو کچھ حاصل کیا اپنی محنت شاقہ سے حاصل کیا ہے۔ دوستوں کے دوست مخلص اور بے ریا ہنس مکھ اور قابل اعتماد ان کی یہی خوبیاں مجاہد سوپ کا امتیازی نشان ہیں اور ضلع گجرات کے صابن ساز اداروں کی خوش قسمتی ہے کہ انھیں ایسا نیک نیت اور ہمدرد سردار ملا ہے۔

دی گجرات خواجگان کواپریٹو اربن بنک لمیٹڈ

یہ بنک ۱۹۵۶ء میں معرض وجود میں آیا۔ پہلے یہ گجرات محلہ خواجگان کواپریٹو سوسائٹی کی میں تھا یہ سوسائٹی ۳ دسمبر ۱۹۴۸ء میں رجسٹرڈ ہوئی۔ اس نے اتنے اعلیٰ پیمانے پاور اس احسن طریق پر کام کیا کہ پورے صوبہ میں اول رہی۔ اس نے اپنی کارکردگی کے زمانہ میں ۳۰ لاکھ روپے کے قرضہ جات کا لین دین کیا۔ اس کی کارکردگی کے پیش نظر ۱۹۵۶ء میں اس کو اربن بنک میں تبدیل کر دیا گیا اور رجسٹرار کواپریٹو یونین نے ۵ جون ۱۹۵۶ء کو اس نئے بنک کا افتتاح کیا اس وقت اس کے ممبران کی تعداد ۲۱۴ ہے انتظامیہ کمیٹی نے فی الحال اس کے حصص بند کر دیئے ہیں۔ بنک کے تمام حصہ داران کاروباری ہیں اس وقت اس کے اندر ممبروں اور غیر ممبروں کی ڈیڑھ لاکھ کی مالیت کی امانتیں جمع ہیں اور روز بروز ان میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے بنک نے لوگوں کی سہولتوں کے لیے مغربی پاکستان کے تمام بنکوں سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ بنک کے ۹ ڈائریکٹر ہیں۔ انتظامیہ کے ممبر حسب ذیل ہیں۔ ایس ایم بشیر رنگون والا صدر۔ شیخ محمد حسین نائب صدر۔ شیخ محمد سعید نائب صدر۔ ڈائریکٹران: شیخ محمد انور صراف۔ شیخ صلاح الدین ایم اے ملک اللہ دتہ۔ شیخ محمد سعید بھنڈاری شیخ محمد عالم ایم محمد اسلم ایڈووکیٹ۔

سروس شوز انڈسٹریز

پاپوش سازی میں پاکستان کی سب سے بڑی صنعت ہے۔ جسے چودھری محمد حسین (والد چودھری احمد سعید) چودھری نذر محمد اور چودھری محمد سعید (والد ممتاز حمید) نے لگایا۔ فروری ۱۹۶۴ء کو اس صنعت نے کام شروع کیا۔ ہزاروں مزدور اس میں کام کرتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں بڑے ٹائر بنانے کی مشینری بھی نصب کی گئی۔ جس نے ۱۹۸۸ء میں کام شروع کر دیا۔ سائیکل ٹائر ٹیوب بھی پورے ملک میں سب سے زیادہ اسی صنعت کا اعزاز ہے۔ سب سے پہلے ریزیڈنٹ ڈائریکٹر ایم اعجاز بٹ' دوسرے چودھری احمد سعید اور آج کل چودھری احمد مختار ہیں۔ ایکسپورٹ میں تقریباً

Marfat.com

ہر سال یہی صنعت پہلے نمبر پر آتی ہے۔ المختصر ضلع گجرات کی صنعتی شان وشوکت کا نام سروس شوز انڈسٹریز ہے۔

شاہ تاج شوگر مل

ضلع گجرات میں پہلے اور ملک میں تیسرے نمبر پر چینی کی یہ بڑی مل شاہ نواز گروپ آف انڈسٹریز کے تحت چودھری شاہ نواز نے لگائی جن کا تعلق سیالکوٹ سے ہے۔ ۶۸-۱۹۶۷ء میں اس مل نے کام کرنا شروع کیا۔ سیزن میں تقریباً بارہ سو مزدور اس میں کام کرتے ہیں۔ تقریباً چار لاکھ بوری چینی اس کی سالانہ پیداوار ہے۔ علاقہ میں گنے کی کاشت سے زرعی ترقی ہوئی جس کا سہرا اس مل کے سر ہے۔ اس کا ہیڈ آفس لاہور اور کراچی میں ہے۔

روشنائی کی صنعت اور لالہ موسیٰ

لالہ موسیٰ کی پہچان جن حوالوں سے معتبر ہوتی ہے ان میں ایک سرتاج قسم کا حوالہ چراغ روشنائی بھی ہے۔ جس سے اس قصبہ کی شہرت پورے پاکستان ہی نہیں ہندوستان اور بنگلہ دیش تک پھیلی۔ میاں فضل دین 1935 میں ایک ہندو کی کرشنا کلرنگ فیکٹری میں بطور سیل مین بھرتی ہوئے اور ان کا مال پورے ہندوستان میں سپلائی کیا کرتے تھے۔ متعصب ہندو نے جب ان کے حقوق کا خیال نہ رکھا تو انھوں نے 1940 میں اپنی علیحدہ فرم بنائی جس کا نام جسپال کلرنگ فیکٹری رکھا جس میں چراغ روشنائی کے نام سے روشنائی بنانے کا کام شروع کیا۔ کیونکہ مارکیٹوں میں میاں صاحب کی شناسائی پہلے ہی سے موجود تھی اس لیے انھیں مال کی سپلائی میں کوئی دقت پیش نہ آئی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ کوالٹی کے اعتبار سے چراغ دنوں میں سورج کی طرح چمکنے لگا۔ اس روشنائی کی چمک میاں صاحب کے بختوں کی چمک بن گئی اور لالہ موسی جیسے قصبہ کی پہچان بھی۔ 1960 کی دہائی میں جب میاں صاحب کی قسمت کا ستارہ بام عروج پر تھا تو خوش ہو کر اپنے دو ساتھی شیخ محمد عظیم اور فضل کریم قریشی کو علیحدہ کاروبار بنا دیا اور اس فیکٹری کا نام پاکستان کلرنگ فیکٹری رکھا گیا جس میں ہاتھی مارکہ سیاہی بنتی تھی جو لالہ موسی میں فروخت اور پہچان کے حوالے سے دوسرے نمبر پر رہی ہے۔ اس وقت زمیندار کلرنگ فیکٹری اور کھوکھر کلرنگ فیکٹری بھی معرض وجود میں آئیں۔ کیونکہ روشنائی اور لالہ موسی لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اس لیے بعد ازاں ہر نئے اٹھنے والے کاروباری نے روشنائی کی طرف خاصی توجہ دی اور دیکھتے ہی دیکھتے لالہ موسی روشنائی کی صنعت میں لاثانی ہو گیا۔ مندرجہ ذیل کارخانے اس صنعت میں قابل ذکر ہیں۔

شیخ محمد صدیق کریم پورہ کی جاوید روشنائی۔ محمد اشرف بھٹی سابق کونسلر محلہ قصبہ کی جگ مارکہ روشنائی۔ شیخ محمد اسلم محلہ نظام پورہ کی فانوس مارکہ روشنائی' نذیر احمد محلہ قصبہ کی ہرن مارکہ روشنائی۔ حاجی رشید احمد محلہ قصبہ کی بلی مارکہ روشنائی۔ محمد صدیق بھٹی (سکوٹر والے) کی گائے مارکہ روشنائی۔ غلام حیدر محلہ قادر کالونی کی حیدر روشنائی۔ جاوید حیدر جی ٹی روڈ لالہ موسیٰ کی ایگل روشنائی۔ میاں محمد ریاض محلہ چراغ پورہ کی جگنو روشنائی اور ملک محمد غنی چراغ پورہ کی صادق روشنائی مشہور ہوئیں۔

گوندل پریکاسٹنگ انڈسٹری

گوندل پریکاسٹنگ انڈسٹری: صنعت وحرفت کے میدان میں تابناک ترقی کی اس کی روشن مثال گوندل پریکاسٹنگ انڈسٹری بھی ہے ISO9001 سرٹیفائیڈ اس کمپنی کے چیف ایگزیکٹو الحاج محمد افضل گوندل ۱۲ دسمبر ۱۹۵۳ء کو گجرات میں پیدا ہوئے شروع سے آگے بڑھنے کی لگن تھی مڈل اور میٹرک کے امتحانوں میں ٹاپ کیا ۱۹۷۲ء میں سول کالج سے دوران تعلیم سال کا بہترین اتھیلنٹ یونین صدر بننے کے باوجود نمایاں حیثیت میں سول انجینئرنگ کا تین سالہ ڈپلومہ حاصل کیا زندگی کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے تعمیراتی صنعت میں سخت محنت کی اور مہارت حاصل کی۔ ۱۹۸۶ء میں ۱۲۰ ایکڑ رقبہ پر مشتمل فیکٹری کی بنیاد رکھی جسے جدید ترین انداز سے آراستہ کیا پیشہ ورانہ مہارت اور انتہائی سخت کوالٹی کنٹرول کی بدولت گوندل پریکاسٹنگ انڈسٹری نے تیزی سے ترقی کی۔ گوندل پریکاسٹنگ انڈسٹری کی پاکستان کے سب سے بڑے ۱۰۰ افٹ طویل سپن تیار کرنے کی صلاحیت حاصل ہے جو نہ صرف گوندل پریکاسٹنگ انڈسٹری بلکہ اہل گجرات کے لیے بھی اعزاز ہے۔ گوندل پریکاسٹنگ کے جواں ہمت اور بلند عظم الحاج محمد افضل گوندل دنیا بھر میں سب سے طویل سپن تیار کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔

نواب پی وی سی پائپ

ضلع گجرات نے روایتی صنعتوں کے علاوہ جدید ٹیکنالوجی کی حامل نئی صنعتوں میں بھی قابل فخر ترقی کی ہے جسکی ایک مثال نواب پی وی سی فیکٹری ہے۔ نواب پی وی سی فیکٹری کا آغاز ۱۹۸۹ء میں نواب پی وی سی کے ڈائریکٹر چودھری محمد نواز اور چودھری پرویز اقبال کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس فیکٹری نے پی وی سی پائپ سازی میں کراچی اور لاہور کو بہت پیچھے چھوڑ دیا اور پی وی سی انڈسٹری میں سب سے پہلے ISO 9000 سرٹیفکیٹ کا اعزاز حاصل کیا۔ نواب پی وی سی میں جدید ترین مشینری کے علاوہ کوالٹی کنٹرول کے لیے اپنی لیبارٹری بھی موجود ہے جہاں معیار کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے یہاں تیار ہونے والے پائپ اپنے سائز اور کوالٹی کے اعتبار سے پاکستان بھر میں سب سے اچھے مانے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ ملک بھر میں

Marfat.com

مقبول عام ہیں۔

سعید اینڈ کو

گجرات چیمبر آف کامرس کے صدر ابرار سعید شیخ اس کے سینئر وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ یہ کمپنی ۱۹۹۳ء میں قائم ہوئی جس کا کام تجارت' لائیوسٹاک' ماربل کی بنی ہوئی مصنوعات کے علاوہ صوفی گروپ آف کمپنیز کی مصنوعات کی برآمدات شامل ہے۔

نارو ہائی ٹیک پرائیویٹ لمیٹڈ

یہ کمپنی ۲۰۰۵ء میں قائم ہوئی۔ نئی اور پرانی زرعی' تعمیراتی اور پبلشنگ مصنوعات ڈیل کرتی ہے۔ زرعی مشینری کی مصنوعات کی برآمد بھی کرتے ہیں۔ اس کے ڈائریکٹر چودھری ذوالفقار احمد ہیں۔

ٹیکسٹائل انڈسٹری

کپڑا بننے کے اعتبار سے گجرات اچھا خاصہ مانچسٹر ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے تو فی الواقعہ جلالپور جٹاں کو یہی مقام حاصل تھا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد اس صنعت کو بہت زیادہ فروغ نصیب ہوا ہے۔ لدھیانہ اور ہوشیار پور کے بافندگان نے یہاں آ کر اس صنعت کو چار چاند لگا دیئے۔ پاور لومز بھی نصب کی گئیں۔ اس طرح گجرات کے مشہور صنعت کار چودھری ظہور الٰہی نے پاکستان ٹکسٹائل ملز کے پروپرائیٹر چودھری غلام سرور اور شاہ دولہ ٹیکسٹائل ملز کے بانی پیر فرض رسول شاہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور محنت شاقہ سے اس انڈسٹری میں جان ڈال دی۔ ان کی دیکھا دیکھی آرٹ سلک یارن بننے والے کئی ایک چھوٹے کارخانے بھی معرض وجود میں آئے۔ لیکن جو بلند معیار حسن کارکردگی پاکستان ٹیکسٹائل ملز کے مالک چودھری ظہور الٰہی نے پیش کی اور ان کے بعد نویز ٹیکسٹائل ملز اور شاہ دولہ ٹیکسٹائل ملز والوں نے جس حسن ذوق اور مصورانہ جدت طرازیوں سے اس صنعت کو امتیازی درجہ دیا' گجرات کے لیے قابلِ فخر اور شہرت و وقار کا موجب ہے۔

سروس ٹیکسٹائل انڈسٹریز

سروس شوز انڈسٹریز کے ساتھ ہی واقع ہے۔ اس صنعت کو چودھری شہباز الدین' چودھری محمد سعید' چودھری محمد حسین اور چودھری نذر محمد آف جوکالیاں نے مل کر لگایا۔ ۱۹۶۵ء میں اس مل نے کام شروع کر دیا تھا۔ سینکڑوں مزدور اس میں کام کرتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء تک چودھری احمد مختار ریذیڈنٹ ڈائیریکٹر رہے۔ آج کل چودھری ممتاز حمید اس کی بست وکشاد کے مالک ہیں۔ یہ مل تقریباً تیس ہزار سینڈل (تکلے) پر مشتمل ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ڈیونگ ڈیپارٹمنٹ بھی اس فیکٹری کا حصہ تھا جس میں بنے ہوئے ترپال پورے ملک میں اچھی شہرت رکھتے تھے حال ہی میں اس کھاتے کو ختم کر دیا گیا۔

الفاروقی

نئی و پرانی مشینری' سٹیل اور راون' سٹیل کی تار اور بائنڈنگ وائر کی امپورٹ ایکسپورٹ کرنے والی اس کمپنی کے چیف ایگزیکٹو محمد علی اکرم ہیں۔

پاک بلڈرز' گجرات

مشہور سماجی و سیاسی شخصیت چودھری وسیم سہیل گجر پاک بلڈرز کے چیف ایگزیکٹیو ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں سائنس کالج گجرات سے ایف اے کرنے کے بعد کئی سال تک امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کرتے رہے۔

فرینڈز ٹریڈنگ کمپنی

ناصر جاوید بٹ کی ملکیت میں چلنے والی یہ کمپنی ۱۹۹۸ء میں قائم ہوئی۔ برقی مصنوعات کا کاروبار کرتے ہیں۔

طاہر الیکٹریکل سٹور

۱۹۸۹ء میں شروع ہونے والی اس سٹور کے مالک عبید الرحمٰن ہیں۔ بجلی کی تمام مصنوعات کا کاروبار کرتے ہیں۔

نعیم آٹو سٹور

یہ کمپنی ۱۹۸۰ء میں قائم ہوئی۔ مالک شیخ نعیم اللہ ہیں۔ تمام اقسام کے آٹو سپیئر پارٹس کا کاروبار کرتے ہیں۔

دی لیدر کرافٹس

اس کمپنی کی بنیاد ۲۰۰۷ء میں رکھی گئی۔ چمڑے کی مصنوعات کو بیرون ملک برآمد کرتے ہیں۔

نیو الٰہی ٹریڈرز

الیکٹریکل مصنوعات کی درآمد و برآمد کا کاروبار کرنے والی اس فرم کی بنیاد ۲۰۰۷ء میں احمد محمد علی نے رکھی جو اس کے مینیجنگ ڈائریکٹر بھی ہیں۔

Marfat.com

فیضان سوپ فیکٹری

فرحان علی کی ملکیت میں چلنے والی یہ فیکٹری ۲۰۰۹ء میں قائم ہوئی۔صابن کی مختلف اقسام تیار کی جاتی ہیں۔

گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری

اکتوبر ۱۹۹۳ء میں گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کا نوٹیفکیشن جاری ہوا اور اس کے پہلے کونسلر سرفراز شیخ مقرر ہوئے۔ان کا دفتر اسٹیٹ ایریا میں قائم کیا گیا بعد ازاں یہ دفتر جی ٹی روڈ پر ایک کرائے کی عمارت میں شفٹ کیا گیا۔۱۹۹۸ء تک گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری جیسا اہم ادارہ گوشہ نشینی میں ہی رہا۔ ۱۹۹۸ء میں جب باضابطہ انتخابات کا انعقاد کرایا گیا فاؤنڈر گروپ کی جانب سے مرزا عطاء الرحمٰن صدر منتخب ہوئے مابعد ۱۹۹۹ء میں فاؤنڈر گروپ سے عنصر محمود گھمن گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر منتخب ہوئے۔۲۰۰۰ء کے سالانہ انتخابات میں شاہین گروپ کی جانب سے شیخ انجم رفیق اگلے سال ۲۰۰۱ء میں بھی شاہین گروپ سے تعلق رکھنے والے حاجی محمد الیاس اور ۲۰۰۳ء میں پھر شاہین گروپ کے چوہدری افتخار احمد منتخب ہوئے۔گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری نے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی۔ادارہ جو تین سال سے پہلے صرف دو صد ممبران پر مشتمل تھا ۲۰۰۳ء کے اختتام تک ممبران کی تعداد دو ہزار تک پہنچ گئی اور ادارے کا سالانہ ریونیو بیس لاکھ تک جا پہنچا۔اسی دوران گجرات چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے دفاتر اسٹیٹ لائف کی بحالی شان دار عمارت میں منتقل ہوتے گئے جس سے مذکورہ ادارہ کی پوزیشن اور وقار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔اور گجرات چیمبر اس حد تک متحرک ادارہ بن گیا کہ سرکاری وغیر سرکاری صاحب امتیاز' وزرا اور بیرون ممالک پاکستان میں موجودہ سفیر حضرات گجرات چیمبر کے دورہ کی خواہش کرتے نظر آتے۔بدقسمتی سے بعض ممبران کے غلط فیصلوں کی وجہ سے ۲۰۰۳ء میں ڈی ٹی او ڈائریکٹر ٹریڈ آرگنائزیشن نے ایک منتخب باڈی کو بے دخل کر کے گجرات چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری میں قمر زمان گل گجرات چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے کنوینر رہے۔ان کی کوششوں سے ۱۸ لاکھ روپے سے تین کنال چار مرلے زمین خریدی گئی۔سابق وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی نے صدر قمر زمان گل' سینئر نائب صدر امجد فاروق' نائب صدر امجد فاروق' نائب صدر حافظ اشفاق انور' عدنان نسیم سیٹھی' عنصر محمود گھمن کی کوششوں سے چیمبر کے لیے ۲ کروڑ روپے کی گرانٹ منظور کی جس میں سے ایک کروڑ روپیہ ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کو وصول ہوا جس نے لاہور۔راولپنڈی جی ٹی روڈ پر گجرات چیمبر کی عمارت کی تعمیر شروع ہوئی جو تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے۔البتہ چیمبر کے دفاتر یہاں منتقل ہو چکے ہیں۔گجرات چیمبر آف کامرس کے موجودہ صدر ابرار سعید شیخ ہیں جو سعید اینڈ کو کے مالک ہیں۔

Marfat.com

پندرھواں باب

سماجی فلاحی/ رفاعی ادارے

Marfat.com

سماجی فلاحی/رفاعی ادارے

تعارف

حکومت مختلف شعبہ جات میں عوام کی خدمت کے لیے سرگرداں رہتی ہے مگر اس کے پاس وسائل محدود اور عوام کے مسائل لامحدود ہوتے ہیں لہٰذا محدود وسائل کے ساتھ عوام کے مسائل حل کرنا' اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ ان حالات میں غیر سرکاری رفاعی ادارے اور تنظیمیں آگے آ کر عوام کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ اس طرح مسائل کے حل میں حکومت کی مدد کرتی ہیں۔ ضلع گجرات (بشمول منڈی بہاؤالدین) میں درجنوں این جی اوز اور غیر سرکاری فلاحی/رفاعی ادارے رجسٹرڈ ہیں جن میں سے چند ایک کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ فہرست بطور مثال پیش کی جا رہی ہے۔

الفلاح ویلفیئر سوسائٹی

شیخ محمد اشرف لالہ موسیٰ کا وہ مایہ ناز سپوت ہے جس کے سینے میں وہ دل نہیں جس کے لیے یہ کہنا پڑتا ہو کہ "دل زندہ کر دوبارہ" جس کی دھڑکنیں ہمیشہ دوسروں کے لیے ہوتی ہیں۔ اس نوجوان نے 1978ء کے قریب خدمت دکھی انسانیت کے نام سے ایک فلاح ادارہ قائم کیا جس کے پہلے صدر آپ خود تھے اور طارق محمد انصاری بطور جنرل سیکرٹری' خالد جاوید بٹ بحیثیت نائب صدر آپ کے ساتھی تھے۔ لالہ موسیٰ کی بیشتر بیوگان کو وظائف دینے سے عملی خدمت کا آغاز کیا۔ جوں جوں ادارہ ارتقاپذیر ہوتا گیا دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ چوہدری نعیم اشرف کو بطور چیئرمین کام کرنے کی دعوت دی گئی۔ آپ کی شمولیت نے ادارے کو مزید مستحکم کر دیا۔ دوستوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ لالہ موسیٰ میں مستحق افراد کے لیے سستے داموں راشن ڈپو کھولا جائے جس پر عمل ہوا اور لالہ موسی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ تقریباً نصف داموں پر غریبوں کو راشن ملنا شروع ہو گیا اس کے بعد تنظیم نو ہوئی جس کے تحت چودھری نعیم اشرف کو چیف ایگزیکٹو اور شاہد محمد انصاری کو جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا۔ کسی وجہ سے دوستوں میں اختلافات ہوئے تو شیخ محمد اشرف جو اس ادارے کے بانی تھے انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔ حالات کو سازگار کرنے کے لیے حامد ملک کو عارضی طور پر صدر بنایا گیا۔ مگر شیخ محمد اشرف جو ادارے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتے تھے کے نکل جانے کے بعد یہ ادارہ اپنی موت آپ مر گیا کیونکہ دوستوں میں نااتفاقی کے زہر کو ادارے کی رگیں زیادہ دیر برداشت نہ کر سکیں۔

الھدیٰ ویلفیئر سوسائٹی

لالہ موسی میں یوں تو چھوٹے موٹے کئی ادارے ہوں گے مگر جس ادارے نے لالہ موسی میں سب سے پہلے اپنا آپ منوایا وہ الھدیٰ ویلفیئر سوسائٹی تھا۔ یہ ادارہ 1985 کے قریب مرزا محمد رفیق صاحب کی رہائش گاہ پر راقم الحروف محمد اسحاق آشفتہ ڈاکٹر عثمان غنی مرزا محمد رفیق محمد نسیم اختر کی کوششوں سے معرض وجود میں آیا جب اس کی باقاعدہ ایگزیکٹو باڈی بنائی گئی تو اس میں صدر کے فرائض راقم الحروف اسحاق آشفتہ نے ادا کیے۔ جنرل سیکرٹری ضیاء الرحمٰن ساغر اور سینئر نائب صدر محمد رفیق مرزا تھے۔ سرپرست کے طور پر مہر محمد بوٹا کو نامزد کیا گیا۔ اس کمیٹی نے لالہ موسی میں اچھی سطح پر ایک فری ڈسپنسری جس کا نام الھدیٰ فری ڈسپنسری تھا' کا قیام عمل میں لایا' جس کے تحت لالہ موسیٰ کی تمام بیوگان کو معیاری علاج فراہم کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں ایگزیکٹو باڈی میں کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں جن کے تحت قاضی محمد ممتاز کو جنرل سیکرٹری اور ڈاکٹر عثمان غنی سینئر نائب صدر بنائے گئے۔ مزید دوستوں میں محمد نسیم اختر میاں عبدالستار شہزادہ عبدالرزاق ملک احسان اور یونس فہیم کے نام قابل ذکر ہیں۔ بعد ازاں یہ ادارہ دوستوں میں اختلافات کی وجہ سے پنپ نہ سکا اور ختم ہو گیا درمیانی مدت میں مہر خالد نذیر بھی اس کے صدر رہے ہیں۔

امام الدین میموریل سوسائٹی' جلالپور جٹاں

۱۹۸۵ء میں قائم ہونے والی یہ سوسائٹی ہر سال میٹرک' ایف۔ اے اور بی۔ اے میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طالب علموں کو گولڈ میڈل اور سلور میڈل سے نوازتی ہے۔ تقریب کے اختتام پر مشاعرہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سوسائٹی شاعروں اور ادیبوں کی ادبی خدمات کے طور پر بھی انھیں انعام و کرام سے فیض یاب کرتی ہے۔

امیر حسین میموریل ہسپتال' کوٹلہ کگرالی

ڈاکٹر عبدالمجید ظفر (۲۵ نومبر ۱۹۳۴ء) موضع کگرالی میں میاں امیر حسین کے ہاں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ ایف ایس سی زمیندار کالج سے کی' بعد ازاں نشتر میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں والد محترم کے نام پر امیر حسین ہسپتال کوٹلہ کگرالی میں بنایا۔ یوں تو ہسپتال میں ہر قسم کا علاج کیا جاتا ہے مگر آنکھوں کا علاج اور آپریشن کرنے کی وجہ سے وجہ شہرت رکھتا ہے۔

Marfat.com

انجمن بہبودی مریضاں عزیز بھٹی شہید ہسپتال گجرات

پنجاب بھر میں رفاعی سرگرمیوں کے حوالے سے اول پوزیشن انجمن بہبودی مریضاں عزیز بھٹی شہید ہسپتال گجرات کی ہے جس کی شہرت بیرون ممالک میں بھی پائی جاتی ہے۔ ضلع گجرات کے ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد بلاتفریق اس تنظیم کے رکن ہیں۔ انجمن بہبودی مریضاں کا آغاز ڈاکٹر شوکت شیرازی نے کیا جب کہ انجمن بہبودی مریضاں کے سرپرست اعلیٰ میاں عبدالرشید پگانوالہ تھے جنہوں نے باقاعدہ اس کی بنیاد ۱۹۷۷ء میں رکھی۔ ہر سال کروڑوں روپے کی ادویات مریضوں کو دی جاتی ہیں۔ ڈائی لیسز یونٹ ایکسرے الٹرا ساؤنڈ مشین کے ساتھ ساتھ ہسپتال کی تعمیر کے لیے امداد دی جاتی ہے۔ آج بھی گجرات کے مخیر حضرات اس کی سرپرستی کرتے ہیں۔

پاکستان کلیف اینڈ پبلک ایسوسی ایشن

یہ تنظیم انگلینڈ میں مقیم ڈاکٹر امان اللہ کی کوششوں سے ۱۹۷۷ء میں قائم ہوئی۔ جس کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر اعجاز بشیر ہیں۔ پاکستان جیسے ملک میں یہ تنظیم غریب اور پس ماندہ افراد کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں جہاں سرکاری ہسپتالوں میں پلاسٹک سرجری نہ ہونے کے برابر ہے اور پرائیویٹ سرجری کی سہولت عام آدمی کی پہنچ سے بہت دور ہے۔ دکھی انسانیت کی خدمت سے معمور ڈاکٹر امان اللہ ہر سال انگلینڈ سے اپنے ہمراہ تالو اور ہونٹ کے خصوصی ماہر پلاسٹک سرجن بیہوشی کے ماہرین اور دیگر آپریشن تھیٹر سٹاف پر مشتمل ٹیم اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اور تقریباً ایک ہفتہ تک مریضوں کے آپریشن کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء سے اب تک یہ تنظیم ایک ہزار سے زائد بچوں کا آپریشن کر چکی ہے جو تمام کامیاب رہے۔

ڈیسنٹ ویلفیئر سوسائٹی

گجرات کی مخیر شخصیت ڈاکٹر اعجاز بشیر نے اپنے آپ کو خدمت خلق کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں ڈیسنٹ ویلفیئر سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے مقاصد میں صحت تعلیم خواتین کی ترقی این جی اوز میں اشتراک اور نوجوان خواتین کے لیے ہنر سنٹر بنانا شامل تھا۔ اس سلسلہ میں بشیر ہسپتال ریلوے روڈ کا قیام ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا قیام نرسنگ روم کا قیام این جی اوز کو آرڈی نیشن کا قیام اور اجالا سکیم میں شاندار کارکردگی اس تنظیم کی کامیابی ہے۔ سینکڑوں طالبات نرسنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف ہسپتالوں میں کام کر رہی ہیں۔ موبائل فری میڈیکل کیمپ لگائے جاتے ہیں۔ حاجی بشیر فیملی کا اس تنظیم کی کامیابی میں اہم کردار ہے جس کے سرپرست اعلیٰ حاجی مرزا بشیر احمد ہیں۔ غریب عوام کی مختلف شعبوں میں مدد کی جاتی ہے۔

ڈسٹرکٹ اینٹی ٹی بی ایسوسی ایشن

ڈسٹرکٹ اینٹی ٹی بی ایسوسی ایشن ایک باقاعدہ رجسٹرڈ رفاعی تنظیم ہے جس کا قیام جنوری ۱۹۸۷ء کو عمل میں آیا۔ اس کے بانی صدر سید برکت علی شاہ تھے۔ مریضوں کے لیے ان کی خدمات انتہائی قابل ستائش تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ۱۷ مئی ۱۹۹۶ء کو چودھری ریاض احمد ڈسٹرکٹ ٹی بی ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہوئے ٹی بی ایسوسی ایشن کے موجودہ صدر چودھری ریاض احمد بہت احسن طریقے سے ٹی بی مریضوں کے علاج معالجہ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی مخلص اور اعلیٰ کردار کے مالک ہیں۔ چودھری ریاض احمد ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو تحصیل کھاریاں کے نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد اپنے ماموں حاجی غلام محمد کے پاس اسلام آباد میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ ماموں کی وفات کے بعد چودھری ریاض احمد نے ان کے نام پر حاجی غلام محمد ٹی بی فری کلینک بنانے کا فیصلہ کیا جو کہ عزیز بھٹی ہسپتال کے ساتھ واقع ہے۔ ٹی بی ایسوسی ایشن کا سالانہ بجٹ لاکھوں میں جس سے مستحق مریضوں کو علاج معالجہ کی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔

شیخ رحمت اللہ شاد ٹرسٹ

جلالپور جٹاں میں قائم یہ ٹرسٹ شیخ فیض اللہ کے بیٹے رحمت اللہ شاد کا بنایا ہوا ہے۔ والد محترم کا وطیرہ تھا کہ جلالپور جٹاں کے بس اسٹینڈ کے قریب مسافروں کو ٹھنڈا پانی پلانے اور انھیں سردی و گرمی اور بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے شیڈ بنائے ہوئے تھے۔ قبرستان کی تعمیر ہو یا سڑک گلی محلہ غمی و خوشی ہر حالت میں دوسروں کے دکھ درد بانٹنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ خاکسار تحریک سے وابستہ شیخ رحمت اللہ کے بیٹے نے اسی سلسلے کو قائم و دائم رکھا ہوا۔ رحمت اللہ شاد ہر سال سینکڑوں بیوگان کو مفت آٹا کپڑا گھی چینی مہیا کرتے ہیں۔ غریب لڑکیوں کی تربیت کے لیے سلائی سنٹر قائم کر رکھا ہے۔ غریب طلبا کی امداد کرتے ہیں اور ہر حاجت مند کی مدد کرتے ہیں۔

شہری اجتماعی ترقیاتی کونسل (شاتک)

شہری اجتماعی ترقیاتی کونسل (شاتک) کا شمار ضلع منڈی بہاؤالدین کے ممتاز فلاحی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس ادارے کے قیام کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ۱۹۵۹ء کے ایک جمعۃ المبارک کو چند دوست خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایک دوست نے فکر اور درد کے ساتھ کہا کہ کاش ہم ان خوشیوں میں غریبوں کو بھی شریک

Marfat.com

کرسکیں اور تجویز پیش کی کہ تمام احباب اپنے اپنے گھروں میں مٹی کے کوزے رکھیں اور خاتون خانہ اس میں روزانہ ایک وقت آٹے کی ایک مٹھی ڈالے۔ جمعۃ المبارک کے روز تمام آٹا اکٹھا کر کے کسی مستحق خاندان کو دے دیا جائے۔ تمام احباب نے نا صرف اس تجویز سے اتفاق کیا بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ چند ہفتوں کے بعد مزید لوگوں نے اپنے طور پر گھروں میں کوزے رکھ لیے۔ اس طرح بہت زیادہ آٹا اکٹھا ہونا شروع ہو گیا۔ لہٰذا آسانی کے لیے پچاس پیسے فی ہفتہ چندہ مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح ادارہ باہمی اشتراک وتعاون کی داغ بیل پڑی۔

بعدازاں محکمہ سوشل ویلفیئر پنجاب کا دفتر منڈی بہاؤالدین میں قائم ہوا تو ادارہ باہمی اشتراک وتعان نے محکمہ سوشل ویلفیئر کے ساتھ الحاق کر لیا اور ادارہ کا نام تبدیل کر کے بیت المال شہری اجتماعی ترقیات کونسل (شاتک) رکھ دیا گیا۔ ''شہری' اجتماعی' ترقیاتی اور کونسل کے ابتدائی حروف سے مرکب ہے۔ جن سے مراد حسب ذیل ہے۔ ش۔۔۔شفقت ا۔۔۔احترام ت۔۔۔تڑپ ک۔۔۔کردار

ادارے کے اغراض ومقاصد

☆ اپنی مدد آپ کے تحت سماجی بہبود اور اجتماعی مسائل کا حل تلاش کرنا۔

☆ لوگوں کی اقتصادی اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے فنی تربیت کے مواقع بہم پہچانا اور بعد میں روزگار مہیا کرنا تاکہ وہ بعد میں اپنی مدد آپ کرنے کے قابل ہو جائیں۔

☆ غریب اور معذور افراد' بیوگان' یتیم' ہونہار طلباء' مجبور و بے کس مریضوں کے سماجی اور معاشی حالات کی اصلاح کی کوشش کرنا' انھیں امداد فراہم کرنا۔

☆ طلباء وطالبات میں اسلامی ترویج واشاعت کے واسطے تعلیمی اداروں کا قیام۔

☆ ناخواندہ مردوں اور عورتوں کے واسطے تعلیمی سہولتیں فراہم کرنا۔

☆ کونسل کے لوگوں میں باہمی میل جول' ہمدردی اور اپنی مدد آپ کا جذبہ پیدا کرنا۔

☆ جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لیے تفریحی اور تعلیمی اداروں کی حوصلہ افزائی کرنا اور مزید ادارے قائم کرنے کی کوشش کرنا۔

☆ سماجی بہبود کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مقامی اور دیگر ذرائع کو بروئے کار لانا۔

☆ نیم سرکاری' سرکاری اور نجی اداروں سے تعاون کرنا۔ ان سے فنی راہنمائی اور دیگر مراعات حاصل کرنا۔

☆ کونسل کے پروگراموں میں اپنے علاقے کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حصہ لینے کی ترغیب دینا۔

☆ مفلس ونادار افراد کو مناسب امداد دینا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنا تاکہ وہ اپنی مدد آپ کرنے کے قابل ہو جائیں۔

☆ علاقے سے سماجی برائیوں اور بے جا رسم ورواج کو مٹانے کی کوشش کرنا۔

شاتک کے اہم شعبہ جات

☆ کلینکل لیبارٹری ☆ بلڈ ٹرانسفیوژن سروس

☆ ایمبولینس سروس

☆ میٹرنٹی ہوم ☆ ویلفیئر ڈسپنسری

☆ فری ڈسپنسری (ماں بچہ ہسپتال)

☆ تعلیم: تعلیم کے شعبہ میں تین پراجیکٹ پر کام ہو رہا ہے۔

(i) طلبا کی امداد (ii) طلبا کی اعلیٰ تعلیم کے لیے قابل واپسی بلا سود قرض (iii) لائبریری

بیت المال: یہ شعبہ غریب خاندانوں کی مندرجہ ذیل طریقوں سے مدد کرتا ہے۔

(i) ماہانہ مالی امداد (ii) عید الفطر پر کپڑوں کی فراہمی

(iii) بحالی (iv) دوائی

(v) تجہیز وتکفین (vi) امداد مسافراں

عالم پور گونداں ویلفیئر سوسائٹی

عالم پور گونداں کی ایک کثیر تعداد ناروے میں آباد ہے۔ وہاں کے سیاسی' سماجی سسٹم سے متاثر ہو کر بیرون ملک بسنے والوں' جن میں چودھری محمد ریاض گوندل' چودھری محمد شریف گوندل اور عبدالمجید گوندل' نے ۱۹۸۷ء میں ایک فلاحی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ یہ جلد ہی دو حصوں میں بٹ گئی مگر مقدور بھر رفاہی کاموں میں مصروف ہے۔ ایک گروپ کی نمائندگی جناب محمد ایوب' چودھری محمد آصف' جناب عبدالقیوم وغیرہ کرتے رہے جبکہ دوسری جانب چودھری محمد ریاض اور ساتھی اس تنظیم کو چلاتے رہے۔ عالم گونداں کی سماجی اور سیاسی ترقی میں یہ تنظیم ممد ومعاون ہے۔

Marfat.com

محمدی ویلفیئر سوسائٹی

محمدی ویلفیئر سوسائٹی کے بانی اراکین میں اسحاق آشفتہ کے علاوہ ڈاکٹر ظفرامین نیازی اور ڈاکٹر ارشد محمد عثمانی کے نام شامل ہیں۔اس کی ایگزیکٹو باڈی میں اسحاق آشفتہ کو سپریم کونسل کا چیئرمین' ڈاکٹر ظفرامین نیازی کو چیف آرگنائزر اور ڈاکٹر ارشد محمود عثمانی کو اس ادارے کا پہلا صدر نامزد کیا گیا۔1993 میں یہ طے پایا کہ اس ادارے کے زیراہتمام عوام الناس کو طبی سہولتیں فراہم کی جائیں گی روزافزوں ادارے کی مالی پوزیشن کے ساتھ ساتھ ادارے کو نئے دوستوں کی آمد نے بھی مضبوط کیا۔

بعدازاں نعیم اشرف چودھری صدر اور ڈاکٹر ارشد محمد عثمانی جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔پھر ڈاکٹر تنویر احمد مرزا کو سینئر نائب صدر اور خزانچی' محمد اکرم بٹ کو نائب صدر اور شفیق احمد کو سیکرٹری اطلاعات نامزد کیا گیا۔ سپریم کونسل میں بھی بعدازاں اضافہ کرنا پڑا۔ ہفت روزہ فاتح کے چیف ایڈیٹر عتیق ملک سینئر نائب صدر مہر محمد رشید کو وائس چیئرمین اور محمد یونس ساہی کو وائس چیئرمین دوئم نامزد کیا گیا۔

اس ادارے نے لالہ موسیٰ کی تقریباً تمام بیوگان کو کارڈ جاری کیے جس کے تحت وہ اپنے پورے خاندان سمیت آپریشن کی سہولت تک کے معیاری علاج لینے کے مستحق ٹھہرتے ہیں اس طرح تقریباً سات سو افراد کو یہ ادارہ معیاری مفت علاج کی سہولت فراہم کرتا ہے۔جو اس کا پہلا منفرد کارنامہ ہے۔فروری 1994 میں لالہ موسیٰ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ محمدی ویلفیئر سوسائٹی نے فری بلڈ گروپنگ کیمپ کا انعقاد کیا جس کے تحت ہزاروں افراد نے اپنے بلڈ گروپ کے کارڈ حاصل کیے کچھ ہی عرصہ بعد ایک فری شوگر کیمپ کا اہتمام کیا گیا جو نوعیت کے اعتبار سے انتہائی منفرد کام تھا اس کیمپ سے بھی سیکڑوں لوگ فیض یاب ہوئے۔سوسائٹی نے پہلا فری آئی کیمپ نومبر 1994 کو بالمقابل نیازی کلینک جی ٹی روڈ پر لگایا جس میں جدید ترین سہولیات کے ساتھ بائیس مریضوں کے مفت آپریشن کی سہولت فراہم کی گئی اس کے بعد ہر سال اکتوبر میں بتدریج فری آئی کیمپ باقاعدگی سے لگتے چلے آرہے ہیں یاد رہے گوجرانوالہ ڈویژن میں اتنے بڑے کیمپ کبھی نہیں لگے ان کیمپوں کو ضلع کی بیشتر سماجی تنظیموں کے سربراہوں نے دیکھا اور سراہا آج تک اس ادارے کے زیراہتمام بارہ سو چوالیس مریضوں کے مفت آپریشن کی سہولت فراہم کی جا چکی ہے۔1996 میں جہالت کے خلاف واک کروانا بھی اسی ادارے کا منفرد اعزاز ہے جبکہ 1997 میں شہریوں کو ایدھی ویلفیئر کے ریٹوں پر سب سے پہلے ایک ایمبولینس کی سہولت بھی فراہم کی جو اس ادارے کی اعلیٰ کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

فروری 1994 میں محمدی ویلفیئر سوسائٹی خواتین ونگ کا باقاعدہ اعلان ہوا ان عظیم خواتین کی تنظیم میں محترمہ مسز مسرت قیوم چیئرمین' محترمہ مسز رفعت جاوید سینئر وائس چیئرپرسن' محترمہ مسز سعیدہ ارشد عثمانی' محترمہ زاہدہ پروین اسسٹنٹ فنانس سیکرٹری کے طور پر فرائض انجام دے رہی ہیں' دیگر کارکن خواتین میں محترمہ راحیلہ کوثر' محترمہ مس حمیرہ شفقت' مس آسیہ لطیف' مس راشدہ رشید کے نام شامل ہیں۔

مغل ویلفیئر سوسائٹی

برادری ازم سیاست کے لیے زہر قاتل اور انسانی بہبود کے لیے امرت کا مقام رکھتا ہے کیونکہ انسان کی خدمت ہر معیار پر عبادت کا درجہ رکھتی ہے محلہ کریم پورہ میں حاجی اللہ دین اور مرزا امجد حسین کی کوشش بسیار سے بالآخر 1991 میں ہی اس کی ایگزیکٹو باڈی بنی جس میں مرزا محمد حسین صدر اور مرزا محمد اشرف کو جنرل سیکرٹری نامزد کیا جبکہ اس ادارے نے سرپرست اعلیٰ لالہ موسیٰ کی معروف کاروباری اور سماجی شخصیت میاں افتخار احمد جنجوعہ کو نامزد کیا۔ڈاکٹر محمد رفیق کو مشاورتی کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا خزانچی کے فرائض حاجی مختار احمد جنجوعہ کو سونپے گئے۔جائنٹ سیکرٹری مرزا محمد انور قاضی نائب سیکرٹری ماسٹر محمد اشرف اور سینئر نائب صدر کے طور پر مرزا محمد اسلم نیشنل فرنیچر والے نامزد ہوئے۔اس ادارے نے 23 جون 1995 کو محلہ نظام پورہ میں ایک فری ڈسپنسری بنائی جس میں ہر برادری کے ہر خاص و عام کو علاج کی سہولت فراہم کی گئی۔تقریباً چار ہزار افراد سالانہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔اس کے علاوہ برادری کی بیوگان کو مالی اعانت اور سلائی مشینیں بھی مغل ویلفیئر سوسائٹی دیتی ہے۔خاندان کے مستحق مگر ذہین طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے لیے وظائف جاری رکھنا بھی اس ادارے کا منفرد کارنامہ ہے۔یہ ادارہ قربانی کی کھالوں زکواۃ اور مخیر حضرت کی طرف سے دیے گئے فنڈز پر چلتا ہے۔

ہوٹل اور میرج ہال

تعارف

معاشرے میں بدلتے ہوئے سماجی تقاضوں کے مطابق اب شادی بیاہ کے لیے گھروں میں تردد کرنے کی بجائے لوگ شادی ہالوں میں تقریبات کا اہتمام کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔تاکہ شادی کی خوشیاں ایک کشادہ خوبصورت آرام دہ اور سجے سجائے ماحول میں ہوں جہاں مہمانوں کو کسی وقت کا سامنا نہ ہو ضلع گجرات کے

Marfat.com

خوش ذوق افراد کے معیار پر اترنا کوئی آسان کام نہ تھا جس کے لیے یہاں ایک سے بڑھ کر ایک عمارت وجود میں آئی اور ضرورت کے تمام لوازمات کا انتظام خدمت‘ سہولت اور معیاری طعام و اہتمام میں گجرات کے شادی ہالوں نے بڑے بڑے شہروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ ذیل میں ضلع کے ممتاز ہوٹلز اور میرج ہالز کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

ٹیولپ ہوٹل

جہلم کی طرف سے گجرات میں داخل ہوں تو دریا کے کنارے خوشبوؤں میں بھیگے ہوئے ماحول میں اپنے نام کی طرح خوبصورت ٹیولپ ہوٹل ہی گجرات کا پہلا خوبصورت تعارف ہے۔ دونوں ہائی ویز کے درمیان واقع یہ دلکش عمارت گجرات میں داخل ہونے والوں کو خوش آمدید اور جانے والوں کو خدا حافظ کہتی نظر آتی ہے۔ پھولوں سے سجی کیاریوں سے لے کر ڈائننگ ہال اور خواب گاہوں تک ہر چیز میں سلیقہ اور نفاست دکھائی دیتی ہے۔ لذیذ کھانوں اور عملے کے حسن اخلاق سے گھر کا گمان ہوتا ہے۔ اس خوبصورت ہوٹل کے ساتھ Shell International کا پٹرول پمپ بھی واقع ہے جس کا افتتاح ۱۹۸۹ء میں چودھری محمد شریف کے والد حاجی راجے خاں نے کیا۔ جس کے ۱۴ برس بعد ۱۸ ستمبر ۲۰۰۳ء کو موجودہ خوبصورت ٹیولپ ہوٹل کا افتتاح ہوا۔

سکائی ویز ہوٹل

گجرات سے اسلام آباد کی جانب سفر کریں تو کھاریاں چھاؤنی سے ذرا پہلے دائیں ہاتھ سڑک کے کنارے ایک خوبصورت اور دیدہ زیب عمارت دکھائی دیتی ہے۔ جس کی پیشانی پر چمکتا ہوا سکائی ویز دور سے نظر آتا ہے۔ اس خوبصورت عمارت کے ساتھ وسیع وعریض سرسبز شاداب لان میں رنگ برنگے پھول مہک رہے ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر نہ صرف آتے جاتے تھکے ماندے مسافروں کا راحت و آرام کے لیے وہاں رکنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے بلکہ شادی بیاہ اور دیگر بڑی بڑی تقریبات کے لیے یہ کشادہ وعریض لان کسی نعمت سے کم نہیں۔ اب سکائی ویز کیٹرنگ سروس کے آغاز سے کھاریاں اور گردونواح کے علاقے کو اپنے گھر کے قریب ہی معیاری مہمان داری کی سہولت میسر آ گئی ہے۔ سکائی ویز صرف ایک ہوٹل کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک بڑی ٹرانسپورٹ کمپنی بھی ہے جس کی سبک رفتار ایئر کنڈیشنڈ بسیں چوبیس گھنٹے لوگوں کو منزل پر پہنچانے کے لیے سڑکوں پر رواں دواں ہیں۔ سکائی ویز کے چیف ایگزیکٹو چودھری ضیاء محی الدین‘ چوہدری شہزاد محی الدین اور چودھری رضا محی الدین اعلیٰ کردار کے حامل اور علاقہ کے معروف سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر دم عوامی خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں۔

قصر نور میرج ہال

اپنے بہترین محل وقوع اور بے مثال تعمیراتی حسن کی بدولت قصر نور میرج ہال جلد ہی عوامی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ چار بڑے بڑے کشادہ ہالز کی وجہ سے یہاں بڑی سے بڑی تقریب کا انعقاد ممکن ہے۔ پارکنگ کے لیے بھی یہاں جگہ کی کمی نہیں۔ یہ ہر قسم کے ٹریفک کی جھنجھٹ سے پاک اور شہر کے پوش ترین علاقہ کے نزدیک واقع ہے۔ اپنی لاجواب سروس‘ عمدہ اور صاف ستھرے لذیذ کھانوں کی بدولت لوگوں کی پہلی ترجیح قصر نور ہے۔ یہ گجرات کا واحد میرج ہال ہے جہاں پر غیر ممالک کی اہم ترین شخصیات تشریف لا چکی ہیں۔ اس کے منیجنگ ڈائریکٹر شیخ محمد اجمل‘ چودھری عمران افتخار اور چودھری عدنان افتخار ہیں۔ جن کی توجہ اور خصوصی دلچسپی کی وجہ سے قصر نور میرج ہال دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہا ہے۔

دیوانِ خاص

اپنے نام کی طرح خوبصورت‘ قدیم و جدید فن تعمیر کا حسین امتزاج‘ ”دیوان خاص“، کششِ حسن اور سہولیات کے اعتبار سے گجرات کی کوئی بھی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ۴ وسیع وعریض میرج ہالز ۲۰ پُر آسائش کمرے دیدہ زیب ریسٹورنٹ ہال‘ خوبصورت اور پرسکون باربی کیو لان کے علاوہ کانفرنس ہال کی سہولت ڈیپارٹ مینٹل سٹور کے ساتھ بچوں کے لیے رنگا رنگ جوائے لینڈ‘ ۶ منزلوں پر مشتمل کسی خواب کی طرح خوبصورت ”دیوانِ خاص“ گجرات کے حسن میں خوشگوار اضافہ‘ اس کے چیف ایگزیکٹو چودھری ظہیر پرویز کے حسن ذوق کا کرشمہ ہے۔ ۱۹۷۹ء سے یورپ کے سب سے خوبصورت ملک سویڈن میں ہوٹلنگ کی صنعت سے ۲۵ سال سے وابستہ چودھری ظہیر پرویز نے مشرق و مغرب کے حسین امتزاج کو اپنے آبائی شہر گجرات کی سب سے اہم شاہراہ جی ٹی روڈ پر ”دیوان خاص“ کے نام سے روشناس کروا کے گجراتیوں کے دل جیت لیے ہیں۔ چوہدری ظہیر پرویز کی معاونت ان کے قریبی عزیز منیجنگ ڈائریکٹر چودھری خرم صفدر وڑائچ کرتے ہیں۔ جو گجرات کی مشہور سیاسی شخصیت چودھری صفدر وڑائچ کے صاحبزادے ہیں۔

چناب ریزارٹ المشہور کنارہ ہوٹل

چوہدری صفدر علی نے چناب کنارے دونوں سڑکوں کے عین درمیان ۵۰ کنال رقبہ پر محیط چناب ریزارٹ کے نام سے انتہائی خوبصورت اور عالیشان بلڈنگ کی تعمیر کروائی ہے جس میں فور سٹار شاندار ہوٹل کے علاوہ بینکویٹ ہال‘ ریسٹورنٹ اور

Marfat.com

کیفے، بچوں کے لیے پلے ایریا، عورتوں اور مردوں کے لیے علیحدہ جم اور دیگر ضروری سہولتوں سمیت شاپنگ ایریا اور ایک بڑا فرنیچر شوروم بھی قائم ہے۔ حاجی صفدر علی اور آصف علی چودھری کے اس شاندار منصوبہ نے گجرات کی خوبصورتی میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے اور گجرات کا وقار بھی بلند ہوا ہے۔ چودھری صفدر علی گجرات کے نواحی گاؤں حاجیوالہ کے معزز اور متمول خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بھائی چودھری اکرم انگلینڈ میں فرنیچر شوروم چلا رہے ہیں جبکہ چودھری صفدر علی کے بیٹے آصف علی چودھری ڈیفنس لاہور میں فرنیچر گلڈ کے شوروم کے علاوہ ٹیکسٹائلین کے نام سے عمدہ قسم کے گارمنٹس ایکسپورٹ کر رہے ہیں۔

صادق ہوٹل اینڈ فش پوائنٹ

گجرات میں ذائقے کی روایت اور جدت کا حسین امتزاج چوک پاکستان شیشیانوالہ دروازہ کے قریب واقع علاقہ کا قدیم اور معروف ہوٹل صادق ہوٹل اینڈ فش پوائنٹ ہے اس کے چیف ایگزیکٹو لالہ محمد صادق کے آباء قیام پاکستان سے قبل بھی گجرات میں کھانے پینے کی اشیاء کے کاروبار سے منسلک رہے۔ لیکن پچاس کے عشرے کی ابتداء میں ہی گجرات کے جوان صادق پہلوان اس صنعت سے منسلک ہوئے تو انہوں نے گجرات میں پہلی بار بار بی کیو اور مرغ روسٹ متعارف کروایا۔ ساٹھ کے عشرے میں گجرات میں روسٹ اور فرائی گوشت اور منفرد ذائقے کے سیخ کباب سے صادق ہوٹل نے شہرت حاصل کی۔ صدر ایوب خاں کے دور میں گجرات میں تجاوزات گرائی گئیں تو چوہدری ظہور الٰہی کی کوٹھی کی بیرونی دیوار کے بعد اس ہوٹل کا بیرونی حصہ بھی اس مہم کا نشانہ بنا۔ ساٹھ کے عشرے سے ہی گجرات میں اس ہوٹل نے فش پوائنٹ کی شہرت بھی حاصل کی۔ لالہ صادق پہلوان کا نام ضلع اور بیرون ضلع تازہ، ذائقہ دار اور لذیذ مچھلی کی وجہ سے گجرات کی پہچان بن گیا۔ گذشتہ نصف صدی سے گجرات میں معیار، ذائقہ اور پیش کش کے حوالے سے صادق فش پوائنٹ منفرد مقام رکھتا ہے۔ گذشتہ عشرے سے لالہ صادق کے صاحبزادوں واجد حسین اور ماجد حسین سنی نے خاندانی کاروبار میں معیار کی روایت کا علم بلند کر رکھا ہے۔ صادق ہوٹل اینڈ فش پوائنٹ گجرات میں ہوٹلنگ کی تاریخ کا قدیم ترین اور ممتاز ترین باب ہے۔

سبحان ریسٹورنٹ

پاکستانی اور چائنیز کھانوں کا مرکز سبحان ریسٹورنٹ چیف ایگزیکٹو ذوالفقار سلیمی اور ڈائریکٹر خرم سلیمی کی زیر نگرانی صحت افزا خوراک مہیا کرتے ہیں۔ یہ ریسٹورنٹ ہوٹلنگ کے شعبہ میں ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی تقریب یا ضرورت کے تحت ایک دفعہ یہاں سے کھانا کھا لینے والا کوئی بھی شخص یہاں کی تمام ڈشوں کے منفرد ذائقہ معیاری صفائی، مؤدب سٹاف اور گھریلو ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

صوفی ہوٹل

صوفی ہوٹل کی وجہ شہرت اس کی دال تھی۔ یہ صوفی کامل شاکر کے ہاتھ کا کمال تھا کہ بڑے بڑے گوشت خور بھی گوشت چھوڑ کر صوفی ہوٹل میں دال کھانے کے لیے انتظار میں بیٹھے رہتے مگر جگہ نہ ملتی۔ صوفی کامل شاکر مقدر کا سکندر تھا عین عروج میں صوفی ہوٹل چھوڑ کر دبئی میں چلے گئے وہاں بھی لوگ ان کی پکائی ہوئی دال کے دیوانے ہو گئے۔ واپس آ کر انھوں نے ۱۹۹۴ء میں گجرات میں بہت بڑا ہوٹل تعمیر کیا۔ صوفی کامل شاکر کے بعد اب ان کے نو عمر بیٹے محمد عمر شاکر پاک کے نام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

آج کل گجرات میں بھیا پیزا، سلور گرل، سلون سپون فیصل ہوٹل بھی نمایاں ہیں۔

متفرق موضوعات

گجرات پنجاب بس

گجرات پنجاب بس ایک خالص کاروباری ادارہ تھا۔ شروع شروع میں اس کمپنی کے اکثر حصہ دار انفرادی طور پر مختلف روڈوں پر اپنی بسیں چلاتے تھے۔ محکمہ ٹرانسپورٹ کی جانب سے جب کمپنیاں بنانے کی سکیم کے نفاذ کا سوال پیدا ہوا تو ایک مرد ہوشمند الحاج میاں فضل الٰہی پگانوالہ مرحوم نے نہایت گرمجوشی سے نزاکت وقت کو پہچانا۔ انھوں نے اپنی قیادت میں چند ایک ساتھیوں کو لیا۔ جن میں سے قابل ذکر الحاج میاں برکت علی اور حاجی مرزا اللہ دتہ ہیں۔ ان تینوں اصحاب نے مل کر دن رات ایک کر کے بہت سے چھوٹے چھوٹے حصہ داروں کو اپنے تلے جمع کیا۔ ان کی رہنمائی اور معاونت کی۔ کمپنی لمیٹڈ ہو گئی۔ کچھ عرصہ تک یہ سب چھوٹے بڑے حصہ دار اکٹھے ہو کر بس کے فلاح و بہبود کی سوچتے رہے پھر یہی بس کمپنی جو اپنے انتظام اور اثاثہ کے اعتبار سے ڈویژن بھر میں ایک مثالی کمپنی تھی، میاں فضل الٰہی کی وفات کے بعد سیاسی ریشہ دوانیوں کا اکھاڑہ بن گئی۔ اس کی حالت اندرونی طور پر اس قدر خراب ہو گئی کہ اس کی زندگی صاف مخدوش نظر آنے لگی۔ کافی عرصہ تک یہ خطرناک حالات مستولی رہے۔ بالآخر حاجی میاں کرم الٰہی پگانوالہ، میاں محمد اختر اور میاں منظور حسین پگانوالہ

Marfat.com

وغیرہ اور چند دیگر حصہ داروں نے پامردی' شجاعت اور ایثار کا ثبوت بہم پہنچایا۔ اور یہ استبدادی دور جس کا ختم ہونا بظاہر ناممکن تھا۔ اچانک ختم کر دیا۔ نہ دھاندلی رہی اور نہ دھاندلی والے۔ کمپنی کی زمام انتظام میاں اشرف پگانوالہ کے نوجوان ہاتھوں میں آ گئی۔ جسے اس کی بہتری کی لگن تھی۔ وہ میدان عمل میں کئی اعتبار اور لحاظ سے تجربہ کاروں سے زیادہ حوصلہ مند' دیانت دار' اور انصاف پسند نکلا۔ یہاں تک پرانے گھاگھوں نے جب سینگ سماتے نہ دیکھے تو انھوں نے اپنے لیے نئے راستے تلاش کر لیے۔ کبھی کبھی انتقام کی آگ اس کمپنی میں بھڑک اٹھتی۔ مگر کمپنی کی بقا خطرے میں پڑتے پڑتے بچ جاتی۔ متعدد و مخالفتوں کے باوجود اس نے خوب ترقی کی۔ کمپنی نے اپنے بہت سے قرضہ جات ادا کیے۔ ملازمین کے مفاد کی طرف پورا پورا دھیان دیا جاتا تھا۔ حصہ دار اپنی جگہ مطمئن اور خوش ہو گئے۔ کمپنی کا ظاہری اور باطنی حالتوں میں بھی ایک تغیر کار فرما رہا۔ لوٹ کھسوٹ اور بے قاعدگیاں مٹ گئیں۔ کمپنی سے نکالے گئے دشمنان جب شرارت پیدا کرتے' تو ان کی انتقامی آگ کو تدبر کے پانی سے سرد کر دیا جاتا۔ چیرہ دستیاں اپنا سر پکڑ کر رہ جاتیں۔ اس کمپنی کا علو ہمت منیجنگ ڈائریکٹر ہر مصیبت' ابتلا اور شورش کے سامنے چٹان بن کر ڈٹ جاتا۔ اس سب کے باوجود وہی ہوا جو اس مل کا مقدر ہے۔

ہیرامنڈی' لالہ موسیٰ (تحریر: اسحاق آشفتہ)

قیام پاکستان سے تقریباً ستر سال پہلے لالہ موسیٰ کی موجودہ آبادی آج کی طرح گھمبیر نہ تھی یعنی کہیں کہیں دو چار گھروں پر مشتمل محلوں کے وجود تھے۔ پکی گلی سے جی ٹی روڈ تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر بازار اور سڑک کی قربت کے طفیل جی ٹی روڈ پر کہیں کہیں آبادی موجود تھی۔ اسی آبادی میں جسے ہم ہیرامنڈی کہتے ہیں ایک شخص جو نام کا عظیم اللہ تھا کہیں سے آ کر آباد ہوا۔ اس کی اولاد میں ایک بیٹے کا نام امام دین تھا۔ جو درحقیقت اپنے نام کی نفی تھا۔ یہ لوگ اس جگہ کے پہلے رہائشی تھے۔ اور کھونچا وغیرہ لگا کر گزر بسر کرتے تھے۔ امام دین نے اپنی بہو بیٹیوں کی عصمت فروشی کا کام کر کے اس پیشہ لعنت مآب کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد جوں جوں اس کی اولاد بڑھتی گئی ان کے گھروں میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ لوگ مقامی زمینداروں سے زمینیں خرید کر یہیں رہائش پذیر ہوتے چلے گئے۔ کیونکہ لاہور سے راولپنڈی تک جی ٹی روڈ پر کوئی ہیرامنڈی موجود نہ تھی۔ اس لیے کھاریاں چھاؤنی کے فوجی اور دوسرے تماشبین لوگ یہاں کثرت سے آتے تھے۔ فوجیوں کا یہاں آنا جنرل محمد ایوب خان کو پہلے سے کھٹکتا تھا۔ جوں ہی جنرل ایوب حکومت میں آئے تو اس نے ان پر پابندی لگا دی اور اس جگہ کو غیر ممنوعہ علاقہ قرار دے دیا گیا۔ ایک مدت تک یہاں علاقہ ممنوعہ کا بورڈ بھی لگا رہا ہے۔ جب ایوب خان صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے تو انھوں نے بی ڈی سسٹم کو متعارف کروایا۔ الیکشن کے بعد چند عوامی نمائندگان کی ڈھیل کی وجہ سے یہ محلّہ پھر سے آباد ہو گیا۔

جولائی 1977 کو جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک دفعہ پھر اپنے مارشلائی دور میں اس پر پابندی لگائی۔ جب اس نے بھی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ چھوڑ کر اپنی صدارت اناؤنس کی اور الیکشن کرا دیا تو نظام کی نرمی نے ان لوگوں کو دوبارہ پر پرزے نکالنے کی ہمت دی اور یہ سیاہ دہندہ ایک مرتبہ پھر عروج پر پہنچ گیا۔

اس دور تک جماعت اسلامی لالہ موسیٰ یہاں اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ ایسی نامرادیوں پر صرف آواز اٹھانے کی بجائے عملی اقدامات کرنا اس کے لیے مشکل نہ رہا تھا۔ جماعت اسلامی لالہ موسیٰ کی باہمی مشاورت سے طے پایا کہ لالہ موسیٰ جیسے خوبصورت اور عظیم شہر کے ماتھے سے یہ بدنما داغ دھویا جائے۔ امیر جماعت اسلامی لالہ موسیٰ ایم اکرام الدین قریشی' کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ صلح صفائی سے یا مزاحمت سے اس کا خاتمہ کریں۔ انھوں نے ان لوگوں کو دفتر بلا کر محبت سے سمجھایا مگر جن لوگوں کے ہاں غیرت مر جائے انھیں محبت کی زبان کا ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ بعد ازاں 1988 میں ان کے خلاف درخواستیں لکھی گئیں۔ جن کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ تنگ آ کر ایم اکرام الدین قریشی نے ان کے خلاف باقاعدہ مقدمہ دائر کیا۔ جس کا فیصلہ ان کے حق میں ہوا اور مجبوراً ان لوگوں کو یہاں سے نقل مکانی کرنی پڑی۔ ان میں سے بیشتر لوگ سرگودھا اور کچھ لاہور منتقل ہو گئے۔

گجرات کے جلد ساز

ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری

مولوی غلام علی بن مولوی محمد عابد وزیر آبادی

مشہور خطاط اور جلد ساز تھے۔ پرانی طرز پر عمدہ جلد بناتے تھے۔ لوگ دور دور سے ان سے جلدیں بنوایا کرتے تھے۔

حافظ شیخ مسعود

جلالپور جٹاں کے رہنے والے تھے۔ مولوی محمد صالح گجرات کے شاگرد تھے۔ بڑے عالم دین' خطاط اور جلد ساز تھے۔ تمام کتاب پر چمڑا لگاتے تھے۔ اس کو

Marfat.com

سرخ رنگ کر کے اس پر انڈہ کی زردی لگا دیتے تھے۔جس سے جلد میں لچک پیدا ہوجاتی۔ وہ لچک اور صفائی جو آئینہ کی طرح ہے آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔بعض جلدیں بالکل صاف اوراعلیٰ ہیں بعض پر آب سفید سے اور بعض پر ٹھپوں سے گل کاری بھی کی ہوئی ہے۔

سید احمد ناظم

قلعہ دار کے رہنے والے تھے۔قلعہ دار سے شادیوال آ گئے۔مفلوک الحال تھے۔کاغذ کوٹ کر خود گتے بناتے' ان کے دونوں طرف جہانگیری کاغذ لگا دیتے۔جلد بنا کر گتے کے تینوں طرف چمڑے کی کور لگاتے تھے۔ان کے خود ساختہ گتوں والی جلد کا نمونہ پروفیسر احمد حسین قلعداری کے کتب خانے میں ملاحظہ کیا جاسکتے ہیں۔کتاب کی اوپر کی طرف کا اُبھار درمیان سے ہوتا۔آج کل اُبھار کی جگہ نشیب بنا دیا جاتا ہے۔سید احمد ناظم 1302 ہجری میں فوت ہوئے۔

نجم الدین فائز شادیوالی

مولوی سید احمد ناظم کے صاحب زادے تھے۔1269ھ/1853ء میں پیدا ہوئے۔جلد سازی کے فن میں ماہر تھے۔کتابوں پر گتے کی بجائے خالص دیسی چمڑہ لگاتے تھے۔سلائی کرتے وقت کاغذوں کو سلیقے اور طریقے سے رکھنے میں کئی دن لگا دیتے تھے۔جلد پر تمام چمڑہ لگا کر کبھی کبھی آب سفید سے خانے بھی بناتے تھے۔ان کی بنائی ہوئی جلدیں نہایت دلکش اور پیاری نظر آتیں۔1332ھ/1914ء میں فوت ہوئے۔(سید شرافت نوشاہی کی کتاب شریف التواریخ جلد سوم حصہ نہم ص 130 تا 153 میں ان کے مفصل حالات ملتے ہیں۔کتاب شناسی)

غلام محی الدین سیالکوٹی

پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری کے کتب خانہ میں مجموعہ سلطان خانی کی جلد غلام محی الدین سیالکوٹی کی بنائی ہوئی ہے۔ان کا فن ہو بہو حافظ شیخ مسعود سے ملتا جلتا ہے۔شیخ مسعود کے معاصر ہیں۔

حافظ محمد سلطان گجراتی

گجرات محلّہ دارالوچاں کے رہنے والے تھے۔کوئی سوا سو سال عمر پائی۔عمر کا ایک خاص حصہ جلد سازی میں گزارا۔زیادہ تر کچہری کے رجسٹر جلد کرتے تھے۔دوسری جلدیں نہایت اعلیٰ بناتے تھے۔خاص طور پر چمڑے کی جلدیں نہایت خوبصورت اور مضبوط بناتے تھے۔

مولوی شمس الدین گجراتی

حافظ محمد سلطان کے قریبی رشتہ دار اور معاصر تھے۔حافظ صاحب کی طرح جلد سازی میں مہارت تھی۔بلکہ ان ہی کے مقلد اور ہم کار تھے۔1949ء میں فوت ہوئے۔

مولوی محمد حسن قلعہ داری

مشہور عالم دین' خطاط اور جلد ساز تھے۔ایک گاؤں میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود جلد سازی کے آلات معیاری قسم کے پاس رکھتے تھے۔اگرچہ قدیم فن کے استاد تھے اور قدیم ماحول میں پرورش پائی تھی لیکن جلدوں میں انگریزی روش پسند کرتے تھے۔1942ء میں فوت ہوئے۔

مولوی محمد عالم قلعہ داری

مولوی محمد حسن صاحب کے چچازاد تھے۔1293ھ/1876 میں پیدا ہوئے۔بلند پایہ عالم دین' بے مثل خطاط اور ماہر فن جلد ساز تھے۔صرف اپنی ذاتی کتابوں کی جلدیں بناتے تھے۔جن پر بڑی محنت کرتے تھے۔شیرازہ بندی کے ماہر استاد تھے۔چمڑے کا پیشہ اور گتوں پر کاغذ لگاتے۔کتاب نہایت دلکش بن جاتی۔جلد سازی میں نئے اصولوں کے موجد تھے۔1374ھ/1955 میں وفات پائی۔

محمد عظیم

گجرات کے رہنے والے تھے۔نہایت مفلوک الحال انسان تھے اور کچھ ممسک بھی۔کتابوں پر گتے کاغذ نہایت معمولی لگاتے۔بلکہ چیتھڑوں سے اور ردی کاغذوں سے خود گتے بنا کر جلد بناتے۔لیکن جلد نہایت عمدہ اور پائیدار ہوتی۔

عبدالعزیز ہندوستانی

علاقہ یوپی سے متعلق تھے۔گجرات آ کر بس رہے۔عدالت کی قانونی کتابیں جلد کرتے تھے۔خلیفہ محمد سعید کے شاگرد تھے۔

مولوی حسام الدین

موضع رتی ضلع گجرات کے مشہور عالم دین اور خطاط تھے۔حافظ رمضان گجراتی کے شاگرد تھے۔جلد سازی سے خاص شغف تھا۔پرانی طرز کی مرصع جلد کے ماہر تھے۔معمولی سی اُجرت لیتے تھے۔اور بڑی محنت اور شوق سے کتابیں جلد کرتے تھے۔1947ء میں فوت ہوئے۔

قاضی عبدالعزیز

مولوی حسام الدین کے صاحبزادے ہیں۔علم و ہنر کا ذوق و شوق ورثہ میں پایا۔جلد سازی کا فن اپنے والد بزرگوار سے سیکھا۔پرانی طرز کی مرصع جلد سازی

Marfat.com

کے استاد تھے اور جدید طرز کی جلد سازی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ کوئی پچاس سال تک جلد سازی کا کام گجرات میں کرتے رہے۔ ان کی بنائی ہوئی جلدوں میں مضبوطی اور دلکشی ہوتی۔ گجرات میں جلد سازی کا فن انھیں کے دم قدم سے زندہ رہا۔ جلد بنانے میں جو خوبیاں قاضی عبدالعزیز میں پائی جاتی تھیں' اب وہ خال خال نظر آتی ہیں۔ صفائی' مضبوطی' سادگی' میں حسن کمال رکھتے تھے۔ 1981ء میں فوت ہوئے۔

حافظ عبدالمجید

حضرت سائیں کرم علی شاہ کے پوتے تھے۔ علم و عقل و حسن عمل کی دولت سے آراستہ تھے۔ پرانی طرز کی جلدیں نہایت عمدہ بناتے تھے۔ ان کی بنائی ہوئی جلدیں ان کے صاحبزادے حافظ عبدالحمید کے پاس بکثرت موجود ہیں۔ حافظ عبدالحمید صاحب عملیات کے ماہر عامل ہیں۔

Marfat.com

سولھواں باب

رفتگانِ گجرات

(ڈاکٹر محمد منیر سلیچ)

Marfat.com

آفتاب احمد وارثیؔ، حافظ

عالم دین، اردو اور پنجابی کے شاعر، نعت گو
خطیب جامعہ حنفیہ قادریہ جلالپور جٹاں
شعری کتب انوارِ لولاک (۱۹۸۴ء)
سوزِ جہاں تاب (۱۹۹۲ء)

ولدیت محمد رمضان
ولادت ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۷ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات
وفات ۷ر اپریل ۱۹۹۷ء
تدفین قبرستان لالے دا کھوہ، جلالپور جٹاں ضلع گجرات
مآخذ معلومات از ایم اے شاد (جلالپور جٹاں)

آفتاب مفتی (نصر اللہ خاں)

گجرات کے سینئر صحافی، شاعر و ادیب، دانشور، مصنف
بانی مدیر ہفت روزہ 'تازیانہ' گجرات

ولدیت ڈاکٹر محمد شریف قیصر
ولادت ۲۰ر اکتوبر ۱۹۴۰ء گجرات
وفات ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۲ء گجرات
تدفین گجرات
مآخذ معلومات از میجر راشد مفتی (مرحوم)

احسان الحق [ای ایچ] ڈار، میجر جنرل

پاک فوج کے ریٹائرڈ اعلیٰ افسر، مصنف، دانشور۔
سابق چیئرمین پبلک سروس کمیشن

ولدیت ڈاکٹر عبدالحق ڈار (سابق سپرنٹنڈنٹ مینٹل ہسپتال لاہور)
ولادت ۲۱۔ اگست ۱۹۲۹ء گجرات
وفات ۱۲۔ فروری ۱۹۸۵ء لاہور
تدفین کیولری گراؤنڈ، لاہور چھاؤنی
مآخذ معلومات از خواجہ محمد رفیع

احسان الحق سلیمانی

معروف ماہر تعلیم، سیرت النبی و اسلامی تاریخ کے محقق و مصنف، عالم دین و خطیب۔
تحقیق کے لئے یورپ کا سفر کیا اور مستشرقین کے الزامات کے مدلل جوابات لکھے۔
سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن راولپنڈی و چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ و سیکنڈری ایجوکیشن بہاولپور۔

کتب تمدنِ عرب۔ تاریخِ عرب۔ رسولِ مبینؐ
قرآن حکیم اور ہماری زندگی۔
مسلمان یورپ میں۔
ولدیت مفتی عبداللہ سلیمانی کنجاہی
ولادت ۱۰ر جنوری ۱۹۲۵ء کنجاہ ضلع گجرات
وفات ۲۶ر فروری ۱۹۹۲ء
تدفین کنجاہ ضلع گجرات
مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

احمد حسین فیروز پوری، قاری

عالم دین، قاری، نعت گو شاعر، خطیب مسجد عیدگاہ گجرات
کارکن تحریکِ پاکستان و تحریکِ ختم نبوت (۱۹۵۳ء)

ولدیت عبدالصمد
ولادت ۱۹۱۴ء گومتی تحصیل جھجھر ضلع رہتک
وفات ۳۰ر اپریل ۱۹۶۰ء گجرات
تدفین قبرستان خواجگان، علی پور روڈ، گجرات
مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

Marfat.com

احمد خاں، چودھری

سابق ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم کے شوہر اور اُن پر کتاب کے مرتب۔

وفات ۲۰ رجولائی ۱۹۷۷ء

تدفین جی ٹی روڈ، لالہ موسیٰ ضلع گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

احمد دین گجراتی نقشبندی، منشی

پنجابی شاعر، واعظ، کارکن کشمیر ایجی ٹیشن، تحریکِ پاکستان و تحریکِ ختمِ نبوت۔ خلیفہ پیر ولایت شاہ گجراتی

ولدیت امام بخش

ولادت ۱۸۹۷ء کالرہ کلاں ضلع گجرات

وفات ۲۳ رجولائی ۱۹۸۰ء سانگلہ ہل

تدفین قبرستان شاہ لال کالرہ کلاں ضلع گجرات

مآخذ عجب آزاد مرد۔ تذکرہ شعرائے جماعتیہ

احمد یار خاں نعیمی گجراتی، مفتی

ممتاز عالمِ دین، مفسر قرآن، مفتی، حمد و نعت کے شاعر

کتب تفسیر نعیمی۔ جاء الحق۔ مواعظ نعیمیہ
شرح بخاری۔ شرح مشکوٰۃ (۸ جلد)
سفرنامۂ حجاز۔ شانِ حبیب الرحمٰن۔
فتاویٰ نعیمیہ۔ محامدِ پیغمبری (حمد و نعت)
سلطنتِ مصطفیٰ در مملکتِ کبریا

ولدیت مولانا محمد یار خاں

ولادت ۱۹۰۶ء اوجھیانی، بدایوں

وفات ۲۴ راکتوبر ۱۹۷۱ء

تدفین محلہ مسلم آباد، گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

اختر پگانوالہ، میاں محمد

کراچی کی معروف سماجی، سیاسی و کاروباری شخصیت۔ تحریکِ پاکستان کے طالب علم کارکن۔ رکن سندھ اسمبلی (۱۹۶۴ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۷ء) سابق رکن وفاقی مجلس شوریٰ سابق چیف وارڈن کراچی۔

ولادت یکم مارچ ۱۹۲۳ء گجرات

وفات یکم ستمبر ۲۰۰۹ء کراچی

تدفین کراچی

مآخذ جنگ راولپنڈی یکم ستمبر ۲۰۱۰ء۔ گجرات کی بات

اختر شیخ (محمد اختر)

اردو و پنجابی کے ممتاز شاعر

شعری کتب حرف پیادے (۱۹۸۸ء)
آئینے میں چراغ جلتا ہے (۲۰۰۰ء)
ڈھکیا نماشاں ویلا (۲۰۰۵ء)

ولادت ۷ ردسمبر ۱۹۵۳ء راولپنڈی

وفات ۱۴ رنومبر ۲۰۰۹ء اسلام آباد

تدفین قبرستان ایچ الیون، اسلام آباد

مآخذ علی یاسر (اکادمی ادبیات، اسلام آباد)

اختر علی، مولوی

سابق سول افسر، ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر، کمشنر بحالیات
رکن قومی اسمبلی (۱۹۶۲ء) بانی 'اتحاد اسلام پارٹی'

ولدیت علامہ عبدالمالک کھوڑوی (مشیر مال بہاولپور)

Marfat.com

ولادت ۱۸۹۶ء کھوڑی عالم، ضلع گجرات
وفات ۲۶۔دسمبر ۱۹۶۴ء چک عبداللہ، چشتیاں
تدفین قبرستان باباشیر شاہ، بغداد الجدید روڈ، بہاولپور
مآخذ صحیفہ تاریخ۔ پاکستان کے تیس سال

اختر غوری، کرنل محمد

پاک فوج کے جری سپوت۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دینے پر 'ستارۂ جرأت' کے حقدار قرار پائے۔

برادرخورد بریگیڈیر ڈاکٹر محمد سرور، بریگیڈیر ڈاکٹر محمد اصغر و محمد انور غوری (قونصل آسٹریلیا)

ولدیت سردار محمد
ولادت ۲۴؍جولائی ۱۹۳۱ء گجرات
وفات ۲۱؍جنوری ۲۰۰۳ء راولپنڈی
تدفین فوجی قبرستان، راولپنڈی
مآخذ شفقت امین منہاس (مرحوم کے رشتہ دار)

اختر فتح پوری، علامہ (مرزا محمد سلیم اختر)

عربی زبان وادب کے نامور اسکالر، عالم دین، مترجم، مصنف
تین درجن عربی کتب کے اردو تراجم کئے۔

تراجم البدایہ والنھایہ: تاریخ ابن کثیر۔
عروج الذھب ومعدن الجوہر: تاریخ المسعودی
تاریخ ابن خلدون جلد ۶۔
حضرت عثمان (از محمد حسین ہیکل)۔
حضرت علیؓ (از عباس محمود العقاد)۔
غزوہ بدر الکبری (از استاد محمد احمد باشمیل)۔
غزوہ احد (از باشمیل)
غزوہ احزاب (از باشمیل)
غزوہ موتہ (از باشمیل)
غزوہ بنی قریظہ (از باشمیل)
غزوہ خیبر (از باشمیل)۔
صلح حدیبیہ (از باشمیل)
غزوہ حنین (از باشمیل)۔ فتح مکہ (از باشمیل)
غزوہ یرموک (از استاد محمد احمد باشمیل)۔
الصواعق المحرقہ: برق سوزاں: (از ابن حجر مکی)
تطہیر الجنان (از ابن حجر مکی)۔
العقوبات فی الاسلام: اسلام کا نظام تعزیرات (از عبدالرحمٰن)۔
الیہودیہ والصھونیہ: یہودیت اور صہونیت (از عبدالغفور عطار)۔
وفیات الاعیان (ابن خلکان ۴ جلد۔ ۲۰۰۰ء)
ترجمہ قصیدہ بردہ شریف (۲۰۰۱ء)۔

تصانیف کیا مسیح خدا تھے۔
سوشل بائیکاٹ اور جماعت ربوہ۔
قادیانی تحریک کا پس منظر (۱۹۸۴ء)۔
میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟
تفسیر سورۃ یوسف وشرک کی حقیقت۔
خورشید فاراں۔ عصمت انبیاء (۱۹۹۹ء)

ولادت ۲۷؍مارچ ۱۹۳۵ء فتح پور ضلع گجرات
وفات ۲۸؍جنوری ۲۰۰۸ء گجرات
تدفین فتح پور ضلع گجرات
مآخذ ذاتی معلومات

اختر واصفی (عبدالحق)

پنجابی اور اردو کے ممتاز شاعر، تاریخ گو، نقاد
بانی مدیر ماہنامہ 'جدوجہد' لاہور
برادر عاصی واصفی (ممتاز شاعر)

Marfat.com

ولدیت مولا بخش واصف گجراتی

ولادت ۱۱؍اکتوبر ۱۸۹۹ء بھیرہ ضلع سرگودھا

وفات ۳۱؍مئی ۱۹۷۱ء لاہور

تدفین گوجرانوالہ

مآخذ امروز لاہور یکم جون ۱۹۷۱ء۔

مہک گوجرانوالہ نمبر

ارشادؔ حکیم سیّد محمد

معروف ماہر تعلیم' ادیب' مصنف۔روز نامہ' پاکستان ٹائمز' میں مدیر کے نام خطوط میں معاشرتی مسائل پر لکھتے رہے۔کسی روز نامہ میں زیادہ سے زیادہ خطوط کی اشاعت کے عالمی ریکارڈ ہولڈر(گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز ۲۰۰۰ء) ان خطوط کو آپ کے صاحبزادے سیّد مسعود ارشاد نے ترتیب دے کر ۵ جلدوں میں چھپوایا ہے

ولادت ۸؍فروری ۱۹۰۸ء مالیر کوٹلہ (بھارت)

وفات ۱۷؍اکتوبر ۱۹۸۷ء گجرات

تدفین قبرستان متصل دربار کانوانوالہ' گجرات

مآخذ لوحِ مزار۔معلومات از سیّد مسعود ارشاد

اسعد گیلانی' ڈاکٹر سیّد (احمد حسن)

معروف مذہبی اسکالر' ادیب' مصنف' سیاستدان

امیر جماعت اسلامی صوبہ پنجاب (۷۳۔۱۹۷۰ء)

امیر جماعت اسلامی لاہور(۹۰'۸۷۔۱۹۷۷ء)

رکن قومی اسمبلی (ضمنی انتخابات' ۱۹۸۵ء)

کتب رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب۔

حضور اکرمؐ اور ہجرت۔تصورات اقبال۔

مسلمان کے شب و روز۔مشاہدات حرمین

اسلامی تحریکیں: عروج و زوال کے اسباب

اسلام اور سوشلزم۔اسلامی تہذیب و اقدار

سوانح چودھری علی احمد خاں

سیّد مودودی کی دعوت و تحریک

اقبال' دارالاسلام اور مودودی

ولدیت سیّد غلام رسول گیلانی

ولادت ۱۰؍ اپریل ۱۹۲۲ء موضع آچھ ضلع گجرات

وفات ۳؍ اپریل ۱۹۹۲ء اسلام آباد

تدفین کریم بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

مآخذ قومی زبان کراچی اپریل ۹۳ء

خطوط مودودی ۲

اسلم گجراتی' صوفی

ضلع گجرات کے اردو اور پنجابی کے معروف عوامی شاعر و سیاسی کارکن۔چوہدری ظہور الٰہی کے ساتھ جلسوں میں نظمیں پڑھا کرتے تھے۔

مجموعۂ کلام کوڑے سچ

ولادت ۱۹۳۷ء گجرات

وفات ۱۴؍نومبر ۱۹۹۳ء گجرات

تدفین قبرستان تریہنگ' گجرات

مآخذ مرحوم کے خاندان کی فراہم کردہ معلومات

اسلم وزیر آبادی (محمد اسلم سلیم)

گجرات کے معروف وکیل' شاعر و ادیب' دانشور

کتب مسئلۂ جبر و قدر۔انداز بیاں۔لغۃ الادب

سکونِ قلب۔قلب سلیم (۱۹۹۱ء)

اسلامی احکامِ حدود و تعزیرات (۱۹۹۴ء)

ولدیت سید رسول

Marfat.com

ولادت ۲۳ر ستمبر ۱۹۲۷ء وزیر آباد
وفات ۱۸ر اپریل ۱۹۹۵ء گجرات
تدفین قبرستان بھٹیاں' مسلم آباد' گجرات
مآخذ معلومات از عارف علی میر (گجرات)
مصنفینِ گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

اشرف' شیخ محمد

پنجابی شاعر
ولدیت شیخ فضل الٰہی
ولادت ۲۴ر اپریل ۱۹۱۴ء کنجاہ ضلع گجرات
وفات ۱۹۵۹ء
تدفین کنجاہ ضلع گجرات
مآخذ ششماہی 'کھوج' لاہور شمارہ ۳۵

اشرف علی فاروقی گلیانوی' محمد

ممتاز پنجابی شاعر
شعری کتب خوانِ یغما (تین حصے) سیرتِ محمدی۔
فغانِ سسی۔ خطباتِ اشرف علی۔
پنجسورۂ منظوم پنجابی۔ اکرام محمدی
ولدیت پیر صدرالدین
ولادت ۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء گلیانہ نزد کھاریاں کینٹ
ضلع گجرات
وفات ۱۹۸۵ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ مصنفینِ گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

اصغر سلیم' پروفیسر میر محمد

معروف اردو شاعر و ادیب' صحافی' معلم' دانشور
سابق استاد گورنمنٹ کالج لاہور
روزنامہ 'پاکستان' لاہور کے قطعہ نگار
برادر بزرگ صفدر میر
ولادت ۱۵ر نومبر ۱۹۱۹ء گجرات
وفات ۱۲ر جون ۱۹۹۵ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ ماہنامہ 'الرشید' لاہور مئی ۹۶ء۔ جہانِ دگر

اصغر علی خان' نوابزادہ

گجرات کے معروف سیاستدان'
صدر گجرات ڈسٹرکٹ بورڈ (۱۹۴۲ء تا ۱۹۵۶ء)
رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۴۶ء و ۱۹۵۱ء)
ولدیت نواب سر فضل علی (بانی زمیندار کالج گجرات)
ولادت ۱۹۱۴ء گجرات
وفات ۹ر جون ۱۹۷۸ء گجرات
تدفین نزد کوٹھی نواب صاحب' گجرات
مآخذ لوح مزار و ذاتی معلومات

اصغر علی روحی' پروفیسر مولانا

عربی زبان و ادب کے نامور استاد' مصنف' شاعر' مفتی' مترجم۔ تلمیذ مولانا فیض الحسن
سہارنپوری
صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج لاہور (۱۸۹۲ء تا ۱۹۳۱ء)
کتب دبیرِ عجم۔ العروض والقوافی۔ مانی الاسلام
امیر الکلام من کلام الامام

Marfat.com

دیوان الروحی (عربی)

دیوانِ روحی (فارسی مرتبہ ڈاکٹر معین نظامی)

الآیۃ الکبریٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ

اردو تراجم الجفاء والوفا' الداوالدواء (از ابن قیم)

قصیدہ بُردہ

ولدیت قاضی شمس الدین

ولادت ۱۸۶۷ء کٹھالہ تحصیل وضلع گجرات

وفات ۳۱ر مئی ۱۹۵۴ء لاہور

تدفین پہلے چند ماہ امانتاً لاہور میں دفن رہے پھر جامع مسجد روحی (جی ٹی روڈ سے متصل) کٹھالہ گجرات میں قبر بنی۔

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

مآخذ لوح مزار۔ معلومات از ڈاکٹر محمد جمیل احسن (مرحوم کے عزیز)

اعجاز نبی' میاں

ریٹائرڈ ڈپٹی سیکرٹری' کارکن تحریک پاکستان

مصنف ہست وبود (تاریخ منگرال راجپوت)

ولدیت میاں اقبال نبی

ولادت ۱۸ر اپریل ۱۹۱۷ء گجرات

وفات ۲۹ر جون ۱۹۹۵ء گجرات

تدفین گجرات شہر

مآخذ ذاتی معلومات

اصغر علی کھوکھر' میجر جنرل

پاک فوج کے اعلیٰ افسر

کنجاہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔

وفات ۲۱ر مئی ۱۹۷۸ء

تدفین مرکزی قبرستان' اسلام آباد (۴۹/۱۸)

مآخذ لوح مزار

اعجاز اکبر' ڈاکٹر محمد

گجرات سے تعلق رکھنے والے معروف ماہر امراض بچگان

ولدیت محمد اکبر مرزا

وفات ۱۵ر جولائی ۱۹۹۶ء اسلام آباد

تدفین ایچ ایٹ قبرستان' اسلام آباد (قبر نمبر ۱۱۴۔ پلاٹ ۶۸)

افتخار احمد غوری' پروفیسر ڈاکٹر

ممتاز مورخ' محقق وتاریخ دان' ماہر تعلیم' استاد تاریخ' پی ایچ ڈی لندن' مصنف ومرتب کتب تاریخ

سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج جوہر آباد' گوجرانوالہ' گوجر خان' مری وتربت (مکران)

ولادت ۱۷۔ نومبر ۱۹۲۲ء گجرات

وفات ۱۲۔ جنوری ۱۹۹۹ء اسلام آباد

تدفین مرکزی قبرستان' اسلام آباد

مآخذ لوح مزار' مہک گوجرانوالہ نمبر

افتخار احمد میر' بریگیڈئر

پاک فوج کے ریٹائرڈ اعلیٰ افسر

ولدیت احمد دین

ولادت گجرات

Marfat.com

وفات (قتل) ۱۷۔ جولائی ۲۰۰۳ء راولپنڈی

تدفین راولپنڈی

مآخذ نوائے وقت، راولپنڈی ۱۸۔۱۹ جولائی ۰۳ء

افتخار احمد جنجوعہ، میجر جنرل حاجی

پاک فوج کے اعلیٰ افسر و عظیم ہیرو۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں میں بے مثال کارکردگی دکھائی۔

ڈنگہ (ضلع گجرات) کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۴۳ء میں برٹش انڈین آرمی میں کمیشن حاصل کیا۔ غیر شادی شدہ تھے

اعزازات ہلال جرأت (۱۹۶۵ء: معرکہ رن کچھ:
۵ مئی ۱۹۶۵ء کو اس کا اعلان ہوا)
ستارہ پاکستان۔ ستارہ قائداعظم
ہلال جرات (۱۹۷۱ء: معرکہ چھمب)

شہادت (فضائی حادثہ) ۱۰۔ دسمبر ۱۹۷۱ء
(چھمب جوڑیاں کے محاذ پر)

مآخذ امروز لاہور ۲۲۔ دسمبر ۱۹۷۱ء

اکبر علی ایم اے، چودھری

نامور دانشور، کالم نگار، مصنف، ماہر تعلیم، ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر بانی صدر جھنکر زفورم گجرات۔ راقم کے استادِ گرامی

کالمی مجموعے: پاکستان اور جدید دور کے تقاضے (۲۰۰۰ء)
زندگی اور سائنس (۲۰۰۳ء)
پاکستان: ترقی کی راہ (۲۰۰۵ء)
پاکستان: روح انصاف کی تلاش (۲۰۰۵ء)

ولادت ۱۹۳۰ء بھاگو تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

وفات ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء گجرات شہر

تدفین بھاگو تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ ذاتی معلومات

اکبر علی شاہ، پروفیسر سیّد

انگریزی کے ممتاز استاذ کتب اقبال کے انگریزی مترجم

تراجم غزلیاتِ بالِ جبریل بعنوان

☆ Gabriel's Wing(1979)

ضربِ کلیم بعنوان

☆The Road of Moses(1983)

والد پروفیسر انور علی سیّد (صدر شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج، شیخوپورہ)

ولدیت سیّد چمن شاہ

ولادت ۶ جون ۱۹۱۱ء گجرات شہر

وفات ۱۴ مئی ۱۹۸۳ء

تدفین قبرستان تریہنگ، گجرات شہر

مآخذ اقبال اور گجرات

اکبر منیر، پروفیسر محمد

اردو اور فارسی کے ممتاز شاعر، عربی و فارسی زبان و ادب کے استاذ ادیب، دانشور، ماہر تعلیم

ملتان، ہوشیار پور، اور گجرات کے کالجز میں تعینات رہے

علامہ اقبال کے نیاز مند اور شاعری میں ان کے مقلد

شعری کتب ماہِ نو (فارسی) نقشِ حق (اردو)

والد ازہر منیر

ولدیت حکیم محمد حسین

ولادت ۱۹ مارچ ۱۸۹۵ء مراد آباد ضلع سیالکوٹ

Marfat.com

وفات ۱۹؍اکتوبر ۱۹۸۱ء سمبڑیال

تدفین مرکزی قبرستان سمبڑیال تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

مآخذ الابصار ۲۰۰۳ء گورنمنٹ ڈگری کالج ڈسکہ

اقبال اور گجرات۔ نقش حق (دیباچہ)

اکرام الحق ڈار

وائس چانسلر یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور

برادرخورد میجر جنرل احسان الحق ڈار

ولدیت ڈاکٹر عبدالحق ڈار

ولادت ۱۹۳۶ء گجرات

وفات ۳۱۔ جنوری ۱۹۹۶ء

تدفین لاہور

مآخذ جنگ لاہور یکم فروری ۹۶ء

معلومات از خواجہ محمد رفیع (مرحوم کے عزیز)

اللہ دتہ میاں

پنجابی زبان کے شاعر

شعری کتب سوہنی مہینوال۔ خاتونِ جنت۔

آرزو زیارتِ کعبہ

ولادت ۱۸۸۰ء جوڑہ جلالپور ضلع گجرات

وفات ۱۹۷۲ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ معلومات از رحمت اللہ شہزاد (گجرات)

اللہ دتہ ادیب

دیکھئے اے ڈی ادیب

اللہ دتہ بٹ، حاجی

ٹرانسپورٹر۔ بانی منیجنگ ڈائریکٹر گجرات پنجاب بس سروس

وفات ۲۰۔ جنوری ۱۹۶۸ء گجرات

تدفین گجرات شہر

مآخذ امروز لاہور ۲۱۔ جنوری ۶۸ء

اللہ دتہ خاکی

گجرات کے معروف پنجابی شاعر، تلمیذ پیر فضل گجراتی

والد رحمت اللہ شہزاد (شاعر و ادیب)

ولدیت مستری غلام محمد

ولادت اگست ۱۹۲۲ء گجرات

وفات ۲۷؍اکتوبر ۱۹۹۲ء گجرات

تدفین قبرستان تریہنگ، گجرات

مآخذ ماہنامہ نعت لاہور ستمبر ۱۹۹۷ء

اللہ دتہ طالب کنجاہی نقشبندی، ڈاکٹر شیخ

شیخ طریقت، شاعر و مصنف، خلیفہ پیر سید جماعت علی شاہ

مصنف تصوف (۱۹۸۴ء)

ولدیت شیخ پیر بخش

ولادت ۱۲۔ فروری ۱۸۸۶ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات ۳۔ مارچ ۱۹۵۸ء کنجاہ

تدفین مزار خاص، کنجاہ ضلع گجرات

Marfat.com

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

اللہ دتہ گوہر کاشمیری، خواجہ

اردو اور پنجابی کے شاعر، سالار خاکسار تحریک ضلع گجرات

مجموعہ کلام گوہر پارے (اردو و پنجابی)

والد خواجہ محمد احسن مرحوم (نامور وکیل)

ولادت ۱۸۹۷

وفات ۱۲۔جنوری ۱۹۸۳ء

تدفین جلالپور جٹاں، ضلع گجرات

مآخذ گوہر پارے

اللہ رکھا شاکر

پنجابی زبان کے شاعر

وفات ۱۴رفروری ۱۹۸۹ء گجرات

تدفین قبرستان بھٹیاں، گجرات شہر

مآخذ عجب آزاد مرد

امام دین گجراتی، استاد

اردو زبان کے شہرہ آفاق عوامی مزاحیہ شاعر

شروع میں پنجابی زبان میں عمدہ سنجیدہ شاعری کرتے تھے

شعری کتب بانگِ دھل۔ بانگِ رحیل

ولدیت میر حسن دین

ولادت ۱۵راپریل ۱۸۷۰ء گجرات

وفات ۲۲رفروری ۱۹۵۴ء گجرات

تدفین قبرستان تریہنگ، گجرات شہر

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

امانت اللہ، پیر

معروف ماہر تعلیم، مصنف، دانشور

ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج جہلم

ولدیت پیر بہادر شاہ

ولادت ۱۹۱۰ء گولے کی ضلع گجرات

وفات ۲۷رفروری ۱۹۹۵ء گجرات

تدفین قبرستان نزد سٹاف گلا، سرگودھا روڈ، گجرات مآخذ معلومات از سید خلیل احمد پیرزادہ (گولیکی)

امتہ الحفیظ چودھری، ڈاکٹر

ممتاز خاتون معالج و ماہرہ تعلیم طب

سابق پروفیسر فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور۔

۱۹۴۷ء میں مہاجرین کی طبی دیکھ بھال میں سرگرم کردار ادا کیا۔

ولادت ۶رنومبر ۱۹۱۶ء گورالی ضلع گجرات

وفات ۱۷رجون ۲۰۰۲ء لاہور

تدفین لاہور

مآخذ 'خبریں' لاہور ۱۸رجون ۲۰۰۲ء

امتیاز احمد طور، چودھری

ریٹائرڈ ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل اے جی پی آر

ولدیت چودھری نیاز احمد طور

ولادت ۲۴راکتوبر ۱۹۲۶ء گجرات

وفات ۲۵رمارچ ۲۰۰۲ء اسلام آباد

تدفین ایچ ایٹ قبرستان، اسلام آباد

(قبر نمبر ۲۴۲۔ پلاٹ نمبر ۱۰۴)

مآخذ لوحِ مزار

Marfat.com

امتیاز علی، میجر جنرل (ر) محمد

پاک فوج کے ریٹائرڈ اعلیٰ افسر

سابق ملٹری سیکرٹری جنرل وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو

سابق مشیر برائے امور دفاع وزیر اعظم بے نظیر بھٹو

ولدیت چودھری احمد خان

ولادت یکم مارچ ۱۹۳۰ء موضع بھاگو تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

وفات ۲۱ر جون ۲۰۰۳ء راولپنڈی

تدفین فوجی قبرستان، راولپنڈی

مآخذ لوحِ مزار۔

امیر اعظم خان، سردار

معروف سیاستدان، کارکن تحریک پاکستان

سیکرٹری مسلم لیگ مظفر نگر یوپی (۱۹۳۷ء)

رکن پاکستان دستور ساز اسمبلی (۵۶۔۱۹۵۵ء)

وزیر مملکت برائے دفاع (دسمبر ۱۹۵۳ء تا اگست ۱۹۵۷ء)

وزیر برائے پارلیمانی واقتصادی امور (۱۹۵۸ء)

چیئرمین منصوبہ بندی بورڈ (۱۹۵۸ء) پی آئی اے پی پی آئی

ولدیت سردار محمد اکرم خان

ولادت اکتوبر ۱۹۱۴ء گجرات

وفات ۱۹ر فروری ۱۹۷۶ء کراچی

تدفین کراچی

مآخذ پ ک ت ا۔ پاکستانیکا

امیر حسین شاہ المعروف بہ کاکو شاہ، سید

سیاستدان، تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن (گولڈ میڈل ۸۷ء) سالار اعلیٰ پنجاب مسلم لیگ

نیشنل گارڈز (۱۹۴۰ء)

پیپلز پارٹی کے رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۷۰ء)

ولدیت سید غلام حسین شاہ

ولادت ۱۹۲۰ء معین الدین پور ضلع گجرات

وفات ۱۴ر مارچ ۱۹۷۱ء لاہور

تدفین لاہور

مآخذ پاکستان کے تیس سال

امین اختر گوندل، ڈاکٹر

سماجی شخصیت، طبیب، شاعر، صحافی، مصنف،

مقامی سیاستدان و مدیر ہفت روزہ 'اخلاق' جلالپور جٹاں

ولدیت ڈاکٹر محمد اشرف گوندل

ولادت ۴ ستمبر ۱۹۳۵ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۱۱ر اپریل ۱۹۸۴ء جلالپور جٹاں

تدفین جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ مرحوم کے خاندان کی فراہم کردہ معلومات

انعام عزیز

معروف صحافی، روزنامہ 'ملت' لندن کے مالک

مصنف اسٹاپ پریس (تاریخ پاکستان کے واقعات پر رپورتاژ)

ولادت ۱۶ر جون ۱۹۲۸ء گجرات

وفات ۲۶۔ جولائی ۱۹۹۳ء لندن

تدفین لندن

مآخذ قومی زبان کراچی مئی ۹۴ء

Marfat.com

انوارالرحمٰن، مفتی

کہنہ مشق صحافی' اے پی پی سے وابستہ رہے

ولادت ۱۹۱۶ء

وفات ۲ر ستمبر ۱۹۶۶ء

تدفین گجرات

مآخذ وم پ

تکونی (ترویج تر ائیلے) علامہ اقبال: منفی پہلو

(طویل انٹرویو مرتبہ مناظر عاشق ہرگانوی)

ولادت ۱۹۲۸ء لالہ موسیٰ ضلع گجرات

وفات ۲۵ر نومبر ۲۰۰۶ء کارڈف (انگلینڈ)

تدفین کارڈف

مآخذ اردو بک ریویو نومبر دسمبر ۲۰۰۶ء۔

ماہنامہ 'سفیر اردو' لیوٹن اکتوبر دسمبر ۲۰۰۶ء

انور چودھری، پروفیسر

باکسنگ کی دنیا میں عالم شہرت یافتہ شخصیت' پاکستانی باکسنگ کو عالمی سطح پر روشناس کروایا۔ سابق صدر انٹرنیشنل باکسنگ ایسوسی ایشن۔ سابق صدر پاکستان باکسنگ فیڈریشن۔ ۳۳ برس باکسنگ کے معاملات سے وابستہ رہے۔ ان کے دور میں پاکستان نے واحد اولمپک میڈل جیتا۔ این ای ڈی یونیورسٹی کراچی میں پروفیسر تھے

ولادت جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۱۹ر جون ۲۰۱۰ء

تدفین کراچی

مآخذ جنگ کراچی ۲۰ر جون ۲۰۱۰ء

انور غوری، محمد

معروف سفارت کار۔ کینبرا' آسٹریلیا میں پاکستانی سفارت خانے کے قونصلر (چارج لینے کے کچھ دنوں بعد وفات پا گئے)

برادر خورد بریگیڈیر ڈاکٹر محمد سرور

(پرسنل فزیشن ٹو ایوب خان صدر پاکستان)

ولدیت سردار محمد

ولادت ۱۹۱۷ء گجرات

وفات ۲۷۔ اگست ۱۹۶۵ء کینبرا (آسٹریلیا)

تدفین میانی صاحب' لاہور (نزد مزار غازی علم دین)

مآخذ پہچان کا لمحہ۔ معلومات از شفقت امین منہاس

(مرحوم کے رشتہ دار)

انور شیخ

کارڈف میں مقیم معروف ترقی پسند اردو شاعر و ادیب' افسانہ نگار' دانشور و صحافی۔ مدیر سہ ماہی 'لبرٹی' کارڈف۔

۱۹۵۶ء سے کارڈف میں مقیم تھے۔

کتب سوز و ساز (شاعری و افسانے ۔ ۱۹۷۷ء)

نبض جہاں (شاعری و افسانے ۔ ۱۹۹۶ء)

آگ اور پانی (شاعری و افسانے ۱۹۹۸ء)

راز و نیاز ۔ منظومہ مجوبہ ۔ غبارِ دل ۔ غزالہ

(دو آتشہ)۔ شرارِ دل ۔ خمارِ دل ۔ اسرارِ دل ۔

دیارِ دل ۔ بہارِ دل ۔ نوائے دل ۔ صدائے دل

انور میر، محمد

پنجابی و اردو شاعر و ادیب' منظوم سیرت نگار

مصنف عالم دا سرکردہ

(پنجابی میں منظوم سیرت النبیؐ ۔ ۲۰۰۳ء)

ولادت ۱۹۴۰ء سارو کی ضلع گجرات

وفات ۷ر دسمبر ۲۰۰۵ء سارو کی ضلع گجرات

تدفین سارو کی ضلع گجرات

Marfat.com

مآخذ معلومات از عارف علی میر (گجرات)

مآخذ روزنامہ جناح اسلام آباد ۲۶ / مارچ ۲۰۰۹ء

اے ڈی ادیب' سیٹھ اللہ دتہ المعروف بہ

معروف کاروباری' سماجی' سیاسی وادبی شخصیت'
چیئرمین ادبی فاؤنڈیشن۔

ولادت ۱۹۲۸ء سرائے عالمگیر

وفات ۷/ اپریل ۱۹۸۷ء اسلام آباد

تدفین سرائے عالمگیر ضلع گجرات

مآخذ وم پ۔ معلومات شاکر کنڈان

بالی جٹی

معروف لوک فنکارہ' اداکارہ' تھیٹر پرفارمر
۱۹۷۷ء میں لوک ورثہ نے ان پر ایک کتاب شائع کی۔

ولادت ۱۹۴۰ء چک پیروالا ضلع گجرات

وفات ۸/ جون ۱۹۹۶ء لاہور

تدفین شاہ فرید سبزہ زار سکیم ملتان روڈ' لاہور

مآخذ لاہور میں مشاہیر کے مدفون

ایم ڈی طاہر (محمد دین)

لاہور کے معروف سینئر وکیل' سماجی وروحانی شخصیت۔
مفادِ عامہ کے لئے بیسیوں مسائل کے حل کے لئے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ سے
رجوع کرتے رہے۔

وفات ۲۰/ اپریل ۲۰۰۸ء لاہور

تدفین احاطہ مسجد' رچنا ٹاؤن' شاہدرہ' لاہور

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۲۱ و ۲۲/ اپریل ۲۰۰۸ء

باؤ فقیر (نواب علی)

انگریز دور میں پنجاب کا نامور کبڈی کا کھلاڑی
کالرہ اسٹیٹ کی کبڈی ٹیم کے ناقابل شکست کپتان۔

ولدیت اکبر علی کشمیری

ولادت ۱۸۹۵ء کوٹ رانجھا نزد جلالپور جٹاں
ضلع گجرات

وفات ۹/ جولائی ۲۰۰۰ء سرگودھا

تدفین امام بارگاہ سیٹلائٹ ٹاؤن' سرگودھا

مآخذ روزنامہ ڈاک گجرات ۱۲/ اپریل ۲۰۰۵ء

این اے بھٹی (نذیر احمد)

معروف کالم نگار' عزیز بھٹی شہید نشان حیدر کے برادرِ بزرگ اور ریٹائرڈ ایڈمرل
شریف کے برادرِ نسبتی

ولدیت ماسٹر محمد عبداللہ بھٹی

ولادت ۱۹۱۸ء ہانگ کانگ

وفات ۲۵/ مارچ ۲۰۰۹ء اسلام آباد

تدفین ایچ الیون قبرستان' اسلام آباد

بخاری' کرنل ای اے ایس (سیّد اعجاز علی شاہ)

دفاعی امور' تکنیکی وسائنسی موضوعات پر مختلف اخبارات ورسائل میں لکھنے والے معروف کالم
نگار' شاعر وادیب

ولدیت سیّد صادق علی شاہ

ولادت ۲۰/ ستمبر ۱۹۲۴ء ٹبہ بوٹے شاہ ضلع گجرات

وفات ۱۳/ جنوری ۲۰۰۴ء لالہ موسیٰ

Marfat.com

تدفین		لالہ موسیٰ ضلع گجرات
ماخذ		پاکستان ۵۸ سال۔ اردو ادب اور عساکر
		پاکستان جلد اول حصہ دوم

بدیع الزماں کیکاؤس، جسٹس

نامور قانون دان، جج سپریم کورٹ (۶۷-۱۹۶۰ء)
جج لاہور ہائی کورٹ (۶۰-۱۹۵۲ء)
امیر تنظیم اصلاح پاکستان، بانی خدام الاسلام
مصنف		Historical Trial Maulana☆
		Mohammad Ali & others
ولادت		۴رجنوری ۱۹۰۱ء گجرات
وفات		۲رمئی ۱۹۸۷ء لاہور
تدفین		میاں میر، لاہور
ماخذ		پاکستانیکا۔ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر ۳
		(انٹرویو جسٹس کیکاؤس)

برق نوشاہی، ابو الکمال غلام رسول

اردو، پنجابی اور فارسی شاعر، ادیب، محقق، عالم دین
سلسلہ نوشاہیہ کے معروف پیر طریقت
کتب		تذکرہ نوشاہی شعرا۔ تحائف نوشاہیہ
		نوشہ گنج بخش اور ان کی تعلیمات۔
		نعت نوشاہی۔ ذخیرۃ التواریخ۔
		مکتوباتِ برقیہ
ولادت		۷راگست ۱۹۲۴ء چک سواری
		ضلع میر پور (آزاد کشمیر)
وفات		۲راپریل ۱۹۸۵ء لاہور

تدفین		ڈوگہ شریف نزد دولت نگر ضلع گجرات
ماخذ		خفتگانِ خاکِ گجرات

برکت علی شہید

اردو، فارسی و پنجابی کے ممتاز شاعر و ادیب، ماہر تعلیم
تلمیذ نوح ناروی۔ خلیفہ مولانا نبی بخش حلوائی (لاہور)
حضرت قاضی سلطان محمود کے ہم جد
کتب		مقاماتِ محمود (معاون مصنف)
		الامتیاز بین الحقیقت والمجاز (مرتب)
		بزم شہید (اردو کلام مرتبہ مبشر حسن ملک)
		اردو و ریاضی کی نصابی کتب
سسر		ڈاکٹر مظفر حسن ملک (ماہر تعلیم و مصنف)
ولدیت		محمد عالم
ولادت		۱۹۰۷ء موضع آہی نزد آوان شریف
		ضلع گجرات
وفات		۲۴رمئی ۱۹۶۴ء گجرات
تدفین		قبرستان شاہ مالے خاں، محلہ مہندہ،
		گجرات شہر
ماخذ		بزمِ شہید

بسمل ہاشمی، سیّد میر

معروف صحافی، شاعر و ادیب، مصنف، متعدد اخبار و رسائل جاری کیے۔ بانی مدیر
اخبار، لاحول، خانکی ضلع گجرات
مدیر ہفت روزہ 'ریلوے پنچ' گوجرانوالہ (۳۱-۱۹۲۹ء)
مصنف		چشمۂ رحمت عرف نورِ اسلام
ولدیت		غلام محی الدین ہاشمی

Marfat.com

ولادت اگست ۱۸۹۲ء گولیکی ضلع گجرات

وفات ۵؍مئی ۱۹۶۲ء

تدفین خانکی تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

مآخذ معلومات از سیّد خلیل احمد پیرزادہ (گولیکی)

بشارت احمد نیرؔ، مفتی

ممتاز قانون دان، اردو شاعر و ادیب، رکن پاکستان بار کونسل صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن گجرات (۹۰، ۸۹، ۱۹۷۶ء)

شریک مرتب: گجرات بار (تاریخ و تذکرہ)

والد کامران بشارت مفتی (سول جج)

ولدیت مفتی بشیر احمد

ولادت ۱۶؍مئی ۱۹۳۵ء

وفات ۱۷؍ستمبر ۱۹۹۴ء گجرات

تدفین ترکھہ نزد کنجاہ ضلع گجرات

مآخذ معلومات از کامران بشارت مفتی

بشیر احمد آزادؔ، حافظ

شاعر و ادیب، صحافی

ولدیت قاضی محمد فاضل فاروقی

وفات جون ۱۹۹۵ء

تدفین نورا منڈیالہ ضلع گجرات

مآخذ قصوری

بشیر احمد ہاشمی، پروفیسر

نامور ماہر تعلیم۔اردو ادیب، طنزومزاح نگار۔سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی۔سابق استاد انگریزی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔سابق ڈائریکٹر تعلیمات بلوچستان۔ سابق پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور (قبل از تقسیم ہند) گجرات کے مشہور نظمیہ خاندان کے ممتاز فرد۔

ولدیت خان بہادر محمد عظیم ہاشمی

ولادت گجرات

وفات ۳؍دسمبر ۱۹۶۶ء کراچی

تدفین کراچی

مآخذ پ ک م س۔راز گفتاری۔ چند محسن چند دوست

بشیر حسین طاہر، ڈاکٹر

معروف بیوروکریٹ، سابق چیف کمشنر شمالی علاقہ جات ریٹائرڈ ممبر بورڈ آف ریونیو، کالم نگار، مصنف، دست شناس، تاریخ اور بین الاقوامی تعلقات پر کتب کے مصنف۔ساہیوال، ملتان، فیصل آباد، شیخوپورہ میں ڈپٹی کمشنر رہے۔

کتب لہو کی بہار (کالموں کا مجموعہ)

ولادت یکم نومبر ۱۹۴۰ء فتح پور ضلع گجرات

وفات ۲۶؍مارچ ۲۰۰۲ء لاہور

تدفین ماڈل ٹاؤن، لاہور

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۲۷؍مارچ ۲۰۰۲ء

بشیر منذر

اردو، پنجابی کے ممتاز شاعر۔مالک 'کتب نما' لاہور و مینار آرٹ پریس ایبک روڈ، لاہور

شعری کتب کلارکھ (پنجابی مجموعۂ کلام)

الہڑ بلو باوے دا (پنجابی کلام بچوں کیلئے)

Marfat.com

ابو مجھے بتائیں (اردو کلام بچوں کے لئے)
ارتباط (اردو کلیات مرتبہ حفیظ تائب)
کل پونجی (پنجابی کلیات مرتبہ حفیظ تائب)

ولدیت ملک حسن محمد
ولادت جنوری ۱۹۲۵ء لاہوریاں نزد دولت نگر ضلع گجرات
وفات ۱۴؍جون ۱۹۹۰ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ نوائے وقت لاہور ۱۵؍جون ۹۰ء۔حرفِ زار

بہاء الحق عارف، محمد

پنجابی زبان کے شاعر وادیب، مصنف ومرتب
استاد شعبہ پنجابی زمیندار کالج گجرات

کتب آفاقی رسول ﷺ (پنجابی میں سیرت)
شریعت طریقت
حقیقت (پنجابی خطبات)
راہی واقف راہ دا (پنجابی کلام)
جہاناں دی رحمت

ولدیت فضل الٰہی
ولادت ۲۲؍مارچ ۱۹۳۹ء حاصلانوالہ تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین
وفات ۵؍اپریل ۲۰۰۲ء اسلام نگر، گجرات
تدفین قبرستان میاں محمود بڑہ، حاصلانوالہ تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین
مآخذ گور پیا کوئی ہور۔عجب آزاد مرد

بہاول بخش، چودھری

ضلع گجرات کے معروف سیاستدان وجاگیردار
تحریک پاکستان میں ضلع گجرات کے راہنما۔قائداعظم کی کال پر کانگریسی حکومت کے خلاف ڈائرکٹ ایکشن میں گرفتاری دینے والے معمر ترین سیاستدان۔
رکن مرکزی اسمبلی متحدہ ہند (۲۴-۱۹۲۳ء)
مسلم لیگی رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۴۶ء)
تاحیات صدر مسلم جاٹ کانفرنس

دادا چودھری اعتزاز احسن (سابق وزیر داخلہ)
ڈاکٹر اعجاز احسن (سابق پرنسپل کے ای)
والد چودھری محمد احسن علیگ
ولدیت چودھری سلطان محمود
ولادت ۱۸۶۴ء منگووال ضلع گجرات
وفات ۹؍دسمبر ۱۹۵۱ء
تدفین منگووال ضلع گجرات
مآخذ تاریخ جٹاں۔نوائے وقت ۵؍جون ۲۰۰۵ء انٹرویو چودھری اعتزاز احسن

بیوہ عزیز بھٹی شہید (زرینہ اختر)

جنگ ستمبر کے ہیرو میجر راجہ عزیز بھٹی شہید نشان حیدر کی بیوہ

وفات ۱۰؍نومبر ۱۹۹۵ء
تدفین لادیاں ضلع گجرات
مآخذ پاکستان ۴۷ء تا ۹۷ء

پولے خاں، چودھری

گجرات کے معروف شیعہ راہنما۔علاقے میں شیعیت کی تبلیغ وترویج کے لئے یادگار کوششیں انجام دیں۔

Marfat.com

ولدیت چودھری خوشی محمد

ولادت ۱۹۱۰ء عالم گڑھ ضلع گجرات

وفات ۱۶راپریل ۱۹۸۸ء عالم گڑھ

تدفین عالم گڑھ ضلع گجرات

مآخذ چودھری محمد اشرف نمبردار (پسرِ مرحوم)

پیر محمد کاوش

گجرات کے معروف اردو پنجابی شاعر' تلمیذ پیر فضل گجراتی۔ طبیب۔ طب پر کئی کتب کے مؤلف

کتب درودِ کاوش (منظوم درود)

ولادت ۱۹۱۵ء گجرات

وفات ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۵ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ درودِ کاوش۔ معلومات از رحمت اللہ شہزاد

تاج الدین' پیر

قانون دان (بیرسٹر) تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن

پنجاب میں مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے

پنجاب مسلم لیگ پروگریسو گروپ کے جنرل سیکرٹری (۱۹۱۶ء)

و نائب صدر (۱۹۲۸ء)۔ علامہ اقبال' ملک برکت علی اور خلیفہ شجاع الدین کے ساتھی

ولدیت پیر قمر الدین آف گجرات

ولادت ۱۸۷۸ء لاہور

وفات ۶ر دسمبر ۱۹۵۴ء لاہور

تدفین لاہور

مآخذ اقبال اور گجرات

تاج الدین گدائی

پنجابی شاعر

والد سخی کنجاہی (شاعر و ادیب)

ولدیت کرم دین

ولادت ۱۸۹۹ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات ۱۱ر جنوری ۱۹۷۸ء کنجاہ

تدفین کنجاہ ضلع گجرات

مآخذ کرن کرن غنیمت

تاج محمد تاج کنجاہی' بابو

اردو شاعر۔ صدر 'بزم غنیمت' کنجاہ (۱۹۶۰ء)

کارکن تحریک پاکستان' صدر مسلم لیگ مردان سٹی

ولدیت حکیم خوشی محمد

ولادت ۱۹۰۳ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات ۱۰رمئی ۱۹۷۳ء کراچی

تدفین قبرستان پی اے ایف' ماڑی پور' کراچی

مآخذ کرن کرن غنیمت

تاج محمد خیال' پروفیسر

نامور ماہر تعلیم' اردو شاعر' ادیب' دانشور' مصنف

وائس چانسلر جامعہ پنجاب لاہور (۱۶رمئی ۶۱ء تا وفات)

پرنسپل زمیندار کالج گجرات (۵۱۔۱۹۴۲ء)

پرنسپل گورنمنٹ کالج فیصل آباد (۵۴۔۱۹۵۱ء)

چیئرمین ثانوی تعلیمی بورڈ لاہور (۶۱۔۱۹۵۸ء)

اردو مجموعۂ کلام طبع ہو چکا ہے۔

ولادت ۱۹۰۴ء کپورتھلہ

Marfat.com

وفات	۱۴؍اکتوبر ۱۹۶۱ء لاہور

تدفین	میاں میر' لاہور

مآخذ	وفیاتِ مشاہیر پاکستان۔ زندگی نامہ

تبسم قریشی (کیپٹن محمد رمضان)

گجرات کے اردو و فارسی شاعر' ادیب' مترجم' صحافی'

مدیر ہفت روزہ 'غازی' 'محب کسان' گجرات

کتب	خمخانۂ دل۔ غم آشام۔ انمول خزانے

ولدیت	مولوی عبدالکریم قلعہ داری

ولادت	۱۴؍جنوری ۱۸۹۹ء قلعہ دار ضلع گجرات

وفات	۱۸؍دسمبر ۱۹۷۳ء گجرات

تدفین	قبرستان خواجگان' گجرات

مآخذ	خفتگانِ خاکِ گجرات

تجمل حسین' چودھری

گجرات کے معروف سیاستدان' رکن قومی اسمبلی آئی جے آئی (۱۹۹۰ء؛ ۱۹۸۸ء)۔ چودھری شجاعت حسین کے کزن

ولدیت	چودھری نذیر احمد

ولادت	۱۹۲۶ء گجرات

وفات	۲؍اکتوبر ۲۰۰۸ء

تدفین	قبرستان بھٹیاں' محلہ مسلم آباد' گجرات

مآخذ	عاشق تے وریام۔ گجرات کی بات

ثمر گجراتی (چودھری محمد شریف)

گجرات کے معروف اردو شاعر

شعری کتب	عصائے کلیم (۱۹۸۵ء)

ضربِ لاالہ (۱۹۸۸ء)

ولادت	اگست ۱۹۲۸ء گجرات

وفات	۲۵؍نومبر ۲۰۰۱ء گجرات

تدفین	قبرستان بھٹیاں' مسلم آباد' گجرات

مآخذ	معلومات از عارف علی میر (گجرات)

جان مضطر' محمد

گجرات کے اردو و پنجابی شاعر۔ تلمیذ گوہر گوالیاری و تاجور نجیب آبادی۔ سیاسی کارکن

ولدیت	فضل حسین فضل

ولادت	۲۵؍دسمبر ۱۹۳۳ء جلالپور جٹاں

وفات	۲۵؍مارچ ۱۹۹۸ء

تدفین	جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ	ذاتی معلومات۔ گجرات میں اردو شاعری

جاوید سوز' ڈاکٹر (فتح محمد کھوکھر)

گجرات کے معروف شاعر و ادیب' افسانہ و ناول نگار

شعری کتب	لمحاتِ سوز (اردو کلام: ۱۹۶۰ء)

آ لے دوالے (پنجابی نظمیں: ۱۹۸۵ء)

ساڈا پاکستان (پنجابی ملی نظمیں: ۱۹۹۶ء)

ڈش انٹینا (پنجابی نظمیں: ۱۹۹۷ء)

گنبدِ خضریٰ (نعتیں: ۱۹۹۹ء)

مقصودِ کائنات محمد (اردو نعتیہ مجموعہ: ۲۰۰۲ء)

دل سمندر ڈونگھا (۲۰۰۴ء)

نثری کتب	پھول چنتی رہی (اردو ناول: ۱۹۴۲ء)

بُت شکن (محمود غزنوی پر ناول: ۱۹۴۸ء)

Marfat.com

نیلی جھیلیں (اردو افسانے: ۱۹۵۵ء)

ساڈا بابا جناح (پنجابی نثر میں سوانح)

ولدیت کرم الٰہی کھوکھر

ولادت ۱۰/اکتوبر ۱۹۲۶ء لالہ موسیٰ ضلع گجرات

وفات ۱۰/فروری ۲۰۱۰ء امریکہ

تدفین امریکہ

مآخذ اطلاع رحمت اللہ شہزاد (گجرات)

مصنفین گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

جمیل، حکیم عبدالرحیم

نامور طبیب، ۴۰ سے زائد طبی کتب کے مصنف ومؤلف

بانی ماہنامہ 'طبیب حاذق' گجرات۔ ادب وادیب پرور،

مولانا ظفر علی خان کی 'بہارستان' پہلی دفعہ انہوں نے چھپوائی مگر مولانا سے معاملات طے نہ ہونے پر تلف کر دی

ولدیت حکیم شمس الدین

ولادت ۱۹۰۱ء رتی، گجرات

وفات ۷/جون ۱۹۹۱ء گجرات

تدفین قبرستان فاروقیاں، شاہدولہ روڈ، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

چراغ دین، سیٹھ

گجرات کی معروف کاروباری شخصیت ''رئیس اعظم گجرات''

وفات ۳/مئی ۱۹۵۸ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ وفیات مشاہیر پاکستان

چراغ علی، حکیم

ضلع گجرات میں اپنے دور کے مشہور ترین فوجداری وکیل تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن۔ ضلع گجرات مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے۔ گجرات میں قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح کے میزبان۔

صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن گجرات (۱۹۵۰ء، ۱۹۶۰ء)

ولدیت حکیم کرم الٰہی

ولادت ۱۸۹۸ء جلالپور جٹاں

وفات ۷/ستمبر ۱۹۷۷ء گجرات

تدفین اپنی رہائش گاہ میں جیل چوک گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

حاجرہ مشکور ناصری

اردو اور پنجابی کی معروف شاعرہ وادیبہ

کتب دھخدی برکھا (پنجابی کلام)

جہانِ اردو (اردو کلام)

دختر مولانا عبدالرحیم ناصری

ولادت ۱۹۲۹ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۵/جون ۲۰۰۳ء

تدفین لاہور

مآخذ نوائے وقت لاہور ۹/اگست ۲۰۰۳ء

حاجی شاہ، سید احمد علی شاہ المعروف بہ

ممتاز عالم دین، شیخ الحدیث، تلمیذ مفتی احمد یار خان نعیمی، قاضی عبدالسبحان کھلابٹ و مولانا سردار احمد خاں

فرزند وسجادہ نشیں پیر ولایت شاہ گجراتی

ولادت ۱۹۳۲ء گجرات

Marfat.com

وفات ۳۱راگست ۱۹۸۱ء گجرات
تدفین دربار پیر ولایت شاہ علی پور گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

حامد الوارثی

معروف نعت گو شاعر تلمیذ سیماب اکبرآبادی
نعتیہ مجموعے: نورِ ہدایت۔ میلادِ حامد۔
جمالِ مصطفےٰ۔ نغمۂ نور
ولادت ۴رفروری ۱۹۲۴ء حاجی والا ضلع گجرات
وفات ۲۶راکتوبر ۱۹۸۹ء فیصل آباد
تدفین فیصل آباد
مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

حامد حسن سیّد، پروفیسر

اردو و انگریزی ادیب، مصنف، ماہر تعلیم، محقق
اوّلین پرنسپل عبدالحق اسلامیہ کالج جلالپور جٹاں۔
سابق پرنسپل اسلامیہ رضویہ کالج ہارون آباد۔
ریٹائرڈ پرنسپل زمیندار کالج گجرات۔
کتب آئینہ (تاریخ و تذکرہ زمیندار کالج)
تذکرہ حضرت پیر سیّد رشید الدولہ۔
گلِ ہفت رنگ (ڈاکٹر سیّد صفدر حسین پر)
پیر سیّد بدھو شاہ۔ حدیثِ کربلا۔ سفرِ سادات
شریف کنجاہی کی پرورشِ لوح و قلم۔
تذکرہ احوال و آثار علمائے قلعدار۔
نقوشِ پیر فضل گجراتی۔
اردو تراجم عبرت نامہ (محمد قاسم لاہوری)
تاریخ ارادت خان۔
ولدیت سیّد مسیح حسن
ولادت یکم جنوری ۱۹۲۴ء انبالہ
وفات ۱۳راگست ۲۰۰۴ء گجرات
تدفین قبرستان عقب لیبر کالونی بھمبر روڈ، گجرات
مآخذ ذاتی معلومات

حامد علی شاہ، پیر سید

عالم دین، سجادہ نشین دربار پیر ولایت شاہ گجراتی
صدر جمعیت علمائے برطانیہ، سرپرست جماعت اہلسنت برطانیہ، بانی فرقان اکیڈمی گجرات
ولدیت پیر سید ولایت شاہ گجراتی
ولادت ۲۲۔اکتوبر ۱۹۳۰ء گجرات
وفات ۲۰۔جنوری ۱۹۹۹ء گجرات
تدفین علی پور، گجرات شہر
مآخذ پی ٹی وی خبرنامہ ۲۰ جنوری ۱۹۹۹ء؛
گجرات کی بات

حبیب شاہ جلالپوری، مولانا سیّد

برصغیر کے معروف صحافی، ادیب، قومی کارکن،
کارکن تحریکِ خلافت، تحریکِ پاکستان و تحریکِ کشمیر
بانی مدیر روزنامہ سیاست، لاہور (اجراء ۱۹۱۹) و دیگر اخبار
قومی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔
مصنف تذکرۂ خاران (سفرنامہ)
مترجم بھگوت گیتا (منظوم اردو ترجمہ)
ولدیت سیّد سعد اللہ شاہ ہاشمی

Marfat.com

ولادت ۵ر ستمبر ۱۸۹۰ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات
وفات ۲۳ر فروری 1951ء لاہور
تدفین میانی صاحب' لاہور
مآخذ اقبال اور گجرات ۔ تحریک پاکستان اور علماء کرام ۔ کتبۂ قبر بحوالہ مضمون عبداللہ قریشی مطبوعہ صحیفہ جولائی ستمبر ۸۷ء

حسن اختر' پروفیسر ڈاکٹر ملک

اردو کے ممتاز محقق' نقاد' استاد' ماہر اقبالیات' مرے کالج سیالکوٹ اور گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں اردو کے استاد' پی ایچ ڈی جامعہ پنجاب (۱۹۷۹ء)
کتب دائرۂ معارفِ اقبال ۔ اطرافِ اقبال ۔
اقبال اور نئی نسل ۔ اقبال ایک تحقیقی مطالعہ ۔
اردو شاعری میں ایہام گوئی کی تحریک ۔
ولدیت ملک کرم حسین
ولادت یکم جولائی ۱۹۳۸ء نوشہرہ خواجگان' گجرات
وفات ۲۳ر جنوری ۱۹۹۳ء لاہور
تدفین کریم بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور
مآخذ اقبال اور گجرات

حسین عباس' بریگیڈیئر سیّد

پاک فوج کے اعلیٰ افسر
شہادت ۱۰ر فروری ۲۰۱۰ء موضع تنگروسہ' وادی تیراہ' خیبر ایجنسی (دہشت گردوں کے علاقے میں پاک فوج کا ہیلی کاپٹر گرنے سے دونوں پائلٹ شہید ہوگئے' امدادی ٹیم کی قیادت کرتے ہوئے آپ موقع پر پہنچے جہاں دہشت گردوں کی فائرنگ سے ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے)
تدفین کوٹلی شاہجہانی نزد جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ ایکسپریس اسلام آباد ۱۱ و ۱۳ر فروری ۲۰۱۰ء

حشمت شاہ وارثی' استاد

پنجابی کے معروف قصہ گو شاعر' تلمیذ استاد امام دین گجراتی متعدد مختصر پنجابی قصوں کے خالق ۔
مطبوعہ قصے گلزارِ مدینہ (نعتیہ) شمع پروانہ ۔ لیلیٰ مجنوں بلبل تے پھل ۔ مرزا صاحبان ۔ محمد بن قاسم
ولدیت حیات شاہ
ولادت امرتسر
وفات ۱۹۸۱ء کالرہ کلاں ضلع گجرات
تدفین کالرہ کلاں ضلع گجرات
مآخذ ماہنامہ نعت لاہور ستمبر ۱۹۹۷ء

حفیظ الرحمٰن معصومی' خواجہ محمد

عالم دین' سجادہ نشین دربار موہری شریف' کھاریاں' گجرات
مولف زریں زر بخت (سوانح صوفی نواب دین)
ولدیت خواجہ محمد حسین
ولادت ۲۔ اگست ۱۹۵۳ء موہری شریف
وفات ۲۰۔ جنوری ۲۰۰۱ء
تدفین موہری شریف تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ م ح' مصنفین گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

حفیظ اللہ قادری' مولوی محمد

عالم دین' پیر طریقت' خلیفہ بابو غلام سرور لاہوری
فارغ جامعہ نظامیہ دہلی و خیر المدارس ملتان

Marfat.com

ولدیت مولوی عبدالغنی

ولادت ۹۔اپریل ۱۹۰۱ء بٹریلہ شریف ضلع گجرات

وفات ۲۵۔ستمبر ۱۹۷۶ء

تدفین مزار خاص، بڑیلہ شریف ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

حمید اسلم ہاشمی

بزنس منیجر روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی، اسلام آباد

گجرات کے مشہور شاعر اور صحافی تبسم قریشی کے داماد

ولادت نوشہرہ خواجگان گجرات

وفات (حادثہ) ۸رجنوری ۲۰۰۰ء راولپنڈی

تدفین عزیز آباد، راولپنڈی

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۱۲ جنوری ۲۰۰۰ء

حمید اللہ، مفتی

اردو اور فارسی کے شاعر، ادیب، مترجم

مثنوی مولانا روم و جاوید نامہ کے منظوم اردو تراجم کیے

ولدیت مفتی محمد حسین

ولادت یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء

وفات ۱۳راگست ۱۹۹۱ء گجرات

تدفین قبرستان جھنگی نزد امین فین
جی ٹی روڈ گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

حمید اللہ خاں، چودھری

تحریک آزادی کشمیر کے صف اوّل کے راہنما، یکے از بانیان آزاد جموں و کشمیر مسلم کانفرنس۔

وزیر آزاد جموں و کشمیر برائے خزانہ اطلاعات، بیت المال، بحالیات، امداد باہمی و بلدیات (۱۹۵۳)

ولدیت چودھری خوشی محمد ناظر (نامور اردو شاعر)

ولادت ۱۹۰۹ء کشمیر

وفات ۱۰۔اگست ۱۹۵۷ء

تدفین ہریہ والا ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

خاقان خاور (اعجاز سرور)

اردو غزل، نظم اور ہائیکو کے ممتاز شاعر

کتب بھنور کی آنکھ (غزلیات۔۱۹۸۱ء)
جنگل رات (سہ مصرعی نظمیں۔۱۹۸۶ء)
خزاں کا چراغ (غزلیات۔۱۹۹۶ء)
درختوں میں کھڑی شام (نظمیں گیت ۱۹۹۷)

بھانجا پیر فضل گجراتی (نامور پنجابی شاعر)

ولدیت پیر سرور شاہ

ولادت جون ۱۹۳۵ء گجرات

وفات ۴رمئی ۲۰۰۱ء لاہور

مآخذ قبرستان جعفر شاہ، شاہدولہ روڈ، گجرات

مآخذ ذاتی معلومات

خالد محمود قریشی

سابق پرنسپل گورنمنٹ فزیکل ایجوکیشن کالج لاہور

سابق ڈائریکٹر سپورٹس پنجاب

Marfat.com

ایڈمن افسر روزنامہ 'خبریں' لاہور

وفات ۲۷۔ مارچ ۲۰۰۲ء لاہور

تدفین گجرات

مآخذ خبریں لاہور ۲۸ مارچ ۲۰۰۲ء بحوالہ م ح

خورشید حسن شیرازی' مولانا سید

معروف شیعہ عالم' خطیب' مصنف' مترجم

کتب تحقیق مسئلہ خمس۔ القول الجلی فی حل

اختلاف اہل السنۃ و شیعہ علی

تراجم حسین اور کعبہ۔ مخزن المسائل

الموعظہ والتنبیہ (تراجم احادیث' ۳ حصے)

ولدیت سید حاکم علی شاہ

ولادت ۲۸۔ مئی ۱۹۱۵ء بھدر تحصیل کھاریاں گجرات

وفات یکم فروری ۱۹۸۲ء

تدفین شادیوال ضلع گجرات

مآخذ تذکرہ علمای امامیہ پاکستان

خورشید عالم بھٹی

ماہر تعلیم' ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج آف کامرس گجرات

والد زبیر خورشید بھٹی (بیوروکریٹ)

ڈاکٹر اکمل خورشید بھٹی (منتظم صحت عامہ)

ولادت ۱۹۳۰ء لکھنوال نزد جلالپور جٹاں' گجرات

وفات ۱۷۔ مارچ ۱۹۹۶ء گجرات شہر

تدفین لکھنوال ضلع گجرات

مآخذ ذاتی معلومات

خوشتر کنجاہی (ملک عبدالقادر)

پنجابی شاعر' تلمیذ پیر فضل گجراتی' تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ کے جلسوں میں نظمیں پڑھتے رہے۔

ولدیت ملک فیروزالدین

ولادت ۴/ جنوری ۱۹۰۷ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات ۱۸/ جون ۱۹۷۲ء

تدفین کنجاہ ضلع گجرات

مآخذ کرن کرن غنیمت

ذوالفقار شہید' سکواڈرن لیڈر

پاک فضائیہ کے شہید

ولدیت چودھری غلام قادر

ولادت ۱۹۵۳ء جھیورانوالی ضلع گجرات

شہادت ۱۷/ اگست ۱۹۸۸ء

تدفین جھیورانوالی ضلع گجرات

مآخذ معلومات از خموش چچیانوی (گجرات)

ذوالفقار علی شاہ' مولانا حافظ سید

ممتاز شیعہ عالم دین' قاری' ذاکر' مصنف

ماہر تقابل ادیان۔ خطاب 'آفتاب پنجاب'

کتب کشف البیان۔ گنجینہ معارف

وفات ۱۶۔ جنوری ۱۹۸۲ء ملتان

تدفین ٹبہ قبرستان' جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ ذاتی معلومات' وم پ

Marfat.com

راز گجراتی (چودھری غلام حسین)

گجرات کے بزرگ اردو، پنجابی وفارسی شاعر، ادیب
نے نواز، ادب وادیب پرور۔ موجد غالب پسند آم
بانی ادبی ایوارڈ کونسل و نشانِ گجرات (ادبی ایوارڈ)

کتب — تذکرۂ غالب وغالب پسند آم (۱۹۷۳ء)
بیاء دوست (فارسی واردو کلام۔۱۹۸۲ء)
راز و نیاز۔ صدائے نے (بانسری پر)
سوانح قوم آرائیں (۱۹۹۸ء)
ترتیب — دُرافشانیٔ اشک
(کلام اشک رامپوری۔۲۰۰۳ء)
برادر خورد — ماسٹر محمد حسین شوق گجراتی (معروف شاعر)
ولدیت — منشی امام الدین
ولادت — ۲۵ رفروری ۱۹۱۰ء دھریکاں نزد قادر آباد ضلع گجرات
وفات — ۲۴ رجون ۲۰۰۵ء
تدفین — قبرستان اسلام نگر، گجرات شہر
مآخذ — ذاتی معلومات

رانی، جنرل (اقلیم اختر)

جنرل یحییٰ خاں کے حوالے سے شہرت پانے والی خاتون
حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ میں ذکر موجود ہے

دختر — راجا مظفر حسین
زوجہ — چودھری غلام رضا
ولادت — ۱۹۳۲ء گجرات
وفات — یکم جولائی ۲۰۰۲ء لاہور
تدفین — مڑیاں قبرستان، گارڈن ٹاؤن لاہور
مآخذ — لاہور میں مشاہیر کے مدفون

رحم داد چودھری

گجرات کے معروف سیاستدان۔ سینٹر (۹۱۔۱۹۸۵ء)

برادر خورد — چودھری فضل الٰہی (سابق صدر مملکت)
ولدیت — چودھری غلام محمد
ولادت — ۲۵۔مئی ۱۹۱۴ء مرالہ گجراں ضلع گجرات
وفات — ۲۔فروری ۲۰۰۳ء مرالہ گجراں، گجرات
تدفین — مرالہ گجراں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ — ن۔و۔راولپنڈی ۳ فروری ۲۰۰۳ء

رحمت اللہ رحمت، سائیں

گجرات کے بزرگ پنجابی شاعر، تلمیذ پیر فضل گجراتی

ولادت — ۱۹۰۸ء مینڈھر ضلع پونچھ (آزاد کشمیر)
وفات — ۲۱ راکتوبر ۱۹۸۸ء گجرات
تدفین — قبرستان نزد نئی سبزی منڈی، گجرات
مآخذ — خفتگانِ خاکِ گجرات

رحمت اللہ شاد

معروف مخیر سماجی شخصیت، بانی رحمت اللہ شاد ٹرسٹ

وفات — ۲۱ رجون ۲۰۰۵ء جلالپور جٹاں
تدفین — نندپور قبرستان، جلالپور جٹاں ضلع گجرات
آخذ — عارف علی میر (گجرات)

رحمت علی، حاجی

گجرات کے معروف پیر طریقت، کئی مساجد تعمیر کروائیں

ولدیت — صوفی فتح علی

Marfat.com

ولادت ۱۹۔دسمبر۱۹۲۴ء نارووالی ضلع گجرات

وفات ۸۔نومبر۱۹۸۵ء

تدفین مقبرہ خاص' چڑیاولہ شریف' ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

رحمت علی خاں آف کنگ' استاد

معروف کلاسیکی گائیک

برادرخورد استاد مہتاب علی خاں مرحوم (خالق چھلا)

ولادت ۱۹۱۶ء کنگ ضلع گجرات

وفات ۲۶۔ستمبر۲۰۰۲ء

تدفین کنجاہ ضلع گجرات

مآخذ ن۔و۔راولپنڈی ۲۸ ستمبر۲۰۰۲ء

رحمت علی خان سامی' مولانا

ممتاز عالم دین' مبلغ اسلام' مترجم ومفسر قرآن' مصنف

اردو' فارسی اور عربی کے شاعر' مرید شیخ الہند مولانا محمود حسن

یوگنڈا میں تبلیغ اسلام کی اور یوگنڈا زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر لکھی اور دیگر تبلیغی کتب تصنیف کیں۔

کتب مرید شیخ الہند۔سیرت النبیؐ (بزبان یوگنڈا)

تراجم قصیدہ نعتیہ جن

ولدیت حافظ امیر خان

ولادت ۱۸۸۶ء سیکریالی ضلع گجرات

وفات ۲۶۔اگست۱۹۶۵ء

تدفین قبرستان عقب بجلی گھر' سرگودھا روڈ گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

رحمٰن' جسٹس ایس اے (شیخ عبدالرحمٰن)

نامور ماہر قانون' شاعر' ادیب' مترجم اقبال' ادب نواز

چیف جسٹس آف پاکستان (۱۹۶۸ء)

چیئرمین ٹریبونل برائے اگرتلہ سازش (۱۹۶۸ء)

رکن بنگال باؤنڈری کمیشن (۱۹۴۷ء)

کسٹوڈین متروکہ املاک (۵۲۔۱۹۴۷ء)

وائس چانسلر جامعہ پنجاب لاہور (۵۲۔۱۹۵۰ء)

چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ (۵۵۔۱۹۵۴ء)

چیف جسٹس مغربی پاکستان ہائی کورٹ (۶۳۔۱۹۵۵ء)

سابق چیئرمین مرکزی اردو بورڈ

سابق ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر' لاہور

شعری کتب سفر (۱۹۹۰ء) خیابانِ نوا

ترجمانِ اسرار (منظوم اردو ترجمہ اسرار خودی)

اعزاز ہلالِ پاکستان۔ہلالِ قائداعظم

ولدیت شیخ غلام علی آف ڈنگہ ضلع گجرات

ولادت ۴رجون۱۹۰۳ء وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ

وفات ۱۱رفروری۱۹۷۹ء

تدفین گلبرک' لاہور

مآخذ نوائے وقت لاہور ۱۲رفروری۷۹ء
نقوش: شخصیات نمبر

رسول شاہ' پیر سیّد

روحانی شخصیت' خلیفہ خواجہ محمد امین چکوڑوی

وفات ۸رجنوری۱۹۶۱ء

تدفین نہر اپر جہلم کے کنارے' حاجی چک' ڈنگہ روڈ'
تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ اسرار الکاملین فی تذکرہ خلفائے خواجہ محمد امین

Marfat.com

رشید احمد، ٹھیکیدار

گجرات کے معروف ماہر تعمیرات، اردو ادیب، انشائیہ نگار۔
حلقہ ارباب شعور گجرات کے روح رواں

مصنف لوڈ شیڈنگ (انشائیے)
ولادت ۱۹۲۵ء گجرات
وفات ۷؍نومبر ۲۰۰۶ء گجرات
تدفین قبرستان بھٹیاں محلہ مسلم آباد گجرات
مآخذ عاشق تے دریام

رشید الدولہ، حکیم پیر

طبیب، شیعہ عالم دین، روحانی شخصیت، مصنف، مناظر
خاکسار تحریک ضلع گجرات کے راہنما (صاحب نشان)
یکے از سجادگان حضرت شاہدولہ دریائی گجراتی
بانی مدیر ماہنامہ ''صداقت'' گجرات

ولدیت پیر سید گلاب شاہ
ولادت ۱۵۔ اگست ۱۸۹۰ء گجرات
وفات ۱۵۔ اگست ۱۹۸۶ء گجرات
تدفین خاندانی قبرستان، شاہدولہ روڈ، گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

رشید کنجاہی

اردو و پنجابی کے ممتاز شاعر
شعری کتب دیارِ درد۔ چیختے منظر

ولدیت نور دین ڈار
ولادت ۱۲؍جولائی ۱۹۲۰ء کنجاہ، گجرات
وفات ۲۲؍مارچ ۱۹۹۸ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ کرن کرن غنیمت

رشید ملک

ممتاز ادیب، محقق، مترجم، ماہر تاریخ و موسیقی، اردو و انگریزی کالم نگار۔ سابق سپرنٹنڈنٹ پولیس۔

کتب امیر خسرو کا علم موسیقی اور دوسرے مقالات (۱۹۷۵ء)۔ برصغیر میں موسیقی کے فارسی مآخذ (۱۹۸۳ء)۔ مسائلِ موسیقی (۱۹۸۶ء)
فقیر اللہ سیف خان کی راگ درپن کا تنقیدی جائزہ مع متن و ترجمہ (۱۹۹۸ء)
جرائم اور مجرم۔ انڈالوجی (۲۰۰۲ء)۔

اردو تراجم پنجاب کے سو سال (پرکاش ٹنڈن کی کتاب Punjabi Century کا ترجمہ)
بیرون پنجاب (پرکاش ٹنڈن کی کتاب Beyond Punjab کا اردو ترجمہ)
جدید سائنس کا آغاز (ترجمہ از تھامس گولڈ اسٹائن، ۱۹۹۳ء)

اعزاز ستارۂ امتیاز (۲۰۰۷ء)
ولدیت بابو غلام حسین آف قلعدار ضلع گجرات
ولادت ۱۹۲۴ء گجرات
وفات ۲۰؍فروری ۲۰۰۷ء لاہور
تدفین قبرستان، گلبرگ، بالمقابل سیون اَپ فیکٹری، لاہور
مآخذ معلومات از جناب اطہر مسعود (لاہور)

Marfat.com

رشید ملک ایڈووکیٹ

گجرات کے معروف وکیل، دانشور، مصنف

تصنیف علامہ المشرقی اوران کے معاصر (۱۹۹۳)

وفات ۱۹/ستمبر ۱۹۹۴ء گجرات

تدفین قبرستان شادمان، گجرات

ماخذ معلومات از عارف علی میر (گجرات)

رشیدہ احسن، بیگم

تحریک پاکستان کی سرگرم کارکن (گولڈ میڈل ۸۷ء)

صدر خواتین ڈویژنل مسلم لیگ راولپنڈی (قبل از تقسیم)

اپنے سسر چودھری بہاول بخش اور اپنے میاں چودھری محمد احسن کے ہمراہ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

زوجہ چودھری محمد احسن (علیگ)

والدہ چودھری اعتزاز احسن و ڈاکٹر اعجاز احسن

دختر چودھری ذکاء اللہ

ولادت ۱۹۱۲ء گجرات

وفات ۵۔مئی ۲۰۰۰ء لاہور

تدفین میاں میر، لاہور

ماخذ ن۔و۔راولپنڈی ۶۔مئی ۲۰۰۰ء

لاہور میں مشاہیر کے مدفون

رضیہ ناہید رضی، سیّدہ

پنجابی زبان کی معروف ادیبہ و شاعرہ

مجموعہ کلام کرلاٹ

ناول طوفان کے بعد

ولادت ۲۵/دسمبر ۱۹۲۱ ہریہ والا ضلع گجرات

وفات ۱۵/اگست ۱۹۹۰ء لالہ موسیٰ

تدفین لالہ موسیٰ ضلع گجرات

ماخذ معلومات از کیپٹن شاکر کنڈان

ماہنامہ 'لہراں' لاہور (شخصیات نمبر ۲)

رفیع پیر

نامور ڈرامہ نگار، ڈرامہ آرٹسٹ (صداکار و ہدایت کار)

طویل عرصہ لاہور اور دہلی ریڈیو سٹیشن سے وابستہ رہے۔ پاکستان میں ڈرامہ کے بانی'

بانی پاکستان ڈرامہ مرکز'

اعزاز: صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی (۱۹۶۷ء)

ولدیت پیر تاج الدین

ولادت ۱۹۰۰ء جلالپور جٹاں، ضلع گجرات

وفات ۱۱/اپریل ۱۹۷۴ء لاہور

تدفین گلبرگ، لاہور

ماخذ نوائے وقت لاہور ۱۲/اپریل ۷۴ء۔ پاکستانیکا

رفیق عنایت مرزا

نامور بیوروکریٹ، سابق سیکرٹری جنرل آرسی ڈی

سابق کمشنر راولپنڈی ڈویژن

سابق چیئرمین پراونشل الیکشن اتھارٹی

ولدیت مرزا عنایت اللہ بیگ

ولادت ۱۳۔نومبر ۱۹۲۶ء منگووال شرقی ضلع گجرات

وفات ۱۸۔جنوری ۱۹۹۸ء

تدفین مرکزی قبرستان، اسلام آباد (۸۹/۷۹)

ماخذ لوح مزار۔

Marfat.com

رفیق میر

سینئر صحافی' پی پی آئی کے سینئر نیوز ایڈیٹر

سابق پرنٹر' پبلشر زوایڈیٹر روزنامہ 'مساوات' لاہور

ولادت ۱۹۲۹ء گجرات

وفات یکم جولائی ۲۰۰۱ء لاہور

تدفین قبرستان شاد باغ' لاہور

مآخذ جنگ ۳۰۔ دسمبر ۲۰۰۱ء' عجب آزاد مرد

روشن آرا بیگم (وحید النساء)

کلاسیکی موسیقی کی نامور گائیکہ' 'ملکہ موسیقی' تلمیذہ استاد عبدالکریم خان' تقسیم سے قبل کلکتہ کی فلمی اداکارہ

اعزازات صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی

تمغہ افتخار فن۔ ستارہ امتیاز

بنت عبدالوحید خان

زوجہ چودھری احمد خاں

ولادت ۱۹۱۵ء کلکتہ

وفات ۵۔ دسمبر ۱۹۸۲ء

تدفین مقبرہ خاص' جی ٹی روڈ' لالہ موسیٰ' ضلع گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

ریاض مفتی

مضمون نگار' محقق' استاد

گجرات بار (تاریخ و تذکرہ): ۱۹۹۴ء (شریک مرتب)

گجرات عہد بعہد: ۱۹۹۷ء (کیپٹن ایلیٹ کے کتابچے The Chronicles of Gujrat کا اردو ترجمہ)

ولدیت چودھری عبدالکریم

ولادت یکم جنوری ۱۹۴۶ء گاؤں مرجان

تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

وفات ۲۹ رجنوری ۲۰۱۱ء گجرات

تدفین گاؤں مرجان تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ اطلاع شیخ عبدالرشید (گجرات)

اہل گجرات کی مطبوعہ کتب

ریاض منظور شہید' میجر

صومالیہ کی خانہ جنگی کے دوران اقوام متحدہ کی امن فوج میں شامل پاکستانی دستے کے فوجیوں کو بچاتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور 'ستارہ جرأت' حاصل کیا۔

ولدیت سید منظور حسین

شہادت ۵۔ جون ۱۹۹۳ء موغادیشو (صومالیہ)

تدفین معین الدین پور ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

زمان کھوکھر' ایم

نوگزے مزارات اور صوفیاء کے درباروں پر لکھنے والے گجرات کے معروف صحافی

کتب گجرات تصاویر کے آئینے میں (۱۹۹۵ء)

گجرات تاریخ کے آئینے میں (۱۹۹۶ء)

سیالکوٹ سے خیبر تک (۱۹۹۷ء)

پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار۔

گندھارا تہذیب تصاویر کے آئینے میں اور خطۂ یونان گجرات (۱۹۹۸ء)۔

حجازِ مقدس کا روحانی سفر (۲۰۰۱ء)

پشاور سے کوئٹہ تک (۲۰۰۳ء)۔

گوجر خان کہوٹہ، روحانیت و تاریخ کے آئینے میں (۲۰۰۴ء)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے

Marfat.com

حضور (۲۰۰۵ء)
حضرت قنبیط علیہ السلام المعروف سچا پیر (۲۰۰۵ء)
گجرات میں انبیاء کرام کے مزارات (۲۰۰۶ء)
مسجدِ نبوی میں جنت کا ٹکڑا ریاض الجنتہ (۲۰۰۷ء)
پیران کلیر شریف کے حضور آٹھ روز (۲۰۰۷ء)
قدیم تہذیبوں اور صوفیائے کرام کی سرزمین پاکستان' آزاد کشمیر (۲۰۰۷ء)۔
گلگت سے کراچی تک میرا پیارا وطن پاکستان (۲۰۰۹ء)

وفات ۱۷رنومبر ۲۰۰۸ء گجرات
تدفین قبرستان بھٹیاں' گجرات
ماخذ اطلاع پیر خلیل احمد (گولے کی ضلع گجرات) اہل گجرات کی مطبوعہ کتب

زیبا درّانی (احسان اللہ خان)

گجرات کے معروف اردو شاعر و ادیب

ولدیت خان شہباز خان
ولادت ۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۵ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات
وفات ۱۹۹۵ء گجرات
تدفین گجرات
ماخذ گجرات میں اردو شاعری

زیڈ اے ہاشمی (ظفر علی ہاشمی)

ممتاز زرعی سائنسدان' ماہر حیوانیات' محقق' ماہر تعلیم
وفاقی سیکرٹری تعلیم و چیئرمین پاکستان سائنس فاؤنڈیشن
اوّلین وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد (۶۹۔۱۹۶۱)
سیکرٹری تعلیم مغربی پاکستان (۷۳۔۱۹۶۹ء)
وزیر تعلیم و سائنس و ثقافت پنجاب (۷۶۔۱۹۷۳ء)
سیکرٹری تعلیم پنجاب' چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ
وزیر تعلیم پنجاب (گورنر سوار خاں دور)
درجنوں سائنسی کتب کے مصنف' مولف

ولدیت محمد شفیق ہاشمی
ولادت ۱۹۱۴ء گجرات
وفات ۲۶۔اکتوبر ۱۹۹۰ء
تدفین مرکزی قبرستان' اسلام آباد (۱۱۲/۱۹)
مآخذ لوحِ مزار۔ گجرات کا نظمیہ خاندان

ساقی گجراتی (مختار احمد)

اردو و پنجابی کے ممتاز شاعر و ادیب' محقق' ماہر عروض' نقاد
استاد گورنمنٹ پاک اسٹینڈرڈ ہائی سکول شاہ عالم' لاہور
شعری کتب زادِ عقبیٰ (اردو نعت۔۸۷ء)
کن من کن من سوچاں (پنجابی غزل ۹۳ء)
گلاں خیر البشرؐ دیاں (پنجابی نعت۔۹۵ء)

اعزاز گلاں خیر البشر دیاں پر قومی نعت ایوارڈ (علاقائی)
ولدیت میاں امان اللہ
ولادت ۸۔ستمبر ۱۹۴۲ء ماجرا ضلع گجرات (مرحوم نے یہ تاریخ ولادت خود بتائی تھی)
وفات ۲۹۔جنوری ۲۰۰۲ء لاہور
تدفین قبرستان متصل اسلامیہ ہائی سکول' دیونہ منڈی جی ٹی روڈ' گجرات
مآخذ معلومات از خموش چیچانوی (گجرات)

Marfat.com

سجاد حیدر

پنجابی کے نامور ادیب، ڈرامہ و ناول نگار، محقق
ریڈیو پاکستان کے ریٹائرڈ کنٹرولر
کتب ڈرامہ ہوادے ہوکے۔ سورج مکھی
بول مٹی دیا باویا۔
دیگر کتب ریڈیائی صحافت۔ کالا پتن۔
چیتر باغ (ناول)۔ واریں

☆Tile work of Pakistan

ولدیت نور حسین آذری
ولادت ۲۴ر دسمبر ۱۹۱۹ء موہلہ ضلع گجرات
وفات ۶ر دسمبر ۱۹۹۶ء لاہور
تدفین جی بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور
مآخذ سہ ماہی، پنجابی ادب، لاہور اپریل تا جون ۹۷

سخی بٹ، محمد

راولپنڈی اسلام آباد کی ممتاز کاروباری شخصیت، کے از بانیان اسلام آباد چیمبر ز آف کامرس اینڈ انڈسٹریز۔
فیصل سخی بٹ (بزنس مین و سیاستدان) اور یاسر سخی بٹ (صدر اسلام آباد چیمبر ز آف کامرس اینڈ انڈسٹریز) کے والد
ولادت ۱۹۴۵ء گجرات
وفات ۲۵ر اگست ۲۰۱۰ء اسلام آباد
تدفین ایچ ایٹ قبرستان، اسلام آباد
مآخذ جنگ راولپنڈی ۲۷ر اگست ۲۰۱۰ء

سردار احمد ضیاء، چودھری

تحریک پاکستان کے فعال کارکن، ماہر قانون۔
بانی صدر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن گجرات (۱۹۴۵ء)
چیف آرگنائزر ضلع سیالکوٹ مسلم لیگ نیشنل گارڈز۔
(تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ ۱۹۹۲ء)
وفات ۲۲ر فروری ۲۰۰۷ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ ماہنامہ پرواز لندن جولائی ۲۰۰۹ء۔
انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان

سردار خان ایڈووکیٹ، حکیم چودھری محمد

قانون دان، سیاستدان، کارکن تحریک پاکستان
گجرات مسلم لیگ کے پہلے سیکرٹری (۵۱۔۱۹۴۴ء)
رکن قومی اسمبلی حلقہ کھاریاں، گجرات (۷۷، ۱۹۷۳ء)
سابق رکن وفاقی مجلس شوریٰ
صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن گجرات (۱۹۸۱ء)
ولدیت چودھری نور احمد
ولادت ۱۰۔ جنوری ۱۹۱۱ء چکوڑی بھیلووال، گجرات
وفات ۲۹۔ اپریل ۱۹۹۹ء لاہور
تدفین میانی صاحب، لاہور
مآخذ معلومات از چودھری اصغر علی گھرال
اقبال اور گجرات

سردار محمد شیخ

ممتاز صنعتکار، لاہور کی معروف سماجی، سیاسی و علمی شخصیت
مالک سردار ٹیکسٹائل ملز، سابق ڈپٹی میئر لاہور
بانی سردار محمد گرلز ہائی سکول گڑھی شاہو، لاہور
ولدیت شیخ دین محمد
ولادت ۱۸۹۵ء سرائے عالمگیر ضلع گجرات

Marfat.com

وفات ۲۔فروری ۱۹۶۶ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ حیاتِ سردار

سرور جوڑا، چودھری محمد

گجرات کی معروف سیاسی شخصیت، کارکن تحریک پاکستان سالار ضلع مسلم لیگ نیشنل گارڈ (۴۷۔۱۹۴۶ء)
پی پی پی کے رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۷۰ء)

ولدیت چودھری عبداللہ خاں جوڑا
ولادت ۱۹۲۵ء گجرات
وفات ۸۔نومبر ۲۰۰۲ء
تدفین آبائی قبرستان، گجرات شہر
مآخذ ن۔و۔راولپنڈی ۹۔نومبر ۲۰۰۲ء

سرور سیٹھی، ڈاکٹر

ممتاز معالج۔سابق ایگزیکٹو ڈائریکٹر شیخ زید ہسپتال لاہور

داماد حاجی محمد دین گجراتی (صوفی وجی)
ولادت گجرات
وفات ۲۵۔اکتوبر ۲۰۰۰ء لندن
مآخذ قومی زبان کراچی دسمبر ۲۰۰۱ء
زندگی میرے دنوں میں

سعید احمد ضیاء، شیخ

گجرات کے ممتاز قانون دان، سرگرم کارکن تحریک پاکستان
۱۹۴۴ء میں مظفر آباد میں قائد اعظم کے میزبان اور ان کے دورہ گجرات کے محرک۔

صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن گجرات (۶۵، ۵۹، ۱۹۵۷ء)

ولدیت شیخ عبدالحمید (جموں کے معروف وکیل)
ولادت ۱۶۔اکتوبر ۱۹۱۸ء جموں
وفات مئی ۱۹۸۹ء لاہور
تدفین قبرستان ڈیفنس، لاہور
مآخذ معلومات از چودھری اصغر علی گھرال

سکندر حسین شاہ، پیر

سجادہ نشین دربار حضرت شاہدولہ دریائی گجراتی

وفات ۸ جنوری ۱۹۸۶ء گجرات
تدفین قبرستان شاہدولہ، شاہدولہ روڈ، گجرات
مآخذ لوحِ مزار

سکینۃ النساء

احمدی مصنفہ "خاتون" کے قلمی نام سے مضامین لکھتی تھیں

والدہ شبلی ایم کام
زوجہ ظہور الدین اکمل
ولادت ۱۸۹۳ء گولے کی ضلع گجرات
وفات ۲۰۔مئی ۱۹۶۹ء
تدفین احمدی قبرستان، ربوہ ضلع جھنگ
مآخذ وم پ

سوہنے شاہ، حکیم سید

گجرات کے معروف طبیب، تلمیذ حکیم غلام مصطفےٰ

ولادت ۱۸۷۷ء اکھر وٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ

Marfat.com

وفات ۳۱۔مارچ ۱۹۶۷ء گجرات

تدفین قبرستان بھٹیاں، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

سہیل تبسم جیلانی

اردو اور پنجابی کے باصلاحیت جواں مرگ شاعر

نواسہ پیر فضل گجراتی (نامور پنجابی شاعر)

ولادت ۱۱راپریل ۱۹۴۴ء گجرات

وفات ۸رمارچ ۱۹۷۲ء گجرات

تدفین قبرستان آلِ شاہدولہ شاہدولہ روڈ گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

سید علی نقشبندی، حافظ

عالم دین، پیر طریقت، خطیب جامع مسجد عیدگاہ گجرات

کارکن تحریک پاکستان، کشمیر، نظام مصطفےٰ، ختم نبوت

صدر مدرس مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات

ولدیت میاں محمد علی

ولادت کملا بھنڈ

وفات ۱۹۸۲ء

تدفین قبرستان خواجگان، علی پور روڈ، گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

شاکر چچیانوی

گجرات کے پنجابی شاعر، تلمیذ پیر فضل گجراتی وحیات پسروری

ولادت ۲۸رمئی ۱۹۴۸ء چچیاں شمس ضلع گجرات

وفات ۵رمئی ۲۰۰۹ء گجرات

تدفین گاؤں چچیاں شمس ضلع گجرات

آخذ اطلاع خموش چچیانوی (چچیاں شمس)

ماہنامہ نعت لاہور ستمبر ۱۹۹۷ء

شاکر کنجاہی (پیراں دتہ)

کنجاہ کے معروف پنجابی شاعر

ولدیت ماہلے خاں صراف

ولادت ۱۸۹۶ء چک منجو ضلع گجرات

وفات ۱۹۸۸ء کنجاہ

تدفین کنجاہ ضلع گجرات

آخذ کرن کرن غنیمت

شاہد حمید ایڈووکیٹ، چودھری

گجرات کے معروف سیاستدان ووکیل

وزیر بحالیات حکومت آزاد کشمیر (۱۹۸۵ء)

اردو کے نامور شاعر اور گورنر کشمیر خوشی محمد ناظر کے پوتے

ولدیت چودھری حمید اللہ خاں ایڈووکیٹ

ولادت ۶۔اکتوبر ۱۹۵۰ موضع ہریہ والا ضلع گجرات

وفات (قتل) ۲۲۔اگست ۲۰۰۰ء گجرات

تدفین قبرستان شاہ مجید، ہریہ والا ضلع گجرات

مآخذ ن۔و۔راولپنڈی ۲۳۔اگست ۲۰۰۰ء

شاہسوار کنجاہی

معروف پنجابی شاعر، طبیب

Marfat.com

ولدیت سائیں کرم الٰہی

ولادت ۱۹۲۷ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات ۱۹۹۲ء گوجرانوالہ

تدفین محلہ فتو منڈ' گوجرانوالہ

مآخذ کرن کرن غنیمت

شبلی بی کام (عبدالرحیم)

نامور اردو ادیب' صحافی' ناول نگار' برصغیر کے پہلے بی کام

مدیر روزنامہ' زمیندار' ماہنامہ' خیام لاہور

استاد ہیلے کالج آف کامرس لاہور

کتب پاکستان کے دیہہ خدا۔ بائیس خانوادے

روٹی کپڑا اور مکان۔ نادر شاہ (ناول)

نور محل (اردو ترجمہ از ہیرلڈ لیم)

ولدیت ظہور الدین اکمل (احمدی عالم و شاعر)

ولادت ۲۷ جولائی ۱۹۱۴ء گولے کی ضلع گجرات

وفات ۵ فروری ۱۹۸۱ء

تدفین ربوہ ضلع جھنگ

مآخذ منزلیں گرد کے مانند

شبیر حسین بخاری' پروفیسر سید

ممتاز ماہر تعلیم۔ اوّلین پرنسپل زمیندار کالج گجرات

سابق ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب

وفات ۶۔ اگست ۱۹۸۲ء لاہور

تدفین مومن پورہ' لاہور

مآخذ لاہور میں مشاہیر کے مدفون

شبیر حسین شاہ' سید

پیر طریقت' خلیفہ پیر قمر الدین سیالوی

وفات ۵۔ اپریل ۱۹۸۱ء

تدفین نارووالی ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

شبیر حسین شاہ' سید

ممتاز انگریزی صحافی و ادیب' دانشور

سابق بیورو چیف روزنامہ' پاکستان ٹائمز' اسلام آباد

اوّلین صدر' راولپنڈی پریس کلب

بانی مدیر ماہنامہ The Concept' وہفت روزہ' البلاغ'

کتب صراطِ مستقیم۔ نگاہِ بازگشت (مضامین)

- ☆ The Death Dance
- ☆ The Inevitable
- ☆ Man's Destiny
- ☆ Lengthening Shadows
- ☆ Man's Universe
- ☆ History of Pakistan Airforce
- ☆ Ayub ,Bhutto and Zia
- ☆ Sikhs at Cross Road
- ☆ Quran and Evolution

ولادت ۳۔ اپریل ۱۹۱۸ء مدینہ سیداں ضلع گجرات

وفات ۵۔ جولائی ۲۰۰۳ء اسلام آباد

تدفین مرکزی قبرستان' اسلام آباد

مآخذ جنگ راولپنڈی ۶۔ جولائی ۲۰۰۳ء

Marfat.com

شبیر شریف شہید، میجر

پاک فوج (فرنٹیر فورس رجمنٹ) کے نامور سپوت۔
۱۹۶۴ء میں اعزازی شمشیر، ۱۹۶۵ء میں 'ستارۂ جرأت' اور ۱۹۷۱ء میں شہادت اور 'نشانِ حیدر' کا اعزاز پایا۔

ولدیت محمد شریف
ولادت ۲۸۔ اپریل ۱۹۴۳ء کنجاہ ضلع گجرات
وفات (شہادت) ۶۔ دسمبر ۱۹۷۱ء سلیمانی سیکٹر
تدفین میانی صاحب، لاہور
مآخذ فاتح سبونہ، لوحِ مزار

شرف علی نوشاہی، مولوی

پنجابی شاعر۔
مجموعہ کلام ذوق نوشاہی (۱۹۶۳ء)
ولادت ڈوگہ شریف ضلع گجرات
وفات یکم ستمبر ۱۹۷۶ء
تدفین ڈوگہ شریف ضلع گجرات
مآخذ نوشاہی شعراء

شریف کنجاہی (محمد شریف)

پنجابی زبان و ادب کے نامور اسکالر، ادیب، محقق، مترجم، نقاد، ماہر لسانیات۔ اردو، فارسی اور پنجابی شاعر و مترجم۔ اٹک، گوجرخاں اور جہلم وغیرہ کے کالجز میں فارسی پڑھاتے رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد شعبہ پنجابی اورینٹل کالج لاہور اور مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے منسلک رہے۔

شعری کتب جگراتے (۱۹۵۸ء میں گورمکھی رسم الخط اور ۱۹۶۵ء میں اردو رسم الخط میں شائع ہوئی)
ستارۂ سحری (اردو۔ ۱۹۹۲ء)
سورج، سوچ اور سائے (اردو۔ ۱۹۹۴ء)
لمحوں کا صحرا (اردو۔ ۱۹۹۵ء)
اوڑک ہوندی لو (پنجابی۔ ۱۹۹۵ء)
دو دِل (فارسی۔ ۱۹۹۷ء)

نثری کتب جھاتیاں (پنجابی تنقیدی مضامین۔ ۱۹۶۰ء)
مختصر پنجابی لغت (پنجابی سے اردو۔ ۱۹۸۱ء)
شاہدولہ دریائی: حیات و تعلیمات (۱۹۸۴)
☆Punjabi Scandanavian Language Contact(1997)
تاریخِ گجرات: لفظوں کی عینک میں (۲۰۰۰ء)
رگ وید: اک جھات (۲۰۰۴ء)
جپ جی: اک جھات (۲۰۰۵ء)
ساہواں دا ویزہ (یادداشتیں۔ ۲۰۰۵ء)

پنجابی تراجم خطباتِ اقبال (۱۹۷۷ء) علم الاقتصاد (۱۹۷۷ء)
جاوید نامہ (منظوم۔ ۱۹۷۷ء)
پنجسورہ (آزاد نظم میں ترجمہ۔ ۱۹۸۵ء)
نبی پاک دے خطبے (پنجابی نثری ترجمہ۔ ۱۹۸۸ء)
گلشن راز قدیم و جدید۔
قرآن پاک (۲ جلدیں۔ ۱۹۹۶ء)

اردو تراجم آزادی کی راہیں Road To Freedom
(از برٹرینڈ رسل ۱۹۳۹)
آزاد سماج (کروپاٹکن کی کتاب کے چند ابواب کا ہندی سے اردو ترجمہ۔ ۱۹۴۱ء)
خطباتِ اقبال (آسان اردو ترجمہ ۱۹۹۲ء)
کہے فرید (بابا فرید کا منظوم اردو۔ ۱۹۷۸ء)
ہیر وارث شاہ (نثری ترجمہ۔ ۱۹۹۲ء)۔
پنجابی شاعری سے انتخاب (منظوم۔ ۱۹۸۳)
گلشن راز
(از محمود شبستری، منظوم ترجمہ۔ ۱۹۹۶ء)
سوالاتِ ملندا (انگریزی سے اردو ترجمہ۔ ۲۰۰۴ء)

انٹرویوز ویرتوں کنجاہ دا ایں (خالد ہمایوں۔ ۲۰۰۱ء)

Marfat.com

انکار سے اقرار تک (مرتبہ غفور اسلم ۲۰۰۵)

اعزاز　تمغۂ امتیاز (۱۹۸۳ء) نشانِ گجرات

صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی (۲۰۰۰)

ولدیت　غلام محی الدین

ولادت　۱۳ ارمئی ۱۹۱۴ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات　۲۰ رجنوری ۲۰۰۷ء گجرات

تدفین　مقبرہ غنیمت، کنجاہ ضلع گجرات

ماٰخذ　ذاتی معلومات۔ شریف کنجاہی کی پرورشِ لوح وقلم

شریف گلزار، محمد

گجرات کے بزرگ پنجابی شاعر، تلمیذ پیر فضل گجراتی

ولدیت　اللہ دتہ

ولادت　۱۹۲۹ء کٹھالہ ضلع گجرات

وفات　۱۶ رجنوری ۲۰۰۶ء گجرات

تدفین　قبرستان تریہنگ، گجرات

ماٰخذ　معلومات از ثاقب آکاش (گجرات)

شفقت اللہ، شیخ

گجرات کے ممتاز ماہر تعلیم اور متعدد سکولوں کے بانی،

بانی پبلک سکول نمبر ۱ گجرات (تاسیس: ۱۹۳۹ء) و پبلک سکول نمبر ۲ گجرات (تاسیس: ۱۹۵۲ء)۔ بانی پرنسپل سرسید ڈگری کالج گجرات

ولدیت　شیخ سلطان بخش

ولادت　۶۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء گجرات

وفات　۷۔ دسمبر ۱۹۹۸ء گجرات

تدفین　گجرات

ماٰخذ　ذاتی معلومات۔ گجرات کی بات

شفیع شاہ وکیل، سید محمد

گجرات کے معروف وکیل، سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ گجرات

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ

ولدیت　سید غلام شاہ وکیل

ولادت　۲۹۔ ستمبر ۱۹۰۱ء گجرات

وفات　۱۷۔ نومبر ۱۹۵۷ء

تدفین　قبرستان بھٹیاں، گجرات شہر

ماٰخذ　خفتگانِ خاک گجرات

شہباز احمد وڑائچ، ڈاکٹر

ممتاز زرعی سائنسدان، ڈین فیکلٹی آف کرافٹ اینڈ فوڈ سائنسز بارانی یونیورسٹی راولپنڈی

-

ولادت　۱۹۵۷ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات　۱۵ ار اپریل ۲۰۰۷ء راولپنڈی

تدفین　جلالپور جٹاں ضلع گجرات

ماٰخذ　ایکسپریس اسلام آباد ۱۷ ار اپریل ۲۰۰۷ء

شیر عالم، پیر

گجرات کے ممتاز ماہر تعلیم، کئی سکولوں کے سربراہ رہے

پطرس بخاری کے شاگرد اور صوفی تبسم کے ہم جماعت۔

والد　پیر محمد عالم (ریٹائرڈ ڈائریکٹر ایجوکیشن)

ولادت　۱۸۹۷ء گولیکی ضلع گجرات

وفات　۲۵۔ نومبر ۱۹۷۶ء

تدفین　آبائی قبرستان، گولیکی ضلع گجرات

ماٰخذ　معلومات از سید خلیل احمد پیرزادہ

Marfat.com

صابر گجراتی (حکیم محمد نوازش)

پنجابی شاعر' تلمیذ پیر فضل گجراتی

شعری کتب: جھناں دی کندی۔ ویلے دی آواز

ولدیت حکیم شیخ باغ علی

ولادت ۱۹۲۱ء گجرات شہر

وفات ۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۹ء گجرات

تدفین قبرستان خواجگان' گجرات شہر

مآخذ معلومات از رحمت اللہ شہزاد (گجرات)

صاحب داد' بریگیڈئر چودھری

پاک فوج کے ریٹائرڈ اعلیٰ افسر۔ سابق وفاقی وزیر

وفات ۲۳ دسمبر ۱۹۹۵ء

تدفین پنجن کسانہ' گجرات

مآخذ پاکستان کا تاریخی انسائیکلوپیڈیا

صابر کنجاہی (طالب حسین)

اردو کے باصلاحیت جوانمرگ شاعر

بسلسلہ ملازمت ساہیوال میں مقیم رہے وہیں مجید امجد سے دوستی ہوئی اور مجید امجد نے ان کی وفات پر مرثیہ لکھا

ولدیت ماسٹر سراج دین قریشی

ولادت ۲ر فروری ۱۹۲۸ء کنجاہ' گجرات

وفات (قتل) ۱۱ر اگست ۱۹۶۰ء کنجاہ

تدفین کنجاہ ضلع گجرات

مآخذ شہر غزل کنگری۔

جنگ راولپنڈی ۷ر جولائی ۲۰۰۰ء

صدیق الحسن گیلانی' سید

جماعت اسلامی کے عہدیدار' سابق ناظم شعبہ پارلیمانی امور جماعت اسلامی۔ برادر بزرگ سید اسعد گیلانی

ولادت ۱۹۱۳ء آچھ تحصیل کھاریاں گجرات

وفات ۱۸۔ جنوری ۱۹۷۴ء

تدفین اچھرہ' لاہور

مآخذ امروز لاہور ۱۹۔ جنوری ۱۹۷۴ء

صدیق سالک' بریگیڈئر

اردو کے ممتاز ادیب' ناول نگار' مورخ' اعلیٰ فوجی افسر

صدر جنرل ضیاء الحق کے پریس سیکرٹری

ڈائریکٹر جنرل شعبہ تعلقات عامہ افواج پاکستان

کتب میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا۔

ہمہ یاراں دوزخ۔ تادم تحریر۔

پریشر ککر (ناول) ایمرجنسی (ناول)

سلیوٹ (خودنوشت)

☆ Witness to Surrender (1977)

☆ Wounded Pride

اعزاز تمغۂ امتیاز (ملٹری)

ولادت ۶ر ستمبر ۱۹۳۵ء منگلیہ
تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

وفات (حادثہ) ۱۷ر اگست ۱۹۸۸ء بستی لال کمال' بہاولپور

تدفین سپیشل پلاٹ مرکزی قبرستان' اسلام آباد

مآخذ لوح مزار۔ ذاتی معلومات

Marfat.com

صفدر میر، محمد

نامور ترقی پسند اردو، پنجابی وانگریزی ادیب، صحافی۔

اردو پنجابی شاعر، ڈرامہ نگار، دانشور، کالم نگار۔ ''زینو'' کے قلمی نام سے روزنامہ 'پاکستان ٹائمز' اور 'ڈان' میں فکری مضامین لکھتے رہے۔ انگریزی سے اردو تراجم بھی کیے۔

اعزاز صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی (۱۹۹۷)

کتب درد کے پھول (شاعری) نیلی داسوار

شاعر اور سمندر (ڈرامہ)

آخرِ شب (ٹی وی ڈرامہ)

☆Iqbal - The Progressive

☆Modern Urdu Prose (columns)

☆Modern Urdu Poetry(columns)

ترجمہ ناقابلِ تسخیر ذہن انسانی

سرور میر اور اصغر سلیم کے بھائی

ولادت ۱۹۲۲ء گجرات

وفات ۹/ اگست ۱۹۹۸ء لاہور

تدفین قبرستان پیر روتی، شاد باغ، لاہور

مآخذ پ ک ت ا۔ پاکستانیکا

ضمیر حسین، بریگیڈیئر ڈاکٹر سید

پاک فوج کے ممتاز معالج

ولدیت سید غلام مصطفےٰ شاہ

ولادت ۶/ جون ۱۹۳۸ء مدینہ سیداں ضلع گجرات

وفات ۱۹/ اپریل ۲۰۰۰ء اسلام آباد

تدفین مرکزی قبرستان، اسلام آباد (۶۲/۹۲)

مآخذ لوحِ مزار

ضیاء الرحمٰن، حکیم محمد

گجرات کے ممتاز طبیب، علم دوست، طبی کتب کے مولف

مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''طبیب حاذق'' گجرات

ولدیت حکیم عبدالرحیم جمیل

ولادت ۱۹۳۰ء گجرات

وفات ۲۵/ دسمبر ۲۰۰۰ء گجرات

تدفین قبرستان ننگے شاہ، شاہدولہ روڈ، گجرات

مآخذ معلومات از حکیم منیر اختر (مرحوم کے فرزند)

ضیا محمد ضیاء

اردو فارسی کے ممتاز شاعر و ادیب، استاد

شعری کتب ارمغانِ عشق (نعتیہ کلام: ۱۹۷۰ء)

کاروانِ فارسی (مثنوی: ۱۹۷۵ء)

نوائے شوق (قصائد و غزلیات: ۱۹۷۷ء)

موجِ زمزم (حمد و نعت: ۱۹۹۵ء)

یادِ رفتگاں: (اردو میں رثائی نظمیں)

تسبیحی نامہ (ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی سے منظوم مخاطبہ)

متاعِ سخن (شعری مجموعہ: ۲۰۰۷ء)

ولدیت حکیم عبدالرسول ہاشمی

ولادت ۱۲/ فروری ۱۹۲۸ء قاسم آباد نزد کنجاہ ضلع گجرات

وفات ۱۰/ جنوری ۲۰۰۸ء پسرور

تدفین پسرور تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

مآخذ سیارہ لاہور سالنامہ ۲۰۰۸ء۔ ک م ا

اہلِ گجرات کی مطبوعہ کتب

Marfat.com

ضیاء محمد قلعداری، پروفیسر مولوی

ماہر تعلیم، پنجابی و فارسی ادیب، محقق، فارسی کے نعتیہ شاعر۔

۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۴ء اور ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۳ء تک گورنمنٹ کالج لائل پور میں فارسی کے استاد رہے اور بطور پروفیسر و وائس پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۶ء تک اسلامیہ ڈگری کالج فیصل آباد میں فارسی پڑھاتے رہے۔

مصنف　یادگارِ وارث (۱۹۳۵ء بار دوم ۱۹۹۴ء)

تحفۂ رسولیہ (نعتیہ فارسی کلام۔ ۱۹۹۷ء)

ولادت　۱۰ر جون ۱۸۹۸ء قلعدار نزد کنجاہ ضلع گجرات

وفات　۷ر مارچ ۱۹۸۴ء فیصل آباد

تدفین　نڑوالا روڈ قبرستان، فیصل آباد

مآخذ　سہ ماہی 'پیغام آشنا' اکتوبر دسمبر ۲۰۰۶ء

طالع محمد، ماسٹر

گجرات کے معروف ماہر تعلیم، سماجی شخصیت،

ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول جلالپور جٹاں

کمشنر میونسپل کمیٹی جلالپور جٹاں، علامہ اقبال کے مکتوب الیہ۔ شریف کنجاہی کے استاد۔

ولدیت　میر کریم بخش

ولادت　۱۸۷۹ء جلالپور جٹاں

وفات　۲۱ر ستمبر ۱۹۵۱ء جلالپور جٹاں

تدفین　جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ　خفتگان خاک گجرات

طلعت محمود قریشی

ممتاز صحافی 'نوائے وقت' لاہور کے سینئر سب ایڈیٹر

ولادت　۳ر اگست ۱۹۵۰ء گجرات

وفات　۱۴ر اکتوبر ۲۰۰۰ء لاہور

تدفین　قبرستان واپڈا ٹاؤن، لاہور

مآخذ　نوائے وقت راولپنڈی ۱۳ر اکتوبر ۲۰۰۰ء

ظفر اللہ خاں، ملک (زیڈ کے ملک)

تحریک پاکستان کے سرگرم طالب علم راہنما، قانون دان

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے جنرل سیکرٹری

سٹیج سیکرٹری پاکستان کانفرنس (۱۹۴۱ء)

یکے از بانیان مسلم لیگ ضلع گجرات

بانی 'ایسٹرن ٹائمز' لاہور (۱۹۴۷ء)

ولدیت　ملک مولا بخش

ولادت　۱۵۔ مارچ ۱۹۱۹ء موضع گورالی ضلع گجرات

وفات　۸۔ جولائی ۱۹۹۲ء لاہور

تدفین　لاہور

مآخذ　قصوری۔ کاروان شوق

ظفر علی شاہ عباسی، پیر سید

عالم دین، شیخ طریقت، شاعر، سجادہ نشیں چکوڑی شریف

کتب　نعرۂ حریت۔ تحفۂ احباب۔

الامین۔ حزب مجاہد

ولدیت　سید محمد چراغ

وفات　۶۔ جون ۱۹۷۳ء

تدفین　چکوڑی بھیلووال ضلع گجرات

مآخذ　خفتگان خاک گجرات

Marfat.com

ظفر کاشمیری

اردو شاعر

مجموعہ کلام دیدہ تر (۱۹۹۵ء)

ولدیت رحمت اللہ بٹ

ولادت ۱۴۔فروری ۱۹۲۹ء گجرات

وفات ۲۸۔اگست ۱۹۹۴ء

تدفین گجرات

مآخذ گجرات میں اردو شاعری

ظفر مہدی، نوابزادہ

ضلع گجرات کے معروف سیاستدان

ضلعی صدر پی پی پی گجرات، رکن قومی اسمبلی (۱۹۷۷ء)

سر فضل علی کے پوتے اور نوابزادہ مہدی علی خاں کے بیٹے

ولادت ۱۹۲۵ء گجرات

وفات ۲۷۔اگست ۱۹۸۷ء گجرات

تدفین کوٹھی نواب صاحب، گجرات

مآخذ لوح مزار، ذاتی معلومات

ظہور الدین اکمل، مولوی

اردو و فارسی شاعر، ادیب، تلمیذ شوکت میرٹھی۔ احمدی عالم، مبلغ، مفسر قرآن، مرزا قادیانی کے سرگرم ساتھی۔ مدیر الفضل، مصباح، البدر، سن رائز، احمدیہ گزٹ، ربوہ۔

کتب نغمہ اکمل (مجموعہ کلام ۱۹۶۷ء)

ظہور المہدی۔ تفسیر سورہ یوسف

والد شبلی بی کام

ولدیت مولوی امام الدین مفیض

ولادت ۲۵رمارچ ۱۸۸۱ء گولیکی ضلع گجرات

وفات ۲۷رستمبر ۱۹۶۶ء

تدفین احمدیہ قبرستان، ربوہ ضلع جھنگ

مآخذ ان دی کمپنی آف پرومسڈ مسیحا (انگریزی)

ظہور الٰہی، چودھری

نامور سیاستدان، رکن قومی اسمبلی (۷۷، ۷۰، ۱۹۶۲ء)

راہنما قومی اتحاد و تحریک نظام مصطفےٰ (۱۹۷۷ء)

وفاقی وزیر بلدیات و دیہی ترقی، محنت و اوورسیز پاکستانیز (۸۱۔۱۹۷۸ء)

مینجنگ ڈائریکٹر پاکستان پروگریسو پیپرز

ولدیت چودھری سردار خاں

ولادت ۷۔مارچ ۱۹۲۰ء موضع نت ضلع گجرات

وفات (قتل) ۲۵۔ستمبر ۱۹۸۱ء لاہور

تدفین قبرستان بھٹیاں، محلہ مسلم آباد، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

عابد فاروقی، نور محمد

اردو اور پنجابی کے باصلاحیت جوانمرگ شاعر، ادیب، صحافی

بیشتر عمر کوہاٹ میں گزری (مجموعہ شب زخم زیر ترتیب)

ولدیت قاضی محمد فاضل فاروقی (مدرس کوہاٹ)

ولادت ۱۹۳۰ء

وفات ۱۱رستمبر ۱۹۶۱ء

تدفین نورا منڈیالہ نزد جلالپور جٹاں گجرات

مآخذ مکتوب حفیظ الرحمٰن احسن (لاہور) بنام راقم

Marfat.com

عارف سہیل شہید، میجر

معرکہ کارگل ۱۹۹۹ء کے ہیرو، ستارہ جرأت یافتہ

ولادت　شاہجہانیاں نزد لالہ موسیٰ ضلع گجرات

شہادت　جون ۱۹۹۹ء کارگل

تدفین　(۱۷۔جون ۹۹ء) شاہجہانیاں، گجرات

مآخذ　ماہنامہ میری آواز انٹرنیشنل نومبر ۹۹ء

عاصی رضوی (لعل محمد)

اردو اور پنجابی کے ممتاز شاعر

مجموعہ کلام　اڈیکاں (پنجابی۔۱۹۶۴ء پشاور)

(راقم نے ان کا اردو اور پنجابی کلام مرتب کر رکھا ہے)

ولدیت　فضل احمد

ولادت　۱۶ر اپریل ۱۹۳۳ء سرسالہ ضلع گجرات

وفات　۲۹ر دسمبر ۱۹۷۹ء سرسالہ

تدفین　سرسالہ نزد کوٹلہ ارب علی خاں ضلع گجرات

مآخذ　لوحِ مزار۔ذاتی معلومات

عاصی واصفی (عبدالغنی)

اردو اور پنجابی کے معروف شاعر، مزاح گو

ولدیت　مولا بخش واصف (جھیو رانوالی، گجرات)

ولادت　۵ر جنوری ۱۹۰۹ء مجھوٹھہ، گوجر خان

وفات　۶ر نومبر ۱۹۷۳ء

تدفین　لاہور

مآخذ　امروز لاہور ۷ر نومبر ۷۳ء

ہفت روزہ "تعمیر نو" گجرات سالنامہ ۱۹۶۸ء

عاطف، بریگیڈیئر منظور حسین (ایم ایچ)

پاکستان ہاکی کے نامور کھلاڑی، قومی ٹیم کے سابق کپتان، اولمپئن و منیجر، چار بار (۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۴ء) اولمپکس میں شرکت کی۔ پاکستان ہاکی فیڈریشن کے سیکرٹری رہے۔ سابق سینئر وائس پریزیڈنٹ انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن و چیئرمین ورلڈ ہاکی رولز بورڈ۔

ولادت　۱۹۲۸ء

وفات　۸ر دسمبر ۲۰۰۸ء راولپنڈی

تدفین　نیا مرکزی قبرستان، ایچ الیون، اسلام آباد

مآخذ　نوائے وقت راولپنڈی ۹ر دسمبر ۲۰۰۸ء

عالم لوہار، محمد

مشہور لوک گلوکار 'سیف الملوک' کلام سلطان باہو اور لوک گیت (جگنی وغیرہ) کے علاوہ نعت پڑھنے میں خاص مہارت حاصل تھی۔

عارف لوہار کے والد

ولادت　یکم مارچ ۱۹۲۸ء موضع آچھ ضلع گجرات

وفات (حادثہ)　۳۔جولائی ۱۹۷۹ء مانگا منڈی

تدفین　مزار خاص، جی ٹی روڈ، لالہ موسیٰ، گجرات

مآخذ　خفتگان خاک گجرات

عباد اللہ، مولانا حافظ

عالم دین، خطیب، عربی فارسی و اردو کے شاعر، تاریخ گو

ولدیت　حافظ فیض محمد

ولادت　۱۹۲۳ء موضع بیگہ نزد کنجاہ ضلع گجرات

وفات　۲۰۔مارچ ۲۰۰۲ء بیگہ

تدفین　موضع بیگہ ضلع گجرات

مآخذ　معارف العباد مرتبہ تفاخر محمود گوندل

Marfat.com

عباس علی کاظمی، سیّد

پنجاب کے معروف شیعہ عالم دین، ذاکر، شاعر

والد سیدامداد علی کاظمی (شیعہ عالم و مفسر)

ولادت ۱۸۵۰ء کے قریب

وفات ۱۱۔ نومبر ۱۹۵۶ء

تدفین نورپور سیداں ضلع گجرات

مآخذ نقیبان کربلا

عبدالحق، پروفیسر خواجہ

ممتاز زرعی سائنسدان و ماہر تعلیم

سابق پرنسپل زرعی کالج لائل پور

ولدیت مولوی محمد عبداللہ آف ملکہ

ولادت ۱۹۱۲ء موضع ملکہ ضلع گجرات

وفات ۵۔ ستمبر ۱۹۸۲ء فیصل آباد

تدفین قبرستان نزد سنت نگر، فیصل آباد

مآخذ معلومات از عبداللہ خالد خاں (مرحوم کے بھتیجے)

عبدالحق، حافظ محمد

ممتاز ماہر تعلیم و ریاضی، سابق پرنسپل ایس ای کالج بہاولپور

سابق پرنسپل ٹریننگ کالج ملتان۔

ریٹائرڈ اولین چیئرمین بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن ملتان

ولدیت مولانا اصغر علی روحی

ولادت ۲۹ دسمبر ۱۹۱۰ء لاہور

وفات ۱۶ اگست ۱۹۹۷ء لاہور

تدفین خاندانی قبرستان ملحقہ جامع روحی جی ٹی روڈ کٹھالہ چناب، گجرات

مآخذ مرحوم کے بھائی پروفیسر ڈاکٹر بہاء الحق رانا اور مرحوم کے فرزند ڈاکٹر عرفان الحق کی فراہم کردہ معلومات

عبدالحق ڈار، ڈاکٹر

ممتاز سائیکاٹرسٹ، سابق سپرنٹنڈنٹ مینٹل ہاسپٹل لاہور

والد میجر جنرل احسان الحق ڈار و ڈاکٹر اکرام الحق ڈار (وی سی انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور)

ولدیت خان بہادر ڈاکٹر کریم بخش ڈار آف گجرات

وفات ۱۹۔ دسمبر ۱۹۶۴ء لاہور

تدفین لاہور

مآخذ وفیاتِ مشاہیر پاکستان۔

معلومات از خواجہ محمد رفیع (رشتہ دار)

عبدالحق قریشی قادری، قاضی

پیر طریقت سلسلہ قادریہ

ولدیت قاضی عبدالعزیز

ولادت ۱۶ مارچ ۱۸۹۴ء جلالپور جٹاں

وفات ۷ جولائی ۱۹۶۰ء

تدفین محلہ سادھواں، جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ خفتگانِ خاک گجرات

عبدالحق ہاشمی، قاضی

عالم دین

ولادت ۱۸۹۲ء

Marfat.com

وفات ۱۹ راگست ۱۹۹۹ء گجرات
تدفین گجرات
مآخذ خبریں لاہور ۲۰ راگست ۹۹ء

عبدالحمید خان، جنرل

پاک فوج کے اعلیٰ افسر، سابق چیف آف آرمی سٹاف
فاتح کھیم کرن۔ رکن انتظامی کونسل صدر یحییٰ خاں
ولدیت محمد حیات خان
ولادت ۲۹ راپریل ۱۹۱۷ء سینتھل ضلع گجرات
وفات ۲۱ رجولائی ۱۹۸۳ء لاہور
تدفین قبرستان شہداء لاہور کینٹ
مآخذ خ خ ل

عبدالخالق جامعی، مولانا

عالم دین، بانی رکن مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان
امیر جمعیت اہلحدیث ضلع گجرات
ولادت ۱۹۱۰ء
وفات ۲۰ رفروری ۲۰۰۰ء لالہ موسیٰ
تدفین لالہ موسیٰ ضلع گجرات
مآخذ قومی زبان کراچی اکتوبر ۲۰۰۱ء

عبدالرحمٰن

معروف مزدور راہنما کوٹ لکھپت (لاہور)
وفات (قتل) ۳۰ راپریل ۱۹۷۴ء لاہور
تدفین کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ وفیات مشاہیر پاکستان، پاکستان کے تیس سال

عبدالرحمٰن، میجر جنرل راجہ

ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان متعینہ بھارت (۱۹۴۷ء-۵۸)
سابق کمانڈر انچیف و وزیر دفاع ریاست الور
قائم مقام وزیراعظم ریاست الور (۱۹۴۶ء-۴۷)
اعزازات خان بہادر۔ ایم بی ای۔ او بی ای
ولادت ۱۹۰۰ء پنجیڑی، بھمبر (آزاد کشمیر)
وفات ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء گلگت
تدفین سرائے عالمگیر ضلع گجرات
مآخذ وم پ۔ مرحوم کی نواسی کی بیٹی مس عائشہ اختر
کی فراہم کردہ معلومات

عبدالرحمٰن خادم، ملک

معروف احمدی عالم، مبلغ، مناظر، شاعر و ادیب، قانون دان
طویل عرصہ ضلع گجرات جماعت احمدیہ کے امیر رہے۔
استاد امام دین کی 'بانگ دہل' پر دیباچہ و کمنٹری لکھی۔
مصنف تبلیغی پاکٹ بک
ولدیت ملک برکت علی
ولادت ۱۳ رنومبر ۱۹۰۹ء گجرات
وفات ۳۱ ردسمبر ۱۹۹۱ء
تدفین بہشتی مقبرہ، ربوہ ضلع جھنگ
مآخذ لاہور: تاریخ احمدیت

Marfat.com

عبدالرحمٰن شہید، لیفٹیننٹ کرنل چودھری

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں چونڈہ (سیالکوٹ) کے محاذ پر غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہادت پائی اور 'ستارہ جرأت' حاصل کیا۔

ولدیت — بیرسٹر چودھری عبدالغنی خان

ولادت — ۱۱۔اپریل ۱۹۲۶ء گجرات

وفات — ۱۱۔ستمبر ۱۹۶۵ء چونڈہ

تدفین — قبرستان متصل مزار شاہ حسین، گجرات

مآخذ — لوح مزار بحوالہ خفتگان خاک گجرات

عبدالشکور شاہ، سید

گجرات کی معروف علمی و روحانی شخصیت

پیر مہر علی شاہ اور خواجہ گوہر الدین احمد کے فیض یافتہ

وفات — ۲۶۔جنوری ۱۹۶۰ء

تدفین — بوکن شریف ضلع گجرات

مآخذ — خفتگان خاک گجرات

عبدالشکور قاسمی، مولانا حافظ

ممتاز عالم دین، فارغ دیوبند، شیخ الحدیث جامعہ کاموکے

ولدیت — محمد دین

ولادت — ۱۹۱۱ء بھتہ بھنڈ نزد ڈنگہ ضلع گجرات

وفات — ۷۔فروری ۱۹۸۱ء کاموکے

تدفین — کاموکے ضلع گوجرانوالہ

مآخذ — م ح۔مشاہیر علماء جلد دوم

عبدالعزیز چشتی مزنگوی، مولانا مفتی محمد

ممتاز عالم دین، خطیب، بانی انجمن اسلامیہ مزنگ لاہور

کتب — آفتاب ہدایت۔عزیز المعظم۔عزیز البیان
اربعین عزیزی۔سوانح سرکار دو عالمؐ

ولدیت — میاں محمد فضل الدین

ولادت — ۶۔نومبر ۱۹۱۸ء چاہنگاں والی نزد جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات — ۱۶ردسمبر ۱۹۶۳ء لاہور

تدفین — میانی صاحب، لاہور

مآخذ — مفتی صاحب کے قریبی عزیز منیر الحق کعبی

بہلپوری نے اکثر حوالوں میں دی گئی تاریخ وفات ۱۶ردسمبر ۱۹۶۳ء کی تصحیح کرتے ہوئے ۵ردسمبر ۱۹۶۴ء کو صحیح تاریخ وفات قرار دیا جسے میں نے اپنی کتاب ''وفیات ناموران پاکستان'' میں درج کر دیا لیکن جناب محمد عالم مختار حق (ساکن لاہور) نے راقم کو بتایا کہ اُنہوں نے مولانا عبدالعزیز اور مولانا محمد داؤد غزنوی کے جنازے ایک ہی روز پڑھے تھے جو ۱۶ردسمبر ۱۹۶۳ء کو فوت ہوئے تھے اور یہ بات اُن کی اُس روز کی ڈائری میں بھی درج ہے)

عبدالعزیز قریشی

گجرات کے معروف جلد ساز

وفات — ۸راکتوبر ۱۹۷۹ء گجرات

تدفین — گجرات

مآخذ — ڈاکٹر عارف نوشاہی (اسلام آباد)

عبدالغفور اسلم جالندھری، مولانا

عالم دین، شاعر، ماہر تعلیم، پیش امام سنہری مسجد گجرات شہر

کتب — تفسیر یسیر (۳ جلدوں میں منظوم پنجابی تفسیر)
عقیدت کے پھول (نعتیہ کلام)

ولدیت — میاں امیر الدین

ولادت — ۱۹۰۱ء مانا نکونڈی تحصیل بھوستھ (کپورتھلہ)

Marfat.com

وفات 9۔جولائی 1981ء گجرات
تدفین قبرستان بھٹیاں' گجرات شہر
مآخذ خفتگان خاک گجرات

عبدالغفور خان درانی' خان بہادر

علامہ اقبال کے شاگرد اور دوست' اقبال کا بہت سا کلام انہوں نے محفوظ رکھا' قدیم مسلم لیگی' صدر سٹی مسلم لیگ گجرات۔ ریٹائرڈ ایس ایس پی پنجاب

ولدیت سردار محمد حسین خان
ولادت ۱۸۸۳ء گجرات
وفات ۱۰۔اکتوبر ۱۹۵۲ء
تدفین قبرستان متصل بیگم شاہی مسجد' گجرات شہر
مآخذ خفتگان خاک گجرات

عبدالغنی' چودھری

شیخوپورہ کے ممتاز وکیل' سیاستدان' سماجی راہنما
سرگرم کارکن تحریک پاکستان' جنرل سیکرٹری ضلع مسلم لیگ شیخوپورہ۔ صدر سٹی مسلم لیگ شیخوپورہ
رکن پنجاب اسمبلی (۵۶۔۱۹۵۱ء)
رکن مغربی پاکستان اسمبلی (۵۸۔۱۹۵۶ء)
صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن شیخوپورہ (۶۹'۱۹۶۴ء)
شیخوپورہ میں کئی تعلیمی اداروں کے بانی اور کھیلوں کی متعدد تنظیموں کے صدر و سرپرست

ولدیت فضل احمد
ولادت یکم اپریل 1912ء گجرات
وفات 11۔ستمبر 1991ء شیخوپورہ
تدفین قبرستان پیر فتح دین محلہ جہانگیر آباد شیخوپورہ

مآخذ پاکستان بک 1991ء' تاریخ شیخوپورہ

عبدالقدیر نعمانی

معروف فری لانس صحافی' مضمون نگار و کالم نویس
سابق نیوز ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور
تحریک پاکستان کے طالب علم راہنما
کارکن تحریک مسجد شہید گنج لاہور
استاد اسلامیہ کالج لاہور (۴۶۔۱۹۴۵ء) پبلٹی انچارج آرگنائزنگ کمیٹی مغربی پاکستان مسلم لیگ (۱۹۵۸ء)

ولدیت غلام محی الدین
ولادت 11۔مئی 1911ء گجرات
وفات ۲۷۔اپریل ۱۹۸۶ء
تدفین قبرستان تربہنگ' گجرات شہر
مآخذ تحریک پاکستان اور علماء کرام' ذاتی معلومات

عبدالکریم' مولانا

ممتاز عالم دین' سابق امام و خطیب مسجد سکندر خاں امرتسر
عمر کا زیادہ حصہ امرتسر میں گزرا۔

ولادت موضع آچھ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
وفات ۵ ستمبر ۱۹۴۳ء
تدفین موضع آچھ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ تذکرۂ اسلاف

عبداللطیف' مولانا

ممتاز عالم دین' خطیب شاہی مسجد سرائے عالمگیر

Marfat.com

وفات ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۳ء

تدفین سرائے عالمگیر ضلع گجرات

ماخذ پاکستان بک ۱۹۹۴ء

وفات یکم اکتوبر ۱۹۷۱ء گجرات

تدفین جھنگی قبرستان محلہ قاسم پورہ، گجرات شہر

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

عبداللطیف افضل، مولوی محمد

گجرات کے معروف اردو و پنجابی شاعر، سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری کے ساتھی، مرزائیت کے خلاف جہاد میں عملی حصہ لیا

شعری کتب احسن البیان (منظوم پنجابی ترجمہ پنجسورہ)

رحمۃ للعالمینؐ (منظوم پنجابی)

کھیچواں نبی (ردمرزائیت)

ترجمانِ نماز (منظوم اردو نماز)

ولادت ۱۹۰۹ء گجرات

وفات ۲ر اگست ۱۹۹۰ء گجرات

تدفین قبرستان تریہنگ، گجرات شہر

مآخذ معلومات از فیض الحسن ناصر (پسرِ مرحوم)

عبداللطیف عارف

ممتاز صحافی، پنجابی شاعر، طبیب، مبلغ، مصنف، مترجم، کارکن تحریک آزادی، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھی

بانی مدیر ہفت روزہ 'القصاص' 'ترجمان' گجرات

بانی مدرسۃ البنات کملی والا گجرات و دارالمبلغین گجرات

پنجابی منظوم کتب کملی والاؐ۔ شانِ عمرؓ۔ شانِ بتولؓ۔

خاتونِ جنت دا ویاہ

پنجابی ترجمہ مسدسِ حالی (تصویرامت)

ولدیت شیر محمد عرف میاں بلھے شاہ

ولادت ۱۸۹۶ء بھٹھہ متصل گھرتل ضلع سیالکوٹ

عبداللہ بٹ

نامور اردو ادیب و صحافی، مزاح نگار، مؤرخ، کالم نویس

بانی مدیر 'حرف و حکایت' لاہور، بانی پنجاب لٹریری لیگ

مرتبہ کتب مقالاتِ آزاد۔ مضامینِ آزاد

ٹیپو سلطان (مقالات)

شاہ اسمٰعیل شہید (مقالات)

مؤلفہ کتب سیّد جمال الدین افغانی۔

یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ۔ راجہ اور کسان

ولدیت فضل دین بٹ

ولادت ۱۹۱۷ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۲۹ر ستمبر ۱۹۶۸ء

تدفین میانی صاحب، لاہور

مآخذ ہمارے اہلِ قلم۔ خ خ ل۔

وے صورتیں الٰہی...

عبدالمجید ظفر، ڈاکٹر

گجرات کے معروف اردو و پنجابی شاعر، ماہر امراض چشم

شعری کتب لب زخم (اردو و پنجابی کلام: ۱۹۹۱ء)

بولدی چپ (پنجابی کلام: ۱۹۹۴ء)

ستارے اور سیاہ رات (اردو کلام: ۱۹۹۹ء)

ولدیت امیر حسین

ولادت ۲۵ر نومبر ۱۹۳۴ء موضع ککرالی نزد کوٹلہ ارب علی خاں ضلع گجرات

Marfat.com

وفات ۱۳رفروری۲۰۱۰ء گجرات
تدفین گجرات
ماخذ اطلاع رحمت اللہ شہزاد (گجرات)

عبدالمجید نجفی

اردو اور فارسی کے شاعر
ولدیت نجف علی عاصی (فارسی شاعر و مترجم)
ولادت ۱۰راپریل ۱۸۹۹ء جلالپور جٹاں، گجرات
وفات ۲۰رجنوری ۱۹۸۶ء لاہور
تدفین لاہور
ماخذ معلومات از عبدالقدیر نجفی (مرحوم کے فرزند)

عبدالنبی کوکب، قاضی

عربی زبان وادب کے اسکالر، فہرست ساز، مصنف، شاعر، استاد اورینٹل کالج لاہور (۷۸۔۱۹۷۶ء)
خطیب مسجد تاجے شاہ، لاہور۔ تلمیذ مفتی احمد یار خان نعیمی
کتب زندگی کی راہیں قرآن میں۔ یادِ شہید۔
شاہِ جیلان۔ مقالاتِ یوم رضا۔ تحقیق قربانی
پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نادر عربی
مخطوطات کی فہرستِ مفصل (اردو ۱۹۷۵)
ولدیت قاضی عبدالحکیم
ولادت ۱۹۳۶ء گجرات
وفات ۱۹رجنوری ۱۹۷۸ء لاہور
تدفین بادامی باغ، لاہور
ماخذ مجلۂ پاکستانی لائبریرین (سالنامہ ۹۶ء)

عبدالواحد، میاں

ممتاز صنعت کار، بانی و چیئرمین پاک فین و واحد ٹرسٹ گجرات
وفات ۱۹رفروری ۲۰۱۲ء
تدفین گجرات
ماخذ نوائے وقت راولپنڈی ۲۰رفروری ۲۰۱۲ء

عبدالوحید، خواجہ

اعلیٰ سرکاری افسر، ممبر سنٹرل بورڈ آف ریونیو
ولادت ۷۔نومبر ۱۹۳۱ء گجرات
وفات یکم اگست ۱۹۸۳ء اسلام آباد
تدفین سپیشل پلاٹ، مرکزی قبرستان، اسلام آباد
ماخذ لوحِ مزار

عدیم یوسفی کنجاہی (اورنگ زیب)

گجرات کے معروف اردو شاعر و ادیب
شعری کتب مشکبار (نعتیہ مجموعہ: ۲۰۰۵ء)
مقصدِ تخلیق کائنات اور انسان (۲۰۰۷ء)
ولدیت محمد یوسف
ولادت ۴رفروری ۱۹۵۲ء کنجاہ ضلع گجرات
وفات ۱۲رفروری ۲۰۱۰ء کنجاہ
تدفین دربار غلام مصطفیٰ قادری، تھانے والا قبرستان، کنجاہ ضلع گجرات
ماخذ اطلاع رحمت اللہ شہزاد (گجرات)
کرن کرن غنیمت

Marfat.com

عزیز احمد چودھری، پروفیسر

ممتاز ماہر تعلیم، محقق، مصنف، ادیب

استاد شعبہ تاریخ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد

کتب — قولِ اقبال (۱۹۷۷ء) گفتار رومی

پنجاب مغلوں کے عہد زوال میں۔

میاں محمد بخش۔ قائداعظم اور اسلام۔

اردو میں پنجاب پر کتابیں (۱۹۸۴ء)

ولدیت — چودھری احمد خاں

ولادت — ۱۰/اکتوبر ۱۹۵۲ء کھاریاں

وفات — ۳۱/جنوری ۲۰۰۵ء

تدفین — مرکزی قبرستان، کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ — سرگزشتِ رفتگاں۔ گجرات کی بات

عزیز بھٹی شہید، میجر راجہ

پاک فوج کے نامور سپوت۔ جنگ ستمبر ۶۵ء کے دوران لاہور کے محاذ پر داد شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی اور 'نشان حیدر' کا اعزاز حاصل کیا۔ اعلیٰ علمی و ادبی ذوق کے مالک

ولدیت — ماسٹر محمد عبداللہ

ولادت — ۶۔اگست ۱۹۲۳ء ہانگ کانگ

شہادت — ۱۲۔ستمبر ۱۹۶۵ء لاہور

تدفین — لادیاں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ — خفتگان خاکِ گجرات

ولادت — ۲۱۔اکتوبر ۱۹۲۸ء فیصل آباد

وفات — ۲۵۔جنوری ۱۹۹۵ء

تدفین — موضع آوانہ (فتح پور روڈ) تحصیل و ضلع گجرات

مآخذ — خاموش چیچیانوی کی فراہم کردہ معلومات

عطاءاللہ، پروفیسر شیخ

ماہر تعلیم و اقتصادیات، ادیب، مرتب مکاتیب اقبال

استاد شعبہ معاشیات علی گڑھ یونیورسٹی (۲۸۔۱۹۲۹ء)

بانی پرنسپل اسلامیہ کالج چنیوٹ

مصنف — ☆The Co-Operative Movement in the Punjab

اقبال اور شاہان اسلام

مرتب — اقبال نامہ جلد اوّل (مکاتیب اقبال۔۱۹۴۴ء)

اقبال نامہ جلد دوم (مکاتیب اقبال۔۱۹۵۱ء)

انتخاب مکاتیب سرسید، شبلی، اقبال (۱۹۵۸ء)

مترجم — خطوط اورنگ زیب عالمگیر

خطابات مدراس از مارماڈیوک پکتھال

فلسطین کی تحریک

والد — مختار مسعود (نامور ادیب و بیوروکریٹ)

ولدیت — شیخ امیر بخش

ولادت — ۱۸۹۶ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات — ۲۷۔دسمبر ۱۹۶۸ء لاہور

تدفین — نزد مزار علم دین شہید، میانی صاحب، لاہور

مآخذ — اقبال اور گجرات

عشرت نورانی (چودھری نور محمد)

گجرات کے معروف پنجابی شاعر

شعری کتب خون سدھراں دا۔ لکیراں

عطاءاللہ شاہ بخاری، سید

عالم دین، عالمی شہرت یافتہ مقرر، اردو و فارسی شاعر (تخلص ندیم) سیاستدان۔ راہنما مجلس احرار اسلام۔ تحفظ ناموس رسالت و ختم نبوت کے عظیم داعی، تحریک خلافت تحریک

Marfat.com

مسجد شہید گنج و تحریک کشمیر کے راہنما

مجموعہ کلام سواطع الالہام

وطن ناگڑیاں ضلع گجرات

ولدیت سید ضیاء الدین احمد

ولادت ۱۸۹۱ء پٹنہ (ننھیال میں)

وفات ۲۱۔ اگست ۱۹۶۱ء

تدفین قبرستان جلال باقری باغ لنگے خان، ملتان

مآخذ ماہنامہ 'نقیب ختم نبوت' ملتان (امیر شریعت نمبر)

عطاء اللہ شاہ ہاشمی، سید

ممتاز صحافی، فلمساز و ہدایت کار۔ بانی 'اداکار' لاہور و بمبئی مالک شاہ کمار پکچرز (ایس کے پکچرز) لاہور)

پاکستان فلم پروڈیوسرز ایسوسی ایشن کے چار بار صدر رہے۔

یادگار فلمیں نوکر۔ داتا۔ چھوٹی بیگم۔ نیا دور۔ بھابھی

بھتیجا سید حبیب شاہ جلالپوری (مدیر سیاست)

ولدیت سید عنایت اللہ شاہ

ولادت جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۲۳۔ اگست ۱۹۹۷ء لاہور

تدفین میانی صاحب، لاہور

مآخذ نگار گولڈن جوبلی نمبر۔ ذاتی معلومات

عطاء محمد آف ڈنگہ، چودھری

گجرات کی ممتاز سماجی و سیاسی شخصیت۔ 'رئیس اعظم ڈنگہ'
گجرات میں تحریک پاکستان کے راہنما۔ ۱۹۴۶ء میں یونینسٹ امیدوار کا مقابلہ کیا
۔ ۱۹۵۱ء میں مسلم لیگ کی ٹکٹ پر پھر الیکشن لڑا۔ سابق چیئرمین بلدیہ ڈنگہ

وفات جولائی ۱۹۷۰ء

تدفین ڈنگہ ضلع گجرات

مآخذ معلومات از چودھری اصغر علی گھرال

عظمت اللہ، شیخ

معروف ماہر تعلیم، سابق پرنسپل سر سید ڈگری کالج گجرات

ولدیت شیخ عزیز اللہ

وفات ۶۔ جنوری ۱۹۸۸ء

تدفین قبرستان تریہنگ گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

عظمت اللہ بھٹی، ڈاکٹر محمد

خاکسار تحریک کے مرکزی سیکرٹری جنرل، علامہ مشرقی کے سوانح نگار، ہفت روزہ 'الاصلاح' کے چیف ایڈیٹر و پبلشر

کتب المشرقی (سوانحی خاکہ۔ ۱۹۶۳ء)
المشرقی (علامہ مشرقی اور ان کا عہد۔
جلد اول ۱۹۹۴ء جلد دوم ۲۰۰۲ء)

وفات یکم فروری ۲۰۰۵ء گجرات

تدفین مرغزار کالونی قبرستان، گجرات

آخذ خبریں لاہور ۲ فروری ۲۰۰۵۔ ذاتی معلومات

عظمت اللہ منتظر، شیخ

اردو شاعر و ادیب، ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر ایف آئی اے

برادرِ خورد شیخ کرامت اللہ (مصنف 'آئینۂ گجرات')

ولدیت شیخ عزیز اللہ

ولادت ۲۴ اپریل ۱۹۲۴ء گجرات

وفات ۲۵ ستمبر ۲۰۰۰ء اسلام آباد

Marfat.com

تدفین مرکزی قبرستان، اسلام آباد

ماخذ پروفیسر ڈاکٹر پیر نصیرالدولہ (گجرات)

عفت آراء

ممتاز ماہرہ تعلیم، سکالر، دانشور۔ پرنسپل جناح پبلک سکول، حافظ حیات، گجرات

وفات ۱۶ ستمبر ۲۰۱۲ء گجرات

تدفین گجرات

ماخذ معلومات از شیخ عبدالرشید (گجرات)

عنایت اللہ، شیخ

برصغیر پاک وہند کے نامور ناشر۔ بانی مینجنگ ڈائریکٹر تاج کمپنی (تاسیس ۱۹۲۹)

قرآن پاک کی طباعت میں عالمی شہرت حاصل کی

علامہ اقبال و دیگر عظیم شعرا وادبا کی کتب شائع کیں

ولدیت حکیم شیخ غلام رسول

ولادت ۲۔ نومبر ۱۹۰۲ء محلہ خواجگان، گجرات

وفات ۱۶۔ دسمبر ۱۹۸۲ء کراچی

تدفین احاطہ تاج کمپنی، منگھوپیر، کراچی

ماخذ اقبال اور گجرات، قومی زبان فروری ۸۳ء

علی احمد گوندل، چودھری

اردو اور پنجابی زبان کے شاعر۔

'ارمغان حجاز' (علامہ اقبال) کے فارسی حصے کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا جو 'دل دی آواز' کے نام سے شائع ہوا۔

ولادت اگست ۱۸۹۸ء شادیوال، گجرات

وفات ۱۸/اگست ۱۹۸۶ء شادیوال

تدفین شادیوال نزد کنجاہ ضلع گجرات

ماخذ خفتگانِ خاک گجرات

عنایت اللہ ارشد

اردو و پنجابی شاعر، مدرس

مصنف جنگی ترانے۔ ۱۹۶۵ء

ولادت ۱۹۱۱ء گولیکی ضلع گجرات

وفات ۱۲۔ جولائی ۱۹۸۶ء

تدفین گولیکی ضلع گجرات

ماخذ مصنفین گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

عنایت اللہ، پروفیسر قاضی

ماہر تعلیم، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج پشاور

سابق وائس پرنسپل زمیندار کالج گجرات

ولدیت قاضی عطا محمد (صاحب مخزن التواریخ)

وفات دسمبر ۱۹۶۸ء گجرات

تدفین قبرستان خواجگان، گجرات

ماخذ خفتگان خاک گجرات

عنایت اللہ الاثری، مولانا حافظ

ممتاز اہلحدیث عالم دین، مفسر قرآن، خطیب جامع مسجد اہلحدیث (روٹی والی) گجرات۔ باپدری ولادت مسیح کے قائل، مصنف کتب کثیرہ

کتب عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریمؑ

بحر قلزم فی میلاد المسیح ابن مریم

تہذیب القرآن و آئینہ مرزا

خود نوشت (۷ حصے)

ولدیت امام دین چغتائی

Marfat.com

ولادت ۱۲راگست ۱۸۹۸ء وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

وفات ۲۰رمئی ۱۹۸۰ء

تدفین نزد روٹی والی مسجد گجرات شہر

مآخذ خفتگان خاک گجرات

عنایت اللہ شاہ بخاری' مولانا

ممتاز عالم دین' فارغ دیو بند' تلمیذ مولانا شبیر احمد عثمانی وانور شاہ کاشمیری۔ خطیب جامع مسجد فیصل گیٹ گجرات۔ بانی اشاعت التوحید والسنہ ومدرسہ ضیاء العلوم گجرات

امیر مرکزی جمعیت علمائے اسلام پنجاب (۱۹۷۰ء)

نائب صدر نظام اسلام پارٹی (۱۹۷۳ء)

ولدیت سید جلال الدین بخاری

ولادت ۱۹۰۰ء ڈنگ ٹپل' علاقہ گوئل (کشمیر)

وفات ۲۰۔مئی ۱۹۹۹ء گجرات

تدفین قبرستان جھنگی نزد امین فین' گجرات

مآخذ روزنامہ' خبریں' اسلام آباد ۲۲۔مئی ۹۹ء

عنایت حسین' ماسٹر

نامور فلمی موسیقار۔ درجنوں فلموں مثلاً شمی۔ قاتل۔ عشق پر زور نہیں۔ معصوم۔ دل بیتاب۔ نائیلہ۔ دل میرا دھڑکن تیری۔ عذرا۔ جادو۔ پاک دامن۔ مولا جٹ۔ دلا بھٹی وغیرہ کی موسیقی ترتیب دی

ولادت ۱۹۰۸ء گجرات

وفات ۲۶۔مارچ ۱۹۹۳ء لاہور

تدفین میانی صاحب' لاہور

مآخذ قومی زبان کراچی فروری ۹۴ء

عنایت حسین بھٹی

نامور گلوکار' اداکار' فلم ساز' ہدایت کار' کمپیئر' کالم نگار' مصنف' ذاکر اہلبیت' مخیر' سماجی شخصیت۔

اداکار و فلم ساز کیفی کے بڑے بھائی

ولدیت ماسٹر فضل الٰہی بھٹی

ولادت ۱۹۲۹ء محلہ فتو پورہ' گجرات

وفات ۳۱۔مئی ۱۹۹۹ء گجرات

تدفین قبرستان تریہنگ' گجرات

مآخذ ن۔و۔راولپنڈی یکم جون ۹۹ء

غلام احمد قادری' علامہ

بہاولپور کے ممتاز عالم دین' مدرس

ولدیت مولانا غلام محمد گھوٹوی (شیخ الجامعہ)

وفات ۱۹رجنوری ۲۰۰۵ء بہاولپور

تدفین بہاولپور

مآخذ 'المعارف' لاہور جنوری مارچ ۲۰۰۵ء

غلام اعظم' مولانا

معروف عالم دین' پنجابی اردو وفارسی شاعر' ادیب' صحافی' مترجم' مقرر۔ اوّلین ایڈیٹر ہفت روزہ 'نئی زندگی'۔

سرگرم کارکن دیہات سُدھار تحریک

شعری کتب نوری ڈھلک (پنجابی کلام۔۱۹۷۹ء)

جیون جوت (پنجابی کلام۔۱۹۸۲ء)

نغمۂ صداقت (فارسی مثنوی۔۱۹۸۳ء)

مسدس اسلام (اردو نظم)۔

منظوم ترجمہ گیتا۔

Marfat.com

نثری کتب سورۃ فاتحہ: اسلامی انقلاب کا الہامی نصاب
حقیقت زارِ عقیدت (مقالات وتقاریر)
نشاۃ ثانیہ کی راہ میں اقبال اسلام آموزی کا
امری نشان ہے۔ لمعات بصیرت (۱۹۸۷)
پاکستان میں اسلامی انقلاب کا مدوجزر۔
اتحادِ ملت کا جدید ابھار: ذوالقرنین کا اصولی تصور

ولادت ۱۰/اگست ۱۸۹۶ء سعادت پور
تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

وفات ۱۵/اکتوبر ۱۹۸۴ء جہلم

تدفین قبرستان بابا مہدی شاہ، جہلم

مآخذ پاکستان میں فارسی ادب ۶۔ ہمارے اہلِ قلم

غلام الدین اشرفی، مولانا

ممتاز عالم دین، خطیب، کارکن تحریک پاکستان و ختم نبوت، بانی جامع مسجد صدیقیہ لوکو شیڈ لاہور

مصنف رفیق الواعظین۔ تحریک پاکستان کے مجاہد فضائل درود شریف۔ فضائل امام اعظمؒ

ولدیت میاں سید احمد

ولادت ۱۹۱۰ء چکوڑی بکھو نزد کنجاہ ضلع گجرات

وفات ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء

تدفین جامع مسجد صدیقیہ، لوکو شیڈ لاہور

مآخذ تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور

غلام حسین، مرزا

گجرات کے معروف صنعتکار، بانی پرنس انڈسٹریز

وفات ۱۲/جون ۱۹۹۳ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ ذاتی معلومات

غلام حسین اظہر، ڈاکٹر

ممتاز ماہر تعلیم، اردو، پنجابی و گوجری شاعر و ادیب، تذکرہ نگار
سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج بھمبر (آزاد کشمیر)
ریٹائرڈ چیئرمین آزاد جموں و کشمیر ایجوکیشن بورڈ

کتب میاں محمد بخش: شخصیت اور فن (۱۹۸۰ء)
قائد اعظم اور کشمیر۔ یگانہ کشمیر۔ روبرو۔
بطلِ حریت راجہ محمد اکبر خان۔
گوجری پہاڑی لوک گیت (۱۹۸۲ء)
کشمیر میں جدوجہد آزادی۔ صوفیائے کشمیر
چودھری غلام عباس: شخصیت اور کارنامے

ولدیت احمد خاں

ولادت یکم جولائی ۱۹۴۱ء بانیاں نزد افتخار آباد
(بھمبر، آزاد کشمیر)

وفات ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۴ء

تدفین فتح پور ضلع گجرات

مآخذ چودھری اصغر علی گھرال ایڈووکیٹ
نعت گویانِ سرگودھا۔ ہمارے اہلِ قلم

غلام حسین جرال، رائے

رکن جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی (۴۷۔۱۹۳۴ء)

والد رائے زاہد حسین جرال ایڈووکیٹ (مرحوم)

وفات ۱۷۔ دسمبر ۱۹۷۴ء

تدفین اسلام گڑھ نزد جلالپور جٹاں ضلع گجرات

Marfat.com

مآخذ زندگی میرے دنوں میں

غلام حیدر

ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر جنرل' برادر پروفیسر محمد سرور جامعی

(دونوں بھائی ایک ہی دن فوت ہوئے)

ولادت سیکریالی ضلع گجرات

وفات ۱۹۔ستمبر ۱۹۸۳ء لاہور

تدفین میانی صاحب' لاہور

مآخذ معلومات از عبدالرشید (برادرزادہ مرحوم)

غلام ربانی' صاحبزادہ

ممتاز صحافی' تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن' شعلہ بیان مقرر۔ مولانا ظفر علی خاں کے تربیت یافتہ' نائب مدیر

روزنامہ 'زمیندار' لاہور۔ بانی 'انجمن صحافیاں' و مدیر ہفت روزہ 'تعمیر نو' گجرات۔

ولدیت صاحبزادہ غلام دستگیر نقشبندی

ولادت ۶۔نومبر ۱۹۱۷ء گجرات

وفات ۱۸۔فروری ۱۹۸۵ء

تدفین قبرستان میراں صاحب نزد کلی مسجد' گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

غلام رسول راجیکی' مولوی

احمدی عالم' ماہر تقابل ادیان' شاعر و ادیب' مصنف

نثری کتب حیات قدسی (خودنوشت) اظہار حقیقت

توحید باری تعالیٰ۔ تنقید الحقائق

شعری کتب جھوک مہدی والی۔ کامن قادیان

نصیحت نامہ قادیان

ولدیت مولوی کرم دین

ولادت اگست ۱۸۷۸ء راجیکی ضلع گجرات

وفات ۱۵؍ دسمبر ۱۹۶۳ء

تدفین بہشتی مقبرہ' ربوہ ضلع جھنگ

مآخذ In The Company of the Promised Messiah

غلام سرور' پروفیسر (جی سرور)

ممتاز ماہر تعلیم' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۲۶ برس انگریزی کے استاد رہے۔ سابق پرنسپل زمیندار کالج گجرات

ولادت ۱۸۹۶ء

وفات یکم نومبر ۱۹۸۲ء

تدفین ماڈل ٹاؤن' لاہور

مآخذ وم پ

غلام سرور بہوچھ' چودھری

مسلم لیگی رکن پنجاب اسمبلی (۹۷'۱۹۹۰ء)

سابق ناظم تحصیل گجرات۔ قتل کے جرم میں سزائے موت کاٹ رہے تھے۔

ولدیت چودھری عدالت خاں

وفات ۱۷۔جون ۲۰۰۳ء گجرات

تدفین بہوچھ نزد داعوان شریف ضلع گجرات

مآخذ لوح مزار بحوالہ عاشق تے وریام

غلام سرور شاہ چکوڑوی' پیر سید

Marfat.com

عالم دین، پیر طریقت، اردو و فارسی شاعر
خلیفہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی

ولدیت خواجہ محمد چراغ چکوڑوی
ولادت ۱۸۹۶ء چکوڑی بھیلووال
وفات ۶۔اپریل ۱۹۵۲ء
تدفین چکوڑی بھیلووال ضلع گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

غلام سرور کنجاہی، ملک

پنجابی شاعر، اسلامی مبلغ، مؤرخ، ادیب

کتب شاہنامہ اسلام (دو حصے، پنجابی منظوم)
محمد مصطفیٰ (سیرت)۔ نماز مسلم
مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ

ولدیت ملک غلام مصطفیٰ خان
ولادت ۱۸۸۶ء کنجاہ ضلع گجرات
وفات ۲۹ ستمبر ۱۹۵۴ء
تدفین میاں میر، لاہور
مآخذ کرن کرن غنیمت

غلام علی اشرفی اوکاڑوی، علامہ

ممتاز عالم دین، شیخ القرآن، فارغ جامعہ نعیمیہ مراد آباد
کارکن تحریک پاکستان و تحریک ختم نبوت (۱۹۷۴ء، ۱۹۵۳ء)
سابق صدر جمعیت العلمائے پاکستان صوبہ پنجاب
خلیفہ مجاز حضرت ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی
بانی مدرسہ اشرف المدارس اوکاڑہ

ولدیت چودھری سلطان محمد
ولادت ۱۹۲۰ء موضع بہانیاں نزد لالہ موسیٰ، گجرات
وفات ۱۶۔مئی ۲۰۰۰ء لاہور
تدفین اوکاڑہ
مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۱۷۔مئی ۲۰۰۰ء

غلام غوث صمدانی، چودھری

ایگزیکٹو انجینئر ریاست بہاولپور، فارسی شاعر
مرید قاضی سلطان محمود آوان شریف۔ 'مثنوی صمدانی'
(مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء) قاضی صاحب کی مدح میں لکھی

ولدیت چودھری سندھی خاں
ولادت ۱۸۸۹ء موضع کڑیانہ ضلع جالندھر
وفات ۱۸۔اکتوبر ۱۹۷۲ء لاہور
تدفین مزار قاضی سلطان محمود آوان شریف ضلع گجرات
مآخذ خفتگان خاکِ گجرات

غلام فرید، ملک

جماعت احمدیہ کے مشہور مبلغ، مترجم قرآن
ان کا انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن لندن سے شائع ہوئے

ولدیت ملک نور دین
ولادت کنجاہ ضلع گجرات
وفات ۷۔جنوری ۱۹۷۷ء
تدفین ربوہ ضلع جھنگ
مآخذ معلومات از سید خلیل احمد پیرزادہ (گولیکی)

Marfat.com

غلام قادر اشرفی، مولانا

پیر طریقت، عالم دین، خلیفہ سید علی حسین اشرفی، تلمیذ مولانا نعیم الدین مراد آبادی۔ سرگرم کارکن تحریک کشمیر، تحریک پاکستان و تحریک تحفظ ختم نبوت

ولدیت میاں باغ علی چشتی

ولادت ۱۰۔ مارچ ۱۹۰۶ء فرید کوٹ (ہندوستان)

وفات ۲۶۔ اگست ۱۹۷۹ء

تدفین جی ٹی روڈ لالہ موسیٰ ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

غلام قادر نقشبندی، صوفی

پیر طریقت، عالم دین، مہتمم مدرسہ گلزار مدینہ گجرات

خلیفہ الحاج محمد علی بانی مرکز گلزار مدینہ گجرات

ولدیت عمر حیات

ولادت ۹۶-۱۸۹۵ء بدھو چک ضلع سیالکوٹ

وفات ۲۸۔ جون ۱۹۷۰ء

تدفین مرکز گلزار مدینہ، رام تلائی روڈ، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

غلام محمد احمد جموی، شیخ

عالم دین، مصنف، دانشور، سابق رجسٹرار کوآپریٹو جموں

کتب حیات بعد ممات۔ صبغۃ اللہ۔ فلسفہ تاریخ

ولادت جموں

وفات ۱۷۔ نومبر ۱۹۵۷ء

تدفین قبرستان آل شاہدولہ، شاہدولہ روڈ، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

غلام محمد حیات گڑھی، خواجہ

سلسلہ سہروردیہ کے پیر طریقت

وفات ۱۲۔ دسمبر ۱۹۵۱ء

تدفین حیات گڑھ نزد جلالپور جٹاں، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

غلام محمد گھوٹوی، مولانا

نامور عالم دین، ممتاز استاد، مناظر، معقولات کی تدریس میں باکمال، کارکن تحریک پاکستان، شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور

ولادت جنوری ۱۸۸۶ء گھرالی ضلع گجرات

وفات ۸۔ مارچ ۱۹۴۸ء

تدفین قبرستان ملوک شاہ، بہاولپور

مآخذ صحیفہ تاریخ

غلام محی الدین، شیخ

روحانی بزرگ، خلیفہ سید عبدالقادر قادری کلانوری ثم جلالپوری ایک روایت کے مطابق علامہ اقبال آپ کے پاس آتے رہے۔

وفات ۶۔ جولائی ۱۹۵۲ء

تدفین درگاہ قادر شاہ نزد عبدالحق اسلامیہ کالج، جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

غلام محی الدین قادری، مولوی

عالم دین، صوفی، شاعر و ادیب، مصنف

مثنوی مثنوی ذی المعارج مع تشریحات منشورہ

ولدیت پیر بخش قادری

Marfat.com

ولادت ۱۸۸۴ء

وفات ۳۰۔دسمبر ۱۹۵۵ء

تدفین بن کالس ضلع گجرات

مآخذ اہل گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

غلام یار، مولوی (غلام محمد)

پنجابی کے دینی وصوفی شاعر۔مرید میاں شیر محمد شرقپوریؒ
شعری کتب ریاض الفردوس۔نظارہ عشق۔مرقع غلام

ولدیت مہر دین

ولادت ۲۰۔جولائی ۱۸۵۵ء چک غازی ضلع گجرات

وفات ۳۰۔ستمبر ۱۹۶۹ء چک مولوی والا

تدفین چک مولوی والا تحصیل چشتیاں ضلع بہاولنگر

مآخذ ششماہی 'کھوج' لاہور شمارہ ۳۶

فاروق احمد، پروفیسر محمد

ماہر تعلیم، پروفیسر اسلامیات زمیندار کالج گجرات

وفات ۲۷/جولائی ۱۹۸۷ء گجرات

تدفین قبرستان بھٹیاں، مسلم آباد، گجرات

مآخذ لوحِ مزار

فاروقی، لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم اے [شیخ محمد افضل]

پاک فوج کے نامور ماہر امراض چشم، اردو شاعر و ادیب
اولین ڈائریکٹر جنرل میڈیکل سروسز پاک آرمی، فضائیہ و بحریہ (۱۱/اگست ۱۹۴۷ کو تقرر ہوا)

ولدیت میاں فیروز الدین فاروقی

ولادت ۱۸۹۲ء گجرات

وفات ۱۴/ستمبر ۱۹۷۰ء کراچی

تدفین خاندانی قبرستان، ریلوے روڈ، گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

فتح محمد، میاں چودھری

متحدہ پنجاب کے معروف سیاستدان۔رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۳۷ء) تقسیم سے قبل یونینسٹ پارٹی سے وابستہ رہے اور ۱۹۴۶ء میں حلقہ گجرات نارتھ سے مسلم لیگی امیدوار چودھری فضل الٰہی (بعدازاں صدرِ پاکستان) کے مقابلے میں الیکشن لڑا جو چودھری فضل الٰہی نے جیتا۔

دادا میاں افضل حیات (نگران وزیر اعلیٰ پنجاب ۱۹۹۷ء)

ولادت کولیاں شاہ حسین ضلع گجرات

وفات ۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء کولیاں شاہ حسین

تدفین کولیاں شاہ حسین ضلع گجرات

مآخذ پاکستان کے تیس سال

فتح محمد عزیز، چودھری

گجرات کے نامور ماہر قانون۔کارکن تحریک پاکستان
صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن گجرات (۷۰، ۶۴، ۱۹۶۲ء)

ولدیت چودھری مہر داد

ولادت ۱۹۱۴ء گجرات

وفات ۲۔فروری ۲۰۰۳ء

تدفین قبرستان لاہوری جماعت نزد نیو کیمپس لاہور

مآخذ معلومات از چودھری اصغر علی گھرال

فدا المصطفےٰ ارشد سیالوی، قاری حافظ

عالم دین و پیر طریقت، ہومیو طبی و روحانی معالج

Marfat.com

بجی کوٹ (ایبٹ آباد) اور راولپنڈی میں قیام رہا۔

ولادت ڈھلیاں نزد ڈنگہ ضلع گجرات

وفات ۲۹۔مئی ۱۹۹۹ء (ٹریفک حادثہ)

تدفین بجی کوٹ ضلع ایبٹ آباد

مآخذ ن۔و۔راولپنڈی ۵ جون ۲۰۰۳ء

فضل الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر

ماہر تعلیم و فلسفہ، عالم دین، دانشور، علی گڑھ کے تعلیمیافتہ،
سابق صدر شعبہ فلسفہ ایس ایم کالج کراچی
(مختار مسعود نے 'سفر نصیب' میں ان پر خوب لکھا ہے)

ولدیت ڈاکٹر محمد عظیم

ولادت ۱۹۱۱ء گجرات

وفات ۳۔دسمبر ۱۹۶۹ء گجرات

تدفین قبرستان تریہنگ، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

فضل الٰہی، چودھری

ممتاز سیاستدان۔کارکن تحریک پاکستان، یکے از بانیان ضلع گجرات مسلم لیگ۔صدر گجرات ضلع مسلم لیگ (۱۹۴۴ء)
صدر پاکستان (۱۴ اگست ۷۳ء تا ۱۶ ستمبر ۷۸ء)
سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی (۵۸۔۱۹۵۶ء)
رکن قومی اسمبلی (۷۰ء، ۶۵ء، ۱۹۶۲ء)
سینئر ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی (۶۹۔۱۹۶۵ء)
سپیکر قومی اسمبلی (۷۳۔۱۹۷۲ء) رکن پنجاب اسمبلی (۵۱ء، ۱۹۴۵ء) وزیر تعلیم وصحت پنجاب (۱۹۴۸ء)

ولدیت چودھری غلام محمد

ولادت یکم جنوری ۱۹۰۴ء مرالہ گوجراں ضلع گجرات

وفات یکم جون ۱۹۸۲ء لاہور

تدفین مرالہ گوجراں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

فضل الٰہی بھٹی، ماسٹر

گجرات کی سماجی وسیاسی شخصیت، شاعر، ذاکر اہلبیت

والد عنایت حسین بھٹی (مشہور گلوکار)

ولادت ۱۹۰۰ء فتو پورہ گجرات

وفات ۲۸۔اپریل ۱۹۸۴ء گجرات

تدفین قبرستان تریہنگ، گجرات

مآخذ معلومات از رحمت اللہ شہزاد

فضل حسین، چودھری

نامور ماہر تعلیم، منتظم، شگفتہ بیان مقرر، دانشور، پروفیسر فارسی
پرنسپل اسلامیہ کالج گوجرانوالہ (۸۳۔۱۹۷۴ء)
پرنسپل زمیندار کالج گجرات (۸۸۔۱۹۸۳ء)

ولدیت چودھری محمود خان

ولادت ۱۳/اپریل ۱۹۲۵ء بھاگ نگر ضلع گجرات

وفات ۲۱/مئی ۲۰۰۵ء جہلم

تدفین قبرستان نزد فوجی فاؤنڈیشن ہسپتال، جہلم

مآخذ ذاتی معلومات

فضل حسین شاہ اجمیری، پیر سید

گجرات کی معروف روحانی شخصیت

Marfat.com

مرید سائیں ڈھنگی والی سرکار (حاجی والا)

وفات	۲۴۔جون ۱۹۸۲ء
تدفین	وڈاپنڈ نزد کڑیانوالہ ضلع گجرات
مآخذ	خفتگان خاک گجرات

فضل حسین شاہ، پیر سیّد

روحانی و علمی شخصیت، پنجابی کے صوفی و نعتیہ شاعر

سجادہ نشین دربار کھیپڑ انوالہ ضلع گجرات

شعری کتب گلزارِ عشق۔محبوب خدا۔محبوب نبی۔

ولدیت	سیّد احمد شاہ
ولادت	۱۹۰۲ء کھیپڑ انوالہ گجرات
وفات	۲۱/ستمبر ۱۹۸۳ء گجرات
تدفین	کھیپڑ انوالہ نزد سروس موڑ، گجرات شہر
مآخذ	ماہنامہ 'نعت' لاہور ستمبر ۱۹۹۷ء

فضل حسین شاہ نوشاہی، حکیم سید

عالم دین، طبیب، اردو، پنجابی شاعر، خطیب

کتب	مجربات نوشاہی۔شجرہ شریف نوشاہی سی حرفی نوشہ گنج بخش
ولدیت	سید شاہ محمد
ولادت	پنڈ عزیز ضلع گجرات
وفات	۷۔مارچ ۱۹۶۹ء
تدفین	پنڈ عزیز ضلع گجرات
مآخذ	نوشاہی شعراء

فضل حسین فضل جلالپوری

پنجابی زبان کے شاعر

والد	جان مضطر جلالپوری (شاعر)
ولدیت	کرم الٰہی
ولادت	۱۹۰۳ء جلالپور جٹاں
وفات	۲۹۔دسمبر ۱۹۸۵ء
تدفین	جلالپور جٹاں ضلع گجرات
مآخذ	معلومات از جان جلالپوری (پسر مرحوم)

فضل حسین فضل گجراتی، پیر

پنجابی زبان کے نامور شاعر، جدید پنجابی غزل کے بانی

سجادہ نشیں دربار حضرت شاہ دولہ دریائی گجراتی

شعری کتب ٹکوراں (پنجابی غزلیں، نظمیں۔۱۹۷۰ء)

ڈوہنگے پینڈے (پنجابی غزلیں۔۱۹۶۳ء)

قطبی تارا (نعت، منقبت، نظم، مرتب حفیظ تائب۔۱۹۸۱ء)

پنجابی دا قطبی تارا (کلام و خطوط۔۲۰۰۱ء)

ولدیت	پیر مقبول حسین شاہ
ولادت	یکم جنوری ۱۸۹۶ء گجرات
وفات	۲۲/اگست ۱۹۷۲ء گجرات
تدفین	قبرستان آل شاہدولہ، شاہدولہ روڈ، گجرات
مآخذ	پیر فضل گجراتی: حیاتی تے باقی کلام

فضل حق فضل ٹھمکوی، مولوی

گجرات کے معروف پنجابی شاعر، عالم، خوشنویس، خطیب

پنجابی زبان میں متعدد مختصر قصے تخلیق کیے۔

Marfat.com

شعری کتب گجراتی ماہیا۔ مکرنامہ عورتاں۔ صدائے فضل
قصص الحسنین۔ متھرادی شہزادی۔ لیلیٰ مجنوں

ولدیت مولوی عبدالحمید
ولادت ۲/اپریل ۱۹۰۹ء ٹھمکہ ضلع گجرات
وفات ۱۶/جنوری ۱۹۹۲ء
تدفین ٹھمکہ نزد جلالپور جٹاں ضلع گجرات
مآخذ معلومات از پسر مرحوم

فضل حق قریشی ٹھیکروی' مولانا

ممتاز عالم دین' فارغ دیوبند' تلمیذ شیخ الہند مولانا محمود حسن'
مولانا حسین احمد مدنی و مولانا انور شاہ کاشمیری

ولدیت حافظ نیک عالم
ولادت ۱۹۰۱ء ٹھیکریاں نزد کنجاہ ضلع گجرات
وفات ۲۷۔دسمبر ۱۹۸۱ء
تدفین ٹھیکریاں ضلع گجرات
مآخذ معارف العباد

فضل دین' میاں

ماضی کی مشہور روشنائی 'چراغ روشنائی' بنانے والے

ولادت ۱۸۸۵ء
وفات ۱۷۔مارچ ۱۹۹۵ء لالہ موسیٰ
تدفین لالہ موسیٰ' ضلع گجرات
مآخذ قصوری

فضل دین حجام' استاد

گجرات کے معروف پنجابی شاعر

کتب سوہنی مہینوال۔ گلدستہ بہار

ولدیت خدا بخش
ولادت ۱۸۷۰ء گجرات
وفات ۲۱۔فروری ۱۹۶۲ء
تدفین قبرستان تریہنگ' گجرات
مآخذ معلومات از شوکت حسین (مرحوم کا پوتا)

فضل کریم' مولانا

عالم دین' فارغ دیوبند' تلمیذ مولانا انور شاہ کاشمیری
کارکن جماعت اسلامی' مرید میاں شیر محمد شرقپوری

ولادت ۱۸۹۹ء
وفات ۱۵۔اگست ۱۹۷۱ء
تدفین ڈلہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ گجرات کی بات

فیروز الدین' میاں محمد

عالم دین' مصنف' ناظم جامع مسجد عیدگاہ گجرات

مصنف روح القرآن۔ جہاد (رسالہ)
دادا پروفیسر افتخار الدین طارق راٹھور
ولدیت میاں فقیر بخش
ولادت ۱۸۸۱ء محلہ خواجگان' گجرات
وفات ۲۷۔اکتوبر ۱۹۵۱ء
تدفین قبرستان شاہ بلاق' علی پور روڈ' گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

Marfat.com

فیروز الدین نگین، سائیں

گجرات کے معروف پنجابی شاعر، سماجی کارکن

ڈسٹرکٹ درباری برطانوی حکومت

مصنف سوہنی (۱۹۲۳ء، ۱۹۹۰ء)

ولدیت نبیر بٹ

ولادت ۱۸۷۹ء گجرات

وفات ۲۸۔دسمبر ۱۹۶۷ء

تدفین قبرستان بھٹیاں، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

فیروز خان، بابا

پیر طریقت، خلیفہ ڈاکٹر اللہ دتہ کنجاہی و پیر جماعت علی شاہ

ولادت ۱۸۸۵ء ہریلا ضلع ایبٹ آباد

وفات ۸۔مارچ ۱۹۶۳ء

تدفین رحمٰن آباد، گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

فیض رسول چشتی سیالوی، مولانا حافظ

معروف روحانی شخصیت و عالم دین

خلیفہ و جانشین خواجہ محمد امین چکوڑوی

ولدیت مولانا حافظ عبدالرشید

ولادت مونیاں شریف ضلع گجرات

وفات ۱۹۴۴ء (۱۹۶۳ھ) مونیاں شریف

تدفین مونیاں شریف ضلع گجرات

مآخذ اسرار الکاملین فی تذکرہ خلفائے خواجہ محمد امین

قدرت اللہ ایڈووکیٹ، شیخ

گجرات کے ممتاز ماہر قانون، سینئر وکیل، ماہر ریونیو

ولدیت منشی غلام نبی آف جلال پور جٹاں

ولادت ۲۷/اکتوبر ۱۹۱۲ء اٹک (جہاں اُن کے والد صاحب بسلسلہ ملازمت تعینات تھے)

وفات ۲۴/مئی ۱۹۹۴ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ گجرات بار سے سپریم کورٹ بار تک جلدا

قدرت اللہ شاد

اردو شاعر و ادیب۔ بانی 'بزم سخن' شملہ۔

بانی 'آل پاکستان اردو لیگ' راولپنڈی۔ گجرات کے معروف علمی قانو گو خانوادے کے سپوت۔

ان کی وفات پر مولانا ظفر علی خاں کا تعزیتی پیغام شائع ہوا

ولدیت شیخ عزیز اللہ قانون گو آف گجرات

وفات ۲۰/اگست ۱۹۵۲ء کے قریب، راولپنڈی

تدفین راولپنڈی

مآخذ زندگی میرے دنوں میں

قربان طاہر

ممتاز صحافی، طویل عرصہ نوائے وقت سے وابستہ رہے

یکے از بانیان و تاحیات سرپرست گجرات پریس کلب

بانی مدیر ہفت روزہ 'چیلنج' گجرات

ولدیت محمد حسین

ولادت یکم ستمبر ۱۹۳۰ء گجرات

وفات ۳۰۔نومبر ۱۹۹۳ء گجرات

تدفین قبرستان مرغزار کالونی، بھمبر روڈ، گجرات

Marfat.com

مآخذ لوح مزار۔ذاتی معلومات

قصور مند (محمد عنایت وڑائچ)

گجرات کے مقبول پنجابی شاعر

شعری کتب درداں دے رشتے۔سچے موتی

ولدیت میاں فتح علی

وفات ۱۴راگست۱۹۹۲ء

تدفین کسوکی نزد جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ عجب آزاد مرد

قیصر قریشی، ڈاکٹر (مفتی محمد شریف)

اردو و پنجابی شاعر و صحافی، قومی کارکن۔ بانی ہفت روزہ ''ہمدرد'' سرگودھا (اجراء ۱۹۳۷ء۔ یہ سرگودھا کا اولین ہفت روزہ اخبار تھا)

مصنف دیوان قیصر (۲۰۰۹ء)

ولدیت مفتی محمد فاضل

ولادت ۱۹۱۰ء رسول پور مفتیاں نزد شادیوال، گجرات

وفات ۱۹۴۴ء سرگودھا

تدفین سرگودھا

مآخذ پھُل کڑانہ باردے۔دیوان قیصر

کامل شاکر، صوفی محمد

گجرات کے مشہور صوفی ہوٹل کے مالک، علمی و ادبی ذوق کے مالک

وفات ۱۶رمئی۲۰۰۳ء گجرات

تدفین قبرستان دارا گلاب شاہ، سرگودھا روڈ، گجرات

مآخذ عارف علی میر (گجرات)

کاوش بٹ (غلام رسول)

گجرات کے معروف صحافی، اردو شاعر و ادیب، کالم نگار

شعری کتب لفظوں کی عدالت۔عہد

نثری کتاب ادب کی برانچ لائن (کالم)

ولدیت محمد عالم بٹ

ولادت ۲۵ردسمبر۱۹۲۸ء لالہ موسیٰ ضلع گجرات

وفات ۱۷رمارچ۱۹۹۸ء پانی پت، دوران مشاعرہ

تدفین قبرستان نوگزا، لالہ موسیٰ، ضلع گجرات

مآخذ لوحِ مزار۔وفیاتِ مشاہیرِ اردو

کرامت اللہ، شیخ

گجرات کے معروف مؤرخ۔

مصنف آئینۂ گجرات (۱۹۷۷ء)

ولدیت شیخ عزیز اللہ

ولادت ۱۹۰۶ء گجرات

وفات ۱۹۷۸ء لاہور

تدفین گڑھی شاہو، لاہور

مآخذ اہل گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

کرم الدین، خانصاحب ملک

ممتاز سماجی شخصیت، ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ ٹیلی گراف، یکے از بانیان آل انڈیا پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف یونین و مسلم کواپریٹو سوسائٹی۔سابق سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور سابق سیکرٹری انجمن خدام الاسلام گجرات

ولدیت ملک عمر بخش

ولادت ۱۹۔مارچ ۱۸۸۴ء موضع بھگوال تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

وفات ۱۳۔اگست ۱۹۵۹ء گجرات

Marfat.com

تدفین قبرستان بھٹیاں' گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

کلثوم فاطمہ سید' ڈاکٹر

فارسی زبان وادب کی استاد' محقق' مترجم۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگو یجز اسلام آباد میں ربع صدی تدریس کی

اردو ترجمہ بکاروان حلہ بعنوان 'از گلستان عجم'

مقالہ پی ایچ ڈی: الٰہی نامہ عطار نیشاپوری

زوجہ ڈاکٹر سید سراج الدین

ولادت مدینہ سیداں ضلع گجرات

وفات ۱۹۔ دسمبر ۲۰۰۱ء اسلام آباد

تدفین مرکزی قبرستان' اسلام آباد (۱۰۲/۱۷۲)

مآخذ لوح مزار۔ سہ ماہی 'دانش' اسلام آباد شمارہ ۶۰'۶۱

کمال افضل فاروقی

معروف قانون دان' ماہر فقہ' دانشور' مصنف' مترجم

کتب

☆Islamic Constitution

☆Ijma And the Gate of Ijtihad

☆Islamic Jurisprudence

ولدیت لیفٹیننٹ جنرل شیخ محمد افضل فاروقی

ولادت ۲۶/ جولائی ۱۹۲۳ء

وفات ۲۱/ نومبر ۱۹۸۶ء

تدفین فوجی قبرستان عقب گورا قبرستان' کراچی

مآخذ خفتگان کراچی۔ قومی زبان کراچی مارچ ۸۷ء
معلومات از بیگم رشیدہ آفتاب اقبال

کیفی

ممتاز فلمی اداکار' ہدایت کار' فلم ساز۔ ۱۹۷۰ء کی دھائی میں بھٹی پروڈکشن کے تحت بننے والی فلموں میں اہم رول کیے۔

مشہور فلمیں: سجن پیارا' چن مکھناں' ظلم دا بدلہ' جند جان' دنیا مطلب دی۔

عنایت حسین بھٹی کے چھوٹے بھائی

ولدیت ماسٹر فضل الٰہی بھٹی

ولادت محلہ فتوپورہ' گجرات

وفات ۱۳/ مارچ ۲۰۰۹ء لاہور

تدفین لاہور

مآخذ عقیل عباس جعفری (کراچی)

کیکاؤس' جسٹس

دیکھئے بدیع الزماں کیکاؤس

گل زمان

اردو و پنجابی فلموں کے معروف اداکار۔ ۱۹۳۰ء میں فلمی دنیا میں داخل ہوئے۔ 'گل بکاؤلی' مشہور فلم

ولدیت محمد دین ہاشمی

ولادت ۱۹۰۱ء گجرات شہر

وفات ۱۵۔ اپریل ۱۹۹۳ء

مآخذ ڈائمنڈ جوبلی فلم ڈائریکٹری

گل محمد' سائیں

گجرات کی ممتاز روحانی شخصیت

سجادہ نشین دہنگی والی سرکار حاجیوالہ (۱۹۳۷ء تا وفات)

ولدیت سائیں محمد

Marfat.com

ولادت ۱۹۲۲ء حاجیوالہ ضلع گجرات
وفات ۱۸ اپریل ۱۹۹۸ء لاہور
تدفین دربار وہنگی والی سرکار' حاجیوالہ ضلع گجرات
مآخذ صاحبزادہ ڈاکٹر خالد حسین (فرزند)

گل نواز وڑائچ' چودھری

سیاستدان۔سابق رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۸۵'۸۸'۹۳ء)
سابق جنرل سیکرٹری مسلم لیگ پنجاب (قیوم گروپ)
سابق مشیر وزیر اعلیٰ پنجاب
ولدیت چودھری مظفر خاں
ولادت ۱۹۱۱ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات
وفات ۱۵ ستمبر ۲۰۰۱ء لاہور
تدفین قبرستان چودھریاں' جلالپور جٹاں' گجرات
مآخذ سرگزشتِ رفتگاں

گنہگار جلالپوری (سلطان احمد)

گجرات کے درویش منش' چومصرعہ گو پنجابی شاعر
ولادت ۱۸۷۲ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات
وفات ۱۴ دسمبر ۱۹۵۵ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات
تدفین جلالپور جٹاں ضلع گجرات
مآخذ ماہنامہ نعت لاہور ستمبر ۱۹۹۷ء

گوہر الدین احمد' خواجہ

گجرات کے معروف پیر طریقت۔ان کے بارے میں تین کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔

ولادت ۱۸۶۸ء جیندھڑ شریف' گجرات
وفات ۲۔فروری ۱۹۵۲ء
تدفین جیندھڑ شریف نزد کڑیانوالہ ضلع گجرات
مآخذ خفتگان خاکِ گجرات

لال خان' ملک

آزادی کی تحریکوں کے معروف راہنما' سماجی کارکن
(تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ ۱۹۸۸ء)
محاسب اعلیٰ وسیکرٹری پنجاب خلافت کمیٹی' صدر ہجرت کمیٹی' صدر کانگریس صوبہ پنجاب' صدر نیلی پوش تحریک
پنجاب میں تعلیم کے فروغ کے لئے اہم خدمات انجام دیں۔برصغیر کی اعوان برادری کے صدر (۱۹۳۴ء)
کئی مساجد تعمیر کروائیں
ولدیت ملک مست علی خاں
ولادت جولائی ۱۹۸۹ء گاؤں مرجان تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
وفات ۲۱ جنوری ۱۹۷۶ء (درمیانی شب) لاہور
تدفین میانی صاحب' لاہور
مآخذ اکابر تحریک پاکستان ۲۔وفیاتِ مشاہیر پاکستان لاہور خفتگان خاک

لال خاں ایڈووکیٹ' چودھری

گجرات کے معروف وکیل' ۱۹۶۷ء میں گجرات آمد پر ذوالفقار علی بھٹو کی پذیرائی کی۔
وفات ۱۲ جون ۱۹۹۰ء گجرات
تدفین چوپالہ نزد ہیڈ مرالہ ضلع گجرات
مآخذ چودھری اصغر علی گھرال ایڈووکیٹ (گجرات)

Marfat.com

لطیف گجراتی، منشی (عبداللطیف)

پنجابی کے ممتاز شاعر، تلمیذ فیروزالدین نگین گجراتی
شعری کتب جھلیاں سدھراں (پنجابی غزلیات)
پھٹ اکھراں دے (پنجابی غزلیات)
ولدیت محمد رمضان
ولادت ۲۶ر فروری ۱۹۱۱ء گجرات
وفات ۱۳ر دسمبر ۱۹۹۷ء گجرات
تدفین قبرستان خواجگان، گجرات
مآخذ ذاتی معلومات

مبارک احمد

اردو نثری نظم کے بانیوں میں سے ایک اہم شاعر
صدر پروز پوئٹری فورم پنجاب، کنوینر پاکستان پروز پوئٹری فورم۔ تحریکِ پاکستان کے طالب علم کارکن
شعری کتب زمانہ عدالت نہیں (۱۹۶۵ء)
کلیاتِ مبارک (۱۹۹۹ء)
ولدیت محمد رمضان ڈار
ولادت ۲۴ر جولائی ۱۹۲۵ء گجرات
وفات ۲۳ر اپریل ۲۰۰۱ء لاہور
تدفین میانی صاحب، لاہور
مآخذ اخبارِ اردو مئی ۲۰۰۱ء۔ جنگ راولپنڈی
۵ مئی ۲۰۰۰ (انٹرویو مبارک احمد)

مجیب الرحمٰن، مفتی

معروف اردو ادیب، مزاح نگار، بیوروکریٹ
ریٹائرڈ جائنٹ سیکریٹری وزارتِ دفاع حکومتِ پاکستان
معروف ادیب مسعود مفتی کے بڑے بھائی
کتب فی سبیل اللہ۔ مرغ بادنما۔
دفتری ترکیبات ومحاورات
ولادت ۱۹۲۳ء گجرات
وفات (ٹریفک حادثہ) ۴ر جولائی ۱۹۸۵ء
تدفین قبرستان ویسٹریج، راولپنڈی
مآخذ لوحِ مزار۔ پاکستان کا تاریخی انسائیکلوپیڈیا

مجید لاہوری (عبدالمجید چوہان)

نامور مزاحیہ شاعر وادیب، صحافی، کالم نگار
مدیر ہفت روزہ 'نمکدان' کراچی۔ روزنامہ 'انقلاب' 'انصاف' 'خورشید' 'انجام' کراچی سے وابستہ رہے۔ روزنامہ جنگ میں 'حرف وحکایت' کے عنوان سے تاعمر کالم لکھتے رہے۔
شعری کتب نعرۂ جنگ (نظمیں) کانِ نمک (مزاح)
نمکدان (مزاح)
ولدیت منشی محمد دین چوہان
ولادت ۱۹۱۳ء گجرات
وفات ۲۶ر جون ۱۹۵۷ء کراچی
تدفین قبرستان میوہ شاہ، کراچی
مآخذ مہک گوجرانوالہ نمبر۔ پاکستان کے تیس سال

محبوب عالم، صاحبزادہ قاضی

شیخ طریقت، عالم دین، تلمیذ مولانا محمد عالم آسی وعبداللہ ٹونکی
خلیفہ وجانشین وبرادرزادہ حضرت قاضی سلطان محمودؒ
ولدیت میاں محمد مسعود
ولادت ۱۸۹۱ء آوان شریف ضلع گجرات

Marfat.com

وفات ۷۔دسمبر۱۹۸۲ء
تدفین مزار متصل عزیز بھٹی شہید ہسپتال، گجرات
مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

محشر رسول نگری (میاں نثار احمد)

اردو کے ممتاز شاعروادیب، دانشور ریڈیو مقرر
کتب فخرِ کونینؐ (مسدس سیرت النبیؐ ۳ جلد میں)
مثنوی صحیفۂ فطرت (۱۹۵۷ء)۔
شمشادِ خراماں (۱۹۷۸ء)۔
نظام نو۔ تیغ و قرآن۔ جذب وجنوں
ولدیت میاں الٰہی بخش آف گجرات
ولادت ۲۹/مارچ ۱۹۱۶ء کوئٹہ
وفات ۵/دسمبر ۱۹۸۴ء کوئٹہ
تدفین کانسی قبرستان، کوئٹہ
مآخذ پاکستان کے نعت گو شعراء۔ تاریخ رفتگاں ۲

محمد آصف

جوانمرگ باڈی بلڈر۔ جونیئر مسٹر راولپنڈی، اسلام آباد
(۹۵۔۱۹۹۴ء) جونیئر مسٹر پنجاب (۱۹۹۵ء)
وفات ۲۹۔فروری ۱۹۹۶ء
تدفین جھنگی والا قبرستان، قاسم پورہ، گجرات شہر
مآخذ خفتگان خاک گجرات

محمد احسن ایڈووکیٹ، خواجہ

معروف وکیل، صدر ڈسٹرکٹ بار گجرات (۱۹۸۶ء)
سابق چیئرمین لیگل ایجوکیشن کمیٹی پنجاب بار
مصنف منزلِ عقیدت (سفرنامہ)
ولدیت خواجہ اللہ دتہ گوہر کاشمیری
ولادت ۱۵۔جولائی ۱۹۳۹ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات
وفات ۶۔اپریل ۲۰۰۰ء
تدفین قبرستان بھٹیاں، گجرات
مآخذ تاریخ جلالپور جٹاں

محمد احسن علیگ، چودھری

سیاستدان، سرگرم کارکن تحریک پاکستان، کارٹونسٹ
رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۵۱ء)
رکن و پارلیمانی سیکرٹری مغربی پاکستان اسمبلی (۱۹۵۶ء)
کتب: عکاسیاتِ احسن در کلام اقبال (کارٹونز۔۱۹۷۰)
کلام اقبال کی تصویری جھلکیاں (کارٹونز۔۱۹۸۹)
والد چودھری اعتزاز احسن (سابق وزیر داخلہ)
ولدیت چودھری بہاول بخش
ولادت ۲۵۔دسمبر ۱۹۰۸ء منگووال غربی، گجرات
وفات ۹۔اگست ۱۹۸۹ء لاہور
تدفین میاں میر، لاہور
مآخذ ذاتی معلومات۔ انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا

محمد اسحاق، مولانا مفتی

ممتاز عالم دین، خطیب عیدگاہ، گجرات
وفات ۲۷۔اگست ۱۹۵۹ء گجرات
تدفین گجرات
مآخذ وفیات مشاہیر پاکستان

Marfat.com

محمد اسلم، بریگیڈیئر

پاک فوج کے ریٹائرڈ اعلیٰ افسر

برادر بزرگ خالد لطیف (سابق سیکرٹری صحت سندھ و کمشنر گوجرانوالہ و راولپنڈی)

ولادت ۱۹۴۴ء نندووال ضلع گجرات

وفات ۲۱۔اپریل ۲۰۰۳ء راولپنڈی

تدفین نندووال نزد لالہ موسیٰ ضلع گجرات

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۲۲ اپریل ۲۰۰۳ء

محمد اسلم قادری، پیر

عالم دین، پیر طریقت، تلمیذ مولانا احمد یار خان نعیمی

سجادہ نشین دربار پیر نیک عالم مراڑیاں شریف

والد پیر محمد افضل قادری و پیر محمد اشرف قادری

ولدیت خواجہ نیک عالم

ولادت ۱۹۲۳ء مراڑیاں شریف ضلع گجرات

وفات ۱۷۔فروری ۲۰۰۴ء

تدفین دربار مراڑیاں شریف ضلع گجرات

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۱۸۔فروری ۲۰۰۴ء

محمد اسلم کائرہ، چودھری

معروف سیاستدان، جماعت اسلامی کے رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۹۰ء)

منیجنگ ڈائریکٹر نیشنل پلائی وڈ فیکٹری جہلم

ولدیت چودھری الہ داد

ولادت ۲ رفروری ۱۹۴۴ء کائرہ ضلع گجرات

وفات ۵ راگست ۲۰۰۴ء لالہ موسیٰ

تدفین نوگزا قبرستان لالہ موسیٰ ضلع گجرات

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۶ راگست ۲۰۰۴ء

محمد اشرف، سیٹھ

گجرات کے معروف مسلم لیگی سیاسی کارکن، مصنف، چودھری ظہور الٰہی کے دیرینہ ساتھی

مصنف ظہور الٰہی: میرا دوست

وفات ۱۵۔اکتوبر ۱۹۹۵ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ پاکستان ۴۷ء تا ۹۷ء

محمد اشرف، ملک

اسلامی تاریخ و تصوف کے اسکالر، شاعر و مترجم، مورخ

کتب راہ گم کردہ کا نشان

☆Towards a Re-orientation in Mystic Thoughts

☆The Mystic Thoughts in Islam

☆A Short Roman History and the Muslim Role

☆The Devils Conference

(منظوم انگریزی ترجمہ ابلیس کی مجلس شوریٰ از اقبال)

ولدیت ملک برکت علی

ولادت ۳۔اپریل ۱۹۱۵ء گجرات شہر

وفات ۹۔جنوری ۱۹۸۱ء

تدفین قبرستان جھنگی والا محلہ قاسم پورہ، گجرات شہر

مآخذ خفتگان خاک گجرات

Marfat.com

محمد اصغر' بریگیڈیئر' ڈاکٹر

پاک فوج کے ریٹائرڈ اعلیٰ افسر و معالج' مصنف

کتب سلوک سلیمانی۔ یاد محبوب۔ حدیث ناگفتی

پیام رسان امت

ولدیت سردار محمد

ولادت ۲۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء گجرات

وفات ۱۱۔ جون ۱۹۹۴ء

تدفین فوجی قبرستان۔ راولپنڈی

مآخذ لوح مزار۔ محمد امین منہاس (کزن)

محمد اصغر' میاں

سماجی و سیاسی شخصیت' کارکن تحریک خلافت و پاکستان

خزانچی گجرات ضلع مسلم لیگ' سیکرٹری انجمن اسلامیہ گجرات

والد ڈاکٹر آفتاب اصغر (سابق صدر شعبہ فارسی اورینٹل کالج لاہور)

ولادت ۱۸۹۹ء گجرات

وفات ۱۸۔ اگست ۱۹۵۷ء گجرات

تدفین قبرستان متصل بیگم شاہی مسجد' گجرات شہر

مآخذ ہست و بود۔ خفتگان خاک گجرات

محمد اصغر ایڈووکیٹ' چودھری

گجرات کے معروف وکیل' سابق سیکرٹری جنرل ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن

وفات (قتل) یکم اگست ۲۰۰۴ء گوجر خاں

تدفین چھپیاں شمس' آوان شریف روڈ' گجرات

مآخذ جنگ راولپنڈی ۲ راگست ۲۰۰۴ء

محمد اصغر کائرہ' حاجی

معروف سیاستدان' پی پی پی کے مرکزی راہنما

پی پی پی گجرات کے چیف آرگنائزر۔

رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۸۵ء)

رکن قومی اسمبلی (۱۹۸۸ء' ۱۹۹۳ء)

چیئرمین اسٹینڈنگ کمیٹی برائے پیداوار۔

ولدیت چودھری عبدالحکیم

ولادت ۲۱ ردسمبر ۱۹۳۹ء موضع کائرہ ضلع گجرات

وفات ۶ راگست ۱۹۹۹ء اسلام آباد

تدفین کائرہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۷ راگست ۹۹ء

گجرات کی بات

محمد اعظم مفتی

گجرات کے معروف اردو شاعر' سہرا کہنے میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ ریٹائرڈ افسر زراعت

ولدیت محمد دین

ولادت ۱۹۱۰ء گجرات

وفات ۱۰ رفروری ۲۰۰۰ء کراچی

تدفین قبرستان نانگے شاہ' شاہدولہ روڈ گجرات

مآخذ کمانڈر تنویر اکمل صدیقی (مرحوم کے فرزند)

محمد افضل ایڈووکیٹ' چودھری

گجرات کے معروف قانون دان و سیاستدان۔ ۱۹۵۱ء میں غریب پارٹی کی طرف سے یونینسٹ امیدوار کا مقابلہ کیا۔

ولدیت چودھری احمد خاں

Marfat.com

ولادت ۵رجنوری ۱۹۲۳ء اجنالہ ضلع گجرات

وفات ۲۷۔ستمبر ۲۰۰۳ء

تدفین اجنالہ ضلع گجرات

مآخذ معلومات از چودھری اصغر علی گھرال (گجرات)

محمد اقبال، سیّد

ممتاز ماہر تعلیم، ہیڈ ماسٹر ریٹائرڈ' ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی اے کیا۔

ولدیت سیّد غلام شاہ وکیل

ولادت ۱۴رمئی ۱۹۰۳ء گجرات

وفات ۱۶ردسمبر ۱۹۵۵ء

تدفین قبرستان بھٹیاں' مسلم آباد' گجرات شہر

مآخذ لوح مزار

محمد اقبال بٹ

ممتاز صحافی وشاعر' سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر جنگ راولپنڈی

بہنوئی میر خلیل الرحمٰن (بانی جنگ)

ولدیت محمد دین بٹ

ولادت ۱۹۲۰ء گجرات

وفات ۱۵۔اگست ۱۹۸۸ء راولپنڈی

تدفین ۔ قبرستان بھٹیاں' گجرات

مآخذ سب رس کراچی ستمبر ۸۸ء

ترانہ مسرت: جشن سلور جوبلی ۱۹۳۵ء

محمد اقبال سلمان

ممتاز صحافی وادیب۔ سابق ایڈیٹر روزنامہ جنگ کوئٹہ

'نعرۂ حق' روزنامہ 'زمانہ' ماہنامہ 'البیان' امرتسر اور 'پریت لڑی' سے بھی وابستہ رہے۔ محکمہ اطلاعات میں مضمون نگار بھی کام کرتے رہے۔

کتب آداب زندگی۔ نفسیات سب کے لیے

ولادت ۱۵رمئی ۱۹۱۴ء پیروشاہ ضلع گجرات

وفات ۶رجون ۱۹۸۵ء کوئٹہ

تدفین کوئٹہ

مآخذ نوادرات عرشی امرتسری

محمد اکبر' چودھری

ریٹائرڈ ڈائریکٹر جنرل واپڈا (کمرشل)

ولدیت منشی محمد خان

ولادت نومبر ۱۹۴۲ء پیارا ضلع گجرات

وفات ۲۴راپریل ۲۰۰۳ء پیارا ضلع گجرات

تدفین گاؤں پیارا' اعوان شریف روڈ' گجرات

مآخذ ن۔و۔راولپنڈی ۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء

معلومات از چودھری محمد وحید (بھتیجا)

محمد اکبر' سائیں

پیر طریقت' مرید شیخ غلام محی الدین آف جلالپور جٹاں۔

ولدیت چودھری نواب خاں

ولادت نومبر ۱۹۱۵ء سوک کلاں ضلع گجرات

وفات ۸راگست ۱۹۶۴ء گجرات

تدفین مزار خاص' سوک کلاں ضلع گجرات

مآخذ لوح مزار بحوالہ عاشق تے دریام

Marfat.com

محمد اکبر، میاں

گجرات کے معروف سیاستدان اور ٹرانسپورٹر
رکن مغربی پاکستان اسمبلی، کونسل مسلم لیگ کے سرکردہ راہنما
پنجاب کے سابق وزیر تعلیم میاں عمران مسعود کے تایا تھے۔

ولدیت میاں برکت علی
ولادت ۱۵۔جولائی ۱۹۱۸ء گجرات
وفات (قتل) ۲۵۔اکتوبر ۱۹۷۰ء گجرات
تدفین قبرستان شاہ بلاق، علی پور روڈ، گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

محمد اکرام ہاشمی، لیفٹیننٹ کرنل (ر)

اردو ادیب، مضمون نگار، اردو زبان کے پرزور حمایتی

مصنف لُولُو منثور
(اردو انگریزی مضامین اور کالم۔۲۰۰۶ء)
ولدیت حافظ محمد عالم ہاشمی
ولادت ۱۸ر دسمبر ۱۹۲۴ء کشمیر
وفات ۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۲ء اسلام آباد
تدفین پنڈی میانی نزد جلال پور جٹاں ضلع گجرات
مآخذ ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ (مرحوم کی بیٹی)

محمد اکرم، چودھری

سیاستدان، رکن وفاقی مجلسِ شوریٰ (۸۵۔۱۹۸۱ء)
جنرل سیکرٹری مسلم لیگ گجرات۔مادر ملت کے پرزور حمایتی
۱۹۶۵ء میں اپنی تمام جائیداد وار فنڈ میں دے دی۔

ولادت موضع حاجی محمد تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
وفات ۲۱۔جون ۱۹۹۹ء
تدفین موضع حاجی محمد تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ معلومات از چودھری اصغر علی گھرال

محمد اکرم شہید نشانِ حیدر، میجر

پاک فوج (فرنٹیر فورس رجمنٹ) کے نامور سپوت

اعزاز نشان حیدر (پاک بھارت جنگ ۱۹۷۱ء)
ولدیت ملک سخی محمد (آف نکا کلاں ضلع جہلم)
ولادت ۴۔اپریل ۱۹۳۸ء ڈنگہ ضلع گجرات
شہادت ۵۔دسمبر ۱۹۷۱ء، ہلی ضلع دیناج پور
(مشرقی پاکستان)
تدفین بوگرہ (مشرقی پاکستان)
مآخذ تذکرہ شہداء۔پاکستان سال بہ سال

محمد الدین، میاں

ڈنگہ (دین گاہ) کے معروف روحانی بزرگ

ولدیت میاں قطب دین
ولادت ۱۸۹۶ء ڈنگہ ضلع گجرات
وفات ۱۸ر نومبر ۱۹۷۸ء ڈنگہ
تدفین ڈنگہ (دین گاہ شریف) ضلع گجرات
مآخذ انوارِ قلندریہ

محمد الدین اعوان، ملک

اردو و پنجابی شاعر و ادیب، صحافی، ناشر، سماجی شخصیت
بانی مدیر و مالک ماہنامہ 'صوفی' وصوفی پرنٹنگ و پبلشنگ کمپنی پنڈی بہاؤالدین۔بانی
صوفی مسجد منڈی بہاؤالدین

Marfat.com

'دبستانِ سرگودھا' کے بانیوں میں سے تھے۔

برادر بزرگ غلام حسین راز گجراتی (شاعر و ادیب)

ولدیت منشی امام الدین

ولادت ۲۴رد سمبر ۱۹۰۴ء موضع دھریکاں نزد قادر آباد ضلع منڈی بہاؤالدین

وفات ۱۷۔مئی ۱۹۷۱ء سرگودھا

تدفین سرگودھا

مآخذ مقام شوق

محمد حسین قادری نوری' سیّد

پیر طریقت' سجادہ نشین درگاہ پیر سیّد معصوم شاہ نوری

وفات ۴رجون ۲۰۰۸ء گجرات

تدفین سادہ چک ضلع گجرات

مآخذ ماہنامہ پرواز لندن اکتوبر ۲۰۰۹ء

محمد حنیف شہید' رسالدار

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے شہید

اعزاز تمغۂ جرأت

ولدیت محمد خاں

ولادت ستمبر ۱۹۳۰ء گاؤں کھدریالہ ضلع گجرات

شہادت ۵۔دسمبر ۱۹۷۱ء پھالیہ رج (چھمب)

تدفین کھدریالہ ضلع گجرات

مآخذ حیات جاوداں

محمد حیات' ماسٹر

تحریک پاکستان کے کارکن۔ ۱۹۴۴ء میں ان کی تیار کردہ نقدی کی تھیلیاں لالہ موسیٰ آمد

پر قائد اعظم کو پیش کی گئیں

ولادت ۱۹۲۰ء

وفات ۷۔فروری ۲۰۰۱ء لالہ موسیٰ

تدفین لالہ موسیٰ ضلع گجرات

مآخذ معلومات از محمد عالم مختار حق (لاہور)

محمد دین میر جلالپوری

پنجابی زبان کے معروف شاعر' تلمیذ استاد گام

کارکن تحریک پاکستان۔

بانی مدیر' پاک پنجابی اخبار' لاہور (۱۹۵۴ء)

کتب صمصام میر۔سیفِ مرید

ولدیت قادر میر

ولادت ۱۱رفروری ۱۹۰۰ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۲۰ رستمبر ۱۹۷۷ء لاہور

تدفین قبرستان آوہ بدھو' لاہور

مآخذ لاہور میں مشاہیر کے مدفون

محمد رفیق اشرفی

عالم دین' خطیب

ولدیت مولانا غلام الدین اشرفی

وفات ۱۴۔مارچ ۱۹۸۸ء

تدفین گھوڑے شاہ' لاہور

مآخذ واپ

Marfat.com

محمد ایوب، الحاج مرزا

ممتاز صنعتکار، مالک یونس فین گجرات، چیف وارڈن سول ڈیفنس گجرات۔ سینئر نائب صدر الیکٹرک فین مینوفیکچرز گروپ گجرات۔

ولادت ۱۶ ستمبر ۱۹۳۴ء گجرات

وفات ۲۷ نومبر 2005ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۲۸ نومبر ۲۰۰۵ء

گجرات کی بات

محمد بشیر، شیخ

ممتاز صنعتکار، مالک باسکو شوز انڈسٹریز گجرات

ولدیت شیخ خیر دین

ولادت ۶۔ جون ۱۹۰۷ء گجرات

وفات ۱۲۔ مارچ ۱۹۷۰ء گجرات

تدفین قبرستان خواجگان، گجرات شہر

مآخذ خفتگان خاک گجرات

محمد حبیب اللہ نقشبندی توکلی، مولانا سید

گجرات کے معروف عالم دین، پیر طریقت

خلیفہ خواجہ محبوب عالم (سیدا شریف ضلع منڈی بہاؤالدین)

ولادت ۱۸۹۵ء جعفر کوٹ امرتسر

وفات ۵۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء

تدفین مزار خاص، محلہ مسلم آباد، گجرات شہر

مآخذ خفتگان خاک گجرات

محمد حسن قرشی، شفاء الملک حکیم

نامور طبیب، طبی اداروں کے راہنما، معالج علامہ اقبال، متعدد طبی کتب اور ادبی مضامین کے مصنف و مولف

طبیہ کالج لاہور کے پہلے باقاعدہ پرنسپل (۱۹۲۲ء تا ۱۹۴۷ء)

کارکن تحریک پاکستان، صدر موتمر عالم اسلامی پاکستان

بانی صدر پنجاب طبی کانفرنس۔ صدر پاکستان طبی بورڈ

(۱۹۵۸ء)۔ نائب صدر انجمن حمایت اسلام لاہور

تاحیات صدر آل پاکستان آیورویدک یونانی طبی کانفرنس

والد حکیم آفتاب احمد قرشی

ولدیت قاضی فضل الدین

ولات ۱۸۹۶ء گجرات

وفات ۶۔ دسمبر ۱۹۷۴ء لاہور

تدفین میانی صاحب، لاہور

مآخذ اقبال اور گجرات۔ انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا

محمد حسین، چودھری

ممتاز صنعتکار، بانی سروس انڈسٹریز گجرات و لاہور

والد چودھری احمد سعید (چیئرمین پی آئی اے)

چودھری احمد مختار (سابق وفاقی وزیر)

ولادت ۱۳۔ ستمبر 1915ء گندرہ، گجرات

وفات ۲۲۔ اگست 1995ء لاہور

تدفین باغ قبرستان۔ بیدیاں روڈ، لاہور کینٹ

مآخذ عجب آزاد مرد

محمد حسین شوق

ممتاز اردو شاعر و ماہر تعلیم، درویش منش شخصیت

Marfat.com

'دبستانِ سرگودھا' کے بانیوں میں سے تھے۔
برادر بزرگ غلام حسین راز گجراتی (شاعر وادیب)

ولدیت منشی امام الدین

ولادت ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۴ء موضع دھریکاں نزد قادر آباد ضلع منڈی بہاؤالدین

وفات ۱۷۔مئی ۱۹۷۱ء سرگودھا

تدفین سرگودھا

مآخذ مقامِ شوق

محمد حسین قادری نوری، سیّد

پیر طریقت، سجادہ نشین درگاہ پیر سیّد معصوم شاہ نوری

وفات ۴ر جون ۲۰۰۸ء گجرات

تدفین سادہ چک ضلع گجرات

مآخذ ماہنامہ پرواز لندن اکتوبر ۲۰۰۹ء

محمد حنیف شہید، رسالدار

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے شہید

اعزاز تمغۂ جرأت

ولدیت محمد خاں

ولادت ستمبر ۱۹۳۰ء گاؤں کھدریالہ ضلع گجرات

شہادت ۵۔دسمبر ۱۹۷۱ء چھالیہ رج (چھمب)

تدفین کھدریالہ ضلع گجرات

مآخذ حیاتِ جاوداں

پر قائداعظم کو پیش کی گئیں

ولادت ۱۹۲۰ء

وفات ۷۔فروری ۲۰۰۱ء لالہ موسیٰ

تدفین لالہ موسیٰ ضلع گجرات

مآخذ معلومات از محمد عالم مختار حق (لاہور)

محمد دین میر جلالپوری

پنجابی زبان کے معروف شاعر، تلمیذ استاد گام
کارکن تحریک پاکستان۔

بانی مدیر 'پاک پنجابی اخبار' لاہور (۱۹۵۴ء)

کتب صمصام میر۔سیفِ مرید

ولدیت قادر میر

ولادت ۱۱ر فروری ۱۹۰۰ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۲۰ر ستمبر ۱۹۷۷ء لاہور

تدفین قبرستان آوہ بدھو، لاہور

مآخذ لاہور میں مشاہیر کے مدفون

محمد رفیق اشرفی

عالم دین، خطیب

ولدیت مولانا غلام الدین اشرفی

وفات ۱۴۔مارچ ۱۹۸۸ء

تدفین گھوڑے شاہ، لاہور

مآخذ واپ

محمد حیات، ماسٹر

تحریک پاکستان کے کارکن۔۱۹۴۴ء میں ان کی تیار کردہ نقدی کی تھیلیاں لالہ موسیٰ آمد

Marfat.com

محمد زکریا، حافظ

عالم دین، خلیفہ ڈاکٹر اللہ دتہ کنجاہی وحافظ محمد حسین علی پوری
امام وخطیب مسجد محراب گڑھی شاہو لاہور و مسجد نور الاسلام
مصطفےٰ آباد (دھرم پورہ) لاہور

ولدیت مولانا محمد نور عالم (آف بوڑہ ضلع گجرات)
ولادت ۱۹۱۴ء امرتسر
وفات ۲۲۔مارچ ۱۹۸۷ء
تدفین میاں میر، لاہور
مآخذ حضرت سراج الملت اوران کے خلفاء

محمد زمان کائرہ، چودھری

گجرات کے معروف سیاستدان، پی پی پی کے رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۷۰ء)
برادرِ بزرگ چودھری محمد اصغر کائرہ (سابق ایم این اے)

ولدیت چودھری عبدالحکیم
وفات ۲۸ جولائی ۱۹۹۴ء
تدفین قبرستان نوگزہ، لالہ موسیٰ، گجرات
مآخذ سرگزشتِ رفتگاں

محمد سرفراز خاں، چودھری

گجرات کے معروف دینی اسکالر ومصنف۔
متعدد دینی کتب کے مصنف ومؤلف

کتب اظہار الحق وزہاق الباطل (بجواب جاء الحق)
دورِ حاضر کی الجھنوں کا اسلامی حل
اصلاح اغلاط العوام فی احکام اسلام
مائتہ فتاویٰ فی مسئلہ علم الغیب

ولدیت چودھری محمد خاں
ولادت ۱۸۹۶ء کالرہ کلاں ضلع گجرات
وفات ۱۴۔جنوری ۱۹۸۷ء
تدفین کالرہ کلاں ضلع گجرات
مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

محمد سرور، بریگیڈیئر ڈاکٹر

پاک فوج کے ممتاز فزیشن، ذاتی معالج صدر محمد ایوب خان
سابق کمانڈنٹ آرمڈ فورسز میڈیکل کور
میڈیسن پر کتب کے مصنف ومؤلف

ولدیت سردار محمد
ولادت ۲۶۔جولائی ۱۹۰۹ء گجرات
وفات ۲۹۔فروری ۱۹۶۴ء راولپنڈی
تدفین فوجی قبرستان، راولپنڈی
مآخذ لوحِ مزار۔محمد امین منہاس (کزن)

محمد سرور جامعی، پروفیسر

ناموراردوادیب، مصنف، دانشور، صحافی، ماہر تعلیم، مترجم، فارغ جامعہ ملیہ دہلی و جامعہ الازہر۔استاد تاریخ جامعہ ملیہ۔مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد اوران کے افکار کے ترجمان۔ بانی سندھ ساگر اکیڈمی، ڈپٹی ڈائریکٹر وزارت اطلاعات، مدیر روزنامہ احسان، لاہور، بانی ہفت روزہ آفاق، لاہور، مدیر، ینگ حرم، پشاور، فکرونظر، ذالزکوٰۃ، اسلام آباد

مرتبہ کتب شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک۔
شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ۔
مولانا عبیداللہ سندھی: حالاتِ زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار۔ارمغانِ شاہ ولی اللہ
افادات وملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی

Marfat.com

اردو تراجم فوائد الفواد۔

مسلمان اقوام کے زوال کے اسباب

اعزاز تمغۂ امتیاز

ولدیت میاں فضل الدین

ولادت ۱۹۰۶ء بیکریالی ضلع گجرات

وفات ۱۹رستمبر ۱۹۸۳ء دبئی

تدفین ٹاؤن شپ' لاہور

مآخذ خ خ ل۔ خدام الدین لاہور ۱۴ر نومبر ۱۹۸۳ء

سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج بھکر و پبلک سکول پشاور۔

علامہ اقبال کے فیض یافتہ اور مکتوب الیہ'

شعری مجموعہ صبحِ ازل (اردو)

نثری کتب سرگزشت دہلی (۱۹۲۸ء) کتاب ایران۔

آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان۔ رزم حیات

گلگت اور شنازبان۔ سفر نامہ حج وحجاز۔

بزم فردوس (عالم برزخ میں مشاعرہ)

عام فہم سائنس۔ مسلمانوں کی سائنسی خدمات۔ مغرب پر اسلام کے احسانات۔

عہدِ اسلامی میں سائنس اور فلسفہ کی تحقیق۔

ولادت جولائی ۱۹۰۰ء گجرات

وفات ۵رجنوری ۱۹۸۱ء لاہور

تدفین میانی صاحب' لاہور

مآخذ خفتگان خاکِ لاہور۔ اقبال اور گجرات

محمد سعید' چودھری

چیئرمین سروس انڈسٹریز گجرات

وفات ۱۰رفروری ۱۹۸۹ء

تدفین گجرات

مآخذ پاکستان: ۵۸ سال

محمد شاہ قادری راجوروی' الحاج پیر

پیر طریقت۔ مرید حضرت نوران شاہ سوہاوہ

ولادت ۱۹۱۲ء راجوری (کشمیر)

وفات ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء کھاریاں

تدفین کالو چک تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ تاریخ جہلم

محمد شریف شعلہ

گجرات کے مشہور عوامی' انقلابی وسیاسی شاعر

مجموعۂ کلام اوکھیاں راہواں

ولادت ۱۹۱۴ء جلالپور جٹاں ضلع گجرات

وفات ۳۱/ مارچ ۱۹۸۱ء

تدفین جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ خفتگانِ خاک گجرات

محمد شجاع ناموس' ڈاکٹر

ممتاز ماہر تعلیم' شاعر وادیب' مؤرخ' دانشور' ماہر اقبالیات' شنازبان کے ماہر۔ پی ایچ ڈی اور کئی مضامین میں ایم اے پروفیسر سائنس صادق ایجرٹن کالج بہاولپور۔

محمد شریف نوری' مولانا

ممتاز عالم دین' مصنف' خطیب جامعہ محمدیہ راوی روڈ لاہور' ناظم جمعیت العلماء پاکستان صوبہ پنجاب۔

Marfat.com

مدیر ماہنامہ 'الحبیب' لاہور

کتب	مسئلہ گیارہویں شریف۔نشری تقریریں۔
آفتاب سنت۔عرب کا مسافر

ولدیت	مولوی محمد دین

ولادت	۱۹۳۵ء چکوڑی بکھو نزد کنجاہ ضلع گجرات

وفات	۱۳۔مئی ۱۹۷۲ء لاہور

تدفین	جامعہ محمدیہ' راوی روڈ' لاہور

مآخذ	تذکرہ علمائے پنجاب

محمد شفیع قادری' پیر

پیر طریقت' عالم دین' علاقے میں کئی مدارس قائم کئے
سجادہ نشین دربار قاسمیہ ڈھوڈا شریف گجرات

ولدیت	سید امیر قادری

وفات	۱۵۔مئی ۱۹۷۶ء

تدفین	ڈھوڈا شریف نزد کڑیانوالہ ضلع گجرات

مآخذ	خفتگانِ خاکِ گجرات

محمد صادق کنجاہی' پروفیسر

اردو پنجابی اور فارسی شاعر' ماہر تعلیم
پرنسپل انٹر کالج کلر سیداں راولپنڈی (۹۲۔۱۹۸۶ء)
استاد فارسی اصغر مال کالج راولپنڈی (۹۴۔۱۹۹۲ء)

ولدیت	اللہ دتہ

ولادت	یکم فروری ۱۹۳۴ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات	۵۔اکتوبر ۱۹۹۶ء راولپنڈی

تدفین	قبرستان ڈھوک کھبہ' متصل راولپنڈی
میڈیکل کالج اسٹاف کالونی' راولپنڈی

مآخذ	کرن کرن غنیمت

محمد صفدر' چودھری

گجرات کے ممتاز سیاستدان' رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۸۸)
سابق صدر پاکستان چودھری فضل الٰہی مرحوم کے بھتیجے اور سابق چیئرمین سی ڈی اے
اسلام آباد میجر اکرم کے بھائی۔

ولدیت	چودھری عبدالکریم

ولادت	۱۸ر جنوری ۱۹۳۸ء مرالہ گوجراں تحصیل
کھاریاں ضلع گجرات

وفات	۲۹ر جولائی ۲۰۰۸ء

تدفین	مرالہ گوجراں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ	نوائے وقت راولپنڈی ۳۰ر جولائی ۲۰۰۸ء

محمد طفیل' چودھری

گجرات کے معروف سیاستدان' صدر مسلم لیگ (ق) ضلع گجرات۔
وفات (قتل) ۹ر ستمبر ۲۰۱۲ء گجرات

تدفین	گجرات

مآخذ	فیس بک

محمد ضیاء الحق صوفی' ڈاکٹر

اردو اور عربی کے شاعر' تاریخ گو' محقق' عربی زبان وادب کے ماہر' سابق وائس پرنسپل
گورنمنٹ کالج لاہور' پی ایچ ڈی عربی جامعہ پنجاب (۱۹۶۲ء)
برادر بزرگ ڈاکٹر محمد بہاء الحق

ولدیت	مولانا اصغر علی روحی

وفات	۱۴۔جولائی ۱۹۸۹ء

Marfat.com

تدفین — آبائی قبرستان' کٹھالہ ضلع گجرات

(جی ٹی روڈ کے کنارے)

مآخذ — خفتگانِ خاکِ گجرات

(پروفیسر محمد اسلم نے واپ میں نام محمد بہاؤالحق لکھا' جو غلط ہے اور مرحوم کے بھائی کا نام ہے جو ابھی زندہ ہیں)

وفات — ۱۶؍جنوری ۱۹۵۱ء لاہور

تدفین — میانہ چک بھرگڑاں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ — معلومات از میاں محمد افضال (میانہ چک بھرگڑاں)' وم پ' پاکستانیکا

محمد عارف چشتی' مولانا حافظ عبدالرسول

گجرات کے ممتاز عالم دین وروحانی شخصیت' معلم' مصنف' شاعر۔ خطیب جامع مسجد ڈھکی دروازہ گجرات شہر

کتب — بے مثل صانع کی بے مثل صنعت (اردو نعت)

ذکر اللہ (دعاؤں کا مجموعہ)

نماز اور روزہ۔ چشمۂ آفتاب

کرنیں ایک ہی مشعل کی (حمد' نعت)

ولدیت — مولوی نور حسین

ولادت — ۳؍جون ۱۹۱۵ء کنگ سہالی ضلع گجرات

وفات — ۲۶۔ ستمبر ۲۰۰۳ء گجرات

تدفین — کنگ سہالی ضلع گجرات

مآخذ — لوح مزار بحوالہ عاشق تے وریام

مصنفین گجرات کی مطبوعہ کتب (غیر مطبوعہ)

محمد عالم قلعداری' مولوی

عالم دین' پنجابی شاعر' عربی فارسی کے عالم' مترجم

کتب — تفسیر سورہ اخلاص

اسلام امیر حمزہ (پنجابی نظم)

خیر التحائف فی اسلام اہل طائف

تفسیر انوار التنزیل فی تفسیر اصحاب الفیل

ولدیت — مولوی فضل احمد

ولادت — ۱۸۷۶ء قلعدار ضلع گجرات

وفات — ۱۷۔ فروری ۱۹۵۵ء

تدفین — قلعدار نزد کنجاہ ضلع گجرات

مآخذ — پنجابی ادبیات کی مختصر تاریخ

محمد عبدالرفیع' ملک

گجرات کے ممتاز وکیل' تحریک پاکستان کے کارکن

ولادت — یکم مارچ ۱۹۰۷ء گجرات

وفات — ۲۳۔ مارچ ۱۹۷۶ء

تدفین — قبرستان بھٹیاں محلہ مسلم آباد' گجرات

مآخذ — خفتگان خاک گجرات

محمد عالم' حافظ

مدیر و ناشر و مالک ماہنامہ' عالمگیر' لاہور (اجراء ۱۹۲۵ء)

و ہفت روزہ' خیام' لاہور

مالک عالمگیر بکڈپو و عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور

ولادت — ۱۸۷۵ء میانہ چک بھرگڑاں نزد ڈنگہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

Marfat.com

محمد عبداللہ سلیمانی کنجاہی، مفتی

گجرات کے ممتاز عالم دین و خطیب، فارغ دیوبند۔
دینی و روحانی، سیاسی و سماجی شخصیت۔ کارکن تحریک آزادی۔ بانی اسلامیہ سکول کنجاہ۔ سرگرم کارکن حزب اللہ (فضل شاہ)
مولانا ظفر علی خاں و سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دوست

ولدیت　میاں پیراں دتہ
ولادت　۲۱۔ نومبر ۱۸۶۳ء
وفات　۵۔ ستمبر ۱۹۶۴ء
تدفین　مسجد غازی اللہ دتا شہید کنجاہ، گجرات
مآخذ　خفتگان خاک گجرات

محمد علی، الحاج

دینی و روحانی بزرگ، خلیفہ چورہ شریف
بانی مدرسہ و مسجد گلزار مدینہ، رام تلائی روڈ گجرات

وفات　۲۵۔ ستمبر ۱۹۴۹ء
تدفین　مدرسہ گلزار مدینہ، گجرات شہر
مآخذ　خفتگان خاک گجرات

محمد علی، علامہ

ممتاز عالم دین، مصنف، رد شیعیت میں متعدد کتب لکھیں
بانی جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

کتب　تحفہ جعفریہ۔ عقائد جعفریہ (۴ جلدیں)
فقہ جعفریہ (۴ جلدیں) میزان الکتب
دشمنانِ امیر معاویہ کا علمی محاسبہ

ولادت　۱۹۳۳ء موضع حاجی محمد کھاریاں ضلع گجرات
وفات　۱۴۔ جولائی ۱۹۹۶ء لاہور
تدفین　میانی صاحب، لاہور
مآخذ　الرشید لاہور اپریل ۹۷ء
کتابیات علیہ امامیہ در پاکستان

محمد علی ماہیا

گجرات (پنجاب) کے مشہور عشقیہ واردات 'بالو ماہیا' کے مرکزی کردار۔

والد　صبیحہ خانم (معروف اداکارہ)
ولادت　وڑائچاں والا ضلع گجرات
وفات　۲۷۔ ستمبر ۱۹۶۰ء لاہور
تدفین　لاہور
مآخذ　نگار گولڈن جوبلی نمبر

محمد عمر گجراتی

پنجابی شاعر، چومصرعہ گو۔ تلمیذ پیر فضل گجراتی

ولدیت　جمال دین بٹ
ولادت　۱۹۳۴ء راولپنڈی
وفات　۲۶۔ جولائی ۱۹۹۱ء گجرات
تدفین　قبرستان آل شاہدولہ، گجرات
مآخذ　لوح مزار، گجرات کی بات

محمد فاروق، چودھری

پنجاب کے معروف سیاستدان
صدر پاکستان مسلم لیگ جناح گروپ (پنجاب)
۴ مرتبہ رکن صوبائی اسمبلی (۲۰۰۲؛ ۹۳؛ ۹۰؛ ۱۹۸۸ء) وزیر قانون پنجاب (۹۷۔۱۹۹۳ء)

Marfat.com

ولدیت چودھری حاجی سردار علی خاں

ولادت ۱۹۵۶ء گاؤں میرا تحصیل سرائے عالم گیر

وفات (قتل) ۲۹۔دسمبر ۲۰۰۲ء سرائے عالمگیر

تدفین نزد راجہ بجلی گھر' سرائے عالمگیر ضلع گجرات

مآخذ سرگزشتِ رفتگاں

محمد فرمان' پروفیسر

ماہر تعلیم' اردو ادیب' ماہر اقبالیات' مصنف' محقق' عالم

سابق پرنسپل زمیندار کالج گجرات

کتب اقبال اور تصوف۔ فتنۂ انکار حدیث

اقبال اور منکرین حدیث۔ حیات مجدد

ولادت ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء غازی' ہزارہ

وفات ۳۰۔ دسمبر ۱۹۷۸ء گجرات

تدفین غازی' ہزارہ

مآخذ اقبال اور گجرات

محمد فضل حق' مولانا

علمی و دینی شخصیت' سابق ڈپٹی آڈیٹر جنرل پاکستان

ولدیت مولانا اصغر علی روحی

ولادت ۱۹۰۴ء

وفات ۱۵۔ دسمبر ۱۹۷۹ء

تدفین آبائی قبرستان ملحق روحی مسجد جی ٹی روڈ' کتھالہ چناب گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

محمد مختار اشرفی' مولانا حکیم

عالم دین' خطیب' تلمیذ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی طبیب' بانی سلطانی دواخانہ مسلم بازار گجرات'

مرید سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی

ولادت ۱۹۱۹ء سنبھل ضلع مراد آباد

وفات ۲۳۔ جنوری ۱۹۸۲ء

تدفین قبرستان خواجگان' علی پور روڈ' گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

محمد مسعود' شیخ

بیوروکریٹ' پنجاب اسمبلی کے اسسٹنٹ سیکرٹری۔

خواجہ خورشید انور (موسیقار) کے بہنوئی

علامہ اقبال کے برادر نسبتی ڈاکٹر غلام محمد کے فرزند

پوتا خان بہادر ڈاکٹر شیخ عطا محمد

ولادت ۱۹۱۲ء گجرات

وفات یکم مئی ۱۹۷۱ء

تدفین لاہور

مآخذ اقبال اور گجرات

محمد معصوم آف موہری' خواجہ

پیر طریقت' مبلغ' اتحاد بین المسلمین کے داعی

ولدیت صوفی نواب دین

ولادت ۴۔ اپریل ۱۹۳۵ء موہری شریف

وفات ۳۔ نومبر ۱۹۹۳ء

تدفین موہری شریف نزد کھاریاں ضلع گجرات

مآخذ خفتگانِ خاک گجرات

Marfat.com

محمد نصر اللہ خان خازن، مولانا

عالم دین، شیخ التفسیر، مصنف دینی کتب

کتب — معرفی مولانا رحمت علی خان سامی
مناظر قیامت قرآن کی زبان میں

ولدیت — مولانا رحمت علی خاں سامی

ولادت — ۱۳۔جنوری ۱۹۲۶ء کمپالا (یوگنڈا)

وفات — ۸۔دسمبر ۱۹۸۶ء

تدفین — قبرستان عقب بجلی گھر، سرگودھا روڈ، گجرات

مآخذ — خفتگان خاک گجرات

محمد نواز اجنالہ، چودھری

گجرات کے معروف سیاستدان، رکن پنجاب اسمبلی ۱۹۷۰ء

ولدیت — چودھری خان ملک

ولادت — مارچ ۱۹۲۹ء اجنالہ ضلع گجرات

وفات — ۱۴/ جنوری ۲۰۰۰ء

تدفین — اجنالہ ضلع گجرات

ماخذ — عاشق تے وریام۔ گجرات کی بات

محمد یوسف، پروفیسر

ماہر تعلیم، پروفیسر شعبہ انگریزی زمیندار کالج گجرات

ولدیت — صوفی محمد دین

ولادت — ۱۹/ مارچ ۱۹۳۲ء

وفات — ۲۷/ نومبر ۱۹۹۲ء گجرات

تدفین — قبرستان عقب بجلی گھر، سرگودھا روڈ گجرات

ماخذ — لوح مزار۔ شاہین زمیندار کالج ۹۳۔۱۹۹۲ء

محمد یوسف نقشبندی، مولانا سید

عالم دین، پیر طریقت

ولدیت — مولانا سید حبیب اللہ

ولادت — ۱۵۔اکتوبر ۱۹۱۵ء مجیٹھ ضلع امرتسر

وفات — ۱۸۔اکتوبر ۱۹۸۲ء

تدفین — دربار حبیبیہ، محلہ مسلم آباد، گجرات شہر

مآخذ — خفتگان خاک گجرات

محمود الحسن کنجاہی، ڈاکٹر

گجرات کے معروف اردو شاعر، ماہر امراض بچگان۔
پاکستان عوامی تحریک گوجرانوالہ کے صدر
شریف کنجاہی مرحوم کے بھانجے
مجموعۂ کلام شب زندہ (اردو۔۲۰۰۰ء)

ولادت — ۲۵/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کنجاہ ضلع گجرات

وفات (ٹریفک حادثہ) ۲۱ مارچ ۲۰۰۸ء (۱۲/ ربیع الاول)

تدفین — حاجی محمد دین قبرستان، شاہدولہ روڈ گجرات

ماخذ — عاشق تے وریام

محمود شاہ گجراتی، مولانا سید

گجرات کی معروف دینی، روحانی و سیاسی شخصیت
کارکن تحریک پاکستان۔ چودھری فضل الٰہی (سابق صدر پاکستان) کے ساتھ ملکر ضلع
گجرات میں مسلم لیگ کو منظم کیا۔ راہنما جمعیت العلمائے پاکستان
راہنما تحریک تحفظ ختم نبوت و تحریک نظام مصطفےٰ

ولدیت — پیر ولایت شاہ گجراتی

ولادت — ۱۹۱۹ء گجرات

وفات — ۲۵۔جولائی ۱۹۸۷ء

Marfat.com

تدفین محلہ علی پور' گجرات شہر

مآخذ خفتگان خاک گجرات

مختار احمد خان نعیمی' مفتی

ممتاز عالم دین' جنرل سیکرٹری مرکزی مجلس ختم نبوت

صدر جماعت اہلسنت' تحریک نظام مصطفیٰ میں نمایاں رہے۔ جمعیت العلماء پاکستان کے راہنما

ولدیت مفتی احمد یار خان نعیمی

مصنف تحصیل الصرف

ولادت ۱۹۳۵ء کچھوچھہ شریف (بھارت)

وفات ۲۱۔مئی ۱۹۹۰ء گجرات

تدفین مزار مفتی احمد یار خان' مسلم آباد گجرات شہر

مآخذ خفتگان خاک گجرات

مرتضیٰ جیلانی ایم اے' غلام

معروف فلمی ہدایت کار' جغرافیہ دان (ایم اے علیگڑھ) سابق رجسٹرار زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

فلمیں بطور نائب ہدایتکار: دو آنسو۔ وامق عذرا۔ عابدہ۔

فلمیں بطور ہدایت کار: نذرانہ۔ آغوش۔ تیرے بغیر

ولدیت سید فضل حسین جیلانی

ولادت ۱۹۱۸ء گجرات

وفات یکم دسمبر ۱۹۸۱ء

تدفین مرکزی قبرستان' اسلام آباد (۳/۴-۵)

مآخذ لوحِ مزار۔ نگار گولڈن جوبلی نمبر

مسعود ہاشمی' پروفیسر سیّد

اردو و پنجابی کے شاعر و ادیب' نقاد' ماہر تعلیم

ریٹائرڈ صدر شعبہ اردو' زمیندار سائنس کالج گجرات

کتب پیش دستی (اردو مجموعہ۔۱۹۹۲ء)

بیسویں صدی میں تنقید (تنقید ۱۹۹۸ء)

بارشوں کا مسافر (سفرنامہ)

ولدیت سیّد محمد احمد شاہ ہاشمی

ولادت ۲۳/اگست ۱۹۴۴ء

وفات ۵/نومبر ۲۰۰۲ء گجرات

تدفین چک ای بی ۴۷-۵۔ بورے والا ضلع وہاڑی

مآخذ گجرات کا نظمیہ خاندان

مسعودہ خانم

ماہرہ تعلیم' سابق پرنسپل

دختر چودھری چراغ دین

وفات ۲۴/اگست ۱۹۹۲ء

تدفین قبرستان بھٹیاں' مسلم آباد' گجرات شہر

مآخذ لوح مزار

مشتاق احمد فاروقی' مولانا حکیم حافظ محمد

عالم دین' پیر طریقت' خلیفہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی

سجادہ نشین دربار خواجہ محمد امین چکوڑوی (۵۴-۱۹۴۴ء)

ولدیت مولانا محمد صدیق فاروقی

ولادت ۱۹۱۰ء مونیاں شریف ضلع گجرات

وفات ۶۔اگست ۱۹۶۸ء

تدفین مونیاں شریف ضلع گجرات

مآخذ ارمغان لطیف فی تذکرہ اولیائے چکوڑی شریف مولفہ صاحبزادہ فیض الامین فاروقی

مشتاق حسین پگانوالہ' میاں

پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے گجرات کے معروف سیاستدان' سابق سیکرٹری جنرل و

Marfat.com

صدر پیپلز پارٹی ضلع گجرات۔ متعدد بار قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا۔

ولدیت میاں نور الٰہی

ولادت ۱۹۳۶ء گجرات

وفات ۱۴ر دسمبر ۲۰۰۸ء گجرات

تدفین آبائی قبرستان' گجرات

مآخذ ریڈیو خبرنامہ ۱۵ر دسمبر ۲۰۰۸ء۔
گجرات کی بات

مصلح الدین راجیکی

احمدی عالم' عربی' فارسی' اردو اور پنجابی کے شاعر

ولدیت مولوی غلام رسول راجیکی (گجرات)

ولادت راجیکی ضلع گجرات

وفات ۲۶۔ فروری ۱۹۵۹ء

تدفین ربوہ ضلع جھنگ

مآخذ معلومات از سید خلیل احمد پیرزادہ (گولیکی)

مضطر گجراتی (محمد عبداللہ خاں)

اردو کے ممتاز شاعر و ادیب' تلمیذ سیماب اکبر آبادی۔
ان کی شاعری میں اسلامی اور قومی رنگ نمایاں تھا۔
مجموعۂ کلام کی کتابت ہو چکی تھی کہ موت نے آلیا۔ ڈھکی
(کابلی) دروازہ گجرات شہر کے رہنے والے تھے۔

ولدیت محمد چراغ

ولادت ۱۹۱۲ء عالم گڑھ ضلع گجرات (ننھیال)

وفات ۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء لاہور

تدفین درس چھوٹے میاں' لاہور

مآخذ وفیات مشاہیر پاکستان۔ حکیم محمد اشرف (عالم گڑھ)

مظفر حسن ملک' ڈاکٹر

معروف اردو محقق' ادیب' مترجم' ماہر تعلیم۔ میر دبیر کی مرثیہ نگاری پر پی ایچ ڈی
کی۔ سابق ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر و ڈویژنل ڈویلپمنٹ آفیسر

کتب اردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام (۱۹۷۶ء:
مقالہ پی ایچ ڈی)۔
اقبال اور ثقافت (۱۹۸۶ء)
اقبال اور معرکہ خیر و شر۔
تعلیمی عمرانیات (۱۹۹۰ء)
بشریاتِ مذہب (۲۰۰۲ء)
نسلیاتِ پاکستان (۲۰۰۳ء)
ثقافتی بشریات (۲۰۰۴ء)
جرمیات (۲۰۰۶ء)۔

ولدیت ملک غلام علی

ولادت ۱۴ جون ۱۹۲۰ء چک بدھو تحصیل کھاریاں
ضلع گجرات

وفات ۲ر دسمبر ۲۰۱۰ء گجرات

تدفین گجرات

مآخذ اطلاع عبدالرشید شیخ (گجرات)۔
اہل گجرات کی مطبوعہ کتب (مسودہ)

مظہر الحق' صاحبزادہ قاضی

فرزند و سجادہ نشین قاضی محبوب عالم آف آوان شریف

ولادت ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۴ء اعوان شریف ضلع گجرات

وفات ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء گجرات

تدفین دربار قاضی محبوب عالم متصل عزیز بھٹی شہید ہسپتال' گجرات

مآخذ معلومات از محمد عبداللہ قادری (واہ کینٹ)

Marfat.com

مظہر حسین شاہ، لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر

نامور فزیشن و منتظم امور صحت، محقق، مصنف، مترجم
پاکستان کے اوّلین سائیکاٹرسٹ۔ دہلی میں قائداعظم کے معالج
گورنر جنرل پاکستان کے ذاتی معالج (۵۲-۱۹۴۹ء)
اوّلین چیف میڈیکل آفیسر کراچی، بانی جناح سنٹرل ہسپتال کراچی۔ طب اسلامی و یونانی و آیورویدک کی تواریخ کے ماہر۔ کوچیئرمین آف کمیشن برائے مقامی طریقہ ہائے علاج حکومت پاکستان (۱۹۷۵ء)

مصنف ☆Unity & Integration of Medicine :General Principles
مترجم ☆Canon of Avicenna

ولدیت سید محبوب حسین شاہ
ولادت ۳۔ جون ۱۹۰۲ء معین الدین پور ضلع گجرات
وفات ۲۱۔ فروری ۱۹۷۹ء کراچی
تدفین ٹبہ قبرستان، معین الدین پور ضلع گجرات
مآخذ لوح مزار

Biographical Notes on Eminent Muslim Scientists of South Asia in the 14th Century Hijra- Vol.I

معراج دین واقف

پنجابی شاعر، تلمیذ پیر فضل گجراتی۔ تحریک خاکسار کے سابق ضلعی سالار، مجلسِ احرار میں بھی سرگرم رہے

ولدیت اللہ دتہ
ولادت ۱۸۹۵ء گجرات
وفات ۱۵۔ اپریل ۱۹۷۱ء
تدفین قبرستان تریہنگ، گجرات شہر
مآخذ معلومات از صلاح الدین (مرحوم کا بھتیجا)

معصوم شاہ نوری، مولانا سید محمد

پیر طریقت، عالم دین، اردو، پنجابی اور فارسی کے شاعر
بانی نوری مسجد ریلوے اسٹیشن لاہور و نوری کتب خانہ لاہور
کتب گلدستۂ ہدایت۔ گلدستۂ شریعت۔
معصوم ہدایت۔ مواعظ القرآن والحدیث۔
ہدایت بے نمازاں
ولدیت سید فضل شاہ گیلانی
ولادت ۱۸۹۸ء سادہ چک ضلع گجرات
وفات ۱۸۔ جنوری ۱۹۶۹ء لاہور
تدفین سادہ چک ضلع گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

مقبول احمد شاہ، پیر سیّد

روحانی شخصیت، خلیفہ خواجہ محمد امین چکوڑوی
وفات ۵رستمبر ۱۹۷۰ء
تدفین حاجی چک (نہر اپر جہلم کے کنارے)
ڈنگہ روڈ، تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ اسرار الکاملین فی تذکرہ خلفائے خواجہ محمد امین

مقبول الٰہی، شیخ محمد

اردو ادیب، ریٹائرڈ ڈپٹی سیکرٹری کامرس
مصنف: گلہائے رنگارنگ (خود نوشت و مضامین: ۲۰۰۴ء)
معروف افسانہ نگار مقصود الٰہی شیخ کے بڑے بھائی
ولادت دسمبر ۱۹۱۳ء گجرات
وفات ۵رجنوری ۲۰۰۹ء اسلام آباد
تدفین اسلام آباد
مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۶رجنوری ۲۰۰۹ء

Marfat.com

مُلک علی شاہ بادشاہ، پیر سیّد

روحانی شخصیت و پنجابی کے صوفی شاعر
شعری کتب صدائے کشمیر۔ شجرہ شریف حضرات
خواجگان اہل بہشت مع سی حرفی۔
سوہان ایمان (کلیات)

ولدیت سیّد غلام رسول
ولادت ۱۸۶۴ء شکریلہ شریف ضلع گجرات
وفات یکم ستمبر ۱۹۵۴ء
تدفین شکریلہ شریف تحصیل سرائے عالمگیر، گجرات
مآخذ سوہان ایمان

ممتاز شانتی

ماضی کی مقبول فلمی اداکارہ ورقاصہ
فلمیں گھر کی عزت۔ سوہنی کمہارن۔ چھنّے دی کلی
قسمت۔ سوال۔ بدلتی دنیا۔ لیڈی ڈاکٹر
چاند چکوری
زوجہ ولی (ڈرامہ نگار و فلم ڈائریکٹر)
دختر نبی بخش
ولادت ۱۹۱۷ء ڈنگہ ضلع گجرات
وفات ۱۷۔دسمبر ۱۹۸۹ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ قومی زبان کراچی اپریل ۹۰ء۔ فلمی پریاں
قدیم ہندوستان کی طوائف زادیاں

ممتاز فاروقی، شیخ محمد

گجرات کے اوّلین بیرسٹر، ممتاز سماجی و سیاسی شخصیت
کارکن تحریک خلافت و تحریک پاکستان
اردو و فارسی شاعر، علامہ اقبال کے دوست

ولادت ۱۸۸۲ء گجرات
وفات ۱۹۔دسمبر ۱۹۵۶ء گجرات
تدفین آبائی قبرستان، شاہدولہ روڈ، گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

منصور احمد خالد

اردو و پنجابی شاعر و ادیب، مترجم، صوفی
کتب پُھلاں بھری چنگیر (پنجابی قطعات)۔
نعتیہ مجموعہ۔ اردو پنجابی کے مشترکہ عناصر۔
کلیاتِ شاہی۔ کلیات غواصی۔
مثنوی قطب مشتری۔
والد ڈاکٹر تحسین فراقی (نامور محقق و ادیب)
ولادت ۱۹۴۳ء گجرات
وفات ۲۰/مارچ ۲۰۰۷ء لاہور
تدفین لاہور
مآخذ نوائے وقت راولپنڈی ۲۳/مارچ ۲۰۰۷ء
(کالم اجمل نیازی)۔ پنجابی ادب دی کہانی

منظور الٰہی، چودھری

گجرات کی معروف سماجی و کاروباری شخصیت۔ ٹیکسٹائل و شوگر ملز کے بانی۔ رفاعی
اداروں کے سرپرست
والد چودھری پرویز الٰہی (وزیرِ اعلیٰ پنجاب)
برادرِ خورد چودھری ظہور الٰہی مرحوم (ممتاز سیاستدان)
چچا و سسر چودھری شجاعت حسین (سابق وزیرِ اعظم)
ولدیت چودھری سردار خان
ولادت ۱۹۲۳ء نت ضلع گجرات

Marfat.com

وفات ۱۱رجنوری ۲۰۰۵ء لاہور

تدفین مقبرہ چودھری ظہور الٰہی' قبرستان بھٹیاں' محلہ مسلم آباد' گجرات

ماٰخذ نوائے وقت راولپنڈی ۱۲رجنوری ۲۰۰۵ء

منظور حسین پگانوالا' میاں

صدر انجمن مسلمانان پاکستان

ولادت ۱۸۔ جون ۱۹۲۰ء گجرات

وفات ۲۵۔نومبر ۱۹۸۸ء کراچی

تدفین قبرستان سوسائٹی' کراچی

ماٰخذ خفتگان کراچی۔عجب آزاد مرد

منظور حسین شاہ' سید

گجرات کے معروف مسلم لیگی سیاستدان و شیعہ راہنما

رکن قومی اسمبلی (۱۹۸۵ء'۱۹۹۰ء'۱۹۹۷ء)

ولدیت سید بہار شاہ

ولادت ۱۹۳۷ء کلیوال سیداں ضلع گجرات

وفات (قتل) ۲۔جنوری ۲۰۰۵ء گلیانہ ضلع گجرات

تدفین کلیوال سیداں ضلع گجرات

ماٰخذ نوائے وقت راولپنڈی ۳۔جنوری ۲۰۰۵ء۔ گجرات کی بات

منور حسین تارڑ

کنجاہ کے معروف اردو شاعر

مجموعۂ کلام دل سے دل کی بات

وفات ۱۸رفروری ۲۰۰۶ء کنجاہ

تدفین کنجاہ ضلع گجرات

ماٰخذ معلومات از عدیم یوسفی کنجاہی

منیر احمد مدنی' علامہ

عالم دین' راہنما جمعیت مشائخ پاکستان' تحریک خدمت عوام و جماعت اہلسنت' اتحاد بین المسلمین کے داعی

وفات یکم دسمبر ۲۰۰۱ء گجرات

تدفین مدینہ سیّداں' گجرات

ماٰخذ معلومات از محمد عالم مختار حق (لاہور)

مومن کوہاٹی' مولانا ابوالنور قاضی محمد فاضل

اردو اور فارسی کے حمد و نعت کے شاعر' ادیب' ماہر تعلیم

ریٹائرڈ اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز بنوں

والد عابد فاروقی و بشیر احمد آزاد (اردو شعراء)

ولدیت قاضی احمد دین نقشبندی

ولادت ۱۹۰۳ء جیونجل نزد جلال پور جٹاں' ضلع گجرات

وفات ۲۹رد سمبر ۱۹۷۳ء کوہاٹ

تدفین کوہاٹ (صوبہ سرحد)

ماٰخذ تذکرہ شعرائے جماعتیہ

مہدی علی خان' نوابزادہ

گجرات کے معروف سیاستدان' کارکن تحریک پاکستان۔ پنجابی شاعر (تلمیذ و دوست پیر فضل حسین فضل گجراتی)

Marfat.com

مسلم لیگی رکن پنجاب اسمبلی (۱۹۵۱ء)
سابق صدر مسلم لیگ ضلع گجرات وایڈیشنل ڈپٹی کمشنر لاہور
نواب زادہ ظفر مہدی کے والدِ محترم

ولدیت سر فضل علی (بانی زمیندار کالج گجرات)
ولادت ۱۹۰۷ء موضع اجنالہ ضلع گجرات
وفات ۱۲۔ جون ۱۹۵۸ء راولپنڈی
تدفین نزد کوٹھی نواب صاحب، گجرات شہر
مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

مہرافروز درانی، مس

ماہرِ تعلیم، سابق پرنسپل گورنمنٹ گرلز کالج فوارہ چوک گجرات

دختر محمد انصر خان درانی
وفات ۷۔ ستمبر ۱۹۹۴ء
تدفین قبرستان متصل بیگم شاہی مسجد، گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

میر بسمل ہاشمی، سید

معروف صحافی، شاعر وادیب، مصنف، متعدد اخبار ورسائل جاری کئے۔ بانی مدیر اخبار 'لاحول' خانکی ضلع گجرات
مدیر ہفت روزہ 'ریلوے پنچ' گوجرانوالہ (۳۱۔۱۹۲۹ء)

مصنف چشمہ رحمت عرف نور اسلام
ولدیت غلام محی الدین ہاشمی
ولادت اگست ۱۸۹۲ء گولیکی ضلع گجرات
وفات ۵۔ مئی ۱۹۶۲ء
تدفین خانکی تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ
مآخذ معلومات از سید خلیل احمد پیرزادہ (گولیکی)

نادر حسین بخاری قلندری، پیر سید

پیر طریقت، پنجابی کے صوفی شاعر

مصنف گلزارِ حقیقت
ولادت ۱۹۰۸ء بھوپال والا ضلع فیصل آباد
وفات ۲۲۔ جنوری ۱۹۶۷ء
تدفین مہسم چوک، بھمبر روڈ، گجرات
مآخذ مرحوم کے بھائی کی فراہم کردہ معلومات

ناصر کتابدار (محمد ظہور ناصر)

صاحب دیوان اردو شاعر، تاجر نادرہ و قلمی کتب
سیاسی کارکن، کانگریس ضلع گجرات کے سیکرٹری

ولدیت منشی نور احمد
ولادت ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء گجرات
وفات ۱۵۔ مارچ ۱۹۶۵ء
تدفین راولپنڈی
مآخذ شعرائے پنجاب مرتبہ نسیم رضوانی
معلومات از خان انور، گجرات (رشتہ دار)

نجف علی عاصی

ماہرِ تعلیم، فارسی شاعر، ادیب، مترجم، افغانستان کو جدید تعلیم سے روشناس کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کی 'مجلس شرفا' کے رکن، شہزادہ امان اللہ کے اتالیق۔ زندانِ ارک میں قید رہے۔

شعری کتب کلامِ عاصی (۱۳۴۹ھ)۔ تحفۂ امانیہ۔
موعظۂ نادرہ۔ ہدیۂ تبریک عید قربان۔
منتخب احوال و مجموعۂ افکارِ شعری
(مرتبہ عبدالقدیر نجفی۔ ۲۰۰۵ء)
فارسی تراجم الفاروقؒ۔ مسدسِ حالی (منظوم۔ ۱۹۶۸)

Marfat.com

برادر بزرگ ڈاکٹر عبدالغنی جلالپوری

ولدیت مولوی عبدالصمد

ولادت ۱۸۶۰ء جلالپور پور جٹاں گجرات

وفات ۱۹ر جون ۱۹۵۰ء

تدفین ٹبہ قبرستان جلالپور جٹاں ضلع گجرات

مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

نذر محمد، چودھری

بانی چیئرمین سروس انڈسٹریز گجرات و لاہور

مرتب مجموعہ احکامات قرآن و دیگر دینی کتب

ولادت ۵۔اپریل ۱۹۱۳ء موضع جوکالیاں ضلع گجرات (موجودہ ضلع منڈی بہاؤالدین)

وفات ۱۰۔مارچ ۱۹۹۶ء لاہور

تدفین باغ رحمت بیدیاں روڈ، لاہور کینٹ

مآخذ جنگ لاہور ۱۱۔مارچ ۱۹۹۶ء

نذیر احمد شیخ

ممتاز ناشر، پروپرائٹر تاج کمپنی کراچی و بمبئی برانچ

برادر خورد شیخ عنایت اللہ (منیجنگ ڈائریکٹر تاج کمپنی)

ولدیت شیخ غلام رسول

ولادت ۱۹۰۹ء گجرات شہر

وفات ۲۷۔دسمبر ۱۹۴۷ء (کراچی و بمبئی کے درمیان فضائی حادثہ)

مآخذ وفیاتِ مشاہیر پاکستان

نذیر احمد گجراتی، مولانا

ممتاز عالم دین، مدرس، تلمیذ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی

خلیفہ مولانا محمد حسن (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور)

مصنف راحتِ دارین (۱۹۷۶ء)

ولدیت میاں محمد حسین راجپوت منہاس

ولادت ۹۳-۱۸۹۲ء مقیانوالہ ضلع گجرات

وفات ۱۰۔جون ۱۹۵۴ء (۸ شوال ۱۳۷۳ھ) کوئٹہ

تدفین کوئٹہ

مآخذ مشاہیر علمائے دیوبند

نذیر چودھری

ممتاز پنجابی و اردو شاعر

شعری کتب چانن دا کھڑ کار (پنجابی۔۱۹۷۰ء)

سوزِ وفا (اردو کلام)

آبائی وطن شادیوال ضلع گجرات

ولدیت چودھری فضل احمد

ولادت ۱۰۔جنوری ۱۹۲۰ء چک نمبر ۹۵ جنوبی ضلع سرگودھا

وفات ۲۷۔اکتوبر ۱۹۸۷ء لیہ

تدفین لیہ

مآخذ ششماہی 'کھوج' لاہور شمارہ ۳۶

نصیب علی شاہ گردیزی، پیر سید

گجرات کے معروف پیر طریقت

سوانح حیات 'سیرت نصیب' کے نام سے چھپ چکی ہے

ولدیت سید عطر شاہ

ولادت ۴-۱۸۷۳ء سید پور سیداں ضلع سیالکوٹ

Marfat.com

وفات ٦۔فروری ۱۹۵۰ء
تدفین چھالے شریف نزد کڑیانوالہ ضلع گجرات
مآخذ خفتگان خاک گجرات

نصیرالدولہ' پروفیسر ڈاکٹر پیر

گجرات کے معروف اردو شاعر' انگریزی ادیب۔
ریٹائرڈ پروفیسر آف پیرا سائیٹالوجی' وینزویلا۔کتب
Faceless Enemy(Novel:1985)
اسرار صدف (۱۹۹۲ء: اردو مجموعۂ غزل)
Saltanat (Novel: 1994)
Dear Editor (Letters To Editor)1994
جدید کرامت نامہ (۱۹۹۶ء: حالات حکیم رشید الدولہ)
زندگی میرے دنوں میں (خودنوشت: ۲۰۰۴ء)
The Story of Shahdaula: Saint The Engineer (2005)
یہ اُس زمانے کی باتیں ہیں (۲۰۰۶ء: مجموعۂ غزل)
زندگی یک طرفہ تماشا (۲۰۰۸ء: مجموعہ دلچسپ واقعات)
گونجا کرے گی میری صدا (۲۰۰۹ء: مجموعۂ غزل)
چند اوراق جوانی کے بھلانے والے (۲۰۰۹ء: مجموعہ غزل)
صدائے بندۂ درویش تھی سدا ہی رہی (۲۰۱۰ء: مجموعہ غزل)

ولدیت پیر نذیر الدولہ
ولادت ۷رفروری ۱۹۳۰ء گجرات
وفات ٦رستمبر ۲۰۱۲ء گجرات
تدفین قبرستان پیر رشید الدولہ' شاہدولہ روڈ' گجرات
مآخذ ذاتی معلومات

نصیرالدین شاہ' پیر سید

سجادہ نشین دربار اسماعیلیہ شریف

وفات ۱۳۔جنوری ۲۰۰۲ء اسماعیلیہ شریف
تدفین دربار اسماعیلیہ شریف' کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ روزنامہ 'دن' ۱۴ جنوری ۲۰۰۲ء

نواب الدین' الحاج خواجہ

پیر طریقت دربار موہری شریف
والد خواجہ محمد معصوم آف موہری شریف
ولادت فروری ۱۹۰۱ء کھمبا (جموں)
وفات ۱۲۔جولائی ۱۹۶۵ء
تدفین موہری شریف نزد کھاریاں ضلع گجرات
مآخذ خفتگانِ خاکِ گجرات

نور احمد نقشبندی مجددی توکلی' حکیم

طبیب و روحانی شخصیت
ولادت ۲۷ردسمبر ۱۹۳۵ء سدھ
وفات ۳۱رجنوری ۱۹۹۸ء
تدفین قبرستان بھٹیاں' مسلم آباد' گجرات شہر
مآخذ لوحِ مزار

نور الحسن چشتی' حاجی

گجرات کے نعت گو شاعر۔مالک مراد پاٹری گجرات
نعتیہ کتب ارمغانِ نور (اردو۔۱۹۸۰ء)
عرفانِ نور (اردو و پنجابی۔۱۹۹۶ء)
ولدیت محمد عبداللہ
وفات ۲۰رفروری ۲۰۰۳ء گجرات

Marfat.com

تدفین قبرستان بھٹیاں، مسلم آباد، گجرات

مآخذ لوحِ مزار

نورعالم امرتسری، مولانا محمد

عربی زبان وادب کے معروف عالم، استاذ، خطیب

تلمیذ مفتی محمد حسن امرتسری و مولانا محمد عالم آسی مرتسری

ولادت ۱۸۸۴ء بوڑا ضلع گجرات

وفات ۳۔جنوری ۱۹۵۸ء

تدفین موضع بوڑا فتح پور روڈ، گجرات

مآخذ لوح مزار

نور محمد، لیفٹیننٹ کمانڈر (ر) پروفیسر چودھری

گجرات کے معروف ماہر تعلیم، اردو و انگریزی شاعر

پرنسپل زمیندار سائنس کالج جی ٹی روڈ گجرات (۹۳-۱۹۷۰)

کنجاہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔

ولدیت چودھری اللہ دتہ

ولادت ۱۹۳۳ء کوئٹہ

وفات ۲۲۔اپریل ۱۹۹۳ء

تدفین دارا گلاب شاہ، سرگودھا روڈ گجرات

مآخذ لوح مزار بحوالہ عاشق تے دریام کرن کرن غنیمت

نیاز احمد، چودھری

ماہر قانون، سیاستدان، سابق جج آزاد کشمیر ہائی کورٹ

سابق چیف سیکرٹری حکومت آزاد جموں و کشمیر

سابق رکن آزاد جموں و کشمیر دستور ساز اسمبلی

سابق چیئرمین آزاد جموں و کشمیر پبلک سروس کمیشن

ولادت ۱۸۹۴ء ہریہ والا ضلع گجرات

وفات یکم فروری ۱۹۹۳ء لاہور

تدفین لاہور

مآخذ پاکستان بک ۹۳۔قدیر شیدائی (لاہور)

نیک عالم قادری، مولانا

روحانی و دینی شخصیت، خلیفہ سید ظہور شاہ قادری بٹالوی، خطیب جامع مسجد محلہ چاہ بھنڈر گجرات

ولادت ۱۸۸۴ء مراڑیاں، گجرات

وفات ۱۴۔فروری ۱۹۵۸ء

تدفین دربار خاص، مراڑیاں شریف ضلع گجرات

مآخذ خفتگان خاک گجرات

ولایت خاں، چودھری

ماہر تعلیم، پروفیسر قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد

ولدیت چودھری محمد اشرف

ولادت پیروشاہ ضلع گجرات

وفات ۲۹ر فروری ۱۹۸۰ء

تدفین پیروشاہ ضلع گجرات

مآخذ لوحِ مزار (منقولہ ڈاکٹر اظہر محمود چودھری)

ولایت شاہ گجراتی، پیر سید

گجرات کے معروف پیر طریقت، عالم دین، واعظ

کارکن تحریک کشمیر۔خلیفہ پیر جماعت علی شاہ علی پوریؒ

Marfat.com

بانی مدرسہ تعلیم القرآن وانجمن خدام الصوفیہ گجرات

والد سید محمود شاہ گجراتی

ولدیت پیر احمد شاہ

ولادت ۱۸۸۸ء رانیوال سیداں ضلع گجرات

وفات ۳۱۔ جولائی ۱۹۷۰ء

تدفین مزار خاص، علی پور، گجرات شہر

مآخذ خفتگان خاک گجرات

ولی اللہ، مولانا

بلند مرتبہ عالم دین، استاذ العلماء

ہزاروں افراد نے اکتساب علم کیا، ۸۰ برس تدریس کی

مرید مولانا حسین علی واں بھچراں والے

داماد و جانشین مولانا غلام رسول (انہی ضلع گجرات)

ولدیت مولانا ثناء اللہ

ولادت ۱۸۶۵ء گلیانہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

وفات ۹ر نومبر ۱۹۷۳ء

تدفین میانوال ضلع گجرات

مآخذ تذکرہ علمائے پنجاب

یعسوب الحسن، حکیم

صحافی، مصنف۔ مدیر خضر راہ، لاہور

برادر اصغر حکیم یوسف حسن (مدیر نیرنگ خیال)

ولدیت میاں بدرالدین حسن (آف گجرات)

وفات ۹۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء لاہور

تدفین لاہور

مآخذ پاکستان کے تیس سال

یوسف حسن، حکیم محمد

ممتاز صحافی، اردو ادیب، طبیب، مصنف

بانی مدیر ماہنامہ نیرنگ خیال، لاہور (اجراء ۱۹۲۴ء)

نیرنگ خیال کا اقبال نمبر ۱۹۳۲ء میں شائع کیا۔

کئی اور رسالے جاری کیے

مصنف دوشیزہ۔ اتاترک۔ صنف نازک۔

مجلس خلوت۔ طب مخفی۔ صنعت اکبر

اعزاز صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی

تمغہ امتیاز (ضیا دور)

ولدیت میاں بدرالدین حسن (گجرات پنجاب)

ولادت ۳ر جون ۱۸۹۲ء لاہور

وفات ۱۸ر جنوری ۱۹۸۱ء راولپنڈی

تدفین قبرستان عیدگاہ، راولپنڈی

مآخذ اقبالیات نیرنگ خیال

یوسف رضا چغتائی، ڈاکٹر

گجرات کے معروف اردو شاعر و معالج

مجموعۂ کلام پت جھڑ میں (۱۹۹۵ء)

والد ڈاکٹر سہیل یوسف چغتائی (آرتھوپیڈک سرجن)

ولدیت غلام نبی چغتائی

ولادت ۲۵ر اپریل ۱۹۳۴ء سیالکوٹ

وفات ۷ر جنوری ۲۰۰۲ء لاہور

تدفین قبرستان ڈیفنس فیز زیڈ لاہور

مآخذ معلومات از ڈاکٹر سہیل یوسف چغتائی

یونس کاظمی، صاحبزادہ سیّد محمد

معروف عالم دین، مصنف، مقرر، تلمیذ مولانا محمد سردار احمد و مولانا مفتی محمد حسین

Marfat.com

نعیمی۔متعدد کتب کے مصنف

مشیر وزارتِ مذہبی امور (غلام مصطفےٰ جتوئی دور)

رکن اسلامی نظریاتی کونسل (۹۶۔۱۹۹۳ء)

بانی جنرل سیکرٹری مرکزی علماء ومشائخ کونسل

کےازبانیان وچیف آرگنائزر مرکزی امام حسین کونسل

کتب	چشمہ ہدایت حیاتِ شاہ ولایت۔ امام اعظم ابوحنیفہ۔فضائل ومسائل رمضان۔ فضائل ومسائل شعبان وشب برات فضائل ومسائل شہید وجہاد۔ کتاب الآداب۔ نسبِ رسول ﷺ۔
کزن	سیّد محمود شاہ گجراتی (عالم وسیاستدان)
ولدیت	سیّد محمد شاہ کاظمی
ولادت	۱۰/مارچ ۱۹۴۳ء کڑیانوالہ ضلع گجرات
وفات	۳/جولائی ۲۰۰۵ء
تدفین	مدرسہ نزد پیج گراں' کلر سیّداں روڈ' راولپنڈی
مآخذ	جنگ راولپنڈی ۴/جولائی ۵/اگست ۲۰۰۵

Marfat.com

گجرات

چند یادگار تصاویر

Marfat.com

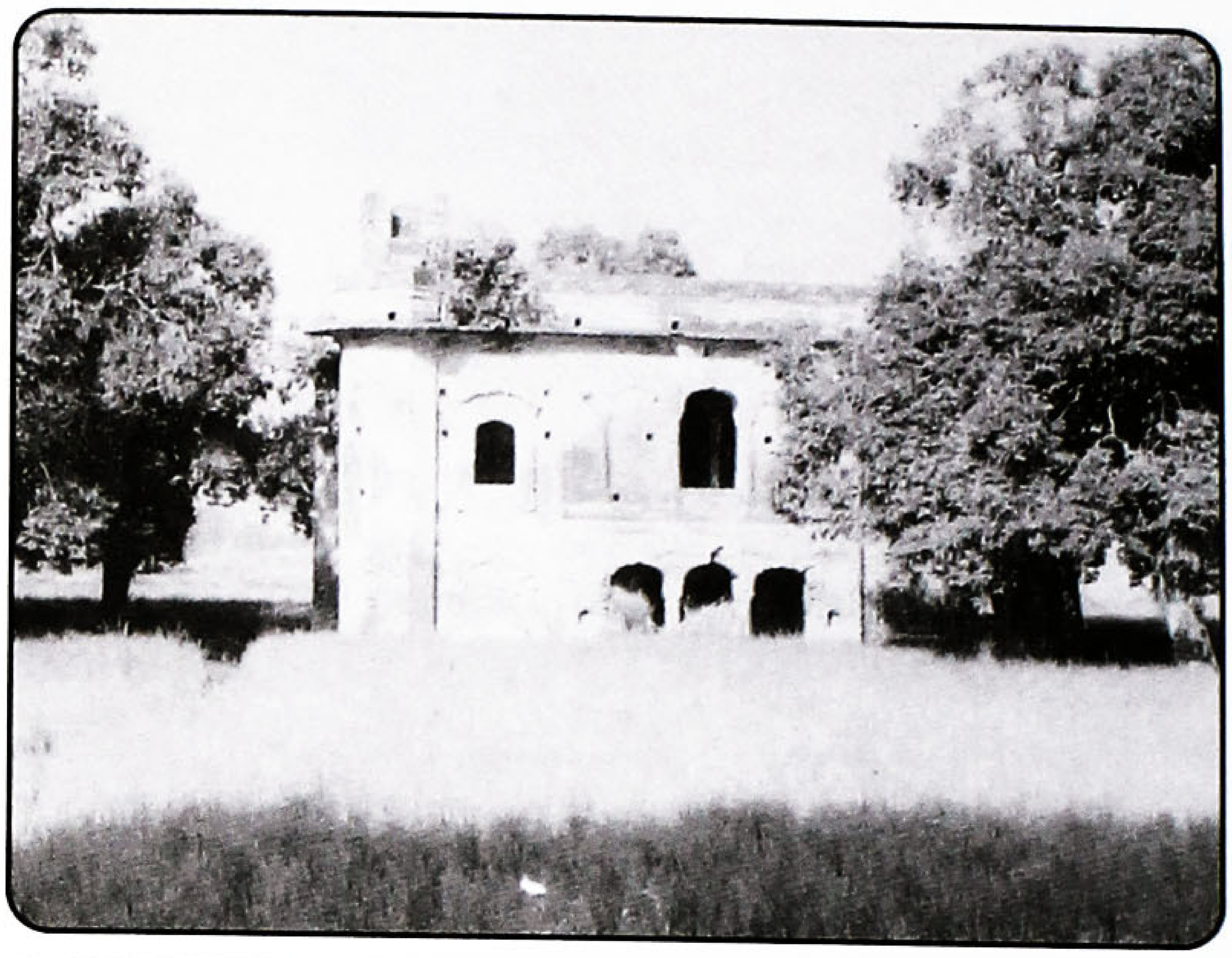

کنجاہ: دیوان کرپارام کا باغ

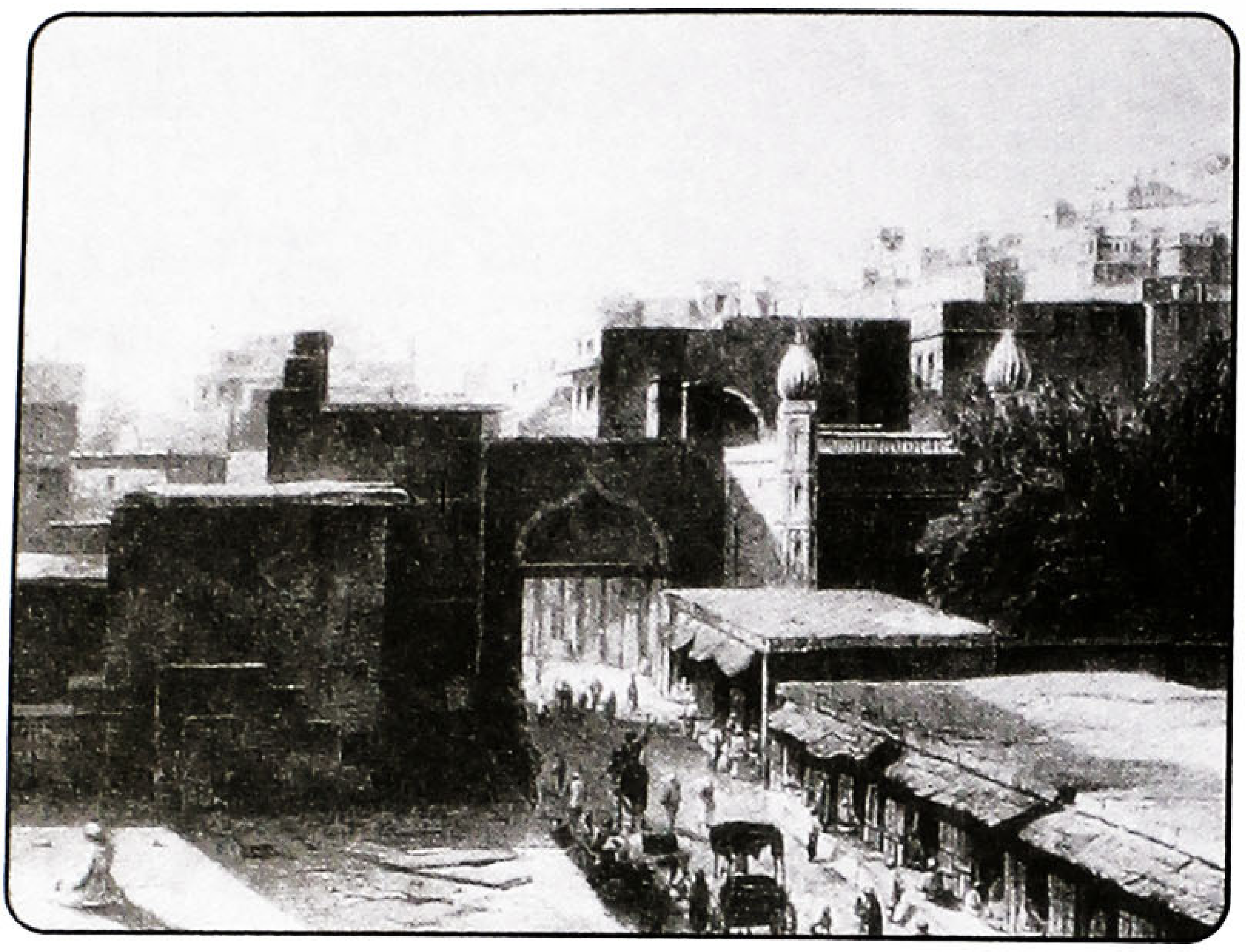

گجرات کا قلعہ 1852ء

گجرات کا انگریزی چرچ 1864ء

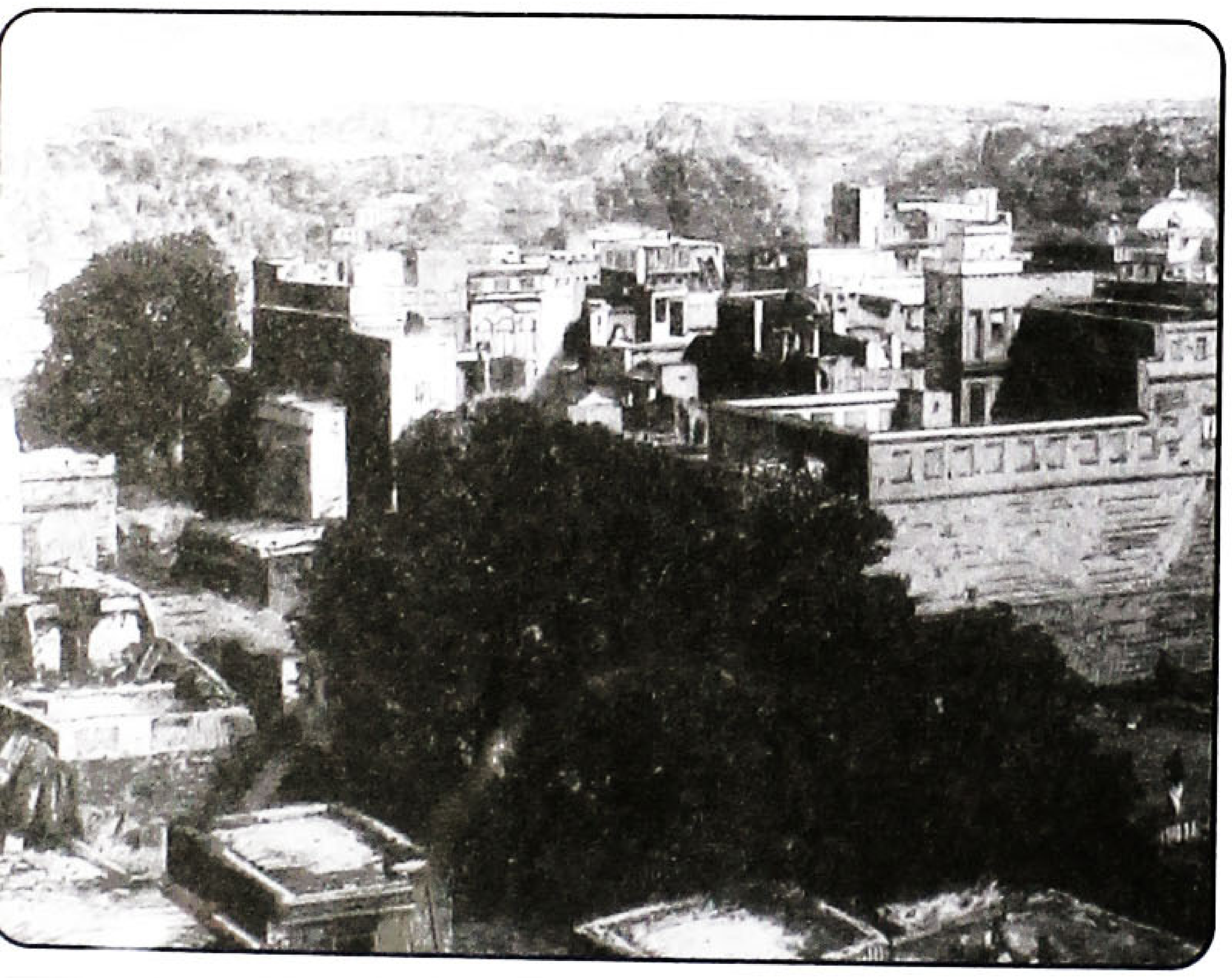

گجرات شہر کا ایک طائرانہ منظر 1864ء

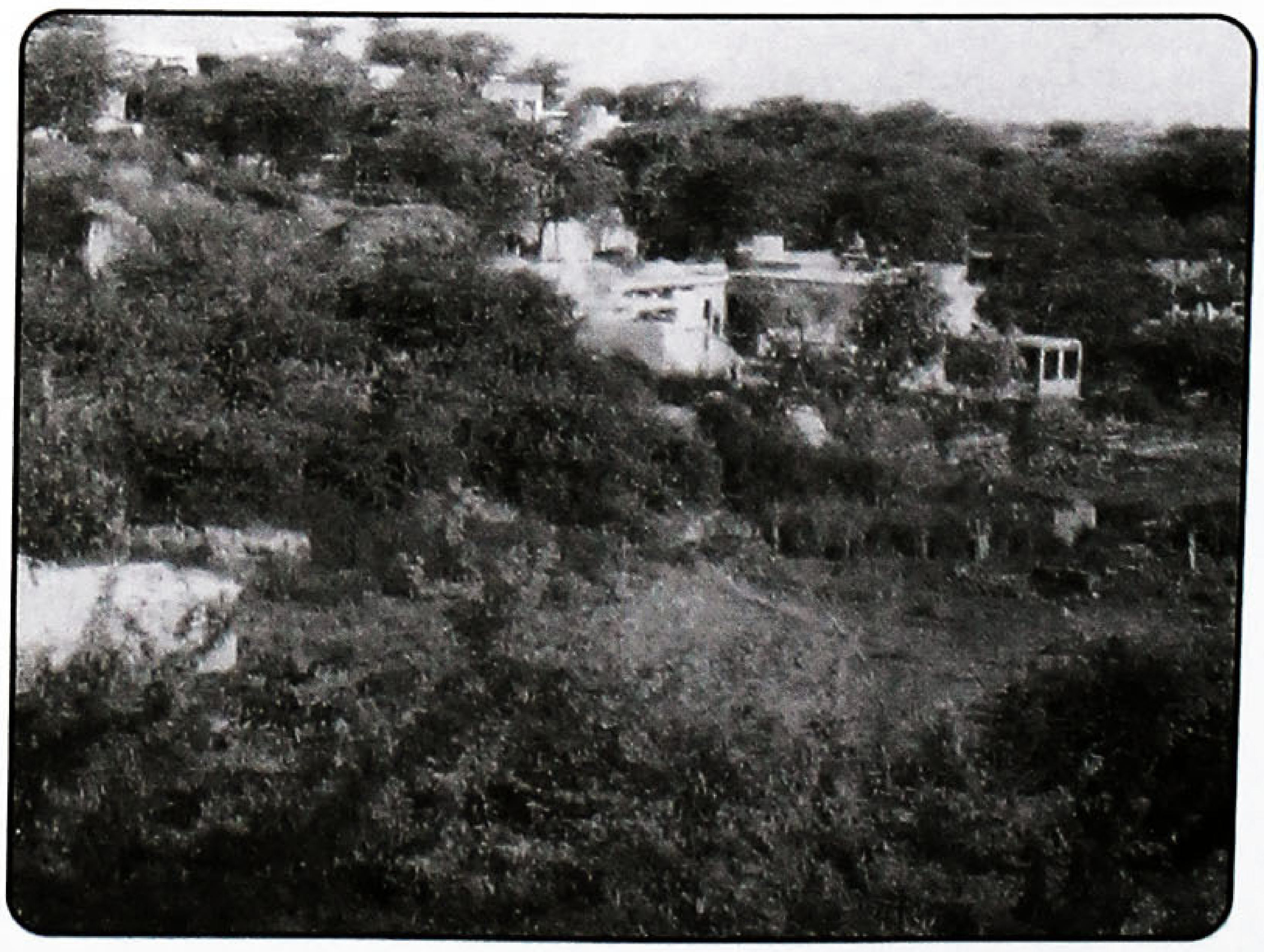

موضع بہلول پور کا ایک منظر

قلعہ گجرات کی شمالی دیوار

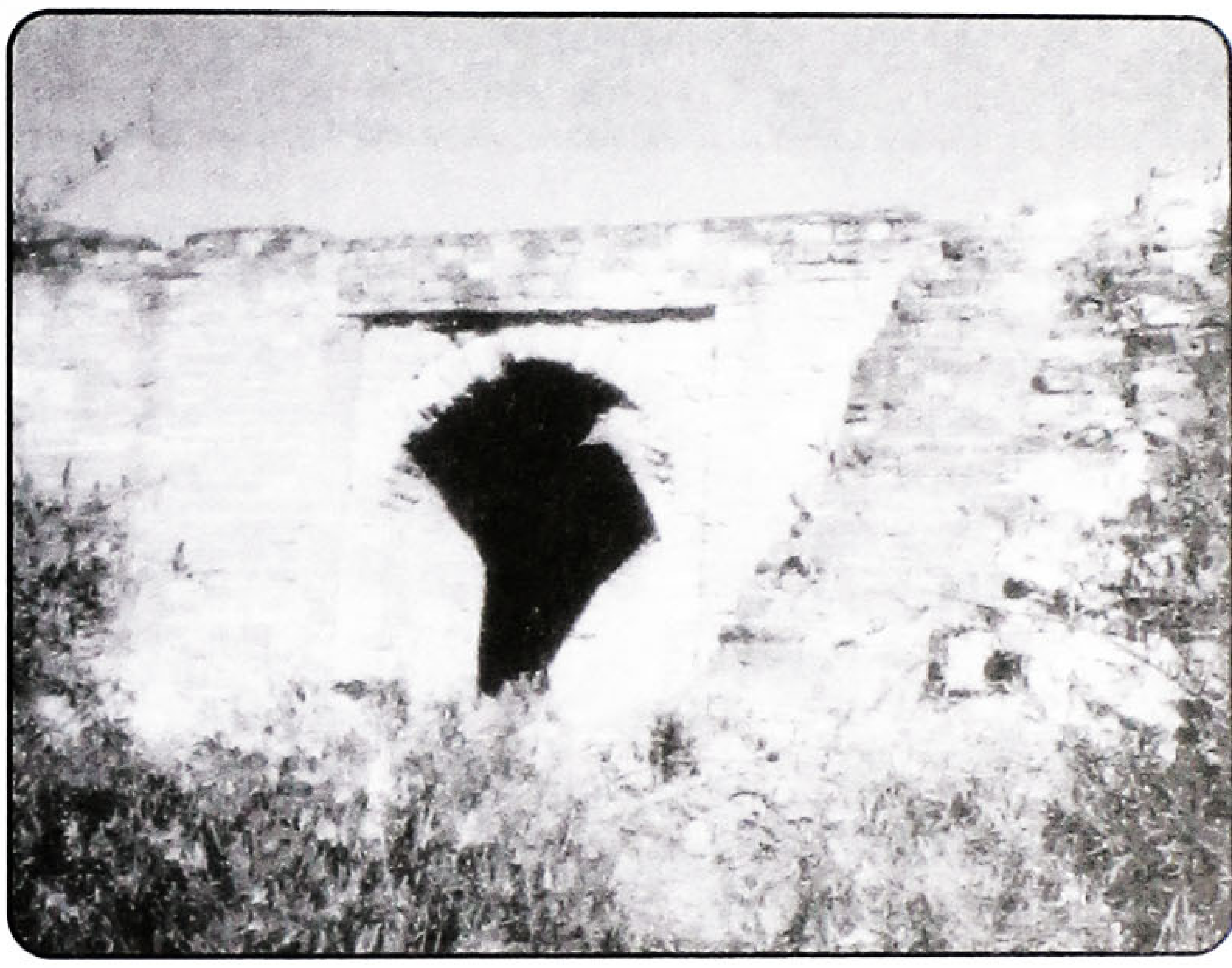

باگاں والی: اکبری دور کے باغ کا شاہی دروازہ

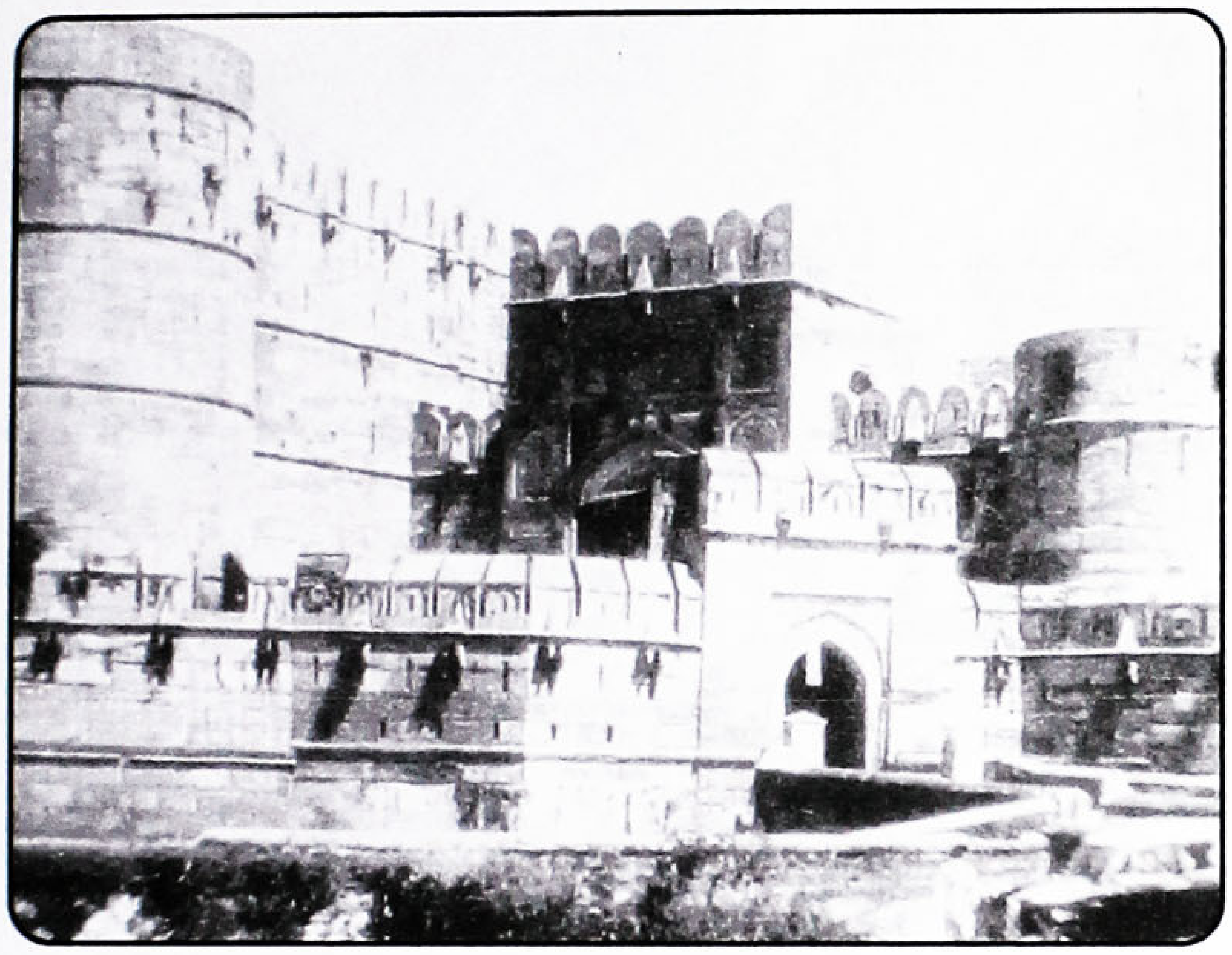

قلعہ آگرہ: اکبری دروازہ 1566-67ء

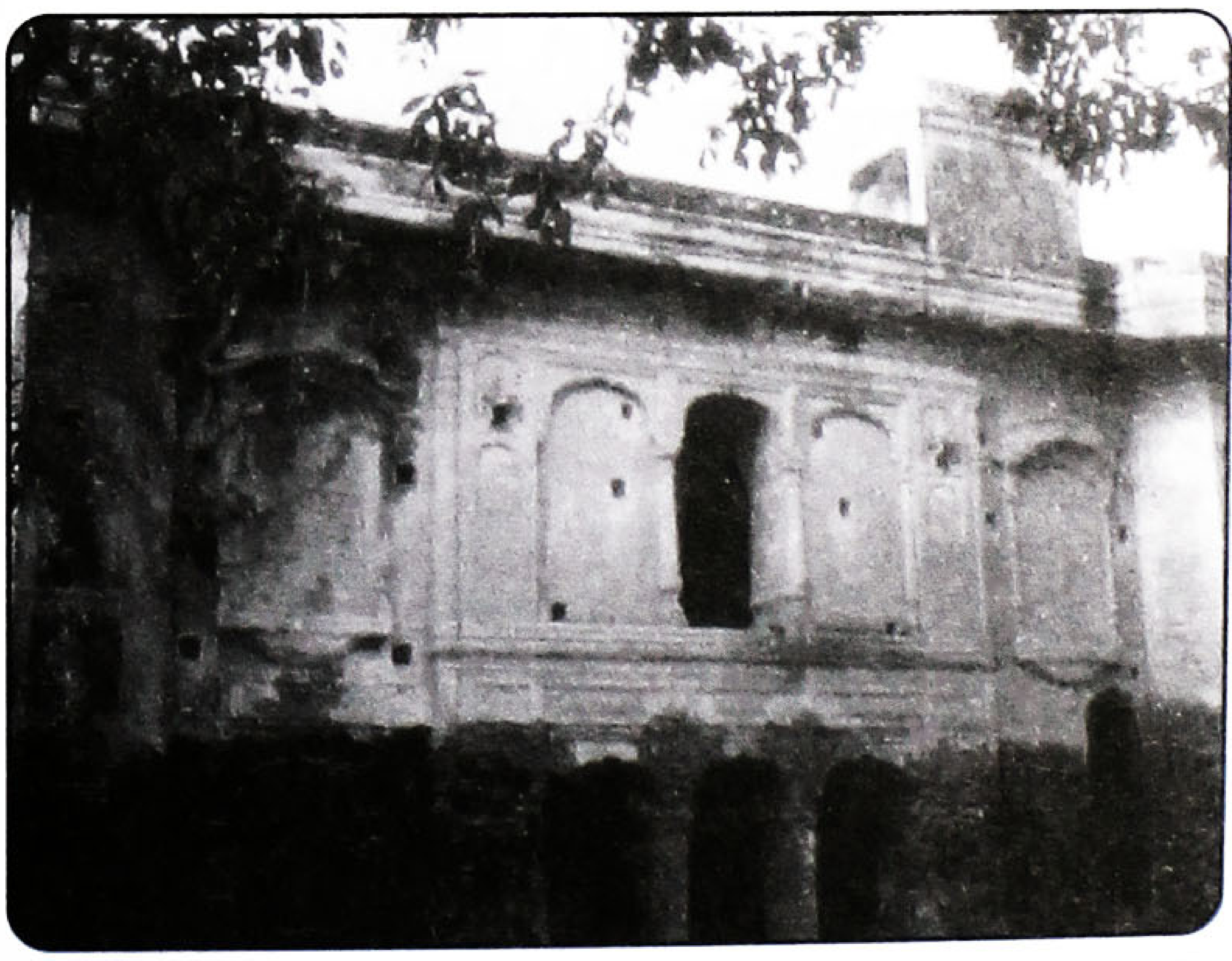

کنجاہ: بارہ دری

مقبرہ بیزن بیگ، قلعدار

گمٹی کی باؤلی

قلعدار کے مقام پر مسجد

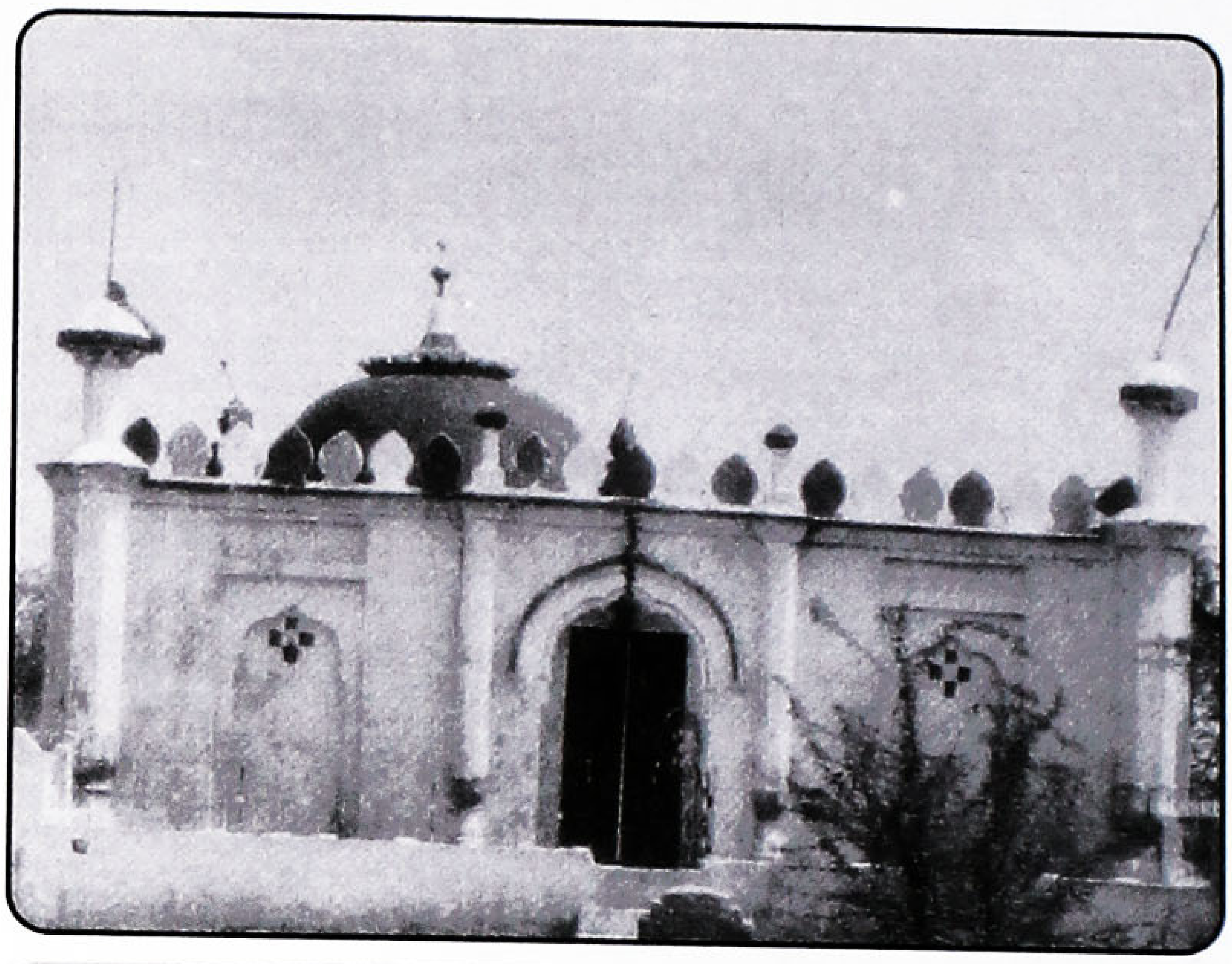

مقبرہ خواص خان، خواص پور

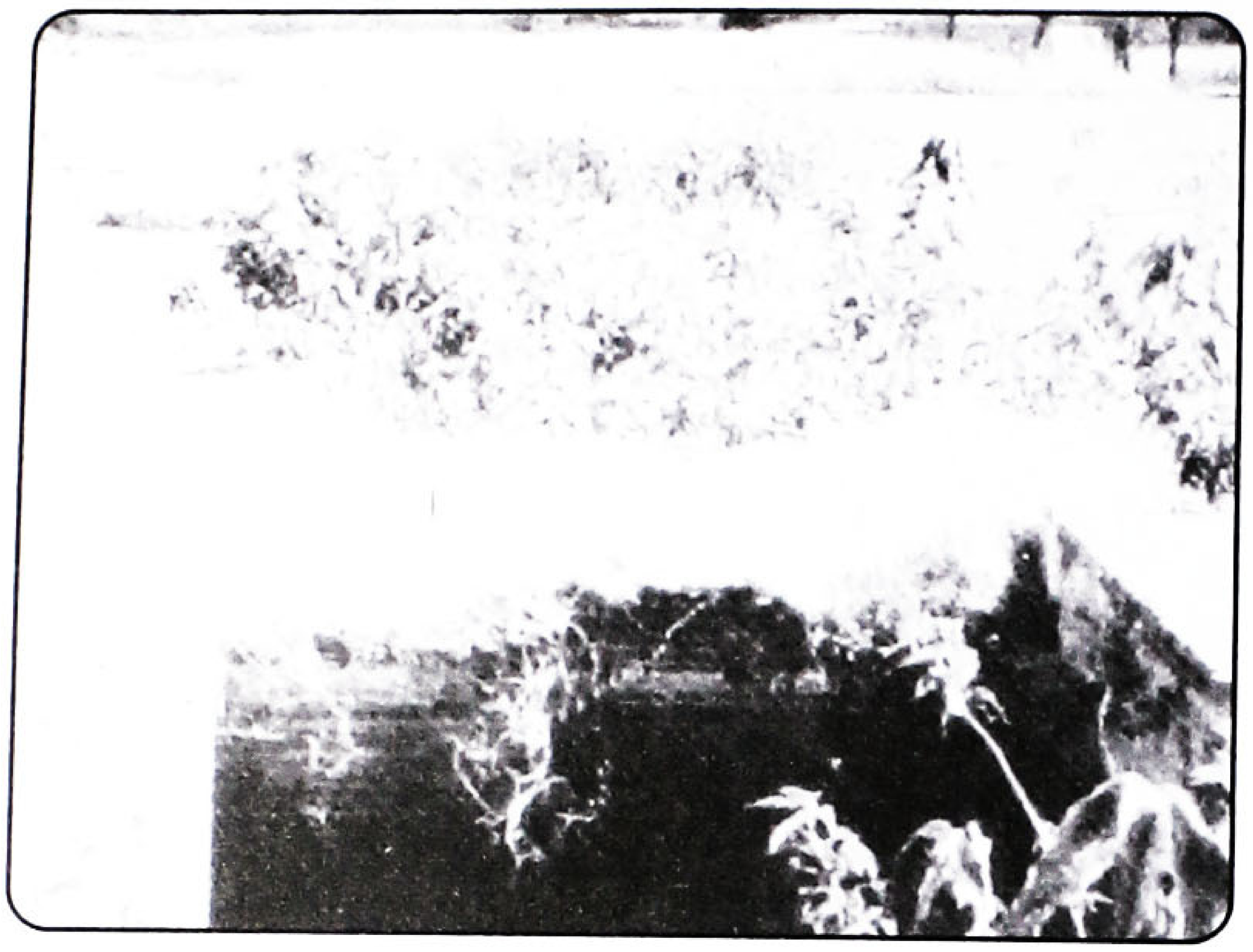

گمٹی کی باؤلی کا داخلی راستہ

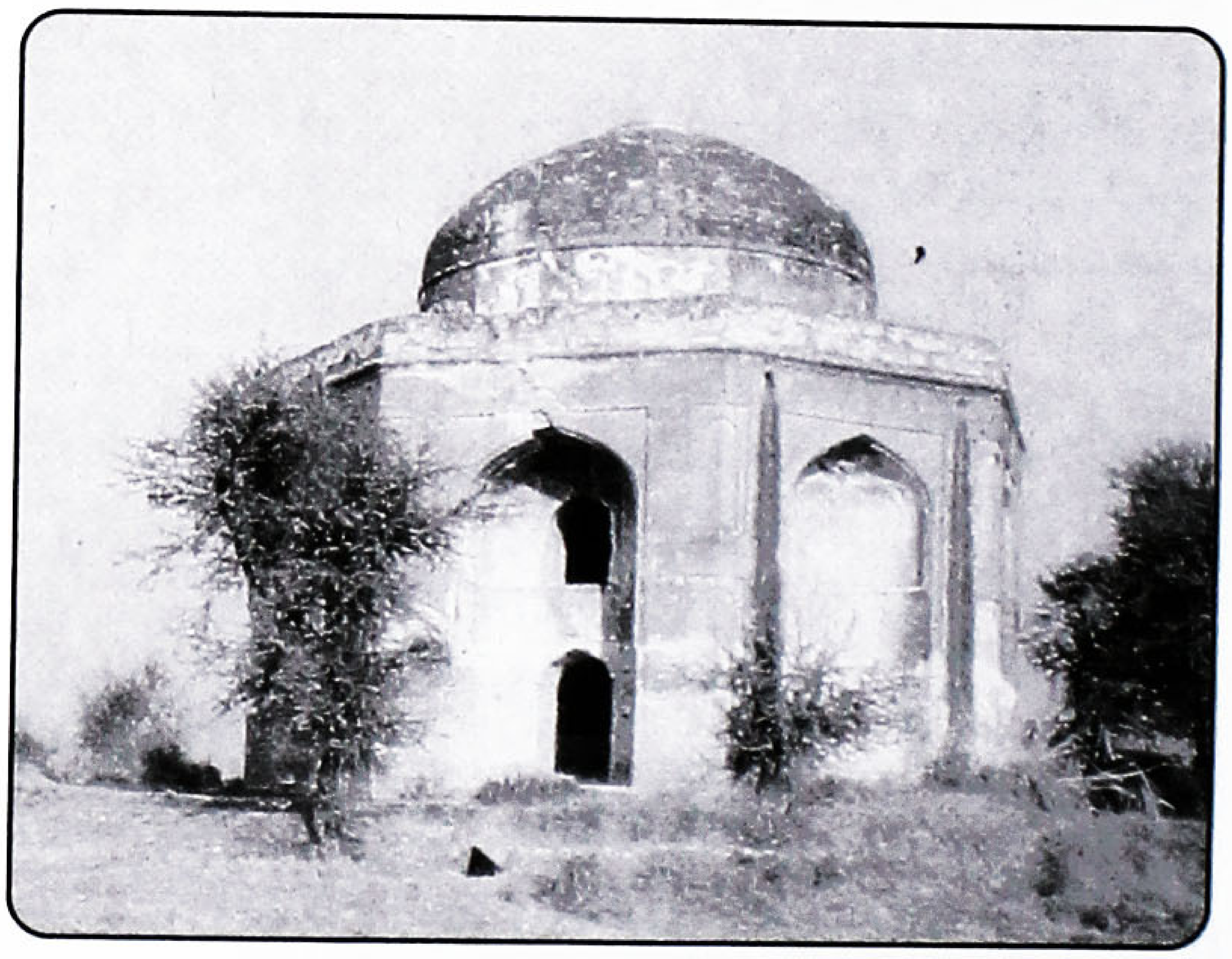

مقبرہ شیخ علی بیگ، ہیلاں

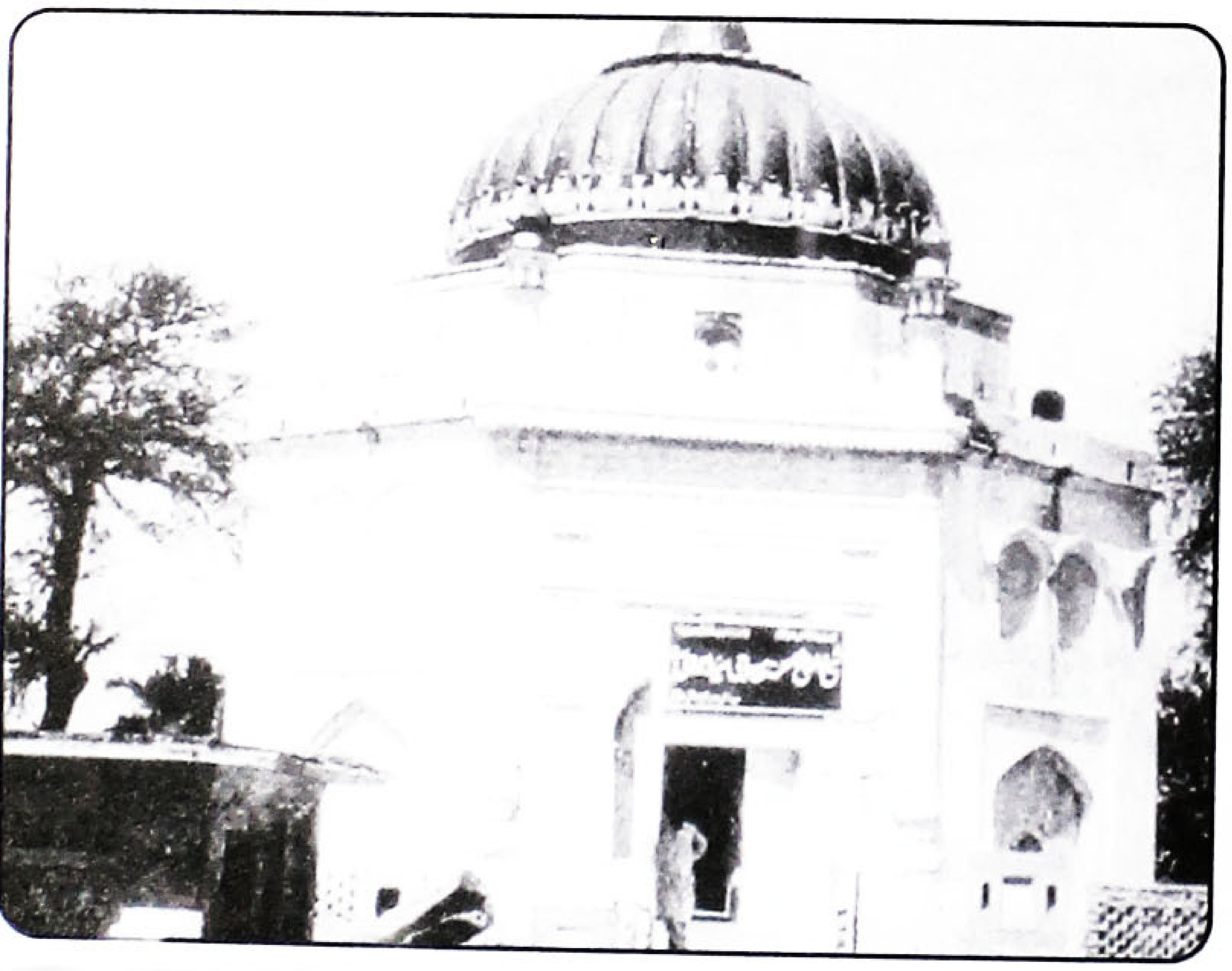

مقبرہ شیخ احمد: ملکوال

مقبرہ سعادت مند خاں، قادر آباد

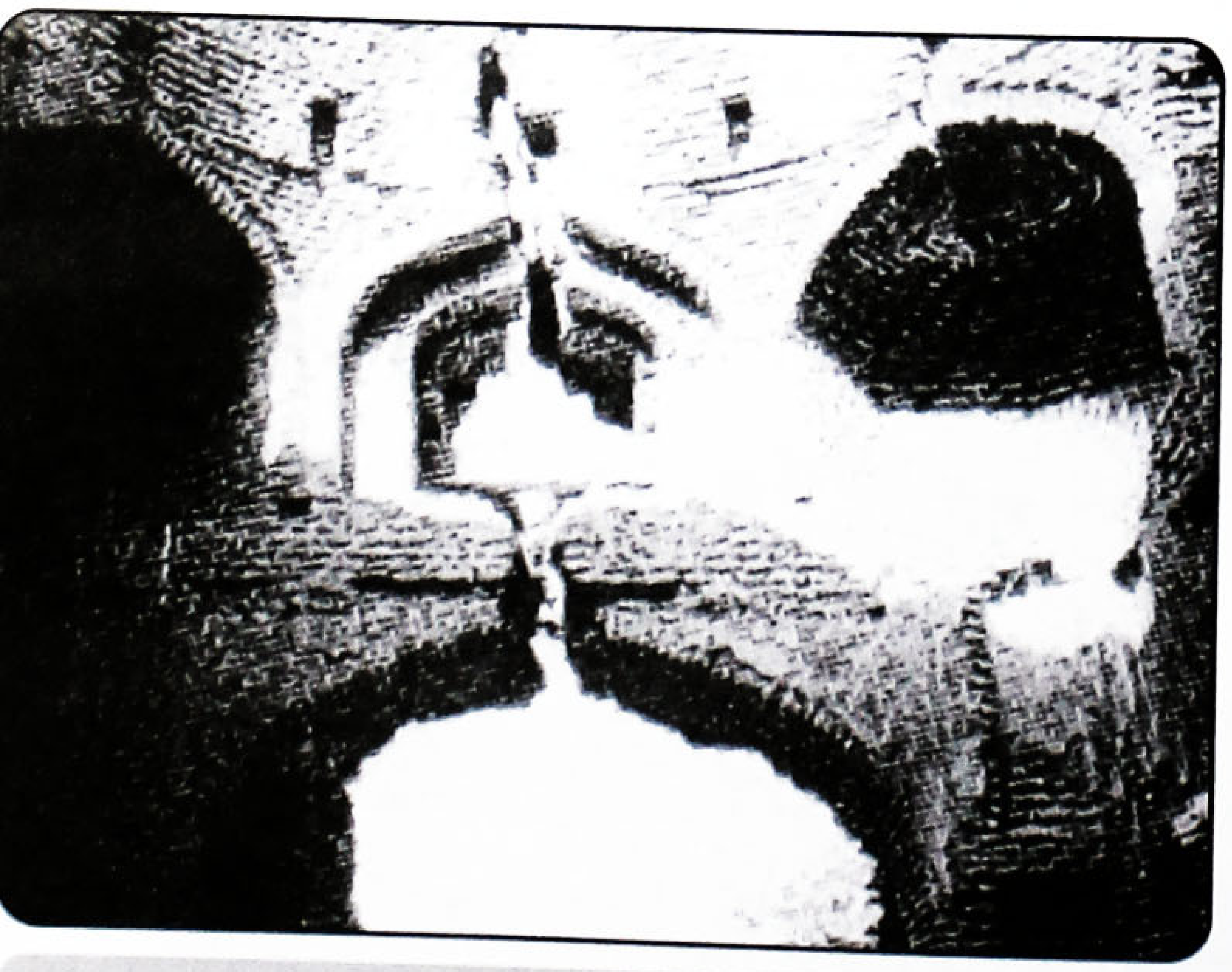

مقبرہ سعادت مند خاں قادر آباد، محرابی تعمیر کا منظر

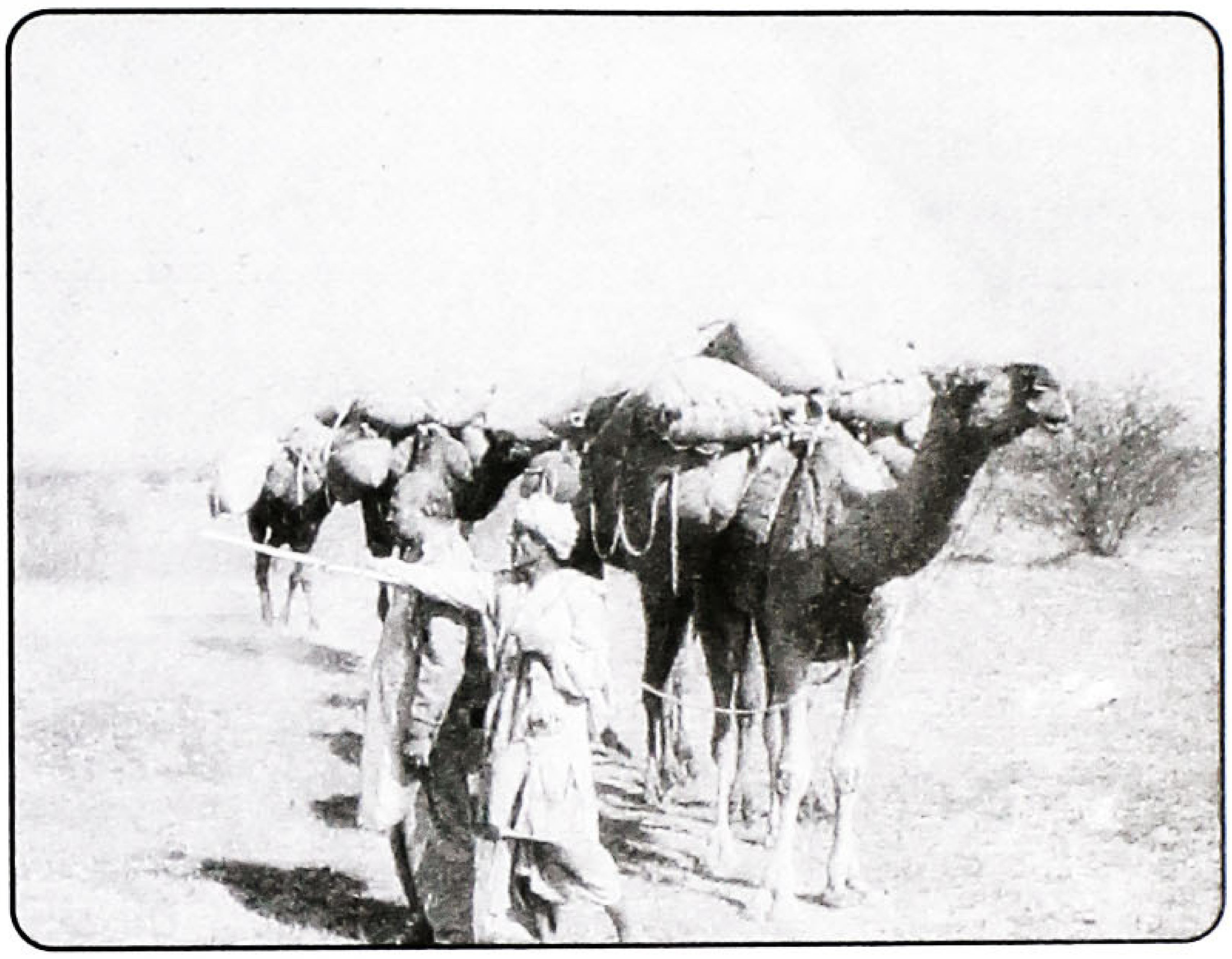

گجرات: تاریخی تجارتی راستہ

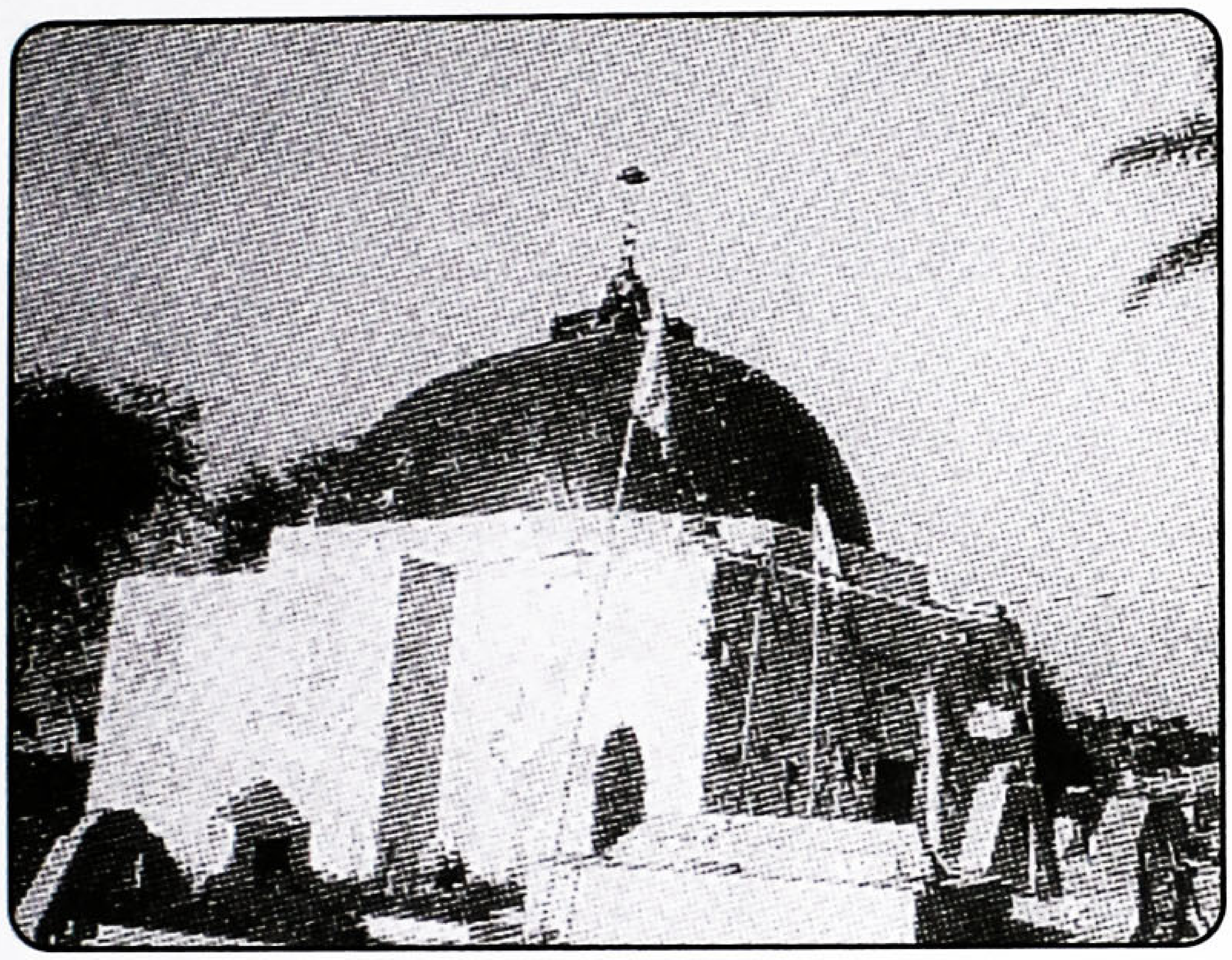

کنجاہ: مقبرہ پیر سبز غازی

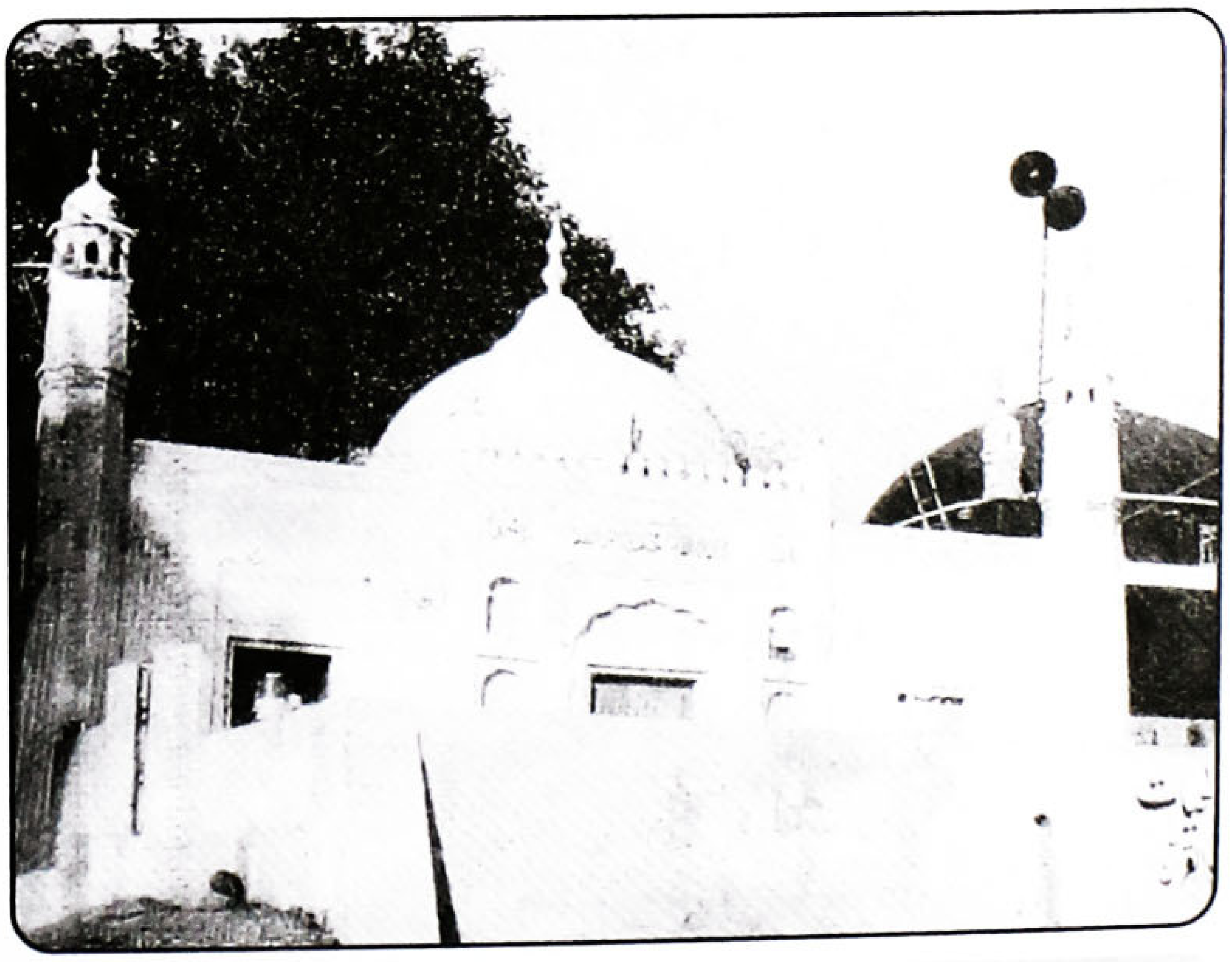

مسجد حافظ حیات

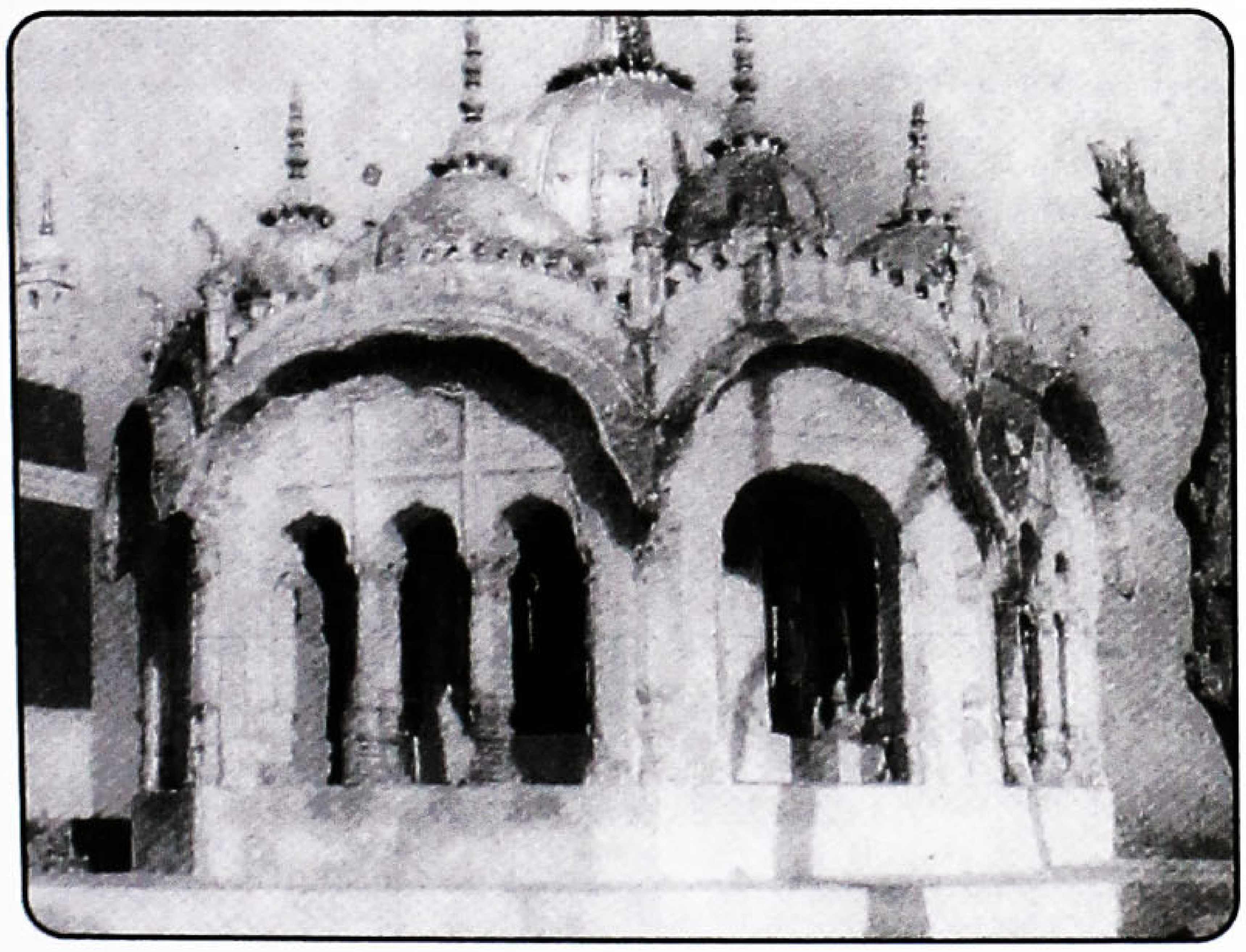

مقبرہ عمر بخش

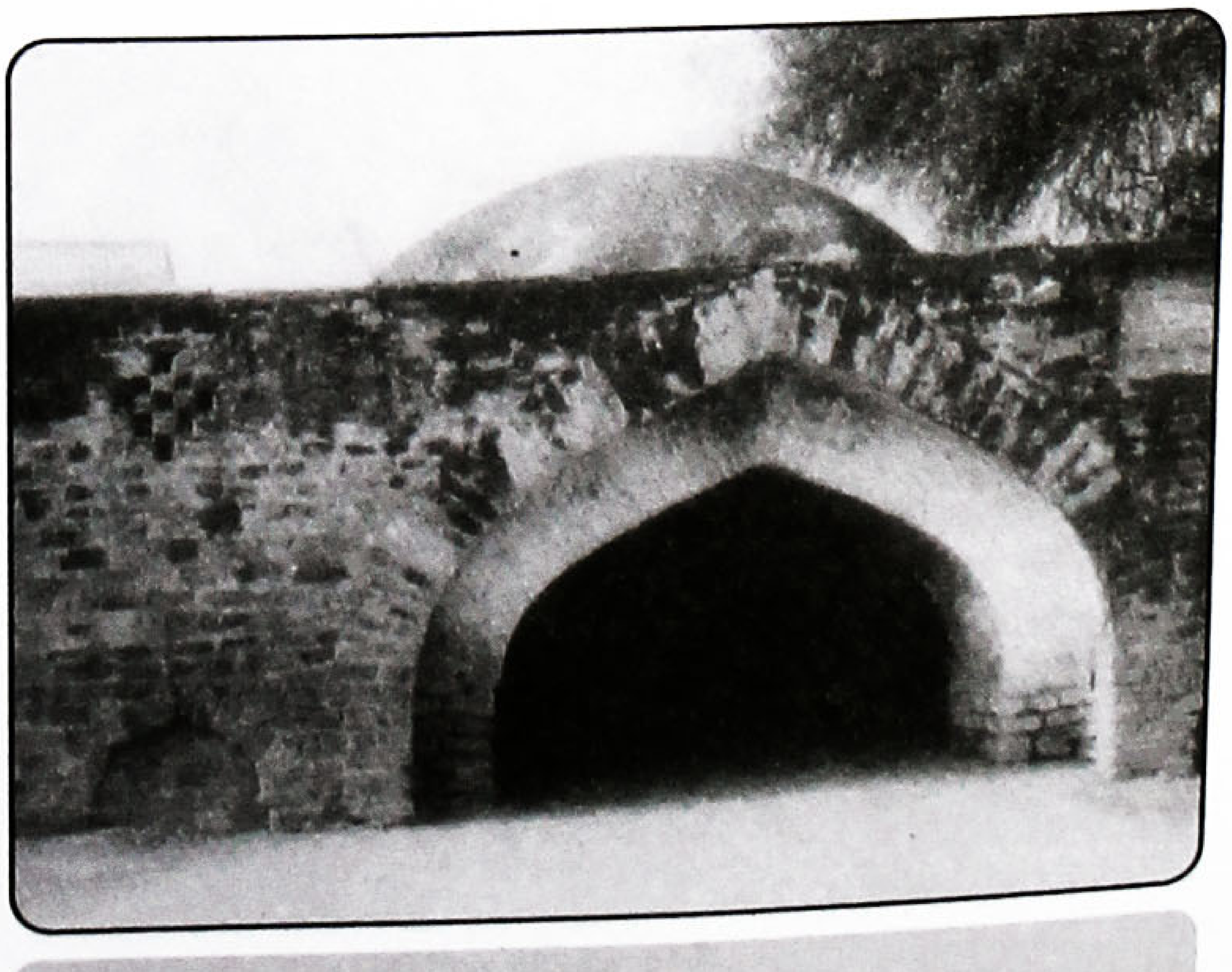

کھاریاں: اکبری باؤلی کا صدر راستہ

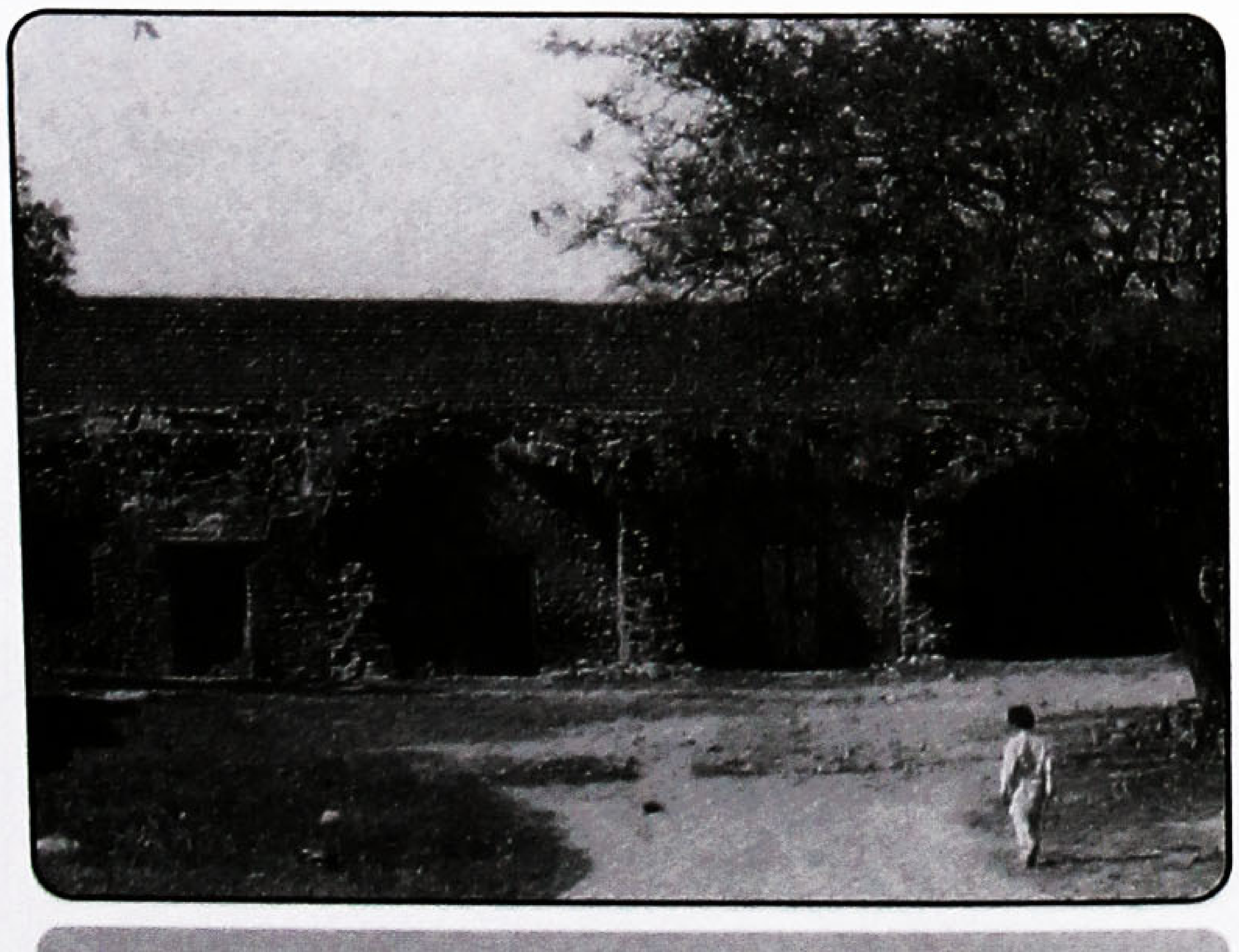

بھمبر: اکبری سرائے

بارہ دری حافظ حیات

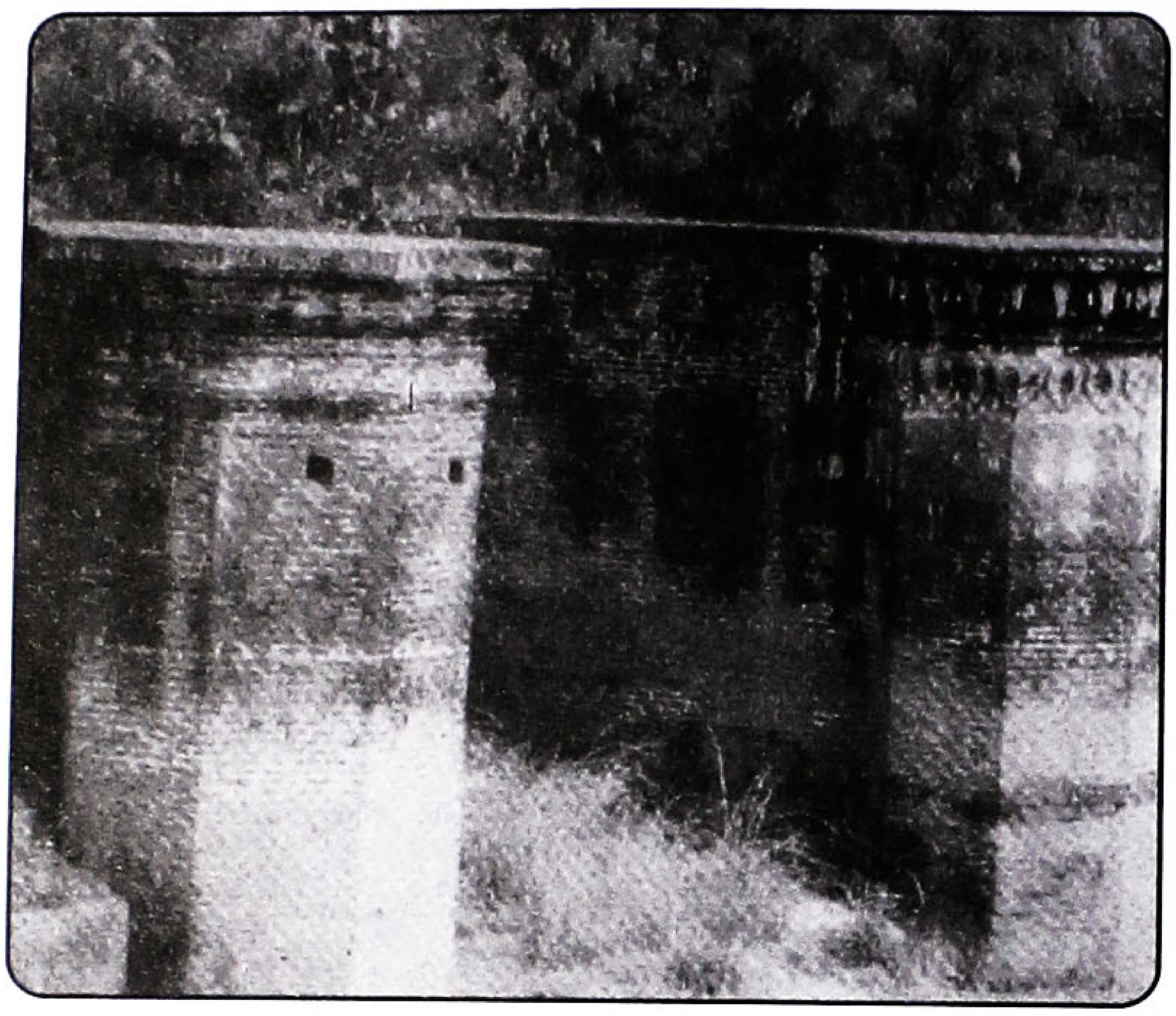

ہشت پہلو مینار بنی بنگلہ

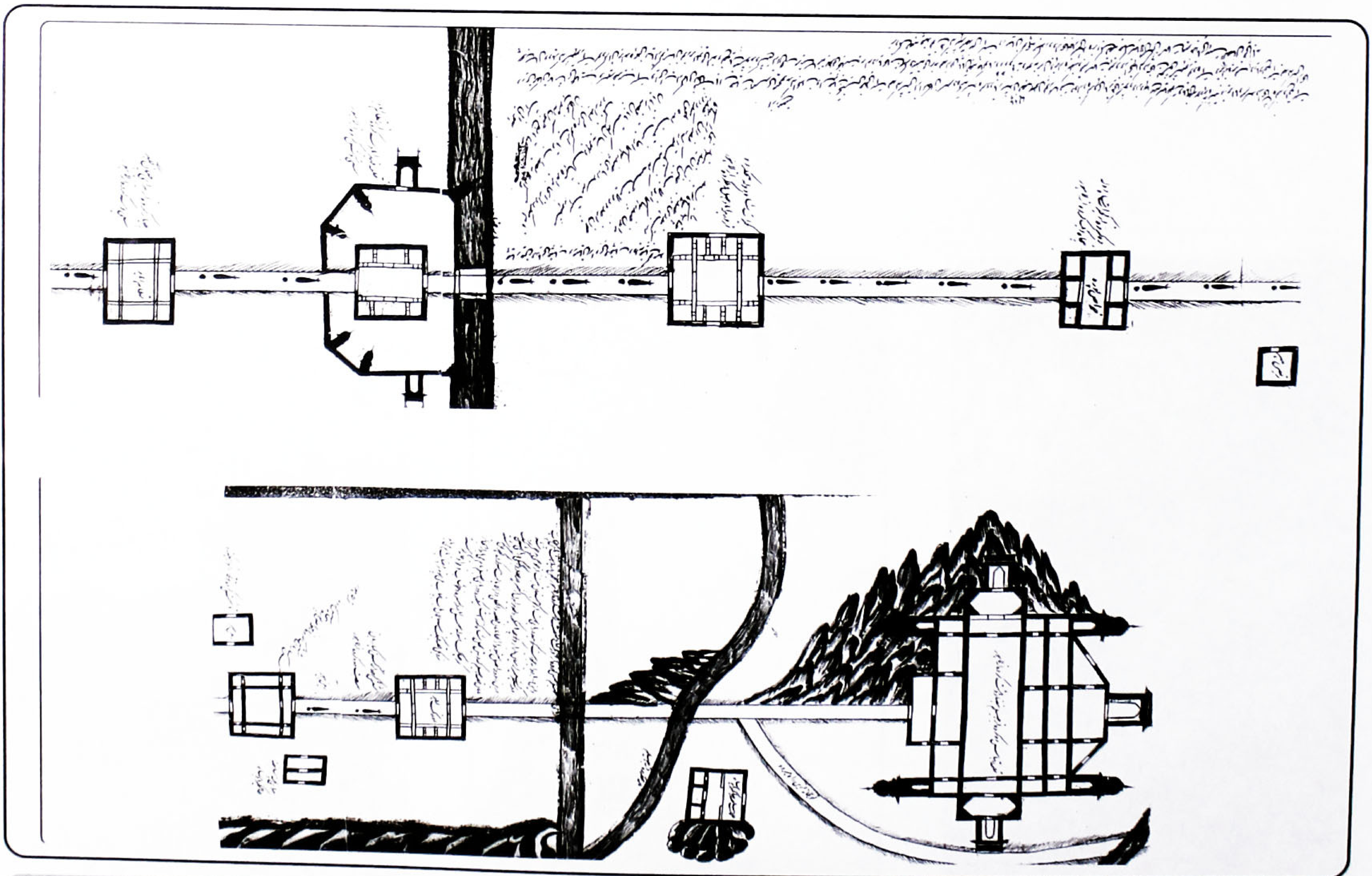

شاہراہ اعظم: نظام آباد سے روہتاس جاتے ہوئے

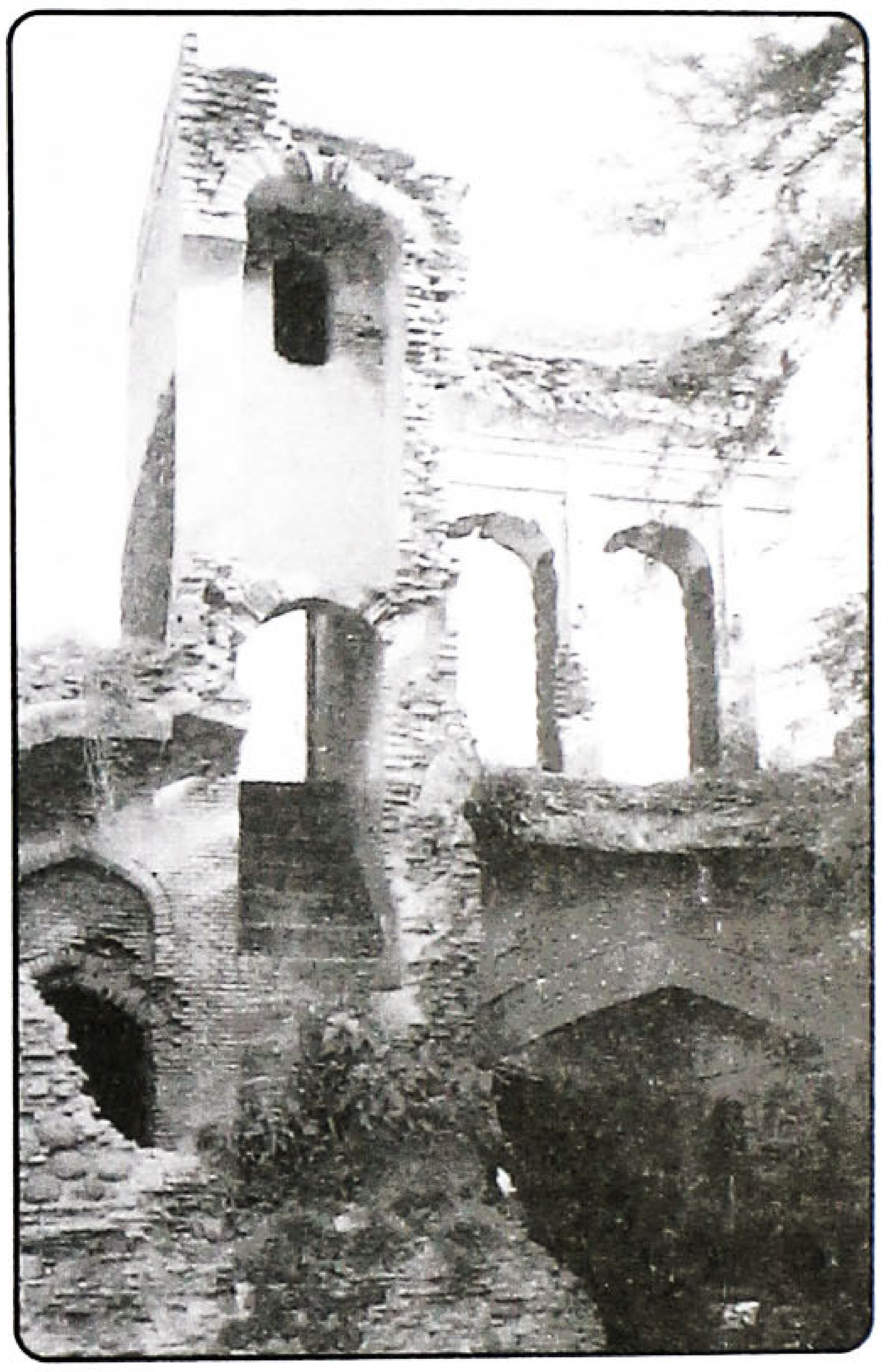

کنجاہ: باغ دیوان کرپارام کا صدر دروازہ

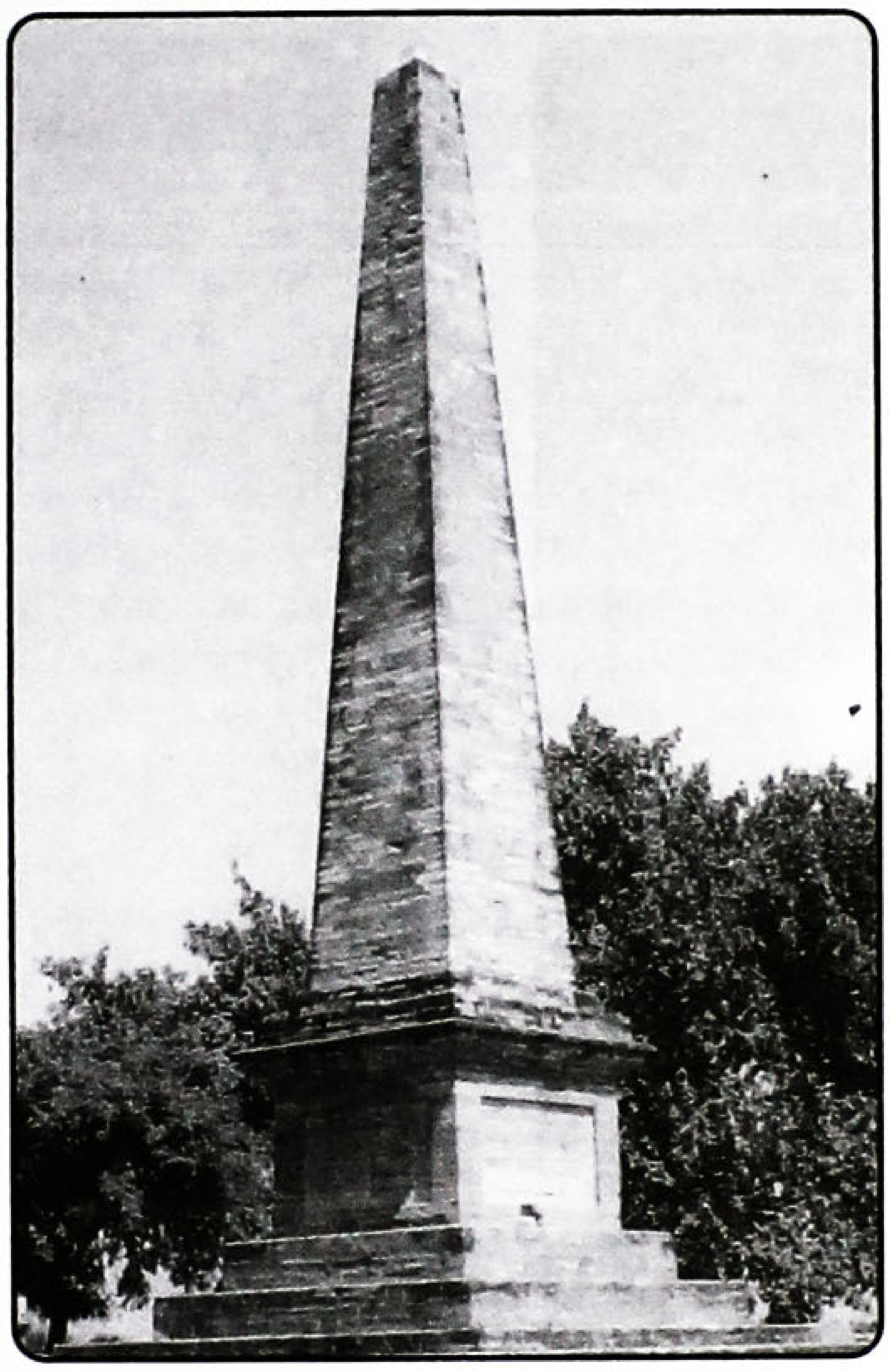

یادگار معرکہ چیلیانوالہ 1849ء

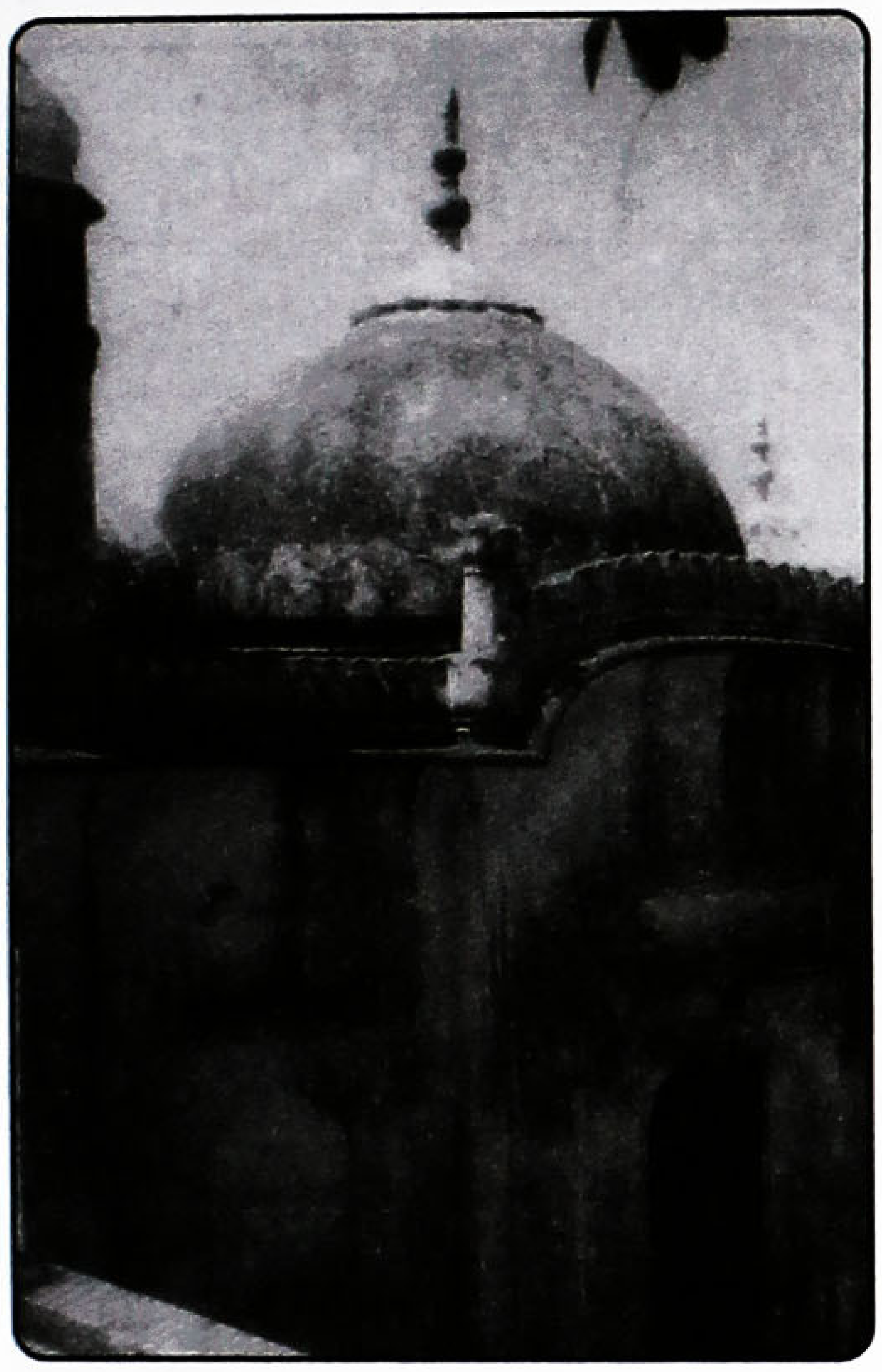

برنالی کے مقام پر مسجد

شاہدولہ گیٹ، سرکلر روڈ

صلیب نجات چیلیانوالہ

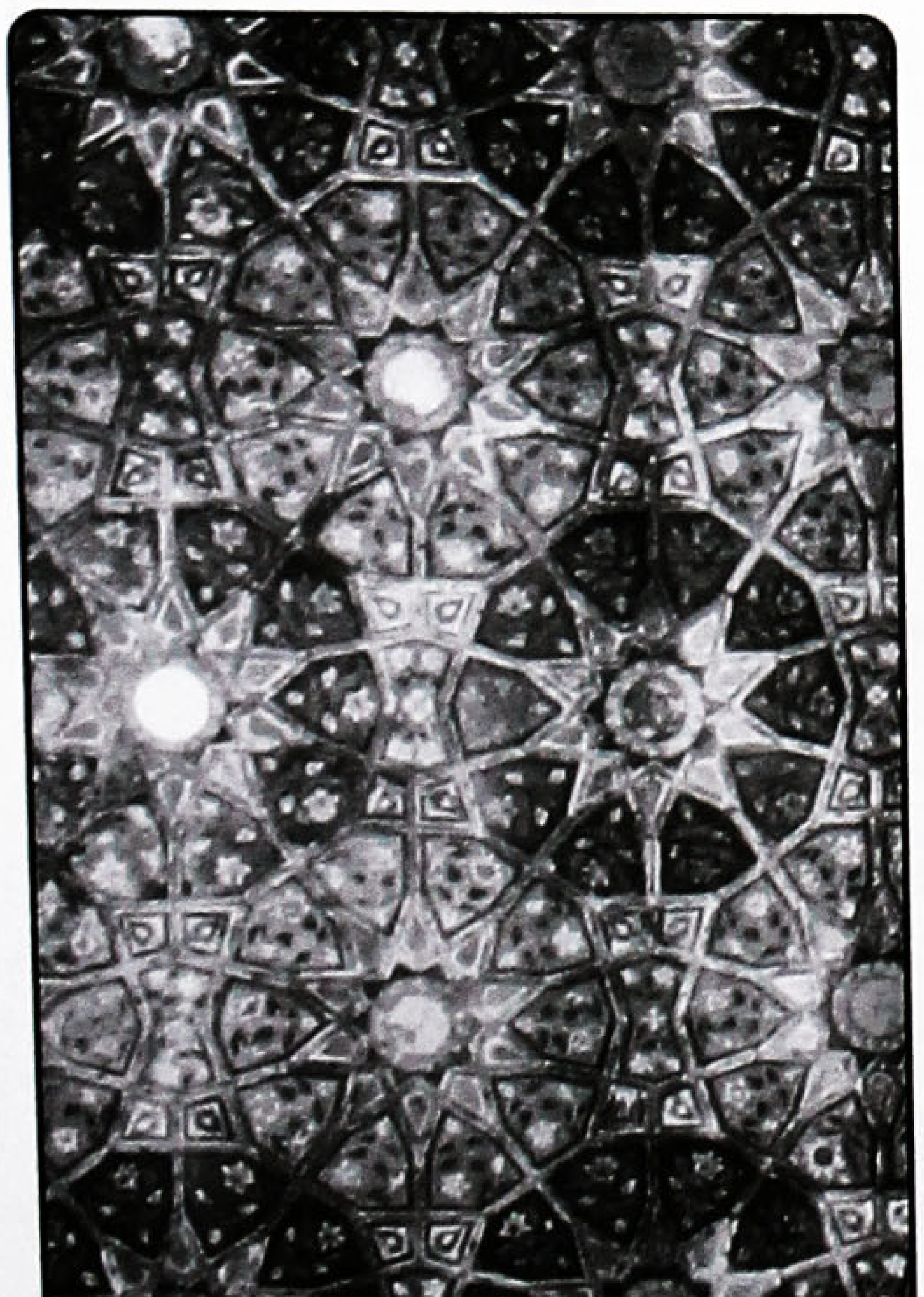

بہووال: مسجد شیخ احمد کی اندرونی چھت کا منظر

نوٹ

(۱) صفحہ ۵۶۵ پر عنایت اللہ شاہ غازی کو فاضل دیوبند لکھا ہے جبکہ آپ نے دیوبند سے نہیں بلکہ سے مقام پر تعلیم پائی۔

(۲) صفحہ نمبر ۳۰۹ پر عارف علی میر صاحب کے مضمون میں کمپوزنگ کی اغلاط کی وجہ سے تاریخ تبدیل ہوئی ہے بعض جگہوں پر جیسے دس سال تک پڑھتے رہے

(۳) تصاویر میں نجاہ بارہ دری اور کرپا رام کا باغ ایک ہی ہے۔ اس کو دو علیحدہ علیحدہ تصاویر میں دیا گیا ہے۔ (۴) اسی طرح نجاہ میں ہی مقبرہ پیر سبز غازی کو بھی چودہ پندرہ سال سے عالیشان نیا تعمیر ہو چکا ہے۔ اس کی تصویر بہت ہی پرانی ہے (۵) مقبرہ بیزن بیگ خلعدار میں نیا بن چکا ہے۔ (۶) دیوان کرپا رام باغ کا دروازہ اب ختم ہو چکا ہے۔ اور وہاں اب مکانات بن چکے ہیں۔ نجاہ۔

(۷)

Marfat.com

جامعہ گجرات کی چند تصانیف

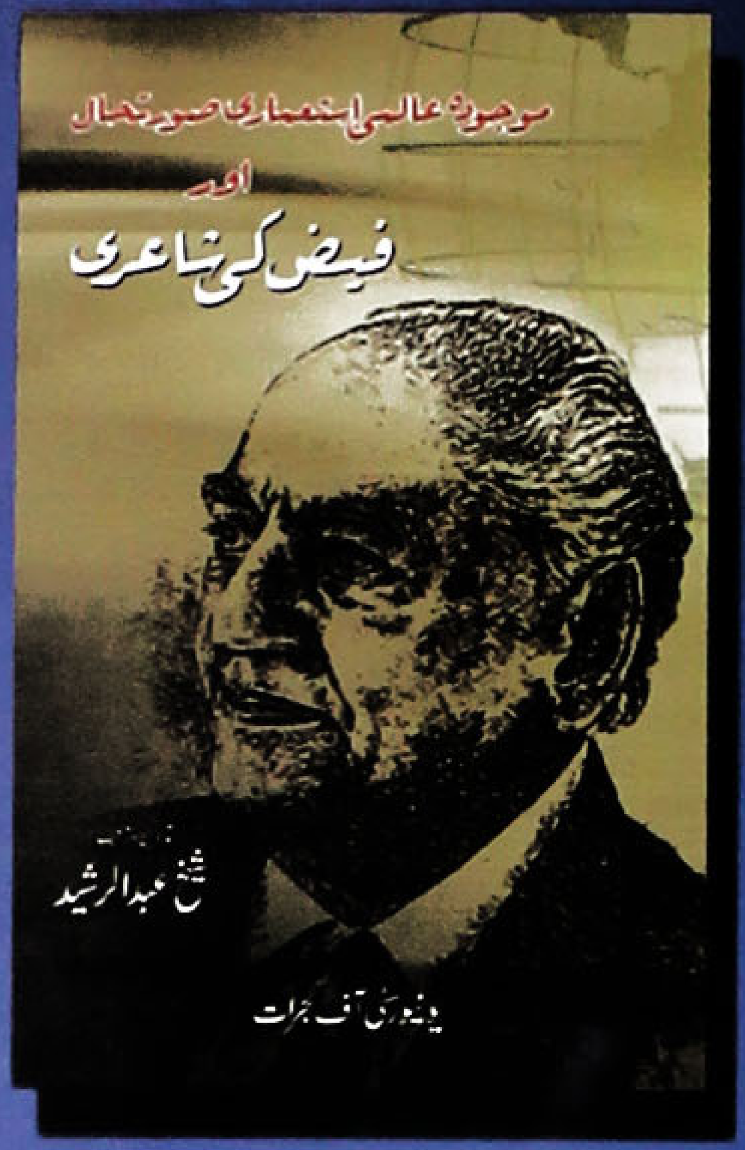

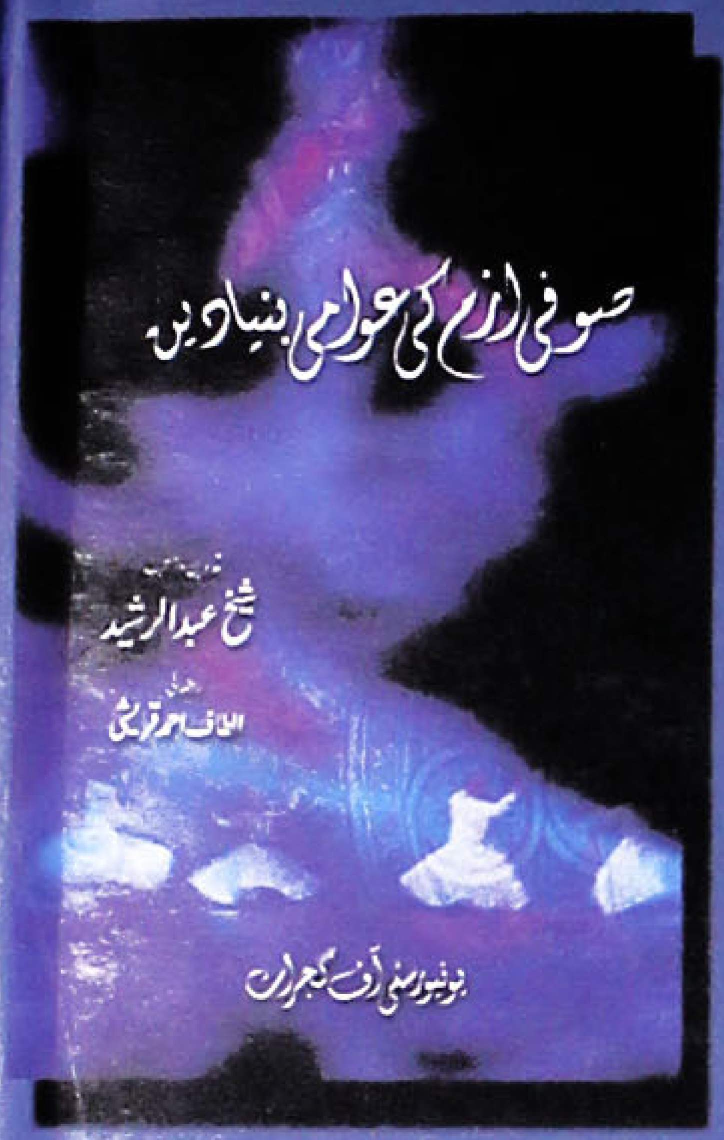

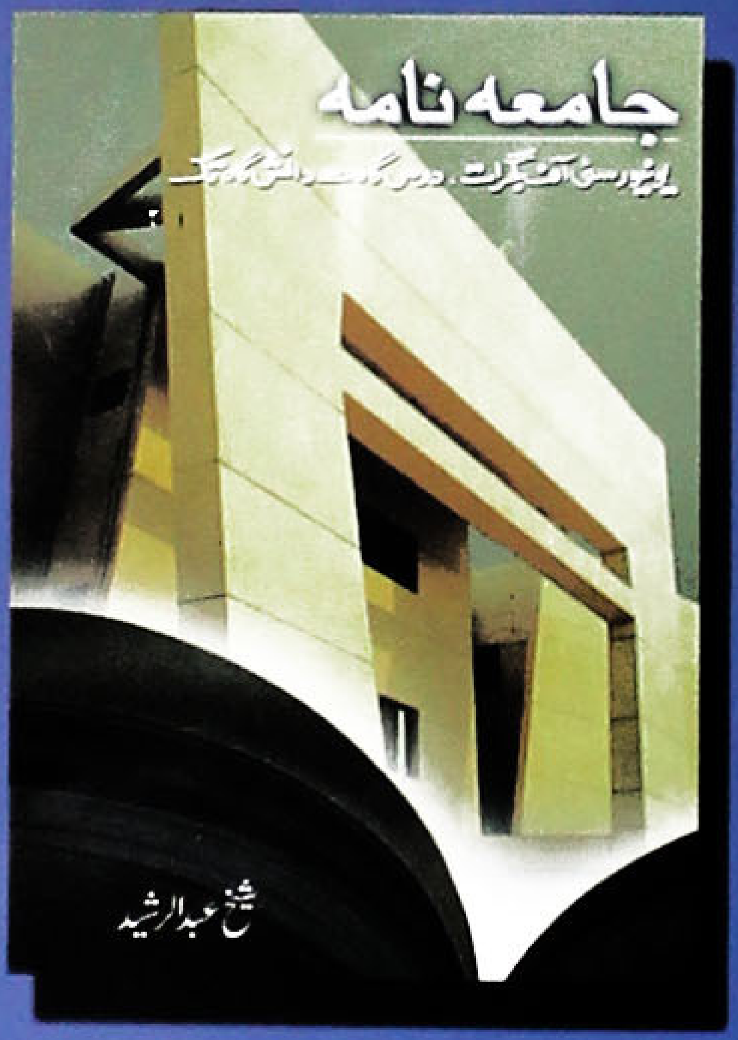

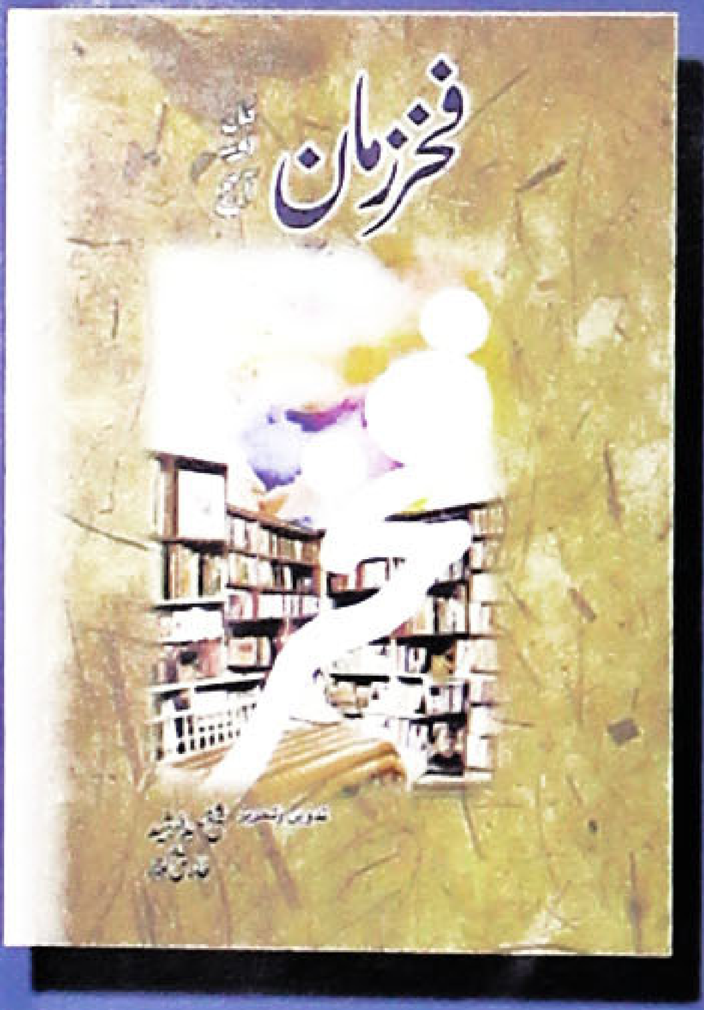

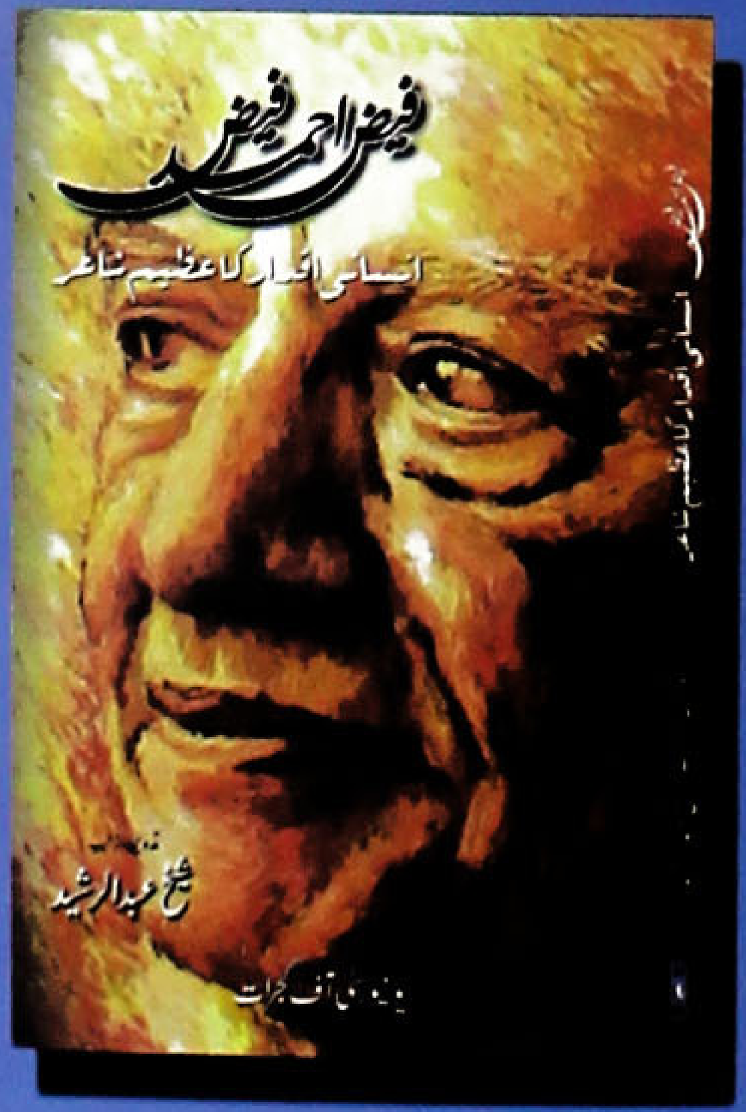

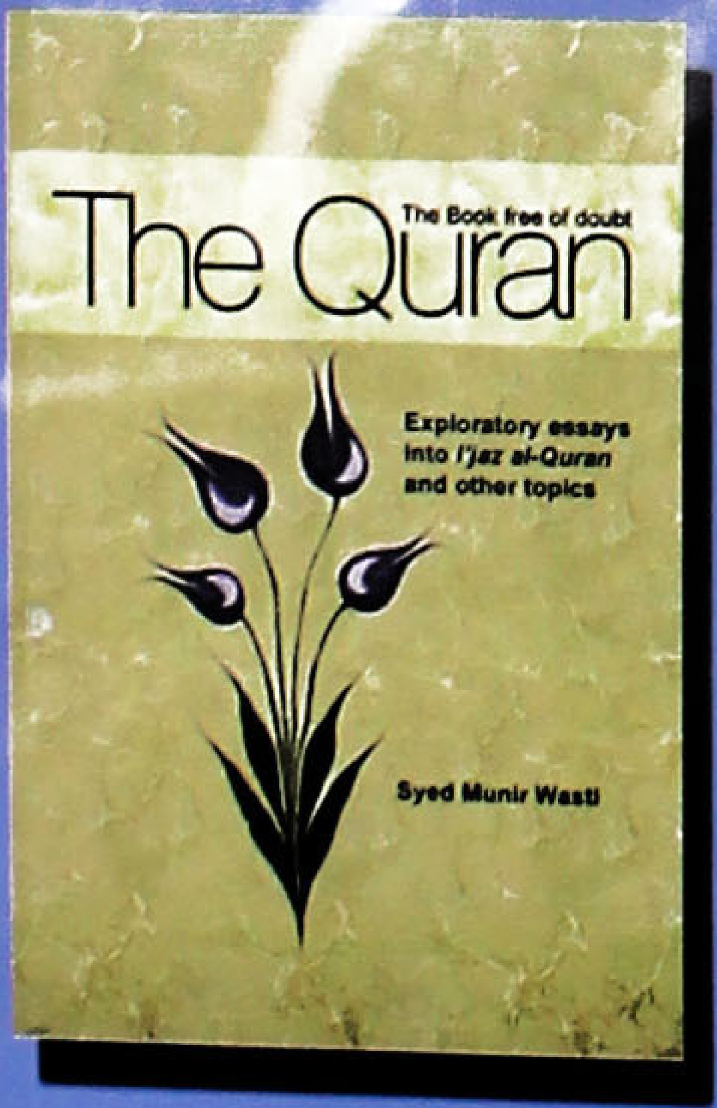

جامعہ گجرات کا انتظام سنبھالتے ہی مجھے ادراک ہو گیا تھا کہ کام مشکل ہے اور منزل دور، ایک تو یونیورسٹی بالکل نئی دوسرے چھوٹا شہر۔ اس پر مستزاد یہ کہ گجرات ایک بھرپور معاشرتی وجود رکھتا ہے لیکن مجھے بہت جلد اطمینان ہو گیا کہ یہاں ہم خیال ساتھیوں کی کمی نہیں اور مددگاروں کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ میرا خیال ہے کہ جامعات بند جزیروں کی مانند نہیں ہوتیں چنانچہ میں نے جامعہ گجرات کو ''دانشگاہ'' کی شناخت دینے کا عزم کیا۔

میں نے بصد کوشش یونیورسٹی آف گجرات میں ڈائریکٹوریٹ آف میڈیا اینڈ پبلیکیشنز کا قیام اور اشاعت کا ایک مربوط نظام ممکن بنایا جس کے شعبہ تصنیف و تالیف کی ٹیم داد و تحسین کی مستحق ہے کہ اس کے زیر اہتمام ہم اب تک کئی کتب اور رپورٹس شائع کر چکے ہیں جن کے معیار کو ہر سطح پر پذیرائی ملی اور علمی کام کو تسلیم کیا گیا۔ اسی شعبہ کے زیر انتظام نئی پیش کش ''گجرات پیڈیا'' جلد اوّل ایک گرانقدر اضافہ ہے کیونکہ اپنے آج کو سمجھنے کے لیے تاریخ کے بحر میں غوطہ زن ہونا ضروری ہے۔ ''گجرات پیڈیا'' ایسی کاوش ہے جس کے ذریعے ہم اس علاقے کی جغرافیائی و تاریخی، سیاسی و سماجی، اور علمی و ادبی اہمیت کا درست ادراک کر سکتے ہیں۔ یہ خطہ گجرات کی تاریخ، معاشرے اور ادب کے ارتقائی سفر کی کہانی ہے۔ اس کے ذریعے ہم کل اور آج کے گجرات میں تبدیلی کو محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ احساس اور فہم ہی اس علاقے کے مستقبل کا تعین کرنے میں ہمارا معاون و مددگار ہو سکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین
وائس چانسلر
یونیورسٹی آف گجرات

Designed & Printed at University of Gujrat Press, Gujrat

UNIVERSITY OF GUJRAT
UOG
PRESS

ISBN: 978-969-9339-09-7
9 789699 339097